حل شدہ پرچہ جات کا مجموعہ
الجواب للعالمیة
لحل اسئلة العالمیة
حضرت مولانا محمد یٰسین شاکر صاحب
مکتبہ زکریا
0300-6357913, 0313-6357913

# فہرست مضامین

Scanned with CamScanner

# پیش لفظ

بندہ لاشیئ علمی دنیا میں کسی خاص تعارف کا حامل نہیں ہے اور نہ اس قابل ہے کہ اہل علم کی خدمت میں کوئی ہدیہ پیش کرنے کی جسارت کرے۔

اس سے قبل والد محترم مولانا محمد یٰسین شاکر صاحب استاذ الحدیث والتفسیر جامعہ خیر المدارس ملتان نے اپنے تدریسی تجربات کی روشنی میں طلباء وطالبات کے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے امتحانات کے پرچہ جات کو عام فہم انداز میں حل کر کے اہلِ علم کی خدمت میں پیش کیا تھا اور اسی سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے درجہ عالیہ بنین کے سوالیہ پرچہ جات کا حل پیش خدمت ہے جو حضرات اکابر واساتذہ کرام کی تصانیف وشروحات کو سامنے رکھتے ہوئے تالیف وترتیب دیا گیا ہے۔

دعاء ہے کہ اللہ رب العزت اس تالیف کو بھی شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور نجات اُخروی کا ذریعہ بنائے۔ آمین

لاشیئ محمد یامین

0300-7322940

الورقة الأولیٰ
سنن نسائی
سنن ابن ماجه
شمائل ترمذی
مَکتَبہ زَکَرِیّا

## ﴿الورقۃ الاولیٰ: السنان مع الشمائل﴾

### ﴿السؤال الاول﴾ (سنن النسائی) ۱۴۲۷ھ

**الشق الاول** ...... اخبرنا احمد بن سلیمان قال حدثنا ابونعیم عن زہیر عن ابی اسحاق قال: لیس ابوعبیدۃ ذکرہ ولکن عبدالرحمن بن الاسود عن ابیہ انہ سمع عبداللہ یقول: اتی النبی ﷺ الغائط وامرنی ان آتیہ بثلاثۃ احجار فوجدت حجرین والتمست الثالث فلم اجدہ فاخذت روثۃ فاتیت بھن النبی ﷺ فاخذ الحجرین والقی الروثۃ، وقال: ھذہ رکس قال ابوعبدالرحمن: الرکس طعام الجن۔ (ص۴۸-ج۱-رحمانیہ)

اذکر اختلاف العلماء فی حکم الاستنجاء بالاحجار بدلائلھم۔ اذکر حکم عدد الاحجار للاستنجاء عند العلماء مع دلائلھم۔ اشرح قول ابی اسحاق "لیس ابوعبیدۃ ذکرہ ....." شرحاً مبسوطاً۔ اذکر معنی الرکس عند اھل اللغۃ واشرح قول ابی عبدالرحمن "الرکس طعام الجن" واکتب ھل یوافق تفسیر النسائی تفسیر اھل اللغۃ؟ وان لم یوافق تفسیرہ تفسیرھا فاھو الجواب عن الامام النسائی۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں (۱) استنجاء بالاحجار کے حکم میں اختلاف ائمہ (۲) استنجاء کے لئے تعداد احجار میں اختلاف مع الدلائل (۳) ابواسحاق کے قول کی تشریح (۴) رکس کا معنی اور ابوعبدالرحمن کے قول کی تشریح۔

**جواب** ...... ❶ استنجاء بالاحجار کے حکم میں اختلاف ائمہ:۔ استنجاء بالاحجار کی کیا کیفیت ہے سنت ہے یا واجب ہے؟

احناف کے نزدیک اس میں تفصیل ہے اگر نجاست مخرج سے متجاوز نہ ہو تو اس صورت میں استنجاء بالاحجار سنت مؤکدہ ہے اور اگر مخرج سے متجاوز ہو کر درہم یا مادون الدرہم ہو تو اس صورت میں بھی فرض نہیں ہے بلکہ واجب ہے اور اگر مخرج سے متجاوز ہو کر مافوق الدرہم ہو تو پھر پانی سے دھونا فرض ہے استنجاء بالاحجار کفایت نہیں کرے گا۔

باقی مافوق الدرہم کا جو اعتبار ہے یہ مخرج نجاست سمیت ہے یا مخرج نجاست کے ماسوا ہے اس میں امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ مخرج نجاست اور ماز ادعلی المخرج دونوں کا مجموعہ اگر مافوق الدرہم ہو تو پانی سے دھونا فرض ہے اور شیخینؒ کی رائے یہ ہے کہ مخرج نجاست کے علاوہ مافوق الدرہم ہو تو پانی سے دھونا فرض ہے۔ شوافعؒ کے نزدیک مطلقاً استنجاء بالاحجار واجب ہے۔

اس اختلاف کا مدار اس پر ہے کہ قلیل مقدار نجاست معاف ہے یا نہیں احناف کے نزدیک قلیل مقدار نجاست معاف ہے اور شوافعؒ کے نزدیک نجاست کی کوئی مقدار معاف نہیں اس لئے ان کے نزدیک مطلقاً استنجاء بالاحجار واجب ہے۔

احناف کی دلیل: مسئلہ اجماعیہ ہے کہ استنجاء بالاحجار جائز ہے اور ظاہر ہے کہ استنجاء بالاحجار مزیل نجاست نہیں بلکہ مقلل نجاست ہے کیونکہ پھر بھی کچھ اجزاء نجاست باقی رہتے ہیں تو معلوم ہوا کہ نجاست کی کچھ مقدار معاف ہے۔

❷ استنجاء کیلئے تعداد احجار میں اختلاف ائمہ مع الدلائل:۔ امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، اسحاق بن راہویہؒ، ابن شعبانؒ، ابوالفرجؒ، ابن حزم ظاہریؒ اور سعید بن المسیبؒ کے نزدیک تثلیث واجب ہے بغیر تثلیث کے استنجاء جائز نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور داؤد ظاہریؒ وغیرہ کے نزدیک تثلیث واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔

ائمہ کے دلائل: قائلین تثلیث کی دلیل وہ احادیث شریفہ ہیں جن کے اندر حضور ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ من استجمر فلیوتر یا اس طرح روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اذا خرج احدکم الی الغائط فلیذھب بثلثۃ احجار، اس مضمون کی روایت کو امام طحاویؒ نے ملے جلے طور پر چار صحابہ ؓ سے نقل کیا ہے ① حضرت ابوہریرہؓ ② حضرت عائشہؓ

Scanned with CamScanner

④ حضرت خزیمہ بن ثابت ؓ ⑤ حضرت سلیمان بن صرد ؓ یا سلمان فارسی ؓ سے دس سندوں کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔

فریق ثانی کی طرف سے اسکا جواب یہ ہے کہ جو روایات تم نے نقل کی ہیں اسکے اندر دو احتمال ہیں۔ ① وتر اور تثلیث جو حدیث شریف میں مذکور ہے وہ استحباب پر محمول ہے ② استحباب پر محمول نہیں ہے بلکہ تمہارے دعویٰ کے موافق وجوب پر محمول ہے کہ اسکے بغیر طہارت حاصل نہیں ہو سکتی ہے جب مذکورہ روایات میں دو احتمال ہیں تو بلا کسی وجہ ترجیح کے ان پر عمل کرنا درست نہیں ہو سکتا لہٰذا وجہ ترجیح کے تلاش کرنے میں غور و خوض کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ہم کسی ایک جہت کو ترجیح دے سکیں۔

فریق ثانی کی دلیل: حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی روایت ہے کہ میں ایک دفعہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا تو نبی کریم ﷺ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے جا رہے تھے تو مجھ سے کہا کہ تین پتھر تلاش کر کے لاؤ تو ابن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ وہاں کی جگہ تھی جہاں ڈھیلا پتھر وغیرہ موجود نہ تھے اور میں نے بہت تلاش کر کے دو پتھر اور ایک گوبر کا ڈھیلا لا کر حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو نبی کریم ﷺ نے دونوں پتھروں کو لے لیا اور گوبر کو یہ کہہ کر پھینک دیا کہ یہ نجس ہے تو اس حدیث شریف سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔

① نبی کریم ﷺ جس جگہ قضائے حاجت کیلئے تشریف لے گئے وہاں کوئی ڈھیلا اور پتھر وغیرہ نہ تھا اگر ہوتے تو ابن مسعود ؓ سے منگوانے کی ضرورت نہ تھی اور اتنی شدت تلاش کے بعد ابن مسعود ؓ کو دو ہی پتھر ملے اور مجبوراً گوبر کا ڈھیلا لائے۔ پس معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے صرف دو ہی پتھروں سے استنجاء فرمایا ہے۔ ② نبی کریم ﷺ کا تین سے کم ڈھیلوں سے استنجاء کرنا اور اس پر اکتفاء کرنا ثابت ہوتا ہے تو حضرت ابن مسعود ؓ کی اس روایت سے بالکل واضح ہوتا ہے کہ تین ڈھیلوں سے استنجاء کرنا واجب نہیں ہے بلکہ تین سے کم پر استنجاء کرنا بھی جائز ہے جبکہ اس سے صفائی حاصل ہو جاتی ہے۔ (ایضاح الطحاوی ج۱ ص۲۵۳)

③ <u>ابو اسحٰق کے قول کی تشریح:۔</u> حافظ ابن حجرؒ نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ چونکہ ابو عبیدہ کا سماع اپنے والد محترم حضرت ابن مسعود ؓ سے صحیح طور پر ثابت نہیں ہے اس وجہ سے وہ روایت منقطع تھی تو ابو اسحٰق نے انکی روایت کو اسکے عالی ہونے کے باوجود چھوڑ دیا اور اس کی جگہ عبدالرحمٰن بن اسود کی روایت موصول کو اختیار کیا گویا ابو اسحٰق اس کلام مذکور کو نقل کر کے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میں اس وقت ابو عبیدہ کے طریق سے جس میں انقطاع ہے روایت نہیں کرتا بلکہ عبدالرحمٰن بن اسود کے طریق سے جو متصل ہے اس کو ذکر کر رہا ہوں۔

بہرحال اس حدیث کی روایت متعدد طرق سے ہوئی ہے لیکن امام نسائی نے یہ روایت بطریق **زہیر عن ابی اسحق عن عبدالرحمن بن الاسود عن ابیه عن عبدالله بن مسعود** ذکر کی ہے اور ساتھ ہی ابو اسحٰق کا وہ قول مذکور بھی نقل کر دیا اس سے معلوم ہوا کہ انکے نزدیک ابو اسحٰق کے شاگرد زہیر کا طریق راجح ہے جس سے اسناد متصل ہو جاتی ہیں۔ نہ کہ اسرائیل کا طریق جو ابو اسحٰق کے دوسرے شاگرد ہیں جس سے اسناد منقطع ہو جاتی ہے کیونکہ بقول حافظ ابن حجرؒ کے ابو عبیدہ کا سماع اپنے والد محترم حضرت ابن مسعود ؓ سے ثابت نہیں ہے۔ امام بخاری نے بھی اس روایت کو ترجیح دی ہے جو زہیر کے طریق سے ہے اور اپنی جامع صحیح میں اسی کو جگہ دی ہے لیکن ان کے شاگرد امام ترمذی نے یہ روایت بطریق اسرائیل عن ابی اسحٰق عن ابی عبیدہ نقل کی ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ ان کی روایت کا طریق امام بخاری کے طریق روایت سے زیادہ صحیح ہے اور پھر اول تو انہوں نے اپنے استاد امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری کی زہیر سے کی ہوئی روایت پر کلام کیا ہے اور آخر میں اپنی اسرائیل والی روایت پر بھی انقطاع کا اعتراض کیا ہے کہ ابو عبیدہ کا سماع اپنے والد عبداللہ بن مسعود ؓ سے ثابت نہیں ہے معلوم ہوا کہ اس روایت میں انقطاع ہے۔ (شرح نسائی ج۱ ص۸۶)

④ <u>رکس کا معنی اور ابو عبدالرحمٰن کے قول کی تشریح:۔</u> علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ رکس کا معنی "پلٹا ہوا" ہے یعنی یا اپنی اصلی حالت چھوڑ کر دوسری حالت میں آگیا ہے یعنی یہ طہارت کی حالت سے نجاست کی طرف آگیا ہے گویا اس کے استعمال سے ممانعت

اس کے نجاست ہونے کی وجہ سے ہے۔ (شرح نسائی ج۱ ص۹۹)

بعض شارحین نے کہا کہ یہ رجس (جیم کے ساتھ) ہے جس کا معنی ناپاک اور پلید ہے اور اس کی تائید ابن ماجہ، ابن خزیمہ اور ترمذی کی روایات سے بھی ہوتی ہے، گویا اس صورت میں بھی اس کے استعمال سے ممانعت اس کے نجاست ہونے کی وجہ سے ہے۔

امام نسائی نے لغت کی کتابوں سے ہٹ کر اس کا معنی طعام الجن یعنی جنوں کی خوراک بیان کیا ہے، گویا اس صورت میں اس کے استعمال سے ممانعت نجاست ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ خباثت کی وجہ سے ہے۔

سوال ہوتا ہے کہ امام نسائی نے رکس کا ایسا معنی کیوں بیان کیا ہے جو لغت سے ثابت ہی نہیں ہے؟

جواب کا حاصل یہ ہے کہ امام نسائی نے لغت کی مخالفت کرتے ہوئے رکس کا کوئی نیا معنی بیان نہیں کیا بلکہ رکس کو پھینکنے کی ایک وجہ اور علت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آپ ﷺ نے اس کو طعام الجن ہونے کی وجہ سے پھینکا تھا۔

**[illegible]** ...... اخبرنا محمد بن عبد الاعلى قال حدثنا خالد قال حدثنا شعبة عن قتادة قال سمعت الحسن يحدث عن ابى رافع عن ابى هريرة ان رسول الله قال اذا جلس بين شعبها الاربع ثم اجتهد فقد وجب الغسل، اخبرنا ابراهيم بن يعقوب بن اسحاق الجوزجانى قال: حدثنى عبد الله بن يوسف قال: حدثنا عيسى بن يونس قال: حدثنا اشعث بن عبد الملك عن ابن سيرين عن ابى هريرة ان رسول الله ﷺ قال اذا قعد بين شعبها الاربع ثم اجتهد فقد وجب الغسل، قال ابو عبد الرحمن هذا خطأ والصواب اشعث عن الحسن عن ابى هريرة، وقد روى الحديث عن شعبة النضر بن شميل وغيره كما رواه خالد. (ص۴۵۔ ج۱۔ رحمانیہ)

اشرح المسئلة المذكورة. فسر المراد بالشعب الاربع. كيف الجمع بين هذه الرواية ورواية "الماء من الماء" عند العلماء. ما هو الطريق الذى اختاره النسائى للجمع بينهما؟ اشرح قول ابى عبد الرحمن شرحا مبسوطا، ووضح مرامه بذلك وانكر كيف قال ان الصواب اشعث عن الحسن عن ابى هريرة مع ان الحسن لم يسمع من ابى هريرة.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حاصل پانچ امور ہیں (۱) مسئلۂ اکسال کی تشریح (۲) شعب اربع کی مراد (۳) روایات میں تطبیق (۴) امام نسائی رحمہ اللہ کا طریق مختار (۵) ابو عبد الرحمن کے قول کی تشریح۔

**جواب** ...... ❶ مسئلۂ اکسال کی تشریح:۔ جلوس بین شعبها الاربع سے مراد جماع کرنا ہے یعنی غسل کا وجوب انزال منی پر موقوف نہیں ہے بلکہ جب مرد کی شرمگاہ عورت کی شرمگاہ میں چھپ جائے تو غسل واجب ہو جائے گا۔

اس مسئلہ میں اگرچہ ابتداءً بعض مہاجرین وانصار میں اختلاف رہا ہے مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی طرف رجوع کرنے کے نتیجہ میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا امر مذکور پر اجماع ہو گیا تھا کہ اکسال (جماع بدون الانزال) کی صورت میں غسل لازم ہے اب اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (درس ترمذی ج۱ ص۳۳۰)

❷ شعب اربع کی مراد:۔ علامہ سندھی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شعب اربع کی مراد میں دو احتمال ہیں۔

① دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں مراد ہیں ② شرمگاہ کی چار اطراف اور چار کنارے مراد ہیں۔

❸ روایات میں تطبیق:۔ بظاہر روایات میں تعارض ہے اس لئے کہ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ محض دخول سے غسل لازم ہے اور حدیث الماء من الماء سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک انزال نہ ہو اس وقت تک غسل واجب نہیں ہے۔

تطبیق کی پہلی صورت یہ ہے کہ حدیث الماء من الماء کا حکم منسوخ ہے اور منسوخ ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام احمد اور امام ابوداؤد رحمہما اللہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ الماء من الماء کی تخفیف شروع اسلام میں تھی بعد میں اسے ترک کر دیا گیا اور ہمیں صرف دخول کی وجہ سے غسل کا حکم دیا گیا ہے خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔ جمہور نے اسی صورت کو اختیار کیا۔

تطبیق کی دوسری صورت یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ الماء من الماء والی حدیث جماع کے بارے میں نہیں ہے بلکہ یہ احتلام کے بارے میں ہے یعنی کسی شخص نے خواب میں جماع کیا مگر بیدار ہونے کے بعد کپڑے یا جسم پر منی کے آثار نہیں ہیں تو اس پر غسل واجب نہیں ہے اور اگر جسم یا کپڑے پر منی کے آثار ہیں تو پھر غسل واجب ہے گویا الماء من الماء کا حکم بالکل منسوخ نہیں ہے بلکہ بعض خاص صورت (احتلام) پر اب بھی باقی ہے اگرچہ اس کا عموم باعتبار مجامعت کے منسوخ ہو چکا ہے اور امام نسائی رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں تطبیق کی اسی صورت مخصوصہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

❹ **امام نسائی رحمہ اللہ کا طریق مختار:** سوال ہوتا ہے کہ محدثین نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ حضرت حسن رحمہ اللہ کا سماع حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے تو پھر کیسے امام نسائی رحمہ اللہ اسی طریق حسن کو دوسرے طریق پر ترجیح دے رہے ہیں۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں پر امام نسائی رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اشعث بن عبدالملک نے مذکورہ روایت کو ابن سیرین سے نہیں سنا بلکہ حسن بصری رحمہ اللہ سے سنا ہے اور اس سے پچھلی روایت سے یہ معلوم ہو چکا کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ ابورافع رحمہ اللہ کے واسطے سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں۔ براہ راست ان کا سماع واقعی ثابت نہیں ہے۔

❺ **ابوعبدالرحمن کے قول کی تشریح:** امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اشعث عن ابن سیرین عن ابی هريرة غلط اور خطاء ہے اور صحیح اس طرح ہے اشعث عن الحسن عن ابی هريرة گویا امام نسائی طریق حسن کو طریق ابن سیرین پر ترجیح دے رہے ہیں نیز فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو شعبہ سے نضر بن شمیل نے بھی روایت کیا ہے جیسا کہ خالد نے شعبہ سے روایت کیا ہے۔ (شرح نسائی ج ا ص ٢٠٢)

## ﴿السوال الثانی﴾ (سنن ابن ماجه) ١٤٢٧ھ

**الشق الاول** ...... حدثنا عبدالوهاب بن الضحاك ثنا اسماعيل بن عياش، عن صفوان بن عمرو عن عبدالرحمن بن جبير بن نفير، عن كثير بن مرة الحضرمي عن عبدالله بن عمرو قال قال رسول الله ﷺ ان الله اتخذني خليلا كما اتخذ ابراهيم خليلا، فمنزلي ومنزلة ابراهيم في الجنة يوم القيامة تجاهين والعباس بينناامؤمن بين خليلين. (ص ١٣ قدیمی) ترجم الحديث ثم انكر معناه بايضاح . ان هذا الحديث قد عده ابن الجوزي في الموضوعات وعد غيره من الضعاف فاذكر وجه كل ذلك . انكر كيف ادرج ابن ماجة في سننه "الاحاديث الموضوعة" مع ان رواية الموضوع بدون ذكر وضعه حرام . كيف يعد هذا الكتاب من الصحاح وفيه موضوعات واحاديث واهية.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل پانچ امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی تشریح (۳) حدیث کے موضوع یا ضعیف ہونے کی وضاحت (۴) امام ابن ماجہ کے موضوع احادیث کو ذکر کرنے کی وجہ (۵) موضوع احادیث کے باوجود سنن ابن ماجہ کو صحاح ستہ میں شمار کرنے کی وجہ۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث کا ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے خلیل بنایا جس طرح کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا ہے پس قیامت کے دن میرا مقام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا

مقام جنت میں آمنے سامنے ہوگا اور حضرت عباس دو خلیلوں کے درمیان ایک مومن کی حیثیت سے ہونگے۔

② **حدیث کی تشریح:۔** آپ ﷺ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نبی آخر الزمان محمد عربی ﷺ جنت میں ایک ساتھ ہونگے اور دونوں کا جنتی ٹھکانہ آمنے سامنے ہوگا اور حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ دونوں نبیوں کے درمیان ہونگے یعنی میرے چچا حضرت عباس کا جنتی مقام و مرتبہ اور ٹھکانہ بھی بہت بلند و بالا ہے۔

③ **حدیث کے موضوع یا ضعیف ہونے کی وضاحت:۔** اس حدیث کے متعلق ابن رجب زبیری فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں اور یہ حدیث موضوع ہے اسلئے کہ اس کی سند میں عبد الوہاب راوی کے متعلق محدثین فرماتے ہیں: لا اعتبار بشیء اور امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ یہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا اسی لئے ابن جوزی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو موضوع احادیث میں سے شمار کیا ہے جبکہ دیگر حضرات نے اسے ضعیف احادیث میں سے شمار کیا ہے الحاصل اس پر وضع کا حکم لگانا صحیح نہیں ہے۔ البتہ یہ حدیث عبد الوہاب راوی کے ضعف کی وجہ سے سنداً ضعیف ہے۔ (تکمیل الحاجہ۔ ص ۳۳۰)

④ **امام ابن ماجہ کے موضوع احادیث کو ذکر کرنے کی وجہ:۔** امام ابن ماجہ نے رواۃ کے انتخاب میں حتی الامکان وسعت ظرفی سے کام لیا ہے اور ہر قسم کے راویوں کی روایات ذکر کی ہیں اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ امام ابن ماجہ اپنی سنن میں ایسی روایات ذکر کرنا چاہتے تھے جو دوسری کتب حدیث میں موجود نہ ہوں اور اسی شوق کی خاطر انہوں نے ہر طرح کی روایات ذکر کیں حتی کہ ان میں راویوں کے ضعف یا روایت کی وضع کو بھی برداشت کر لیا۔ (مقدمہ تکمیل الحاجہ)

⑤ **موضوع احادیث کے باوجود سنن ابن ماجہ کو صحاح ستہ میں شمار کرنے کی وجہ:۔** سنن ابن ماجہ کو دو وجہ امتیاز کی وجہ سے صحاح ستہ میں شمار کیا گیا ہے۔ ① حسن ترتیب یعنی جس خوبی اور عمدگی سے احادیث کو بغیر تکرار امام ابن ماجہ نے نقل کیا ہے اس طرح کسی اور نے نقل نہیں کیا ② زائد احادیث یعنی یہ کتاب بہت سی ایسی احادیث پر مشتمل ہے جس سے دیگر کتب احادیث خالی تھیں، یہی وہ امتیاز خاص ہے جس کی وجہ سے حفاظ وقت نے صحاح کی تعداد خمسہ سے بڑھا کر ستہ کر دی اور ابن ماجہ کو بھی صحاح کی فہرست میں شمار کیا گیا۔ (ایضاً)

**الشق الثانی** ...... حدثنا محمد بن اسمٰعیل الرازی ثنا عبیداللہ بن موسی انبانا العلاء بن صالح عن المنہال عن عباد بن عبداللہ قال: قال علی انا عبداللہ واخو رسولہ وانا الصدیق الاکبر لایقولہا بعدی الاکذاب، صلیت قبل الناس بسبع سنین. (ص ۱۲، قدیمی) ترجم الحدیث واشرحہ شرحاً کافیاً ۔ قد عد ابن الجوزی ہذا الحدیث من الموضوعات، فاذکر من ہو المتہم فی ہذا الحدیث؟ وہل اصاب فی حکمہ بالوضع انکر بتفصیل۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی تشریح (۳) حدیث کے موضوع ہونے کی وضاحت۔

**جواب** ...... ① **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت عباد بن عبد اللہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کے رسول ﷺ کا بھائی ہوں اور میں صدیق اکبر ہوں میرے بعد اس جملہ کو کذاب شخص ہی کہہ سکتا ہے، میں نے لوگوں سے پہلے سات سال نماز پڑھی ہے۔

② **حدیث کی تشریح:۔** حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اسکے رسول کا (چچا زاد) بھائی ہوں اور میں صدیق اکبر ہوں اور صدیق اس شخص کو کہتے ہیں جو بلا کسی چون و چرا کے حق کی تصدیق کرے یہ جملہ جمہور کے استعمال کے خلاف ہے کیونکہ جمہور کے نزدیک یہ لقب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کیساتھ خاص ہے اسلئے علماء نے اس کی مختلف توجیہات ذکر کی ہیں۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نے خود صدیق اکبر اسلئے کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ کو اپنی حق گوئی وصدیق ہونے پر مکمل اعتماد تھا۔

بعض نے فرمایا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پہلے اسلام قبول کیا تھا اسلئے آپ رضی اللہ عنہ نے خود کو صدیق اکبر کہا جو کہ اپنی جگہ درست ہے۔

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں سے پہلے سات سال نماز پڑھی ہے اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ میں نے فرضیت نماز سے پہلے سات سال نماز پڑھی ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ بالکل بچپن میں مسلمان ہوگئے تھے اور ان کے ہم عمروں میں سے اکثر کم وبیش سات سال بعد اسلام لائے اس اعتبار سے آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے ہم عمروں سے پہلے تقریباً سات سال نماز پڑھی ہے۔ (تکمیل الحاجہ ص ۳۰۶)

۳ **حدیث کے موضوع ہونے کی وضاحت:۔** ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس روایت کو امام نسائی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خصائص میں شمار کیا ہے اور امام ذہبی کہتے ہیں کہ مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں جھوٹ بولا گیا ہے صاحب حسن المطلع لکھتے ہیں کہ اس حدیث کے رواۃ بالکل ثقہ ہیں اس روایت کو حاکم مستدرک نے بھی منہال کی سند سے ذکر کیا ہے پھر فرمایا کہ یہ روایت صحیح ہے اور علی شرط الشیخین ہے اس لئے جن حضرات نے اس کو موضوع قرار دیا ہے وہ سند کے اعتبار سے نہیں بلکہ معنی کے ظاہر نہ ہونے کے اعتبار سے ہے۔ (ایضاً)

## السوال الثالث (الشمائل) ۱۴۲۷ھ

**الشق الأول** ...... قَالَتِ السَّابِعَةُ: زَوْجِيْ عَيَايَةٌ أَوْ غَيَايَا طَبَاقَاءُ، كُلُّ دَاءٍ لَهُ دَاءٌ، شَجَّكِ أَوْ فَلَّكِ أَوْ جَمَعَ كُلًّا لَكِ، قَالَتِ الثَّامِنَةُ: زَوْجِي الْمَسُّ مَسُّ أَرْنَبٍ وَالرِّيْحُ رِيْحُ زَرْنَبٍ، قَالَتِ التَّاسِعَةُ: زَوْجِيْ رَفِيْعُ الْعِمَادِ، عَظِيْمُ الرَّمَادِ، طَوِيْلُ النِّجَادِ، قَرِيْبُ الْبَيْتِ مِنَ النَّادِ، قَالَتِ الْعَاشِرَةُ: زَوْجِيْ مَالِكٌ وَمَا مَالِكٌ؟ مَالِكٌ خَيْرٌ مِنْ ذٰلِكَ، لَهُ إِبِلٌ كَثِيْرَاتُ الْمَبَارِكِ، قَلِيْلَاتُ الْمَسَارِحِ، إِذَا سَمِعْنَ صَوْتَ الْمِزْهَرِ أَيْقَنَّ أَنَّهُنَّ هَوَالِكُ. (ص ۔ ترمذی)

اشرح الكلمات المعلمة بالخط لغة وصرفا. شكل العبارة. ترجم العبارة كلها ترجمة رائقة سلسة. ميز المادحات من النسوة الذامات في هذه العبارة. (شمائل ترمذی ص ۲۱۹)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) کلمات مخطوطہ کی لغوی وصرفی تحقیق (۲) عبارت پر اعراب (۳) عبارت کا ترجمہ (۴) مدح وذم کرنے والی عورتوں کی وضاحت۔

**جواب** ...... ۱ **کلمات مخطوطہ کی لغوی وصرفی تحقیق:۔** عَیَایَۃٌ عَیٌّ سے صفت کا صیغہ ہے بمعنی عنین، نامرد، مباشرت سے عاجز۔ شَجَّكِ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف از مصدر شَجًّا (نصر، ضرب) بمعنی سر کو زخمی کرنا، توڑنا۔

فَلَّكِ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف از مصدر فَلًّا (نصر) بمعنی جسم کو زخمی کرنا۔

رَفِیْعٌ صفت کا صیغہ ہے از مصدر رِفْعَۃً، رَفَاعَۃً (فتح) بمعنی بلند ہونا، عالی مرتبہ ہونا۔

عِمَادٌ اسم ہے بمعنی ستون اور وہ چیز جس کا سہارا لیا جائے اور رفیع العماد بمعنی شریف آدمی۔

طَوِیْلٌ صفت کا صیغہ ہے از مصدر طُوْلٌ (نصر) بمعنی طویل اور لمبا ہونا۔

اَلنِّجَادُ اسم ہے بمعنی پرتلہ اور طویل النجاد بمعنی لمبے پرتلے والا یعنی لمبے قد کا شوہر۔

عَظِیْمٌ صفت کا صیغہ ہے از مصدر عِظَمًا، عَظَامَۃً (کرم) بمعنی بڑا ہونا۔ اَلرَّمَادُ یہ مفرد ہے اس کی جمع اَرْمِدَۃٌ ہے بمعنی راکھ۔

اَلْمَبَارِكُ اسم ظرف جمع کا صیغہ ہے اور اس کا مفرد اَلْمَبْرَكُ آتا ہے بمعنی اونٹ بیٹھنے کی جگہ۔

"اَلْمَسَارِحُ" اسم ظرف جمع کا صیغہ ہے اور اس کا مفرد اَلْمَسْرَحُ آتا ہے بمعنی جانور چرنے کی جگہ، چراگاہ۔

❷ عبارت پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

❸ عبارت کا ترجمہ:۔ ساتویں عورت نے کہا کہ میرا خاوند صحبت سے عاجز (نامرد) ہے اور اتنا بیوقوف ہے کہ بات بھی نہیں کر سکتا، دنیا کی ہر بیماری اس میں موجود ہے (ایسا بد اخلاق ہے کہ) تیرا سر پھوڑ دے یا جسم زخمی کر دے یا دونوں ہی کر گزرے۔ آٹھویں عورت نے کہا کہ میرے خاوند کا چھونا خرگوش کی طرح (نرم) ہے اور میرے خاوند کی خوشبو زعفران کی طرح ہے۔ نویں عورت نے کہا کہ میرا خاوند بلند شان والا ہے، دراز قد والا بڑا مہمان نواز ہے دار المشورہ کے قریبی گھر والا ہے۔ دسویں عورت نے کہا کہ میرا خاوند مالک ہے اور مالک کی تو کیا ہی شان ہے، مالک تو ان سب سے بہتر ہے اس کے اونٹ اس قدر زیادہ ہیں کہ وہ گھر کے قریب بٹھائے جاتے ہیں چراگاہ میں بہت کم چرتے ہیں، جب وہ اونٹ باجے کی آواز سنتے ہیں تو سمجھ جاتے ہیں کہ ہلاکت کا وقت قریب ہے۔

❹ مدح و ذم کرنے والی عورتوں کی وضاحت:۔ ان عورتوں میں سے ساتویں (ساجد) عورت نے اپنے خاوند کی مذمت کی ہے اور اس کے علاوہ بقیہ تینوں عورتوں نے اپنے خاوندوں کی مدح کی ہے جیسا کہ ترجمہ سے واضح ہے۔

**الشق الثانی** ...... لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بِالطَّوِيْلِ الْمُمَغَّطِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ الْمُتَرَدِّدِ وَكَانَ رَبْعَةً مِنَ الْقَوْمِ، لَمْ يَكُنْ بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ وَلَا بِالسَّبِطِ، كَانَ جَعْدًا رَجِلًا وَلَمْ يَكُنْ بِالْمُطَهَّمِ وَبِالْمُكَلْثَمِ، وَكَانَ فِيْ وَجْهِهٖ تَدْوِيْرٌ أَبْيَضُ مُشْرَبٌ، أَدْعَجُ الْعَيْنَيْنِ أَهْدَبُ الْأَشْفَارِ جَلِيْلُ الْمُشَاشِ وَالْكَتَدِ أَجْرَدُ، ذُوْمَسْرُبَةٍ شَثْنُ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ.

اشرح الكلمات المعلمة بالخط لغة وصرفا. شكل العبارة وترجم‍ها ترجمة سلسة. (ص ۱۴۳۱ھ)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) کلماتِ مخطوطہ کی لغوی و صرفی تحقیق (۲) عبارت پر اعراب (۳) عبارت کا ترجمہ۔

**جواب** ...... ❶ کلماتِ مخطوطہ کی لغوی و صرفی تحقیق:۔ "رَبْعَةٌ" مفرد ہے اس کی جمع رَبَعَاتٌ ہے بمعنی میانہ قد۔

"اَلْمُمَغَّطُ" صیغہ واحد مذکر بحث اسم فاعل از باب انفعال بمعنی کھینچا ہوا طویل ہونا۔

"اَلْمُتَرَدِّدُ" صیغہ واحد مذکر بحث اسم فاعل از باب تفعّل بمعنی متردد ہونا، شک و شبہ میں پڑ جانا۔

"اَلْجَعْدُ" صیغہ صفت از مصدر جَعَالَةٌ جُعُوْدَةٌ (کرم) بمعنی گھنگھریالے ہونا۔

"اَلسَّبِطُ" صیغہ صفت از مصدر سَبْطًا سُبُوْطًا (سمع) سُبُوْطَةٌ (نصر) بمعنی سیدھا ہونا۔

"رَجِلًا" صیغہ صفت از مصدر رَجَلًا (سمع) بمعنی بال کچھ گھنگھریالے ہونا۔

"اَلْمُطَهَّمُ" صیغہ واحد مذکر بحث اسم مفعول از باب تفعیل بمعنی موٹا، کمزور، کامل و خوشنما۔

"اَلْمُكَلْثَمُ" صیغہ واحد مذکر بحث اسم مفعول از باب فعللہ بمعنی بلا ترشی کے چہرے کا گوشت سمٹنا۔

"مُشْرَبٌ" صیغہ واحد مذکر بحث اسم مفعول از باب افعال بمعنی سفید سرخی مائل ہونا۔

"أَدْعَجُ" صیغہ واحد مذکر بحث اسم تفضیل از باب سمع بمعنی سیاہ آنکھوں والا ہونا۔

"اَلْأَشْفَارُ" یہ جمع ہے اس کا مفرد الشُّفْرُ ہے بمعنی پلک کی جڑ۔ مصدر شَفَارَةٌ (سمع) بمعنی گھٹنا، کم ہونا۔

"اَلْمُشَاشُ" یہ جمع ہے اس کا مفرد مُشَاشَةٌ ہے بمعنی نرم ہڈی کا سرا۔ "اَلْكَتَدُ" مفرد ہے اس کی جمع أَكْتَادٌ ہے بمعنی دونوں کندھوں کے درمیان کا حصہ۔ "شَثْنٌ" موٹا اور پُر گوشت از باب سمع بمعنی موٹا اور سخت ہونا۔

"اَجْرَدُ" صیغہ واحد مذکر بحث اسم تفضیل از مصدر جَرَدًا (سمع) بمعنی چٹیل ہونا اور ننگا ہونا اجرد کا معنی ہے بغیر بالوں والا۔

"مَسْرُبَةٌ" مفرد ہے اس کی جمع مسارب ہے بمعنی سینے کے درمیان میں پیٹ تک کے بال، جو اگے۔

"اَهْدَبُ" صیغہ واحد مذکر بحث اسم تفضیل از باب سمع بمعنی لمبی پلکوں والا ہونا۔

❷ عبارت پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

❸ عبارت کا ترجمہ:۔ حضور اقدس ﷺ نہ زیادہ طویل تھے نہ زیادہ پست قد بلکہ میانہ قد لوگوں میں سے تھے۔ حضور ﷺ کے بال نہ بالکل پیچدار تھے نہ بالکل سیدھے بلکہ تھوڑی سی پیچیدگی لئے ہوئے تھے، نہ آپ ﷺ موٹے بدن کے تھے نہ گول چہرہ تھا البتہ تھوڑی سی گولائی آپ ﷺ کے چہرہ میں تھی (یعنی چہرہ انور نہ بالکل گول تھا نہ لانبا بلکہ دونوں کے درمیان تھا) حضور ﷺ کا رنگ سفید سرخی مائل تھا۔ آپ ﷺ کی آنکھیں نہایت سیاہ تھیں اور پلکیں دراز، بدن کے جوڑوں کے ملنے کی ہڈیاں موٹی تھیں (مثلاً کہنیاں اور گھٹنے) ایسے ہی دونوں کندھوں کے درمیان کی جگہ بھی موٹی اور پرگوشت تھی، آپ ﷺ کے بدن مبارک پر (معمولی طور سے زائد) بال نہیں تھے (یعنی بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے بدن پر بال زیادہ ہو جاتے ہیں، حضور اقدس ﷺ کے بدن پر خاص خاص حصوں کے علاوہ جیسے بازو، پنڈلیاں وغیرہ ان کے علاوہ اور کہیں بال نہیں تھے) آپ ﷺ کے سینے سے ناف تک بالوں کی لکیر تھی، آپ ﷺ کے ہاتھ اور قدم مبارک پرگوشت تھے۔ جب آپ ﷺ تشریف لے جاتے تو قدموں کو قوت سے اٹھاتے۔

## ﴿الورقة الاولى: السنتان مع الشمائل﴾

### ﴿السوال الاول﴾ (سنن النسائی) ۱۴۲۸ھ

**الشق الاول** ...... عن ابی ایوب عن النبی ﷺ قال الماء من الماء۔ (ص ۵۳۔ ج ۱۔ رحمانیہ)

اشرح الحديث الشريف . واذكر هل يصح حمل هذا الحديث على ماحمله النسائي رحمه الله.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں دو امور حل طلب ہیں (۱) حدیث کی تشریح (۲) ترجمۃ الباب کی غرض اور حدیث کا محمل۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کی تشریح:۔ اس حدیث میں "الماء" کا لفظ دو مرتبہ مستعمل ہے اور ماء اول سے مراد اغتسال بالماء (غسل کرنا) اور ماء ثانی سے مراد منی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وجوب غسل اچھل کر منی خارج ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے معلوم ہوا کہ وجوب غسل کا مدار خروج منی پر ہے بغیر انزال محض خواب کی وجہ سے غسل واجب نہیں ہوتا۔

❷ ترجمۃ الباب کی غرض اور حدیث کا محمل:۔ ترجمۃ الباب کی غرض یہ ہے کہ محض خواب سے غسل فرض نہیں ہوتا بلکہ منی سے غسل فرض ہوگا، اگرچہ اس حدیث کا شان ورود حالت بیداری ہے مگر عموم الفاظ سے اس پر بھی استدلال ہو سکتا ہے اور اس معنی کے اعتبار سے یہ حدیث منسوخ بھی نہیں ہوگی اور ترجمۃ الباب کا اثبات بھی صحیح ہوگا۔

**الشق الثانی** ...... ان ثمامة بن اثال الحنفي انطلق الى نخل قريب من المسجد فاغتسل ثم دخل المسجد فقال: اشهد ان لااله الا الله وحده لاشريك له وان محمدا عبده ورسوله يامحمد والله ماكان على الارض وجه ابغض الي من وجهك، فقد اصبح وجهك احب الوجوه كلها الي، وان خيلك اخذتني وانا اريد العمرة فماذا ترى؟ فبشره رسول الله ﷺ وامره ان يعتمر. (ص ۱۰۔ ج ۱۔ رحمانیہ)

من هو ثمامة بن اثال الحنفي؟ عرفه . ترجم الامام النسائي على هذا الحديث "تقديم غسل الكافر اذا اراد ان يسلم" اذكر حكم اغتسال من يريد الاسلام عند الائمة، هل يقدم على الاسلام ام يؤخر عنه . اذكر خلاصة الحديث.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حاصل تین امور ہیں (۱) ثمامہ بن اثال حنفی کا تعارف (۲) اسلام لانے والے شخص کے غسل کا حکم (۳) قصۂ حدیث کی وضاحت۔

**جواب** ...... ❶ **ثمامہ بن اثال حنفی کا تعارف:۔** ثمامہ بن اثال الحنفی اہل یمامہ کے سردار تھے، قید ہو کر آئے نبی کریم ﷺ نے ان کو رہا کر دیا یہ گئے اور اپنے کپڑے دھوئے اور غسل کیا اور پھر نبی کریم ﷺ کے پاس آ کر اسلام قبول کیا اور بہت اچھا اسلام لے آئے۔ ان سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کی ہے۔

❷ **اسلام لانے والے شخص کے غسل کا حکم:۔** جمہور کے نزدیک اسلام لانے کے بعد غسل کرنے کا حکم استحبابی ہے وجوبی نہیں ہے اسلئے کہ آپ ﷺ نے بہت سے مسلمان ہونے والے شخص کو غسل کا حکم نہیں دیا، اگر یہ غسل لازم ہوتا تو آپ ﷺ ہر نئے مسلمان کو یہ غسل کرنے کا حکم دیتے اور اگر مسلمان ہونے والا شخص جنبی ہو تو پھر قول صحیح کے مطابق اس پر غسل واجب ہے کیونکہ جنابت ایسی چیز ہے جو اسلام لانے کے بعد بھی باقی رہتی ہے اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسلام لانے والے شخص پر غسل کرنا واجب ہے۔

البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ پہلے اسلام قبول کرے گا یا پہلے غسل کرے گا اور بعد میں اسلام قبول کرے گا۔

علامہ سندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ ثمامہ بن اثال حنفی رضی اللہ عنہ نے اسلام کی تعظیم کی وجہ سے پہلے غسل کیا اور بعد میں کلمہ طیبہ کا اقرار کیا مگر اسلام کو غسل پر مقدم کرنا بہتر و اولیٰ ہے اسلئے کہ سب سے پہلے اسلام ہے باقی تمام احکام بعد میں ہیں۔ (شرح سندی ج ۱ ص ۱۸۱)

❸ **قصۂ حدیث کی وضاحت:۔** حضرت ثمامہ بن اثال حنفی رضی اللہ عنہ اہل یمامہ کے سردار تھے ایک دفعہ یہ جا رہے تھے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو پکڑ لیا اور آپ ﷺ کی خدمت میں لے آئے چنانچہ یہ مسجد کے قریب ایک پانی کے چشمے پر تشریف لائے پھر غسل کیا پھر مسجد میں داخل ہوئے اسکے بعد انہوں نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے، پھر کہنے لگے کہ یا رسول اللہ ﷺ! اسلام لانے سے پہلے روئے زمین پر میرے سامنے کوئی چہرہ آپ ﷺ کے چہرے سے زیادہ ناپسندیدہ نہیں تھا لیکن آج میرے اسلام لانے کے بعد روئے زمین پر میرے سامنے کوئی چہرہ آپ ﷺ کے چہرے سے زیادہ محبوب نہیں ہے۔ اور آپ ﷺ کے شہسواروں نے مجھے قید کر لیا حالانکہ میرا عمرے کا ارادہ تھا، پس اب آپ ﷺ کی کیا رائے ہے؟ تو آپ ﷺ نے ان کو خوشخبری دی کہ اسلام لانے کی وجہ سے تمہارے سابقہ تمام گناہ معاف کر دیے گئے ہیں اور حکم دیا کہ وہ عمرہ کر لیں۔

## ﴿السوال الثانی﴾ (سنن ابن ماجه) ۱۴۲۸ھ

**الشق الاول** ...... حدثنا اسماعيل بن محمد الطلحی، انبانا داؤد بن عطاء المدينی عن صالح بن كيسان عن ابن شهاب عن سعيد بن المسيب عن ابی بن كعب قال قال رسول اللهﷺ اول من يصافحه الحق عمر و اول من يسلم عليه، واول من ياخذ بيده فيدخله الجنة. (ص ۱۰ قدیمی)

ترجم الحديث، ماهو المراد بقوله "الحق"؟ وماهو المراد بمصافحته والتسليم عليه؟ هل سيدنا عمر يدخل الجنة قبل النبيين والمرسلين؟ وهل هو افضل من ابی بكر الصديقؓ؟ فكيف قال: واول من ياخذ بيده فيدخله الجنة. تكلم على هذا الحديث الحافظ ابن كثيرؒ، فماهو ذاك الكلام؟ ولماذا تكلم فيه بذلك؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حاصل چار امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حق کی مراد اور اسکے مصافحہ وسلام کی وضاحت (۳) اول من ياخذ بيده فيدخله الجنة کی وضاحت (۴) حافظ ابن کثیر کے کلام کی وضاحت۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث کا ترجمہ:۔** رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا سب سے پہلا انسان جس سے حق تعالیٰ مصافحہ کریں

کے اور سلام کریں گے اور جس کے ہاتھ کو پکڑ کر اسے جنت میں داخل کریں گے وہ عمر ہے۔

**③ حق کی مراد اور اسکے مصافحہ وسلام کی وضاحت:۔** اس حدیث میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی جزئی فضیلت کا تذکرہ ہے کہ سب سے پہلا وہ انسان جس سے حق تعالیٰ مصافحہ کریگا اور سلام کریگا وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ذات ہے۔

حق سے کیا مراد ہے اسکے متعلق علماء کرام کی متعدد آراء ہیں ① حق سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے ② حق سے مراد وہ فرشتہ ہے جو حق پر معاونت کرنے پر مامور ہے اور حق کے اندر مدد کرنے والا ہے حافظ ابن حجر کی یہی رائے ہے ③ حق سے مراد حق والا ہے یعنی جو شخص حق سے مربوط ہے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مصافحہ وسلام کرے گا ④ بعض حضرات نے کہا کہ حق سے یہاں باطل کی ضد مراد ہے اور سلام ومصافحہ سے حضرت عمر اور حق کے درمیان باہمی مقاربت وتعلق کو تشبیہ دی گئی ہے یعنی حق گویا ان کے رگ وریشہ میں پیوست ہو گیا ہے علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی یہی رائے ہے۔

یہاں حق سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات کو بھی لیا جا سکتا ہے اور وہ اپنی شان کے مطابق عمر رضی اللہ عنہ سے سلام ومصافحہ کریگا نیز حضرت مولانا رحمت اللہ لکھنوی نے جامع المناقب میں حق کا ترجمہ اللہ ہی سے کیا ہے اور حق خود ذات باری کا صفاتی نام بھی ہے۔ (تکمیل الحاجہ ص ۹ج۱)

**④ اوّل من یاخذ بیدہ فیدخلہ الجنۃ کی وضاحت:۔** یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اکرام ہے حالانکہ کئی کئی فرشتے جنت میں داخل ہونے کا کہیں گے اور کسی کو خود حق تعالیٰ شانہ ہاتھ سے پکڑ کر جنت میں داخل کریں گے۔ جیسے سابقہ حدیث الا النبیین والمرسلین کی وجہ سے حضرات انبیاء ورسل علیہم السلام اس حدیث سے مستثنیٰ ہیں اسی طرح اجماع امت کی وجہ سے افضل البشر بعد الانبیاء خلیفہ بلافصل سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی اس حدیث سے مستثنیٰ وخارج ہیں وہ بہرحال حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے افضل واولیٰ ہیں۔

**⑤ حافظ ابن کثیر کے کلام کی وضاحت:۔** حافظ ابن کثیرؒ اس حدیث کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ ھذا الحدیث منکر جدًا (یہ حدیث انتہائی منکر ہے) اس حدیث کی سند میں داؤد بن عطاء راوی موجود ہے جسکے متعلق ضعیف ہونے کا قول اختیار کیا گیا ہے۔

**الشق الثانی** ...... حدثنا علی بن محمد ثنا محمد بن فضیل ثنا علی بن نزار عن ابیه عن عکرمة عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ صنفان من هذه الامة لیس لهما فی الاسلام نصیب المرجئه والقدریة. (ابن ماجہ)

عرف "المرجئة" و"القدرية" مع ذكر بعض عقائدهما. اشرح الحديث. ما معنى قوله ليس لهما فى الاسلام نصيب "هما خارجان عن الاسلام؟ وضحه ببسط. عد الحافظ سراج الدين القزويني هذا الحديث موضوعا فلما ذاحكم عليه بكونه موضوعا؟ ومن المتكلم فيه؟ وهل اصاب فى الحكم بذلك ام لا.

**﴿خلاصۂ سوال﴾** ...... اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں (۱) مرجئہ وقدریہ کا تعارف وعقائد (۲) حدیث کی تشریح (۳) لیس لهما فی الاسلام نصیب کا معنی (۴) حدیث کے موضوع ہونے کی وضاحت۔

**جواب** ...... **① مرجئہ وقدریہ کا تعارف وعقائد:۔** "مرجئہ" ایک گمراہ فرقہ ہے مگر یہ کون لوگ ہیں اس کا مصداق کون ہیں؟ اس میں اختلاف ہے چنانچہ ملا علی قاری شارح مشکوٰۃ نے ابن الملک کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مرجئہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ تمام افعال عباد من جانب اللہ متعین ہے بندہ کا کوئی اختیار نہیں ہے بندہ تو مجبور محض ہے اور جس طرح کفر کے ساتھ طاعت مفید نہیں ہے اسی طرح ایمان کیساتھ معصیت بھی کوئی نقصان نہیں دیتی ہے۔ علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مرجئہ وہ فرقہ ہے جو ایمان کو قول بلا عمل بتلاتا ہے کہ ایمان صرف قول کا نام ہے عمل کا کوئی دخل ہی نہیں ہے یہی قول علامہ محمود الحسن نے الفرق الاسلامیہ میں لکھا ہے اور اس پر ایک حدیث بھی نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ ھم الذین یقولون

الایمان کلام مرجئہ و جماعت ہے جو محض کلام کے ذریعے ایمان کی تعریف کرتے ہیں اور عمل کو غیر ضروری قرار دیتے ہیں۔

ملا علی قاری ﷫ علامہ ذہبی کے قول کو غلط قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مرجئہ در حقیقت جبریہ ہی ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ بندہ مجبور محض ہے بندے کو نہ خلق افعال کا اختیار ہے نہ کسب افعال کا اختیار ہے اور بندے کی طرف جو افعال منسوب ہیں وہ ایسا ہی ہے جس طرح افعال کی اضافت جمادات کی طرف۔

"قدریہ" بھی اسلامی فرقوں میں سے ایک گمراہ فرقہ ہے جو تقدیر الٰہی کا منکر ہے اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ بندے سے جو افعال صادر ہوتے ہیں اس میں قضاء و قدر کا کوئی دخل نہیں ہے بلکہ بندہ ہی افعال کا خالق بھی ہے اور کاسب بھی، تقدیر الٰہی کا کوئی دخل نہیں۔ علامہ عبد الکریم شہرستانی نے الملل والنحل میں لکھا ہے کہ قدریہ معتزلہ ہی کا لقب ہے اور یہ لوگ قدریہ سے یہ مراد لیتے ہیں کہ ہم تقدیر کی اچھی بری باتوں پر ایمان لاتے ہیں اس وجہ سے ہم قدریہ ہیں۔ (تکمیل الحاجہ ص ۱۵)

❷ حدیث کی تشریح اور لیس لهما فی الاسلام نصیب کا معنی:۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے یہ پیشین گوئی فرمائی ہے کہ میری امت میں سے دو جماعتیں ایسی ہوں گی جن کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہوگا اور وہ مرجئہ اور قدریہ ہیں۔ بعض علماء امت نے ظاہر حدیث پر نظر کرتے ہوئے ان دونوں فرقوں کی تکفیر کی ہے اور انہیں دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے مگر امت کے سواد اعظم اور جمہور محدثین نے تکفیر نہیں کی ہے اور فرمایا کہ لیس لهما فی الاسلام نصیب سے حصول نفس نصیب کی نفی نہیں ہے بلکہ حظ کامل اور نصیب وافر کی نفی مقصود ہے اور اس قول کی تائید ترمذی کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ ترمذی میں هذه الامة کے بجائے من امتی کا لفظ آیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ نبی کی امت میں داخل ہوتے ہوئے یہ دونوں فرقے وجود میں آئیں گے اور اسلام میں ان فرقوں کا حصہ کامل نہ ہوگا اور یہ اسی طرح ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے لیس للبخیل من ماله نصیب کہ حالت پسند کیلئے خود اس کے مال میں کوئی حصہ نہیں ہے اسی طرح مرجئہ اور قدریہ اسلام میں داخل ہوتے ہوئے ان کا اسلام میں معتد بہ حصہ نہیں ہے۔ نیز یہ حدیث زجر و توبیخ پر محمول ہے۔ نیز یہاں کفر سے کفر تاویلی مراد ہے نہ کہ کفر ارتدادی۔ نیز اس حدیث کی صحت پر علماء محدثین کا کلام ہے لہٰذا مختلف فیہ حدیث سے کسی کا کفر ثابت نہیں ہو سکتا۔ حدیث شریف کی یہ تاویل اسلئے کرنی پڑی کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کی جاتی ہے خواہ بدعتی اور مرتکب کبیرہ ہی کیوں نہ ہو، چنانچہ امام نووی شارح مسلم لکھتے ہیں کہ اہل حق کا صحیح مذہب یہ ہے کہ کسی بھی اہل قبلہ کی اس کے گناہ کے سبب ہم تکفیر نہیں کریں گے۔ حافظ ابن حجر نے اس قول کی تصویب فرمائی ہے واعلم ان مذهب الحق انه لایکفر احد من اهل القبلة بذنب ولا یکفر اهل الاهواء والبدع الخ۔

❸ حدیث کے موضوع ہونے کی وضاحت:۔ اس حدیث کی سند میں علی بن نزار راوی ضعیف ہے اسلئے حافظ سراج الدین قزوینی نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے مگر حافظ صلاح الدین اور حافظ ابن حجر ﷫ نے کہا ہے کہ یہ حدیث موضوع نہیں ہے۔ البتہ علی بن نزار کی وجہ سے ضعیف ضرور ہے۔ الحاصل یہ حدیث ضعیف ہے موضوع نہیں ہے۔

## السوال الثالث ﴿الشمائل﴾ ۱۴۲۸ھ

**الشق الاول** ...... لَمْ یَکُنِ النَّبِیُّ ﷺ بِالطَّوِیْلِ وَلَا بِالْقَصِیْرِ شَثْنُ الْکَفَّیْنِ وَالْقَدَمَیْنِ، ضَخْمُ الرَّأْسِ، ضَخْمُ الْکَرَادِیْسِ طَوِیْلُ الْمَسْرُبَةِ إِذَا مَشٰی تَکَفَّأَ تَکَفُّئًا کَأَنَّمَا یَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ، لَمْ أَرَ قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ضَلِیْعَ الْفَمِ اَشْکَلَ الْعَیْنِ مَنْهُوْسَ الْعَقِبِ۔ (ص، ترمذی) اشرح الکلمات المعلمة لغةً وصرفًا۔ شکل العبارة وترجمها۔ اذکر ما ورد فی صفة شعر رسول اللّٰه ﷺ فی الاحادیث۔ (خصائل نبوی ص ۷)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل چار امور ہیں (۱) کلمات مخطوطہ کی لغوی وصرفی تحقیق (۲) عبارت پر اعراب (۳) عبارت کا ترجمہ (۴) آپ ﷺ کے بالوں کی وصف۔

**جواب** ...... ❶ **کلماتِ مخطوطہ کی لغوی وصرفی تحقیق:۔** "شَثْنٌ" موٹا اور پُر گوشت "شَثُنَ" مصدر از باب کرم بمعنی موٹا اور سخت ہونا۔

"الْمَسْرُبَةُ" مفرد ہے اس کی جمع مسارب ہے بمعنی سینے کے درمیان میں پیٹ تک کے بال۔

"تَكَفَّأ" صیغہ واحد مذکر غائب بحث فعل ماضی معلوم از باب "تفعّل" بمعنی لڑکھڑانا اور مراد جھک کر چلنا۔

"صَبَبٌ" مفرد ہے اس کی جمع "أصباب" ہے بمعنی نشیب، نیچی جگہ۔ "منھوس" اسم مفعول کا صیغہ ہے بمعنی کم گوشت والا، دبلا پتلا۔

"ضَلِيعٌ" مفرد ہے اس کی جمع ضُلَعٌ ہے بمعنی مضبوط پسلیوں والا قوی یہاں مراد بڑے منہ والا ہے۔

"اشكل" مفرد ہے اس کی جمع شُكْلٌ ہے بمعنی سفید سُرخی مائل شَكِلَ از باب سمع بمعنی سرخ سفید ہونا۔

"العقب" مفرد ہے اس کی جمع اعقاب ہے بمعنی ایڑی، بیٹا اور پوتا، انجام۔

❷ **عبارت پر اعراب:۔** كما مرّ في السوال آنفا۔

❸ **عبارت کا ترجمہ:۔** حضرت علی ؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نہ زیادہ طویل تھے نہ کوتاہ قد، ہتھیلیاں اور دونوں پاؤں پُر گوشت تھے۔ حضور ﷺ کا سر مبارک بھی بڑا تھا اور اعضا کے جوڑ کی ہڈیاں بھی بڑی تھیں۔ سینہ سے لیکر ناف تک بالوں کی ایک باریک دھاری تھی۔ جب حضور ﷺ چلتے تھے گویا کہ کسی اونچی جگہ سے نیچے کو اتر رہے ہیں۔ حضرت علی ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ جیسا نہ حضور ﷺ سے پہلے دیکھا نہ بعد میں دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ کشادہ منہ والے، آنکھوں کی سفیدی میں سرخ ڈوروں والے اور پتلے قدم مبارک والے تھے۔

❹ **آپ ﷺ کے بالوں کی وصف:۔** آنحضرت ﷺ کے بالوں کے متعلق متعدد احادیث منقول ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے صرف چند مرتبہ ہی سر کے بال منڈائے تھے اور اکثر زلفیں ہوتی تھیں اور زلفوں کے متعلق وفرہ، لمہ، جمہ تینوں طرح کے الفاظ ذکر کیے گئے ہیں یعنی کبھی کانوں کی لو تک، کبھی کانوں اور کندھوں کے درمیان تک اور کبھی کندھوں تک بال ہوتے تھے یہ مختلف اوقات اور زمانہ کے لحاظ سے ہے اور آپ ﷺ کے بال نہ بالکل سیدھے تھے اور نہ بالکل پیچیدہ بلکہ ان میں معمولی پیچیدگی اور گھنگھریالا پن تھا اور آپ ﷺ بالوں پر اکثر تیل استعمال فرماتے تھے اور داڑھی مبارک میں بکثرت کنگھی کرتے تھے اور سر مبارک میں بھی کبھار کنگھی کرتے تھے اور سر مبارک میں مانگ بھی نکالتے تھے اور خضاب بھی لگانا مروی ہے اور چند بال چودہ سے بیس تک سفید تھے۔

**الشق الثانی** ...... سمعت سعد بن ابی وقاص يقول: انی لاول رجل اهراق دما فی سبيل الله، وانی لاول رجل رمى بسهم فی سبيل الله، لقد رايتنی اغزو فی العصابة من اصحاب محمد عليه الصلوة والسلام مانا كل الا ورق الشجر و الحبلة حتى تقرحت اشداقنا وان احدنا ليضع كما تضع الشاة والبعير، واصبحت بنو اسد يعزروننی فی الدين، لقد خبت وخسرت اذا وضل عملی. (ص۲۸،قدیمی)

ترجم الحديث ۔ ترجم لسيدنا سعد بن ابی وقاص ترجمة موجزة. اشرح الكلمات المعلمة لغة وصرفا. اشرح ما اشار اليه من القصص الثلاث فی هذا الحديث . ما معنى قوله: واصبحت بنو اسد يعزروننی فی الدين وما قصته؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں پانچ امور توجہ طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کا تعارف (۳) کلمات مخطوطہ کی لغوی وصرفی تحقیق (۴) قصص مذکورہ کی تشریح (۵) بنو اسد کے قصہ کی وضاحت۔

**جواب** ...... **①** **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ امت محمدیہ میں سب سے پہلا شخص جس نے کسی کافر کا خون بہایا ہو میں ہی ہوں اور ایسے ہی پہلا وہ شخص جس نے جہاد میں تیر پھینکا ہو میں ہوں۔ ہم لوگ (یعنی صحابہ کی جماعت ابتداء اسلام میں) ایسی حالت میں جہاد کیا کرتے تھے کہ ہمارے پاس کھانے کی کوئی چیز نہیں ہوتی تھی درختوں کے پتے اور کیکر کی پھلیاں ہم لوگ کھایا کرتے تھے جس کی وجہ سے منہ کے جبڑے زخمی ہو گئے تھے اور پتے کھانے کی وجہ سے پاخانہ میں بھی اونٹ اور بکری کی طرح مینگنیاں نکلا کرتی تھیں اسکے بعد بھی قبیلہ بنو اسد کے لوگ اسلام کے بارہ میں مجھ کو دھمکاتے ہیں اگر میری دین سے ناواقفیت کا یہی حال ہے جیسا یہ لوگ بتاتے ہیں تو خسر الدنیا والاخرۃ دنیا اس تنگی و عسرت میں گئی اور دین کی یہ حالت کہ نماز سے بھی واقفیت نہ ہوئی۔

**②** **حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا تعارف:۔** نام ونسب: آپ کا اسم گرامی سعد کنیت ابو اسحاق، والد بزرگوار کا نام مالک کنیت ابو وقاص، والدہ کا نام حمنہ تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے، سعد بن ابی وقاص مالک بن وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ، چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زہری خاندان میں سے تھے اس لئے حضرت سعد بن وقاص رشتہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بار بار اس رشتہ کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے۔

قبول اسلام: آپ نے ابھی عمر مبارک کی انیسویں منزل طے کی تھی کہ آپ کے دل کی دنیا بدلنے لگی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صدائے توحید حضرت سعد کے قلب پر اثر انداز ہونے لگی چنانچہ فیصلہ خداوندی کے مطابق حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر مشرف با اسلام ہوئے۔ والدہ محترمہ نے جب حضرت سعد کے ایمان کے متعلق سنا تو قسم کھا کے مارے کھانا پینا چھوڑ دیا۔ مسلسل تین روز تک آب ودانہ سے قطعا دور رہیں لیکن جو دل ایمانی حلاوت اور توحید خداوندی سے آشنا ہو چکا تھا وہ کفر و شرک کی طرف دوبارہ کیوں کر عود کر سکتا تھا حضرت سعد نے ماں کی اس حالت زار کا مشاہدہ کیا مگر جبین استقلال پر ذرہ برابر شکن بھی نہ پڑی، قبول اسلام کے بعد ہجرت نبوی تک مکۃ المکرمہ ہی میں اقامت پذیر رہے اور عام مسلمانوں کی طرح حضرت سعد کے لئے مکہ کی زمین باوجود وسعت اور فراخی وامن کے تنگ ہوگئی۔ ان پر بھی مصائب و آلام اور شدائد و تکالیف کے پہاڑ ٹوٹے مگر عزم و استقلال میں ذرہ برابر بھی تزلزل نہیں آیا بلکہ اس سے مزید ایمان مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ آپ عشرہ مبشرہ میں سے ایک تھے۔ راہ خداوندی میں سب سے پہلے تیر چلانے والے آپ ہی ہیں۔

حالات پر اچٹتی نظر: حضرت سعد رضی اللہ عنہ ایمان لانے کے بعد تمام غزوات میں شریک رہے اور نہایت بہادری، جوانمردی اور شجاعت کے ساتھ کفار سے مقابلہ کیا۔ آپ کی شجاعت و بہادری اور دلیری و ہوشیاری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مسلم تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے انسان بھی اس کا اعتراف کرتے تھے۔ آپ تدبر و تفکر، حلم و بردباری اور حکمرانی صلاحیت میں معروف تھے یہی وجہ ہے کہ آپ ایک عرصہ تک کوفہ کے والی بھی رہے ہیں۔ نکاح اور اولاد: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے مختلف وقتوں میں متعدد شادیاں کی ہیں جن کی تعداد علماء کرام اور محدثین کرام نے نو بیان کی ہے اور تقریباً چونتیس اولادیں تھیں جن میں سے سترہ نرینہ اولاد اور باقی لڑکیاں تھیں۔

سانحہ وفات: حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو درویشی کی زندگی پسند تھی بوریا نشینی ہی اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے اور اسی میں بھلائی جانتے تھے اسی وجہ سے حضرت سعد نے اپنی زندگی بسر کرنے کیلئے مدینہ منورہ سے دور دس میل کے فاصلے پر مقام عقیق میں ایک محل تعمیر کروایا تھا اور وہیں زندگی کے بقیہ ایام بسر کرنے لگے تھے یہاں تک کہ عشرہ مبشرہ میں سے سب سے آخر میں ۵۵ھ یا ۵۸ھ میں اسی جگہ وفات ہوئی، مروان بن الحکم نے جنازہ پڑھایا۔ (کشف الباری فضائل صحابہ ص ۲۵۲)

**③** **کلمات مخطوطہ کی لغوی وصرفی تحقیق:۔** "لیضع" صیغہ واحد مذکر غائب بحث فعل مضارع معلوم از باب فتح بمعنی رکھنا۔ "عصابة" اس کی جمع عصائب ہے بمعنی انسان کی جماعت از باب سمع بمعنی اجتماع کرنا۔

"حبلة" اس کی جمع احبال ہے بمعنی انگور کی بیل یا اس کی شاخیں اور از باب نصر بمعنی بھر جانا۔

"تقرحت" صیغہ واحد مؤنث غائب بحث فعل ماضی معلوم از باب تفعل بمعنی زخمی ہونا۔

"اشداقنا" جمع ہے اور اس کا مفرد شدق ہے بمعنی منہ کا جبڑا۔ "اھراق" مصدر ہے از باب افعال بمعنی گرانا۔

"یعزروننی" صیغہ جمع مذکر غائب بحث فعل مضارع معلوم از باب تفعیل بمعنی ملامت کرنا، دھمکی دینا۔

❹ **قصص مذکورہ کی تشریح:۔** حضرت سعد ؓ کے سب سے پہلے تیر چلانے کا واقعہ: یہ ہجرت کے بعد ۱ھ کا واقعہ ہے اور اسلام میں سب سے پہلا سریہ ہے یعنی یہ سب سے پہلی اسلامی مجاہدین کی فوج ہے جسے آپ ﷺ نے حضرت عبیدہ بن حارث ؓ کی سربراہی میں رابغ بھیجا تھا اس میں کفار سے لڑائی ہوئی دونوں طرف سے تیر چلائے گئے، مسلمانوں کی طرف سے سب سے پہلا تیر حضرت سعد ؓ نے چلایا تھا۔

حضرت سعد ؓ کے سب سے پہلے خون بہانے کا واقعہ: میں سب سے پہلا شخص ہوں جس نے کسی کافر کا خون گرایا۔ یہ ہجرت سے قبل کا واقعہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں لوگ نہایت پریشان اور مصائب میں مبتلا تھے کفار سے چھپ کر نماز وغیرہ عبادات کیا کرتے تھے ایک مرتبہ چند حضرات جن میں حضرت سعد ؓ بھی تھے ایک گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے کہ مشرکین کی ایک جماعت وہاں پہنچ گئی ان لوگوں کو برا بھلا کہا اور لڑائی پر اتر آئی تو حضرت سعد ؓ نے اونٹ کا ایک جبڑا جو وہاں پڑا تھا اس کو اٹھا کر ایک کافر کے مارا جس سے اسکے خون جاری ہو گیا۔ اللہ کے راستہ میں سب سے پہلے خون گرانے سے یہی مراد ہے۔

"شجر وحبلہ" کے کھانے کا واقعہ: یہ قصہ سریہ خبط کہلاتا ہے جو باختلاف اقوال ۸ھ یا رجب ۸ھ میں ہوا ہے اس کا مختصر قصہ یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے تین سو مہاجرین و انصار کو حضرت ابو عبیدہ بن الجراح ؓ کی ماتحتی میں مدینہ منورہ سے پانچ روز کی منزل پر سمندر کے کنارے قبیلہ جہینہ کے مقابلہ کیلئے بھیجا تھا۔ اس لشکر میں اولاً تین اونٹ یومیہ ذبح ہوتے تھے اور جب اونٹوں کی قلت کے خوف سے امیر نے ذبح کی ممانعت فرمادی تو کچھ مقدار کھجوریں تقسیم ہوتی تھیں اور وہ بھی کم ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ ایک کھجور یومیہ آدمی ملتی تھی کہ اس کو چوستے رہتے اور پانی پیتے رہتے لیکن جب وہ بھی ختم ہو گئیں تو درختوں کے پتے جھاڑ کر کھانے کی نوبت آئی۔

خبط کے معنی پتے جھاڑنے کے ہیں اس لئے اس کا نام سریہ الخبط مشہور ہو گیا۔ (خصائل نبوی۔ ص ۳۵۲)

حبلہ کا معنی کیکر کے درخت پر لگنے والا پھل جسے کیکر کی پھلی کہا جاتا ہے۔

❺ **بنو اسد کے قصہ کی وضاحت:۔** حضرت سعد ؓ نے اس حدیث میں اپنے کارنامے اور اپنی مساعی جمیلہ اور قدیم الاسلام ہونا بیان کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ حضرت عمر ؓ کے زمانہ میں کوفہ کے امیر تھے۔ کوفہ کے کچھ لوگوں نے حضرت عمر ؓ سے ان کی بہت سی شکایات کیں حتی کہ یہ بھی شکایت کی کہ یہ نماز تک بھی اچھی طرح سے نہیں پڑھتے۔ حضرت عمر ؓ نے انکو بلوایا اور بلا کر ارشاد فرمایا کہ لوگ تمہاری بہت سی شکایات کرتے ہیں حتی کہ نماز تک کی بھی شکایت کرتے ہیں۔ اس پر انہوں نے اپنی صفائی میں اپنا قدیم الاسلام ہونا اسلام کے بارے میں مشقتوں کا برداشت کرنا وغیرہ بیان کرکے عرض کیا کہ یہ لوگ مجھے نماز پر دھمکیاں دیتے ہیں میں نے جس طرح حضور اقدس ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا میں اس سے ذرا بھی کوتاہی نہیں کرتا۔ اس پر حضرت عمر ؓ نے ان کے ساتھ کوفہ میں دو آدمی بھیجے کہ وہ وہاں گشت کرکے ان سے متعلقہ شکایات کی تحقیق کرکے آئیں۔ انہوں نے کوئی مسجد کوفہ کی ایسی نہیں چھوڑی جس میں جا کر نمازیوں سے حالات کی تحقیق نہ کی ہو سب نے ان کی تعریف کی البتہ ایک شخص نے یہ کہا کہ جب قسم دیکر پوچھتے ہو تو سچ بتاؤں کہ سعد جہاد کیلئے نہیں نکلتے گویا اپنی جان پیاری ہے دوسرے یہ کہ تقسیم میں مساوات اور برابری نہیں کرتے

اور غصہ میں اضافہ نہیں کرتے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس نے تین شکایات کی ہیں اسلئے ہر ایک کے مناسب تین بددعائیں کرتا ہوں یا اللہ اگر یہ شخص جھوٹا ہے محض شہرت اور دنیا کو دکھلانے کی غرض سے کھڑا ہوا ہے کہ بڑے آدمی پر تنقید کرنے سے شہرت ہوا کرتی ہے تو اس کی عمر دراز فرما دے اور فقر میں اضافہ کر اور فتنوں میں مبتلا فرما۔ اس کے بعد دیکھنے والا اپنا مشاہدہ بیان کرتا ہے کہ میں نے اس شخص کو دیکھا کہ بڑھاپے کی وجہ سے پلکیں آنکھوں پر گر گئی تھیں اور فقیر ہو گیا تھا۔ گلی کوچوں میں لڑکیوں کو چھیڑتا تھا اور کوئی پوچھتا کہ کیا حال ہو گیا تو کہتا کہ سعد کی بددعا لگ گئی (اللھم انا نعوذبک من غضبک و غضب رسولک وغضب اولیائک) ۔(ایضا)

## ﴿الورقة الاولى: السنان مع الشمائل﴾

### ﴿السوال الاول﴾ ﴿سنن النسائی﴾ ۱۴۲۹ھ

**الشق الاول** ...... عن انس قال اقبل علینا رسول اللہ ﷺ بوجھہ حین قام الی الصلوٰۃ قبل ان یکبر فقال اقیموا صفوفکم وتراصوا فانی اراکم من وراء ظھری . وفی روایۃ راصوا صفوفکم وقاربوا بینھما وحاذوا بالاعناق فوالذی نفس محمد بیدہ انی لاری الشیاطین تدخل من خلل الصف کانھا الحذف.

ترجم الحدیثین المبارکین . حقق الکلمات التی تلی صرفا ولغۃ : تراصوا ،خلل، الحذف. اشرح قولہ علیہ السلام فانی اراکم من وراء ظھری حسب رأی شراح الحدیث بکل بسط وتفصیل.

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) احادیث کا ترجمہ (۲) تراصوا ، راصوا ، خلل ، الحذف کی تحقیق (۳) فانی اراکم من وراء ظھری کی تشریح۔

**جواب** ...... ❶ **احادیث کا ترجمہ:۔** حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے چہرے کے ساتھ ہماری طرف متوجہ ہوئے جس وقت کہ آپ نماز کیلئے کھڑے ہوئے تکبیر کہنے سے پہلے پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی صفوں کو سیدھا کرو اور مل مل کر کھڑے ہوں پس بے شک میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے دیکھتا ہوں اور ایک روایت میں فرمایا کہ صفوں میں گھس گھس کر کھڑے ہو اور صفوں میں فاصلہ نہ چھوڑو اور گردنیں برابر رکھو پس قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے بے شک میں البتہ دیکھتا ہوں شیاطین کو کہ وہ صفوں کے درمیان داخل ہوتے ہیں گویا کہ وہ بکری کے سیاہ بچے ہیں۔

❷ **تراصوا ، راصوا ، خلل ، الحذف کی تحقیق:۔** "تَرَاصُّوْا" صیغہ جمع مذکر امر حاضر معلوم از مصدر تَرَاصُّ (تفاعل) بمعنی باہم ملنا و چمٹنا۔ "خَلَل" یہ جمع ہے اس کا مفرد خَلَّۃٌ ہے بمعنی سوراخ۔ "اَلْحَذَف" یہ اسم ہے بمعنی چھوٹی بھیڑ بکری کا بچہ۔

❸ **فانی اراکم من وراء ظھری کی تشریح:۔** ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ بحالت نماز پیچھے کی طرف سے حضور ﷺ کا دیکھنا یا تو مشاہدہ کے ساتھ تھا اور یا مکاشفہ کے ساتھ تھا۔ اور حضور ﷺ کا یہ کلام ظاہر پر محمول ہے کہ واقعی حضور ﷺ خرق عادت پیچھے کی طرف سے بھی مقتدیوں کے احوال کو دیکھتے اسی کو علماء محققین نے قول حق اور راجح قرار دیا ہے۔ علامہ سندھیؒ نے اس کی حکمت یہ بیان کی کہ کمزور لوگ یا بعض منافقین جو اقامت صفوف کا اہتمام نہیں کرتے تھے وہ اقامت صفوف کے معاملہ میں بے احتیاطی کو چھوڑ دیں اور صفوں کی درستگی کے حکم کے ساتھ صفیں درست کرلیا کریں۔ (شرح نسائی ج۱ ص۲۳۲)

**الشق الثانی** ...... عن انس ان اعرابیا بال فی المسجد فقام علیہ بعض القوم فقال رسول اللہ ﷺ دعوہ لاتزرموہ فلما فرغ دعا بدلو فصبہ علیہ.(ص۳۳-ج۱) ترجم الحدیث . من ھوالاعرابی . ھل الارض النجسۃ تطھر بالجفاف ام لابدمن صب الماء علیھا وعلی الاول لم اختار النبی ﷺ صب الماء ولم یکتف بالجفاف

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) اعرابی کا نام (۳) زمین کی تطہیر کا طریقہ۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک اعرابی (دیہاتی شخص) نے مسجد میں پیشاب کرنا شروع کر دیا بعض لوگ اس کو پکڑنے یا مارنے کے لئے اٹھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو اس کو مت جھڑکو، پس جب وہ پیشاب سے فارغ ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کا ایک ڈول منگوایا اور اسکو پیشاب پر بہا دیا۔

❷ اعرابی کا نام:۔ مسجد میں پیشاب کرنے والا شخص کون تھا اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے اقرع بن حابس، بعض نے عیینہ بن حصین اور بعض نے ذوالخویصرہ یمانی یا تمیمی کا نام ذکر کیا ہے اور یہی قول راجح ہے۔ (ایضاح الطحاوی ج ص ۸۱)

❸ زمین کی تطہیر کا طریقہ:۔ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک اگر زمین پیشاب وغیرہ سے ناپاک ہو جائے تو اس پر بکثرت پانی ڈالنے سے وہ پاک ہو جاتی ہے اس کے علاوہ زمین کی تطہیر کا اور کوئی طریقہ نہیں ہے۔

حنفیہ کے نزدیک ناپاک زمین کی تطہیر کے تین طریقے ہیں: ① زمین کو کھرچ کر ناپاک مٹی کو پھینک دینے سے زمین پاک ہو جاتی ہے ② ناپاکی پر بکثرت پانی بہا دینے سے بھی زمین پاک ہو جاتی ہے ③ زمین کے از خود خشک ہونے سے بھی زمین پاک ہو جاتی ہے خواہ دھوپ سے خشک ہو یا ہوا وغیرہ سے۔ اور حنفیہ کے نزدیک مکلف کو تینوں طریقوں میں اختیار ہے کہ جو طریقہ مرضی اختیار کرے اور حدیث الباب میں حصول طہارت کے مختلف طریقوں میں سے ایک طریقہ کو اختیار کیا گیا، جو حنفیہ کے نزدیک بھی مسلم ہے۔

لہٰذا حدیث الباب حنفیہ کے خلاف نہیں ہے جیسا کہ لوگوں نے سمجھا ہے کیونکہ حنفیہ کا اصول ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں متعدد روایات مروی ہوں تو حتی الامکان ان کو جمع کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اگر جمع کرنا مشکل ہو تو پھر ترجیح کا طریقہ اختیار کرتے ہیں، چنانچہ یہاں بھی حنفیہ نے تمام روایات کو قابل عمل سمجھا ہے۔ بخلاف ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے کہ انہوں نے زمین کی تطہیر کو صرف پانی بہانے تک محدود رکھا ہے۔

باقی رہا یہ سوال کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں پانی کیوں بہایا؟ خشک ہونے پر اکتفاء کیوں نہ کیا؟

جواب کا حاصل یہ ہے کہ زمین کے خشک ہونے کیلئے وقت درکار ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ نماز کا وقت قریب ہو اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوری طور پر پانی کا ڈول منگوا کر اسکے اوپر بہایا تاکہ فی الفور وہ جگہ نماز کیلئے قابل استعمال ہو سکے۔ (ایضاً)

## ﴿السوال الثانی﴾ ﴿سنن ابن ماجہ﴾ ۱۴۲۹ھ

**الشق الاول** ...... عن عبدالله بن عمرو قال قال رسول الله ﷺ: العلم ثلاثة، فما وراء ذلك فهو فضل: آية محكمة او سنة قائمة اوفريضة عادلة. (ص۶-قدیمی) ترجم الحديث واشرحه. هل النحو والصرف وعلوم العربية كلها من فضول العلم ام من اصوله، اذكر في ضوء هذا الحديث ؟ من هو عبدالله بن عمرو؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی تشریح (۳) علم صرف ونحو وعلوم عربیہ کی وضاحت (۴) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا تعارف۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اصل علم تین ہیں اور جو اس کے علاوہ ہیں وہ زائد ہیں (اور وہ تین یہ ہیں) ۔ آیت محکمہ اور سنت قائمہ اور فریضہ عادلہ۔

❷ حدیث کی تشریح:۔ العلم پر الف لام عہد ذہنی کے لئے ہے اس سے مراد اصل علوم دین ہیں یعنی وہ علوم جن پر دین اسلام کی بنیاد ہے وہ تین ہیں اس کے علاوہ جتنے علوم ہیں مثلاً علم نحو، علم صرف، علم منطق، علم کلام، علم طب، علم بیان، علم معانی، علم بلاغت، علم بدیع، علم عروض، علم قوافی، علم ہندسہ، علم فلسفہ، علم ہیئت، علم میقات اور اس جیسے دیگر علوم سب زائد از ضرورت ہیں ان کا حصول

ضروری نہیں ہے اور نہ مقصود ہے بلکہ مقصود تو صرف علم قرآن وحدیث اور اس کے متعلقات ہیں ان کے علاوہ دیگر علوم محض قرآن وحدیث کے سمجھنے کے لئے آلہ اور ذریعہ ہیں، مقصود نہیں ہیں۔

"آیۃ محکمۃ" سے مراد وہ آیات ہیں جو نہ منسوخ ہیں اور نہ ان کی مراد میں کسی قسم کا اشتباہ ہے اور نہ ہی اس میں چند معانی کے احتمالات ہیں، بلکہ اس کے معنی بالکل واضح اور متعین ہیں قیاس اور رائے زنی کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔

"سنۃ قائمۃ" لا۔ برائے تنویع ہے سنت قائمہ سے مراد وہ معمول بہا احکام ومسائل ہیں جو آپ علیہ السلام سے بسند صحیح ثابت اور منقول ہیں بعض لوگوں نے سنت قائمہ سے مراد احکام العمل بتلایا ہے یعنی وہ احکام جن پر ہمیشہ عمل ہوتا ہو۔

"فریضۃ عادلۃ" اس جملہ کی شرح کرتے ہوئے ملا علی قاری شارح مشکوۃ نے چار اقوال نقل کئے ہیں۔

① فریضہ عادلہ سے وہ تمام احکام ومسائل مراد ہیں جو کتاب وسنت اور ایسے اجماع وقیاس سے مستنبط اور مستخرج ہوں جو وجوب عمل اور صدق وصواب ہونے میں منصوص کے حکم کے مساوی ہیں۔ ② فریضہ عادلہ سے مراد وہ احکام ہیں جن کی تعدیل و تصدیق قرآن وسنت کرے۔ ③ فریضہ عادلہ سے مراد وہ تمام مسائل شرعیہ مستنبطہ ہیں جن پر مسلمانوں نے اتفاق کر لیا ہو۔ ④ فریضہ عادلہ سے مراد علم فرائض کے وہ احکام ہیں جن سے ترکہ کو ورثہ کے درمیان عدل وانصاف سے تقسیم کیا جائے، خلاصہ یہ ہے کہ دلائل شرعیہ چار ہیں کتاب، سنت، اجماع اور قیاس۔ اجماع اور قیاس کو فریضہ عادلہ کہا جاتا ہے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علم تین ہیں ① علم الکتاب، آیۃ محکمۃ سے اسی کی جانب اشارہ ہے اور آیات محکمات ہی اصل کتاب اور دین کی اصل الاصل ہیں ② علم السنہ، سنۃ قائمۃ سے اسی کی جانب اشارہ ہے اسکے اندر حفاظت حدیث کے تمام ذرائع مثلاً رواۃ جرح وتعدیل، اسانید حدیث کی صحت وضعف، اقسام حدیث کی معرفت اور متون حدیث کی حفاظت وغیرہ بھی علوم ان کے تحت آتے ہیں ③ علم الاجماع والقیاس، فریضہ عادلہ سے اسی کی طرف اشارہ ہے۔ (تکمیل الاذہان ص ۱۲۷)

**③ علم صرف ونحو وعلوم عربیہ کے اصول یا فضول ہونے کی وضاحت:۔** کمامرّ آنفاً۔

**④ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا تعارف:۔** یہ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص بن وائل بن ہاشم بن سعید (بالتصغیر) السہمی ہیں، ان کی کنیت ابو محمد، ابو عبدالرحمن یا ابو نصیر ہے، عبادلہ اربعہ میں سے ایک ہیں۔

ان کا شمار فی الحقیقت حضرات صحابہ مکثرین میں ہونا چاہیے تھا لیکن چونکہ ان کی روایات ہم تک کم پہنچی ہیں اس لئے ان کو مکثرین فی الحدیث میں شمار نہیں کیا گیا۔ یہ وہی صحابی ہیں جنہوں نے حضور اکرم ﷺ سے کتابت حدیث کی اجازت مانگی تھی اور احادیث کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا جس کا نام انہوں نے "الصحیفۃ الصادقۃ" رکھا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں **ما من اصحاب النبی ﷺ احد اکثر حدیثا عنہ منی، الا ماکان من عبداللہ بن عمرو، کان یکتب ولا اکتب۔**

ان کی روایات جو ہم تک پہنچی ہیں وہ کل سات سو ہیں جن میں سے متفق علیہ سترہ احادیث ہیں پھر آٹھ احادیث میں امام بخاری رحمہ اللہ منفرد ہیں اور بیس حدیثوں میں امام مسلم رحمہ اللہ منفرد ہیں۔

یہ اپنے والد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے پہلے مسلمان ہوئے ماں کے اور ان کے والد کی عمر میں گیارہ یا بارہ سال کا فرق بتایا جاتا ہے۔ صحابہ کرام میں بڑے عابد وزاہد صحابی مشہور ہیں۔ اسی طرح کتب سابقہ کے مطالعہ میں بھی دوسروں سے ممتاز تھے۔ اصح قول کے مطابق ایام حرہ میں طائف کے مقام پر ان کی وفات ہوئی۔ (کشف الباری ج ۱ ص ۶۷۹)

**الشق الثاني** ...... حدثنا محمد بن عبدالملك ثنا ابوعاصم العباداني ثنا الفضل الرقاشي عن محمد بن المنكدر عن جابر بن عبدالله قال قال رسول الله ﷺ بينا اهل الجنة فى نعيمهم اذ سطع لهم نور فرفعوا رؤسهم، فاذا الرب قد اشرف عليهم من فوقهم فقال: السلام عليكم يا اهل الجنة. قال وذلك قول الله سلام قولا من رب رحيم. قال فينظر اليهم وينظرون اليه ولا يلتفتون الى شيئ من النعيم ماداموا ينظرون اليه حتى يحتجب عنهم ويبقى نوره وبركته عليهم فى ديارهم. (ص ١٦، قدیمی)

ترجم الحديث. يظهر من ظاهر الحديث نظرا الى قوله "قد اشرف عليهم من فوقهم" ان النساء لا يرين ربهن فما هو المخلص منه؟ قال بعض المحدثين هذا الحديث موضوع. اذكر من هو المتهم فى سند الحديث وحرر اقوال المحدثين فى جرحه وتوثيقه.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں۔ (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) عورتوں کے رؤیت باری تعالیٰ کرنے کی وضاحت (۳) متہم فیہ راوی کی تعیین ومحدثین کے اقوال۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث کا ترجمہ:** حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس دوران کہ جنت والے اپنی اپنی نعمتوں میں (مست ومگن) ہوں گے کہ اچانک ان کے سامنے ایک نور ظاہر ہوگا چنانچہ اہل جنت اپنے سروں کو اٹھائیں گے تو رب تعالیٰ ہوں گے جو ان پر اوپر سے جلوہ افروز ہوں گے اور کہیں گے سلامتی ہو تم لوگوں پر اے اہل جنت اور یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے قول سلام قولا من رب رحیم کا، اہل جنت اس کی طرف دیکھیں گے اور کسی بھی نعمت کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے وہ مسلسل اللہ تعالیٰ کو دیکھتے رہیں گے حتی کہ وہ ان سے چھپ جائے گا اور اس کا نور اور اس کی برکت ان کے دیار پر باقی رہ جائیگی۔

❷ **عورتوں کے رؤیت باری تعالیٰ کرنے کی وضاحت:** حق تعالیٰ کا یہ جلوہ افروز ہونا مردوں وعورتوں دونوں کے لئے ہوگا یا صرف مردوں کے لئے ہوگا؟ تو اس بارے میں شدید اختلاف ہے۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی کے نزدیک راجح یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا یہ جلوہ افروز ہونا تمام جنتیوں کے لئے ہوگا خواہ مرد ہوں یا عورتیں ہوں۔ اہل جنت کے عموم لفظ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ یہ نعمت عظمیٰ تمام جنت والوں کے لئے ہو۔ (تکمیل الحاجہ، حاشیہ)

❸ **متہم فیہ راوی کی تعیین ومحدثین کے اقوال:** علامہ ابن جوزی نے عبداللہ بن عبیداللہ ابو عاصم العبادانی کے طریق سے اس حدیث کو موضوعات میں شمار کیا ہے نیز الفضل رقاشی بھی کوئی اچھا راوی نہیں ہے، ائمہ جرح وتعدیل نے اس کیلئے رجل سوء کا لفظ استعمال کیا ہے۔ امام عقیلی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صرف عبداللہ بن عبیداللہ کے طریق سے مروی ہے، اس کا کوئی متابع بھی موجود نہیں ہے اور انہوں نے عبداللہ بن عبیداللہ کو منکر الحدیث قرار دیا ہے اور لکھتے ہیں کہ مذکورہ امور کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف ہو سکتی ہے البتہ اس کو موضوع قرار نہیں دے سکتے اس لئے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے بھی یہ حدیث مروی ہے۔ (حاشیہ)

## ﴿السوال الثالث﴾ (الشمائل) ١٤٢٩ھ

**الشق الأول** ...... عَنْ هِنْدِ بْنِ أَبِي هَالَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَخْمًا مُفَخَّمًا يَتَلَأْلَأُ وَجْهُهُ تَلَأْلُؤَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ أَطْوَلُ مِنَ الْمَرْبُوعِ وَأَقْصَرُ مِنَ الْمُشَذَّبِ عَظِيمُ الْهَامَةِ رَجِلُ الشَّعْرِ إِنِ انْفَرَقَتْ عَقِيقَتُهُ فَرَقَ وَإِلَّا فَلَا، يُجَاوِزُ شَعْرُهُ شَحْمَةَ أُذُنَيْهِ إِذَا هُوَ وَفَّرَهُ أَزْهَرُ اللَّوْنِ وَاسِعُ الْجَبِينِ أَزَجُّ الْحَوَاجِبِ سَوَابِغَ مِنْ غَيْرِ قَرَنٍ بَيْنَهُمَا عِرْقٌ يُدِرُّهُ الْغَضَبُ أَقْنَى الْعِرْنِيْنِ لَهُ نُورٌ يَعْلُوهُ يَحْسِبُهُ مَنْ لَمْ يَتَأَمَّلْهُ أَشَمَّ

كَثُّ اللِّحْيَةِ سَهْلُ الْخَدَّيْنِ ضَلِيْعُ الْفَمِ مُفَلَّجُ الْأَسْنَانِ دَقِيْقُ الْمَسْرُبَةِ كَأَنَّ عُنُقَهُ جِيْدُ دُمْيَةٍ فِيْ صَفَاءِ الْفِضَّةِ

شكل الحديث المبارك بالضبط وترجمه الى الاردية ، حقق الكلمات المعلمة لغةً وصرفًا (س ۱۴۲۹ھ)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) کلماتِ معلمہ کی لغوی و صرفی تحقیق۔

**جواب** ...... ❶ حدیث پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

❷ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ خود اپنی ذات کے اعتبار سے بھی شاندار تھے اور دوسروں کی نظروں میں بھی بڑے رتبے والے تھے آپ ﷺ کا چہرہ مبارک ماہِ بدر کی طرح چمکتا تھا آپ ﷺ کا قد مبارک بالکل متوسط قد والے آدمی سے کسی قدر طویل تھا لیکن زیادہ لمبے قد والے سے پست تھا سر مبارک اعتدال کے ساتھ بڑا تھا بال مبارک کسی قدر بل کھائے ہوئے تھے اگر بسہولت مانگ نکل آتی تو نکال لیتے تھے ورنہ اگر کسی وجہ سے بسہولت نہ نکلتی تو نہ نکالتے اور بال مبارک زیادہ ہوتے تھے تو کان کی لو سے متجاوز ہو جاتے تھے آپ ﷺ کا رنگ نہایت چمکدار تھا اور پیشانی کشادہ اور آپ کے ابرو خمدار باریک اور گنجان تھے دونوں ابرو جدا جدا تھے ان دونوں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت ابھر جاتی تھی آپ ﷺ کی ناک بلندی مائل تھی اور اس پر ایک چمک اور نور تھا ابتداءً دیکھنے والا آپ کو بڑی ناک والا سمجھتا آپ ﷺ کی داڑھی مبارک بھرپور اور گنجان بالوں کی تھی رخسار مبارک ہموار ہلکے تھے آپ ﷺ کا دہن مبارک اعتدال کے ساتھ فراخ تھا (یعنی تنگ منہ نہ تھا) آپ ﷺ کے دندان مبارک باریک آبدار تھے اور ان میں سے سامنے کے دانتوں میں ذرا ذرا فصل بھی تھا سینے سے ناف تک بالوں کی ایک باریک لکیر تھی آپ ﷺ کی گردن مبارک ایسی خوبصورت اور باریک تھی جیسا کہ مورتی کی گردن صاف تراشی ہوئی ہوتی ہے اور رنگ میں چاندی جیسی صاف اور خوبصورت تھی۔ (خصائل نبوی ص ۱۷)

❸ کلماتِ معلمہ کی لغوی و صرفی تحقیق:۔ "مُفَخَّمًا" صیغہ واحد مذکر بحث اسم مفعول از مصدر تفخیم (تفعیل) بمعنی تعظیم کرنا۔

"مَرْبُوْع" صیغہ واحد مذکر بحث اسم مفعول از مصدر اَلرَّبْع بمعنی میانہ قد ہونا۔

"مُشَذَّب" صیغہ واحد مذکر بحث اسم مفعول از مصدر تشذیب (تفعیل) بمعنی چھیلنا، چھانٹنا۔

"رَجِل" یہ مفرد ہے اس کی جمع اَرْجَال، رَجَالٰی ہے بمعنی گھنگریالے۔

"فَرَّقَ" صیغہ واحد مذکر غائب بحث فعل ماضی معلوم از مصدر تفریق (تفعیل) بمعنی جدا کرنا۔

"اَزَجّ" صیغہ صفت از مصدر زَجَجًا (ضرب) بمعنی لمبی و باریک ابرو والا ہونا۔

"اَقْنٰی" صیغہ صفت اس کی جمع قُنْو ہے بمعنی مغرور، سردار، اونچی ناک والا ہونا۔

**السوال الثانی** ...... قَالَتِ الْحَادِيَةَ عَشْرَةَ: زَوْجِيْ أَبُوْ زَرْعٍ، وَمَا أَبُوْ زَرْعٍ؟ أَنَاسَ مِنْ حُلِيٍّ أُذُنَيَّ، وَمَلَأَ مِنْ شَحْمٍ عَضُدَيَّ، وَبَجَّحَنِيْ فَبَجِحَتْ إِلَيَّ نَفْسِيْ، وَجَدَنِيْ فِيْ أَهْلِ غُنَيْمَةٍ بِشِقٍّ فَجَعَلَنِيْ فِيْ أَهْلِ صَهِيْلٍ وَأَطِيْطٍ، وَدَائِسٍ وَمُنَقٍّ، فَعِنْدَهُ أَقُوْلُ فَلَا أُقَبَّحُ، وَأَرْقُدُ فَأَتَصَبَّحُ، وَأَشْرَبُ فَأَتَقَنَّحُ، أُمُّ أَبِيْ زَرْعٍ فَمَا أُمُّ أَبِيْ زَرْعٍ؟ عُكُوْمُهَا رَدَاحٌ، وَبَيْتُهَا فَسَاحٌ، اِبْنُ أَبِيْ زَرْعٍ، وَمَا ابْنُ أَبِيْ زَرْعٍ؟ مَضْجَعُهُ كَمَسَلِّ شَطْبَةٍ وَتُشْبِعُهُ ذِرَاعُ الْجَفْرَةِ (س ۱۴۳۰ھ)

اشرح الكلمات المخطوطه لغةً وصرفا ـ شكل العبارة وترجمها ترجمة رائعة . ماالذى قصده المؤلف من ايراد حديث ام زرع فى كتابه الشمائل . لماذا لم تكن القصة داخلة فى الغيبة المحرّمة.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں پانچ امور توجہ طلب ہیں (۱) کلماتِ مخطوطہ کی لغوی و صرفی تحقیق (۲) عبارت پر اعراب (۳) عبارت کا ترجمہ (۴) حدیث ام زرع کو ذکر کرنے کا مقصد (۵) مذکورہ قصہ کے غیبت نہ ہونے کی وجہ۔

**جواب** ① **کلمات مخطوطہ کی لغوی وصرفی تحقیق:-** "شَحْمٌ" بمعنی چربی مصدر شَحَامَةٌ از باب کرم بمعنی بہت چربی والا ہونا۔

"بَجَّحَنِیْ" صیغہ واحد مذکر غائب بحث فعل ماضی معلوم از باب تفعیل بمعنی خوش کرنا۔

"غُنَیْمَةٍ" صیغہ تصغیر از باب سمع بمعنی غنیمت پانا۔ "أَطِیْطٍ" مصدر از باب ضرب بمعنی کڑکنا، آواز نکالنا مراد اونٹ کا بولنا۔

"صَهِیْلٍ" مصدر از باب فتح وضرب بمعنی گھوڑے کا ہنہنانا، گھوڑے کی آواز۔

"لَا أُقَبَّحُ" صیغہ واحد متکلم بحث نفی مضارع مجہول از باب تفعیل بمعنی برا بھلا کہنا۔

"أَتَصَبَّحُ" صیغہ واحد متکلم بحث فعل مضارع معلوم از باب تفعل بمعنی دن چڑھے تک سونا۔

"أَتَقَنَّحُ" صیغہ واحد متکلم بحث فعل مضارع معلوم از باب تفعل بمعنی سیر ہو کر چھوڑ دینا۔

"عُكُوْمُهَا" یہ جمع ہے اس کا مفرد عِكْمٌ ہے بمعنی گٹھڑی جس میں سامان ہو۔ عَكَمَ از باب ضرب بمعنی باندھنا۔

"فَسَاحٌ" بمعنی کشادگی از باب کرم بمعنی وسیع وکشادہ ہونا۔ "مَضْجَعٌ" صیغہ واحد بحث اسم ظرف بمعنی لیٹنے کی جگہ۔

"مَسَلّ" مصدر میمی بمعنی اسم مفعول از باب سمع بمعنی لاغر ہونا، سونتنا۔ "شَطْبَةٌ" مفرد ہے اس کی جمع شَطَبَاتٌ ہے بمعنی کٹی ہوئی تلوار۔

② **عبارت پر اعراب:-** كما مرّ في السؤال آنفا۔

③ **عبارت کا ترجمہ:-** گیارہویں عورت ام زرع نے کہا میرا خاوند ابو زرع تھا۔ ابو زرع کی کیا تعریف کروں زیوروں سے میرے کان جھکا دیئے (اور کھلا کھلا کر) چربی سے میرے بازو پر کر دیئے مجھے ایسا خوش وخرم رکھا کہ میں خود پسندی اور عجب میں اپنے آپ کو بھلی لگنے لگی، مجھے اس نے ایک ایسے غریب گھرانے میں پایا تھا جو بڑی تنگی کے ساتھ چند بکریوں پر گزارہ کرتے تھے اور وہاں سے ایسے خوش حال خاندان میں لے آیا تھا جن کے یہاں گھوڑے، اونٹ، کھیتی کے بیل اور کسان تھے (ہر قسم کی ثروت موجود تھی) (اس سب کے باوجود اس کی خوش خلقی کہ) میری کسی بات پر بھی مجھے برا نہیں کہتا تھا، میں دن چڑھے تک سوتی رہتی تو کوئی جگا نہیں سکتا تھا، کھانے پینے میں اس قدر وسعت کہ میں سیر ہو کر چھوڑ دیتی تھی (اور ختم نہ ہوتا تھا) ابو زرع کی ماں (میری خوشدامن) بھلا اس کی کیا تعریف کروں اس کے بڑے بڑے برتن ہمیشہ بھرپور رہتے تھے اس کا مکان نہایت وسیع تھا (یعنی مالدار بھی تھی اور عورتوں کی عادت کے موافق بخیل بھی نہیں تھی اسلئے کہ مکان کی وسعت سے مہمانوں کی کثرت مراد لی جاتی ہے) ابو زرع کا بیٹا بھلا اس کا کیا کہنا وہ بھی نور علی نور ویسا پتلا دبلا چھریرے بدن کا کہ اس کے سونے کا حصہ (یعنی پسلی وغیرہ) شاخ کھلی ہوئی ٹہنی یا کھنچی ہوئی تلوار کی طرح باریک، بکری کے بچے کی ایک دستی اس کا پیٹ بھرنے کیلئے کافی (یعنی ایسا بہادر کہ سونے کیلئے لمبے چوڑے انتظامات کی ضرورت نہ تھی سپاہیانہ زندگی تھوڑی سی جگہ میں تھوڑا بہت لیٹ لیا اسی طرح کھانے میں بھی مختصر مگر بہادری کے مناسب گوشت کے دو چار ٹکڑے اس کی غذا تھی)۔

④ **حدیث ام زرع کو ذکر کرنے کا مقصد:-** ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی قبل از اسلام مالیت اور تونگری کا ذکر کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ رضی اللہ عنہا خاموشی اختیار کر، میں تو تیرے لئے ابو زرع کی مثل ہوں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ ابو زرع کون ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا واقعہ سنایا تو آخر میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ اے میرے آقا میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو ابو زرع سے کئی ہزار درجے بہتر ہیں ابو زرع تو آپ کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے، گویا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خواہش پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث ام زرع سنائی۔

چونکہ اس حدیث سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور منقبت معلوم ہوتی ہے اسلئے امام ترمذی نے اس حدیث کو شمائل میں ذکر کیا ہے۔

⑤ **مذکورہ قصے کے غیبت نہ ہونے کی وجہ:-** کسی غیر معروف شخص کا حال بیان کرنا جسے حاضرین مجلس نہ جانتے ہوں یہ غیبت نہیں ہے۔

●●●●●

## ﴿الورقة الاولیٰ: السنن مع الشمائل﴾

## ﴿السوال الاول﴾ (سنن النسائی) ۱۴۳۰ھ

**الشق الاول**......عن میمونة قالت: کان رسول اللہ ﷺ یباشر المرأة من نسائه وهی حائض اذاکان علیها ازار یبلغ أنصاف الفخذین والرکبتین، فی حدیث اللیث محتجزة به. (ص، ج، باب)

اذکر حکم الاستمتاع بالحائض ومباشرتها بتفصیل. ترجم الحدیث المذکور واشرحه ببسط. اذکر ماهو حکم مستحل مباشرة الحائضة. ترجم للحارث بن مسکین.

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا خلاصہ پانچ امور ہیں (۱) حائضہ عورت سے استمتاع اور مباشرت کا حکم (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) حدیث کی تشریح (۴) حائضہ سے مباشرت کو حلال سمجھنے والے کا حکم (۵) حارث بن مسکین کا تعارف۔

**جواب**......❶ حائضہ عورت سے استمتاع اور مباشرت کا حکم:۔ حائضہ عورت سے استمتاع اور نفع حاصل کرنے کی تین صورتیں ہیں۔ ① استمتاع بالجماع یعنی جماع کرنا بالاجماع حرام ہے اور اگر اس کا مرتکب اسکو حلال سمجھ کر کرے گا تو کافر ہو جائے گا۔ ② استمتاع مافوق السره وماتحت الرکبه یعنی ناف کے اوپر اور گھٹنے کے نیچے سے نفع حاصل کرنا بالاجماع جائز اور مباح ہے۔ ③ استمتاع ماتحت السره ومافوق الرکبه بدون الجماع بلاحائل یعنی ناف کے نیچے اور گھٹنے کے اوپر رکاوٹ کے بغیر جماع کے علاوہ کوئی اور نفع حاصل کرنے میں اختلاف ہے۔

جمہور فقہاء اور شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک یہ استمتاع ناجائز ہے۔

امام محمد، امام احمد، اسحق بن راہویہ و دیگر بعض تابعین رحمہم اللہ کے نزدیک یہ استمتاع جائز ہے۔ (شرح نسائی، درس ترمذی ج ا ص ۳۸۷)

جمہور کے دلائل: ① حدیث میمونہ رضی اللہ عنہا ہے قالت ان النبی ﷺ کان یباشر المرأة وهی حائض اذاکان علیها ازار الی انصاف الفخذین او الرکبتین۔ ② حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا حدیث الازار ہے قالت کان رسول اللہ یامر احدنا اذا کانت حائضا ان تتزرثم یضاجعها زوجها اوقال یباشرها۔ ③ حدیث حزام بن حکیم عن عمہ ہے سال رسول اللہ ﷺ مایحل لی من امرأتی وهی حائض قال لك مافوق الازار۔ ان تمام روایات کا قدر مشترک یہ ہے کہ خاص حصہ پر ازار باندھنے کے بعد مباشرت کی جائے۔

امام محمد و احمد رحمہما اللہ کی دلیل: ① حدیث انس رضی اللہ عنہ ہے اصنعوا کل شیئ غیر النکاح معلوم ہوا کہ وطی کے علاوہ سب کچھ جائز ہے۔ ② حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا ہے کنانبیت فی الشعار الواحد کہ ہم ایک ہی کپڑے میں رات گزارتے تھے۔

جمہور کی طرف سے جواب ① یہ احادیث مبیح ہیں اور ہماری احادیث محرم ہیں اور مبیح کے مقابلہ میں احادیث محرم کو ترجیح ہوتی ہے۔ ② احادیث اباحت مقدم ہیں کیونکہ ان میں ایک حدیث انس رضی اللہ عنہ ہے اور وہ اس زمانہ کی ہے جب یہود عورتوں سے الگ رہتے تھے پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا تو آیت ویسئلونك عن المحیض نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اصنعوا کل شیئ غیر النکاح تو یہ احادیث مقدم ہیں اور احادیث حرمت موخر ہیں اور احادیث موخر ناسخ ہوتی ہیں۔

حدیث انس رضی اللہ عنہ کا جواب یہ ہے کہ اس میں کل شیئ مافوق الازار کی قید کیساتھ مقید ہے اور اس پر قرینہ احادیث حرمت ہیں۔ نیز حدیث انس رضی اللہ عنہ کا مدلول تعمیم افعال ہے، تعمیم اعضاء نہیں ہے۔ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کا جواب یہ ہے کہ شعار کا معنی ازار نہیں ہے بلکہ لحاف ورضائی ہے کہ ہم ایک ہی لحاف ورضائی میں آرام کرتے تھے اور ہر شخص اپنا اپنا ازار باندھے ہوتے تھے (ایضاً)

❷ حدیث کا ترجمہ:۔ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ مباشرت کرتے تھے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے بعض کے ساتھ اس حال میں کہ وہ حائضہ ہوتی تھیں جبکہ ان کے اوپر تہبند ہوتا تھا جو نصف ران اور گھٹنے تک پہنچتا تھا۔

❸ حدیث کی تشریح:۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب ازواج مطہرات میں سے کسی زوجہ کے ایام حیض ہوتے تو اس وقت بھی آپ ﷺ اپنی زوجہ کے ساتھ مباشرت کرتے تھے مگر جسم کا خاص حصہ ناف سے لیکر گھٹنے تک تہبند میں ہوتا تھا یعنی خاص حصہ سے تلذذ حاصل نہ کرتے تھے اس کے علاوہ باقی جسم سے تلذذ حاصل کرتے تھے معلوم ہوا کہ خاص حصہ کے علاوہ سے ایام حیض میں مباشرت جائز ہے۔

❹ حائضہ سے مباشرت کو حلال سمجھنے والے کا حکم:۔ اگر کوئی شخص حائضہ عورت سے مباشرت فاحشہ یعنی جماع کو حلال سمجھے تو وہ شخص کافر ہو جائیگا اور اگر حلال نہیں سمجھتا بلکہ ویسے ہی جماع کرتا ہے تو بوجہ ارتکاب کبیرہ کی وجہ سے گنہگار ہے۔

❺ حارث بن مسکین کا تعارف:۔ ان کا پورا نام ابو عمرو حارث بن مسکین بن محمد بن یوسف الاموی المصری ہے۔ آپ کی ولادت ۱۵۴ھ میں ہوئی، بنو امیہ کے آزاد کردہ غلاموں میں سے ہیں، ثقہ اور فقیہ تھے، ان کا شمار رواۃ کے دسویں طبقہ میں ہوتا ہے، ۹۶ سال کی عمر میں ۲۵۰ھ کو آپ کی وفات ہوئی۔ (تقریب التہذیب)

**الشق الثانی** ...... عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: أُعْطِيْتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِيْ، نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْرًا، فَأَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِيْ أَدْرَكَتْهُ الصَّلٰوةُ فَلْيُصَلِّ، وَأُعْطِيْتُ الشَّفَاعَةَ وَلَمْ يُعْطَ نَبِيٌّ قَبْلِيْ، وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً، وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلٰى قَوْمِهٖ خَاصَّةً.

شکل الحدیث ثم اشرحہ۔ قد بعث آدم ونوح أیضا الی کافۃ الناس فکیف قال نبینا ﷺ: "بعثت الی الناس کافۃ وکان النبی یبعث الی قومہ خاصۃ"۔ اذکر الخصلۃ الخامسۃ التی لم تذکر ھھنا۔ (ص ۸۲۔ ۲۰۰۹ء)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل چار امور ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کی تشریح (۳) بعثت الی الناس کافۃ کا جواب (۴) پانچویں خصوصیت کی وضاحت۔

**جواب** ...... ❶ حدیث پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

❷ حدیث کی تشریح:۔ حدیث میں مذکورہ ارشاد غزوۂ تبوک کے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا تھا جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے جن انعامات سے نوازا ہے ان میں سے پانچ انعام ایسے ہیں جو مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کو عطا نہیں کیے گئے۔ ① ایک ماہ کی مسافت تک دشمن کے دل میں میرا رعب ڈال کر میری مدد کی جاتی ہے یعنی دشمن میرے رعب کی وجہ سے گھبرا کر بھاگ جاتا ہے۔ ② پہلی امتوں کی عبادت کے لئے جگہ مخصوص ہوتی تھی اسی جگہ میں نماز پڑھتے تھے اور صرف پانی سے پاکی حاصل کرتے تھے جبکہ میری امت کے لوگ پوری زمین پر جہاں بھی بشرط طہارت نماز پڑھنا چاہیں پڑھ سکتے ہیں اور اسی طرح پوری زمین کو ان کیلئے طہارت و پاکیزگی کا آلہ بنا دیا گیا ہے یعنی شرعی عذر میں اس سے تیمم کرنا اور اس پر بصورت میں نماز پڑھنا جائز قرار دیا گیا ہے۔ ③ مجھے شفاعت عظمیٰ دی گئی ہے یعنی میدان حشر میں طول وقوف اور اس کی شدت و تکلیف سے نکالنے اور راحت دینے کے واسطے میری سفارش ہی قبول ہوگی۔ ④ مجھ سے پہلے جتنے بھی انبیاء علیہم السلام آئے وہ خاص اپنی قوم کی طرف آئے مگر مجھے دنیا کے تمام انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ ⑤ میرے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا ہے جو مجھ سے پہلے کسی نبی کے لئے حلال نہیں کیا گیا تھا کیونکہ بعض انبیاء علیہم السلام پر تو جہاد ہی فرض نہ تھا اور بعض پر جہاد فرض تھا مگر مال غنیمت

استعمال نہ کر سکتے تھے مگر میری امت کیلئے مال غنیمت کو حلال کر دیا گیا اور اس میں سے پانچواں حصہ آپ ﷺ کیلئے مخصوص ہوا۔

❸ **بعثت الی الناس کافۃ کا جواب:۔** سوال ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمام انسانوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں جبکہ پہلے انبیاء علیہم السلام صرف اپنی اپنی امت اور قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے حالانکہ حضرت آدم اور نوح علیہما السلام بھی تمام لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔

پہلا جواب یہ ہے کہ یہ تمام خصلتیں کسی نبی کو اجتماعی طور پر نہیں دی گئیں لہذا کسی نبی میں ان میں سے کسی ایک خصلت کا پایا جانا اس کے منافی نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام و حضرت نوح علیہ السلام تمام انسانوں کی طرف نبی بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے بلکہ صرف اپنی قوم کی طرف ہی نبی بنا کر بھیجے گئے تھے البتہ اتفاقی طور پر ان کی نبوت تمام اہل زمین کیلئے ثابت ہوگئی کیونکہ آدم علیہ السلام کی نبوت کے وقت روئے زمین پر صرف انکی اولاد ہی تھی اور اسی طرح طوفان نوح کے بعد بھی صرف حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والے ہی بچے تھے لہذا انکی نبوت تمام انسانوں کیلئے نہیں تھی بلکہ صرف انکی قوم کیلئے تھی اور اس وقت پوری انسانیت انکی قوم ہی تھی لہذا اب کوئی اشکال نہ رہا۔

❹ **پانچویں خصوصیت کی وضاحت:۔** اس حدیث میں پانچویں خصوصیت کو ذکر نہیں کیا گیا جبکہ بخاری و مسلم کی روایت میں اس کا ذکر ہے اور وہ یہ ہے **احلت لی الغنائم ولم تحل لنبی قبلی**، جس کی تفصیل ابھی تشریح کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

## ﴿السوال الثانی﴾ ﴿سنن ابن ماجه﴾ ١٤٢٠ھ

**الشق الاول** ...... عَنْ أَبِيْ رَزِيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ضَحِكَ رَبُّنَا مِنْ قُنُوْطِ عِبَادِهٖ وَقُرْبِ غِيَرِهٖ، قُلْتُ : يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ، أَوَيَضْحَكُ الرَّبُّ ؟ قَالَ : نَعَمْ ، قُلْتُ : لَنْ نَعْدِمَ مِنْ رَبٍّ يَضْحَكُ خَيْرًا ۔ (ص ١٦، قدیمی)

**ترجم الحديث الشريف مع تشكيله . ردّ الامام ابن ماجة بهذا الحديث على الجهمية، فمن هم الجهمية؟ وكيف الرد عليهم؟ اشرح معنى "الضحك" ههنا عند اهل السنة والجماعة.**

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل چار امور ہیں (١) حدیث کا ترجمہ (٢) حدیث پر اعراب (٣) جہمیہ کا تعارف اور ان پر رد (٤) ضحک کے معنی کی وضاحت۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت ابو رزین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں پر ہنستا ہے جو اس سے بے نیازی اور غیر اللہ سے قرب کے خواہشمند ہوں میں نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ بھی ہنستا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، میں نے عرض کیا پھر تو ہم نیکی بھی نہ چھوڑا کریں گے تاکہ وہ نیکی پر بھی ہنستا رہے۔

❷ **حدیث پر اعراب:۔** **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

❸ **جہمیہ کا تعارف اور ان پر رد:۔** یہ فرقہ جہم بن صفوان کی طرف منسوب ہے یہ شخص خلافت بنو امیہ میں ترمذ میں پیدا ہوا جو حقیقتاً یہودی تھا اور خلافت بنو امیہ کے آخری دور میں تقریباً ١٣٠ھ میں خراسان کے شہر مرو میں اس کو قتل کر دیا گیا۔

انکا عقیدہ یہ ہے کہ ایمان صرف معرفت قلبی کا نام ہے خواہ وہ معرفت اختیاری ہو یا غیر اختیاری، انکے نزدیک ایمان کے لئے تصدیق، انقیاد قلبی اور التزام شریعت ضروری نہیں ہے۔

فرقہ جہمیہ کے چند اصولی اور بنیادی عقائد یہ ہیں: ① ایمان صرف معرفت قلب کا نام ہے اگر وہ حاصل ہے تو انکار لسان کے باوجود بندہ کامل الایمان ہے ② ایمان کے بعد اعمال صالحہ کی کوئی ضرورت نہیں اور افعال سیئہ سے بھی ایمان متاثر نہیں ہوتا ③ اللہ تعالیٰ کا علم حادث ہے کسی چیز کے وجود اور انکی خلقت سے پہلے اللہ کو اس کا علم نہیں ہوتا ④ تمام افعال کا اللہ تعالیٰ ہی خالق ہے ⑤

بندہ مجبور محض ہے اسے کوئی اختیار نہیں ⑥ کلام اللہ حادث اور مخلوق ہے ⑦ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی چیز قدیم نہیں ⑧ رؤیت باری تعالیٰ محال اور قطعاً ناممکن ہے ⑨ انبیاء اور ان کے متبعین کا ایمان یکساں اور ایک درجہ کا ہے اس میں کوئی تفاوت نہیں ⑩ جنت اور جہنم کو ان کے مستحقین کے داخل ہونے کے بعد فنا کر دیا جائیگا قرآن کریم وحدیث میں خالدین وغیرہ الفاظ کثرت کے معنی میں [illegible] ہوئے ہیں ⑪ اللہ کو کسی ایسی صفت کے ساتھ متصف کرنا جائز نہیں جو بندوں میں پائی جاتی ہو یہی وجہ ہے کہ جہمیہ نے اللہ کے حی اور عالم ہونے کا انکار کر دیا کیونکہ یہ بندوں کے بھی اوصاف ہیں اور اللہ کو صرف فاعل خالق وقادر قرار دیا کیونکہ یہ بندوں کے اوصاف نہیں ہیں ⑫ جہمیہ اللہ کی تمام صفات کا صراحتاً انکار کرتے ہیں ⑬ معتزلہ کی طرح یہ بھی ہر اس عجیب خارق عادت ثابت شدہ امر کا انکار کرتے ہیں جو ان کی عقلوں سے باہر ہو ⑭ باری تعالیٰ کے تحیز بالمکان کے قائل ہیں۔

چونکہ جہمیہ نے صفات باری تعالیٰ کا انکار کیا ہے تو امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے صفت ضحک کو ثابت کر کے جہمیہ پر رد کر دیا کہ باری تعالیٰ صفت ضحک سے متصف ہے۔ (تکمیل الحاجہ ص ۳۷۷)

② **ضحک کے معنی کی وضاحت:۔** بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ضحک کا اسناد مجازی ہے اور بنی الامیر المدینہ کی طرح ہے اور اس سے فرشتوں کا ضحک مراد ہے۔ علامہ ابن حبان فرماتے ہیں کہ یہاں فعل ضحک کا اسناد آمر کی طرف ہے اضحک اللہ کا معنی اضحک اللہ ملائکتہ ہے۔ صاحب تکمیل الحاجہ لکھتے ہیں کہ یہاں پر ضحک کا اسناد باری تعالیٰ کی طرف مجازی نہیں بلکہ حقیقی ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں بلکہ یہ ترجمۃ الباب کے عین مطابق جہمیہ پر رد کرتے ہوئے صفت ضحک کا اثبات باری تعالیٰ کیلئے ہے، البتہ ضحک سے مخلوق کی طرح ضحک مراد نہیں ہے بلکہ جو اس کے شایان شان ہے ہم اس پر اجمالاً ایمان لاتے ہیں اور باری تعالیٰ کو اس کیفیت کے ساتھ متصف جانتے ہیں جو اس کے مناسب ولائق وشایان شان ہے۔ (تکمیل الحاجہ ص ۳۷۵)

**الشق الثانی** ......اكتب ترجمة جامعة حول الامام ابن ماجه بحيث تكون الترجمة حاوية على اسمه ونسبه وشهرته ومولده ووفاته وشيوخه وتلاميذه ومصنفاته وعرف "السنن" بحيث تتجلى محاسن الكتاب ومزاياه وخصائصه وما انتقد عليه واذكر ايضا اشهر رواته.

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) امام ابن ماجہ رحمہ اللہ کے حالات (۲) سنن ابن ماجہ کا تعارف (۳) ابن ماجہ کے مشہور رواۃ۔

**جواب** ...... ① **امام ابن ماجہ رحمہ اللہ کے حالات:۔** امام ابن ماجہ کا پورا نام اس طرح ہے حافظ ابو عبداللہ بن یزید الربعی ابن ماجہ القزوینی حافظ لقب ہے، ابو عبداللہ کنیت، محمد نام، یزید آپ کے والد کا نام ہے اور ربعی ربیعہ بن نزار کی طرف نسبت ہے۔ قبیلہ ربیعہ سے نسبت ولاء کی بناء پر ان کو ربعی کہا جاتا ہے جس طرح امام بخاری کو ولاء کی وجہ سے جعفی کہتے ہیں اور قزوینی قزوین کی طرف نسبت ہے جو عراق عجم کا مشہور شہر ہے یا ایران کے صوبہ آذربائیجان میں واقع ہے جو امام ابن ماجہ کا وطن ہے۔

امام ابن ماجہ ۲۰۹ھ کو عراق عجم کے مشہور شہر قزوین میں پیدا ہوئے۔ عام دستور کے مطابق ابتدائی تعلیم کی تکمیل کے بعد علم حدیث کی طرف رجوع کیا۔ وطن اور بیرون وطن ہر جگہ روایت حدیث کو تلاش کیا اور دور دراز علاقوں میں جا کر علم حدیث حاصل کیا اس سلسلہ میں انہوں نے خراسان، عراق، حجاز، مصر اور شام کے متعدد شہروں کا سفر کیا جن میں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، کوفہ، بصرہ، بغداد اور ظہران کے نام قابل ذکر ہیں۔ امام ابن ماجہ کے اساتذہ اور شیوخ کے اوطان پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے ان اساتذہ سے حصول علم کی خاطر اور شہروں کا بھی سفر کیا ہوگا جن میں اصفہان، اہواز، ایلہ، بلخ، بیت المقدس، حران، دمشق، فلسطین،

مرو اور نیشاپور کا نام خاص طور پر لیا جاتا ہے۔ چونسٹھ سال زندگی گزار کر ۲۲ رمضان ۲۷۳ھ پیر کے دن امام ابن ماجہ کا انتقال ہوا اور منگل کے دن آپ کو دفن کیا گیا۔ حافظ ابو الفضل مقدسی شروط الائمۃ الستہ میں لکھتے ہیں کہ آپ کے بھائی ابوبکر نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کے صاحبزادے عبداللہ اور دو بھائیوں نے ملکر آپ کو قبر میں اتارا۔

امام ابن ماجہ کے اساتذہ کی بھی ایک کثیر تعداد ہے جن میں چند حضرات کے اسماء یہ ہیں۔ محمد بن عبداللہ بن نمیر، جبارہ بن المغلس، ابراہیم بن منذر الحزامی، عبداللہ بن معاویہ، ہشام بن عمار، محمد بن رمح اور داؤد رشید۔ ان کے علاوہ ابوبکر بن ابی شیبہ، نصر ابن علی الجہضمی، ابو مروان محمد بن عثمان، محمد بن یحییٰ نیشاپوری، احمد بن ثابت الجحدری، ابوبکر بن خلاد باہلی، محمد بن بشار، علی بن منذر، محمد بن عبد بن آدم، عباس بن عبدالعظیم، احمد بن عبدہ، عبداللہ بن عامر بن زرارہ، ابو خیثمہ زہیر بن حرب، عثمان بن ابی شیبہ، عبداللہ بن احمد بن بشیر بن ذکوان دمشقی، اسماعیل بن بشر بن منصور اور یحییٰ بن حکیم بھی ابن ماجہ کے مشہور اساتذہ میں شامل ہیں۔

امام ابن ماجہ سے فیض حاصل کرنے والے اور ان سے احادیث کی روایت کرنے والے حضرات کی بھی ایک طویل فہرست ہے چند حضرات کے اسماء یہ ہیں۔ علی بن سعید بن عبداللہ الغدانی، ابراہیم بن دینار الجرشی الہمدانی، احمد بن ابراہیم القزوینی، ابو الطیب احمد بن روح الشعرانی، اسحاق بن محمد القزوینی، جعفر بن ادریس، حسین بن علی بن برانیاد، سلیمان بن یزید القزوینی، محمد بن عیسی الصفار، حافظ ابو الحسن علی بن ابراہیم بن سلمہ القزوینی، ابو عمرو احمد بن محمد حکیم المدنی الاصبہانی۔

امام ابن ماجہ کی تین کتابیں یادگار ہیں ① سنن ابن ماجہ ② تفسیر ابن ماجہ، حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ **ولابن ماجه تفسير حافل**، امام سیوطی نے بھی الاتقان میں تیسرے طبقہ کی تفسیروں میں ابن ماجہ کی تفسیر کا شمار کیا ہے لیکن اب یہ کتاب نایاب ہو چکی ہے ③ التاریخ، یہ صحابہ سے لیکر مصنف کے عہد تک کی تاریخ ہے حافظ ابن طاہر مقدسی متوفی ۵۰۷ھ فرماتے ہیں کہ میں نے قزوین میں اس کا ایک نسخہ دیکھا تھا لیکن اب یہ کتاب ناپید ہو چکی ہے۔ (تکمیل الحاجہ)

❷ سنن ابن ماجہ کا تعارف:۔ کتب صحاح ستہ میں جس کتاب کو سب سے آخر میں شمار کیا جاتا ہے وہ سنن ابن ماجہ ہے اس کتاب کو پانچویں صدی کے اخیر میں صحاح ستہ میں شمار کیا گیا ہے۔ اسکے بعد ہر دور میں یہ کتاب اپنی اہمیت منواتی گئی، صحت اور قوت کے لحاظ سے صحیح ابن حبان، سنن دارمی، دارقطنی اور دوسری کئی کتب ابن ماجہ سے برتر تھیں لیکن ان کتب کو وہ قبول عام اور فروغ حاصل نہ ہو سکا جو سنن ابن ماجہ کو نصیب ہوا۔ سنن نسائی کو قوت اور صحت اسناد کے لحاظ سے بعض مغاربہ نے بخاری و مسلم پر بھی ترجیح دی لیکن اسکے باوجود سنن نسائی پر حواشی اور شروحات کے سلسلہ میں اس قدر کام نہیں ہوا جس قدر کام سنن ابن ماجہ کے حواشی اور شروحات کے سلسلہ میں ہوا ہے۔

سنن ابن ماجہ کی افادیت اور مقبولیت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ جب ابن ماجہ نے یہ کتاب تصنیف کر کے حافظ ابو زرعہ کی خدمت میں پیش کی تو وہ اس کو دیکھ کر بے ساختہ پکار اٹھے کہ اگر یہ کتاب لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئی تو اس دور کی اکثر جوامع اور مصنفات بیکار اور معطل ہو کر رہ جائیں گی۔ حافظ ابو زرعہ کا یہ قول حرف بحرف صادق ہوا اور سنن ابن ماجہ کے فروغ کے سامنے متعدد جوامع اور مصنفات کے چراغ دھندلا گئے۔

سنن ابن ماجہ کو جس چیز نے عوام وخواص میں پذیرائی اور مقبولیت عطا کی وہ اس کا شاندار اسلوب اور روایت کا حسن انتخاب ہے، ابواب کی فقہی رعایت سے ترتیب احادیث سے مسائل کے واضح استنباط اور تراجم ابواب کی احادیث سے بغیر کسی پیچیدگی اور الجھن کے مطابقت نے بھی سنن ابن ماجہ کے حسن کو نکھارا ہے۔ ذیل کی سطور میں ہم سنن ابن ماجہ کے اسلوب کی چند خوبیاں اور خصوصیات پیش کر رہے ہیں۔

① امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں زیادہ تر ان احادیث کو روایت کیا ہے جو کتب خمسہ میں موجود نہیں ہیں علامہ ابو الحسن سندھی

لکھتے ہیں کہ امام ابن ماجہ اپنے اس اسلوب میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے تابع ہیں کیونکہ وہ بھی ایسی احادیث کو روایت کرتے ہیں جو دوسرے صحابہ کے پاس نہیں ہوتی تھیں اور جس طرح حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا یہ طریقہ کثرت افادہ کیلئے تھا اسی طرح امام ابن ماجہ نے بھی زیادتی افادہ کیلئے یہ طریقہ اختیار کیا ہے اور اپنے اس اسلوب کو قائم رکھنے کیلئے انہوں نے اسانید کی صحت اور قوت کی طرف چنداں التفات نہیں کیا یہی وجہ ہے کہ سنن ابن ماجہ میں ضعیف الاسناد روایات بکثرت موجود ہیں۔ ② سنن ابن ماجہ میں ایک اہم انفرادیت اور خصوصیت یہ ہے کہ امام ابن ماجہ اپنی سنن میں کوئی حدیث مکرر نہیں لائے اور یہ وہ خوبی ہے جو بقیہ کتب اصول میں سے کسی اور کتاب میں موجود نہیں ہے ③ سنن ابن ماجہ میں باقی کتب سنن کی نسبت بہت زیادہ اختصار سے کام لیا گیا ہے اسکے باوجود یہ کتاب تمام ضروری مسائل اور احکام کی جامع ہے ④ زیادہ تر اس کتاب میں مسائل اور احکام کے متعلق احادیث ہیں فضائل اور مناقب کے متعلق احادیث اس کتاب میں نہیں لائی گئیں ⑤ بعض مقامات پر امام ابن ماجہ حدیث کی فنی حیثیت پر بھی گفتگو کرتے ہیں ⑥ اگر کسی حدیث کے بارے میں لوگوں کو تشویش اور اضطراب رہا ہو تو امام ابن ماجہ اس حدیث کے ملنے کا ثبوت بھی ذکر کر دیتے ہیں ⑦ بعض روایات بعض شہروں کے محدثین کے ساتھ خاص ہوتی تھیں اور دوسرے شہروں میں اسکے راوی نہیں ہوتے تھے۔ امام ابن ماجہ جب اس قسم کی روایت ذکر کرتے ہیں تو بتلا دیتے ہیں کہ یہ فلاں شہر والوں کی روایت ہے۔ (تکمیل الحاجہ)

❷ **ابن ماجہ کے مشہور رواۃ:۔** حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے سنن ابن ماجہ کے چھ راوی بیان کئے ہیں ① ابوالحسن القطان ② سلیمان بن یزید ③ ابوجعفر محمد بن عیسیٰ ④ ابوبکر حامد الابہری ⑤ سعدون ⑥ ابراہیم بن دینار۔ (تکمیل الحاجہ)

## ﴿السوال الثالث﴾ (الشمائل) ۱۴۳۰ھ

**الشق الاول** ......عن أنس بن مالك أن رسول الله ﷺ دخل مكة عام الفتح، وعلى رأسه المغفر قال فلما نزعه جاءه رجل، فقال: ابن خطل متعلق بأستار الكعبة، فقال اقتلوه، قال ابن شهاب وبلغني أن رسول الله ﷺ لم يكن يومئذ محرمًا. (ص، ۸ قدیمی) ترجم الحديث. ورد في الحديث ان النبي ﷺ لما دخل مكة كان عليه عمامة سوداء فكيف التوفيق بينه وبين هذا الحديث؟. من هو ابن خطل وما جريمته؟ حتى انه قتل في المسجد. ما هو حكم من ارتكب جناية ثم التجاء بالحرم.

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل چار امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) احادیث میں تطبیق (۳) ابن خطل کا تعارف اور جرم (۴) حرم میں حد جاری کرنے کا حکم۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس ﷺ فتح مکہ کے دن شہر مکہ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ کے سر مبارک پر خود تھا راوی کہتے ہیں کہ جب آپ ﷺ نے خود اتار دیا تو کسی آدمی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ یا ابن خطل کعبہ کا غلاف پکڑے ہوئے ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو قتل کر دو۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث بھی پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس دن محرم نہیں تھے۔

❷ **احادیث میں تطبیق:۔** بظاہر احادیث میں تعارض ہے کہ اس حدیث میں آپ ﷺ کے خود پہن کر مکہ میں داخل ہونے کا ذکر ہے دوسری جگہ عمامہ پہن کر مکہ میں داخل ہونے کا ذکر ہے۔

① ان میں کوئی تعارض نہیں ہے اسلئے کہ داخلے کے وقت آپ ﷺ کے سر پر خود تھا اسکے بعد حسلاء ای عمامہ باندھ لیا تھا اور یہ تقریباً اسی وقت تھا اسلئے راوی نے داخلہ کا وقت ذکر کر دیا۔ ② ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے خود کی اذیت کی وجہ سے اس کے نیچے عمامہ باندھ رکھا ہو۔

④ قاتل کا تعارف اور جرم :- حضور اقدس ﷺ فتح کیلئے جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو اہل مکہ پر ایک انجانی دہشت اور گھبراہٹ طاری تھی جس کی کوئی انتہا نہ تھی۔ نہ جائے امان نہ پائے رفتن۔ حضور اکرم ﷺ نے غایت شفقت اور مہربانی کی وجہ سے یہ قرار دیا تھا کہ جو شخص مسجد میں داخل ہو جائے وہ مامون ہے اور جو اپنے گھر میں داخل ہو جائے وہ مامون ہے جو ہتھیار ڈال دے وہ مامون ہے وغیرہ وغیرہ۔ البتہ چند مرد اور چھ عورتیں ایسی تھیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ان کے خون ہدر کر دیے تھے اس وجہ سے کہ ان کے جرائم ناقابل معافی تھے اور اس عام امان سے ان کو مستثنی کر دیا تھا اور ارشاد فرمایا تھا کہ ان لوگوں کو امن نہیں ہے۔ ان میں سے بھی سات مرد اور دو عورتیں مسلمان ہو کر معافی میں آ گئے تھے۔ باقی چار مرد اور چار عورتیں قتل کئے گئے۔ منجملہ ان آٹھ میں سے ابن خطل بھی تھا۔ یہ شخص مدینہ منورہ حاضر ہو کر مسلمان ہوا عبداللہ نام رکھا گیا۔ حضور اقدس ﷺ نے کسی قبیلہ کی زکوٰۃ لینے کیلئے اس کو بھیجا اس نے اپنے ایک مسلمان غلام کو اس جرم میں جان سے مار ڈالا کہ کھانا پکانے میں کچھ دیر کر دی تھی اور خود اس خوف سے کہ مدینہ منورہ جاؤں تو قصاص میں قتل کر دیا جاؤں گا مرتد ہو کر مکہ مکرمہ چلا آیا تھا۔ وہاں آ کر حضور اقدس ﷺ کی ہجو کرتا تھا اور دو باندیاں گانے والیاں خریدیں جو حضور ﷺ کی ہجو کے اشعار سے اس کو خوش کیا کرتی تھیں۔ حضور اکرم ﷺ نے اس کا بھی خون ہدر کر دیا تھا اس لئے حرم میں داخل ہونے کے باوجود اس کو قتل کر دیا گیا۔ (خصائل نبوی ص [illegible])

⑤ حرم میں حد جاری کرنے کا حکم :- فتح مکہ کے موقع پر طلوع شمس سے لیکر عصر تک مسلمانوں کو حرم مکہ میں قتال کی اجازت دی گئی تھی اور خونریزی کی حرمت اٹھائی گئی تھی اسکے بعد اس پر اجماع ہے کہ وہ حرمت دوبارہ لوٹ آئی ہے اور کسی کیلئے وہاں خونریزی کرنا جائز نہیں ہے۔ ایک حدیث میں وقد عادت حرمتها اليوم کا جملہ بھی اس پر دلالت کر رہا ہے۔

ان الحرم لایعیذ عاصیا ولا فارا بدم ولا فارا بخربة اگر کوئی شخص کوئی جنایت کر کے حرم میں پناہ لے لے تو اگر اس کی جنایت مادون النفس ہو تو بالاتفاق اس کا قصاص حرم میں لیا جا سکتا ہے اور اگر جنایت قتل کی ہو تو یہ دیکھا جائیگا کہ اس نے جنایت کہاں کی ہے؟ اگر جنایت حرم میں کی ہے تو بھی اتفاق ہے کہ اس سے حرم ہی میں قصاص لیا جا سکتا ہے اور اگر حرم سے باہر کی ہے تو امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ اس کے بارے میں بھی جواز قتل کے قائل ہیں لیکن امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک اس سے حرم میں قصاص نہیں لیا جائے گا بلکہ اس کا کھانا پینا بند کر دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ حرم سے باہر نکل آئے پھر اس سے قصاص لیا جائے گا۔

حدیث باب احناف کی تائید کرتی ہے جبکہ امام شافعی و امام مالکؒ ان الحرم لایعیذ عاصیا ولا فارا بدم الخ سے استدلال کرتے ہیں۔ جواب: یہ کوئی حدیث نہیں، بلکہ عمرو بن سعید کا قول ہے جو صحابی نہیں بلکہ یزید کا گورنر تھا اور اس کی شہرت بھی اچھی نہیں تھی اسکے مقابلے میں حضرت ابوشریحؓ بدرجہا بہتر و برتر ہیں کہ صحابی بھی ہیں اور فقیہ بھی۔ پھر خود شافعیہ کے مسلک کے مطابق بھی عمرو بن سعید کا یہ جملہ کلمة حق أريد بها الباطل کی قبیل سے ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ "عاصی" تھے نہ فار بدم اور نہ فار بخربة بلکہ وہ خلیفہ برحق تھے، مکہ مکرمہ میں مسلمان ان کے ہاتھوں پر پہلے ہی بیعت کر چکے تھے۔ (درس ترمذی ج [illegible] ص [illegible])

**الشق الثاني** ——عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ وَقُمْتُ خَلْفَ ظَهْرِهِ فَنَظَرْتُ إِلَى الْخَاتَمِ الَّذِيْ بَيْنَ كَتِفَيْهِ فَإِذَا هُوَ مِثْلُ زِرِّ الْحَجَلَةِ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ رَأَيْتُ الْخَاتَمَ بَيْنَ كَتِفَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ غُدَّةً حَمْرَاءَ مِثْلَ بَيْضَةِ الْحَمَامَةِ وَفِيْ رِوَايَةِ أَبِيْ زَيْدٍ أَنَّهُ شَعَرَاتٌ مُجْتَمِعَاتٌ وَفِيْ رِوَايَةِ عَبْدِ اللّٰهِ سَرْجِسَ فَرَأَيْتُ مَوْضِعَ الْخَاتَمِ عَلَى كَتِفَيْهِ مِثْلَ الْجُمْعِ حَوْلَهَا خِيْلَانٌ كَأَنَّهَا ثَآلِيْلُ. (ص [illegible] قدیمی)

شكل العبارة وترجمها . اذكر تحقيق الخاتم من لونه و مقداره و تعيين محله و ارفع التعارض بين الروايات. اضبط كلمة "الخاتم" بالشكل بعد ايضاحه لغة .

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) مہر نبوت ﷺ کی کیفیت اور روایات میں تطبیق (۴) "الخاتم" کا ضبط و لغوی تحقیق۔

**جواب** ...... ❶ حدیث پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

❷ **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت سائب بن یزید ؓ سے مروی ہے کہ میں آپ ﷺ کی پشت کے پیچھے کھڑا ہوا تھا تو میں نے مہر نبوت کی طرف دیکھا جو آپ ﷺ کے کندھوں کے درمیان تھی پس وہ مسہری کی گھنڈیوں جیسی تھی، حضرت جابر بن سمرۃ ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کے کندھوں کے درمیان مہر نبوت کو دیکھا جو سرخ رسولی کی طرح تھی اور (مقدار میں) کبوتری کے انڈے کی مثل تھی۔ حضرت ابوزید ؓ کی روایت میں ہے کہ وہ چند بالوں کا مجموعہ تھا۔ اور حضرت عبداللہ بن سرجس ؓ کی روایت میں ہے کہ میں نے مہر نبوت کی جگہ کو آپ ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان مٹھی کے ہم شکل دیکھا اس کے گرد تل تھے جو مسوں کے برابر معلوم ہوتے تھے۔

❸ **مہر نبوت ﷺ کی کیفیت اور روایات میں تطبیق:۔** آپ ﷺ کی مہر نبوت دونوں شانوں کے درمیان ذرا بائیں جانب سخت ہڈی کے قریب تھی۔ مسہ کی طرح خوبصورتی کے ساتھ گوشت مبارک ابھرا ہوا تھا جو بدن کی عام رنگت سے کسی قدر زیادہ سرخی مائل تھا اس کی شکل بند مٹھی کے مشابہ تھی چاروں طرف بڑے بڑے تل تھے جو بڑائی کی وجہ سے مسوں کے برابر معلوم ہوتے تھے اور ارد گرد بال تھے۔ وجود میں کبوتر کے انڈے کے برابر تھی اور اس کا وجود پیدائشی تھا جو پیدائش کے وقت ہی آپ ﷺ کے جسم اطہر پر موجود تھی۔ اور وصال کے فوراً بعد جسم اطہر سے غائب ہوگئی تھی۔

مہر نبوت ﷺ کی مقدار رنگ اور تشبیہ میں مختلف روایات وارد ہوئی ہیں جن میں امام قرطبی نے اس طرح تطبیق دی ہے کہ وہ کم و زیادہ بھی ہوتی تھی اور رنگ میں بھی مختلف ہوتی رہتی تھی اسلئے جس صحابی ؓ نے جس طرح دیکھی اسی طرح روایت کردی۔

نیز حقیقت میں یہ سب تشبیہات ہیں اور تشبیہ ہر شخص کے ذہن اور سوچ و سمجھ کے مطابق ہوتی ہے جو تقریبی حالت ہوتی ہے اور تقریب کے ذکر میں اختلاف بھی ہوسکتا ہے اسلئے اس پر اشکال نہیں ہوسکتا۔

نیز جن روایات میں بالوں کا ذکر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مہر نبوت کے اطراف میں بال تھے۔ (خصائل نبوی ص ۲۷)

❹ **"الخاتم" کا ضبط و لغوی تحقیق:۔** تاء کے فتحہ و کسرہ کے ساتھ۔ فتحہ کے ساتھ زیادہ مستعمل ہے۔ اس کی جمع خَوَاتِمُ وخُتُمٌ ہے بمعنی انگوٹھی، مہر و انجام۔

## ﴿الورقة الاولى: السنن مع الشمائل﴾

### ﴿السؤال الاول﴾ (سنن النسائی) ۱۴۳۱ھ

**الشق الاول** ...... أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْمُبَارَكِ الْمُخَرِّمِيُّ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ شَرِيكٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ جَرِيرٍ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَوَضَّأَ فَلَمَّا اسْتَنْجَى دَلَكَ يَدَهُ بِالْأَرْضِ.

أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ الصَّبَّاحِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ يَعْنِي ابْنَ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبَانُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْبَجَلِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ جَرِيرٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَأَتَى الْخَلَاءَ فَقَضَى الْحَاجَةَ، ثُمَّ قَالَ: يَا جَرِيرُ! هَاتِ طَهُورًا، فَأَتَيْتُهُ بِالْمَاءِ، فَاسْتَنْجَى بِالْمَاءِ، وَقَالَ بِيَدِهِ فَدَلَكَ بِهَا الْأَرْضَ قَالَ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ: هَذَا أَشْبَهُ بِالصَّوَابِ مِنْ حَدِيثِ شَرِيكٍ

شکل الحدیثین بالضبط وترجمهما الی الأردية. اذکر حکم الاستنجاء بالماء وبالحجارة. لماذا کان رسول الله ﷺ یدلك یده بالأرض؟ اشرح ماقاله أبو عبدالرحمن بإیضاح وبسط. (ص۲۹-ج۱-رحمانیہ)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حاصل پانچ امور ہیں (۱) احادیث پر اعراب (۲) احادیث کا ترجمہ (۳) پانی اور پتھر کے ساتھ استنجاء کرنے کا حکم (۴) آپ ﷺ کے زمین پر ہاتھ رگڑنے کی وجہ (۵) ابو عبد الرحمٰن کے قول کی تشریح۔

**جواب** ...... ❶ احادیث پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

❷ احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی کریم ﷺ قضائے حاجت کے بعد استنجاء سے فارغ ہو جاتے تو اپنا ہاتھ زمین پر مل (رگڑ) لیتے تھے۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں آپ ﷺ کے ساتھ تھا، آپ ﷺ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے، قضائے حاجت کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے جریر! پانی لاؤ پس میں آپ ﷺ کی خدمت میں پانی لایا پس آپ ﷺ نے پانی سے استنجاء فرمایا پھر اپنا ہاتھ زمین پر مل لیا (رگڑ لیا)۔

❸ پانی اور پتھر کے ساتھ استنجاء کرنے کا حکم:۔ پانی اور پتھر دونوں چیزوں کے ساتھ استنجاء کرنا احادیث مرفوعہ سے ثابت ہے (عن انس قال كان رسول الله ﷺ اذا خرج لحاجته اجيئ انا و غلام معنا اداوة من ماء يعنى يستنجى به. عن عائشة قالت مرن ازواجكنّ ان يغسلوا اثر البول والغائط فانّ النبيّ كان يفعله (بخاری و ترمذی) (حاشیہ)) اور دونوں عمل الگ الگ طور پر مسنون ہیں اور دونوں کو جمع کرنا یعنی اولاً استنجاء بالحجارہ کرنا ثانیاً استنجاء بالماء کرنا یہ بھی مسنون ہے اور احادیث سے ثابت ہے اور ان تینوں کے مسنون ہونے پر اجماع ہے۔

محقق عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جمہور سلف و خلف کا مسلک اور تمام اہل الفتویٰ کا متفقہ قول یہ ہے کہ سب سے افضل صورت پانی اور ڈھیلے کو جمع کرنے کی ہے مگر کسی ایک پر اکتفاء کرنے کی صورت میں کونسا عمل افضل ہے؟ اس کے متعلق وہ فرماتے ہیں کہ پانی نجاست کے عین اور اثر دونوں کو زائل کرتا ہے اور ڈھیلے سے فقط عین نجاست کا ازالہ ہوتا ہے اس کا اثر باقی رہتا ہے۔ اس لئے پانی کا استعمال انفرادی صورت میں افضل ہے۔ (شرح نسائی ج۱ ص۹۲)

❹ آپ ﷺ کے زمین پر ہاتھ رگڑنے کی وجہ:۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ استنجاء کے بعد ہاتھ زمین پر رگڑ دیتے تاکہ بدبو ختم ہو جائے اور ہاتھ خوب اچھی طرح پاک و صاف ہو جائے۔

سوال: راجح کر یہ میں سے کوئی چیز آپ ﷺ کے ہاتھ مبارک کو نہیں چھوتی تھی نجاست سے آپ ﷺ کے ہاتھ ملوث نہیں ہوتے تھے پھر آپ ﷺ زمین پر ہاتھ کیوں رگڑتے تھے۔ بذل المجہود میں جواب دیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کا یہ فعل تعلیم امت کیلئے تھا کہ جب امت کے لوگ استنجاء کریں گے تو شاید ان کا ہاتھ نجاست میں ملوث ہو جائے یا نجاست کا کچھ اثر ان کے ہاتھ میں باقی رہ جائے تو ایسی صورت میں استنجاء کے بعد ہاتھ کو زمین پر رگڑ کر دھویا جائے اس سے خوب اچھی طرح پاک و صاف ہو جائے گا۔ (شرح نسائی ج۱ ص۱۰۰)

❺ ابو عبد الرحمٰن کے قول کی تشریح:۔ ابن الموافق اس کی وضاحت کرتے ہیں کہ نسائی کے اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی اسناد سے بیان کی ہوئی حدیث اولیٰ ہے اس حدیث سے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے بیان کی گئی ہے جس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ ابراہیم کا اپنے والد سے سماع ثابت نہیں اسی لئے ابو حاتم اور ابوداؤد نے کہا کہ ان کی حدیث جو اپنے والد سے منقول ہے وہ مرسل ہے بہر حال امام نسائی باوجود اس کے کہ حضرات محدثین نے ابان میں کلام کیا ہے روایت ابان کو روایت شریک پر ان وجوہ کی بناء پر ترجیح دے رہے ہیں۔ اس کا جواب علامہ ماردینی رحمہ اللہ نے دیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ حدیث ابان حدیث شریک سے اشبہ بالصواب ہے کیونکہ اس ابان کے بارے میں حافظ ابن حبان نے کہا کہ ان

ممن فحش خطاؤہ وانفرد بالمناکیر یعنی یا تیں لوگوں میں سے تھے جو زیادہ غلطی کرتے تھے نیز منکر حدیثوں کی روایت میں وہ منفرد تھے بخلاف شریک قاضی کے کہ وہ روایت حدیث میں بہت بلند اور زیادہ قابل تھے اور حافظہ بھی بہت اچھا تھا۔ امام مسلم نے بطور استشہاد ان سے روایت تخریج کی ہے جبکہ ابان سے کوئی حدیث نہیں لی آگے نقل کرتے ہیں کہ مرغیفی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتاب میری نظر سے گزری اس میں ہے قال الحاکم احتج به مسلم وحدیثه هذا اخرجه ابن حبان فی صحیحه فلا نسلم ان حدیث ابان اشبه بالصواب منه ای من حدیث شریك، علاوہ اس کے یہ امر تسلیم نہیں کہ ابراہیم کو یہ حدیث دونوں طریق سے پہنچی ہوایک تو ابو زرعہ کی سند سے دوسرے اپنے والد جریر کی سند سے۔ (ایضاً)

**الشق الثانی** ...... باب الوضوء من النوم ...... عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ قال: إذا استيقظ أحدكم من منامه فلا يدخل يده في الإناء حتى يفرغ عليها ثلاث مرات: فإنه لايدري أين باتت يده (ص۲۹۔ج۱۔ترمذی)

ترجم الحديث المبارك. اذكر مذاهب العلماء في انتقاض الوضوء من النوم ود لائلهم. اذكر كيف ثبتت ترجمة الباب بهذا الحديث؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) نیند کی وجہ سے نقض وضوء کا حکم مع الدلائل (۳) حدیث سے ترجمۃ الباب کا اثبات۔

**جواب** ...... ❶ <u>حدیث کا ترجمہ:</u> حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنی نیند سے بیدار ہو تو نہ داخل کرے اپنا ہاتھ برتن میں یہاں تک کہ اس پر تین مرتبہ پانی انڈیل لے اس لئے کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری ہے۔

❷ <u>نیند کی وجہ سے نقض وضوء کا حکم مع الدلائل:</u> ائمہ اربعہ ؒ کا اس بات پر اجماع ہے کہ نوم اپنی ذات کے اعتبار سے ناقض للوضوء نہیں ہے بلکہ خروج ریح کے احتمال کی وجہ سے ناقض ہے چونکہ خروج ریح امر باطنی ہے تو اس کے سبب یعنی نیند کو ہی اس کے قائم مقام کر دیا گیا ہے۔ البتہ کونسی نیند ناقض وضو ہے اس میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔ اس کا خلاصہ تین اقوال ہیں: ① نوم مطلقاً غیر ناقض ہے یہ مسلک حضرت ابن عمر، حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت شعبہ ؓ سے منقول ہے۔ ② نوم مطلقاً ناقض ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر یہ قول حضرت حسن بصری، امام زہری اور امام اوزاعی سے منقول ہے۔ ③ نوم غالب ناقض ہے اور نوم غیر غالب غیر ناقض ہے یہ مسلک ائمہ اربعہ اور جمہور کا ہے اور پھر ائمہ اربعہ کا آپس میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہ کے ہاں نماز کی ہیئت پر نوم ناقض وضو نہیں اور جس نوم میں استرخاء مفاصل ہو اور مقعد کا زمین پر تمکن نہ ہو وہ ناقض وضو ہے اور امام مالک کے ہاں نوم ثقیل ناقض ہے اور نوم خفیف ناقض نہیں اور امام احمد کے ہاں نوم کثیر ناقض ہے اور نوم قلیل ناقض نہیں اور امام شافعی کا مشہور مسلک یہ ہے کہ نوم جلوس کی حالت میں جب کہ تمکن علی الارض باقی ہو ناقض نہیں خواہ قلیل ہو یا کثیر اس کے ماسوا سب ناقض ہے۔

احناف کے دلائل: ① ترمذی کی روایت میں حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سجدے کی حالت میں سو گئے خراٹے لینے لگے پھر کھڑے ہوئے اور نماز پڑھنی شروع کر دی تو حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ آپ ﷺ تو سو گئے تھے پھر آپ ﷺ نے بغیر وضوء کے نماز پڑھی فرمایا انما الوضوء على من نام مضطجعا۔ احناف کہتے ہیں کہ اس حدیث کے پہلے حصے سے پہلے جزء کا اثبات ہوا کہ جو نوم ہیئت صلاتیہ پر ہو وہ ناقض وضوء نہیں اور دوسرے حصے سے دوسرے جزء کا اثبات ہوا کہ جو نوم مضطجعا ہو وہ ناقض وضوء ہے کیونکہ وہ استرخاء مفاصل کا سبب ہے۔ ② عن ابن عباس

قال ﷺ ان الوضوء لایجب الا علی من نام مضطجعا فاذا اضطجع استرخت مفاصله۔ (ابوداؤد) ③عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ قال لیس علی من نام ساجدا وضوء حتی یضطجع فاذا اضطجع استرخت مفاصله۔ (مسند احمد) ④عن عمرؓ موقوفا انه قال اذا نام احدکم مضطجعا فلیتوضأ۔ (موطا مالک)

باقی ائمہ کی دلیل: عن انس کان اصحاب رسول الله ﷺ ینامون ثم یقومون فیصلون ولا یتوضؤن۔ (ترمذی)

بالکہ کہتے ہیں کہ یہ نوم خفیف تھی اور حنابلہ کہتے ہیں کہ یہ نوم قلیل تھی اور شوافع کہتے ہیں کہ ایسی نوم تھی جس میں مقعدہ کا تمکن علی الارض باقی تھا۔

جوابات: ① یہ صحابہ ؓ کی نیند نوم تھی نہیں تھی بلکہ نعاس تھی اس کا اثر آنکھوں اور سر پر ہوتا تھا دل و دماغ پر اثر نہیں ہوتا تھا جبکہ نوم کا اثر دل و دماغ پر بھی ہوتا ہے۔ ② یہ نوم ایسی نہیں تھی جو استرخاء مفاصل کا سبب ہو۔ ③ حدیث ابن عباس ؓ راجح ہے اس میں استرخاء مفاصل کو سبب قرار دینا اور معیار بنانا منصوص ہے اور نوم قلیل وکثیر کو معیار اور سبب بنانا منصوص نہیں تو اس کو سبب و معیار بنانا جو منصوص ہو اولیٰ ہے اس کو سبب بنانے سے جو منصوص نہ ہو۔

احادیث بظاہر مختلف ہیں بعض احادیث مطلقاً نقض وضوء پر دال ہیں جیسے حضرت علی ؓ کی مرفوع حدیث ہے من نام فلیتوضأ اور بعض احادیث مطلقاً عدم نقض پر دال ہیں جیسے حضرت انس ؓ کی مرفوع حدیث ہے کان اصحاب رسول الله ﷺ ینامون ثم یقومون ویصلون ولا یتوضؤن اور بعض احادیث میں تفصیل ہے اور ائمہ کرام مختلف احادیث میں تطبیق دیتے ہیں۔

الحمد للہ حنفی مسلک سب سے واضح روایات اور مسئلہ نوم کے تمام گوشوں کو جامع ہے امام مالک ؒ مختلف احادیث کو ثقیل وخفیف پر محمول کرتے ہیں امام احمد ؒ مختلف احادیث کو کثیر وقلیل پر محمول کرتے ہوئے تطبیق دیتے ہیں۔ (درس ترمذی ج ۱ ص ۲۹۶ بذل المجہود ج ۱ ص ۱۵۹)

④ **حدیث سے ترجمۃ الباب کا اثبات:۔** حدیث میں اناء سے مراد وہ برتن ہے جس میں وضوء کیلئے پانی بھرا ہوا ہو اسی لئے بعض روایات میں فی الاناء کی جگہ فی الوضوء (واؤ کے فتحہ کے ساتھ بمعنی وضوء کا پانی) کے الفاظ ہیں اب مطلب یہ ہوا کہ جب تم میں سے کوئی ایک اپنی نیند سے بیدار ہو اور وضوء کرنا چاہے تو وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو وضوء کے پانی میں ڈالنے سے پہلے تین مرتبہ اچھی طرح دھولے۔ پس ان الفاظ کے ساتھ روایت سے ترجمۃ الباب کا اثبات ہو گیا کہ نیند ناقض وضوء ہے اسی لئے تو بیداری کے بعد وضوء کا پانی استعمال کرے گا کیونکہ وضوء ٹوٹ چکا ہے۔

## ﴿السوال الثانی﴾ (سنن ابن ماجه) ۱۴۳۱ھ

**الشق الاول** ...... عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ: خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى أَصْحَابِهٖ وَهُمْ يَخْتَصِمُوْنَ فِي الْقَدَرِ فَكَأَنَّمَا يُفْقَأُ فِيْ وَجْهِهٖ حَبُّ الرُّمَّانِ مِنَ الْغَضَبِ فَقَالَ: بِهٰذَا أُمِرْتُمْ أَوْ لِهٰذَا خُلِقْتُمْ؟ تَضْرِبُوْنَ الْقُرْآنَ بَعْضَهٗ بِبَعْضٍ بِهٰذَا هَلَكَتِ الْأُمَمُ قَبْلَكُمْ قَالَ: فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو مَاغَبَطْتُ نَفْسِيْ بِمَجْلِسٍ تَخَلَّفْتُ فِيْهِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَاغَبَطْتُ نَفْسِيْ بِذٰلِكَ الْمَجْلِسِ وَتَخَلُّفِيْ عَنْهُ۔ (ص ۹۔قدیمی)

اذکر الفرق بین القضاء والقدر. ماحکم منکر القدر؟ اعرب الحدیث المبارک واشرحه واذکر لماذا غضب رسول الله ﷺ؟ مامعنی قول عبدالله بن عمروؓ.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حاصل پانچ امور ہیں (۱) قضاء وقدر میں فرق (۲) منکر قدر کا حکم (۳) حدیث کی تشریح (۴) آپ ﷺ کے غصہ کی وجہ (۵) عبداللہ بن عمرو ؓ کے قول کا معنی۔

**جواب** ...... ① **قضاء وقدر میں فرق:۔** قدر کا لغوی معنی اندازہ کرنا اور قضاء کا لغوی معنی فیصلہ کرنا ہے اور اصطلاح میں اللہ

تعالیٰ کے حکم کلی اجمالی ازلی کو قضاء کہتے ہیں اور اس حکم کی جزئیات وتفصیلات کو قدر کہتے ہیں اور بعض حضرات نے دونوں کو مترادف کہا ہے۔ حضرت مولانا نانوتوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ معاملہ اسکے برعکس ہے احکام اجمالیہ کا علم قدر ہے اور احکام تفصیلیہ کا علم قضاء ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قضاء وقدر دونوں آپس میں لازم وملزوم ہیں اس لئے کہ قدر بمنزل بنیاد کے ہے اور قضاء بمنزل عمارت کے ہے اور امام راغب فرماتے ہیں کہ قضاء قدر سے خاص ہے اور قدر قضاء سے عام ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ قدر اس نقشے کا نام ہے جو مصور کے ذہن میں اولا ہوتا ہے اور قضاء اس صورت خارجیہ کا نام ہے جو مصور خارج میں تیار کرتا ہے۔

قضاء وقدر کی مثال ایسی ہی ہے جس طرح ایک انجینئر یا معمار مکان بنانے سے پہلے اس کا ایک نقشہ اور خاکہ اپنے ذہن میں تیار کرتا ہے پھر اس نقشہ کو کسی کاغذ پر بناتا ہے پھر اسی کے مطابق خارج میں مکان تیار کرتا ہے اسی طرح خالق کائنات نے اس کائنات کے وجود سے قبل اپنے علم ازلی میں اور پھر لوح محفوظ میں ایک نقشہ قائم فرمایا ہے پھر اسی کے مطابق کائنات میں مختلف انواع وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں تو تقدیر کی بنیاد علم باری اور قدرت باری پر ہے اور انکار تقدیر سے ان دونوں کا انکار لازم آئے گا اور اللہ کی طرف جہل وعجز کی نسبت لازم آئے گی۔ (تحمیل الامانی ص ۱۹۰)

③ **منکر قدر کا حکم:۔** تقدیر پر ایمان لانا اسلام کا بنیادی وقطعی عقیدہ ہے اور اسکے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوسکتا کیونکہ انکار تقدیر کی صورت میں علم باری اور قدرت باری کی نفی لازم آئیگی جو کہ اللہ تعالیٰ کے عجز وجہل کو مستلزم ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف جہل وعجز کی نسبت کرنا کفر ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ منکر قدر کافر ہے اور جو فرقے تاویل تقدیر کا انکار کرتے ہیں وہ فاسق ہیں۔ (معارف القرآن ج ۸ ص ۲۳۹)

④ **حدیث پر اعراب:۔** کمامرّ فی السوال آنفا۔

⑤ **حدیث کی تشریح:۔** ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے تھے کہ اگر سب کچھ وحسب تقدیر کے مطابق وقوع پذیر ہوتا ہے اور ساری چیزیں تقدیر الٰہی کے تابع ہیں تو پھر کسی عمل پر ثواب اور کسی عمل پر عقاب کیوں ہوتا ہے؟ اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے کس مصلحت سے کچھ لوگوں کو جنت کے لئے اور کچھ لوگوں کو دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے اس میں کیا راز ہے۔ بعض حضرات بولے کہ ثواب، عقاب، جنت وجہنم، نیک بختی وبدبختی کا معاملہ اگرچہ فیصلہ خداوندی اور رقتدیر الٰہی سے تعلق رکھتا ہے مگر بندوں کو کچھ اختیارات بھی ملے ہیں جس سے وہ نیکی وبدی دونوں کرنے پر من وجہ قادر ہے اس پر دوسرے نے کہا اچھا تو وہ اختیارات کس نوعیت کے ہیں اس اختیار وکسب کو کس نے ایجاد کیا ہے اور کہاں سے آئے۔

الغرض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اس طرح کی گفتگو چل رہی تھی اور اندازِ گفتگو بحث ومباحثہ کا تھا کہ اسی دوران اچانک رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے اور یہ منظر دیکھ کر آپ ﷺ نہایت سخت ناراض اور شدید غضبناک ہوگئے اور رخ انور نہایت سرخ ہوگیا راوی کہتے ہیں کہ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ انار آپ ﷺ کے چہرے پر نچوڑ دیا گیا ہے۔ اس سے مقصود شدت غضب کو بتلانا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کیا میں اسی لئے مبعوث کیا گیا ہوں کیا اللہ نے تمہیں اسی لئے پیدا کیا ہے کہ تم لایعنی اور بے ضرورت چیزوں میں پڑو اور غیر متعلق چیزوں کی کھود کرید کرو مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہ تمہیں اس پر مامور کیا ہے کہ تم اس میں پڑو اور نہ مجھے اس لئے مبعوث کیا ہے کہ تقدیر کے مسائل کی گتھیوں کو سلجھاؤں بلکہ تمہاری تخلیق کا مقصد صرف اور صرف اوامر الٰہی کی بجا آوری اور منہیات خداوندی سے اجتناب ہے لہٰذا تم صرف اسی میں لگے رہو اور میری بعثت کا مقصد صرف اللہ کے احکام کو تم تک پہنچانا ہے قدر وقضاء کے مسئلے میں غور وفکر کرنا اور عقلی گھوڑے دوڑانا نہیں ہے تو پھر آخر تم اس مسئلہ میں الجھ کر عاقبت کو کیوں خراب کرتے ہو یاد رکھو اسی بحث ومباحثہ کی وجہ سے سابقہ امتیں ہلاک ہوئی ہیں پھر بھی تم اس میں پڑتے ہو تقدیر تو ایک راز ہے جو کسی بھی مخلوق پر ظاہر نہیں کیا گیا

لہٰذا تم تقدیر کے علم و حقائق کو اللہ تعالیٰ ہی کے سپرد کرو اور جو سامنے آئے اس پر راضی و مطمئن رہو۔ (تکمیل الحاجہ ص ۳۳۲)

⑤ آپ ﷺ کے غصے کی وجہ:۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تقدیر کے متعلق گفتگو اور بحث ومباحثہ کر رہے تھے اور یہ گفتگو ایسی تھی جس کا نہ دنیا میں کوئی فائدہ تھا اور نہ آخرت میں اس کے متعلق کوئی سوال و جواب ہوتا تھا محض لایعنی اور غیر متعلق چیز کے متعلق بحث ومباحثہ کی وجہ سے آپ ﷺ غضبناک ہوئے۔

⑥ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے قول کا معنی:۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کے ساتھ جن مجالس میں شرکت نہ کرسکا مجھے ان مجالس کے ترک پر شدید افسوس ہوا مگر اس مجلس میں شریک نہ ہونے پر مجھے کوئی افسوس نہ ہوا کیونکہ اس مجلس کے حاضرین پر آپ ﷺ نے شدید غصہ کا اظہار فرمایا تھا۔

**الشق الثانی** ...... عن عمرو بن دينار سمع طاؤسا يقول: سمعت ابا هريرة يخبر عن النبي ﷺ: احتج آدم و موسى، فقال له موسى: يا آدم أنت ابونا خيبتنا و اخرجتنا من الجنة بذنبك فقال له آدم: يا موسى اصطفاك الله بكلامه و خط لك التوراة بيده أتلومني على امر قدره الله علىّ قبل أن يخلقني باربعين سنة؟ فحج آدم موسى فحج آدم موسى فحج آدم موسى ثلاثا. (ص ۹ ۔ ترمذی)

ترجم الحديث واشرحه. اذكر متى وقعت هذه المحاجة. وهل يجوز التمسك بالقدر؟ فلماذا تمسك به آدم

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی تشریح (۳) محاجہ کا وقت (۴) تقدیر سے استدلال کی وضاحت۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عمرو بن دینار سے منقول ہے کہ انہوں نے حضرت طاؤس سے فرماتے ہوئے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی جانب سے خبر دے رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مابین بحث ومباحثہ ہوا چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا اے آدم! تم ہمارے باپ ہو تم نے ہی ہمیں ذلیل کیا اور جنت سے اپنے جرم کی پاداش میں ہمیں نکلوا دیا؟ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ اے موسیٰ اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنی ہم کلامی کے لئے منتخب کیا اور تمہارے لئے تورات کو اپنے دست مبارک سے لکھا تو کیا تم مجھے اس بات پر ملامت کرتے ہو جسے اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے چالیس سال قبل مقدر فرمایا تھا چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے جیت گئے آپ ﷺ نے اس کلمہ کو تین مرتبہ فرمایا۔

② حدیث کی تشریح:۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان ایک مکالمہ ومناظرہ ہوا اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کو اکل شجرہ ممنوعہ پر ملامت کرنی چاہی اور کہا کہ آپ ہی ہمارے جد امجد ہیں جنہوں نے درخت کھا کر ہمیں نقصان وخسارہ میں ڈالا اور ہمیں ذلیل ورسوا کیا اور اپنے جرم کی پاداش میں ہمیں جنت سے نکلوایا تو اسکے جواب میں حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ اے موسیٰ کیا تم ہی وہ نبی ہو جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ہم کلامی کا شرف عطا کیا، نبوت ورسالت عطا کی تم پر تورات نازل کی؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جی ہاں، آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری تخلیق سے چالیس سال قبل تقدیر میں لکھ دیا تھا وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى کہ آدم سے یہ غلطی سرزد ہوگی تو جب یہ سب کچھ لکھا جا چکا تھا تو تم اس پر مجھے ملامت کیوں کرتے ہو؟ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس جواب کے ذریعہ حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے۔

③ محاجہ کا وقت:۔ اس میں متعدد اقوال ہیں ① یہ مناظرہ عالم ارواح میں ہوا ② لیلۃ المعراج میں جب تمام انبیاء علیہم السلام بیت

ان کی بیٹی اس وقت ہوئی تھی جب حضور ﷺ غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ صحیح اور راجح قول کے مطابق اس سے مراد حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا ہیں یہ امام طحاوی اور ابن سعد کی روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے اور حافظ ابن حجر نے جزم و یقین کے ساتھ اس کو متعین کیا ہے۔ (حاشیہ)

۞ **فیکم رجل لم یقارف اللیلة کا معنی:۔** اس کے متعدد معانی بیان کئے گئے ہیں ① وہ آدمی جو آج رات بیوی کے قریب نہ گیا ہو یعنی مباشرت نہ کی ہو ② وہ آدمی جس سے آج رات کوئی گناہ نہ کیا ہو ③ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ **لم یقارف** تصحیف ہے اصل لفظ لم یقاول ہے یعنی وہ آدمی جس نے آج رات بات نہ کی ہو کیونکہ عشاء کے بعد بات کرنا ناپسند تھا۔ ان میں سے سب سے مشہور پہلا معنی ہے۔

۞ **حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ (اجنبی) کے قبر میں اترنے کا مسئلہ:۔** اشکال ہوتا ہے کہ محارم کی موجودگی میں حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ قبر میں کیوں اترے جبکہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اجنبی و نامحرم تھے۔ جواب ① اجنبی و نامحرم کا قبر میں اترنا بالکل ممنوع و حرام نہیں ہے بلکہ محرم کیلئے قبر میں اترنے کا حکم استحبابی ہے وجوبی نہیں ہے اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد **لم یقارف اللیلة** سے مقصود شاید حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تنبیہ کی تھی تو اس عذر کی وجہ سے ترک استحباب پر کوئی اشکال نہیں ہے۔ ② ممکن ہے کہ محارم میں کوئی اور عذر ہو جس کی وجہ سے حضور ﷺ نے اجنبی کو قبر میں اترنے کا حکم دیا۔ ③ ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے محض بیان جواز کیلئے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو قبر میں اترنے کا حکم دیا ہو تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ محرم کے قبر میں اترنے کا حکم استحبابی ہے وجوبی نہیں ہے۔ (حاشیہ)

**الشق الثانی** ...... **كان رسول الله ﷺ دائم البشر، سهل الخلق، لين الجانب، ليس بفظ ولا غليظ ولا صخاب ولا فحاش، ولا عياب، ولا مشاح يتغافل عما لا يشتهي ولا يؤيس منه ولا يجيب فيه قد ترك نفسه من ثلاث، المراء، والاكبار وما لا يعنيه.** (ص ۲۴۔ قدیمی) (خصائل نبوی ص ۲۱۲)

**اذكر تحقيق الكلمات المخطوطة لغةً وصرفًا. ترجم الحديث. ما معنى قوله "ولا يؤيس منه".**

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں (۱) کلماتِ مخطوطہ کی لغوی وصرفی تحقیق (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) ولا یؤیس منہ کا مطلب۔

**جواب** ...... ① **کلماتِ مخطوطہ کی لغوی وصرفی تحقیق:۔** "البِشر" صیغہ واحد بحث اسم بمعنی چہرہ کی رونق، مصدر از ضرب و سمع بمعنی خوش ہونا۔ "لَین" صیغہ واحد بحث اسم اور اس کی جمع لینون اور الیناء ہے بمعنی نرم۔

"سَہل" صیغہ واحد بحث اسم بمعنی نرم، مصدر از کرم بمعنی نرم ہونا۔ "بفظ" صیغہ واحد بحث مصدر بمعنی بد خلق اور سخت کلام۔

"غلیظ" صیغہ واحد بحث صفت مشبہ بمعنی سخت اور تند خو **غلظا** مصدر از باب نصر ضرب، کرم بمعنی گاڑھا ہونا۔

"صخاب" صیغہ واحد بحث اسم مبالغہ بمعنی چلانے والا از باب سمع بمعنی چیخنا شور مچانا۔

"فحاش" صیغہ واحد بحث اسم مبالغہ بمعنی فحش، بد خلق از باب کرم بمعنی برا ہونا۔

"مشاح" صیغہ واحد بحث اسم فاعل بمعنی بخیل۔ از باب نصر و مفاعلہ بمعنی بخل کرنا۔

"لا یؤیس" صیغہ واحد بحث نفی مضارع معلوم از باب افعال مجرد از باب سمع بمعنی ناامید ہونا۔

"المراء" صیغہ واحد بحث اسم مبالغہ بمعنی جھگڑا کرنے والا از باب کرم بمعنی کڑوا ہونا، تلخ ہونا۔

"الاکبار" مصدر باب افعال بمعنی اپنے آپ کو بیٹھنے اور چلنے میں بڑا سمجھنا۔

② **حدیث کا ترجمہ:۔** آپ ﷺ ہمیشہ خندہ پیشانی اور خوش خلقی کے ساتھ متصف رہتے تھے۔ یعنی چہرہ انور پر تبسم اور بشاشت کا اثر نمایاں ہوتا تھا۔ آپ ﷺ نرم مزاج تھے یعنی کسی بات میں لوگوں کو آپ ﷺ کی موافقت کی ضرورت ہوتی تھی تو آپ ﷺ

سہولت سے موافق ہو جاتے تھے۔ نہ آپ ﷺ سخت گو تھے اور نہ سخت دل تھے۔ نہ آپ ﷺ چلا کر بولتے تھے نہ فحش گوئی اور بد کلامی فرماتے تھے۔ نہ عیب گیر تھے کہ دوسروں کے عیوب پکڑیں۔ نہ زیادہ مبالغہ سے تعریف کرنے والے نہ زیادہ مذاق کرنے والے، نہ بخیل۔ آپ ﷺ ناپسند بات سے اعراض فرماتے تھے یعنی اس پر التفات نہ فرماتے گویا سنی ہی نہیں۔ دوسرے کی کوئی خواہش اگر آپ ﷺ کو پسند نہ آتی تو اس کو مایوس بھی نہ فرماتے تھے اور اس کا وعدہ بھی نہ فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے تین باتوں سے اپنے آپ ﷺ کو بالکل علیحدہ فرما رکھا تھا جھگڑے سے، تکبر سے اور بیکار بات سے۔

❷ **ولا یؤیس منه** کا مطلب:۔ اگر کسی شخص کی کوئی بات یا خواہش پسند نہ آتی تھی تو آنحضرت ﷺ اسے مایوس نہ کرتے تھے یعنی اس کے سامنے اس کی ناپسندیدگی کو بیان کر کے اسے مایوس اور ناامید نہ کرتے تھے۔

## ﴿الورقة الاولى: السنن مع الشمائل﴾

## ۱۴۳۲ھ

## ﴿السوال الاول﴾ (سنن النسائی)

**الشق الاول** ...... أخبرنا هناد بن السري عن وكيع عن الأعمش قال سمعت مجاهدًا يحدث عن طاوس عن ابن عباس قال: مر رسول الله ﷺ على قبرين، فقال انهما يعذبان وما يعذبان في كبير، أما هذا فكان لا يستنزه من بوله، وأما هذا فانه كان يمشي بالنميمة ثم دعا بعسيب رطب فشقه باثنين فغرس على هذا واحدًا وعلى هذا واحدًا ثم قال لعله يخفف عنهما مالم ييبسا، خالفه منصور رواه عن مجاهد عن ابن عباس ولم يذكر طاوسا. (ص ۲۳، ج ۱، رحمانیہ)

ترجم الحديث و اشرح معنى قوله: "انهما يعذبان وما يعذبان في كبير" حسب أقوال الشارحين. هل غرس العسيب ينفع لجميع أصحاب القبور وهل يمكن لنا ان ننتفع هذه السنة اليوم؟ ماهو حكم وضع باقات الزهور على القبور كما اعتاد الناس اليوم؟ اشرح غرض النسائي من قوله: خالفه منصور الخ، وهل لأحد الطريقين مزية على الآخر؟.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حاصل پانچ امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) مذکورہ جملہ کا مطلب (۳) درخت کی ٹہنی کی منفعت (۴) قبر پر پھولوں کی پتیاں بچھانے کا حکم (۵) خالفہ منصور سے غرض مصنف۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دو قبروں پر گزر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے اور ان کو کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا، پس یہ شخص اپنے پیشاب (کے چھینٹوں) سے نہیں بچتا تھا، اور یہ شخص چغل خوری کرتا تھا پھر آپ ﷺ نے تر ٹہنی منگوائی اور اسے دو حصوں میں پھاڑا پھر ایک ٹہنی اس قبر پر اور ایک ٹہنی کو اس (دوسری) قبر پر گاڑ دیا پھر فرمایا کہ شاید ان ٹہنیوں کے خشک ہونے تک ان کے عذاب میں تخفیف ہو جائے۔

❷ **مایعذبان فی کبیر** کا مطلب:۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ چغل خوری کبیرہ گناہوں میں سے ہے اور حرام ہے پھر آپ ﷺ نے کیسے ارشاد فرمایا کہ مایعذبان فی کبیر کہ یہ کبیرہ گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں دیئے جا رہے حالانکہ یہ کبیرہ گناہ ہے۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کے ارشاد کا یہ مطلب نہیں کہ یہ کبیرہ گناہ نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ اسے کبیرہ گناہ نہیں سمجھتے تھے۔

نیز دوسرا جواب یہ ہے کہ کبیر بمعنی گراں شاق و مشکل ہے کہ وہ اسے اپنی طبیعت پر شاق اور گراں سمجھتے تھے اور اس سے بچنے کو گراں اور مشکل سمجھتے تھے حالانکہ اس سے بچنا کوئی مشکل اور گراں نہیں تھا۔

❸ درخت کی ٹہنی کی منفعت:۔ ان دو قبروں کے تخفیف عذاب کا سبب کیا ہے اس میں شارحین کے متعدد اقوال ہیں ① علامہ

مازری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ آپ ﷺ کو وحی کے ذریعہ یہ بات بتلادی گئی ہو کہ ان دونوں سے اس مدت تک عذاب کی تخفیف رہے گی ② امام قرطبی رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ان کیلئے اتنی مدت تک کیلئے شفاعت کی ہوگی جو قبول ہو گئی ③ علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تخفیف عذاب میں تر و تازہ شاخ کی کوئی خصوصیت نہیں ہے اور نہ اس میں ایسی کوئی خاص صفت ہے جو خشک شاخ میں نہیں ہے بلکہ یہ آپ ﷺ کی دعا کا اثر تھا جو آپ نے انکے تر و تازہ رہنے تک فرمائی ہوگی ④ علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شاخ میں رفع عذاب کی خاصیت تھی مگر یہ خاصیت آپ ﷺ کے دست مبارک کی برکت سے حاصل ہوئی تھی۔ (شرح نسائی ج ۱ ص ۱۵)

الغرض تخفیف عذاب میں اس شاخ کی کوئی خصوصیت نہیں ہے بلکہ یہ آپ ﷺ کے دست مبارک یا آپ کی سفارش و دعا کا اثر تھا لہٰذا آج کل اس عمل سے نفع حاصل کرنا درست نہیں ہے۔

④ **قبر پر پھولوں کی پتیاں پھینکنے کا حکم:۔** علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی بناء پر لوگوں نے قبر پر شاخ وغیرہ رکھ دینے کا جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ بالکل ناپسندیدہ اور شریعت کی مرضی کے خلاف ہے کیونکہ ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ بذاتہ شاخ میں تخفیف عذاب کی کوئی خصوصیت نہیں ہے اور حضرت انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔

لہٰذا قبروں پر شاخیں گاڑنا اور پھولوں کی پتیاں وغیرہ پھینکنا امر منکر و بدعت ہے۔ (ایضاً)

⑤ **خالفہ منصور سے غرض مصنف:۔** اس عبارت سے مصنف رحمہ اللہ کی غرض اس حدیث کی سند کے متعلق بحث کرنا ہے کہ مجاہد کے دو شاگرد ہیں، اعمش اور منصور۔ دونوں کی سند میں فرق ہے، اعمش اس حدیث کی سند میں مجاہد اور ابن عباس کے درمیان طاؤس کا واسطہ ذکر کرتے ہیں اور منصور اعمش کی مخالفت کرتے ہوئے مجاہد اور ابن عباس کے درمیان کوئی واسطہ ذکر نہیں کرتے گویا اعمش کی سند کے مطابق مجاہد اور حضور ﷺ کے درمیان دو واسطے ہیں اور منصور کی سند کے مطابق مجاہد اور رسول اللہ ﷺ میں صرف صحابی کا ایک واسطہ ہے مگر یہ کوئی ایسی مخالفت نہیں ہے جس سے صحت روایت میں نقصان ہو کیونکہ ممکن ہے کہ مجاہد نے یہ حدیث پہلے بواسطہ طاؤس سنی ہو پھر بعد میں بلا واسطہ سنی ہو۔ علامہ عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ابن حبان نے دونوں طریق کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔ (ایضاً)

**الشق الثاني** ..... أخبرنا محمد بن المثنى بن يحيى بن سعيد عن سفيان، قال أخبرني أبو روق عن إبراهيم التيمي عن عائشة أن النبي ﷺ كان يقبل بعض أزواجه ثم يصلي ولا يتوضأ، قال أبو عبدالرحمن: ليس في هذا الباب حديث أحسن من هذا الحديث وإن كان مرسلا، وقد روى هذا الحديث الأعمش عن حبيب بن أبي ثابت عن عروة عن عائشة، قال يحيى القطان: حديث حبيب عن عروة عن عائشة هذا وحديث حبيب عن عروة عن عائشة: تصلي وإن قطر الدم على الحصير، لاشيء. (ص ۲۹، ج ۱، رحمانيه)

اذكر حكم الوضوء من القبلة ومن مس النساء. ترجم الحديث واذكر اسم أبي روق، و اسم والد ابراهيم التيمي. اشرح قول أبي عبدالرحمن وما هو الغرض منه؟ واكتب الرد عليه إن كان فيه مؤاخذة.

﴿خلاصہ سوال﴾ ..... اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) عورت کے بوسہ اور چھونے کی وجہ سے وضو کا حکم (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) ابو روق اور ابراہیم تیمی کے والد کا نام (۴) ابو عبدالرحمن کے قول کی تشریح مع الرد۔

**جواب** ..... ① **عورت کے بوسہ اور چھونے کی وجہ سے وضو کا حکم:۔** امام ابو حنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک مس مرأۃ مطلقاً ناقض للوضوء نہیں ہے اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک مس مرأۃ ناقض للوضوء ہے۔ البتہ تفصیل میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مطلقاً ناقض وضو ہے خواہ وہ عورت صغیرہ ہو یا کبیرہ، محرم ہو یا غیر محرم ہو، شہوت کے ساتھ ہو یا بغیر شہوت کے ہو۔ البتہ

مس یا حائل شرط ہے اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک تین شرائط ہیں، عورت کبیرہ ہو صغیرہ نہ ہو، مشتہاۃ ہو محرمہ نہ ہو، مس شہوت کے ساتھ ہو بغیر شہوت نہ ہو۔ (درس ترمذی ج۱ ص۳۰۹)

مذکورہ مسئلہ میں اختلاف کی بنیاد آیت کریمہ میں واقع **لمستم النساء** کا لفظ اور اس کا معنی ہے کہ یہاں **لامستم** (باب مفاعلہ سے) ہے یا **لمستم** (مجرد سے) ہے اور اس کا معنی چھونا ہے یا جماع ہے۔ باقی اس کی تفصیل بعد میں آرہی ہے۔

احناف کے دلائل: ① حدیث الباب ہے جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے اپنی بیویوں میں سے کسی ایک کا بوسہ لیا پھر نماز کیلئے تشریف لے گئے اور وضو نہیں فرمایا معلوم ہوا کہ مس مرأۃ ناقض الوضوء نہیں ہے۔ ② حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جس میں وہ بیان فرماتی ہیں کہ میں آپ ﷺ کے سامنے سوئی ہوئی تھی اور آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے تو جب آپ ﷺ سجدہ میں جانے لگتے تو میرے پیروں پر ہاتھ مارتے تو میں اپنے پاؤں کو اکٹھا کر لیتی اور جب آپ ﷺ سجدہ کر لیتے تو پھر میں اور پھیلا دیتی تو اس سے بھی معلوم ہوا کہ مس مرأۃ ناقض الوضوء نہیں ہے۔ اس مضمون کی متعدد احادیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہیں۔

شوافع کی دلیل قرآن کی آیت **او لمستم النساء فلم تجدوا ماء الخ** میں **لمستم** والی قراءت ہے اور لمس سے حقیقی معنی (چھونا) مراد ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہی تفسیر مروی ہے لہٰذا مس مرأۃ ناقض الوضوء ہے۔

احناف کی طرف سے جواب یہ ہے کہ یہاں ملامست کا معنی جماع ہے حضرت ابن عباس، حضرت علی اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم نے یہی تفسیر کی ہے اور یہ تفسیر کئی وجوہ سے راجح ہے۔ ① اس تفسیر پر تیمم للجنابہ کا حکم آیت سے ثابت ہوگا اور آیت جامع للاحکام ہوگی بخلاف دوسری تفسیر کے کہ اس سے یہ حکم ثابت نہیں ہوتا۔ ② ملامست باب مفاعلہ سے ہے جو کہ طرفین کی مشارکت چاہتا ہے جو جماع میں پائی جاتی ہے۔ ③ آپ ﷺ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے لئے فہم قرآن کی دعا فرمائی تھی لہٰذا ان کی تفسیر راجح ہے۔

نیز ان کا استدلال حضرت ابن مسعود و ابن عمر رضی اللہ عنہم کے موقوف آثار سے بھی ہے **قال ابن مسعود القبلة من اللمس وفيها الوضوء وقال ابن عمر من قبل امرأته او جسها بيده فعليه الوضوء۔**

حنفیہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ مرفوع صریح احادیث کے مقابلہ میں یہ موقوف آثار مرجوح ہیں۔ (المسائل والدلائل ص ۳۹)

❷ <u>حدیث کا ترجمہ:</u> حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ بوسہ لیتے تھے اپنی بعض ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا پھر نماز پڑھتے تھے اور وضو نہیں کرتے تھے۔

❸ <u>ابوروق اور ابراہیم تیمی کے والد کا نام:</u> ابوروق کا نام عطیہ اور ابراہیم تیمی کے والد کا نام یزید بن شریک تیمی ہے۔

❹ <u>ابوعبدالرحمن کے قول کی تشریح مع الرد:</u> چونکہ یہ حدیث اس مسئلہ میں حنفیہ کی دلیل ہے اسلئے ابوعبدالرحمن اس حدیث پر اعتراض کر رہے ہیں کہ یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ ابراہیم تیمی کا سماع حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت نہیں ہے اور حدیث مرسل حجت نہیں ہے۔ نیز اس حدیث کے دوسرے طریق کو ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ اس میں اگر عروہ سے مراد عروہ بن زبیر ہیں تو حبیب کا سماع ان سے ثابت نہیں ہے اور اگر عروہ سے مراد عروہ مزنی ہیں تو پھر عروہ کا سماع حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت نہیں ہے۔

احناف کی طرف سے جواب ① ہمارے اور جمہور کے نزدیک ثقہ راوی کی حدیث مرسل حجت ہے۔ ② حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث مختلف طرق سے مروی ہے طریق مرسل سے بھی روایت کی گئی ہے اور موصول سے بھی اور کبار تابعین کی حدیث مرسل تو امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی حجت ہے جبکہ دوسرے طریق سے بھی بطریق مرفوع وارد ہوئی ہو یا کسی صحابی کا قول اس حدیث مرسل کے موافق ہو یا کسی فقیہ نے اس پر عمل کیا ہو اور اس کی تصریح علامہ ماردینی رحمہ اللہ نے بیہقی سے نقل کرتے ہوئے کی ہے تو یہاں بھی

حدیث باب کا معاملہ بالکل اسی طرح ہے۔ ⑥دار قطنی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو معاویہ بن ہشام نے ثوری رحمہ اللہ سے وہ ابوروق سے وہ ابراہیم تیمی سے وہ اپنے باپ یزید بن شریک تیمی سے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے اور اسناد کو متصل کر دیا ہے اور سب راوی ثقہ ہیں۔ اب تو انقطاع کا اعتراض بھی دور ہو گیا نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث سوائے ابراہیم تیمی کے اور بھی طرق متعددہ سے مروی ہے چنانچہ ابوبکر بزار نے اپنی مسند میں اسکی اسماعیل بن یعقوب بن صبیح سے وہ محمد بن موسیٰ بن اعین سے وہ اپنے والد موسیٰ سے وہ عبدالکریم جزری سے وہ عطاء سے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں **ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقبل بعض نسائه ولا یتوضا** اس حدیث کے سب رجال ثقہ ہیں۔ حافظ عبدالحق اشبیلی نے اس کو بزار کے طریق سے روایت کرنے کے بعد فرمایا **لا اعلم لہ علة توجب ترکہ الخ** اس حدیث کے اور بھی طرق ہیں جن کا ذکر زیلعی اور الجوہر النقی میں ہے۔

الغرض جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث طرق متعددہ سے روایت کی گئی ہے تو اب بالاتفاق اس کے حجت ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے نیل الاوطار میں لکھا ہے کہ نقض وضو کے قائلین کی طرف سے حدیث تقبیل کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ وہ ضعیف ہے نیز مرسل ہے مگر اس جواب کو رد کر دیا گیا ہے کیونکہ اس حدیث کی کثرت روایات کی وجہ سے اس کا ضعف دور ہو گیا ہے اور یہ حدیث قبلہ مرفوعاً موقوفاً دونوں طریق سے ثابت ہے اور روایات مرفوعہ زیادہ ہیں لہٰذا انہی کی طرف رجوع کرنا ہوگا جیسا کہ اہل اصول کا یہی مذہب ہے۔

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہاں پر عروہ بن زبیر مراد ہیں چنانچہ مسند احمد اور ابن ماجہ میں ابن الزبیر کی تصریح موجود ہے اسی طرح دار قطنی کی روایت میں بھی صراحۃ ابن الزبیر کا ذکر آیا ہے کہ انہوں نے حدیث قبلہ کو ابن ابی شیبہ اور علی بن محمد سے اور ان دونوں نے وکیع سے اس نے اعمش سے اس نے حبیب بن ابی ثابت سے اس نے عروہ بن زبیر سے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے **ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل بعض نسائه ثم خرج الی الصلوة ولم یتوضا** اس سند کے رجال سب کے سب ثقہ ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ یہاں عروہ بن زبیر مراد ہیں نیز متن حدیث میں ایسا قرینہ موجود ہے کہ یہاں عروہ بن زبیر مراد ہیں کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول مذکور **قبل بعض نسائه** کے بعد عروہ نے کہا **فقلت من هي الا انت فضحکت** ۔ یہ کلام صاف بتلا رہا ہے کہ اس کے قائل عروہ بن زبیر ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے جو اپنی خالہ کے ساتھ اس طرز سے کلام کر سکتے ہیں انکے علاوہ کوئی اور شخص جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی قسم کی قرابت کا تعلق نہیں رکھتا ہے وہ انکے سامنے کلام مذکور پر ہرگز جرات نہیں کر سکتا نیز عروہ کا قول مذکور ان کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات پر اور انکے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع پر دلیل ہے اب اس میں کوئی شبہ نہیں رہا کہ سند میں عروہ سے مراد عروہ بن زبیر ہیں (نہ کہ عروہ مزنی جو مجہول ہیں)۔

دوسری جرح کہ حبیب کا سماع عروہ سے ثابت نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ خود امام ابوداود رحمہ اللہ ثوری کے اس کلام سے راضی نہیں جو انہوں نے کہا کہ حبیب بن ابی ثابت کا سماع ابن زبیر سے ثابت نہیں ہے کیونکہ امام ابوداود رحمہ اللہ ثوری کا کلام نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ حمزۃ الزیات نے حبیب سے وہ عروہ سے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث صحیح روایت کی ہے تو اس سے انہوں نے ثوری وغیرہ کے قول کو رد کر دیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حبیب کا سماع عروہ سے نہیں ہے مگر وہ حدیث صحیح امام ابوداود رحمہ اللہ نے بیان نہیں کی۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کو جامع الدعاء کے ذیل میں نقل کیا ہے اور وہ حدیث یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے **اللھم عافنی فی جسدی وعافنی فی بصری**۔

نیز امام مسلم نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ اتصال کیلئے ثبوت سماع شرط نہیں بلکہ معاصرت اور امکان لقاء کافی ہے جو اس روایت مذکورہ فی الباب میں موجود ہے تو امام مسلم کے اصول کے مطابق حدیث حبیب بن ابی ثابت سماع پر محمول ہوگی اور حافظ ابن عبدالبر مالکی رحمہ اللہ کا میلان و رجحان بھی حدیث قبلہ کی صحت کی طرف معلوم ہو رہا ہے انہوں نے کہا کہ اہل کوفہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے

اور انھوں نے اس کو اثر حدیث میں سے ثقہ راویوں کی سند سے نقل کیا ہے اور چونکہ حبیب ابن ابی ثابت نے ایسے اشخاص سے روایت کی ہے جو عمر بن عروہ سے زیادہ بڑے ہیں اسلئے حبیب کی ملاقات کا عروہ سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے اور حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ حبیب کی ملاقات عروہ سے ہوئی ہے پھر بطور استشہاد امام ابوداؤد رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے۔

علامہ ابن الترکمانی کہتے ہیں کہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ کا قول مثبت سماع ہے یعنی صراحتاً اس پر دلالت کر رہا ہے کہ حبیب کا سماع عروہ سے ثابت ہے اور ثوری کا قول جو بلا استناد ہے ظن کے مطابق کہ وہ نافی ہے لہٰذا مثبت نافی پر مقدم ہوگا۔

غرض کہ حفاظ حدیث کے یہ اقوال مذکورہ اس پر دال ہیں کہ حبیب نے عروہ بن زبیر سے سنا ہے اور جب سماع ثابت ہوا تو انقطاع کی علت دور ہوگئی اور حدیث متصل ہوگئی لہٰذا ابن القطان وغیرہ کا حدیث باب کے دوسرے طریق پر جرح کرنا قابل تسلیم نہیں ہے نیز اس حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کے بہت سے شواہد ہیں جن سے حدیث قبلہ کی تائید ہوتی ہے کہ عورت کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتی اور اس کا قائل ہونا کہ عورت کو چھونے سے وضو کا نہ ٹوٹنا حضور اکرم ﷺ کے خصائص میں سے ہے جیسا کہ بعض شوافع نے ذکر کیا ہے تکلف سے خالی نہیں اسکو دلیل سے ثابت کرنا پڑے گا۔ بہرحال تقریر مذکور سے واضح ہو گیا کہ باعتبار دلائل حنفیہ کا مسلک قوی ہے شوافع وغیرہ کے پاس کوئی مضبوط دلیل نہیں ہے آخر میں وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس آیت قرآنی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے او لامستم النساء۔ شوافع ملامست کو لمس بالید پر محمول کرتے ہیں یعنی اس کے معنی ہاتھ سے چھونے کے ہیں اس کیلئے مؤید کی دوسری قرأت ہے کیونکہ دوسری قرأت میں اولمستم النساء ہے اس سے معلوم ہوا کہ مس مرأۃ ناقض وضو ہے۔

احناف اس کا جواب دیتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر زائد معتبر ہے وہ حبر الامت ہیں اور فرماتے ہیں کہ لمس جماع سے کنایہ ہے اور آیت کو اسی پر حمل کرنا اولیٰ ہے تاکہ قرأت او لامستم النساء کے موافق ہو جائے کیونکہ جمہور کے نزدیک لامستم کنایہ عن الجماع ہے چونکہ اللہ تعالیٰ بہت حیادار اور باغیرت ہیں اس لئے امر قبیح یعنی لفظ جماع کو ایک اچھے لفظ یعنی مس سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ آیت طلاق وان طلقتموهن من قبل ان تمسوهن میں بالاجماع مس سے جماع مراد ہے مگر اللہ تعالیٰ نے ان تمسوهن استعمال فرمایا ہے جو کنایہ عن الجماع ہے لفظ جماع استعمال نہیں فرمایا۔

نیز آیت وضو میں اذا قمتم الى الصلوة سے لیکر وان كنتم جنبا تک حدث اصغر اور حدث اکبر دونوں کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ جب پانی کے استعمال پر قدرت ہو تو وضو اور غسل کرلو پھر اس کے بعد پانی پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں کیا حکم ہے اس کو بیان کیا ہے وان كنتم مرضى او على سفر الخ اور یہاں لفظ لامستم جماع کے معنی میں ہے اور اسکو اسی پر حمل کرنا ضروری ہے تاکہ پانی کے استعمال پر قادر نہ ہونے کی حالت میں دونوں قسم کے حدثوں کا بیان ہو جائے جیسا کہ وجود ماء کی حالت میں دونوں کا حکم بیان کیا گیا ہے اس توجیہ سے مقصد آیت پورا ہو جاتا ہے بخلاف لامستم سے لمس بالید مراد لینے کے جسکے حضرات شوافع قائل ہیں کیونکہ آیت کے سیاق و سباق کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس سے مقصد آیت تمام نہیں ہوتا ہے۔ (شرح نسائی ج۱ ص ۳۶)

## ﴿السوال الثانی﴾ (سنن ابن ماجه) ۱٤۲۲ھ

**الشق الاول** ...... حدثنا سهل بن أبى سهل ومحمد بن اسماعيل قالا: ثنا عبدالسلام بن صالح أبو الصلت الهروى ثنا على بن موسى الرضا عن أبيه عن جعفر بن محمد عن أبيه عن على بن الحسين عن أبيه عن على بن أبى طالب قال: قال رسول الله ﷺ: الايمان معرفة القلب، وقول باللسان، وعمل بالأركان، قال أبوالصلت: لو قرئ هذا الاسناد على مجنون لبرأ. (ص ۸ قدیمی)

لشرح الحديث. هل هذا الحديث يخالف ما ذهب إليه أبو حنيفة من أن الإيمان بسيط؟ فكيف التطبيق بينهما؟ عدّ ابن الجوزي هذا الحديث من الموضوعات من هو المتهم فيه؟ ترجم المتهم فيه بإيجاز ولكن هل أصاب ابن الجوزي في الحكم بوضعه؟ ما هي المزية التي أشار إليها أبو الصلت في هذا الإسناد؟ اكتب بإيضاح. (کمیل ص ۱۴۲۳ھ)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں پانچ امور حل طلب ہیں (۱) حدیث کی تشریح (۲) مذکورہ حدیث کی توجیہ (۳) حدیث کے موضوع یا عدم موضوع ہونے کی وضاحت (۴) متہم فیہ کی تعیین اور تعارف (۵) ابو الصلت کے قول میں مذکور خوبی کی وضاحت۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کی تشریح:۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہے کہ کامل ایمان دل کی معرفت، زبان سے اقرار اور اعضاء و جوارح سے عمل کرنے کا نام ہے یعنی اولاً تصدیق قلبی ہو ثانیاً زبان سے اقرار ہو ثالثاً اعمال کے ذریعہ اس میں زیادتی ہوگی۔

❷ مذکورہ حدیث کی توجیہ:۔ بظاہر یہ حدیث معتزلہ و خوارج کے لئے مؤید ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک ایمان اشیاء ثلاثہ سے مرکب ہے اور اہل السنۃ والجماعۃ کے خلاف ہے اسلئے کہ ان کے نزدیک ایمان فقط تصدیق قلبی کا نام ہے۔

اہل السنۃ والجماعۃ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ایمان کامل پر محمول ہے نفس ایمان تو تصدیق قلبی سے حاصل ہو جاتا ہے البتہ اجراء احکام وغیرہ کیلئے زبان کیساتھ اقرار کرنا شرط ہے اور اعمال کے ذریعہ اس میں زیادتی ہوتی ہے اور دیگر دلائل کی وجہ سے اس حدیث سے کمال ایمان ہی مراد ہے لہٰذا اس حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ایمان اشیاء ثلاثہ کے مجموعہ کا نام ہے۔

❸ و ❹ حدیث کے موضوع یا عدم موضوع ہونے کی وضاحت اور متہم فیہ کی تعیین و تعارف:۔ اس حدیث کی سند متکلم فیہ ہے اور جرح و تعدیل کے ائمہ نے زبردست کلام کیا ہے اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابو الصلت عبد السلام بن صالح ہیں جو محدثین اور ائمہ جرح و تعدیل کے نزدیک غیر معتبر ہیں کوئی محدث بھی ان پر اعتماد کرنے کیلئے قطعاً تیار نہیں ہے۔ عقیلی نے انکے بارے میں کہا کہ یہ شخص کذاب تھا۔ علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے جس کی تائید محدثین کی بہت بڑی جماعت نے بھی کی ہے۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حدیث موضوع تو نہیں ہے کیونکہ ابو الصلت کی توثیق ابن معین نے کی ہے اور اسمائے رجال کے بعض محدثین نے لکھا ہے کہ ابو الصلت نیک آدمی ہے مگر تشیع کی طرف مائل ہے اسلئے توثیق کے باوجود انکی حیثیت مخدوش ہے حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ابو صلت کے بارے میں امام دار قطنی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ انه رافضي خبيث متهم بوضع حديث الايمان اقرار بالقول۔ حافظ ابن حجر نے تہذیب میں امام دار قطنی کا قول ان الفاظ میں نقل کیا ہے قال ابو الحسن وروى حديث الايمان اقرار بالقول وهو متهم بوضعه لم يحدث به الا من سرق منه فهو الابتداء في هذا الحديث۔ علامہ کمال الدین محمد بن موسیٰ دمیری لکھتے ہیں کہ هذا الحديث موضوع۔ علامہ ابن رجب زبیری نے شرح سنن ابن ماجہ میں ابن الجوزی کے قول سے اتفاق کیا ہے۔ (تکمیل الحاجہ ص ۱۷)

❺ ابو الصلت کے قول میں مذکور خوبی کی وضاحت:۔ ابو الصلت کے قول کا حاصل یہ ہے کہ اس حدیث کی سند ایک خوبی پر مشتمل ہے اس لئے اگر اس سند کو پڑھ کر کسی مجنون پر دم کیا جائے تو وہ تندرست ہو جائے گا اور وہ خوبی یہ ہے کہ یہ سند خیر العباد (بہترین لوگ) پر مشتمل ہے کیونکہ یہ پوری سند اہل بیت نبی ﷺ پر مشتمل ہے جو کہ نبوت کا حاصل اور خلاصہ ہیں۔

**الشق الثانی** ...... عن وكيع بن حدس عن عمه ابي رزين قال: قال رسول الله ﷺ: ضحك ربنا من قنوط عباده وقرب غيره، قال: قلت: يا رسول الله اويضحك ربنا؟ قال: نعم، قلت: لن نعدم من رب يضحك خيرًا۔

حقق لغويا كلمة "غيره" وأعرب نحويا (نحوی ترکیب) لن نعدم من رب يضحك خيرًا، ثم اشرح

الحدیث الشریف کاملا. (ص ۲۰، ۳ قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) غیرہ کی لغوی تحقیق (۲) لن نعدم من رب یضحک خیرًا کی ترکیب (۳) حدیث کی تشریح۔

**جواب**......❶ غیرہ کی لغوی تحقیق:۔ یہ غِیَرٌ غین کے کسرہ اور یاء کے فتح کے ساتھ ہے بمعنی تغییر و تحویل اور واؤ بمعنی مع ہے مطلب یہ ہے کہ جب بندہ کو معمولی تکلیف و شر پہنچتا ہے تو وہ خیر سے بالکل مایوس ہو جاتا ہے حالانکہ اسکی حالت میں تکلیف سے راحت اور شر سے خیر کی طرف تبدیلی انتہائی قریب ہوتی ہے تو اسکی اس مایوسی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو ہنسی آتی ہے۔ (ص)

❷ لن نعدم من رب یضحک خیرًا کی ترکیب:۔ لن نعدم فعل و فاعل من جارہ رب موصوف یضحک فعل و فاعل ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صفت، موصوف صفت ملکر مجرور، جار مجرور ملکر متعلق ہوا فعل کے، خیرا مفعول ہے، فعل اپنے فاعل، متعلق و مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

❸ حدیث کی تشریح:۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں پر ہنستا ہے جو خدا تعالیٰ کے دربار کو چھوڑ کر دوسروں کے دربار پر جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے مستغنی ہو کر غیر اللہ سے قرب اختیار کرتے ہیں ایسے بندوں پر اللہ تعالیٰ کا ہنسنا تہکم اور ازراہ مذاق ہے نہ کہ بربنائے رضا و خوشنودی تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر تو ہم نیکی کو بھی نہیں چھوڑیں گے تا کہ اللہ تعالیٰ ہماری نیکی کو دیکھ کر خوش اور راضی ہو اور اس پر ہنسے، یہاں اللہ تعالیٰ کا نیکی پر ہنسنا بربنائے رضامندی اور خوشنودی ہے۔ اس حدیث شریف کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ بسا اوقات بندہ کسی کام سے بالکل مایوس ہو جاتا ہے کہ وہ ہونے والا نہیں ہے اس سوچ میں مایوس ہو کر بیٹھ جاتا ہے حالانکہ وہ کام ابھی چند مدت بعد ہونے والا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ بندے کی اس حالت کو دیکھ کر ہنستا ہے کہ دیکھو میرا بندہ مایوس ہو گیا ہے حالانکہ وہ کام ابھی ہونے والا ہے۔

## ﴿السوال الثالث﴾ (الشمائل) ۱۴۲۲ھ

**الشق الاول**......حدثنا محمد بن بشار حدثنا عبدالرحمن بن مهدي عن سفيان عن منصور عن سالم بن أبي الجعد عن أبي سلمة عن أم سلمة قالت: مارأيت النبي ﷺ يصوم شهرين متتابعين الاشعبان ورمضان، قال أبو عيسى: هذا الاسناد صحيح، وهكذا قال عن أبي سلمة عن أم سلمة، وروى هذا الحديث غير واحد عن أبي سلمة عن عائشة عن النبي ﷺ: ويحتمل أن يكون أبو سلمة بن عبدالرحمن قد روى هذا الحديث عن عائشة وأم سلمة جميعا عن النبي ﷺ. (ص ۲۰، قدیمی)

ترجم الحديث قد ورد في هذا الحديث ان رسول الله ﷺ كان يصوم شعبان كاملًا مع أنه قد ورد أنه ما كان يصوم كاملًا، فما هو التطبيق بينهما؟ اذكر هدى رسول الله ﷺ في الصوم كما قرأت في كتاب الشمائل هذا. اشرح ماقاله أبو عيسى ووضح الغرض منه من هو أبو سلمة المذكور في هذا الطريق؟ (خصائل ص ۲۱۵)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں پانچ امور حل طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) احادیث میں تطبیق (۳) رسول اللہ ﷺ کا روزہ رکھنے میں عمل (۴) ابوعیسیٰ رحمہ اللہ کے قول کی تشریح و غرض (۵) ابوسلمہ کا تعارف۔

**جواب**......❶ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو شعبان و رمضان کے علاوہ دو ماہ کے مکمل روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

❷ **احادیث میں تطبیق:۔** بظاہر احادیث میں تعارض ہے اسلئے کہ اس باب کی بقیہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ رمضان کے علاوہ کسی دوسرے مہینے کے مسلسل و کامل روزے نہیں رکھتے تھے جبکہ اس حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ آنحضرت ﷺ شعبان کے مہینے میں بھی مکمل روزے رکھتے تھے بظاہر ان میں تعارض ہے۔

تطبیق کی پہلی صورت یہ ہے کہ مکمل شعبان کا ذکر مبالغے کے طور پر ہے آپ ﷺ کی عادت شعبان کے اکثر روزے رکھنے کی تھی اور بعض روایات میں اسکی تصریح بھی موجود ہے۔ نیز ممکن ہے کہ کبھی آپ ﷺ نے اتفاقاً مکمل شعبان کے روزے رکھے ہوں اور حضرت ام سلمہ ؓ کے علاوہ کسی اور کو اسکی اطلاع اور خبر نہ ہوئی ہو۔ نیز بقیہ روایات میں عادت کی نفی ہے کہ آپ ﷺ کی رمضان کے علاوہ کسی دوسرے مہینے میں مکمل روزے رکھنے کی عادت نہ تھی اور اتفاقاً کبھی مکمل مہینے کے روزے رکھ لینا اسکے منافی نہیں ہے اور اس روایت میں ممکن ہے کہ اسی اتفاقی مہینے کے طور پر مکمل شعبان کے روزے رکھنے کا ذکر ہو لہٰذا کوئی تعارض نہیں ہے۔

نیز تطبیق کی چوتھی صورت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ ابتداء میں شعبان کے مکمل روزے رکھتے تھے اور ممکن ہے کہ آخر عمر میں ضعف کی وجہ سے کم کردیئے ہوں چونکہ یہ ترک کرنا ضعف کی وجہ سے تھا اس لئے حضرت ام سلمہ ؓ نے اس کا اعتبار نہ کرتے ہوئے مکمل شعبان کے روزے رکھنے کا ذکر کردیا اور آخری عمر میں یہ معمول نہ رہا تھا اس وجہ سے بقیہ احادیث میں صرف رمضان کے مکمل روزوں کا ذکر ہے پس اس لحاظ سے بھی کوئی تعارض نہ رہا۔ (ایضا)

❸ **رسول اللہ ﷺ کا روزہ رکھنے میں عمل:۔** حضرت ابن عباس ؓ سے بھی حضور کی یہ عادت شریفہ مروی ہے کہ کسی ماہ میں اکثر حصہ روزہ رکھتے تھے جس سے ہمارا خیال ہوتا تھا کہ اس میں افطار کا ارادہ نہیں اور کسی ماہ میں ایسے ہی اکثر افطار فرماتے تھے لیکن کسی ماہ میں بجز رمضان المبارک کے تمام ماہ روزہ نہیں رکھتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کا یہ معمول متعدد روایات میں گزر چکا ہے اس معمول کی دو وجہ ہیں اول تو یہ کہ باب کے شروع میں یہ گزر چکا ہے کہ روزہ حقیقت میں ایک تریاق ہے اور بسا اوقات روحانی ترقی اور دیگر وقتی مصالح کیلئے بطور دوا کے بھی رکھا جاتا ہے ایسی صورت میں دوا کے عام اصول کے موافق بسا اوقات اس کی مسلسل استعمال کی حاجت ہوتی ہے اور بسا اوقات خاص ضرورت نہیں ہوتی یا اگر معمولی ضرورت بھی ہوتی ہے تو دوسرے وقتی عوارض کی وجہ سے دوا کا ترک ضروری ہوتا ہے جو اطباء کے یہاں ایک معروف چیز ہے اور نبی کریم ﷺ کے برابر روحانیت کا طبیب کون ہوسکتا ہے اسلئے نبی کریم ﷺ وقتی ضروریات کے لحاظ سے بسا اوقات مسلسل روزے رکھتے تھے اور بسا اوقات مسلسل افطار فرماتے تھے امت کیلئے بھی جو حضرات خود روحانی طبیب ہیں وہ روحانی مصالح کے لحاظ سے روزے اور افطار کے اوقات متعین فرما سکتے ہیں اور جو شخص خود طبیب نہیں ہے وہ کسی روحانی طبیب کے زیر علاج رہ کر عمل کرے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے کچھ خصوصی معمولات تھے مثلاً پیر و جمعرات کا روزہ رکھنا ہر مہینے میں تین روزے رکھنا ایام بیض عشرہ محرم عشرہ ذی الحجہ کے روزے رکھنا وغیرہ وغیرہ یہ معمولات بسا اوقات اسفار وغیرہ عوارض کی وجہ سے چھوٹ جاتے تھے اسلئے عوارض دور ہوجانے کے بعد بطور قضا اور تلافی کے جتنی روزے معمول میں ترک ہوجاتے تھے ان کو پورا فرمالیا کرتے تھے کیونکہ یہ بھی حضور ﷺ کی ایک خصوصی عادت شریفہ تھی کہ جب کسی عبادت کو شروع فرماتے تو اس پر دوام اور نباہ فرمایا کرتے تھے اسلئے جتنے روزے معمول سے رہ جاتے تھے تو ان کو رکھتے اسلئے لگاتار روزے رکھنے کی نوبت آجاتی تھی۔ (ایضا)

❹ **ابو عیسیٰ ؒ کے قول کی غرض:۔** امام ترمذی ؒ کے اس قول سے مقصود ایک وہم کو دور کرنا ہے وہم یہ ہوتا ہے کہ اس روایت کی سند مختلف فیہ ہے اس لئے کہ سالم یہ حدیث عن ابی سلمه عن ام سلمة کی سند سے نقل کرتے ہیں اور دیگر رواۃ یہ حدیث عن ابی سلمه عن عائشة کی سند سے نقل کرتے ہیں تو یہ سند میں اختلاف ہے۔ امام ترمذی نے اس عبارت میں اس

وہم کو ختم کر دیا کہ ممکن ہے کہ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں سے سنی ہو اس لئے کبھی عن عائشۃ سے نقل کرتے ہوں اور کبھی عن ام سلمۃ سے نقل کرتے ہوں۔

❽ ابو سلمہ کا تعارف:۔ یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے، مدینہ منورہ کے فقہائے سبعہ میں سے ایک فقیہ اور مشہور جلیل محدث ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کی یہ کنیت ہی ان کا نام ہے جبکہ بعض حضرات نے ان کا نام "عبداللہ" بتایا ہے اور کچھ دوسرے حضرات نے ان کا نام "اسماعیل" بتایا ہے، ۲۰ھ کے بعد آپ کی ولادت ہوئی۔

اپنے والد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے چند روایات نقل کی ہیں، کیونکہ ان کے بچپن میں ہی والد کا انتقال ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، حضرت جابر، حضرت ابوسعید خدری، حضرت ابو اسید، حضرت معاویہ بن الحکم، حضرت ربیعہ بن کعب، حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ اور بھی صحابہ کرام سے سماع حاصل ہے۔

ان سے روایت کرنے والوں میں اعلام تابعین ہیں چنانچہ امام شعبی، عبدالرحمٰن الاعرج، عراک بن مالک، عمرو بن دینار، ابوحازم، زہری، یحییٰ الانصاری اور یحییٰ بن ابی کثیر رحمہم اللہ کے علاوہ بہت سے حضرات ان سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

ابن سعد، ابواسحاق، ابوزرعہ، ابراہیم بن عبداللہ، امام زہری، حافظ ذہبی جیسے ائمہ وقت نے آپ کے بارے میں مدحیہ کلمات کہے ہیں۔

ابن سعد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان کی وفات ۷۲ سال کی عمر میں ۹۴ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔ (کشف الباری ج ۱ ص ۳۲۲)

**السؤال الثالث** ...... اِبْنُ عَبَّاسٍ قَالَ: اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِبْنَةً لَهٗ تَقْضِيْ فَاحْتَضَنَهَا فَوَضَعَهَا بَيْنَ يَدَيْهِ فَمَاتَتْ وَهِيَ بَيْنَ يَدَيْهِ وَصَاحَتْ اُمُّ اَيْمَنَ فَقَالَ يَعْنِي النَّبِيُّ ﷺ اَتَبْكِيْنَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ؟ فَقَالَتْ اَلَسْتُ اَرَاكَ تَبْكِيْ؟ قَالَ اِنِّيْ لَسْتُ اَبْكِيْ اِنَّمَا هِيَ رَحْمَةٌ اِنَّ الْمُؤْمِنَ بِكُلِّ خَيْرٍ عَلٰى كُلِّ حَالٍ اِنَّ نَفْسَهٗ تُنْزَعُ مِنْ بَيْنِ جَنْبَيْهِ وَهُوَ يَحْمَدُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ. (ص ۱۱۔قدیمی)

**شکل الحدیث الشریف بالضبط الکامل. ترجم الحدیث الی الاردیۃ واشرحہ بایجاز واذکر فیہ تحقیق العلماء فی تعیین البنت التی ذکرت فی ھذا الحدیث. اکتب نبذۃ من احوال ام ایمنؓ مع ذکر اسمھا.**

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں پانچ امور حل طلب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) حدیث کی تشریح (۴) بنت نبی ﷺ کی تعیین (۵) حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے احوال۔

**جواب** ...... ❶ حدیث پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفاً۔

❷ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک لڑکی قریب الوفات تھی، آپ ﷺ نے اس کو اپنی گود میں اٹھایا اور اپنے سامنے رکھ لیا، پس اس کا انتقال ہو گیا اس حال میں کہ وہ حضور ﷺ کے سامنے ہی تھی، ام ایمن (حضور ﷺ کی باندی) نے رونا چلانا شروع کر دیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تو نے اللہ کے نبی کے سامنے ہی رونا شروع کر دیا؟ پس اس نے عرض کیا کہ آپ ﷺ بھی تو رو رہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں رو نہیں رہا (یعنی ممنوع رونا نہیں ہے) یہ تو رحمت ہے، مؤمن ہر حال میں خیر ہی میں رہتا ہے (حتیٰ کہ) اس کا نفس نکالا جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کر رہا ہوتا ہے۔

❸ حدیث کی تشریح:۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بچی کو جو قریب الوفات تھی اپنی گود میں اٹھا کر اپنے سامنے رکھ لیا، اسی دوران اس کی روح پرواز کر گئی، رسول اللہ ﷺ کے صدمہ کی وجہ سے آنسو جاری ہو گئے، رسول اللہ ﷺ کی باندی ام ایمن رضی اللہ عنہا نے زور زور سے رونا اور چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے پیغمبر کے سامنے ہی یہ خلاف شریعت چیخنا چلانا

فرما کر دیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ کے آنسو بھی تو جاری ہیں آپ ﷺ بھی تو رو رہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ میرا رونا خلاف شریعت نہیں ہے، یہ صدمے کے آنسو ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت کی علامت ہے اسلئے کہ بندوں کے قلوب کا نرم ہونا اور اولاد کیلئے شفیق ہونا یہ اللہ تعالیٰ کی مخصوص عطاء ہے، اولاد کے ساتھ فطری محبت نبوت کے منافی نہیں ہے۔

❹ **بیٹی نبی ﷺ کی تعیین:** یہ واقعہ قابل اشکال ہے اس لئے کہ اصحاب سیر ومؤرخین متفق ہیں کہ آپ ﷺ کی تمام بیٹیوں کا انتقال بڑی عمر میں ہی ہوا ہے، بعض نے کہا کہ یہاں نسبت مجازی ہے اور مراد کوئی نواسی ہے، اس لئے کہ روایات میں آتا ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی بیٹی امامہ بنت ابو العاص رضی اللہ عنہا کی نزع کی حالت میں رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے تھے مگر یہ بھی باعث اشکال ہے اسلئے کہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ وہ حضور ﷺ کے بعد بھی زندہ رہی تھی کہ بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کیا تھا، بعض حضرات نے جواب دیا کہ وہ قریب الوفات تھیں اور ممکن ہے کہ حضور ﷺ کے آنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کو عافیت دے دی ہو۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ ممکن ہے کہ بنت کی جگہ حضور ﷺ کا کوئی ابن (بیٹا) ہو اس لئے کہ ان سب کا انتقال بچپن میں ہی حضور ﷺ کی زندگی میں ہی ہوا تھا۔

بعض نے کہا کہ اس سے مراد نواسہ ہے اس لئے کہ آپ ﷺ کی بیٹی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ کا انتقال حضور ﷺ کی گود میں ہی ہوا تھا اور اس موقع پر حضور ﷺ روئے بھی تھے۔

بعض نے کہا کہ یہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے کا واقعہ ہے جن کی وفات کے وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کو بلوایا تھا کہ میرا بیٹا قریب الوفات ہے آپ جلدی تشریف لائیں۔ الغرض یہاں حقیقی بیٹی مراد نہیں بلکہ نواسہ یا نواسی مراد ہے۔ (حاشیہ)

❺ **حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے احوال:** آپ کا نام برکہ کنیت ام ایمن اور عرف ام الظباء ہے۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے برکہ بنت ثعلبہ بن عمرو بن حصن بن مالک بن سلمہ بن عمرو بن نعمان۔ یہ حبشہ کی رہنے والی تھیں اور آپ ﷺ کے والد حضرت عبداللہ کی کنیز تھیں، جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رہنے لگیں اور اسکے بعد خود سرکار دو عالم ﷺ کے حلقہ غلامی میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ جب آپ ﷺ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے مکہ مکرمہ پہنچے اور اپنی والدہ محترمہ کے پاس رہنے لگے تو اس دوران حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا ہی آپ ﷺ کی خدمت گزاری اور خاطر داری میں دن رات مصروف رہتیں، آپ ﷺ کو کھانا کھلانا، کپڑے دھونا اور کپڑے پہنانا وغیرہ یہ سب کام سرانجام دیتیں۔ پہلا نکاح حارث بن خزرج سے ہوا، ان کے انتقال کے بعد آپ ﷺ نے ان کا نکاح اپنے محبوب خاص حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دیا۔ چونکہ حضرت زید رضی اللہ عنہ پہلے مسلمان ہو چکے تھے اس لئے ام ایمن نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ ہجرت حبشہ کے موقع پر انہوں نے بھی ہجرت کی، بعد میں مدینہ کی طرف ہجرت کی، غزوہ احد میں شرکت کی اور اس موقع پر مجاہدین اور زخمیوں کی تیمارداری کرتی تھیں، غزوہ خیبر میں بھی شریک ہوئیں، آپ ﷺ کے انتقال کے بعد بہت زیادہ غمگین رہتی تھیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔

## ﴿الورقة الاولى: السنتان مع الشمائل﴾

## ﴿السؤال الاوّل﴾ سنن النسائی ۱۴۳۳ھ

**الشق الاول** ......عن أبي الزناد عن الأعرج عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ قال: لولا أن أشق على أمتي لأمرتهم بالسواك عند كل صلوة۔ عن أنس قال: قال رسول الله ﷺ لقد أكثرت عليكم في السواك. (ص۱۹۔ج۱۔رحمانیہ)

ترجم الحديث الاوّل واذكر اسم الأعرج. اذكر حكم السواك عند العلماء هل هو سنة للوضوء أم للصلوة و

**انکر أیلهم مع ترجیح الحنفیة. انکر تحقیق وضبط کلمة "أکثرت" ولشرح الحدیث الثانی فی ضوء أقوال العلماء**

﴿خلاصۂ سوال﴾ ..... اس سوال کا حل پانچ امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) اعرج کا تعارف (۳) مسواک کا حکم مع الاختلاف والدلائل (۴) حنفیہ کی وجہ ترجیح (۵) اکثرت کی تحقیق اور حدیث ثانی کی تشریح۔

**جواب** ..... ❶ **حدیث کا ترجمہ:** حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں اپنی امت پر شاق (مشکل) نہ سمجھتا تو البتہ میں انکو ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا۔

❷ **اعرج کا تعارف:** انکا نام عبدالرحمٰن بن ہرمز ہے اور یہ ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا موتی تھا انتہائی دیانتدار ثقہ اور مستند تھا اور اس کی وفات ۱۱۷ھ میں ہوئی۔ (درس ترمذی ج ۱ ص ۳۶)

❸ **مسواک کا حکم مع الاختلاف والدلائل:** علامہ نووی رحمہ اللہ نے مسواک کے سنت ہونے پر امت کا اجماع نقل کیا ہے صرف داؤد ظاہری سے وجوب کا قول منقول ہے۔ البتہ جمہور کا اس بات میں اختلاف ہے کہ مسواک وضوء کی سنت ہے یا نماز کی سنت ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مسواک نماز کی سنت ہے۔ حنفیہ کے نزدیک مسواک وضوء کی سنت ہے۔ (درس ترمذی)

حنفیہ کے دلائل: ① **عن عائشة مرفوعا لولا ان اشق علی امتی لامرتهم بالسواك مع الوضوء عند کل صلوة** ② **عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال لولا ان اشق علی امتی لفرضت علیهم السواك مع الوضوء.** ③ کسی حدیث سے یہ بات ثابت نہیں ہے کہ آپ ﷺ، خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تکبیر تحریمہ سے متصل مسواک کرتے تھے۔

شوافع کے دلائل: ① حضرت زید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے **قال سمعت رسول الله ﷺ يقول لو لا ان اشق علی امتی لامرتهم بالسواك عند کل صلوة۔** ② حضرت زید رضی اللہ عنہ کا عمل ہے کہ جس وقت وہ نماز کے لئے تشریف لاتے تو مسواک ان کے کان پر کاتب کے قلم کی جگہ پر ہوتی تھی، پھر جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو پہلے مسواک کرتے اور پھر مسواک کو اپنی جگہ رکھنے کے بعد پھر نماز پڑھتے تھے معلوم ہوا کہ مسواک نماز کی سنت ہے۔

حنفیہ کی طرف سے پہلی حدیث کا جواب یہ ہے کہ ہماری دلیل والی احادیث کے قرینہ سے یہاں مضاف محذوف ہے، اصل عبارت **عند وضوء کل صلوة** ہے۔

دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کا تفرد ہے جو آپ ﷺ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے عمل کے مقابلہ میں حجت نہیں۔

❹ **حنفیہ کی وجہ ترجیح:** ① صلوٰۃ کی روایات میں "عند" کا لفظ ہے جو حقیقی مقارنت پر دلالت نہیں کرتا جبکہ وضوء کی بعض روایات میں "مع" کا لفظ ہے جو حقیقی مقارنت پر دال ہے۔ ② ارشاد نبوی ﷺ ہے **السواك مطهرة للفم** جب یہ منہ کی طہارت کا ذریعہ ہے تو اس کو بھی دیگر اعضاء کی طہارت کی طرح وضوء میں ہی ہونا چاہیے۔ ③ بعض اوقات نماز کے وقت مسواک کی وجہ سے خون نکلنے کا احتمال ہے اس لئے مناسب یہ ہے کہ مسواک وضوء کی سنت ہی ہو نہ کہ نماز کی۔ پس ان وجوہ سے حنفیہ کا مذہب راجح ہے۔ (درس ترمذی ج ۱ ص ۲۳۲)

❺ **اکثرت کی تحقیق اور جملہ کی تشریح:** ① اکثرت یا اکثار مصدر باب افعال سے واحد متکلم ماضی معروف کا صیغہ ہے۔ ② یا اکثار مصدر باب افعال سے واحد مؤنث غائب ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔

اس جملہ کی تشریح و مطلب میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ ① حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے بار بار اور اصرار کر کے مسواک کی طلب و ترغیب کے سلسلہ میں تم سے بہت کچھ بیان کیا ہے۔ ② جتنی احادیث مسواک کی ترغیب میں وارد ہوئی ہیں میں نے وہ سب تمہارے سامنے تفصیل سے بیان کردی ہیں۔ ③ ابن التین نے یہ بیان کیا کہ میں نے مسواک

کے تمام کلی ذوائد کے بارے میں تم سے بہت کچھ بیان کیا ہے اب اسکا مقتضی یہ ہے کہ میں خود بھی اس کا اہتمام کروں اور تمہارے لئے بھی مناسب یہی ہے کہ تم بھی اس کا اہتمام واحترام کرو۔ (شرح نسائی ج۱ ص۳۰)

الشق الثانی ...... باب فرث ما يؤكل لحمه يصيب الثوب، كان رسول الله ﷺ يصلي عند البيت وملأ من قريش جلوس، وقد نحروا جزورًا، فقال بعضهم أيكم يأخذ هذا الفرث بدمه ثم يمهله حتى يضع وجهه ساجدًا فيضعه يعني على ظهره، قال عبدالله: فانبعث أشقاها فأخذ الفرث فذهب به ثم أمهله فلما خر ساجدًا وضعه على ظهره، فأخبرت فاطمة بنت رسول الله ﷺ وهي جارية فجاءت تسعى فأخذته من ظهره، فلما فرغ من صلاته قال: اللهم عليك بقريش ثلاث مرات، اللهم عليك بأبي جهل بن هشام، وشيبة بن ربيعة، وعتبة بن ربيعة وعقبة بن أبي معيط، حتى عد سبعة من قريش قال عبدالله: فوالذي أنزل عليه الكتاب، لقد رأيتهم صرعى يوم بدر في قليب واحد. (ص۶۷ ج۱ رحمانیہ)

ترجم الحديث. ما المراد بقوله: بعضهم و أشقاها ومن هم البقية من السبعة الذين ما ذكروا في هذه الرواية. ما هو غرض المصنف بعقد هذا الباب؟ واذكر حكم الفرث هل هو طاهر أم نجس، وما هو الجواب عن هذا الحديث ان كان نجسا؟

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل پانچ امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) بعضهم و اشقى کی مراد (۳) بقیہ تین ناموں کا ذکر (۴) باب کی غرض (۵) فرث کا حکم اور حدیث کا جواب۔

جواب ...... ❶ **حدیث کا ترجمہ:۔** رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے قریش کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی انہوں نے ایک اونٹ ذبح کیا ہوا تھا پس ان میں سے ایک نے کہا کہ تم میں سے کون اٹھائے گا اس گندگی (اوجھڑی) کو اس کے خون سمیت پھر ٹھہرا رہے اس کو لیکر یہاں تک کہ رکھ دے (آپ ﷺ) اپنا چہرہ سجدہ کرنے کیلئے تو رکھ دے یہ اس کو آپ ﷺ کی پیٹھ پر عبداللہ ؓ کہتے ہیں کہ پس کھڑا ہوا ان میں سے بڑا بدبخت پس اس نے گندگی (اوجھڑی) لی پھر لے گیا اس کو پھر ٹھہرا رہا اس کو لیکر پس جب آپ ﷺ سجدہ کیلئے تشریف لے گئے تو اس نے آپ ﷺ کی پیٹھ پر اس کو رکھ دیا پس فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کو خبر دی گئی اور وہ چھوٹی بچی تھیں پس وہ آئیں دوڑتی ہوئی اور اس گندگی کو اٹھایا آپ ﷺ کی پیٹھ سے پس جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے بددعا کی اے اللہ اپنی پکڑ میں لے لے تو قریش کو، تین مرتبہ پھر فرمایا اے اللہ اپنی پکڑ میں لے لے تو ابوجہل بن ہشام اور شیبہ بن ربیعہ اور عتبہ بن ربیعہ اور عقبہ بن ابی معیط کو یہاں تک کہ آپ ﷺ نے گنے قریش کے سات آدمی۔ عبداللہ ؓ کہتے ہیں پس قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ پر کتاب نازل کی البتہ تحقیق میں نے انکو دیکھا بدر کے دن ایک کنویں میں گرا ہوا (مردہ)

❷ **بعضهم و اشقى کی مراد:۔** اس سے مراد عقبہ بن ابی معیط ہے۔

❸ **بقیہ تین ناموں کا ذکر:۔** آپ ﷺ نے جن سات شخصوں کیلئے بددعا فرمائی تھی ان میں سے بقیہ تین نام جو اس حدیث میں مذکور نہیں وہ یہ ہیں ولید بن عتبہ بن ربیعہ، امیہ بن خلف، عمارہ بن الولید۔ (شرح نسائی ج۱ ص۳۶۳)

❹ **باب کی غرض:۔** اس باب سے مصنف ؒ کی غرض ماکول اللحم جانور کی لید وغیرہ کی طہارت پر استدلال کرنا ہے۔

❺ **فرث کا حکم اور حدیث کا جواب:۔** جمہور علماء کے نزدیک تمام ماکول اللحم وغیر ماکول اللحم جانوروں کا پاخانہ، گوبر اور لید نجاست غلیظہ ونا پاک ہے۔ امام مالک، داؤد ظاہری کے نزدیک ماکول اللحم جانور کا بول و براز پاک ہے اور مصنف کا مذہب بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ سوال ہوتا ہے کہ جب فرث نجاست غلیظہ ہے تو پھر آپ ﷺ کی پیٹھ پر پھینکنے کی صورت میں آپ

ﷺ نے نماز کیسے مکمل کی حالانکہ کپڑے کا پاک ہونا نماز کے لئے فرض ہے۔ بظاہر حدیث الباب جمہور کے خلاف ہے۔

اس سوال وحدیث کے متعدد جوابات دیے گئے ہیں: ① ابھی وہ رکن پورا نہیں ہوا تھا کہ اس فرث کو ہٹا دیا گیا تھا۔

② نماز میں آپ ﷺ کی استغراق کیفیت تھی کہ آپ کو نجاست کا علم نہیں ہوا ہوگا پھر بعد میں شاید آپ ﷺ نے نماز کا اعادہ کیا ہو۔

③ اس حدیث سے حلال جانور کے گوبر ولید وغیرہ کے پاک ہونے پر استدلال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں خون کا بھی پاک ہونا لازم آئیگا کیونکہ بعض روایات کے مطابق اوجھڑی کے ساتھ خون بھی لگا ہوا تھا حالانکہ خون ناپاک ہے۔

④ سب سے بہتر جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ تطہیر ثیاب کا حکم نازل ہونے سے پہلے پیش آیا تھا۔ (شرح نسائی ج۱ص ۳۶۲)

## ﴿السوال الثانی﴾ (سنن ابن ماجه) ۱۴۳۲ھ

**الشق الاول** ......عن أبي موسى قال: قام فينا رسول الله ﷺ بخمس كلمات، فقال: ان الله لاينام ولاينبغي له أن ينام، يخفض القسط ويرفعه و يرفع اليه عمل الليل قبل عمل النهار وعمل النهار قبل عمل الليل، حجابه النور، لوكشفه لأحرقت سبحات وجهه ماانتهى اليه بصره من خلقه. (ص۱۸، قدیمی)

ترجم الحديث الشريف ترجمة واضحة. اشرح قوله "يخفض القسط ويرفعه"، وقوله: "حجابه النور لوكشفه......الخ". ماهو الغرض من ايراد هذا الحديث تحت "باب فيما أنكرت الجهمية". (تکمیل الحاجہ ص۲۰۴)

﴿خلاصہ سوال﴾......اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) مذکورہ جملوں کی تشریح (۳) اس حدیث کو باب فيما انكرت الجهمية کے تحت ذکر کرنے کی وجہ۔

**جواب** ...... ① **حدیث کا ترجمہ:** حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کررہے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور پانچ باتیں بیان فرمائیں، اللہ تعالیٰ سوتا نہیں ہے اور سونا اس کے لئے مناسب بھی نہیں ہے میزان کو پست و بلند کرتا ہے دن کے اعمال رات کے اعمال سے پہلے اور رات کے اعمال دن کے اعمال سے پہلے اللہ کے پاس چلے جاتے ہیں، اس کا پردہ نور ہے اگر وہ اپنے پردہ کو ہٹادے تو تاحد نظر تمام مخلوقات کو اپنے چہرے کی روشنی سے جلا ڈالے۔

② **مذکورہ جملوں کی تشریح:** اللہ تعالیٰ ترازو کو جھکاتا ہے اور بلند کرتا ہے۔ ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ترازو کے جھکانے اور بلند کرنے سے مراد رزق تنگ کرنا اور فراخ کرنا، ذلیل کرنا اور عزت دینا ہے، مطلب یہ ہے کہ رزق کے اندر تنگی اور فراخی پیدا کرنا عزت دینا و ذلیل کرنا سب اسی ذات وحده لاشريك کے قبضہ وقدرت میں ہے جس کیلئے چاہے مال و دولت کا دریا بہادے اور جس کیلئے چاہے فقر وفاقہ اور رزق کے اندر تنگی پیدا کردے اور وہ افلاس وناداری کی صعوبتوں میں گرفتار ہوجائے، اسی طرح وہ قادر مطلق ہے کہ جسکو چاہے اعمال خیر کی توفیق دے اور اسکے اعمال صالحہ سے خوش ہو کر عزت سے نوازے اور جسکو چاہے سرکشی و نافرمانی میں مبتلا کردے اور اسکی بدعملی اور معصیت سے ناراض ہو کر اس کو ذلت ورسوائی کے عمیق غار میں ڈال دے۔

حجابه النور، لوكشفه لاحرقت سبحات وجهه اللہ تعالیٰ کا پردہ نور ہے اگر اس کو ہٹادے تو ساری مخلوق اور کائنات کا ایک ایک ذرہ جل کر راکھ ہوجائے کیونکہ اس کی نگاہ تمام عالم اور اس کی تمام مخلوقات اور ایک ایک ذرہ تک کو محیط ہے اگر اللہ تعالیٰ کے انوار جلال جو اس نے اپنے بندوں سے حجاب میں رکھے ہیں کھل جائیں تو جن جن اشیاء وعالم پر تجلیات الٰہیہ کا عکس پڑے گا وہ تمام اشیاء جل کر بھسم ہوجائیں گی ان کا وجود تک باقی نہ رہے گا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مطالبہ پر ذرا سی تجلی پہاڑ پر فرمائی تو وہ ریزہ ریزہ ہوگیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ "سبحات" سبحة کی جمع ہے بمعنی پاک ذات کا جلال اسکی عظمت بعض حضرات نے کہا کہ

سبحان وجهه کا لفظ جملہ معترضہ کے طور پر استعمال ہوا ہے اور سبحان اللہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے جو تعجب کے وقت بولا جاتا ہے۔

(۴) اس حدیث کو باب فیما انکرت الجهمیه کے تحت ذکر کرنے کی وجہ:۔ اس حدیث کو مذکورہ باب کے تحت ذکر کرنے سے مقصود جہمیہ کی تردید ہے کیونکہ جہمیہ صفات باری تعالیٰ کے منکر ہیں خواہ وہ صفات ثبوتیہ ہوں یا سلبیہ ہوں اور اس حدیث میں باری تعالیٰ کی صفات کا اثبات ہے الغرض حدیث الباب سے باری تعالیٰ کی صفات کو ثابت فرما کر جہمیہ کی تردید کی گئی ہے۔

**الشق الثانی** ...... عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: إِنَّمَا هُمَا اثْنَتَانِ: اَلْكَلَامُ وَالْهَدْيُ، فَأَحْسَنُ الْكَلَامِ كَلَامُ اللهِ، وَأَحْسَنُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ، أَلَا وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ، فَإِنَّ شَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا، وَكُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ...... أَلَا إِنَّ قِتَالَ الْمُؤْمِنِ كُفْرٌ وَسِبَابَهُ فُسُوْقٌ وَلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ ...... (ص ۔ قدیمی)

اذكر مرجع ضمير في قوله: "انما هما اثنتان" . شكل الحديث و اشرحه شرحاً وافياً، واذكر كيف هجر رسول الله ﷺ نساءه شهراً؟ وكيف أمر الناس بهجران الثلاثة الذين تخلفوا خمسين ليلة؟ وكيف هجر ابن عمر ابنه طول الحياة؟ مع أن هذا الحديث لايجيز الهجران فوق ثلاث. (تکمیل الامانی ص ۱۰۴)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) هما ضمیر کا مرجع (۲) حدیث پر اعراب (۳) حدیث کی تشریح (۴) مذکورہ تبع کلامی کی توجیہات۔

**جواب** ...... ① هما ضمیر کا مرجع:۔ اس جملہ میں هما مفسر اور الكلام و الهدى تفسیر ہے، گویا ضمیر کا مرجع کلام وہدی ہے۔

② حدیث پر اعراب:۔ كما مرّ في السوال آنفا۔

③ حدیث کی تشریح:۔ آپ ﷺ نے اس حدیث میں راہ ہدایت اور بدعت وضلالت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہدایت صرف دو چیزوں میں ہے ① کلام ② سیرت۔ یعنی تمہارے لئے جو کلام اور کتاب مشعل راہ بن سکتی ہے اور دنیا و آخرت کی سعادت سے تمہارے دامن کو بھر سکتی ہے وہ کلام الٰہی اور کتاب الٰہی ہے جو ایک آفاقی اور عالمگیر قانون ہے جس کے تمام قوانین وضوابط اپنی جگہ اٹل ہیں اور تمام اقوام عالم کے لئے ہدایت ہیں۔

دوسری چیز سیرت ہے یعنی تمام سیرتوں اور طریقوں میں سب سے جامع، مکمل اور بہترین وشاندار سیرت آپ ﷺ کی مبارک سیرت ہے جو تمام اقوام عالم کے لئے قابل عمل اور لائق تقلید نمونہ ہے جو ہر انسان کو خواہ امیر ہو یا غریب، گدا ہو یا رؤساء، رعایا ہو یا بادشاہ، الغرض تمام انسانیت کو زندگی بسر کرنے کا پورا پورا سامان اور طریقہ فراہم کرتی ہے۔

نیز فرمایا کہ خبردار! دین میں نئی چیزیں شامل کرنے سے بچو کیونکہ تمام امور میں سے بدترین امر بدعت ہے اور دین میں ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے، یہاں پر ضمناً بدعت کی اقسام ذہن نشین فرمائیں۔

بدعت کی اقسام: امام نووی رحمہ اللہ شارح مسلم اور شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے بدعت کی پانچ اقسام ذکر فرمائی ہیں۔

① بدعت واجبہ: جیسے علم نحو صرف وغیرہ سیکھنا کتاب وسنت کو سمجھنے کے لئے، اسی طرح اصول فقہ اصول کلام کی تدوین اور تمام فرق باطلہ کی تردید کرنا بدعت واجبہ میں سے ہے کیونکہ تمام باطل فرقوں سے شریعت کو محفوظ رکھنا فرض کفایہ ہے۔

② بدعت مندوبہ: تصنیف وتالیف، مدارس اسلامیہ کا اجراء، صلوٰۃ تراویح مع الجماعۃ وغیرہ وغیرہ یہ سب بدعت مندوبہ ہیں۔

③ بدعت مباحہ: کھانے پینے، رہنے سہنے میں لذت حاصل کرنا، بلڈنگیں بنانا وغیرہ یہ سب بدعت مباحہ ہیں۔

④ بدعت محرمہ: جیسے فرقہ جبریہ، قدریہ، خوارج، مجسمہ، معطلہ، کرامیہ، جہمیہ وغیرہ کے عقائد وخیالات ہیں۔

⑤ بدعت مکروہ: جیسے فخر ومباہات کیلئے مسجدوں کو سجانا اور انہیں مزین کرنا اور قرآن کریم کو آراستہ کرنا وغیرہ۔

پھر فرمایا کہ مسلمان کے قتل کو جائز سمجھتے ہوئے قتل کیا تو یہ کفر ہے اور مسلمان کو مخش گالی دینا فسق ہے، کسی شرعی عذر کے بغیر محض دنیاوی غرض سے کسی مسلمان سے قطع کلامی کرنا جائز وحلال نہیں ہے البتہ شرعی عذر کی وجہ سے زندگی بھر بھی قطع کلامی کرنا جائز ومباح ہے۔ (تکمیل ملاجیب ص ۹۹)

❸ **مذکورہ قطع کلامی کی توجیہات:۔** ابھی ماقبل میں حدیث کی تشریح کے ضمن میں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ دنیاوی مقصد کی وجہ سے تین دن سے زیادہ قطع کلامی ممنوع ہے البتہ دینی امر کی وجہ سے قطع کلامی جائز ہے اور سوال میں مذکورہ صورتوں میں بھی قطع کلامی کی وجہ اور سبب امر دینی تھا اس لئے یہ جائز ومباح ہے۔

## ﴿السوال الثالث﴾ (الشمائل) ۱۴۳۲ھ

**الشق الاول** ......عن عباد بن تميم عن عمه أنه رأى النبي ﷺ مستلقيافى المسجد واضعًا احدى رجليه على الأخرى۔ (ص۹۔قدیمی) ترجم الحديث. اذكر وجوه التوفيق بين هذاالحديث وبين حديث جابر أن النبي ﷺ قال: "لاتستلقين أحدكم ثم يضع احدى رجليه على الأخرى". ماهى مناسبة الحديث المذكور "باب ماجاء فى جلسة رسول الله ﷺ" وليس فيه ذكر الجلسة؟ (خصائل نبوی ص ۹۹)

﴿خلاصہ سوال﴾......اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) احادیث میں تطبیق (۳) حدیث کی باب سے مناسبت۔

**جواب** ......❶ **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت عباد اپنے چچا عبداللہ بن زید سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد میں چت لیٹا ہوا دیکھا، اس وقت آنحضرت ﷺ نے اپنا ایک پاؤں دوسرے پاؤں کے اوپر رکھا ہوا تھا۔

❷ **احادیث میں تطبیق:۔** اس حدیث میں آپ ﷺ کے چت لیٹ کر ایک پاؤں پر دوسرا پاؤں رکھنے کا ذکر ہے جبکہ مسلم کی روایت میں آپ ﷺ نے اس طرح ایک پاؤں پر دوسرا پاؤں رکھنے سے منع فرمایا ہے تو بظاہر ان دونوں احادیث میں تعارض ہے۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ اس طرح لیٹنے کی دو صورتیں ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ دونوں پاؤں پھیلا کر ایک قدم دوسرے قدم پر رکھ کر لیٹے اس طرح لیٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور شمائل کی حدیث میں اسی کا ذکر ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک پاؤں کا گھٹنا کھڑا کر کے دوسرا پاؤں اس پر رکھ کر لیٹے، یہ صورت ممنوع ہے اور مسلم کی روایت میں اسی کا ذکر ہے اور اس کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ عرب میں لنگی باندھنے کا دستور تھا اور لنگی باندھ کر اس طرح لیٹنے سے ستر کھلنے کا قوی اندیشہ تھا اس وجہ سے آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔

❸ **حدیث کی باب سے مناسبت:۔** یہ باب آپ ﷺ کے جلسہ (نشست) کے متعلق ہے جبکہ اس حدیث میں اسکا کوئی ذکر نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب اس طرح سے مسجد میں چت لیٹنا جائز ہے تو ہر طرح سے بیٹھنے کا جواز خود بخود معلوم ہو گیا۔

نیز باب میں بیٹھنے کا لفظ عام ہے یہ بیٹھنے اور لیٹنے دونوں کو شامل ہے لہٰذا روایت کی باب سے مناسبت ہو گئی۔ (خصائل نبوی)

**الشق الثانی** ......عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: قَالَ لَهُ رَجُلٌ: أَفَرَرْتُمْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَا أَبَا عُمَارَةَ؟ فَقَالَ: لَا وَاللّٰهِ مَا وَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَلٰكِنْ سَرَعَانُ النَّاسِ تَلَقَّتْهُمْ هَوَازِنُ بِالنَّبْلِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى بَغْلَتِهٖ وَأَبُوْ سُفْيَانَ بْنُ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ آخِذٌ بِلِجَامِهَا وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ، أَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ۔ (ص۱۷۔قدیمی) اعرب الحديث ثم ترجمه. اشرح لغويًا "سرعان" و "النبل".

السؤال: هنا كان عن فرار الصحابة ولكن أجاب البراء بقوله: "لا والله ما ولّى رسول الله ﷺ ..... الخ" أذكر مطابقة الجواب للسؤال. لماذا انتسب نفسه إلى عبد المطلب؟ ولم ينسب نفسه إلى والده عبد الله؟ (خصائل نبوی ص ۲۳۲)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ..... اس سوال میں پانچ امور مطلوب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) سرعان والنبل کی لغوی تحقیق (۴) سوال و جواب میں مطابقت (۵) انا ابن عبد المطلب کہنے کی وجہ۔

**جواب** ..... ① **حدیث پر اعراب:۔** کمامرّ فی السوال آنفا۔

② **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کیا تم سب لوگ حضور اقدس ﷺ کو چھوڑ کر (جنگ حنین) میں بھاگ گئے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں حضور اقدس ﷺ نے پشت نہیں پھیری بلکہ فوج میں سے بعض جلد بازوں نے (جن میں اکثر قبیلہ بنی سلیم اور مکہ کے نو مسلم نوجوان تھے) قبیلہ ہوازن کے سامنے کے تیروں کی وجہ سے منہ پھیر لیا تھا، حضور اقدس ﷺ (جیسے ساتھ اکابر صحابہ کا ہونا ظاہر ہے اپنے) خچر پر سوار تھے اور ابو سفیان بن الحارث انکی لگام کو پکڑے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ اس وقت یہ فرما رہے تھے انا النبی لاکذب انا ابن عبد المطلب (میں بلا شک و شبہ نبی ہوں اور عبد المطلب کی اولاد (پوتا) ہوں)

③ **سرعان والنبل کی لغوی تحقیق:۔** سرعان: اسم ہے بمعنی سب سے آگے کے لوگ یا گھوڑے، جلد باز لوگ۔ مصدر سَرُعَ یسرُع سُرعا و سَرَاعۃً (سمع و کرم) بمعنی جلدی کرنا۔ نبل: اسم ہے بمعنی تیر، مصدر نَبْلًا (نصر) بمعنی تیر مارنا یا تیر دینا۔

④ **سوال و جواب میں مطابقت:۔** سوال ہوتا ہے کہ سائل نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فرار (بھاگنے) کے متعلق سوال کیا تو پھر حضرت براء رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ما ولّی رسول اللہ ﷺ یعنی رسول اللہ ﷺ نہیں بھاگے تھے تو بظاہر سوال و جواب میں مطابقت نہیں ہے۔ جواب ① رسول اللہ ﷺ کے ثابت قدم رہنے سے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عدم فرار لازم آتا ہے اسلئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بھاگنے سے آپ ﷺ کے بھاگنے کا بھی وہم ہوتا ہے کیونکہ کیا آدمی کب تک ثابت قدم رہ سکتا ہے بالآخر اس نے بھاگنا ہے اور آپ ﷺ کا بھاگنا کسی بھی موقعہ پر کسی بھی روایت سے منقول نہیں ہے۔ ② خمیس (لشکر کے پانچ حصے) کے بھاگنے کا مدار قلب پر ہوتا ہے اور قلب میں رسول اللہ ﷺ تھے تو جب رسول اللہ ﷺ ان کے ساتھ ثابت قدم رہے تو باقی لشکر بھی ثابت قدم رہا صرف چند جلد باز جو لشکر کے اگلے حصے میں تھے وہ منتشر ہوئے تھے اور دشمن کے چاروں اطراف سے یک لخت تیر اندازی سے جماعت کی پسپائی اور انتشار ایک فطری عمل تھا جو بعد میں ختم ہو گیا۔ (تفصیل کے لئے خصائل نبوی ص ۲۳۲)

⑤ **انا ابن عبد المطلب کہنے کی وجہ:۔** آپ ﷺ نے اپنے آپ کو اپنے والد عبد اللہ کی طرف منسوب کرنے کی بجائے اپنے دادا عبد المطلب کی طرف منسوب کرتے ہوئے انا ابن عبد المطلب کیوں کہا؟

① عبد المطلب نے کفار قریش کو آپ ﷺ کے غلبہ کی اطلاع دی تھی اور یہ اس کی تصدیق کا وقت تھا اسلئے آنحضرت ﷺ نے خود عبد المطلب کی طرف منسوب کیا ② آپ ﷺ کے والد کا انتقال زمانہ حمل میں ہی ہو گیا تھا اور آپ ﷺ ابن عبد المطلب کے ساتھ مشہور تھے اسلئے آپ ﷺ نے خود کو ابن عبد المطلب کہا ③ کفار میں یہ بات مشہور تھی کہ عبد المطلب کی اولاد میں سے ایک شخص سے لوگوں کو ہدایت ہوگی اور وہ خاتم النبیین ہوگا اسلئے آپ ﷺ نے اس نسبت کے ساتھ لوگوں کو وہ مشہور بات یاد دلائی۔ (ایضا ص ۲۳۲)

## ﴿الورقة الاولى: السنتان مع الشمائل﴾

### ﴿السؤال الاول﴾ (سنن النسائی) ۱۴۲۴ھ

**الشق الاول** ..... اخبرنا الحارث بن مسكين قراءة عليه وانا اسمع عن ابن وهب عن يونس عن ابن

شهاب عن سعيد بن المسيب عن ابي هريرة عن رسول الله ﷺ: الفطرة خمس: الاختتان والاستحداد وقص الشارب وتقليم الاظفار ونتف الابط. (ص۲۰ ج۱) ترجم الحديث. ترجم للحارث بن مسكين واذكر لماذا يذكره الامام النسائي بهذا التعبير عندما يروى عنه؟ اذكر تفسير الفطرة ومرادها ههنا وبين اسم ابن شهاب ونسبه ونسبته ورد في هذا الحديث الفطرة خمس وورد في حديث آخر: عشر من الفطرة طبق بينهم.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل چھ امور ہیں۔ (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حارث بن مسکین کا تعارف (۳) قراءة علیه وانا اسمع کی تعبیر اختیار کرنے کی وجہ (۴) فطرت کی تفسیر ومراد (۵) ابن شہاب کا تعارف (۶) امور فطرت کی تعداد میں تطبیق۔

**جواب** ...... ① **حدیث کا ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پانچ امور سنتوں میں ہیں: ختنہ کرنا، زیر ناف بال صاف کرنا، مونچھیں کاٹنا، ناخن کاٹنا اور بغلوں کے بال اکھیڑنا۔

② **حارث بن مسکین کا تعارف:** آپ کا پورا نام ابو عمرو حارث بن مسکین بن محمد بن یوسف الاموی ہے، بنو امیہ کے آزاد کردہ غلام ہیں، آپ ثقہ وفقیہ رواۃ میں سے ہیں۔ رواۃ کے درجات میں سے دسویں درجہ کے راوی ہیں، چھیانوے سال کی عمر میں ۲۵۰ھ میں وفات ہوئی، ابوداؤد ونسائی کے رواۃ میں سے ہیں۔ (تقریب التہذیب)

③ **قراءة علیه وانا اسمع کی تعبیر اختیار کرنے کی وجہ:** امام نسائی کے قراءة علیه وانا اسمع کی تعبیر سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ محدث "حارث" کا مقصد شاگرد "امام نسائی" کو حدیث بیان کرنا مقصود نہ ہوتا تھا بلکہ امام نسائی شیخ کی مجلس میں چھپ کر بیٹھتے تھے، شیخ کے سامنے احادیث پڑھی جاتی تھیں تو وہ بھی سماع کرلیا کرتے تھے۔

④ **فطرت کی تفسیر ومراد:** فطرت کا معنی خلقت، عادت وجبلت ہے، مگر بقول علامہ خطابی کہ اکثر علماء نے اس کی تفسیر سنت سے کی ہے اور امام نووی کا بھی یہی قول ہے اور اسی کو انہوں نے راجح قرار دیا ہے کیونکہ ایک روایت میں صراحتاً من السنة کے الفاظ آئے ہیں اور یہ تمام امور انبیاء علیہم السلام کی سنت ہیں اور ان کے طریقہ میں داخل ہیں۔ (شرح نسائی)

⑤ **ابن شہاب کا تعارف:** آپ کا پورا نام ونسب محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب بن عبد اللہ بن حارث بن زہرہ بن کلاب قرشی ہے اور نسبت زہری ہے، طبقہ رابعہ کے ابتدائی اجل رواۃ میں سے ہیں۔ (تقریب التہذیب)

⑥ **امور فطرت کی تعداد میں تطبیق:** بظاہر احادیث میں تعارض ہے اس لئے کہ اس حدیث میں "خمس من الفطرة" کا لفظ ہے جبکہ دوسری جگہ امور فطرت کی تعداد دس بتلائی گئی ہے ① عدد کا مفہوم اکثر کے منافی نہیں ہے ② امور فطرت کا علم تدریجاً ہوا جتنے جتنے امور کا علم ہوتا گیا آپ ﷺ اتنے امور بیان کرتے گئے ③ امور فطرت دس ہی ہیں مگر حدیث ابو ہریرہ میں اہمیت کے پیش نظر پانچ کو ذکر کیا گیا ہے۔

**السؤال الثانی** ...... حدثنی كثير بن مرة الحضرمی عن ابی الدرداء سمعه يقول: سئل رسول الله ﷺ أفي كل صلاة قراءة؟ قال: نعم، قال رجل من الانصار: وجبت هذه، فالتفت الي وكنت اقرب القوم منه، فقال: ما ارى الامام اذا أمّ القوم الا قد كفاهم. قال ابو عبدالرحمن: هذا عن رسول الله ﷺ خطأ، انما هو قول ابي الدرداء.

ترجم الحديث سليسة. هل يقرء المؤتم الفاتحة خلف الامام في الصلوات الجهرية والسرية؟ بيّن اختلاف العلماء فيها مدللاً. وضح قول ابی عبدالرحمن بالتفصيل.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② فاتحہ خلف الامام میں اختلاف مع الدلائل ③ امام نسائی رحمہ اللہ کے قول کی وضاحت۔

**جواب** ❶ **حدیث کا ترجمہ:-** مجھے کثیر بن مرہ حضرمی نے بیان کیا کہ انہوں نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا ہر نماز میں قراءت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جی ہاں، ایک انصاری نے کہا: یہ قراءت ہر نماز میں واجب ہوگئی، پھر آپ ﷺ میری طرف متوجہ ہوئے اور میں قوم میں سے آپ ﷺ کے سب سے زیادہ قریب تھا اور فرمایا: جب امام قوم کو امامت کروائے تو اس کی قراءت ان سے کفایت کر جائے گی۔ ابو عبد الرحمن کہتے ہیں کہ اس جملہ کا آپ ﷺ سے مروی (مرفوع) ہونا خطاء ہے، بے شک یہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

❷ **فاتحہ خلف الامام میں اختلاف مع الدلائل:-** قراءت خلف الامام کے متعلق چار مذاہب ہیں۔ ① امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک سری نماز میں مستحب اور جہری نماز میں مباح ہے۔ ② امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک سری نماز میں مستحب اور جہری نماز میں مکروہ تحریمی ہے۔ ③ امام شافعی، داؤد ظاہری، اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کے نزدیک سری و جہری دونوں نمازوں میں قراءت خلف الامام واجب ہے۔ الغرض یہ تینوں مذاہب فی الجملہ قراءت کے قائل ہیں۔ ④ امام ابو حنیفہ، سفیان ثوری، ابراہیم نخعی، عامر شعبی، حسن بن صالح، عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ، عبد الرحمن بن وہب، معنب مالکی اور جمہور علماء رحمہم اللہ کے نزدیک قراءت خلف الامام جائز نہیں ہے۔

فریق اول کے دلائل: ① حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی تو آپ پر قراءت دشوار ہوگئی، سلام کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم لوگ میرے پیچھے قراءت کر رہے تھے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اقرار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا مت کیا کرو بلکہ صرف سورۃ فاتحہ پڑھا کرو۔ ② حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر وہ نماز جس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ کامل نہیں ہوتی بلکہ وہ ناقص ہوتی ہے۔ ③ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جو شخص نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ناقص رہتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد ابو السائب نے کہا کیا مقتدی کے لئے قراءت جائز ہے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سورۃ فاتحہ اپنے دل میں آہستہ آہستہ پڑھا کرو۔

جوابات: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت کا جواب یہ ہے کہ ان کی روایت کی سند میں تین راوی متکلم فیہ ہیں۔ محمد بن اسحاق، امام مکحول، محمود بن ربیع، اس لئے ان کی روایت قابل استدلال نہیں ہے۔ نیز اس حدیث کی سند میں اضطراب ہے، کسی طریق میں مکحول عن محمود عن عبادہ، کسی میں مکحول عن نافع عن عبادہ، کسی میں مکحول عن نافع عن محمود عن عبادہ، کسی میں مکحول عن عبادہ، کسی میں مکحول عن نافع عن ابی نعیم عن عبادہ ہے۔ نیز متن میں بھی اضطراب ہے، چار قسم کے الفاظ کے ساتھ متن مروی ہے لہٰذا اتنے اضطرابات کی موجودگی میں یہ حدیث قابل استدلال نہیں ہے۔ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کا جواب یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز کے کامل نہ ہونے میں دو احتمال ہیں۔ ① امام، مقتدی، منفرد سب کی نماز اس میں داخل ہے کہ کسی کی نماز بھی سورۃ فاتحہ کے بغیر کامل نہ ہوگی۔ ② امام و منفرد کی نماز مراد ہے یعنی وہ شخص جس کا کوئی امام نہ ہو خواہ وہ منفرد ہو یا خود امام ہو۔ اس کی نماز بلا کراہت درست نہیں ہو سکتی اور مقتدی کا چونکہ امام ہوتا ہے اور امام کی قراءت مقتدی کے لئے کافی ہے لہٰذا مقتدی کی نماز مراد نہیں ہے۔ پس جب اس حدیث میں دو احتمال پیدا ہو گئے تو شرعی دلیل کے بغیر کسی ایک احتمال کو ترجیح نہ ہوگی، چنانچہ ہم نے غور کیا تو ہمیں حدیث مل گئی کہ آپ ﷺ نے فرمایا: من کان له امام فقراءة الامام قراءة له لہٰذا اس حدیث سے بھی مقتدی کے لئے قراءت خلف الامام ثابت نہیں ہے۔

حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے بھی اسی مضمون کی روایت کی مگر حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے کہ جب امام کسی قوم کی امامت کرے تو اس امام کی قراءت قوم کے لئے کافی ہو جاتی ہے، حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے فتویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام نبوی میں مقتدی مستثنیٰ ہے۔ قراءت کرنا صرف امام و منفرد پر لازم ہے۔ اب دونوں صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے و

قیاس میں تعارض واضح ہوا تو ترجیح کے لئے غور کیا تو حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے قیاس کے لئے سابقہ من کان له امام الخ والی دلیل مل گئی۔ پس اس دلیل کی وجہ سے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی رائے راجح ہوگی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی رائے مرجوح ہوگی۔

فریق ثانی کے دلائل: ① آیت کریمہ واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون اس آیت میں واضح طور پر حکم ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو خوب توجہ کے ساتھ سنو اور خاموشی اختیار کرو اسلئے امام کے پیچھے قراءت جائز نہیں۔ ② حضرت ابن مسعود کی روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور علیہ السلام کے پیچھے قراءت کیا کرتے تھے آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم مجھے خلجان میں ڈالتے ہو۔ معلوم ہوا کہ قراءت خلف الامام جائز نہیں۔ ③ آپ ﷺ نے فرمایا من كان له امام فقراءة الامام قراءة له۔ اس حدیث میں واضح طور پر آپ ﷺ نے امام کی قراءت کو مقتدیوں کے لئے کافی قرار دیا۔ (ایضاح الطحاوی ج۲)

④ امام نسائی رحمہ اللہ کے قول کی وضاحت: امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "ما اری الامام ..... الخ" حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا قول ہے، گویا یہ حدیث مرفوع نہیں ہے بلکہ حدیث موقوف ہے۔ دار قطنی نے کہا کہ اس حدیث کو مرفوع نقل کرنے میں زید بن حباب سے وہم ہوا ہے کہ اس نے اس جملے کو آپ ﷺ کی طرف منسوب کر دیا ہے اسی طرح بیہقی نے بھی اس کو موقوف قرار دیا ہے۔

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے مرفوع ہونے کا مدار زید بن حباب پر ہے جو صحیح مسلم و سنن اربعہ کے رجال میں سے ہیں اور متعدد محدثین نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے، مزید یہ کہ ابو صالح عبد اللہ بن صالح المصری کاتب اللیث نے ان کی متابعت کی ہے جو کہ تعلیقات میں بخاری کے راوی ہیں۔ نیز اس جملے کے غیر مدرک بالقیاس ہونے کی وجہ سے یہ مرفوع کے حکم میں ہے کہ "فی کل صلوة قراءة" کے بالکل خلاف ارشاد آپ ﷺ سے سنے بغیر کوئی صحابی از خود نہیں کہہ سکتا۔ (شرح نسائی)

## ﴿السوال الثانی﴾ ﴿سنن ابن ماجه﴾ ١٤٢٤ھ

**الشق الاول** ...... حدثنا هشام بن عمار ثنا سفيان عن الحسن بن عمارة عن فراس عن الشعبي عن الحارث عن علي قال: قال رسول الله ﷺ: أبوبكر وعمر سيدا كهول أهل الجنة من الأولين والآخرين الا النبيين والمرسلين لا تخبرهما يا علي ما داما حيين. (ص ۱۰ قدیمی) اذكر ترجمة الامام الشعبي. عرّف من هو الحارث؟ وما هي درجة روايته؟ اذكر معنى قوله "سيدا كهول أهل الجنة" (تکمیل الاجر ص ۲۴۳)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں (۱) امام شعبی کا تعارف (۲) حارث کا تعارف اور روایات کا درجہ (۳) سيدا كهول اهل الجنة کا معنی۔

**جواب** ...... ① امام شعبی رحمہ اللہ کا تعارف: امام شعبی سے مراد حضرت عامر بن شراحیل الشعبی الحمیری الکوفی ہیں آپ انتہائی بردبار، متوسط قد اور پائے کے عالم تھے اور آپ نے اڑتالیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حدیث کا سماع کیا۔

ایک مرتبہ آپ مغازی کا درس حدیث دے رہے تھے کہ اسی دوران حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا تو فرمایا لقد شهدت القوم فلهو احفظ لها واعلم بها (میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ شخص (شعبی) مغازی کا بہت بڑا حافظ اور اس کا علم رکھنے والا ہے)

② حارث کا تعارف اور روایات کا درجہ: ابو زہیر حارث بن عبد اللہ ہمدانی، خارفی، الاعور الکوفی (متوفی ۶۵ھ) کی ابن معین، نسائی، احمد ابن صالح، ابن ابی داؤد وغیرہ نے توثیق کی ہے جبکہ ثوری، ابن المدینی، ابو زرعہ، بخاری، ابن عدی، دار قطنی، ابن سعد، ابو حاتم، شعبی، ابراہیم نخعی وغیرہ نے تضعیف کی ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں كان غاليا في التشيع واهيا في الحديث۔ ذہبی کہتے ہیں والجمهور على توهينه مع روايتهم لحديثه في الابواب۔ سنن اربعہ میں ان کی روایات ہیں البتہ نسائی میں ان کی صرف دو حدیثیں ہیں۔

❷ **سیدا کہول اہل الجنۃ کا مطلب:** کہول کہل کی جمع ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی عمر تیس سال سے چالیس تک ہو۔ جملہ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ادھیڑ عمر جنتی لوگوں کے سردار ہونگے۔

سوال ہوتا ہے کہ جنت میں تو صرف نوجوان ہونگے پھر یہ کیسے ارشاد فرمایا کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ادھیڑ عمر جنتی لوگوں کے سردار ہونگے؟

جواب کا حاصل یہ ہے کہ جنت میں واقعتاً ادھیڑ عمر نہ ہونگے یہاں مراد یہ ہے کہ ان لوگوں کے سردار ہونگے جن کا دنیا میں کہل (ادھیڑ عمر) ہونے کی حالت میں انتقال ہوا ہوگا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ کہل سے مراد حلیم وعاقل ہے یعنی جنت میں داخل ہونے والے حلیم وعاقل لوگوں کے سردار حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ہوں گے۔ (تکمیل الحاجہ ص ۳۰۳)

**الشق الثانی** ...... حدثنا محمد بن موسى الواسطي، ثنا المعلى بن عبدالرحمن ثنا ابن أبي ذئب، عن نافع عن ابن عمر، قال قال رسول الله: الحسن والحسين سيدا شباب أهل الجنة وأبوهما خير منهما. (ص ج ۱ ک)

اشرح الحديث واذكر المعاني المختلفة التي ذكرها العلماء في شرح هذا الحديث. من هو المعلى بن عبدالرحمن؟ وهل هذا الحديث صحيح أم موضوع، اذكر بتفصيل وبسط.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حاصل تین امور ہیں (۱) حدیث کی تشریح (۲) معلی بن عبدالرحمن کا تعارف (۳) حدیث الباب کی صحت وعدم صحت کی وضاحت۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث کی تشریح:** آنحضرت ﷺ کے اس فرمان کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کے دونوں نواسے حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما اہل جنت کے نوجوانوں کے سردار ہونگے اور ان کے والد ان سے بہتر ہونگے۔

اس حدیث میں "شباب" کی اضافت اهل جنة کی طرف اضافت بیانیہ ہے اسلئے کہ تمام اہل جنت شباب (نوجوان) ہونگے، البتہ اس صورت میں حضرات انبیاء علیہم السلام اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کو اس سے خاص کر دیا جائیگا کہ ان کے علاوہ بقیہ جنتی نوجوانوں کے سردار ہونگے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہر وہ شخص جس کا شباب (نوجوان) ہونے کی حالت میں انتقال ہوا اور وہ جنت میں داخل ہوگا اس کے سردار حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما ہونگے، اس تشریح سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ وہ خود تو شیخ ہونے کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوئے ہیں تو پھر وہ شباب کے سردار کس طرح ہونگے اسلئے کہ شباب کا سردار ہونے کیلئے خود شاب ہونا کوئی ضروری نہیں ہے۔

حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے والد گرامی خلیفۃ المسلمین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان دونوں سے افضل و بہتر ہیں۔ (تکمیل الحاجہ ص ۳۰۲)

❷ **معلی بن عبدالرحمن کا تعارف:** یہ معلی بن عبدالرحمن واسطی کے نام سے مشہور ہے، دار قطنی نے اس کی تکذیب کی ہے، بعض ائمہ حدیث نے اس کو روافض میں سے شمار کیا ہے اور بعض نے واضع حدیث کہا ہے۔ جب یحییٰ بن معین سے معلی بن عبدالرحمن کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ جب معلی بن عبدالرحمن کی موت کے وقت استغفار و مغفرت کے متعلق گفتگو ہوئی تو اس نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ سے اپنی مغفرت و بخشش کی امید نہ رکھوں حالانکہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ساٹھ یا ستر احادیث گھڑی ہیں۔

❸ **حدیث الباب کی صحت وعدم صحت کی وضاحت:** یہ حدیث سنداً ضعیف ہے، امام ترمذی اور نسائی نے اس حدیث کو حضرت حذیفہ سے معلی کے واسطے کے بغیر نقل کیا ہے اور اس میں **ابوهما خير منهما** کا اضافہ بھی نہیں ہے۔

لہٰذا یہ حدیث ضعیف ہے موضوع نہیں ہے۔ (سنن ابن ماجہ مترجم ج ۱ ص ۷۲)

## ﴿السوال الثالث﴾ ﴿الشمائل﴾ ۱۴۳۴ھ

**الشق الاول** ...... عن اياد بن لقيط قال: أخبرني أبو رمثة قال: أتيت رسول الله ﷺ مع ابن لي فقال

ابنك هذا؟ فقلت نعم اشهد به قال لايجني عليك ولاتجني عليه، قال ورأيت الشيب أحمر قال أبوعيسى هذا أحسن شيئ روى في هذا الباب وأفسره لأن الروايات الصحيحة أن النبي ﷺ لم يبلغ الشيب (ص م ترمذی)

ماهوحكم الخضاب عندالعلماء؟هل خضب رسول الله ﷺ؟اذكروجه التوفيق بين الروايات المختلفة لشرح الحديث واذكر معنى قول أبي رمثة "نعم اشهد به" واشرح قوله ﷺ "لايجني عليك ولاتجني عليه".

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حاصل چار امور ہیں (۱) خضاب کا حکم (۲) رسول اللہ ﷺ کے خضاب لگانے کی وضاحت (۳) حدیث کی تشریح (۴) ابورمثہ اور آپ ﷺ کے قول کی تشریح۔ (خصائل نبوی ص ۳۲)

**جواب** ...... ❶ خضاب کا حکم:۔ داڑھی وسر کے بالوں کو مہندی وسرخ رنگ کا خضاب لگانا بالاتفاق مستحب ہے، سیاہ خضاب میں اختلاف ہے۔ حنفیہ کے نزدیک ضرورت شرعیہ کی وجہ سے سیاہ خضاب لگانا جائز ہے، مثلا جہاد میں دشمن پر رعب ڈالنے کے لئے بوڑھا مجاہد خضاب لگائے یا بوڑھا شوہر جوان بیوی کے اطمینان کیلئے سیاہ خضاب لگائے تو بلاکراہت جائز ہے، البتہ عام حالات میں ضرورت شرعیہ کے بغیر سیاہ خضاب مکروہ ہے۔ حنفیہ میں سے بعض علماء نے مطلقاً خضاب لگانے کو جائز کہا ہے، چاہے ضرورت ہو یا نہ ہو۔ شافعیہ کے ہاں دو قول ہیں ① تحریم کا ② کراہت تنزیہی کا، امام نووی نے تحریم والے قول کو راجح کہا ہے۔ حنابلہ کے بھی شافعیہ والے دو قول ہیں مگر ان کی مشہور روایت کراہت والی ہے۔ امام مالک کا قول یہ ہے کہ میں نے سیاہ خضاب سے نہی کے متعلق نہیں سنا۔

الحاصل جہاد وغیرہ ضرورت شرعیہ کی وجہ سے سیاہ خضاب لگانا بالاتفاق بلاکراہت جائز ہے اور دھوکہ دینے کیلئے بالاتفاق ممنوع ہے اور عام زینت کے لئے عندالجمہور مکروہ اور عندالبعض جائز ہے۔ (کشف الباری کتاب اللباس صفحہ ۲۵۸)

❷ رسول اللہ ﷺ کے خضاب لگانے کی وضاحت:۔ آپ ﷺ نے خضاب لگایا یا نہیں لگایا اس بارے میں روایات مختلف ہیں، بعض روایات سے اس کا ثبوت ملتا ہے اور بعض روایات سے عدم ثبوت ملتا ہے اور حنفیہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ آپ ﷺ نے خضاب نہیں لگایا اور امام ترمذی کا میلان اور رجحان بھی اسی طرف ہے، چنانچہ درمختار میں اس بات کی تصریح ہے کہ آپ ﷺ کا خضاب نہ لگانا زیادہ صحیح ہے، علامہ شامی اس کی وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ بخاری کی روایت کے موافق آپ ﷺ کے صرف سترہ بال سفید تھے اس لئے خضاب کی ضرورت اور حاجت ہی نہیں تھی۔

شارح شمائل بیجوری شافعی رحمہ اللہ اور بعض علماء اس بات کے قائل ہیں کہ آپ ﷺ نے کبھی کبھی خضاب لگایا اور اکثر نہیں لگایا۔ (خصائل نبوی)

❸ حدیث کی تشریح:۔ حضرت ابورمثہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے ایک بیٹے کو لیکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا تیرا بیٹا ہے؟ تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ جی ہاں، یہ میرا بیٹا ہے آپ ﷺ اس پر گواہ ہو جائیں۔ زمانہ جاہلیت میں دستور تھا کہ بیٹا باپ کے جرم میں اور باپ بیٹے کے جرم میں پکڑا جاتا تھا اسی دستور کی بناء پر حضرت ابورمثہ رضی اللہ عنہ نے یہ خیال کیا کہ اگر کبھی اس امر کی ضرورت پیش آئے تو آپ ﷺ اس کے گواہ بن جائیں کہ واقعی یہ میرا بیٹا ہے، آنحضرت ﷺ نے اس دستور اور رسم کا رد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تیرے جرم وجنایت کی وجہ سے تیرے بیٹے کی گرفت نہ ہوگی اور تیرے بیٹے کی وجہ سے تیری گرفت نہ ہوگی۔ اسلام میں یہ قاعدہ نہیں ہے کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی یعنی ایک کے بدلہ میں دوسرے کی گرفت نہ ہوگی لاتزر وازرة وزر اخرى کہ روز محشر کوئی ایک بھی دوسرے شخص کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ ابورمثہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس وقت میں نے رسول اللہ ﷺ کے بعض بالوں کو سرخ دیکھا تھا۔

❹ ابورمثہ اور آپ ﷺ کے قول کی تشریح:۔ دونوں اقوال کی تشریح ابھی حدیث کی تشریح کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

**الشق الثانی** ...... عن أبي ذر قال: قال رسول الله ﷺ: اني لأعلم أول رجل يدخل الجنة وآخر رجل

يخرج من النار يؤتى بالرجل يوم القيامة، فيقال اعرضوا عليه صغار ذنوبه وتخبأ عنه كبارها فيقال له عملت يوم كذا كذا كذا، وهو مقر لا ينكر، وهو مشفق من كبارها فيقال: أعطوه مكان كل سيئة عملها حسنة، فيقول ان لي ذنوبا ما أراها ههنا، قال أبوذر فلقد رأيت رسول الله ﷺ ضحك حتى بدت نواجذه. (ص۵، ایضاً)

ترجم الحديث واشرح قوله "انى لأعلم أول رجل يدخل الجنة وآخر رجل يخرج من النار" هل هما واحد أم اثنان؟ وقوله "يؤتى بالرجل..... " هل هذا بيان لما سبق أم استيناف، اذكر بايضاح؟ ان أول من يدخل الجنة هو سيدنا محمد ﷺ، فكيف قال هنا "انى لأعلم أول رجل يدخل الجنة..... الخ"؟ (شمائل نبوی ص۳۲)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ دو امر ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) رسول اللہ ﷺ کے قول کی تشریح اور مصداق۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک میں جنت میں سب سے پہلے داخل ہونے والے شخص کو جانتا ہوں اور سب سے آخر میں جہنم سے نکالے جانے والے شخص کو بھی جانتا ہوں، ایک شخص کو قیامت کے دن (بارگاہ الٰہی میں) لایا جائے گا، پس کہا جائے گا کہ اسکے سامنے اس کے چھوٹے گناہ پیش کیے جائیں اور چھپائے جائیں گے اس سے اسکے بڑے گناہ اور اسے کہا جائے گا کہ تو نے فلاں فلاں دن میں فلاں فلاں عمل (گناہ) کیا تھا وہ اقرار کرے گا، انکار نہیں کر سکے گا، اور وہ خوف کرے گا اپنے گناہوں سے، پس کہا جائے گا کہ اس کی ہر برائی کے بدلہ میں اس کو نیکی دی جائے پس وہ کہے گا کہ بے شک میرے اور بھی بہت سے گناہ تھے جن کو میں یہاں نہیں دیکھ رہا، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تحقیق میں نے رسول اللہ ﷺ کو ہنستے ہوئے دیکھا حتی کہ آپ ﷺ کے سامنے والے دانت ظاہر ہو گئے۔

❷ رسول اللہ ﷺ کے قول کی تشریح اور مصداق:۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہاں پر درست لفظ آخر رجل ہے، اول رجل کا لفظ یہاں پر وہم ہے اور اس کی تصریح مسلم وغیرہ کی روایت میں موجود ہے عن ابی ذر..... انی لاعلم آخر اهل الجنة دخولا الجنة وآخر اهل النار خروجا منها الحديث، اس صورت میں دونوں شخصوں کا مصداق ایک ہی شخص ہوگا اور اس روایت کے مطابق جو ترمذی میں ہے دونوں شخصوں کا مصداق علیحدہ علیحدہ شخص ہیں اول رجل يدخل الجنة کا مصداق علی الاطلاق رسول اللہ ﷺ ہیں۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہاں پر گنہگار مؤمنین میں سے اول رجل يدخل الجنة مراد لیا جائے، اس صورت میں اس کے مصداق کا نام ذکر نہیں کیا گیا ہے اور اس صورت میں يؤتى بالرجل جملہ استینافیہ ہوگا اس کا ماقبل سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ اس مطلب کو مناوی نے یقین کے ساتھ اور ملا علی قاری نے احتمال اور امکان کے ساتھ بیان کیا ہے۔

مسلم کی روایت کے مطابق یہ بھی احتمال ہے کہ یہ جملہ استینافیہ ہو اور ماقبل سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ ماقبل کی عبارت الرجل الذى هو آخرهم خروجا من النار ودخولا الجنة کا بیان ہو۔ (حاشیہ)

## ﴿الورقة الاولى: السنن مع الشمائل﴾

## ﴿السوال الاول﴾ (سنن النسائی) ۱۴۳۵ھ

**الشق الاول** ...... حدثني مالك عن عمرو بن يحيى المازني عن أبيه أنه قال لعبد الله بن زيد بن عاصم، وكان من أصحاب النبي ﷺ وهو جد عمرو بن يحيى هل تستطيع أن تريني كيف كان رسول الله ﷺ يتوضأ، قال عبدالله بن زيد: نعم، فدعا بوضوء، فأفرغ على يديه، فغسل يديه مرتين مرتين، ثم تمضمض واستنشق ثلاثا ...... (ص۳۸، ایضاً) من الذي سأل كيفية

الوضوء عبدالله بن زید ـ اذكر في ضوء الروايات. اذكر مراجع الضمائر في قوله "انه قال: وفي قوله وكان من اصحاب النبي ﷺ وفي قوله وهو جد عمرو بن يحيى ـ اذكر جميع ذلك بتحقيق و تفصيل.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ دو امور ہیں (۱) سائل کی تعیین روایات کی روشنی میں (۲) ضمائر کے مرجع کی تعیین۔

**جواب** ...... ❶ سائل کی تعیین روایات کی روشنی میں :۔ امام مالک رحمہ اللہ کی اس روایت سے (جس کو امام نسائی رحمہ اللہ نے اپنے استاد محمد بن سلمہ اور حارث بن مسکین سے بواسطہ ابن قاسم روایت کیا ہے) معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے سوال کرنے والے یحییٰ بن عمارہ ہیں اور اس میں عتبہ بن عبداللہ نے بھی ابن قاسم کی موافقت کی ہے۔ نیز ابو داؤد میں ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کرنے والے عبداللہ بن مسلمہ نے طحاوی میں امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کرنے والے ابن وہب نے بھی ابن قاسم کی موافقت کی ہے کہ سائل یحییٰ بن عمارہ ہیں۔ موطا کے اکثر راویوں نے سائل کو مبہم طور پر یعنی ان رجلا قال لعبدالله بن زید ذکر کیا ہے اور جہاں تعیین کی گئی ہے وہاں یحییٰ بن یحییٰ کی روایت میں سوال کی نسبت یحییٰ بن عمارہ کی طرف کی گئی ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کی روایت میں سائل ابو حسن کو قرار دیا گیا ہے اسی طرح معن بن عیسیٰ کی روایت میں بھی سائل انہی کو بتلایا گیا ہے جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک وہیب کی روایت میں یہ سوال عمرو بن ابی حسن کی طرف منسوب ہے اسی طرح دار قطنی کی روایت میں بھی جو بواسطہ محمد بن فلیح بن سلیمان مروی ہے سائل عمرو بن ابی حسن کو قرار دیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس اختلاف کے جمع کی صورت یہ بیان کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید کی مجلس میں تین آدمی تھے ایک ابو حسن انصاری دوسرے انکے بیٹے عمرو بن ابی حسن تیسرے انکے پوتے یحییٰ بن عمارہ بن ابی حسن۔ ان حضرات نے حضور اکرم ﷺ کے وضو کی کیفیت کے بارے میں حضرت عبداللہ بن زید سے سوال کیا لیکن درحقیقت سوال ان میں سے عمرو بن ابی حسن نے کیا اب جہاں سوال کی نسبت عمرو بن ابی حسن کی طرف ہے تو وہ بطور حقیقت کے کی گئی ہے اور جہاں ان کے والد ابو حسن کی طرف سوال کی نسبت ہوئی ہے وہاں بطور مجاز کے ہے کیونکہ وہ بڑے تھے اور وہاں موجود تھے اور چونکہ یحییٰ بن عمارہ اس حدیث کے راوی ہیں اور سوال کے وقت موجود تھے اس لئے سوال کی نسبت بطور مجاز کے انکی طرف بھی کر دی گئی ہے۔ تطبیق کی یہ صورت بہت ہی اچھی ہے اس سے اختلاف رفع ہو جاتا ہے اور اتفاق حاصل ہو جاتا ہے۔ (شرح نسائی ج ۱ ص ۷۵)

❷ ضمائر کے مرجع کی تعیین :۔ ضمائر کے مرجع کو سمجھنے سے قبل نسب سمجھ لیں عمرو بن یحییٰ بن عمارہ بن ابی حسن انصاری۔ عمارہ عمرو بن یحییٰ کے دادا ہیں اور عمارہ کے دوسرے بھائی عمرو بن ابی حسن ہیں اب سوال میں موجود پہلی ضمیر (انه قال) کا مرجع بظاہر یحییٰ بن عمارہ ہیں لیکن یہ مجاز ہے اور حقیقت میں اس کا مرجع یحییٰ کے چچا عمرو بن ابی حسن ہیں۔ کما مر آنفا۔

دوسری ضمیر (کان من اصحاب النبی ﷺ) کا مرجع وہی عمرو بن ابی حسن ہیں جو یحییٰ بن عمارہ کے چچا ہیں۔

تیسری ضمیر (ھو جد عمرو بن یحییٰ) کا مرجع بھی عمرو بن ابی حسن ہیں۔ مگر اس صورت میں اشکال ہے کہ عمرو بن یحییٰ کے دادا کا نام عمارہ بن ابی حسن ہے جبکہ یہاں عمرو بن ابی حسن کو ان کا دادا کہا گیا ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ عمرو بن ابی حسن ان کے دادا عمارہ بن ابی حسن کے بھائی ہیں تو مجازاً دادا کے بھائی کو دادا سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ (ایضا)

**الشق الثانی** ...... عن هشام بن عروة قال: أخبرني أبي عن بسرة بنت صفوان أن النبي ﷺ قال: من مس ذكره فلا يصلي حتى يتوضأ. قال أبو عبدالرحمن: هشام بن عروة لم يسمع من أبيه هذا الحديث.

اذكر اختلاف العلماء وادلتهم على انتقاض الوضوء بمس الذكر. اذكر وجوه ترجيح الحنفية. اشرح

قول أبي عبدالرحمن ووضح مراده . والنكر كيف أنكر النسائي سماع هشام من أبيه وهو أشر من أن ينكر؟ وإن كان أنكره مقيداً بهذا الحديث فقط فكيف قال: "أخبرني أبي" وهو يدل على السماع؟ (ص ۸۶، ق، رحمانیہ)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حاصل چار امور ہیں (۱) مس ذکر سے وضو ٹوٹنے میں اختلاف مع الدلائل (۲) حنفیہ کی وجوہ ترجیح (۳) ابوعبدالرحمٰن کے قول هشام لم يسمع من ابيه کی تشریح (۴) امام نسائی رحمہ اللہ کے انکار اور اخبرنی ابی میں مطابقت۔

**جواب** ...... ❶ **مس ذکر سے وضو ٹوٹنے میں اختلاف مع الدلائل:۔** امام شافعی، امام احمد، اسحاق بن راہویہ، امام اوزاعی، سعید بن مسیب، امام زہری اور عطاء بن رباح رحمہم اللہ کے نزدیک مس ذکر کی وجہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اگر باطن کف سے بلا حائل چھوئے اور لذت بھی حاصل ہو تو پھر ناقض وضو ہے ورنہ نہیں۔

امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری، حسن بصری، حسن بن حی، ربیعۃ الرائے، امام نخعی، سعید بن جبیر رحمہم اللہ اور عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے نزدیک مس ذکر ناقض وضو نہیں ہے۔ قائلین نقض وضو کی دلیل ① حضرت بسرہ رضی اللہ عنہا کی یہی روایت ہے جو ابھی ترجمہ میں گزری ہے۔ ② امام قتادہ کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ بھی نقض وضو کا ہے۔ ③ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ بھی نقض وضو کا ہے۔

قائلین عدم وجوب وضو کی دلیل ① حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مس ذکر ناقض وضو نہیں ہے۔ ② اجلۂ تابعین میں سے حضرت سعید بن مسیب اور حضرت حسن بصری رحمہما اللہ کا فتویٰ بھی یہی ہے۔ ③ حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابوہریرہ، حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہم کا فتویٰ بھی عدم وجوب وضو کا ہے۔ ④ قیاس سے بھی حنفیہ کی تائید ہوتی ہے اسلئے کہ بول و براز جو کہ نجس العین ہیں انکا مس کسی کے نزدیک بھی ناقض نہیں ہے لہٰذا اعضاء مخصوصہ جن کا طاہر ہونا متفق علیہ ہے ان کا مس بطریق اولیٰ ناقض وضو نہیں ہونا چاہیے۔

حنفیہ کی طرف سے پہلی دلیل کا پہلا جواب یہ ہے کہ حضرت عروہ کے مقابلہ میں حضرت بسرہ کم درجہ کی راویہ ہیں اس وجہ سے ان کی حدیث ساقط الاعتبار ہے اور حضرت بسرہ کی روایت کو دو وجہوں سے ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ ① آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انکی صحبت بہت کم رہی ہے۔ ② پورے ذخیرۂ احادیث میں حضرت بسرہ رضی اللہ عنہا کی صرف یہی ایک روایت ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ربیعہ فرماتے ہیں کہ بسرہ رضی اللہ عنہا جیسوں کی حدیث سے تم لوگ ہلاکت میں پڑ جاؤ گے کیونکہ اگر خون اور حیض میں انگلی ڈال دینے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے تو ایک پاک عضو پکڑنے سے وضو کیسے ٹوٹے گا۔ اللہ کی قسم اگر مجھے بسرہ رضی اللہ عنہا آ کر اس جوتے کے بارے میں شہادت دیدے تو بھی میں ان کی شہادت کو قبول نہیں کرونگا کیونکہ دین اسلام کا اہم رکن نماز ہے اور نماز کا مدار طہارت پر ہے تو کیا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اس دین کو قائم کرنے والا بسرہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ یہ بات ہرگز نہیں ہو سکتی، زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ مس ذکر کی وجہ سے اگر مذی خارج ہو جاتی ہے تو وضو واجب ہوگا ورنہ نہیں۔ لہٰذا حضرت بسرہ رضی اللہ عنہا نے قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب نہیں سمجھا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عروہ کا سر نہ اٹھانا اس وجہ سے تھا کہ مروان ان کے نزدیک مقبول راوی نہ تھا۔ نیز دوشرطی جس کو بھیجا گیا تھا وہ مروان کے مقابلہ میں بھی زیادہ کمزور تھا اس کا نام ونسب وغیرہ کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔ نیز یہ استحباب پر محمول ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے فتویٰ کا جواب یہ ہے کہ انکا اپنا عمل اس فتویٰ کے خلاف ہے لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے فتویٰ کا جواب یہ ہے کہ اسکے مقابلہ میں اجلۂ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فتویٰ ماقبل میں گزر چکا ہے اور اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے فتویٰ کی مخالفت کی ہے۔ (ایضاح الطحاوی ج۱ ص۲۲۲، درس ترمذی ج۱ ص۳۰۱، رسائل الدلائل ص۱۶۲)

❷ **حنفیہ کی وجوہ ترجیح:۔** نظر و فکر کے اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہے کہ فریق اول بھی یہ کہتے ہیں کہ باطن کف سے

پکڑنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور کلائی ہر کف اور کلائی سے پکڑنے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے تو عقل کا تقاضا یہ ہے کہ ظاہر کف اور باطن کف دونوں کا حکم برابر ہو اور جب ظاہر کف سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے تو باطن کف سے بھی وضو نہیں ٹوٹنا چاہیے۔

نیز ذکر ستر اور عیب کی چیز ہے اس کا چھپانا بھی ضروری ہے تو اگر یہ عیب کی چیز ذکر کو لگ جائے تو بالاتفاق وضو نہیں ٹوٹتا تو جو عیب کی چیز نہیں ہے اس کے لگنے سے وضو بطریق اولیٰ نہیں ٹوٹنا چاہیے۔ (معارف السنن ص ۲۹۰) لہٰذا عقلی نقلی دلائل کی روشنی میں حنفی مذہب راجح ہوا۔

❸ **ابو عبدالرحمن کے قول هشام لم يسمع من ابيه کی تشریح:۔** ہشام بن عروہ کا سماع اپنے والد سے معروف و متفق علیہ ہے۔ ابو عبدالرحمن امام نسائی رحمہ اللہ کے قول هشام لم يسمع من ابيه کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث میں ہشام کا سماع اپنے والد سے ثابت نہیں ہے۔ امام طحاوی و شعبہ رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ البتہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اخبرنی اور طبرانی و حاکم کی روایت حدثنی سے استدلال کرتے ہوئے صحیح سماع کا قول اختیار کیا ہے۔

❹ **امام نسائی رحمہ اللہ کے انکار اور اخبرنی ابی میں مطابقت:۔** امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ہشام کا سماع اپنے والد سے ثابت نہیں ہے۔ یہ حدیث منقطع ہے اور اخبرنی و حدثنی کا لفظ وہم راوی ہے۔ لہٰذا کوئی تعارض نہ ہوا۔ (حل)

## ﴿السؤال الثاني﴾ (سنن ابن ماجه) ۱۴۳۵ھ

**الشق الاول** ...... حدثنا علي بن محمد ومحمد بن اسماعيل قالا: ثنا عبدالرحمن بن محمد المحاربي ثنا عمار بن سيف عن أبي معاذ البصري ح وحدثنا علي بن محمد ثنا اسحاق بن منصور عن عمار بن يوسف عن أبي معاذ عن ابن سيرين عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ تعوذوا بالله من جب الحزن، قالوا: يا رسول الله! وما جب الحزن قال: واد في جهنم، يتعوذ منه جهنم كل يوم أربعمائة مرة، قالوا: يا رسول الله! ومن يدخله؟ قال: أعد للقراء المرائين بأعمالهم، وان من أبغض القراء الى الله الذين يزورون الأمراء.

عن عبدالله بن مسعود قال لو ان اهل العلم صانوا العلم ووضعوه عند اهله لسادوا به اهل زمانهم ولكن بذلوه لاهل الدنيا لينالوا به من دنياهم فهانوا عليهم سمعت نبيكم ﷺ يقول من جعل الهموم هما واحدا هم آخرته كفاه الله هم دنياه و من تشعبت به الهموم في احوال الدنيا لم يبال الله في اي اوديتها هلك ۔ (ص ۲۳ قدیمی)

ترجم الحديثين المباركين ترجمة واضحة ۔ تكلم على الحديث الاول ابن الجوزي رحمه الله فعلى من تكلم؟ وهل كلامه على هذا الحديث مقبول أم لا، اذكر بايضاح وبيان ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) احادیث کا ترجمہ (۲) متکلم علیہ راوی کی تعیین (۳) ابن جوزی رحمہ اللہ کی کلام کے مقبول یا مردود ہونے کی وضاحت۔

**جواب** ...... ❶ <u>احادیث کا ترجمہ:۔</u> حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب الحزن سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول یہ جب الحزن کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ جہنم میں ایک وادی ہے خود جہنم بھی اس سے ایک دن میں چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اس میں کون شخص داخل ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ وادی اپنے اعمال کے ذریعہ ریاکاری کرنے والے قراء کے لئے تیار کی گئی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک قراء میں سے سب سے زیادہ مبغوض وہ لوگ ہیں جو امراء کی زیارت کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ اگر اہل علم اپنے علم کی حفاظت کرتے اور اس کو اسکے اہل پر پیش

کرتے تو انکے ساتھ زمانہ والوں کے سردار بن جاتے لیکن انہوں نے اس کو اہل دنیا کیلئے خرچ کیا تا کہ انکے سبب ان کی دنیا حاصل کریں تو وہ دنیا داروں کی نظر میں ذلیل ہوئے، میں نے سرکار دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے اپنے مقاصد میں سے صرف ایک مقصد یعنی آخرت کے مقصد کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے دنیاوی مقصد کو پورا کر دیتا ہے اور جس شخص کے مقاصد پراگندہ ہوں، دنیا کے حالات کی طرح تو اللہ تعالیٰ پرواہ نہیں کرتا کہ وہ دنیا کے کس جنگل میں ہلاک ہو۔

❷ متکلم علیہ راوی کی تعیین:۔ ابن جوزی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے اس لئے کہ حدیث کی سند میں عمار بن سیف راوی متروک الحدیث ہے۔ اسی طرح اس کے شیخ ابو معاذ کا صحیح تلفظ ابو معان ہے اور یہ مجہول راوی ہے۔

❸ ابن جوزی رحمہ اللہ کی کلام کے مقبول یا مردود ہونے کی وضاحت:۔ جمہور کہتے ہیں کہ عمار مختلف فیہ راوی ہے جیسے بعض محدثین نے اس کی تضعیف کی ہے اسی طرح اکثر محدثین نے اس کی توثیق بھی کی ہے۔ جہاں تک ابو معان کی جہالت کا تعلق ہے تو اس کے دو شاہد موجود ہیں ① حدیث ابن عباس بحوالہ طبرانی میں ② حدیث ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، ابن عدی میں۔ پس ان وجوہات کے پیش نظر یہ حدیث ضعیف ہے موضوع نہیں ہے۔ (حل)

**الشق الثانی** ...... وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِيْ فَبَلَّغَهَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرُ فَقِيْهٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلَىٰ مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ، زَادَ فِيْهِ عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَلَاثٌ لَا يُغِلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ امْرِءٍ مُسْلِمٍ: إِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ وَالنُّصْحُ لِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَلُزُوْمُ جَمَاعَتِهِمْ. (ص۲۱۔ قدیمی)

شكل الحديث وترجمه . اشرح قوله: "فرب حامل فقه غير فقيه، ورب حامل فقه الى من هو أفقه منه" وقوله: "ثلاث لايغل عليهن" ــــ "واذكر مناسبة قوله: "نضرالله الخ" بقوله: "ثلاث لايغل عليهن" بحيث يتضح المراد

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل چار امور ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) فرب حامل فقه غير فقيه، ورب حامل فقه الى من هو افقه منه، ثلاث لايغل عليهن کی تشریح (۴) حدیث کے دونوں حصوں کی باہمی مناسبت۔

**جواب** ...... ❶ حدیث پر اعراب:۔ كما مرّ فى السوال آنفا۔

❷ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تر و تازہ رکھے اللہ اس شخص کو جس نے میری بات کو سنا اور دوسروں تک پہنچایا پس بسا اوقات بہت سے فقہ کو اٹھانے والے خود فقیہ نہیں ہوتے جتنا کہ وہ شخص ہوتا ہے جسکے پاس فقہ پہنچایا جا رہا ہے اور علی بن محمد نے اس پر یہ زیادتی کی کہ تین باتوں میں کسی مسلمان کے دل کو خیانت نہیں کرنی چاہیے ① اخلاص نیت کے ساتھ اللہ کے واسطے عمل کرنا ② مسلمانوں کے حکام کے ساتھ خیر خواہی کرنا ③ اور مسلمان کی جماعت کو لازم پکڑ لینا۔

❸ **فرب حامل فقه غير فقيه، رب حامل فقه الى من هو افقه منه، ثلاث لايغل عليهن کی تشریح:۔**
اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص کسی حدیث کو سنے اور اسے بلفظہ یاد کرے مگر اس کے اندر اس حدیث کے رموز و اسرار اور اس سے مستنبط ہونے والے احکام و مسائل کے استخراج و استنباط کی صلاحیت و لیاقت نہ ہو، حدیث پاک کی تہہ تک پہنچنا اور اس سے احکام و مسائل کے لعل و جواہر نکالنا، اس کے نکات اور باریکیاں سمجھنا اور حدیث کی پوری موشگافیوں کی گرہ کشائی کرنا اس کے بس میں نہ ہو لیکن جب یہ شخص اس حدیث کو کسی ایسے آدمی کے پاس پہنچائے گا جو علم و فہم رکھنے کی وجہ سے حدیث پاک کی جملہ نوک و پلک سے واقف ہے اور اس سے احکام و مسائل نکالنے پر قادر ہے کہ وہ حدیث پاک کے معنی و مفہوم اور مراد کو پالے گا تو اس شخص کو بھی تبلیغ حدیث کا ثواب ملے گا اور آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث اس کو بھی شامل ہوگی۔ اسی طرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک شخص نے کوئی حدیث سنی ا

اس کے الفاظ کو اس نے اپنے ذہن ودماغ میں پوری طرح محفوظ رکھا اور اسکے معانی ومفاہیم کو بھی سمجھا پھر اس نے اس حدیث کو ایسے شخص کے پاس پہنچایا جو اس سے زیادہ علم وفہم کا مالک ہے تو چونکہ اس حدیث کی منفعت بڑھ گئی ہے اس لئے اب اس شخص کو حدیث پہنچانے اور پھیلانے دونوں کا ثواب ملے گا اور حضور اکرم ﷺ کی دعا مبارک کے فیض میں بھی شامل ہوگا۔ (تکمیل الحاجۃ ص ۲۰ دوم)

لَا يَغِلُّ وَلَا يُغِلُّ کی صورت میں اس کا معنی خیانت ہے مطلب یہ ہے کہ جو شخص مؤمن ومسلمان ہے اس کا دل ان تین باتوں میں خیانت نہیں کر سکتا یعنی وہ ان تین باتوں کو اپنے دل کی صفائی وستھرائی کے لئے ضرور اپنے اندر پیدا کرے گا اور ان کو اختیار کرنا اپنے لئے لازم تصور کرے گا۔ لَا يَغِلُّ کی صورت میں اس کا معنی حسد وکینہ ہے مطلب یہ ہے کہ جو شخص مؤمن مسلمان ہے جب وہ ان باتوں کو اپنے اندر پیدا کرے گا تو اس کے قلب وجگر بغض وحسد اور کینہ سے بالکل پاک ہو جاتے ہیں جس کے نتیجہ میں وہ بنیادی واصل تقاضوں سے بالکل تجاوز نہیں کرتا بلکہ مطلب ومقصود پر ہی گامزن رہتا ہے۔ (ایضا)

❷ حدیث کے دونوں حصوں کی باہمی مناسبت:۔ دونوں جملوں کے درمیان مناسبت کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو سنت اور علم دین کی ترویج پر ابھارا کہ کچھ خصلتیں ایسی ہیں جن سے متصف ہونا ہر مؤمن مبلغ دین کیلئے ضروری ہے تو سوال ہوا کہ وہ خصلتیں کیا ہیں؟ تو آپ ﷺ نے ان تین خصلتوں کو واضح کر دیا۔ (ایضا)

## ﴿السوال الثالث﴾ (الشمائل) ۱۴۲۵ھ

**الشق الاول** ...... حدثنا ابن أبي عمر ثنا سفيان بن عيينة عن يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد أن رسول الله ﷺ كان عليه يوم أحد درعان قد ظاهر بينهما. (ص۸۔ قدیمی)

انكر ترجمة للسائب بن يزيد واذكر هل هذا الحديث مرسل أم مسند؟ ما معنى "ظاهر بينهما" اذكر تحقيقه لغويا. كيف لبس درعين، أليس ذلك ينافي كمال التوكل على الله؟ مع أنه ﷺ أكمل الخلق توكلا عليه.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (۱) سائب بن یزید کا تعارف (۲) حدیث کے مرسل یا مسند ہونے کی وضاحت (۳) ظاهر بينهما کا لغوی معنی (۴) کمال توکل کے باوجود آپ ﷺ کے دو زرہیں پہننے کی وجہ۔

**جواب** ...... ❶ سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کا تعارف:۔ ان کا پورا نام سائب بن یزید بن سعید بن ثمامہ کندی ہے، ابن اخت النمر سے معروف ہیں، چھوٹے درجے کے صحابی ہیں اور آپ سے انتہائی کم احادیث مروی ہیں۔ آپ سات سال کی عمر میں حجۃ الوداع میں شریک ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو سوق مدینہ کا والی بنایا تھا، آپ کی وفات ۹۱ھ میں ہوئی اور مدینہ کے اندر وفات پانے والوں میں سے آپ آخری صحابی ہیں۔ (تقریب التہذیب)

❷ حدیث کے مرسل یا مسند ہونے کی وضاحت:۔ یہ حدیث مرسل صحابی ہے اسلئے کہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ جنگ احد کے موقع پر لڑائی میں شریک نہ تھے بلکہ یہ حجۃ الوداع کے موقع پر سات سال کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے تھے۔ (ایضا)

❸ ظاهر بينهما کا لغوی معنی:۔ ظاهر بينهما اي لبس احدهما فوق الاخر (ایک زرہ دوسری زرہ کے اوپر پہن رکھی تھی)

❹ کمال توکل کے باوجود آپ ﷺ کے دو زرہیں پہننے کی وجہ:۔ آپ ﷺ کا جنگ احد میں دو زرہیں پہننا توکل کے منافی نہیں ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے خود آیت کریمہ یاایها الذین آمنوا خذوا حذركم میں دشمن کے مقابلہ کیلئے کمال احتیاط اور کمال حفاظت کا حکم دیا ہے اور پیغمبر ﷺ سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟

نیز آپ ﷺ کے معمولات میں اس قسم کے امور امت کو تعلیم دینے کے لئے ہوتے تھے۔ (خصائل نبوی ص ۹۵)

**الشق الثانی** ...... عن أبی موسٰی عن النبی ﷺ قال: فضل عائشة علی النساء کفضل الثرید علی سائر الطعام

ترجم الحدیث و اشرحه. اذکر مصداق "النساء" هل هو عام أم خاص. من هی أفضل النساء عائشة أم خدیجة أم فاطمة؟ اذکر وجه تشبیه فضل عائشة بفضل الثرید. (ص ۴۔ قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں پانچ امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی تشریح (۳) النساء کا مصداق عام یا خاص ہونے کی وضاحت (۴) حضرت عائشہ صدیقہ، خدیجۃ الکبریٰ، فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہن میں سے افضل کی تعیین (۵) فضیلت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ثرید کے ساتھ وجہ تشبیہ۔

**الجواب** ...... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسے ہے جیسے ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر۔

❷ حدیث کی تشریح:۔ اس حدیث میں آپ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کو ایک مثال کے ذریعہ بیان کیا ہے کہ جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر فضیلت حاصل ہے کہ اس میں متعدد فوائد مثلاً غذائیت، لذت، قوت وغیرہ جمع ہیں اسی طرح ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بھی متعدد فضائل مثلاً علم وفقہ، فصاحت وبلاغت، ذہانت وفطانت، شرافت و پاکدامنی، حسب ونسب وغیرہ کے جامع ہونے کی وجہ سے تمام عورتوں پر فضیلت حاصل ہے۔

❸ و ❹ النساء کا مصداق اور حضرت عائشہ صدیقہ، خدیجۃ الکبریٰ، فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہن میں سے افضل کی تعیین:۔
علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے نقل حدیث کے بعد کہا ہے کہ اس سے دو باتیں حاصل ہوتی ہیں ① یہ جہان میں من حیث المجموع (مجموعی طور پر) باقی مستورات سے افضل ہیں ② جہان کی عورتوں پر فضیلت رکھتی ہیں لیکن باہم ان کے درجات متفاوت ہیں۔

علامہ سبکی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سب سے افضل فاطمہ ہیں، پھر خدیجہ پھر عائشہ رضی اللہ عنہن۔

علامہ عینی رحمہ اللہ (نقلاً عن بعض اساتذہ) کہتے ہیں فاطمة افضل فی الدنیا وعائشة افضل فی الآخرة۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں خدیجہ اور عائشہ رضی اللہ عنہما کے مابین فضائل قریب قریب ہیں، گویا انہوں نے توقف کو ترجیح دی ہے۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ افضل النساء مریم وفاطمة وافضل امهات المؤمنين خديجة وعائشة۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ کہتے ہیں توقف اولیٰ ہے کیونکہ اس میں کوئی دلیل قطعی (حرف آخر) نہیں۔

حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ایک دن سیدہ عائشہ صدیقہ اور فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہما کے درمیان مکالمہ ہوا سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میرا درجہ زیادہ ہے اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میرا...... سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آخری بات یہ فرمائی کہ جب سب لوگ جنت میں جائیں گے تو زوجہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے محل میں جائیں گی اور میں (ام المؤمنین، زوجۃ النبی ﷺ) محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کے محل میں جاؤں گی اس سے پتہ چلتا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں اور یہی قرین قیاس ہے۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ دراصل فضل ومرتبہ کی بناء الگ الگ ہے جس سے باآسانی تطبیق حاصل ہوتی ہے۔

ان میں سے ہر ایک کو ایسی فضیلت حاصل ہے جس کا کوئی دوسرا سہیم نہیں، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا تقدم فی الاسلام میں افضل ہیں، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا علم، فضل وکمال کے اعتبار سے افضل ہیں (کہ کبار صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اکثر مسائل کی تحقیق انہی سے کرتے اور اپنی علمی پیاس بجھاتے) سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اصل ونسب اور شرافت کے اعتبار سے افضل ہیں۔ (انعامات منعم ص ۳۳۳)

❺ فضیلت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ثرید کے ساتھ وجہ تشبیہ:۔ کما مرّ فی التشریح آنفا۔

Scanned with CamScanner

## ﴿الورقة الاولی: السنتان والشمائل﴾

### ﴿السوال الاول﴾ (سنن النسائی) ۱۴۳۶ھ

**الشق الاول** ......باب الذی یحتلم ولایری الماء. عن أبی أیوب عن النبی ﷺ قال: الماء من الماء۔ (ص ۴۰-ج-رحمانی)

اذکر غرض الامام النسائی من هذه الترجمة، واذکر وجه مناسبة هذا الحدیث بهذا الباب، هل أصاب بایراده تحت هذا الباب؟ اذکر معنی الحدیث.

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت (۳) کیا اس حدیث کو اس باب کے تحت ذکر کرنا درست ہے؟ (۴) حدیث کا ترجمہ۔

**جواب** ...... ❶ ترجمۃ الباب کی غرض:۔ اس ترجمۃ الباب سے امام نسائی رحمہ اللہ کی غرض اس شخص کے حکم کو بیان کرنا ہے جو خواب دیکھتا ہے مگر بیداری کے بعد کپڑے پر کوئی منی وغیرہ کا اثر نہیں دیکھتا تو حدیث لا کر بتلا دیا کہ وجوب غسل کا دارومدار خروج منی پر ہے اگر منی کا خروج ہوگا تو غسل لازم ہے محض خواب دیکھنے سے غسل لازم نہیں ہے۔

❷ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ تشریح کے مطابق مناسبت واضح ہے وہ فرماتے ہیں کہ حدیث الماء من الماء احتلام والے شخص کے متعلق ہے یعنی جو شخص خواب دیکھے مگر اسے انزال نہ ہو تو اس پر غسل لازم نہیں ہے، غسل اسی صورت میں لازم ہے جب اسے خواب کے ساتھ انزال بھی ہو اور یہی ترجمۃ الباب ہے۔

❸ کیا اس حدیث کو اس باب کے تحت ذکر کرنا درست ہے:۔ جمہور کے نزدیک یہ حدیث جماع (مسئلہ اکسال) و بیداری کے متعلق ہے اسلئے اس حدیث کو اس ترجمۃ الباب کے تحت ذکر کرنا درست نہیں ہے۔

مگر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس حدیث کا تعلق احتلام کے ساتھ ہے لہٰذا اس کو یہاں ذکر کرنا درست ہے۔

❹ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ غسل انزال (خروج منی) کی وجہ سے لازم ہے (اس حدیث میں "الماء" اول سے مراد غسل اور "الماء" ثانی سے مراد منی ہے)۔

**الشق الثانی** ......باب الوضوء من النوم. عن أبی هریرة أن رسول الله ﷺ قال: اذا استیقظ أحدکم من منامه فلا یدخل یده فی الاناء حتی یفرغ علیها ثلاث مرات فانه لایدری أین باتت یده. (ص ۲۰-ج-رحمانی)

اذکر سبب ورود هذا الحدیث. اذکر مطابقة الحدیث هذه الترجمة.

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل دو امور ہیں (۱) حدیث کا سبب ورود (۲) حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کا سبب ورود:۔ اہل عرب عموماً ازار یا تہبند پہنتے تھے اور ملک گرم تھا، پسینہ خوب آتا تھا اور عموماً پتھروں کے ساتھ استنجاء کا رواج تھا اس لئے اس دور میں اس بات کا بڑا احتمال تھا کہ سوتے ہوئے انسان کا ہاتھ کسی نجس جگہ تک نہ پہنچ جائے اور آلودہ نہ ہو جائے اس لئے آپ ﷺ نے حکم دیا کہ جب کوئی نیند سے بیدار ہو تو وہ برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھ دھو کر تسلی کرے پھر برتن میں ہاتھ ڈالے۔

علامہ ابوالولید باجی مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں اہل عراق (حنفیہ) کا قول زیادہ پسندیدہ ہے اس لئے کہ یہ حکم طہارت کی بجائے نظافت سے متعلق ہے یعنی اگرچہ ہاتھ کے نجس ہونے کا احتمال نہ ہو تب بھی سونے کے بعد ہاتھوں کو دھوئے بغیر پانی میں ڈالنا نظافت کے خلاف ہے اور شریعت میں طہارت کے ساتھ نظافت بھی مطلوب ہے۔ (درس ترمذی ج ۱ ص ۲۲۹)

❷ **حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت:** حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روایت کی وضوء من الطعام پر دلالت ظاہر ہے اس لئے کہ حدیث میں ہاتھوں کو دھونے کا حکم خروج نجاست کے وہم کی وجہ سے ہے اور یہی خروج نجاست ناقض وضوء ہے۔ پس معلوم ہوا کہ نوم کی وجہ سے وضو لازم ہے۔ (ص)

## ﴿السوال الثانی﴾ (سنن ابن ماجہ) ۱۴۲۶ھ

**الشق الاول** ...... حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ حَمَّادٍ سَجَّادَةُ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْأُمَوِيُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَعِيدِ بْنِ حَسَّانَ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ نُسَيٍّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ غَنْمٍ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ قَالَ: لَمَّا بَعَثَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِلَى الْيَمَنِ قَالَ لَا تَقْضِيَنَّ وَلَا تَفْصِلَنَّ إِلَّا بِمَا تَعْلَمُ وَإِنْ أَشْكَلَ عَلَيْكَ أَمْرٌ فَقِفْ حَتّٰى تُبَيِّنَهُ أَوْ تَكْتُبَ إِلَيَّ فِيْهِ. (ص۶)

شكل الحديث مع سنده بالضبط الكامل. ترجم الحديث المبارك واشرحه شرحا واضحا. وانه بظاهره معارض الحديث معاذ المشهور الذي أذن ﷺ له فيه بالاجتهاد ان لم يجد في كتاب الله وسنة رسوله. فما هو المخلص من هذا التعارض؟ هذا الحديث حكم عليه بعض العلماء بالوضع، فما هو سبب ذلك؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں پانچ امور مطلوب ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) حدیث کی تشریح (۴) اجتہاد کے متعلق رفع تعارض (۵) حدیث کے موضوع ہونے کا سبب۔

**جواب** ...... ❶ **عبارت پر اعراب:** کمامرّ فی السوال آنفا۔

❷ **حدیث کا ترجمہ:** حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب مجھے یمن کے لئے روانہ کیا تو فرمایا کہ تم ہرگز فیصلہ مت کرنا مگر ان ہی چیزوں کے بارے میں جن کو تم جانتے ہو اور اگر تم پر کوئی معاملہ مشتبہ ہو جائے تو ٹھہر سے رہنا یہاں تک کہ تم اس کو واضح کر لو یا اس کے متعلق مجھے لکھو۔

❸ **حدیث کی تشریح:** رسول اللہ ﷺ اپنے اس ارشاد میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کرتے وقت ایک وصیت فرما رہے ہیں کہ ہمیشہ انہی معاملات کا فیصلہ کرنا جن کے متعلق تمہیں اچھی طرح معلومات حاصل ہوں اور جن معاملات کے متعلق تمہیں مکمل معلومات نہ ہوں تو ان کے متعلق اپنی رائے دیتے ہوئے آرائی سے فیصلہ مت کرنا بلکہ توقف کرنا یہاں تک کہ وہ معاملہ مکمل طور پر تم پر واضح ہو جائے، پھر بھی اگر واضح نہ ہو تو میری طرف خط لکھ کر مجھ سے معلوم کر لینا مگر قیاس آرائی اور عقل کی بنیاد پر کوئی بھی فیصلہ ہرگز نہ کرنا۔

❹ **اجتہاد کے متعلق رفع تعارض:** یہ حدیث موضوع ہونے کی وجہ سے حدیث معاذ مشہور بالاجتہاد کے معارض نہیں بن سکتی اور اگر اس کی صحت کو تسلیم بھی کیا جائے تو پھر حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جب تک تو اس میں اجتہاد نہ کر لے اس وقت تک توقف کر اور جب تو اجتہاد کر لے اور کسی فیصلے تک پہنچ جائے تو اس کے ساتھ فیصلہ کر دے اور اگر تو اجتہاد کے ذریعے کسی فیصلہ تک نہ پہنچ سکا تو پھر میری طرف لکھ دینا۔ اس مفہوم کے اعتبار سے یہ حدیث حدیث اجتہاد کے منافی نہیں ہے۔ (ص)

❺ **حدیث کے موضوع ہونے کا سبب:** اس حدیث کی سند میں محمد بن سعید بن حسان راوی ہے جو انتہائی مجروح ہونے کی وجہ سے ضعیف راوی ہے۔ احمد بن صالح رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس نے چار ہزار احادیث وضع کی تھیں اور امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اسے منصور نے زندیق ہونے کی وجہ سے قتل کیا تھا اور اسے سولی پر چڑھایا تھا۔ (تقریب التہذیب)

**الشق الثانی** ...... حدثنا سهل بن أبي سهل ومحمد بن إسماعيل قالا: حدثنا عبدالسلام بن صالح أبو الصلت الهروي حدثنا علي بن موسى الرضا، عن أبيه عن جعفر بن محمد عن أبيه عن علي بن

الحسين عن أبيه عن علي بن أبي طالب قال: قال رسول الله ﷺ: الإيمان معرفة بالقلب وقول باللسان وعمل بالأركان. قال أبو الصلت: لو قرئ هذا الإسناد على مجنون لبرأ. (ص ۹، ج ۱)

اذكر مذاهب العلماء في حقيقة الإيمان بإيجاز، وبيّن كيف التطبيق بين أقوال طوائف أهل السنة والجماعة.

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل دو امور ہیں (۱) حقیقت ایمان میں علماء کے مذاہب (۲) اہل السنۃ والجماعۃ کے اقوال میں تطبیق۔

**جواب** ...... ① **حقیقت ایمان میں علماء کے مذاہب:** اس میں متعدد اقوال و مذاہب ہیں:

پہلا قول: جمہور فقہاء و متکلمین اور احناف کے نزدیک ایمان بسیط ہے صرف تصدیق قلبی کا نام ہے بشرطیکہ اس کا متعلق عام یعنی امور شرعیہ ہوں اور تصدیق بالاختیار ہو اور علی وجہ التسلیم ہو، البتہ اقرار لسانی احکام دنیوی کیلئے شرط ہے اور اعمال ارکانی مکملات ایمان اور دخول جنت بدخول اولی کا ذریعہ ہیں اور اعمال کا نہ ہونا نقصان وضرر کا باعث ہے۔

دلائل: ① وہ تمام آیات ونصوص ہیں جن میں اعمال صالحہ کا ایمان پر عطف کیا گیا ہے مثلاً **ان الذين آمنوا وعملوا الصالحات الخ** اور عطف مغایرت کی دلیل ہے معلوم ہوا کہ ایمان الگ چیز ہے اور اعمال صالحہ الگ چیز ہیں پس ایمان فقط تصدیق قلبی ہوا۔ ② تارکین اعمال صالحہ کے ساتھ مؤمنین جیسا معاملہ کرنا مثلاً نماز جنازہ ادا کرنا، مؤمنین کے قبرستان میں دفن کرنا، معلوم ہوا کہ ایمان فقط تصدیق قلبی کا نام ہے۔

دوسرا قول: مرجیہ کے نزدیک ایمان فقط تصدیق قلبی کا نام ہے اقرار لسانی اور اعمال ارکانی کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور یہ حقیقت ایمان کا جزء بھی نہیں ہیں۔ دلیل وہ نصوص ہیں جن میں محض تصدیق قلبی پر دخول جنت کو مرتب کیا گیا ہے مثلاً حدیث عثمان رضی اللہ عنہ ہے کہ جو اس حال میں مرا کہ اس کو یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں تو وہ جنت میں داخل ہوگا معلوم ہوا کہ ایمان فقط تصدیق قلبی کا نام ہے۔

جواب: دخول جنت کی دو قسمیں ہیں۔ ① مطلق دخول جنت ② دخول جنت بدخول اولی، حدیث عثمان رضی اللہ عنہ میں مطلق انتہاءً دخول جنت مراد ہے اور ابتداءً دخول جنت بدخول اولی اعمال صالحہ کے ذریعہ ہی ہوگا۔

تیسرا قول: کرامیہ کے نزدیک ایمان بسیط ہے یعنی ایمان کی حقیقت فقط اقرار لسانی ہے تصدیق قلبی اور اعمال صالحہ کی کوئی ضرورت نہیں۔

دلیل یہ کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں ایمان کیلئے فقط اقرار لسانی کو کافی سمجھا جاتا تھا مثلاً ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے کسی منافق کو قتل کر دیا حالانکہ وہ منافق ڈر کی وجہ سے کلمہ توحید پڑھنے لگ گیا تھا، جب آپ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تو نے اسکے دل کو پھاڑ لیا تھا یعنی معلوم ہو گیا تھا کہ وہ مؤمن نہیں ہے، معلوم ہوا کہ فقط اقرار لسانی سے وہ مؤمن ہو گیا تھا اسلئے اسکو قتل نہیں کرنا چاہیے تھا۔

جواب: یہ ہے کہ ایمان کی دو قسمیں ہیں۔ ① **منجي عن السيف** ② **منجي عن العذاب الابدي** تو آپ ﷺ کے زمانہ میں اقرار لسانی فقط **منجي عن السيف** کے حق میں کافی سمجھا جاتا تھا اور محل نزاع **منجي عن السيف** نہیں بلکہ **منجي عن العذاب الابدي** ہے اور اس کیلئے اقرار لسانی کافی نہیں بلکہ تصدیق قلبی ضروری ہے۔

چوتھا قول: اشاعرہ کا مذہب اور احناف کا قول ثانی یہ ہے کہ ایمان مرکب ہے یعنی ایمان تصدیق قلبی اور اقرار لسانی کے مجموعہ کا نام ہے البتہ اتنا فرق ہے کہ تصدیق قلبی رکن لازم ہے کہ کسی حال میں بھی ساقط نہیں ہوتا ہے اور اقرار لسانی حالت عجز میں ساقط ہو جاتا ہے، بشرطیکہ دل مطمئن ہو۔ دلیل ارشاد نبوی ﷺ ہے **امرت ان اقاتل الناس حتى يقولوا لا إله الا الله** اور قول اقرار لسانی سے ہوگا معلوم ہوا کہ تصدیق قلبی کیساتھ اقرار لسانی بھی ضروری ہے۔

جواب یہ ہے کہ حدیث کا مدلول یہ ہے کہ احکام دنیوی کے اجراء کیلئے اقرار لسانی کا پایا جانا ضروری ہے اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ یہاں اقرار لسانی پر انتہاء جنگ وقتال وجہاد کو مرتب کیا گیا ہے، معلوم ہوا کہ یہ اقرار لسانی دنیوی احکام کے اجراء کیلئے ہے۔

پانچواں قول: جمہور محدثین اور شوافع ومالکیہ کے نزدیک ایمان تین چیزوں سے مرکب ہے تصدیق قلبی، اقرار لسانی، اعمال جوارح تو گویا کہ ان تینوں چیزوں کے مجموعہ کا نام ایمان ہے۔ دلیل وہ تمام نصوص جن میں اعمال صالحہ پر ایمان کا اطلاق کیا گیا ہے **وماکان اللہ لیضیع ایمانکم ای صلاتکم** اسی طرح حدیث وفد عبد القیس میں بھی ایمان کا اطلاق اعمال صالحہ پر کیا گیا ہے معلوم ہوا کہ ایمان تینوں چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ جواب یہ ہے کہ آپ کا استدلال اس وقت تام ہو جب یہ ثابت ہو جائے کہ ان نصوص میں اطلاق الجزء علی الکل ہے حالانکہ اس میں یہ احتمال بھی موجود ہے کہ یہ **اطلاق الاصل علی الفرع یا اطلاق الاثر علی المؤثر** کی قبیل سے ہو۔ **اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔**

چھٹا قول: خوارج ومعتزلہ کے نزدیک بھی ایمان امور ثلاثہ یعنی تصدیق قلبی، اقرار لسانی اور اعمال جوارح کے مجموعہ کا نام ہے البتہ جمہور محدثین کے نزدیک اعمال صالحہ ایمان کے اجزائے عرفیہ ہیں یعنی ان کے انتفاء سے ایمان منتفی نہ ہوگا اور خوارج ومعتزلہ کے نزدیک تارک اعمال صالحہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔ دلیل وہ نصوص ہیں جن میں تارک اعمال صالحہ سے ایمان کی نفی کی گئی ہے جیسے **لا ایمان لمن لا امانۃ لہ ومن غشّ فلیس منّا۔** جواب یہ ہے کہ یہ زجر علی سبیل المبالغہ پر محمول ہے نیز کمال ایمان کی نفی ہے نفس ایمان کی نہیں، نیز وہ شخص مراد ہے جو یہ کام حلال سمجھ کر کرے۔

❷ اہل السنۃ والجماعۃ کے اقوال میں تطبیق: حقیقت میں غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ متکلمین اور محدثین کے درمیان یہ اختلاف محض تعبیر کا ہے اور حقیقت میں ان کے درمیان ماہیت ایمان کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ محدثین کے نزدیک مرتکب کبیرہ مخلد فی النار نہیں اور متکلمین کے نزدیک اعمال صالحہ یا سیئہ غیر مؤثر نہیں، دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ اعمال سیئہ موجب عقاب ہیں اور اعمال صالحہ موجب ثواب ہیں۔ نفس تصدیق **منجی من الخلود فی النار** ہے اور **تصدیق مع العمل الصالح ومع اجتناب الکبائر منجی من الدخول فی النار** ہے، چنانچہ امام رازی، امام غزالی، ملا علی قاری اور حافظ ابن تیمیہ رحمہم اللہ نے فریقین کے اس اختلاف کو نزاع لفظی قرار دیا ہے۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ ایسے اکابر علماء محققین کے بارے میں یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ نزاع لفظی میں اُلجھے ہیں جبکہ نزاع لفظی کوئی معقول کام نہیں۔ جواب یہ ہے کہ در حقیقت تعبیر کا یہ اختلاف اپنے اپنے مخاطبین کے مختلف حالات سے پیدا ہوا کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور حنفیہ میں متکلمین کے پیش نظر معتزلہ اور خوارج کا رد تھا، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو خوارج اور معتزلہ سے مناظروں کی بھی نوبت آئی جو اعمال کو ایمان کا جزء ماہیت قرار دیتے تھے ان پر رد کرنے کیلئے سد ذریعہ کے طور پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ وغیرہ کو ایسی تعبیر اختیار کرنی پڑی کہ جس میں معتزلہ اور خوارج کے مذہب کے ساتھ کسی قسم کا التباس پیدا نہ ہو (چنانچہ جس طرح کی جزئیت کے مدعی معتزلہ اور خوارج تھے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور متکلمین نے اس کا انکار کیا) اور محدثین امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہ کے پیش نظر مرجئہ کا جو فتنہ پھیلا ہوا تھا اس کا رد کرنا تھا، ان کو ایسی تعبیر اختیار کرنی پڑی جس میں مرجئہ کے ساتھ کسی قسم کا اشتباہ پیدا نہ ہو (چنانچہ مرجئہ جس طرح کی بساطت ایمان (ایمان کے بسیط ہونے) کے مدعی تھے محدثین نے اس کا انکار کیا)۔

محدثین نے اعمال کی اہمیت کو مرجئہ کے مقابلہ میں واضح کرنے کے لئے اعمال کو جزء ایمان کہا مگر ان کی مراد یہ تھی کہ اعمال ایمان کے لئے ایسے جزء ہیں کہ ان کے بغیر پورا مقصد حاصل نہیں ہوتا جیسے پتوں، پھولوں، پھل اور شاخ کے بغیر درخت کا مقصود پورا حاصل نہیں ہوتا لیکن ان کے انتفاء سے درخت معدوم نہیں ہو جاتا، برخلاف اس کے کہ اگر جڑ ہی نہ ہو تو درخت معدوم ہو جاتا ہے تو محدثین کے نزدیک تصدیق بمنزلہ جڑ کے ہے اور اس کے انعدام سے ایمان بالکلیہ ختم ہو جاتا ہے اور اعمال صالحہ شاخوں کی طرح

ٹہنیاں کے معدوم ہو جانے سے درخت بالکلیہ معدوم نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ محدثین و متکلمین کی تعریفوں میں جو اختلاف نظر آتا ہے وہ اس طرح با آسانی رفع کیا جا سکتا ہے کہ یوں کہا جائے کہ متکلمین نے ایمان کی مجرد ماہیت کی تعریف کی ہے اور محدثین نے مجرد ماہیت کی نہیں بلکہ ایمان اور اس کے متعلقات وآثار وثمرات کے مجموعے کی تعریف کی ہے، دوسرے لفظوں میں متکلمین نے ایمان منجی من الخلود فی النار کی تعریف کی ہے اور محدثین نے ایمان منجی من الدخول فی النار کی۔ (درس مسلم ص ۱۹۵)

## السوال الثالث (الشمائل) ۱۴۳۶ھ

**الشق الاول** ...... كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَخْمًا مُفَخَّمًا يَتَلَأْلَأُ وَجْهُهُ تَلَأْلُؤَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ أَطْوَلُ مِنَ الْمَرْبُوعِ وَأَقْصَرُ مِنَ الْمُشَذَّبِ ...... أَزَجُّ الْحَوَاجِبِ سَوَابِغَ مِنْ غَيْرِ قَرَنٍ بَيْنَهُمَا عِرْقٌ يُدِرُّهُ الْغَضَبُ أَقْنَى الْعِرْنِينِ لَهُ نُورٌ يَعْلُوهُ يَحْسِبُهُ مَنْ لَمْ يَتَأَمَّلْهُ أَشَمَّ۔ (ص ۲، قدیمی)

اشرح الكلمات المعلمة بالخط لغة وصرفا. شكل الحديث بالضبط. ترجم الحديث بالاردية.

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) کلمات معلمہ کی لغوی وصرفی تحقیق (۲) حدیث پر اعراب (۳) حدیث کا ترجمہ۔

**جواب** ...... ❶ **کلمات معلمہ کی لغوی وصرفی تحقیق:**۔ "فَخْمٌ" یہ باب کرم سے صفت کا صیغہ ہے بمعنی عظیم المرتبہ۔

"مُفَخَّمٌ" صیغہ واحد مذکر بحث اسم مفعول از مصدر تَفْخِيْمٌ (تفعیل) بمعنی تعظیم کرنا۔

"مُشَذَّبٌ" صیغہ واحد مذکر بحث اسم مفعول از مصدر تَشْذِيْبٌ (تفعیل) بمعنی صاف کرنا، چھپانا۔

"أَزَجُّ" صیغہ واحد بحث صفت از مصدر زَجِجٌ ناک بلندی مائل تھی اور اس پر ایک چمک و نور تھا، ابتداءً دیکھنے والا آپ ﷺ کو بڑی ناک والا سمجھتا تھا۔ زَجَجًا (ضرب) بمعنی لمبی وباریک ابرو والا ہونا۔

"حَوَاجِبُ" یہ حَاجِبٌ کی جمع ہے بمعنی ابرو، مصدر حِجَابًا (نصر) بمعنی چھپانا، حائل ہونا۔

"سَوَابِغُ" یہ سَابِغٌ اسم فاعل کی جمع ہے از مصدر سُبُوْغًا (نصر) بمعنی لمبا ہونا، پورا ہونا۔

"عِرْقٌ" یہ مفرد ہے اس کی جمع عِرَاقٌ، عُرُوْقٌ، أَعْرَاقٌ ہے بمعنی رگ۔

"يُدِرُّ" صیغہ واحد مذکر غائب بحث مضارع معلوم از مصدر دَرًّا (نصر وضرب) بمعنی بھرنا، جوش مارنا۔

"أَقْنٰى" صیغہ واحد مذکر بحث اسم تفضیل از مصدر قَنْوًا (سمع) بمعنی نتھنوں کا تنگ اور درمیان سے اونچا ہونا۔

"عِرْنِيْنٌ" یہ مفرد ہے اس کی جمع عَرَانِيْنُ ہے بمعنی ناک، ناک کا سخت حصہ، سردار۔

"أَشَمُّ" صیغہ واحد بحث صفت از مصدر شَمٌّ (نصر وسمع) بمعنی سونگھنا۔

❷ **حدیث پر اعراب:**۔ كما مرّ فی السوال آنفا۔

❸ **حدیث کا ترجمہ:**۔ رسول اللہ ﷺ خود اپنی ذات میں بھی شاندار تھے اور لوگوں کی نظروں میں بھی بڑے رتبے والے تھے آپ ﷺ کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا، آپ ﷺ کا قد مبارک متوسط قد والے آدمی سے کچھ طویل تھا اور طویل قد والے سے کچھ پست تھا، آپ ﷺ کے ابرو خمدار باریک و گنجان تھے، دونوں ابرو جدا جدا تھے، ان دونوں ابرو کے درمیان ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت ابھر جاتی تھی۔ آپ ﷺ کی

**الشق الثانی** ...... قَالَتِ الْحَادِيَةَ عَشْرَةَ: زَوْجِيْ أَبُوْ زَرْعٍ وَمَا أَبُوْ زَرْعٍ؟ أَنَاسَ مِنْ حُلِيٍّ أُذُنَيَّ، وَمَلَأَ مِنْ

شَحْمِ عَضُدَيَّ، وَبَجَّحَنِي فَبَجِحَتْ إِلَيَّ نَفْسِي وَجَدَنِي فِي أَهْلِ غُنَيْمَةٍ بِشِقٍّ، فَجَعَلَنِي فِي أَهْلِ صَهِيلٍ وَأَطِيطٍ وَدَائِسٍ وَمُنَقٍّ، فَعِنْدَهُ أَقُولُ فَلَا أُقَبَّحُ، وَأَرْقُدُ فَأَتَصَبَّحُ وَأَشْرَبُ فَأَتَقَمَّحُ، أُمُّ أَبِي زَرْعٍ فَمَا أُمُّ أَبِي زَرْعٍ، عُكُومُهَا رَدَاحٌ، وَبَيْتُهَا فَسَاحٌ، اِبْنُ أَبِي زَرْعٍ، وَمَا ابْنُ أَبِي زَرْعٍ، مَضْجَعُهُ كَمَسَلِّ شَطْبَةٍ، وَتُشْبِعُهُ ذِرَاعُ الْجَفْرَةِ، بِنْتُ أَبِي زَرْعٍ، فَمَا بِنْتُ أَبِي زَرْعٍ، طَوْعُ أَبِيهَا وَطَوْعُ أُمِّهَا وَمِلْءُ كِسَائِهَا، وَغَيْظُ جَارَتِهَا، جَارِيَةُ أَبِي زَرْعٍ، فَمَا جَارِيَةُ أَبِي زَرْعٍ، لَا تَبُثُّ حَدِيثَنَا تَبْثِيثًا، وَلَا تُنَقِّثُ مِيرَتَنَا تَنْقِيثًا، وَلَا تَمْلَأُ بَيْتَنَا تَعْشِيشًا، قَالَتْ: خَرَجَ أَبُو زَرْعٍ وَالْأَوْطَابُ تُمْخَضُ، فَلَقِيَ امْرَأَةً مَعَهَا وَلَدَانِ لَهَا كَالْفَهْدَيْنِ، يَلْعَبَانِ مِنْ تَحْتِ خَصْرِهَا بِرُمَّانَتَيْنِ، فَطَلَّقَنِي وَنَكَحَهَا، فَنَكَحْتُ بَعْدَهُ رَجُلًا سَرِيًّا رَكِبَ شَرِيًّا وَأَخَذَ خَطِّيًّا وَأَرَاحَ عَلَيَّ نَعَمًا ثَرِيًّا وَأَعْطَانِي مِنْ كُلِّ رَائِحَةٍ زَوْجًا وَقَالَ: كُلِي أُمَّ زَرْعٍ وَمِيرِي أَهْلَكِ، فَلَوْ جَمَعْتُ كُلَّ شَيْءٍ أَعْطَانِيهِ مَا بَلَغَ أَصْغَرَ آنِيَةِ أَبِي زَرْعٍ، قَالَتْ عَائِشَةُ: فَقَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ: (كُنْتُ لَكِ كَأَبِي زَرْعٍ لِأُمِّ زَرْعٍ) ([illegible]) شكل الحديث ثم ترجمه.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں دو امور مطلوب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ۔

**جواب** ...... ① **حدیث پر اعراب:** کما مر فی السؤال آنفا۔

② **حدیث کا ترجمہ:** گیارہویں عورت ام زرع نے کہا میرا خاوند ابو زرع تھا۔ ابو زرع کی کیا تعریف کروں زیوروں سے میرے کان جھکا دیئے (اور کھلا کھلا کر) چربی سے میرے بازو پُر کر دیئے مجھے ایسا خوش وخرم رکھا کہ میں خود پسندی اور عجب میں اپنے آپ کو بھلی لگنے لگی، مجھے اس نے ایک ایسے غریب گھرانہ میں پایا تھا جو بڑی تنگی کے ساتھ چند بکریوں پر گزارہ کرتے تھے اور وہاں سے ایسے خوش حال خاندان میں لے آیا تھا جن کے یہاں گھوڑے اونٹ کھیتی کے بیل اور کسان تھے (ہر قسم کی ثروت موجود تھی) (اس سب کے باوجود اس کی خوش خلقی کہ) میری کسی بات پر بھی مجھے برا نہیں کہتا تھا، میں دن چڑھے تک سوتی رہتی تو کوئی جگا نہیں سکتا تھا، کھانے پینے میں ایسی وسعت کہ میں سیر ہو کر چھوڑ دیتی تھی (اور ختم نہ ہوتا تھا) ابو زرع کی ماں (میری خوشدامن) بھلا اس کی کیا تعریف کروں اس کے بڑے بڑے برتن ہمیشہ بھرپور رہتے تھے۔ اس کا مکان نہایت وسیع تھا (یعنی مالدار بھی تھی اور عورتوں کی عادت کے موافق بخیل بھی نہیں تھی اسلئے کہ مکان کی وسعت سے مہمانوں کی کثرت مراد لی جاتی ہے) ابو زرع کا بیٹا بھلا اس کا کیا کہنا وہ بھی ابو زرع کا نور ایسا پتلا دبلا چھریرے بدن کا کہ اس کے سونے کا حصہ (یعنی پسلی وغیرہ) کھنچی ہوئی ٹہنی یا کھنچی ہوئی تلوار کی طرح باریک، بکری کے بچے کی ایک دستی اس کا پیٹ بھرنے کیلئے کافی (یعنی ایسا بہادر کہ سونے کیلئے لمبے چوڑے انتظامات کی ضرورت نہ تھی سپاہیانہ زندگی ہو اسی جگہ میں تھوڑا بہت لیٹ لیا اسی طرح کھانے میں بھی مختصر مگر بہادری کے مناسب گوشت کے دو چار ٹکڑے اس کی غذا تھی)۔

ابو زرع کی بیٹی کی تو کیا ہی بات ہے، ماں کی تابعدار اور باپ کی فرمانبردار موٹی تازی اور سوکن کے غیظ وغضب کا سبب تھی، ابو زرع کی باندی کی بھی کیا ہی بات ہے ہمارے گھر کی بات کبھی باہر جا کر نہ کہتی تھی کھانے کی چیز بھی بے اجازت خرچ نہیں کرتی تھی اور ہمارے گھر کو کوڑا کرکٹ سے نہیں بھرتی تھی، وہ عورت کہتی ہے کہ ایک مرتبہ ابو زرع نکلا اس حال میں کہ دودھ والے برتن دودھ کیلئے بلوئے جا رہے تھے تو اس کو ملا وہ ایک عورت سے جس کے ساتھ اس کے بچے تھے مثل چیتوں کے جو اس کے آگے دو اناروں کے ساتھ کھیل رہے تھے، اس (ابو زرع) نے مجھے طلاق دیدی اور اس عورت سے نکاح کر لیا پھر میں نے اس کے بعد ایک سردار شریف آدمی سے نکاح کیا جو شہسوار اور سپہ گر تھا اس نے مجھے بہت نعمتیں و مال دیا اور مجھے ہر قسم کے جانوروں میں سے جوڑا دیا اور کہا کہ اے ام زرع خود بھی کھا اور اپنے میکے بھی بھیج دے لیکن اگر میں جمع کروں ان تمام نعمتوں کو جو اس نے مجھے دی ہیں وہ سب بھی ابو زرع کے چھوٹے سے چھوٹے برتن کے برابر بھی نہیں ہو سکتیں،

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تیرے لئے ایسے ہی ہوں جیسے ابوزرع ام زرع کیلئے تھا۔

## ﴿الورقة الاولى: السنن مع الشمائل﴾

## ﴿السوال الاول﴾ (سنن النسائی) ١٤٣٧ھ

**الشق الاول** ......عن يعلى ان رسول الله ﷺ رأى رجلا يغتسل بالبراز فصعد المنبر فحمد الله واثنى عليه وقال: ان الله عزوجل حليم حيي ستير يحب الحياء والستر فاذا اغتسل احدكم فليستتر. (ص۴۰۔ قدیمی)

عن ابى هريرة قال قال رسول الله ﷺ بينما ايوب عليه السلام يغتسل عريانا اخر عليه جراد من ذهب فجعل يحثى فى ثوبه قال فناداه ربه عزوجل: ياايوب الم اكن اغنيتك؟ قال بلى يارب ولكن لاغنى بى عن بركاتك

ترجم الحديثين . كيف اغتسل ايوب عليه السلام عريانا من غير تستر مع ان الاغتسال بلاتستر خلاف الحيا والمروة؟. وردفى الحديث الثانى: خرعليه جرادمن ذهب هل كان هذا الجراد السلقط عليه جراد حقيقة؟.

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں۔(۱) احادیث کا ترجمہ (۲) حضرت ایوبؑ کے بغیر ستر غسل کرنے کی توجیہ (۳) جراد کی حقیقت۔

**جواب** ......① احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت یعلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو کھلے میدان میں (ننگے) غسل کرتے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ منبر پر چڑھے، اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی اور فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ بردبار وحیاء والے ہیں، پردہ پوش ہیں، حیاء و پردہ پوشی کو پسند کرتے ہیں، پس جب تم میں سے کوئی شخص غسل کرے تو وہ اپنے ستر کو چھپایا کرے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے عریاناً غسل کرنے کی حالت میں ان پر سونے کی ٹڈیاں گرنے لگیں تو حضرت ایوب علیہ السلام نے انکو کپڑے میں سمیٹنا شروع کر دیا، اللہ تعالیٰ نے انکو آواز دی کہ اے ایوب! کیا میں نے تجھے غنی نہیں کیا؟ تو ایوب علیہ السلام نے جواب دیا کہ اے پروردگار! آپ نے مجھے غنی کیا ہے مگر میں آپ کی برکات سے غنی اور بے پرواہ نہیں ہوں۔

② حضرت ایوب علیہ السلام کے بغیر ستر غسل کرنے کی توجیہ:۔ کھلی جگہ و میدان میں غسل کے وقت ستر چھپا کر غسل کرنا افضل ہے لیکن اگر کسی نے کپڑے وغیرہ سے پردہ نہیں کیا اور اس طرف لوگوں کی آمد و رفت کا بھی کوئی اندیشہ نہیں ہے تو ایسی صورت میں کوئی گناہ نہیں ہے اور حضرت ایوب علیہ السلام کی بھی لامحالہ ان دو صورتوں میں سے کوئی ایک صورت ہوگی کیونکہ پیغمبر کی شان سے خلاف شریعت وطبیعت کام بعید ہے اور علیحدگی و تنہائی میں غسل کرنا جیسا کہ آج کل حمام وغیرہ ہیں یہ بھی جائز ہے۔ (شرح نسائی)

نیز ممکن ہے کہ انکی شریعت میں بغیر ستر غسل جائز ہو۔

③ جراد کی حقیقت:۔ غالب یہ ہے کہ یہ حقیقۃً جراد نہ تھی بلکہ جراد کی شکل میں بلا روح سونے کی کوئی چیز تھی۔ (حاشیہ)

**الشق الثانی** ......عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: جاء أعرابى إلى النبى ﷺ يسأله عن الوضوء، فأراه الوضوء ثلاثا ثلاثا، ثم قال: هكذا الوضوء، فمن زاد على هذا أساء وتعدى وظلم.

اذكر أقوال العلماء فى إسناد "عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده": من الذى يحتج به ومن يرده؟ وما هى أدلتهم؟ ترجم الحديث. وقد وردت هذه الرواية عند أبى داود، وفيها: "هكذا الوضوء فمن زاد على هذا أو نقص فقد أساء وظلم" اذكر التوجيهات التى ذكرها العلماء هذه العبارة. (ص۲۳۔ الف۔ رحمانیہ)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده کی سند پر کیا

(۲) حدیث کا ترجمہ (۳) فمن زاد علی هذا او نقص فقد اساء وظلم کی توجیہات۔

جواب ...... ❶ عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده کی سند پر بحث:۔ عمرو بن شعیب کی جو روایت عن ابیه عن جده کے طریق سے مروی ہے اس پر طویل کلام ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ محدثین کی ایک جماعت اس سند سے مروی روایت کو قابل استدلال نہیں سمجھتی ان حضرات محدثین کا کہنا ہے کہ شعیب کا سماع اپنے دادا حضرت عبداللہ بن العاص رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے چنانچہ امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں وقد روی عبیدالله بن عمر العمری وهو من الائمة العدول عن عمرو بن شعیب عن ابیه قال کنت جالسا عندعبدالله بن عمرو بن العاص فجاء رجل فاستفتاه فی مسئلة فقال یاشعیب امض معه الی ابن عباس فقد صح بهذا سماع شعیب من جده عبدالله وقد اثبت سماعه منه احمد بن حنبل وغیره نیز مستدرک حاکم کی ایک روایت سے بھی شعیب کا سماع عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ثابت ہوتا ہے عن عمرو بن شعیب عن ابیه أن رجلا اتی عبدالله بن عمرو یسأله عن محرم الخ امام حاکم اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں هذاحدیث ثقات رواته حفاظ وهو کالاخذبالید فی صحة سماع شعیب ابن محمد عن جده عبدالله بن عمرو۔ یہی وجہ ہے کہ عمرو بن شعیب عن ابیه الخ کی سند سے مروی روایات کو اکثر محدثین نے صحیح اور قابل استدلال قرار دیا ہے چنانچہ حافظ عبدالغنی مصری رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں نقل کرتے ہیں انه سئل أیحتج به؟ فقال رایت احمد بن حنبل وعلی بن المدینی والحمیدی واسحاق بن راهویه یحتجون بعمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ماترکه احدمن المسلمین، اس کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایامن الناس بعد هم، نیز حسن ابن سفیان اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں قال عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده کأیوب عن نافع عن ابن عمر (وهذاالتشبیه فی نهایة الجلالة من مثل اسحاق رحمه الله) بہر حال جمہور محدثین کے نزدیک انکی تمام روایات صحیح اور مقبول ہیں اگر چہ بعض حضرات نے ان کی روایات کو وجادۃ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ شعیب کا سماع اپنے دادا عبداللہ سے ثابت نہیں ہے ان کے پاس اپنے دادا کا صحیفہ صادقہ موجود تھا اور وہ اس سے روایات بیان کرتے تھے بہر حال جو بھی صورت ہو یہ روایات مقبول ہیں چنانچہ صحیفہ صادقہ کی روایات بھی بیشتر کتب احادیث میں مروی ہیں۔ (درس ترمذی ج ۱ ص ۲۳۹)

❷ حدیث کا ترجمہ:۔ عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده کی سند سے مروی ہے کہ ایک اعرابی دیہاتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نے وضو کے متعلق سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تین مرتبہ (اعضاء دھو کر) وضو کر کے دکھایا، پھر ارشاد فرمایا کہ یہ وضو کا طریقہ ہے پس جو شخص اس پر زیادتی کرے گا اس نے برا کیا، حد سے تجاوز کیا اور ظلم کیا۔

❸ فمن زاد علی هذا او نقص فقد اساء وظلم کی توجیہات:۔ اس حدیث میں مشہور اشکال ہے وہ یہ کہ نقص عن الثلاث متعدد احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، ہاں البتہ زیادۃ علی الثلاث ثابت نہیں تو جو چیز آپ سے ثابت ہے اس کو اساءۃ اور ظلم کیوں کہا جا رہا ہے۔ نیز اس حدیث کی بناء پر ابو حامد اسفرائنی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض علماء سے نقل کیا کہ ان کے نزدیک نقص عن الثلاث ناجائز ہے اور ایسے ہی دارمی نے بعض علماء سے نقل کیا کہ ان کے نزدیک وضوء کے اندر زیادۃ علی الثلاث مبطل وضوء ہے جیسا کہ زیادۃ فی الصلوٰۃ مفسد صلوٰۃ ہے علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اختلاف کو غرائب میں شمار کیا ہے۔

بہر حال اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں لفظ نقص ثابت نہیں وہم راوی ہے، چنانچہ یہ حدیث نسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں ہے، ان تمام کتب میں اس حدیث میں لفظ نقص مذکور نہیں صرف لفظ زاد ہے۔

لیکن اگر اس لفظ کو ثابت مان لیا جائے تو اسکی تاویل یہ کی جائے گی کہ نقص سے مراد نقص عن مرة واحدة ہے یعنی ایک مرتبہ بھی

تمام اعضاء کو اچھی طرح نہیں دھویا اس صورت میں نقص کا اساءۃ اور ظلم ہونا ظاہر ہے۔ دوسری تاویل یہ ہو سکتی ہے کہ یہاں شرط کی جانب میں دو چیزیں مذکور ہیں زاد اور نقص اسی طرح جانب جزاء میں دو چیزیں مذکور ہیں اساء اور ظلم تو اساءۃ کا تعلق نقص سے اور ظلم کا تعلق زاد سے ہے۔ اس صورت میں اشکال واقع نہ ہوگا اسلئے کہ نقصان کو اساءت اور زیادتی کو ظلم کہا جا رہا ہے یا یوں کہا جائے کہ مجموعہ مجموعہ پر مرتب ہو رہا ہے، ہر ایک کو الگ الگ ظلم واساءۃ نہیں کہا جا رہا ہے۔ (امداد المحمود ج ۱ ص ۴۷)

## ﴿السوال الثالث﴾ (الشمائل) ۱۴۳۷ھ

**الشق الاول**......عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ قال: لا يمشين أحدكم في نعل واحد، لينعلهما جميعا أو ليحفهما جميعا۔ (ص ۳ ترمذی) اذکر ما ذکر الامام الترمذي في صفة نعل رسول الله ﷺ وتنعله ۔ ترجم الحديث واذکر وجه التطبيق بين هذا الحديث و بين الحديث الذي ورد فيه أنه كان يمشي بنعل واحد

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) رسول اللہ ﷺ کے نعل و تنعل کی وضاحت (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) تنعل کی روایات میں تطبیق۔

**جواب**...... ❶ رسول اللہ ﷺ کے نعل و تنعل کی وضاحت:۔ شمائل ترمذی میں مذکور روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے نعلین کے دو تسمے تھے اور بعض روایات کے مطابق ہر تسمہ میں دو تسمے تھے۔ آپ ﷺ کے نعلین کے پیچھے دو چمڑے لگے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ ایک جوتا نہیں پہنتے تھے یا دونوں پہن کر چلتے تھے یا ننگے پاؤں چلتے تھے اور دوسروں کو بھی ایک جوتا پہن کر چلنے سے منع کرتے تھے، جوتا پہنتے وقت پہلے دایاں پاؤں پہنتے تھے پھر بایاں پاؤں پہنتے تھے اور جوتا اتارتے وقت پہلے بایاں پاؤں اتارتے تھے پھر دایاں پاؤں اتارتے تھے۔

❷ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی بھی ایک جوتے میں نہ چلے، چاہیے کہ دونوں جوتے پہن لے یا دونوں جوتے اتار دے۔

❸ تنعل کی روایات میں تطبیق:۔ بظاہر روایات میں تعارض ہے اسلئے کہ اس حدیث میں آپ ﷺ نے ایک جوتا پہن کر چلنے سے منع کیا ہے کہ یا دونوں جوتے پہنو یا دونوں جوتے اتار دو جبکہ بعض روایات کے مطابق آپ ﷺ کا ایک جوتا پہن کر چلنا ثابت ہے۔

پہلی توجیہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دائمی طور پر اس طرح عادت بنانے سے منع فرمایا ہے، پس مجبوری کی وجہ میں مثلاً جوتا ٹوٹنے کی صورت میں یا ایک پاؤں میں کسی تکلیف کی صورت میں یا دوسرا جوتا کچھ فاصلہ پر ہونے کی صورت میں دو چار قدم چلنے میں کوئی قباحت و ممانعت نہیں ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہ نہی تحریمی نہیں بلکہ ارشادی ہے اور فعل بیانِ جواز کے لئے ہے۔

## ﴿الورقة الاولى: السنن والشمائل﴾

## ﴿السوال الاول﴾ (سنن النسائي) ۱۴۳۸ھ

**الشق الاول**......أخبرنا عمرو بن علي قال حدثنا ابو عاصم قال حدثنا ايمن بن نابل قال حدثنا ابوالزبير عن جابر بن عبدالله قال: كان رسول الله ﷺ يعلمنا التشهد كما يعلمنا السورة من القرآن: بسم الله و بالله التحيات لله و الصلوات والطيبات، السلام عليك ايها النبي و رحمة الله و بركاته، السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين، أشهد ان لا اله الاالله وان محمدا عبده ورسوله، واسال الله الجنة واعوذ به من النار، قال ابوعبدالرحمن: لانعلم أحدا تابع ايمن بن نابل على هذه الرواية، و

ایمن عندنا لابأس به، والحدیث خطأ وبالله التوفیق۔ (ص۲۰۵۔ج۱۔ نسائی)

اذکر اختلاف العلماء فی کلمات التشهد ایها افضل؟ اذکر وجوہ ترجیح الحنفیة واشرح قول ابی عبدالرحمن۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) افضل کلمات تشہد میں اختلاف (۲) حنفیہ کی وجہ ترجیح (۳) ابوعبدالرحمٰن کے قول لانعلم احدا تابع ایمن الخ کی تشریح۔

**جواب** ...... ❶ **افضل کلمات تشہد میں اختلاف:-** تشہد کے الفاظ چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں اور ان سب کے الفاظ میں تھوڑا تھوڑا فرق ہے اس پر اتفاق ہے کہ ان میں سے جو صیغہ بھی پڑھ لیا جائے جائز ہے البتہ افضلیت میں اختلاف ہے۔

حنفیہ وحنابلہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے معروف تشہد کو ترجیح دی ہے عن عبدالله بن مسعود قال: علمنا رسول الله ﷺ اذا قعدنا فی الرکعتین ان نقول "التحیات لله والصلوات والطیبات الخ۔

امام مالک رحمہ اللہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے تشہد کو ترجیح دی ہے التحیات لله الزاکیات لله الطیبات الصلوات لله السلام علیك الخ۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے تشہد کو ترجیح دی ہے قال کان رسول الله ﷺ یعلمنا التشهد کما یعلمنا القرآن فکان یقول التحیات المبارکات الصلوات الطیبات لله سلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبرکاته سلام علینا الخ۔ (درس ترمذی ج۲ ص۵۸)

❷ **حنفیہ کی وجوہ ترجیح:-** ① حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت اصح ما فی الباب ہے کما صرح به الترمذی۔ ② یہ ان چھ روایات میں سے ہے جو تمام صحاح ستہ میں مروی ہیں اور کمال یہ ہے کہ اس تشہد کے الفاظ میں کہیں معمولی اختلاف نہیں ہے جبکہ دوسرے تمام تشہد کے الفاظ میں اختلاف موجود ہے وذلك نادر جدا ③ اس میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے تصریح کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے اس تشہد کی تعلیم میرا ہاتھ پکڑ کر دی تھی جو مزید اہتمام پر دال ہے بلکہ یہ روایت مسلسل بالاخذ بالید بھی ہے۔ ④ امام محمد رحمہ اللہ نے مؤطا میں لکھا ہے کہ کان عبدالله بن مسعود یکره ان یزداد فیه حرف او ینقص منه حرف اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس تشہد کو کتنے اہتمام سے یاد کیا تھا اور ان کی نظروں میں اس کی کتنی اہمیت تھی۔ ⑤ اس کا ثبوت صیغۂ امر کے ساتھ ہوا ہے چنانچہ احادیث میں اس کیلئے فلیقل، قولوا اور فقولوا کے الفاظ آئے ہیں جبکہ دیگر روایات محض حکایت واقعہ ہیں۔

ان کے علاوہ بھی بہت سی وجوہ ترجیح موجود ہیں جن کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں۔ (ایضاً)

❸ **ابوعبدالرحمٰن کے قول لانعلم احدا تابع ایمن الخ کی تشریح:-** اس حدیث کے بارے میں امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ اس روایت میں ایمن بن نابل کی کسی نے متابعت کی ہو اور ہمارے نزدیک ایمن بن نابل میں کوئی برائی نہیں البتہ ان کی یہ حدیث صحیح نہیں۔ امام نسائی رحمہ اللہ نے راوی حدیث ایمن بن نابل کی جس غلطی کی طرف اشارہ کیا ہے اس کی شارحین حدیث کے کلام سے دو معلوم ہوتی ہیں۔ ① بسم الله وبالله کی زیادتی کو خطا قرار دے رہے ہیں جو صرف امام ایمن بن نابل نے اس تشہد کے شروع میں بیان کی ہے اس پر کسی محدث نے ان کی متابعت نہیں کی اور جتنے تشہدات احادیث مرفوعہ سے ثابت ہیں ان میں سے کسی کے شروع میں اس زیادتی کا ذکر نہیں لہٰذا یہ زیادتی جو اس تشہد کے شروع میں نقل کی ہے درست نہیں ہے اور اس کے عدم اعتبار پر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع فاذا قعد احدکم فلیکن اول قوله التحیات لله ہے جس سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ تشہد کے شروع میں تسمیہ کی زیادتی صحیح نہیں اس کی تائید حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے انکار سے ہوتی ہے کہ جو شخص التحیات لله پر زیادتی کرتا اس پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ انکار فرماتے تھے۔ بہر حال جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اول تشہد میں تسمیہ

سنت تشہد میں سے نہیں چنانچہ علامہ نووی رحمہ اللہ نے الاذکار میں لکھا ہے کہ ائمہ حدیث میں سے امام بخاری رحمہ اللہ اور نسائی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تشہد کے شروع میں زیادتی تسمیہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں لہٰذا ہمارے جمہور اصحاب کہتے ہیں کہ تشہد کے شروع میں تسمیہ مستحب نہیں ہے۔

② ایمن بن نابل رحمہ اللہ نے اسناد میں بھی خطاء کی ہے کہ صرف انہوں نے حدیث کو بواسطہ ابی الزبیر حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے حالانکہ بواسطہ ابی الزبیر حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرنا صحیح نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا انہ اخطأ فی اسناده وان الصواب روایته ابی الزبیر عن طاؤس وغیره عن ابن عباس قاله الحافظ فی الفتح۔

حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص میں لکھا ہے کہ اس حدیث کے رجال ثقات ہیں مگر ایمن بن نابل نے اس کی اسناد میں خطا کی ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ لیث نے اس کی مخالفت کی ہے اور لیث ابو الزبیر سے روایت کرنے والوں میں سب سے زیادہ ثقہ ہیں اور وہ عن جابر نہیں کہتے بلکہ وہ عن ابی الزبیر عن طاؤس وسعید عن ابن عباس کہتے ہیں اور بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عن ابی الزبیر عن جابر میں ایمن بن نابل منفرد ہیں اور صحیح اسناد وہ ہے جو لیث نے عن ابی الزبیر عن سعید بن جبیر وطاؤس عن ابی عباس نقل کی ہے اور اسی طرح اس کو عبد الرحمن بن حمید الرواسی نے ابو الزبیر سے لیث کی مثل نقل کیا ہے۔ (شرح نسائی ج ۲ ص ۷۷۵)

**الشق الثانی** ......عن قتادة عن الحسن عن سمرة قال: قال رسول الله ﷺ: من توضأ یوم الجمعة فبها و نعمت ومن اغتسل فالغسل افضل. قال ابو عبدالرحمن: الحسن عن سمرة کتاب، ولم یسمع الحسن من سمرة الا حدیث العقیقة. (ص ۲۲۱۔ج ۱۔رحمانیہ) اذکر اختلاف العلماء فی حکم غسل الجمعة مع ادلتهم. اشرح قول ابی عبدالرحمن و اذکر اقوال العلماء فی سماع الحسن عن سمرة.

﴿خلاصہ سوال﴾......اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) غسل جمعہ کے حکم میں اختلاف مع الدلائل (۲) امام نسائی کے قول الحسن عن سمرة کتاب الخ کی تشریح (۳) حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے حضرت حسن رحمہ اللہ کے سماع میں اقوال۔

**جواب** ...... ① غسل جمعہ کے حکم میں اختلاف مع الدلائل:۔ ائمہ اربعہ اور جمہور سلف وخلف کے نزدیک غسل یوم الجمعہ واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔ اہل ظاہر کے نزدیک غسل یوم الجمعہ واجب ہے، حنابلہ ومالکیہ کا بھی ایک یہی قول ہے۔

جمہور کے دلائل: ① حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث من توضأ یوم الجمعة فبها ونعمت ومن اغتسل فهو افضل اور یہ حدیث سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ ② حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے من توضأ فاحسن الوضوء، ثم اتی الجمعة فدنا واستمع وانصت غفرله۔ اس حدیث میں غسل کا ذکر ہی نہیں ہے۔ ③ حضرت عمر وعثمان رضی اللہ عنہما کی مشہور حدیث ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دیر سے جمعہ میں تشریف لائے اور غسل بھی نہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک آپ دیر سے ہیں اور پھر آئے بھی بغیر غسل کے ہیں حالانکہ آپ ﷺ نے ہمیں غسل یوم الجمعہ کا حکم دیا ہے الی اصل اگر غسل واجب ہوتا تو پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ از خود غسل کیلئے تشریف لے جاتے ورنہ کم از کم حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو غسل کیلئے واپس جانے کا حکم فرماتے ان دونوں امور میں سے کوئی بھی ثابت نہیں ہے اور پھر اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع سکوتی بھی ہو گیا کہ کسی نے اس موقعہ پر وجوب کی بات نہ کی ان تین وجوہ سے معلوم ہوا کہ غسل یوم الجمعہ واجب نہیں ہے۔

اہل ظاہر کی پہلی دلیل: یہ حدیث ہے من اتی الجمعة فلیغتسل اس میں امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کیلئے آتا ہے۔

دوسری دلیل: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ان رسول الله ﷺ قال غسل یوم الجمعة واجب علی کل محتلم، اس میں صراحت کے ساتھ وجوب غسل کا ذکر ہے۔

جمہور کی طرف سے ان دلائل کا پہلا جواب یہ ہے کہ غسل کا حکم عارض کی وجہ سے تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محنت مزدوری کرتے تھے، اون: یعنی کے کپڑے پہنتے تھے جو پسینہ سے شرابور ہوتے تھے اور مسجد انتہائی تنگ تھی اور چھت بھی نیچی تھی تو پسینہ کی بدبو کی وجہ سے آپس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تنگی ہوتی تھی اسلئے غسل کا حکم دیا گیا تھا، پھر وسعت ہوئی محنت مزدوری ختم ہوگئی مسجدیں وسیع ہوگئیں، اچھا کھانا پینا اور پہننا ہو گیا تو وہ عارض یعنی بدبو والا ختم ہوگیا، جب عارض ختم ہوگیا تو غسل والا حکم بھی ختم ہو گیا۔

نیز دوسرا جواب یہ ہے کہ امر کا صیغہ وجوب کیلئے نہیں بلکہ استحباب کیلئے ہے۔ (اسباب، الدلائل ص ۳۳۲)

❷ **امام نسائی رحمہ اللہ کے قول الحسن عن سمرة كتاب الخ کی تشریح:۔** امام نسائی رحمہ اللہ کے قول کا حاصل یہ ہے کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے صرف حدیث عقیقہ سنی ہے اس کے علاوہ کوئی حدیث نہیں سنی البتہ ان کے پاس اپنے والد کا ایک صحیفہ تھا اس میں سے احادیث بیان کیا کرتے تھے۔

❸ **حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے حضرت حسن رحمہ اللہ کے سماع میں اقوال:۔** حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے حضرت حسن کے سماع کے متعلق تین مذہب ہیں۔ ① پہلا مذہب یہ ہے کہ حسن رحمہ اللہ کا سماع سمرہ رضی اللہ عنہ سے مطلقاً ثابت ہے۔ امام ترمذی، امام بخاری اور ابن مدینی رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے۔ ② دوسرا مذہب یہ ہے کہ حسن رحمہ اللہ کا سماع سمرہ رضی اللہ عنہ سے بالکل ثابت نہیں ہے۔ ابن حبان، ابن معین اور شعبہ رحمہم اللہ نے اس کو اختیار کیا ہے۔ ③ تیسرا مذہب یہ ہے کہ حسن رحمہ اللہ نے سمرہ رضی اللہ عنہ سے صرف حدیث عقیقہ سنی ہے، امام نسائی اور دارقطنی رحمہ اللہ کا رجحان اسی طرف ہے۔ (درایہ ترمذی ج۲ ص ۳۳۲، انوار المشکوٰۃ ج ص ۲۸۵)

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۲۸ھ

**الشق الاول** ...... **اكتب ترجمة حول الامام النسائي بحيث تكون الترجمة حاوية على اسمه ونسبه ونسبته وشهرته ومولده ووفاته وشيوخه وتلاميذه و مصنفاته ومزايا كتابه و خصائصه و درجته بين الصحاح .**

**جواب** ...... **امام نسائی کا مکمل تعارف:۔** نسب: امام نسائی کا نام احمد بن شعیب، کنیت ابو عبدالرحمٰن، لقب حافظ الحدیث اور نسبت نسائی خراسانی ہے، مکمل سلسلۂ نسب و امام حافظ الحدیث ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر بن دینار نسائی خراسانی ہے۔

ولادت: آپ کی ولادت میں مختلف اقوال ہیں۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے راجح و صحیح قول کے مطابق لکھا ہے کہ آپ کی ولادت ۲۱۵ھ یا ۲۱۴ھ میں ہے۔ وفات: امام نسائی نے فلسطین میں ۱۳ صفر المظفر ۳۰۳ھ کو بروز پیر اٹھاسی سال کی عمر میں وفات پائی۔

اسفار: امام نسائی رحمہ اللہ غیر معمولی ذہین تھے، ابتدائی تعلیم سے فراغت کے بعد طلب حدیث کے شوق میں دور دراز شہروں کا سفر کیا جن میں حجاز، عراق، شام، جزائر اور خراسان شامل ہیں۔

شیوخ: امام نسائی رحمہ اللہ نے اسحٰق بن راہویہ، اسحٰق بن حبیب، سلیمان بن اشعث، اسحٰق بن شاہین، حارث بن مسکین، اسحٰق بن منصور، محمود بن غیلان، قتیبہ بن سعید، اسحٰق بن موسیٰ انصاری، ابراہیم بن سعید جوہری، ابراہیم بن یعقوب جوزجانی، محمد بن بشار، علی بن حجر، ابوداؤد سجستانی، علی بن خشرم، مجاہد بن موسیٰ، احمد بن بکار، حسن بن محمد زعفرانی، احمد بن عبدہ رحمہم اللہ وغیرہم جیسے جبال علم سے کسب فیض کیا۔

تلامذہ: ویسے تو گوشہ گوشہ سے آکر طالبان علم نے امام نسائی رحمہ اللہ کے حلقۂ درس سے اپنی پیاس بجھائی مگر ان میں سے چند مشہور یہ ہیں ابوالقاسم طبرانی، ابوعلی حسین بن علی الحافظ نیا سوزی طبرانی، احمد بن عمیر، محمد بن جعفر، ابوالقاسم بن ابی العقب، ابوالمیمون بن راشد، ابوالحسن بن حزلم، ابوسعید الاعرابی، امام ابوجعفر طحاوی، محمد بن ہارون بن شعیب، ابراہیم بن محمد بن صالح بن سنان، ابوبکر احمد بن اسحٰق السنی، ابوبکر بن حداد رحمہم اللہ۔

ازواج و اولاد: امام نسائی رحمہ اللہ کی چار بیویاں اور متعدد لونڈیاں تھیں مگر

مورخین نے اولاد کا ذکر نہیں کیا، البتہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے آپ کے شاگردوں میں آپ کے ایک بیٹے عبدالکریم کا ذکر کیا ہے۔

تصانیف: خصائص علی، فضائل صحابہ، مسند علی، مسند مالک، کتاب التمییز، کتاب المدلسین، کتاب الضعفاء، تمییز کتاب الاخوۃ، مسند منصور بن زاذان، مشیخۃ النسائی، ما اغرب شعبۃ علی سفیان وسفیان علی شعبہ، اسماء الرواۃ، مناسک حج، کتاب الجرح والتعدیل، السنن الکبریٰ، السنن الصغریٰ (المجتبیٰ)۔

مسلک: علامہ سبکی رحمہ اللہ نے آپ کے شافعی المسلک ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے اور حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے آپ کو حنبلی بتایا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ آپ اہل حدیث تھے کسی خاص امام کے مقلد نہیں تھے، البتہ کثرت موافقت کی وجہ سے امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف منسوب تھے

سنن نسائی: امام نسائی رحمہ اللہ نے السنن الکبریٰ کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی تھی جو بیان تخریج اور طرق حدیث کے جمع کرنے میں بے نظیر تھی اس کی اکثر احادیث صحیح اور بعض احادیث معلول بھی تھیں پھر امام نسائی رحمہ اللہ نے بعض حضرات کی درخواست پر تمام صحیح احادیث پر مشتمل ایک مختصر کتاب لکھی جس کا نام المجتبیٰ ہے اور اسی کتاب کو سنن صغریٰ اور سنن نسائی کہتے ہیں۔

اس کتاب میں کل (۵۷۶۱) احادیث ہیں، اس کے رواۃ میں عبدالکریم بن نسائی، ابوبکر احمد بن محمد، ابو علی حسن بن خضر سیوطی، حسن بن رشیق عسکری، ابوالقاسم حمزہ بن محمد علی کنانی، ابوالحسن محمد بن عبداللہ بن زکریا، محمد بن معاویہ بن احمر، محمد بن قاسم اندلسی، علی بن ابوجعفر طحاوی، ابوبکر احمد بن مہندس ہیں۔ جن کتب کو اصول میں شمار کیا گیا ہے ان میں سنن نسائی کی بڑی اہمیت ہے چنانچہ بعض علماء مغارب نے حسن ترتیب، جامعیت اور تقسیم ابواب کی کثرت و دقت نظر کی وجہ سے سنن نسائی کو بخاری پر ترجیح دی ہے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ حافظ ابو علی نیشاپوری، ابو احمد بن عدی، ابوالحسن دارقطنی، ابو عبداللہ الحاکم، ابن مندہ، عبدالغنی بن سعید، ابو یعلیٰ خلیلی، ابو علی بن سکن اور خطیب وغیرہ نے نسائی پر صحت کا اطلاق کیا ہے۔ ابن مندہ نے کہا کہ صحیح احادیث کی کتابیں چار ہیں، بخاری، مسلم، ابوداؤد و نسائی۔ علامہ سلفی نے کہا کہ مشرق و مغرب کے علماء نے کتب خمسہ کی صحت پر اتفاق کیا ہے (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی)۔

امام نسائی رحمہ اللہ کی شرائط بڑی اہمیت کی حامل ہیں چنانچہ حافظ ابو علی، حاکم اور خطیب رحمہ اللہ وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ تخریج حدیث کے سلسلہ میں امام نسائی کی شرائط امام مسلم سے بھی زیادہ سخت ہیں۔

سنن نسائی کی خصوصیات: سنن نسائی کی خصوصیات میں جو چیزیں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

① حسن ترتیب: سنن نسائی ترتیب کے لحاظ سے ایک بہترین اور عمدہ کتاب ہے۔

② مسائل متعددہ کو ثابت کرنے کیلئے ایک روایت کو کئی جگہوں میں ذکر کرتے ہیں جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا طریقہ ہے۔

③ طرق احادیث کو خوب وضاحت کرتے ہیں اور اختلاف الفاظ کو ملحوظ رکھتے ہیں جیسا کہ امام مسلم رحمہ اللہ کا انداز ہے۔

④ بسا اوقات علل حدیث پر بھی گفتگو کرتے ہیں اور آپ کو علل حدیث میں غیر معمولی ملکہ حاصل تھا۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے آپ کو اس فن میں امام بخاری رحمہ اللہ اور ابوزرعہ رحمہ اللہ کا ہمسر قرار دیا۔

⑤ گاہ بگاہ رواۃ کے اسماء و القاب اور کنیتوں کے ابہام کی وضاحت، راویوں کے تفرد و اختلاف، متابعت و عدم متابعت، بیان سماع و عدم سماع کا ذکر، حدیث کے مرسل، متصل، ضعیف اور منکر کی نشاندہی اور الفاظ غریبہ کی توضیح بھی بیان کرتے ہیں۔ (شرح نسائی)

[illegible] ......اخبرنا علی بن حجر اخبرنا علی بن مسهر عن الاعمش عن ابی رزین و ابی صالح عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ اذا ولغ الكلب فی اناء احدكم فليرقه ثم يغسله سبع مرات . قال ابو عبدالرحمن لا اعلم احدا تابع علی بن مسهر علی قوله فليرقه . (ص ۶۷ ج ۱ نسائی)

اذکر اختلاف العلماء فی طھارۃ سؤر الکلب ونجاسته وفی طریق تطهیره بالتثلیث والتسبیع بجمیع تفاصیله فی ذلک وادلتهم، ترجم الحدیث المبارک واذکر قول ابی عبدالرحمن النسائی بایضاح وتفصیل۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ۔۔۔۔ اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں (۱) سورِ کلب کی طہارت ونجاست میں اختلاف مع الدلائل (۲) سورِ کلب کی تطہیر میں اختلاف مع الدلائل (۳) حدیث کا ترجمہ (۴) امام نسائی کے قول کی وضاحت۔

جواب ۔۔۔۔ ❶ سورِ کلب کی طہارت ونجاست میں اختلاف مع الدلائل:۔ جمہور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے ہاں سورِ کلب ناپاک ہے امام مالک رحمہ اللہ کے مشہور قول میں ولوغِ کلب سے برتن ناپاک نہیں ہوتا البتہ سات مرتبہ دھونے کا حکم تعبدی ہے۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو کہ ان الفاظ سے مروی ہے قال رسول اللہ ﷺ طھور اناء احدکم اذا ولغ فیه الکلب ان یغسله سبع مرات، یہ حدیث معمولی لفظی اختلاف سے صحاح ستہ میں مذکور ہے اور دوسری دلیل بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ان رسول اللہ ﷺ قال اذا شرب الکلب فی اناء احدکم فلیغسله سبع مرات او سبعًا (بخاری) مسلم کے الفاظ یہ ہیں فلیھرقه ثم لیغسله سبع مرات اگر پانی پاک ہوتا تو گرانے اور ضائع کرنے کا حکم نہ ہوتا کیونکہ یہ اسراف ہے جو کہ ممنوع ہے بالخصوص عرب میں اس وقت پانی کی قلت تھی۔

امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل عن ابن عمر قال کانت الکلاب تقبل وتدبر فی المسجد فی زمان رسول اللہ ﷺ فلم یکونوا یرشون شیئًا من ذلک ظاہر ہے کتا منہ کھول کر چلتا ہے تو اس کے آنے جانے میں لعاب گرتا ہوگا اگر لعاب ناپاک ہوتا تو مسجد کو دھونے کا حکم ہوتا جب لعاب ناپاک نہیں تو اس کا جھوٹا بھی ناپاک نہیں۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی طرف سے اسکا جواب یہ ہے غیر مرئی نجاست کے خشک ہونے سے زمین پاک ہو جاتی ہے۔

نیز ایک روایت میں تقبل وتدبر کیساتھ تبول (بول کرنا) کا اضافہ بھی ہے جو کہ خود مالکیہ کے نزدیک بھی ناپاک ہے۔

❷ سورِ کلب کی تطہیر میں اختلاف مع الدلائل:۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا ایک قول، امام شافعی، امام محمد ابن سیرین، اسحاق بن راہویہ، ابوثور، ابوعبید رحمہم اللہ، عروہ بن زبیر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کے نزدیک سورِ کلب سے برتن سات مرتبہ دھوئے بغیر پاک نہیں ہو سکتا۔ نیز امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان ساتوں میں سے پہلی مرتبہ رگڑنا بھی واجب ہے۔

حضرت حسن بصری اور امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ کا مشہور قول جس پر انکا فتویٰ ہے یہ ہے کہ سورِ کلب سے آٹھ مرتبہ دھونا واجب ہے ان میں سے آٹھویں مرتبہ مٹی سے مانجھنا بھی واجب ہے۔

امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام محمد اور جمہور احناف رحمہم اللہ کے نزدیک کتے کے جھوٹے سے عام نجاستوں کی طرح تین مرتبہ دھونے سے برتن پاک ہو جاتا ہے۔ نہ سات مرتبہ واجب ہے اور نہ مٹی سے رگڑنا واجب ہے۔

شوافع ومالکیہ کے دلائل:۔ ① حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جس میں کتے کے جھوٹے سے برتن کو سات مرتبہ دھونے کا حکم ہے اور پہلی مرتبہ یا ساتویں مرتبہ مٹی سے رگڑنے (مانجھنے) کا بھی حکم ہے۔ ② یہ قاعدہ اور ضابطہ ہے الزائد اولٰی من الناقص یعنی ناقص کے مقابلہ میں زائد اولیٰ ہوتا ہے لہٰذا جن دلائل سے تین مرتبہ دھونا ثابت ہے ان کے مقابلہ میں وہ دلائل اولیٰ ہونگے جن سے سات مرتبہ دھونا ثابت ہے۔ مذہب ثانی کی دلیل: حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں آٹھ مرتبہ دھونے کا ذکر ہے اور آٹھویں مرتبہ مٹی سے مانجھنے اور رگڑنے کا حکم ہے۔

مذہب ثالث یعنی حنفیہ کی پہلی دلیل: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ روایت ہے جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

جب کوئی سونے سے بیدار ہو تو برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے تین مرتبہ ہاتھ دھوئے واسطے کہ ممکن ہے اس کا ہاتھ ناپاکی پر لگا ہو۔

طریق استدلال یہ ہے کہ اس زمانہ میں پانی کی قلت کی بناء پر حضرات صحابہ ؓ پیشاب وپاخانہ کرنے کے بعد استنجاء بالماء نہیں کرتے تھے بلکہ استنجاء بالاحجار کرتے تھے اور استنجاء بالاحجار کی صورت میں لازمی طور پر نجاست کا کچھ حصہ مخرج میں باقی رہ جاتا ہے جو پسینہ کی وجہ سے مرجاتا ہے تو اب سونے کی حالت میں اگر ہاتھ اس مرے ہوئے مقام پر پہنچ جائے تو لازمی طور پر ہاتھ ناپاک ہو جائے گا اور یہ بات بھی مسلم ہے کہ پاخانہ وپیشاب کتے کے لعاب کے مقابلہ میں غلیظ ترین نجاست ہے تو جب یہ پاخانہ وپیشاب (غلیظ ترین نجاست) سے ہاتھ تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جاتا ہے تو سور کلب جو اخف نجاست ہے اس سے برتن کا تین مرتبہ دھونے سے پاک نہ ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ لہٰذا آپ کو کہنا پڑے گا کہ سور کلب سے تین مرتبہ دھونے سے برتن پاک ہو جاتا ہے۔

حنفیہ کی دوسری دلیل: نظر طحاوی ؒ کے عنوان سے مابعد میں آرہی ہے۔

حنفیہ کی طرف سے پہلے دونوں مذاہب کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ آپ کی روایت کے متن میں شدید اختلاف واضطراب ہے بعض جگہ سبع مرات بعض جگہ ثلاث مرات بعض جگہ خمسا اور بعض جگہ سبعا کے الفاظ ہیں۔

نیز اسی طرح کسی جگہ اولٰھن بالتراب کی جگہ السابعۃ بالتراب کی جگہ الثامنۃ بالتراب اور کسی جگہ اخراھن بالتراب کے الفاظ ہیں اور جس حدیث کے متن میں اس قدر اضطراب واختلاف ہو اس سے کسی حکم وجوبی کے ثبوت پر استدلال نہیں ہو سکتا۔

نیز ان تمام روایات سے تین مرتبہ دھونا تو یقینی طور پر ثابت ہے اور زائد کے بارے میں احتمال ہے اس لئے تین مرتبہ دھونا واجب ہوگا اور زائد دھونا استحباب کے مرتبہ ودرجہ میں ہوگا۔ نیز شوافع کی پہلی دلیل کا ایک اور جواب یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ کا فتویٰ ان کی روایت کے خلاف ہے اور جب راوی کا فتویٰ روایت کے خلاف ہو تو وہ روایت کے منسوخ ہونے کی علامت ہے لہٰذا حضرت ابو ہریرہ ؓ کی روایت سے سات مرتبہ دھونا واجب نہیں ہو سکتا۔

شوافع کی دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ اگر ناقص کے مقابلہ میں زائد اولیٰ ہے تو پھر تم بھی سات مرتبہ والی روایت کو چھوڑ کر آٹھ مرتبہ والی روایت پر عمل کرو اور ساتویں وآٹھویں مرتبہ مٹی سے رگڑو جب تمہارے نزدیک یہ روایت واجب العمل نہیں ہے تو پھر ہمارے نزدیک بھی آپ کی روایت واجب العمل نہیں ہے۔ (ایضاح الطحاوی ج ص ۱۰۲)

❸ **حدیث کا ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں منہ ڈال دے تو اس کو بہا دو پھر اس کو سات مرتبہ دھوؤ۔ امام نسائی کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ کسی ایک نے فلیرقہ میں علی بن مسہر کی اتباع کی ہو۔

❹ **امام نسائی کے قول کی وضاحت:** اس حدیث میں فلیرقہ کے الفاظ موجود ہیں کہ اگر کتا کسی برتن میں منہ ڈال دے تو برتن میں موجود چیز کو گرا دو اور بہا دو پس معلوم ہوا کہ سور کلب نجس ہے اسی لئے تو اس کو گرانے کا حکم ہے۔ جبکہ مالکیہ کے نزدیک سور کلب پاک ہے البتہ دھونے کا حکم امر تعبدی ہے۔ امام نسائی ؒ فرماتے ہیں کہ میرے علم کے مطابق فلیرقہ کا لفظ اعمش کے شاگردوں میں سے صرف علی بن مسہر نے نقل کیا ہے، کسی اور نے اس کی اتباع نہیں کی۔ حافظ ابن عبد البر مالکی ؒ کہتے ہیں کہ سوائے علی بن مسہر کے ابو معاویہ اور شعبہ جیسے حفاظ حدیث نے یہ لفظ ذکر نہیں کیا اور حمزہ کنانی نے کہا کہ یہ لفظ غیر محفوظ ہے۔

جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ حافظ ابن حجر ؒ نے تلخیص میں فرمایا کہ دار قطنی نے حدیث الباب کی اسناد کی تحسین کی ہے اور ابن خزیمہ نے بھی اس کو اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے۔

نیز حافظ ابن حجر ؒ نے فتح الباری میں فرمایا کہ اراقۃ (پانی وغیرہ بہانا) کا حکم بطریق عطاء عن ابی ہریرہ ؓ بھی ثابت ہے اسی

طرح جماد بن زید نے بھی بواسطہ ایوب عن ابن سیرین عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے یہ واقعہ کا حکم موقوفاً ذکر کیا ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

لہٰذا امام نسائی رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ علی بن مسہر کی کسی اور نے متابعت نہیں کی، یہ درست نہیں ہے۔ (شرح نسائی ج ۲ ص ۲۷۶)

## ﴿السوال الثالث﴾ (الشمائل) ۱۴۳۸ھ

**الشق الاول** ......عن جعفر بن محمد عن ابيه قال كان الحسن والحسين يتختمان في يسارهما.

اذكر مناسبة الأثر بترجمة الباب "باب ما جاء ان النبي ﷺ كان يتختم في يمينه. اذكر في أى اليدين كان يتختم رسول الله ﷺ وما هو الأفضل عند العلماء في هذه المسألة. (ص ۷، قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) اثر کی ترجمۃ الباب سے مناسبت (۲) رسول اللہ ﷺ کے انگوٹھی والے ہاتھ کی تعیین (۳) انگوٹھی پہننے کا افضل طریقہ۔

**جواب** ...... ❶ <u>اثر کی ترجمۃ الباب سے مناسبت:</u> سوال ہوتا ہے کہ یہ حدیث امام ترمذی رحمہ اللہ کے باب کی سرخی کے خلاف ہوگئی اس لئے کہ باب دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کا منعقد فرمایا تھا۔ اس کی توجیہ یہ کی جاسکتی ہے کہ اس قسم کی روایات سے مقصود چونکہ اس باب میں بہت سی روایات اس کے خلاف ہیں اس کے ضعف کی طرف اشارہ ہے۔ بندۂ ناچیز کے نزدیک باب میں دائیں ہاتھ کی قید بیان افضلیت کے لئے ہے اور اس نوع کی روایات بیان جواز کے واسطے ہیں۔ بعض اکابر نے یہ بھی توجیہ فرمائی ہے کہ ترجمہ میں حسب عادت محدثین کلمہ (ام فی یسارہ) محذوف ہے یعنی حضور ﷺ انگوٹھی دائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے یا بائیں میں۔ اس توجیہ پر کوئی روایت ترجمہ کے غیر مطابق نہ ہوگی۔ (خصائل نبوی ص ۹۱)

❷ <u>رسول اللہ ﷺ کے انگوٹھی والے ہاتھ کی تعیین:</u> اس بارے میں مختلف روایات وارد ہوئی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے یا بائیں میں۔ بعض علمائے محدثین اس میں ترجیح کی طرف مائل ہوئے ہیں چنانچہ امام بخاری و امام ترمذی رحمہ اللہ وغیرہ کی رائے یہی ہے کہ دائیں ہاتھ میں پہننے کی روایات راجح ہیں۔ بعض علماء نے اس طرح جمع کیا ہے کہ اکثر داہنے دست مبارک میں پہنتے تھے اور گاہے گاہے بائیں میں بھی پہن لیتے تھے۔

❸ <u>انگوٹھی پہننے کا افضل طریقہ:</u> علماء کے درمیان یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ انگوٹھی کون سے ہاتھ میں پہننا افضل ہے۔ خود علمائے حنفیہ میں بھی اختلاف ہے بعض نے بائیں ہاتھ میں پہننے کو افضل بتایا ہے اور بعض نے دونوں کو مساوی بتایا ہے۔ شامی نے یہی دو قول لکھے ہیں۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے حنفیہ کا ایک قول دائیں کے افضل ہونے کا لکھا ہے لیکن مذہب کے لحاظ سے راجح وہی قول ہے جو علامہ شامی کی تحقیق ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے دونوں میں بلا کراہت جائز ہونے پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے۔ مالکیہ نے بائیں ہاتھ میں پہننے کو افضل بتایا ہے۔

الغرض احادیث سے بھی دونوں فعل ثابت ہیں اور علماء بھی ترجیح کے اعتبار سے دونوں طرف گئے ہیں۔ درمختار میں قہستانی سے منقول ہے کہ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی کا پہننا روافض کا شعار ہو گیا ہے اسلئے اس سے احتراز واجب ہے۔ صاحب درمختار لکھتے ہیں کہ ممکن ہے اس زمانہ میں روافض کا شعار ہو اب نہیں ہے۔ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ سے کوکب دری میں نقل کیا گیا ہے کہ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی چونکہ روافض کا شعار ہے اسلئے مکروہ ہے۔ حضرت سہارنپوری رحمہ اللہ نے بھی بذل المجہود میں یہی تحریر فرمایا ہے اور یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ روافض کے کفر میں اگرچہ اختلاف ہے لیکن ان کے فاسق ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور فساق کے ساتھ بھی تشبہ سے احتراز ضروری ہے۔ (خصائل نبوی ص ۹۵)

**الشق الثانی** ......عن جرير بن عبدالله قال: عرضت بين يدى عمر بن الخطاب، فألقىٰ جرير رداءه ومشى في ازار فقال له: خذ رداءك، فقال عمر للقوم: ما رأيت رجلا أحسن صورة من جرير الا ما

اذکر مناسبة الاثر بترجمة الباب باب ما جاء فی تعطر رسول الله ﷺ. اشرح الحدیث واذکر فیه: لماذا کان هذا العرض؟ وهل کان جریر احسن صورة من رسول الله ﷺ؟ وهل کان اجمل من دحیة؟ لماذا لم یستثنیا ههنا؟ بلغنا من صورة یوسف علیه السلام. (س۱۳۲۰ھ قدیم)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) اثر کی ترجمۃ الباب سے مناسبت (۲) حدیث کی تشریح اور عرض کی وجہ (۳) حضرت جریر رضی اللہ عنہ کے رسول اللہ ﷺ اور حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ سے احسن واجمل ہونے کی وضاحت (۴) استثناء نہ کرنے کی وجہ۔

**جواب** ...... ❶ **اثر کی ترجمۃ الباب سے مناسبت:۔** ① بعض حضرات نے فرمایا کہ اس اثر کی ترجمۃ الباب سے کوئی مناسبت نہیں ہے اور یہ اثر بعض نسخوں کے ملحقات میں سے ہے مگر یہ قول مرجوح ہے۔ ② بعض حضرات نے فرمایا کہ حسن صورت کو عموماً خوشبو لازم ہوا کرتی ہے اور اس میں حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی خوبصورتی کا ذکر ہے کہ وہ انتہائی حسین وجمیل تھے اور آپ ﷺ کا احسن الخلوقات ہونا مسلم ہے اسلئے اس کو بھی خوشبو لازم ہے۔ ③ بعض حضرات نے فرمایا کہ ترجمۃ الباب میں عبارت محذوف ہے اصل عبارت اس طرح ہے **باب ماجاء فی تعطر رسول الله ﷺ وحسن صورت الاصحاب وعرضهم علی عمر بن الخطاب**۔ اس صورت میں مناسبت واضح ہے۔ ان تینوں اقوال میں سے دوسرا قول راجح وپسندیدہ ہے۔ (حاشیہ)

❷ **حدیث کی تشریح اور عرض کی وجہ:۔** حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے کسی لڑائی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے معائنہ کیلئے پیش کیا گیا اور میں نے چادر اتار کر صرف لنگی وغیرہ میں چل کر اپنا معائنہ وامتحان کروایا میرا معائنہ کرنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اپنی چادر لے لو تمہارا معائنہ ہوگیا ہے۔ اسکے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قوم سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ میں نے آج تک جریر سے بڑھ کر کوئی حسین وجمیل نہیں دیکھا سوائے حضرت یوسف علیہ السلام کے، اسلئے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق ہم تک جو روایات انکے حسن وجمال کے متعلق پہنچی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جریر سے بھی زیادہ حسین وجمیل وخوبصورت ہونگے۔

جیسے آج کل کسی لڑائی وغیرہ میں شرکت سے قبل فوجیوں اور مجاہدین کا معائنہ کیا جاتا ہے اور ان کا جسمانی چیک اپ کیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ کون کون لڑائی میں شرکت کرسکتا ہے اسی طرح کسی جنگ کے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجاہدین کا معائنہ کیا تھا اس میں حضرت جریر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، اسی معائنہ کا اس حدیث میں تذکرہ ہے۔

❸ و ❹ **حضرت جریر رضی اللہ عنہ کے رسول اللہ ﷺ اور حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ سے احسن واجمل ہونے کی وضاحت اور استثناء نہ کرنے کی وجہ:۔** رسول اللہ ﷺ تمام مخلوق میں سے احسن واجمل وخوبصورت تھے، حتیٰ کہ حضرت یوسف علیہ السلام سے بھی زیادہ خوبصورت تھے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مصری عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں اگر وہ میرے محبوب کو دیکھتیں تو اپنے دل وجگر کاٹ ڈالتیں۔ تو جب رسول اللہ ﷺ حضرت یوسف علیہ السلام سے زیادہ حسین وجمیل تھے تو حضرت یوسف علیہ السلام کے استثناء سے رسول اللہ ﷺ کا استثناء از خود ہوگیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی وجہ سے اس کو ذکر نہیں کیا کہ آپ ﷺ کا سب سے زیادہ حسین وجمیل ہونا تو سب کے علم میں ہے۔

حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کا حسن وجمال بھی مسلم ہے مگر حضرت جریر اور حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے حسن وجمال میں فرق یہ ہے کہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ چہرہ وصورت کے اعتبار سے حسین وجمیل تھے جیسا کہ مشہور ہے اور حضرت جریر رضی اللہ عنہ جسم وبدن کے اعتبار سے حسین وجمیل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ کے بدن سے چادر اتارنے کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا بدن دیکھا تو اس وقت ارشاد فرمایا کہ میں نے جریر سے بڑھ کر کوئی خوبصورت نہیں دیکھا۔

الورقة الثانية
مسلم شريف
مَكتبۂ زکریا

## ﴿الورقة الثانية: صحيح الامام مسلم﴾

### ﴿السوال الاول﴾ ١٤٢٤ھ

**الشق الاول** ...... والخبروان فارق معناه معنی الشهادة في بعض الوجوه فقد يجتمعان في اعظم معانيهما

كتب بعض مايوجب الرواية عن الثقات وترك الكاذبين من السنة . اذكر الفروق بين الرواية والشهادة .

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل دو امور ہیں (۱) ثقہ کی روایت کے قبول اور کاذب کی روایت کے ترک کی دلیل (۲) روایت اور شہادت میں فرق۔

(ص ۲۔ ج ۱۔ قدیمی)

**جواب** ...... ❶ ثقہ کی روایت کے قبول اور کاذب کی روایت کے ترک کی دلیل :۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے یاایها الذین آمنوا ان جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا ، معلوم ہوا کہ فاسق و کاذب کی روایت بلا تحقیق معتبر نہیں ہے اور ثقہ عادل کی روایت بلا تحقیق معتبر ہے۔ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے واشهدوا ذوي عدل منكم کہ صرف عادل لوگوں کو ہی گواہ بنایا جائے جب عام معاملات میں روایت و شہادت کے لئے عادل و ثقہ ہونا ضروری ہے تو حدیث کی روایت میں بطریق اولیٰ عادل و ثقہ ہونا ضروری ہے۔ (عمدۃ المفہم) حضرت سعد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے مدینہ منورہ کے قاضی حضرت سعد بن ابراہیم کو کہتے ہوئے سنا کہ آپ ﷺ کی احادیث صرف ثقہ اور معتبر حضرات ہی بیان کریں۔

نیز حضرت عبداللہ ابن المبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسناد بھی دین کا حصہ ہیں اگر اسناد نہ ہوتی تو ہر شخص جو مرضی چاہتا وہ کہہ دیتا۔ یعنی علم حدیث میں اسناد کو ذکر کرنے کا مقصد یہی ہے کہ ثقہ اور معتمد راوی کی روایت مل جائے اور ضعیف و کاذب کی روایت ترک کر دی جائے۔

نیز حضرت عبداللہ ابن المبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عمرو بن ثابت کی روایت کو چھوڑ دو کیونکہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہتا ہے معلوم ہوا کہ راوی کا عادل ثقہ اور معتمد ہونا ضروری ہے، غیر عادل ضعیف، مجروح اور کاذب کی روایت ذکر نہ کی جائے۔

❷ روایت اور شہادت میں فرق :۔ خبر و شہادت میں متعدد وجوہ سے فرق ہے۔ ① شہادت میں بعض جگہ مذکر ہونا شرط ہے خبر و روایت میں مذکر ہونا شرط نہیں ہے ② شہادت میں حریت (آزادی) شرط ہے۔ خبر و روایت میں حریت شرط نہیں ہے ③ شہادت میں عدد شرط ہے، خبر و روایت میں عدد شرط نہیں ہے ④ اہل بدعت کی شہادت معتبر ہے مگر روایت حدیث میں تفصیل ہے۔ کما سیجئ ⑤ تہمت یعنی شہادت میں شاہد کا اپنا نفع یا دفع مضرت ہو تو شہادت معتبر نہیں جبکہ خبر و روایت میں یہ قید نہیں ہے ⑥ شہادت میں مخصوص تعلق و قرابت مانع ہے۔ خبر و روایت میں تعلق و قرابت مانع نہیں ہے ⑦ روایت حدیث میں اجرت لینا جائز ہے جبکہ شہادت میں جائز نہیں ⑧ شہادت میں کذب ثابت ہو جائے تو صرف وہی شہادت مردود ہو گی جبکہ روایت میں جھوٹ ثابت ہو جائے تو سابقہ تمام روایات مردود ہوں گی ⑨ شہادت کے معتبر ہونے کیلئے دعویٰ و مطالبہ اور حاکم کے پاس حاضری شرط ہے لیکن خبر و روایت میں ان میں سے کوئی شرط نہیں ہے ⑩ اصول کی موجودگی میں فروع کی شہادت معتبر نہیں ہے مگر خبر و روایت میں اصل کی موجودگی میں فرع کی خبر و روایت معتبر ہے۔ (عمدۃ المفہم ص ۳۱)

**الشق الثانی** ...... وقد تكلم بعض منتحلي الحديث من اهل عصرنا في تصحيح الاسانيد وسقيمها بقول لوضربنا عن حكايته وذكر فساده صفحا لكان رايا متينا ومذهبا صحيحا ...... (ص ۲۱۔ ج ۱۔ قدیمی)

ترجم العبارة واذكر مصداق قوله "بعض منتحلي الحديث من اهل عصرنا". عرف الحديث المعنعن واذكر الاختلاف في حكمه مع المحاكمة بين المختلفين بكل دقة ونصفة.

خلاصۂ سوال ...... اس سوال کا حاصل تین امور ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) مذکورہ عبارت کا مصداق (۳) حدیث معنعن کی تعریف اور اس کے حکم میں اختلاف۔

**جواب** ...... ① **عبارت کا ترجمہ:۔** اور تحقیق ہمارے زمانہ کے بعض نام نہاد محدثین نے سندوں کو صحیح وضعیف قرار دینے میں ایسی بات کہی ہے کہ اگر ہم اس کو نقل کرنے اور اس کا فساد ظاہر کرنے سے اعراض کرتے تو وہ پختہ رائے اور صحیح مذہب ہوتا۔

② **مذکورہ عبارت کا مصداق:۔** وہ کون لوگ تھے جنہوں نے ثبوت لقاء کی شرط لگائی تھی اور معاصرت کو اتصال سند کے لئے کافی نہیں سمجھا تھا؟ اس سلسلہ میں عام طور پر امام بخاری رحمہ اللہ اور ان کے جلیل القدر استاذ علی بن المدینی کا نام لیا جاتا ہے اور تقریباً سبھی حضرات انہی کو "نام نہاد محدثین" کا مصداق بتاتے ہیں مگر اس بارے میں متعدد وجوہ سے تردد ہے: ① امام مسلم رحمہ اللہ نے تردید میں بطور مثال جو روایتیں پیش کی ہیں ان میں سے سات روایتیں بخاری شریف میں موجود ہیں۔ اگر امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک ثبوت لقاء ضروری ہوتا تو وہ یہ روایتیں اپنی صحیح میں درج نہ کرتے۔ ② بخاری شریف پہلے لکھی گئی ہے، خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ **ان مسلما حذا حذو البخاری فی صحیحه** (امام مسلم اپنی صحیح میں امام بخاری رحمہ اللہ کے نقش قدم پر چلے ہیں) پس تردید کا آسان طریقہ یہ تھا کہ امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے کہ "فلاں فلاں حدیثیں خود اس قائل کی کتاب میں موجود ہیں، مدعی کو چاہیے کہ وہ ان میں سماع ثابت کرے" حالانکہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اس قسم کا کوئی الزام قائم نہیں کیا ہے۔ ③ شیخین (بخاری ومسلم) کے درمیان تعلقات کی جو نوعیت تھی وہ امام مسلم رحمہ اللہ کے انداز تردید کے قطعاً منافی ہے۔ جب ذہلی اور بخاری رحمہما اللہ کے درمیان اختلاف ہوا اور امام ذہلی رحمہ اللہ نے اعلان کیا کہ **الامن قال باللفظ فلا یحل له ان یحضر مجلسنا** (جو شخص قرآن پڑھنے کو حادث مانتا ہے اس کو ہمارے سبق میں آنے کی اجازت نہیں ہے) تو امام ذہلی رحمہ اللہ کی مجلس سے جو دو شخص اٹھ کھڑے ہوئے ان میں ایک امام مسلم رحمہ اللہ بھی تھے بلکہ امام مسلم رحمہ اللہ نے تو ذہلی رحمہ اللہ سے لکھی ہوئی تمام حدیثیں ان کو واپس کر دی تھیں اور امام مسلم رحمہ اللہ کی امام بخاری رحمہ اللہ کے ساتھ یہ نیازمندی آخر تک قائم رہی تھی۔ خطیب نے صراحت کی ہے کہ **ولما ورد البخاری نیسا بور فی آخر امره لازمه مسلم۔** پس جس کا امام بخاری رحمہ اللہ کے ساتھ نیازمندی اور تلمذ کا تعلق ہو اس سے یہ بات کیسے ممکن ہے کہ وہ استاذ کو محدث منتحل (چور) کہے اور اس کی رائے کو سُوْءُ رَوِيَّة (بدفکری) سے تعبیر کرے۔

احقر کی ناقص رائے یہ ہے کہ یہ مذہب امام بخاری رحمہ اللہ اور علی بن المدینی کا نہیں تھا بلکہ دوسرے درجہ کے کچھ محدثین کا تھا جن کے نام تاریخ میں محفوظ نہیں ہیں اور امام بخاری رحمہ اللہ کی طرف لوگوں کا ذہن اس وجہ سے گیا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اس نظریہ کی فی الجملہ رعایت کی ہے تا کہ ان کی کتاب بالاتفاق صحیح تسلیم کی جائے کیونکہ شیخین نے صحیحین میں متفق علیہا اسانید ہی کو لیا ہے مختلف فیہا اسانید کو نہیں لیا ہے البتہ امام مسلم رحمہ اللہ نے صرف جمہور کا مذہب پیش نظر رکھا ہے شاذ رائے کا اعتبار نہیں کیا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے شاذ رائے کا بھی کچھ نہ کچھ خیال کیا ہے۔ (واللہ اعلم) ایک غلط فہمی اس بحث میں یہ بھی عام ہے کہ امام مسلم رحمہ اللہ کو ان کی رائے میں متفرد سمجھا جاتا ہے حالانکہ امام مسلم کی جو رائے ہے وہ صرف ان کی نہیں ہے بلکہ وہ جمہور محدثین کی رائے ہے امام مسلم رحمہ اللہ نے خود تحریر فرمایا ہے **ان القول الشائع المتفق علیه بین اهل العلم بالاخبار والروایات قدیما وحدیثا الخ** (مشہور قول جس پر ماضی اور حال کے تمام علمائے اخبار وروایات کا اتفاق ہے وہ قول یہ ہے کہ الخ)۔

دوسری دلیل: یہ ہے کہ صحیح مسلم شریف اور اس کی ہر ہر حدیث کو امت نے بالاتفاق صحیح تسلیم کیا ہے، دار قطنی وغیرہ نے اگر اعتراض کیا ہے تو بعض رواۃ کے ضعیف ہونے کا اعتراض کیا ہے، کسی نے اسانید پر عدم ثبوت لقاء کی وجہ سے انقطاع کا اعتراض نہیں

کیا جب کہ یہ بات قرین قیاس ہے کہ امام مسلم ﷫ نے اپنی رائے کا اپنی صحیح میں لحاظ کیا ہوگا۔ بلکہ کیا ہے امام مسلم ﷫ نے بطور الزام جو مثالیں دی ہیں ان میں سے متعدد روایتیں صحیح مسلم میں موجود ہیں مگر کسی نے ان روایات کو منقطع نہیں کہا، پوری امت ان روایات کو متصل الاسانید مانتی ہے، پس معلوم ہوا کہ معاصرت اور امکان لقاء پوری امت کے نزدیک اتصال سند کیلئے کافی ہے اور دوسری رائے جسکی امام مسلم ﷫ نے تردید کی ہے اس کا اب کوئی قائل باقی نہیں رہا بلکہ وہ رائے خود اپنی موت مر چکی ہے۔ (فیض المسلم ص ۱۰۴)

❷ **حدیث معنعن کی تعریف اور اس کے حکم میں اختلاف:** ۔ حدیث معنعن وہ حدیث ہے جو عن، عن سے روایت کی گئی ہو یعنی راوی سمعت یا حدثنی وغیرہ کی جگہ لفظ عن استعمال کرے۔ حدیث کی صحت کے لئے جو پانچ شرطیں ہیں ان میں سے ایک اتصال سند ہے۔ اتصال سند کا مطلب یہ ہے کہ سلسلۂ سند کے ہر راوی نے مروی عنہ سے حدیث روبرو سنی ہو۔ اور یہ بات صراحۃً اس وقت معلوم ہو سکتی ہے جب راوی سمعت یا اس کا کوئی مترادف لفظ بولے۔ اگر راوی بصیغہ عن روایت کرتا ہے تو اس سے صراحۃً سماع ثابت نہیں ہوتا کیونکہ لفظ "عن" میں جس طرح سماع کا احتمال ہے انقطاع کا بھی احتمال ہے یعنی یہ ممکن ہے کہ راوی نے مروی عنہ سے حدیث بالواسطہ سنی ہو اور واسطہ حذف کر کے روایت کی ہو۔ اس لئے لفظ عن کی دلالت سماع پر صریح نہیں ہے۔

پس سوال پیدا ہوا کہ حدیث معنعن کو اتصال پر محمول کیا جائے یا انقطاع پر؟ تین صورتوں میں بالاتفاق انقطاع پر محمول کیا جاتا ہے۔

① راوی اور مروی عنہ کا زمانہ ایک نہ ہو ② دونوں کا زمانہ تو ایک ہو مگر زندگی بھر دونوں میں ملاقات نہ ہونا ثابت ہو ③ دونوں کا زمانہ ایک ہو اور عدم لقاء ثابت نہ ہو مگر راوی مدلس ہو یعنی اس میں استاذ کا نام چھپانے کا مرض ہو۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ راوی اور مروی عنہ میں معاصرت ہو یعنی دونوں کا زمانہ ایک ہو اور عدم لقاء (ملاقات نہ ہونا) بھی ثابت نہ ہو بلکہ ان کی باہم ملاقات ممکن ہو، اور راوی میں تدلیس کا مرض بھی نہ ہو، اور وہ بصیغہ عن روایت کرے تو اس سند کو متصل کہیں گے؟ اس سلسلہ میں اختلاف ہے بعض نام نہاد محدثین اس صورت میں بھی حدیث معنعن کو منقطع اور ناقابل استدلال قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک حدیث معنعن کو متصل قرار دینے کے لئے ضروری ہے کہ راوی اور مروی عنہ میں زندگی میں کم از کم ایک بار ملاقات ثابت ہو تو پھر اس راوی کی مروی عنہ سے تمام معنعن روایتیں متصل قرار دی جائیں گی ورنہ محض معاصرت اور امکان لقاء کی وجہ سے حدیث معنعن کو اتصال پر محمول نہیں کیا جائے گا۔ (فیض المسلم ص ۱۰۷)

ان حضرات کی دلیل یہ تھی کہ راوی ہر زمانہ میں ملاقات اور سماع کے بغیر لفظ عن سے روایت کرتے ہیں اور جب راویوں کے نزدیک یہ بات جائز ہے تو لفظ عـــن میں انقطاع کا احتمال ہے اسلئے ضروری ہے کہ ہر راوی کے سماع کی مروی عنہ سے تحقیق کی جائے۔ اگر ایک بار بھی ملاقات کا ثبوت مل جائے تو اس کے معنعن کو اتصال پر محمول کیا جائے ورنہ توقف کیا جائے یعنی اس معنعن روایت سے استدلال نہ کیا جائے کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ راوی کی مروی عنہ سے ملاقات نہ ہوئی ہو اور راوی نے مروی عنہ سے حدیث براہ راست نہ سنی ہو بلکہ سند میں انقطاع ہو اور منقطع روایات سے ان محدثین کے نزدیک استدلال جائز نہیں ہے۔

امام مسلم ﷫ فرماتے ہیں کہ یہ رائے قطعاً غلط ہے اور جمہور محدثین کے مسلک کے خلاف ہے، تمام ائمہ حدیث کے نزدیک اس صورت میں نفس معاصرت اور ملاقات کا ممکن ہونا حدیث معنعن کو متصل قرار دینے کے لئے کافی ہے۔ ملاقات کا ثبوت ضروری نہیں ہے، امام مسلم ﷫ نے اس کی دو دلیلیں پیش کی ہیں۔

پہلی دلیل: یہ ہے کہ علماء متقدمین میں سے کسی سے اس صورت میں اتصال سند کے لئے ثبوت لقاء کی شرط مروی نہیں ہے۔

دوسری دلیل: یہ ہے کہ ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں جن میں ملاقات ثابت نہیں ہے پھر بھی تمام ائمہ ان راویوں کی معنعن

محدثین کو اتصال پر محمول کرتے ہیں مثلاً عبداللہ بن یزید انصاری (صحابی صغیر) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ (متوفی ۳۶ھ) سے بصیغہ عن ایک حدیث روایت کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ (متوفی ۴۰ھ) سے بھی ایک حدیث روایت کرتے ہیں اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ان دونوں صحابیوں سے ملاقات یا براہ راست حدیث سننا کسی روایت میں مذکور نہیں ہے مگر چونکہ معاصرت ہے اور ملاقات ممکن ہے اس لئے تمام ائمہ حدیث ان کی بصیغہ "عن" روایات کو متصل قرار دیتے ہیں۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اس قسم کی سولہ مثالیں ذکر کی ہیں۔

اور پہلی رائے غالباً اس لئے ہے کہ اگر محض انقطاع کا احتمال مضر ہو اور اس کی وجہ سے ثبوت لقاء ضروری ہو تو پھر ضروری ہوگا کہ کسی بھی معنعن حدیث کو متصل نہ قرار دیا جائے کیونکہ ایک بار یا چند بار ملاقات اور سماع کے بعد بھی یہ احتمال باقی رہتا ہے کہ کوئی معین روایت راوی نے مروی عنہ سے براہ راست نہ سنی ہو اور یہ محض احتمال نہیں ہے بلکہ واقعہ ہے ہمارے پاس ایسی متعدد مثالیں ہیں جن میں راوی کا مروی عنہ سے لقاء اور سماع ہے مگر بعض روایتیں راوی نے مروی عنہ سے براہ راست نہیں سنی ہیں بلکہ واسطے سے سنی ہیں۔ پھر حدیث بیان کرتے وقت کبھی راوی وہ واسطہ حذف کر کے استاذ الاستاذ سے بصیغہ عن روایت کرتا ہے مثلاً حضرت ہشام بن عروہ کا اپنے والد سے لقاء اور سماع ہے مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث كنت اطيب رسول الله ﷺ لحله وحرمه با طيب ما اجد حضرت ہشام نے اپنے والد سے براہ راست نہیں سنی ہے بلکہ اپنے بھائی حضرت عثمان بن عروہ رحمہ اللہ سے سنی ہے مگر ہشام کبھی اس روایت کو عن عروہ روایت کرتے تھے اور اپنے بھائی کا تذکرہ نہیں کرتے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اس قسم کی چار مثالیں ذکر کی ہیں۔

الغرض سند میں انقطاع کا احتمال تو ملاقات اور سماع کے بعد بھی باقی رہتا ہے اس لئے یا تو سماع کی صراحت کے بغیر کسی بھی روایت کا اعتبار نہ کیا جائے یعنی تمام معنعن روایتوں کو ناقابل استدلال قرار دیا جائے یا پھر معاصرت اور امکان لقاء کو کافی سمجھا جائے اور معنعن کو سماع پر محمول کیا جائے اور سند کو متصل اور حدیث کو قابل استدلال قرار دیا جائے۔

پہلی بات ممکن نہیں ہے کیونکہ نوے فیصد حدیثیں بصیغہ "عن" مروی ہیں، سند کے ابتدائی حصہ میں اگرچہ تحدیث و اخبار ہوتی ہے مگر آخر میں معنعن ہوتا ہے اس لئے یہ صورت اختیار کرنے کی صورت میں ذخیرۂ حدیث ہی سے ہاتھ دھونا پڑے گا اس لئے دوسری صورت متعین ہے وهو قول الجمهور وهو الحق المشهور۔

خلاصہ مرام یہ ہے کہ اتصال سند کیلئے ثبوت لقاء ضروری نہیں ہے، امکان لقاء اور معاصرت کافی ہے۔ (ایضاً)

## ﴿السوال الثاني﴾ ۱۴۲۴ھ

**الشق الاول** ......عن ابي هريرة قال: لما توفي رسول الله ﷺ واستخلف ابوبكر بعده وكفر من كفر من العرب قال عمر بن الخطاب لابي بكر كيف تقاتل الناس وقد قال رسول الله ﷺ امرت ان اقاتل الناس حتى يقولوا لا اله الا الله فمن قال لا اله الا الله فقد عصم مني ماله ونفسه الا بحقه وحسابه على الله تعالى فقال ابوبكر والله لاقاتلن من فرق بين الصلاة والزكاة فان الزكاة حق المال...... (ص۳۷ ج۱)

من هم المراد بقوله "كفر من كفر من العرب". كم صنفا كان اهل الردة عندئذ. كيف انشرح صدر ابي بكر بالقتال مع ان من قال: لا اله الا الله لا يقاتل، كما هو ظاهر الحديث؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) كفر من كفر من العرب کا مصداق (۲) دور صدیقی رضی اللہ عنہ میں مرتدین کی اقسام (۳) کلمہ پڑھنے کے باوجود قتال کی وجہ۔

**جواب** ...... ① كفر من كفر من العرب کا مصداق:۔ آنحضرت ﷺ کے اس دنیا سے کوچ کرنے کے بعد

مرتدین کی تین اقسام تھیں۔ ① وہ لوگ جو دوبارہ بت پرستی کی طرف لوٹ گئے تھے ② وہ لوگ جنہوں نے مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی جھوٹے مدعی نبوت کی اتباع کر لی تھی ③ وہ لوگ جو اسلام پر تو قائم رہے مگر زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا تھا۔

❷ دور صدیقی رضی اللہ عنہ میں مرتدین کی اقسام:۔ نبی اکرم سرور عالم ﷺ کے وصال کے بعد قبائل عرب میں سے بہت سے قبائل مرتد ہو گئے تھے جن میں بنو غطفان، بنو فزارہ اور بنو سلیم وغیرہ شامل ہیں۔ قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وصال نبی ﷺ کے بعد مرتدین کی تین قسمیں تھیں ① ایک تو وہ لوگ تھے جو دوبارہ بت پرستی کی طرف لوٹ گئے تھے ② دوسرے وہ لوگ تھے جنہوں نے مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کذاب کی اتباع کر لی تھی۔ ان دونوں نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اہل یمامہ نے مسیلمہ کی اور اہل صنعاء نے اسود کی تصدیق کی تھی۔ اسود عنسی تو حضور ﷺ کے وصال سے کچھ دن قبل مارا گیا تھا اور اس کے بچے کچھے متبعین سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عمال نے قتال کیا جبکہ مسیلمہ کی سرکوبی کیلئے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے لشکر تیار کیا جس میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سردار تھے جنہوں نے مسیلمہ کذاب کو قتل کر دیا ③ تیسری قسم وہ لوگ تھے جو اسلام پر تو قائم رہے لیکن زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا اور یہ دلیل دی کہ زکوٰۃ نبی ﷺ کے زمانہ کے ساتھ خاص تھی اور انہی سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے قتال کیا۔ جس پر شروع میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا شرح صدر نہ تھا لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی استقامت دیکھ کر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے شرح صدر عطا فرما دیا۔ اسی لئے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! زکوٰۃ اور نماز میں فرق کرنے والوں سے قتال کرونگا۔ اور جو شخص حضور ﷺ کے زمانے میں ایک رسی بھی زکوٰۃ میں دیا کرتا تھا، اگر نہیں دے گا، اس سے بھی قتال کرونگا۔ کیونکہ زکوٰۃ ارکان اسلام اور ضروریات دین میں سے ہے اور ضروریات دین میں سے کسی ایک کا منکر بھی کافر ہے اور اسلام سے کفر کی طرف لوٹنا قتل کا مستوجب ہے۔ لہٰذا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کی مذکورہ بالا حدیث سے شبہ ہوا کہ صرف لا الٰہ الا اللہ کے اقرار پر جان و مال محفوظ ہو جاتا ہے اور یہ لوگ بھی تمام باتوں پر ایمان رکھتے تھے صرف زکوٰۃ کے منکر ہوئے تھے۔ اسی لئے عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ ان سے اس کلمہ توحید کے اقرار کے بعد کیسے قتال کریں گے کیونکہ وہ زکوٰۃ کے علاوہ تمام ارکان پر ایمان رکھتے ہیں؟

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص نماز اور زکوٰۃ کے درمیان تفریق کرے گا (اعتقادا) میں اس سے ضرور قتال کرونگا کیونکہ اعتقاد کے اعتبار سے تمام فرائض اور ارکان برابر ہیں۔

ابو محمد بن حزم نے اپنی معروف کتاب الملل والنحل میں لکھا ہے کہ نبی ﷺ کے وصال کے بعد عرب چار گروہوں میں بٹ گئے تھے۔ ① پہلا طائفہ ان لوگوں کا تھا جو آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے طریقہ پر قائم رہے جیسے آپ ﷺ کی زندگی میں اس پر قائم تھے۔ یہ جمہور مسلمانوں کا طائفہ تھا۔ ② دوسرا گروہ وہ تھا جو اسلام پر تو باقی رہا اور یہ بھی کہتا رہا کہ ہم تمام احکامات کو پورا کرتے رہیں گے لیکن ہم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو زکوٰۃ ادا نہیں کرینگے اور رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی ایک کی اطاعت نہیں کرینگے۔ ایسے لوگ بکثرت تھے لیکن عام مسلمانوں کی بہ نسبت بہت تھوڑے تھے۔ ③ تیسرا گروہ وہ تھا جس نے کفر اور ارتداد کا اعلان کر دیا یہ طلیحہ اور سجاح (نامی عورت) کے پیروکار تھے اور تقریباً عرب کے ہر قبیلہ میں ایسے افراد کی نمائندگی تھی۔ ④ چوتھا گروہ وہ تھا جس نے "تیل دیکھو اور تیل کی دھار دیکھو" کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے توقف کیا اور اس انتظار میں رہے کہ مذکورہ بالا تینوں گروہوں میں سے جس فریق کو غلبہ حاصل ہو جائے گا اس کے ساتھ ہو جائیں گے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایسے لوگوں کی طرف لشکر بھیجے۔ اسود عنسی (کذاب مدعی نبوت) کے علاقہ میں فیروز رضی اللہ عنہ نے غلبہ حاصل کر کے اسود کو قتل کر دیا مسیلمہ کذاب کو یمامہ میں قتل کر دیا گیا۔ طلیحہ اور سجاح دونوں واپس مسلمان ہو گئے۔ اور اکثر مرتدین

واپس دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ یہ سب لوگ اسلام کے سایہ عاطفت میں لوٹ آئے۔

حدیث باب میں **کفر من کفر من العرب** کے الفاظ کو مطلق بیان کیا گیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کو مطلق رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ دونوں گروہوں کو شامل ہو جائے تو لفظ کفر من کفر منکرین کے حق میں بطور حقیقت استعمال ہوا اور دوسروں کے حق میں بطور مجاز استعمال ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کیا اور ان کے جہالت کے عذر کو قبول نہ کیا۔ ان کی طرف لشکر بھیجے جنہوں نے انہیں دعوت اسلام دی لیکن جب انہوں نے اپنے کفر پر اصرار کیا تو ان سے قتال کیا۔

خطابی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ روافض یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پہلی بار مسلمانوں کو قید کیا حالانکہ مانعین زکوۃ کی ادائیگی اور فرضیت کے منکر نہیں تھے بلکہ تاویل کرتے تھے اور متاول کافر نہیں ہوتا۔ ان کا خیال تھا کہ قرآن کریم کی آیت **خذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها وصل عليهم، ان صلاتك سكن لهم** میں خاص نبی اکرم ﷺ کو خطاب ہے اور اس آیت میں تطہیر و تزکیہ اور دعا کی جو شرائط ہیں یہ آپ ﷺ کے علاوہ کسی اور میں نہیں پائی جاتیں لہٰذا آپ ﷺ کے وصال کے بعد زکوۃ کی ادائیگی کا حکم بھی ختم ہو گیا لہٰذا روافض کہتے ہیں کہ انہوں نے جب یہ تاویل کی تو شبہ کی وجہ سے اب ان سے قتال نہیں کیا جا سکتا تھا۔

خطابی رحمہ اللہ نے یہ ساری تفصیل لکھنے کے بعد فرمایا کہ روافض کا یہ خیال بالکل باطل و فاسد ہے۔ یہ تو وہ لوگ ہیں جن کا دین ایمان میں کوئی حصہ نہیں، ان کا تو راس المال ہی جھوٹ، کذب و افتراء، دروغ گوئی ہے۔ سلف کے اندر کیڑے نکالنا ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ارتداد کی تین قسمیں تھیں ① مسیلمہ کذاب کے پیروکار ② نماز اور زکوۃ کے مانعین اور تمام احکامات شریعت کے منکرین۔ یہ وہ لوگ تھے جن کو صحابہ رضی اللہ عنہم نے کفار قرار دیا اور اسی لئے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کی قیدی عورتوں کو لونڈی بنایا۔ اور اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کام میں ان کی معاونت کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک باندی سے محمد بن الحنفیہ پیدا ہوئے کیونکہ وہ باندی بنو حنفیہ کی تھی۔ پھر دور صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع ہو گیا تھا کہ مرتد کو قید نہیں کیا جائے گا (بلکہ اسکی سزا قتل ہے) ③ جہاں تک مانعین زکوۃ کا تعلق ہے تو اہل بغاوت (باغی) تھے۔ ان کو کافر تو نہیں کہا گیا لیکن جزوی طور پر ان کو بھی مرتد کہا گیا کیونکہ یہ مرتدین کے شریک تھے اور مرتدین سے اشتراک کی وجہ سے یہ اسم قبیح ان کا بھی لقب بن گیا۔

جہاں تک سورۃ توبہ کی آیت بالا کا تعلق ہے اس میں روافض نے خطاب کو بنیاد بنایا ہے تو جاننا چاہیے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے تین طرح سے خطاب فرمایا ہے۔ ① خطاب عام..... جس میں حضور ﷺ اور تمام مسلمان شریک ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا قول **يـا ايها الـذين آمنوا اذا قمتم الى الصلوٰة الآية** ② خاص نبی ﷺ کو خطاب..... جس میں آپ ﷺ کو خطاب ہے اس میں عام مسلمان شریک نہیں ہیں جیسے **ومن الليل فتهجد به نافلة لك** نیز **خالصة لك من دون المؤمنين** ③ وہ جس میں لفظاً تو حضور ﷺ کو خطاب کیا گیا ہو لیکن اس میں عام مسلمان بھی شریک ہوں جیسے اللہ تعالیٰ کا قول **اقم الصلوٰة لدلوك الشمس** ؛ **فـاذا قرأت القرآن فاستعذ بالله** ۔ تو آیت مذکورہ **خذ من اموالهم صدقة** میں بھی خطاب اسی تیسری نوعیت کا ہے۔ جہاں تک تطہیر اور تزکیہ اور دعا کا تعلق ہے تو امام المسلمین کو چاہیے کہ زکوۃ دینے والوں کے حق میں دعا کرے۔ لہٰذا مانعین زکوۃ کے ساتھ باغیوں کا سلوک کیا گیا کیونکہ اسلام پھیل چکا ہے اسکے احکامات عام ہو چکے ہیں اور علماء تو کیا عوام اور جہلاء بھی زکوۃ کے ارکان اسلام میں سے ہونے کا علم رکھتے ہیں لہٰذا اگر کوئی زکوۃ یا دین کے کسی اور معروف حکم کے بارے میں تاویل یا انکی فرضیت کا انکار کرے گا تو وہ کافر ہے جیسے پانچ نمازوں میں سے کسی ایک کا انکار، رمضان کے روزوں کا انکار، جنابت سے غسل واجب نہ ہونے کا انکار یا زنا کی حرمت کا انکار، شراب کی حرمت ذوات المحارم سے نکاح کی حرمت وغیرہ کا انکار کفر کے زمرہ میں داخل ہے۔

یا یہ کہ کوئی شخص نو مسلم ہو اور اسلام کے احکامات سے پوری طرح واقف نہ ہو، یا دور دراز اسلام کی واقفیت رکھتا ہو کہ وہ جہالت کی وجہ سے ان مذکورہ باتوں میں سے کسی ایک کا انکار کرے تو اس پر کفر کا اطلاق نہیں ہوگا۔

حدیث بالا میں ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ قیاس کرنا شریعت میں حق ہے اور کسی حکم پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ جیسے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے زکوۃ کو نماز پر قیاس فرمایا۔ اسی طرح یہ بات معلوم ہوئی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ کی ان احادیث کے بارے میں علم نہیں تھا جو حضرت انس، ابن عمر اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم نے روایت کی ہیں کیونکہ یہ روایات حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے موقف کو ثابت کرتی ہیں لہذا اگر انہیں ان احادیث کا علم ہوتا تو وہ قیاس کرنے کے بجائے ان احادیث سے استدلال کرتے اور اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان احادیث کا علم ہوتا تو وہ اعتراض ہی نہ کرتے۔

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک حدیث بعض اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مخفی ہوتی ہے اور کسی ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو اس کا علم ہوتا ہے۔ (کشف الباری، شرح مسلم)

③ کلمہ پڑھنے کے باوجود قتال کی وجہ:۔ اس امر کا جواب بھی ماقبل والے نمبر دو کے ضمن میں گزر چکا ہے۔

**الشق الثالث** ...... عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال: اجتنبوا السبع الموبقات، قيل: يا رسول الله وما هن؟ قال الشرك بالله والسحر وقتل النفس التي حرم الله الا بالحق واكل مال اليتيم واكل الربا والتولي يوم الزحف وقذف المحصنات الغافلات المؤمنات. (ص ۶۴ ج ۱ قدیمی)

ترجم الحديث. ما هي حقيقة السحر عند المحققين مع تعيين محل الخلاف. ما هو الفرق بين السحر والمعجزة والكرامة. اذكر اختلاف العلماء في حكم السحر والساحر. ما هو حكم قذف الكافرة، والامة المسلمة.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں پانچ امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) سحر کی حقیقت (۳) سحر، معجزہ اور کرامت میں فرق (۴) سحر و ساحر کا حکم (۵) کافرہ عورت اور مسلمان باندی پر تہمت کا حکم۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو، پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ سات چیزیں کونسی ہیں؟ (آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ) اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، ناحق کسی شخص کو قتل کرنا، یتیم کا مال کھانا، سود کھانا، مقابلہ کے دن پیٹھ پھیر کر بھاگنا، شریف پاکدامن مومن عورتوں پر تہمت لگانا۔

② سحر کی حقیقت:۔ سحر بالکسر لغت میں ہر ایسے اثر کو کہتے ہیں جس کا سبب ظاہر نہ ہو (قاموس) خواہ وہ سبب معنوی ہو جیسے خاص خاص کلمات کا اثر، یا غیر محسوس چیزوں کا ہو، جیسے جنات وشیاطین کا اثر، یا مسمریزم میں قوت خیالیہ کا اثر، یا محسوسات کا ہو مگر وہ محسوسات مخفی ہوں، جیسے مقناطیس کی کشش لوہے کیلئے جبکہ مقناطیس نظروں سے پوشیدہ ہو، یا دواؤں کا اثر جبکہ وہ دوائیں مخفی ہوں، یا نجوم وسیارات کا اثر۔

اسی لئے جادو کی اقسام بہت ہیں، مگر عرف عام میں عموماً جادو ان چیزوں کو کہا جاتا ہے جن میں جنات وشیاطین کے عمل کا دخل ہو یا قوت خیالیہ مسمریزم کا یا کچھ الفاظ و کلمات کا کیونکہ یہ بات عقلاً بھی ثابت ہے اور تجربہ و مشاہدہ سے بھی اور قدیم و جدید فلاسفہ بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ حروف و کلمات میں بھی بالخاصہ کچھ تاثیرات ہوتی ہیں، کسی خاص حرف یا کلمہ کو کسی خاص تعداد میں پڑھنے یا لکھنے وغیرہ سے خاص خاص تاثرات کا مشاہدہ ہوتا ہے یا ایسی تاثیرات جو کسی انسانی بالوں یا ناخنوں وغیرہ اعضاء یا اسکے استعمالی کپڑوں کے ساتھ کچھ دوسری چیزیں شامل کرکے پیدا کی جاتی ہیں جن کو عرف عام میں ٹونا ٹوٹکا کہا جاتا ہے اور جادو میں شامل سمجھا جاتا ہے۔

قرآن وسنت کی اصطلاح میں سحر ہر ایسے امر عجیب کو کہا جاتا ہے جس میں شیاطین کو خوش کرکے ان کی مدد حاصل کی گئی ہو، پھر

شیاطین کو راضی کرنے کی مختلف صورتیں ہیں، کبھی ایسے منتر اختیار کئے جاتے ہیں جن میں کفر وشرک کے کلمات ہوں اور شیاطین کی مدح کی گئی ہو یا کواکب ونجوم کی عبادت اختیار کی گئی ہو جس سے شیطان خوش ہوتا ہے۔ کبھی ایسے اعمال اختیار کئے جاتے ہیں جو شیطان کو پسند ہیں مثلاً کسی کو ناحق قتل کر کے اس کا خون استعمال کرنا یا جنابت ونجاست کی حالت میں رہنا طہارت سے اجتناب کرنا وغیرہ۔

جس طرح اللہ تعالیٰ کے پاک فرشتوں کی مدد ان اقوال وافعال سے حاصل کی جاتی ہے جن کو فرشتے پسند کرتے ہیں مثلاً تقویٰ، طہارت اور پاکیزگی، بدبو اور نجاست سے اجتناب، ذکر اللہ اور اعمال خیر۔ اسی طرح شیاطین کی امداد ایسے اقوال وافعال سے حاصل ہوتی ہے جو شیطان کو پسند ہیں، اسی لئے سحر صرف ایسے ہی لوگوں کا کامیاب ہوتا ہے جو گندے اور نجس رہیں، پاکی اور اللہ کے نام سے دور رہیں، خبیث کاموں کے عادی ہوں، عورتیں بھی ایام حیض میں یہ کام کرتی ہیں تو موثر ہوتا ہے، باقی شعبدے اور ٹوٹکے یا ہاتھ چالاکی کے کام یا مسمریزم وغیرہ ان کو مجازاً سحر کہہ دیا جاتا ہے۔ (معارف القرآن ج۱ ص ۲۷۴)

**③ سحر، معجزہ اور کرامت میں فرق:۔** معجزہ وکرامت بلا واسطہ اسباب طبعیہ کے براہ راست اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اور جادو ہر اسباب طبعیہ خفیہ کا اثر ہوتا ہے۔ نیز معجزہ وکرامت ایسے حضرات سے ظاہر ہوتے ہیں جن کا تقویٰ وطہارت، پاکیزگی اخلاق واعمال کا سب مشاہدہ کرتے ہیں اور جادو کا اثر ایسے لوگوں سے ظاہر ہوتا ہے جو گندے رہیں، پاک اللہ کے نام اور اسکی عبادت سے دور رہتے ہیں۔ (ایضاً)

معجزہ وکرامت میں فرق یہ ہے کہ معجزہ اس امر خارق للعادۃ کو کہتے ہیں جس کا ظہور کسی نبی کے ہاتھ پر ہوتا ہے اور یہ نبوت کے ثبوت کی حجت اور دلیل ہوتا ہے جبکہ کرامت کا ظہور ولی کے ہاتھ پر ہوتا ہے اور اس سے اس ولی کی تائید مقصود ہوتی ہے۔

**④ سحر وساحر کا حکم:۔** جس سحر میں کوئی کفریہ عمل یا کلمات کو اختیار کیا گیا ہو جیسے شیاطین سے مدد طلب کرنا وغیرہ تو یہ سحر کفر اور مرتکب کافر وزندیق ہے۔ اگر اس میں کفریہ افعال واقوال نہ ہوں مگر معاصی کا ارتکاب ہو مثلاً نجس رہنا، نماز نہ پڑھنا تو وہ سحر فسق اور اس کا مرتکب فاسق ہے اور یہ سیکھنا وسکھانا ناجائز وحرام ہے۔ (کشف الباری کتاب الطب ص ۹۹)

اگر سحر میں صرف جائز اور مباح امور سے کام لیا جائے اور کسی ناجائز مقصد کیلئے اسکو استعمال نہ کیا جائے تو پھر جائز ہے اور اگر قرآنی آیات وغیرہ سے کام لیا جائے مگر کوئی ناجائز مقصد کیلئے ہو تب بھی یہ ناجائز ہے۔

**⑤ کافرہ عورت اور مسلمان باندی پر تہمت کا حکم:۔** جس پر زنا کی تہمت لگی ہے اس کا عاقل، بالغ، آزاد، مسلمان اور عفیف (اس سے پہلے کبھی اس پر زنا ثابت نہ ہوا ہو) ہونا ضروری ہے۔ (معارف القرآن ج۶ ص ۳۵۲)

لہٰذا اگر کسی شخص نے مؤمنہ عورت کی بجائے کسی مشرکہ وکافرہ عورت پر تہمت لگائی خواہ وہ حربیہ ہو یا ذمیہ ہو تو یہ گناہ کبیرہ نہیں ہے اور مؤمنات (مؤنث کا صیغہ) کے لفظ سے مؤمن مرد کو خارج کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ متابعت قرآن کی وجہ سے ہے، پس مؤمن مرد پر تہمت لگانا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ اسی طرح کسی نے مسلمان باندی پر تہمت لگائی تو یہ بھی کبیرہ گناہ نہیں ہے۔

## ﴿السوال الثالث ﴾ ۱۴۲۴ھ

**الشق الاول** ......عن زید بن ثابت عن رسول اللہ ﷺ انہ رخص بعد ذلک فی بیع العریۃ بالرطب او بالتمر ولم یرخص فی غیر ذلک. (ص ۸ ج ۲۔ قدیمی) عرف العرایا واذکر حکمھا. اذکر اختلاف العلماء فی تفسیرھا. اذکر دلائل العلماء علی ما ذھبوا الیہ. رجح ما ذھب الیہ الامام ابو حنیفۃ.

**﴿خلاصہ سوال﴾**......اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) عرایا کی تعریف وحکم (۲) علماء کے دلائل (۳) حنفیہ کی وجوہ ترجیح۔

**جواب**...... **① عرایا کی تعریف وحکم:۔** عرایا کی تفسیر میں ائمہ اربعہ کا اختلاف ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ درخت پر لگی ہوئی کھجور کی بیع کٹی ہوئی کھجور کے عوض کرنا بیع مزابنہ ہے اور اگر یہ بیع پانچ وسق سے کم ہو تو یہ عرایا ہے اور یہ جائز ہے گویا بیع مزابنہ میں عقد پانچ وسق سے زائد میں ہوتا ہے اور عرایا میں عقد پانچ وسق سے کم میں ہوتا ہے اور بیع مزابنہ حرام ہے اور عرایا جائز ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "عرایا، عریۃ" کی جمع ہے بمعنی عطیہ اور اس کی تعریف یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں لوگ کھجور کا پھل پکنے سے پہلے یا کاٹنے سے پہلے کسی فقیر کو ہدیہ کر دیتے تھے اور اسے کہتے تھے کہ اس درخت کا پھل تمہارا ہے۔ وہ فقیر حاجتمند ہوتا تھا وہ چاہتا تھا کہ اس پھل کا نفع یا اس کے عوض کوئی چیز مجھے ابھی مل جائے۔ چنانچہ وہ اس درخت کا پھل کسی تیسرے آدمی کو فروخت کر دیتا تھا اور اس کے عوض کٹی ہوئی کھجور یا ان کی قیمت لیکر اپنے اہل پر خرچ کرتا تھا تو اس تیسرے آدمی کو کھجور فروخت کرنے کا نام عرایا ہے اور اصل میں یہ بیع مزابنہ ہی ہے۔ یہ حرام ہونی چاہیے تھی مگر آپ ﷺ نے لوگوں کی ضروریات وحاجات کو سامنے رکھتے ہوئے پانچ وسق سے کم میں اسے جائز قرار دیا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات کسی باغ کا مالک اپنے باغ کے ایک درخت کا پھل کسی فقیر ومحتاج کو ہبہ کر دیتا تھا اور پھر پھل کاٹنے کے زمانہ میں مالک اپنے بیوی بچوں سمیت باغ میں قیام کرتا تھا تاکہ پھل بھی کھائیں اور تفریح بھی کریں اور وہ فقیر اپنے درخت کا پھل توڑنے کے لئے بار بار صبح وشام باغ میں آتا جس کی وجہ سے مالک اور اس کے بیوی بچوں کو پریشانی ہوتی اس لئے مالک اس فقیر سے کہتا کہ تم اس درخت کا پھل مجھے فروخت کر دو اور اس کے عوض مجھ سے کٹی ہوئی کھجور لے لو۔ چنانچہ وہ فقیر کٹی ہوئی کھجور لیکر چلا جاتا اس کو بیع العرایا کہتے ہیں اور یہ جائز ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عرایا کی تفسیر تو وہی ہے جو امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ہے فرق صرف اتنا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک یہ بیع ہے اور امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ یہ بیع نہیں بلکہ شیء موہوب کی تبدیلی ہے، گویا مالک نے پہلے درخت پر لگی ہوئی کھجور ہبہ کی تھی اور قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے ابھی وہ ہبہ تام نہیں ہوا تھا کہ اس کے عوض دوسری کھجور ہبہ کر دی گئی لہذا یہ بیع نہیں بلکہ استبدال ہبہ ہے اور یہ جائز ہے۔ (تقریر ترمذی ج ۱ ص ۳۲۸)

❷ <u>ائمہ کے دلائل:۔</u> ائمہ اربعہ کے نزدیک عرایا جائز ہے اور تمام ائمہ کی دلیل یہی حدیث ہے۔ نیز ترمذی شریف میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **ان النبی ﷺ نھی عن المحاقلة والمزابنة الا انه قد اذن لاهل العرایا ان یبیعوها بمثل خرصها۔** البتہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے نزدیک عرایا کی تفسیر وتشریح میں اختلاف ہے جیسا کہ ابھی گزرا اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی بیان کردہ تشریح لغۃ، روایۃ ودرایۃ ہر لحاظ سے راجح ہے۔

❸ <u>حنفیہ کی وجوہ ترجیح:۔</u> حنفیہ کی ذکر کردہ تشریح لغۃ، روایۃ ودرایۃ راجح ہے۔ لغۃ اس لئے راجح ہے کہ عرایا کا لفظ عریۃ کی جمع ہے بمعنی عطیہ اور لغت عرب میں یہ بات مشہور ہے کہ وہ درخت پر لگی ہوئی کھجور کے ہبہ کو عریہ کہتے ہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ کی بیان کردہ تشریح کے مطابق یہ بیع ہے عطیہ نہیں ہے۔

روایۃ اس لئے راجح ہے کہ ترمذی کی حدیث اور دیگر متعدد احادیث میں **قد اذن لاهل العرایا ان یبیعوها بمثل خرصها** کے الفاظ مستعمل ہیں اور اس میں **اهل العرایا** کا لفظ ہے جو اس بارے میں صریح ہے کہ اہل عریہ خود اس پھل کو فروخت کرتا تھا جبکہ امام احمد رحمہ اللہ کی تفسیر کے مطابق **معری له** اس پھل کو فروخت کرتا تھا معری (اہل عریہ) نہیں کرتا تھا۔

امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کے نزدیک عرایا کی اگرچہ ایک ہی تفسیر ہے مگر فقہی توجیہ میں اختلاف ہے۔ عند المالکیہ یہ بیع ہے اور عند الحنفیہ یہ استبدال ہبہ ہے۔ حنفیہ بیع اس لئے مراد نہیں لیتے کہ بیع کے لئے مبیع کا مشتری کے قبضہ میں ہونا ضروری ہے جبکہ یہاں ابھی تک قبضے کے ذریعہ ہبہ والا سابقہ معاملہ (عریہ) تام ہی نہیں ہوا کیونکہ معری لہ نے ابھی تک اس کو اپنے

قبضہ میں نہیں لیا وہ ابھی تک درخت پر موجود ہے اس لئے آگے اس کی بیع نہیں ہو سکتی لہٰذا یہ بیع نہیں بلکہ استبدال ہے۔

حنفیہ پر اعتراض ہوتا ہے کہ حدیث میں بیع کے الفاظ مستعمل ہیں لہٰذا یہ بیع ہے۔

پہلا جواب: یہ ہے کہ صورتاً یہ بیع تھی اس لئے حدیث میں بیع کا لفظ ہی استعمال کر دیا گیا۔ دوسرا جواب: یہ ہے کہ بعض احادیث میں بیع کا لفظ نہیں ہے، ممکن ہے کہ راوی نے اسے صورتاً بیع سمجھتے ہوئے بیع کا لفظ روایت میں بھی داخل کر دیا ہو۔

درایۃً اسلئے راجح ہے کہ حرمت ربا کا ایک شعبہ ہے اور ربا کے اندر قلیل وکثیر کا کوئی فرق نہیں ہوتا کہ قلیل میں جائز ہو اور کثیر میں ناجائز ہو اور حنفیہ کی تفسیر مراد لینے کی صورت میں ربا کا احتمال باقی نہیں رہتا کیونکہ اس صورت میں یہ بیع نہیں بلکہ استبدال ہبہ ہے۔

الحاصل حنفیہ کا مسلک ومذہب ہر لحاظ سے راجح ہے "فللّٰہ الحمد"۔ (ایضاً)

**الشق الثانی** ...... حدثنی جابر بن عبدالله انه کان یسیر علی جمل له قد اعییٰ فاراد ان یسیبه قال: فلحقنی النبی ﷺ فدعا لی وضربه فسار سیرا لم یسر مثله قال: بعنیه بوقیة قلت لا، ثم قال بعنیه فبعته بوقیة واستثنیت علیه حملانه الی اهلی فلما بلغت اتیته بالجمل فنقدنی ثمنه ثم رجعت فارسل فی اثری فقال اترانی ماکستك لآخذ جملك خذ جملك ودراهمك فهو لك. (ص۲۹، ج۲، قدیمی)

ترجم الحدیث المذکور اذکر مسألة الشرط فی البیع عند الائمة المجتهدین مع دلائلهم حسب وجهات نظرهم . الحدیث المذکور من یؤید من الائمة؟ وماهو توجیهه عند الائمة الآخرین.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) شرط فی البیع کا حکم (۳) ائمہ کے دلائل (۴) مستدلین کی تعیین اور جواب۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کا ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ اپنے ایک اونٹ پر سفر کر رہے تھے وہ چلتے چلتے تھک گیا، انہوں نے اسے چھوڑ دینے کا ارادہ کیا، کہتے ہیں مجھے نبی کریم ﷺ ملے، آپ نے میرے لئے دعا کی اور اونٹ کو مارا تو وہ ایسے چلنے لگا کہ اس جیسا کبھی نہ چلا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: اسے مجھے ایک اوقیہ پر بیچ دو، میں نے کہا نہیں، پھر فرمایا اس کو مجھے فروخت کر دو تو میں نے اسے آپ کو ایک اوقیہ پر فروخت کر دیا اور اس پر سوار ہو کر اپنے اہل وعیال تک جانے کا استثناء کیا، جب میں پہنچا تو آپ کے پاس وہ اونٹ لے کر حاضر ہوا تو آپ نے مجھے اس کی قیمت نقد ادا کر دی پھر میں واپس آ گیا تو آپ نے میرے پیچھے ایک آدمی کو بھیجا اور فرمایا کیا تم نے یہ خیال کیا ہے کہ میں نے تم سے کم قیمت لگوائی ہے تا کہ تجھ سے تیرا اونٹ لے لوں، اپنا اونٹ بھی لے جاؤ اور دراہم بھی تیرے لئے ہیں۔

❷، ❸ شرط فی البیع کا حکم اور ائمہ کے دلائل: حنفیہ اور جمہور فقہاء رحمہم اللہ کے نزدیک ایک شرط تو عقد کے اندر مقتضائے عقد کے مطابق ہوتی ہے مثلاً یہ شرط کہ بائع مبیع کو مشتری کے حوالے کرے گا یہ شرط لگانا تو درست ہے لیکن اسکے ساتھ دوسری ایسی شرط لگانا جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو درست نہیں چنانچہ اس حدیث کی بنیاد پر حنفیہ رحمہم اللہ یہ کہتے ہیں کہ اگر بیع کے اندر مقتضائے عقد کے خلاف کوئی شرط ہو تو اس سے عقد بھی فاسد ہو جاتا ہے اور شرط بھی فاسد ہو جاتی ہے البتہ حنفیہ رحمہم اللہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ وہ شرط جو مقتضائے عقد کے خلاف ہے اور جس سے عقد فاسد ہو جاتا ہے وہ ایسی شرط ہونی چاہیے جس میں یا تو احد المتعاقدین کا نفع ہو یا معقود علیہ کا نفع ہو مثلاً بائع نے کہا کہ میں یہ چیز فروخت کرتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ تم میرے باغ میں روزانہ ایک ماہ تک پانی دو گے ظاہر ہے کہ اس شرط کے اندر بائع کا نفع ہے اسی طرح اگر مشتری یہی شرط لگا دے تو اس صورت میں مشتری کا نفع ہے اس لئے یہ شرط مفسد عقد ہے

تیسری صورت یہ ہے کہ اس شرط کی وجہ سے معقود علیہ کا نفع ہو مثلاً معقود علیہ ایک غلام ہے اور بائع نے یہ شرط لگادی کہ میں غلام اس شرط پر بیچتا ہوں کہ تم اس کو روزانہ پلاؤ اور قورمہ کھلاؤ گے چونکہ اس شرط کی وجہ سے معقود علیہ کا نفع ہے اس لئے یہ شرط بھی مفسد عقد ہوگی۔

لیکن اگر کوئی ایسی شرط عقد بیع کے اندر لگادی جو مقتضائے عقد میں داخل تو نہیں ہے البتہ عقد کے ملائم ہے اور اس عقد کو پختہ کرنے کیلئے مناسب ہے تو ایسی شرط لگانا حنفیہ کے نزدیک جائز ہے اور اسکی وجہ سے عقد فاسد نہیں ہوگا مثلاً بیع کے وقت مشتری نے کہا کہ میں اس کی قیمت ایک ماہ بعد دوں گا بائع نے کہا کہ مجھے منظور ہے بشرطیکہ ایک ماہ بعد دینے پر تم مجھے کفیل فراہم کرو جو اس بات کی ذمہ داری لے کہ اگر تم نے پیسے نہیں دیئے تو وہ کفیل ادا کریگا چونکہ اس میں کفیل کی شرط بائع کی طرف سے عقد کے مناسب ہے اس لئے اس کی وجہ سے عقد فاسد نہیں ہوگا یا بائع نے یہ شرط لگادی کہ اس ثمن کے عوض تم ایک ماہ تک میرے پاس کوئی چیز رہن رکھواؤ تو رہن کی شرط چونکہ ملائم عقد ہے اسلئے ایسی شرط لگانا جائز ہے اسی طرح اگر کوئی شرط عقد کے اندر ایسی لگادی جو مقتضائے عقد کے تو خلاف ہے لیکن تاجروں کے عرف میں وہ شرط عقد کے اندر داخل شمار ہوتی ہے تو اس صورت میں وہ شرط گویا کہ مقتضائے عقد کے اندر داخل ہوگی ہے ایسی شرط لگانا بھی جائز ہے جیسے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ مثلاً مشتری نے یہ کہا کہ میں یہ جوتا تم سے اس شرط پر خریدتا ہوں کہ تم اس میں مجھے نعل لگا کر دو گے تو چونکہ نعل لگانا ایک ایسی شرط ہے جو عرف میں متعارف ہوگئی ہے اسلئے ایسی شرط لگانا عقد کے اندر جائز ہے۔

جمہور فقہاء کا مذہب: امام ابوحنیفہ امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ شرط لگانے سے بیع بھی فاسد ہوجاتی ہے البتہ وہ شرط ملائم عقد ہو یا وہ شرط متعارف ہوچکی ہو تو حنفیہ کے نزدیک ایسی شرط لگانا جائز ہے جبکہ شافعیہ کے نزدیک متعارف شرط لگانا بھی درست نہیں اور مالکیہ یہ فرماتے ہیں کہ صرف مقتضائے عقد کے خلاف ہونے سے بیع فاسد نہیں ہوتی جب تک وہ شرط منافی عقد نہ ہو مثلاً کوئی شخص بیع کے اندر یہ شرط لگادے کہ میں یہ چیز فروخت کرتا ہوں لیکن اس شرط کے ساتھ کہ ایک سال تک اس کی ملکیت تمہاری طرف منتقل نہیں ہوگی چونکہ یہ شرط منافی عقد ہے کیونکہ عقد کا تقاضا یہ ہے کہ ملکیت منتقل ہوجائے اس شرط کی وجہ سے عقد بھی فاسد ہوجائے گا بہرحال ان تینوں اماموں کے آپس میں تھوڑے سے اختلاف کے باوجود اس بات پر اتفاق ہے کہ شرط کی وجہ سے عقد بھی فاسد ہوجاتا ہے اور شرط بھی فاسد ہوجاتی ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مذہب: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر عقد کے اندر ایک شرط لگائی تو یہ جائز ہے البتہ دو شرطیں لگانا درست نہیں اس کی وجہ سے عقد فاسد ہوجائے گا مثلاً مشتری نے کہا کہ میں تم سے یہ کپڑا اس شرط پر خریدتا ہوں کہ تم اس کو سی کر دو گے تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک بیع درست ہے اور اگر مشتری نے دو شرطیں لگادیں اور یہ کہا کہ میں اس شرط پر کپڑا خریدتا ہوں کہ تم استری کر کے بھی دو گے اور پھر ہر ہفتے دھو کر دیا کرو گے تو اس صورت میں ایک عقد کے اندر دو شرطیں ہونے کی وجہ سے یہ عقد فاسد ہوجائیگا۔

جمہور کا استدلال: جمہور فقہاء اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو امام صاحب نے اپنی کتاب جامع المسانید یعنی مسند امام اعظم میں روایت کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں **نهى رسول الله ﷺ عن بيع وشرط**، اس میں لفظ شرط مفرد ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایک شرط لگانا بھی ناجائز ہے۔

❷ <u>مستدلین کی تعیین اور جواب</u>:۔ یہ حدیث امام احمد رحمہ اللہ کی دلیل ہے نیز ان کی دوسری دلیل **لا شرطان في بيع** ہے، اس میں شرطان تثنیہ کا صیغہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دو شرطیں لگانا تو جائز نہیں ایک شرط لگانا جائز ہے۔

حدیث الباب کا جواب یہ ہے کہ اصل میں تو بیع مطلقاً ہوئی تھی لیکن بیع کے بعد حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے درخواست کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! میرے پاس کوئی اور سواری نہیں ہے اس لئے آپ ﷺ مجھے مدینہ منورہ تک اس پر سواری کی

اجازت دے دیجئے، چنانچہ آپ ﷺ نے اجازت دیدی۔

اسکی دلیل یہ ہے کہ مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اونٹ فروخت کر دیا تو اونٹ سے اتر کر علیحدہ کھڑے ہو گئے۔ حضور ﷺ نے پوچھا کہ تم اونٹ سے اتر کر کیوں کھڑے ہو گئے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اب یہ اونٹ آپ ﷺ کا ہے، آپ اس پر قبضہ کر لیں۔ حضور ﷺ نے جواب دیا کہ نہیں، مدینہ منورہ تک تم ہی سواری کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نہ صرف یہ کہ شرط نہیں لگائی تھی بلکہ آپ ﷺ نے اپنی خوشی سے مدینہ منورہ تک سواری کی اجازت دی تھی۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس کا دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا حضور ﷺ سے جو عقد ہوا تھا یہ محض صورۃً عقد تھا، حقیقت میں بیع مقصود ہی نہیں تھی، اس لئے کہ اسی واقعہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ پہنچے تو آپ ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو بلوایا کہ آ کر اونٹ کی قیمت لے لو، چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے پیسے دیئے اور کچھ زیادہ کر کے دیئے جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ پیسے لیکر واپس جانے لگے تو حضور ﷺ نے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! پیسے مل گئے اب گھر جا رہا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تمہارا اونٹ کھڑا ہے اس کو بھی لے جاؤ، اس طرح آپ ﷺ نے پیسے بھی دے دیئے اور اونٹ بھی واپس کر دیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کا مقصد بیع کرنا نہیں تھا بلکہ درحقیقت حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو نوازنا مقصود تھا۔ اور اس کے لئے یہ ایک بہانہ بنایا تا کہ اس کے ذریعہ ایک خوش طبعی بھی پیدا ہو جائے تو جب حقیقت میں یہ بیع ہی نہیں تھی تو پھر اس کے اندر اگر یہ شرط لگالی کہ مدینہ منورہ تک سواری کروں گا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لہٰذا اس کے ذریعہ سے ایسی بیوع میں استدلال نہیں کیا جا سکتا جہاں مقصود ہی خرید و فروخت ہو، گویا کہ ایک استثنائی واقعہ تھا جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا۔ باقی جہاں تک حدیث لا شرطان فی بیع میں لفظ شرطان کا تعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک شرط تو پہلے سے خود بخود عقد کے اندر موجود ہوتی ہے وہ یہ کہ بائع مبیع کو مشتری کے حوالے کرے گا اس کے علاوہ اگر کوئی اور شرط لگا دی تو پھر دو شرطیں ہو جائیں گی جس کو اس حدیث میں ناجائز کہا ہے۔ (تقریر ترمذی ج۲ ص ۱۰۷)

## ﴿الورقة الثانية: صحيح الامام مسلم﴾

### ﴿السؤال الاول﴾ ۱۴۲۵ھ

**الشق الاول** ...... قَالَ عَبْدُ اللهِ يَعْنِيْ اِبْنَ الْمُبَارَكِ رَأَيْتُ رَوْحَ بْنَ غُطَيْفٍ صَاحِبَ الدَّمِ قَدْرَ الدِّرْهَمِ وَجَلَسْتُ اِلَيْهِ مَجْلِسًا فَجَعَلْتُ اَسْتَحْيِيْ مِنْ اَصْحَابِيْ اَنْ يَرَوْنِيْ جَالِسًا مَعَهُ كُرْهَ حَدِيْثِهِ. (ص۱۳، ج۱۔ قدیمی)

شكل العبارة بالضبط . عرف من هو روح بن غطيف وما معنى "صاحب الدم قدر الدرهم"؟ اشرح مراد مسلم بهذا الاثر . اذكر شروط مسلم في صحيحه في انتقاء الحديث واختياره كما ذكره في مقدمته.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ پانچ امور ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) روح بن غطیف کا تعارف (۳) مذکورہ جملہ کا معنی (۴) امام مسلم رحمہ اللہ کی مراد (۵) امام مسلم رحمہ اللہ کی شرائط۔

**جواب** ...... ❶ عبارت پر اعراب: کما مر فی السوال آنفا۔

❷ روح بن غطیف کا تعارف: روح بن غطیف ثقفی جزری منکر الحدیث اور ساقط الاعتبار راوی ہے، یہ بہت زیادہ احادیث گھڑتا اور حدیث تعاد الصلوۃ من قدر الدرہم من الدم اسی شخص نے گھڑی ہے۔ امام بخاری نے اسے منکر الحدیث کہا ہے۔ (فیض المنعم)

❸ مذکورہ جملہ کا معنی: جملہ کا لفظی معنی یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے بقدر درہم خون والے

روح بن غطیف کو دیکھا ہے اور مراد یہ ہے کہ جس راوی نے تعاد الصلوٰۃ من قدر الدرھم من الدم والی حدیث گھڑی ہے میں اس کو ملا ہوں گویا کہ یہ جملہ اس کا خلاصہ ہو گیا۔

❹ امام مسلم رحمہ اللہ کی مراد:۔ اس اثر سے امام مسلم رحمہ اللہ کی مراد روح بن غطیف کے ضعف کو بیان کرنا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے روح بن غطیف کو دیکھا ہے اور اس کے ساتھ ایک مجلس میں بیٹھا ہوں چونکہ روح کی حدیث کو ناپسند کیا جاتا تھا اس وجہ سے میں اپنے تلامذہ کے سامنے اس بات سے شرم محسوس کرنے لگا کہ کہیں وہ مجھے اس کے ساتھ بیٹھا ہوا نہ دیکھ لیں، گویا اس کے ساتھ بیٹھنا بھی باعث شرم و حیاء ہے۔

❺ امام مسلم رحمہ اللہ کی شرائط:۔ ① امام بخاری رحمہ اللہ کی طرح امام مسلم رحمہ اللہ بھی فقط صحیح لذاتہ احادیث ذکر کرتے ہیں ② اجماع علی ثقاھة الراوی یعنی امام بخاری رحمہ اللہ کی طرح امام مسلم رحمہ اللہ بھی نیچے سے اوپر صحابی مشہور تک ایسی روات سے روایت لیتے ہیں جن کی عدالت وضبط پر ان کے اہل زمانہ تمام مشائخ وقت کا اجماع ہو چکا ہو ③ ترک وحدان (وحدان سے مراد وہ روات ہیں جن سے فقط ایک راوی نے روایت کی ہو۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اس قسم کے راوی سے تخریج حدیث نہیں کی بلکہ امام مسلم رحمہ اللہ کی شرط یہ ہے کہ صحابی سے روایت کرنے والا تابعی مشہور ہو کر اس کے دو ثقہ تلامذہ تبع تابعین ہوں پھر یہ تبع تابعی بھی مشہور ہو کہ چوتھے طبقہ کے متعدد ثقہ حضرات اس کے تلامذہ ہوں ④ حدیث متفق الصحة: امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح مسلم میں مطلقاً صحیح احادیث نہیں ذکر کیں بلکہ فقط ایسی حدیثیں ذکر کی ہیں جن کی صحت پر مشائخ وقت کا اجماع تھا۔ (تفہیم و مقدمہ فتح الملہم ص ۳۰)

**الشق الثانی** ......وَعَلَامَةُ الْمُنْكَرِ فِيْ حَدِيْثِ الْمُحَدِّثِ إِذَا مَا عُرِضَتْ رِوَايَتُهُ لِلْحَدِيْثِ عَلٰى رِوَايَةِ غَيْرِهِ مِنْ أَهْلِ الْحِفْظِ وَالرِّضٰى خَالَفَتْ رِوَايَتُهُ رِوَايَتَهُمْ أَوْلَمْ تَكَدْ تُوَافِقُهَا فَإِذَا كَانَ الْأَغْلَبُ مِنْ حَدِيْثِهِ كَذٰلِكَ كَانَ مَهْجُوْرَ الْحَدِيْثِ غَيْرَ مَقْبُوْلِهِ وَلَا مُسْتَعْمَلِهِ فَمِنْ هٰذَا الضَّرْبِ مِنَ الْمُحَدِّثِيْنَ عَبْدُاللهِ بْنُ مُحَرَّرٍ، وَيَحْيَى بْنُ أَبِيْ أُنَيْسَةَ وَالْجَرَّاحُ بْنُ الْمِنْهَالِ أَبُو الْعَطُوْفِ، وَعَبَّادُ بْنُ كَثِيْرٍ وَحُسَيْنُ بْنُ عَبْدِاللهِ بْنِ ضُمَيْرَةَ وَعُمَرُ بْنُ صُهْبَانَ وَمَنْ نَحَا نَحْوَهُمْ فِيْ رِوَايَةِ الْمُنْكَرِ مِنَ الْحَدِيْثِ فَلَسْنَا نُعَرِّجُ عَلٰى حَدِيْثِهِمْ وَلَا نَتَشَاغَلُ بِهِ لِأَنَّ حُكْمَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَالَّذِيْ نَعْرِفُ مِنْ مَذْهَبِهِمْ فِيْ قَبُوْلِ مَا يَتَفَرَّدُ بِهِ الْمُحَدِّثُ مِنَ الْحَدِيْثِ أَنْ يَكُوْنَ قَدْ شَارَكَ الثِّقَاتِ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ وَالْحِفْظِ فِيْ بَعْضِ مَا رَوَوْا وَأَمْعَنَ فِيْ ذٰلِكَ عَلَى الْمُوَافَقَةِ لَهُمْ فَإِذَا وُجِدَ ذٰلِكَ ثُمَّ زَادَ بَعْدَ ذٰلِكَ شَيْئًا لَيْسَ عِنْدَ أَصْحَابِهِ قُبِلَتْ زِيَادَتُهُ. (ص۔م۔ج۔ا۔ق۔ل) شکل العبارة بالضبط ترجمها.

عرف المنكر وبين حكمه. ماهي زيادة الثقة؟ ومتى تقبل؟ ومتى ترد؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حاصل چار امور ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) منکر کی تعریف اور حکم (۴) ثقہ کی زیادتی کا مطلب اور حکم۔

**جواب** ...... ❶ عبارت پر اعراب:۔ كما مر في السؤال آنفا۔

❷ عبارت کا ترجمہ:۔ کسی محدث کی روایات کے منکر ہونے کی علامت یہ ہے کہ جب اس کی روایت دوسرے اہل حفظ و رضا کی روایت کے سامنے پیش کی جائے (یا ہم تقابل کیا جائے) تو اس کی روایت ان کی روایت کے خلاف ہو یا مشکل سے ان میں موافقت پیدا کی جا سکے۔ پس جب کسی شخص کی روایات میں اکثر ایسی ہی روایات ہوں تو وہ راوی متروک الحدیث، غیر مقبول الروایہ اور نا قابل احتجاج ہے اس قسم کے راویوں میں عبداللہ بن محرر، یحییٰ بن ابی انیسہ، ابو العطوف جراح بن منہال، عباد بن کثیر، حسین بن عبداللہ بن ضمیرہ، عمر بن

صحیح بن ابی اور وہ تمام رواۃ جو منکر روایتیں نقل کرنے میں ان کے نقش قدم پر ہیں ہم ایسے رواۃ کی روایتوں پر اعتماد نہیں کریں گے اور ان کی تخریج میں مشغول نہ ہوں گے۔ اسلئے کہ محدثین کا جو فیصلہ اور مذہب مشہور ہے اس شخص کی روایت کے قبول کرنے کے بارے میں جس کا راوی متفرد ہو یہ ہے کہ وہ راوی ثقہ حفاظ و محدثین کیساتھ انکی بعض مرویات میں شریک رہا ہو اور اس نے انکی موافقت میں انتہائی جدوجہد کی ہو تو جب کوئی راوی ایسا ثابت ہو جائے اور پھر وہ کوئی زائد بات بیان کرے جو انکے ساتھیوں کی روایت میں نہ ہو تو پھر وہ زیادتی قبول کی جائیگی۔

❸ منکر کی تعریف اور حکم:۔ منکر کی دو تعریفیں کی گئی ہیں۔ ① اگر ضعیف راوی کی روایت ثقہ راوی کی روایت کے خلاف ہو تو ضعیف راوی کی روایت کو منکر کہتے ہیں ② اگر کسی حدیث کا کوئی راوی ضعیف ہو اور وہ اس حدیث کی روایت میں متفرد ہو تو اس روایت کو بھی اور اس کے ضعیف راوی کو بھی منکر کہتے ہیں، بعض ائمہ اور ائمہ جرح و تعدیل کے اقوال میں منکر اسی معنی میں مستعمل ہے اور امام مسلم رحمہ اللہ کے نزدیک بھی منکر سے یہی معنی مراد ہے۔ منکر کے حکم کے متعلق امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس راوی کی روایات میں منکر یا غلط احادیث کا غلبہ ہو اور اس کی اکثر روایات دوسرے اہل حفظ ورضا کی روایات کے خلاف ہوں تو ایسا راوی متروک الحدیث، غیر مقبول الروایہ اور نا قابل احتجاج ہے، ہم ایسے راوی کی روایات پر اعتماد بھی نہیں کریں گے اور ان کی تخریج بھی نہیں کریں گے۔ (فیض المنعم ص ۴۲)

❹ ثقہ کی زیادتی کا مطلب اور حکم:۔ ثقہ کی زیادتی کا مطلب یہ ہے کہ ایک ثقہ راوی دوسرے ثقہ راویوں کے ساتھ کسی استاذ سے روایت کرنے میں شریک ہو اور عام طور پر انکی روایات ان ثقہ راویوں کی روایات کے موافق بھی ہوں، مگر کسی خاص حدیث میں وہ کوئی ایسی بات زیادہ ذکر کرے جو دوسرے ثقہ راویوں کی روایت میں نہیں ہے تو یہ زیادتی معتبر و مقبول ہے۔ (ایضاً ص ۴۲)

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۲۵ھ

**الشق الاول** ......عن ابی عثمان قال: لما ادعی زیاد لقیت ابابکرة فقلت له ماهذا الذی صنعتم انی سمعت سعد بن ابی وقاص یقول سمع اذنای من رسول الله ﷺ وهو یقول من ادعی ابا فی الاسلام غیر ابیه یعلم انه غیر ابیه فالجنة علیه حرام فقال ابوبکرة وانا سمعته من رسول الله ﷺ (ص ۵۷۔ ج ۱۔ قدیمی)

شکل العبارة ثم ترجمها. من هو زیاد؟ وما علاقته بابی بکرة؟ وما الذی فعله ابوبکرة حتی قال له ابوعثمان "ماهذا الذی صنعتم......؟ اکشف القناع عن وجه استلحاق معاویة لزیاد بحیث تکون ساحة الصحابی معاویة بن ابی سفیان بزینة عن المطاعن والعیوب. اشرح الحدیث حسب عقیدة اهل السنة والجماعة.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال کا حل پانچ امور ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) زیاد کا تعارف، ابوبکرہ کیساتھ تعلق اور فعل کی وضاحت (۴) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیاد کو اپنے ساتھ لاحق کرنے کی وجہ (۵) حدیث کی تشریح۔

**جواب** ...... ❶ عبارت پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

❷ عبارت کا ترجمہ:۔ ابو عثمان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب زیاد نے ولد سفیان ہونے کا دعویٰ کیا تو میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے کہا کہ یہ تم نے کیا عمل کیا ہے میں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میرے دونوں کانوں نے حضور اقدس ﷺ سے سنا کہ آپ نے فرمایا "جس نے اسلام کی حالت میں اپنے باپ کے علاوہ کسی غیر کو باپ بنانے کا دعویٰ کیا یہ جانتے ہوئے کہ وہ اس کا باپ نہیں ہے تو جنت اس پر حرام ہے" تو ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور میں نے بھی اس حدیث کو رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔

❸ و ❹ زیاد کا تعارف، ابوبکرہ کیساتھ تعلق اور فعل کی وضاحت اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیاد کو اپنے ساتھ لاحق کرنے کی وجہ:۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ اور زیاد دونوں ماں شریک بھائی ہیں، دونوں سمیہ نامی خاتون کے بطن سے پیدا ہوئے۔ سمیہ

حارث بن کلدہ طبیب کی باندی تھی، اسی کے پاس سمیہ کے بطن سے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ جو صحابی ہیں پیدا ہوئے، اور زیاد صحابی نہیں ہیں۔ زیاد کے باپ کا شروع میں لوگوں کو علم نہ تھا۔ بہت سے لوگ اس کو ولد الحرام اور ولد الزنا سمجھتے تھے۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق اسے کوئی "زیاد بن عبید ثقفی" کہتا اور کوئی "زیاد بن ابیہ" اور کوئی "زیاد بن امیہ" کہتا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ زمانہ جاہلیت میں متعدد قسم کے نکاح ہوتے تھے کہ کچھ دن کیلئے اس سے نکاح کر لیا اور کچھ دن کیلئے دوسرے سے۔ اسلام نے ان نکاح جاہلیت کو باطل قرار دے دیا لیکن نکاح جاہلیت سے جو بچے پیدا ہو چکے تھے وہ جاہلیت میں بھی وہ ثابت النسب کہلاتے تھے۔ اسلام نے بھی دور جاہلیت کے ایسے نکاح سے پیدا ہونے والے بچے کو ثابت النسب قرار دیا۔ ایک نکاح جاہلی کا طریقہ یہ تھا کہ کسی باندی سے اس کا مالک بھی مباشرت کرتا تھا اور دوسرے لوگ بھی، پھر اسکی باندی (جس سے متعدد مردوں نے نکاح جاہلی کی بناء پر مباشرت کی ہو) کے بچوں کے ثبوت نسب کا طریقہ یہ تھا کہ وہ باندی مباشرت کرنے والے جس مرد کو متعین کر دیتی تھی وہی اس بچہ کا باپ مانا جاتا تھا اور بچہ اسی کی طرف منسوب ہوتا تھا۔ جب اسلام آیا تو اسلام نے ان کو ثابت النسب قرار دیا لیکن آئندہ کیلئے ثبوت نسب کے قوانین وضع کر دیئے اور قاعدہ یہ مقرر کر دیا کہ **الولد للفراش وللعاهر الحجر۔**

ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے بھی سمیہ سے نکاح جاہلیت کیا تھا، جب سمیہ کے بطن سے زیاد پیدا ہوا تو سمیہ نے اس کو ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے بھی مشرف با اسلام ہونے سے پہلے زمانہ جاہلیت ہی میں اقرار کیا کہ یہ ان کا بچہ ہے، اور کچھ لوگوں کو خفیہ طور پر اس کا گواہ بھی بنایا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھی والد ہیں۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور حکومت آیا اس وقت تک زیاد کے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہونے کی بات مخفی تھی۔ زیاد بڑا ذہین، مدبر، منتظم اور شجاع تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھی تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہا۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو زیاد نے گواہوں کے ذریعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھائی ہونے کا دعویٰ کر دیا اور گواہوں کی تعداد دس (۱۰) تھی جن میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق ایک جلیل القدر صحابی حضرت مالک بن ربیعہ سلولی رضی اللہ عنہ بھی تھے جو بیعت رضوان میں شریک رہ چکے تھے۔ اب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کیلئے یہ مسئلہ بن گیا۔ ظاہر ہے بھائی بنانے میں عار بھی تھی اور بدنامی بھی ہو سکتی تھی۔ لیکن جب یہ مسئلہ دس (۱۰) گواہوں کے ذریعہ مبرہن ہو کر آیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنا بھائی بنا لیا اور الحاق نسب کر دیا۔ جن لوگوں کو یہ صورتحال معلوم نہ تھی ان کو حیرانگی ہوئی اور انہوں نے اختلاف بھی کیا، چنانچہ ان معترضین میں یہ ابوعثمان بھی تھے جن کا ذکر یہاں حدیث باب میں ہے۔ یاد رہے کہ زیاد، ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کے ماں شریک بھائی ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے باپ شریک بھائی ہیں۔ چنانچہ ابوعثمان، ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے ملے اور ابوعثمان سمجھتے تھے کہ شاید ابوبکرہ رضی اللہ عنہ خود بھی اس الحاق نسب پر راضی ہیں۔ اس مکالمہ سے ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کا موقف واضح نہیں ہوتا لیکن روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں یہ بھی استلحاق سے ناراض تھے اور ناراضگی کی وجہ یہ بتاتے تھے کہ **لا واللہ ما علمت سمية رأت أبا سفيان قط** (قسم بخدا میں نہیں جانتا کہ سمیہ نے کبھی ابوسفیان کو دیکھا بھی ہو)

اگرچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے استلحاق کے بعد زیاد کا نسب ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے ثابت ہو گیا تھا، لیکن اس نے مزید توثیق اور تائید کیلئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو خط لکھا جس کے شروع میں لکھا **من زياد بن أبي سفيان الى امه عائشة** ارادہ یہ تھا کہ ثبوت مؤکد ہو جائے گا اور لوگوں کو شبہ اور اعتراض باقی نہ رہے گا۔ لیکن چونکہ اس وقت تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کے نسب کی تصدیق نہ ہوئی تھی اس لئے انہوں نے جواب میں لکھا **من عائشة ام المومنين الى ابنها زياد** لیکن بعد میں جب حقیقت حال واضح ہو گئی تو زیاد کے نام ایک خط میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے لکھا **من عائشة ام المؤمنين الى زياد بن أبي سفيان** جب زیاد کے پاس یہ خط پہنچا تو اس نے خوش ہو کر یہ خط مجمع عام میں سنا دیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو حضرات شروع میں اس استلحاق پر اعتراض فرما رہے تھے ان کا اعتراض یہ نہیں تھا کہ زیاد ولد الزنا ہے لہٰذا اس کا ابوسفیان سے

نسب ثابت نہیں ہو سکتا، بلکہ ان کا اعتراض یہ تھا کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کس سبب سے مباشرت یا نکاح جاہلی کیا تھا یہ تحقیق نہیں تھا۔ (درس مسلم ص ۳۰۴)

⑤ حدیث کی تشریح:۔ ارشاد نبوی ﷺ کا حاصل یہ ہے کہ دانستہ طور پر خود کو غیر باپ کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنا حدیث بالا کی رُو سے کفر ہے۔ علماء نے فرمایا کہ یہ مستحل (اس عمل کو جائز سمجھنے والے) کے بارے میں ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ درحقیقت جس شخص نے اپنے آپ کو غیر کی طرف منسوب کیا اس نے اللہ کی نعمت کی تکفیر کی اور اللہ تعالیٰ کے حق اور احسان کی تکفیر کی اور باپ کے حق کی ناشکری و ناقدری کی اور اس کفر سے وہ کفر مراد نہیں جو اسلام سے خارج کردے بلکہ ناشکری و کفرانِ نعمت مراد ہے جیسے حدیث میں حضور ﷺ نے عورتوں کے متعلق فرمایا یکفرن العشیر کہ شوہر کی ناشکری کرتی ہیں۔ (واللہ اعلم)

**الشق الثانی** ...... عن انس عن النبی ﷺ اذا عجل علیه السفر یؤخر الظهر الی اول وقت العصر فیجمع بینهما ویؤخر المغرب حتی یجمع بینها وبین العشاء حین یغیب الشفق . (ص ۲۴۵ - ج ۱ - قدیمی)

ترجم الحدیث الشریف . اذکر مذاهب العلماء فی الجمع بین الصلاتین واشرح دلائلهم ببسط وتفصیل ورجح ماهو الراجح حسب الادلة. اذکر الشروط عند القائلین بالجمع .

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) جمع بین الصلوٰتین میں ائمہ کے مذاہب و دلائل (۳) راجح کی ترجیح (۴) قائلین جمع کے نزدیک جمع کی شرط۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جب آپ ﷺ کو سفر کی جلدی ہوتی تو آپ ﷺ نمازِ ظہر کو مؤخر کرتے نمازِ عصر کے ابتدائی وقت تک اور جمع کرتے ان دونوں (ظہر و عصر) کو اور مؤخر کرتے نمازِ مغرب کو یہاں تک کہ جمع کرتے اس کو اور نمازِ عشاء کو جس وقت کہ شفق غائب ہوتا ہے۔

② جمع بین الصلوٰتین میں ائمہ کے مذاہب و دلائل:۔ اس پر ائمہ کا اتفاق ہے کہ بغیر کسی شرعی عذر کے جمع بین الصلوٰتین جائز نہیں البتہ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک عذر کی صورت میں جمع بین الصلوٰتین جائز ہے۔

پھر عذر کی تفصیل میں یہ اختلاف ہے کہ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک سفر اور مطر عذر ہے اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک مرض بھی عذر ہے پھر سفر میں بھی امام شافعی رحمہ اللہ پوری مقدار سفر کو عذر قرار دیتے ہیں جبکہ امام مالک رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ جمع بین الصلوٰتین صرف اس وقت جائز ہوگی جب مسافر حالت سیر میں ہو اور اگر کہیں ٹھہر گیا خواہ ایک ہی دن کیلئے تو وہاں جمع بین الصلوٰتین جائز نہیں بلکہ امام مالک رحمہ اللہ کی ایک روایت یہ ہے کہ مطلق حالت سیر بھی کافی نہیں بلکہ جب کسی وجہ سے تیز رفتاری ضروری ہو تب جمع بین الصلوٰتین جائز ہوگی ورنہ نہیں۔

پھر ان سب حضرات کے نزدیک جمع تقدیم بھی جائز ہے اور جمع تاخیر بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ عذر کے پائے جانے اور نہ پائے جانے کا بھی کوئی اعتبار نہیں البتہ جمع صوری جائز ہے جسے جمع فعلی بھی کہتے ہیں اس کی صورت یہ ہوگی کہ ظہر کی نماز بالکل آخر وقت میں اور عصر کی نماز بالکل شروع وقت میں ادا کی جائے اس طرح دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت میں ہوں گی البتہ ایک ساتھ ہونے کی بناء پر صورۃً اسے جمع بین الصلوٰتین کہہ دیا گیا ہے۔

استدلال ائمہ ثلاثہ: ائمہ ثلاثہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اُن روایات سے استدلال کرتے ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے غزوۂ تبوک کے موقع پر ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کے درمیان جمع فرمایا اس مفہوم کی روایات تقریباً تمام صحاح میں موجود ہیں نیز ابوداؤد وغیرہ میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت موجود ہے جس سے جمع تقدیم کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے۔

دلائل حنفیہ: ① قوله تعالیٰ ان الصلوة کانت علی المؤمنین کتٰبًا موقوتًا (سورۂ نساء) ... وقوله تعالیٰ

فویل للمصلین الذین هم عن صلوتهم ساهون۔ (سورۂ ماعون)۔ وقوله تعالیٰ حافظوا علی الصلوات والصلوة الوسطی (سورۂ بقرہ)۔ ان تمام آیات میں یہ بات واضح ہے کہ نماز کے اوقات مقرر ہیں اور ان کی محافظت واجب ہے اور ان اوقات کی خلاف ورزی باعث عذاب ہے ظاہر ہے کہ یہ آیات قطعی الثبوت والدلالۃ ہیں اور اخبار آحاد اسکا مقابلہ نہیں کر سکتیں بالخصوص جبکہ اخبار آحاد میں تاویل کی گنجائش بھی موجود ہو ② بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے قال ما رایت النبی ﷺ صلی صلوة لغیر میقاتها الا صلوتین جمع بین المغرب والعشاء وصلی الفجر قبل میقاتها (الحدیث) ③ اصحاب سنن نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے جس میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد مروی ہے لیس فی النوم تفریط انما التفریط فی الیقظة بان یؤخر صلوة الی وقت اخری ④ اوقات صلوٰۃ کی تحدید تواتر سے ثابت ہے اور اخبار آحاد کے ذریعہ ان میں تغیر نہیں ہو سکتا۔

ائمہ ثلاثہ کے مستدلات کا جواب: یہ ہے کہ جمع بین الصلوتین کے وہ تمام واقعات جو آنحضرت ﷺ سے منقول ہیں ان میں جمع حقیقی مراد نہیں بلکہ جمع صوری مراد ہے اور جمع صوری مراد ہونے پر مندرجہ ذیل دلائل شاہد ہیں۔

① صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے قال رأیت النبی ﷺ اذا اعجله السیر فی السفر یؤخر صلوة المغرب حتی یجمع بینها وبین العشاء قال سالم وکان عبدالله بن عمر یفعله اذا اعجله السیر یقیم المغرب یصلیها ثلاثا ثم یسلم ثم قلما یلبث حتی یقیم العشاء الخ۔ اس میں صراحت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نماز مغرب سے فارغ ہونے کے بعد کچھ دیر انتظار فرماتے تھے اور اسکے بعد نماز عشاء پڑھتے تھے اس انتظار کا کوئی محمل نہیں ہو سکتا سوائے اس کے کہ وہ وقت عشاء کے دخول کا یقین چاہتے تھے خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اعتراف کیا ہے کہ اس میں جمع صوری پر دلیل ملتی ہے۔

② اس سے زیادہ صریح روایت ابوداؤد میں نافع اور عبداللہ بن واقد کے طریق سے مروی ہے ان مؤذن ابن عمر قال الصلوة قال سر سر حتی اذا کان قبل غیوب الشفق نزل فصلی المغرب ثم انتظر حتی غاب الشفق فصلی العشاء ثم قال ان رسول الله کان اذا عجل به امر صنع مثل الذی صنعت، امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے نہ صرف اس پر سکوت کیا ہے بلکہ اس کا ایک متابع بھی ساتھ ہی ذکر کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں عبدالله بن العلاء عن نافع قال حتی اذا کان عند ذهاب الشفق نزل فجمع بینهما، نیز امام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی اپنی سنن میں یہ روایت متعدد طرق سے نقل کی ہے اور سکوت کیا ہے ③ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے قال صلیت مع النبی ﷺ ثمانیا جمیعا وسبعا جمیعا قلت یا ابا الشعثاء اظنه اخر الظهر وعجل العصر واخر المغرب وعجل العشاء قال وانا اظن ذلك، اس روایت میں حدیث کے دو راویوں کا گمان حنفیہ کے عین مطابق ہے یہ تمام روایات جمع صوری پر بالکل صریح ہیں ④ ترمذی کی اگلی روایت جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے قال من جمع بین الصلوتین من غیر عذر فقد اتی بابا من ابواب الکبائر، یہ حدیث اگرچہ سنداً ضعیف ہے کیونکہ اس کا مدار حنش بن قیس پر ہے جسکے بارے میں امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ضعیف عند اهل الحدیث ضعفه احمد وغیره لیکن موطا امام محمد رحمہ اللہ کی ایک روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے قال محمد بلغنا عن عمر بن الخطاب انه کتب فی الآفاق ینهاهم ان یجمعوا بین الصلوتین و یخبرهم ان الجمع بین الصلوتین فی وقت واحد کبیرة من الکبائر۔

⑤ بعض صورتوں میں قائلین جمع حقیقی بھی جمع کو جمع صوری پر ہی محمول کرنے پر مجبور ہیں مثلاً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث باب قال جمع رسول الله ﷺ بین الظهر والعصر وبین المغرب والعشاء بالمدینة من غیر خوف ولا مطر، اگلی

دوسرے ائمہ بھی جمع فعلی مراد لینے پر مجبور ہیں صرف امام احمد رحمہ اللہ نے اسے حالت مرض پر محمول فرمایا ہے لیکن یہ بات بھی بہت عجیب ہے کہ ساری کی ساری آبادی اس وقت بیمار ہو گئی ہو نیز جب ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ اس جمع سے آپ کا مقصد کیا ہے تو انہوں نے صرف اتنا فرمایا ان لاتحرج امتہ اگر اس کا سبب مرض ہوتا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ضرور بیان فرماتے اسی لئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اعتراف کیا ہے کہ اس روایت میں جمع صوری مراد لینا بہتر ہے اور حقیقت بھی یہ ہے کہ حدیث باب کی توجیہ اسکے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں اور جب اس روایت میں جمع صوری مراد لی جائیگی تو دوسری روایات کو بھی لامحالہ جمع صوری پر ہی محمول کیا جائیگا۔

⑥ اگر جمع سے جمع صوری مراد لی جائے تو تمام روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے اس کے برخلاف اگر جمع حقیقی مراد لی جائے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث باب اور صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ما صلی رسول اللہ ﷺ صلوۃ لغیر میقاتہا کو بالکل چھوڑنا پڑتا ہے اور ظاہر ہے کہ وہی توجیہ راجح ہوگی جس میں تمام روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے۔

⑦ علامہ عثمانی رحمہ اللہ نے فتح الملہم میں جمع صوری مراد ہونے پر ایک بہت لطیف وجہ بیان فرمائی ہے وہ فرماتے ہیں کہ احادیث میں جہاں کہیں جمع بین الصلوتین کا ذکر آیا ہے وہاں یا جمع بین الظہر والعصر ہوا ہے یا جمع بین المغرب والعشاء ہوا ہے اسکے علاوہ کسی بھی دو نمازوں میں جمع ثابت ہے اور نہ کوئی اسکے جواز کا قائل ہے چنانچہ ائمہ ثلاثہ بھی انہی دو نمازوں کے درمیان جمع کے قائل ہیں فجر اور ظہر یا عصر اور مغرب یا عشاء اور فجر کے درمیان جمع کرنا کسی کے نزدیک جائز نہیں اور نہ ہی کسی روایت سے ثابت ہے اب اگر جمع حقیقی مراد لی جائے تو اس تفریق کی کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ ظہر اور عصر کو جمع کرنا جائز ہو لیکن عصر اور مغرب کو جمع کرنا جائز نہ ہو البتہ اگر جمع صوری مراد لی جائے تو اسکی معقول وجہ سمجھ میں آتی ہے اور وہ یہ کہ فجر اور ظہر میں جمع صوری اسلئے ممکن نہیں کہ بیچ میں ایک طویل وقت مہمل حائل ہے اور عصر و مغرب اور عشاء اور فجر میں جمع صوری اسلئے ممکن نہیں کہ عصر اور عشاء کے آخری اوقات مکروہ ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جس جمع بین الصلوتین پر عمل فرمایا ہے وہ جمع صوری تھی نہ کہ جمع حقیقی ورنہ وہ تمام نمازوں میں ہوتی۔ (درس ترمذی ج۲ ص۴۴)

❸ **راجح کی ترجیح:** ① حنفیہ کا مذہب نص قرآنی ان الصلوۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا کے موافق ہے ② ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے مذہب کے مطابق تمام روایات جمع پر عمل ممکن نہیں ہے جبکہ حنفیہ کے مذہب کے مطابق تمام روایات جمع پر عمل ممکن ہے۔

❹ **قائلین جمع کے نزدیک جمع کی شرط:** جمع تاخیر کیلئے قائلین کے نزدیک شرط یہ ہے کہ پہلی نماز کا وقت گزرنے سے پہلے پہلے جمع کی نیت کر لی ہو اور جمع تقدیم کے لئے شرط یہ ہے کہ پہلی نماز ختم کرنے سے پہلے پہلے جمع کی نیت کر لی ہو اس کے بغیر جمع بین الصلوتین جائز نہیں ہے۔ (درس ترمذی ج۲ ص۴۴)

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۲۵ھ

**الشق الاول** ...... عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابوهريرة عن رسول الله ﷺ فذكر احاديث منها: وقال رسول الله ﷺ من يولد يولد على هذه الفطرة فابواه يهودانه او ينصرانه كما تنتجون الابل فهل تجدون فيها جدعاء حتى تكونوا انتم تجدعونها قالوا يارسول الله افرأيت من يموت صغيرا قال: الله اعلم بما كانوا عاملين. (ص۳۳۶-ج۲-قدیمی)

لماذا اختار مسلم هنا هذه الطريقة في التحديث حيث قال: هذا ما حدثنا ابوهريرة...... الخ. ترجم الحديث. ما معنى الفطرة؟ اذكر اقوال العلماء فيها. ما هو حكم اطفال المسلمين والكفار الذين ماتوا قبل البلوغ في ضوء هذا الحديث.

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (۱) امام مسلم رحمہ اللہ کے روایت حدیث میں نیا اسلوب اختیار کرنے

کی وجہ (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) فطرت کا معنی (۴) اطفال المسلمین والمشرکین کا حکم۔

**جواب** ...... ❶ امام مسلم رحمہ اللہ کے روایت حدیث میں نیا اسلوب اختیار کرنے کی وجہ:۔ روایت حدیث میں امام مسلم رحمہ اللہ نے نیا اسلوب اس لئے اختیار کیا کہ ہمام بن منبہ رحمہ اللہ کے پاس ایک رجسٹر تھا جس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث لکھی ہوئی تھیں، چونکہ انہوں نے خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے احادیث سنی تھیں اس لئے جب اس رجسٹر سے کوئی حدیث بیان کرتے تو فرماتے **هذا ماحدثنا ابوهريرة عن رسول الله ﷺ الخ۔**

❷ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ہمام بن منبہ رحمہ اللہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ ہیں وہ احادیث جو ہمیں بیان کیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے، پھر اس کے بعد انہوں نے کئی احادیث کو ذکر کیا اُن میں سے ایک یہ بھی تھی، اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو بچہ پیدا کیا جاتا ہے وہ پیدا کیا جاتا ہے فطرت اسلام پر، پھر اس کے والدین اُس کو یہودی بنا دیتے ہیں اور نصرانی بنا دیتے ہیں، جیسا کہ تم جنواتے ہو اونٹ کو کیس کیا پاتے ہو تم اس میں کان کٹا ہوا، یہاں تک کہ تم خود کان کاٹتے ہو اس کا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ خبر دیجئے کہ جو بچہ مر جاتا ہے بچپن کی حالت میں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ خوب جانتا ہے اس کو جو وہ کرنے والے تھے۔

❸ فطرت کا معنی:۔ ① علامہ مازری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ فطرت عہد الست کا نام ہے، جو اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی ارواح سے لیا ② فطرت سلیمہ اور طبعی سلامتی کا نام فطرت ہے ③ **الفطرة هى الدين** فطرت ملۃ اسلام اور دین کا نام ہے ④ **معرفة الانسان بربه** انسان کا اپنے رب کو پہچاننا فطرت ہے ⑤ فطرت اس استعداد کا نام ہے جس سے حق اور باطل کے مابین تمیز اور صحیح فیصلہ کیا جا سکے ⑥ قبول حق کی استعداد کا نام فطرت ہے اور یہی راجح ہے کیونکہ اگر اس سے مراد اسلام و ملۃ لیں تو آیت میں ہے **لاتبديل لخلق الله** پھر یہودیت، نصرانیت، مجوسیت وضلالت کی طرف تبدیلی کیسے، ہر بچہ مسلمان کے گھر پیدا ہو یا کافر کے گھر وہ فطرت سلیمہ پر ہوتا ہے اگر اثرات وترغیبات اور تعلیمات اس پر اثر انداز نہ ہوں تو وہ وحدانیت اور حقانیت اسلام پر رہے یہ تبدیلی بیرونی اثرات کی وجہ سے ہے کہ ہوش سنبھالتے ہی اس کو جو ماحول اور معیار زندگی ملتا ہے اسی کی رو میں بہہ جاتا ہے، اسی مؤثر اور تبدیلی لانے والے عمل کا ذکر حدیث کے اگلے کلڑے میں ہے **فابواه يهودانه اوينصرانه او يمجسانه** ۔ (انعامات منعم ص ۲۰۹)

❹ اطفال المسلمین والمشرکین کا حکم:۔ اطفال المسلمین بالاتفاق جنتی ہیں اور اس پر دلیل یہ آیت ہے **والذين آمنوا واتبعتهم ذريتهم بايمان الحقنا بهم ذريتهم** کہ جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان میں ان کی اتباع کی تو ہم ان کی اولاد کو ان کے ساتھ جنت میں ملا دیں گے۔

اطفال المشرکین کے متعلق دنیوی احکام کے اعتبار سے کفار والا معاملہ ہی ہوگا یعنی تجہیز وتکفین اور تدفین میں کفار والا عمل اور سلوک کیا جائیگا۔

البتہ اخروی حکم اور انجام میں اہل علم کے متعدد اقوال ہیں۔ ① اطفال المشرکین بھی جنتی ہونگے، دلیل قصہ معراج کی وہ حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک باغیچے میں دیکھا کہ ان کے اردگرد مسلمانوں اور کافروں کے بچے تھے ② اطفال المشرکین بھی **تبعا لآبائهم** جہنمی ہونگے، دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے مسلمانوں کے بچوں اور کفار کے بچوں کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے بچے جنتی ہونگے اور کفار کے بچے جہنمی ہونگے ③ جنت وجہنم کے درمیان برزخ واعراف میں ہونگے **لانهم لم يعملوا الحسنات ولا السيئات** ④ اہل جنت کے خادم ہوں گے ⑤ امتحان وآزمائش ہوگی، جہنم کی طرف لے جایا جائے گا اور جہنم میں داخل ہونے کا حکم ہوگا، جو جہنم میں داخل ہو

جائے گا اس کیلئے مغفرت ہوگی ، جس نے انکار کیا وہ جہنم میں داخل کیا جائے گا ۔
اسکے علاوہ بھی متعدد اقوال ہیں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے دس اقوال ذکر کئے ہیں مگر ان میں سے مشہور یہ پانچ اقوال ہیں ۔ (ایضاً)

**الشق الثانی** ......عن جابر قال: لعن رسول اللہ ﷺ اٰکل الربا وموکله وکاتبه وشاهديه وقال هم سواء
اذکر انواع الربا ۔ اشرح الحديث بحيث يتضح حرمة جميع انواع الربا ويندحض بذلك جميع
شبهات اهل الزيغ والضلال الذين يحاولون تحليل الربوا ۔ (ص۲۷، ج۲، قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال میں دو امر توجہ طلب ہیں (۱) رباء (سود) کی اقسام (۲) حدیث کی تشریح ۔

**جواب** ...... ① **رباء (سود) کی اقسام :-** ربا کا لغوی معنی زیادتی ہے اور اصطلاحی اعتبار سے ربا کی دو قسمیں ہیں ① ربا البیع (بیع کا سود) ② ربا القرض (قرض کا سود) بیع کا سود یہ ہے کہ آدمی کسی کیلی یا وزنی چیز کی اس کی جنس کے ساتھ زیادتی کے ساتھ یا غیر جنس کے ساتھ ادھار کے طور پر بیع کرے اور قرض کا سود یہ ہے کہ مثلاً زید بکر کو ایک ہزار روپیہ اس شرط پر قرض دے کر وہ ایک ماہ کے بعد بارہ سو روپیہ واپس کرے گا ۔ سود کی یہ دونوں قسمیں حرام ہیں ۔

اس میں قسم اول یعنی ربا البیع کو ربا الحدیث اور قسم ثانی یعنی ربا القرض کو ربا القرآن بھی کہتے ہیں ۔ اس لئے کہ پہلی قسم کی حرمت حدیث میں اور دوسری قسم کی حرمت قرآن کریم میں بیان کی گئی ہے ۔

② **حدیث کی تشریح :-** حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے سود کھانے والے کھلانے والے سودی معاملے میں گواہ بننے والے اور سود کا معاملہ لکھنے والے پر لعنت فرمائی ہے ۔ اس حدیث سے پتہ چلا کہ جس طرح سود کا معاملہ کرنا ناجائز اور حرام ہے ۔ اسی طرح سود کے معاملے میں دلالی کرنا یا سود کا حساب کتاب لکھنا بھی ناجائز ہے ۔ اسی حدیث کی بنیاد پر یہ فتویٰ دیا جاتا ہے کہ آج کل بینکوں کی ملازمت جائز نہیں ، کیونکہ اس کی وجہ سے آدمی کسی نہ کسی درجے میں سود کے معاملات میں ملوث ہو جاتا ہے ۔

اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ بینک کی ملازمت کیوں حرام ہے ؟ اس لئے کہ آج کل تو ہر جگہ سے پیسہ بینک ہی کے واسطے میں آتا ہے ۔ کوئی بھی چیز سود سے پاک نہیں ۔ لہٰذا پھر تو ہر چیز حرام ہونی چاہیے ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت نے ہر چیز کی حد مقرر کر دی ہے کہ اس حد تک جائز ہے اور اس حد کے آگے ناجائز ہے ۔ لہٰذا بینک کی ملازمت ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بینک کے اندر سودی لین دین ہوتا ہے ۔ اور جو شخص بھی بینک میں ملازم ہے وہ کسی نہ کسی درجے میں سودی لین دین میں تعاون کر رہا ہے اور کسی بھی گناہ کے کام میں تعاون کرنا قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق حرام ہے ؟ فرمایا **ولا تعاونوا علی الاثم و العدوان** ، اس وجہ سے بینک کی ملازمت حرام ہے ۔

جہاں تک اس اشکال کا تعلق ہے کہ ہر پیسہ بینک ہی کے واسطے سے ہم تک پہنچتا ہے لہٰذا ہر پیسہ حرام ہونا چاہیے ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر بینک سے پیسے جائز اور حلال طریقے سے آرہے ہیں تو ان پیسوں کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں اور اگر ناجائز اور حرام طریقے سے آرہے ہیں تو ان کا استعمال بھی حرام ہوگا ۔

بعض لوگ یہ اشکال کرتے ہیں کہ قرآن کریم نے صرف سود مرکب کو حرام قرار دیا ہے ۔ سود مفرد کو حرام نہیں کہا ۔ اور قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں ۔ **یا ایها الذین امنوا لا تاکلوا الربوا اضعافا مضعفة** اس آیت میں ربا کے ساتھ **اضعافا مضعفة** کی قید لگی ہوئی ہے ۔ اور نہی قید پر داخل ہوئی ہے ۔ لہٰذا صرف وہ ربا ممنوع ہوگا جس میں سودی رقم راس المال سے کم از کم دوگنی ہو جائے ۔ لیکن یہ استدلال درست نہیں کیونکہ **اضعافا مضعفة** کی قید باجماع امت احترازی

نہیں بلکہ اتفاقی ہے۔ اور یہ قید بالکل ایسی ہے جیسے قرآن کریم کی ایک دوسری آیت میں فرمایا لا تشتروا بایاتی ثمنا قلیلا ۔ اس آیت میں اگرچہ "ثمن قلیل" کی قید لگی ہوئی ہے۔ لیکن کوئی بھی عقل مند انسان اس آیت کا یہ مطلب نہیں لیتا کہ آیات قرآنی کو "ثمن قلیل" کے ساتھ فروخت کرنا تو جائز نہیں، لیکن "ثمن کثیر" کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے۔

اس قید کے اتفاقی ہونے کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں: ① قرآن کریم کی آیت یا یھا الذین امنوا اتقوا اللہ و ذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مومنین ۔ اس آیت میں لفظ ما عام ہے۔ جو ربا کی ہر قلیل اور کثیر مقدار کو شامل ہے ② خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور ﷺ نے یہ اعلان فرمایا کہ الربوا موضوع کلہ، واول اضعہ ربوا العباس بن عبد المطلب فانہ موضوع کلہ ۔ اس حدیث میں لفظ "کلہ" ہر مقدار ربا کی حرمت پر صریح ہے ③ حضرت علی ؓ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کل قرض جر نفعا فھو ربوا ۔ اس حدیث میں لفظ نفعا اس بات پر دال ہے کہ نفع کی ہر مقدار حرام ہے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ آیت میں اضعافا مضعفۃ کی قید احترازی نہیں، بلکہ اتفاقی ہے۔

حرمت ربا کی آیات قطعی الدلالت ہیں، اور ربا کا معاملہ کرنے والوں کے بارے میں جو شدید وعید قرآن کریم میں آئی ہے، ایسی شدید وعید شاید کسی دوسرے گناہ پر نہیں آئی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یا یھا الذین امنوا اتقو اللہ و ذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مومنین ○ فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ و رسولہ ۔

اس آیت میں صاف اعلان فرمادیا کہ اگر تم سود کی لین دین نہیں چھوڑو گے تو پھر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلان جنگ سن لو۔

سود کے جواز کے قائلین قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ احل اللہ البیع و حرم الربوا ۔ اس آیت میں لفظ الربوا معرف باللام ہے۔ اور الف لام میں اصل یہ ہے کہ وہ عہد کیلئے ہو لہٰذا لفظ ربا سے وہ مخصوص ربا مراد ہوگا جو زمانہ جاہلیت میں اور حضور اقدس ﷺ کے ابتدائی دور میں رائج تھا۔ اور اس زمانے میں صرف "صرفی قرض" اور اس پر سود لینے کا رواج تھا۔ "تجارتی قرض" اور اس پر سود لینے کا اس وقت رواج نہیں تھا۔ اور جو چیز اس زمانے میں رائج ہی نہیں تھی قرآن کریم اس کو کیسے حرام کر سکتا ہے؟ لہٰذا حرمت سود کا اطلاق صرف "صرفی قرض" پر لئے جانے والے سود پر ہوگا۔ "تجارتی قرض" پر لئے جانے والے سود پر نہیں ہوگا۔

یہ وہ استدلال ہے جو اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگوں کی طرف سے کیا گیا۔ اور جس کی بنیاد پر یہ کہا گیا کہ بینکوں کا سود جائز ہے۔ یہاں تک کہ مصر کے موجودہ مفتی اعظم نے بھی بینکوں کے سود کے حلال ہونے کا فتویٰ دے دیا ہے۔ اور اس فتویٰ کی وجہ سے پورے عالم عرب میں ایک غلغلہ برپا ہے اور اس کا چرچا ہے۔ اسکے علاوہ عالم اسلام کے ہر خطے میں کوئی نہ کوئی اس موقف کا حامل رہا ہے۔ چنانچہ ہندوستان میں سرسید احمد خان، عرب میں مفتی عبدہ رشید رضا بھی اس موقف کے حامل گزرے ہیں۔ پاکستان میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کا موقف بھی یہی تھا۔ اور جسٹس قدیر الدین نے اس کے جواز پر ایک رسالہ لکھا تھا۔ اگر آدمی غور سے نہ دیکھے تو بظاہر جواز کے قائلین کا استدلال دل کو اپیل کرتا ہے کہ اگر ایک سرمایہ دار بینک سے قرض لے کر نفع کمارہا ہے تو اس سے سود کا مطالبہ کرنے میں کون سے ظلم اور جرم کی بات ہے؟ چنانچہ تعلیم یافتہ طبقہ اس استدلال سے مرعوب ہو کر ان کا حامی ہو جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جواز کے قائلین کا استدلال زبردست مغالطے پر مبنی ہے، ان کے استدلال کا صغریٰ اور کبریٰ دونوں غلط ہیں۔ ان کے استدلال کا صغریٰ یہ ہے کہ عہد رسالت میں تجارتی سود رائج نہیں تھا۔ اور کبریٰ یہ ہے کہ جو چیز عہد رسالت میں رائج نہ ہو اس پر حرمت کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ یہ صغریٰ اور کبریٰ دونوں غلط ہیں لہٰذا ان کا استدلال درست نہیں۔

پہلے کبریٰ کو سمجھ لیں کہ یہ کبریٰ غلط ہے۔ دیکھئے اصول یہ ہے کہ قرآن یا حدیث جب کسی چیز پر حلت یا حرمت کا حکم لگاتے ہیں تو وہ حکم

اس چیز کی کسی خاص شکل یا صورت پر نہیں لگاتے، بلکہ اس چیز کی حقیقت پر لگاتے ہیں لہٰذا جہاں وہ حقیقت پائی جائیگی وہاں وہ حکم آ جائیگا۔
مثلاً شراب کو لے لیں، جس زمانے میں شراب حرام ہوئی اس زمانے کے لوگ اپنے گھروں میں انگور کا شیرہ اپنے ہاتھوں سے نکال کر اس کو سڑا کر شراب بناتے تھے۔ لہٰذا اب موجودہ دور میں کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ چونکہ اس زمانے میں لوگ اپنے ہاتھوں سے اپنے گھروں میں شراب بناتے تھے۔ اور اس میں حفظانِ صحت کے اصولوں کا لحاظ نہیں رکھا جاتا تھا، اس لئے شراب حرام قرار دیدی گئی تھی۔ اب چونکہ موجودہ دور میں شاندار مشینوں کے ذریعہ حفظانِ صحت کے تمام اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے بڑی صفائی ستھرائی کے ساتھ شراب بنائی جاتی ہے اسلئے شراب کے حرمت کا اطلاق موجودہ دور کی شراب پر نہیں ہوگا۔ ظاہر ہے کہ یہ استدلال بالکل احمقانہ ہے اسلئے کہ شریعت نے شراب کی کسی خاص شکل و صورت کو حرام قرار نہیں دیا، بلکہ اس کی حقیقت کو حرام دیا ہے۔ لہٰذا جس چیز میں شراب کی وہ حقیقت پائی جائیگی اس پر حرمت کا اطلاق ہو جائے گا۔ چاہے اس کی وہ مخصوص صورت حضور ﷺ کے زمانے میں موجود ہو یا نہ۔ لہٰذا آج اگر کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں وسکی، بیئر اور برانڈی موجود نہیں تھی اس لئے یہ حرام نہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بات درست نہیں اسلئے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں اگرچہ اس نام سے اور اس شکل میں موجود نہیں تھی، مگر اس کی حقیقت یعنی "ایسا مشروب جو نشہ آور ہو" موجود تھی۔ اور آنحضرت ﷺ نے اس حقیقت کو حرام قرار دیا تھا اب یہ حقیقت ہمیشہ کیلئے حرام ہوگی۔ چاہے کسی زمانے میں بھی ہو اور کسی بھی نام سے پائی جائے۔ (تقریر ترمذی ج۱ ص۳۹)

## ﴿الورقة الثانية: صحيح الامام مسلم﴾

### ﴿السوال الاول﴾ ۱۴۲۶ھ

**الشق الاول** ......ثم انا ان شاء الله مبتدئون فى تخريج ماسألت وتاليفه على شريطة سوف اذكرها لك وهو انا نعمد الى جملة ما اسند من الاخبار عن رسول الله ﷺ فنقسمها على ثلاثة اقسام وثلاث طبقات من الناس على غير تكرار......(ص۳، ج۱، قدیمی) من هو المخاطب فى هذه العبارة عرفه بايجاز. ماهى الاقسام الثلاثة والطبقات الثلاث التى قسم عليها جميع المسانيد. هل استوعب الاقسام الثلاثة كما ذكر ام لم يستوعبها؟ اذكر ذلك فى ضوء كلام الحاكم والبيهقى والقاضى عياض؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں (۱) مخاطب کی تعیین وتعارف (۲) روایت اور راویوں کے تین طبقے (۳) اقسام ثلاثہ کے استیعاب میں علماء کے اقوال۔

**جواب** ...... ① مخاطب کی تعیین وتعارف:۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنے مقدمہ کا آغاز اپنے کسی شاگرد ومعتقد سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا، متعین طور سے معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ صاحب کون ہیں؟ ہوسکتا ہے کہ وہی ابو اسحاق ابراہیم بن محمد بن سفیان النیسابوری ہوں جنہوں نے صحیح مسلم کے موجودہ نسخے کی روایت کی ہے اور خود امام مسلم رحمہ اللہ سے یہ کتاب سنی ہے لیکن شیخ عبد الفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ نے علامہ شمس الدین الذہبی رحمہ اللہ کی مشہور کتاب الموقظة فى علم مصطلح الحديث کے آخر میں التتمات الخمس کے عنوان کے تحت تیسرے تتمہ میں جزم سے تحریر فرمایا ہے کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب صحیح کو اپنے شاگرد رشید اور سفر وحضر میں ساتھ رہنے والے رفیق حافظ احمد بن سلمہ النیسابوری رحمہ اللہ کی درخواست پر تالیف کیا تھا۔ (درس مسلم ص۳۰)

② روایت اور راویوں کے تین طبقے:۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اس عبارت میں طبقات ثلاثہ میں سے دوسرے طبقے کی تفصیلات ذکر کی ہیں اور ان طبقات ثلاثہ کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ ① وہ روات حدیث ہیں جو حفظ واتقان کی صداقت وعدالت اور علم حدیث کے ساتھ مناسبت کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہیں ② وہ روات حدیث ہیں جو صداقت وعدالت اور علم حدیث کے ساتھ مناسبت میں تو

پہلے طبقے کے راویوں کے برابر ہیں مگر حفظ و اتقان میں ان راویوں سے کم ہیں اور مجموعی طور پر حفظ و ثقاہت میں متوسط درجہ کے ہیں۔
③ وہ ضعیف راوی ہیں جن سے علماء امت نے روایات ترک کردی ہوں۔

اسی درجہ بندی کے لحاظ سے احادیث کی بھی تین قسمیں ہو جائیں گی ① وہ احادیث جن کو حافظ و متقن راویوں نے روایت کیا ② وہ احادیث جن کو حفظ و اتقان میں متوسط درجہ کے راویوں نے روایت کیا ③ وہ احادیث جن کو ضعیف اور متروک راویوں نے روایت کیا ہو۔

❸ **اقسام ثلاثہ کے استیعاب میں علماء کے اقوال:۔** اقسام ثلاثہ کے استیعاب کے متعلق پہلا قول امام مسلم رحمہ اللہ کے شاگرد ابو اسحاق ابراہیم بن محمد بن سفیان الجلودی کا ہے کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے تین الگ الگ کتابیں تالیف کی تھیں۔ ایک تو یہی صحیح مسلم ہے اور دوسری کتاب میں متوسط درجہ کے رواۃ کی حدیثیں ذکر کی تھیں اور تیسری کتاب میں ضعفاء اور متروکین کی حدیثیں تھیں۔

لیکن یہ قول اس لئے درست نہیں کہ یہ امام مسلم رحمہ اللہ کی صراحت کے خلاف ہے، امام مسلم نے تو صراحت کی ہے کہ تیسرے طبقے کی حدیثیں ہم کتاب میں نہیں لائیں گے۔

دوسرا قول: حاکم صاحب مستدرک اور بیہقی رحمہ اللہ کا ہے کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے قسم اول اور قسم ثانی کی حدیثیں الگ الگ لکھنے کا ارادہ کیا تھا لیکن قسم اول ہی کی حدیثیں صحیح مسلم میں لکھ پائے تھے کہ آپ کا انتقال ہو گیا اور قسم ثانی کی تالیف کا موقع نہ مل سکا۔

تیسرا قول: قاضی عیاض رحمہ اللہ کا ہے جسے علامہ نووی رحمہ اللہ نے اپنی شرح کے مقدمہ میں راجح قرار دیا ہے وہ یہ کہ امام مسلم رحمہ اللہ کے مذکورہ قول اور کتاب ہذا کی ترتیب میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ صحیح مسلم میں انہوں نے تین قسم کے رواۃ کی حدیثیں ذکر کی ہیں۔ ایک حفاظ متقنون دوسرے **متوسط فی الحفظ والاتقان** اور تیسرے وہ رواۃ جن کی بعض نے تضعیف کی ہے اور اکثر نے نہیں کی، اور خود امام مسلم رحمہ اللہ کے نزدیک بھی ان کی تضعیف راجح نہیں۔ ایک چوتھی قسم ہے جس کو امام مسلم رحمہ اللہ نے ترک کیا ہے، یعنی وہ رواۃ جن کو تمام محدثین یا اکثر نے ضعیف اور متروک قرار دیا ہے۔

چنانچہ ابواب میں امام مسلم رحمہ اللہ سب سے پہلے قسم اول کی حدیثیں لاتے ہیں، پھر استشہاد اور متابعت کیلئے۔ یا اگر ان کو طبقہ اولیٰ کی حدیث اس باب میں نہ ملے تو استدلال کے لئے قسم ثانی کی حدیثیں لاتے ہیں اور اس کے بعد کہیں کہیں صرف استشہاد و متابعت کے لئے قسم ثالث کی حدیثیں لاتے ہیں۔ قسم رابع کی یعنی وہ رواۃ جن کی اکثر یا سب محدثین نے تضعیف کی ہے ان کی حدیثیں نہیں لاتے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ کی اس تشریح پر اشکال ہوتا ہے کہ اس کی رو سے تو چار قسمیں بن جاتی ہیں جن میں سے تین کتاب میں آ گئیں اور چوتھی متروک ہے، حالانکہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنے قول مذکور میں صرف تین قسموں کا ذکر کر کے تیسری کو متروک قرار دیا ہے؟

اسکا جواب یہ ہے کہ چوتھی قسم امام مسلم رحمہ اللہ کے قول مذکور کے مفہوم مخالف سے نکلتی ہے اس لئے کہ ان کا ارشاد ہے کہ **فاما ماکان عن قوم هم عند اهل الحديث متهمون او عند الاكثر منهم، فلسنا نتشاغل بتخريج حديثهم۔**

جس کا مفہوم مخالف یہ ہوا کہ جو رواۃ اکثر محدثین کے یہاں متہم نہیں بلکہ بعض کے نزدیک متہم ہیں۔ ان کی حدیثیں اپنی کتاب میں ذکر فرمائیں گے۔ چنانچہ واقعہ بھی ایسا ہی ہے کہ ایسے رواۃ کی حدیثیں متعدد مقامات پر امام مسلم رحمہ اللہ نے ذکر کی ہیں جو بدعت کی طرف منسوب ہیں یا بعض محدثین نے جن کی تضعیف کی ہے لیکن امام مسلم رحمہ اللہ کے نزدیک ان کا ضعف راجح نہیں۔ (درس مسلم ص ۱۲۸)

**[illegible]** ...... **عن ابن سيرين قال لم يكونوا يسالون عن الاسناد، فلما وقعت الفتنة قالوا سموا لنا رجالكم فينظر الى اهل السنة فيؤخذ حديثهم وينظر الى اهل البدع فلا يؤخذ حديثهم.** (ص ۱۱۔ ج ۱۔ قدیمی)

**عرف ابن سيرين بايجاز ۔ ماالمراد من الفتنة ۔ اذكر ميزات اهل السنة واهل البدع الجماعة.**

الذکر حکم روایة المبتدع وقبولها او عدم قبولها بتفصیل ۔ کیف روی اصحاب الاصول الستة روایات اهل البدعة فی کتبهم مع ان ابن سیرین یقول "فلا یؤخذ حدیثهم"؟

﴿خلاصۂ سوال﴾..... اس سوال کا حاصل پانچ امور ہیں (۱) ابن سیرین کا تعارف (۲) فتنہ کی مراد (۳) اہل السنة والجماعة کی خصوصیات (۴) مبتدع کی روایت کا حکم (۵) اہل بدعت کی روایات ذکر کرنے کی وجہ۔

**جواب** ..... ❶ ابن سیرین کا تعارف:۔ آپ کا نام محمد لقب ابن سیرین و نسبت البصری ہے اور آپ خوابوں کی تعبیر میں انتہائی ماہر تھے اور اسی وجہ کی شہرت حاصل کی تھی۔

❷ فتنہ کی مراد:۔ فتنہ سے مراد جنگ صفین کے بعد کے حالات ہیں جب شیعیت، ناصبیت، خارجیت وغیرہ کی دعوت شروع ہوئی تو اس وقت جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زندہ تھے انہوں نے اسناد حدیث کی ابتداء کی اور راویوں کی جانچ پڑتال شروع کی۔

❸ اہل السنة والجماعة کی خصوصیات:۔ اہل السنة والجماعة کی سب سے پہلی خصوصیت یہ ہے کہ یہ نام آپ ﷺ کے ارشاد علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین سے ماخوذ ومستخرج ہے۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ قیامت تک جو لشکر اور گروہ دین اسلام کے گلشن کی آبیاری کرے گا اور اس کا پرچم تھامے رکھے گا وہ لوگ بھی اہل السنة والجماعة ہوں گے۔

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اعتدال کا راستہ اختیار کیا، نہ خوارج وروافض کی طرح بالکل افراط وتفریط کی کہ ایک نے اہلبیت نبی ﷺ کا مقام ومرتبہ بالکل ختم کر دیا اور دوسرے نے سب کچھ ہی انکو بنا دیا اسی طرح جبریہ وقدریہ کی راہ پر بھی نہیں چلے کہ ایک نے انسان کو بالکل مجبور محض بنا دیا اور دوسرے نے مختار کل بنا دیا، بلکہ ہر ایک کو اس کے مقام ومرتبہ اور دائرہ کار کے اندر ہی رکھا، گویا خیر الامور اوسطها کا عملی نمونہ پیش کیا۔ (فللہ الحمد)

❹ مبتدع کی روایت کا حکم:۔ مبتدع (بدعقیدہ) کی روایت کے بارے میں تفصیل ہے کہ اگر اس کی گمراہی کفر کی حد تک پہنچی ہوئی ہے تو اس سے روایت کرنا جائز نہیں ہے جیسے غالی شیعہ مثلاً باطنیہ قرامطہ اسماعیلیہ یعنی اثنا عشریہ اور خطابیہ وغیرہ۔

اور اگر اس کی گمراہی محض فسق کے درجہ میں ہے جیسے تفضیلی شیعہ (جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھتا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کا زیادہ حقدار قرار دیتا ہے) تو پھر اگر وہ اپنے باطل مذہب کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہے تو وہ معاند ہے اور اصح مذہب کے مطابق اس کی روایت بھی جائز نہیں ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے اور اگر اپنے مذہب باطل کی طرف کسی کو دعوت نہیں دیتا تو پھر اس سے روایت کرنا جائز ہے۔ (فیض المنعم ص ۵۹)

❺ اہل بدعت کی روایات ذکر کرنے کی وجہ:۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے مبتدعین کی روایات مطلقاً ذکر نہیں کیں بلکہ چند شرائط کے ساتھ ذکر کی ہیں: ① مبتدع کی بدعت فسق کی حد تک ہو مفضی الی الکفر نہ ہو ② مبتدع اپنی بدعت کی طرف دعوت دینے والا نہ ہو ③ جو حدیث روایت کر رہا ہے اس سے اس کے نظریہ کی تائید نہ ہوتی ہو۔

باقی مبتدعین کی روایات کو کیوں ذکر کیا گیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ اگر مبتدعین کی روایات کو بالکل قبول نہ کرتے تو اس صورت میں بہت بڑے ذخیرہ حدیث سے ہاتھ دھونا پڑتا اسلئے چند شرائط کے ساتھ انکی روایات ذکر کی گئی ہیں تا کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ (ممد الحکم)

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۲۶ھ

**الشق الاول** ..... سمعت ابا هریرة یقص یقول فی قصصه من ادرکه الفجر جنبا فلا یصوم قال فذکرت ذلك لعبد الرحمن بن الحارث لابیه فانکر ذلك فانطلق عبدالرحمن وانطلقت معه حتی دخلنا علی عائشة وام

سلمة فسألهما عبدالرحمن عن ذلك قال فكلتاهما قالت كان النبی ﷺ يصبح جنبا من غير حلم ثم يصوم۔

ترجم الحديث. اذكر اختلاف السلف في صحة صوم الجنب وعدمها مع دلائلهم. ما هو الحكم في هذه المسألة عند الأئمة الاربعة؟ ماالقيد في الحديث بقوله "من غير حلم" فهل له حكم آخر؟ (ص ۱۴۳۰ھ ـ ترمذی)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) صوم جنب میں سلف اور ائمہ اربعہ کا اختلاف (۳) من غیر حلم قید لگانے کی وجہ۔

**جواب** ...... ❶ <u>حدیث کا ترجمہ:</u> (حضرت ابوبکر بن عبدالرحمن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی روایات میں یہ بات بیان کرتے تھے کہ جس شخص کو جنبی ہونے کی حالت میں فجر ہو جائے تو وہ روزہ نہ رکھے (حضرت ابوبکر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ) میں نے اس کا تذکرہ اپنے والد گرامی حضرت عبدالرحمن رحمہ اللہ کے سامنے کیا تو انہوں نے اس کا انکار کیا۔ پھر وہ اور میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عبدالرحمن نے ان سے اس کے بارے میں پوچھا تو دونوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جنابت کی حالت میں صبح کو بیدار ہوتے تھے اور جنابت بھی احتلام سے نہ ہوتی تھی، پھر آپ ﷺ روزہ رکھا کرتے تھے۔

❷ <u>صوم جنب میں سلف اور ائمہ اربعہ کا اختلاف:</u> اس مسئلہ میں سات مذاہب منقول ہیں۔ ① ابن حزم کا مذہب یہ ہے کہ اگر غسل اور نماز سے قبل سورج طلوع ہو جائے تو پھر اس کا روزہ باطل ہو جائیگا، اسلئے کہ یہ ایسا معصیت کرنا روزہ کو باطل کر دیتا ہے ② حسن بن صالح بن حی کا مذہب یہ ہے کہ اگر فرض روزہ ہو تو اس کی قضاء مستحب ہے ③ سالم بن عبداللہ، عطاء بن ابی رباح اور حسن بصری کا قول ثانی یہ ہے کہ اس دن روزہ مکمل کرے اور بعد میں اس کی قضاء کرے ④ حسن بصری، حسن بن حی اور ابراہیم نخعی کا قول ثالث یہ ہے کہ نفل روزہ رکھنا جنابت کی حالت میں درست ہے مگر فرض روزہ رکھنا صحیح نہیں ہے ⑤ طاؤس، عروہ بن زبیر رحمہ اللہ اور ابراہیم نخعی کا مذہب یہ ہے کہ اگر جنابت کا علم ہونے کے باوجود غسل نہ کرے تو روزہ صحیح نہیں ہے ورنہ روزہ صحیح ہے ⑥ حضرت فضل بن عباس، اسامہ بن زید اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول مرجوع عنہ یہ ہے کہ مطلقاً جنبی کے لئے روزہ رکھنا صحیح نہیں ہے ⑦ ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء و محدثین رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ ان کے نزدیک جنابت روزہ کے منافی نہیں ہے۔ حضرت علی، ابن مسعود، زید بن ثابت، ابوالدرداء، ابوذر، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، سفیان ثوری، امام اوزاعی، لیث، امام احمد، اسحاق، ابوثور، اسماعیل ابن علیہ، ابوعبید، داؤد، ابن جریر رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔ (حاشیہ درس ترمذی لا ایضاح الطحاوی ج ۲ ص ۲۰۷)

یہاں پر پہلے چھ مذاہب جو فی الجملہ قضاء و عدم صحت کے قائل ہیں وہ فریق اوّل اور ساتواں مذہب جو مطلقاً صحت صوم کے قائل ہیں وہ فریق ثانی ہیں۔

فریق اوّل کی دلیل: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا طویل واقعہ ہے کہ انہوں نے مروان کی امارت کے زمانہ میں بحالت جنابت صبح کرنے والے کے روزہ کے عدم جواز کا فتویٰ دیا جب حضرت عائشہ، ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا تو انہوں نے جواز کا فتویٰ دیا اس موقع پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے یہ حدیث بیان کی ہے پس معلوم ہوا کہ روزہ کا افساد حضور ﷺ سے ثابت ہے۔ اس کا جواب واقعہ کے ضمن میں ہی گزر چکا ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے حضور ﷺ کے عمل سے واضح کر دیا کہ اس سے روزہ پر اثر نہیں ہوتا نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنی بات سے رجوع کرنا ان کے کمزور ہونے کی دلیل ہے۔

فریق ثانی کی پہلی دلیل: اسی مضمون کی روایات ہیں جس کو امام طحاوی رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تیرہ سندوں کے ساتھ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے چار سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے۔

دوسری وضاحت: کا حاصل یہ ہے کہ یہاں دو چیزوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے ① حالتِ صوم میں جنابت طاری ہو جانا مثلاً بحالتِ صوم سوتے ہوئے احتلام ہو جائے ② حالتِ جنابت میں روزہ کا طاری ہو جانا مثلاً رات میں روزہ کی نیت کی مگر بحالتِ جنابت صبح ہو گئی تو کیا ان دونوں کا حکم یکساں ہے یا الگ الگ تو ہم نے دیکھا کہ حالتِ صوم میں جنابت طاری ہونے سے بالاتفاق روزہ باقی رہتا ہے فاسد نہیں ہوتا تو کیا حالتِ جنابت میں روزہ طاری ہونے سے روزہ باقی رہے گا یا نہیں؟ اس کے بارے میں بہت سی اشیاء میں ہمارا تجربہ یہ ہے کہ جو چیز دخول فی الصوم کے وقت میں روزہ کو فاسد کر دیتی ہے وہی صوم کی حالت میں طاری ہو جانے سے بھی روزہ کو فاسد کر دیتی ہے مثلاً حیض اور نفاس یہ دونوں دخول فی الصوم کے وقت بھی روزہ کو فاسد کر دیتے ہیں اور روزہ کی حالت میں پیش آنے سے بھی روزہ کو فاسد کر دیتے ہیں لہٰذا اس سے یہ اصول نکل آیا کہ جو چیز اثناءِ صوم مفسد ہوتی ہے وہی ابتداءِ صوم میں بھی مفسد ہوتی ہے اور جو چیز اثناءِ صوم میں مفسد نہیں ہے وہی ابتداء میں بھی مفسد نہ ہوگی لہٰذا جب اثناءِ صوم جنابت طاری ہونے سے بالاتفاق روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے تو ابتداءِ صوم میں پیش آنے سے بھی روزہ فاسد نہ ہوگا لہٰذا بغیر غسل کے جنابت کی حالت میں طلوعِ فجر ہو جانے سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ روزہ بحالہٖ باقی رہے گا اور یہ قیاس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے موافق بھی ہے اور یہی ہمارے علماء کا مسلک ہے اور اسی پر حنفیہ کا فتویٰ ہے۔ (ایضاً)

④ من غیر حلم قید لگانے کی وجہ:۔ یہ قید احترازی نہیں ہے بلکہ اتفاقی ہے کہ اگر کوئی شخص احتلام کی وجہ سے جنبی ہو تو اس کے لئے بھی یہی حکم ہے۔ باقی حضرت عائشہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے یہ لفظ ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ آپ ﷺ مباشرت کی وجہ سے جنبی ہوتے تھے احتلام کی وجہ سے نہیں کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام احتلام سے محفوظ ہوتے ہیں۔

**الشق الثانی** ...... عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال لا يتلقى الركبان لبيع ولا يبيع بعضكم على بيع بعض ولا تناجشوا ولا يبع حاضر لباد ولا تصروا الابل والغنم فمن ابتاعها فهو بخير النظرين بعد ان يحلبها فان رضيها امسكها وان سخطها ردها وصاعا من تمر. (ص۲،ج۲، قدیمی)

ترجم الحديث المبارك واشرحه شرحا موجزا. اذكر معنى التصرية لغة واصطلاحا. اذكر حكم بيع المصراة واختلاف العلماء في ذلك بدلائلهم مع ترجيح الراجح في ضوء تلك الادلة؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی تشریح (۳) تصریہ کا معنی (۴) بیع مصراۃ کے حکم میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "قافلے سے بالائی بالا بیع کیلئے نہ ملا جائے، نہ تم میں سے کوئی دوسرے کی بیع پر بیع کرے، تناجش بھی مت کرو، شہر والا گاؤں والے کے مال کو فروخت نہ کرے، اونٹ اور بھیڑ بکری کے تھنوں میں دودھ بغیر دوہے جمع کر کے مت رکھو، جس نے اس کے بعد جانور خرید لیا تو اسے دودھ دوہنے کے بعد دو باتوں کا اختیار ہے، چاہے اگر راضی ہو تو اسے ہی رکھ لے اور اگر راضی نہ ہو تو وہ جانور اور مزید ایک صاع (اناج وغیرہ کا) واپس کر دے۔

② حدیث کی تشریح:۔ اس حدیث میں آپ ﷺ نے بیع کی متعدد اقسام اور بعض دوسری باتوں سے منع فرمایا ہے اور احادیث میں ایک ہی معنی کے لئے متعدد الفاظ منقول ہیں مثلاً مطلقاً تلقی، تلقی رکبان یا تلقی جلب یا تلقی بیوع وغیرہ۔ ان سب سے مراد ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ پرانے زمانہ میں تجارتی قافلے اور کاروان ایک شہر سے مال لیکر دوسرے شہروں میں جاتے تھے، جب ایسا ہوتا کہ کوئی شہری تاجر شہر سے باہر جا کر اس تجارتی قافلے سے معاملہ کر لیا کرتا تھا، اس قافلہ کو شہر کے نرخ اور مارکیٹ کا بھی اندازہ نہ تھا

تھا تو وہ کم قیمت پر مال خرید لیتا اور ذخیرہ کر کے شہر میں اپنی مرضی کی قیمت پر فروخت کرتا، گویا شہر کی مارکیٹ پر اپنی اجارہ داری قائم کر لیتا جس میں اس تجارتی قافلہ کا بھی نقصان ہوتا تھا کہ وہ مارکیٹ سے کم قیمت پر اس کے ہاتھوں فروخت کر دیا کرتے تھے جب کہ شہریوں کا بھی نقصان ہوتا تھا کہ ایک ہی تاجر کی اجارہ داری قائم ہونے کی بناء پر طلب ورسد کے اندر فرق واقع ہوتا تھا اور شہری اپنی ضروریات کے اندر ایک یا چند اشخاص کے محتاج ہو جاتے تھے، ایسا کرنا ممنوع ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر تاجر تجارتی قافلہ سے مارکیٹ کی قیمت میں دھوکہ اور تلبیس سے کام نہ لے نہ ہی ذخیرہ اندوزی یا دیگر ناجائز مقاصد کے لئے معاملہ کرے بلکہ جائز طریقے سے حصول نفع کے لئے معاملہ کرے تو یہ جائز ہے کیونکہ احناف رحمہم اللہ کے نزدیک اس حکم کی ممانعت ایک علت اور وجہ کی بنیاد پر ہے اور وہ "ضرر اور تلبیس" یعنی دھوکہ دہی اور نقصان ہے، چنانچہ اگر کسی جگہ پر علت پائی گئی تو وہاں پر تلقی جلب بالکل ممنوع ہوگا لیکن اگر کسی جگہ پر علت نہیں پائی جا رہی ہے تو پھر تلقی جلب ممنوع نہ ہوگا بلکہ جائز ہو جائے گا۔

دوسری بات فرمائی کہ "کوئی شخص دوسرے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے"۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے اختیار سے ایک چیز خرید رہا تھا اور خریدار و فروخت کنندہ کے درمیان قیمت پر رضامندی ہو چکی تھی اور دونوں کے درمیان بیع مکمل ہو چکی تھی کہ ایک دوسرا شخص آتا ہے اور اس خریدار سے کہتا ہے کہ آپ اس سے اپنا معاملہ فسخ کریں میں اس سے زیادہ سستی چیز آپ کو فروخت کرتا ہوں، یا وہ شخص فروخت کنندہ سے کہتا ہے کہ اسے مال فروخت نہ کرو میں تم سے اس سے زائد قیمت پر لینے کیلئے تیار ہوں، یہ دونوں صورتیں ممنوع اور حرام ہیں۔

پھر فرمایا تناجش بھی مت کرو، تناجش کے لفظی معنی یہ ہیں کہ کوئی آدمی خریداری میں دلچسپی نہ رکھتا ہو صرف بائع کے فائدہ کے لئے اجنبی بن کر سامان کی اصل قیمت سے زائد قیمت لگائے، جس سے خریدار یہ سمجھے کہ یہ حقیقتاً خریدار ہے اور زیادہ قیمت لگا رہا ہے لہٰذا زائد قیمت پر ہی خرید لے، یا اجنبی شخص سامان کی بلا ضرورت تعریف کرے تاکہ خریدار زیادہ قیمت پر اسے خرید لے اور اس کا حکم یہ ہے کہ یہ بالاجماع حرام ہے اگر یہ فعل بائع نے کسی آدمی سے کروایا تو دونوں گناہگار ہوں گے۔

لیکن ابن مالک رحمہ اللہ نے ابن العربی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ اگر کسی بائع سے خریدار اس کے سامان کی حقیقی قیمت سے بھی کم پر زبردستی لے جاتے ہوں تو ایسی صورت میں تناجش جائز ہے بلکہ تناجش کرنے والا ماجور ہوگا کیونکہ وہ ایک مسلمان بھائی کو اسکے نقصان سے بچانے کی کوشش کر رہا ہے۔ احناف رحمہم اللہ کے ہاں یہاں بھی اسی پر فتویٰ ہے ابن الہمام رحمہ اللہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور تناجش کی صورت میں کی جانے والی بیع کا حکم یہ ہے کہ اس فعل کے گناہ ہونے کے باوجود یہ بیع منعقد اور صحیح ہوگی۔

تصریہ اور مصراۃ الابل کا مطلب یہ ہے کہ جانور کے تھن میں اسے فروخت کرنے سے دو تین روز قبل سے دودھ رہنے دیا جائے اور اسے دوہا نہ جائے تاکہ خریدار یہ سمجھے کہ یہ بہت زیادہ دودھ دینے والا جانور ہے۔ ایسا کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

❸ تصریہ کا معنی:۔ تصریہ کا لغوی معنی جمع کرنا ہے اور اصطلاحی معنی ابھی تشریح کے ضمن میں گزر چکا ہے کہ مشتری کو دھوکہ دینے کیلئے جانور کے تھنوں میں دودھ جمع کرنا، دو تین دن تک دودھ نہ دوہا جائے تاکہ مشتری سمجھے کہ یہ بہت زیادہ دودھ دینے والا جانور ہے۔

❹ بیع مصراۃ کے حکم میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل:۔ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ اس حدیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "مصراۃ" بکری یا "محفلہ" اونٹنی خریدنے والے مشتری کو تین دن کا اختیار ملے گا، چاہے تو وہ اس کو اپنے پاس رکھے یا واپس کر دے اور ساتھ میں ایک صاع کھجور بھی لوٹا دے۔ پھر بعض فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ ایک صاع کھجور ہی لوٹانا ضروری ہے جبکہ دوسرے بعض فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ صاع تمر کا ذکر اتفاقی ہے، ورنہ اصل بات یہ ہے کہ جتنا دودھ نکال کر استعمال کیا ہے اس کی قیمت ادا کرے۔

حنفیہ اور مالکیہ رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اس صورت میں مشتری کو یہ اختیار نہیں کہ وہ بکری بائع کو واپس کرے البتہ مشتری رجوع

یا نقصان کر سکتا ہے وہ اس طرح کہ یہ دیکھا جائے گا کہ اس وقت بازار میں اس بکری کی کیا قیمت ہے؟ اور مشتری نے اس کے دودھ سے بھرے ہوئے تھن دیکھ کر کیا قیمت لگائی تھی؟ ان دونوں قیمتوں کے درمیان جو فرق ہوگا وہ بائع مشتری کو ادا کرے گا۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے۔ چونکہ یہ مسلک حدیث باب کے صریح معارض نظر آتا ہے اسلئے اس مسئلے میں حنفیہ کے خلاف بہت شور ہوا۔ یہ ان مسائل میں سے ہے جن کی وجہ سے حنفیہ پر یہ تہمت لگی کہ وہ حدیث صحیح پر قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔

اس حدیث کے دو جزو ہیں ایک خیار رد اور دوسرا رد کی صورت میں ایک صاع تمر دینا۔ شوافع رحمہم اللہ تو اس کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے دونوں جزو کو اختیار کرتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ دونوں جزو کے خلاف عمل کرتے ہیں۔ نہ رد کا اختیار دیتے ہیں اور نہ صاع تمر کے رد کا حکم دیتے ہیں۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ حدیث کے پہلے جزو پر تو عمل کرتے ہیں کہ مشتری کو رد کا اختیار دیتے ہیں لیکن دوسرے جزو یعنی مبیع کے ساتھ ایک صاع تمر کا رد بھی ضروری ہے، اسے اختیار نہیں کرتے۔ البتہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صاع کا لوٹانا ضروری نہیں ہے لیکن غالب قوت بلد میں سے ایک صاع کو لوٹانا ضروری ہے خواہ وہ تمر ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور جنس ہو کیونکہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں غالب قوت مدینہ تمر تھی اس لئے حضور ﷺ نے اسی کا حکم دیا، ہمارے شہر میں جو قوت غالب ہوگی، ہمارے ہاں اس کا رد کرنا ضروری ہوگا۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جتنا دودھ مشتری نے اس شاۃ مصراۃ سے نکالا ہے اس کی قیمت لوٹانا ضروری ہے کیونکہ مضمون دودھ ہی ہے لہذا اس کی قیمت واجب ہوگی اور عام طور پر حضور ﷺ کے زمانے میں اس دودھ کی قیمت ایک صاع تمر ہی تھی، اس لئے آپ ﷺ نے اسی کی ادائیگی کا حکم دے دیا یا پھر مصلحۃً اس کا حکم دیا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اس لئے چھوڑا کہ یہ حدیث بہت سے اصول شریعہ کے معارض تھی مثلاً ایک اصول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم**، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضمان بقدر نقصان ہوتا ہے دونوں میں مساوات ہوتی ہے، اگر حدیث پر عمل کرتے ہیں تو ضمان اور نقصان میں مساوات ممکن نہیں اس کے علاوہ یہ حدیث اور بھی اصول مسلمہ کے خلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلے میں یہ بکری بائع کو واپس لوٹانے کی کوئی صورت نہیں ہے اسلئے کہ جس وقت بائع نے وہ بکری فروخت کی اس وقت بکری کے تھنوں میں جو دودھ تھا وہ بھی فروخت کیا تو وہ دودھ بھی مشتری کی ملکیت میں آ گیا اور وہ دودھ بھی مبیع کا ایک حصہ ہو گیا لہذا اگر کسی وقت اس بکری کو واپس لوٹایا جائے گا تو اس دودھ کا بھی لوٹانا ضروری ہوگا جو بیع کے وقت بکری کے تھنوں میں موجود تھا لیکن جب مشتری اس بکری کو خرید کر گھر لایا تو اس میں مزید دودھ پیدا ہو گیا اور یہ دودھ مشتری کی ملکیت اور اس کی ضمان میں پیدا ہوا اور یہ اصول مسلمہ ہے کہ الخراج بالضمان "یعنی اگر کوئی چیز کسی شخص کی ضمان میں ہے تو اسکے ضمان میں ہوتے ہوئے اس سے جو نفع حاصل ہوگا وہ اسی شخص کی ملکیت ہوگا جس شخص کے ضمان میں وہ چیز ہوگی تو چونکہ یہ بکری مشتری کے ضمان میں ہے اس لئے اس عرصے میں پیدا ہونے والا دودھ بھی اسی کی ملکیت ہونا چاہیے۔ اس قاعدے کی رو سے مشتری پر صرف ایک قسم کا دودھ لوٹانا لازم ہونا چاہیے یعنی وہ دودھ جو بیع کے وقت بکری کے تھنوں میں موجود تھا اور دوسری قسم کا دودھ جو بعد میں پیدا ہوا اس کا لوٹانا لازم نہ ہونا چاہیے۔ اب اگر ہم مشتری پر کل دودھ کی قیمت لازم کریں تو اس میں مشتری کا نقصان ہے کیونکہ اس دودھ میں وہ دودھ بھی تھا جو اس کے اپنے ضمان میں پیدا ہوا تھا اور اگر ہم مشتری پر بالکل قیمت لازم نہ کریں تو اس میں بائع کا ضرر ہے کیونکہ عقد کے وقت بکری میں جو دودھ تھا وہ بائع کے یہاں پیدا ہوا تھا۔ اور اگر ہم یہ کہیں کہ مشتری پر اس دودھ کی قیمت لازم ہے جو عقد کے وقت تھا اور جو دودھ اس کے بعد اس کی ملکیت میں پیدا ہوا ہے اس کی قیمت لازم نہیں ہے۔ مگر عقد کے وقت کتنا دودھ تھا اور بعد میں کتنا پیدا ہوا؟ یہ

معلوم کرنا ممکن نہیں ہے البتہ اب واپسی کا کوئی راستہ ممکن نہیں اور جب دو دھ کے دودی کوئی صورت ممکن نہیں ہے تو اس کے بغیر شاۃ مصراۃ کے رد کی بھی کوئی صورت ممکن نہیں ہے اسلئے وہی راستہ باقی رہ گیا ہے جو احناف نے کہا ہے کہ رجوع بالنقصان کر لیا جائے۔ (تقریر ترمذی ج۱ ص۲۷۸)

## السوال الثالث ۱۴۲۶ھ

**الشق الاول** ...... حَدَّثَنَا أَبُوْعَقِيْلٍ صَاحِبُ بُهَيَّةَ قَالَ: كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ الْقَاسِمِ بْنِ عُبَيْدِاللّٰهِ وَيَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ فَقَالَ يَحْيَى لِلْقَاسِمِ: يَا أَبَامُحَمَّدٍ إِنَّهُ قَبِيْحٌ عَلَى مِثْلِكَ، عَظِيْمٌ أَنْ تُسْأَلَ عَنْ شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ هٰذَا الدِّيْنِ فَلَا يُوْجَدُ عِنْدَكَ مِنْهُ عِلْمٌ وَلَافَرَجٌ أَوْعِلْمٌ وَلَا مَخْرَجٌ، فَقَالَ لَهُ الْقَاسِمُ وَعَمَّ ذَاكَ؟ قَالَ: لِأَنَّكَ ابْنُ إِمَامَيْ هُدًى ابْنُ أَبِيْ بَكْرٍ وَ عُمَرَ قَالَ يَقُوْلُ لَهُ الْقَاسِمُ: أَقْبَحُ مِنْ ذَاكَ عِنْدَ مَنْ عَقَلَ عَنِ اللّٰهِ أَنْ أَقُوْلَ بِغَيْرِ عِلْمٍ أَوْ آخُذَ عَنْ غَيْرِ ثِقَةٍ، قَالَ فَسَكَتَ فَمَا أَجَابَهُ. (ص۱۲-ج۱-قدیمی)

**شكل العبارة بالضبط . ترجم العبارة ترجمة واضحة . ماالمعنى قوله لانك ابن امامى هدى ابن ابى بكروعمر؟**

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) مذکورہ جملہ کا مطلب۔

**جواب** ...... ❶ عبارت پر اعراب:۔ **كما مرّ فى السوال آنفا۔**

❷ عبارت کا ترجمہ:۔ ابو عقیل صاحب بہیہ کہتے ہیں کہ میں قاسم بن عبداللہ اور یحییٰ بن سعید کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ یحییٰ نے قاسم سے کہا کہ تمہارے جیسے آدمی کے لئے یہ بڑی خراب بات ہے کہ تم سے دین کے معاملہ میں کوئی سوال کیا جائے اور تمہارے پاس اس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہ ہو اور نہ تمہیں اس کے بارے میں کوئی علم ہو، قاسم نے کہا کہ وہ کیوں؟ یحییٰ نے کہا کہ تم ہدایت کے دو بڑے ائمہ یعنی ابوبکر و عمر ؓ کے بیٹے ہو، تو قاسم نے ان سے کہا کہ اس سے زیادہ بری بات اس شخص کے نزدیک جسے اللہ تعالیٰ نے عقل دی ہو یہ ہے کہ میں بغیر علم کے کوئی بات کہہ دوں یا کسی غیر ثقہ راوی سے روایت حاصل کروں (اور پھر اسے آگے بیان کروں) ابو عقیل کہتے ہیں کہ یہ جواب سن کر یحییٰ خاموش ہو گئے۔

❸ مذکورہ جملہ کا مطلب:۔ کہ تم ہدایت کے دو بڑے امام حضرت سیدنا صدیق اکبر ؓ اور فاروق اعظم ؓ کے بیٹے ہو اور بیٹے سے مراد پوتے ہیں۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ حضرت قاسم والد کی طرف سے حضرت عمر ؓ کے پڑپوتے ہیں اور سلسلہ نسب یوں ہے۔ قاسم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن عمر بن خطاب۔ گویا قاسم حضرت ابن عمر ؓ کے پوتے ہیں اور والدہ کی طرف سے قاسم سیدنا صدیق اکبر ؓ کی اولاد میں سے ہیں کیونکہ قاسم بن عبیداللہ کی والدہ سیدنا صدیق اکبر ؓ کے پوتے (قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق ؓ) کی بیٹی ہیں گویا حضرت قاسم حضرت عمر ؓ کے تیسری نسل کے بیٹے ہیں اور سیدنا صدیق اکبر ؓ کی چوتھی نسل میں سے ہیں۔ (دلیل مسلم ص۴۳)

**الشق الثانی** ...... فَدَلَّ بِمَا ذَكَرْنَا مِنْ هٰذِهِ الْآيِ أَنَّ خَبَرَ الْفَاسِقِ سَاقِطٌ غَيْرُ مَقْبُوْلٍ وَأَنَّ شَهَادَةَ غَيْرِ الْعَدْلِ مَرْدُوْدَةٌ، وَالْخَبَرُ وَإِنْ فَارَقَ مَعْنَاهُ مَعْنَى الشَّهَادَةِ فِيْ بَعْضِ الْوُجُوْهِ فَقَدْ يَجْتَمِعَانِ فِيْ أَعْظَمِ مَعَانِيْهِمَا، إِذْ كَانَ خَبَرُ الْفَاسِقِ غَيْرَ مَقْبُوْلٍ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ كَمَا أَنَّ شَهَادَتَهُ مَرْدُوْدَةٌ عِنْدَ جَمِيْعِهِمْ. (ص۶-ج۱-قدیمی)

**ترجم العبارة مع شكلها واشرحها . وضح حكم شهادة الاعمى وخبره عند العلماء اهما مقبولتان ام مردودتان؟**

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حاصل چار امور ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) عبارت کی تشریح (۴) نابینا کی گواہی کا حکم۔

**جواب** ...... ❶ عبارت پر اعراب:۔ **كما مرّ فى السوال آنفا۔**

❷ **عبارت کا ترجمہ:** پس یہ آیت مبارکہ جو ہم نے ذکر کی ہے اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ فاسق آدمی کی خبر ساقط اور غیر مقبول ہے اور اسی طرح غیر عادل کی گواہی بھی مردود ہے۔ اگرچہ روایت حدیث اپنے معنی کے اعتبار سے شہادت (گواہی) کے معنی سے مختلف ہے مگر دونوں اپنے اکثر معانی ومفاہیم میں مشترک ہیں (مثلاً اسلام، عقل، بلوغ، عدالت، ضبط واتقان وغیرہ) کیونکہ فاسق کی خبر اہل علم کے نزدیک غیر معتبر وغیر مقبول ہے جیسا کہ باجماع اہل علم اس کی گواہی مردود ہے۔

❸ **عبارت کی تشریح:** یہ ایک شبہ کا جواب ہے کوئی شخص کہہ سکتا تھا کہ خبر وشہادت دو مختلف ومتغایر حقائق ہیں کیونکہ مثلاً ذکورت اور حریت یہ دونوں شہادت کے لئے تو شرط ہیں مگر خبر اور حدیث میں عورت اور غلام کا بھی اعتبار ہے اس لئے شہادت پر قیاس کرکے خبر وحدیث میں بھی قرآنی آیات سے ثقاہت وعدالت کی شرط عائد کرنا قیاس مع الفارق ہے جو صحیح نہیں۔

اس کے جواب میں امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خبر وشہادت میں اگرچہ بعض فروعی وجوہ وحیثیات سے افتراق واختلاف ہے مگر تاہم اُصولی وبنیادی وجوہ وحیثیات سے دونوں میں اشتراک واتحاد ہے جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جس طرح فاسق کی شہادت بالاتفاق مردود ہے اسی طرح اہل علم کے نزدیک فاسق کی حدیث وخبر بھی غیر مقبول ہے۔ لہٰذا اشتراط عدالت پر شہادت کی طرح خبر کے متعلق بھی قرآنی آیات سے استدلال کرنا صحیح ہے۔ (عمدۃ المفہم ص ۳)

❹ **نابینا کی گواہی کا حکم:** اگر نابینا آدمی حدود وقصاص کے معاملہ میں شہادت دے تو یہ بالاتفاق غیر مقبول ہے اور اگر حدود وقصاص کے علاوہ میں گواہی دے تو اس کی دو صورتیں ہیں: ① اگر یہ گواہی اُن چیزوں میں سے ہو جن میں عام لوگوں سے سن کر گواہی دینا جائز ہے جیسے نسب، موت وغیرہ تو امام زفرؒ کے نزدیک اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔ امام ابو حنیفہؒ سے ابن شجاع کی یہی روایت ہے۔ ② اگر یہ گواہی اُن چیزوں میں ہو جن میں لوگوں سے سن کر گواہی دینا جائز نہ ہو بلکہ اُن میں مشاہدہ ومعاینہ شرط ہو جیسے خرید وفروخت وغیرہ تو پھر اگر نابینا آدمی تحمل شہادت کے وقت بینا اور مشہود بہ غیر منقول ہو تو امام ابو یوسفؒ وامام شافعیؒ کے نزدیک اُس کی گواہی قبول کی جائے گی اور اگر ان دونوں باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی منتفی ہو یعنی تحمل شہادت کے وقت وہ بینا نہ ہو یا مشہود بہ غیر منقول نہ ہو بلکہ منقول ہو تو ائمہ ثلاثہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اس صورت میں نابینا کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ (اشرف الہدایہ ج ۱۰ ص ۹)

اگر کوئی نابینا شخص جو حدیث کو سن کر حفظ نہیں کرسکتا، اگر وہ حدیث کو لکھنے میں کسی ایسے شخص کی مدد لیتا ہے جو ثقہ ہے اور وہ سن کر ٹھیک ٹھیک حدیث کو لکھ کر محفوظ کرسکے اور اس کے بعد وہ نابینا شخص کو صحیح صحیح حدیث پڑھ کر بھی سنا سکے تو اکثر اہل علم کے نزدیک اس کی روایت قبول ہے۔ یہی معاملہ اس آنکھوں والے شخص کا بھی ہے جو لکھنے پڑھنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو۔ (علوم الحدیث (مفید))

## ﴿الورقة الثانية: صحيح الامام مسلم﴾

### ﴿السوال الاول﴾ ۱۴۲۷ھ

**الشق الاول** ..... حدثنا احمد بن الحسن بن خراش قال نا عمر بن عبدالوهاب قال نا يزيد، يعنى ابن زريع قال نا روح عن سهيل عن القعقاع عن ابى صالح عن ابى هريرة عن رسول الله ﷺ اذا جلس احدكم على حاجته فلا يستقبلن القبلة ولايستدبرها. (ص ۱۳۰ ج ۱، قدیمی)

اذكر مذاهب الفقهاء فى استقبال القبلة واستدبارها عند الحاجة مع ادلتهم. اذكر وجوه ترجيح ماذهب اليه الحنفية. قال الدارقطنى عن هذا الحديث: هذا غير محفوظ عن سهيل وانما هو حديث ابن عجلان، فما هو مراده بهذا الكلام؟ اليست احاديث مسلم كلها صحيحة؟ اجب عن هذا

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل پانچ امور ہیں (۱) استقبال واستدبار قبلہ میں اختلاف (۲) ائمہ کے دلائل (۳) حنفیہ کی وجوہ ترجیح (۴) دار قطنی کی کلام اور جواب کی وضاحت (۵) مسلم شریف کی روایات کے صحیح ہونے کی وضاحت۔

**جواب** ...... ❶ **استقبال واستدبار قبلہ میں اختلاف:۔** قضائے حاجت کے وقت استقبال واستدبار قبلہ میں اختلاف ہے۔

حضرت ابوہریرہ، ابن مسعود، ابوایوب انصاری، سراقہ بن مالک، مجاہد، ابراہیم نخعی، امام اوزاعی، سفیان ثوری، ابن حزم ظاہری، ابن قیم، امام ابوحنیفہ وامام محمد رحمہم اللہ کا مذہب اور حنفیہ کا مفتی بہ قول یہ ہے کہ استقبال واستدبار دونوں مطلقاً ناجائز ہیں۔ خواہ کھلی فضا میں ہو یا آبادی وعمارت میں ہو۔ حضرت ابن عباس، ابن عمر، عامر شعبی رحمہم اللہ، امام شافعی، امام مالک اور اسحٰق بن راہویہ رحمہم اللہ کے نزدیک صحرا و میدان میں دونوں منع ہیں اور آبادی (بیت الخلاء، چاردیواری) میں دونوں جائز ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، عروہ بن زبیر رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ کے استاذ ربیعہ الرائی رحمہ اللہ اور داؤد ظاہری رحمہ اللہ کے نزدیک استقبال واستدبار مطلقاً دونوں جائز ہیں خواہ آبادی میں ہو یا صحرا میں ہو۔ دیگر اقوال بھی ہیں مگر مشہور یہی تین مذاہب ہیں۔ (درس ترمذی ج ص ۱۸۵)

❷ **ائمہ کے دلائل:۔** حنفیہ کے دلائل: ① حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے قال قال رسول الله ﷺ اذا اتيتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة بغائط ولا ببول ولا تستدبروها ولكن شرقوا او غربوا . (صحاح ستہ) ② حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے لقد نهانا رسول الله ﷺ ان نستقبل القبلة بغائط او بول . (مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) ③ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے اذا اتى احدكم الغائط فلا يستقبل القبلة ولا يستدبرها . (مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) ان تمام احادیث میں مطلق ممانعت ہے، میدان وعمارت یا استقبال واستدبار کا کوئی فرق نہیں ہے۔ نیز ممانعت کی علت احترام قبلہ ہے جو میدان وعمارت سب کو شامل ہے لہٰذا حکم بھی عام ہونا چاہیے۔

امام مالک وامام شافعی رحمہما اللہ کی دلیل: ① حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے قال رقيت يوما على بيت حفصة فرأيت النبي ﷺ على حاجته مستقبل الشام مستدبر الكعبة . (بخاری، مسلم، ترمذی) ② حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے قال نهى النبي ﷺ عن ان نستقبل القبلة ببول فرأيته قبل ان يقبض بعام يستقبلها . (ترمذی، ابوداؤد)

حنفیہ کی طرف سے روایات اباحت کا ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے قصداً نہیں دیکھا تھا اور اتنی حالت میں کوئی کسی کو دیکھتا ہے تو اس کی سرسری روایت کو مسئلہ کی بنیاد بنانا صحیح نہیں ہے۔

داؤد ظاہری وغیرہ کی دلیل بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہی حدیث ہے۔

روایات اباحت کا دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ جزئیہ ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ آپ ﷺ کی خصوصیت پر محمول ہے کیونکہ علماء کی ایک جماعت کے نزدیک آپ ﷺ کے فضلات پاک تھے لہٰذا بعید نہیں کہ آپ ﷺ اس حکم سے مستثنیٰ ہوں۔ (ملخص درس ترمذی ج ص ۱۸۹)

❸ **حنفیہ کی وجوہ ترجیح:۔** حنفیہ کا مسلک اور روایات متعدد وجوہ سے راجح ہیں۔ ① روایت ابوایوب رضی اللہ عنہ باتفاق محدثین سنداً اصح مافی الباب ہے ② روایات محرم قانون وقاعدہ کلیہ ہیں اور روایات مبیح واقعہ جزئیہ ہیں اور قاعدہ کلیہ کو واقعہ جزئیہ پر ترجیح ہوتی ہے ③ روایات محرم قولی وفعلی دونوں ہیں جبکہ روایات مبیح صرف فعلی ہیں اور بوقت تعارض قولی روایات کو ترجیح ہوتی ہے ④ جب روایات محرم ومبیح میں تعارض ہو جائے تو محرم کو ترجیح ہوتی ہے ⑤ منع کی روایات مؤید بالقیاس ہیں کہ جب قبلہ کی طرف تھوکنا ممنوع ہے تو استقبال بطریق اولیٰ منع ہوگا۔ (درس ترمذی ج ص ۱۸۸)

❹ **دار قطنی کی کلام اور جواب کی وضاحت:۔** دار قطنی کی کلام کا حاصل یہ ہے کہ یہ حدیث اس سند کے ساتھ محفوظ نہیں ہے اسلئے

کہ اس حدیث کی سند میں سہیل عن القعقاع ہے جو کہ صحیح نہیں اور اصل سند میں محمد بن عجلان عن القعقاع ہے، تو سہیل عن القعقاع والی سند غیر محفوظ ہے۔ علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا اسلئے کہ اس حدیث کی دو سندیں ہیں۔ سہیل عن القعقاع اور ابن عجلان عن القعقاع، کیونکہ سہیل اور ابن عجلان دونوں نے قعقاع سے یہ حدیث سنی تھی لیکن ابن عجلان کی روایت مشہور ہوگئی جبکہ سہیل کی روایت مشہور نہیں ہوئی۔ اسی بناء پر دارقطنی نے اس سند پر غیر محفوظ ہونے کا حکم لگادیا جو کہ صحیح نہیں۔ (حاشیہ)

❺ <u>مسلم شریف کی روایات کے صحیح ہونے کی وضاحت:۔</u> صحیح بخاری و مسلم کو صحیح المجرد سے تعبیر کیا جاتا ہے اور صحیح المجرد وہ کتاب ہوتی ہے جس میں اصالۃً صرف صحیح حدیثیں ہوں اگرچہ متابعت و استشہاد کے طور پر قدرے کم درجہ کی حدیثیں بھی ہوں۔ (درس مسلم ص ۸۰)

**الشق الثانی** ......عن عائشة ان رجلا اتى النبی ﷺ فقال یارسول الله ان امی افتلتت نفسها ولم توص واظنها لوتكلمت تصدقت افلها اجران تصدقت عنها؟ قال نعم. (ص ۳۲۳ ۔ ج ۱ ۔ قدیمی)

**ترجم الحديث. ماهوحكم العبادات هل يصل ثوابها الى الميت ام لا؟ اذكر أقوال العلماء في ايصال ثواب قراءة القرآن والصلاة والصوم والصدقة وغيرها. اذكر معنى قول الله تعالى: "وأن ليس للانسان الا ماسعى".**

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) ایصالِ ثواب کا مسئلہ (۳) **وان لیس للانسان الا ماسعی** کی وضاحت۔

**جواب** ...... ❶ <u>حدیث کا ترجمہ:۔</u> حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک آدمی آنحضرت ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ یارسول اللہ ﷺ! بیشک میری والدہ بغیر وصیت کے اچانک انتقال کرگئی ہے اور میرا خیال ہے کہ اگر انہیں بات کرنے کی مہلت ملتی تو وہ صدقہ کی وصیت کرتی کیا اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو اس کو اجر ملے گا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں (اس کو اجر ملے گا)۔

❷ <u>ایصالِ ثواب کا مسئلہ:۔</u> ایک شخص کی دعا و صدقہ کا ثواب دوسرے شخص کو پہنچنا نصوصِ شرعیہ سے ثابت اور تمام امت کا اجماعی مسئلہ ہے۔ تلاوتِ قرآن کا ثواب پہنچنے کا امام شافعی رحمہ اللہ انکار کرتے ہیں اور ان کی دلیل ① آیت کریمہ **وان لیس للانسان الا ماسعی** کا مفہوم عام ہے۔ جمہور ائمہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دعا و صدقہ کی طرح ہر نفلی عبادت کا ثواب دوسرے کو پہنچتا ہے۔ تفسیر قرطبی میں لکھا ہے کہ احادیث کثیرہ اس پر شاہد ہیں کہ مؤمن کو دوسرے شخص کی طرف سے عملِ صالح کا ثواب پہنچتا ہے۔ تفسیر مظہری میں وہ احادیث جمع کی گئی ہیں۔ (معارف القرآن ج ۸ ص ۲۱۹) ② امام شافعی رحمہ اللہ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ صدقہ، دعا اور حج کے علاوہ دیگر عبادتوں کا ایصالِ ثواب آنحضور ﷺ سے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں ہے۔ ابن المبارک رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیا ہے کہ ثبوت کی ضرورت بھی کیا ہے؟ جب صدقہ کا ایصالِ ثواب بالاجماع ثابت ہے تو اسی پر باقی عبادتوں کو قیاس کیا جائیگا۔ کسی مسئلہ کے ہر ہر جز کا ثبوت ضروری نہیں ہے ورنہ پھر قیاس کی ضرورت ہی کیا تھی؟۔

❸ <u>**وان لیس للانسان الا ماسعی** کی وضاحت:۔</u> اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح کوئی آدمی دوسرے کا عذاب اپنے سر نہیں لے سکتا، اسی طرح کسی کو یہ بھی حق نہیں کہ کسی دوسرے کے عمل کے بدلے خود عمل کرلے اور وہ اس عمل سے سبکدوش ہوجائے مثلاً ایک شخص دوسرے کی طرف سے نماز فرض ادا کردے یا دوسرے کی طرف سے فرض روزہ رکھ لے اور وہ دوسرا اپنے فرض نماز و روزے سے سبکدوش ہوجائے یا یہ کہ ایک شخص دوسرے کی طرف سے ایمان قبول کرلے اور اس سے اس کو مومن قرار دیا جائے۔ آیت مذکورہ کی اس تفسیر پر کوئی نقلی اشکال اور شبہ عائد نہیں ہوتا کیونکہ زیادہ سے زیادہ شبہ حج اور زکوۃ کے مسئلہ میں یہ ہوسکتا ہے کہ ضرورت

کی وجہ شرعاً ایک شخص دوسرے کی طرف سے حج بدل کر سکتا ہے یا دوسرے کی زکوٰۃ اس کی اجازت سے ادا کر سکتا ہے مگر غور کیا جائے تو یہ اشکال اس لئے صحیح نہیں کہ کسی کو اپنی جگہ حج بدل کیلئے بھیج دینا اور اس کے مصارف خود ادا کرنا، یا کسی شخص کو اپنی طرف سے زکوٰۃ ادا کر دینے کیلئے مامور کر دینا بھی درحقیقت اسی شخص کے اپنے عمل اور سعی کا جزء ہے اس لئے لیس للانسان الا ماسعٰی کے منافی نہیں۔ (معارف القرآن ج۸ص۲۴۹)

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۲۷ھ

**الشق الاول** ...... عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِنَّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ إِلَيَّ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُوْنَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهٖ مِنْ بَعْضٍ، فَأَقْضِيَ لَهٗ عَلٰى نَحْوِ مَا أَسْمَعُ مِنْهُ، فَمَنْ قَطَعْتُ لَهٗ مِنْ حَقِّ أَخِيْهِ شَيْئًا فَلَا يَأْخُذْهُ، فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهٗ بِهٖ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ. (ص۷۴ ج۲ قدیمی)

شکل الحدیث بالضبط وترجمه ترجمة واضحة . اذکر مذاهب العلماء فی قضاء القاضی فی العقود والفسوخ هل ینفذظاهرا وباطنا معا، ام ظاهرا فقط . اذکر مایرجح به مذهب الامام ابی حنیفة فی هذه المسألة.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) عقود وفسوخ میں قضاء قاضی کے ظاہراً و باطناً نافذ ہونے میں اختلاف (۴) حنفیہ کی وجہ ترجیح۔

**جواب** ...... ❶ حدیث پر اعراب: کما مرّ فی السوال آنفا۔

❷ حدیث کا ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بیشک تم لوگ اپنے جھگڑے میرے پاس لیکر آتے ہو اور شاید تم میں سے کوئی دوسرے سے زیادہ چرب لسانی سے اپنی بات کو ثابت کر دے اور میں اس کے بیان کے مطابق اس کے حق میں فیصلہ کر دوں، پس جس شخص کے لئے بھی میں اس کے بھائی کے حق کا فیصلہ کر دوں تو وہ اس کو نہ لے اس لئے کہ میں اس کو جہنم کی آگ کا ایک حصہ اور ٹکڑا دے رہا ہوں۔

❸ عقود وفسوخ میں قضاء قاضی کے ظاہراً و باطناً نافذ ہونے میں اختلاف: ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ قاضی اور جج کا فیصلہ ظاہراً نافذ ہوتا ہے باطناً نافذ نہیں ہوتا لہٰذا اگر کسی نے جھوٹی شہادت اور گواہی پیش کر کے کسی مقدمہ میں فیصلہ اپنے حق میں کروالیا تو قاضی عدالت کے فیصلے کے باوجود وہ چیز اس کے لئے جائز نہ ہوگی۔

حنفیہ رحمہم اللہ کے نزدیک قضاء قاضی کے ظاہراً و باطناً نافذ ہونے کے لئے پانچ شرائط ہیں، اگر وہ تمام شرائط موجود ہوں گی تو پھر قضاء قاضی ظاہراً و باطناً نافذ ہے، ورنہ صرف ظاہراً نافذ ہے، باطناً نافذ نہیں ہے۔

① قاضی کا وہ فیصلہ عقود یا فسوخ کے متعلق ہو مثلاً میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا تھا، یا عورت کہے کہ مجھے خاوند نے طلاق دیدی تھی ② وہ دعویٰ املاک مرسلہ کے متعلق نہ ہو، املاک مرسلہ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص ملکیت کا دعویٰ کرے مگر ملکیت میں آنے کا سبب بیان نہ کرے، مثلاً ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ یہ کتاب جو مدعی علیہ کے پاس ہے یہ میری ہے اور گواہ پیش کر دے مگر ملکیت میں آنے کی وجہ بیان نہ کرے تو مدعی کے حق میں قاضی کا فیصلہ صرف ظاہراً نافذ ہوگا، باطناً نافذ نہیں ہوگا ③ وہ معاملہ انشاء کا احتمال رکھتا ہو یعنی اس بات کا احتمال رکھتا ہو کہ وہ عقد اب قائم کر دیا جائے مثلاً نکاح وطلاق، اگر وہ معاملہ انشاء کا احتمال نہ رکھتا ہو مثلاً میراث کا دعویٰ، میراث ایک مرتبہ ہی ورثاء کی طرف منتقل ہو جاتی ہے، اسکے بعد اس میں انشاء کا احتمال نہیں ہے تو ایسی صورت میں بھی قضاء قاضی باطناً نافذ نہیں ہے ④ وہ محل قابل للعقد بھی ہو مثلاً کوئی آدمی اپنی محرم عورت کے متعلق منکوحہ ہونے کا دعویٰ کرے اور بینہ سے نکاح ثابت بھی کر دے تو قاضی کا فیصلہ صرف ظاہراً نافذ ہوگا، باطناً نافذ نہیں ہوگا ⑤ قاضی نے بینہ کی بنیاد پر یا مدعی علیہ کے قسم سے انکار کی بنیاد پر

فیصلہ کیا ہو، اگر قاضی نے مدعیٰ علیہ کی قسم پر فیصلہ کیا تو پھر بھی یہ فیصلہ صرف ظاہراً نافذ ہوگا باطناً نافذ نہیں ہوگا۔ (تقریر ترمذی ج۱ص۱۰۲)

❷ **حنفیہ کی وجہ ترجیح:۔** امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہ قول بڑی حکمت پر مبنی ہے اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے مذہب سے راجح ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے قاضی کو ولایت عامہ اور تامہ عطا فرمائی ہے اور قاضی کی مجلس وضع ہی اسلئے کی گئی ہے تاکہ وہ خصومات کو ختم کرے۔ کسی ایک جانب کو متعین کرے تاکہ اسکے فیصلہ کے بعد کوئی جھگڑا باقی نہ رہے۔ لہٰذا اگر آپ یہ کہیں کہ قاضی کا فیصلہ صرف ظاہراً نافذ ہوگا باطناً نافذ نہیں ہوگا تو اس صورت میں صرف یہ کہ نزاع ختم نہیں ہوگا بلکہ اس میں لامتناہی پیچیدگیاں بھی پیدا ہو جائینگی۔ مثلاً مدعی کے بینہ سے قاضی نے عورت کے خلاف منکوحہ ہونے کا فیصلہ کر دیا تو تمہارے نزدیک یہ عورت ظاہراً مدعی کی منکوحہ ہے مگر باطناً نہیں اب اگر عورت مدعی کو وطی پر قدرت دیتی ہے تو یہ زنا کی وجہ سے گناہگار ہوتی ہے اور اگر قدرت نہیں دیتی تو وہ مدعی دوبارہ قاضی کی عدالت میں جائیگا الخ۔

نیز شوہر نے زبردستی وطی کر لی اور بچہ پیدا ہو گیا تو تمہارے نزدیک ظاہراً یہ بچہ ثابت النسب ہے اور حقیقتاً ثابت النسب نہیں ہے۔

نیز عورت نے بھاگ کر دوسری جگہ نکاح کر لیا تو ظاہراً یہ درست نہیں ہوگا اور باطناً وحقیقتاً یہ نکاح درست ہوگا۔ اس طرح عورت کے ساتھ غیر یقینی صورتحال کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا جس میں ظاہر و باطن کے الگ الگ احکام ہوں گے اور اس طرح نزاع کھڑا ہو جائے گا اور قاضی کی مجلس کا مقصد (رفع منازعت) ختم ہو جائے گا اس لئے قاضی کا فیصلہ ظاہراً و باطناً دونوں طرح نافذ مانا جائے گا اور یہی راجح ہے۔ (ایضاح ج۲ص۲۲۵)

**السؤال الثامن** ......عن ابن عمران رسول اللہ ﷺ نهى عن بيع النخل حتى تزهو وعن السنبل حتى يبيض ويامن العاهة ونهى البائع والمشتري. (ص ۷ج۲ قدیمی) اشرح كلمة "تزهو" و "العاهة". هل يجوز البيع قبل بدو الصلاح؟ ماهى الصور المتفق عليها والمختلف فيها؟ رجح مذهب الحنفية في ضوء الادلة.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) تزهو، العاهة کی تشریح (۲) بدو صلاح سے قبل بیع کا حکم (۳) حنفیہ کی وجہ ترجیح۔

**جواب** ...... ❶ **تزهو، العاهة کی تشریح:۔** زهـا، يزهو، زهوًا بمعنی خوشنما اور دیکھنے میں اچھا معلوم ہونا اور مراد یہ ہے کہ وہ پھل پکنے لگے۔ العاهة بمعنی آفت اور يامن العاهة کا مطلب یہ ہے کہ وہ پھل آفت سے محفوظ ہو جائے اور یہ اسی وقت ہوتا ہے جب پھل پکنے کے قریب ہو جائے کیونکہ جب پھل کچا ہوتا ہے اس وقت اس کے آندھی سے گرنے اور بیماری سے خراب ہونے کا اندیشہ اور خطرہ ہوتا ہے اور جب وہ پکنے لگتا ہے تو وہ آفات سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

❷ **بدو صلاح سے قبل بیع کا حکم:۔** بدو صلاح کے بارے میں احادیث میں مختلف الفاظ آئے ہیں۔ ان النبی ﷺ نهى عن بيع النخل حتى يزهو، نهى عن بيع السنبل حتى يبيض ويامن العاهة، نهى عن بيع الثمرة حتى يبدو صلاحها۔ ان تمام الفاظ سے امام شافعی رحمہ اللہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ بیع سے پہلے پھل کا پکنا ضروری ہے پکنے سے پہلے ان کے نزدیک بیع درست نہیں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ان الفاظ سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس پھل کا آفات اور بیماری سے محفوظ ہونا کافی ہے پورا پکنا اور اس میں مٹھاس کا پیدا ہونا ضروری نہیں بہرحال دونوں اقوال قریب قریب ہیں اس لئے کہ پھل بیماری اور آفات سے اسی وقت محفوظ ہوتا ہے جب اس میں پکنے کے آثار شروع ہو جاتے ہیں لہٰذا ان دونوں اقوال میں بہت زیادہ فرق نہیں ہے۔

اگر پھل ابھی درخت پر ظاہر ہی نہیں ہوا تو اس کی بیع بالاتفاق حرام ہے۔ جیسا کہ آج کل پھل آنے سے پہلے باغات کو ٹھیکے پر دیدیا جاتا ہے اور بائع مشتری سے کہہ دیتا ہے کہ اس باغ میں اس سال جو پھل آئے گا وہ میں آپ کو فروخت کرتا ہوں یہ صورت

جائز ہے اس لئے کہ یا یک ایسی چیز کی بیع ہورہی ہے جو ابھی تک وجود میں نہیں آئی اس لئے اسکے ناجائز ہونے کا کوئی اختلاف نہیں۔

اس کی ایک اور بدتر صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ باغ کئی سال کے ٹھیکے پر دے دیتے ہیں مثلاً تین سال، پانچ سال، یا دس سال کے لئے وہ باغ ٹھیکے پر دے دیا اور بائع نے مشتری سے آئندہ آنے والے پھلوں کی قیمت آج ہی وصول کرلی یہ صورت بالکل ناجائز اور نص صریح کے خلاف ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ نهى رسول الله ﷺ عن بيع السنين یعنی حضور اقدس ﷺ نے کئی سال تک کی بیع کرنے سے منع فرمادیا۔ لہٰذا یہ صورت کسی حال میں بھی جائز نہیں۔

**بیع بشرط القطع:** اور اگر پھل درخت پر ظاہر ہو چکا ہو لیکن ابھی پکا نہ ہو تو ایسے پھل کے بیع کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں پہلی صورت کو بیع بشرط القطع کہتے ہیں یعنی پھل کی بیع ہو جانے کے بعد بائع مشتری سے یہ کہہ دے کہ یہ پھل ابھی توڑ کر لے جاؤ اور پھل فی الحال توڑ کر لے جانا بیع کے اندر شرط ہو۔ بیع کی یہ صورت بالاتفاق جائز ہے۔ اس کے جواز میں کسی کا اختلاف نہیں۔ البتہ امام ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ اور سفیان ثوری رحمہ اللہ اس صورت کو بھی ناجائز کہتے ہیں۔

**بیع بشرط الترک:** دوسری صورت یہ ہے کہ بائع اور مشتری بیع تو ابھی کرلیں لیکن عقد بیع کے اندر ہی یہ شرط لگا دیں کہ یہ پھل درخت پر چھوڑ دیا جائے گا، پکنے کے بعد مشتری یہ پھل کاٹ کرلے جائے گا اسکی بیع کو بیع بشرط الترک کہتے ہیں۔ یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے۔ البتہ امام ابن احمد رحمہ اللہ اس صورت کو بھی جائز کہتے ہیں۔

**مطلق عن الشرط:** تیسری صورت یہ ہے کہ بیع تو ابھی مکمل کرلیں اور ترک یا قطع کی کوئی شرط عقد بیع کے اندر نہ لگائیں۔ ایسی بیع کو مطلق عن شرط القطع والترك کہتے ہیں۔ اس صورت میں جواز اور عدم جواز کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک بیع کی یہ صورت بھی ناجائز ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے۔ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں کہ اس حدیث میں حضور ﷺ نے "بدو صلاح" سے پہلے پھل کی بیع سے منع فرمایا۔ امام طحاوی رحمہ اللہ نے حنفیہ کے مذہب پر آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے کہ من باع نخلا بعد ان تؤبر فثمرتها للبائع الا ان يشترط المبتاع۔ اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے مشتری کے شرط لگا دینے کی صورت میں پھل کو بیع میں داخل قرار دیا ہے حالانکہ جس وقت نخل کی تابیر ہوتی ہے اس وقت تک ثمرہ میں بدو صلاح نہیں ہوتا اور اس وقت آپ نے اس کی بیع کو جائز قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر درخت پر چھوڑنے کی شرط نہ لگائی جائے تو ثمرہ کی بیع بدو صلاح سے پہلے جائز ہے۔ (تقریر ترمذی ج ا ص ۸۸)

❷ **حنفیہ کی وجہ ترجیح:** حدیث کے ظاہر پر شافعیہ کا بھی عمل نہیں ہے کیونکہ انہوں نے بھی قبل از بدو صلاح والی صورتوں میں سے شرط قطع والی صورت کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جبکہ احناف نے دوسری صریح حدیثوں کی وجہ سے حدیث کے ظاہر کو چھوڑا ہے اور ہمارا عمل حدیث پر ہی ہے۔

## ﴿السؤال الثالث﴾ ۱۴۲۷ھ

**الشق الاول** ...... عن ابى رافع ان رسول الله ﷺ استسلف من رجل بكرا فقدمت عليه ابل من الصدقة فامر ابا رافع ان يقضى الرجل بكره فرجع اليه ابو رافع فقال لم اجد فيها الا خيارا رباعيا فقال اعطه اياه ان خيار الناس احسنهم قضاء.

ترجم الحديث. اذكر مذاهب علماء الامة فى جواز اقتراض الحيوان و اكتب ادلتهم.

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل دو امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حیوان بطور قرض لینے میں علماء کے مذاہب مع الدلائل۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث کا ترجمہ:** حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی آدمی سے بطور قرض اونٹ

لیا پس جب آپ ﷺ کے پاس صدقہ کے اونٹ آئے تو آپ ﷺ نے ابو رافع رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ آدمی کو اس کا اونٹ ادا کر دو، پس حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی طرف لوٹے اور عرض کیا کہ میں اس میں عمدہ رباعی (وہ اونٹ جس کے سامنے والے چار دانت گر گئے ہوں اور عمر کے ساتویں سال میں داخل ہو چکا ہو) اونٹوں کے علاوہ نہیں پاتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہی اس کو دے دو بیشک لوگوں میں سے بہتر وہ ہے جو ان میں سے ادائیگی کے اعتبار سے اچھا ہے۔

❷ **حیوان بطور قرض لینے میں علماء کے مذاہب مع الدلائل:۔** سلف فی الحیوان کے جواز میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک حیوان میں بیع سلم جائز ہے اور عند الاحناف جائز نہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ حنفیہؒ کے نزدیک بیع سلم کے لئے ضروری ہے کہ یا تو وہ چیز کیلی ہو یا وزنی ہو عددیات متقاربہ میں سے ہو لہٰذا اگر کوئی چیز عددیات متفاوتہ میں سے ہو (جس کے افراد اور آحاد میں بہت زیادہ تفاوت ہو) تو اس میں بیع سلم جائز نہیں اس لئے کہ ان میں جھگڑے کا امکان ہے کیونکہ جب ادائیگی کا وقت آئے گا تو بائع کہے گا کہ میں نے تو ادنیٰ چیز میں سلم کیا تھا اور مشتری کہے گا کہ نہیں بلکہ اعلیٰ اور عمدہ چیز میں سلم ہوا تھا تو چونکہ یہ مفضی الی النزاع ہے اس لئے یہ جائز نہیں۔ احنافؒ کی نقلی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حیوان کی بیع حیوان کے ساتھ ادھار کرنے سے منع فرمایا (ترمذی، باب جاء فی کراھیة بیع الحیوان بالحیوان) مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ حیوان کی بیع میں تفاضل تو جائز ہے کہ ایک حیوان کے بدلے میں دو حیوان فروخت کرنا، لیکن ادھار جائز نہیں بلکہ یداً بید ہونا شرط ہے۔

امام شافعیؒ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک غزوہ میں اونٹوں کی ضرورت پیش آئی اور اونٹ مل نہیں رہے تھے تو ابو رافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا کہ جا کر اونٹ وصول کرو تو میں ایک اونٹ، دو اونٹوں کے بدلے ادھار لیتا تھا ظاہر ہے کہ یہ معاملہ آپ ﷺ کے سامنے ہوا تو معلوم ہوا کہ حیوان کی بیع حیوان کے ساتھ ادھار جائز ہے۔

حنفیہؒ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ربوا کی حرمت سے پہلے کا واقعہ ہے کیونکہ ربوا کی حرمت بالکل آپ ﷺ کے آخری زمانہ میں آئی ہے اور آپ ﷺ نے اس کا اعلان حجۃ الوداع میں کیا تھا اور اس کے بعد کوئی غزوہ پیش نہیں آیا لہٰذا اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ واقعہ حرمت ربوا سے پہلے کا ہے اس لئے حجت نہیں۔

**السؤال الثالث** ...... عن مفضل عن مغیرة قال سمعت الشعبی یقول حدثنی الحارث الاعور وهو یشهد انه احد الکاذبین قال علقمة قرأت القرآن فی سنتین فقال الحارث القرآن هین ، الوحی اشد . عن ابراهیم ان الحارث قال تعلمت القرآن فی ثلث سنین والوحی فی سنتین اوقال الوحی فی ثلاث سنین والقرآن فی سنتین . (ص ۱۲ ج ا المقدمہ)

**الی من یعود ضمیر وهو یشهد؟ ورد فی الاثر الاول القرآن هین، الوحی اشد وورد فی الاثر الثانی تعلمت القرآن فی ثلاث سنین والوحی فی سنتین فتعارض الاثران فارفع التعارض بینهما.**

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں دو امور مطلوب ہیں (۱) ھو یشھد کی ضمیر کا مرجع (۲) آثار سے رفع تعارض۔

**جواب** ...... ❶ **ھو یشھد کی ضمیر کا مرجع:۔** ھو ضمیر کا مرجع امام شعبیؒ ہیں۔

❷ **آثار سے رفع تعارض:۔** اثر ثانی میں قرآن سے مراد وحی متلو اور غیر متلو دونوں کا مجموعہ ہے خواہ وہ غیر متلو سنت ہو یا منسوخ ہو۔ اور وحی سے مراد وحی متلو ہے جو کہ قرآن کریم ہے۔ لہٰذا اثر اول اور اثر ثانی میں کوئی تعارض نہ رہا کیونکہ اثر اول میں قرآن سے مراد وحی متلو ہے اور وحی سے مراد وحی متلو اور غیر متلو دونوں ہیں۔ (اکمال المعلم ص ۱۶)

## ﴿الورقة الثانية: صحيح الامام مسلم﴾

### ﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۲۸ھ

**الشق الاوّل**......عن عامر بن عبدة قال قال عبدالله: ان الشيطان ليتمثل في صورة الرجل فياتي القوم، فيحدثهم بالحديث من الكذب فيتفرقون فيقول الرجل منهم: سمعت رجلا أعرف وجهه ولا أدري ما اسمه يحدث. (مسلم شریف)

ترجم الأثر واذكر غرضه. عرف المجهول بأقسامه واذكر حكمها.

**﴿خلاصۂ سوال﴾**...... اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں (۱) اثر کا ترجمہ (۲) اثر کی غرض (۳) مجہول کی تعریف، اقسام اور حکم۔

**جواب**...... ❶ اثر کا ترجمہ:۔ حضرت عامر بن عبدہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شیطان کسی آدمی کی صورت میں لوگوں کے پاس آتا ہے اور ان سے جھوٹی احادیث بیان کرتا ہے جب لوگ منتشر ہو جاتے ہیں تو ایک شخص دوسرے شخص سے کہتا ہے کہ میں نے ایک آدمی کو یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا ہے جس کی شکل وصورت کو میں پہچانتا ہوں اور اس کے نام ونسب سے واقف نہیں ہوں۔

❷ اثر کی غرض:۔ اس اثر سے امام مسلم رحمہ اللہ کی غرض نقل حدیث میں احتیاط کو بیان کرنا ہے کہ شیطان لوگوں کی شکل وصورت میں آکر اپنی طرف سے من گھڑت جھوٹی اور غلط احادیث بیان کرتا ہے اور سننے والا شخص پھر وہ حدیث آگے بیان کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں راوی کی شکل وصورت سے واقف ہوں مگر اس کے حسب ونسب سے واقف نہیں ہوں حالانکہ وہ شیطان ہوتا ہے جو لوگوں کی شکل میں غلط احادیث پھیلانے کے لئے آتا ہے۔ اس لئے نقل حدیث میں خوب احتیاط سے کام لو، جس شخص کے حسب ونسب سے مکمل طور پر واقف نہیں ہو اس کی حدیث آگے بیان نہ کرو۔

❸ مجہول کی تعریف، اقسام اور حکم:۔ راوی کا مجہول ہونا بھی اس حدیث میں ایک عیب ہے اور راوی کا مجہول ہونا تین وجہ سے ہوتا ہے۔

پہلی وجہ: یہ کہ نام کے علاوہ اس کی کنیت، لقب، نسب وغیرہ اوصاف بھی ہوں مگر ان میں سے ایک مشہور ہو اور باقی مشہور نہ ہوں، اگر اس راوی کو ذکر کسی وجہ سے غیر مشہور کے ساتھ کیا جائے گا تو اس کے متعین نہ ہونے کی وجہ سے وہ مجہول رہے گا، چنانچہ محمد بن السائب بن بشر الکلبی بعض اسکو محمد بن بشر کے نام سے پکارتے ہیں اور بعض حماد بن سائب کے نام سے اور بعض ابو النضر کے نام سے اور بعض ابوسعید اور ابوہشام کے نام سے بھی پکارتے ہیں جو شخص حقیقت حال سے ناواقف ہوگا وہ یہی سمجھے گا کہ ان سب ناموں سے موسوم متعدد لوگ ہیں، حالانکہ ان سب کا مسمّٰی ایک ہی شخص ہے اسی بنا پر جو شخص ان امور کو نہ جانتے گا وہ کیا راوی کو پہچانے گا؟ اگر اصل محمد بن السائب ان میں کسی غیر مشہور نام سے ذکر کیا جائے گا تو وہ مجہول ہی ہوگا۔

دوسری وجہ: دوسری وجہ یہ ہے کہ اختصار کرتے ہوئے راوی کا نام ہی ذکر نہ کیا ہو بلکہ اخبرني فلان یا اخبرني شيخ یا اخبرنی رجل وغیرہ کہہ دے، اس مبہم راوی کا نام اگر کسی دوسری سند میں مذکور ہو تو اس سے معلوم کیا جا سکتا ہے اس بارے میں بھی علماء نے کتب لکھی ہیں المبہمات کے نام سے۔ مبہم راوی کا جب تک نام ذکر نہ کیا جائے اس کی حدیث قبول نہیں کی جائے گی۔ اس لئے کہ حدیث کی قبولیت کے لئے راوی کی عدالت شرط ہے جب نام ہی ذکر نہیں تو ذات معلوم نہ ہوئی جب ذات معلوم نہ ہوئی تو اس کی عدالت کیسے ہوگی اور اگر راوی کا نام ذکر کرنے کی بجائے اس کی تعدیل ذکر کرتا ہے مثلاً کہتا ہے اخبرني الثقة تب بھی قول صحیح کے مطابق اس کی روایت معتبر نہیں ہوگی اس لئے کہ ممکن ہے کہ اس کے نزدیک وہ ثقہ ہو لیکن دوسروں کے نزدیک مجروح ہو یہ احتمال چونکہ حدیث مرسل میں بھی ہوتا ہے اسلئے وہ قابل قبول نہیں ہوگی اگرچہ بعض کہتے ہیں کہ قبول کر لی جائے گی اسلئے کہ اصل عدالت ہے جرح خلاف اصل ہے اور بعض کے نزدیک

یہ بھی ہے کہ اگر ابہام کرنے والا صاحب علم ہے تو اس کی تقلید کرنے والا اس کو قبول کرسکتا ہے مگر یہ علم اصول حدیث میں سے نہیں ہے۔

تیسری وجہ: اگر راوی قلیل الحدیث ہو، یعنی اس سے بہت کم روایت کی گئی ہو، وحدان وہ راوی ہے جس سے صرف ایک نے روایت کی ہو۔ اس کا نام اگر مذکور ہو تو وہ مجہول العین ہے۔ اور اگر مذکور نہ ہو تو وہ مبہم ہے۔ اس کی روایت بھی قابل قبول نہ ہوگی اصح یہ ہے کہ اگر راوی جو اس سے روایت کر رہا ہے یا غیر راوی جس میں توثیق کی صلاحیت ہے اس نے توثیق کر دی تو حدیث مقبول ہوگی اور اگر دو نے روایت کی لیکن توثیق کسی سے منقول نہیں تو وہ مجہول ہے ایسے کو مستور کہا جاتا ہے۔ اگر چہ ایک جماعت مستور کی روایت کو جائز قرار دیتی ہے لیکن جمہور اس کو نہیں لیتے۔ تحقیق یہ ہے کہ ایسے کی روایت میں توقف کیا جائیگا۔ الا یہ کہ حال معلوم ہو جائے۔ امام الحرمین نے اسی پر اعتماد ظاہر کیا ہے بلکہ جس راوی پر جرح غیر مفسر ہو اس کے متعلق بھی ابن صلاح کا اسی طرح کا قول ہے۔

یہاں پر حافظ صاحب نے راوی کے مجہول ہونے یا اس کے قلیل الحدیث ہونے کی بحث کو چھیڑا ہے۔

صحابی رضی اللہ عنہ کی جہالت حدیث کی صحت کے لئے مضر نہیں ہے اس لئے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سب کے سب عدول ہیں۔

غیر صحابی کی جہالت دو قسموں پر ہے یا مبہم ہوگی یا غیر مبہم ہمارے نزدیک اگر خیر القرون کا مبہم راوی ہے خواہ اس کو لفظ تعدیل کے ساتھ مثلاً اخبرنی ثقة کہہ کر مبہم کہا گیا ہے یا لفظ تعدیل کے بغیر جیسے اخبرنی شیخ وغیرہ۔ دونوں صورتوں میں خیر القرون کے مبہم راوی کی روایت قبول ہوگی۔ اور اگر راوی مجہول الحال ہو ذات معلوم ہو یعنی ظاہر اچھا ہو لیکن باطن کی خبر نہ ہو تو اس کو مستور کہتے ہیں خیر القرون کا مستور الحال ہونا ہمارے احناف کے نزدیک کوئی سبب جرح نہیں اس کی روایت قبول ہوگی اگر راوی سے روایت کرنے والا فقط ایک ہی ہو خیر القرون کی جہالت ہمارے ہاں سبب جرح نہیں ہے، بلکہ بعد میں بھی سبب جرح نہیں ہے ابن ہمام رحمہ اللہ نے التحریر میں یہی لکھا ہے ووحدة الراوی لیست بجرح عندنا مسلم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت میں بھی اسی طرح ہے۔ یہ بات یاد رہے کہ راوی کے ایک ہونے پر جہالت کا مدار دوسرے محدثین کے نزدیک ہے ہمارے نزدیک اگر دو روایت کرنے والے ہوں تو جہالت بھی مرتفع ہو جائے گی۔ ہمارے نزدیک مجہول العین وہ ہے جس سے ایک یا دو حدیثیں مروی ہوں اور اس کی عدالت بھی معلوم نہ ہو عام ہے کہ اس سے روایت کرنے والے دو یا دو سے زائد ہوں۔ اس قسم کی جہالت اگر صحابی میں ہے تو مضر نہیں اور اگر غیر میں ہے تو پھر اگر اس کی حدیث قرن ثانی یا قرن ثالث میں ظاہر ہو جائے تو اس پر عمل جائز ہوگا اور اگر ظاہر ہو اور سلف اس کی صحت کی گواہی دیں یا طعن سے خاموش رہیں تو قبول کر لی جائے گی اور اگر رد کر دیں تو رد کر دی جائے گی اور اگر اختلاف کریں تو اگر موافق قیاس ہوگی تو قبول ورنہ رد کر دی جائے گی۔

**الشق الثالث** ...... حدثنا علي بن مسهر قال سمعت أنا وحمزة الزيات من أبان بن أبي عياش نحوًا من ألف حديث قال علي: فلقيت حمزة فأخبرني أنه رأى النبي ﷺ في المنام فعرض عليه ماسمع من أبان فماعرف منها الاشيئا يسيرًا خمسة أوستة. (ص ۱۸۔ ج۱۔ قدیمی)

ترجم لابان بن أبي عياش؟ . اذكر معنى هذا النقل واكتب هل تُرَدّ الأحاديث بأمر المنام؟ اشرح معنى قوله "من رآني في المنام فقد رآني" واذكر هل تثبت حجية ماسمعه من الرسول ﷺ في المنام ولماذا؟

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال کا حاصل چار امور ہیں (۱) ابان بن ابی عیاش کا تعارف (۲) عبارت کی تشریح (۳) من رآني في المنام فقد رآني کا مفہوم (۴) خواب میں ارشاد نبوی ﷺ کی حجیت۔

**جواب** ...... ❶ ابان بن ابی عیاش کا تعارف:۔ ابو اسماعیل ابان بن ابی عیاش بصری چھوٹے درجہ کا تابعی ہے اور یہ

ابان ضعیف اور متروک الحدیث راوی ہے۔ اس کی وفات تقریباً ۱۴۰ھ میں ہے۔ (فتح الملہم ص ۱۷۷)

❷ **عبارت کی تشریح:۔** علی بن مسہر کہتے ہیں کہ میں نے اور حمزہ زیات نے ابان سے تقریباً ایک ہزار احادیث سنی ہوئی تھیں پھر کچھ عرصے کے بعد میری حمزہ زیات سے ملاقات ہوئی تو پھر حمزہ زیات نے مجھے بتایا کہ مجھے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی اور میں نے ابان کی تمام احادیث آپ ﷺ کے سامنے پیش کیں تو آپ ﷺ نے ان تمام احادیث میں سے صرف چند احادیث کو پہچانا۔ حمزہ زیات کے قول کا مطلب یہ ہے کہ ابان نے تمام احادیث از خود ادھر ادھر سے لی ہیں اور خود گھڑی ہیں۔ ان تمام احادیث میں سے صرف چند احادیث صحیح ہیں، وہ اس کلام سے غرض ابان کے ضعف کی تائید ہے۔

❸ **من رآنی فی المنام فقد رآنی کا مفہوم:۔** حضرات محدثین میں سے بعض کی رائے یہ ہے کہ جس نے نبی کریم ﷺ کو آخری زندگی والے حلیہ میں دیکھا اس نے یقیناً آپ ﷺ کو دیکھا چنانچہ وہ حضرات خواب دیکھنے والے سے حلیہ دریافت کرلیا کرتے تھے اگر خواب دیکھنے والا وہ حلیہ بیان کرتا جو آپ ﷺ کا آخری زندگی میں تھا تو وہ اس خواب کی تصدیق کرتے تھے ورنہ کہتے کہ آپ نے نبی کریم ﷺ کو خواب میں نہیں دیکھا۔

حضرات محدثین کی دوسری رائے یہ ہے کہ جس نے آپ ﷺ کو آپ کے حلیہ میں دیکھا خواہ وہ آخری زندگی کا حلیہ ہو یا پہلے کا اس نے آپ ﷺ کو دیکھا اور اگر ایسی حالت میں دیکھا جو آپ ﷺ کا حلیہ ہی نہیں رہا تو اس نے آپ ﷺ کو نہیں دیکھا۔

متاخرین کی رائے یہ ہے کہ خواب دیکھنے والے نے آپ ﷺ کو جس حلیہ میں بھی دیکھا ہو اگرچہ نامناسب حلیہ میں دیکھا ہو اور خواب میں قرائن سے جانا ہو کہ یہی نبی کریم ﷺ ہیں تو وہ آپ ﷺ ہی ہوتے ہیں اور کوئی نہیں ہوتا خواہ روایات میں منقول حلیہ میں دیکھا ہو یا کسی اور حلیہ میں دیکھا ہو۔ حضرت گنگوہی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ یہی رائے برحق ہے کیونکہ خواب دیکھنے والے کو جس شخص سے مناسبت ہوتی ہے اس کی شکل میں آپ ﷺ نظر آتے ہیں نیز خواب دیکھنے والے کی ایمانی حالت، نیت اور امور باطنہ کے اختلاف سے بھی آپ ﷺ کی زیارت مختلف صورتوں میں ہوتی ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ج ۳ ص ۳۰)

❹ **خواب میں ارشاد نبوی ﷺ کی حجیت:۔** اس بات پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ خواب شریعت میں کوئی قطعی حجت نہیں ہے اگرچہ آپ ﷺ کا یہ فرمان بالکل درست ہے کہ جس نے خواب میں میری زیارت کی اس نے میری ہی زیارت کی، کیونکہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کرسکتا مگر چونکہ خواب کی حالت اختلال ضبط اور غفلت عقل وہوش کی حالت ہوتی ہے اس لئے صرف خواب کی بنیاد پر کسی ناجائز کو جائز اور کسی جائز کو ناجائز نہیں کہا جاسکتا۔ البتہ اگر وہ ارشاد کسی حکم شرعی سے متصادم نہ ہو تو آپ ﷺ کی صورت ذاتیہ یا صورت مثالیہ کے ساتھ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے اور یہ مستحسن ہے۔ (کشف الباری ج ۴ ص ۲۹)

## السوال الثانی ۱۴۲۸ھ

**الشق الأول** ...... عن طارق بن شهاب ..... قال أول من بدأ بالخطبة يوم العيد قبل الصلاة مروان، فقام اليه رجل، فقال: الصلاة قبل الخطبة فقال قد ترك ما هنالك فقال أبو سعيد: أما هذا فقد قضى ما عليه سمعت رسول الله ﷺ يقول من رأى منكم منكرا فليغيره بيده فأن لم يستطع فبلسانه: فأن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الايمان ۔ (ص ۵۱ ج ۱ قدیمی) من هو أول من بدأ بالخطبة يوم العيد؟ وقد وردت فيه روايات اذكر وجه الجمع بينها . من هذا الرجل الذي أنكر على مروان؟ ولماذا تأخر أبو سعيد عن الانكار عليه؟ وفي رواية: أن الذي أنكر عليه هو أبو سعيد فكيف

الجمع بین هذین؟ اشرح الحدیث واذکر الأحوال التی یسقط واجب الأمر بالمعروف والنهی عن المنکر

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل چار امور ہیں (۱) یوم العید میں خطبہ کی ابتداء کرنیوالے شخص کی نشاندہی اور تطبیق (۲) مروان پر رد کرنے والے شخص کی نشاندہی (۳) ابوسعید رضی اللہ عنہ کے رد کرنے میں تاخیر کی وجہ (۴) حدیث کی تشریح اور سقوط واجب۔

**جواب** ...... ❶ **یوم العید میں خطبہ کی ابتداء کرنیوالے شخص کی نشاندہی اور تطبیق:** یوم العید میں نماز عید کے بعد خطبہ دینا مسنون عمل ہے۔ نماز عید سے قبل خطبہ دینے والا سب سے پہلا شخص کون ہے؟ اس میں متعدد روایات ہیں۔

کہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام ہے، کہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اور کہیں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اور کہیں مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ کا نام ہے۔

الغرض اس سلسلہ میں متعدد نام منقول ہیں۔ ان روایات پر اعتراض ہوتا ہے کہ بظاہر روایات متعارض ہیں۔

محدثین نے ان سب میں سے مسلم کی روایت کو ترجیح دی ہے اس میں صراحت ہے کہ یہ کام سب سے پہلے مروان نے کیا تھا، اگر مذکورہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف یہ نسبت درست بھی ہو تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہو چکا تھا اور نو مسلموں میں کچھ تساہل محسوس کیا گیا تو تمام مسلمانوں کو نماز عید میں شامل کرنے کیلئے احیانا نماز پر خطبہ کو مقدم کر دیا جبکہ مروان نے شاید اپنی ذاتی مصلحت کی وجہ سے اسے احیانا مقدم کرنے کی بجائے اسے معمول بنا لیا تھا اسلئے اسکے عمل پر نکیر کی گئی۔ (درس مسلم ص ۲۲۹)

❷ **مروان پر رد کرنیوالے شخص کی نشاندہی:** نماز عید سے پہلے خطبہ دینے کی وجہ سے مروان پر رد کرنے والے شخص مشہور صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔

❸ **ابوسعید رضی اللہ عنہ کے رد کرنے میں تاخیر کی وجہ:** ممکن ہے کہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ ابتداء وہاں موجود نہ ہوں اور جب دونوں میں گفتگو شروع ہو رہی ہو اس وقت تشریف لائے ہوں۔

نیز ممکن ہے کہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کو اپنے منع کرنے کی صورت میں فتنہ کا اندیشہ ہو اسلئے ان سے نہی عن المنکر کا فریضہ ہی ساقط ہو گیا ہو۔

نیز ممکن ہے کہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے نہی عن المنکر کا قصد وارادہ کیا ہو مگر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سبقت لے گئے ہوں۔

❹ **حدیث کی تشریح اور سقوط واجب:** حدیث الباب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہی عن المنکر کی اہمیت و وجوب اور اس کے درجات کو بتلایا ہے۔ جاننا چاہیے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دین متین کے عظیم ترین احکامات میں سے ایک اہم حکم ہے۔ اسی عظیم امر کیلئے اللہ نے بعثت انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ جاری فرمایا۔ اگر اسے ہی موقوف کر دیا جائے تو کار نبوت بے کار ہو کر رہ جائے گا۔ گمراہی اور جہالت پھیلتی چلی جائے گی۔ امت میں فساد عام ہو جائے گا اور سوء قسمتی سے دور حاضر میں یہ مرض عام ہو چکا ہے۔ کلمہ حق کہنے میں ملامت کرنے والوں کی پرواہ کرنے والے لوگ ختم ہوتے جا رہے ہیں۔ لوگ شہوت پرستی، نفس کی اتباع میں برائیوں کے اندر بہتے چلے جا رہے ہیں لیکن انہیں روکنے والا کوئی نہیں ہے۔

نہی عن المنکر ہر مسلمان پر، امت کے ہر طبقہ پر واجب ہے لیکن اس کے تین درجات ہیں۔ ① پہلا درجہ تغییر بالید ہے یعنی برائی کو طاقت کے ذریعہ روک دینا یا ختم کر دینا یہ حقیقتاً حاکم اور حکومت کی ذمہ داری ہے کیونکہ طاقت وقدرت اسی کے پاس ہوتی ہے لہٰذا برائی کو بذریعہ طاقت اور بزور بازو ختم کرنا حاکم اور حکومت کی ذمہ داری ہے ② دوسرا درجہ تغییر باللسان ہے۔ زبان سے برائی روکنا، یہ منصب علماء کرام کا ہے کیونکہ انکے پاس طاقت نہیں ہوتی، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا مذکورہ بالا واقعہ بھی شہادت دیتا ہے کہ علماء کا کام برائی کو زبان سے روکنا ہے اور کلمہ حق کہنے میں لومۃ لائم کی پرواہ کرنی چاہیے۔ البتہ جان کا خوف یا فتنہ کا اندیشہ ہو تو وہاں یہ بھی واجب نہیں، امت مرحومہ کی تاریخ میں ایسے سینکڑوں نہیں ہزاروں علماء سلف کے ایمان افروز واقعات ملتے ہیں کہ جابر

کی ہے لیکن وہ نزول کیسے ہوتا ہے؟ کس طرح ہوتا ہے؟ ان سوالوں میں پڑنا اور تحقیق کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ان پر صرف ایمان لانا
ضروری ہے ان کی حقیقت کو جاننا باعتبار آخرت عمل کیلئے ضروری نہیں۔ لہٰذا ایسی تمام صفات میں جمہور سلف کا طریقہ یہی ہے کہ ان کو
تسلیم کرتے ہوئے انکے معنی و مفہوم کو واضح کرنے کے بجائے یہی کہا جاتا ہے کہ کما یلیق بشانہ جیسا کہ حق تعالیٰ کی شان کے مطابق ہے
چوتھا مذہب: متکلمین کا ہے وہ کہتے ہیں کہ ان الفاظ کا ظاہری معنی ہرگز مراد نہیں ہے کیونکہ وہ تشبیہ کو مستلزم ہے البتہ وہ مجازی
معنی مراد لیتے ہیں اور ان صفات کی تاویل کرتے ہیں کہ مثلاً نزول سے مراد نزول رحمت وغیرہ ہے لیکن شیخ عبدالوہاب شعرانی
نے الیواقیت والجواہر میں یہی فرمایا کہ تفویض (تیسرا مذہب) ہی بہتر ہے کہ حق تعالیٰ ہی اسکے معنی و مفہوم سے واقف ہیں۔ ہم اگر
اسکی تاویل کریں گے تو وہ تاویل ہماری ذہنی اختراع ہی ہوگی جس میں غلطی کا امکان ہے لہٰذا تفویض پر عمل کرنا چاہیے۔ (درس ترمذی ج [illegible] ص [illegible])
❹ نزول باری تعالیٰ کا معنی: نزول باری تعالیٰ سے مراد نزول رحمت ہے یا نزول احکام یا نزول ملائکہ یا دعا کرنے والوں کی
طرف لطف و اجابت کے ساتھ خصوصی طور پر متوجہ ہوتا ہے۔

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۲۸ھ

**الشق الاول** ...... عن النعمان بن بشير يقول: سمعت رسول الله ﷺ يقول وأهوى النعمان باصبعيه الى أذنيه. أن الحلال بين وأن الحرام بين، وبينهما مشبهات لا يعلمهن كثير من الناس فمن اتقى الشبهات استبرأ لدينه وعرضه، ومن وقع في الشبهات وقع في الحرام. (ص[illegible] ج[illegible] قدیمی)

اذكر عظيم موقع هذا الحديث . اذكر أقوال العلماء الشارحين في تفسير هذا الحديث بايضاح وبيان . اذكر تفصيل صور الاشتباه وأحكامها .

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) حدیث مذکور کا مقام (۲) حدیث کی تشریح (۳) مشتبہات کی تفصیل و احکام۔

**جواب** ...... ❶ حدیث مذکور کا مقام: اس حدیث کی عظمت مقام کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ حدیث ان احادیث میں سے ہے جن پر دین اسلام کا مدار ہے اور اکثر علماء دین نے اس حدیث کو اصول اسلام کا ایک تہائی حصہ قرار دیا ہے کیونکہ اصول اسلام کا خلاصہ تین احادیث بتائی جاتی ہیں۔ ① انما الاعمال بالنيات ② من حسن اسلام المرء تركه مالا يعنيه ③ الحلال بين والحرام بين وبينهما مشبهات۔

❷ حدیث کی تشریح: حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کچھ چیزیں حلال اور کچھ چیزیں حرام ہیں یعنی ان کی حلت و حرمت واضح ہے جیسے روٹی حلال ہے، زنا اور چوری حرام ہیں مگر کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کی حلت و حرمت واضح نہیں ہے ان کو صرف علماء ہی جانتے ہیں، عام آدمی ان سے ناواقف اور جاہل ہے، جو شخص بھی ان مشتبہ اشیاء و امور سے بچا رہے گا اس کی عزت اور اس کا دین محفوظ رہے گا اور جو شخص ان امور و اشیاء میں مبتلا ہو جائے گا اس کا دین اور عزت داغدار ہو جائے گی ایک نہ ایک دن ان مشتبہ امور سے تجاوز کرتے ہوئے حرام امور کا ارتکاب کرے گا اسلئے ان مشتبہ امور سے بچنا ضروری ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ اس بات کو مثال کے ذریعہ سمجھا رہے ہیں کہ جیسے شاہی چراگاہ کے ارد گرد جو جانور چرتے ہیں اگر چرواہا انکو وہاں سے دور نہیں کرے گا تو کبھی وہ جانور اس شاہی چراگاہ کے اندر داخل ہو جائیں گے جس کی وجہ سے اس کو ان جانوروں سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ اور جس طرح دنیا کے ہر بادشاہ کی چراگاہ ہوتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی بھی ایک چراگاہ ہے اور وہ حرام کردہ اشیاء ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی چراگاہ سے بچنے کے لئے مشتبہ امور سے بچنا کہ دین و عزت دونوں محفوظ رہیں۔

❷ **مشتبہات کی تفصیل و احکام:-** مشتبہات سے کیا مراد ہے اس میں مختلف روایتیں ہیں۔ ① علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ امور ایسے ہیں جو کچھ لوگوں پر تو مشتبہ رہتے ہیں اور کچھ پر نہیں، یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ امور فی ذاتہا مشتبہ ہیں اور اصول شریعت میں ان کا کوئی بیان نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا حکم بیان فرما دیا ہے اور دلیل بھی قائم فرما دی ہے لیکن چونکہ بیان کبھی تو جلی ہوتا ہے اور تمام لوگ اسے جان لیتے ہیں اور کبھی خفی ہوتا ہے، خاص خاص علماء ہی اسے جان سکتے ہیں جو اصول فقہ میں مہارت رکھنے والے، نصوص کے معانی کا صحیح ادراک کرنے والے، قیاس، استنباط اور کسی شے کو اس کی نظیر و مثل پر رد کر سکنے والے ہوں، اسلئے ان امور میں شبہ اور اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے۔ ② امام نووی رحمہ اللہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مشتبہات سے وہ امور مراد ہیں جن میں دلائل حلت و حرمت متعارض ہوں حتیٰ کہ اگر مجتہد اجتہاد کر کے کسی دلیل کی بنیاد پر جانب حلت کو ترجیح دے دے تب بھی وہ امر مشتبہ رہے گا۔ اس میں ورع یہ ہے کہ اس امر کا ارتکاب بالکل نہ کیا جائے کیونکہ ممکن ہے اجتہاد میں خطا واقع ہو۔

حاصل اس قول کا یہ ہے کہ مشتبہات سے مراد وہ امور اجتہادیہ ہیں جن میں کوئی نص یا اجماع موجود نہ ہو، اور "توقی الشبہات" سے مراد احتیاط و ورع کو بر سبیل تقویٰ اختیار کرنا ہے نہ کہ بر سبیل فتویٰ۔

③ علامہ مازری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں مشتبہات سے مکروہ امور مراد ہیں اور مقصود یہاں ان مکروہات کے ارتکاب سے بچنے پر آمادہ کرنا ہے کیونکہ بہت سے لوگ مکروہات کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ حرام نہیں ہیں جبکہ ان کا یہ عمل محرمات تک پہنچا سکتا ہے۔

④ بعض علماء فرماتے ہیں کہ مشتبہات سے یہاں وہ مباح امور مراد ہیں جن سے بچنا اور احتیاط کرنا اچھا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء اور اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مباحات سے بھی کنارہ کش رہتے تھے چنانچہ وہ اچھے کھانے، اچھے لباس اور اچھے مکان سے بھی دور رہتے تھے اور کھردری زندگی گزارنے کے عادی تھے۔

ان اقوال میں سے آخری دونوں اقوال ضعیف ہیں، مکروہ و مباح مشتبہات میں داخل نہیں ہے البتہ پہلی دونوں صورتیں بلکہ اشتباہ کی تمام صورتیں مشتبہات میں داخل ہیں۔ (کشف الباری ج ۲ ص ۲۸۲)

**السؤال الثانی** ...... عن عبدالرحمن بن عثمان التیمی أن رسول اللہ ﷺ نهى عن لقطة الحاج.

**اشرح معنى اللقطة لغة واصطلاحًا. اذكر حكم اللقطة عند العلماء بتفصيل مشبع. اشرح هذا الحديث شرحًا واضحًا مع ذكر اختلاف الأئمة في لقطة الحرم.** (ص ۸۰ ج ۲ قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) لقطہ کا لغوی و اصطلاحی معنی (۲) لقطہ کا حکم (۳) لقطۂ حرم میں اختلاف۔

**جواب** ...... ❶ **لقطہ کا لغوی و اصطلاحی معنی:-** یہ التقاط سے مشتق ہے جس کے معنی اٹھانے کے ہیں اور اصطلاح میں لقطہ اس چیز کا نام ہے جو گری پڑی ہو اس کو کوئی اٹھائے۔

❷ **لقطہ کا حکم:-** لقطہ کا پہلا حکم تعریف و تشہیر ہے بعض فقہاء کے نزدیک جو چیز بھی ملے خواہ قیمتی ہو یا گھٹیا، حدیث عرفها سنة کی وجہ سے ایک سال تک تعریف و تشہیر واجب ہے۔ حنفیہ کا مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ شرعا تعریف و تشہیر کی کوئی مدت مقرر نہیں ہے بلکہ ہر چیز کی تشہیر کی مدت الگ ہوگی، اگر کوئی قیمتی چیز ہے تو اس کی تشہیر دو تین سال تک کرنی ہوگی اور اگر معمولی چیز ہے تو اس کی تشہیر ایک دن کرنا بھی کافی ہے اور احادیث میں تشہیر کے متعلق متعدد روایات ہیں ہر روایت میں الگ الگ مدت کا ذکر ہے اور یہ مدت چیز کی مالیت پر موقوف ہے۔

الحاصل حنفیہ کے نزدیک ملتقِط (ملتقط) کو جب تک یہ اندازہ ہو کہ مالک اسکو تلاش کر رہا ہوگا اس وقت تک وہ تشہیر کرتا رہے اور جب اس کا خیال یہ ہو کہ اب مالک تلاش نہیں کر رہا ہوگا تو پھر تشہیر ترک کر دے خواہ ایک دن ہو یا چار پانچ سال کی مدت ہو۔

دوسرا مسئلہ لقطہ مالک کے سپرد کرنے کے متعلق ہے کہ جب مالک آ کر اس لقطہ کی تمام علامات بیان کر دے تو امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک لقطہ اس کے سپرد کرنا واجب ہے۔ مگر جمہور فقہاء کہتے ہیں کہ اگرچہ طالب تمام علامات بیان کر دے پھر بھی اگر اطمینان نہ ہو تو لقطہ اسکے سپرد نہ کیا جائے۔ الا یہ کہ وہ اپنی ملک پر بینہ قائم کر دے کہ یہ چیز واقعۃً اس کی ملک ہے تو پھر لقطہ اس کے سپرد کر دے۔

تیسرا مسئلہ لقطہ کے مصرف اور استعمال کے متعلق ہے۔ اگر مدت تشہیر تک مالک نہ آئے تو پھر لقطہ کا کیا کیا جائے۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ملتقط خواہ غنی ہو یا فقیر وہ لقطہ اس کے لئے حلال ہے اور وہ خود اسے استعمال کر سکتا ہے۔ البتہ استعمال کے بعد اگر مالک آ گیا تو پھر مالک کو اس کی ضمان ادا کرنا لازم ہوگی۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگر ملتقط فقیر اور مستحق زکوۃ ہے تو پھر اس کے لئے استعمال کرنا جائز ہے اور اگر وہ غنی ہے تو پھر اسے اختیار ہے چاہے امانت کے طور پر اپنے پاس محفوظ رکھے اور اگر چاہے تو صدقہ کر دے۔ البتہ اگر صدقہ کے بعد مالک آ گیا تو پھر اس کو اختیار ہے چاہے تو صدقہ کو نافذ کر دے اور اس کو صدقہ کا ثواب مل جائے گا اور اگر چاہے تو ملتقط سے ضمان لے لے۔ اس صورت میں ملتقط کو صدقہ کا ثواب مل جائے گا۔ (تلخیص از تقریر ترمذی ج ۱ ص ۳۱۹) (کشف الباری ج ۳ ص ۵۲۷)

❸ <u>لقطۂ حرم میں اختلاف:۔</u> حرم میں اگر کسی کی کوئی چیز گر جائے تو آیا اس کا حکم بھی عام لقطہ کی طرح ہے یا اس کے حکم میں دوسری جگہوں کے لقطوں کے مقابلہ میں کوئی فرق ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لقطۂ حل و حرم میں فرق ہے۔ عام لقطہ کا حکم تو یہ ہے کہ التقاط لقطہ واجب یا مستحب ہے اس کے بعد ایک مخصوص مدت تک تعریف ہوگی، اگر تعریف کے بعد مالک نہ آئے تو اس کو ملتقط اپنے استعمال میں لا سکتا ہے، خواہ ملتقط غنی ہو یا فقیر۔ جبکہ حرم کے لقطہ کا التقاط صرف حفاظت کی غرض سے ہی جائز ہے، تملک کی نیت سے بالکل جائز نہیں ہے پھر اس کی ہمیشہ تعریف کی جائے گی گویا اس کا تملک ممکن نہیں ہوگا۔

جمہور ائمہ امام ابوحنیفہ و امام مالک کا مذہب اور امام احمد رحمہ اللہ کا مشہور قول یہ ہے کہ لقطۂ حل اور لقطۂ حرم میں کوئی فرق نہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی ایک قول یہی ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل: ① بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں **ولا تلتقط ساقطتها الا لمنشد** کے الفاظ ہیں۔ ② مسلم شریف اور ابوداؤد شریف میں حضرت عبدالرحمن بن عثمان تیمی کی روایت ہے **ان رسول الله ﷺ نهى عن لقطة الحاج** یعنی رسول اللہ ﷺ نے حاجی کے لقطہ سے منع فرمایا۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عام لقطہ کے سلسلہ میں آپ ﷺ نے **عرفها سنة** فرمایا جبکہ لقطہ حرم کے بارے میں کوئی وقت مقرر نہیں فرمایا۔ معلوم ہوا کہ اس کی دائما تعریف ضروری ہے۔

جمہور کا استدلال: لقطہ کے بارے میں وارد ان عام احادیث سے ہے جن میں لقطۂ حل و حرم کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی گئی۔ نیز لقطہ ایک امانت ہے، عام ودیعتوں کی طرح اس کے حکم میں کوئی فرق نہیں خواہ حل کی امانت ہو یا حرم کی۔

جہاں تک حدیث باب کا تعلق ہے سو اس کے بارے میں علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ **الا لمنشد** کا مطلب **الا لمن عرفها عاما** ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں لقطہ اٹھانے کی اجازت اسے حاصل ہے جو تعریف کا ارادہ رکھتا ہو تملک کی نیت سے اٹھانے کی کوئی گنجائش نہیں۔

جہاں تک حدیث **نهى عن لقطة الحاج** کا تعلق ہے سو یہ نہی بالکل صریح ہے اور بظاہر اسکا حکم دوسرے لقطہ کے حکم سے مختلف ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس نہی کا مآل بھی یہی نکلتا ہے کہ **لقطة الحاج** اور **لقطة غير الحاج** میں کوئی فرق نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ لقطۃ الحاج سے نہی اس بنیاد پر کی گئی ہے کہ حاجی اپنے ساتھ ضروری ضروری اشیاء ہی لے جاتا ہے اور جو چیز وہ لے جاتا

جہاں سے وہ گرا ... مستغنی نہیں ہوتا گویا اس چیز کی ضرورت اسے شدید ہوتی ہے ایسی صورت میں جب وہ کوئی چیز گم کرے گا تو اسے وہیں ڈھونڈے گا لہذا مطلوب یہی ہے ڈھونڈے گا جہاں اس نے وہ چیز گم کی ہوگی لہذا اگر کوئی شخص اس چیز کو نہ اٹھائے تو مالک اسے آسانی سے پا لے گا۔ برخلاف اس صورت کے کہ کوئی شخص اسے اٹھالے اور تعریف کرے تو یہ ممکن ہے کہ چیز ایک جگہ گم ہوئی ہو اور وہ شخص تعریف کسی اور جگہ کررہا ہو مثلاً چیز مکہ میں گم ہوئی وہ منٰی میں اعلان کررہا ہے ایسی صورت میں تعریف کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ (کشف الباری ج۳ ص۲۹۲)

## ﴿الورقة الثانية: صحيح الامام مسلم﴾

### ﴿السوال الاول﴾ ۱۴۲۹ھ

**الشق الاول** ......وَزَعَمَ الْقَائِلُ الَّذِي افْتَتَحْنَا الْكَلَامَ عَلَى الْحِكَايَةِ عَنْ قَوْلِهِ وَالْإِخْبَارِ عَنْ سُوءِ رَوِيَّتِهِ أَنَّ كُلَّ إِسْنَادٍ لِحَدِيثٍ فِيهِ فُلَانٌ عَنْ فُلَانٍ وَقَدْ أَحَاطَ الْعِلْمُ بِأَنَّهُمَا قَدْ كَانَا فِي عَصْرٍ وَاحِدٍ وَجَائِزٌ أَنْ يَكُونَ الْحَدِيثُ الَّذِي رَوَى الرَّاوِي عَمَّنْ رَوَى عَنْهُ قَدْ سَمِعَهُ مِنْهُ وَشَافَهَهُ بِهِ غَيْرَ أَنَّهُ لَا نَعْلَمُ لَهُ مِنْهُ سَمَاعًا وَلَمْ نَجِدْ فِي شَيْءٍ مِنَ الرِّوَايَاتِ أَنَّهُمَا الْتَقَيَا قَطُّ أَوْ تَشَافَهَا بِحَدِيثٍ أَنَّ الْحُجَّةَ لَا تَقُومُ عِنْدَهُ بِكُلِّ خَبَرٍ جَاءَ هَذَا الْمَجِيءَ حَتَّى يَكُونَ عِنْدَهُ الْعِلْمُ بِأَنَّهُمَا قَدِ اجْتَمَعَا مِنْ دَهْرِهِمَا مَرَّةً فَصَاعِدًا أَوْ تَشَافَهَا بِالْحَدِيثِ بَيْنَهُمَا أَوْ يَرِدَ خَبَرٌ فِيهِ بَيَانُ اجْتِمَاعِهِمَا وَتَلَاقِيهِمَا مَرَّةً مِنْ دَهْرِهِمَا فَمَا فَوْقَهَا، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ عِلْمُ ذَلِكَ وَلَمْ تَأْتِ رِوَايَةٌ تُخْبِرُ أَنَّ هَذَا الرَّاوِيَ عَنْ صَاحِبِهِ قَدْ لَقِيَهُ مَرَّةً وَسَمِعَ مِنْهُ شَيْئًا لَمْ يَكُنْ فِي نَقْلِهِ الْخَبَرَ عَمَّنْ رَوَى عَنْهُ عِلْمُ ذَلِكَ وَالْأَمْرُ كَمَا وَصَفْنَا حُجَّةً وَكَانَ الْخَبَرُ عِنْدَهُ مَوْقُوفًا حَتَّى يَرِدَ عَلَيْهِ سَمَاعُهُ مِنْهُ لِشَيْءٍ مِنَ الْحَدِيثِ قَلَّ أَوْ كَثُرَ فِي رِوَايَةٍ مِثْلِ مَا وَرَدَ...... (ص۲۱-ج۱-قدیمی)

شكل العبارة كاملاً بالضبط ثم ترجمها ترجمة واضحة۔ (انعام المسلم ص۱۳۲)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال کا خلاصہ دو امور ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ۔

**جواب** ...... ❶ عبارت پر اعراب:۔ كما مرّ في السوال آنفاً۔

❷ عبارت کا ترجمہ:۔ اور جس شخص کے قول کو بیان کرتے ہوئے ہم نے کلام کا آغاز کیا تھا اور اس کے غلط خیال کو بتلایا تھا اس کا خیال یہ ہے کہ ہر وہ سند حدیث جو فلان عن فلان کے طرز پر ہو (معنعن ہو) اور اس کے بارے میں یہ علم ثابت ہو چکا ہو کہ دونوں (راوی اور مروی عنہ) ہمعصر تھے (ایک ہی زمانہ میں تھے) اور یہ بھی ممکن ہو کہ وہ حدیث جو راوی نے مروی عنہ سے روایت کی ہے وہ اس سے سنی ہو (یعنی راوی کا مروی عنہ سے سماع بھی ممکن ہو) اور اس سے لقاء بھی ممکن ہو لیکن ہمیں ان کے سماع کے بارے میں علم یقینی حاصل نہ ہو اور نہ روایات میں ہم ایسی کوئی تصریح پائیں کہ وہ دونوں کبھی عمر بھر میں ملے تھے اور ان کے درمیان مشافہۃً گفتگو ہوئی تھی تو ایسی سند سے مروی حدیث اس شخص کے نزدیک قابل حجت نہیں ہوگی جب تک کہ یہ علم یقینی حاصل نہ ہو جائے کہ وہ دونوں عمر بھر میں کم از کم ایک بار یا اس سے زائد بار ایک جگہ جمع ہوئے یا ملاقات کی۔ پس اگر اس بات کا علم (یقینی) حاصل نہ ہوا اور نہ ہی اس بارے میں کوئی خبر یا روایت ملے جو یہ بتلائے کہ یہ راوی اپنے ساتھی (مروی عنہ) سے کم از کم ایک بار ملا ہے اور اس سے سماع کیا ہے تو اس حدیث کو نقل کرنا ایسی حالت میں کہ مروی عنہ کے بارے میں صرف یہ علم ہو کہ دونوں ہمعصر تھے اور باقی حالت وہی ہو جو ہم نے بیان کی (کہ لقاء و سماع کا علم یقینی حاصل نہ ہو) حجت نہ ہوگی اور ایسی حدیث موقوف ہوگی۔ یہاں تک کہ راوی کا مروی عنہ سے سماع حدیث ثابت ہو جائے تھوڑا یا بہت (تو پھر وہ قابل استدلال ہوگی)۔

**الشق الثانی** ...... حدثنا سفیان قال: کان الناس یحملون عن جابر قبل أن یظهر ما أظهر، فلما أظهر ما أظهر اتهمه الناس فی حدیثه وترکه بعض الناس، فقیل له: وما أظهر، قال: الایمان بالرجعة. (ص۱۵۔ج۱۔قدیمی)

ترجم العبارة المذکورة ۔ عرّف "جابرًا" من هو؟ مامعنی الایمان بالرجعة؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حاصل تین امور ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) جابر کا تعارف (۳) ایمان بالرجعۃ کا معنی۔

**جواب** ...... ❶ عبارت کا ترجمہ:۔ سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ لوگ جابر جعفی سے احادیث لیا کرتے تھے جب تک کہ اس نے اپنی بداعتقادی ظاہر نہ کی تھی، پھر جب اس نے اپنی بداعتقادی ظاہر کی تو لوگوں نے اس کے بارے میں بدگمانی کی اور بعض لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا۔ پھر سفیان سے پوچھا گیا کہ اس نے کیا بداعتقادی ظاہر کی؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ رجعت کا عقیدہ۔

❷ جابر کا تعارف:۔ ابوعبداللہ جابر بن یزید جعفی کوفی مشہور ضعیف راوی ہے اور اس کی وفات ۱۲۸ھ میں واقع ہوئی ہے پہلے یہ شخص ٹھیک تھا پھر بعد میں سبائی شیعہ ہو گیا تھا اور بعض ائمہ نے اس کے سابق احوال کا اعتبار کرتے ہوئے اس کی توثیق کی ہے اور اس سے روایت لی ہے چنانچہ ابوداؤد و ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی اس کی روایات موجود ہیں اور دیگر ائمہ نے آخری احوال کے اعتبار سے اس پر شدید جرح کی ہے اور اس کی روایات ترک کردی ہیں۔ ابن معین نے کذاب کہا ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جو جابر کے ہم وطن تھے انہوں نے بھی اس پر سخت جرح کی ہے اور فرمایا کہ میں اب تک جن کاذب رواۃ سے ملا ہوں ان میں سے سب سے زیادہ کاذب اور جھوٹا جابر جعفی ہے۔ ابن حبان فرماتے ہیں کہ یہ سبائی تھا اور عبداللہ بن سبا کا ساتھی تھا۔ (فیض الملہم ص ۹۸)

❸ ایمان بالرجعۃ کا معنی:۔ روافض اور اہل تشیع کا یہ خود ساختہ عقیدہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آسمانوں میں زندہ چھپے ہوئے ہیں اور جب ان کی اولاد میں سے امام مہدی رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوں گے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ان شیعوں کو آسمان سے پکار کر اس امام برحق کی مدد اور معاونت کا حکم دیں گے۔ (تفہیم المسلم)

عقیدۂ رجعت کی ایک قدیم تفسیر یہ بھی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دوبارہ زندہ ہو کر اس دنیا میں تشریف لائیں گے۔ (فیض الملہم)

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۲۹ھ

**الشق الاول** ...... عن عبداللہ بن بحینة قال: صلی لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکعتین من بعض الصلوات ثم قام فلم یجلس فقام الناس معه فلما قضی صلاته ونظرنا تسلیمه کبر فسجد سجدتین وهو جالس قبل التسلیم ثم سلم۔

ترجم الحدیث ۔ ثم احك أقوال العلماء فی مسألة الباب، هل السجود یکون قبل السلام أم بعد السلام ۔ اذکر أدلة العلماء علی ماذهبوا الیه مع ترجیح ماهو الراجح فی ضوء الأدلة۔ (ص۲۱۱۔ج۱۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) سجدۂ سہو قبل السلام و بعد السلام میں اختلاف (۳) ائمہ کے دلائل اور راجح کی تعیین۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نماز میں ہمیں دو رکعات پڑھائیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور بیٹھے نہیں (قعدۂ اولیٰ میں) اور سب لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑے ہو گئے پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز مکمل کر لی اور ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام کے منتظر تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہی اور بیٹھنے کی حالت میں دو سجدے کیے سلام سے پہلے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا۔

❷ و ❸ سجدۂ سہو قبل السلام و بعد السلام میں اختلاف، ائمہ کے دلائل اور راجح کی تعیین:۔ اس مسئلہ میں اختلاف

ہے کہ سجدہ سہو سلام سے پہلے ہونا چاہیے یا بعد میں ہونا چاہیے۔ حنفیہ کے نزدیک سجدہ سہو مطلقاً سلام کے بعد ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مطلقاً سلام سے پہلے ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک یہ تفصیل ہے کہ اگر سجدہ سہو نماز میں کسی نقصان کی وجہ سے واجب ہوا ہے تو سجدہ سہو قبل السلام ہوگا اور اگر کسی زیادتی کی وجہ سے واجب ہوا ہے تو بعد السلام ہوگا۔

امام احمد رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ جن صورتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سجدہ سہو قبل السلام ثابت ہے وہاں قبل السلام پر عمل کیا جائے گا اور جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعد السلام ثابت ہے وہاں بعد السلام پر عمل کیا جائے گا۔

بالحاصل ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کسی نہ کسی طرح سجدہ سہو قبل السلام کے قائل ہیں جبکہ حنفیہ بہر صورت بعد السلام پر عمل کرتے ہیں۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی دلیل حدیث الباب ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قعدہ اولیٰ چھوٹ جانے کی وجہ سے قبل السلام سجدہ فرمایا۔

حنفیہ کے دلائل: ① باب ماجاء فی سجدتی السھو بعد السلام والکلام میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ رکعتیں پڑھیں اور آخر میں سلام کے بعد سہو کے دو سجدے کیے۔ ② حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من شک فی صلوته فلیسجد سجدتین بعد مایسلم (کہ سلام کے بعد سجدہ سہو ہے)۔ ③ حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے اس میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ سہو بعد السلام کیا۔

حنفیہ کی طرف سے حدیث الباب کا جواب یہ ہے کہ قبل السلام سے مراد آخری سلام ہے کہ آخری سلام سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سجدے کیے۔ مذہب حنفیہ راجح ہے اسلئے کہ حنفیہ کے دلائل میں قولی و فعلی دونوں طرح کی احادیث ہیں اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے پاس صرف فعلی احادیث ہیں جو کہ جواز پر محمول ہیں۔ (درس ترمذی ج ۲ ص ۱۳۳)

**الشق الثانی** ......عن جابر بن عبدالله قال جاء سليك الغطفانی يوم الجمعة ورسول الله ﷺ يخطب فجلس فقال له ياسليك قم فاركع ركعتين وتجوز فيهما ثم قال اذاجاء أحدكم يوم الجمعة والامام يخطب فليركع ركعتين وليتجوز فيهما . (ص ۲۸۷ ج ۱ قدیمی) ترجم الحديث . اذكر حكم الركعتين عند الخطبة عندالأئمة المجتهدين مع أدلة العلماء ورجح الراجح من حيث قوة الدليل .

﴿خلاصہ سوال﴾......اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) خطبہ کے وقت نماز پڑھنے کا حکم (۳) ائمہ کے دلائل اور راجح کی تعیین۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث کا ترجمہ:** حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سلیک غطفانی رضی اللہ عنہ تشریف لائے جمعہ کے دن (مسجد میں) اس حال میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے پس وہ بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اے سلیک! اٹھو اور دو رکعت نماز پڑھو اور ان میں مختصر قرأت کرو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کے دن آئے اس حال میں کہ امام خطبہ دے رہا ہو تو اس کو چاہیے کہ دو رکعت نماز پڑھے اور اس میں مختصر قرأت کرے۔

❷ **خطبہ کے وقت نماز پڑھنے کا حکم:** امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک خطبہ جمعہ کے دوران تحیۃ المسجد وغیرہ جائز نہیں ہے۔ جمہور صحابہ و تابعین کا بھی یہی مسلک ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک خطبہ جمعہ کے دوران آنے والا شخص تحیۃ المسجد پڑھ لے تو یہ مستحب ہے۔

❸ **ائمہ کے دلائل اور راجح کی تعیین:** حنفیہ و مالکیہ کے دلائل: ① آیت کریمہ واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا جس کا تقاضا ہے کہ استماع و انصات واجب ہے، یہ حکم خطبہ جمعہ کیلئے بھی ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ بھی اس آیت کو خطبہ جمعہ کیساتھ بھی مخصوص مانتے ہیں۔ ② حضرت

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے من قال یوم الجمعة والامام یخطب أنصت فقد لغا (ترمذی)۔ اس حدیث میں آپ ﷺ نے دوران خطبہ امر بالمعروف جو کہ فرض ہے اس سے بھی منع فرمایا اور تحیۃ المسجد تو مستحب ہے یہ بطریق اولیٰ ممنوع ہوگی۔ ② حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے اذا دخل احدکم المسجد والامام علی المنبر فلا صلوۃ ولا کلام حتی یفرغ الامام (طبرانی)
③ صحاح ستہ و دیگر کتب حدیث میں موجود وہ تمام احادیث اور روایات ہیں کہ آپ ﷺ کے خطبہ کے دوران اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے خطبہ کے دوران صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تشریف لاتے تھے (بالخصوص واقعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) اور بغیر تحیۃ المسجد پڑھے بیٹھ جاتے تھے آپ ﷺ اور خلفاء راشدین ان کو تحیۃ المسجد کا حکم نہ فرماتے تھے، معلوم ہوا کہ دوران خطبہ تحیۃ المسجد پڑھنا صحیح نہیں ہے۔
امام شافعی رحمہ اللہ و امام احمد رحمہ اللہ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے۔
اسکا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ خطبہ شروع کرنے سے پہلے کا ہے، اسکے متعدد قرائن و دلائل کتب حدیث میں موجود ہیں۔
مذہب حنفیہ (روایات نہی) متعدد وجوہ سے راجح ہے۔ ① یہ کہ محرم و مبیح میں تعارض ہو تو محرم کو ترجیح ہوتی ہے۔ ② یہ روایات نہی مؤید بالقرآن ہیں۔ ③ یہ کہ روایات نہی مؤید بالاصول الکلیہ ہیں۔ ④ یہ کہ روایات نہی مؤید بعمل الصحابہ والتابعین ہیں۔ ⑤ یہ ہے کہ روایات نہی پر عمل کرنے میں احتیاط ہے کیونکہ تحیۃ المسجد کسی کے نزدیک بھی واجب نہیں ہے۔ (درس ترمذی ج ۲ ص ۱۹۳)

## السوال الثالث ۱۴۲۹ھ

**الشق الأول** ......عن عائشة أنها قالت أختصم سعد بن أبي وقاص وعبد بن زمعة في غلام فقال سعد هذا يا رسول الله ابن أخي عتبة بن أبي وقاص عهد الي أنه ابنه انظر الى شبهه وقال عبد بن زمعة هذا أخي يا رسول الله ولد على فراش أبي من وليدته، فنظر رسول الله ﷺ الى شبهه فرأى شبها بينا بعتبة، فقال هو لك يا عبد الولد للفراش وللعاهر الحجر، واحتجبي منه يا سودة بنت زمعة، قالت: فلم ير سودة قط
ترجم الحديث و اشرحه شرحا مبسوطا. اذكر ما يستفاد من هذا الحديث الجامع من أحكام: كاثبات النسب من الأمة ومسألة استلحاق الأخ لأخيه، فاذكر المسألتين مع اختلاف العلماء (ص ۴۷۰ ج ۱ قدیمی)

**﴿خلاصہ سوال﴾** ......اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی تشریح (۳) حدیث سے مستنبط احکام میں اختلاف۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث کا ترجمہ:** حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور عبد بن زمعہ کے درمیان ایک لڑکے کے بارے میں جھگڑا ہو گیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ یہ میرے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کا بیٹا ہے۔ انہوں نے (قبل الموت) مجھ سے کہا تھا کہ یہ میرا بیٹا ہے، آپ ﷺ اس کی شکل و شباہت بھی دیکھ لیں (کس کے مشابہ ہے)
حضرت عبد بن زمعہ نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! یہ میرا بھائی ہے یہ میرے والد کی باندی سے پیدا ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی شکل و شباہت کی طرف دیکھا تو وہ واضح طور پر عتبہ کے مشابہ تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے عبد! یہ تمہارا بھائی ہے، لڑکا اسی کا ہے جسکے فراش پر پیدا ہوا اور زانی کیلئے پتھر ہیں اور اے سودہ! تم اس سے پردہ کرو، چنانچہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے پھر کبھی اس کو نہیں دیکھا۔
❷ **حدیث کی تشریح:** اس واقعہ کا پس منظر یہ ہے کہ جاہلیت میں باندیوں کا رواج تھا وہ باندیاں بعض اوقات زنا بھی کرتی تھیں بلکہ بعض اوقات ان کے مالکان ان سے کمائی کیلئے زنا کرواتے تھے پھر جب وہ باندیاں بچے پیدا کرتی تھیں تو بسا اوقات مالک بچے کا خود دعویٰ کر دیتا تھا اور بعض اوقات زانی بچے کے بارے میں دعویٰ کیا کرتا تھا۔ اگر مالک مر جائے اور بچے کے بارے میں اس نے نہ دعویٰ کیا ہو نہ انکار کیا ہو تو اس کے ورثاء اس سے ملحق کر دیتے تھے لیکن وہ بچہ میراث میں شریک نہ ہوتا تھا۔

مذکورہ واقعہ میں زمعہ بن قیس ام المومنین حضرت سودہ ؓ کے والد تھے جن کی ایک باندی تھی اور وہ اس سے وطی کیا کرتے تھے جب کہ عتبہ بن ابی وقاص (سعد بن ابی وقاص ؓ کے بھائی) کے بھی اس باندی سے تعلقات تھے۔ اس باندی کو حمل ہو گیا اور عتبہ کا یہی خیال تھا کہ یہ حمل اس سے ہے۔ عتبہ کفر کی حالت میں مر گیا اور موت سے قبل اس نے اپنے بھائی حضرت سعد ؓ سے عہد لیا کہ وہ اس حمل کو جو زمعہ کی باندی کو ہے ولادت کے بعد عتبہ کے ورثاء سے ملحق کر دیں گے۔

فتح مکہ کے موقع پر حضرت سعد ؓ جب مکہ گئے تو اس لڑکے کو دیکھا اور انہیں بھائی کا قول یاد آ گیا اور انہیں اس لڑکے میں اپنے بھائی کی مشابہت بھی نظر آئی چنانچہ انہوں نے اس کے لئے دعویٰ کر دیا۔ زمعہ کے بیٹے عبد اللہ بن زمعہ نے کہا کہ یہ تو میرے والد کے فراش پر پیدا ہوا ہے لہٰذا یہ میرے والد کا لڑکا ہے۔ چنانچہ یہ جھگڑا رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں پیش ہوا تو آپ ﷺ نے عبد بن زمعہ کے حق میں فیصلہ دے دیا تاکہ جاہلیت کا یہ رواج ختم ہو کیونکہ اس صورت میں نسب مشتبہ ہوتا تھا، لہٰذا آپ ﷺ نے فرمایا کہ لڑکا فراش کا ہے اور زانی کے لئے پتھر ہے۔ فراش سے مراد وہ عورت جس سے صحبت کی جائے خواہ وہ منکوحہ ہو یا باندی، لہٰذا وہ جس کی منکوحہ یا مملوکہ ہے اسی کا ولد شمار ہوگا خواہ اس نے زنا کیا ہو کیونکہ اصلاً وہ زوج یا مالک کا فراش ہے نسب کے اشتباہ سے بچنے کے لئے آپ ﷺ نے جاہلیت کے رواج کو ختم کر دیا۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت سودہ ؓ کو اس لڑکے سے پردہ کا حکم فرمایا تو کیوں؟ جب کہ نسب تو زمعہ سے ثابت ہوا تھا اس لحاظ سے وہ لڑکا حضرت سودہ ؓ کا بھائی ہو گیا تھا۔ علماء نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ شباہت تو عتبہ کی موجود تھی اس لئے احتیاطاً آپ ﷺ نے پردہ کا حکم فرمایا۔ (کشف الباری ج ص ۶۸۲)

② **حدیث سے مستفاد احکام میں اختلاف:۔** اس روایت میں "حجر" سے کیا مراد ہے؟ بعض حضرات نے حجر سے خیبت کے معنی مراد لئے ہیں یعنی حرمان الولد الذی یدعیه اور بعض نے حجر سے رجم کے معنی مراد لئے ہیں، حافظ ابن حجر ؒ نے پہلے معنی کو راجح قرار دیا ہے۔ اگرچہ سیاق حدیث سے پہلا معنی راجح معلوم ہوتا ہے لیکن رجم کے معنی کی طرف بھی اشارہ مقصود ہے ومثل ذلك كثير في كلام البلغاء۔

پھر احناف کے نزدیک فراش کی تین قسمیں ہیں۔ ① فراش قوی، جو منکوحہ کا فراش ہے جس میں نسب بغیر دعویٰ نسب ثابت ہو جاتا ہے اور انکار سے منتفی نہیں ہوتا الا یہ کہ شوہر لعان کرے ② فراش متوسط، جو ام ولد کا فراش ہے اسکے دوسرے بچے سے نسب بغیر دعویٰ ثابت ہو جاتا ہے یعنی مولیٰ کا سکوت ثبوت نسب کیلئے کافی ہے البتہ نسب کی نفی سے نسب منتفی ہو جاتا ہے لعان کی حاجت نہیں ہوتی ③ فراش ضعیف، جو عام باندیوں کا فراش ہے جسمیں ثبوت نسب کیلئے دعویٰ ضروری ہے یعنی مولیٰ پر ولد کے نسب کا دعویٰ لازم ہے۔

حدیث باب کی بناء پر کتب حنفیہ میں یہ مسئلہ لکھا گیا ہے کہ اگر شوہر مشرق میں ہو اور بیوی مغرب میں اور بیوی کی اولاد ہو جائے تب بھی نسب ثابت ہو جاتا ہے خواہ کئی سالوں سے ملاقات ثابت نہ ہو کیونکہ یہ فراش قوی ہے والولد للفراش۔

اس پر شافعیہ وغیرہ نے اعتراض کیا ہے کہ یہ مسئلہ بالکل غیر معقول ہے اور الفاظ حدیث پر غیر معمولی جمود ہے۔

حضرت شاہ صاحب ؒ جواب میں فرماتے ہیں کہ مسئلہ معقول ہے اس لئے کہ اگر بچہ فی الواقع شوہر کا نہ ہو تو شوہر پر لعان کرنا واجب ہے اور ترک لعان حرام ہے، جب خود شوہر اس واجب پر عمل نہیں کر رہا تو یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ دونوں کے درمیان کوئی ملاقات ہوئی ہے اور وہ ملاقات ممکن بھی ہے خواہ کرامۃً ہی کیوں نہ ہو اور پھر ہمارے زمانہ میں جبکہ تیز رفتار سواریاں ایجاد ہو چکی ہیں اس میں زیادہ استبعاد بھی باقی نہیں رہتا۔

اس کے علاوہ اگر حدیث باب کے الفاظ کو دقیق نظر سے دیکھا جائے تو مسلک احناف کی قوت کا اندازہ ہوتا ہے اس لئے کہ

فقال: ان شهرا نزكوه، ان شهرا نزكوه۔ (ص۱۲۔س۱۴ قدیمی) ترجم العبارة واشرح مرادها۔ ترجم موجزًا الشهر من هو؟ وما الذی نقدوا علیه؟ وهل أصابوا فی هذا النقد؟ وماهی منزلته ورتبته فی الرواة؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) عبارت کی تشریح (۳) شہر کا تعارف، اس پر نقد اور اس کا رتبہ۔

**جواب** ...... ❶ عبارت کا ترجمہ:۔ (عبیداللہ بن سعید کہتے ہیں کہ) میں نے نضر بن شمیل کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ابن عون سے شہر بن حوشب کی حدیثوں کے متعلق سوال کیا گیا اس حال میں کہ ابن عون دروازے کی دہلیز پر کھڑے تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ شہر کو لوگوں نے نیزے مارے ہیں۔ شہر کو لوگوں نے نیزے مارے ہیں۔

❷ عبارت کی تشریح:۔ ترجمہ سے تشریح واضح ہو گئی کہ جب ابن عون سے شہر کی احادیث کے متعلق سوال کیا گیا کہ ان کی احادیث کا کیا مقام و درجہ ہے تو ابن عون نے جواب دیا کہ لوگوں نے اسے نیزے مارے ہیں مطلب یہ کہ لوگوں نے اس پر جرح اور کلام کیا ہے اس کی روایات کا اعتبار نہیں کیا ہے۔ بعض حضرات نے نزكوه کی جگہ لفظ تركوه نقل کیا ہے یعنی لوگوں نے شہر کی روایات کو ترک کر دیا ہے۔

❸ شہر کا تعارف، اس پر نقد اور اس کا رتبہ:۔ شہر سے مراد شہر بن حوشب اشعری شامی ہیں اور یہ معمولی درجہ کے راوی ہیں یہ کثیر الارسال والاوہام تھے اور ان کی وفات ۱۱۲ھ میں ہوئی ہے۔ امام احمد نے ما احسن حدیثه، یحییٰ بن معین نے ثقة اور دوسرے نے لا بأس به، امام بخاری نے شهر حسن الحدیث وقوی امره کہا ہے۔ سنن اربعہ میں ان کی روایات لی گئی ہیں۔

محدث جلیل ابو عون عبد اللہ بن عون بن ارطبان بصری نے ان پر کلام کیا ہے اور فرمایا کہ شہر کو لوگوں نے نیزے مارے ہیں۔
باقی امام مسلم نے ان کو ضعیف رواۃ کی فہرست میں ذکر کر کے ان کے ضعیف ہونے کو بیان کیا ہے، اور امام شعبہ فرماتے ہیں کہ میری شہر بن حوشب سے ملاقات ہوئی ہے اور میں نے ان کا اعتبار نہیں کیا ہے اور ان کی طرف التفات نہیں کیا ہے۔ (فیض الملہم ص ۸۰)

**الشق الثانی** ...... وَحَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ قُلْتُ لِأَبِيْ دَاوُدَ الطَّيَالِسِيِّ قَدْ أَكْثَرْتَ عَنْ عَبَّادِ بْنِ مَنْصُوْرٍ فَمَا لَكَ لَمْ تَسْمَعْ مِنْهُ حَدِيْثَ الْعَطَّارَةِ الَّذِيْ رَوٰى لَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ فَقَالَ لِيْ اُسْكُتْ فَأَنَا لَقِيْتُ زِيَادَ بْنَ مَيْمُوْنٍ وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ مَهْدِيٍّ فَسَأَلْنَاهُ فَقُلْنَا لَهُ هٰذِهِ الْأَحَادِيْثُ الَّتِيْ تَرْوِيْهَا عَنْ أَنَسٍ فَقَالَ: أَرَأَيْتُمَا رَجُلًا يُذْنِبُ فَيَتُوْبُ أَلَيْسَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِ؟ قَالَ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ: مَا سَمِعْتُ مِنْ أَنَسٍ لَا قَلِيْلًا وَلَا كَثِيْرًا، إِنْ كَانَ لَا يَعْلَمُ النَّاسُ فَأَنْتُمَا لَا تَعْلَمَانِ أَنِّيْ لَمْ أَلْقَ أَنَسًا، قَالَ أَبُوْ دَاوُدَ: فَبَلَغَنَا بَعْدُ أَنَّهُ يَرْوِيْ فَأَتَيْنَاهُ أَنَا وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ فَقَالَ أَتُوْبُ ثُمَّ كَانَ بَعْدُ يُحَدِّثُ فَتَرَكْنَاهُ۔ (ص۱۸۔س۸ قدیمی)

شکل العبارة ثم ترجمه. ماهو "حدیث العطارة". من هو زیاد بن میمون؟ ترجم له موجزًا۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حاصل چار امور ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) حدیث عطارہ کی وضاحت (۴) زیاد بن میمون کا تعارف۔

**جواب** ...... ❶ عبارت پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

❷ عبارت کا ترجمہ:۔ محمود بن غیلان کہتے ہیں کہ میں نے ابو داؤد طیالسی سے کہا کہ آپ نے عباد بن منصور سے بہت کثرت سے روایات لی ہیں۔ آپ کو کیا ہوا کہ آپ نے ان سے حدیث عطارہ نہیں سنی جسے ہم سے نضر بن شمیل نے روایت کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ خاموش رہو، میں اور عبد الرحمن بن مہدی، زیاد بن میمون سے ملے اور اس سے پوچھا کہ یہ احادیث جو تم حضرت

انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہو (اسکے بارے میں تم کیا کہتے ہو) اس نے کہا کہ اس شخص کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جو گناہ کرنے کے بعد توبہ کرلے؟ کیا اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول نہیں کریگے؟ ہم نے کہا کہ بالکل قبول کرینگے۔ زیاد نے کہا کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کوئی بھی حدیث نہیں سنی ہے، نہ کم اور نہ زیادہ۔ اگرچہ لوگوں کو معلوم نہیں ہے مگر تم دونوں تو جانتے ہو کہ میری حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہی نہیں ہوئی ہے۔ ابو داؤد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہمیں پھر یہ اطلاع پہنچی کہ وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے میں اور عبد الرحمن پھر اس کے پاس پہنچے (تا کہ معلوم کریں) اس نے کہا کہ میں توبہ کرتا ہوں (آئندہ روایت نہیں کرونگا) اسکے بعد پھر اس نے روایت کرنا شروع کردی تو ہم نے اس کو چھوڑ دیا۔

❸ <u>حدیث عطاردہ کی وضاحت</u>:۔ حدیث عطاردہ سے مراد وہ حدیث ہے جسے زیاد بن میمون نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے روایت کیا ہے کہ مدینہ میں ایک عورت حولاء عطاردہ رہتی تھی وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی اور اپنے شوہر کے متعلق باتیں بیان کرنے لگی الخ۔ یہ ایک طویل حدیث ہے جو کہ صحیح نہیں ہے۔

❹ <u>زیاد بن میمون کا تعارف</u>:۔ اس کا نام ابو عمار زیاد بن میمون ثقفی فاکہانی بصری ہے یہ واضع حدیث اور بڑا جھوٹا راوی ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس کی ملاقات نہ ہوئی تھی مگر ان سے من گھڑت احادیث بیان کرتا تھا۔ یہ دانستہ جھوٹ بولتا تھا، اپنے جرم کا اعتراف بھی کرتا تھا مگر اس کے باوجود جھوٹی روایات کو ترک نہ کرتا تھا۔ علماء نے اسے متروک الحدیث قرار دیا ہے اور یہ حدیث عطاردہ بھی اسی کی گھڑی ہوئی ہے۔ (فیض المسلم ص ۴۳)

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۰ھ

**الشق الاول** ...... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ مَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا قَدْ أُعْطِيَ مِنَ الْآيَاتِ مَا مِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيتُ وَحْيًا أَوْحَى اللهُ إِلَيَّ فَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (ص ۸۶۔ ج ۱۔ قدیمی) شكل الحديث بالضبط وترجمه. اذكر أقوال العلماء في معنى هذا الحديث بحيث يرتبط كل جملة بالأخرى بدون تكلف وتعسف.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) حدیث کے معنی میں علماء کے اقوال۔

**جواب** ...... ❶ <u>حدیث پر اعراب</u>:۔ كما مرّ في السوال آنفا۔

❷ <u>حدیث کا ترجمہ</u>:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام میں سے کوئی نبی ایسا نہیں مگر تحقیق اسے ایسا معجزہ عطاء کیا گیا کہ اس پر لوگ ایمان لائے اور بیشک مجھے جو معجزہ دیا گیا ہے وہ وحی الٰہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی کے ذریعہ القاء فرمایا اور مجھے امید ہے کہ میں قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام میں سے سب سے زیادہ متبعین والا ہونگا۔

❸ <u>حدیث کے معنی میں علماء کے اقوال</u>:۔ امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کے تین مطلب بیان فرماتے ہیں۔

① ایک یہ کہ ہر نبی کو جو معجزہ عطاء کیا گیا اس جیسا معجزہ ان سے پہلے انبیاء علیہم السلام کو بھی عطاء کیا جاتا رہا لیکن میرا عظیم معجزہ قرآن کریم ہے اور یہ ایک ایسا معجزہ ہے جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیا گیا اسلئے قیامت کے دن میری امت کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی ② دوسرا مطلب یہ ہے کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کو جو معجزات عطا کئے گئے ہیں ان میں سحر اور جادو کیلئے گمان کا راستہ کھلا ہے کہ لوگ انہیں جادو اور سحر کی قبیل سے سمجھنے لگیں لیکن جو معجزہ مجھے عطا کیا گیا اس میں اس طرح کا گمان نہیں کیا جا سکتا ③ تیسرا مطلب یہ ہے کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے معجزات ان کے جانے کے ساتھ ختم ہو گئے ان کا مشاہدہ صرف وہی لوگ کر سکے جو ان کے زمانہ میں ان

وقت حاضر تھے لیکن قرآن کریم ایک ایسا معجزہ ہے جس کا مشاہدہ قیامت تک ہر شخص کر سکتا ہے۔

ان تینوں مطالب میں کوئی تضاد نہیں سب مراد ہو سکتے ہیں اور اصل حدیث کا سیاق دوسرے انبیاء کے معجزات اور حضور ﷺ کے معجزہ میں فرق کی وضاحت کے لئے ہے اور مذکورہ تینوں مطالب سے فرق واضح ہو جاتا ہے۔

محشی بخاری علامہ سندھی رحمہ اللہ نے ایک اور مطلب بیان فرمایا ہے وہ یہ کہ آمن علیہ البشر سے دوسرے انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا ظاہر و باہر ہونا مقصود ہے کہ وہ معجزات ایسے تھے کہ ان کا مشاہدہ کر کے دل خود بخود ایمان لانے پر مجبور ہو جاتا تھا جیسے مردوں کو زندہ کرنا، پتھر سے اونٹنی کا نکلنا وغیرہ لیکن نبی کریم ﷺ کے معجزہ قرآن کا ادراک کمال عقل کے بغیر نہیں کیا جا سکتا، آپ ﷺ کو معجزہ قرآن کا عطا کیا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ امت محمدیہ ﷺ کی خلقت کی بنیاد کمال عقل پر رکھی گئی ہے اور کمال عقل کا وصف انہیں عطا کیا گیا ہے اس لئے اس امت سے امید یہی ہے کہ ان کی اکثریت ایمان لائے گی کیونکہ کمال عقل کا یہی تقاضہ ہے۔ (کشف الباری ابواب فضائل القرآن ص ۳۳)

**الشق الثانی** ...... حَدَّثَنِيْ عِمْرَانُ قَالَ قَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ: يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِيْ سَبْعُوْنَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ قَالُوْا وَمَنْ هُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ هُمُ الَّذِيْنَ لَا يَكْتَوُوْنَ وَلَا يَسْتَرْقُوْنَ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ فَقَامَ عُكَّاشَةُ فَقَالَ اُدْعُ اللّٰهَ أَنْ يَجْعَلَنِيْ مِنْهُمْ قَالَ أَنْتَ مِنْهُمْ قَالَ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اُدْعُ اللّٰهَ أَنْ يَجْعَلَنِيْ مِنْهُمْ قَالَ سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ. (ص ۱۱۷ ج ۱ قدیمی)

شكل الحديث بالضبط ثم ترجم ترجمة واضحة. اذكر معنى هذا الحديث في ضوء أقوال العلماء. احتج بعض الناس بهذا الحديث على أن التداوي مكروه، فهل أصابوا في هذا الاحتجاج؟ وكيف الرد عليهم؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) تداوی کے مکروہ ہونے پر استدلال اور اس کا جواب (۴) حدیث کے معنی میں علماء کے اقوال۔

**جواب** ...... ❶ حدیث پر اعراب: کما مر فی السوال آنفا۔

❷ حدیث کا ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا "میری امت میں سے ستر ہزار افراد جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! وہ کون ہوں گے؟ فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو داغ نہیں دیتے، نہ ہی منتر وغیرہ کرتے ہیں اور اپنے رب پر توکل اور بھروسہ کرتے ہیں" حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں شامل کر دے، حضور ﷺ نے فرمایا: تم ان میں سے ہو، راوی کہتے ہیں کہ پھر ایک آدمی کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں شامل کر دے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس میں عکاشہ تجھ پر سبقت کر گیا ہے۔

❸ تداوی کے مکروہ ہونے پر استدلال اور اس کا جواب: مذکورہ حدیث سے بعض لوگوں نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ تداوی اور علاج معالجہ کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس حدیث میں بغیر حساب و کتاب جنت میں داخل ہونے والوں کی وصف یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ اکتواء اور تداوی وغیرہ سے اجتناب کرتے ہیں۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ اکتواء کی دو قسمیں ہیں ① وہ اکتواء جسے محض علاج یعنی سبب کے درجہ میں اختیار کیا جاتا ہے یہ اکتواء رسول اللہ ﷺ کے عمل سے بھی ثابت ہے، آپ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا اکتواء فرمایا ② وہ اکتواء جو مطلقاً ممنوع ہے وہ یہ تھا کہ زمانہ جاہلیت میں اکتواء کو مؤثر بالذات سمجھا جاتا تھا کہ اکتواء آخری علاج ہے اگر اس میں بھی شفا نہیں ہے تو کسی چیز سے شفا حاصل نہیں ہو سکتی، پس معلوم ہوا کہ اکتواء اور تداوی مکروہ نہیں ہے بلکہ اس کو مؤثر بالذات سمجھنا منع ہے۔

اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ بغیر حساب و کتاب جنت میں داخل ہونے والے مسلمانوں کی تعداد صرف ستر ہزار ہوگی۔ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد ایک لاکھ سے متجاوز ہے اور امور ثلاثہ سے اجتناب کرنے والے تو بے شمار لوگ ہیں۔

علماء نے اسکا پہلا حل یہ ذکر فرمایا ہے کہ دوسری جگہ **فاستزدت ربی فزادنی مع کل الف سبعین الفاً** کے الفاظ ہیں کہ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار کی زیادتی بھی اللہ تعالیٰ نے قبول کی ہے۔ اسی طرح کل تعداد انچاس لاکھ ہوگئی۔

نیز ترمذی میں اس کے بعد **وثلاث حثیات من حثیات ربی** کے الفاظ بھی ہیں یعنی ان انچاس لاکھ کے بعد اللہ تعالیٰ تین چلو اور لپ خود بلا حساب و کتاب جنت میں داخل فرمائیں گے۔ نیز بغیر حساب و کتاب جنت میں داخل ہونے کی اصل علت اور سبب **وعلی ربھم یتوکلون** ہے کہ تمام حالات اور مواقع میں صرف اللہ پر بھروسہ کیا جائے۔ ناجائز تدابیر و اسباب سے اجتناب ہو اور جائز اسباب کو غیر مؤثر بالذات اور باری تعالیٰ کو مؤثر بالذات سمجھا جائے توکل کا یہ درجہ اور مقام ہر مسلمان کو حاصل نہیں صرف خاص خاص بندوں کو حاصل ہے۔ (درس مسلم ص ۳۶۶)

**۲ حدیث کے معنی میں علماء کے اقوال:** بعض صوفیاء کہتے ہیں کہ یہ فضیلت ان لوگوں کیلئے ہے جو جائز رقیہ و اکتواء بھی نہیں کرتے (یعنی حدیث میں بالکل رقیہ و اکتواء کی نفی کی گئی ہے) اور رسول اللہ ﷺ نے رقیہ وغیرہ کو بطور بیان جواز کے اختیار فرمایا تھا نہ کہ بطور افضلیت کے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ یہ نفی علی الاطلاق نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ جاہلیت کے طریقہ پر وہ یہ تین کام نہیں کرتے ہوں گے یعنی ان میں مشرکانہ عقائد شامل نہ کرتے ہونگے اور ان کو مؤثر بالذات نہ سمجھتے ہونگے۔ مزید وضاحت اوپر گزر چکی ہے۔ (ایضاً)

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۲۰ھ

**الشق الاول** ......عن عبادة بن الصامت قال: أخذ علينا رسول الله كما أخذ على النساء أن لانشرك بالله شيئا ولانسرق ولاتزني ولانقتل أو لادنا ولايعضه بعضنا بعضاء فمن وفى منكم فأجره على الله ومن أتى منكم حدًا فأقيم عليه فهو كفارته، ومن ستره الله فأمره الى الله، ان شاء عذبه وان شاء غفرله. (ص ۷۲ ج ۲ مسلم)

اشرح كلمة "يعضه" لغويًا. انكر اختلاف العلماء في كون الحدود كفارة وعدمه. اذكر أدلتهم على ذلك

﴿خلاصہ سوال﴾ ......اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) **یعضہ** کی لغوی تحقیق (۲) حدود کے کفارات ہونے میں اختلاف (۳) ائمہ رحمہم اللہ کے دلائل۔

**جواب** ...... **۱ یعضہ کی لغوی تحقیق:** صیغہ واحد مذکر غائب مضارع معروف از مصدر **عَضْهًا، عِضَهًا، عِضَةً** (فتح) بمعنی جھوٹ بولنا، چغل خوری کرنا اور جادو کرنا۔

**۲ و ۳ حدود کے کفارات ہونے میں اختلاف اور ائمہ رحمہم اللہ کے دلائل:** حضرت سعید بن مسیب، صفوان بن سلیم، ابو محمد بغوی، ابو عبداللہ بن تیمیہ اور حنفیہ رحمہم اللہ کا مشہور مسلک یہ ہے کہ حدود کفارہ نہیں بلکہ زاجر ہیں تاکہ مجرم آئندہ ارتکاب جرم کرے اور دوسروں کو بھی عبرت حاصل ہو باقی گناہ اور اخروی مواخذہ تو توبہ سے معاف ہوتا ہے اور حضرت مجاہد، زید بن اسلم، سفیان ثوری، امام شافعی، امام احمد، امام بخاری اور محدثین رحمہم اللہ کے ہاں حدود کفارہ سیئات ہیں ان سے مجرم دونوں جہان میں سرخرو ہو جاتا ہے۔

قائلین زواجر کی دلیل: قرآن و حدیث کی نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ حدود جاری کرنے کے باوجود توبہ کی ضرورت ہے اگر حدود کفارہ سیئات ہوتیں تو توبہ کی ضرورت نہیں رہتی، مثلاً اللہ کا ارشاد ہے **والسارق والسارقة فاقطعوا ايهما الخ...... فمن تاب من بعد ظلمه**، اس آیت سے واضح ہوا کہ حد سرقہ سزا اور نکال و عبرت ہے اس کے باوجود توبہ کی ضرورت ہے اسی طرح

دوسری آیت انما جزاء الذین یحاربون اللہ و رسولہ..... ذالک لھم خزی فی الدنیا ولھم فی الآخرۃ عذاب عظیم ہے آیت قطاع الطریق کے بارے میں ہے اس میں قطع ید وغیرہ کے بعد بھی سزائے اخروی اور توبہ کا ذکر ہے وغیرہ ذالک۔

قائلین کفارہ سیآت کی دلیل حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ والی حدیث الباب ہے جس کا مضمون ترجمہ میں مذکور ہوا۔

پہلا جواب: علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت عبادہ وغیرہ کی حدیث کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ اس شخص نے عقوبت اور سزا کے ساتھ ساتھ توبہ کرلی ہوگی اس لئے کہ ظاہر یہی ہے کہ آدمی کو جب سزا دی جاری ہو تو اس وقت توبہ کر ہی لے گا اور یہ توبہ کفارہ ہو جائے گی یہ مسلمان سے بعید ہے کہ دعوت رہا ہو اس کی جان جانے والی ہو اور وہ اپنے گناہ سے توبہ نہ کرے۔

دوسرا جواب: امام طحاوی رحمہ اللہ کے ایک کلام سے ماخوذ ہوتا ہے کہ بعض جرائم کی دو سزائیں ہوتی ہیں "دنیوی و اخروی" تو ہو سکتا ہے کہ دنیا میں حدود قائم کرنے کی وجہ سے سزائے دنیوی تو ختم ہو جائے لیکن سزائے اخروی باقی رہے تو یہ کی وجہ سے اس کا ازالہ ہوتا ہے۔

تیسرا جواب: بعض علماء نے یہ دیا ہے کہ اصل میں یہ سزائیں من باب المصائب ہیں اور مصائب کا کفارہ ہونا احادیث میں مصرح ہے لہٰذا ان جرائم کی سزاؤں کو جو کفارہ بتایا گیا ہے وہ اسی لحاظ سے ہے کہ ایک مصیبت مسلمان پر آرہی ہے اور مصیبت مکفر سیئات ہے لہٰذا یہ کوڑے ان کے گناہوں کیلئے مکفر ہوں گے مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ جس گناہ کا اس نے ارتکاب کیا ہے اس کی تکفیر ہو جائے بلکہ ممکن ہے اس گناہ کی تکفیر ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ اور گناہوں کی تکفیر ہو جائے۔

لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں ومن أصاب من ذلك شيئًا ثم ستره الله کے الفاظ ہیں، مصائب کا "ستر" کے ساتھ تو کوئی تعلق نہیں ہے لہٰذا ثم ستره الله کے کیا معنی ہوں گے؟

حضرت کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض مصائب ایسے ہوتے ہیں جن کا ستر مطلوب ہوتا ہے جیسے قبائح کا مشتہر ہونا سو اسی صورت میں ثم ستره الله کے معنی درست ہو جائیں گے لیکن پیچھے ہم حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کر چکے ہیں جس میں ہے من أصاب ذنبًا أقيم عليه حد ذلك الذنب فهو كفارته اس میں حد کی تصریح موجود ہے لہٰذا مصائب مراد لینا درست معلوم نہیں ہوتا کما صرح بذلك العلامة الكشميري"۔

حدود کے کفارہ ہونے میں حضرت کشمیری رحمہ اللہ کا قول فیصل: حضرت کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حد کے جاری کر دینے کے بعد تین حالات ہو سکتے ہیں۔ حد کے جاری کر دینے کے بعد یا تو محدود توبہ کرلے گا یا نہیں، اگر توبہ نہ کرے تو دوبارہ اس گناہ سے بچے گا یا نہیں، اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو پھر تو بالاتفاق یہ حد اس کے لئے کفارہ ہے اور اگر توبہ نہیں کرتا لیکن اسے عبرت حاصل ہوگئی اور دوبارہ ایسے گناہ کا وہ اعادہ نہیں کرتا تو بھی یہ حد کفارہ بن جائے گی اور اگر اس نے توبہ بھی نہیں کی اور جرائم کے ارتکاب سے باز بھی نہیں آیا تو ایسے شخص کے لئے حدود کفارہ نہیں بنیں گی۔ (کشف الباری ج ۲ ص ۲۲)

**الشق الثانی**......سمعت معاوية على المنبر يقول: سمعت رسول الله ﷺ يقول: لاتزال طائفة من امتى قائمة بأمر الله، لايضرهم من خذلهم أو خالفهم، حتى يأتي أمر الله وهم ظاهرون على الناس.

ترجم الحديث المبارك . ماالمراد بقوله: "حتى يأتي أمر الله". اذكر مصداق هذه الطائفة القائمة بامر الله، في ضوء أقوال العلماء. (ص ۱۴۳، ج ۲، قدیمی)

﴿خلاصہ سوال﴾.........اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) أمر الله کی مراد (۳) طائفة قائمة بأمر الله کا مصداق۔

**جواب**......① حدیث کا ترجمہ:۔ (راوی حدیث کہتے ہیں کہ) میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں

نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے دین کو قائم کرتی رہے گی جس کی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا خواہ وہ شخص جو انکو رسوا کرنا چاہے یا انکی مخالفت کرنا چاہے، یہاں تک کہ اللہ کا امر آجائے اور وہ لوگوں پر غالب رہیں گے۔

❸ **أمر الله کی مراد:۔** أمر الله سے مراد بظاہر قیامت ہے مگر صحیح یہ ہے کہ وہ ہوا ہے جو قرب قیامت میں یمن سے چلے گی اور وہ ہے اور بعض احادیث میں حتی تقوم الساعة کے الفاظ سے مراد تقرب الساعة ہے یعنی جب قیامت بالکل قریب ہو گی۔ (حاشیہ)

❹ **طائفة قائمة بأمر الله کا مصداق:۔** امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مصداق اہل علم یعنی علماء ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مصداق محدثین نہیں ہیں تو پھر میں نہیں جانتا کہ اس کا مصداق کون ہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجاہدین، فقہاء، محدثین، عابدین، زہاد، آمرون بالمعروف والناہون عن المنکر اور دیگر تمام اہل خیر اس کا مصداق ہیں اور ان کا ایک جگہ مجتمع ہونا بھی ضروری نہیں ہے بلکہ یہ زمین کے مختلف حصوں میں متفرق لوگ ہیں۔ (حاشیہ)

## ﴿الورقة الثانية: صحيح الامام مسلم﴾

### ﴿السؤال الأول﴾ ١٤٣١ھ

**الشق الأول** ...... إن ضبط القليل من هذا الشأن وإتقانه أيسر على المرء من معالجة الكثير منه، ولا سيما عند من لا تمييز عنده من العوام إلا بأن يوقفه على التمييز غيره، فإذا كان الأمر في هذا كما وصفنا فالقصد منه إلى الصحيح القليل أولى بهم من ازدياد السقيم، وإنما يرجى بعض المنفعة في الاستكثار من هذا الشأن وجمع المكررات منه لخاصة من الناس ممن رزق فيه بعض التيقظ والمعرفة بأسبابه وعلله، فذلك إن شاء الله يهجم بما أوتي من ذلك على الفائدة في الاستكثار من جمعه فأما عوام الناس الذين هم بخلاف معاني الخاص من أهل التيقظ والمعرفة، فلا معنى لهم في طلب الكثير وقد عجزوا عن معرفة القليل. (ص۳-ج۱-قدیمی)

شكل العبارة بالضبط ثم ترجمها ترجمة واضحة. اشرح العبارة واذكر مقصد الامام مسلم بها.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) عبارت کی تشریح اور غرض مصنف۔

**جواب** ...... ❶ **عبارت پر اعراب:۔** كما مرّ في السؤال آنفا۔

❷ **عبارت کا ترجمہ:۔** بے شک تھوڑی روایات کا ضبط کرنا اور پختہ کرنا آدمی کیلئے آسان ہوتا ہے بہت زیادہ روایات کے علاج معالجہ کرنے سے، خاص طور پر وہ شخص جو خود تمییز نہیں کر سکتا عوام میں سے مگر یہ کہ خبردار کرے اسکو کوئی دوسرا شخص تمییز پر، پس جب صورتحال اس طرح ہے جو ہم نے بیان کی ہے تو ان کیلئے تھوڑی صحیح روایات کا ارادہ کرنا بہت زیادہ سقیم ضعیف روایات طلب کرنے سے بہتر ہے۔

اور بیشک سقیم احادیث کی کثرت اور مکررات کے ساتھ احادیث کو جمع کرنے میں بھی بعض منافع و فوائد کی امید کی جاسکتی ہے بالخصوص ان لوگوں کیلئے جنہیں قدرت کی طرف سے ان احادیث کے اسباب وعلل کے بارے میں خاص بیداری مغز اور معرفت عطا کی گئی ہے۔

باقی عوام الناس جو کہ ان خواص لوگوں کے برعکس ہیں جو بیداری مغز اور اہل معرفت میں سے ہیں ان کے لئے کثرت سے احادیث کے طلب کرنے میں کوئی فائدہ ہی نہیں ہے کیونکہ وہ تو قلیل احادیث کی معرفت سے بھی عاجز ہیں۔

❸ **عبارت کی تشریح اور غرض مصنف رحمہ اللہ:۔** امام مسلم رحمہ اللہ سے ان کے کسی شاگرد نے درخواست کی کہ میں ان تمام روایات کو جاننا چاہتا ہوں اور ان کی تحقیق و جستجو کرنا چاہتا ہوں جو آپ ﷺ سے احکام و مسائل اور ترغیب و ترہیب کے سلسلے میں

مروی ہیں اور وہ روایات اسناد کے ساتھ کسی کتاب میں مرتب و جمع ہو جائیں تاکہ مجھے زیادہ ورق گردانی بھی نہ کرنی پڑے اور مقصد بھی حاصل ہو جائے اور اس میں غیر معمولی تکرار بھی نہ ہو وغیرہ ذالك۔

اس عبارت میں امام مسلم رحمہ اللہ نے اس شاگرد کی درخواست کو قبول کرتے ہوئے کتاب کے فوائد کو بیان کیا ہے کہ اگر واقعتاً ایسی کتاب تیار ہو گئی تو لوگوں سے پہلے مجھے ہی اس کا فائدہ ہوگا اسلئے کہ آدمی کیلئے تھوڑی روایات کو پختہ و مضبوط کرنا آسان ہوتا ہے اور زیادہ روایات کو یاد رکھنا، ان کی صحت و ضعف سے بحث کرنا اور ہر وقت ان مباحث وغیرہ کو ذہن نشین رکھنا مشکل ہوتا ہے اسلئے اگر ایک ہی مرتبہ روایات کی چھان بین کر کے ایک ایسا مجموعہ تیار کر لیا جائے تو یہ میرے لئے بھی مفید ہوگا۔ اور جو لوگ صحیح و غیر صحیح روایات میں بغیر کسی رہنمائی کے امتیاز نہیں کر سکتے ان کے سامنے ہر طرح کی حدیثوں کا مجموعہ پیش کرنا کسی طرح بھی مفید نہیں ہے ان کیلئے تو صحیح احادیث ہی مفید ہیں تاکہ وہ صحیح احادیث سے استفادہ کر سکیں اور دوسری غیر متعلقہ ابحاث میں ہی گم نہ ہو جائیں۔ (فیض الملہم ص ۱۱)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام مسلم رحمہ اللہ کا یہ ارشاد کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ "تھوڑی صحیح حدیثوں پر اکتفاء کرنا بہتر ہے"۔ اکابر محدثین کے واقعات تو اس کے خلاف ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو غیر معتبر حدیثوں کے علاوہ جو قابل اعتماد حدیثیں یاد تھیں انکی تعداد سات لاکھ تھی، یہی تعداد محدث ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ کے محفوظات کی تھی۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے بارے میں عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ انہیں دو لاکھ کے قریب تو غیر صحیح اور ایک لاکھ صحیح حدیثیں ازبر تھیں۔ خود امام مسلم رحمہ اللہ سے لوگوں نے ان کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ وہ اپنی کتاب صحیح مسلم شریف کے بارے میں خود فرمایا کرتے تھے کہ "میں نے اپنے کان سے سنی ہوئی تین لاکھ حدیثوں میں سے یہ مجموعہ منتخب کیا ہے"۔ اسی طرح اور محدثین کی طرف بھی بڑے بڑے عدد منسوب ہیں۔

امام مسلم رحمہ اللہ اس سوال کا جواب دیتے ہیں کہ یہ معاملہ فن حدیث کے شہسواروں کا ہے۔ ان خوش نصیب حضرات کیلئے بہت زیادہ حدیثوں کا جمع کرنا مفید تھا کیونکہ ان کو بیدار مغزی کی دولت نصیب تھی وہ احادیث کے علل و اسباب سے واقف تھے۔ اس لئے ان کے لئے احادیث کی کثرت اور مکررات کا ذخیرہ مفید تھا مگر عام لوگوں کیلئے، جن کو خواص کی مذکورہ بالا صلاحیتیں میسر نہیں ہیں، بہت زیادہ حدیثیں جمع کرنا مفید نہیں ہے کیونکہ وہ تو تھوڑی روایات کے ضبط سے بھی عاجز ہیں۔ ان کیلئے تو یہی مفید ہے کہ ان کی استطاعت کے بقدر صحیح احادیث منتخب کر کے انکو دی جائیں تاکہ وہ ان سے استفادہ کریں اور انتشار ذہنی سے محفوظ رہیں۔ (ایضاً ص ۷۵)

**الشق الثانی** ......فَإِذَا نَحْنُ تَقَصَّيْنَا أَخْبَارَ هٰذَا الصِّنْفِ مِنَ النَّاسِ أَتْبَعْنَاهَا أَخْبَارًا يَقَعُ فِيْ أَسَانِيْدِهَا بَعْضُ مَنْ لَيْسَ بِالْمَوْصُوْفِ بِالْحِفْظِ وَالْإِتْقَانِ كَالصِّنْفِ الْمُقَدَّمِ قَبْلَهُمْ، عَلٰى أَنَّهُمْ وَإِنْ كَانُوْا فِيْمَا وَصَفْنَا دُوْنَهُمْ فَإِنَّ اِسْمَ السَّتْرِ وَالصِّدْقِ وَتَعَاطِي الْعِلْمِ يَشْمَلُهُمْ كَعَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ وَيَزِيْدَ بْنِ أَبِيْ زِيَادٍ وَلَيْثِ بْنِ أَبِيْ سُلَيْمٍ وَأَضْرَابِهِمْ مِنْ حُمَّالِ الْآثَارِ وَنُقَّالِ الْأَخْبَارِ. (ص ۴ ج ۱ قدیمی) شکل العبارة وترجمها. انکر تراجم موجزة لکل من عطاء بن السائب ویزید بن أبی زیاد ولیث بن أبی سلیم وانکر مرتبتهم فی رواة الحدیث.

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حاصل تین امور ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) مذکورہ راویوں کا تعارف اور روایت حدیث میں انکا مرتبہ۔

**جواب** ......① عبارت پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

② عبارت کا ترجمہ:۔ پھر جب ہم طبقۂ اولیٰ کی روایات کو جمع کر لیں گے تو اس کے بعد ہم (طبقۂ ثانیہ کی) ایسی احادیث ذکر کرینگے جنکی اسانید میں ایسے رواۃ بھی موجود ہیں جو حفظ و اتقان میں پہلے طبقہ کے رواۃ جیسے نہیں ہیں۔ باوجود اس بات کے کہ یہ رواۃ ضبط

واتقان میں پہلے طبقہ کے رواۃ سے کم درجہ کے ہیں مگر بیان حدیث میں صدق وعدالت اور علم حدیث کے ساتھ اشتغال ۔ (۲) جو صفت کے ساتھ متصف ہیں جیسے عطاء بن سائب، یزید بن ابی زیاد اور لیث بن ابی سلیم اور ان جیسے دوسرے حاملین حدیث وناقلین آثار۔

❷ **مذکورہ راویوں کا تعارف اور روایت حدیث میں انکا مرتبہ:۔** عطاء بن سائب رحمہ اللہ یہ مشہور عالم اور تابعی حضرت عطاء بن سائب بن زید ثقفی کوفی ہیں، حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ وغیرہ جیسے جید واکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایات بیان کی ہیں۔ بڑے بڑے علماء مثلاً سفیان ثوری، شعبہ، حماد بن زید رحمہم اللہ وغیرہ نے ان سے احادیث روایت کی ہیں۔ آپ انتہائی دیندار، متقی و پرہیزگار تھے اور آخر عمر میں حافظہ خراب ہو گیا تھا۔

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ثقة رجل صالح، من سمع منه قديما كان صحيحا۔

ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں محله الصدق قبل ان يختلط۔ امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ثقة فی حديثه القديم لكنه تغير۔

الحاصل آخر عمر میں حافظہ کی خرابی کی وجہ سے ائمہ نے دوسرے طبقہ میں شمار کیا ہے اور حضرت سفیان ثوری، شعبہ، حماد بن زید رحمہم اللہ نے ان سے جو احادیث روایات کی ہیں وہ صحیح ہیں اور جو حضرات انکے علاوہ ہیں انکی روایات کے بارے میں توقف کیا گیا ہے۔

یزید بن ابی زیاد: انکو یزید بن زیاد بھی کہا جاتا ہے اور یہ قرشی دمشقی ہیں۔ علماء اسماء الرجال نے انکی تضعیف کی ہے۔

قال الحافظ وابوحاتم :هو ضعيف۔ قال ابن نمير ويحيىٰ بن معين:ليس بشيئ۔

قال النسائی : هومتروك الحديث۔ قال الترمذی: ضعيف الحديث۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں پر امام مسلم رحمہ اللہ کی مراد یزید بن ابی زیاد قرشی دمشقی نہیں ہے بلکہ یزید بن ابی زیاد کوفی ہے جو کہ کوفہ کے علماء میں سے ہیں اور ائمہ جرح وتعدیل نے ان کی بھی تضعیف کی ہے۔ قال ابن المبارك: ارم به۔

قال يحيیٰ:ليس بالقوی ولا يحتج به۔ قال ابن فضيل: كان من ائمة الشيعة الكبار۔

لیث بن ابی سلیم: یہ لیث بن ابی سلیم کوفی ہیں اور علماء کوفہ میں سے ہیں اور ان سے متعدد حضرات نے احادیث روایت کی ہیں۔

قال احمد: مضطرب الحديث ولكن حدث عنه الناس۔ قال يحيیٰ والنسائی: هوضعيف۔

قال ابن معين:ايضا لاباس به۔ قال ابن حبان اختلط فی آخر عمره۔ قال الدارقطنی: صاحب سنة۔

الغرض ان تینوں حضرات میں صدق وعدالت اور تقویٰ کے منافی کوئی بات نہیں تھی البتہ ضبط واتقان میں طبقہ اولیٰ کے مساوی نہیں تھے۔

## ﴿السؤال الثانی﴾ ۱٤۳۱ھ

**الشق الاول**...... عن زيد بن خالد الجهنی قال: صلى بنا رسول الله ﷺ صلاة الصبح بالحديبية فی اثر سماء كانت من الليل فلما انصرف أقبل على الناس فقال: هل تدرون ماذا قال ربكم؟ قالوا الله ورسوله أعلم قال قال أصبح من عبادی مؤمن بی وكافر فأمامن قال مطرنا بفضل الله ورحمته، فذلك مؤمن بی كافر بالكواكب وأما من قال مطرنا بنوء كذا وكذا فذلك كافر بی ومؤمن بالكواكب. (ص۵۹، ج۱)

اذكر معنى "النوء" لغة وترجم الحديث الشريف واضحا . ماهوالمراد بالكفر فی هذا الحديث عيّن نوع الكفر من أنواعه . ماهوعلم النجوم، عرّفه ثم اذكر حكمه بتفصيل .

﴿خلاصہ سوال﴾...... اس سوال کا حل چار امور ہیں (۱) نوء کا معنی (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) کفر کے معنی کی تعیین (۴) علم نجوم کی تعریف وحکم۔

**جواب** ① **نوء کا معنی:-** نوء کا لفظ طلوع و غروب دونوں معنوں میں مستعمل ہے۔ کل اٹھائیس ستارے ہیں جو منازل قمر قرار دیے جاتے ہیں، جب ان میں سے ایک ستارہ مشرق سے طلوع ہوتا ہے اسی وقت مغرب میں ایک ستارہ غروب ہوتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا عقیدہ تھا کہ بارش ان ستاروں کے طلوع و غروب سے ہوتی ہے اسے وہ بارش کے لئے علت اور موثر حقیقی سمجھتے تھے اور یہ عقیدہ کفر ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص علت اور موثر حقیقی تو اللہ تعالیٰ کو سمجھے مگر بطور علامت کسی ظاہری علامت کی طرف نسبت کر دے تو یہ کفر نہیں ہے۔ (درس مسلم ص ۳۳۷)

② **حدیث کا ترجمہ:-** حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حدیبیہ کے مقام پر فجر کی نماز پڑھائی، رات میں بارش کی وجہ سے آسمان ابر آلود تھا پھر جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے؟ تو لوگوں نے کہا کہ اللہ اور اسکا رسول ﷺ ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندوں نے صبح کی مجھ پر ایمان کے ساتھ اور کفر کے ساتھ، پس جس شخص نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و رحمت سے ہم پر بارش برسائی ہے تو یہ شخص مجھ پر ایمان رکھنے والا اور ستاروں کا منکر ہے اور جس شخص نے یہ کہا کہ فلاں فلاں ستارہ کی گردش کی وجہ سے ہم پر بارش برسی ہے تو یہ شخص میرا منکر اور ستاروں پر ایمان رکھنے والا ہے۔

③ **کفر کے معنی کی تعیین:-** یہاں پر کفر کے معنی میں دو احتمال ہیں۔ کفر الشرک اور کفر النعمۃ۔ بعض اہل علم نے یہاں پر ایمان کے مقابلہ میں ہونے کی وجہ سے کفر الشرک مراد لیا ہے اور بعض اہل علم نے اس سے کفران نعمت یعنی ناشکری مراد لیا ہے کیونکہ دیگر احادیث میں **اصبح من الناس شاکر و کافر** کے الفاظ آئے ہیں جو کہ کفران نعمت پر دال ہیں۔ لہٰذا یہاں بھی مذکورہ حدیث کی وجہ سے کفران نعمت ہی مراد ہے۔

④ **علم نجوم کی تعریف و حکم:-** علم نجوم کا مطلب یہ ہے کہ ستاروں کی چال چلن اور منزل کو دیکھ کر اپنے کاموں کا تعین کرنا اور کاموں کے انجام کے صحیح غلط ہونے کا نتیجہ اخذ کرنا۔ یہ تو ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاند، سورج اور ستاروں میں کچھ ایسی خاصیتیں رکھی ہیں جو انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ ان میں سے بعض خاصیات ایسی ہیں جن کا ہر شخص مشاہدہ کر سکتا ہے جیسا سورج کے قرب و بعد سے گرمی اور سردی کا پیدا ہونا، چاند کے اتار چڑھاؤ سے سمندر میں مد و جزر وغیرہ۔ اب بعض حضرات کا کہنا تو یہ ہے کہ ان ستاروں کی خصوصیات صرف اتنی ہی ہیں جتنی عام مشاہدہ سے معلوم ہوتی ہیں اور بعض لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ ان کے علاوہ بھی ستاروں کی گردش کے کچھ ایسے خواص ہوتے ہیں جو انسان کی زندگی کے اکثر معاملات پر اثر ڈالتے ہیں ایک انسان کیلئے کسی ستارے کے کسی خاص برج میں چلے جانا مسرتوں اور کامیابیوں کا سبب بنتا ہے اور کسی کیلئے غموں اور ناکامیوں کا۔ پھر بعض لوگ تو ان ستاروں ہی کو کامیابیوں اور ناکامیوں کے معاملہ میں موثر حقیقی مانتے ہیں اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ موثر حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی ہے مگر اس نے ستاروں کو ایسے خواص عطا کر دیے ہیں اسلئے دنیا کے دوسرے اسباب کی طرح وہ بھی انسان کی کامیابیوں اور ناکامیوں کا ایک سبب ہوتے ہیں۔

جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جو ستاروں کو موثر حقیقی مانتے ہیں یعنی یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کے انقلابات اور واقعات ستاروں ہی کے رہین منت ہیں ستارے ہی دنیا کے تمام واقعات کے فیصلے کرتے ہیں۔ تو بلاشبہ ان کا خیال غلط اور باطل ہے اور یہ عقیدہ انسان کو شرک کی حد تک پہنچا دیتا ہے۔ اہل عرب بارش کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ ایک خاص ستارہ (جسے نوء کہا جاتا تھا) بارش لیکر آتا ہے اور وہ بارش کیلئے موثر حقیقی کی حیثیت رکھتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس عقیدے کی سخت تردید فرمائی ہے جس کی تصریح احادیث میں موجود ہے۔

رہے وہ لوگ جو دنیوی واقعات میں موثر حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے ہیں لیکن ساتھ ہی اس بات کے بھی قائل ہیں کہ اللہ نے

ستاروں کو ایسے خواص عطا فرمائے ہیں جو سبب کے درجہ میں انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں جس طرح بارش برسانے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن اس کا ظاہری سبب بادل ہیں۔ اسی طرح تمام کامیابیوں اور ناکامیوں کا اصل سرچشمہ تو اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی ہے لیکن یہ ستارے ان کامیابیوں اور ناکامیوں کا سبب بن جاتے ہیں سو یہ خیال شرک نہیں ہے اور قرآن وحدیث سے اس خیال کی نہ تصدیق ہوتی ہے اور نہ تردید لیکن یہ کچھ بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کی گردش اور ان کے طلوع وغروب میں کچھ ایسے اثرات رکھے ہوں لیکن ان اثرات کی جستجو کرنے کے لئے علم نجوم کی تحصیل، اس علم پر اعتماد اور اس کی بناء پر مستقبل کے بارے میں فیصلے کرنا بہر حال ممنوع اور ناجائز ہے اور احادیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ (معارف القرآن ج ۵ ص ۳۳۹)

**الشق الثاني**...... عن أبي سعيد الخدري أن رسول الله ﷺ ذكر عنده أبو طالب فقال لعله تنفعه شفاعتي يوم القيامة فيجعل في ضحضاح من النار يبلغ كعبيه يغلي منه دماغه. (ص ۱۱۵ ج ۱ - قدیمی)

ترجم الحديث. هذا الحديث يخالف قول الله تعالى "فما تنفعهم شفاعة الشافعين" ظاهرًا فكيف التخلص من هذا الاشكال؟ اذكر أقوال العلماء بصددذلك. كيف يشفع له النبي ﷺ مع أن الشفاعة للكفار لا يجوز.

﴿خلاصہ سوال﴾...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) آیت کریمہ وحدیث میں تطبیق (۳) آپ ﷺ کے کافر کی سفارش کرنے کی وجہ۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کا ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شاید قیامت کے دن میری شفاعت اسے نفع دے اور انہیں جہنم کے سب سے ہلکے عذاب میں رکھا جائے جو ان کے ٹخنوں تک پہنچے جس کی وجہ سے انکا دماغ کھولنے (ابلنے) لگے۔

② آیت کریمہ وحدیث میں تطبیق:۔ سوال ہوتا ہے کہ بظاہر آیت کریمہ اور حدیث میں تعارض ہے اس لئے کہ آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ کافروں کو کسی کی سفارش بھی نفع نہ دے گی جبکہ آپ ﷺ ارشاد فرما رہے ہیں کہ شاید میری سفارش ابو طالب کو فائدہ پہنچائے تو بظاہر کافر کو سفارش کا نفع ہونے اور نہ ہونے کے اعتبار سے تعارض ہے۔

پہلا جواب: یہ ہے کہ یہ آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہے اور اس کو خصائص نبوی ﷺ میں سے شمار کیا گیا ہے۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ آیت وحدیث میں کوئی تعارض نہیں ہے اس لئے کہ دونوں جگہ منفعت کا الگ الگ معنی مراد ہے کیونکہ آیت میں منفعت سے مراد اخراج من النار ہے کہ کسی کافر کو کسی کی سفارش کی وجہ سے جہنم سے نہیں نکالا جائیگا اور حدیث میں تخفیف عذاب کی منفعت مراد ہے اور یہ دونوں جمع ہو سکتے ہیں کہ کافر کو جہنم سے تو نہ نکالا جائے مگر اس کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ آپ ﷺ کی شفاعت کی وجہ سے عذاب میں تخفیف ہوگی مگر چونکہ ابو طالب کو اس کا اثر نہیں پہنچیگا بایں طور کہ معمولی عذاب کے باوجود دماغ تک اس کا اثر ہوگا اور دماغ اُبل رہا ہوگا اسلئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ گویا انکو سفارش نے نفع نہیں پہنچایا۔

③ آپ ﷺ کے کافر کی سفارش کرنے کی وجہ:۔ کفار کیلئے سفارش کرنا جائز نہیں، اسکے باوجود آپ ﷺ نے ابو طالب کی سفارش کیسے فرمائی۔ جواب: ① یہ آپ ﷺ کی خصوصیت پر محمول ہے۔ ② آپ ﷺ نے قول کے ذریعہ ابو طالب کی سفارش نہ کی تھی بلکہ بزبان حال سے آپ ﷺ کی طرف سے سفارش تھی کہ ان کے عذاب میں تخفیف ہو جائے۔

## ﴿السؤال الثالث﴾ ۱۴۲۱ھ

**الشق الأول**...... عن عبدالله بن دينار أنه سمع ابن عمر قال: أمر رسول الله ﷺ أهل المدينة أن

یهلوا من ذی الحلیفة، وأهل الشام من الجحفة وأهل نجد من قرن، وقال عبدالله بن عمر: وأخبرت أن قال: ویهل أهل الیمن من یلملم ۔(ص۳۷۵ ج۱ قدیمی)

اذکر المواقیت کلها۔ ماهو حکم المتردد الی مکة بغیر قصد الحج والعمرة هل یلزمه الاحرام أم لا۔

اذکر أقوال العلماء فیمن جاوز المیقات مریدًا لنسک بغیر احرام۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) مواقیت کی وضاحت (۲) حج وعمرہ کے ارادہ کے بغیر مکہ میں داخل ہونے والے کا حکم (۳) حاجی یا معتمر کا بغیر احرام میقات سے گزرنے کا حکم۔

**جواب** ...... ❶ **مواقیت کی وضاحت:۔** احرام کیلئے پانچ میقات ہیں اور میقات اس مقام اور جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں سے حج یا عمرہ کا قصد کرنے والے شخص کا بغیر احرام گزرنا جائز نہیں ہے اور ان مواقیت کی تفصیل یہ ہے۔

① اہل مدینہ وغیرہ کے لئے میقات ذوالحلیفہ ہے۔ (اب اس کا نام بیر علی رضی اللہ عنہ ہے)

② اہل شام وغیرہ کے لئے میقات جحفہ ہے۔ ③ اہل نجد وغیرہ کے لئے میقات قرن ہے۔

④ اہل یمن وغیرہ کے لئے میقات یلملم ہے۔ ⑤ اہل عراق وغیرہ کے لئے میقات ذات عرق ہے۔

پہلے چار مواقیت کی تعیین بالاتفاق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے اور پانچویں میقات میں اختلاف ہے۔ حنفیہ، حنابلہ اور جمہور شوافع رحمہم اللہ کے نزدیک اس کی تعیین بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے مگر امام شافعی رحمہ اللہ اور بعض اہل علم کے نزدیک اس کی تعیین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمائی ہے۔ (المسائل والدلائل ص۳۷۵)

❷ **حج وعمرہ کے ارادہ کے بغیر مکہ میں داخل ہونے والے کا حکم:۔** امام شافعی رحمہ اللہ کا راجح قول یہ ہے کہ حج وعمرہ کے ارادہ کے بغیر اپنی کسی ضرورت کے لئے اگر کوئی شخص احرام کے بغیر مکہ میں داخل ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ خواہ وہ ضرورت متکررہ ہو یا غیر متکررہ ہو۔

البتہ امام شافعی رحمہ اللہ کا دوسرا قول اور مالکیہ وحنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر حاجت متکررہ ہے تو احرام ضروری نہیں ہے بغیر احرام گزرنا جائز ہے اور اگر حاجت متکررہ نہیں ہے تو پھر یہ بغیر احرام گزرنا جائز نہیں ہے۔ حنفیہ کے نزدیک جو شخص بھی مکہ سے باہر کسی دوسرے شہر میں رہتا ہے اس کیلئے بغیر احرام مکہ میں داخل ہونا صحیح نہیں ہے خواہ حاجت متکررہ ہو یا غیر متکررہ۔ (الدر المنضود ج۳ ص۱۶۷)

❸ **حاجی یا معتمر کا بغیر احرام میقات سے گزرنے کا حکم:۔** اگر حج یا عمرہ کے ارادہ سے جانے والا شخص احرام کے بغیر میقات سے گزر گیا تو عندالجمہور یہ شخص گنہگار ہے اور اس پر دم واجب ہے۔ البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ عمرہ یا حج کا فعل شروع کرنے سے پہلے ہی تلبیہ کہتے ہوئے واپس میقات کی طرف لوٹ آیا تو دم ساقط ہو جائے گا۔ صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ تلبیہ کے ساتھ لوٹنا ضروری نہیں ہے بغیر تلبیہ بھی میقات کی طرف لوٹ آیا تو دم ساقط ہو جائے گا۔ امام مالک، امام شافعی اور امام زفر رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ دم کسی صورت بھی ساقط نہ ہوگا اور اگر وہ احرام کے بغیر ہی واپس لوٹ آیا تو پھر بالاتفاق دم ساقط ہو جائیگا اور اگر اس نے حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر کوئی فعل حج یا عمرہ بھی کر لیا تو پھر بالاتفاق دم واجب ہو جائے گا۔ (اشرف الہدایہ ج۳ ص۵۳۳)

**الشق الثانی** ......عن عائشة أن أزواج رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کن یخرجن باللیل اذا تبرزن الی المناصع وهو صعید أفیح وکان عمر بن الخطاب یقول لرسول الله صلی اللہ علیہ وسلم احجب نساءك فلم یکن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یفعل فخرجت سودة بنت زمعة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلة من اللیالی عشاء وکانت امرأة طویلة فناداها

عمر ألا قد عرفناك يا سودة حرصًا على أن ينزل الحجاب قالت عائشة فأنزل الله عزوجل الحجاب

ترجم الحديث المبارك الى الأردية ـ اذكر حكم كشف وجه المرأة أمام الأجانب، عند العلماء مع ذكر النصوص التي ذكروها استدلالًا واحتجاجًا. (ص ۲۱۵ ـ ج ۲ ـ قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں دو امر توجہ طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) عورت کا چہرہ کھولنے کا حکم مع الدلائل۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن قضائے حاجت کیلئے مناصع (قضائے حاجت کیلئے معروف مقامات) کی طرف نکلتی تھیں اور وہ ہموار وسیع زمین تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے کہا کرتے تھے کہ اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو پردہ کا حکم کریں۔ رسول اللہ ﷺ تعمیل نہیں کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا ایک رات عشاء کے وقت نکلیں اور وہ لمبی خاتون تھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آواز دی کہ اے سودہ! ہم تمہیں پہچان چکے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ پردہ کا حکم نازل ہو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پس (اس موقع پر) اللہ تعالیٰ نے پردہ کا حکم نازل فرمادیا۔

❷ عورت کا چہرہ کھولنے کا حکم مع الدلائل:۔ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے نزدیک چہرہ اور دونوں ہاتھ گٹ تک ستر کے حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی قول نقل کیا ہے کہ لا يبدين زينتهن الا ما ظهر منها سے مراد چہرہ و دونوں ہتھیلیاں ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف بھی یہی قول منسوب ہے۔ صاحب بیضاوی نے لکھا ہے کہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ آیت میں جس ستر کا حکم ہے اس کا تعلق صرف نماز سے ہے پردہ سے نہیں، کیونکہ آزاد عورت کا پورا جسم واجب الستر ہے۔ سوائے شوہر و محرم کے عورت کا کوئی حصہ دیکھنا کسی مرد کیلئے جائز نہیں ہے۔ ہاں البتہ اگر مجبوری ہو تو الگ بات ہے جیسے بیماری کا علاج یا ادائے شہادت وغیرہ۔ حنفی فقہ کی کتابوں میں چہرہ کو ستر سے مستثنیٰ کہا گیا ہے اور یہ استثناء صرف نماز کے ساتھ مخصوص نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے الا ما ظهر منها میں چہرہ و ہتھیلی کا استثناء کیا ہے نیز چہرہ و ہتھیلی کو چھپائے رکھنے میں سخت دشواری بھی ہے ان کا ضرورت کے وقت کھلا رہنا ضروری ہے۔ مردوں سے لین دین میں ان کا کھلنا لازم ہے۔ البتہ اگر نفسانی میلان کے ابھار کا اندیشہ ہو تو ایسی حالت میں سوائے خالص مجبوری کے چہرہ کو دیکھنا بھی جائز نہیں ہے اور ہر اجنبی عورت کا چہرہ ہر نامحرم جوان کیلئے نفسانیت میں ابھار کا احتمال رکھتا ہے جو مرد اپنے اندر عورتوں کی طرف میلان کی صلاحیت رکھتا ہے اجنبی عورت کا چہرہ دیکھ کر اسکے نفسانی میلان میں بیداری نہ ہونا ناقابل تصور ہے اس لئے ہمیں کہنا پڑے گا کہ آزاد جوان عورت کیلئے اجنبی مرد سے چہرہ کا پردہ رکھنا بھی لازم ہے کیونکہ حسن کا اصل سرچشمہ تو چہرہ ہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت سرتاپاؤں مکمل عورت یعنی قابل ستر ہی ہے جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اسکی تاک جھانک میں رہتا ہے البتہ ضرورتیں باجماع امت اس حکم سے مستثنیٰ ہیں نیز چہرہ کھلا رکھنے کا عدم جواز اس آیت سے بھی ثابت ہوتا ہے قل لازواجك وبناتك ونساء المؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن، اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس وابو عبیدہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت میں مسلمان عورتوں کو اپنے سر و چہرے ڈھانپنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۸ ص ۱۷۸) نیز پردہ کا حکم فتنہ و فساد کی روک تھام کے لئے ہے اور اس کا سب سے خطرناک اور موجب شہوت سبب چہرہ ہی ہے لہٰذا اگر چہرہ پردہ میں داخل نہ ہو تو پھر پردہ کا حکم دینے کا مقصد پورا نہ ہوگا۔

## ﴿الورقة الثانية: صحيح الامام مسلم﴾

### ﴿السوال الاول﴾ ۱۴۳۲ھ

**الشق الاول** ...... عن علقمة والأسود أن رجلًا نزل بعائشة فأصبح يغسل ثوبه، فقالت عائشة انما

كان يجزئك ان رأيته أن تغسل مكانه فانه لم تر نضحت حوله ولقد رأيتني أفركه من ثوب رسول الله ﷺ فركًا فيصلي فيه. (ص ۱۴۰-ج ۱ قدیمی) ترجم الحديث المبارك. اذكر حكم المني عند العلماء هل هو نجس أم لا؟ اذكر سبب اختلافهم فيه واضحًا مع ايراد أدلتهم على ماذهبوا اليه.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) منی کے نجس ہونے میں اختلاف مع الدلائل (۳) منی کی نجاست میں اختلاف کا سبب۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت علقمہ واسود رحمہما اللہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں بطور مہمان ٹھہرا (رات کو احتلام ہوگیا) تو صبح کے وقت اس شخص نے اپنے کپڑے دھونے شروع کئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ تجھے کفایت کر جائے گی اگر تو دیکھے اسے کہ تو دھو ڈالے اس جگہ کو اور اگر تو نہ دیکھے تو چھینٹے مار دے اس کے ارد گرد اور البتہ تحقیق میں دیکھ رہی ہوں خود کو کھرچ رہی ہوں میں اس کو آپ ﷺ کے کپڑوں سے اور آپ ﷺ اس میں نماز پڑھ رہے ہیں۔

❷ منی کے نجس ہونے میں اختلاف مع الدلائل:۔ مذہب اول: شافعیہ، حنابلہ، اسحٰق بن راہویہ اور داؤد ظاہری کے نزدیک انسان کی منی پاک ہے۔ یہی لوگ طحاوی میں فذهب ذاهبون الى ان المني طاهر کے مصداق ہیں۔ نیز ان کے نزدیک منی ناک کے رینٹ کے حکم میں ہے۔ لہٰذا ماء قلیل میں منی گر جانے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔

مذہب ثانی: حنفیہ، مالکیہ، امام اوزاعی، لیث بن سعد اور حسن بن صالح رحمہم اللہ وغیرہ کے نزدیک منی ناپاک ہے۔ یہی لوگ طحاوی میں وخالفهم في ذلك آخرون کے مصداق ہیں۔ لیکن ان کے درمیان تفصیل یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک تر منی کا دھونا واجب ہے اور خشک منی کا کھرچ دینا کافی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک خشک و تر ہر طرح کی منی کو پانی سے دھونا واجب۔ بہ الت چھینٹا مارنا بھی کافی ہے اور امام لیث بن سعد رحمہ اللہ کے نزدیک منی ناپاک تو ہے لیکن اگر اس کے ساتھ نماز پڑھ لی تو دوبارہ لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور امام حسن ابن صالح رحمہ اللہ کے نزدیک اگر کپڑے میں منی لگی ہے تو اعادۂ صلوٰۃ کی ضرورت نہیں بدن میں لگی ہے تو اعادۂ صلوٰۃ ضروری ہے۔

شافعیہ وحنابلہ کی دلیل: ہمام بن حارث رحمہ اللہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں بطور مہمان ٹھہر گئے تو اتفاق سے ان کو احتلام ہوگیا تو انہوں نے صبح اٹھ کر اپنے کپڑے سے منی کے اثرات کو دھونا شروع کر دیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باندی نے یہ دیکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اطلاع دی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں اپنے آپ کو محقق ہوں یعنی مجھے یاد ہے کہ میں حضور ﷺ کے کپڑے سے منی کو کھرچ دیتی تھی اس سے زیادہ کچھ نہیں کرتی تھی۔ تو اس مضمون سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ منی کو کھرچ دینے کی صورت میں کپڑے کے ریشوں کے اندر لازمی طور پر منی کا حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اگر منی ناپاک ہوتی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کپڑے کو کھرچنے کی بجائے ضرور دھو دیتیں اور کھرچنا کافی نہ سمجھتیں۔ لہٰذا کہنا پڑے گا کہ منی پاک ہے، ناپاک نہیں ہے اور کپڑے کے اوپر سے منی کے ظاہری اثرات کو طبعی نفرت کی بناء پر کھرچ دیا جاتا ہے نہ کہ ناپاک ہونے کی بناء پر۔

حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث شافعیہ کی دلیل نہیں بلکہ حنفیہ کی دلیل ہے کیونکہ حنفیہ کے نزدیک تطہیر نجاست کے متعدد طریقے ہیں، دھونا، رگڑنا، جلا ڈالنا، خشک ہو جانا اور کھرچنا، معلوم ہوا کہ کھرچنا بھی طہارت کا ایک طریقہ ہے۔ پس جب منی گاڑھی اور خشک ہو جائے تو اس میں رگڑنا اور کھرچنا کافی ہے لہٰذا یہ کھرچنا منی کی نجاست پر دال ہے جیسا کہ دھونا منی کی نجاست پر دال ہے۔ (ایضاح الطحاوی ج ۱ ص ۱۴۰)

حنفیہ ومالکیہ کے دلائل: ① حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے کپڑوں سے منی کو دھویا کرتی تھیں پھر

حضور ﷺ وہ کپڑے پہن کر نماز کیلئے تشریف لے جاتے تھے، معلوم ہوا کہ منی ناپاک ہے اسی لئے تو اس کو کپڑے سے کھرچا جاتا تھا۔ ① نیز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے معلوم کیا کہ کیا آپ ﷺ اپنے نیند والے کپڑوں میں نماز پڑھتے تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ اس وقت ان میں نماز پڑھتے تھے جب ان پر نجاست نہ لگی ہوتی تھی، معلوم ہوا کہ منی نجاست ہے کیونکہ انہوں نے منی کو اذی (نجاست) سے تعبیر کیا ہے۔ ② حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لحافوں میں نماز نہیں پڑھا کرتے تھے کیونکہ ایسے لحافوں میں عام طور پر منی کا دھبہ لگ جایا کرتا ہے اور منی چونکہ ناپاک ہے اس لئے آپ ﷺ ایسے کپڑوں میں نماز ادا نہیں فرماتے تھے۔

**③ منی کی نجاست میں اختلاف کا سبب:-** منی کی نجاست وطہارت میں اختلاف کا سبب دو چیزیں ہیں:

① روایات کا اختلاف، اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بعض احادیث میں یہ بات ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے کپڑوں سے اس کو دھو دیتی تھی اور آپ ﷺ نماز کے لئے جاتے تھے اس حال میں کہ آپ ﷺ کے کپڑوں پر پانی کا اثر ہوتا تھا جبکہ دوسری احادیث میں ہے کہ میں منی کو آپ ﷺ کے کپڑوں سے محض کھرچتی تھی ② جسم سے خارج ہونے والی کچھ اشیاء نجس ہیں مثلاً بول و براز وغیرہ اور کچھ اشیاء طاہر و پاک ہیں مثلاً دودھ، ناک کی رینٹھ وغیرہ۔ اب یہ معلوم نہیں کہ منی کن اشیاء میں سے ہے۔

**الشق الثانی** ......عن عبدالله بن مغفل قال: قال رسول الله ﷺ: بين كل أذانين صلاة، قالها ثلاثا، قال في الثالثة: لمن شاء، عن عبدالله بن مغفل عن النبي ﷺ مثله الا أنه قال في الرابعة: لمن شاء.

انكر معنى الحديث وادفع التعارض الواقع بين الحديثين. ماهو حكم الركعتين قبل المغرب عند الفقهاء. انكر أدلتهم على ماذهبوا اليه. (ص ۱۴۲۸ھ۔ ج۔ ۱ق۔ ل)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال کا حاصل چار امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) احادیث سے رفع تعارض (۳) مغرب سے پہلے دو رکعت نفل پڑھنے میں اختلاف (۴) ائمہ کے دلائل۔

**جواب** ...... **① حدیث کا ترجمہ:-** حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر اذان و اقامت کے درمیان نماز ہے، آپ ﷺ نے تین مرتبہ یہ ارشاد فرمایا اور تیسری مرتبہ میں ارشاد فرمایا کہ (یہ نماز) اس شخص کے لئے ہے جو پڑھنا چاہے۔ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے اسی طرح نقل کرتے ہیں مگر انہوں نے نقل کیا کہ چوتھی مرتبہ میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ نماز اس شخص کے لئے ہے جو پڑھنا چاہے۔

**② احادیث سے رفع تعارض:-** حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث اول (قال في الثالثة) اپنی حقیقت پر ہے اور حدیث ثانی (قال في الرابعة) میں تاویل کی جائے گی کہ یہاں مطلق قول مراد ہے کہ آپ ﷺ نے تین مرتبہ بين كل اذانين صلوة کہنے کے بعد چوتھا قول صرف لمن شاء کہا، لہٰذا اب کوئی تعارض نہیں ہے۔

**③ مغرب سے پہلے دو رکعت نفل پڑھنے میں اختلاف:-** صلوٰۃ قبل المغرب میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ سے اس بارے میں دو قول مروی ہیں، علامہ نووی رحمہ اللہ نے استحباب کا قول جبکہ شارح مسلم نے جواز کا قول نقل کیا ہے، اسی طرح امام احمد رحمہ اللہ سے بھی دو روایتیں ہیں، امام ترمذی رحمہ اللہ نے استحباب جبکہ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے جواز کا قول نقل کیا ہے۔ حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک رکعتین قبل المغرب مکروہ ہے۔

**④ ائمہ کے دلائل:-** حنفیہ و مالکیہ کے دلائل ① سنن دار قطنی، بیہقی اور مسند بزار کی روایت ہے جس میں حدیث الباب (بين كل اذانين صلوة لمن شاء) کے ساتھ ماخلا صلوة المغرب کے الفاظ سے استثناء موجود ہے۔ یہ حدیث حنفیہ

دلیل ہونے کے ساتھ ساتھ شوافع وحنابلہ کی دلیل کا جواب بھی ہے۔ ② ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے عن طاؤس قال سئل ابن عمر عن الرکعتین قبل المغرب فقال ما رأیت احدا علی عہد رسول اللہ ﷺ یصلیہما ورخص فی الرکعتین بعد العصر۔ ③ آثار السنن میں ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کی روایت ہے قال لم یصل ابوبکر ولا عمر ولا عثمان قبل المغرب رکعتین۔

شوافع وحنابلہ کے دلائل: ① حدیث الباب بین کل اذانین صلوۃ لمن شاء ہے۔ ② بخاری میں حضرت عبداللہ مزنی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے عن النبی ﷺ قال صلوا قبل صلوۃ المغرب قال فی الثالثة لمن شاء کراھیة ان یتخذھا الناس سنة۔ ③ بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے قال کان المؤذن اذا اذن قام ناس من اصحاب النبی ﷺ یبتدرون السواری حتی یخرج النبی ﷺ وھم کذلک یصلون رکعتین قبل المغرب ولم یکن بین الاذان والاقامة شیئ۔ ④ ابوداؤد میں روایت ہے عن انس بن مالک قال صلیت الرکعتین قبل المغرب علی عہد رسول اللہ ﷺ قال قلت لانس اراکم رسول اللہ ﷺ قال نعم رآنا فلم یامرنا ولم ینہنا۔

ان مجموعہ سے رکعتین قبل المغرب کا جواز ثابت ہوتا ہے، اسی بناء پر متاخرین حنفیہ میں سے شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ نے جواز کے قول کو ترجیح دی ہے، حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو اختیار کرتے ہوئے فرمایا کہ روایات کے ذریعہ رکعتین قبل المغرب کے استحباب کی نفی تو ثابت ہوتی ہے لیکن ان کو مکروہ یا بدعت کہنے کا کوئی جواز نہیں۔

بہرحال رکعتین قبل المغرب روایات کی رو سے جائز ہیں مگر ان کا ترک افضل معلوم ہوتا ہے جس کی دو وجوہ ہیں: ① احادیث میں تعجیل مغرب کی تاکید بڑی اہمیت کے ساتھ وارد ہوئی ہے اور یہ رکعتین اس کے منافی ہیں۔ ② صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اکثریت یہ رکعتیں نہیں پڑھتی تھی اور احادیث کا صحیح مفہوم تعامل صحابہ ہی سے ثابت ہوتا ہے۔ چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عام طور سے ان کو ترک کیا ہے اس لئے ان کا ترک ہی بہتر معلوم ہوتا ہے، البتہ کوئی پڑھے تو وہ بھی قابل ملامت نہیں۔ واللہ اعلم (درس ترمذی ج۱ ص۴۳۰)

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۲ھ

**الشق الاول** ......عن قبیصة بن مخارق الهلالی قال: تحملت حمالة، فأتیت رسول الله ﷺ أسأله فیها فقال أقم حتی تأتینا الصدقة فنأمر لك بها قال: ثم قال: یاقبیصة ان المسألة لاتحل الا لأحد ثلاثة رجل تحمل حمالة فحلت له المسألة حتی یصیبها ثم یمسك، ورجل أصابته جائحة اجتاحت ماله فحلت له المسألة حتی یصیب قواما من عیش أو قال سدادا من عیش ورجل أصابته فاقة حتی یقول ثلاثة من ذوی الحجی من قومه: لقد أصابت فلانا فاقة فحلت له المسألة حتی یصیب قواما من عیش أو قال سدادا من عیش فما سواهن من المسألة یا قبیصة سحتا یأکلها صاحبها سحتًا. (ص۳۳۳-ج۱-قدیمی)

ترجم الحدیث واشرحه موجزا. لماذا نصب قوله "سحتا". اذکر أقوال العلماء فیمن تحل له الزکاة والمسألة بتفصیل

﴿خلاصہ سوال﴾...... اس سوال کا حل چار امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی تشریح (۳) سحتا کے نصب کی وجہ (۴) من تحل له الزکوة والسوال کی وضاحت۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت قبیصہ بن مخارق الہلالی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے (کسی امر کیلئے) چندہ جمع کرنے کا ارادہ اپنے اوپر لازم لیا تھا تو رسول اللہ ﷺ سے اسی بارے میں پوچھنے کیلئے حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا ٹھہر جاؤ کہ ہمارے

اے قبیصہ! تین آدمیوں کے علاوہ کسی کیلئے مانگنا جائز نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا: اے قبیصہ! تین آدمیوں کے علاوہ کسی کیلئے مانگنا جائز نہیں ... پاس صدقہ کا مال آجائے تو ہم تم کو دینے کا حکم دے دیں گے پھر آپ نے فرمایا: ... ایک وہ آدمی جس نے اپنے اوپر چندہ کا بوجھ ڈالا ہو تو اس کیلئے اتنی رقم پوری کرنے تک مانگنا جائز ہے پھر وہ رک جائے۔ دوسرا وہ آدمی جس کے مال کو کسی آفت نے ختم کر دیا ہو تو اس کیلئے اپنے گزر بسر تک یا گزر اوقات کے قابل ہونے تک مانگنا جائز ہے۔ تیسرا وہ آدمی ہے جس کے تین دن فاقہ میں گزر جائیں اور اس کی قوم میں سے تین کامل العقل آدمی اس بات کی گواہی دیں کہ فلاں آدمی کو فاقہ پہنچا ہے تو اس کیلئے گزر بسر کے قابل ہونے تک مانگنا جائز ہے۔ اے قبیصہ ان تین کے علاوہ مانگنا حرام ہے اور مانگ کر کھانے والا حرام کھاتا ہے۔

❷ **حدیث کی تشریح:۔** حاصل حدیث یہ ہے کہ صرف تین آدمیوں کے لئے مانگنا اور سوال کرنا جائز ہے۔ ① جس نے اپنے ذمہ کوئی بھاری ذمہ داری لی ہو یا اس پر بھاری ذمہ داری آن پڑی ہو مثلاً کسی کے درمیان مصالحت کے لئے کوئی رقم اپنے ذمہ لازم کر لی یا دیت اس کے سر لازم ہوگئی تو اس مقررہ رقم تک مانگنا جائز ہے ② کسی مصیبت و آفت مثلاً کوئی سیلاب زلزلہ وغیرہ میں جس کا مال ہلاک ہو گیا تو گزر اوقات کے قابل ہونے تک مانگنا جائز ہے ③ جو انتہاء درجہ کا غریب و خاک نشین ہو کہ اس کے گھر میں فاقوں تک نوبت پہنچ چکی ہے تو اس کے لئے بھی اپنے گزر بسر کے قابل ہونے تک مانگنا جائز ہے۔

❸ **سحتا کے نصب کی وجہ:۔** امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مسلم کے علاوہ بقیہ کتب میں **سحت** ہے جو کہ واضح ہے اور مسلم کی عبارت **سحتا** کے مطابق یہاں عبارت پوشیدہ ماننی پڑے گی۔ اصل عبارت **اعتقدہ سحتا یوکل سحتا** ہے۔ اس صورت میں یہ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

❹ **من تحل له الزكوة والسوال کی وضاحت:۔** جس شخص کے پاس بقدر نصاب مال موجود ہو اور وہ مال نامی بھی ہو تو اس پر سال گزرنے پر زکوۃ واجب ہے اور ایسے شخص کے لئے زکوۃ لینا جائز نہیں۔ اور جس شخص کے پاس مال تو بقدر نصاب ہو لیکن وہ نامی نہ ہو ایسے شخص پر زکوۃ واجب نہیں لیکن اس کیلئے زکوۃ لینا بھی جائز نہیں اور اس پر قربانی اور صدقۃ الفطر واجب ہے۔

جس شخص کے پاس مال غیر نامی بھی بقدر نصاب نہ ہو اس کے لئے زکوۃ وصول کرنا جائز ہے لیکن سوال کرنا اس کے لئے بھی جائز نہیں جب تک کہ اس کے پاس **قوت یوم و لیلة** موجود ہو، البتہ جس شخص کے پاس ایک دن اور ایک رات کی غذا کا بھی انتظام نہ ہو تو اس کے لئے سوال کرنا جائز ہے، یہ حنفیہ کا مسلک ہے۔

البتہ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کے پاس پچاس درہم سے کم ہوں اس کے لئے سوال جائز ہے۔ وہ ترمذی کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں آنحضرت ﷺ نے **ومایغنیه** کی تفسیر **خمسون درهما** سے کی ہے اور ہماری دلیل ابوداؤد رحمہ اللہ کی روایت ہے جس میں مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ سے سوال کیا گیا **وما الغنى الذي لا ينبغي معه المسألة قال قدر ما يغديه ويعشيه** نیز **باب ماجاء من لاتحل له الصدقة** ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوعاً مروی ہے **لاتحل الصدقة لغني ولا لذي مرة سوي**، اس حدیث میں **ذی مرّة** کے معنی صاحب قوت اور "**سوی**" کے معنی سلیم الاعضاء کے ہیں جسکا تقاضا یہ ہے کہ تندرست اور توانا شخص کے لئے کسی حال میں بھی سوال جائز نہیں لیکن ابوداؤد رحمہ اللہ کی حدیث نے اس میں تخصیص پیدا کر دی اور سوال صرف اس شخص کے لئے جائز ہو گیا جس کے پاس **قوت یوم ولیلة** بھی موجود نہ ہو۔

جہاں تک ترمذی کی حدیث کا تعلق ہے اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس شخص کے پاس پچاس درہم ہوں اسکے لئے سوال جائز نہیں لیکن جس شخص کے پاس اس سے کم ہوں اس کے لئے سوال کی اجازت اور عدم اجازت سے اس حدیث میں سکوت ہے جبکہ ابوداؤد کی حدیث نے اس کی پوری حد مقرر کر دی۔ (درس ترمذی ج ۲ ص ۲۷۵)

**الشق الثانی** ......عن ابن عباس أن النبی ﷺ قال: الأیم أحق بنفسها من ولیها والبکر تستأذن فی نفسها وإذنها صماتها. (ص۴۵۵ ج۱ قدیمی) ترجم الحدیث. هل ینعقد النکاح بعبارة النساء بغیر ولی أم لا؟ اذکر مذاهب العلماء مع أدلتهم علی ذلک مع بیان مذهب المختار عند الحنفیة فی ضوء البراهین والأدلة.

**﴿خلاصۂ سوال﴾** ......اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) نکاح بعبارۃ النساء بغیر ولی میں اختلاف (۳) ائمہ کے دلائل (۴) دلائل کے ذریعہ حنفیہ کی وجہ ترجیح۔

**جواب** ......❶ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ثیبہ اپنے نفس کی ولی سے زیادہ حق دار ہے اور باکرہ سے اجازت لی جائے گی اس کے بارے میں اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے۔

❷ نکاح بعبارۃ النساء بغیر ولی میں اختلاف:۔ جمہور کے نزدیک عبارات نساء سے نکاح منعقد نہیں ہوتا بلکہ ولی کی تعبیر ضروری ہے اور اس میں صغیرہ و کبیرہ، باکرہ و ثیبہ اور عاقلہ و مجنونہ سب برابر ہیں۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عبارات نساء سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے بشرطیکہ عورت آزاد، عاقلہ بالغہ ہو۔ البتہ ولی کا ہونا مندوب و مستحب ہے۔

❸ و ❹ ائمہ کے دلائل اور وجہ ترجیح:۔ جمہور کی دلیل: ① حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے لا نکاح الا بولی۔
② حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے ایما امرأة نکحت بغیر اذن ولیها فنکاحها باطل فنکاحها باطل فنکاحها باطل۔

حنفیہ کے دلائل: ① یہ آیت کریمہ ہے واذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فلا تعضلوهن ان ینکحن ازواجهن اس میں نکاح کی نسبت عورت کی طرف کی گئی ہے۔ نیز اس میں اولیاء کو نکاح عورت کے معاملے میں مداخلت سے منع کیا گیا ہے۔ ② یہ آیت کریمہ ہے فاذا بلغن اجلهن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسهن بالمعروف، اس میں فعلن فی انفسهن سے واضح معلوم ہو رہا ہے کہ نکاح عورت کا فعل ہے اور اس کی عبارت سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ ③ یہ آیت کریمہ ہے فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره، اس میں بھی نکاح کی نسبت عورت کی طرف ہے۔ ④ بخاری و موطا امام مالک کی روایت ہے کہ ایک عورت نے آنحضرت ﷺ پر اپنے نفس کو پیش کیا، آپ ﷺ نے سکوت فرمایا پھر ایک صحابی رضی اللہ عنہ کی درخواست پر ان سے نکاح کر دیا اور اس میں عورت کا کوئی ولی موجود نہیں تھا۔ ⑤ یہ حدیث الباب ہے۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی احادیث کا جواب ① یہ دونوں روایات سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں۔ ② یہ اس صورت پر محمول ہیں جبکہ عورت نے ولی کے بغیر غیر کفو میں نکاح کیا ہو اور حسن بن زیاد رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بھی اس صورت میں نکاح باطل ہے۔ ③ لا نکاح الا بولی میں کمال کی نفی ہے نفس نکاح کی نہیں اور فنکاحها باطل میں باطل سے مراد بے فائدہ ہے۔ ④ یہ ہے کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو کہ اس حدیث کی راویہ ہیں وہ بغیر ولی نکاح کے جواز کی قائل ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ حنفی مذہب متفرد ہونے کے باوجود نہایت مضبوط، قوی اور راجح ہے۔ (درس ترمذی ج۳ ص۳۴۳)

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۲ھ

**الشق الأول** ......أن عبدالله بن عمر قال: سمعت رسول الله ﷺ یقول: انطلق ثلاثة رهط ممن كان قبلكم حتى آواهم المبيت إلى غار، واقتص الحديث بمعنى حديث نافع عن ابن عمر، غير أنه قال: قال رجل منهم اللهم كان لي أبوان شيخان كبيران فكنت لا أغبق قبلهما أهلاً ولا مالاً..... (ص۳۵۳ ج۲ قدیمی)

ترجم العبارة واذکر قصة الحدیث. اذکر أنواع التوسل الجائز منه وغیر الجائز مع أدلة العلماء علی ما ذهبوا إلیه.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) قصۂ حدیث کی وضاحت (۳) توسل کی جائز و ناجائز انواع مع الدلائل۔

**جواب** ...... ❶ عبارت کا ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ تم سے پہلے لوگوں میں سے تین آدمی چلے، یہاں تک کہ انہوں نے رات گزارنے کے لئے ایک غار میں پناہ لی۔ باقی حدیث کو انہوں نے حدیث نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ کی طرح بیان کیا۔ علاوہ اس بات کے کہ فرمایا ان میں سے ایک آدمی نے کہا اے اللہ! میرے والدین بہت بوڑھے تھے اور میں ان سے پہلے اپنے اہل و عیال وغلاموں کو دودھ نہ پلاتا تھا۔

❷ قصۂ حدیث کی وضاحت:۔ بنی اسرائیل کا یہ واقعہ ہے کہ تین آدمی کسی راستے پر جا رہے تھے کہ اچانک بارش آ گئی تو انہوں نے پہاڑ کے ایک غار میں پناہ لی اتفاقاً پہاڑ کے ایک پتھر کے گرنے سے غار کا منہ بند ہو گیا انہوں نے مل کر پتھر کو ہٹانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ اتنا وزنی تھا کہ اپنی جگہ سے ذرا بھی نہ ہٹا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ اپنے اپنے نیک اعمال کو دیکھو اور خالص اللہ کی رضا کیلئے کئے ہوئے اپنے کسی نیک عمل کے ذریعے دعا مانگو، شاید اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو ٹال دے۔ ایک نے کہا اے پروردگار! میرے والدین بہت بوڑھے تھے اور میں جنگل میں بکریاں چراتا تھا جب میں شام کو واپس آتا تو ان کا دودھ نکالتا اور سب سے پہلے اپنے والدین کو دودھ پلاتا۔ ایک دن تاخیر ہو گئی اور میرے والدین سو چکے تھے میں نے پہلے کی طرح دودھ نکالا اور دودھ لے کر ان کے سرہانے کھڑا ہو گیا اور میں نے نیند کی وجہ سے ان کو اٹھانا پسند نہ کیا اور بچے میرے پاؤں میں روتے رہے مگر میں نے والدین سے پہلے ان کو پلانا گوارا نہ کیا۔ اگر یہ عمل صرف تیری رضا کے لئے تھا تو اس مصیبت کو ٹال دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس پتھر کو تھوڑا ہٹا دیا۔ پھر دوسرے نے کہا اے پروردگار! میری ایک چچازاد بہن تھی اور میں اس سے محبت کرتا تھا ایک دن میں نے اس سے بدکاری کی خواہش ظاہر کی تو اس نے ایک سو دینار لانے کا مطالبہ کیا میں نے بڑی محنت سے سو دینار جمع کئے، جب اس کے پاس گیا اور جماع کا ارادہ کیا تو اس نے کہا اے اللہ کے بندے اللہ سے ڈر اور مہر کو اس کے حق نکاح کے بغیر نہ کھول، میں یہ سن کر کھڑا ہو گیا۔ اے پروردگار! تو جانتا ہے کہ یہ عمل صرف تیری رضا کے لئے تھا تو اس مصیبت کو ٹال دے تو اللہ تعالیٰ نے پتھر کو تھوڑا سا اور ہٹا دیا۔ پھر تیسرے آدمی نے کہا اے پروردگار! میں نے ایک مزدور کو مزدوری پر رکھا جب اس نے کام پورا کیا تو اس نے اپنے حق کا مطالبہ کیا، میں نے اسے حق دینا چاہا تو وہ منہ پھیر کر چلا گیا پس میں اس کے پیسے سے زراعت کرتا رہا، یہاں تک کہ اس سے حاصل ہونے والی آمدنی سے میرے پاس گائے اور ان کے چرواہے جمع ہو گئے۔ پس وہ مزدور میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اللہ سے ڈر اور میرے حق میں مجھ پر ظلم نہ کر، میں نے کہا وہ گائے اور ان کے چرواہے لے جاؤ تو اس مزدور نے کہا کہ مجھ سے مذاق نہ کرو، میں نے کہا میں تجھ سے مذاق نہیں کر رہا تو وہ گائے اور چرواہے لے کر چلا گیا۔ اے پروردگار! اگر یہ عمل تیری رضا کے لئے تھا تو اس پتھر کو ہٹا دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس پتھر کو ہٹا دیا اور وہ تینوں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنے اپنے راستے چل دیے۔

❸ توسل کی جائز و ناجائز انواع مع الدلائل:۔ وسیلہ کی دو قسمیں ہیں۔ وسیلہ بالاعمال: یہ بالاتفاق جائز و مستحسن ہے جیسے حدیث باب سے واضح ہے کہ تینوں نے اپنے اپنے اعمال کے وسیلے سے دعا کی جو قبول ہوئی اور نجات پائی۔

وسیلہ بالذات: اس کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں: ① کوئی شخص کسی نبی یا ولی کے وسیلے سے اس نظریے سے دعا کرے کہ یہ میری حاجت برآوری کریں گے اور ان کو اس بات پر قوت وقدرت ہے، مطلقاً اس پر یہ قادر ہیں، یہ صریح کفر ہے ② دعا کرنے والا کسی پیغمبر یا بزرگ کے وسیلے سے اس نظریے سے دعا کرے کہ یہ قادر مطلق تو نہیں لیکن اللہ نے ان کو کچھ امور سپرد کئے ہیں اب یہ اس میں متصرف ہے، یہ شرک ہے **هذا شرك بالاجماع** ۔ مشرکین مکہ کا یہی عقیدہ وعمل تھا **ما نعبدهم الا ليقربونا الى**

ﷲ زلفی ③ آدمی کسی رسول وولی کے وسیلے سے دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ تک میرا معاملہ و حاجت پہنچا دیں گے ھذا ایضا شرک ④ دعا میں انبیاء و اولیاء و شہداء اور صالحین کا وسیلہ اس نظریہ و عقیدے سے اپنائے کہ یا اللہ یہ تیرے محبوب بندے چنے ہوئے اور پسندیدہ ہیں انکی محبت اور قربت جو آپ سے ہے انکے وسیلے سے میری دعا قبول فرما یہ درست ہے، یہ مردوں اور زندہ دونوں سے جائز ہے۔ یہ بھی حقیقتاً اللہ تعالیٰ سے مانگنا ہے، بندے کے اس قرب کے ذریعے سے جو اسے اللہ تعالیٰ سے حاصل ہے ⑤ کسی بزرگ اور صالح آدمی کو یہ کہے کہ میرے لئے دعا فرما دیجئے اور نظریہ یہ ہو کہ یا اللہ کے مطیع و مقرب ہیں اللہ ان کی دعا قبول فرمائیں گے اور میرا کام ہو جائے گا یہ درست ہے اور یہ زندوں کے ساتھ خاص ہے۔

توسل کے جواز کی دلیل: ① بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں جب قحط سالی آتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے بارش طلب کرتے اور کہتے کہ اے اللہ! ہم تجھ سے تیرے نبی اور انکے چچا کے واسطہ و وسیلے سے دعا مانگتے ہیں کہ ہمیں سیراب فرما تو ان پر بارش برس پڑتی۔ ② ترمذی شریف میں حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک بینائی سے محروم شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آنکھوں کی عافیت کے لئے دعا کی درخواست کی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھی طرح سے وضو کر کے نماز پڑھ پھر ان الفاظ سے دعا مانگ: اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں اور نبی رحمت ﷺ کے وسیلے سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں اپنی اس حاجت میں تاکہ میری یہ حاجت پوری ہو جائے، اے اللہ میرے نبی ﷺ کو میری شفاعت کرنے والا بنا دے۔ ③ معجم صغیر و مجمع الزوائد میں حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک آدمی کسی ضرورت کی وجہ سے بار بار انکے پاس آیا مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عدم فرصت کی وجہ سے اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور اس کی ضرورت پر غور نہ کیا تو اتفاقاً اس کی ملاقات راوی حدیث حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے ہوگئی اس آدمی نے اپنا دکھڑا سنایا تو حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فکر نہ کرو، جاؤ وضو کر کے دو رکعت نفل پڑھو اور پھر یہ دعا کرو اے اللہ! میں آپ سے اپنی حاجت کے پورا ہونے کا سوال کرتا ہوں، اور نبی رحمت ﷺ کے وسیلے سے آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ پس معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے توسل سے دعا مانگتے تھے۔ (افادات عثمانی ج ۲ ص ۶۹۳)

**الشق الثانی** ..... "عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَمَثَلِ الْخَامَةِ مِنَ الزَّرْعِ تُفَيِّئُهَا الرِّيْحُ تَصْرَعُهَا مَرَّةً وَ تَعْدِلُهَا أُخْرٰى، حَتّٰى تَهِيْجَ — فِيْ رِوَايَةٍ: حَتّٰى يَأْتِيَهُ أَجَلُهُ — وَ مَثَلُ الْكَافِرِ كَمَثَلِ الْأَرْزَةِ الْمُجْذِيَةِ عَلٰى أَصْلِهَا لَا يُصِيْبُهَا شَيْءٌ حَتّٰى يَكُوْنَ انْجِعَافُهَا مَرَّةً وَاحِدَةً".

شکل الحدیث ثم ترجمہ۔ حقق الکلمات المعلمۃ لغۃً و صرفاً شبہ فی الحدیث المؤمن بالخامۃ و الکافر بالارزۃ اوضح التشبیہ ووجہ التشبیہ؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ..... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ خط کشیدہ کلمات کی لغوی تحقیق ④ حدیث میں مذکور تشبیہ اور وجہ تشبیہ کی وضاحت۔

**جواب** ..... ❶ حدیث پر اعراب:۔ کما مر فی السوال آنفاً۔

❷ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن کی مثال کمزور و نرم گھاس (یا تازہ اگے ہوئے پودے) کی طرح ہے، ہوا اسے جھونکے دیتی رہتی ہے، کبھی اس کو گرا دیتی ہے اور کبھی سیدھا کر دیتی ہے حتی کہ وہ خشک ہو جاتا ہے (ایک روایت میں ہے حتی کہ اس کا وقت مقررہ آ جاتا ہے)۔ اور کافر کی مثال اس درخت کی طرح ہے جو اپنے تنے

پر سیدھا کھڑا رہتا ہے کوئی آفت وہوا اس کو نہیں گراتی، یہاں تک کہ وہ ایک ہی دفعہ جڑ سے اکھڑ جاتا ہے۔

❸ خط کشیدہ کلمات کی تحقیق:۔ اَلْخَامَةُ: یہ مفرد ہے، اس کی جمع خَامٌ، خَامَاتٌ ہے بمعنی تر وتازہ گھاس۔

تُفَيِّئُ: صیغہ واحد مؤنث غائب فعل مضارع معلوم از مصدر تَفْيِئَةٌ (تفعیل۔ اجوف ومہموز) بمعنی ہوا کا ٹہنیاں ہلانا۔

تَصْرَعُ: صیغہ واحد مؤنث غائب فعل مضارع معلوم از مصدر صَرْعًا (فتح) بمعنی پچھاڑنا وزمین پر گرانا۔

تَهِيجُ: صیغہ واحد مؤنث غائب فعل مضارع معلوم از مصدر هَيْجًا، هِيَاجًا (ضرب۔ اجوف) بمعنی خشک ہونا۔

اَلْأَرْزَةُ: اسم ہے بمعنی قدآور وقوی درخت، بعض نے کہا کہ صنوبر کا درخت۔ (انعامات)

اَلْمُجْذِيَةُ: صیغہ واحد مؤنث بحث اسم فاعل از مصدر اِجْذَاءً (افعال) بمعنی کھینچنا۔

اِنْجِعَافٌ: باب انفعال کا مصدر ہے بمعنی جڑ سے اکھڑنا۔

❹ تشبیہ اور وجہ تشبیہ کی وضاحت:۔ مؤمن کو نرم کھیتی وتازہ گھاس کے ساتھ تشبیہ دی کہ ہوا اسے کبھی دائیں بائیں جھکا دیتی ہے اور کبھی بالکل زمین پر سلا دیتی ہے اور کبھی بالکل سیدھا کھڑا کر دیتی ہے، یہی حال مسلمان کا ہے کہ وہ مصائب وآلام، امراض، اعراض، مشقت وملامت میں گھرا رہتا ہے مگر آخرت کی راحت ونعمت کی امید پر صبر وشکر سے کام لیتا ہے اور کافر ومنافق کی مثال اس طویل درخت کی طرح ہے جو مضرت ومشقت سے بے نیاز سیدھا صحت مند کھڑا رہتا ہے، جب گرتا ہے تو ایک ہی دفعہ میں ختم اسی طرح کافر مصائب وآلام سے بے پرواہ زندگی گزارتا ہے، نہ گناہوں کی معافی تلافی اور نہ درجات کی بلندی وغیرہ۔ مہلبؒ نے اس تمثیل کی تشریح کی کہ مؤمن کے پاس جب حکم باری تعالیٰ آتا ہے تو وہ جھک جاتا ہے اور اطاعت کرتا ہے، پھر اگر بھلائی پہنچے خوش ہوتا ہے اور مشقت ومصیبت پہنچے تو اجر کی امید پر سہتا اور صبر کرتا ہے اور جب تکلیف چلی جائے تو شکر میں سیدھا ہو جاتا ہے۔ اور کافر پر ان میں سے کوئی حالت بھی نہیں آتی، بس دنیا میں سہولت اور آخرت میں صعوبت۔ وہ مضبوط کھڑا رہتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ ہلاکت کا ارادہ کریں تو یک لخت دھڑام سے گرتا ہے۔ (انعام المنعم)

## ﴿الورقة الثانية: صحيح الامام مسلم﴾

### ﴿السوال الاول﴾ ۱۴۳۳ھ

**الشق الاول** ...... عن عبدالله بن عمر عن رسول الله ﷺ أنه قال: يا معشر النساء تصدقن وأكثرن الاستغفار، فإني رأيتكن أكثر أهل النار، فقالت امرأة منهن جزلة: وما لنا يا رسول الله أكثر أهل النار؟ قال: تكثرن اللعن وتكفرن العشير وما رأيت من ناقصات عقل و دين أغلب لذي لب منكن. قالت: يا رسول الله وما نقصان العقل والدين؟ قال: أما نقصان العقل فشهادة امرأتين تعدل شهادة رجل فهذا نقصان العقل وتمكث الليالي ماتصلي وتفطر في رمضان فهذا نقصان الدين۔

حقق كلمة "جزلة" لغةً، أعرب (ترکیب کریں) جملة "ما رأيت من ناقصات عقل ودين اغلب لذي لب منكن". ترجم الحديث، واذكر أنواع الكفر مع تعريفها بايضاح ۔ هذا بعمومه يدل على أن جميع النساء ناقصات، وقد يعارضه قوله: "...... ولم يكمل من النساء الا ......" فما هو وجه التوفيق بينهما؟

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ پانچ امور ہیں: (۱) جزلة کی لغوی تحقیق (۲) ما رأيت من ناقصات عقل ودين الخ کی ترکیب (۳) حدیث کا ترجمہ (۴) کفر کی انواع مع تعریفات (۵) احادیث میں تطبیق۔

**الجواب** ...... ❶ **جزلۃ کی لغوی تحقیق:** جزلۃ ای ذات عقل ورأی، ابن درید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جزالہ عقل ووقار کو کہتے ہیں۔

❷ **ما رأیت من ناقصات عقل ودین الخ کی ترکیب:** ما رأیت فعل بافاعل من زائدہ ناقصات مضاف عقل ودین معطوف علیہ معطوف ملکر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ ملکر مفعول اول اغلب اسم تفضیل مع فاعل لذی لب مضاف مضاف الیہ ملکر جار ومجرور ہوکر متعلق اول منکن جار ومجرور ملکر متعلق ثانی، اسم تفضیل اپنے فاعل ودونوں متعلق سے ملکر شبہ جملہ ہوکر مفعول ثانی، فعل اپنے فاعل ودونوں مفعول سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

❸ **حدیث کا ترجمہ:** حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے عورتوں کی جماعت صدقہ کیا کرو اور استغفار کی کثرت کیا کرو اس لئے کہ میں نے تمہیں دیکھا ہے کہ اہل جہنم کی اکثریت عورتوں کی تھی، پس ان میں سے ایک عقلمند عورت نے کہا کہ: اے اللہ کے رسول! عورتوں کے جہنم کی اکثریت ہونے کی وجہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لعن طعن کی کثرت کرتی ہو اور خاوند کی ناشکری ونافرمانی کرتی ہو اور نہیں دیکھا میں نے عقل ودین کے اعتبار سے ناقص کو جو تم عورتوں سے زیادہ کسی عقلمند پر غلبہ پانے والا ہو، اس عورت نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہماری عقل ودین ناقص کیسے ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عقل کا نقصان: پس دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے اور یہی عقل کا نقصان ہے اور کئی روز تک تم کئی راتوں تک کہ نماز نہیں پڑھتی ہو اور روزے نہیں رکھتی ہو اور یہی دین کا نقصان ہے۔

❹ **کفر کی انواع مع تعریفات:** علماء نے کفر کی چار قسمیں بیان کی ہیں۔ ① کفر انکار: اس کو کہا جاتا ہے کہ دل میں بھی انکار ہو اور زبان پر بھی انکار ہو نہ دل میں تصدیق موجود ہو اور نہ زبان سے تسلیم واقرار پایا جائے جیسے عام کافروں کا کفر ہوتا ہے۔ ② کفر جحود: اس کو کہتے ہیں کہ دل سے وہ پہچانتا ہے، ایمان کی حقانیت سمجھتا ہے لیکن زبان سے انکار کرتا ہے جیسے ابلیس کا کفر، دل سے تو وہ سب کچھ جانتا ہے اور پہچانتا ہے لیکن زبان سے انکار کرتا ہے ③ کفر عناد: یہ ہے کہ دل سے بھی جانتا ہو اور زبان سے اقرار بھی کرتا ہو لیکن التزام طاعت وشریعت نہیں کرتا، استسلام وانقیاد باطنی کو قبول نہیں کرتا، اپنی باگ ڈور رسول کے حوالے کرنے کے لئے تیار نہیں، جس طرف وہ چلائیں اس طرف چلنے کے لئے آمادہ نہیں، جس طرح وہ کہیں اس طرح کرنے کے لئے راضی نہیں جیسے ابوطالب اور ہرقل کا کفر ④ کفر نفاق: یہ ہے کہ زبان سے تو اقرار کرتا ہے، التزام طاعت کا بھی اظہار کرتا ہے لیکن دل میں انکار موجود ہے دل سے قبول کرنے اور ماننے کے لئے تیار نہیں ہے جیسے عام منافقین کا کفر۔ (کشف الباری)

❺ **احادیث میں تطبیق:** بظاہر احادیث میں تعارض ہے اس لئے کہ یہاں پر تمام عورتوں کو ناقص العقل والدین کہا گیا ہے جبکہ دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند مخصوص عورتوں کے متعلق ارشاد فرمایا کہ وہ کامل ہیں۔

ان احادیث کے درمیان تطبیق یہ ہے کہ کامل عورتیں انتہائی قلیل ونادر ہیں اور ضابطہ ہے کہ القلیل کالمعدوم کہ قلیل ونادر کو کالعدم مانا کرتے ہیں۔ دوسری تطبیق یہ ہے کہ کسی چیز پر کسی حکم کے لگانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ حکم اس چیز کے افراد میں سے ہر ہر فرد کو لازم ہے بعض افراد اس سے خارج ومستثنیٰ بھی ہوسکتے ہیں، چند افراد کے خارج ہونے سے حکم کلی ختم نہیں ہوتا مثلاً یہ کہا جائے کہ فلاں علاقہ والے بڑے مہمان نواز ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس علاقہ والوں میں سے کوئی بھی بخیل نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں کی اکثریت سخی ومہمان نواز ہے، چند افراد کے بخیل ہونے سے حکم باطل نہیں ہوتا۔

**السؤال الرابع** ...... عن ابی سفیان قال سمعت جابرا یقول: سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول: ان بین الرجل

وبین الشرک والکفر ترک الصلاۃ (ص۶۱ ج۱ مسلم) ماھو حکم تارک الصلاۃ عمداً؟

اذکر اختلاف العلماء بأدلتھم۔ اذکر بعض الأحادیث التی تدل علی أھمیۃ الصلاۃ مع الجماعۃ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل دو امور ہیں (۱) تارک صلوٰۃ عمداً کا حکم مع الدلائل (۲) نماز باجماعت کی اہمیت پر دال احادیث۔

**جواب** ...... ❶ **تارک صلوٰۃ عمداً کا حکم مع الدلائل:** اگر تارک صلوٰۃ نماز کو اس بناء پر ترک کرے کہ وہ اس کی فرضیت کا منکر ہے تو وہ بالاتفاق کافر مباح الدم ہے۔ لیکن اگر وہ سستی و کاہلی کی وجہ سے نماز نہیں پڑھتا تو اس کے بارے میں علماء کے چار اقوال ہیں:

① امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور اکثر شوافع فرماتے ہیں کہ یہ شخص مرتد ہو گیا ہے اور ارتداد کی وجہ سے اس کو قتل کیا جائے گا۔

پہلی دلیل: یہ حدیث ہے ان بین الرجل وبین الشرک والکفر ترک الصلوٰۃ۔

دوسری دلیل: یہ حدیث ہے ان العھد الذی بیننا وبینھم الصلوٰۃ فمن ترکھا فقد کفر۔

② امام مالک و امام شافعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ تارک صلوٰۃ مرتد تو نہیں ہوا البتہ ترک صلوٰۃ کے جرم کی وجہ سے اس کو قتل کیا جائے گا۔

پہلی دلیل: یہ آیت کریمہ ہے اقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم وخذواھم واحصروھم واقعدوالھم کل مرصد فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ فخلوا سبیلھم ۔ اس آیت میں تخلیۂ سبیل کے لئے توبہ عن الشرک والکفر اور اقامت صلوٰۃ و ادائیگی زکوٰۃ کو لازم قرار دیا گیا ہے لہٰذا اگر کوئی نماز قائم نہیں کرے گا تو وہ قتل سے نہیں بچ سکے گا۔

دوسری دلیل: امرت ان اقاتل الناس حتی یشھدوا ان لا الہ الا اللہ الخ ہے۔ اس حدیث میں بھی قتال سے بچنے کیلئے شہادت، اقامت صلوٰۃ و ادائیگی زکوٰۃ کو لازم قرار دیا گیا ہے لہٰذا اگر کوئی اقامت صلوٰۃ نہیں کریگا وہ قتل سے نہیں بچ سکے گا۔

③ ابن شہاب زہری، امام ابوحنیفہ اور داؤد ظاہری رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ قال رسول اللہ ﷺ لا یحل دم امرئ مسلم یشھد ان لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ الا باحدی ثلاث النفس بالنفس والثیب الزانی والمفارق لدینہ التارک للجماعۃ یعنی تین صورتوں کے علاوہ کسی کی جان لینا جائز نہیں ہے۔

۱...... کوئی شخص دوسرے شخص کو قتل کر دے تو اسے قصاصاً قتل کیا جائیگا۔ ۲...... کوئی محصن ہو کر زنا کرے تو اسے رجم کیا جائیگا۔

۳...... کوئی دین اسلام سے پھر جائے تو ارتداداً قتل کیا جائے گا۔ بے نمازی نے مذکورہ امور میں سے کوئی امر نہیں کیا لہٰذا اسے قتل نہیں کیا جائے گا البتہ قید کیا جائے گا تاوقتیکہ ترک صلوٰۃ سے توبہ کر لے یا پھر قید میں ہی ختم ہو جائے۔

④ ابو محمد ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نماز نہ پڑھنا ایک امر منکر ہے اور منکر کا ازالہ من رای منکم منکرًا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ کی وجہ سے واجب ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ مرتکب منکر کو تادیبی سزا دی جائے اور ہر ترک صلوٰۃ پر دس کوڑے لگائے جائیں۔

جواب: حنفیہ کی طرف سے مذکورہ دلائل قتل کا جواب یہ ہے کہ آیت کریمہ میں قتل سے مراد قتال ہے اور اس پر پہلا قرینہ احادیث قتال ہیں کہ قتال کا حکم ہے اور قتال کے جواز سے قتل جائز نہیں ہوتا، کیونکہ قتال کا معنی لڑائی کرنا ہے اور قتل کا معنی جان سے مار ڈالنا ہے گویا لڑائی کی اجازت ہے قتل کی نہیں۔ دوسرا قرینہ یہ ہے کہ تارک زکوٰۃ کے قتل کا کوئی بھی قائل نہیں ہے حالانکہ اس آیت کی روشنی میں اسے بھی قتل کرنا چاہیے پس معلوم ہوا کہ آیت اور حدیث میں قتال کا حکم ہے۔ (کشف الباری ج۲ ص۱۳۲)

❷ **نماز باجماعت کی اہمیت پر دال احادیث:** ① عن ابن عمر قال رسول اللہ ﷺ: صلوٰۃ الجماعۃ تفضل علی صلوٰۃ الرجل وحدہ بسبع وعشرین درجۃ (ترمذی) ② عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ

قال: ان صلوۃ الرجل فی الجماعۃ تزید علی صلوتہ وحدہ بخمس وعشرین جزءً۔ (ترمذی) ⑦عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال لقد ہممت ان آمر فتیتی ان یجمعوا حزم الحطب ثم آمر بالصلوۃ فتقام ثم احرق علی اقوام لایشہدون الصلوۃ۔ (ترمذی)

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۲۲ھ

**الشق الاول**...... عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ امْرَأَةً أَتَتْ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ فَقَالَ: إِنَّ أُمِّيْ مَاتَتْ وَعَلَيْهَا صَوْمُ شَهْرٍ، فَقَالَ: أَرَأَيْتِ لَوْكَانَ عَلَيْهَا دَيْنٌ أَكُنْتِ تَقْضِيْنَهُ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، قَالَ: فَدَيْنُ اللّٰہِ أَحَقُّ بِالْقَضَاءِ۔ (ص ۳۶۲ج۱ قدیمی)

شکل الحدیث بالضبط وترجمہ الی الأردیۃ ۔ھل یجوز الصیام عن المیت أم لا؟ اذکر اختلاف العلماء بدلائلھم

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) میت کی طرف سے روزہ رکھنے میں اختلاف مع الدلائل۔

**جواب**...... ❶ <u>حدیث پر اعراب:</u> کمامرّ فی السوال آنفا۔

❷ <u>حدیث کا ترجمہ:</u> حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئی اور عرض کیا کہ میری والدہ وفات پا گئی ہے اور اس کے ذمہ ایک مہینہ کے روزے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا خیال ہے تیرا کہ اگر اس کے ذمہ کسی کا قرض ہوتا تو تو اس کو ادا کرتی؟ اس نے کہا: جی ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا دَین وقرض ادائیگی کا زیادہ حقدار ہے۔

❸ <u>میت کی طرف سے روزہ رکھنے میں اختلاف مع الدلائل:</u> حنفیہ رحمہم اللہ کے نزدیک نیابت کے متعلق اصول یہ ہے کہ جو عبادات محض مالی ہیں ان میں نیابت درست ہے، اور جو عبادات محض بدنی ہیں ان میں نیابت درست نہیں ہے اور جو عبادات مالی و بدنی کا مجموعہ ہیں مثلاً حج بیت اللہ ان میں عند العجز نیابت درست ہے بلا عجز نیابت درست نہیں ہے۔

عبادت بدنی محض میں ائمہ کا اختلاف ہے، امام احمد واسحاق رحمہما اللہ کے نزدیک عبادات بدنیہ مثلاً صوم وصلوۃ میں بھی نیابت جاری ہوتی ہے اور جمہور رحمہم اللہ کے نزدیک خالص بدنی عبادات میں نیابت جاری نہیں ہوتی۔

جمہور رحمہم اللہ کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے قال لا یصلی احد عن احد و لا یصوم احد عن احد۔ نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعامل بھی اسی کی تائید کرتا ہے کیونکہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے منقول نہیں ہے کہ اس نے کسی میت کی طرف سے نماز پڑھی ہو یا روزہ رکھا ہو۔

امام احمد وامام اسحاق رحمہما اللہ کی دلیل وہ طویل حدیث ہے جس میں ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا تھا قالت یا رسول اللہ ﷺ کان علیھا صوم شھرا فاصوم عنھا؟ قال صومی عنھا، قالت یا رسول اللہ! انھا لم تحج قط، افاحج عنھا؟ قال نعم حجی عنھا، اس سے استدلال کرتے ہوئے امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عبادات بدنیہ میں بھی نیابت درست ہے۔

جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ اوپر والی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ذریعہ یہ حدیث منسوخ ہے یا اس صحابیہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیت ہے، یا مطلب یہ ہے کہ روزے اپنی طرف سے رکھوا اور اس کا ثواب اپنی والدہ کو پہنچا دو۔ (درس ترمذی ج ۲ ص ۲۹۱)

**الشق الثانی**...... عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَ: قُلْتُ لَهَا: إِنِّيْ لَأَظُنُّ رَجُلًا لَوْ لَمْ يَطُفْ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ مَا ضَرَّهُ، قَالَتْ: لِمَ؟ قُلْتُ: لِأَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ: إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ ...... إِلٰى آخِرِ الْآيَةِ، فَقَالَتْ: مَا أَتَمَّ اللّٰهُ حَجَّ امْرِئٍ وَلَا عُمْرَتَهُ لَمْ يَطُفْ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، وَلَوْكَانَ كَمَا تَقُوْلُ لَكَانَ: فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ لَا يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَهَلْ تَدْرِيْ فِيْمَا كَانَ ذَاكَ؟ إِنَّمَا كَانَ ذَاكَ أَنَّ الْأَنْصَارَ

كَانُوا يُهِلُّونَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ لِصَنَمَيْنِ عَلَى شَطِّ الْبَحْرِ، يُقَالُ لَهُمَا: إِسَافٌ وَنَائِلَةُ، ثُمَّ يَجِيئُونَ فَيَطُوفُونَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، ثُمَّ يَحْلِقُونَ، فَلَمَّا جَاءَ الْإِسْلَامُ كَرِهُوا أَنْ يَطُوفُوا بَيْنَهُمَا لِلَّذِي كَانُوا يَصْنَعُونَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، قَالَتْ: فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ إِلَى آخِرِهَا. قَالَتْ: فَطَافُوا.

ترجم الحديث بعد الشكل. اذكر حكم السعي بين الصفا والمروة هل هو ركن أم لا؟ اذكر أدلتهم وترجيح ملعو الراجح لديك. اشرح الحديث بحيث يظهر اشكال عروة وإجابة سيدتنا عائشة۔ (ص ۱۴۳۳ھ)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ..... اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) سعی کے رکن ہونے میں اختلاف مع الدلائل والترجیح (۴) حدیث کی تشریح۔

**جواب** ..... ❶ حدیث پر اعراب:۔ كما مرّ في السؤال آنفا۔

❷ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ ﷞ سے عرض کیا کہ میرا خیال ہے کہ کوئی آدمی اگر صفا و مروہ کے درمیان طواف (سعی) نہ کرے تو کوئی نقصان نہیں۔ حضرت عائشہ ﷞ نے فرمایا کیوں؟ میں نے عرض کیا کہ (قرآن مجید) میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صفا اور مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں تو جو آدمی بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو کوئی حرج نہیں کہ صفا و مروہ کے درمیان طواف (سعی) کرے۔ حضرت عائشہ ﷞ فرماتی ہیں کہ کسی آدمی کا حج اور عمرہ پورا ہوگا جب تک کہ وہ صفا و مروہ کے درمیان طواف (سعی) نہ کرے اور اگر اس طرح سے ہے جیسا کہ تو کہتا ہے تو (اللہ اس طرح فرماتے) فلا جناح عليه ان لايطوف بهما (ترجمہ) کوئی حرج نہیں جو صفا و مروہ کے درمیان طواف (سعی) نہ کرے اور کیا تجھے معلوم ہے کہ اس کا شان نزول کیا ہے؟ اسکا شان نزول یہ ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں سمندر کے ساحل پر انصار دو بتوں کے نام احرام باندھتے تھے ان بتوں کو اساف اور نائلہ کہا جاتا ہے پھر وہ آتے اور صفا و مروہ کے درمیان طواف (سعی) کرتے پھر حلق کراتے (یعنی سر منڈاتے) تو جب اسلام آیا تو انہوں نے ناپسند کیا کہ صفا و مروہ کے درمیان طواف (سعی) کریں اس وجہ سے کہ جاہلیت کے زمانہ میں وہ اس طرح کرتے تھے۔ حضرت عائشہ ﷞ فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی ان الصفا والمروة من شعائر الله (ترجمہ) صفا و مروہ اللہ تعالیٰ کے شعائر میں سے ہے۔ حضرت عائشہ ﷞ فرماتی ہیں کہ پھر انہوں نے سعی کی۔

❸ سعی کے رکن ہونے میں اختلاف مع الدلائل والترجیح:۔ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا واجب ہے یا رکن ہے تو اس بارے میں اختلاف ہے۔ چنانچہ ہمارے نزدیک رکن نہیں ہے بلکہ واجب ہے اور یہ امام شافعی ﷫ کے نزدیک رکن ہے۔ یہی امام مالک ﷫ اور امام احمد ﷫ کا قول ہے۔ امام شافعی کی دلیل یہ حدیث ہے ان الله تعالى كتب عليكم السعي فاسعوا یعنی اللہ نے تم پر سعی کرنا لکھ دیا ہے سو تم سعی کرو اور لکھ دینا فرض اور رکن میں مستعمل ہے اس لئے سعی کرنا رکن ہوگا۔

ہماری دلیل باری تعالیٰ کا قول فلا جناح عليه ان يطوف بهما ہے۔ اس آیت سے استدلال اس طور پر ہوگا کہ لاجناح کا استعمال اباحت کیلئے ہوتا ہے جیسا کہ باری تعالیٰ کا قول لا جناح عليكم فيما عرضتم به من خطبة النساء میں لاجناح اباحت پر دلالت کرتا ہے اور جو لفظ اباحت کیلئے مستعمل ہو وہ رکن اور ایجاب کی نفی کر دیتا ہے تو بظاہر آیت سے ثابت ہوا کہ سعی بین الصفا والمروہ نہ رکن ہے اور نہ واجب ہے لیکن ایجاب کے حق میں ہم نے ظاہر آیت سے عدول کر لیا۔ یعنی ظاہر آیت تو اس پر دلالت کرتی ہے کہ سعی بین الصفا والمروۃ واجب بھی نہ ہو مگر ہم نے اس پر عمل کرنے کو ترک کر دیا ہے۔ اسلئے کہ حدیث ان الله كتب عليكم السعي فاسعوا خبر واحد ہے اور خبر واحد زیادہ سے زیادہ وجوب پر دلالت کرتی ہے۔

دوسری وجہ: یہ ہے کہ اس آیت کا اول ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ ہے اور شعائر، شعیرۃ کی جمع ہے اور شعیرۃ علامت کو کہتے ہیں اور علامت دین فرض ہوتی ہے اسلئے آیت کا یہ حصہ سعی کے فرض ہونے پر دلالت کرتا ہے اور اسی آیت کا آخری حصہ فلاجناح علیہ ان یطوف بھما سعی کے مباح ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ پس ہم نے دونوں پر عمل کیا اور وجوب کے قائل ہو گئے۔ اسلئے کہ واجب عملا اور اعتقادا تو فرض نہیں ہوتا البتہ عملا فرض ہوتا ہے۔ تیسری وجہ: یہ ہے کہ ایجاب کی نفی پر عمل کرنے کو اجماع کی وجہ سے ترک کیا ہے کیونکہ سعی بین الصفا والمروۃ کے مباح ہونے کا کوئی قائل نہیں ہے۔

سعی کے واجب ہونے اور رکن نہ ہونے پر ہماری دوسری دلیل یہ ہے کہ رکن ہونا دلیل قطعی سے ثابت ہوتا ہے اور دلیل قطعی نہیں پائی گئی۔ اس لئے سعی کا رکن ہونا ثابت نہ ہو سکے گا۔ امام شافعی رحمہ اللہ کی پیش کردہ حدیث ان اللہ کتب علیکم السعی فاسعوا کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سعی کا مستحب ہونا لکھ دیا ہے جیسا کہ دوسری آیت کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت میں ہے کہ موت کے وقت وصیت کرنا مستحب ہے نہ کہ فرض۔ پس جس طرح یہاں لفظ کتب علیکم استحباب کیلئے ہے اسی طرح مسئلہ سعی میں بھی لفظ کتب استحباب یعنی غیر فرض کیلئے ہوگا۔ (اشرف الہدایہ ج۳ ص۳۵۹)

❷ **حدیث کی تشریح:** حضرت عروہ رحمہ اللہ و حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اشکال و جواب کی وضاحت یہ ہے کہ حضرت عروہ رحمہ اللہ نے سعی کے عدم وجوب اور محض اباحت پر قرآن کریم کی آیت کریمہ ان الصفا والمروۃ الخ سے استدلال کیا کہ اس میں لاجناح کا لفظ مستعمل ہے جو کہ اباحت کی علامت ہے اگر سعی لازم ہوتی تو اسکے ترک پر وعید ذکر کی جاتی تو ترک پر عدم وعید اسکے مباح ہونے کی علامت ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ آیت وجوب اور عدم وجوب سعی کے متعلق خاموش ہے، آیت نے صرف فاعل سعی سے رفع اثم کی صراحت کی ہے جبکہ مباح ہونے کیلئے تارک سعی سے رفع اثم کی صراحت ضروری ہے۔

باقی اس تعبیر سے مقصود سائلین کے جواب کی مطابقت ہے اس لئے کہ مسلمان سائلین کا اشکال اور وہم یہ تھا کہ یہ سعی مشرک و کافر لوگ صفا و مروہ پر رکھے ہوئے بتوں کی وجہ سے کرتے تھے یہ کافروں کا عمل ہے، یہ ہمارے لئے مباح و جائز نہیں ہے بلکہ باعث گناہ ہے تو قرآن کریم نے اسی تعبیر کے ذریعہ واضح کر دیا کہ صفا و مروہ کی سعی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

الغرض اس آیت میں فاعل سعی سے گناہ کی نفی مقصود ہے، تارک سعی سے گناہ کی نفی مقصود نہیں ہے۔

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۲۲ھ

**الشق الاول** ......عَنْ يَزِيْدَ بْنِ هُرْمُزَ: أَنَّ نَجْدَةَ كَتَبَ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ يَسْأَلُهُ عَنْ خَمْسٍ خِلَالٍ، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: لَوْلَا أَنْ أَكْتُمَ عِلْمًا مَا كَتَبْتُ إِلَيْهِ، كَتَبَ إِلَيْهِ نَجْدَةُ: أَمَّا بَعْدُ: فَأَخْبِرْنِي هَلْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَغْزُو بِالنِّسَاءِ؟ وَهَلْ كَانَ يَضْرِبُ لَهُنَّ بِسَهْمٍ؟ وَهَلْ كَانَ يَقْتُلُ الصِّبْيَانَ؟ وَمَتَى يَنْقَضِي يُتْمُ الْيَتِيمِ؟ وَعَنِ الْخُمُسِ لِمَنْ هُوَ؟ فَكَتَبَ إِلَيْهِ ابْنُ عَبَّاسٍ: كَتَبْتَ تَسْأَلُنِي: هَلْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَغْزُو بِالنِّسَاءِ؟ وَقَدْ كَانَ يَغْزُو بِهِنَّ فَيُدَاوِينَ الْجَرْحَى وَيُحْذَيْنَ مِنَ الْغَنِيمَةِ وَأَمَّا بِسَهْمٍ فَلَمْ يَضْرِبْ لَهُنَّ وَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَمْ يَكُنْ يَقْتُلُ الصِّبْيَانَ، فَلَا تَقْتُلِ الصِّبْيَانَ وَكَتَبْتَ تَسْأَلُنِي: مَتَى يَنْقَضِي يُتْمُ الْيَتِيمِ؟ فَلَعَمْرِي إِنَّ الرَّجُلَ لَتَنْبُتُ لِحْيَتُهُ وَإِنَّهُ لَضَعِيفُ الْأَخْذِ لِنَفْسِهِ ضَعِيفُ الْعَطَاءِ مِنْهَا، فَإِذَا أَخَذَ لِنَفْسِهِ مِنْ صَالِحِ مَا يَأْخُذُ النَّاسُ: فَقَدْ ذَهَبَ عَنْهُ الْيُتْمُ وَكَتَبْتَ تَسْأَلُنِي عَنِ الْخُمُسِ لِمَنْ هُوَ؟ وَإِنَّا كُنَّا نَقُولُ: هُوَ لَنَا، فَأَبَى عَلَيْنَا قَوْمُنَا ذَاكَ. (ص۱۰۶ ج۲ قدیمی)

شکل الحدیث وترجمه الی الأردیة۔ انکر

**مصارف الخمس واختلاف العلماء فيها. ما معنى قوله: "فأبى علينا قومنا ذاك" اشرحه شرحا واضحا.**

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) خمس کے مصارف میں اختلاف (۴) فابی علینا قومنا ذاک کی تشریح۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث پر اعراب:۔** کمامرّ فی السوال آنفا۔

❷ **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت یزید بن ہرمز رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ نجدہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پانچ باتوں کے بارے میں پوچھنے کیلئے (خط) لکھا تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اگر مجھے علم چھپانے (پر عذاب) کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں نہ لکھتا۔ نجدہ نے ان کی طرف لکھا کہ آپ مجھے خبر دیں کیا رسول اللہ ﷺ عورتوں کو جہاد میں شریک کرتے تھے اور کیا آپ ان کیلئے (غنیمت میں) حصہ مقرر فرماتے تھے؟ اور کیا آپ بچوں کو قتل کرتے تھے؟ اور یتیم کی یتیمی کب ختم ہوتی ہے؟ اور مال غنیمت کا پانچواں حصہ کس کا حق ہے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی طرف (جواب) تحریر فرمایا: تو نے مجھ سے پوچھنے کیلئے لکھا، کیا رسول اللہ ﷺ عورتوں کو جہاد میں ساتھ لے جاتے تھے؟ تو تحقیق رسول اللہ ﷺ عورتوں کو جہاد میں ساتھ لیکر جاتے تھے اور وہ زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں اور انہیں مال غنیمت میں سے کچھ عطا بھی کیا جاتا تھا۔ بہر حال مال غنیمت میں سے ان کیلئے حصہ مقرر نہ کیا جاتا تھا اور رسول اللہ ﷺ بچوں کو قتل نہ کرتے تھے پس تو بھی بچوں کو قتل نہ کرنا اور تو نے مجھ سے پوچھنے کیلئے لکھا ہے کہ یتیم کی یتیمی کب ختم ہو جاتی ہے؟ تو میری عمر کی قسم بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی داڑھی نکل آتی ہے لیکن وہ اپنے لینے اور دینے میں کمزور ہوتے ہیں۔ پس جب وہ با سلیقہ لوگوں کی طرح اپنا فائدہ حاصل کرنے کے قابل ہو جائیں تو ان کی مدت یتیمی ختم ہو جائے گی اور تو نے مجھ سے مال غنیمت میں پانچویں حصے کے بارے میں پوچھنے کیلئے لکھا ہے کہ اس کا حقدار کون ہے؟ ہم کہا کرتے تھے کہ وہ ہمارا حق ہے لیکن قوم نے ہمیں یہ حق دینے سے انکار کر دیا۔

❸ **خمس کے مصارف میں اختلاف:۔** ① حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ خمس کے تین حصے کئے جائینگے، ایک حصہ یتامیٰ کا ہوگا، ایک حصہ مساکین کا اور ایک ابن السبیل کا۔ البتہ ابن السبیل کے تحت فقرائے ذوی القربیٰ بھی داخل ہیں اور اس معاملہ میں ان کو ترجیح دی جائے گی اور ذوی القربیٰ میں سے جو اغنیاء ہونگے ان کو اس میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ امام وقت اس تقسیم میں خود مختار ہوگا کسی کو دے یا نہ دے۔

ذوی القربیٰ میں قرابت سے مراد قرابت رسول ہے یعنی نبی اکرم ﷺ کے رشتہ دار وغیرہ۔ یہ خلفائے راشدین کا مذہب بھی ہے۔

② شوافع وحنابلہ رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ خمس کے پانچ حصے ہونگے جو ان لوگوں پر تقسیم ہونگے یتامیٰ، مساکین، ابن السبیل، ذوی القربیٰ اور رسول اللہ ﷺ۔ اب چونکہ نبی اکرم ﷺ وفات پاچکے تو ان کا حصہ مصالح مسلمین اور اسلحہ وغیرہ کی خریداری پر صرف ہوگا۔

پھر ان حضرات کے ہاں ذوی القربیٰ میں فقراء کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ اغنیائے ذوی القربیٰ بھی اس سہم کے مستحق ہونگے۔

ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہی مذہب عطاء، مجاہد، شعبی، نخعی، قتادہ اور ابن جریج رحمہم اللہ کا بھی ہے۔

③ مالکیہ کے نزدیک خمس، جزیہ، فئی، عشور اور خراج وغیرہ سب کا محل بیت المال ہے۔ امام وقت اپنی صوابدید کے مطابق ان کو مسلمانوں کے مصالح پر خرچ کرے گا لیکن اس میں نبی اکرم ﷺ کے خاندان یعنی بنو ہاشم کو ترجیح دی جائے گی اور ان کو بہت وافر مقدار میں اس سے عطا کیا جائیگا کہ وہ زکوٰۃ کا مال نہیں لے سکتے پھر عام مسلمانوں کے مختلف مصالح میں اس کو صرف کیا جائے گا جیسے مساجد، پلوں کی تعمیر اور غزوات وغیرہ۔ (کشف الباری کتاب الجہاد ج ۳ ص ۱۹۹)

❹ **فابی علینا قومنا ذاک کی تشریح:۔** اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ قوم نے خمس کو ہماری طرف پھیرنے سے انکار کر دیا اور انہوں نے خمس کو مصالح عامہ پر خرچ کرنا شروع کر دیا اور اس قوم سے مراد امراء بنو امیہ ہیں اسلئے کہ ابو داؤد کی روایت میں ہے

موجود ہے کہ نجدہ نے یہ سوالات حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے فتنہ کے موقع پر کئے تھے اور ان کا فتنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد ۶۱ھ میں پیش آیا تھا۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے اس قوم سے مراد یزید بن معاویہ ہو۔ (حاشیہ)

**الشق الثانی** ...... حدثنا بشر بن الحكم وابراهيم بن دينار وعبدالجبار بن العلاء ..... واللفظ لبشر ..... قالوا: حدثنا سفيان بن عيينة عن حميد الأعرج عن سليمان بن عتيق عن جابر: أن النبي ﷺ أمر بوضع الجوائح. قال أبو إسحاق ...... وهو صاحب مسلم ..... حدثنا عبدالرحمن بن بشر عن سفيان بهذا.

حقق كلمة: "الجوائح" لغة. انكر صور بيع الثمر على رؤوس الأشجار وقد أصابته آفة، وعين موضع الخلاف بين العلماء، واذكر اختلافهم وأدلتهم بإيضاح. (ص۱۴۳۶ھ)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) جوائح کی لغوی تحقیق (۲) درختوں پر پھلوں کی بیع کے بعد آفت پہنچنے کی صورتیں (۳) اختلافی صورت کی تعیین (۴) ائمہ کا اختلاف مع الدلائل۔

**جواب** ...... ❶ **جوائح کی لغوی تحقیق:** جوائح جائحة کی جمع ہے بمعنی آفت وضع الجوائح سے مراد یہ ہے کہ مشتری کے مبیع پر قبضہ کر لینے کے بعد اس پر کوئی آفت آ جائے تو بائع ثمن کم کر دے اس صورت میں وضع الجوائح کا امر حنفیہ اور جمہور کے نزدیک استحبابی ہے وجوبی نہیں کیونکہ مشتری کے قبضہ کر لینے کے بعد وہ چیز مشتری کے ضمان میں چلی گئی ہے اور بائع کی ضمان سے نکل چکی ہے۔

❷ **درختوں پر پھلوں کی بیع کے بعد آفت پہنچنے کی صورتیں:** متعاقدین نے درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع کی اور اتفاقاً کوئی آفت پہنچ گئی اور نقصان ہو گیا تو اس صورت میں ضمان کے متعلق مختلف صورتیں ہیں۔ ① یہ بیع قبل از بدو صلاح ہوئی اور درختوں پر پھل کے ترک کی شرط کے ساتھ ہوئی تو اس صورت میں بالاتفاق بائع ضامن ہوگا اس لئے کہ یہ بیع بالاجماع فاسد ہے اور بائع مشتری سے ثمن کا مطالبہ نہیں کر سکتا ② یہ بیع قبل از بدو صلاح ہوئی یا بعد از بدو صلاح ہوئی مگر قطع کی شرط کے ساتھ ہوئی اور ابھی بائع و مشتری میں تخلیہ نہیں ہوا تھا کہ آفت پہنچ گئی تو اس صورت میں بھی بالاتفاق بائع پر ضمان لازم ہے ③ اسی مذکورہ صورت میں بائع و مشتری میں تخلیہ ہو گیا اور مشتری نے پھل نہیں توڑا تھا کہ آفت پہنچی تو بالاتفاق مشتری پر ضمان لازم ہے ④ بدو صلاح سے پہلے یا بعد بیع ہوئی اور پھل کاٹنے کے لئے وقت مقرر ہوا اور پھل کاٹنے سے قبل آفت پہنچ گئی تو بالاتفاق مشتری پر ضمان لازم ہے۔

❸ **اختلافی صورت کی تعیین:** بدو صلاح کے بعد بیع ہوئی مگر ترک و قطع میں سے کوئی شرط نہیں لگائی اور بائع و مشتری میں تخلیہ ہو گیا مگر کوئی آفت پہنچ گئی تو نقصان ہو گیا تو اس صورت میں اختلاف ہے۔

❹ **ائمہ کا اختلاف مع الدلائل:** امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، لیث بن سعد و دیگر کا مذہب اور امام شافعی رحمہ اللہ کا قول جدید یہ ہے کہ اس کی ضمان مشتری پر لازم ہے اور وضع جوائح کا حکم استحبابی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول قدیم اور ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ اس کی ضمان بائع پر لازم ہے اور یہ وضع جوائح کا حکم وجوبی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ نقصان ثلث سے کم ہو تو وضع جوائح واجب نہیں ہے اور اگر نقصان ثلث یا ثلث سے زائد ہو تو پھر وضع جوائح واجب ہے اور یہ ضمان بائع پر لازم ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی پہلی دلیل حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں کسی صحابی نے اسی طرح پھل خریدے تھے اور نقصان ہو گیا تو آپ ﷺ نے لوگوں سے اس کیلئے چندہ کیا اور دین کی ادائیگی کی اور فرمایا کہ جو تمہیں مل رہا ہے وہ لے لو۔ استدلال یوں ہے اگر وضع جوائح لازم ہوتا اور ضمان بائع پر لازم ہوتا تو آپ ﷺ اس موقع پر یہ حکم جاری کرتے اور چندہ نہ کرتے۔

دیگر دونوں فریق کی دلیل حدیث الباب ہے۔ حنفیہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ یہ حکم ندب و استحباب کیلئے ہے وجوب کیلئے

نہیں۔ نیز یہ قول از تغلیظ پر محمول ہے۔ جبکہ اس صورت میں ہمارے نزدیک بھی یہی حکم ہے۔ نیز قول از جہد وصلاح پر محمول ہے۔

## ﴿الورقة الثانية: صحيح الامام مسلم﴾

### ﴿السؤال الأول﴾ ١٤٣٤ھ

**الشق الأول** ...... عَنْ إِبْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا تَرَكَتِ الْفَرَائِضُ فَلِأَوْلٰى رَجُلٍ ذَكَرٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ اِقْسِمُوا الْمَالَ بَيْنَ أَهْلِ الْفَرَائِضِ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَمَا تَرَكَتِ الْفَرَائِضُ فَلِأَوْلٰى رَجُلٍ ذَكَرٍ۔

شكّل الحديثين وترجمهما الى الاردية السلسة ۔ انكر المراد بالفرائض ههنا مع ذكر اصحاب الفروض۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) احادیث پر اعراب (۲) احادیث کا ترجمہ (۳) فرائض کی مراد اور اصحاب فروض کی نشاندہی۔

**جواب** ...... ❶ احادیث پر اعراب:۔ كما مرّ في السوال آنفا۔

❷ احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم مقرر کردہ حصوں کو ان کے اہل کے ساتھ ملاؤ پھر جو فرائض سے بچ جائے وہ قریب ترین مرد کے لئے ہے اور ایک روایت میں ہے کہ مال اہل فرائض کے درمیان کتاب اللہ کے مطابق تقسیم کرو پھر جو فرائض سے بچ جائے وہ قریب ترین مرد کے لئے ہے۔

❸ فرائض کی مراد اور اصحاب فروض کی نشاندہی:۔ فرائض فریضۃ کی جمع ہے اس کے متعدد معانی ہیں: ① بندوں پر اللہ تعالیٰ کا فرض کیا ہوا عمل اور قانون یعنی اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی وہ حد جس کا بندوں کو پابند کیا گیا ہے یا اس سے منع کیا گیا ہے یعنی اوامر و نواہی۔ ② کسی انسان کے ذمے لازم کیا ہوا کام یا حصۂ مال۔ ③ دینی امور فرض۔ ④ میراث۔ یہاں پر فرائض سے مراد حصے ہیں جو ورثاء کیلئے قرآن کریم اور احادیث میں بیان کئے گئے ہیں۔ اور کتاب اللہ میں ذکر کردہ فروض مقدرہ چھ ہیں: نصف، ربع، ثمن اور ثلثان، ثلث، سدس۔ اصحاب الفروض بارہ افراد ہیں جن میں سے چار مرد اور آٹھ عورتیں ہیں، چار مرد یہ ہیں: اب، جد صحیح، اخ خیفی، زوج۔ آٹھ عورتیں یہ ہیں: زوجہ، بنت، بنت صلبی، بنت الابن، اخت عینیہ، اخت علاتیہ، اخت خیفیہ، ام، جدہ۔

**الشق الثاني** ...... عن يحيى بن أبي كثير أن أبا قلابة أخبره أن ثابت بن الضحاك أخبره أنه بايع رسول الله ﷺ تحت الشجرة وأن رسول الله ﷺ قال: "من حلف على يمين بملة غير الإسلام كاذبا فهو كما قال ومن قتل نفسه بشيئ عذب به يوم القيامة وليس على رجل نذر في شيئ لايملكه".

ترجم الحديث الشريف إلى الأردية ۔ انكر حكم الحالف ملة غير الإسلام، واذكر أيضا لماذا قيد بقوله: "كاذبا" ۔ واذكر حكم النذر فيما لايملكه الرجل عند الفقهاء ۔ (ص ٤٠ عوم تدریبی)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) ملت غیر اسلام پر حلف اٹھانے والے کا حکم (۳) کاذبا کی قید کا فائدہ (۴) غیر مملوک چیز کی نذر کا حکم۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ثابت بن ضحاک ؓ نے خبر دی کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت (بیعت رضوان) کی تھی اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے دین اسلام کے علاوہ کسی اور ملت کی جھوٹی قسم کھائی تو وہ اسی طرح ہو جائے گا جیسے اس نے کہا اور جس شخص نے اپنے نفس کو کسی چیز کے ذریعہ قتل کیا اللہ تعالیٰ

اس کو قیامت کے دن اسی کے ذریعہ عذاب دیں گے اور آدمی پر اس چیز کی نذر لازم نہیں ہوتی جس کا وہ مالک نہیں ہے۔

**❷ ملت غیر اسلام پر حلف اُٹھانے والے کا حکم:** دین اسلام کے علاوہ کسی اور دین کی قسم کھائی تو اس قسم کی دو صورتیں ہیں ① ادوات قسم داخل کرکے قسم کھائی جائے جیسے واللہ لافعلن کذا یا واللہ مافعلت کذا ② تعلیق کی صورت میں قسم کھائی جائے جیسے ان فعلت کذا فعبدی حرٌّ یا إن کنت قد فعلت کذا فعبدی حرٌّ۔ یہاں قسم کی دونوں صورتیں مراد ہو سکتی ہیں۔

پہلی صورت کی مثال احلف بالدین الیھودی انی لست سارقاً۔ دوسری صورت کی مثال ان سرقت فلنا یھودی۔

پہلی قسم (ادوات قسم داخل کرکے قسم کھائی) کا حکم یہ ہے کہ اگر دل سے اس کی تعظیم کرتا ہے مثلاً دین یہودی کی اس وجہ سے قسم کھائی کہ اس دین کو معظم سمجھتا ہے اس صورت میں تو بلاشبہ کافر ہو جائے گا اور اگر اس دین کو اچھا نہیں سمجھتا مگر غفلت یا جہالت کی بناء پر دین یہودی کی قسم کھائی ہے تو کافر تو نہیں ہوگا مگر کلمہ کفر بولنے کی وجہ سے سخت گنہگار ہوگا۔ پس آنحضرت ﷺ کا ارشاد فھو کما قال پہلی صورت پر محمول ہے یعنی جبکہ دل سے وہ دین یہودی کو معظم سمجھتا ہو۔ دوسری قسم میں (یمین بطریق التعلیق) کی تو دیکھا جائیگا کہ جھوٹی قسم کھاتے وقت اس کا ارادہ یہودی بن جانے کا تھا یا نہیں؟ اگر تھا تو کافر ہو جائیگا کیونکہ ارادۂ کفر بھی کفر ہے اور اگر ارادہ نہیں کیا تو کافر نہ ہوگا۔ پس آنحضرت ﷺ کا ارشاد فھو کما قال ارادے کی صورت پر محمول ہے۔ (درس مسلم ص ۳۹۶)

**❸ کاذبا کی قید کا فائدہ:** یہ قید احترازی نہیں بلکہ واقعی ہے جبکہ یمین ادوات قسم کے ساتھ ہو کیونکہ یہودی مذہب کو تعظیم کہنا کذب ہی ہے خواہ عقیدہ تعظیم کا ہو یا نہ ہو۔ اور جب یمین بصورت تعلیق ہو تو کاذبا کی قید احترازی ہوگی کیونکہ جب جھوٹی قسم کھائے اور ارادہ یہودی ہونے کا ہو تو وہ کافر ہو جاتا ہے اور اگر قسم جھوٹی نہیں تو کافر نہیں ہوتا۔ (ایضاً)

**❹ غیر مملوک چیز کی نذر کا حکم:** آدمی جس وقت نذر جس چیز کا مالک نہیں ہے بالاتفاق اس کی نذر درست اور منعقد صحیح نہیں ہے حتیٰ کہ اگر نذر کے بعد وہ چیز ملک میں آگئی پھر بھی اس نذر کو پورا کرنا لازم نہیں ہے البتہ اگر حق کو ملک کے ساتھ معلق کر دیا تو پھر یہ نذر ہمارے نزدیک درست ہے دوسروں کے نزدیک یہ بھی درست نہیں ہے۔

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۴ھ

**الشق الأول**......عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ قال: نحن أحق بالشك من إبراهيم ﷺ إذ قال: "رب أرني كيف تحي الموتى قال أولم تؤمن قال بلى ولكن ليطمئن قلبي" قال: ويرحم الله لوطا لقد كان يأوي إلى ركن شديد، ولو لبثت في السجن طول لبث يوسف لأجبت الداعي. (ص۸۵۔ج۱۔قدیمی)

ترجم الحديث واشرحه. اذكر أقوال العلماء في شرح قوله: نحن أحق بالشك من إبراهيم.

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی تشریح (۳) نحن احق بالشك من ابراهيم کی تشریح میں علماء کے اقوال۔

**جواب**...... ❶ **حدیث کا ترجمہ:** حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت شک کرنے کے زیادہ حقدار ہیں جب انہوں نے کہا تھا رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَى الخ (اے میرے پروردگار مجھے دکھا کہ تو کیسے مُردوں کو زندہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تجھے یقین نہیں ہے؟ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے یقین تو ہے مگر قلبی اطمینان چاہتا ہوں) اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رحم کرے حضرت لوط علیہ السلام پر کہ وہ ایک مضبوط پایہ کی پناہ چاہتے تھے اور اگر میں اتنے عرصہ تک قید رہتا جتنے عرصہ تک حضرت یوسف علیہ السلام قید رہے تو میں بلانے والے کے بلانے پر فوراً چلا جاتا۔

❷ **حدیث کی تشریح:** اس حدیث میں آپ ﷺ نے حضرت ابراہیم، حضرت لوط اور حضرت یوسف علیہم السلام کی فضیلت کو بیان کیا ہے۔

نحن احق بالشك من ابراهيم کہ اگر حضرت ابراہیم کو احیاء موتیٰ کے متعلق شک ہوتا تو ہم شک کرنے کے ان سے زیادہ حقدار ہیں جب ہمیں شک نہیں ہے تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کیسے شک ہو سکتا ہے۔

اس جملے کے متعلق علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا مقصد یہ بتلانا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی قدرت احیاء موتیٰ میں بالکل شک نہیں ہوا مگر اس میں آپ ﷺ کی افضلیت کی طرف لطیف اشارہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے رب سے کوئی ایسا سوال نہیں کیا جس سے شک یا تردد کا وہم ہوتا مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال سے صورۃً یہ شک کا وہم پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اَوَلَمْ تُؤْمِنْ کے ذریعہ سوال کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جواب دینا پڑا کہ میں نے اطمینان قلب کے لئے کیفیت احیاء کے متعلق سوال کیا ہے۔

يرحم الله لوطا لقد كان يأوى الى ركن شديد، اس جملے کے دو مطلب ہیں:

① رسول اللہ ﷺ نے حضرت لوط علیہ السلام کے صبر اور شدائد کے برداشت کرنے پر ان پر رحم کا اظہار فرمایا اور تعریف فرمائی کہ دیگر انبیاء تو اپنی قوم میں مبعوث ہوئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مشکلات کے وقت قوم کے بعض افراد نے ساتھ بھی دیا لیکن لوط علیہ السلام غیر قوم کی طرف مبعوث کئے گئے تھے جس کی وجہ سے ان پر اس تنہائی کا اتنا سخت لمحہ گزرا کہ بے اختیار کہہ اٹھے لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ مگر رکن شدید سے مراد اپنی قوم ہے۔ لہٰذا حدیث میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ قوم کی مدد کی تمنا کرنا حضرت لوط علیہ السلام کے رتبے سے کم درجے کی بات تھی، اگرچہ غیر اختیاری تھی، اسی لئے آپ ﷺ نے ان کیلئے رحمت کی دعا فرمائی اور بعض روایات میں يغفر الله للوط کے الفاظ ہیں ② اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ لوط علیہ السلام قلبی طور پر اللہ رب العزت ہی کی طرف متوجہ تھے اور اللہ رب العزت ہی سے پناہ طلب کر رہے تھے اور یہ معنی لقد كان يأوى کے جملے سے ظاہر ہے۔ البتہ اپنے مہمانوں کے سامنے اپنا عذر ظاہر کرنے کے لئے ایسا فرمایا کہ میں تمہارا کما حقہ تحفظ نہیں کر سکتا اس لئے کہ میرا قبیلہ اور کنبہ یہاں آباد نہیں۔

لولبثت في السجن طول لبث يوسف لاجبت الداعي، اس جملے کی بھی دو توجیہات ہو سکتی ہیں:

① آپ ﷺ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر و استقامت کی تعریف کی کہ انہوں نے اتنا طویل عرصہ (سات سال سات ماہ سات دن اور سات گھنٹے، علامہ عینی) جیل میں رہنے کے باوجود رہائی کے پیغام کو فوراً قبول نہیں کیا بلکہ پہلے اپنی صفائی کا مسئلہ حل کروایا پھر باہر تشریف لائے، اگر ان کی جگہ میں ہوتا تو میں فوراً باہر آ جاتا ② اگر حضرت یوسف علیہ السلام کی جگہ میں ہوتا تو مکمل طور پر رضا و تسلیم الی اللہ سے کام لیتا کہ جب غیر اختیاری طور پر من جانب اللہ رہائی کا انتظام ہوا تھا تو اپنی براءت کے اظہار کی بجائے اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھ کر فوراً قبول کر لیتا اور یہ بات تسلیم و تفویض و عبدیت کے زیادہ قریب ہے۔

یہاں پر پہلے اور تیسرے جملے کی پہلی توجیہ و مطلب پر سوال ہوتا ہے کہ ان میں آپ ﷺ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام و حضرت یوسف علیہ السلام کی افضلیت معلوم ہوتی ہے۔

پہلا جواب: یہ ہے کہ آپ ﷺ نے تواضعاً یہ کلمات ارشاد فرمائے۔ دوسرا جواب: یہ ہے کہ یہ فضیلت جزئی ہے جس سے فضیلت کلی میں فرق واقع نہیں ہوتا۔ تیسرا جواب: یہ ہے کہ یہ ارشاد آپ ﷺ نے اس زمانہ میں ارشاد فرمایا تھا جب آپ ﷺ کو "افضل الانبیاء ﷺ" ہونے کا علم نہیں دیا گیا تھا۔ (درس مسلم ص ۲۲۲)

❸ **نحن احق بالشك من ابراهيم کی تشریح میں علماء کے اقوال:** کما مر تفصیله آنفا۔

**الشق الثانی** ......عن أنس بن مالك أن يهوديا قتل جارية على أوضاح لها فقتلها بحجر قال: فجيئ بها إلى النبي ﷺ وبها رمق فقال لها أقتلك فلان؟ فأشارت برأسها أن لا، ثم قال لها الثانية فأشارت برأسها أن لا، ثم سألها الثالثة فقالت نعم. وأشارت برأسها فقتله رسول الله ﷺ بين حجرين۔

ترجم الحديث الشريف إلى الأردية. اذكر اختلاف الأئمة من أدلتهم في القتل بالمثقل عمدا هل يوجب القصاص أم لا. وفي استيفاء القصاص بشيئ غير السيف هل يجوز أم لا؟ (۱۴۳۰ھ، ۱۴۳۱ھ)

**﴿خلاصۂ سوال﴾**......اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) قتل بالمثقل عمدا میں قصاص لازم ہونے میں اختلاف مع الدلائل (۳) تلوار کے بغیر قصاص لینے کی وضاحت۔

**جواب** ...... ❶ __حدیث کا ترجمہ:۔__ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کو قتل کر دیا اس حال میں کہ اس پر زیور تھے پس اس نے پتھر کے ذریعہ اس کو قتل کر دیا، راوی کہتے ہیں کہ اس عورت کو آپ ﷺ کے پاس لایا گیا اس حال میں کہ اس میں کچھ زندگی کی رمق باقی تھی پس آپ ﷺ نے اس سے کہا کہ کیا تجھے فلاں نے قتل کیا ہے؟ تو اس نے سر سے اشارہ کیا کہ نہیں، پھر آپ ﷺ نے دوسری مرتبہ اسے کہا تو اس نے سر سے اشارہ کیا کہ نہیں، پھر آپ ﷺ نے اس سے تیسری مرتبہ پوچھا تو اس نے کہا کہ جی ہاں اور اپنے سر سے اشارہ کیا پس آپ ﷺ نے اس کو (قاتل کو) دو پتھروں کے درمیان رکھ کر قتل کر دیا (قتل کر دیا)۔

❷ __قتل بالمثقل عمدا میں قصاص لازم ہونے میں اختلاف مع الدلائل:۔__ جمہور فقہاء کے نزدیک قتل موجب قصاص کی تعریف یہ ہے کہ کسی ایسے ذریعے سے دوسرے کو ہلاک کرنا جو ذریعہ عام طور سے موت واقع کرنے کیلئے کافی سمجھا جاتا ہو، چاہے وہ کوئی دھار دار آلہ ہو یا نہ ہو، مثلاً تلوار، چاقو، خنجر، کوئی بڑا پتھر یا بڑا لاٹھا اور عصا ہو، جس کو دیکھ کر ہر آدمی یہ کہے گا کہ عام طور سے اس کے مارنے سے آدمی کی موت واقع ہو جائے گی، اس قتل کو قتل عمد ہی سمجھا جائے گا اور اس سے قصاص لیا جائے گا۔ یہ ائمہ ثلاثہ اور صاحبین رحمہم اللہ کا مسلک ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ قتل، قتل عمد میں شمار ہوگا جس میں قتل کرنے کا آلہ دھار دار ہو کوئی ہتھیار ہو مثلاً تلوار، چاقو، خنجر وغیرہ۔ لیکن اگر کسی وزنی چیز سے کسی کو قتل کر دیا مثلاً بڑا پتھر یا بڑا عصا تو یہ قتل عمد نہیں ہوگا بلکہ قتل شبہ عمد ہوگا۔ لہذا اس میں قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا بلکہ دیت واجب ہوگی۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ابن ماجہ کی ایک حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا لا قود الا بالسیف۔ اور بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں لا قود الا بالحدیدۃ یعنی قصاص نہیں ہوتا مگر تلوار سے، یا فرمایا کہ قصاص نہیں ہوتا مگر دھار دار آلے سے، اس سے استدلال کرتے ہوئے امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تلوار اور دھار دار آلے کے ذریعہ قتل موجب قصاص ہوتا ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا دوسرا استدلال اس حدیث سے ہے جس میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا الا ان قتیل قتل العمد قتیل الحجر و العصا او کما قال ﷺ یعنی قتل عمد کا مقتول وہ ہے جو پتھر یا لاٹھی سے قتل کیا گیا ہو۔

جمہور فقہاء حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں کہ اس واقعہ میں اس یہودی نے بچی کو پتھر سے اس کا سر کچل کر قتل کیا اور یہ پتھر دھار دار آلہ نہیں تھا، اس کے باوجود حضور ﷺ نے اس قتل کو عمد قرار دے کر موجب قصاص قرار دیا اور اس یہودی سے قصاص لیا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی بڑے پتھر سے کسی کو قتل کیا تو وہ بھی قتل عمد اور موجب قصاص ہوتا ہے۔

دوسری دلیل قرآنی آیت پیش کرتے ہیں ان النفس بالنفس یعنی جان کے بدلے جان اور اس آیت میں کوئی تفصیل بیان نہیں کی گئی کہ آلہ دھار دار ہوگا تو قصاص لیا جائے گا ورنہ قصاص نہیں لیا جائے گا۔

جہاں تک حدیث باب کا تعلق ہے تو یہ حدیث امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے خلاف دو وجہ سے حجت نہیں بن سکتی۔ ایک وجہ یہ کہ اس روایت میں اس یہودی نے خود اعتراف کیا کہ میں نے قتل کیا ہے اور اعتراف کرنے کے بعد عمد ثابت ہو گیا اور امام صاحب رحمہ اللہ کا یہ مسلک اس صورت میں ہے کہ جب قاتل عمد کا اعتراف نہ کرے، لیکن اگر قاتل اعتراف کر لے تو اس کو قتل عمد ہی سمجھا جائے گا لہٰذا یہ معاملہ متنازعہ امر سے خارج ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک اگرچہ پتھر یا لاٹھی سے قتل کیا ہوا قتل عمد نہیں ہے اور شرعاً موجب قصاص نہیں ہے لیکن اگر امام اور حاکم یہ محسوس کرے کہ اس کا جرم بڑا سنگین ہے اور اس سے دوسرے مجرموں کی ہمت افزائی ہونے کا اندیشہ ہے تو اس صورت میں فتنے کو ختم کرنے کے لئے تعزیراً قتل کا حکم دے دے تو ان کے نزدیک اس کی گنجائش ہے، اس صورت میں وہ قتل قصاصاً نہیں سمجھا جائے گا بلکہ تعزیراً اور سیاستاً سمجھا جائے گا۔ لہٰذا حدیث باب میں حضور ﷺ نے اس یہودی کو جو قتل کرایا وہ تعزیراً تھا قصاصاً نہیں تھا۔

متاخرین حنفیہ نے صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر فتویٰ دیتے ہوئے کہا کہ موجودہ دور میں جرائم کا قلع قمع کرنے کے لئے مناسب یہ ہے کہ صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر فتویٰ دیا جائے اور زہر پلانے والے آدمی سے بھی قصاص لیا جائے۔ لہٰذا جس طرح زہر کے مسئلہ میں متاخرین حنفیہ نے صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے اسی طرح اگر ہمارے دور میں مطلقاً انہی کے قول پر فتویٰ دیتے ہوئے یہ کہا جائے کہ اگر کوئی شخص جب بھی کوئی ایسا آلہ استعمال کرے گا جس سے ہلاکت غالب ہو تو اس کو قتل عمد ہی سمجھا جائے گا تو زیادہ مناسب ہوگا تاکہ صحیح معنوں میں مجرموں کی سرکوبی ہو سکے۔ (تقریر ترمذی ج ۲ ص [illegible])

❷ **تلوار کے بغیر قصاص لینے کی وضاحت:۔** امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ قاتل کو بھی اسی طریقے سے قتل کیا جائے گا جس طریقے سے اس نے مقتول کو قتل کیا تھا مثلاً اگر کسی قاتل نے خنجر سے قتل کیا تھا تو قاتل کو بھی خنجر ہی سے قتل کیا جائے گا اور اگر قاتل نے گولی ماری تھی تو قاتل کو بھی گولی ماری جائے گی اور اگر قاتل نے پتھر سے ہلاک کیا تھا تو قاتل کو بھی پتھر سے ہلاک کیا جائے گا۔ گویا کہ ان کے نزدیک **قصاص بمثل ذلک الفعل** ہوگا۔ الا یہ کہ وہ فعل فی نفسہ حرام ہو تو اس صورت میں قصاص بالمثل نہیں لیا جائے گا بلکہ تلوار سے لیا جائیگا مثلاً کوئی شخص دوسرے کو لواطت کے ذریعے یا زنا کر کے قتل کر دے تو چونکہ یہ دونوں فعل بذات خود حرام ہیں اسلئے ان میں قصاص بالمثل نہیں لیا جائیگا اور حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں کہ اس واقعہ میں حضور ﷺ نے اس یہودی کا سر کچل کر قصاص لیا، اس لئے کہ اس نے سر کچل کر قتل کیا تھا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قصاص لیتے وقت قتل کے طریقے میں مماثلت کا لحاظ نہیں کیا جائیگا۔ قاتل نے مقتول کو کسی بھی طریقے سے قتل کیا ہو تو قاتل کو قصاصاً صرف تلوار ہی سے قتل کیا جائیگا اور امام صاحب رحمہ اللہ **لا قود الا بالسیف** والی حدیث سے استدلال فرماتے ہیں۔

حدیث باب کا جواب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ دیتے ہیں کہ اس واقعہ میں اس یہودی کا سر کچل کر قتل کیا گیا، یہ اس وجہ سے نہیں کیا گیا کہ قصاص بالمثل واجب تھا بلکہ تعزیراً اور سیاستاً آپ ﷺ نے اسی طرح قتل کرنے کو مناسب سمجھا۔ چنانچہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اصلاً قصاص تلوار سے ہی لیا جائے گا لیکن اگر حاکم کسی خاص واقعہ میں یہ محسوس کرے کہ جس سنگدلانہ طریقے سے قاتل نے مقتول کو قتل کیا تھا وہ بھی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کو بھی اسی طرح قتل کیا جائے تو حاکم اس طریقے سے قتل کرنے کا حکم دے سکتا ہے۔ چونکہ زیر بحث واقعہ میں اس بچی کے ساتھ بڑی سخت زیادتی ہوئی تھی اسلئے حضور ﷺ نے لوگوں کو عبرت دلانے کیلئے تعزیراً اس کا سر کچلنے کا حکم دیا۔ ورنہ اصل حکم یہ نہیں تھا، اصل حکم وہی تھا جو آپ نے **لا قود الا بالسیف** والی حدیث میں بیان کیا۔ (تقریر ترمذی ج ۲ ص [illegible])

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۴ھ

**الشق الأول** ...... عن عدي بن حاتم قال قلت يا رسول الله إني أرسل الكلاب المعلمة فيمسكن علي واذكر اسم الله عليه فقال: إذا أرسلت كلبك المعلم وذكرت اسم الله عليه: فكل قلت وإن قتلن؟ قال وإن قتلن مالم يشركها كلب ليس معها قلت له فإني أرمي بالمعراض الصيد فأصيب؟ فقال إذا رميت بالمعراض فخزق فكله وإن أصابه بعرضه فلا تأكله (ص۱۴۵، ج۲، قدیمی) ترجم الحديث. ماحكم ترك التسمية عند إرسال الصيد؟ وما حكم الصيد ببندقة الرصاص؟ اذكر اختلاف العلماء وأدلتهم.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) شکار کو چھوڑتے وقت تسمیہ چھوڑنے کا حکم (۳) بندوق وغیرہ کے ذریعہ شکار میں اختلاف مع الدلائل۔

**جواب** ...... ❶ <u>حدیث کا ترجمہ:</u> حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں سکھلائے ہوئے کتوں کو بھیجتا ہوں اور وہ میرے لئے شکار کو روکے رکھتے ہیں اور میں اس پر اللہ کا نام بھی پڑھ لیتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تو اپنے سکھلائے ہوئے کتے کو بھیجے اور اس پر اللہ کا نام لے تو اس کو کھالے، میں نے عرض کیا کہ اگرچہ وہ اس کو مار ڈالے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگرچہ وہ اس کو مار بھی ڈالے بشرطیکہ اس کے ساتھ دوسرا کتا شریک نہ ہوا ہو۔ میں نے عرض کیا کہ میں بغیر پر کا تیر شکار کو مارتا ہوں اور وہ مر جاتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تو بغیر پر کا تیر مارے اور وہ اس میں سے پار ہو جائے تو تو اسکو کھالے اور اگر وہ اس کو عرض (چوڑائی) میں لگنے سے مر جائے تو پھر تو اس کو مت کھا۔

❷ <u>شکار کو چھوڑتے وقت تسمیہ چھوڑنے کا حکم:</u> جانور کو ذبح کرتے وقت اور شکار کو چھوڑتے وقت تسمیہ (بسم اللہ پڑھنا) چھوڑنے میں اختلاف ہے: احناف و مالکیہ کے نزدیک عمداً بسم اللہ چھوڑنے سے ذبیحہ اور شکار حلال نہ ہوگا البتہ اگر نسیاناً تسمیہ ترک ہو گیا تو ذبیحہ اور شکار حلال ہوگا۔ امام احمد کا بھی مذہب ہے البتہ انکے نزدیک شکار میں عمد و نسیان دونوں حالتوں میں تسمیہ شرط ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ذبیحہ اور شکار دونوں پر تسمیہ مسنون ہے۔ واجب نہیں ہے لہٰذا ترک تسمیہ کی وجہ سے شکار اور ذبیحہ حرام نہ ہوگا۔ البتہ اگر تسمیہ کو غیر اہم سمجھ کر چھوڑ دیا یا ترک تسمیہ کا معمول بنا لیا تو پھر ان کے نزدیک بھی ذبیحہ حرام ہے۔

جمہور کی دلیل: ① آیت کریمہ ولاتأكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه ہے۔ ② آیت کریمہ واذكروا اسم الله عليه ہے۔ ③ حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وما صدت بقوسك فذكرت اسم الله فكل وما صدت بكلبك المعلم فذكرت اسم الله فكل۔ اور ترک تسمیہ نسیاناً میں ان احادیث کی وجہ سے ذبیحہ حرام نہ ہوگا ذبيحة المسلم حلال سمى أو لم يسم مالم يتعمد والصيد كذلك نیز المسلم يكفيه اسمه فإن نسي أن يسمي حين يذبح فليسم وليذكر اسم الله عليه ثم ليأكل۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی پہلی دلیل: آیت کریمہ حرمت عليكم الميتة الخ إلا ما ذكيتم ہے اس میں تذکیہ کا ذکر ہے اور تسمیہ کی شرط نہیں ہے اور تذکیہ لغت میں ذبح و شق کو کہتے ہیں معلوم ہوا کہ تسمیہ شرط نہیں ہے۔

جمہور فرماتے ہیں کہ تذکیہ سے شرعی تذکیہ مراد ہے جس میں تسمیہ شرط ہے لغوی تذکیہ مراد نہیں کیونکہ درندہ کا مارا ہوا شکار ذبح کرنے سے بالاتفاق حلال نہیں ہے حالانکہ تذکیہ لغوی پایا گیا ہے معلوم ہوا کہ الا ما ذكيتم میں تذکیہ شرعی مراد ہے جس میں تسمیہ شرط ہے۔

دوسری دلیل: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے ان قوما قالوا للنبي ﷺ ان قوما يأتوننا باللحم لا ندري أذكر اسم الله عليه أم لا؟ فقال سموا عليه أنتم وكلوه، قالت وكانوا حديثي عهد بالكفر، یعنی ہمارے پاس کچھ مسلم

گوشت لاتے ہیں، معلوم نہیں کہ ان پر بوقت ذبح بسم اللہ پڑھی گئی ہے یا نہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم بسم اللہ پڑھو اور کھاؤ، معلوم ہوا کہ بوقت ذبح تسمیہ شرط نہیں ہے۔　　جواب یہ ہے کہ یہ حدیث امام شافعی رحمہ اللہ کا مستدل ہونے میں صریح نہیں ہے کیونکہ اس میں یہ کہا گیا ہے کہ اس پر بسم اللہ پڑھو اور کھاؤ مقصد یہ کہ جب مسلمان گوشت دیتا ہے تو اس کے بارے میں خواہ مخواہ بدگمانی کا شکار نہیں ہونا چاہیے، حسن ظن سے کام لینا چاہیے، جب تک صراحتاً ترک تسمیہ عمداً کا علم نہ ہو جائے بدگمانی نہیں کرنی چاہیے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ ابتداء اسلام کا واقعہ ہے چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ نے اس حدیث کے آخر میں وذلک فی اول الاسلام، اضافہ نقل کیا ہے۔ (کشف الباری کتاب الذبائح ص ۲۰۹)

**بندوق وغیرہ کے ذریعہ شکار میں اختلاف مع الدلائل:-** اگر کوئی شخص بسم اللہ پڑھ کر بندوق یا رائفل وغیرہ کی گولی چلائے اور وہ شکار ہلاک ہو جائے تو وہ حلال ہوگا یا نہیں؟ یہ مسئلہ فقہاء متقدمین کی کتابوں میں موجود نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس زمانے میں بندوق وغیرہ کا رواج نہیں تھا اور علماء عصر کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف ہو گیا۔ علماء عصر کی ایک جماعت اس جانور کو حلال قرار دیتی ہے جبکہ دوسری جماعت اس کو حلال قرار نہیں دیتی۔ جو حضرات علماء اس جانور کو حلال قرار دیتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ درحقیقت جس وقت گولی جا کر لگتی ہے تو وہ گولی آر پار ہو جاتی ہے اور پھر اس گولی کے پار ہونے کی وجہ سے اتنا خون نکلتا ہے کہ بعض اوقات چھری سے ذبح کے وقت بھی اتنا خون نہیں نکلتا لہٰذا ذبح کا جو اصل مقصد ہے کہ خون جانور کے اندر نہ رہ جائے بلکہ باہر نکل جائے، یہ مقصد اس سے حاصل ہو جاتا ہے لہٰذا گولی سے کیا گیا شکار حلال ہے۔

جو حضرات علماء اس جانور کو حرام قرار دیتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ بندوق کی گولی بذات خود محدد نہیں ہوتی، اس لئے کہ دھار دار نہیں ہوتی اور جب وہ شکار کو جا کر لگتی ہے تو اس کے نتیجے میں شکار کو چوٹ لگتی ہے۔ البتہ چونکہ وہ گولی دور سے اور تیز رفتاری سے آتی ہے اس لئے وہ جسم کو پھاڑ کر اندر گھس جاتی ہے ورنہ اس گولی کے اندر بذات خود جارح اور محدد ہونے اور جسم پھاڑنے کی صلاحیت نہیں ہے اس لئے وہ گولی محدد کے حکم میں داخل نہیں بلکہ مثقل کے حکم میں داخل ہے اس لئے گولی سے شکار کیا ہوا جانور حلال نہیں۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ اور ہمارے علماء دیوبند کے بیشتر حضرات کا یہی فتویٰ ہے کہ گولی سے شکار کیا ہوا جانور حلال نہیں ہوتا جب تک کہ اس کو باقاعدہ ذبح نہ کر لیا جائے۔　　علامہ شامی رحمہ اللہ نے ایک اصول لکھا ہے کہ جہاں اس بات کا شبہ پیدا ہو جائے کہ آیا اس جانور کی موت چوٹ سے واقع ہوئی ہے یا زخم لگنے سے واقع ہوئی ہے، اس صورت میں شبہ پر عمل کیا جائے گا اور شبہ کا تقاضا ہے کہ اس جانور کو حرام کہا جائے حلال نہ کہا جائے۔ اگر اس اصول کو مدنظر رکھا جائے تو جانب حرمت راجح معلوم ہوتی ہے۔

مندرجہ بالا اختلاف اس وقت ہے کہ جب گولی نوکدار نہ ہو لیکن اگر گولی ایسی بنائی گئی ہے جو نوکدار ہے تو اس صورت میں جانور بالاتفاق حلال ہو جائے گا۔ (تقریر ترمذی ج ۱ ص ۳۷)

**الشق الثانی** ...... اخبرنا زكريا بن عدى قال: قال لى أبو اسحق الفزارى: اكتب عن بقية ما روى عن المعروفين ولا تكتب عنه ما روى عن غير المعروفين، ولا تكتب عن اسماعيل بن عياش ما روى عن المعروفين ولا عن غيرهم . (ص ۲۰ مقدمہ) اشرح ما قاله الفزارى فى حق الراويين . اكتب موجز أحوال كل من بقية و اسمعيل بن عياش، ووضح درجتهما بين الرواة عند أئمة الجرح والتعديل.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) ابواسحاق فزاری کے قول کی تشریح (۲) بقیہ اور اسماعیل بن عیاش کے حالات (۳) ائمہ جرح و تعدیل کے نزدیک ان کا مرتبہ۔

**الجواب:** ...... ❶ **ابو اسحاق فزاری کے قول کی تشریح:۔** ابو اسحاق فزاری کے قول کا حاصل یہ ہے کہ بقیہ بن ولید جو معروف اساتذہ سے روایت نقل کرتے ہیں تم ان کو لکھو یعنی وہ روایات مقبول ہیں اور جو غیر معروف اساتذہ سے وہ روایات نقل کرتے ہیں تم ان کو نہ لکھو یعنی وہ روایات مقبول نہیں ہیں البتہ اسماعیل بن عیاش کی روایات خواہ معروف اساتذہ سے ہوں یا غیر معروف اساتذہ سے ہوں کوئی بھی نہ لکھو یعنی ان کی سب روایات غیر مقبول ہیں۔

❷ **بقیہ اور اسماعیل بن عیاش کے حالات:۔** بقیہ: کا پورا نام ابو محمد بقیہ بن ولید بن صائد کلاعی حمصی ہے، ان کی ولادت ۱۱۰ھ میں اور وفات ۱۹۷ھ میں ہے اور یہ اچھے راوی میں سے ہیں، بخاری شریف میں ان کی روایات تعلیقاً ذکر کی گئی ہیں اور صحاح کی بقیہ کتب میں بھی ان کی روایات ہیں۔ (فیض المنعم ص۹۳)

اسماعیل بن عیاش: کا پورا نام ابو عتبہ اسماعیل بن عیاش بن سلیم عنسی حمصی ہے، ان کی ولادت ۱۰۶ھ میں اور وفات ۱۸۲ھ میں ہے اور یہ سچے آدمی تھے، سنن اربعہ میں ان کی روایات ذکر کی گئی ہیں، آٹھویں طبقے کے راوی ہیں۔ (فیض المنعم ص۱۱۹)

❸ **ائمہ جرح وتعدیل کے نزدیک ان کا مرتبہ:۔** بقیہ بن ولید کے متعلق امام احمد رحمہ اللہ نے بھی ابو اسحاق فزاری رحمہ اللہ والا قول اختیار کیا ہے کہ معروف اساتذہ سے ان کی روایات قبول کی جائیں اور غیر معروف اساتذہ سے ان کی روایات قبول نہ کی جائیں۔ ابو مسہر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ احاديث بقية ليست بنقية، فكن منها على تقية (بقیہ کی احادیث صاف ستھری نہیں ہیں اسلئے ان سے بچو)۔ عقیلی کہتے ہیں کہ يروي عن قوم متروكين ومجهولين (بقیہ متروک ومجہول راویوں سے بھی روایات نقل کرتے ہیں)۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں صدوق كثير التدليس عن الضعفاء (بقیہ سچے راوی ہیں مگر ضعیف راویوں کے حوالے میں بہت زیادہ تدلیس کرتے ہیں)۔ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بقية صدوق اللسان ولكنه يأخذ عن المقبل والمدبر (بقیہ زبان کے سچے ہیں مگر ہر آنے جانے والے سے روایت لیتے ہیں) یعنی ثقہ وغیر ثقہ سب راویوں سے روایت کرتے ہیں اسلئے انکی روایات کی تحقیق وچھان بین ہونی چاہیے۔ نیز ابن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بقیہ اچھے آدمی تھے اگر وہ اسماء کو کنیت سے اور کنیت کو اسماء سے تبدیل نہ کرتے، وہ ایک عرصہ تک ہمیں ابو سعید وحاظی کی احادیث سناتے رہے مگر بعد میں جب ہم نے غور کیا تو وہ عبدالقدوس شامی تھا۔ اس کے علاوہ متعدد ائمہ نے بقیہ پر تدلیس التسویہ وتدلیس الاسناد کا اعتراض بھی کیا ہے۔

اسماعیل بن عیاش کے متعلق ابو اسحاق فزاری کا قول گزر چکا ہے کہ اس کی معروف وغیر معروف اساتذہ میں سے کسی سے بھی روایات قبول نہ کی جائیں۔ ابو اسحاق فزاری کی اس رائے کو دیگر محدثین نے قبول نہیں کیا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب میں لکھا ہے کہ شامی اساتذہ سے اس کی روایات ٹھیک ہیں البتہ دیگر اساتذہ سے روایات میں یہ خلط ملط کرتے ہیں، اسی طرح صاحب فیض المنعم دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ اسماعیل بن عیاش کی اپنے ہم وطن شامی اساتذہ سے مروی روایات کو سب ائمہ نے صحیح تسلیم کیا ہے البتہ ان کی حجازی وعراقی اساتذہ سے مروی روایات پر محدثین نے کلام کیا ہے۔ (فیض المنعم ص۹۳،۱۱۹)

## ﴿الورقة الثانية: صحيح الامام مسلم﴾

### ﴿السؤال الاول﴾ ۱۴۳۵ھ

**الشق الاول** ......قال ابو هريرة: ان رسول الله ﷺ قال: لايزني الزاني حين يزني وهو مؤمن ولايسرق السارق حين يسرق وهو مؤمن ولايشرب الخمر حين يشربها وهو مؤمن وكان ابوهريرة يلحق معهن ولا ينتهب نهبة ذات شرف يرفع الناس اليه فيها ابصارهم حين ينتهبها وهو مؤمن وفي

روایۃ ولا یغل احدکم حین یغل وھو مؤمن فایاکم وایاکم. (ص۵۵،ج۱،قدیمی) اذکر معنی الحدیث۔

ھذا الحدیث یؤید بظاھرہ من ذھب الی ان ارتکاب الکبیرۃ مخرج عن الملۃ، اکتب لماذا لم یقل بذلک اھل السنۃ والجماعۃ؟ وما ھی التأویلات التی ذکرھا اھل السنۃ والجماعۃ فی جواب الحدیث؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل دو امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) اہل السنۃ والجماعۃ کی طرف سے حدیث الباب کی تاویلات۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں زنا کرتا کوئی زانی اس حال میں کہ وہ مؤمن ہو اور نہیں چوری کرتا کوئی چور اس حال میں کہ وہ مؤمن ہو اور نہیں شراب پیتا کوئی شرابی اس حال میں کہ وہ مؤمن ہو۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان چیزوں کے ساتھ یہ بھی شامل کرتے تھے کہ نہیں لوٹتا کوئی لوٹنے والا کہ لوگ اس کی طرف آنکھیں اٹھا کر دیکھ رہے ہوں اس حال میں کہ وہ مؤمن ہو اور ایک روایت میں ہے کہ اور نہیں مال غنیمت میں خیانت کرتا تم میں سے کوئی اس حال میں کہ وہ مؤمن ہو، پس اس سے بچو اور اس سے بچو۔

❷ **اہل السنۃ والجماعۃ کی طرف سے حدیث الباب کی تاویلات:۔** متعدد نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتکب کبیرہ کا ایمان باقی رہتا ہے وہ کافر نہیں ہوتا مثلاً ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذلک لمن یشاء ۔ عن ابی ذر ...... من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ وان زنی وان سرق ۔ عن عبادۃ بن الصامت ...... انھم بایعوہ ﷺ علی ان لا یسرقوا ولا یزنوا ولا یعصوا الخ ثم قال فمن وفی منکم فاجرہ علی اللہ ومن فعل شیئا من ذلک فعوقب فی الدنیا فھو کفارتہ ومن فعل ولم یعاقب فھو الی اللہ ان شاء عفا عنہ وان شاء عذبہ۔

اسی طرح وہ تمام نصوص جن میں مرتکب کبیرہ پر مؤمن کا لفظ مستعمل ہے مثلاً وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما۔ ان مذکورہ نصوص کی وجہ سے اہل حق کا اس بات پر اجماع ہے کہ مؤمن آدمی چوری، زنا، قتل کے باوجود بھی کافر نہیں ہوتا بشرطیکہ وہ شرک نہ کرے۔ بظاہر یہ حدیث اہل حق کے اس اجماع کے خلاف تھی اور معتزلہ و خوارج کی دلیل بن رہی تھی اس لئے اس میں تاویلات کی ضرورت پیش آئی اور اس حدیث کی متعدد تاویلات کی گئی ہیں۔ ① اس حدیث میں کمال ایمان کی نفی ہے کہ مرتکب کبیرہ کامل مؤمن نہیں رہتا البتہ نفس ایمان اس میں موجود رہتا ہے ② ایمان کے متعلق دو چیزیں ہیں نفس ایمان اور نور ایمان۔ مرتکب کبیرہ میں نفس ایمان موجود رہتا ہے البتہ نور ایمان ختم ہو جاتا ہے۔ حدیث میں اسی نور ایمان کا ذکر ہے ③ اس حدیث میں ایمان لغوی مراد ہے کہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب کے وقت مؤمن آدمی امن والا نہیں رہتا خطرہ ہوتا ہے کہ یہ ابھی عذاب الٰہی کی لپیٹ میں نہ آ جائے ④ اس سے مراد مستحل کبائر ہے کہ جو شخص ان کبیرہ گناہوں کو حلال سمجھتے ہوئے کرے وہ مؤمن نہیں رہتا۔

**الشق الثانی** ...... عن ابن عباس قال: قال رسول اللہ ﷺ: من ابتاع طعاما فلا یبعہ حتی یکتالہ فقلت لابن عباس: لم؟ ألا تراھم یتبایعون بالذھب والطعام مرجا۔ (ص۵،ج۲،قدیمی)

اذکر مذاھب العلماء فی حکم البیع قبل القبض ۔ اشرح الحدیث المبارک واذکر: ما معنی قولہ: "الا تراھم یتبایعون بالذھب والطعام مرجا"

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) بیع قبل القبض کا حکم (۲) حدیث کی تشریح (۳) الا تراھم یتبایعون بالذھب الخ کا معنی۔

**جواب** ...... ❶ **بیع قبل القبض کا حکم:۔** جمہور فقہاء جن میں حنفیہ بھی داخل ہیں وہ حدیث (لا بیع ما لیس عندک) سے

استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بیع مالم یقبض ہر صورت میں ناجائز ہے چاہے مبیع مکیلات وموزونات میں سے ہو یا عددیات میں سے ہو مثلیات میں سے ہو یا قیمیات میں سے ہو البتہ امام احمد اور امام اسحاق رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ بیع مالم یقبض صرف طعام میں ناجائز ہے بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ صرف مکیلات اور موزونات میں ناجائز ہے عددیات میں جائز ہے یہ حضرات فقہاء اور امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جسمیں طعام کا ذکر ہے کہ نهى رسول الله ﷺ عن بيع الطعام حتى يستوفيه یعنی حضور اقدس ﷺ نے طعام کو آگے بیچنے سے منع فرمایا جب تک کہ اس پر قبضہ نہ کرلے اور بعض طرق میں و کذالك كل ما يكال ويوزن کا اضافہ ہے اس سے وہ حضرات استدلال کرتے ہیں جو کیلی اور موزونی چیزوں کے علاوہ میں بیع قبل القبض کو جائز قرار دیتے ہیں۔

جمہور فقہاء حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں کہ لا ربح مالم يضمن اس جملے سے معلوم ہورہا ہے کہ غیر مقبوض کی بیع کے عدم جواز کی علت یہ ہے کہ انسان ایک ایسی چیز کا نفع لے رہا ہے جو ابھی اسکے ضمان میں نہیں آئی اور یہ علت جس طرح مکیلات اور موزونات میں پائی جاتی ہے اسی طرح عددیات میں بھی پائی جاتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ تمام چیزوں میں غیر مقبوض کی بیع جائز نہیں چاہے وہ کیلی اور وزنی ہو یا عددی ہو چاہے وہ طعام ہو یا غیر طعام ہو۔ البتہ حنفیہ کے نزدیک زمین اس حکم سے مستثنیٰ ہے اس میں بیع قبل القبض بھی جائز ہے کیونکہ اس میں ہلاکت کا اندیشہ نہیں ہے اور قبضہ اس ضروری ہے جہاں ہلاکت کا اندیشہ ہو۔ (تقریر ترمذی ج۲ ص۱۰۶)

**۲ حدیث کی تشریح:۔** حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کوئی غلہ اناج وغیرہ خریدا ہے اور کیل کے ذریعے خریدا ہے تو کیل کیے بغیر مشتری کیلئے اس کو آگے بیچنا جائز نہیں ہے اور اگر اندازے کے ساتھ کوئی چیز خریدی ہے تو پھر کیل کرنا ضروری نہیں ہے البتہ مشار الیہ مبیع پر قبضہ کرنا ضروری ہے اور اگر بائع نے بیع کے بعد مشتری کی موجودگی میں اس کو کیل کیا ہے تو پھر یہ مشتری کے کیل کرنے سے کفایت کر جائیگا لہذا مشتری کیلئے قبضہ کے بعد اس میں تصرف کرنا جائز ہے۔ (اگلے جملہ کی تشریح اگلے امر میں آرہی ہے)

**۳ الا تراهم يتبايعون بالذهب الخ کا معنی:۔** اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ بیع سلم کی صورت میں ثمن نقد ادا کرتے تھے اور غلہ ادھار ہوتا تھا اور بوقت ضرورت اس غلہ کو دوسرے کے ہاں بیچ دیتے تھے تو آپ ﷺ نے اس سے منع فرمادیا۔

**نوٹ:** اگرچہ شان ورود اس حدیث کا یہی ہے لیکن عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے اسلئے غیر سلم کی صورت میں بھی بیع قبل القبض ناجائز ہوگی)

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۲۵ھ

**الشق الاول** ...... عن ابى هريرة قال قال رسول الله ﷺ: من كذب على متعمدًا فليتبوأ مقعده من النار.

اذكر معنى الكذب عند اهل السنة والجماعة وعند المعتزلة . ما هو حكم الكذب على رسول الله ﷺ عمدًا هل تقبل توبته؟ وهل تقبل رواياته بعد التوبة؟ هل يجوز وضع الحديث وبيانه فى باب الترغيب و الترهيب؟ و ما هى ادلة القائلين بذلك؟ وكيف الرد عليهم؟ (ص ۷-ج۱-قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چھ امور توجہ طلب ہیں (۱) اہل السنۃ والجماعۃ اور معتزلہ کے نزدیک کذب کا معنی (۲) کذب علی الرسول ﷺ عمداً کا حکم (۳) کاذب علی الرسول ﷺ کی توبہ کا حکم (۴) توبہ کے بعد روایت کی قبولیت کا حکم (۵) ترغیب وترہیب کے لئے احادیث گھڑنے کا حکم مع الدلائل (۶) قائلین جواز کا رد۔

**جواب** ...... **۱ اہل السنۃ والجماعۃ اور معتزلہ کے نزدیک کذب کا معنی:۔** اہل السنۃ والجماعۃ و متکلمین کے نزدیک کذب کا معنی اخبار الشيئ على خلاف ما هو له ہے یعنی خلاف واقعہ وخلاف حقیقت خبر دینا خواہ عمداً ہو یا سہواً ہو ارادی طور پر ہو یا غیر ارادی طور پر ہو البتہ غیر ارادی وسہواً کذب پر گرفت نہیں ہے اور معتزلہ کے نزدیک کذب میں عمداً کی شرط ہے کہ

جان بوجھ کر وہ جھوٹ بولے۔ یہ حدیث اہل السنۃ والجماعۃ کیلئے مؤید ہے اسلئے کہ اس میں آپ ﷺ نے وعید کو کذب عمد کے ساتھ مقید کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ کبھی کذب سہوا اور غیر ارادی طور پر بھی ہوتا ہے۔ (حاشیہ نمبر ۸، عمدۃ المسلم ص ۳۲)

❷ کذب علی الرسول ﷺ عمداً کا حکم:۔ رسول اللہ ﷺ پر کذب بیانی مطلقاً حرام اور کبیرہ گناہ ہے خواہ دینی احکام میں ہو، ترغیب وترہیب میں ہو یا وعظ وارشاد میں ہو اور اس پر امت کا اجماع ہے جیسا کہ آپ ﷺ کے ارشاد سے واضح ہے کہ جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم کو بنالے۔ (فیض المسلم ص ۶۵)

❸ کاذب علی الرسول ﷺ کی توبہ کا حکم:۔ امام احمد حمیدی اور ابوبکر صیرفی ﷫ کے نزدیک واضع حدیث کی توبہ مقبول نہیں ہے۔ امام نووی ﷫ نے ان لوگوں کی رائے کو "کمزور رائے" اور قواعد شریعہ کے خلاف کہا ہے اور "قول مختار" یہ بیان کیا ہے کہ اگر وہ سچی توبہ کرلے تو مقبول ہے اور توبہ کے بعد اس کی روایتیں قبول کی جائیں گی اور سچی توبہ کے لئے تین شرطیں ہیں ① گناہ سے بالکل رک جانا ② گناہ پر پشیمان ہونا ③ آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم مصمم کرنا۔

قول مختار کی دلیل یہ ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد کافر کی روایت معتبر ہے حالانکہ کفر سے بڑا کوئی گناہ نہیں ہے مگر اسلام قبول کرنے کے بعد وہ گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ حدیث میں ہے ان الاسلام یھدم ما کان قبلہ پس آنحضور ﷺ پر کذب بیانی بھی توبہ کے بعد معاف ہو جائے گی حدیث میں ہے التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ۔ (ایضا)

❹ توبہ کے بعد روایت کی قبولیت کا حکم:۔ کما مرّ آنفا فی الامر الثالث۔

❺ و ❻ ترغیب وترہیب کیلئے احادیث گھڑنے کا حکم مع الدلائل اور قائلین جواز کا رد:۔ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک حدیث گھڑنا بالکل جائز نہیں گناہ کبیرہ ہے جس کے بہت سے دلائل ہیں۔

البتہ بعض اہل بدعت مثلاً کرامیہ وغیرہ اور ان کی اتباع میں بعض جہلا صوفیہ ترغیب وترہیب زہد وفضائل وغیرہ کے بارے میں وضع احادیث کو جائز سمجھتے ہیں، جس پر وہ بزعم خود دو دلیلیں پیش کرتے ہیں۔

پہلی دلیل: ممانعت کذب علی النبی ﷺ کی ہے جبکہ فضائل میں وضع حدیث کذب للنبی ﷺ ہے۔

علامہ کرمانی ﷫ فرماتے ہیں یہاں علیؔ، افتراء، کے معنی کو متضمن ہے، مطلب یہ ہے کہ عمداً حضور ﷺ کی طرف جھوٹی بات کی نسبت کرنا گناہ کبیرہ ہے، نیز اگر یہ دلیل تسلیم کرلی جائے تو پھر الفاظ قرآن میں بھی اضافہ جائز ہونا چاہیے۔

دوسری دلیل: یہی حدیث من کذب علی متعمدا لیضل الناس کے الفاظ سے مسند بزار وغیرہ میں منقول ہے، معلوم ہوا لوگوں کی ہدایت کے لئے وضع حدیث جائز ہے۔

علامہ نووی ﷫ فرماتے ہیں ھذہ زیادۃ باطلۃ اتفق الحفاظ علی ابطالھا یہ زیادتی باطل ہے اور اس کے بطلان پر حفاظ کا اتفاق ہے۔

**الشق الثانی** ...... عن ابراھیم قال قال علقمۃ: قرأت القرآن فی سنتین فقال الحارث: القرآن ھین الوحی أشد۔ (ص ۱۳، ج ۱، قدیمی)

من ھو الحارث؟ عرفہ بایجاز، واذکر ما ھی مکانتہ فی رواۃ الحدیث؟ اشرح قول الحارث المذکور بجمیع احتمالاتہ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) حارث کا تعارف (۲) حارث کا روایت حدیث میں مرتبہ (۳) حارث کے قول کی تشریح۔

**جواب** ...... ❶ حارث کا تعارف:۔ حارث کا پورا نام ابوزہیر حارث بن عبداللہ ہمدانی، خارفی اعور کوفی ہے، اس کی وفات

۶۵ھ میں ہوئی۔ اور یہ تشیع میں غلو کرنے والا تھا اور عقیدہ رجعت رکھتا تھا۔ سنن اربعہ میں اس کی روایات ذکر کی گئی ہیں۔

❷ **حارث کا روایت حدیث میں مرتبہ:۔** ابن معین، امام نسائی، احمد بن صالح، ابن ابی داؤد رحمہم اللہ وغیرہ نے اس کی توثیق کی ہے اور ثوری، ابن مدینی، ابو زرعہ رازی، ابن عدی، دار قطنی، ابن سعد، ابو حاتم، شعبی اور ابراہیم نخعی رحمہم اللہ نے اس کی تکذیب و تضعیف کی ہے۔

ابن حبان کہتے ہیں كان غاليا فى التشيع واهيا فى الحديث (وہ غالی شیعہ تھا اور اس کی روایات فضول ہیں) حافظ ذہبی کہتے ہیں والجمهور على توهينه مع روايتهم لحديثه فى الابواب۔ امام شعبی فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے احادیث بیان کی ہیں حالانکہ وہ انتہائی جھوٹا آدمی تھا۔ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ حارث بد عقیدگی کے ساتھ مطعون کیا گیا ہے۔ (فیض المنعم ص ۹۲)۔ علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے ضعف پر اتفاق ہے، اس کی روایات بالاتفاق مردود ہیں (حاشیہ)۔

❸ **حارث کے قول کی تشریح:۔** حارث کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ قرآن آسان ہے اور وحی اس سے زیادہ مشکل ہے، اس قول کا پس منظر یہ ہے ابن سبا نے روافض میں پہلے تو یہ خیال پھیلایا کہ نبی کریم ﷺ نے اہل بیت کو اور خاص طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کچھ خصوصی "بھید کی باتیں" بتائی ہیں، پھر گھڑ کر روایتیں چلانی شروع کیں اور اپنے متبعین کو یہ یقین دلایا کہ یہ وہی "اسرار" ہیں جو عام نہیں کئے گئے۔ روایت نمبر ۵۲ اور نمبر ۵۳ میں حارث نے "وحی" سے انہی "اسرار" کو مراد لیا ہے۔ یہ "اسرار" آج تک اسرار ہیں، روافض کا دعویٰ ہے کہ ان کو شیعہ ہی جانتے ہیں اور دوسروں کو وہ نہیں بتائے جا سکتے کیونکہ وہ اس کو نہیں سمجھ سکتے۔ (فیض المنعم ص ۹۲)

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۵ھ

**الشق الاول** ...... قَالَ فَلَمَّا عَلَوْنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا فَإِذَا رَجُلٌ عَنْ يَمِينِهِ أَسْوِدَةٌ وَعَنْ يَسَارِهِ أَسْوِدَةٌ قَالَ فَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ يَمِينِهِ ضَحِكَ وَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ شِمَالِهِ بَكَى قَالَ فَقَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالِابْنِ الصَّالِحِ قَالَ قُلْتُ يَا جِبْرَائِيلُ مَنْ هَذَا؟ قَالَ هَذَا آدَمُ وَهَذِهِ الْأَسْوِدَةُ عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ نَسَمُ بَنِيهِ فَأَهْلُ الْيَمِينِ أَهْلُ الْجَنَّةِ وَالْأَسْوِدَةُ الَّتِي عَنْ شِمَالِهِ أَهْلُ النَّارِ فَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ يَمِينِهِ ضَحِكَ وَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ شِمَالِهِ بَكَى.

انكر اقوال العلماء فى عام الاسراء والمعراج وهل كان فى المنام او كان فى اليقظة ۔ شكل الحديث بالضبط، وترجمه ترجمة واضحة ۔ اشرح العبارة واكتب ان ارواح المؤمنين فى الجنة وارواح الكفار فى سجين، فكيف اجتمعوا عند آدم عليه السلام فى السماء الدنيا؟ (ص ۹۲۔ ج۔ قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چھ امور مطلوب ہیں (۱) معراج کے سال کی تعیین (۲) معراج کے نیند یا بیداری میں ہونے کی وضاحت (۳) حدیث پر اعراب (۴) حدیث کا ترجمہ (۵) حدیث کی تشریح (۶) ارواح المؤمنین والکفار کے آدم علیہ السلام کے پاس جمع ہونے کی کیفیت۔

**جواب** ...... ❶ **معراج کے سال کی تعیین:۔** اس کے متعلق مؤرخین کے ۵ھ سے ۱۲ھ تک مختلف اقوال ہیں۔ جمہور ۵ھ کے قائل ہیں۔ (درس ترمذی ج ۱ ص ۳۹۲)

❷ **معراج کے نیند یا بیداری میں ہونے کی وضاحت:۔** اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلم عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو بیداری کی حالت میں جسم اطہر سمیت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک پھر مسجد اقصیٰ سے آسمان تک پھر آسمان سے لے کر ان بلند و بالا مقامات تک جہاں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا لے جایا گیا۔ شارح فرماتے ہیں کہ معراج و اسراء کے اس سفر کے تین حصے ہیں۔ ① مسجد حرام سے لے کر مسجد اقصیٰ تک ② مسجد اقصیٰ سے لے کر آسمان تک ③ آسمان سے لے کر اس بلند و بالا مقام تک جہاں تک اللہ

نے چاہا۔ ان میں سے جو پہلا حصہ ہے یعنی مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک یہ سفر دلیل قطعی سے ثابت ہے یعنی قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ الخ اس لئے اس کا منکر کافر ہے اور دوسرا حصہ یعنی مسجد اقصیٰ سے آسمان تک یہ خبر مشہور کے ذریعے ثابت ہے اس لئے اس کا منکر بدعتی ہے اور تیسرا حصہ یعنی آسمان سے ان بلند و بالا مقام تک جہاں تک اللہ تعالیٰ نے لے جانا چاہا اس سفر کا ثبوت خبر واحد سے ہے جو کہ ظنی ہے اس لئے اس کا منکر فاسق و گنہگار ہوگا۔ (شرح عقائد)

❸ حدیث پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

❹ حدیث کا ترجمہ:۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب ہم آسمان دنیا پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک آدمی ہے اسکے دائیں طرف بھی بہت سی مخلوق ہے اور اسکے بائیں طرف بھی بہت سی مخلوق ہے۔ جب وہ آدمی اپنے دائیں طرف دیکھتا ہے تو ہنستا ہے اور اپنے بائیں طرف دیکھتا ہے تو روتا ہے (اس نے مجھے دیکھ کر) فرمایا خوش آمدید اے نیک نبی اور اے نیک بیٹے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے جبرائیل علیہ السلام سے کہا کہ یہ کون ہیں؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ آدم علیہ السلام ہیں اور ان کے دائیں اور بائیں جو بہت سی مخلوق ہے یہ انکی اولاد ہے، دائیں طرف والے جنتی اور بائیں طرف والے دوزخی ہیں اسلئے جب دائیں طرف دیکھتے ہیں تو ہنستے ہیں اور بائیں طرف دیکھتے ہیں تو روتے ہیں۔

❺ حدیث کی تشریح:۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب ہم شب معراج میں آسمان دنیا کی طرف اوپر چڑھے تو وہاں میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ انکی دائیں و بائیں طرف جماعتوں کا ازدحام و ہجوم ہے اور اس آدمی نے جب اپنی دائیں جانب دیکھا تو وہ ہنس پڑا اور جب بائیں جانب دیکھا تو رو پڑا اس آدمی نے جب ہمیں دیکھا تو فوراً بول پڑا مرحبا بالنبی الصالح والابن الصالح (صالح نبی و صالح بیٹے کو مرحبا و خوش آمدید)۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے جبرائیل امین علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہے اور کیا ماجرا اور واقعہ ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور یہ دائیں بائیں انکی اولاد ہے دائیں جانب والی اولاد جنتی ہے اور بائیں جانب والی اولاد جہنمی ہے تو جب انہوں نے اپنی دائیں طرف والی جنتی اولاد کو دیکھا تو وہ خوشی کی وجہ سے ہنسے اور جب انہوں نے اپنی بائیں جانب والی جہنمی اولاد کو دیکھا تو وہ غم و افسوس کی وجہ سے روئے ہیں۔

❻ ارواح المؤمنین والکفار کے آدم علیہ السلام کے پاس جمع ہونے کی کیفیت:۔ ① ممکن ہے کہ وہ ارواح المسلمین والکفار وقتاً فوقتاً آدم علیہ السلام کے پاس پیش ہوتی ہوں اور اتفاقاً آپ ﷺ کے مرور کے وقت وہاں جمع ہوں ② وہ دونوں طرح کی ارواح وقتاً فوقتاً جنت و جہنم میں ہوتی ہیں اور آپ ﷺ کے مرور کے وقت وہ جنت و جہنم میں نہ ہوں بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس ہی ہوں اس پر دلیل آیت کریمہ النار یعرضون علیها غدوًا وعشیًا اور مؤمن کے متعلق آپ ﷺ کا فرمان عرض منزله من الجنة علیه وقیل له هذا مقعدك حتی یبعثك الله الیه ہے ③ ممکن ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں طرف جنت اور بائیں طرف جہنم ہو اور اللہ تعالیٰ اپنی مشیت سے ان کو جہاں مرضی دکھا دیں۔ (حاشیہ)

**الشق الثانی** ...... حَدَّثَنَا حَسَنُ بْنُ الرَّبِيْعِ وَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ قَالَا نَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ إِدْرِيْسَ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ عَنِ الشَّعْبِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلّٰى عَلٰى قَبْرٍ بَعْدَ مَا دُفِنَ فَكَبَّرَ عَلَيْهِ اَرْبَعًا قَالَ الشَّيْبَانِيُّ فَقُلْتُ لِلشَّعْبِيِّ مَنْ حَدَّثَكَ بِهٰذَا قَالَ الثِّقَةُ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ هٰذَا لَفْظُ حَدِيْثِ حَسَنٍ وَ فِيْ رِوَايَةِ ابْنِ نُمَيْرٍ قَالَ اِنْتَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلٰى قَبْرٍ رَطْبٍ فَصَلّٰى عَلَيْهِ وَصَفُّوْا خَلْفَهٗ وَ كَبَّرَ اَرْبَعًا قُلْتُ لِعَامِرٍ مَنْ حَدَّثَكَ قَالَ الثِّقَةُ مَنْ شَهِدَهٗ ابْنُ عَبَّاسٍ۔ (ص ۳۰۹ ج ۱۔ قدیمی)

شکل العبارة و ترجمها الی الاردیة۔

ما هو حکم الصلاة علی القبر عند الائمة۔ ما هو الجواب عن هذا الحدیث عند من لا یقول به؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) قبر پر نماز جنازہ پڑھنے میں اختلاف مع الدلائل (۴) حدیث الباب کا جواب۔

**جواب** ...... ❶ حدیث پر اعراب:۔ کمامرّ فی السوال آنفا۔

❷ عبارت کا ترجمہ:۔ حضرت شعبی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبر پر دفن کے بعد نماز جنازہ ادا کی اور اس پر چار تکبیرات کہیں۔ ابن نمیر کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک نئی قبر پر پہنچے اور اس پر نماز جنازہ ادا کیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے پیچھے نماز ادا کی اور آپ ﷺ نے چار تکبیرات کہیں۔

❸ قبر پر نماز جنازہ پڑھنے میں اختلاف مع الدلائل:۔ قبر پر نماز جنازہ کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک صلوۃ علی القبر علی الاطلاق ناجائز ہے یعنی خواہ اس میت پر پہلے نماز جنازہ پڑھی گئی ہو یا نہ پڑھی گئی ہو۔

امام شافعی، امام احمد اور داؤد ظاہری رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ جو شخص میت کی نماز جنازہ نہ پڑھ سکا ہو اس کیلئے صلوۃ علی القبر کا جواز ہے۔

حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ صلوۃ علی القبر صرف ولی میت کے لئے جائز ہے جبکہ وہ دفن سے پہلے نماز میں شامل نہ ہو سکا ہو، یا پھر اس صورت میں جائز ہے جبکہ کسی شخص کو نماز کے بغیر دفن کر دیا گیا، اس کے سوا حنفیہ کے نزدیک جواز کی کوئی صورت نہیں۔

پھر جن حضرات کے نزدیک صلوۃ علی القبر کا جواز ہے وہ اس جواز کے لئے حدوث دفن کی شرط لگاتے ہیں، چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک دفن کئے جانے کے وقت سے ایک مہینہ تک نماز کی گنجائش ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جن دو صورتوں میں صلوۃ علی القبر کا جواز ہے وہ جواز صرف اتنی مدت تک ہے جب تک کہ میت کے اعضاء منتشر نہ ہوئے ہوں۔ بہر حال دو صورتوں کے سوا کسی بھی صورت میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک صلوۃ علی القبر جائز نہیں۔

ہماری دلیل طبرانی میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ان النبی ﷺ نهى ان يصلى على الجنائز بين القبور۔ علامہ عثمانی رحمہ اللہ اس حدیث کو ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ جب قبور کے درمیان نماز جنازہ ممنوع ہے تو عین قبر پر نماز جنازہ بطریق اولیٰ ممنوع ہوگی۔ ہماری ایک دلیل تعامل امت بھی ہے کہ سلف وخلف میں سے کسی نے بھی آنحضرت ﷺ کے روضۂ اقدس پر نماز نہیں پڑھی حالانکہ انبیاء علیہم السلام کے اجساد مبارک بعینہٖ محفوظ رہتے ہیں اور زمین انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاتی۔

❹ حدیث الباب کا جواب:۔ جہاں تک حدیث باب کا تعلق ہے سو وہ آپ ﷺ کی خصوصیت ہے اس لئے کہ آپ ﷺ تمام مؤمنین کے ولی ہیں جیسا کہ ارشاد ہے النبی اولى بالمؤمنين من انفسهم۔

آنحضرت ﷺ کی خصوصیت پر مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت دلیل ہے ان امرأة سوداء كانت تقم المسجد او شابا ففقدها رسول الله ﷺ فسأل عنها او عنه، فقالوا: مات، قال: افلا كنتم آذنتموني؟ قال: فكأنهم صغروا أمرها او امره، فقال: دلوني على قبره، فدلوه فصلى عليها، ثم قال: ان هذه القبور مملوءة ظلمة على اهلها، وان الله ينورها لهم بصلاتي عليهم۔ اس روایت کا آخری جملہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیت پر دال ہے۔

## ﴿الورقة الثانية: صحيح الامام مسلم﴾

### ﴿السوال الاول﴾ ۱۴۳۶ھ

**الشق الاول** ......عن رافع بن خديج قال: كنا مع رسول الله ﷺ بذى الحليفة من تهامة فاصبنا غنما وابلا فعجل القوم فاغلوا بها القدور، فأمر بها فكفئت ثم عدل عشرا من الغنم بجزور. (ص۱۵۶، ج۲۔ قدیمی)

ترجم الحدیث اذکر مذاهب الائمة فی البدنة هل تجزئ عن اکثر من سبعة اشخاص؟ اکتب ادلتهم

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) اونٹ کے حصوں میں اختلاف (۳) ائمہ کے دلائل۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ذوالحلیفہ کے مقام میں تھے (وہاں سے ہمیں) بکریاں اور اونٹ ملے تو لوگوں نے جلدی جلدی ان کا گوشت ہانڈیوں میں ڈال کر پکانا شروع کر دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہانڈیوں کو الٹ دینے کا حکم فرمایا تو ہانڈیاں الٹ دی گئیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس بکریوں کو ایک اونٹ کے برابر قرار دیا۔

❷ اونٹ کے حصوں میں اختلاف:۔ احناف اور جمہور رحمہم اللہ کے نزدیک گائے اور اونٹ میں کوئی فرق نہیں ہے، جس طرح گائے میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں اسی طرح اونٹ میں بھی سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں، سات سے زیادہ نہیں۔ امام اسحٰق بن راہویہ رحمہ اللہ کے نزدیک اونٹ کی قربانی میں دس آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔

❸ ائمہ کے دلائل:۔ جمہور کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے نحرنا مع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بالحدیبیة البدنة عن سبعة والبقرة عن سبعة۔

امام اسحٰق رحمہ اللہ کی دلیل حدیث الباب ہے کہ گائے کی قربانی میں سات افراد اور اونٹ کی قربانی میں دس افراد شریک ہوئے۔

پہلا جواب یہ ہے کہ ہمارے دلائل اس حدیث کیلئے ناسخ ہے نیز خود ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت میں اونٹ کے سات حصوں کا ذکر ہے اور متعدد روایات اس کیلئے مؤید بھی ہیں۔ نیز اس سے استدلال تام نہیں کیونکہ اس میں قربانی کا بھی احتمال ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ جانور خوشی کے موقع پر کھانے کیلئے ذبح کئے گئے ہوں کیونکہ مسافر پر قربانی واجب نہیں ہے۔

جمہور کا مذہب راجح ہے اس لئے کہ اکثر روایات اسی کے لئے مؤید ہیں اور دلیل جمہور صحیح بھی ہے اور صریح بھی ہے جبکہ امام اسحٰق کی دلیل قطعی الدلالت نہیں ہے۔ (تفصیل تحفۃ الاحوذی ج ۳ ص ۳۰۵)

**الشق الرابع** ...... عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سئل عن الخمر تتخذ خلا فقال لا۔ (ص ۱۶۳۔ ج ۲۔ قدیمی)

اذکر مذاهب العلماء فی تخلیل الخمر هل یجوز ذلك؟ واذکر دلائلهم۔ وهل یعتبر ذلك الخل حلالا طاهرا ام لا۔ اذکر ادلة العلماء علی ما ذهبوا الیه۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) تخلیل خمر کے جواز میں اختلاف مع الدلائل (۲) خمر سے حاصل شدہ سرکہ کے پاک ہونے میں اختلاف (۳) ائمہ کے دلائل۔

**جواب** ...... ❶ تخلیل خمر کے جواز میں اختلاف:۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تخلیل خمر (شراب سے سرکہ بنانا) جائز ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک تخلیل خمر بالکل حرام ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک کسی اور چیز کو شامل کئے بغیر محض دھوپ سے سایہ میں اور سایہ سے دھوپ میں منتقل کرنے سے سرکہ بن گئی تو وہ پاک و حلال ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک راجح قول کے مطابق شراب کا سرکہ بنانا جائز نہیں ہے، لیکن اگر وہ خود بخود سرکہ بن جائے یا کوئی سرکہ بنائے تو اسے کھانا جائز ہے۔ مگر اس کا استعمال جائز ہے۔

الغرض خلاصہ کے طور پر حنفیہ کے نزدیک تخلیل خمر جائز ہے اور بقیہ ائمہ رحمہم اللہ کے نزدیک تخلیل خمر جائز نہیں ہے۔ یا الفاظ دیگر امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک تخلیل خمر جائز نہیں ہے اور بقیہ ائمہ رحمہم اللہ کے نزدیک جائز ہے (دونوں طرح تعبیر کرنا درست ہے)۔

قائلین جواز کی دلیل نقلی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے خیر خلکم خل خمرکم (تمہارا بہترین سرکہ شراب کا سرکہ ہے) دوسری دلیل یہ ہے کہ شراب کی حرمت اس کے نشہ آور ہونے کی وجہ سے ہے اگر کوئی شخص اس کی ماہیت تبدیل

کر کے اس کا سرکہ بنالے تو نشہ آور نہ ہونے کی وجہ سے اس کا استعمال جائز ہے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

قائلین عدم جواز کی دلیل حدیث الباب ہے کہ آپ ﷺ نے تخلیل خمر سے منع فرمایا اور اس کی اجازت نہ دی۔

حدیث نہی کا جواب یہ ہے کہ حرمت خمر کے ابتدائی زمانہ میں آپ ﷺ نے شراب کی نفرت وقباحت راسخ کرنے کیلئے شراب کو سرکہ بنانے سے بھی منع فرمایا حتی کہ شراب کے برتنوں کو بھی توڑ دینے کا حکم دیا۔ پھر جب مسلمانوں کے دلوں میں شراب کی نفرت راسخ ہوگئی تو متعدد احکام شراب منسوخ ہو گئے۔ لہٰذا اب شراب کے برتن توڑنے اور شراب بہانے کا حکم منسوخ ہے۔ اور شراب کا سرکہ بنانا جائز ہے۔ (تحفۃ الالمعی جلد ۴ صفحہ ۴۱)

❷ و ❸ **خمر سے حاصل شدہ سرکہ کے پاک ہونے میں اختلاف مع الدلائل:۔** خمر از خود سرکہ بن جائے یا کسی چیز کے اس میں ڈالنے سے وہ سرکہ بنے بہر صورت وہ حلال ہے اس کے سرکہ بنانے میں بھی کوئی کراہت نہیں ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سرکہ بنانا مطلقاً مکروہ ہے البتہ حاصل شدہ سرکہ میں اگر کوئی چیز ڈال کر اس کو سرکہ بنایا گیا تو یہ سرکہ حلال نہیں ہے اور اگر پھوڑا سے بغیر سرکہ بنا ہے اس میں حلال ہونے اور حلال نہ ہونے کے دونوں قول ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جب خمر سے سرکہ بنایا جائے گا تو یہ خمر سے تمول کے طریقے پر قرب ونزدیکی ہے حالانکہ ہمیں خمر سے اجتناب کا حکم ملا ہے تو یہ حکم اجتناب اور اس سے نزدیکی میں منافات ہے۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں سرکہ کو عمدہ وبہترین سالن قرار دیا گیا ہے لہٰذا سرکہ بنانا حلال ہونا چاہیے کیونکہ اس کے ذریعہ وصف مفسد زائل ہو کر وصف صالح پیدا ہوتا ہے یعنی اس سے صفراء کو تسکین ملتی ہے، شہوت ٹوٹتی ہے اور اس سے غذاء حاصل ہوتی ہے اور ایسی اصلاح درست ہے۔ نیز یہ انسانی مصالح میں کام آنے کے قابل بنے گا تو جیسے از خود خمر سے بنا ہوا سرکہ حلال ہے اسی طرح اسکو بھی حلال ہونا چاہیے اور جیسے مردار کا چمڑا دباغت دینے سے پاک ہو جاتا ہے اور اسکو بلا کراہت دباغت دینا جائز ہے ایسے ہی یہاں بھی ہونا چاہیے اور جب حرام چیز سے قرب اسکے فساد کو دور کرنے کیلئے ہو تو ایسا اقتراب جائز ہے جیسے اگر شراب کو بہاتا ہو تو اس سے بالاتفاق اقتراب جائز ہے۔ (اشرف الہدایہ ج ۱۲ ص ۸۹)

## ﴿السؤال الثانی﴾ ۱۴۳۶ھ

**الشق الاول** ...... وعلامة المنكر فى حديث المحدث اذا ما عرضت روايته للحديث على رواية غيره من اهل الحفظ والرضا خالفت روايته روايتهم او لم تكد توافقها ، فاذا كان الاغلب من حديثه كذلك كان مهجور الحديث غير مقبوله ولا مستعمله ---- ، فلسنا نعرج على حديثهم ولا نتشاغل به . (م،م،ج،مقدمہ)

ترجم العبارة . ماهو تعريف المنكر عند علماء الحديث متقدميهم ومتأخريهم ؟ وما هو مراد مسلم بالمنكر فى هذه العبارة ؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) متقدمین ومتاخرین کے نزدیک منکر کی تعریف (۳) عبارت میں مذکور منکر کی تعیین۔

**جواب** ...... ❶ **عبارت کا ترجمہ:۔** اور کسی محدث کی مرویات کے منکر ہونے کی علامت یہ ہے کہ جب اُنکی روایت کا مقابلہ دوسرے اہل حفظ ورضا (یاد رکھنے والے پسندیدہ) راویوں کی حدیثوں سے کیا جائے تو اُس کی روایت اُن کی روایت کے خلاف ہو یا مشکل سے موافقت پیدا کی جا سکے۔ الغرض جس شخص کی روایات میں بیشتر ایسی ہی روایات ہیں وہ راوی متروک الحدیث، غیر

مقبول الروایہ اور قابل احتجاج ہے۔ ہم ایسے لوگوں کی روایتوں پر اعتماد نہیں کریں گے اور ان کی تخریج میں مشغول نہیں ہوں گے۔

❷ **متقدمین ومتاخرین کے نزدیک منکر کی تعریف:۔** منکر معروف کی ضد ہے۔ فن میں دونوں کی تعریفیں اس طرح کی گئی ہیں کہ اگر ضعیف راوی کا بیان ثقہ راوی کے خلاف ہے تو ضعیف راوی کی روایت کو منکر (انجانی) اور ثقہ کی روایت کو معروف (پہچانی) کہتے ہیں۔ حدیث منکر کی ایک دوسری قدیم تعریف یہ بھی تھی کہ اگر کسی حدیث کا کوئی راوی ضعیف ہو اور وہ حدیث کی روایت میں متفرد ہو تو اس کی روایت کو منکر کہتے تھے اور خود اس ضعیف راوی کو بھی منکر کہتے تھے یعنی قدیم زمانہ میں لفظ منکر تقریباً ضعیف جدًا (نہایت ضعیف) کے معنی میں تھا۔ سنن اربعہ میں اور ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال میں لفظ منکر عام طور پر اسی دوسرے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ یہ معنی پہلے معنی کی بہ نسبت عام ہیں یعنی پہلی تعریف کو بھی یہ تعریف شامل ہے۔

❸ **عبارت میں مذکور منکر کی تعیین:۔** یہاں امام مسلم رحمہ اللہ کی مراد منکر سے یہی دوسرے معنی ہیں، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ "کسی حدیث کے منکر ہونے کی علامت یہ ہے کہ اگر اس روایت کا معتبر حفاظ کرام کی روایات سے موازنہ کیا جائے تو وہ قطعاً اس سے مختلف ہو یا بمشکل موافقت پیدا کی جاسکے جس راوی کی بیشتر مرویات اس قسم کی ہوں گی وہ متروک الحدیث، ناقابل اعتبار اور اس کی مرویات ناقابل قبول ہوں گی مثلاً ① عبداللہ بن محرر (بروزن محمد) جزری، قاضی رقہ جو ابن ماجہ کا راوی ہے متروک اور ناقابل اعتبار ہے ② یحییٰ بن ابیہ جزری رہاوی جو ترمذی کا راوی ہے یہ متروک ہے فلاس کہتے ہیں "قد اجتمعوا علی ترک حدیثہ" (اس کی حدیثیں قبول نہ کرنے پر محدثین کا اتفاق ہے) ③ ابوالعطوف جراح بن منہال جزری، جس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے منکر الحدیث اور امام نسائی ودارقطنی رحمہما اللہ نے متروک کہا ہے ④ عباد بن کثیر ثقفی بصری (فلسطینی نہیں) جو ابوداؤد اور ابن ماجہ کا راوی ہے متروک ہے ⑤ حسین بن عبداللہ بن ضمیرہ حمیری مدنی متروک الحدیث اور کذاب ہے ⑥ عمر بن صہبان اسلمی مدنی جو ابن ماجہ کا راوی ہے، منکر الحدیث ہے، ابن عدی کہتے ہیں غلبت علی احادیثه المناکیر۔

اس قسم کے تمام رُوات جو منکر روایات نقل کرنے میں مذکورہ بالا رُوات کے نقش قدم پر چلتے ہیں، امام مسلم رحمہ اللہ ان کی حدیثوں پر اعتماد نہیں کریں گے، نہ ان کی روایات کو مسلم شریف میں درج فرمائیں گے۔ (فضل المنعم ص ۳۲)

**السوال الثالث** ...... لِأَنَّ حُكْمَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَالَّذِي نَعْرِفُ مِنْ مَذْهَبِهِمْ فِي قَبُولِ مَا يَتَفَرَّدُ بِهِ الْمُحَدِّثُ مِنَ الْحَدِيثِ أَنْ يَكُونَ قَدْ شَارَكَ الثِّقَاتِ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ وَالْحِفْظِ فِي بَعْضِ مَا رَوَوْا وَأَمْعَنَ فِي ذَلِكَ عَلَى الْمُوَافَقَةِ لَهُمْ فَإِذَا وُجِدَ كَذَلِكَ ثُمَّ زَادَ بَعْدَ ذَلِكَ شَيْئًا لَيْسَ عِنْدَ أَصْحَابِهِ قُبِلَتْ زِيَادَتُهُ فَأَمَّا مَنْ تَرَاهُ يَعْمِدُ لِمِثْلِ الزُّهْرِيِّ فِي جَلَالَتِهِ وَكَثْرَةِ أَصْحَابِهِ الْحُفَّاظِ الْمُتْقِنِينَ لِحَدِيثِهِ وَحَدِيثِ غَيْرِهِ أَوْ لِمِثْلِ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ وَحَدِيثُهُمَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مَبْسُوطٌ مُشْتَرَكٌ قَدْ نَقَلَ أَصْحَابُهُمَا عَنْهُمَا حَدِيثَهُمَا عَلَى الْاِتِّفَاقِ مِنْهُمْ فِي أَكْثَرِهِ فَيَرْوِي عَنْهُمَا أَوْ عَنْ أَحَدِهِمَا الْعَدَدَ مِنَ الْحَدِيثِ مِمَّا لَا يَعْرِفُهُ أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِهِمَا وَلَيْسَ مِمَّنْ قَدْ شَارَكَهُمْ فِي الصَّحِيحِ مِمَّا عِنْدَهُمْ فَغَيْرُ جَائِزٍ قَبُولُ حَدِيثِ هَذَا الضَّرْبِ مِنَ النَّاسِ۔ (ص ۵۔ ج ۔ قدیمی)

شکل العبارة بالضبط الكامل ثم ترجمها الى الاردية . ما هى القاعدة فى قبول زيادات الثقات وردها . اذكرها محررة فى ضوء ما قاله مسلم"۔

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) ثقہ کی زیادتی کے مقبول ومردود ہونے کا ضابطہ۔

**الجواب** ...... ① **عبارت پر اعراب:۔** کما مرّ فی السوال آنفا۔

② **عبارت کا ترجمہ:۔** اسلئے کہ محدثین کا جو فیصلہ اور ان کا جو مذہب مشہور ہے اس حدیث کو قبول کرنے کے سلسلہ میں جس کا راوی منفرد ہے وہ یہ ہے کہ راوی ثقہ حفاظ محدثین کے ساتھ شریک رہا ہو ان کی بعض مرویات میں اور اس نے انتہائی جدوجہد کی ہو ان کی موافقت کرنے میں تو جب کوئی راوی ایسا ثابت ہو جائے پھر وہ کوئی زائد بات بیان کرے جو اسکے ساتھیوں کی روایت میں نہ ہو تو اسکی زیادتی قبول کی جائیگی رہا وہ راوی جسے آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ امام زہری رحمہ اللہ جیسے محدث کا قصد کرتا ہے (جو امام زہری کی طرح ہے)، جلالت شان میں اور شاگردوں کی کثرت میں جو حفاظ حدیث ہیں اور ان کی اور دوسرے محدثین کی روایات کو نہایت درستگی کے ساتھ بیان کرتے ہیں یا وہ حضرت ہشام بن عروہ رحمہ اللہ جیسی شخصیت کا قصد کرتا ہے، درآنحالیکہ دونوں کی حدیثیں محدثین کے پاس مفصل موجود ہیں اور دونوں کی حدیثیں مشترک بھی ہیں جن میں سے اکثر کو ان کے تلامذہ باہم متفق ہو کر ان سے روایت کرتے ہیں، اب وہ راوی ان دونوں حضرات سے یا ان میں سے کسی ایک سے چند ایسی حدیثیں روایت کرتا ہے جن کو انکے تلامذہ میں سے کوئی نہیں جانتا اور وہ راوی ان تلامذہ کیساتھ انکی صحیح روایات نقل کرنے میں شریک بھی نہیں رہا ہے تو اس قسم کے ذوات کی روایتیں قبول کرنا جائز نہیں ہے۔

③ **ثقہ کی زیادتی کے مقبول ومردود ہونے کا ضابطہ:۔** امام مسلم رحمہ اللہ کے بیان کردہ ضابطہ کا حاصل یہ ہے کہ اگر راوی دوسرے ثقہ ذوات کے ساتھ کسی استاذ سے روایت کرنے میں شریک رہا ہو اور عام طور پر اس کی روایات ان کی روایات کے ساتھ موافق بھی ہوں مگر کسی خاص حدیث میں وہ کوئی ایسی بات بڑھا جائے جو دوسرے ثقہ راویوں کی روایت میں نہیں ہے تو یہ زیادتی معتبر ہے مثلا محدث جلیل حضرت قتادہ بن دعامہ سدوسی بصری رحمہ اللہ سے ان کے چار تلامذہ ابو عوانہ، سعید بن ابی عروبہ، ہشام دستوائی اور سلیمان تیمی رحمہم اللہ ایک حدیث روایت کرتے ہیں جس کو حضرت قتادہ یونس بن جبیر سے اور وہ حضرت حطان بن عبداللہ رقاشی سے اور وہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں جس کو امام مسلم رحمہ اللہ نے صحیح مسلم میں باب التشہد میں ذکر کیا ہے۔ اس حدیث میں سلیمان تیمی **وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا** (جب امام قرآن پڑھے تو تم خاموش رہو) کا اضافہ کرتے ہیں، یہ زیادتی باقی تین ساتھیوں کی روایت میں نہیں ہے مگر چونکہ سلیمان تیمی اپنے تینوں ساتھیوں کے ساتھ حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے روایت کرنے میں شریک رہے ہیں اور ان کی روایات ان کی روایات کے ساتھ عام طور پر متفق ہوتی ہیں اس لئے سلیمان تیمی کی یہ زیادتی معتبر ہے۔

لیکن اگر کوئی عظیم الشان، جلیل القدر محدث ہو اور اس کے تلامذہ کا ایک جم غفیر ہو جن کو اس استاذ کی اور دوسرے اساتذہ کی روایات خوب یاد ہوں اور نہایت درستگی کے ساتھ ان کو روایت کرتے ہوں مثلا امام ابن شہاب محمد بن مسلم قرشی زہری رحمہ اللہ یا ان کے معاصر حضرت ہشام بن عروہ رحمہ اللہ جن کے بے شمار تلامذہ ہیں اور جن کی حدیثیں محدثین کے پاس مفصل موجود ہیں اور دونوں کی حدیثیں اور دونوں کے تلامذہ بھی مشترک ہیں، اب اگر کوئی راوی ان دونوں سے یا ان میں سے کسی ایک سے ایک یا چند ایسی روایتیں نقل کرتا ہے جن کو انکے دوسرے تلامذہ نہیں جانتے اور یہ منفرد راوی ان تلامذہ کے ساتھ ان دونوں بزرگوں کی صحیح روایات نقل کرنے میں شریک بھی نہیں رہا ہے تو ایسے راوی کی روایت کا ان ثقہ حفاظ کی روایات سے مقابلہ کرنا ضروری ہے، موافق ہوگی تو قبول کی جائے گی ورنہ منکر قرار دے کر رد کر دی جائیگی کیونکہ ہر شخص بخوبی یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ جو تلامذہ استاذ کی خدمت میں لمبا زمانہ رہے ہوں اور جو غیر معمولی قوت یادداشت بھی رکھتے ہوں وہ تو اس روایت سے بے خبر ہوں اور ایک ایسا راوی جسکی ملازمت اور معرفت برائے نام ہو اسکو وہ روایت مل جائے یہ بات قابل یقین نہیں ہے۔ الغرض یہ ایک ایسا اندیشہ ہے جسکی وجہ سے اس منفرد راوی کی مرویات کا جماعت حفاظ کی روایات کے ساتھ مقابلہ ضروری ہے۔ ہر راوی کی روایت کا مقابلہ ضروری نہیں ہے۔ (فیض المنعم ص [illegible])

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۶ھ

**الشق الاول**......عن ابی وائل عن عبداللہ قال قلنا یا رسول اللہ انؤاخذ بما عملنا فی الجاھلیۃ؟ قال: من احسن فی الاسلام لم یؤاخذ بما عمل فی الجاھلیۃ ومن اساء فی الاسلام اخذ بالاول والآخر

ترجم الحدیث الشریف بالاردیۃ ۔ اذکر معنی الحدیث واشرح خاصۃ قولہ علیہ الصلاۃ والسلام "ومن اساء فی الاسلام اخذ بالاول والآخر" فی ضوء اقوال العلماء (ص۷۵-ج۱-قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی تشریح (۳) ومن اساء فی الاسلام اخذ بالاول والآخر کی تشریح میں علماء کے اقوال۔

**جواب**...... ① <u>حدیث کا ترجمہ:۔</u> حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا ہمارے جاہلیت والے اعمال کی وجہ سے ہمارا مواخذہ وگرفت ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اچھا عمل کیا اسلام میں (دل وجان سے مسلمان ہوا) تو اس کا اعمالِ جاہلیت پر مواخذہ نہ ہوگا اور جس نے برا عمل کیا اسلام میں (صرف ظاہرا مسلمان ہوا) تو اس کے اسلام سے پہلے اور بعد والے سب اعمال پر مواخذہ ہوگا۔

② <u>حدیث کی تشریح:۔</u> ترجمے سے مفہوم وتشریح واضح ہے کہ اگر آدمی نے صحیح طور پر اخلاص اور صدقِ نیت کے ساتھ اسلام قبول کیا یعنی باطن کو نورِ اسلام سے منور کیا اور ظاہر کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری سے مزین کیا تو اس کے اسلام سے پہلے کے سب گناہ معاف ہو جائیں گے، ان پر مواخذہ نہیں ہوگا اور اگر اس کی زندگی اسلام میں آنے کے بعد بھی نورِ اسلام اور اطاعتِ خداوندی سے خالی رہی، اسکے ظاہر وباطن پر اسلام کا رنگ نہیں چڑھا تو اس کے سابقہ گناہ معاف نہیں ہوں گے، اس کے اسلام سے پہلے وبعد والے سب برے اعمال پر مواخذہ ہوگا۔ (معارف الحدیث)

③ <u>ومن اساء فی الاسلام اخذ بالاول والآخر کی تشریح میں علماء کے اقوال:۔</u> اس جملے کے متعلق ایک قول ابھی تشریح کے ضمن میں مذکور ہوا دوسرا قول جو کہ علامہ نوویؒ نے ذکر کیا ہے کہ اساء سے مراد دل سے اسلام قبول نہ کرنا ہے یعنی جو شخص ظاہری طور پر اسلام لایا اور باطنی طور پر اسلام کو قبول نہیں کیا یعنی جو شخص منافق ہے اور قلبی طور پر کافر ہے یہ شخص باجماع المسلمین کافر ہے اور یہ اپنے کفر پر مستمر ہے، اس کا سابقہ اعمال اور ظاہری طور پر اسلام لانے کے بعد والے سب اعمال پر مواخذہ ہوگا۔ (حاشیہ)

**الشق الثانی**......عن زینب امرأۃ عبداللہ قالت قال رسول اللہ ﷺ تصدقن یامعشر النساء ولو من حلیکن قالت: فرجعت الی عبداللہ فقلت انک رجل خفیف ذات الید وان رسول اللہ ﷺ قد امرنا بالصدقۃ فأتہ فاسألہ فان کان ذلک یجزئ عنی والا صرفتھا الی غیرکم قالت: فقال لی عبداللہ بل ائتیہ انت قالت: فانطلقت فاذا امرأۃ من الانصار بباب رسول اللہ ﷺ حاجتی حاجتھا قالت: وکان رسول اللہ ﷺ قد القیت علیہ المھابۃ قالت: فخرج علینا بلال فقلنا لہ ائت رسول اللہ ﷺ فاخبرہ ان امرأتین بالباب تسألانک اتجزئ الصدقۃ عنھما علی ازواجھما وعلی ایتام فی حجورھما؟ ولا تخبرہ من نحن قالت: فدخل بلال علی رسول اللہ ﷺ فسألہ فقال لہ رسول اللہ ﷺ من ھما؟ فقال: امرأۃ من الانصار وزینب فقال رسول اللہ ﷺ ای الزیانب؟ قال امرأۃ عبداللہ فقال لہ رسول اللہ ﷺ لھما اجران اجر القرابۃ واجر الصدقۃ۔ (ص۳۲۳-ج۱-قدیمی)

ترجم الحدیث واذکر مذاهب العلماء فی وجوب الزکاة فی الحلی وعدم وجوبها. اذکر ادلتهم علی ما ذهبوا الیه. هل یجوز للمرأة ان تعطی زکاتها الی زوجها الفقیر ؟ اذکر اختلاف العلماء فی ذالک.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) زیورات پر زکوۃ کے وجوب میں اختلاف (۳) ائمہ کے دلائل (۴) عورت کے لئے اپنے فقیر زوج کو زکوۃ دینے میں اختلاف۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ زوجہ عبداللہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے عورتوں کی جماعت صدقہ کرو اگرچہ تمہارے زیورات سے ہو فرماتی ہیں میں حضرت عبداللہ کے پاس لوٹی اور عرض کیا کہ آپ خالی ہاتھ والے آدمی ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم فرمایا ہے تم رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ اور پوچھ کر آؤ اگر میری طرف سے آپ کو دینا کافی ہو جائے تو بہتر ورنہ تمہارے علاوہ کسی اور کو دوں تو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے مجھے فرمایا تم خود ہی جا کر آپ ﷺ سے پوچھ لو میں چلی جب آپ کے دروازہ پر پہنچی تو انصاری عورتوں میں سے ایک عورت وہاں موجود تھی اور میری حاجت بھی اس کی حاجت کی مثل تھی، اور اللہ کے رسول اللہ ﷺ پر عظمت وجلال چھایا ہوا تھا، ہماری طرف حضرت بلال رضی اللہ عنہ آئے تو ان سے ہم نے کہا تم رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ اور آپ کو خبر دو کہ دروازے پر موجود دو عورتیں آپ سے سوال کرتی ہیں کہ ان کی طرف سے صدقہ ان کے خاوندوں پر اور ان یتیموں پر کفایت کر جائے گا جو ان کی گود میں ہیں اور آپ ﷺ کو یہ نہ بتانا کہ ہم کون ہیں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا زینب اور ایک عورت انصار میں سے تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کون سی زینب؟ عرض کیا عبداللہ رضی اللہ عنہ کی بیوی تو اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان کے لئے دو اجر وثواب ہیں ایک رشتہ داری کا ثواب اور دوسرا صدقہ وخیرات کا ثواب۔

❷ زیورات پر زکوۃ کے وجوب میں اختلاف:۔ امام ابوحنیفہ وصاحبین رحمہم اللہ کے ہاں سونے چاندی کے زیورات میں زکوۃ فرض ہے اور امام مالک وامام احمد رحمہما اللہ کے ہاں اور امام شافعی رحمہ اللہ کے اظہر قول کے مطابق زیورات میں زکوۃ فرض نہیں ہے۔

❸ ائمہ کے دلائل:۔ احناف کے دلائل ① کہ سونے چاندی میں وجوب زکوۃ کی مطلق نصوص زیورات کو بھی شامل ہیں مثلاً والذین یکنزون الذهب والفضة (قرآن) هاتوا صدقة الرقة (ترمذی) غرضیکہ وہ تمام نصوص جو زیورات کی زکوۃ پر دال ہیں مثلاً یامعشر تصدقن ولومن حلیکن فانکن اکثر اهل جهنم یوم القیامة (ترمذی) ② عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ دو عورتیں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں ان کے ہاتھوں میں دو سونے کے کنگن تھے آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم ان کی زکوۃ ادا کرتی ہو؟ انہوں نے کہا نہیں آپ ﷺ نے فرمایا! کیا تم چاہتی ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں آگ کے کنگن پہنائے؟ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا ان کی زکوۃ ادا کیا کرو۔ (ترمذی) ③ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا کہ وہ اپنی طرف سے مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دیں کہ وہ اپنے زیورات کی زکوۃ ادا کریں۔ ④ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ زیورات میں زکوۃ ہے۔ ⑤ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ اپنی عورتوں کو حکم دیتے تھے کہ وہ اپنے زیورات کی زکوۃ ادا کریں۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی دلیل: ① حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ زیورات میں زکوۃ نہیں ہے۔ (التحقیق ابن جوزی) ② موقوف آثار ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا اثر وحضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اثر (موطا مالک) حضرت اسماء بنت صدیق اکبر رضی اللہ عنہا کا اثر، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا اثر (دار قطنی) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا اثر (مسند شافعی)

جوابات: حنفیہ کی طرف سے پہلی مرفوع حدیث کا جواب یہ ہے کہ بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے

اور یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ نیز مذکورہ احادیث کے قرینہ سے یہ حدیث مؤول ہے اور سونا چاندی کے علاوہ دیگر جواہر کے زیورات پر محمول ہے۔ آثار صحابہ رضی اللہ عنہم کا جواب یہ ہے کہ کتاب اللہ اور مرفوع احادیث کے مقابلہ میں موقوف احادیث و آثار حجت نہیں ہیں۔ (تفصیل المسائل والدلائل ص ۴۹۲، درس ترمذی ج ۲ ص ۴۵۲)

❷ **عورت کیلئے اپنے فقیر زوج کو زکوٰۃ دینے میں اختلاف:** حنفیہ رحمہم اللہ کے نزدیک جن رشتہ داروں کے ساتھ ولادت یا زوجیت کا تعلق ہو مثلاً ماں باپ دادا وغیرہ، اولاد و اولاد الاولاد وغیرہ اور میاں بیوی انہیں زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔

امام شافعی، ابوثور، ابوعبید، اشہب، ابن المنذر، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ عورت کیلئے اپنے فقیر شوہر کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

ان کا استدلال حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے جس میں وہ فرماتے ہیں جاءت زينب امرأة ابن مسعود تستأذن عليه فقيل يارسول الله هذه زينب، فقال أى الزيانب؟ فقيل امرأة ابن مسعود قال: نعم ائذنوا لها فأذن لها قالت يا نبي الله انك أمرت اليوم بالصدقة وكان عندى حلىٌّ لى فأردت ان اتصدق به فزعم ابن مسعود انه وولده أحق من تصدقت به عليهم فقال رسول الله ﷺ صدق ابن مسعود زوجك وولدك أحق من تصدقت به عليهم۔ نیز ان حضرات کا استدلال حضرت عطاء کی روایت سے ہے جسے جوزجانی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے قال: اتت النبي ﷺ امرأة فقالت يا رسول الله ان على نذرًا ان اتصدق بعشرين درهمًا وان لى زوجًا فقيرًا افيجزئ عنى ان اعطيه قال: نعم كفلان من الاجر۔

حضرت حسن بصری، امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری اور امام مالک رحمہم اللہ اور ایک روایت میں امام احمد اور حنابلہ رحمہم اللہ میں سے ابوبکر رحمہ اللہ کے نزدیک عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے مال کی زکوٰۃ اپنے شوہر کو دیدے" ویروی ذلک عن عمر رضی اللہ عنہ"

ان حضرات نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ اس میں صدقہ نافلہ کا ذکر ہے زکوٰۃ کا نہیں۔ علامہ عینی رحمہ اللہ نے اس کی تائید میں ایک روایت سے بھی استدلال کیا ہے۔ (درس ترمذی ج ۲ ص ۴۸)

## ﴿الورقة الثانية: صحيح الامام مسلم﴾

## ﴿السوال الاول﴾ ۱۴۳۷ھ

**الشق الاول** ......عن فاطمة بنت قيس ان ابا عمرو بن حفص طلقها البتة وهو غائب فارسل اليها وكيله بشعير فسخطته فقال: والله مالك علينا من شيئ فجاءت رسول الله ﷺ فذكرت ذلك له فقال: ليس لك عليه نفقة فامرها ان تعتد فى بيت ام شريك ثم قال: تلك امرأة يغشاها اصحابى اعتدى عند ابن ام مكتوم فانه رجل اعمى تضعين ثيابك فاذا حللت فآذنيني. (ص ۴۸۳، ج ۱، قدیمی)

ترجم الحديث. اذكر مذاهب العلماء مع ادلتهم فى مسألة النفقة للمبتوتة. يدل هذا الحديث على جواز نظر المرأة الى الأجنبى، فما هو الحق فى هذه المسألة؟ اذكر محررا فى ضوء اقوال العلماء

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) مطلقہ مبتوتہ کے لئے نفقہ میں اختلاف (۳) ائمہ کے دلائل (۴) عورت کے اجنبی مرد کی طرف دیکھنے میں علماء کے اقوال۔

**جواب** ......❶ **حدیث کا ترجمہ:** حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ابو عمرو بن حفص نے اُسے طلاق بائن دی

اور وہ غائب تھے تو اس (ابو عمرو) نے اپنے وکیل کو جَو دے کر اس کی طرف بھیجا، وہ اس سے ناراض ہوئی، اس نے کہا اللہ کی قسم ہمارے اوپر تیری کوئی چیز لازم نہیں ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ سے اسکا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اس پر تیرا نفقہ لازم نہیں ہے اور آپ نے اسے حکم دیا کہ وہ ام شریک رضی اللہ عنہا کے ہاں اپنی عدت پوری کرے پھر فرمایا کہ وہ ایسی عورت ہیں جہاں ہمارے صحابہ رضی اللہ عنہم اکثر جمع ہوتے رہتے ہیں تو ابن ام مکتوم (اپنے چچا کے بیٹے) کے گھر میں عدت پوری کر کیونکہ وہ نابینا آدمی ہیں وہاں تم اپنے کپڑوں کو اتار سکتی ہو اور جب تیری عدت پوری ہو جائے تو مجھے خبر دینا۔

❷ **مطلقہ مبتوتہ کے لئے نفقہ میں اختلاف:۔** فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ مطلقہ رجعیہ اور مبتوتہ حاملہ عدت کے دوران نفقہ اور سکنی دونوں کی مستحق ہوتی ہے۔ البتہ مبتوتہ غیر حاملہ کے بارے میں اختلاف ہے اس میں تین مذاہب ہیں۔ ① امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کا مسلک یہ ہے کہ مبتوتہ غیر حاملہ کا نفقہ اور سکنی بھی مطلقاً شوہر پر واجب ہے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مسلک ہے نیز سفیان ثوری ابراہیم نخعی ابن شبرمہ ابن ابی لیلی رحمہم اللہ وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں ② امام احمد، امام اسحاق اور اہل ظاہر رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اس کیلئے نفقہ ہے نہ سکنی۔ حضرت علی، حضرت ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم کی طرف بھی یہی قول منسوب ہے نیز حسن بصری، طاؤس، عطاء بن ابی رباح رحمہم اللہ کا بھی یہی مسلک ہے ③ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک سکنی واجب ہے نفقہ واجب نہیں فقہاء سبعہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہی مسلک ہے۔

❸ **ائمہ کے دلائل:۔** عدم نفقہ اور عدم سکنی پر امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ کا استدلال حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت سے ہے۔

امام شافعی و امام مالک رحمہما اللہ عدم نفقہ پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی کی روایت سے استدلال کرتے ہیں البتہ فرماتے ہیں کہ **اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم ولا تضاروھن لتضیقوا علیھن** کی آیت سکنی کے بارے میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے معارض ہے لہذا ہم نے روایت کو ترک کر دیا اور کتاب اللہ کو اختیار کر لیا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی پہلی دلیل: **وللمطلقت متاع بالمعروف** اس آیت میں متاع سے نفقہ اور سکنی دونوں مراد ہیں اور مطلقات کا لفظ عام ہے جو مطلقہ رجعیہ اور مبتوتہ دونوں کو شامل ہے۔ دوسری دلیل: **اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم ولا تضاروھن لتضیقوا علیھن** امام جصاص رحمہ اللہ نے اس آیت سے تین طریقوں سے مسلک احناف کو ثابت کیا ہے۔ ① جس طرح سکنی ایک مالی حق ہے اور اس آیت کی رو سے واجب ہے اسی طرح نفقہ بھی مالی حق ہونے کی وجہ سے واجب ہوگا ② **ولا تضاروھن** سے مطلقات کو ضرر پہنچانے سے روکا گیا ہے اور ضرر جس طرح عدم سکنی سے لاحق ہوتا ہے اسی طرح عدم نفقہ سے بھی لاحق ہوتا ہے ③ **لتضیقوا علیھن** تنگی اور تضییق جس طرح عدم سکنی میں ہے اسی طرح عدم نفقہ میں بھی ہے۔

تیسری دلیل: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے مطلقہ مبتوتہ غیر حاملہ کے لئے سکنی اور نفقہ مقرر نہیں کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم ایک عورت کے قول کی وجہ سے اللہ تعالی کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کو نہیں چھوڑیں گے شاید کہ اس کو یاد ہے یا وہ نفقہ اور سکنی بھول گئی ہے حالانکہ اللہ نے فرمایا **لا تخرجوھن من بیوتھن** (مسلم)

جوابات: حدیث فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا حضرت عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کی جرح کی وجہ سے مطعون ہے مذکورہ نصوص کے مقابلہ میں حجت نہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انکار پر کسی صحابی کا انکار منقول نہیں حضرت زید بن ثابت، حضرت اسامہ بن زید، حضرت جابر رضی اللہ عنہم نے بھی اس روایت کو مجروح کیا ہے۔ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا اپنے شوہر اور گھر والوں کیخلاف زبان درازی کیا کرتی تھیں اسلئے آنحضرت ﷺ نے ان کو شوہر کے گھر سے ہٹا دیا باقی رہا نفقہ اس کا جواب یہ ہے کہ فاطمہ کے خاوند کے وکیل نے کچھ نفقہ پیش کیا تھا فاطمہ نے قلت

کی وجہ سے احادیث کو رد کر دیا ... کا مطالبہ کیا آپ ﷺ نے ازواج کی تسلی فرمائی۔ (تفصیل ... [illegible])

② **عورت کے لیے اجنبی مردوں کی طرف دیکھنے میں علماء کے اقوال:** معارف القرآن میں وقل للمؤمنت یغضضن من ابصارھن الآیۃ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ عورتوں کا اپنے محرم کے سوا کسی اجنبی مرد کو دیکھنا مطلقاً حرام ہے، بہت سے علماء کا یہی قول ہے اور انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث افعمیاوان انتما الخ سے استدلال کیا ہے اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ بغیر شہوت کے نامحرم کو دیکھنے میں مضائقہ نہیں اور انہوں نے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے مسجد نبوی کے احاطہ میں حبشی نوجوانوں کو دیکھا جو جہاد کی تیاری کر رہے تھے اور آپ ﷺ نے منع نہیں فرمایا، اس کے بعد حضرت مفتی شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ بنظر شہوت حرام ہے اور بلا شہوت نظر کرنا خلاف اولیٰ ہے اس لئے اس سے بھی احتیاط کرنا اولیٰ و احق ہے۔

**الشق الثانی** ...... عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُثْمَانَ قَالَ قُلْتُ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُبَارَكِ مَنْ هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ رَوَيْتَ عَنْهُ حَدِيْثَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو يَوْمُ الْفِطْرِ يَوْمُ الْجَوَائِزِ قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ الْحَجَّاجِ اُنْظُرْ مَا وَضَعْتَ فِيْ يَدِكَ مِنْهُ وَعَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ يَعْنِي ابْنَ الْمُبَارَكِ رَأَيْتُ رَوْحَ بْنَ غُطَيْفٍ صَاحِبَ الدَّمِ قَدْرِ الدِّرْهَمِ وَجَلَسْتُ إِلَيْهِ مَجْلِسًا فَجَعَلْتُ أَسْتَحْيِيْ مِنْ أَصْحَابِيْ أَنْ يَرَوْنِيْ جَالِسًا مَعَهُ كُرْهَ حَدِيْثِهِ۔ ([illegible])

شكل العبارة بالضبط الكامل ثم ترجمها الى الاردية، اذكر حديث عبد الله بن عمرو يوم الفطر يوم الجوائز ما هو المراد من قوله انظر ما وضعت في يدك منه۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) حدیث یوم الفطر یوم الجوائز کا ذکر (۴) انظر ما وضعت في يدك منه کی مراد۔

**جواب** ...... ① **عبارت پر اعراب:** كما مرّ في السؤال آنفا۔

② **عبارت کا ترجمہ:** عبداللہ بن عثمان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے پوچھا کہ وہ کون سا راوی ہے جس سے آپ حدیث عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ "یوم الفطر یوم الجوائز" روایت کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ سلیمان بن حجاج سے (میں نے کہا) آپ دیکھیں کہ آپ نے اپنے ہاتھ میں اس سے کیا چیز رکھی ہے (حاصل کی ہے)۔ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے "بقدر درہم خون والے" روح بن غطیف کو دیکھا ہے اور اس کے ساتھ ایک مجلس میں بیٹھا ہوں پس میں اپنے شاگردوں سے حیا کرنے لگا اس بات سے کہ وہ مجھے اس کے ساتھ بیٹھا ہوا دیکھیں، اس کی حدیث کو ناپسند کرنے کی وجہ سے۔

③ **حدیث یوم الفطر یوم الجوائز کا ذکر:** قال النووي هو ما روي اذا كان يوم الفطر وقفت الملائكة على افواه الطريق ونادت يا معشر المسلمين اغدوا الى رب رحيم يأمر بالخير ويثيب عليه الجزيل امركم فصمتم واطعتم ربكم فاقبلوا جوائزكم فاذا صلوا العيد نادى مناد من السماء ارجعوا الى منازلكم راشدين فقد غفرت ذنوبكم كلها فيسمى ذلك اليوم يوم الجوائز۔

④ **انظر ما وضعت في يدك منه کی مراد:** عبداللہ بن عثمان رحمہ اللہ المعروف عبدان جو [illegible] کے محدث ہیں انہوں نے اس عبارت میں حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کو توجہ دلائی ہے کہ آپ جو سلیمان بن حجاج سے روایت کرتے ہیں اس کے متعلق غور و خوض کر لیں کہ کیا وہ روایت نقل کرنے کے قابل بھی ہے یا نہیں؟ (معلوم ہوتا ہے کہ عبدان کے توجہ دلانے پر ابن مبارک رحمہ اللہ نے ان کی یہ روایت موقوف کر دی، چنانچہ اب سلیمان کے حوالے سے یہ روایت کسی کتاب میں نہیں ہے البتہ کنز العمال

میں یہ روایت بحوالہ تاریخ ابن عساکر حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ کی جگہ ابن عباس ؓ سے نقل کی گئی ہے)۔(فیض المنعم ص۹۳)

## ﴿السوال الثانی ﴾ ۱۴۳۷ھ

**الشق الاول** ......عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ وَالْمُخَابَرَةِ وَأَنْ يُشْتَرَى النَّخْلُ حَتّٰى يُشْقِهَ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَعَنْ بَيْعِ الثَّمَرَةِ حَتّٰى تُشْقِحَ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَعَنِ الْمُعَاوَمَةِ وَعَنِ الثُّنْيَا

شکل الحدیث وترجمہ ترجمۃ واضحۃ ، فسر هذه البیوع حق تفسیرها ۔(ص۱۱-ج۲-قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال ﴾......اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) مذکورہ بیوع کی تشریح۔

**جواب** ......❶ عبارت پر اعراب:۔ کمامرّ فی السوال آنفا۔

❷ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا بیع محاقلہ، مزابنہ ومخابرہ سے اور یہ کہ آدمی کھجور خریدے جب تک کہ وہ گدر (سرخ وزرد یا کھانے کے قابل) نہ ہو جائے اور ایک روایت میں ہے کہ پھلوں کی بیع سے منع فرمایا جب تک کہ وہ گدر (سرخ یا زرد رنگ پکڑنا) نہ ہو جائے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ بیع معاومہ سے اور استثناء کرنے سے بھی منع فرمایا۔

❸ مذکورہ بیوع کی تشریح:۔ **محاقلہ**: کھیت میں لگی ہوئی گندم وغیرہ کو کٹی ہوئی گندم وغیرہ کے عوض اندازہ سے فروخت کرنا بیع محاقلہ ہے، شریعت نے اس سے منع کیا ہے۔ ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ کٹی ہوئی گندم وغیرہ کا وزن ممکن ہے مگر کھیت میں لگی ہوئی گندم وغیرہ کا وزن ممکن نہیں ہے حالانکہ یہ اشیاء ربویہ میں سے ہے اس میں برابری ضروری ہے اور کمی زیادتی حرام ہے اور اندازہ سے بیچنے کی صورت میں برابری یقینی نہیں ہے بلکہ کمی زیادتی کا احتمال ہے اور یہ کمی زیادتی حرام ہے۔

**مزابنہ**: درخت پر لگی ہوئی کھجور وغیرہ کو کٹی واتری ہوئی کھجور کے عوض اندازہ سے فروخت کرنا بیع مزابنہ ہے۔

اس سے بھی ممانعت کی وجہ وہی ہے جو اوپر "محاقلہ" کے ضمن میں ذکر کی گئی ہے۔ فرق ان دونوں میں یہ ہے کہ اگر کھیتی کی بیع اتری ہوئی کھیتی سے ہو تو "محاقلہ" ہے اور درخت پر لگے ہوئے پھل کی بیع اترے ہوئے پھل سے ہو تو "مزابنہ" ہے۔

**مخابرہ**: (مخابرہ ومزارعہ ایک ہی چیز ہے) اس کی تفصیل یہ ہے کہ کوئی زمین دوسرے کو کاشت پر دینے کی چند صورتیں ہو سکتی ہیں۔

ایک صورت یہ ہے کہ مالک اپنی زمین کاشتکار کو کرایہ پر دیدے اور اس سے معین کرایہ وصول کرے، یہ کرایہ نقدی کی شکل میں ہو، پیداوار کی شکل میں نہ ہو اور مالک زمین کا پیداوار سے کوئی تعلق نہ ہو، ائمہ اربعہ ؒ کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ صورت جائز ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ زمین دوسرے کو اس شرط پر دیا کہ پیداوار کا کچھ حصہ زمین دار کا ہوگا اور کچھ حصہ کاشتکار کا ہوگا اس کی پھر تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ① مالک پیداوار کی ایک معین مقدار اپنے لئے مقرر کرے مثلاً یہ کہے کہ جتنی پیداوار ہوگی اس میں سے بیس من میں اول کا اور باقی تمہاری ہوگی۔ یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے اسلئے کہ پتہ نہیں ہے کہ پیداوار کتنی ہوگی؟ ہو سکتا ہے کہ کل بیس من ہی پیداوار ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بیس من بھی نہ ہو۔ اس صورت میں کاشتکار کو کچھ نہیں ملے گا اسلئے شرعاً یہ صورت جائز نہیں ہے ② مالک زمین کے ایک مخصوص حصہ کی پیداوار اپنے لئے مقرر کرے اور یہ کہے کہ اس حصے میں جو پیداوار ہوگی وہ میری ہوگی اور دوسرے حصے میں جو پیداوار ہوگی وہ تمہاری ہوگی اور عام طور پر یہ ہوتا تھا کہ اس کھیت میں سے پانی کی جو نالیاں گزر رہی ہوتی تھیں ان نالیوں کے آس پاس کے حصہ کو مالک اپنے لئے مخصوص کر لیتا تھا اور باقی حصہ کی پیداوار کو کاشتکار کیلئے مخصوص کر دیتا تھا یہ صورت بھی بالاتفاق ناجائز ہے اسلئے کہ یہ ممکن ہے کہ پیداوار صرف ان حصوں پر ہو جو پانی کے قریب ہیں اور دوسرے حصوں پر بالکل پیداوار نہ ہو اس طرح کاشتکار کو کچھ بھی نہیں ملے گا اسلئے شرعاً یہ صورت بھی جائز نہیں ہے ③ مالک پیداوار کا ایک متناسب حصہ اپنے لئے مقرر کرے مثلاً یہ کہے کہ جتنی پیداوار ہوگی اس کا ایک چوتھائی میں لوں گا اور تین چوتھائی تمہارا ہوگا یا

آدھی پیداوار تمہاری ہوگی آدھی پیداوار میری ہوگی یا ثلث میری ہو ثلث تمہاری اس صورت کو مزارعة بالثلث او بالربع یا مزارعة بالحصة الشائعة کہتے ہیں۔ اس کے جواز و عدم جواز میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ صورت بھی مطلقاً ناجائز ہے اور صاحبین رحمہما اللہ اور دیگر فقہاء استحساناً اس کو جائز کہتے ہیں۔ بعض فقہاء اس کو علی الاطلاق جائز کہتے ہیں اور بعض فقہاء مساقات کے ضمن میں جائز کہتے ہیں اور تنہا ناجائز کہتے ہیں۔ بہر صورت جمہور فقہاء اور احناف اس صورت کے جواز کے قائل ہیں۔

**معاومہ:** باغ کے پھلوں کی ایک سال تک یا ایک سال سے زیادہ مدت تک بیع کرنا یہ **معاومہ** ہے اور اسی کو بیع السنین بھی کہتے ہیں مثلاً باغ یہ کہے کہ تین سال تک جو پھل اس باغ میں آئے گا وہ پھل میں آج ہی فروخت کرتا ہوں۔

اس سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ بیع المعدوم ہے جو کہ جائز نہیں ہے۔

**ثُنیا:** یہ فُعلیٰ کے وزن پر مصدر ہے بمعنی استثناء کرنا یعنی بیع کرتے وقت بیع کی کسی چیز یا مقدار کو بیع سے خارج کر دینا۔
اگر کسی چیز کی بیع کی جائے اور اس میں سے چند غیر متعین رطل وغیرہ کا استثناء کر دیا جائے تو اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ عند الجمہور یہ استثناء جائز نہیں ہے مثلاً کوئی شخص باغ کا پھل فروخت کرے اور اس میں سے ایک من آم یا ایک ہزار آم کا استثناء کر دے تو عند الجمہور جائز نہیں ہے کیونکہ اس استثناء کے بعد بقیہ مقدار مجہول ہے جو کہ مفضی الی النزاع ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔
امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک یہ استثناء جائز ہے ان کی دلیل قیاس ہے کہ جس طرح متعین درختوں کا استثناء باغ میں سے جائز ہے اسی طرح متعین رطل کا استثناء بھی جائز ہے۔ اگر متعین درخت کا استثناء کیا گیا یا حصہ مشاع مثلاً پیداوار کے نصف، ثلث یا ربع کا استثناء کیا گیا تو پھر بالاتفاق بیع اور استثناء دونوں جائز ہے۔ (اشرف الہدایہ)

**الشق الثانی** ...... حدثنا عمرو بن محمد حدثنا سفيان بن عيينة عن محمد بن المنكدر سمع جابر ابن عبد الله قال مرضت فأتاني رسول الله ﷺ و ابوبكر يعودانى ماشيين فاغمى علىّ فتوضأ ثم صبّ علىّ من وضوئه فَأَفَقْتُ قلت يا رسول الله ﷺ كيف اقضى فى مالى فلم يرد علىّ شيئا حتى نزلت آية الميراث يستفتونك قل الله يفتيكم فى الكلالة . (ص ۳۴ ج ۲ قدیمی)

ترجم الحديث المبارك وعين الآية التى نزلت فى هذه القصة ، اكتب اشتقاق كلمة الكلالة من حيث اللغة ، اختلف العلماء فى تفسير الكلالة على اقوال اربعة فاذكرها بتفصيل .

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) قصة الحدیث کے متعلق نازل شدہ آیت کی وضاحت (۳) کلالہ کی اشتقاقی تحقیق (۴) کلالہ کی تفسیر میں اختلاف کی وضاحت۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کا ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں بیمار ہوا تو رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ میرے پاس پیدل تشریف لائے میری عیادت کرنے کیلئے، پس میرے اوپر بیہوشی طاری ہوگئی رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا اور اپنے وضو کا بچا ہوا پانی میرے اوپر ڈال دیا، مجھے افاقہ ہوا تو میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں اپنے مال کا کیا فیصلہ کروں؟ آپ ﷺ نے مجھے کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ آیت میراث یستفتونك قل الله يفتيكم فى الكلالة نازل ہوگئی۔

❷ قصة الحدیث کے متعلق نازل شدہ آیت کی وضاحت: روایات میں بظاہر تعارض ہے، بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے متعلق آیت میراث (يوصيكم الله فى اولادكم الخ) نازل ہوئی جبکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے متعلق آیت کلالہ (يستفتونك قل الله يفتيكم فى الكلالة الخ) نازل ہوئی ہے۔

**فی ضوء الادلة ، اذکر مذاہب الفقہاء فی ابتداء وقت الاضحیۃ وانتہاء وقتہا .**

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) اضحیہ کی لغوی وشرعی تعریف (۳) اضحیہ کے سنت یا واجب ہونے کی وضاحت مع الدلائل (۴) اضحیہ کے ابتدائی وانتہائی وقت میں اختلاف۔

**جواب** ...... ① **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں قربانی کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی تک نماز (عید) سے نہیں لوٹے تھے اور ابھی تک نماز عید سے فارغ نہیں ہوئے تھے پس اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کا گوشت دیکھا جسے نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ذبح کیا گیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنی نماز یا ہماری نماز سے قبل جانور ذبح کیا ہے وہ اس کی جگہ دوسرا جانور ذبح کرے اور جس نے ابھی ذبح نہیں کیا وہ اللہ کا نام لے کر ذبح کرلے۔

② **اضحیہ کی لغوی وشرعی تعریف:۔** اضحیہ لغت میں اس بکری کو کہتے ہیں جس کو ضحوہ یعنی چاشت کے وقت ذبح کیا جائے اور اصطلاح شرع میں اضحیہ مخصوص جانور کو مخصوص وقت میں قربت وثواب کی نیت سے ذبح کرنا ہے۔

③ **اضحیہ کے سنت یا واجب ہونے کی وضاحت مع الدلائل:۔** امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مالدار شخص پر قربانی واجب ہے، امام مالک رحمہ اللہ کی ایک روایت بھی یہی ہے۔

امام شافعی، امام احمد، صاحبین رحمہم اللہ کا قول اور امام مالک رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق قربانی سنت ہے۔

امام صاحب رحمہ اللہ کے دلائل: ① **فصل لربك وانحر** اس میں امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کیلئے آتا ہے۔ ② ابن ماجہ کی مرفوع روایت ہے **من کان له سعة ولم یضح فلا یقربن مصلانا**۔ اس حدیث میں استطاعت کے باوجود قربانی نہ کرنے والے کے لئے وعید کا ذکر ہے اور وعید ترک واجب پر ہوتی ہے۔ ③ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے **اقام رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینة عشر سنین یضحی**، یہ حدیث مواظبت پر دال ہے اور مواظبت بلا ترک وجوب کی دلیل ہے۔

ائمہ ثلاثہ وصاحبین رحمہم اللہ کی پہلی دلیل: دارقطنی کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ **ثلاث کتبت علی وهن لکم تطوع الوتر والنحر ورکعتا الفجر**، معلوم ہوا کہ قربانی فرض وواجب نہیں ہے۔

پہلا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے جو کہ قابل حجت نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ علی سبیل التسلیم اس حدیث میں **کتبت** کا لفظ مستعمل ہے جو فرض کیلئے آتا ہے لہٰذا امت کے حق میں فرضیت کی نفی ہے وجوب کی نہیں اور فرض وواجب میں فرق واضح ہے۔

دوسری دلیل: یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر وفاروق اعظم رضی اللہ عنہما نے صرف ایک یا دو سال قربانی کی ہے، مستقل قربانی نہیں کی، معلوم ہوا کہ قربانی واجب نہیں ہے۔ جواب یہ ہے کہ قربانی مالدار پر ہوتی ہے اور یہ دونوں حضرات مالدار نہ تھے کیونکہ بیت المال سے بقدر کفایت وظیفہ لیتے تھے۔ (کشف الباری کتاب الاضاحی ص۳۴۴)

④ **اضحیہ کے ابتدائی وانتہائی وقت میں اختلاف:۔** قربانی کے ابتدائی وقت میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ ① حضرات حنفیہ کے نزدیک شہروں میں قربانی کا وقت نماز عید کے بعد اور دیہاتوں میں صبح صادق کے طلوع کے بعد شروع ہوتا ہے ② حضرات مالکیہ کے نزدیک امام کے قربانی کرنے کے بعد عام لوگوں کی قربانی کا وقت شروع ہوتا ہے، اگر کسی نے امام سے پہلے جانور ذبح کیا تو ان کے نزدیک دوبارہ قربانی کرنی ہوگی ③ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جب سورج طلوع ہونے کے بعد نماز عید اور دو خطبوں کے بقدر وقت گزر جائے تو قربانی کا وقت شروع ہو جاتا ہے چاہے امام نے نماز عید پڑھائی ہو یا نہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت بھی اسی کے مطابق ہے۔ (کشف الباری کتاب الاضاحی ص۳۴۴)

قربانی کے انتہائی وقت میں بھی ائمہ کا اختلاف ہے۔ ① امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد ﷭ کے نزدیک تین دن تک قربانی کی جاسکتی ہے (یوم النحر اور دو دن اس کے بعد یعنی دس، گیارہ، بارہ) ② امام شافعی ﷫ کے نزدیک چار دن تک قربانی کی جاسکتی ہے (یوم النحر اور اس کے بعد کے تین دن) ③ ابن سیرین، داؤد ظاہری اور سعید بن جبیر ﷭ کے نزدیک قربانی کا صرف ایک دن ہے (یوم النحر) امام بخاری نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ انہوں نے بخاری کی حدیث سے استدلال کیا ہے اس میں ہے الیس یوم النحر؟ قلنا: بلی. اس میں یوم کو نحر کی طرف مضاف کیا ہے اور النحر میں الف لام جنس کا ہے یعنی نحر کا صرف ایک دن ہے۔ لیکن جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ یہاں النحر سے نحر کامل مراد ہے، لام کمال کیلئے بھی بکثرت استعمال ہوتا ہے۔

امام شافعی ﷫ صحیح ابن حبان میں موجود حضرت جبیر بن مطعم ﷜ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کل فجاج منی منحر وفی کل ایام التشریق ذبح (منیٰ کا ہر پہاڑی راستہ قربان گاہ ہے اور ایام تشریق کے ہر دن میں ذبح جائز ہے)۔ جواب یہ ہے کہ ابن ابی حسین کی ملاقات حضرت جبیر ﷜ سے نہیں ہوئی ہے لہٰذا یہ حدیث منقطع ہے۔

ان کا دوسرا استدلال بیہقی میں حضرت عبداللہ بن عباس ﷠ کی روایت سے ہے کہ انہوں نے فرمایا الاضحی ثلاثة ایام بعد یوم النحر (یوم النحر کے بعد تین دن تک قربانی جائز ہے)۔ لیکن امام طحاوی ﷫ نے سند جید کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس ﷠ سے روایت نقل کی ہے الاضحی یومان بعد یوم النحر، نیز احتیاط بھی اسی میں ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا استدلال حضرت علی ﷜ کے اثر سے ہے، انہوں نے فرمایا ایام النحر ثلاثة ایام اولهن افضلهن، حضرت ابن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر ﷡ سے بھی اسی طرح کی روایت منقول ہے۔ (کشف الباری کتاب الاضاحی ص ۳۳)

## الورقة الثانية: صحيح الامام مسلم

## السؤال الاوّل ۱۴۲۸ھ

**الشق الاوّل** ......قال همام: قدم علینا ابوداؤد الاعمی فجعل یقول: ثنا البراء وثنا زید بن ارقم فذکرنا ذلك لقتادة فقال: کذب ماسمع منهم انما کان سائلا یتکفف الناس زمن طاعون الجارف. (ص ۱۶-ج۱-قدیمی)

ترجم الحدیث المبارك وعرف الطاعون لماذا یقال للطاعون: الجارف؟ اکتب اسم ابی داؤد ونسبه والکلام فیه عند علماء الجرح والتعدیل. حرر الطواعین المشهورة وعین منها الطاعون الجارف.

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں۔ (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) طاعون کی تعریف اور جارف کہنے کی وجہ (۳) ابوداؤد اعمیٰ کا تعارف اور علماء جرح وتعدیل کے اقوال (۴) مشہور طاعون کا تذکرہ اور جارف کی تعیین۔

**جواب** ......① **حدیث کا ترجمہ:۔** ہمام کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ابوداؤد اعمیٰ آیا اور اس نے ہمیں حدیث بیان کرنا شروع کی "حدثنا البراء وحدثنا زید بن ارقم" (یعنی اس نے اپنے آپ کو حضرت براء ﷜ اور زید بن ارقم ﷜ کا شاگرد ظاہر کرتے ہوئے روایت بیان کی) ہم نے اس کا تذکرہ حضرت قتادہؒ سے کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس نے جھوٹ بولا، اس نے ان سے نہیں سنا، یہ طاعون جارف کے زمانہ میں لوگوں سے بھیک مانگا کرتا تھا۔

② **طاعون کی تعریف اور جارف کہنے کی وجہ:۔** طاعون عام وبا کو کہتے ہیں یعنی بدن کے نرم مقامات مثلاً بغل، ران وغیرہ میں پھنسیاں اور انتہائی گرم ودردناک ورم پیدا ہو جائے اور ان کے سبز یا سیاہ یا سرخ حلقے بن جائیں اور اس کے ساتھ دل کی دھڑکن تیز ہو جائے اور قے بھی آئے۔ اور جارف جرف (نصر) سے ہے جس کا معنی کسی چیز کا بالکلیہ یا اس کا اکثر حصہ ختم کردینا ہے اور

طاعون جارف وہ طاعون کہلاتا ہے جس میں لوگ کثرت سے ہلاک ہوں۔ (عمدۃ المفہم ص ۴۱)

**③ ابوداؤد اعمیٰ کا تعارف اور علماء جرح وتعدیل کے اقوال:۔** پورا نام ابوداؤد نفیع بن حارث القاص الاعمیٰ کوفی ہے۔ نہایت ضعیف بلکہ متروک الحدیث راوی ہے۔ امام ترمذی وابن ماجہ نے اس کی روایت نقل کی ہے (فیض المنعم)۔

یہ پانچویں درجہ کا راوی ہے، ابن معین نے اس کی تکذیب کی ہے۔ (تقریب التہذیب)

**④ مشہور طاعون کا تذکرہ اور جارف کی تعیین:۔** طاعون جارف کے مصداق میں مختلف اقوال ہیں، علامہ نوویؒ نے طاعون کے مسئلہ پر مفصل کلام کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ مشہور طواعین پانچ ہیں۔ ① طاعون شیرویہ: یہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ۶ھ میں شہر مدائن میں واقع ہوا۔ ② طاعون عمواس: یہ ۱۸ھ یا بقول ابی زرعہ دمشقی ۱۷ھ میں عہد فاروقی میں ملک شام میں واقع ہوا۔ عمواس ایک بستی ہے جو رملہ اور بیت المقدس کے مابین واقع ہے اس طاعون میں ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فوت ہوئے نیز تقریباً پچیس ہزار آدمی ہلاک ہوئے۔ ③ طاعون جارف: یہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں شوال ۶۹ھ میں واقع ہوا، تین روز تک مسلسل لوگ ہلاک ہوتے رہے اور روزانہ ستر ہزار آدمی وفات پاتے، اس طاعون میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تراسی اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی اولاد میں سے چالیس افراد فوت ہوئے۔ ④ طاعون فتیات یا طاعون اشراف: یہ عبدالملک بن مروان کے دور حکومت میں شوال ۸۷ھ میں بصرہ، شام، کوفہ وغیرہ میں واقع ہوا، اس میں کثرت سے نوجوان لڑکیاں اور شرفاء فوت ہوئے۔ ⑤ طاعون مسلم بن قتیبہ: یہ رجب ۱۳۱ھ میں واقع ہوا اور مسلسل تین چار ماہ تک رہا، روزانہ ایک ہزار جنازہ اٹھتا، اس طاعون میں ایوب سختیانی وغیرہ کئی حضرات فوت ہوئے۔ الغرض متعدد طاعون تاریخ سے ثابت ہیں۔

طاعون جارف کے مصداق میں دو اقوال مشہور ہیں۔

قول اول: یہی ۶۹ھ والا طاعون جارف ہے اور اس وقت قتادہ کی عمر چھ سال تھی اور چھ سال کا بچہ واقعات ضبط کر سکتا ہے۔ یہ ابوعمر ابن عبدالبر، ابن قتیبہ عن الاصمعی اور ابوالحسن علی مدائنی اور علامہ کلاباذی کا قول ہے لیکن یہ مرجوح ہے۔

قول ثانی: یہاں ۸۷ھ والا طاعون فتیات مراد ہے یہ حافظ عبدالغنی مقدسی کا قول ہے۔ علامہ نوویؒ اس قول کے متعلق فرماتے ہیں وهو الاظهر ان شاء الله۔ بہرحال مختلف اقوال کی وجہ یہ ہے کہ طاعون جارف کا مفہوم ان سب میں پایا جاتا ہے۔ (ایضاً)

**الشق الثانی** ...... قال جرير: لقيت جابر بن يزيد الجعفي فلم اكتب عنه كان يؤمن بالرجعة. قال مسعر: حدثنا جابر بن يزيد قبل ان يحدث ما احدث. قال زهير: قال جابر: إن عندي سبعون الف حديث عن ابی جعفر عن النبی ﷺ كلها. قال سفيان: سمعت رجلا سأل جابرا عن قوله تعالى: ﴿فلن ابرح الارض حتى يأذن لی ابی أو يحكم الله لی وهو خير الحاكمين﴾ قال: فقال جابر: لم يجئ تاويل هذا. قال سفيان وكذب.

ترجم العبارة رائعة من المراد من ابی جعفر الذی يروی عنه جابر الجعفی؟ اذكر أولاً تفسير الآية المذكورة عند جابر الجعفی والرافضة ثم اذكر ثانيا تفسيرها الصحيح. (ص ۱۵ ـ ج ۱ ـ قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) ابوجعفر کی مراد (۳) آیت کی رافضی و صحیح تفسیر۔

**جواب** ...... **① عبارت کا ترجمہ:۔** جریر کہتے ہیں کہ میری جابر جعفی سے ملاقات ہوئی مگر میں نے اس سے کوئی حدیث نہیں لکھی اس لئے کہ وہ ایمان بالرجعۃ رکھتا تھا۔ مسعر کہتے ہیں کہ ہمیں جابر بن یزید نے نئی بات وعقیدہ (ایمان بالرجعۃ) ایجاد کرنے سے پہلے حدیث بیان کی۔ زہیر کہتے ہیں جابر نے کہا کہ میرے پاس ستر ہزار احادیث ہیں جو ابوجعفر محمد باقر سے مروی ہیں اور سب

مرفوع ہیں۔ سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو سنا جس نے جابر جعفی سے آیت کریمہ "فلن ابرح الارض حتی یاذن لی ابی او یحکم اللہ لی" کا مطلب پوچھا تو اس نے کہا جابر نے جواب دیا کہ اس کا مصداق ابھی تک ظاہر نہیں ہوا۔ سفیان کہتے ہیں کہ جابر نے جھوٹ کہا ہے۔

❷ **ابوجعفر کی مراد:۔** ابوجعفر سے مراد محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب ہیں جو ابوجعفر محمد باقر سے مشہور ہیں اور ثقہ رواۃ میں سے ہیں۔ (تقریب التہذیب)

❸ **آیت کی رافضی و صحیح تفسیر:۔** جابر جعفی و روافض کے نزدیک اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آسمانوں میں ہیں اور ان کی اولاد میں سے جو شخص بھی حکومت وقت سے بغاوت وغیرہ کرتے ہوئے خروج کرتا ہے تو ہم اس وقت تک اس کے ساتھ خروج نہیں کرتے جب تک کہ آسمان سے ندا و آواز نہ آئے، ہم انکے ساتھ اس وقت نکلتے ہیں جب آسمان سے منادی (حضرت علی رضی اللہ عنہ) آواز دیتا ہے کہ فلاں شخص کے ساتھ ملکر خروج کرو۔ جابر جعفی کہتا ہے کہ اس آیت کی یہ تاویل و تفسیر ہے۔ (فتح الملہم)

آیت کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ یہ آیت حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے متعلق ہے کہ جب بنیامین کے سامان میں سے شاہی پیالہ نکلنے کی وجہ سے اس کو روک لیا گیا تھا تو اس وقت بڑے بھائی نے کہا تھا میں اس وقت تک اس سرزمین مصر سے واپس نہ جاؤں گا جب تک کہ میرا والد مجھے اجازت نہ دیدے، یا پھر اللہ تعالیٰ بھائی کو چھوڑ کر مجھے یہاں سے جانے کا حکم بھیج دے یا میری موت کا حکم دیدے یا میرے بھائی کو رہا کرنے کا حکم دیدے یا مجھے بھائی کو چھڑانے کیلئے اہل مصر سے لڑنے کا حکم دیدے اور وہ سب حاکموں کا حاکم ہے اس کا حکم غلط نہیں ہوسکتا۔ (نشری)

## السوال الثانی ۱۴۲۸ھ

**الشق الاول** ...... عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: أَخْوَفُ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ مَا يُخْرِجُ اللّٰهُ لَكُمْ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا قَالُوْا: وَمَا زَهْرَةُ الدُّنْيَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ بَرَكَاتُ الْأَرْضِ، قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَهَلْ يَأْتِي الْخَيْرُ بِالشَّرِّ؟ قَالَ لَا يَأْتِي الْخَيْرُ إِلَّا بِالْخَيْرِ لَا يَأْتِي الْخَيْرُ إِلَّا بِالْخَيْرِ لَا يَأْتِي الْخَيْرُ إِلَّا بِالْخَيْرِ إِنَّ كُلَّمَا أَنْبَتَ الرَّبِيْعُ يَقْتُلُ أَوْ يُلِمُّ إِلَّا آكِلَةَ الْخَضِرِ، فَإِنَّهَا تَأْكُلُ حَتّٰى إِذَا امْتَدَّتْ خَاصِرَتَاهَا إِسْتَقْبَلَتِ الشَّمْسَ ثُمَّ اجْتَرَّتْ وَبَالَتْ وَثَلَطَتْ ثُمَّ عَادَتْ فَأَكَلَتْ، إِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ، فَمَنْ أَخَذَهُ بِحَقِّهِ وَوَضَعَهُ فِيْ حَقِّهِ فَنِعْمَ الْمَعُوْنَةُ هُوَ وَمَنْ أَخَذَهُ بِغَيْرِ حَقِّهِ كَانَ كَالَّذِيْ يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ. (ص۳۳۶-ج۱-قدیمی)

ترجم الحدیث وشکله۔ ضرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لهم مثلاً بحالتی المقتصد والمکثر فعلیک بیانه۔

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث پر اعراب (۳) مقتصد و مکثر کی حالت کی وضاحت۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے زیادہ مجھے تمہارے متعلق اس بات کا خوف ہے جو اللہ تمہارے لئے دنیا کی زینت سے نکالے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول دنیا کی زینت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا زمین کی برکات۔ صحابہ نے کہا اے اللہ کے رسول کیا خیر کا بدلہ برائی بھی ہوتا ہے؟ فرمایا نہیں خیر کا نتیجہ خیر ہی ہوتا ہے، خیر کا نتیجہ خیر ہی ہوتا ہے، خیر کا نتیجہ خیر ہی ہوتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ بہار میں اگنے والا سبزہ مار دیتا ہے یا قریب المرگ کردیتا ہے سوائے ان سبزہ خور جانوروں کے جو کھاتے ہیں یہاں تک کہ ان کی کوکھیں پھول جاتی ہیں پھر دھوپ میں آجاتے ہیں پھر جگالی اور پیشاب کرتے ہیں اور اگال نگل لیتے ہیں پھر دوبارہ لوٹتے ہیں تو کھاتے ہیں (یعنی انہیں کچھ نہیں ہوتا)

بے شک یہ مال سبز و شاداب اور میٹھا ہے۔ پس جو اس کو حق کے ساتھ وصول کرے اور اس کے حق ہی میں خرچ کرے تو یہ بہترین مددگار ہے اور جو اسے ناحق طریقہ سے حاصل کرے۔ تو وہ اسی کی طرح ہے جو کھاتا ہے لیکن سیر نہیں ہوتا۔

❸ حدیث پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

❹ مقتصد و مکثر کی حالت کی وضاحت:۔ مال مطلقاً شر نہیں ہے بلکہ مال کے خیر یا شر ہونے کا مدار انسان کے کسب پر ہے، اگر مال جائز اور حلال طریقے سے کمایا جائے اور راہ حق میں خرچ کیا جائے تو یہ مال دنیا اور آخرت میں صاحب مال کے لئے خیر ہی خیر ہے اور اگر مال حرام و مشتبہ طریقہ سے کمایا جائے اور راہ حق میں خرچ کیا جائے یا مال تو جائز طریقہ سے کمایا جائے مگر راہ حق میں خرچ نہ کیا جائے تو یہ مال دنیا و آخرت میں وبال ہے۔ بطور مثال آپ ﷺ نے فرمایا کہ جیسے موسم بہار میں سبزہ نکلتا ہے، ایک جانور صرف ضرورت کے لئے کھاتا ہے چارہ ہضم کرنے کے لئے دھوپ میں بیٹھتا ہے، جگالی کرتا ہے، چارہ ہضم کر کے دوبارہ کھانا شروع کر دیتا ہے تو چارہ اس جانور کے لئے مضر نہیں ہوتا بلکہ فائدہ مند ہوتا ہے۔ یہی مثال مقتصد انسان کی ہے کہ وہ مال جائز طریقہ سے کماتا ہے اور اُسے راہ حق میں خرچ کرتا رہتا ہے تو یہ مال دنیا و آخرت میں اُس کے لئے ضرر کا باعث نہ ہوگا۔ دوسرا جانور جو حرص میں آ کر خوب کھاتا ہے حتی کہ پیٹ پھول جاتا ہے، بدہضمی کا شکار ہو کر نتیجۃً مر جاتا ہے یا قریب المرگ ہو جاتا ہے، یہی مثال مکثر کی ہے کہ وہ حرام اور مشتبہ طریقہ سے مال کو کماتا ہے یا راہ حق میں خرچ نہیں کرتا تو یہ مال اُس کے لئے ہلاکت کا باعث ہوگا۔

**الشق الثانی** ......عن رافع بن خديج قال سمعت رسول الله ﷺ يقول : شر الكسب مهر البغي وثمن الكلب وكسب الحجام وفي رواية :نهى عن ثمن الكلب ومهر البغي وحلوان الكاهن. (ص ۱۹۔ج ۲۔قدیمی)

ترجم الحديث:استدل بهذا الحديث بعض اهل الظاهر على حرمة كسب الحجام مطلقا، اذكر مذهب الأئمة الاربعة وجمهور العلماء مدللا. استدل ايضا بهذا الحديث جماعة من الفقهاء على حرمة بيع الكلب وبطلانه اذكر مذاهب العلماء في هذه المسئلة بالتفصيل وبيّن دلائلهم.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں۔ (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حجام کی کمائی میں ائمہ اربعہ و جمہور کا مذہب مع الدلائل (۳) بیع الکلب میں علماء کا اختلاف مع الدلائل۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ بدترین کمائی زانیہ کی اجرت، کتے کے ثمن اور حجام کی کمائی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے کتے کی قیمت، زانیہ کی اجرت اور کاہن و نجومی کی اجرت و مٹھائی سے منع فرمایا۔

❷ حجام کی کمائی میں ائمہ اربعہ و جمہور کا مذہب مع الدلائل:۔ کچھ پیشے اور خرید و فروخت اگرچہ فی نفسہٖ جائز ہوتے ہیں مگر شریعت ان کو پسند نہیں کرتی مثلاً بیت الخلاء صاف کرنے کا پیشہ اسی طرح پچھنے لگانے کا پیشہ اور بدن کی چمپی کرنے کے پیشے جائز ہیں مگر پسندیدہ نہیں، کیونکہ اول میں نجاست سے قرب ہے، ثانی میں گندہ خون بار بار منہ میں لینا پڑتا ہے اور ثالث میں ننگے جسم پر نظر پڑتی ہے مگر یہ پیشے جائز ہیں۔ ابو طیبہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے پچھنے لگائے ہیں اور آپ ﷺ نے ان کو اجرت میں دو صاع غلہ دیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ پیشہ جائز ہے پھر بھی آپ ﷺ نے اس پیشہ سے منع فرمایا ہے۔ ایک صحابی نے آنحضور ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! میرا غلام پچھنے لگاتا ہے پس کیا میں اس سے یہ دھندہ کرا سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے منع فرمایا، اس نے دوسری مرتبہ پوچھا، آپ ﷺ نے پھر منع کیا اس نے تیسری مرتبہ پوچھا تو آپ ﷺ نے اجازت دی اور فرمایا وہ جو اجرت لائے اسے خود نہ کھانا بلکہ اپنی اونٹنی کو اور اپنے غلام کو کھلا دینا

حالانکہ جانوروں کو اور غلاموں کو وہی چیز کھلا سکتے ہیں جو اپنے لئے حلال ہے اور جو اپنے لئے حلال نہیں وہ جانور کو کھلانا بھی جائز نہیں، نہ غلاموں کو کھلانا جائز ہے۔ پس معلوم ہوا کہ پچھنے لگانے کی اجرت جائز ہے مگر یہ کام پسندیدہ نہیں، اسی طرح کچھ بیوع ہیں مثلاً کتے اور بلی کی خرید و فروخت اگرچہ فی نفسہ جائز ہے مگر چونکہ یہ کاروبار پسندیدہ نہیں اس لئے آنحضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔ (تحفۃ الالمعی ج۴ص۲۰۲)

❷ بیع الکلب میں علماء کا اختلاف مع الدلائل:۔ صاحب ہدایہ کے نزدیک ہر کتے کی بیع جائز ہے اور جب کتے کی بیع جائز ہے تو ثمن حلال ہے اور علامہ سرخسیؒ کے نزدیک (جو صاحب ہدایہ کے استاذ الاستاذ ہیں) صرف معلّم کتے کی بیع جائز ہے یعنی وہ کتا جس کو کوئی فن سکھایا گیا ہو اس کی بیع جائز ہے اور غیر معلّم کتے کی بیع ناجائز ہے۔ علامہ کشمیریؒ نے اس رائے کو پسند کیا ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک کتا نجس العین ہے، پس اس کی بیع اور ثمن کے جواز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا مگر کتے کے نجس العین ہونے کی کوئی دلیل میرے علم میں نہیں، بلکہ امام مالکؒ کے نزدیک تو کتے کا جھوٹا پاک ہے اور ایک غیر صحیح روایت اس کی حلت کی بھی ہے، پس اس کی بیع اور ثمن دونوں حلال ہوں گے۔

امام شافعیؒ نے کتے کی بیع کے عدم جواز پر یہ دلیل دی ہے کہ نبی ﷺ نے کتے کی قیمت سے منع فرمایا مگر جب ان سے سوال کیا گیا کہ نبی ﷺ نے تو بلی کی قیمت سے بھی منع فرمایا ہے حالانکہ وہ آپ کے نزدیک جائز ہے؟ پس انہوں نے جواب دیا کہ یہ ممانعت اسلئے ہے کہ شریعت چاہتی ہے کہ بلی مباح الاصل رہے لیکن اگر کسی کو بلی کی ضرورت ہو اور مفت نہ ملے تو خرید سکتا ہے، پس یہی جواب کتے کی قیمت کی ممانعت کا بھی دیا جا سکتا ہے یعنی شریعت کتے کو بھی مباح الاصل رکھنا چاہتی ہے لیکن اگر مجبوری ہو تو کتے کی خرید و فروخت جائز ہے اور اس کا ثمن حلال ہے مگر کتوں کا کاروبار کوئی پسندیدہ کاروبار نہیں۔ مزید وضاحت اوپر گزر چکی ہے۔ (ایضاً)

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۸ھ

**الشق الاول** ......عن ابن عباس ان النبی ﷺ قال: لو یعطی الناس بدعواهم لادعی ناس دماء رجال واموالهم ولکن الیمین علی المدعی علیه. وعن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ قضی بیمین وشاهد.

ترجم الحدیثین سلسة واشرح الحدیث الاول مختصرا. (ص۷۴-ج۲-قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال کا حل دو امور ہیں۔ (۱) احادیث کا ترجمہ (۲) پہلی حدیث کی تشریح۔

**جواب** ...... ❶ احادیث کا ترجمہ:۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر لوگوں کو ان کے دعوٰی کے مطابق دیدیا جائے تو لوگ آدمیوں کے خون و اموال کا دعوٰی کریں گے لیکن قسم مدعٰی علیہ پر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک گواہ اور قسم کے ذریعہ فیصلہ فرمایا۔

❷ پہلی حدیث کی تشریح:۔ ارشاد نبوی کا حاصل یہ ہے کہ اگر لوگوں کو محض ان کے دعوٰی کی وجہ سے مطلوبہ اشیاء سپرد کر دی جائیں اور ان سے گواہ کا مطالبہ نہ کیا جائے تو پھر لوگ اپنے مخالفین کے خون و اموال تک کا دعوٰی کر دیں گے اور مخالفین کے پاس جان و مال میں سے کوئی چیز نہ چھوڑیں گے اس لئے ثبوت دعوٰی کیلئے گواہ ضروری ہیں۔ البتہ اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو پھر مدعٰی علیہ سے قسم لی جائے گی، مدعی کی قسم کا اعتبار نہیں ہے۔

**الشق الثانی** ......عن ابی قتادة قال: خرجنا مع رسول اللہ ﷺ عام حنین فلما التقینا کانت للمسلمین جولة قال: فرأیت رجلا من المشرکین قد علا رجلا من المسلمین فاستدرت الیه حتی أتیته من ورائه فضربته علی حبل عاتقه واقبل علی فضمنی ضمة وجدت منها ریح الموت ثم ادرکه الموت فارسلنی

فلحقت عمر بن الخطاب فقال مالناس؟ فقلت امر الله ثم ان الناس رجعوا وجلس رسول الله ﷺ فقال: من قتل قتيلا له عليه بينة فله سلبه قال:فقمت فقلت من يشهدلي.... ؟فقال رسول الله ﷺ مالك ياابا قتادة؟ فقصصت عليه القصة فقال رجل من القوم:صدق يارسول الله سلب ذلك القتيل عندي فأرضه من حقه فقال ابوبكر الصديق لاهاالله اذا لايعمد الى اسد من اسدالله يقاتل عن الله وعن رسوله فيعطيك سلبه فقال رسول الله ﷺ:صدق فأعطه اياه،فأعطاني وفي حديث الليث:كلا لايعطه اضيبع من قريش ويدع اسدامن اسدالله.(ص ۸۶۔ج ۲۔قدیمی)

ترجم الحديث واشرح قوله:كلا لايعطه اضيبع وفي رواية اصيبغ من قريش ويدع اسدا من اسدالله.

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں دو امور مطلوب ہیں۔(۱) حدیث کا ترجمہ (۲) كلا لايعطه اضيبع الخ کی تشریح۔

**جواب**...... ❶ __حدیث کا ترجمہ:۔__ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ حنین (کے موقع پر جہاد) کیلئے نکلے تو جب کافروں سے ہمارا مقابلہ ہوا تو مسلمانوں کو کچھ شکست ہوئی۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے مشرکوں میں سے ایک آدمی کو مسلمانوں میں سے ایک آدمی پر چڑھائی کئے ہوئے دیکھا، میں اس کی طرف گھوما یہاں تک کہ اس کے پیچھے سے آکر اس کی شہ رگ پر تلوار ماری اور وہ میری طرف بڑھا اور اس نے مجھے پکڑ لیا اور اس نے مجھے اتنا دبایا کہ میں اس سے موت کا ذائقہ محسوس کرنے لگا لیکن اس نے مجھے فوراً ہی چھوڑ دیا اور وہ خود مر گیا (پھر اس کے بعد جا کر) میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مل گیا تو انہوں نے فرمایا لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ کا حکم، پھر (کچھ دیر بعد) لوگ واپس لوٹ آئے اور رسول اللہ ﷺ بیٹھ گئے اور فرمایا کہ جو آدمی کسی کافر کو قتل کرے اور اس قتل پر اس کے پاس گواہ بھی موجود ہوں (تو مقتول سے چھینا ہوا) سامان اسی کا ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں کھڑا ہوا اور میں نے کہا کون ہے جو میری گواہی دے؟........ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابوقتادہ تجھے کیا ہو گیا ہے؟ میں نے آپ کی خدمت میں پورا واقعہ بیان کر دیا۔ لوگوں میں سے ایک آدمی کہنے لگا اے اللہ کے رسول اس نے سچ کہا ہے اور مقتول کا سامان میرے پاس ہے، اب آپ اسے منالیں کہ یا اپنے حق سے دستبردار ہو جائے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمانے لگے نہیں اللہ کی قسم ہرگز نہیں، ایک اللہ کا شیر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے لڑے اور مقتول سے چھینا ہوا مال تجھے دے دے (نہیں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ابوبکر سچ کہہ رہے ہیں اب وہ مال تو ان کو دے اس نے وہ مال مجھے دے دیا اور لیث کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہرگز نہیں وہ آپ یہ مال قریش کی ایک لومڑی کو نہیں دیں گے اور اللہ تعالیٰ کے شیروں میں سے ایک شیر کو نہیں چھوڑیں گے۔

❷ **__كلا لايعطه اضيبع الخ کی تشریح:۔__** اضيبع (ضاد اور عین کے ساتھ) الضبع کی تصغیر ہے، اضیبع اس آدمی کو کہتے ہیں جس کے بازو چھوٹے ہوں، یہ لفظ کمزور اور ضعیف کے لئے کنایہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

اصیبغ (صاد و غین کے ساتھ) حضرت شیخ الحدیث صاحب نے اسکا ترجمہ "رنگیلا" کیا ہے۔ یہ لفظ ایسے آدمی کیلئے تحقیر کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے جو مہمات میں حصہ نہ لیتا ہو اور لوگوں کی نظر میں حقیر ہو، جملہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ رنگیلے مزاج کا آدمی اس قابل کہاں کہ مقتول کا سلب اس کو دے دیا جائے۔ (کشف الباری، کتاب المغازی، ص ۵۳۲)

﴿لا اله الا انت سبحانك اني كنت من الظالمين﴾

الورقة الثالثة
جامع ترمذی
مکتبہ زکریا

## ﴿الورقة الثالثة: جامع للامام الترمذی﴾

### ﴿السوال الاول﴾ ۱۴۳۶ھ

**الشق الاول** ...... حدثنا قتيبة وهناد وابوكريب واحمد بن منيع ومحمود بن غيلان وابو عمار قالوا: حدثنا وكيع عن الاعمش عن حبيب بن ابى ثابت عن عروة عن عائشة ان النبی ﷺ قبل بعض نسائه، ثم خرج الی الصلاة، ولم يتوضأ قال: قلت من هی الا انت ؟ قال: فضحكت، قال ابوعيسى ...... وانما ترك اصحابنا حديث عائشة عن النبی ﷺ فی هذا لانه لايصح عندهم لحال الاسناد، قال ...... ضعف يحيى بن سعيد القطان هذا الحديث جدا وقال: هو شبه لاشيئ وقد روی عن ابراهيم التيمی عن عائشة ان النبی ﷺ قبلها ولم يتوضأ.

اذكر مذاهب العلماء فی نقض الوضوء من مس المرأة مع دلائلهم ومبنی اختلافهم فی هذه المسئلة . اشرح ما ضعف الترمذی هذا الحديث بقوله "لايصح عندهم لحال الاسناد" . نقل الترمذی ههنا التضعيف من بعض الائمة، فاذكر هل اصابوا فی تضعيف هذا الحديث ام لم يصيبوا . اذكر الترمذی حديث ابراهيم التيمی عن عائشة، فهل اصاب فی ذكره؟ هل اصاب الترمذی فی قوله "وليس يصح عن النبی ﷺ فی هذا الباب شيئ"؟ (مع وضاحت کریں)

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال میں پانچ امور توجہ طلب ہیں (۱) مس مرأۃ کے ناقض وضوء ہونے میں اختلاف مع الدلائل واختلاف کی بنیاد (۲) لا يصح عندهم لحال الاسناد کا معنی (۳) حدیث مذکور کا حکم (۴) حدیث ابراہیم تیمی عن عائشہ ؓ کی سند کی وضاحت (۵) امام ترمذی کے قول ليس يصح عن النبی ﷺ فی هذا الباب شئ کا مطلب۔

**جواب** ...... ❶ مس مرأۃ کے ناقض وضوء ہونے میں اختلاف مع الدلائل واختلاف کی بنیاد:۔

كمامر فی الشق الثانی من السوال الاول ۱۴۳۶ھ (الورقة الاولیٰ)

❷ **لايصح عندهم لحال الاسناد کا معنی:۔** یہ حدیث دو طریقوں سے مروی ہے ایک عن حبيب بن ابی ثابت عن عروة عن عائشة اور دوسرا طریق ابو روق عن ابراهيم التيمی عن عائشة، امام ترمذی ؒ نے اس حدیث کی ان دونوں سندوں پر اعتراض کیا ہے۔ پہلی سند پر دو اعتراض کئے ہیں پہلا اعتراض یہ ہے کہ یہاں سند میں عروہ سے مراد عروہ بن زبیر نہیں بلکہ عروہ مزنی ہیں اور عروہ مزنی مجہول ہے باقی عروہ سے عروہ مزنی مراد ہونے پر قرینہ اور دلیل یہ ہے کہ امام ابوداؤد نے عروہ کے ساتھ مزنی ہونے کی تصریح کی ہے چنانچہ امام ابوداؤد نے فرمایا قال حدثنا الاعمش قال حدثنا اصحاب لنا عن عروة المزنی عن عائشة بهذا الحديث تو اس میں عروہ مزنی کی تصریح موجود ہے نیز امام ابوداؤد ؒ نے سفیان ثوری ؒ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے قال ما حدثنا حبيب الاعن عروة المزنی يعنی لم يحدثهم عن عروة ابن الزبير بشيئ اس بات کا قرینہ ہے کہ حدیث باب میں عروہ مزنی مراد ہیں۔

اسکا جواب یہ ہے کہ جہاں تک ابوداؤد کے اس طریق کا تعلق ہے جس میں مزنی کی صراحت موجود ہے اس کی سند انتہائی کمزور ہے اول تو اس کا راوی عبدالرحمن بن مغراء ہے جس کے ضعف پر محدثین متفق ہیں چنانچہ یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ ان کیلئے چھ سو حدیثیں اعمش سے مروی تھیں جن کو ہم نے عبدالرحمن کی وجہ سے چھوڑ دیا نیز دوسرے محدثین سے اس کی تضعیف منقول ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس کی سند میں اصحاب لنا ہے جو کہ مجہول ہیں لہذا اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا، اور سفیان ثوری کا قول اول تو امام ترمذی، ابوداؤد نے بغیر سند کے ذکر کیا ہے دوسرے خود امام ابوداؤدؒ نے آگے اس کی تردید کر دی چنانچہ فرماتے

ثانیاً وقد روی حمزة الزیات عن حبیب عن عروة ابن الزبیر عن عائشة حدیثا صحیحا، اس سے امام ابو داؤد نے وہ روایت مراد لی ہے جس کو امام ترمذی نے کتاب الدعوات میں ذکر کیا ہے۔

باقی سفیان ثوری کے قول کی اولاً تو کوئی سند نہیں ہے ثانیاً اگر یہ قول صحیح بھی ثابت ہو جائے تو پھر یہ ان کے اپنے علم کے مطابق ہے۔

دوسرا اعتراض اس حدیث کی سند پر یہ کیا گیا ہے کہ اگر عروہ سے مراد عروہ بن زبیر ہی ہیں تو ان سے حبیب بن ابی الثابت کا سماع ثابت نہیں چنانچہ امام ترمذی نے امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے حبیب بن ابی الثابت لم یسمع من عروة۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حبیب بن ابی ثابت کا سماع ایسے لوگوں سے بھی ہے جو عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے بھی مقدم ہیں دراصل امام بخاری کا یہ اعتراض ان کے اپنے اصول کی بناء پر ہے کہ وہ محض معاصرت کو اتصال کے لئے کافی نہیں سمجھتے بلکہ ثبوت لقاء اور سماع کو ضروری قرار دیتے ہیں لیکن امام مسلم کے ہاں معاصرت اور امکان سماع صحت حدیث کے لئے کافی ہے اور یہاں معاصرت موجود ہے لہٰذا یہ حدیث مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔ (درس ترمذی، المسائل والدلائل)

**نوٹ:** عروہ سے مراد عروہ بن زبیر ہونے کے دلائل اصل شرح میں ملاحظہ فرمائیں۔

❸ **حدیث مذکور کا حکم:۔** بعض ائمہ نے حدیث مذکور کو جو ضعیف قرار دیا ہے انہوں نے یہ درست نہیں کیا اور ما قبل والی جزئی میں اس کی تصریح گزر چکی ہے۔

❹ **حدیث ابراہیم تیمی عن عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند کی وضاحت:۔** ما قبل والی عبارت میں مذکور اس حدیث کا دوسرا طریق جو ابراہیم تیمی سے منقول ہے حدیث کے اس طریق کو امام ابو داؤد نے ذکر کرنے کے بعد اس پر منقطع ہونے کا اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ هو مرسل وابراهیم التیمی لم یسمع من عائشة شیئًا اور یہی اعتراض امام ترمذی رحمہ اللہ نے کیا ہے۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس انقطاع والے اعتراض کی بناء پر یہ حدیث زیادہ سے زیادہ مرسل ہوگی اور محدثین کے نزدیک ثقات کی مرسل روایت حجت ہوتی ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ امام دار قطنی نے اپنی سنن میں اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد کہا ہے عن ابراهیم التیمی عن ابیه عن عائشة فوصل اسناده اس طریق میں یہ روایت عن ابیہ کی زیادتی کی وجہ سے متصل ہوگئی اس لئے یہ اعتراض بالکل زائل ہو جاتا ہے۔

اس کی مزید تفصیل کما مرّ فی الورقة الاولی الشق الثانی من السوال الاوّل ۱٤۳۲ھ۔

❺ **امام ترمذی رحمہ اللہ کے قول لیس یصح عن النبی ﷺ فی هذا الباب شیء کا حکم:۔** یہ جملہ بھی امام ترمذی نے اپنے علم اور اجتہاد کے مطابق فرمایا ہے ورنہ بخاری اور مسلم کی روایتیں اسی باب سے متعلق ہیں جو کہ بلاشبہ صحیح ہیں اور اگر بالفرض اس حدیث کو ضعیف بھی مان لیا جائے تب بھی تعدد طرق کی وجہ سے حسن لغیرہ ہے اور قابل استدلال ہے۔ (درس ترمذی)

**الشق الثالث** — عن ابی خالد الدالانی عن قتادة عن ابی العالیة عن ابن عباسؓ انه رأی النبی ﷺ نام وهو ساجد حتی غط او نفخ ثم قام یصلی فقلت: یارسول الله! انك قد نمت؟ قال: ان الوضوء لا یجب الا علی من نام مضطجعا فانه اذا اضطجع استرخت مفاصله قال ابو عیسی وقد روی حدیث ابن عباس سعید بن ابی عروبة عن قتادة عن ابن عباس قوله، ولم یذکر فیه ابا العالیة ولم یرفعه۔ (ص ۲۲، ج۱، ترمذی)

ترجم الحدیث وانکر لما قال ابن عباس: انك قد نمت" هل نوم الانبیاء ناقض؟ وان لم یکن نومهم ناقضا فلماذا یجب رسول الله ﷺ بقوله: ان نوم الانبیاء غیر ناقض؟ وضح مراد ابی عیسی بقوله، وقد روی حدیث ابن عباس...... الخ

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) حدیث مبارکہ کا ترجمہ (۲) نوم الانبیاء غیر ناقض سے جواب نہ دینے کی وجہ (۳) امام ابوعیسیٰ کے قول وقد روی حدیث ابن عباس کی وضاحت۔

جواب ...... ❶ **حدیث مبارکہ کا ترجمہ:۔** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ ﷺ مسجد میں سوئے ہوئے تھے یہاں تک کہ خراٹے لینے لگے یا فرمایا لمبے لمبے سانس لینے لگے پھر آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور نماز پڑھنے لگے میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ تو سو گئے تھے آپ ﷺ نے فرمایا وضو اس پر واجب ہوتا ہے جو لیٹ کر سوئے اس لئے کہ لیٹ جانے سے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔

❷ **نوم الانبیاء علیہم السلام غیر ناقض سے جواب نہ دینے کی وجہ:۔** سوال ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو ان الوضوء لایجب الاعلی من نام مضطجعا سے جواب دیا، یہ جواب کیوں نہیں دیا کہ نوم انبیاء علیہم السلام ناقض نہیں ہوتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ کا مقصود یہ تھا کہ ایک ایسا جواب دیا جائے جو عام لوگوں کے لئے بھی فائدہ مند ہو اور آپ ﷺ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ میری نیند سجدہ کی حالت میں تھی اور ایسی نیند عام مسلمانوں کے لئے بھی ناقض نہیں ہوتی چہ جائیکہ نبی آخر الزمان ﷺ کے لئے ناقض ہو۔ (درس ترمذی)

❸ **امام ابوعیسیٰ کے قول وقد روی حدیث ابن عباس کی وضاحت:۔** امام ترمذی رحمہ اللہ کی اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اس حدیث کو سعید بن ابی عروبہ نے بھی نقل کیا ہے مگر انہوں نے حضرت قتادہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے درمیان ابوالعالیہ کا ذکر نہیں کیا اور اس کو مرفوعاً نقل نہیں کیا۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی سند پر کوئی کلام نہیں کیا لیکن درحقیقت اسکی سند پر تھوڑا سا کلام ہوا ہے امام ابوداؤد نے اسکی سند پر دو اعتراض کئے ہیں۔

① ایک کہ اس روایت کا مدار ابوخالد یزید بن عبدالرحمٰن دالانی پر ہے جسے ضعیف کہا گیا ہے ② یہ روایت قتادہ عن ابی العالیہ کے طریق سے مروی ہے حالانکہ قتادہ نے ابوالعالیہ سے صرف چار حدیثیں سنی ہیں لہٰذا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی سند بیان کرتے ہوئے ابوخالد دالانی سے غلطی ہوئی ہے کہ قتادہ اور ابوالعالیہ کے درمیان انہوں نے ایک واسطہ چھوڑ دیا اس بناء پر امام ابوداؤد کا رجحان اس حدیث کی تضعیف کی طرف ہے لیکن بعض دوسرے علماء نے امام ابوداؤد کے ان اعتراضات کی تردید کی ہے وجہ یہ ہے کہ ابوخالد دالانی مختلف فیہ راوی ہیں جہاں ان کی تضعیف کی گئی ہے وہاں بہت سے ائمہ نے ان کی توثیق بھی کی ہے اور توثیق کرنے والوں میں بڑے بڑے علماء حدیث شامل ہیں مثلاً ابن ابی حاتم اور ابن جریر طبری وغیرہ رہا یہ معاملہ کہ قتادہ نے ابوالعالیہ سے صرف چار حدیثیں سنی ہیں سو اگر ابوخالد دالانی کو ثقہ قرار دیا جائے تو یہ روایت پانچویں روایت ہوگی جس کو قتادہ نے ابوالعالیہ سے روایت کیا ہے چنانچہ یہ حدیث درجہ حسن سے کم نہیں۔ (درس ترمذی ج۱ ص۲۹۵)

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۲۶ھ

**الشق الاول** ......عن عائشة قالت، صلی رسول اللہ ﷺ علی سهیل بن بیضاء فی المسجد.

اذکر اقوال الائمة الفقهاء فی الصلاة علی الجنازة فی داخل المسجد و اذکر دلائلهم۔ (ص ۔۔۔ ترمذی)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال میں دو امر توجہ طلب ہیں (۱) مسجد کے اندر نماز جنازہ پڑھنے میں فقہاء کے اقوال (۲) فقہاء کے دلائل۔

جواب ...... ❶ **مسجد کے اندر نماز جنازہ پڑھنے میں فقہاء کے اقوال:۔** امام ابوحنیفہ وامام مالک رحمہ اللہ کے ہاں بلا عذر مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے امام شافعی وامام احمد رحمہ اللہ کے ہاں مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ مسجد کے آلودہ ہونے کا خطرہ نہ ہو۔ امام اسحاق، ابوثور اور داؤد ظاہری کا بھی یہی مسلک ہے۔

③ فقہاء کے دلائل: امام ابوحنیفہ وامام مالک رحمہما اللہ کے دلائل: ① عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من صلی علی جنازۃ فی المسجد فلاشئ له۔ ② ۱ھ میں آپ ﷺ نے مسجد نبوی کی تعمیر سے فارغ ہو کر اس کی شرقی جانب جنازہ گاہ مقرر فرمائی تھی اگر مسجد میں نماز جنازہ جائز ہوتی تو الگ جگہ مقرر نہ فرماتے جب کہ مسجد نبوی میں ثواب بھی زیادہ ہے۔
③ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ان کی نماز جنازہ مسجد میں ادا کرو تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے انکار کر دیا۔ پس معلوم ہوا کہ عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو مکروہ قرار دیتے تھے۔

امام شافعی وامام احمد رحمہما اللہ کی دلیل یہ حدیث ہے عن عائشه قالت صلی رسول اللہ ﷺ علی سهیل بن البیضاء فی المسجد۔ جواب یہ ہے کہ یہ حدیث دیگر احادیث قولیہ کے مقابلہ میں مرجوح ہے اور فلاشیئ له والی قوی روایت اس سے راجح ہے نیز ممکن ہے کہ آپ ﷺ اس وقت معتکف ہوں اس وجہ سے آپ ﷺ نے مسجد میں ہی نماز جنازہ ادا کی ہو۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ باہر بارش ہو تو بارش کی وجہ سے مسجد میں نماز جنازہ کی ادائیگی بالکلیہ اس کے جواز کی دلیل نہیں ہے۔ (درس ترمذی ج ۳ ص ۲۰۷)

**الشق الثانی** ...... عن المثنی بن الصباح عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان النبی ﷺ خطب الناس، فقال: الا من ولی یتیمًا له مال فلیتجر فیه ولا یترکه حتی تاکله الصدقة، قال ابوعیسی: وقد تکلم یحیی بن سعید فی حدیث عمرو بن شعیب وقال هو عندنا واه۔ (ص ۱۳۹۔ ج ۱۔ قدیمی)

اذکر اختلاف العلماء فی زکاۃ مال الیتیم۔ الحدیث المذکور لمن یؤید من الائمة۔ ما هی ادلة من لا یقول بهذا الحدیث وما الجواب عنه۔ ما معنی کلام یحیی بن سعید المذکور۔
﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حاصل تین امور ہیں (۱) مال یتیم کی زکوٰۃ کا حکم (۲) حدیث کے مستدلین کی تعیین اور جواب (۳) یحییٰ بن سعید کے قول کا معنی۔

**جواب** ...... ① مال یتیم کی زکوٰۃ کا حکم: ائمہ ثلاثہ اس بات کے قائل ہیں کہ نابالغ کے مال میں زکوٰۃ واجب ہے جبکہ امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری اور عبداللہ بن المبارک رحمہم اللہ کے نزدیک بچے کے مال پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل: ① ان النبی ﷺ خطب الناس فقال الا من ولی یتیما له مال فلیتجر فیه ولا یترکه حتی تاکله الصدقة۔ ② عن عبدالرحمن بن القاسم عن ابیه انه قال کانت عائشة تلینی انا واخا لی یتیمین فی حجرها فکانت تخرج من اموالنا الزکوٰۃ۔ حنفیہ کا استدلال نسائی اور ابوداؤد وغیرہ کی معروف روایت سے ہے رفع القلم عن ثلاث عن النائم حتی یستیقظ وعن الصغیر حتی یکبر وعن المجنون حتی یعقل او یفیق اس میں نابالغ کو صراحتاً غیر مکلف قرار دیا گیا ہے لہٰذا اس میں نماز وغیرہ دوسرے واجبات کی طرح زکوٰۃ بھی واجب نہ ہوگی نیز امام محمد رحمہ اللہ نے کتاب الآثار میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے لیس فی مال الیتیم زکوٰۃ۔
② حدیث کے مستدلین کی تعیین اور جواب: یہ حدیث ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی دلیل ہے حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مثنی بن الصباح کی وجہ سے ضعیف ہے جیسا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے ان کے ضعف کا اعتراف کیا ہے اور اگر بالفرض یہ حدیث صحیح ہو تب بھی یہ ممکن ہے کہ اس حدیث میں یتیم سے مراد وہ لڑکا ہو جو بالغ تو ہو چکا ہو لیکن سمجھ بوجھ کی کمی کی وجہ سے مال اس کے حوالے نہ کیا گیا ہو اس جیسی دوسری احادیث کا بھی یہی جواب ہے۔ (درس ترمذی ج ۲ ص ۴۵۸)
③ یحییٰ بن سعید کے قول کا معنی: امام ترمذی رحمہ اللہ کے مذکورہ قول وقد تکلم یحیی بن سعید فی حدیث عمرو

بن شعیب وقال ھو عندنا واہ کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان الحدیث بذلک السند ولو لا ان عمرو بن شعیب ضعیف فان الکلام فی اسنادہ عن ابیہ عن جدہ دون سائر اسانیدہ فان الشیخین قد اخرج لہ من غیر ھذہ الطریق روایات۔ (ایضاً)

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۲۶ھ

**الشق الاول** ......عن عمران بن حصین ان رسول اللہ ﷺ نہی عن الکیی، قال: فابتلینا فاکتوینا فما افلحنا ولا انجحنا. (ص۲۵-ج۲-ترمذی)

ترجم الحدیث . لمانھی النبی ﷺ عن الکیی فکیف اکتوی عمران بن حصین؟ وکیف الجمع بین حدیث النھی عن الکیی وعلاج کثیر من الصحابۃ با لکیی . ماھی الحکمۃ فی النھی عن الکیی . ماھو حکم العملیات الجرحیۃ الیوم؟ ھل ھی فی حکم الکیی.

﴿خلاصہ سوال﴾ ......اس سوال میں پانچ امور مطلوب ہیں (۱) حدیث مبارک کا ترجمہ (۲) آپ ﷺ کے منع کرنے کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے داغ لگوانے کی وجہ (۳) روایت کراہت واباحت میں تطبیق (۴) کیی سے روکنے کی حکمت (۵) آج کل کے آپریشن کا حکم۔

**جواب** ......❶ حدیث مبارک کا ترجمہ:۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ بیشک رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا آگ کے ذریعہ داغ دینے سے۔ فرمایا ہم مبتلا ہوئے ہم نے آگ کا داغ لگوایا تو ہم کامیاب نہیں ہوئے اور اپنا مقصد حاصل نہ کر سکے۔

❷ آپ ﷺ کے منع کرنے کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے داغ لگوانے کی وجہ:۔ روایت کا حاصل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہم کو داغ لگوانے سے منع فرمایا مگر ہم نے داغ لگوایا تو کامیابی نہ ہوئی دراصل آپ ﷺ نے بلا ضرورت شدیدہ داغ لگوانے سے منع فرمایا حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے غیر ضرورت کو ضرورت سمجھتے ہوئے داغ لگوایا تو شفاء نہ ہوئی ورنہ آپ ﷺ کے فرمان کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مخالفت کا تصور نہیں ہو سکتا ہے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو بواسیر کا مرض تھا ان کے لئے داغ لگوانا مضر تھا حضور ﷺ نے خاص طور پر ان کو منع فرمایا تھا جب مرض زیادہ بڑھ گیا تو انہوں نے مجبوراً داغ لگوایا مگر شفاء نہ ہوئی۔ (درس ترمذی ج۲ ص۲۷۵)

❸ روایت کراہت واباحت میں تطبیق:۔ حضرات علماء نے فرمایا ہے کہ داغ لگوانا بلا ضرورت محض حفظ ماتقدم کیلئے مکروہ ہے نیز جب دوسرے ذرائع علاج موجود و ممکن ہوں تو داغ لگوانے کو مکروہ وخلاف اولیٰ قرار دیا گیا ہے نیز یہ صرف اہل عرب واہل ترک کا طریق ہے نا معلوم جس سے علاج بے یقینی ہے نیز نہیں البتہ اگر کوئی حاذق حکیم بطور علاج داغ ہی لگوانا تجویز کر دے تو پھر اس کی اجازت ورخصت ہے چنانچہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی اجازت ہے اس طرح دونوں روایات کراہت واباحت کے درمیان تطبیق ہو جاتی ہے۔ (ایضاً)

❹ کیی سے روکنے کی حکمت:۔ داغ دینے سے روکنے کی حکمت یہ ہے کہ اس میں تکلیف زائد ہے اور اس سے جسم خراب ہو جاتا ہے اور اس میں تعذیب بالنار بھی ہے اور اس کے اثرات جسم کے دوسرے حصوں کی طرف بھی پھیل سکتے ہیں۔ (ایضاً)

❺ آجکل کے آپریشن کا حکم:۔ آج کل کے آپریشن کا بھی یہی حکم ہوگا کہ حتی الامکان آپریشن سے بچنے کی کوشش ہو اور اگر آپریشن ضروری ہو اور اس کے بغیر چارہ کار نہ ہو تو پھر اس کی اجازت ہے اور آپریشن بھی داغ دینے کے حکم میں ہے۔ (ایضاً)

**الشق الثانی** ......حدثنا حمید بن عبدالرحمن انہ سمع معاویۃ خطب بالمدینۃ یقول: این علماؤکم یا اھل المدینۃ سمعت رسول اللہ ﷺ ینھی عن ھذہ القصۃ، ویقول: انما ھلکت بنو اسرائیل حین اتخذھا نساؤھم، عن عبداللہ ان النبی ﷺ لعن الواشمات والمستوشمات، والمتنمصات، مبتغیات

للحسن مغیرات خلق اللہ۔(ص۱۰۶۔ج۲۔قدیمی) الشرح الکلمات المعلمۃ

ترجم الحدیثین واشرحھما ۔ انکرالایجوز للنساء استعمال الماکیاجات (میک اپ کا سامان) ابتغاء للحسن؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حاصل چار امور ہیں (۱) کلمات مخطوطہ کی تشریح (۲) احادیث کا ترجمہ (۳) احادیث کی تشریح (۴) میک اپ کرنے کا حکم۔

**جواب**......❶ کلمات مخطوطہ کی تشریح:۔ "مستوشمات" وہ عورتیں جو دوسری عورتوں کو اپنے بال گودنے کیلئے کہیں۔ "واشمات" وہ عورتیں جو دوسروں کے بال گودتی ہیں۔ "متنمصات" وہ عورتیں جن کے چہرے کے بال اکھیڑے جائیں۔

❷ احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت حمید بن عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں خطبہ دیتے ہوئے سنا کہ وہ ارشاد فرمارہے تھے کہ اے اہل مدینہ! تمہارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیشانی کے بالوں کا اس طرح گچھا بنانے سے منع فرماتے ہوئے سنا ہے اور فرمایا کہ بنی اسرائیل بھی اس وقت ہلاک ہوئے تھے جب ان کی عورتوں نے یہ کام شروع کیا تھا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی بال گودنے والی، بال گودوانے والی، چہرہ کے بال اکھیڑنے والی عورتوں پر جو حسن کو تلاش کرنے والی، اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ حلیہ کو تبدیل کرنے والی ہیں۔

❸ احادیث کی تشریح:۔ حضرت حمید بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں خطبہ دیتے ہوئے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے اہل مدینہ تمہارے علماء کہاں چلے گئے؟ یعنی تمہیں کسی نے اس بات سے منع نہیں فرمایا کہ تمہاری عورتیں پیشانی کے بالوں کا اس طرح گچھا نہ بنائیں، اگر تمہارے علماء ہوتے تو وہ ضرور تمہیں اس غلط حرکت سے منع فرماتے، کیونکہ بنی اسرائیل بھی اسی وجہ سے ہلاک ہوئے تھے کہ ان کی عورتوں نے یہ غلط وشنیع حرکت شروع کردی تھی۔

"بالوں کا جوڑ لگائے یا لگوائے" اس سے مراد یہ ہے کہ بالوں کے حسن و درازی کے لئے کوئی عورت کسی دوسری عورت کے بالوں کا چوٹا لے کر اپنی چوٹی میں شامل کرے یا اپنے بالوں کا چوٹا لے کر کسی دوسری عورت کی چوٹی میں شامل کردے۔

بالوں کا جوڑا بنانا اور بالوں کے ساتھ کوئی چیز جوڑنے کی تفصیل میں اختلاف ہے۔ ① بعض نے مطلقاً اس وصل کو ممنوع قرار دیا ہے خواہ آدمی کے بال ہوں یا غیر آدمی کے یا ریشم اور کپڑے کے دھاگے ہوں۔ مالکیہ اور اکثر شوافع کا یہی مذہب ہے ② انسان کے بال اور کسی چیز کے نجس بال مثلاً مردار جانور کے بال جوڑنا مطلقاً ممنوع ہے البتہ انسان کے علاوہ دیگر پاک بال جوڑنا جائز ہے یہ حنفیہ، حنابلہ و بعض شوافع کا مسلک ہے ③ بالوں کے ساتھ بال جوڑنا اور اسی طرح ایسی چیز جوڑنا جس پر بال کا گمان ہوتا ہو یہ ممنوع ہے اور اگر بالوں کے ساتھ التباس نہیں ہوا تو پھر یہ جائز ہے۔ (کشف الباری کتاب اللباس ص۲۷۱)

دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جسم گودنے والی، گدوانے والی اور خوبصورتی وحسن کی خاطر جسم کے بال اکھیڑنے کو طلب کرنے والی عورت پر لعنت فرمائی ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ گودنا حرام ہے کیونکہ اللہ اور اس کے رسول نے اس کے مرتکب پر لعنت فرمائی ہے۔ بعض علماء نے اس کو مکروہ تحریمی کہا ہے۔

وشم کا مطلب یہ ہے کہ جسم کے کسی حصہ کی جلد پر سوئیاں یا اسی طرح کی کوئی چیز چبھوئی جائے یہاں تک کہ خون بہنے لگے پھر اس میں سرمہ یا نیل بھر دیا جائے جو عورت یہ عمل کرے وہ واشمہ اور جس عورت کے ساتھ کرے وہ موشومہ اور اس عمل کا مطالبہ کرنے والی عورت کو مستوشمۃ کہتے ہیں۔ جسم کے جس حصہ کو گودا گیا ہو امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ وہ حصہ نجس ہو جاتا ہے لہٰذا اس میں بھرے گئے رنگ سرمہ وغیرہ کو زائل کرنا واجب ہے البتہ اگر عضو کے تلف ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر ازالہ واجب

نہیں ہے یہ شوافع کا مسلک ہے۔ حنفیہ کے نزدیک جب خون جم گیا، زخم مندمل ہو گیا اور رنگ کا صرف نشان باقی ہے تو اس کو زائل کرنا واجب نہیں بلکہ اس کے اوپر پانی ڈالنے سے طہارت حاصل ہو جائے گی۔ (ایضاً ص ۲۹۶)

**متنمصہ** وہ عورت ہے جو دوسروں سے بال اکھڑواتی ہے عموماً خواتین چہرہ و ابروؤں کو بنانے اور باریک کرنے کے لئے یہ عمل کرتی ہیں حدیث کی وجہ سے یہ ناجائز و حرام ہے۔ البتہ اگر کسی عورت کے چہرہ پر داڑھی یا مونچھ نما بال نکل آئیں تو انہیں صاف کرنے کی اجازت ہے۔ (ایضاً ص ۲۹۳)

❷ <u>میک اپ کرنے کا حکم:۔</u> حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ عورت کیلئے ہر طرح کی زیب و زینت اور بناؤ سنگھار کرنا جائز ہے بشرطیکہ تین باتوں کا خیال رہے ① نامحرم کیلئے نہ ہو ② تغییر لخلق الله نہ ہو یعنی ایسی زیب و زینت نہ ہو جو اصل شکل اور حلیہ ہی بگاڑ دے ③ تشبہ بالکفار نہ ہو۔

## ﴿الورقة الثالثة: جامع للامام الترمذی﴾

## ﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۲۷ھ

**الشق الاوّل** ......عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال: لاتقبل صلاة بغیر طهور ولا صدقة من غلول قال ابوعیسی: هذا الحدیث اصح شئ فی هذا الباب واحسن. (ص ۳۔ ج۱۔ ترمذی)

ما معنی "القبول" وکم نوعاله؟ عین المراد ههنا حسبما شرحه المحدثون. هل تشترط الطهارة لصلاة الجنازه وسجود التلاوة؟ اشرح هذه المسالة فی ضوء هذا الحدیث واذکر اختلاف العلماء فیها وادلتهم علی ذلک. اذکر حکم فاقد الطهورین مع اختلاف الفقهاء ودلائلهم وترجیح الراجح فی ضوء الادلة.

﴿خلاصہ سوال﴾......اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) قبول کا معنی اقسام اور معنی مرادی کی تعیین (۲) نماز جنازہ اور سجدۂ تلاوۃ کے لئے طہارت کا حکم مع الدلائل (۳) فاقد الطہورین کا حکم مع الدلائل۔

**جواب** ...... ❶ <u>قبول کا معنی اقسام اور معنی مرادی کی تعیین:۔</u> قبول دو معنی میں مستعمل ہے ① قبول اصابت (۲) قبول اجابت۔

قبول اصابت کا مطلب **کون الشیئ مستجمعا لجمیع الشرائط والارکان** ہے اس معنی کے لحاظ سے یہ صحت کا مترادف ہے اور اس کا نتیجہ دنیاوی اعتبار سے فراغ الذمہ ہے۔ قبول اجابت کا مطلب **وقوع الشیئ فی حیز مرضاة الرب سبحانه وتعالی** ہے اس کا نتیجہ آخرت کا ثواب ہے قرآن و حدیث میں لفظ قبول دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے مثلاً حدیث معروف **لایقبل الله صلوٰة حائض الا بخمار** (ابوداؤد) میں قبول اصابت مراد ہے دوسری حدیث **من شرب الخمر لم تقبل له صلوٰة اربعین صباحًا** (ترمذی) اس میں قبول اجابت مراد ہے۔

اس میں اختلاف ہے کہ لفظ قبول کے حقیقی معنی کیا ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لفظ قبول اجابت کے معنی میں حقیقت ہے اور اصابت کے معنی میں مجاز ہے اور علامہ عثمانی نے فتح الملہم میں اسکو اصابت کے معنی میں مجاز قرار دیا ہے۔

پھر قابل غور بات یہ ہے کہ اس حدیث میں قبول سے کونسے معنی مراد ہیں علامہ تقی الدین ابن دقیق العید نے فرمایا کہ یہ لفظ درحقیقت دونوں معنوں میں مشترک ہے اور کسی ایک معنی کا کوئی قرینہ نہیں لہذا ہمیں اس حدیث کی تشریح میں توقف کرنا چاہیے لیکن جمہور کے نزدیک یہاں قبول اصابت مراد ہے لیکن امام ترمذی کے عمل سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہاں قبول سے قبول اجابت مراد لیتے ہیں کیونکہ جہاں تک قبول اصابت کا تعلق ہے انہوں نے اسکے طہارت پر موقوف ہونے کیلئے ایک الگ باب "باب مفتاح

الصلوٰۃ بالطہور" کے نام سے قائم کیا ہے ظاہر ہے یہاں اصابت صلوٰۃ ہی مراد ہے اب اگر حدیث باب میں بھی ان کے نزدیک قبول اصابت مراد ہوتا تو وہ یہ مکرر ابواب قائم نہ کرتے بہر حال جمہور کے نزدیک قبول اصابت ہی مراد ہے۔ (درس ترمذی ج۱ص ۲۰۰)

**③ نماز جنازہ اور سجدۂ تلاوۃ کیلئے طہارت کا حکم مع الدلائل:۔** نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت کیلئے طہارت کے حکم میں اختلاف ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک نماز جنازہ وسجدۂ تلاوت کیلئے طہارت شرط ہے۔ امام ابن جریر طبری عامر شعبی اور ابن علیہ کا مسلک یہ ہے کہ نماز جنازہ بغیر وضو کے درست ہو سکتی ہے یہ مسلک امام بخاری رحمہ اللہ کی طرف بھی منسوب ہے لیکن یہ نسبت درست نہیں ہے در حقیقت لوگوں کو مغالطہ اس بات سے لگا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے نماز جنازہ کے بارے میں ایک جگہ یہ لکھا ہے کہ **انما ھو دعاء کسائر الادعیۃ** اس سے لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ دوسری دعاؤں کی طرح نماز جنازہ بھی بغیر وضوء کے ادا کی جا سکتی ہے حالانکہ امام بخاری کا یہ منشا نہیں تھا بلکہ نماز جنازہ کی حقیقت بتلانا مقصود تھا البتہ سجدۂ تلاوت کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ کا مسلک ابن جریر طبری عامر شعبی اور ابن علیہ کے مطابق ہے یعنی یہ حضرات سجدۂ تلاوت کیلئے طہارت کو شرط نہیں کہتے ہیں ان کا استدلال صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ایک اثر سے ہے جو تعلیقاً روایت کیا گیا ہے جس میں یہ الفاظ ہیں **سجد علی غیر وضوء۔**

اس کا جواب یہ ہے کہ بخاری کے اصیلی کے نسخ میں **سجد علی غیر وضوء** کی بجائے **سجد علی وضوء** وارد ہوا ہے جو جمہور کے مسلک پر صریح ہے اسکے علاوہ حدیث باب بھی جمہور کی دلیل ہے کیونکہ سجدہ تلاوت بھی ایک طرح کی نماز ہے جسکی دلیل یہ ہے کہ قرآن حکیم میں سجود بول کر پوری نماز مراد لی گئی ہے مثلاً **ومن اللیل فاسجد لہ وسبحہ لیلا طویلا۔** نیز نماز جنازہ بھی نماز ہی ہے اولاً اسلئے کہ اس پر نماز کا لفظ مستعمل ہے اور ثانیاً اسلئے کہ اس میں نماز کی طرح قیام اور دعاؤں کی قرأت ہے اسلئے اس میں طہارت شرط ہے باقی اس میں رکوع وسجدہ کا نہ ہونا عارضی مصلحت (شرک کا شبہ) کی وجہ سے ہے۔ (ایضا)

**④ فاقد الطہورین کا حکم مع الدلائل:۔** فاقد الطہور کا مسئلہ یہ ہے کہ جس شخص کے پاس نہ پانی ہو نہ مٹی ہو وہ کیا کرے یہ صورت قدیم زمانہ میں تو شاذ ونادر تھی لیکن آج کل ہوائی جہاز میں یہ صورت بکثرت پیش آجاتی ہے بہر حال اس مسئلہ میں شدید اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ ایسا شخص نماز نہ پڑھے بلکہ بعد میں قضاء کرے۔

امام احمد رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اس وقت نماز پڑھے اور بعد میں قضاء بھی واجب نہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ ایسے شخص سے نماز ساقط ہو جاتی ہے نہ اس وقت نماز پڑھنا ضروری ہے اور نہ بعد میں قضاء کریگا۔

امام شافعی رحمہ اللہ سے اس بارے میں چار اقوال مروی ہیں ایک امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مطابق اور ایک امام احمد رحمہ اللہ کے مطابق اس کو علامہ مزنی رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے تیسرا قول یہ ہے کہ **یصلی استحبابا ویقضی وجوبا** اور چوتھا قول یہ ہے کہ **یصلی ویقضی وھوا لاصح من اقوالہ۔** امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ فاقد الطہورین اس وقت تو محض تشبہ بالمصلین کریگا یعنی نماز کی ہیئت بنائے گا قراءت نہ کریگا اور بعد میں قضاء لازم ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بھی اسی قول کی طرف رجوع ثابت ہے اور حنفیہ کے نزدیک اسی پر فتویٰ ہے اور یہی قول فقہی اعتبار سے زیادہ راجح ہے کیونکہ شریعت میں اس کی متعدد نظیریں ہیں کہ جب کوئی شخص کسی عبادت کی حقیقت پر قادر نہ ہو تو اس کو تشبہ کا حکم دیا گیا ہے مثلاً کوئی بچہ رمضان میں دن کے وقت بالغ ہو جائے یا کافر اسلام لے آئے یا حائضہ پاک ہو تو ان کو باقی دن میں امساک کا حکم دیا گیا ہے جو تشبہ بالصائمین ہے اسی طرح کسی کا حج فاسد ہو جائے تو اس کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ باقی مناسک حج دوسرے حجاج کی طرح ادا کرے جو تشبہ بالحجاج ہے اسی پر قیاس کرکے فاقد الطہورین کو تشبہ بالمصلین کا حکم دیا گیا ہے جو قواعد شریعت کے عین مطابق ہے اور حدیث باب بھی حنفیہ کی تائید کرتی ہے کیونکہ

اسی رو سے کسی قسم کی نماز بغیر طہارت کے درست نہیں ہوتی اور اس میں فاقد الطہورین کی نماز بھی داخل ہے۔ (ایضاح ص۱۵۶)

**الشق الثانی** ...... عن ابی امامة قال: توضأ النبی ﷺ فغسل وجهه ثلاثا ويديه ثلاثا ومسح برأسه وقال: الاذنان من الرأس...... قال ابوعیسی: قال قتیبة: قال حماد: لاادری هذا من قول النبی ﷺ او من قول ابی امامة قال ابوعیسی: هذاحدیث لیس اسناده بذاك القائم. (ص۱۶-ج۱-قدیمی)

ترجم الحديث واشرح مراد حماد بتوضيح. وضح معنى قول الترمذي "هذاحديث ليس اسناده بذاك القائم". اذكر مذاهب العلماء في الاذنين هل تمسحان بماء جديد ام بماء الرأس واذكر دلائلهم مع الترجيح۔

﴿خلاصہ سوال﴾...... اس سوال میں پانچ امور مطلوب ہیں (۱) حدیث مبارکہ کا ترجمہ (۲) قول حماد کی تشریح (۳) امام ترمذی کے قول کا معنی (۴) مسح اذنین میں علماء کے مذاہب (۵) ائمہ کے دلائل اور ترجیح راجح۔

**جواب** ...... ① <u>حدیث مبارکہ کا ترجمہ:۔</u> حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے وضو کیا تو اپنا چہرہ اور دونوں ہاتھ تین تین مرتبہ دھوئے پھر سر کا مسح کیا اور فرمایا کان سر میں داخل ہیں ابوعیسیٰ کہتے ہیں کہ قتیبہ حماد کے حوالے سے کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ یہ قول نبی ﷺ کا ہے یا ابوامامہ کا، امام ترمذی رحمہ اللہ نے کہا کہ اس حدیث کی سند زیادہ قوی نہیں ہے۔

② <u>قول حماد کی تشریح:۔</u> امام ترمذی رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ حماد بن زید جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ **لاادری هذا من قول النبی ﷺ او من قول ابی امامة** یعنی مجھے معلوم نہیں کہ یہ حدیث مرفوع ہے یا نہیں۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کا مرفوع ہونا مشکوک ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حافظ زیلعی نے اس حدیث کی متعدد اسانید نقل کی ہیں جن میں سے بعض نہایت قوی ہیں ان تمام اسانید میں یہ جملہ بلاشبہ مرفوعاً نقل کیا گیا ہے لہذا صرف ایک حماد کے شبہ ظاہر کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ (درس ترمذی ج۱ ص۲۴۸)

③ <u>امام ترمذی کے قول کا معنی:۔</u> امام ترمذی نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے **هذا حدیث لیس اسناده بذاك القائم** یعنی اس کی سند ضعیف ہے اس کے جواب میں علامہ زیلعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو شہر بن حوشب راوی کی وجہ سے ضعیف کہا ہے حالانکہ وہ ایک مختلف فیہ راوی ہیں اور بہت سے حضرات نے ان کی توثیق بھی فرمائی ہے بلکہ خود امام ترمذی نے باب اسم اللہ الاعظم میں ایک ایسی حدیث کی تحسین کی ہے جو شہر بن حوشب سے مروی ہے اسی طرح باب فضل فاطمہ میں شہر بن حوشب کی روایت کردہ حدیث کو حسن صحیح کہا ہے اس کے علاوہ حدیث باب کا مدار شہر بن حوشب پر نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث دوسرے افراد سے بھی مروی ہے لہذا اس کو رد کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ (ایضا)

④ <u>مسح اذنین میں علماء کے مذاہب:۔</u> مسح اذنین کے لئے ماء جدید لیا جائیگا یا ماء راس کافی ہے اس بارے میں فقہاء کے متعدد اقوال ہیں لیکن مشہور مذاہب دو ہیں۔

شافعیہ کے نزدیک اذنین کے لئے ماء جدید لینا چاہیے کیونکہ مسح اذنین وضوء کا ایک مستقل عمل ہے۔

حنفیہ کے نزدیک نہ صرف نیا پانی واجب نہیں بلکہ مسنون یہ ہے کہ مسح اذنین سر کے بچے ہوئے پانی سے کیا جائے امام احمد، سفیان ثوری اور عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ کا مسلک بھی یہی ہے اور امام مالک رحمہ اللہ کی ایک روایت بھی اسی کے مطابق ہے۔

⑤ <u>ائمہ کے دلائل اور ترجیح راجح:۔</u> شافعیہ کا استدلال معجم طبرانی کی ایک روایت سے ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں آنحضرت ﷺ کے مسح کی کیفیت بیان کرتے ہوئے ارشاد ہے **واخذ لصماخيه فمسح صماخيه ماءا جديدا۔**

حنفیہ کی دلیل: حدیث باب میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے **الاذنان من الرأس**، حافظ جمال الدین زیلعی نے نصب الرایہ میں اس مسئلہ پر مفصل بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ حدیث آٹھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اس کے علاوہ چار مزید صحابہ سے ایسی احادیث مروی ہیں جن میں نبی کریم ﷺ کا یہ عمل نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے اذنین کیلئے ماء جدید نہیں لیا اس طرح کل بارہ روایتیں حنفیہ کی تائید کرتی ہیں ان میں سے بعض کی اسناد اگرچہ ضعیف ہیں لیکن قوی احادیث کی متابعت اور تائید کی وجہ سے انکا ضعف بھی دور ہو جاتا ہے اس کے علاوہ امام نسائی نے اپنی سنن میں ایک اور لطیف طریقہ سے اس مسئلہ پر استدلال کیا ہے وہ یہ کہ حدیث میں ہے **فاذا مسح برأسه خرجت الخطايا من رأسه حتى تخرج من اذنيه**، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اذنین راس کے تابع ہیں لہٰذا ماء راس ان کے لئے کافی ہوگا۔

جہاں تک شوافع کی دلیل معجم طبرانی کی روایت کا تعلق ہے۔ حنفیہ اس کو اس صورت پر محمول کرتے ہیں جبکہ ہاتھوں کی تری بالکل ختم ہوگئی ہو اس صورت میں ماء جدید لینا مشروع و مسنون ہے لہٰذا حنفی مذہب راجح ہے۔ (درس ترمذی ج ا ص ۲۲۷)

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۲۷ھ

**الشق الاول** ......**عن انس بن مالك قال خر رسول الله ﷺ عن فرس فجحش فصلى بنا قاعدا فصلينا معه قعودا ثم انصرف فقال انما الامام اوقال: انما جعل الامام ليؤتم به فاذاكبر فكبروا واذا ركع فاركعوا واذا رفع فارفعوا واذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا لك الحمد واذا سجد فاسجدوا واذا صلى قاعدا فصلوا قعودا اجمعون**۔ (ص۸۳۔ج۱۔ترمذی) **اذكر مذاهب الفقهاء في كيفية صلاة المؤتم اذا صلى الامام قاعدا۔ اسرد دلائلهم ۔ رجح الراجح مع دحض شبهات المخالفين ۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) امام قاعد کے پیچھے مقتدی کی نماز کی کیفیت (۲) ائمہ کے دلائل (۳) راجح کی ترجیح اور مخالفین کے شبہات کا جواب۔

**جواب** ...... ❶ امام قاعد کے پیچھے مقتدی کی نماز کی کیفیت:۔ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ امام اور منفرد کیلئے بغیر عذر کے فرض نماز قاعداً ادا کرنا درست نہیں اور ایسا کرنے کی صورت میں انکی نماز نہ ہوگی البتہ اگر امام عذر کی بناء پر بیٹھ کر نماز ادا کر رہا ہو تو مقتدیوں کی اقتداء اور اسکے طریقہ کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے اور اس بارے میں تین قول مشہور ہیں۔

① امام مالک رحمہ اللہ کا مشہور قول یہ ہے کہ امام قاعد کی اقتداء کسی بھی حال میں جائز نہیں نہ بیٹھ کر اور نہ کھڑے ہو کر البتہ اگر مقتدی بھی معذور ہوں اور کھڑے نہ ہو سکتے ہوں تو وہ ایسے امام کی اقتداء کر سکتے ہیں یہی مسلک امام محمد کی طرف بھی منسوب ہے پھر امام محمد ابن القاسم اور اکثر مالکیہ نے تو مقتدیوں کی معذوری کی صورت میں بھی اقتداء بالمریض القاعد کو مکروہ کہا ہے بلکہ بعض مالکیہ تو اس کے بھی عدم جواز کے قائل ہیں اور امام مالک حدیث باب کے واقعہ کو منسوخ مانتے ہیں ② امام احمد امام اوزاعی امام اسحاق رحمہ اللہ اور ظاہر یہ کا ہے ان کے نزدیک اگر امام مریض ہو اور بیٹھ کر امامت کرے تو اس کی اقتداء جائز ہے لیکن مقتدیوں کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ بھی بیٹھ کر نماز پڑھیں ③ امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام ابو یوسف، سفیان ثوری، ابوثور اور امام بخاری رحمہ اللہ کا ہے ان حضرات کے نزدیک امام قاعد کے پیچھے اقتداء درست ہے لیکن غیر معذور مقتدیوں کا ایسی صورت میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ضروری ہے بیٹھ کر اقتداء درست نہیں امام حازمی رحمہ اللہ نے اس کو اکثر اہل علم کا مسلک قرار دیا ہے۔

❷ ائمہ کے دلائل:۔ امام مالک امام شعبی رحمہما اللہ کی مرفوع روایت سے استدلال کرتے ہیں جو مرسلاً مروی ہے **لايؤمن رجل**

بعدی جالسا لیکن جمہور یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا مدار جابر جعفی پر ہے جو متفق علیہ طور پر ضعیف ہے امام دارقطنی اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں لم یروہ غیر جابر الجعفی عن الشعبی وھو متروک والحدیث مرسل لاتقوم بہ حجۃ لہٰذا اس حدیث سے استدلال درست نہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ کا استدلال حدیث باب سے ہے جس میں نہ صرف آپ ﷺ نے خود بیٹھ کر نماز پڑھائی بلکہ دوسروں کو بھی اس کا حکم دیا کہ واذا صلی قاعدًا فصلوا قعودا اجمعون۔

جواب: ① مرض الوفات کے واقعہ سے یہ حدیث منسوخ ہے۔ ② یہ روایت نوافل سے متعلق ہے فرض نماز کے متعلق نہیں چنانچہ نفل نماز میں یہ ہو سکتا ہے کہ مقتدی بھی امام قاعد کی اقتداء بیٹھ کر کرے۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ابوداؤد کی ایک روایت میں نماز کے فرض ہونے کی تصریح ہے چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رکب رسول اللہ ﷺ فرسا بالمدینۃ فصرعہ علی جذم نخلۃ فانفکت قدمہ فاتیناہ نعودہ فوجدناہ فی مشربۃ لعائشۃ یسبح جالسا قال فقمنا خلفہ فسکت عنا ثم اتیناہ مرۃ اخری نعودہ فصلی المکتوبۃ جالسا فقمنا خلفہ فاشار الینا فقعدنا قال فلما قضی الصلوۃ قال اذا صلی الامام جالسًا فصلوا جلوسًا الخ اس طرح تصریح ہوگئی کہ آپ کی دوسری نماز فرض تھی۔

حنفیہ و شافعیہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ آنحضرت ﷺ کی تو اگرچہ فرض نماز تھی لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس میں بنیت نفل شریک ہوئے تھے جس کی دلیل یہ ہے کہ سقوط عن الفرس کے واقعہ میں آنحضرت ﷺ کئی روز تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں مقیم رہے اور مسجد میں نہ آسکے اور یہ بات بعید ہے کہ ان تمام ایام میں مسجد نبوی جماعت سے خالی رہی ہو پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ اتنا وسیع بھی نہ تھا کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہاں آنحضرت ﷺ کے پیچھے اقتداء کرتے اسلئے ظاہر یہی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد نبوی میں اپنے وقت سے باجماعت نماز پڑھنے کے بعد آنحضرت ﷺ کی عیادت کیلئے حاضر ہوئے تھے اور جب آپ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ کی اقتداء کی فضیلت حاصل کرنے کیلئے بنیت نفل آپ ﷺ کیساتھ شریک ہوگئے۔

امام ابوحنیفہ و امام شافعی رحمہما اللہ کا استدلال آیت قرآنی وقوموا للہ قنتین سے ہے جس میں قیام کو مطلقاً فرض صلوۃ قرار دیا گیا ہے اس سے معذور لوگ بحکم لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا مستثنیٰ ہونگے لیکن غیر معذور کو مستثنیٰ کرنے کی کوئی وجہ نہیں، پھر وہ احادیث بھی جمہور کی دلیل ہیں جن میں قادر علی القیام کو بیٹھ کر نماز پڑھنے کی ممانعت کی گئی ہے چنانچہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کانت بی الناصور فسألت النبی ﷺ فقال صل قائما فان لم تستطع فقاعدًا فان لم تستطع فعلی جنب پھر جمہور کی ایک اہم دلیل آنحضرت ﷺ کے مرض وفات کا واقعہ ہے جس میں آپ ﷺ نے بیٹھ کر امامت فرمائی اور یہ واقعہ سابقہ تمام احادیث کے لئے ناسخ ہے۔ (درس ترمذی ج ۲ ص ۱۳۱)

③ **راجح کی ترجیح اور مخالفین کے شبہات کا جواب:۔** حنابلہ کی طرف سے اس مرض وفات کے واقعہ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ مصنف عبدالرزاق میں حضرت عطاء رحمہ اللہ سے مرسلاً مروی ہے کہ آپ ﷺ نے بیٹھ کر امامت فرمائی اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے کھڑے ہو کر اقتداء کی اور آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا لو استقبلت من امری ما استدبرت ما صلیت الا قعودا بصلوۃ امامکم ماکان یصلی قائما فصلوا قیاما وان صلی قاعدا فصلوا قعودًا، اس سے معلوم ہوا ہے کہ آپ ﷺ کی آخری رائے یہی تھی کہ ایسی صورت میں مقتدی بھی بیٹھ کر نماز پڑھیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں اس بات کی کوئی تصریح نہیں کہ یہ مرض وفات ہی کا واقعہ ہے بلکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ بھی سقوط عن الفرس ہی کے واقعہ سے متعلق ہے اس لئے کہ اس واقعہ میں آپ ﷺ کئی روز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مشربہ میں مقیم رہے اس لئے یہ عین ممکن ہے کہ شروع میں آپ ﷺ نے ایک آدھ نماز اس طرح پڑھی ہو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کھڑے ہو کر اقتداء کی ہو پھر بعد میں آپ ﷺ کی رائے بدلی اور آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم دیا لیکن مرض وفات کے واقعہ نے اسے منسوخ کر دیا پھر یہ روایت مرسل ہے اور عطاء بن ابی رباح کی مراسیل حضرت حسن بصری کے مراسیل کی طرح ضعیف سمجھی جاتی ہیں چنانچہ ان دونوں حضرات کی مراسیل کے بارے میں مشہور ہے **لیس فی المرسلات أضعف من مرسلات الحسن وعطاء بن ابی رباح** لہذا یہ ممکن ہے کہ عطاء کی اس روایت میں کسی راوی کو مغالطہ ہو گیا ہو اور اس نے واقعہ سقوط عن الفرس اور واقعہ مرض وفات کو باہم مشاکلت کی وجہ سے خلط کر کے روایت کر دیا ہو۔

حنابلہ دوسرا اعتراض یہ کرتے ہیں کہ ابوداؤد وغیرہ کی روایت میں **اذا صلى الامام جالسًا فصلوا جلوسًا واذا صلى قائمًا فصلوا قيامًا** کے حکم کے ساتھ یہ تصریح بھی موجود ہے **ولا تفعلوا كما يفعل اهل فارس بعظمائها** جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقتدیوں کے بیٹھ کر اقتداء کرنے کی علت اہل فارس کے تشبہ سے بچنا ہے اور یہ علت اب بھی باقی ہے اس لئے اس حکم کے منسوخ ہونے کا کیا سوال ہو سکتا ہے؟ اسکا جواب شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے دیا ہے کہ دراصل ابتداء میں جب عام لوگ اسلامی طرز زندگی کے پورے عادی نہیں ہوئے تھے اور ان کے اذہان میں اسلامی عقائد و اسلامی معاشرت کی پختگی پیدا نہیں ہوئی تھی اس وقت غیر مسلموں کے ساتھ معمولی مشابہت سے بھی منع کیا گیا تھا اور جب ان کے اذہان میں اسلامی عقائد اور اسلامی معاشرت کا رسوخ ہو گیا تو پھر اس کی ضرورت نہ رہی چنانچہ مرض وفات کے واقعہ نے اسے منسوخ کر دیا۔ (ایضًا)

**الشق الثانی** ......**عن ابی قتادة انه كان مع النبی ﷺ حتى اذا كان ببعض طريق مكة تخلف مع اصحاب له محرمين وهو غير محرم فرأى حمارا وحشيا فاستوى على فرسه فسأل اصحابه ان يناولوه سوطه فابوا فسألهم رمحه فابوا عليه فاخذ فشد على الحمار فقتله فاكل منه بعض اصحاب النبی ﷺ وأبى بعضهم، فادركوا النبی ﷺ فسالوه عن ذلك فقال انما هى طعمة اطعمكموها الله.** (ص۱۷۲-ج۱-قدیمی)

**ترجم الحديث. اذكر حكم اكل الصيد للمحرم عند الفقهاء واسرد ادلتهم. ادفع التعارض بين هذا الحديث وحديث جابرؓ "صيد البر لكم حلال وانتم حرم مالم تصيدوه او يصد لكم". اشرح قوله "تخلف مع اصحاب له محرمين وهو غير محرم" واذكر كيف ابو قتادة لا يكون محرما داخل الميقات مع ان اصحابه محرمون؟**

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث شریف کا ترجمہ (۲) محرم کے لئے شکار کھانے کا حکم مع الدلائل (۳) احادیث سے رفع تعارض (۴) تخلف مع اصحاب لہ محرمین وہو غیر محرم کی تشریح۔

**جواب** ...... ❶ __حدیث شریف کا ترجمہ:۔__ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مکہ جا رہے تھے جب مکہ کے قریب پہنچے تو وہ اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ پیچھے رہ گئے صرف وہ احرام میں نہیں تھے اور باقی سب احرام میں تھے پس ابوقتادہ نے ایک وحشی گدھے کو دیکھا تو اپنے گھوڑے پر چڑھ گئے اور ساتھیوں سے لاٹھی مانگی انہوں نے انکار کر دیا پھر نیزہ مانگا انہوں نے اس سے بھی انکار کر دیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے خود ہی اٹھا لیا اور اس گدھے پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا بعض صحابہ نے اس میں سے کھایا اور بعض نے انکار کر دیا جب وہ نبی اکرم ﷺ کے پاس پہنچے اور اس کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ تو کھانا تھا جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں کھلایا۔

③ **محرم کیلئے شکار کھانے کا حکم مع الدلائل:۔** محرم کیلئے خشکی کا شکار نص قرآنی حرام ہے اسی طرح اگر محرم نے کسی غیر محرم کی شکار میں مدد کی ہو یا اشارہ کیا ہو یا دلالت کی ہو تب بھی اس شکار کا کھانا محرم کیلئے بالاتفاق حرام ہے البتہ اگر محرم کی اعانت دلالت یا اشارہ کے بغیر کسی غیر محرم نے شکار کیا تو محرم کے حق میں ایسا شکار کھانے کے جواز وعدم جواز میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

سفیان ثوری اور اسحاق بن راہویہ رحمہما اللہ کا مسلک یہ ہے کہ ایسا شکار بھی مطلقاً ممنوع ہے صید لاجلہ ہو یا نہ ہو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، طاؤس اور جابر بن زید رحمہم اللہ سے بھی یہی منقول ہے اور ان کا استدلال وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا کے اطلاق سے ہے کہ اس میں صید لاجلہ أَوْلاً کی کوئی تفریق نہیں کی گئی۔ ان کا استدلال اگلے باب میں حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ہے ان رسول الله مافى وجهه من الكراهية فقال انه ليس بنارد عليك ولكنا حرم۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ وہ حمار وحشی مارا ہوا تھا ہو سکتا ہے کہ وہ زندہ ہو اور زندہ شکار کا قبول کرنا محرم کیلئے جائز نہیں ہے اور اگر مان لیا جائے کہ وہ حمار وحشی مقتول تھا تو ہو سکتا ہے کہ آپ نے سد ذرائع کیلئے اس کو رد فرمایا ہو۔

امام مالک امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر غیر محرم نے محرم کیلئے یعنی اسکو کھلانے کی غرض سے شکار کیا تھا تو محرم کیلئے اس کا کھانا ناجائز ہے اور اگر اس نیت سے شکار نہیں کیا تھا تو جائز ہے ائمہ ثلاثہ کا استدلال حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث باب سے ہے عن النبی ﷺ قال صيد البر لكم حلال وانتم حرم مالم تصيدوه او يصد لكم۔

حنفیہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مقابلہ میں سنداً اقوی اور اصح مافی الباب ہے اس لئے کہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ کی سند میں مطلب متکلم فیہ راوی ہے نیز یہ حدیث منقطع بھی ہے نیز یہ کہ سد ذرائع کے لئے ہو سکتی ہے نیز یہ نہی تنزیہی پر محمول ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ کے نزدیک محرم کیلئے ایسے شکار کا کھانا مطلقاً جائز ہے صید لاجلہ أولا اور حنفیہ کا استدلال اسی باب میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے انه كان مع النبي ﷺ حتى اذا كان ببعض طريق مكة تخلف مع اصحاب له محرمين وهو غير محرم فرأى حمارًا وحشيًا فاستوى على فرسه فسأل اصحابه ان يناولوه سوطه فابوا فسألهم رمحه فأبوا عليه فأخذ فشد على الحمار فقتله فأكل منه بعض اصحاب النبي ﷺ وأبى بعضهم فأدركوا النبي ﷺ فسألوه عن ذلك فقال انما هي طعمة اطعمكم الله، اس حدیث کے بعض طرق میں یہ تفصیل ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فتویٰ دینے سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا اشرتم او اعنتم او اصدتم جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان سوالات کا جواب نفی میں دیا تو آپ ﷺ نے کھانے کی اجازت دے دی اگر اس میں صائد کی نیت پر بھی مدار ہوتا تو جس طرح آپ ﷺ نے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سوال کیا تھا، اسی طرح حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے بھی دریافت فرماتے کہ تم نے کس نیت سے شکار کیا تھا پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت ابوقتادہ نے یہ حمار وحشی صرف خود کھانے کیلئے شکار نہیں کیا تھا بلکہ عام رفقاء کو کھلانا مقصود تھا اس کی تائید بخاری کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ (درس ترمذی ج ۳ ص ۱۰۲)

④ **احادیث سے رفع تعارض:۔** حدیث ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے محرمین کی جانب سے شکار کی رغبت محسوس کی تو ان کے لئے حمار وحشی شکار کیا۔ یہ حدیث اپنی حقیقت پر ہے۔

جہاں تک حدیث جابر رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے سو حنفیہ کی طرف سے اس کے مختلف جوابات دیے گئے ہیں اور اس تعارض کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ پہلا جواب: یہ ہے کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مقابلے میں سنداً اقوی

ہے اور اصح ما فی الباب ہے اسلئے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مطلب متکلم فیہ ہے ابو زرعہ، ابن حبان اور امام دار قطنی رحمہم اللہ نے اگرچہ ان کی توثیق کی ہے لیکن ابن سعد ان کے بارے میں فرماتے ہیں کثیر الحدیث ،ولیس یحتج بحدیثہ اور حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صدوق کثیر التدلیس والارسال اور ابو حاتم فرماتے ہیں لم یسمع من جابر خود امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں المطلب لانعرف لہ سماعا عن جابر، مختصر یہ کہ اول تو ان کی توثیق و تضعیف میں اختلاف ہے اس کے علاوہ یہ حدیث منقطع بھی ہے جبکہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نہ کمزور درجہ کا کوئی راوی ہے اور نہ اس میں انقطاع کا شبہ ہے۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ اس حدیث کے بعض طرق میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں صید البر لکم حلال مالم تصیدوہ أو یصاد لکم، اس صورت میں معنی بالکل بدل جاتے ہیں کیونکہ او کا معنی الا ہوگا اور اس کے بعد ان مقدر ہوگا اور تقدیر عبارت اس طرح ہوگی مالم تصیدوہ الا أن یصاد لکم۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ اگر او یصاد لکم ہی کی روایت لی جائے تب بھی یہ اسی طرح سد ذرائع کے لئے ہو سکتی ہے جس طرح صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ کی روایت۔ اور زیادہ سے زیادہ یہ نہی تنزیہی پر محمول ہے۔

چوتھا جواب: یہ ہے کہ او یصاد لکم کا معنی أو یصاد بأعانتکم او أشارتکم او دلالتکم ہے۔ (ایضاح ج ۳ ص ۱۰۶)

❷ تخلف مع اصحاب لہ محرمین وھو غیر محرم کی تشریح:۔ شراح اس بارے میں حیران ہیں کہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ داخل میقات میں غیر محرم کیسے تھے؟ وقد اشکل ذلک علی الحنفیۃ والشافعیۃ جمیعًا۔

چنانچہ اس کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں سب سے بہتر جواب امام طحاوی رحمہ اللہ نے دیا ہے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں بعث رسول اللہ ﷺ اباقتادۃ الانصاری علی الصدقۃ وخرج رسول اللہ ﷺ واصحابہ وھم محرمون حتی نزلوا عسفان فاذاھم بحمار وحش قال وجاء ابو قتادۃ وھو حل الخ، جواب کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ مدینہ سے مکہ کے ارادہ سے نہیں چلے تھے بلکہ نبی کریم ﷺ نے ان کو بعض علاقوں سے زکوٰۃ وصول کرنے پر مامور فرمایا تھا جب نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب مکہ مکرمہ روانہ ہوئے تو راستے میں ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بھی مل گئے شکار کا مذکورہ واقعہ اسی وقت پیش آیا۔ (ایضاح ج ۳ ص ۱۰۹)

## ﴿السؤال الثالث ﴾ ۱۴۲۷ھ

**الشق الاول**...... عن عبداللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ ﷺ تکون الفتنۃ تستنظف العرب قتلاھا فی النار اللسان فیھا اشد من السیف. (ص ۴۱۔ ج ۲۔ قدیمی)

ترجم الحدیث الشریف . عین الفتنۃ المذکورۃ . اشرح الحدیث شرحا وافیا واضحا.

﴿خلاصۂ سوال ﴾...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) حدیث شریف کا ترجمہ (۲) فتنہ مذکورہ کی تعیین (۳) حدیث کی تشریح۔

**جواب** ...... ❶ حدیث شریف کا ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک ایسا فتنہ ہوگا جو گھیرے گا عرب کو اس کے مقتول جہنم میں ہوں گے زبان اس میں تلوار سے بھی زیادہ شدید ہوگی۔

❷ فتنہ مذکورہ کی تعیین:۔ حضرت عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس فتنہ سے غیر معلوم فتنہ مراد ہے چونکہ اس میں قتل ہونے والوں کی نیت اعلاء کلمۃ اللہ کی نہ ہوگی بلکہ بغاوت اور مال و دولت کا اکٹھا کرنا مقصود ہوگا اس وجہ سے وہ مقتول جہنم میں جا پہنچیں گے اور ملا علی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین جنگ ہے۔

❸ **حدیث کی تشریح:** اس کی تشریح یہ ہے کہ غیبت اور دشنام کے ذریعہ فتنہ میں زبان درازی کرنا تلوار سے بھی زیادہ سخت ہے کیونکہ زبان درازی کے ذریعہ فتنہ زیادہ بڑھے گا ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین جنگ ہے اب **قتلاها في النار** کا کیا مطلب ہے کیونکہ ان میں اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ لفظ بطور زجر و توبیخ ہے ورنہ اہلسنت والجماعت کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اجتہادی خطاء پر تھے اس محاربہ کے متعلق ترک کلام واجب ہے **قال عمر بن عبدالعزيز تلك دماء طهر الله ايدينا منها فلا نلوث بها السنتنا،** بہر حال معاملہ مشتبہ تھا اسی وجہ سے متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم اس میں شریک نہیں ہوئے، کہا گیا ہے کہ یہ اجتہادی غلطی تھی **والمخطى من المجتهد معذور**، اصل اختلافی مسئلہ خلافت نہیں تھا بلکہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص کا تھا تاریخ میں اسکی تفصیل مل جائے گی اور چونکہ دونوں جانب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اب کسی ایک جانب زبان درازی کرنا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر لعن وطعن کرنا یقیناً روحانی موت ہے جو نہایت خطرناک ہے اس وجہ سے تلوار سے بھی زیادہ سخت ہے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے فرمایا اللسان سے مراد کلمہ یعنی بات ہے اور اس سے یا تو حق مراد ہے یا باطل اگر حق مراد ہو تو مقصود جماعت حقہ کی تعریف ہے یعنی ایسے فتنے کے موقع پر حق بات کہنا اور حق والوں کیساتھ رہنا تلوار سے بھی زیادہ شدید ہے اگر باطل مراد ہے تو معنی یہ ہیں کہ ایسے فتنہ کے موقع پر غلط بات اور باطل بات کہہ دینا تلوار سے بھی زیادہ سخت ہے کہ تلوار سے ایک زخم ہوگا اور باطل بات سے فتنہ پھیل کر نا معلوم کس قدر قتل ہوں گے۔ (درس ترمذی ج ۳ ص ۲۲۳)

**الشق الثانی** ......عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ مِنْ فَزَارَةَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ امْرَأَتِي وَلَدَتْ غُلَامًا أَسْوَدَ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ هَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَمَا أَلْوَانُهَا؟ قَالَ حُمْرٌ قَالَ فَهَلْ فِيهَا أَوْرَقُ؟ قَالَ: نَعَمْ إِنَّ فِيهَا أَوْرَقًا قَالَ: أَنَّى أَتَاهَا ذَلِكَ؟ قَالَ لَعَلَّ عِرْقًا نَزَعَهَا قَالَ فَهَذَا عِرْقًا نَزَعَهُ. (ص ۳۳، ج ۲، ترمذی)

شكل الحديث بالضبط و ترجمه . ماحكم القيافة فى الاسلام انكر اختلاف العلماء فيه ودلائلهم۔

﴿خلاصہ سوال﴾......اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) شریعت میں قیافہ شناسی کی حیثیت۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث پر اعراب:** كمامرّ فى السوال آنفا۔

❷ **حدیث کا ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک شخص قبیلہ فزارہ میں سے نبی کریم ﷺ کے پاس آیا پس کہا اس نے یا رسول اللہ بے شک میری بیوی نے ایک کالے رنگ کا بچہ جنا ہے پس آپ ﷺ نے اس سے کہا تیرے پاس اونٹ ہیں اس نے کہا جی ہیں، آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا رنگ ہیں اس نے کہا سرخ ہیں پھر آپ ﷺ نے پوچھا ان میں کوئی خاکی رنگ والا بھی ہے اس نے کہا جی ہاں خاکی رنگ والا بھی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا خاکی رنگ والا کہاں سے آیا ہے اس نے کہا شاید کسی رنگ نے اس کو جذب کیا ہوگا آپ ﷺ نے فرمایا شاید یہاں بھی کسی رنگ نے اسے کھینچا ہوگا۔

❸ **شریعت میں قیافہ شناسی کی حیثیت:** اس بارے میں اختلاف ہے کہ ثبوت نسب میں قائف کا قول معتبر ہے یا نہیں جمہور قائف کے قول کو ثبوت نسب میں حجت قرار دیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی مجہول النسب بچے کے بارے میں دو یا دو سے زائد افراد دعویٰ کریں اور کسی کے پاس کوئی گواہ نہ ہو تو قائف کے قول کو حجت قرار دیا جائے گا۔

حضرات احناف رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ثبوت نسب میں قائف کا قول معتبر نہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر باندی دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو اور اس سے بچہ ہو اور دونوں دعویٰ کریں تو دونوں سے نسب ثابت ہو جائے گا۔

جمہور نے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے استدلال کیا ہے کہ آپ ﷺ ایک مرتبہ میرے پاس تشریف لائے تو بہت خوش تھے اور فرمایا کہ اے عائشہ تجھے معلوم نہیں کہ مجزز قائف نے ابھی زید بن حارثہ اور اسامہ کو دیکھا اور کہا کہ یہ اقدام بعض بعض میں سے ہیں یعنی یہ باپ بیٹا ہیں پس اگر قائف کا قول حجت نہ ہوتا تو آپ ﷺ کو خوشی کیوں ہوتی۔ حضرات احناف رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کو خوشی ثبوت نسب پر نہیں ہوئی تھی کیوں کہ نسب تو پہلے سے ثابت تھا مگر جاہلیت کے طریقہ پر بھی ثبوت نسب ہو گیا تھا اس وجہ سے آپ ﷺ کو خوشی ہوئی تھی بالفاظ دیگر ان لوگوں کا استدلال آپ ﷺ کے خوش ہونے سے ہے اور اس میں دو احتمال ہیں یا تو قائف کے قول سے ثبوت نسب کی بناء پر آپ ﷺ خوش ہوئے یا اہل جاہلیہ کے گمان کا رد انکے قول سے ہوا ہے تو لہٰذا آپ ﷺ کا خوش ہونا قائف کے قول میں احتمال اول کی بناء پر نہیں بلکہ زعم جاہلیت کے رد کی بناء پر تھا۔ (درس ترمذی ج ۳ ص ۱۵۹)

## ﴿الورقة الثالثة: جامع للامام الترمذي﴾

## ﴿السوال الاول﴾ ۱۴۲۸ھ

**الشق الاول** ...... عن ابی هريرة ان النبی ﷺ قال ويل للاعقاب من النار. (ص ۱۳، ج ۱، ترمذی)

ترجم الحديث واعربه (ترکیب نحوی کریں)۔ اشرح مذهب اهل السنة والروافض فی المسئلة المذكورة فی الحديث واذكر الادلة التی استمسكوا بها فی اثبات مذهبهم ثم اذكر وجه الرد عليهم ببسط وتفصيل.

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی ترکیب (۳) غسل رجلین میں اہلسنت اور روافض کا اختلاف (۴) فریقین کے دلائل اور جواب۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وضو میں خشک رہ جانے والی ایڑیوں کے لئے آگ کی ہلاکت ہے۔

❷ حدیث کی ترکیب:۔ ویلٌ مبتدا لام حرف جار اعقاب مجرور، جار مجرور ملکر متعلق اول ہوا ثابت کے اور من حرف جار النار مجرور، جار مجرور ملکر متعلق ثانی ہوا ثابت کے اور ثابت اسم فاعل اس میں ھو ضمیر اس کا فاعل، اسم فاعل اپنے فاعل اور دونوں متعلق سے ملکر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

❸ غسل رجلین میں اہلسنت اور روافض کا اختلاف:۔ جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب یہ ہے کہ پیروں کا دھونا ہی فرض اور ضروری ہے مسح جائز نہیں ہے۔ روافض کے فرقہ امامیہ کے نزدیک پیروں کا وظیفہ مسح ہے یعنی پاؤں پر مسح کیا جائے گا۔

❹ فریقین کے دلائل اور جواب:۔ اہل السنۃ والجماعۃ کے دلائل: ① حافظ نے سعید بن منصور کے حوالے سے عبد الرحمن بن ابی لیلی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے اجمع اصحاب رسول الله ﷺ على غسل القدمين ② قوله تعالى ارجلكم الى الكعبين نصب والی قراءت میں اس کا عطف وجوهکم پر ہے اور معطوف معطوف علیہ کا ایک ہی حکم ہوتا ہے پس چہرہ کی طرح پاؤں کیلئے بھی غسل کا ہی حکم ہے ③ متواتر احادیث جو غسل رجلین پر دال ہیں کہ آپ ﷺ نے غسل رجلین پر عمل فرمایا ہے ہاں موزوں پر مسح جائز ہے۔

روافض اپنے مسلک باطل پر وامسحوا برؤسكم وارجلكم کی قراءت جر سے استدلال کرتے ہیں۔ کہ ارجلکم کا عطف رؤسکم پر ہے۔ سر کیلئے مسح کا حکم ہے لہٰذا ارجل (پاؤں) کیلئے بھی مسح کا حکم ہوگا۔

اہلسنت کی طرف سے انکے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے۔ ① اس آیت میں لفظ ارجلکم میں جر جوار ہے۔ ورنہ ارجلکم کا عطف ایدیکم پر ہے ② کسری قراءت حالت تخفیف پر محمول ہے اور نصب کی قراءت عام حالت پر ہے ③ ...

قراءت میں ارجل کا عطف رؤوس ہی پر ہے لیکن جب مسح کی نسبت ارجل کی طرف کی جائیگی تو اس سے مراد غسل خفیف ہوگا اور لفظ مسح کا اس معنی میں استعمال معروف ہے اس قسم کے اور بھی کئی جوابات دیئے گئے ہیں لیکن اس موضوع پر سب سے زیادہ محققانہ اور شیطان بخش کلام حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے مشکلات القرآن میں کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی تقریر کو سمجھنے کا سب سے زیادہ قابل اعتماد راستہ آنحضرت ﷺ کا عمل اور صحابہ و تابعین کا تعامل ہے اور جب ہم تعامل کو دیکھتے ہیں تو کوئی ایک روایت بھی ایسی نہیں ملتی جس سے مسح رجلین ثابت ہوتا ہو یہ اس بات کی کھلی علامت ہے کہ قرآن کریم میں غسل کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ مسح کا۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ اس موقع پر ایسے واضح الفاظ کیوں نہیں استعمال فرمائے گئے جو بغیر کسی مخالف احتمال کے غسل پر دلالت کریں اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم کا اسلوب یہ ہے کہ وہ بسا اوقات کچھ باتوں کو فہم مخاطبین پر اعتماد کرکے چھوڑ دیتا ہے جب یہاں صورت یہ ہے کہ یہ آیت سورۂ مائدہ کی ہے جو مدنی سورت ہے اور اس وقت نازل ہوئی جبکہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کو کم از کم اٹھارہ سال ہو چکے تھے حالانکہ وضو پر عمل ابتداء بعثت ہی سے چلا آرہا تھا لہذا اس آیت نے کوئی نیا حکم نہیں دیا بلکہ سابقہ تعامل کی توثیق فرمائی چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اٹھارہ سال سے وضو کرتے آرہے تھے اور اس کا طریقہ معروف و مشہور تھا، جس میں یہ بات بھی شامل تھی کہ پاؤں دھوئے جائیں گے لہذا اس آیت میں ایک ایک جزی کی تفصیل بیان کرنا کوئی ضروری نہ تھا چونکہ اس کا امکان ہی نہ تھا کہ وہ اس آیت سے غسل کے علاوہ کوئی اور حکم مستنبط کریں گے اس لئے بعض نکات اور مصالح کیوجہ سے باری تعالیٰ نے ارجل کو مسح کے سیاق میں ذکر کرکے عبارت ایسی رکھی جس میں بظاہر رجلین کے غسل اور مسح دونوں معنی کی گنجائش ہے اور امت کا تعامل اس پر شاہد ہے کہ انہوں نے واقعۃً غسل کے سوا اس کا کوئی اور مفہوم نہیں سمجھا۔

روافض بعض روایات سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ ① امام طبرانی نے اپنی معجم طبرانی میں امام بغوی اور ابونعیم وغیرہ نے عباد بن تمیم عن ابیہ کے طریق سے روایت نقل کی ہے **قال رایت رسول الله ﷺ توضأ ومسح علی لحیته ورجلیه**، علامہ ہیثمی مجمع الزوائد میں یہ روایت نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں "**رجاله موثقون**" اور علامہ علی المتقی کنز العمال میں اصابہ کے حوالے سے لکھتے ہیں **رجاله ثقات**۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو اس میں حالت تخفیف کا بیان ہے یعنی آپ ﷺ اس وقت موزے پہنے ہوئے ہونگے اسلئے مسح فرمایا یا اجماع اور متواتر احادیث کی مخالفت کی بناء پر اس حدیث میں تاویل ضروری ہے اور تاویل یہ ہے کہ یہاں لفظ مسح **دلك مع الغسل الخفيف** کے معنی پر محمول ہے جسکی دلیل یہ ہے کہ لحیہ کیلئے بھی مسح کا لفظ استعمال کیا گیا ہے حالانکہ وہ اعضاء مغسول میں سے ہے۔

② سنن دارقطنی **باب وجوب غسل القدمين والعقبين** میں **مسيئ فی الصلوة** کی حدیث کے بعض طرق میں یہ الفاظ بھی وارد ہوئے **فقال رسول الله ﷺ انها لاتتم صلوة احدكم حتى يسبغ الوضوء كما امره الله فيغسل وجهه ويديه الى المرفقين ويمسح برأسه ورجليه الى الكعبين الخ**۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں آیت قرآنی کی ترتیب پر وضو کا طریقہ بتلایا ہے اور اس کے سیاق کی پیروی فرمائی ہے لہذا یہاں بھی وہی توجیہات کی جائیں گی جو آیت میں کی گئی ہیں۔

③ حضرت علی حضرت انس اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا عمل بعض روایات میں مسح رجلین بیان کیا گیا ہے۔

اس کا جواب بعض حضرات نے یہ دیا کہ ان کا یہ عمل اجماع متواتر کی وجہ سے وضو علی الوضوء پر محمول ہے۔

دوسرا جواب حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں یہ دیا ہے کہ ان سب حضرات سے اس مسلک سے رجوع کرنا بھی ثابت

ہے لہٰذا ان کے کسی سابقہ عمل سے استدلال درست نہیں۔ (درس ترمذی ج ۲ ص ۲۵۱)

**الشق الثانی**...... عن علی قال: کان رسول الله ﷺ یوتر بثلاث وفی روایة ابی ایوب الانصاری قال قال رسول الله ﷺ فمن احب ان یوتر بخمس فلیفعل ومن احب ان یوتر بواحدة فلیفعل ۔(ص ۱۰٦، ج ۱، ترمذی)

انکر حکم الوتر هل هو واجب ام لا؟ انکر الاختلاف فی عدد رکعاته مع دلائلهم ۔ ما هو الجواب عن الایتار بواحدة الذی صرح به فی هذا الحدیث، انکر التاویل بدون تکلف او تعسف.

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) وتر کا حکم مع الدلائل (۲) وتر کی رکعت کی تعداد میں اختلاف مع الدلائل (۳) ایک رکعت وتر والی احادیث کا جواب۔

**جواب**...... ❶ وتر کا حکم مع الدلائل:۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں وتر واجب ہیں ائمہ ثلاثہ اور صاحبین رحمہم اللہ کے ہاں وتر سنت ہیں۔

وجوب کے دلائل: ① عن خارجة بن حذیفة قال قال النبی ﷺ ان الله امدکم بصلوة هی خیر لکم من حمر النعم (ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ)۔ مزید حریّ علیہ کی جنس سے ہوتی ہے، مزید علیہ فرض نماز ہے جو محدود ہے زیادتی محدود میں ہوتی ہے تو نفل مراد نہیں کیونکہ وہ محدود نہیں، چونکہ دلیل ظنی ہے اسلئے وتر واجب ہے ورنہ فرض ہوتے ② عن ابی ایوب قال قال النبی ﷺ الوتر حق واجب علی کل مسلم (ابوداود، نسائی، ابن ماجہ) یہ حدیث وجوب پر نص ہے ③ عن ابی بریدة قال قال رسول الله الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا (ابوداود) وتر وں کے ترک پر وعید وجوب کی دلیل ہے ④ عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ من لم یوتر فلیس منا (مسند احمد) ⑤ عن ابی سعید الخدری ان النبی ﷺ قال اوتروا قبل ان تصبحوا (مسلم) اس میں امر کا صیغہ مستعمل ہے، مطلق امر وجوب کے لئے ہوتا ہے۔

**نوٹ:** حسن بصری وامام طحاوی رحمہما اللہ نے وتر کے واجب ہونے پر اجماع نقل کیا ہے نیز دیگر ائمہ کے نزدیک وتر سنت ہونے کے باوجود انکا ترک جائز نہیں ہے۔

دلائل عدم وجوب: ① عن علی قال الوتر لیس بحتم کصلوتکم المکتوبة ولکن سن رسول الله ﷺ قال ان الله وتر یحب الوتر فاوتروا یااهل القرآن ۔(ترمذی)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ اس میں وجوب کی نفی نہیں بلکہ فرضیت کی نفی ہے اور کصلوتکم المکتوبة کے الفاظ اس پر دال ہیں چنانچہ ہم بھی صلوات خمسہ کی طرح انکی فرضیت کے قائل نہیں اور انکے منکر کو کافر نہیں کہتے۔

② عن طلحة بن عبیدالله مرفوعا خمس صلوات کتبهن الله علیك قال هل علیّ غیرهن قال لا الا ان تطوع (بخاری، مسلم) ③ عن جابر مرفوعا ان الله فرض علیکم خمس صلوات فی الیوم واللیلة (بخاری، مسلم) ④ عن جابر مرفوعا خشیت ان یکتب علیکم الوتر. (صحیح ابن حبان)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ وتر عشاء کے تابع ہیں اس لئے ان کو مستقل شمار نہیں کیا گیا۔ نیز پانچ کا عدد فرض نمازوں کیلئے ہے اور وتر فرض نہیں بلکہ واجب ہیں۔ نیز پہلی حدیث وجوب سے پہلے کا واقعہ ہے۔

❷ وتر کی رکعت کی تعداد میں اختلاف:۔ امام ابوحنیفہ وصاحبین رحمہم اللہ کے ہاں نماز وتر تین رکعت دو تشہد اور ایک سلام کیساتھ ہے ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے ہاں ایک رکعت سے گیارہ رکعت تک درست ہے البتہ تین رکعت دو سلام کے ساتھ افضل ہے۔

حنفیہ کے دلائل: ① عن ابی بن کعب کان رسول الله ﷺ یوتر بثلاث یقرء فی الاولی بسبح اسم

ربك الاعلى وفي الثانية بقل يا ايها الكفرون وفي الثالثة بقل هو الله احد ولا يسلم الا في آخرهن. (نسائی)
۲ عن عائشة ان رسول الله ﷺ كان لا يسلم في ركعتي الوتر (نسائی) ۳ عن عائشة كان رسول الله ﷺ يوتر بثلاث لا يسلم الا في آخرهن (الحاکم) ۴ عن عائشة مرفوعا ثم اوتر بثلاث لا يفصل بينهن (مسند احمد)
۵ عن ابي عباس مرفوعا ثم اوتر بثلاث. (مسلم)

ائمہ ثلاثہ کے دلائل: ۱ عن ابن عمر كان النبي ﷺ يصلي من الليل مثنى مثنى ويوتر بواحدة. (بخاری، مسلم، ترمذی) ۲ عن ابن عمر مرفوعا الوتر ركعة من آخر الليل. (مسلم) ۳ قيل لابن عباس هل لك في امير المؤمنين معاوية ما اوتر الا بواحدة قال اصاب انه فقيه وفي رواية دعه فانه قد صحب النبي ﷺ. (بخاری)

۲ **ایک رکعت وتر والی احادیث کا جواب:** ان احادیث کا جواب یہ ہے کہ ایک رکعت ما قبل والے متصل دو گانے کو وتر بناتی تھی جس پر قرینہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی دوسری مرفوع حدیث ہے کہ رات کو دو دو رکعت ہیں صبح ہونے کا خوف ہو تو ایک رکعت پڑھنا اس دوگانے کے ساتھ اسکو وتر بنا دے گا کیونکہ صرف ایک رکعت اکیلا پڑھنا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے۔

**فائدہ** وتر کا اطلاق صلوۃ اللیل اور وتر اصطلاحی دونوں پر ہوتا ہے۔ (المسائل والدلائل ص ۳۲۱)

## ﴿السؤال الثاني﴾ ۱۴۲۸ھ

**الشق الأول** ...... عن عروة عن عائشة عن بنت وهب وهي جدامة قالت سمعت رسول الله ﷺ يقول اردت ان انهى عن الغيال فاذا فارس والروم يفعلون ولا يقتلون اولادهم.

عن اسماء بنت عميس ان رسول الله ﷺ سألها بما تستمشين؟ قالت بالشبرم قال حار جار، قالت ثم استمشيت بالسنا فقال النبي ﷺ لو ان شيئا كان فيه شفاء من الموت لكان في السنا.

ترجمه الحديثين و اشرحهما. حقق الكلمات التالية لغة وصرفا: الغيال، تستمشين، حار، جار.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) احادیث کا ترجمہ (۲) احادیث کی تشریح (۳) غیال، تستمشین، حار، جار کی لغوی و صرفی تحقیق۔

**جواب** ...... ۱ **احادیث کا ترجمہ:** حضرت جدامہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے ارادہ کیا تھا کہ میں غیل سے منع کروں مگر روم و فارس کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ لوگ ایسا کرتے ہیں اور یہ ان کی اولاد کو ضرر نہیں دیتا۔

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے بے شک آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کس چیز سے اسہال لیتی ہو؟ انہوں نے کہا شبرم سے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ بہت زیادہ گرم اور ظالم ہے۔ وہ فرماتی ہیں پھر میں سناء کے ساتھ اسہال لینے لگی آپ ﷺ نے فرمایا اگر کسی چیز میں موت سے شفاء ہوتی تو سناء میں ہوتی۔

۲ **احادیث کی تشریح:** پہلی حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کو عرب کا یہ مقولہ پہنچا کہ حالت رضاعت یا حالت حمل میں مباشرت کرنے سے بچے کو نقصان ہوتا ہے تو آپ ﷺ نے منع کا ارادہ کیا مگر جب پتہ چلا کہ روم و فارس والے ایسا کرتے ہیں اور کوئی نقصان نہیں ہوتا تو پھر آپ ﷺ نے منع نہیں فرمایا لہٰذا اب غیل جائز ہے۔ دوسری حدیث کا حاصل ہے کہ تم اسہال کیلئے شبرم استعمال نہ کرو کیونکہ شبرم تو بہت زیادہ گرم ہے اور مادہ فاسدہ کے ساتھ ساتھ مادہ زائدہ کو بھی خارج کر دے گی جس سے نقصان کا اندیشہ ہے لہٰذا اسہال کیلئے سناء استعمال کرو جو پیٹ کی صفائی کیلئے معتدل ہے۔ نیز ارشاد فرمایا کہ اگر موت سے کوئی

چیز بچانے والی ہوتی تو روزی تیز ہوتی اس جملے سے ہتا کی افادیت اور اہمیت کو بیان کرنا مقصود ہے کہ وہ بہت زیادہ مفید ہے۔

❸ **غیال، تستمشین، حار، جار کی لغوی وصرفی تحقیق:۔** "غیال" یہ غیل کی جمع ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ چھوٹے بچے کے دودھ پینے کے زمانہ میں عورت سے وطی کرنا غیل ہے۔ بعض نے کہا کہ حاملہ ہونے کی حالت میں عورت کا بچے کو دودھ پلانا غیل ہے۔ "جار" صیغہ واحد مذکر بحث اسم فاعل از مصدر جَرًّا (نصر) بمعنی کھینچنا و گھسیٹنا۔

"تستمشین" صیغہ جمع مؤنث حاضر فعل مضارع معلوم از مصدر اِسْتِمْشَاءٌ (استفعال) بمعنی اسہال لینا۔

"حار" صیغہ واحد مذکر بحث اسم فاعل از مصدر حَرًّا، حُرُوْرًا، حَرَارَةٌ (سمع، نصر، ضرب) بمعنی گرم ہونا۔

**الشق الثانی**......عن ابن عباس ان النبی ﷺ تزوج میمونة وهو محرم۔(ص ۱۷۲، ج ۱، قدیمی)

**انكر طريقة الجمع بين الاحاديث المتعارضة فى هذه المسئلة ۔ انكر حكم نكاح المحرم وانكاحه عند العلماء ارباب المذاهب المتبوعة مع دلائلهم وترجيح ماهو الراجح في ضوء الادلة:**

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) احادیث متعارضہ میں تطبیق (۲) محرم کے لئے نکاح وانکاح کا حکم مع الدلائل (۳) حنفیہ کی وجوہ ترجیح۔

**جواب**...... ❶ **احادیث متعارضہ میں تطبیق:۔** ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک دونوں روایتوں میں تطبیق یہ ہے کہ حلال ہونے کی حالت میں نکاح والی روایت اپنی حقیقت پر محمول ہے اور تزوج وهو محرم حالتِ احرام میں نکاح والی روایت مؤول ہے اور تاویل یہ ہے کہ نکاح کا چرچا اور ظہور اس وقت ہوا جب آپ ﷺ محرم تھے اور احناف کے نزدیک تطبیق بین الروایتین یہ ہے کہ تزوج وهو محرم یہ اپنی حقیقت پر محمول ہے اور تزوج وهو حلال والی روایت مؤول ہے یعنی جب آپ ﷺ مدینہ سے سرف پہنچے تو آپ ﷺ محرم تھے اسی وقت آپ ﷺ نے حالتِ احرام میں نکاح کیا پھر تین دن مکہ میں رہے اور عمرہ کر کے حلال ہو کر واپس لوٹے تو آپ ﷺ نے سرف مقام میں رخصتی اور ولیمہ کیا اب نکاح کا ظہور حلال ہونے کی حالت میں تھا اسی لئے بعض نے کہہ دیا تزوج وهو حلال یعنی آپ ﷺ کے نکاح کا معاملہ حلال ہونے کی حالت میں ظاہر ہوا۔

❷ **محرم کیلئے نکاح وانکاح کا حکم مع الدلائل:۔** ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک حالتِ احرام میں نکاح کرنا ناجائز اور باطل ہے اور ایسے ہی انکاح (نکاح کرانا) بھی ناجائز ہے۔ امام ابوحنیفہ وصاحبین رحمہم اللہ کے ہاں نکاح اور انکاح دونوں جائز ہیں البتہ جماع اور دواعی جماع حلال ہونے تک جائز نہیں۔ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی دلیل: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث ان المحرم لاینکح ولا ینکح ہے کہ محرم نہ نکاح کرے اور نہ نکاح کرائے۔ اسی طرح ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی دلیل حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جس میں یہ بات مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے جب نکاح کیا اس وقت بھی حلال تھے اور جب رخصتی ہوئی اس وقت بھی حلال تھے اور آخر میں حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ہی آپ ﷺ کا قاصد تھا نیز ان کی دلیل حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث بھی ہے قالت تزوجنی رسول الله ﷺ وهو حلال۔

احناف کی دلیل: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے ان النبی ﷺ تزوج میمونه وهو محرم کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے وقت آپ ﷺ محرم تھے۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی پہلی دلیل (حدیثِ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کا جواب: یہ کراہت پر محمول ہے اور یہ کراہت بھی اس لئے ہے کہ نکاح کے بعد اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے وطی میں مبتلا ہو جائے اس کی مثال بیع وقت اذان ہے کہ بیع اگرچہ مکروہ ہے مگر منعقد ہو جاتی ہے۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت کا جواب یہ ہے کہ طبقات ابن سعد کے مطابق حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس نکاح کے عاقد تھے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے اولیاء میں سے اس وقت کوئی بھی موجود نہیں تھا اسلئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے عقد کیا تھا لہٰذا عقد نکاح کے وقت اور مقام کے بارے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور انکے صاحبزادے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوئی واقف نہیں ہو سکتا تھا کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بھی نہیں کیونکہ وہ عاقد نہیں تھیں اور عورتیں مجلس نکاح میں حاضر نہیں ہوتیں۔ (درس ترمذی ج ۳ ص ۹)

❷ **حنفیہ کی وجوہ ترجیح:** ① حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ اصح ما فی الباب ہے اور اس موضوع کی کوئی روایت سنداً اسکے ہم پلہ نہیں ہے ② حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت تواتر کے ساتھ مروی ہے چنانچہ بیس سے زائد فقہاء اس کو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں ③ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کے متعدد شواہد موجود ہیں مثلاً نسائی طحاوی اور مسند بزار وغیرہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہی مروی ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے آپ کا نکاح حالت احرام میں ہوا ④ اصحاب سیر و تواریخ کی تصریحات سے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تائید ہوتی ہے مثلاً ابن ہشام محمد بن اسحاق اور ابن سعد رحمہم اللہ وغیرہ نے جس طرح یہ واقعہ بیان کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرۃ القضاء کے سفر میں سرف کے مقام پر پہنچ کر یہ نکاح کیا تھا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم محرم تھے اور پھر واپس آتے ہوئے سرف مقام ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنا (رخصتی) فرمائی اور ولیمہ کیا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حلال تھے۔ (ایضاً)

## ﴿السؤال الثالث﴾ ۱۴۲۸ھ

**الشق الاول** ...... عن انس بن مالك قال كان عند النبي صلى الله عليه وسلم طير فقال اللهم ائتني باحب خلقك اليك يأكل معي هذا الطير فجاء علىّ فاكل معه. (ص ۲۱۳، ج ۲، رحمانیہ)

ترجم الحديث. هذا الحديث يدل على ان عليا افضل الناس، اليس هذا منا فيا لما تذهب اليه اهل السنة من ان افضل الناس بعد الانبياء ابوبكر ثم عمر، ثم عثمان، ثم علي؟ تكلم بعض العلماء على هذا الحديث فما هو ذاك الكلام؟ ولماذا تكلم؟ وهل اصاب في ذاك الكلام ام لا؟ ان لم يصب فما هو وجه الرد عليه.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) انبیاء علیہم السلام کے بعد افضل الناس کی وضاحت (۳) حدیث پر کلام اور اس کی وضاحت۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث کا ترجمہ:** حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک پرندہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ! بھیج تو میرے پاس اپنی مخلوق میں سے سب سے بہترین مخلوق کو جو کھائے میرے ساتھ اس پرندہ کو، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھایا۔

❷ **انبیاء علیہم السلام کے بعد افضل الناس کی وضاحت:** اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب یہ ہے کہ انبیاء کے بعد سب سے افضل شخص حضرت ابوبکر صدیق پھر فاروق اعظم پھر عثمان غنی پھر علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم ہیں اور اس حدیث سے جو فضیلت ثابت ہو رہی ہے وہ فضیلت جزئی ہے فضیلت کلی نہیں ہے نیز اس حدیث سے محبوبیت ثابت ہو رہی ہے افضلیت ثابت نہیں ہو رہی۔

❸ **حدیث پر کلام اور اس کی وضاحت:** یہ حدیث ان احادیث میں سے ہے کہ جن پر سراج الدین القزوینی نے اعتراض کیا ہے اور انہوں نے گمان کیا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔

جبکہ صلاح الدین العلائی نے کہا ہے کہ یہ حدیث موضوع نہیں ہے بلکہ اس حدیث کی بہت سے سندیں ہیں اور ان میں سے ایک سند وہ ہے جس کو سراج الدین القزوینی نے موضوع کہا ہے لیکن بسا اوقات ایک ضعیف سند کو دوسری سند کے ساتھ تقویت ملتی

جاتی ہے یہاں تک کہ وہ سند ضعیف حسن کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔ لہٰذا اس حدیث کی سند کو ضعیف کہنا صحیح نہیں ہے۔

**الشق الثانی** ...... حدثنا حمید بن عبدالرحمن انه سمع معاویه خطب بالمدینة، یقول: این علماء کم یااهل المدینة سمعت رسول الله ﷺ ینهی عن هذه القصة ویقول انما هلکت بنواسرائیل حین اتخذها نساؤهم. (ص۱۰۱۔ج۲۔قدیمی)

انکرمعنی "القصة". ماالذی اراد معاویة بقوله: "این علماؤکم یا اهل المدینة". ماحکم القصة التی یتخذها النساء؟ ماهوسبب الوعید الشدید فی اتخاذ القصة؟

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال کا حاصل تین امور ہیں (۱) قصة کا معنی (۲) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے قول کی مراد (۳) قصة کا حکم اور وعید کی وجہ۔

**جواب** ...... ❶ **قصة کا معنی:۔** قصة کا معنی یہ ہے کہ بالوں کو بالوں کے ساتھ گرودے کر گچھا بنانا۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ بالوں کو بالوں کے ساتھ یا کسی دوسری چیز (دھاگہ، کپڑا وغیرہ) کے ساتھ گرودے کر گچھا بنانا۔

❷ **حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے قول کی مراد:۔** حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب اور مراد یہ ہے کہ اے اہل مدینہ تمہارے علماء کہاں گئے؟ یہ برا عمل تمہارے شہر میں پھیل رہا ہے عورتیں اپنے بالوں کے ساتھ یہ بالوں کے گچھے ملا رہی ہیں تمہیں اس حرکت قبیح وفعل شنیع سے منع کرنے والا کوئی نہیں ہے حالانکہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسی عمل کی وجہ سے بنی اسرائیل ہلاک ہوئے تھے اگر تمہارے علماء موجود ہوتے تو وہ ضرور تمہیں اس سے منع کرتے۔ (تحفۃ الاحوذی ج۴ ص۵۷۵)

❸ **قصة کا حکم اور وعید کی وجہ:۔** جمہور کے نزدیک دونوں صورتیں ناجائز ہیں خواہ گچھا بالوں کے ساتھ ہو یا کسی دوسری چیز کے ساتھ، جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے زجر رسول الله ﷺ عن تصل المرأة بشعرها شیئاً۔ کیونکہ اس میں تغییر لخلق الله ہے۔ فقیہ ابوالیث اور ابوعبیدہ نے کثیر فقہاء کرام سے نقل کیا ہے کہ ممانعت اس صورت میں ہے کہ جب وصل الشعر بالشعر ہو اور اگر وصل الشعر بغیر الشعر ہو تو یہ نہی میں داخل نہیں ہے۔

## ﴿الورقة الثالثة: جامع للامام الترمذی﴾

### ﴿السوال الاول﴾ ۱۴۲۹ھ

**الشق الاول** ...... عن القاسم بن محمد عن عائشة قالت سئل النبی ﷺ عن الرجل یجد البلل ولایذکر احتلاما قال: یغتسل، وعن الرجل یری انه قداحتلم ولم یجدبللا، قال لاغسل علیه قالت ام سلمة یارسول الله هل علی المرأة تری ذاك غسل قال نعم ان النساء شقائق الرجال. (ص۳۱۔ج۱۔قدیمی)

ترجم الحدیث ترجمة واضحة. وضح جمیع الصور فی المسالة المذکورة فی هذا الحدیث ثم انکرحکمها عند العلماء. مامعنی قوله "ان النساء شقائق الرجال" اذکر ترجمة موجزة للقاسم بن محمد.

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) حدیث مبارکہ کا ترجمہ (۲) خواب واحتلام کی صورتیں اور ان کے احکام (۳) ان النساء شقائق الرجال کا معنی (۴) قاسم بن محمد کے حالات۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس آدمی کے متعلق پوچھا گیا جو نیند سے بیدار ہو اور وہ اپنے کپڑے گیلے پائے لیکن اسے احتلام یاد نہ ہو تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ غسل کرے، یہ پوچھا اور اس آدمی کے متعلق پوچھا گیا جسے احتلام تو یاد ہو لیکن اس نے اپنے کپڑوں میں تری (منی) نہیں پائی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس پر غسل نہیں ہے ام سلمہ

نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ اگر عورت ایسا دیکھے تو کیا وہ بھی غسل کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، عورتیں مردوں ہی کی طرح ہیں۔

❷ **خواب واحتلام کی صورتیں اوران کے احکام:۔** اس حدیث میں دو مسئلے بیان کئے گئے ہیں ایک تو یہ کہ اگر خواب یاد ہو لیکن کپڑوں پر کوئی تری وغیرہ نہ ہو تو وہ موجب غسل نہیں اس مسئلہ میں نہ کوئی اختلاف ہے اور نہ کوئی تفصیل ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ بیدار ہونے کے بعد کپڑوں پر تری نظر آئے تو اس میں تفصیل اور کچھ تھوڑا سا اختلاف بھی ہے علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کی چودہ صورتیں لکھی ہیں۔ ① تری کے منی ہونے کا یقین ہو ② مذی ہونے کا یقین ہو ③ ودی ہونے کا یقین ہو ④ اولیین میں شک ہو ⑤ اخیرین میں شک ہو ⑥ طرفین میں شک ہو ⑦ تینوں میں شک ہو، پھر ان میں سے ہر ایک صورت میں خواب یاد ہوگا یا نہیں ہوگا اس طرح کل چودہ صورتیں ہوئیں۔

ان میں سے مندرجہ ذیل سات صورتوں میں غسل واجب ہے: ① منی ہونے کا یقین ہو اور خواب یاد ہو ② منی ہونے کا یقین ہو اور خواب یاد نہ ہو ③ مذی ہونے کا یقین ہو اور خواب یاد ہو، نمبر منی یا مذی میں شک ہو اور خواب یاد ہو ⑤ مذی یا ودی میں شک ہو اور خواب یاد ہو ⑥ منی یا ودی میں شک ہو اور خواب یاد ہو ⑦ تینوں میں شک ہو اور خواب یاد ہو۔

مندرجہ ذیل چار صورتوں میں غسل بالاتفاق واجب نہیں ① ودی ہونے کا یقین ہو اور خواب یاد ہو ② ودی ہونے کا یقین ہو اور خواب یاد نہ ہو ③ مذی ہونے کا یقین ہو اور خواب یاد نہ ہو ④ مذی اور ودی میں شک ہو اور خواب یاد نہ ہو۔

مندرجہ ذیل تین صورتوں میں اختلاف ہے ① منی اور مذی میں شک ہو اور خواب یاد نہ ہو ② منی اور ودی میں شک ہو اور خواب یاد نہ ہو ③ تینوں میں شک ہو اور خواب یاد نہ ہو۔

ان تین صورتوں میں طرفین کے نزدیک احتیاطاً غسل واجب ہے لیکن امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک موجب کے وجود میں شک کی وجہ سے غسل واجب نہیں طرفین حدیث باب کے عموم سے استدلال کرتے ہیں اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ اس کو ان سات صورتوں پر محمول کرتے ہیں جو ان کے نزدیک موجب غسل ہیں اور فتویٰ طرفین کے قول پر ہے۔ (درس ترمذی ج ۱ ص ۳۳۲)

❸ **ان النساء شقائق الرجال کا معنی:۔** مطلب یہ ہے کہ عورتیں مردوں کے مشابہ ہیں اور ان کو بھی احتلام ہوتا ہے اگرچہ اس کا وقوع کم ہے اکثر عورتوں کو اس وقت احتلام ہوتا ہے جب وہ بڑی عمر کو پہنچ جائیں۔ (ایضاً)

❹ **قاسم بن محمد کے حالات:۔** قاسم بن محمد بن ابوبکر الصدیق یہ مدینہ کے سات مشہور فقہاء میں سے ایک ہیں اور یہ اکابر تابعین میں سے ہیں اور یہ اپنے زمانے کے تمام علماء سے افضل ہیں اور ان کے بارے میں یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے مدینہ میں قاسم بن محمد پر فضیلت میں کوئی نہیں پایا یہ تیسرے طبقے کے کبار رواۃ میں سے ہیں اور انہوں نے صحابہ کی ایک جماعت سے روایتیں نقل کی ہیں جن میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں اور ان سے بہت لوگوں نے روایتیں نقل کی ہیں اور ان کی وفات ۱۰۶ھ کو ہوئی اور ان کی ستر سال عمر ہوئی۔ (تقریب التہذیب)

**متن الحدیث** ...... أَخْبَرَنِي كُرَيْبٌ أَنَّ أُمَّ الْفَضْلِ بِنْتَ الْحَارِثِ بَعَثَتْهُ إِلَى مُعَاوِيَةَ بِالشَّامِ قَالَ: فَقَدِمْتُ الشَّامَ فَقَضَيْتُ حَاجَتَهَا وَاسْتُهِلَّ عَلَيَّ هِلَالُ رَمَضَانَ وَأَنَا بِالشَّامِ قَالَ فَرَأَيْنَا الْهِلَالَ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ ثُمَّ قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ فِي آخِرِ الشَّهْرِ، فَسَأَلَنِي ابْنُ عَبَّاسٍ، ثُمَّ ذَكَرَ الْهِلَالَ فَقَالَ: مَتَى رَأَيْتُمُ الْهِلَالَ، فَقُلْتُ: رَأَيْنَاهُ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ، فَقَالَ: أَأَنْتَ رَأَيْتَهُ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ، فَقُلْتُ: رَآهُ النَّاسُ وَصَامُوا وَصَامَ مُعَاوِيَةُ، قَالَ: لَكِنْ رَأَيْنَاهُ لَيْلَةَ السَّبْتِ فَلَا نَزَالُ نَصُومُ حَتَّى نُكْمِلَ ثَلَاثِينَ يَوْمًا أَوْ نَرَاهُ فَقُلْتُ: أَلَا تَكْتَفِي بِرُؤْيَةِ مُعَاوِيَةَ

وَصِيَامِهِ؟ قَالَ: لَا، هٰكَذَا أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ. (ص ۱۴۸، ج ۱، قدیمی)

**ترجم الحديث بعد ضبطه بالشكل. انكر مسألة اختلاف المطالع هل يعتبر أم لا و انكر أدلة العلماء**

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) اختلاف مطالع کے معتبر ہونے میں اختلاف (۴) ائمہ کے دلائل۔

**جواب** ...... ① **حدیث پر اعراب:۔ كما مرّ في السوال آنفا۔**

② **حدیث کا ترجمہ:۔** خبر دی مجھ کو کریب نے کہ ام فضل بنت حارث نے مجھے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس شام بھیجا۔ کریب کہتے ہیں کہ میں شام گیا اور ان کا کام پورا کیا، اسی اثناء میں رمضان آ گیا۔ پس ہم نے جمعہ کی شب چاند دیکھا، پھر میں رمضان کے آخر میں مدینہ واپس آیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھ سے چاند کا ذکر کیا اور پوچھا کہ تم نے کب چاند دیکھا تھا؟ میں نے کہا جمعہ کی شب کو، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تم نے خود دیکھا تھا؟ میں نے کہا: لوگوں نے دیکھا اور روزہ رکھا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی روزہ رکھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہم نے تو ہفتے کی رات چاند دیکھا تھا لہٰذا ہم تیس روزے رکھیں گے یا یہ کہ عید الفطر کا چاند نظر آ جائے۔ حضرت کریب کہتے ہیں کہ: میں نے کہا کیا آپ کے لئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا چاند دیکھنا اور روزہ رکھنا کافی نہیں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا نہیں، ہمیں رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح حکم دیا ہے۔

③ و ④ **اختلاف مطالع کے معتبر ہونے میں اختلاف مع الدلائل:۔** حدیث باب سے ائمہ ثلاثہ نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ اختلاف مطالع شرعاً معتبر ہے لہٰذا ایک مطلع کی رویت دوسرے مطلع کے لئے کافی نہیں بلکہ ہر شہر کے لوگ اپنی رویت کا الگ اعتبار کریں گے لیکن حنفیہ کا اصل مذہب یہ ہے کہ اختلاف مطالع معتبر نہیں لہٰذا اگر کسی ایک شہر میں چاند نظر آ جائے تو دوسرے شہر کے لوگ اسکے مطابق رمضان یا عید کر سکتے ہیں خواہ انہیں چاند نظر نہ آئے بشرطیکہ اس شہر میں رویت ہلال کا ثبوت شرعی طریقہ سے ہو جائے یعنی شہادت سے یا شہادت علی الشہادت سے۔ یا شہادت علی القضاء سے یا استفاضہ خبر سے۔

البتہ متاخرین حنفیہ میں سے حافظ زیلعی نے کنز کی شرح میں لکھا ہے کہ بلاد بعیدہ میں اختلاف مطالع ہمارے نزدیک بھی معتبر ہے لہٰذا بلاد بعیدہ کی رویت کافی نہیں۔ متاخرین نے اسی قول پر فتویٰ دیا ہے۔

لیکن بلاد قریبہ اور بعیدہ کی تفریق کا کیا معیار ہوگا؟ اس کی وضاحت کتب فقہ میں نہیں ہے، البتہ علامہ عثمانی رحمہ اللہ نے فتح الملہم میں اس کا یہ معیار تجویز فرمایا ہے کہ جو بلاد اتنی دور ہوں کہ ان کے اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کرنے سے دو دن کا فرق پڑ جائے وہاں اختلاف مطالع معتبر ہوگا (یعنی ایک جگہ کی رویت دوسری جگہ کے لئے کافی نہ ہوگی) کیونکہ ایسے بلاد بعیدہ میں بھی اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کیا جائے تو مہینہ یا اٹھائیس دن کا یا اکتیس دن کا ہو سکتا ہے جس کی شریعت میں کوئی نظیر نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث باب چونکہ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے مسلک کے عین مطابق اور ان کا مستدل ہے اسلئے حنفیہ کی طرف سے اس کی متعدد توجیہات کی جاتی ہیں: ① حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ فیصلہ اس بات پر مبنی تھا کہ انہوں نے شام کو مدینہ طیبہ کے مقابلہ میں بلاد بعیدہ میں سے شمار کیا اور بلاد کا قرب وبعد ایک اجتہادی چیز ہے۔ ② ان کی رویت مدینہ طیبہ کیلئے کافی ہو سکتی تھی لیکن چونکہ خبر دینے والے صرف حضرت کریب رحمہ اللہ تھے اور نصاب شہادت موجود نہ تھا اسلئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے قبول نہ کیا۔ اس پر اشکال ہو سکتا ہے کہ مسئلہ رمضان کی رویت کا تھا جس میں شہادت شرط نہیں ہوتی لہٰذا اگر اختلاف مطالع کا اعتبار نہ ہو تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو حضرت کریب رحمہ اللہ کے بیان کا اعتبار کرتے ہوئے شام کی رویت کا اعتبار کرنا چاہیے تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یا اگر چہ رمضان کے چاند کا معاملہ تھا لیکن چونکہ یہ گفتگو مہینہ کے آخر میں ہو رہی تھی اسلئے اس سے عید کا مسئلہ متعلق ہو گیا تھا اور اس میں ایک شخص کی خبر یا شہادت کافی نہ تھی اور یہاں چاند کی خبر دینے والے صرف حضرت کریب رحمہ اللہ تھے۔

اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ ابتداءِ رمضان میں تو ثبوت "شھر" کے لئے ایک شخص کی خبر کافی سمجھی گئی ہے۔ البتہ انتہاءِ رمضان میں اگر کوئی شخص ہلال رمضان کی رویت کے بارے میں شہادت دے تو اس کی دو جہتیں ہیں ایک یہ کہ چونکہ ماہِ رمضان ہی کی شہادت ہے اس لئے ایک آدمی کی خبر کافی ہونی چاہیے اور دوسری یہ کہ اب اس رویت سے عید کا مسئلہ متعلق ہو گیا ہے اس لئے رمضان کے لئے بھی عید کا نصاب شہادت ضروری ہونا چاہیے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے غالباً اسی دوسری جہت کو درست سمجھا چنانچہ حضرت کریب رحمہ اللہ کے بیان پر فیصلہ نہ فرمایا۔

بہر حال بلادِ بعیدہ میں متاخرین حنفیہ کا مسلک بھی ائمہ ثلاثہ کے مطابق ہے کہ اختلاف مطالع معتبر ہے۔ (درس ترمذی ج ۲ ص ۵۳۰)

## السوال الثانی ۱۴۲۹ھ

**الشق الاول** ...... عن رافع بن خديج عن النبی ﷺ قال افطر الحاجم والمحجوم۔

**اذکر اختلاف الفقهاء فی ان الحجامة مفطر للصوم اوغير مفطر؟ حرر دلائلهم. اكتب الاجوبة عن الحديث المذكور عند من لا يقول به.**

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل دو امور ہیں (۱) حجامہ کے مفطر ہونے میں اختلاف مع الدلائل (۲) حدیث الباب کا جواب۔

**جواب** ...... ❶ حجامہ کے مفطر ہونے میں اختلاف مع الدلائل:۔ امام احمدؒ و امام اسحاقؒ کے نزدیک حجامت مفسد صوم ہے اور ایسے شخص پر صرف قضا واجب ہے، کفارہ واجب نہیں ہے۔

امام اوزاعیؒ، حسن بصریؒ، محمد بن سیرینؒ و مسروقؒ کے نزدیک حجامت صرف مکروہ ہے، مفسد صوم نہیں ہے۔

ائمہ ثلاثہؒ و جمہورؒ کے نزدیک حجامت نہ مفسد صوم ہے اور نہ مکروہ ہے۔

جمہور کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "احتجم رسول الله ﷺ وهو محرم صائم"

نیز حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے "ثلاث لا يفطرن الصائم الحجامة و القئ و الاحتلام"

امام احمدؒ و امام اسحاقؒ کی دلیل یہی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حاجم و محجوم دونوں کا روزہ فاسد ہو گیا۔

❷ حدیث الباب کا جواب:۔ ① اس میں "افطر" کا لفظ "کاد ان يفطر" کے معنی میں ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ عمل صائم کو افطار کے قریب کر دیتا ہے، حاجم کو اس لئے کہ وہ خون چوستا ہے جس سے خون کے حلق میں جانے کا خطرہ ہے اور محجوم کو اس لئے کہ حجامت کی وجہ سے اس کو بہت زیادہ ضعف و کمزوری لاحق ہو جاتی ہے۔ ② امام طحاویؒ نے یہ جواب دیا کہ "الحاجم و المحجوم" میں الف لام عہد کا ہے، اس سے مراد وہی دو مخصوص آدمی ہیں جو دوران حجامت غیبت کر رہے تھے اور روزہ ٹوٹنے سے مراد ثواب کا ضائع ہونا ہے، اور اس ضیاع ثواب کی علت حجامت نہیں بلکہ غیبت تھی۔ ③ امام شافعیؒ نے جواب دیا کہ یہ حدیث منسوخ ہے، اس کی دلیل حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ یہ ارشاد آپ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر فرمایا تھا اور "احتجم رسول الله ﷺ وهو محرم" والی روایت حجۃ الوداع کے موقع کی ہے کیونکہ راوی حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ محرم ہونے کی حالت میں صرف حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ کے ساتھ تھے، پس معلوم ہوا کہ "افطر" والا حکم منسوخ ہے۔ ④ یہ حدیث درحقیقت ایک مشورہ ہے کہ بحالت روزہ میں حجامت نہ کیا جائے کیونکہ اس سے انسان کو بہت زیادہ کمزوری لاحق ہوتی ہے اور روزہ میں

انشراح باقی نہیں رہتا اس لیے روزہ کی حالت میں یہ عمل نہیں کرنا چاہیے۔ (درس ترمذی ج ۳ ص ۶۱۲)

**الشق الثانی** ...... عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ فَاسْتَقْبَلَنَا رِجْلٌ مِّنْ جَرَادٍ فَجَعَلْنَا نَضْرِبُهٗ بِأَسْيَاطِنَا وَعِصِيِّنَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ كُلُوْهُ، فَإِنَّهٗ مِنْ صَيْدِ الْبَحْرِ. (ص ۱۷۲، ج ۱، قدیمی)

شکل الحدیث بالضبط وترجمه ترجمة واضحة. اذکر اختلاف العلماء فی صید الجراد هل یجب علی الصائد الجزاء ام لا. من یستدل بهذا الحدیث؟ وما الجواب عنه عند من لا یقول به.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) ٹڈی کے شکار پر جزاء کے وجوب میں اختلاف (۴) حدیث کے مستدلین کی تعیین اور جواب۔

**جواب** ...... ❶ عبارت پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

❷ عبارت کا ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حج یا عمرہ کیلئے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نکلے تو ہمارے سامنے ٹڈی دَل آ گیا پس ہم نے اسے اپنی لاٹھیوں اور کوڑوں سے مارنا شروع کر دیا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اسے کھاؤ یہ دریا کا شکار ہے۔

❸ ٹڈی کے شکار پر جزاء کے وجوب میں اختلاف:۔ ٹڈی کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ اس کے شکار پر جزاء واجب ہے یا نہیں۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ وغیرہ کہتے ہیں کہ ٹڈی صید البحر میں داخل ہے یعنی محرم کے لئے اس کا شکار جائز ہے اور جمہور کے نزدیک ٹڈی صید البر میں سے ہے اور اس کے شکار پر جزاء واجب ہے۔

❹ حدیث کے مستدلین کی تعیین اور جواب:۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ وغیرہ حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں جمہور یہ کہتے ہیں کہ جہاں تک حدیث باب کا تعلق ہے سو وہ جمہور کے نزدیک ابو المہزم یزید بن سفیان کی وجہ سے ضعیف ہے جو متروک ہے لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں۔

نیز اگر اس روایت کو درست بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی آپ ﷺ کے فرمان فانه من صيد البحر کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ صید البحر کے مشابہ ہے من حيث يحل ميتته ولا يحتاج الى الذبح. (قاله علی القاری)۔ (درس ترمذی ج ۳ ص ۱۰۹)

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱٤۲۹ھ

**الشق الاول** ...... عن سمرة بن جندب عن النبی ﷺ قال: لما حملت حواء طاف بها ابليس وكان لا يعيش لها ولد وقال: سميه عبد الحارث فسمته عبد الحارث فعاش وكان ذلك من وحي الشيطان وامره

ترجم الحديث الشريف. اشرح الحديث المذكور شرحا يزيل جميع الشبهات. (ص ۱۳۸، ج ۲، قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں دو امر مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی تشریح۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت حوا کو حمل ہوا تو شیطان نے ان کے گرد چکر لگایا، ان کا کوئی بچہ زندہ نہیں رہتا تھا، شیطان نے کہا کہ بیٹے کا نام عبد الحارث رکھو، پس انہوں نے اس کا نام عبد الحارث رکھا تو پھر وہ زندہ رہا اور شیطان کی طرف سے یہ بات ڈالی گئی اور اس کا حکم تھا۔

❷ حدیث کی تشریح:۔ حضرت حوا کا کوئی بچہ زندہ نہیں رہتا تھا، ابلیس (نیک مخلوق کی صورت میں) حضرت حواء کے پاس آیا اور کہا کہ اگر لڑکا پیدا ہو تو اس کا نام "عبد الحارث" رکھو تو وہ زندہ رہے گا (حارث ابلیس کا نام تھا، عبد الحارث یعنی بندۂ شیطان) چنانچہ حضرت حوا نے اس کا نام عبد الحارث رکھا تو وہ زندہ رہا آیت کریمہ میں وجعلا له شركاء فيما آتاهما سے اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے ...

صورت میں **فلما تغشها** وغیرہ کی ضمیر مونث حضرت حواء کی طرف راجع ہوگی اور پورا واقعہ حضرت آدم وحواء ؑ سے متعلق ہوگا۔

لیکن اس تفسیر پر اشکال ہوتا ہے کہ آیت میں شرک کے ارتکاب کا ذکر ہے اور حضرات انبیاء ؑ معصوم ہوتے ہیں تو حضرت آدم ؑ نے شرک کا ارتکاب کیسے کیا جبکہ آپ ابوالانبیاء ہیں اور شرک آپ کی شانِ عصمت کے منافی ہے؟

اس کے دو جوابات دیئے گئے ہیں: ① پہلا جواب علی سبیل الانکار یہ ہے کہ جن روایات نے ان آیات میں بیان کردہ واقعہ کو حضرت آدم ؑ اور حواء کے ساتھ مخصوص کیا ہے وہ روایات صحیح نہیں ہیں اور مختلف وجوہ کی بناء پر وہ معلول ہیں ان میں بعض تو اسرائیلیات ہیں اور امام احمد ؒ نے جو روایت نقل کی ہے وہ معلول ہے۔

ایک علت تو اس میں یہ ہے کہ وہ "حسن عن سمرۃ" کے طریق سے مروی ہے اور حضرت حسن بصری ؒ کا سماع حضرت سمرہ بن جندب ؓ سے مختلف فیہ ہے۔ دوسری علت اس کی سند میں یہ ہے کہ اس میں عمر بن ابراہیم ؒ متکلم فیہ راوی ہے۔

تیسری علت یہ ہے کہ اس حدیث کے موقوف اور مرفوع ہونے میں اختلاف ہے، امام احمد بن حنبل ؒ نے تو اس کو مرفوعاً نقل کیا ہے لیکن ابن جریر ؒ نے اس کو موقوفاً نقل کیا ہے۔ چوتھی علت یہ ہے کہ یہ روایت حضرت حسن بصری ؒ سے منقول ہے اور حضرت حسن بصری ؒ سے خود اس روایت کے خلاف آیت کی پہلی تفسیر منقول ہے۔

② دوسرا جواب علی سبیل التسلیم یہ ہے کہ اگر ان روایات کو صحیح تسلیم کرلیا جائے اور آیت میں بیان کردہ قصہ کو حضرت آدم اور حواء علیہما السلام کے متعلق قرار دیا جائے تب بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انہوں نے حقیقۃً شرک کا ارتکاب کیا، چنانچہ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی ؒ تحریر فرماتے ہیں۔ جب بچہ پیدا ہوا تو دونوں نے "عبدالحارث" نام رکھا ظاہر ہے کہ اسمائے اعلام میں لغوی معنی معتبر نہیں ہوتے، اگر معتبر ہوں بھی تو "عبد" کی اضافت "حارث" کی طرف اس کو مستلزم نہیں کہ "حارث" کو معاذ اللہ معبود سمجھ لیا جائے، ایک مہمان نواز آدمی کو عرب "عبدالضیف" کہہ دیتے ہیں، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ گویا میزبان مہمان کی پوجا کرتا ہے بہرحال اگر "عبدالحارث" نام رکھنے کا یہ واقعہ صحیح ہے تو نہیں کہا جاسکتا کہ آدم ؑ نے معاذ اللہ حقیقۃً شرک کا ارتکاب کیا جو انبیاء ؑ کی شانِ عصمت کے منافی ہے، ہاں بچہ کا ایسا غیر موزوں نام رکھنا جس سے بظاہر شرک کی بو آتی ہو، نبی معصوم کی شان رفیع اور جذبۂ توحید کے مناسب نہ تھا قرآن کریم کی عادت ہے کہ انبیائے مقربین کی چھوٹی سی لغزش کو **حسنات الابرار سیئات المقربین** کے قاعدے کے مطابق اکثر سخت عنوان سے تعبیر کرتا ہے، یہاں بھی آدم علیہ السلام کے رتبے کے لحاظ سے اس موہم شرک تسمیہ کو تغلیظاً ان الفاظ میں ادا فرمایا **جعلا له شركاء فيما اتاهما** یعنی ان کی شان کے لائق نہ تھا کہ ایسا نام رکھیں جس سے شرک کا وہم ہوتا ہے، گو حقیقۃً شرک نہیں شاید اسی لئے **فقد اشركا** وغیرہ مختصر عبارت چھوڑ کر یہ طویل عنوان **جعلا له شركاء فيما اتاهما** اختیار فرمایا۔

③ امام رازی ؒ نے تو اولاً اس بات کو تسلیم نہیں کیا کہ آیت میں بیان کردہ قصہ کا تعلق حضرت آدم اور حواء ؑ کے ساتھ ہے اور تسلیم نہ کرنے کی انہوں نے مختلف وجوہات لکھی ہیں: ① آیت کے آخر میں **فتعالى الله عما يشركون** کے الفاظ خود اس بات پر دلالت کررہے ہیں کہ شرک کرنے والے دو نہیں تھے، پوری ایک جماعت تھی جو اولادِ آدم ہی ہوسکتی ہے۔ ② اس کے بعد آیت ہے **ايشركون ما لا يخلق شيئا وهم يخلقون** اس میں لفظ **ما** استعمال کیا گیا ہے جو غیر ذوی العقول کیلئے آتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں ان لوگوں پر رد کرنا مقصود ہے جنہوں نے بتوں کو شریک خدا بنایا، ابلیس لعین کو شریک خدا بنانے کا ذکر اس آیت میں نہیں ہے۔ ③ حضرت آدم ؑ کو ابلیس کے تمام نام معلوم تھے جیسا کہ **وعلم آدم الاسماء كلها** سے واضح ہے اور حضرت آدم ؑ کو ابلیس کی سازش اور راندۂ درگاہ ہونے کی اچھی طرح خبر تھی۔ اس کے باوجود حضرت آدم ؑ اپنے کسی بچے کا نام "عبدالحارث" کیسے

رکھ سکتے تھے۔ ③ کہ توحید پر ایمان رکھنے والے عام آدمی کے پاس بھی اگر کوئی آکر اس قسم کی بات کہے جس سے شرک کی بو آتی ہو تو وہ اسے تسلیم نہیں کرے گا تو حضرت آدم علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی سے اس کا صدور کیونکر ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اس ابلیس کی بات مان لی ہو جس نے آپ کو باغ رضوان سے نکالا اور جس کی بناء پر آپ برسوں اپنے رب کے حضور مغفرت کی دعا مانگتے رہے۔

ان وجوہات کی بناء پر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کا حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام سے تعلق تسلیم نہیں کیا، اس کے بعد فرمایا کہ آیت میں بیان کردہ قصہ کو بالفرض حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام سے متعلق قرار بھی دیا جائے تب بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت آدم و حواء علیہما السلام نے ارتکاب شرک کیا بلکہ آیت میں انکی طرف شرک کی نسبت کرنے والوں پر رد ہے اور وہ اس طرح کہ مشرکین کہتے تھے کہ حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام بھی (معاذ اللہ) بتوں کی عبادت کرتے تھے تو اللہ جل شانہ نے مذکورہ آیت میں حضرت آدم اور حواء علیہما السلام کا قصہ ذکر کیا اور ان کا قول نقل کیا **لئن اٰتیتنا صالحا لنكونن من الشكرين**، اسکے بعد فرمایا **فلما اٰتٰهما صالحا جعلا شركآء فيمآ اٰتٰهما**، یہ جملہ استفہامیہ ہے یعنی بچہ عطا کرنے کے بعد کیا حضرت آدم اور حواء علیہما السلام نے اللہ کے ساتھ شرک کیا؟ استفہام انکاری ہے یعنی نہیں، آگے فرمایا **فتعالى الله عما يشركون** یعنی اللہ جل شانہ اس شرک سے پاک ہیں جو یہ مشرکین کرتے ہیں اور حضرت آدم اور حواء علیہما السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں تو اس آیت میں حضرت آدم اور حواء علیہما السلام سے شرک کی نفی ہے اور مشرکین پر رد ہے۔

③ بعض حضرات نے فرمایا کہ ان آیات میں حضرت آدم اور حواء علیہما السلام کا سرے سے ذکر ہی نہیں ہے، نہ آیات کے شروع میں نہ آخر میں، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ہر ایک کو ایک نفس سے پیدا کیا اور ہر نفس کیلئے اسکی جنس سے اس کا جوڑا بنایا، پھر جب یہ دونوں ایک دوسرے سے فطری خواہش پوری کر لیتے ہیں اور حمل ٹھہر جاتا ہے تو زمانہ حمل میں ساری امیدیں اللہ ہی سے وابستہ ہوتی ہیں کہ وہی صحیح وسالم بچہ پیدا کریگا لیکن جب بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو شکرانے کیلئے نذریں اور نیازیں غیر اللہ کے نام پر چڑھائی جاتی ہیں۔

**الشق الثانی** ...... **باب ماجاء فی الاشارة عن ابن عمر ان النبی ﷺ كان اذا جلس فی الصلاة وضع يده اليمنى على ركبته ورفع اصبعه التى تلى الابهام يدعوبها ويده اليسرى على ركبته باسطها عليه.**

**ترجم الحديث ثم بين حكم الاشارة فى الصلاة لدى التشهد. اختلف الائمة فى اختيار الكيفية الواردة فى الروايات من العقد والقبض والتحليق. انكر الشيخ السرهندى مجدد الالف الثانى الاشارة فى الصلاة، وجه قوله.**

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) تشہد میں اشارہ کرنے کا حکم (۳) عقد، قبض، تحلیق کی کیفیت میں ائمہ کا اختلاف (۴) مجدد الف ثانی کے تشہد میں اشارہ کے انکار کی توجیہ۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں بیٹھتے تھے تو اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے گھٹنے پر رکھتے تھے اور اپنی انگوٹھے سے ملی ہوئی انگلی کو اٹھاتے تھے اور اس سے اشارہ کرتے تھے اور اپنے بائیں ہاتھ کو اپنے گھٹنے پر پھیلا کر رکھتے تھے۔

② تشہد میں اشارہ کرنے کا حکم:۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کی بناء پر جمہور سلف وخلف کا اتفاق ہے کہ تشہد میں شہادت والی انگلی کے ساتھ اشارہ کرنا مسنون ہے اور اس کی سنیت پر متعدد روایات شاہد ہیں۔ چونکہ حنفیہ کی ظاہر الروایۃ اور معتبر متون میں اس اشارے کا ذکر نہیں ملتا اس وجہ سے بعض متاخرین نے اس اشارہ کو غیر مسنون قرار دے دیا بلکہ بعض حضرات نے تشدد اور غلو سے کام لیتے ہوئے اسے بدعت قرار دیا حالانکہ اس اشارہ کے مسنون ہونے میں بالکل شک نہیں کیونکہ اس کی روایات شہرت کو پہنچی ہوئی ہیں، باقی حنفیہ کی کتابوں میں اس کا عدم ذکر عدم سنیت کو مستلزم نہیں ہے۔ (درس ترمذی ج ۲ ص ۶۲)

❷ **عقد تسعین یا تحلیق کی کیفیت میں ائمہ کا اختلاف:۔** تشہد میں اشارہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کو دائیں گھٹنے پر ۵۳ کا عقد بنا کر اشارہ کرے۔ اور ۵۳ کا عقد اس طرح بنتا ہے کہ چھوٹی اور میانی اور ان کے درمیان والی (تین انگلیاں) بند کرے اور شہادت کی انگلی سیدھی رکھے اور انگوٹھا اس شہادت والی انگلی کی جڑ میں لگائے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ چھوٹی اور اس کے متصل والی انگلیاں بند کرے اور درمیانی انگلی و انگوٹھے کا حلقہ بنائے اور جب اشارے کا وقت آئے تو شہادت والی انگلی سے اشارہ کرے۔

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ تمام انگلیوں کی مٹھی بنائے اور اشارہ کے وقت شہادت والی انگلی سے اشارہ کرے۔ یہ تینوں صورتیں جائز ہیں۔

شروع ہی سے یہ ہیئت بنائے یا جب اشارے کا وقت آئے اس وقت بنائے یہ دونوں باتیں درست ہیں پھر اشارہ کے بعد اس ہیئت کو آخر تک باقی رکھے یا ختم کر دے؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اشارہ ختم کر دے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ آخر تک اشارہ باقی رکھے اور امام مالکؒ کے نزدیک شہادت کے بعد انگلی کو دائیں بائیں ہلا کر حرکت دیتا رہے۔ (تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۸۸)

❸ **مجدد الف ثانیؒ کے تشہد میں اشارہ کے انکار کی توجیہ:۔** حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوبات میں تشہد کے اندر انگلی کے ساتھ اشارہ کرنے کی سنیت سے انکار کیا ہے اور آگے وجہ بیان کی کہ اس کے بارے میں احادیث مضطرب ہیں کیونکہ اشارہ کی ہیئت کے بیان میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ اگر اضطراب کی وجہ سے حدیث قلتین کو رد کیا جا سکتا ہے تو اشارہ والی احادیث کو بھی رد کیا جا سکتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اشارہ کی ہیئت کے بارے میں جو اختلاف ہے اسے اضطراب نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اضطراب اس وقت ہوتا ہے جب حدیث ایک ہی ہو اور اس کے الفاظ میں کوئی نا قابل تطبیق اختلاف ہو اور یہاں یہ صورت نہیں ہے کیونکہ یہ اختلاف ایک حدیث کے الفاظ کا نہیں بلکہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایات کا اختلاف ہے اور اس اختلاف کی بناء پر تمام روایات کے اس قدر مشترک کو رد نہیں کیا جا سکتا کہ اشارہ فی التشہد مسنون ہے جبکہ اس کا ثبوت بھی شہرت کے ساتھ ہے۔ نیز اس کی سنیت پر اجماع بھی ہے۔

باقی جہاں تک اس کی ہیئت کے اختلاف کا تعلق ہے وہ درحقیقت اوقات اور زمانے کا اختلاف ہے یعنی آپ ﷺ نے کبھی ایک ہیئت سے اشارہ کیا اور کبھی دوسری ہیئت سے اشارہ کیا۔ اس اختلاف کو محدثین کی اصطلاح میں اضطراب نہیں کہا جا سکتا اور اشارہ کی جو جو ہیئت احادیث سے ثابت ہے ان میں سے ہر ایک پر عمل کرنا جائز ہے مگر ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ انگوٹھے اور درمیانی انگلی کا حلقہ بنا کر ان دونوں کے درمیانی شہادت والی انگلی سے اشارہ کیا جائے۔ (درس ترمذی ج ۲ ص ۹۳)

## ﴿الورقة الثالثة: جامع للامام الترمذي﴾

## ﴿السوال الاول﴾ ۱۴۳۰ھ

**الشق الاول** ...... حدثنا أبو الوليد الدمشقي حدثنا الوليد بن مسلم أخبرني ثور بن يزيد عن رجاء بن حيوة عن كاتب المغيرة عن المغيرة بن شعبة: أن النبي ﷺ مسح أعلى الخف وأسفله. قال أبو عيسى: ---وهذا حديث معلول لم يسنده عن ثور بن يزيد غير الوليد بن مسلم وسألت أبازرعة ومحمد بن أسمعيل عن هذا الحديث فقالا: ليس بصحيح. (ص ۲۸، ج ۱، قدیمی)

اشرح المسألة المذكورة و اذكر أدلة الأئمة . اشرح ماذكره المؤلف من علة الحديث ببسط وتفصيل.

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) موزوں کے نیچے مسح کرنے میں اختلاف (۲) ائمہ کے دلائل (۳) مؤلف کے قول هذا حديث معلول کی تشریح۔

**جواب** ...... ❶ موزوں کے نیچے مسح کرنے میں اختلاف:۔ امام ابوحنیفہ و امام احمد رحمہما اللہ کے ہاں مسح صرف ظاہر خف

(اوپر) کرنا چاہیے باطن خف (نیچے والا حصہ) محل مسح نہیں ہے امام شافعی و امام مالک رحمہما اللہ کے ہاں ظاہر و باطن دونوں پر مسح کرنا چاہیے پھر امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں دونوں طرف مسح فرض ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں اوپر فرض اور نیچے سنت ہے۔

❷ ائمہ کے دلائل:۔ فریق اول کی دلیل: ① عن المغيرة بن شعبة قال رأيت النبي ﷺ يمسح على الخفين على ظاهرهما (ابوداؤد، ترمذی) ② عن علی قال لو كان الدين بالرأي لكان اسفل الخف اولى بالمسح من اعلاه وقد رأيت رسول الله ﷺ على ظاهر خفيه (ابوداؤد) ③ عن عمر ان النبي ﷺ امر بالمسح على ظهر الخفين (مصنف ابن ابی شیبہ، دارقطنی) ④ حضرت مغیرۃ کی مرفوع حدیث ہے مسح اعلاهما مسحة واحدة حتى انظر الى اصابع رسول الله ﷺ على الخفين۔ (ابن ابی شیبہ)

فریق ثانی کی دلیل: حضرت مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے موزے کے اوپر اور موزے کے نیچے مسح کیا۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ) حنفیہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو معلول، امام ابوداؤد نے منقطع، ابوحاتم نے ليس بمحفوظ اور دارقطنی نے لايثبت کہا ہے۔ نیز ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے مسح کرتے وقت نچلا حصہ بائیں ہاتھ سے پکڑا ہو جسے دیکھنے والے نے مسح سمجھ لیا۔ (المسائل والدلائل ص ۹، عارضۃ ترمذی ج ۱ ص ۳۳۲)

❸ مؤلف کے قول هذا حديث معلول کی تشریح:۔ حدیث باب کے معلول ہونے کی متعدد وجوہ ہیں۔

① پہلی علت خود امام ترمذی رحمہ اللہ نے بیان کی ہے کہ یہی روایت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے بھی ثور بن یزید سے نقل کی ہے اس میں سند کاتب المغیرۃ پر ختم ہو گئی ہے اور حضرت مغیرہ بن شعبہ کا کوئی ذکر نہیں ہے گویا عبداللہ بن مبارک کی سند میں یہ حدیث مسندات المغیرۃ میں سے نہیں بلکہ کاتب المغیرۃ کی مرسل ہے ولید بن مسلم کو وہم ہوا اور انہوں نے اسے موصول روایت کر دیا اسی لئے امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں لم يسنده عن ثور بن يزيد غير الوليد بن مسلم ② دوسری علت امام ابوداؤد وغیرہ نے بیان کی ہے وہ یہ کہ ثور بن یزید نے یہ حدیث رجاء بن حیوۃ سے نہیں سنی گویا حدیث منقطع ہے جبکہ ترمذی کی سند میں یہاں حدثنا کی تصریح پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے بعض حضرات نے اسے موصول قرار دیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ حدثنا کی یہ تصریح درست نہیں جیسا کہ مسند احمد بن عبیداللہ صفار سے معلوم ہوتا ہے ③ عبداللہ بن مبارک کی سند میں عن رجاء قال حدثت عن كاتب المغيرة کے الفاظ آئے ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خود رجاء بن حیوۃ نے بھی یہ حدیث براہ راست کاتب المغیرۃ سے نہیں سنی تھی بلکہ کسی اور سے سنی تھی جو نا معلوم ہے لہٰذا یہ ایک اور انقطاع ہو گیا ④ حضرت کشمیری رحمہ اللہ نے چوتھی علت یہ بیان کی ہے کہ حضرت مغیرۃ کی یہ روایت مسند بزار میں ساٹھ طریقوں سے منقول ہے لیکن حدیث باب کے سوا کسی بھی روایت میں اسفل خف پر مسح کرنے کا ذکر نہیں ہے بہرحال مذکورہ وجوہات کی بناء پر حدیث باب کو معلول قرار دیا گیا ہے۔ (درس ترمذی ج ۱ ص ۳۳۲)

**الشق الثانی** ...... حدثني الحجاج بن عمرو قال: قال رسول الله ﷺ: من كسر أو عرج فقد حل وعليه حجة أخرى. (ص ۱۸۷-ج ۱-قدیمی) متى يتحقق الإحصار عند الأئمة الفقهاء. انكر أدلتهم على ذلك. اشرح الحديث واذكر معنى قوله: "وعليه حجة أخرى" مع الاختلاف في هذه المسألة.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) ائمہ کے نزدیک احصار کے تحقق میں اختلاف (۲) ائمہ کے دلائل (۳) حدیث کی تشریح (۴) مصنف کے قول وعليه حجة أخرى کا معنی۔

**جواب** ...... ❶ ائمہ کے نزدیک احصار کے تحقق میں اختلاف:۔ حنفیہ کے نزدیک احصار ہر اس مانع سے ہوتا

ہے جو بیت اللہ کی طرف جانے سے مانع ہو حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت زید بن ثابت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم عطاء بن ابی رباح ابراہیم نخعی اور سفیان ثوری رحمہم اللہ کا بھی یہی مسلک ہے بہرحال مرض وغیرہ سے حنفیہ کے نزدیک احصار متحقق ہو جاتا ہے۔

امام مالک امام شافعی امام احمد اور امام اسحٰق رحمہم اللہ کے نزدیک احصار صرف عدو سے متحقق ہوتا ہے مرض سے نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور لیث بن سعد رحمہم اللہ وغیرہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

❷ **ائمہ کے دلائل:۔** ائمہ ثلاثہ کا استدلال **واتموا الحج والعمرة لله فان احصرتم فما استيسر من الهدى** سے ہے کہ یہ آیت ۶ھ میں صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی تھی جس وقت کہ احصار بالعدو پیش آیا تھا معلوم ہوا کہ احصار عدو کے ساتھ خاص ہے۔

حنفیہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ یہ آیت اگرچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی مگر اولاً تو **العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب** کے قاعدہ سے اس کے حکم کو عدو کے ساتھ مخصوص نہیں کیا جا سکتا۔ ثانیاً اللہ تعالیٰ نے لفظ احصار استعمال کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ آیت کا سبب نزول اگرچہ احصار بالعدو کا واقعہ ہے مگر احصار بالمرض کا بھی یہی حکم ہے۔

دلیل احناف: حنفیہ کی دلیل حدیث الباب ہے اور جہاں تک حنفیہ کے مذہب کا تعلق ہے وہ لغۃً روایۃً اور درایۃً ہر اعتبار سے راجح ہے۔

لغۃً اس لئے کہ بیشتر علمائے لغت کے نزدیک لفظ احصار حقیقۃً حبس بالمرض کے لئے استعمال ہوتا ہے اور حبس بالعدو کیلئے حصر کا لفظ استعمال ہوتا ہے چنانچہ علمائے لغت میں سے ابو عبیدہ ابن قتیبہ اور ثعلب وزجاج وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے۔

روایۃً حدیث باب کی وجہ سے حنفیہ کا مذہب راجح ہے **عن عكرمة قال حدثنى الحجاج بن عمرو قال قال رسول الله ﷺ من كسر او عرج فقد حل وعليه حجة اخرى فذكرت ذلك لابى هريرة وابن عباس فقالا صدق** ، یہ روایت صراحۃً اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ احصار عدو کے ساتھ خاص نہیں اور کسر وعرج اسی طرح مرض سے بھی احصار ثابت ہو جاتا ہے۔

درایۃً اس لئے راجح ہے کہ جو علت احصار بالعدو میں پائی جاتی ہے وہی احصار بالمرض میں بھی پائی جاتی ہے اس لئے دونوں ہی مانع عن الحج ہونے میں برابر ہوئے۔ پس مناسب یہ ہے کہ دونوں کا حکم بھی برابر ہو۔ (درس ترمذی ج ۳ ص ۲۰۹)

❸ **حدیث کی تشریح:۔** رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ اگر محرم آدمی کی ہڈی ٹوٹ جائے یا وہ لنگڑا ہو جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ حلال ہو جائے یعنی احرام کھول دے اور وہ آئندہ سال حج ادا کرے۔ اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں، اول یہ کہ کسر وعرج کی صورت میں بھی احصار متحقق ہو جاتا ہے۔ دوم یہ کہ محصر پر اس کی قضاء لازم ہے۔

❹ **مصنف رحمہ اللہ کے قول وعليه حجة أُخرىٰ کا معنیٰ:۔** محصر کے متعلق بھی اختلاف ہے کہ اس کے ذمے اس حج اور عمرہ کی قضاء واجب ہے یا نہیں، حنفیہ کے نزدیک محصر اگر دم ذبح کرا کے حلال ہو جائے تو اس پر اس کی قضاء واجب ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت بھی یہی ہے لیکن شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک قضاء واجب نہیں امام احمد رحمہ اللہ کی دوسری روایت اسی کے مطابق ہے ان حضرات کا کہنا ہے کہ قرآن کریم نے وجوب قضا کا ذکر نہیں فرمایا۔ ہماری دلیل حدیث باب کا مذکورہ جملہ ہے وعليه حجة اخرىٰ اسکے علاوہ حنفیہ کی ایک اور دلیل یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے حدیبیہ والے عمرہ کی قضا آئندہ سال فرمائی تھی جہاں تک قرآن کریم میں عدم ذکر قضاء کا تعلق ہے سو عدم ذکر عدم وجوب کو مستلزم نہیں۔ واللہ اعلم۔ (ایضاً ج ۳ ص ۲۱۲)

## ﴿السوال الثاني﴾ ۱۴۲۰ھ

**الشق الأول** ...... عن الشعبي عن جابر بن عبدالله وعن الحارث عن علي قالا: أن رسول الله ﷺ لعن المُحِلّ والمحلل له ...... قال أبو عيسى: حديث علي وجابر حديث معلول ...... (ص ۲۱۳ ج ۱۔ ترمذی)

**اذکر حکم النکاح بشرط التحلیل عند الفقهاء. اذکر أدلتهم مع ترجیح مذهب الحنفیة في هذه المسألة. لمن یشهد هذا الحدیث؟ وماهي تلك العلة التي ذکرها المؤلف رحمه الله.**

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) فقہاء کے نزدیک حلالہ کی شرط کے ساتھ نکاح کا حکم (۲) دلائل ائمہ مع ترجیح مذہب حنفیہ (۳) مستدلین کی تعیین اور علت کی وضاحت۔

**جواب**...... ❶ و ❷ <u>فقہاء کے نزدیک حلالہ کی شرط کیساتھ نکاح کا حکم، ودلائل ائمہ مع ترجیح مذہب حنفیہ:</u> امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں محلل کا نکاح صحیح ہے لیکن تحلیل کی شرط مکروہ تحریمی اور گناہ ہے، امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں نکاح باطل ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں عقدِ نکاح میں تحلیل کی شرط ہو تو نکاح فاسد ہے اگر عقد سے پہلے شرط ہو یا بدون شرط محض تحلیل کی نیت ہو تو نکاح صحیح ہے۔

نکاح بشرط التحلیل بالاتفاق ناجائز ہے البتہ اگر عقد میں تحلیل کی شرط نہ لگائی گئی ہو لیکن دل میں یہ نیت ہو کہ کچھ دن اپنے پاس رکھ کر چھوڑ دوں گا تو حنفیہ کے نزدیک یہ صورت جائز ہے بلکہ امام ابو ثورؒ کا قول ہے کہ ایسا کرنے والا ماجور ہوگا۔

امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ صورت بھی ناجائز اور باطل ہے، وہ حدیثِ باب کے اطلاق سے استدلال کرتے ہیں کہ اس میں محلل پر مطلقاً لعنت کی گئی ہے اور تخصیص کی کوئی دلیل نہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ تخصیص تو آپ نے بھی کی ہے وہ اس طرح کہ حدیثِ باب کے اطلاق کا تقاضا تو یہ تھا کہ اگر نکاح نہ بشرط التحلیل ہو اور نہ بنیۃ التحلیل ہو پھر بھی اگر زوجِ ثانی طلاق دے کر اس کو زوجِ اول کیلئے حلال کر دے تو بھی ناجائز ہو کیونکہ محلل کا لفظ اس پر بھی صادق آتا ہے حالانکہ ایسا شخص کسی کے نزدیک بھی ملعون نہیں۔

پھر نکاح بشرط التحلیل امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک منعقد ہی نہیں ہوتا اور نہ اس سے عورت زوجِ اول کیلئے حلال ہوتی ہے جبکہ ہمارے نزدیک ایسا کرنا اگرچہ حرام ہے لیکن اگر کوئی شخص اس کا ارتکاب کرے گا تو نکاح منعقد ہو جائیگا اور عورت زوجِ اول کیلئے حلال ہو جائیگی۔

ان حضرات کا استدلال حدیثِ باب سے ہے لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت میں نہی عن التحلیل ہے نفی نکاح نہیں اور نہی عن الافعال الشرعیہ اصل فعل کی مشروعیت کا تقاضا کرتی ہے۔ **کما تقرر فی أصول الفقه۔**

شافعیہ کے مسلک پر حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے بھی استدلال کیا گیا ہے **عن عمر بن نافع عن أبيه أنه قال: جاء رجل الی ابن عمر فسأله عن رجل طلق امرأته ثلاثًا فتزوجها أخ له من غير مؤامرة منه ليحلها لأخيه هل تحل للأول؟ قال: لا الا نكاح رغبة كنا نعد هذا سفاحًا على عهد رسول الله ﷺ۔** اس روایت کو امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں ذکر کیا ہے اور صحیح علی شرط الشیخین قرار دیا ہے اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی اس پر سکوت کیا ہے۔

اس استدلال کا کوئی جواب احقر کی نظر سے نہیں گزرا البتہ اس کا یہ جواب سمجھ میں آتا ہے کہ قرآن کریم کی آیت **حتی تنکح زوجًا غیره** میں مطلق نکاح کا ذکر ہے خواہ شرط تحلیل کے ساتھ ہو یا بغیر شرط تحلیل کے، اس پر خبرِ واحد سے زیادتی نہیں کی جاسکتی۔

اس کے علاوہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے قول میں زنا کے ساتھ اس عمل کی تشبیہ صرف حرمت میں ہے، عدم انعقاد میں نہیں جس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس معاملہ میں زوجین کو تفریق کا کوئی حکم نہیں دیا۔

نکاح بشرط التحلیل ناجائز ہونے کے باوجود منعقد ہو جاتا ہے، اس پر حنفیہ کی دلیل مصنف عبد الرزاق میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک اثر ہے **عن ابن سيرين قال: أرسلت امرأة الى رجل فزوجته نفسها ليحلها لزوجها، فأمره عمر أن يقيم عليها ولا يطلقها وأوعده يعاقبه ان طلقها۔** معلوم ہوا کہ انہوں نے اس نکاح کو منعقد شمار کیا۔ (درس ترمذی ص ۳۶۷)

❸ <u>مستدلین کی تعیین اور علت کی وضاحت:</u> یہ حدیث امام شافعی وامام احمد رحمہما اللہ کی دلیل ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت علی اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور یہ حدیث معلول ہے۔
اسکی وضاحت یہ ہے کہ امام عامر شعبی رحمہ اللہ اس حدیث کو براہ راست حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور بواسطہ حارث اعور روایت کرتے ہیں جو کہ ضعیف راوی ہے اور امام شعبی رحمہ اللہ سے مجالد روایت کرتے ہیں وہ بھی ضعیف راوی ہیں اور مجالد سے اشعث بن عبدالرحمن اور عبداللہ بن نمیر اس حدیث کو روایت کرتے ہیں مگر عبداللہ بن نمیر کی سند غلط ہے اسلئے کہ وہ عن جابر عن علی کہہ کر سند کو ایک ہی کر دیتا ہے حالانکہ مغیرہ اور ابن ابی خالد وغیرہ دونوں سندیں الگ الگ روایت کرتے ہیں۔ (تحفۃ الاحوذی ج۳-ص۵۵)

**الشق الثاني** ......عن عبدالله بن عمرو أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل سلف وبيع ولا شرطان في بيع، ولا ربح مالم يضمن، ولا بيع ماليس عندك. (ص۲۳۳-ج۱، قدیمی)

ترجم الحديث ثم اشرح الحديث المذكور مع اختلاف العلماء، وأدلتهم في هذه المسائل.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) مذکورہ حدیث کی تشریح (۳) ائمہ کا اختلاف۔

**جواب** ...... ❶ حدیث شریف کا ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سلف اور بیع حلال نہیں اور ایک بیع میں دو شرطیں بھی جائز نہیں اور جس چیز کا وہ ضامن نہ ہو اس کا نفع بھی حلال نہیں اور جو چیز اس کے پاس نہ ہو اس کا فروخت کرنا بھی جائز نہیں۔

❷ و ❸ مذکورہ حدیث کی تشریح اور ائمہ کا اختلاف:۔ اس حدیث میں حضور ﷺ نے چار جملوں میں چار حکم بیان فرمائے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

**لا یحل سلف وبیع** یعنی قرض اور بیع ایک ساتھ کرنا حلال نہیں اس کے متعدد معانی بیان کئے گئے ہیں ایک معنی تو اس کے یہ ہیں کہ کوئی شخص بیع کے اندر قرض کی شرط لگا دے مثلاً یہ کہے کہ میں تم سے فلاں چیز خریدتا ہوں بشرطیکہ تم مجھے اتنے روپے قرض دو یہ معاملہ جائز نہیں اسلئے کہ بیع کے ساتھ ایک ایسی شرط لگائی جا رہی ہے جو مقتضائے عقد کے خلاف ہے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ ایک شخص کو قرض کی ضرورت تھی اس نے دوسرے شخص سے قرض مانگا تو دوسرے شخص نے کہا کہ میں اس وقت تک قرض نہیں دوں گا جب تک تم مجھ سے فلاں چیز اتنے روپے میں نہیں خریدو گے، مثلاً ایک کتاب کی قیمت بازار میں پچاس روپے ہے لیکن قرض دینے والا کہتا ہے کہ تم مجھ سے یہ کتاب سو روپے میں خریدو تب میں تمہیں قرض دوں گا اس طرح وہ اس قرض پر براہ راست سود کا مطالبہ تو نہیں کر رہا ہے لیکن اس نے اسکے ساتھ ایک بیع لازم کر دی اور اس میں قیمت زیادہ وصول کر لی اس طرح بالواسطہ اس نے سود وصول کر لیا اس کو بیع العینہ کہتے ہیں اور یہ سود حاصل کرنے کا ایک حیلہ ہے اسلئے حرام اور ناجائز ہے۔ تیسرے معنی یہ ہیں کہ ایک شخص نے دوسرے سے بیع سلم کرتے ہوئے کہا کہ تم یہ سو روپے لو اور ایک ماہ بعد ایک من گندم مجھے دے دینا اور ساتھ میں اس سے یہ بھی کہہ دیا کہ اگر کسی وجہ سے تم ایک ماہ بعد ایک من گندم فراہم نہ کر سکے تو وہ گندم میں نے تم کو ایک سو دس روپے میں فروخت کر دی جس کا مطلب یہ ہے کہ اس صورت میں تم ایک ماہ بعد ایک سو دس روپے ادا کرو گے یہ بھی ناجائز ہے اسلئے کہ یہ بھی سود وصول کرنے کا ایک حیلہ ہے گندم درمیان سے غائب ہو گئی اور ایک سو روپے کے ایک سو دس روپے وصول کرنے لا یحل بیع وسلف کے یہ تین معانی بیان کئے گئے ہیں۔

**ولا شرطان فی بیع:** کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثالث ۱٤۲٤ھ. (الورقة الثانية)

**ولا ربح مالم یضمن** یہ ایک بہت بڑا قاعدہ کلیہ ہے جو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا اور اس پر بے شمار احکام شرعیہ متفرع ہوتے ہیں مطلب اس کا یہ ہے کہ جو چیز انسان کے ضمان میں نہیں اس پر نفع لینا بھی جائز نہیں اس کی ایک سادہ سی مثال یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص

نے ایک بکری خریدی لیکن ابھی تک اس نے بکری پر قبضہ نہیں کیا بلکہ بائع کے قبضے میں ہے اگر اس حالت میں بکری مر جائے تو نقصان بائع کا ہوگا اب اس کو قیمت نہیں ملے گی اور اگر قیمت وصول کر لی تھی تو مشتری کو واپس لوٹانا ضروری ہوگا اور اگر مشتری وہ بکری اپنے گھر لے آیا اور یہاں آ کر وہ بکری مر گئی تو اب نقصان مشتری کا ہوگا لہذا یہ کہا جائے گا کہ جب تک بکری بائع کے قبضے میں تھی وہ اس وقت تک بائع کے ضمان میں تھی اور جب مشتری نے اس بکری پر قبضہ کر لیا تو اب مشتری کے ضمان میں آ گئی اب حدیث کے الفاظ سے یہ قاعدہ نکل رہا ہے کہ جب تک مبیع مشتری کے ضمان میں نہ آ جائے اس وقت تک وہ اس مبیع کو آگے فروخت نہیں کر سکتا لہذا اگر ایک مشتری نے اس بکری پر قبضہ کیے بغیر کسی تیسرے شخص کو وہ بکری فروخت کر دی مثلاً دس روپے کی خرید کر بارہ روپے میں فروخت کر دی تو اس عقد کے اندر جو دو روپے اس نے نفع کے حاصل کیے اس کو ربح مالم یضمن کہا جائے گا کیونکہ یہ مشتری ایک ایسی چیز کا نفع لے رہا ہے جو ابھی اس کے ضمان میں نہیں آئی لیکن اگر مشتری نے بکری پر قبضہ کرنے کے بعد تیسرے شخص کو بارہ روپے میں فروخت کر دی تو اس وقت یہ کہا جائے گا کہ یہ ایک ایسی چیز کا نفع لے رہا ہے جو اس کے اپنے ضمان میں ہے حاصل اس کا یہ ہے کہ کسی چیز پر نفع لینا اس وقت جائز ہوتا ہے جب انسان اس کی ہلاکت کا خطرہ اپنے سر لے لے اگر ہلاکت کا خطرہ اپنے سر نہیں لے رہا تو اس پر نفع لینا بھی جائز نہیں۔

**لا بیع مالیس عندک** بیع مالم یقبض کے ناجائز ہونے کی بھی یہی علت ہے اس لئے کہ جب تک مشتری اس چیز پر قبضہ نہیں کرے گا اس وقت تک وہ چیز اس کے ضمان میں نہیں آئے گی لہذا اس پر نفع لینا جائز نہ ہوگا۔

جمہور فقہاء کا استدلال: جمہور فقہاء جن میں حنفیہ بھی داخل ہیں وہ حدیث کے اس جملے سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بیع مالم یقبض ہر صورت میں ناجائز ہے چاہے مبیع مکیلات وموزونات میں سے ہو یا عددیات میں سے ہو مثلیات میں سے ہو یا قیمیات میں سے ہو البتہ امام احمد اور امام اسحاق رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ بیع مالم یقبض صرف طعام میں ناجائز ہے بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ صرف مکیلات اور موزونات میں ناجائز ہے عددیات میں جائز ہے، یہ حضرات فقہاء اور امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں طعام کا ذکر ہے کہ **نهى رسول الله ﷺ عن بيع الطعام حتى يستوفيه** یعنی حضور اقدس ﷺ نے طعام کو آگے بیچنے سے منع فرمایا جب تک کہ اس پر قبضہ نہ کرلے اور بعض طرق میں **وكذلك كل مايكال ويوزن** کا اضافہ ہے اس سے وہ حضرات استدلال کرتے ہیں جو مکیلی اور موزونی چیزوں کے علاوہ میں بیع قبل القبض کو جائز قرار دیتے ہیں۔

جمہور فقہاء حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں کہ **لا ربح مالم يضمن**، اس جملے سے معلوم ہو رہا ہے کہ غیر مقبوض کی بیع کے عدم جواز کی علت یہ ہے کہ انسان ایک ایسی چیز کا نفع لے رہا ہے جو ابھی اسکے ضمان میں نہیں آئی اور یہ علت جس طرح مکیلات اور موزونات میں پائی جاتی ہے اسی طرح عددیات میں بھی پائی جاتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ تمام چیزوں میں غیر مقبوض کی بیع جائز نہیں چاہے وہ کیلی اور وزنی ہو یا عددی ہو چاہے وہ طعام ہو یا غیر طعام ہو۔ البتہ حنفیہ کے نزدیک زمین اس حکم سے مستثنیٰ ہے اس کی بیع قبل القبض بھی جائز ہے کیونکہ اس میں ہلاکت کا اندیشہ نہیں ہے اور قبضہ وہاں ضروری ہے جہاں ہلاکت کا اندیشہ ہو۔ (تقریر ترمذی ج۱ ص۱۰۶)

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۲۰ھ

**الشق الأول** ......عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ قال: بادروا بالأعمال سبعًا هل تنظرون الا الى فقرا منسٍ، أو غنى مطغٍ، أو مرض مفسد، أو هرم مفند، أو موت مجهز، أو الدجال فشر غائب ينتظر أو الساعة فالساعة أدهى وأمرّ. (ص۹۰۰ ج۲ ـ قدیمی)

حقق الكلمات المخطوطة لغة ـ ترجم الحديث الشريف واشرحه شرحًا مبسوطًا واضحًا.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں (۱) کلمات مخطوطہ کی لغوی تحقیق (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) حدیث کی تشریح۔

**جواب** ...... ❶ **کلمات مخطوطہ کی لغوی تحقیق:** "مطغیا" صیغہ واحد مذکر بحث اسم فاعل (افعال) مجرد از مصدر طغیان (ضرب) بمعنی سرکشی، حد سے تجاوز کرنا۔ "أدهی" صیغہ واحد مذکر بحث اسم تفضیل، بمعنی سخت مصیبت۔

"مفندا" صیغہ واحد مذکر اسم فاعل (افعال) مجرد از مصدر فَنَدًا (سمع) بمعنی بڑھاپے کی وجہ سے ضعیف العقل ہونا، جھوٹ بولنا۔

"مجهزا" صیغہ واحد مذکر بحث اسم فاعل از مصدر اجهاز (افعال) بمعنی جلدی کرنا۔

❷ **حدیث کا ترجمہ:** حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سبقت کرو اعمال کے ذریعہ سات چیزوں سے نہیں انتظار کرتے ہو تم مگر ایسے فقر کو جو بھلا دینے والا ہے یا ایسے غنی کا جو بہکا دینے والا ہے یا ایسے مرض کا جو بدن یا دین کو خراب کرنے والا ہے یا ایسے بڑھاپے کا جو دماغ میں خلل ڈالنے والا ہے یا ایسی موت کا جو اچانک جلدی سے آنے والی ہے یا دجال کا انتظار ہے پس وہ تو ایسا شر ہے جس کا انتظار کیا جا رہا ہے یا قیامت کا پس قیامت تو بہت ڈراؤنی اور بہت کڑوی شئے ہے۔

❸ **حدیث کی تشریح:** یعنی فتنوں میں واقع ہونے سے پہلے اعمال صالحہ میں مشغول ہو جاؤ اور اعمال کا اہتمام کرو۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! اللہ کی عبادت اس وقت نہیں کرتے ہو جب کہ اس وقت شواغل بھی کم ہیں تو قوی بھی مضبوط پھر کیسے عبادت کرو گے جب شواغل بھی بڑھ جائیں گے اور قوی بھی کمزور ہو جائیں گے کیا مذکورہ امور کے منتظر ہو آپ ﷺ کا مقصد یہ ہے کہ عمر قلیل ہے اور مصائب زائد ہیں پھر ان کے آنے کے اوقات متعین نہیں لہٰذا مصائب شدائد پیش آنے سے پہلے پہلے اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جاؤ چونکہ عقلمند وہ شخص ہے جو وقت سے پہلے اپنی تیاری کرلے۔

**الشق الثانی** ...... عن جرير بن عبد الله البجلي قال: كنا جلوسا عند النبي ﷺ فنظر إلى القمر ليلة البدر فقال: أنكم ستعرضون على ربكم فترونه كما ترون هذا القمر لا تضامون في رؤيته فأن استطعتم أن لاتغلبوا على صلاة قبل طلوع الشمس وصلاة قبل غروبها فافعلوا ثم قرأ "فسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل الغروب." (ص۲، ج۲، قدیمی) ترجم الحديث . حقق مذهب أهل السنة مع الرد على أهل البدعة في مسألة الرؤية . ماهي المناسبة لهذه الصلاة بالرؤية.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) مسئلہ رؤیت باری تعالیٰ میں اہل السنۃ والجماعت کا مذہب (۳) نماز فجر وعصر کی رؤیت باری تعالیٰ سے مناسبت۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث کا ترجمہ:** حضرت جریر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے پس آپ ﷺ نے چودھویں کی رات کے چاند کی طرف نظر اٹھائی (دیکھا) اور ارشاد فرمایا کہ بے شک تم عنقریب اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پیش کئے جاؤ گے پس تم اپنے پروردگار کو ایسے ہی دیکھو گے جیسے تم اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔ نہیں مشقت کرو گے تم اس کے دیکھنے میں پس اگر تم اس بات کی طاقت رکھتے ہو کہ مغلوب ہو تم تو طلوع آفتاب و غروب آفتاب سے پہلے کی نمازیں ضرور پڑھا کرو پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: فسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل الغروب۔

❷ **مسئلہ رؤیت باری تعالیٰ میں اہل السنۃ والجماعت کا مذہب:** تمام صحابہ و تابعین اور جمہور امت اس پر متفق ہیں کہ آخرت میں اہل جنت وعام مؤمنین حق تعالیٰ کی زیارت کریں گے جیسا کہ احادیث صحاح اس پر شاہد ہیں اس سے اتنا معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی رؤیت وزیارت کوئی امر محال یا ناممکن نہیں، البتہ عالم دنیا میں انسانی نگاہ میں اتنی قوت نہیں جو اس کو برداشت کر سکے۔ اس

لئے دنیا میں کسی کو حق تعالیٰ کی رویت و زیارت نہیں ہو سکتی۔ آخرت کے معاملہ میں خود قرآن کریم کا ارشاد ہے **فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید** یعنی آخرت میں انسان کی نگاہ تیز اور قوی کر دی جائے گی اور پردے ہٹا دیئے جائیں گے۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ دنیا میں کوئی انسان اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا کیونکہ اس کی نگاہ فانی ہے اور اللہ تعالیٰ باقی، پھر جب آخرت میں انسان کو غیر فانی نگاہ عطا کر دی جائے گی تو حق تعالیٰ کی رویت میں کوئی مانع نہ رہے گا، تقریباً یہی مضمون قاضی عیاض رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے اور صحیح مسلم کی ایک حدیث میں اس کی تقریباً تصریح ہے جس کے الفاظ یہ ہیں **واعلموا انکم لن تروا ربکم حتی تموتوا** اس سے امکان تو اس کا بھی نکل آیا کہ عالم دنیا میں بھی کسی وقت خصوصی طور پر رسول اللہ ﷺ کی نگاہ میں وہ قوت بخش دی جائے جس سے وہ حق تعالیٰ کی زیارت کر سکیں، لیکن اس عالم سے باہر نکل کر جبکہ شب معراج میں آپ ﷺ کو آسمانوں اور جنت و دوزخ اور اللہ تعالیٰ کی خاص آیات قدرت کا مشاہدہ کرانے ہی کیلئے امتیازی حیثیت سے بلایا گیا اس وقت حق تعالیٰ کی زیارت اس عام ضابطے سے بھی مستثنیٰ ہے کہ اس وقت آپ ﷺ اس عالم دنیا میں نہیں ہیں۔

معتزلہ رویت باری تعالیٰ کے منکر ہیں اور دلیل میں آیت کریمہ **لا تدرکہ الابصار** پیش کرتے ہیں کہ ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ الابصار پر الف لام عہد کا ہے ابصار دنیا مراد ہے اور ہم اخروی رویت کے قائل ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ کسی مانع کی وجہ سے ابصار کے مدرک ہونے کی نفی ہے اپنے مدرک ہونے کی نفی نہیں ہے جب مانع زائل ہو جائیگا تو رویت حاصل ہو جائیگی (معارف القرآن ج [illegible] ص [illegible])

واقعہ معراج میں آپ ﷺ کو رویت باری تعالیٰ کا شرف حاصل ہوا یا نہیں اس میں چار اقوال ہیں۔

① حضرت انس، ابن عباس، عروہ بن زبیر، کعب احبار، معمر اور اشعری رحمہم اللہ کے نزدیک آنحضرت ﷺ کو شب معراج میں رویت باری تعالیٰ کا شرف حاصل ہوا۔ دلیل ارشاد نبوی ﷺ ہے **رأیت ربی عز وجل** اور قرآن کریم میں ہے **ولقد راٰہ نزلۃ اخری** میں ضمیر کا مرجع باری تعالیٰ ہیں اسی قول کو تفسیر مظہری میں اختیار کیا گیا ہے ② دوسرا قول حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم کا ہے۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ **لیلۃ المعراج** میں رسول اللہ ﷺ کو رب العزت کی زیارت نصیب نہیں ہوئی اور وہ ان مناظر کو جبرائیل علیہ السلام کی طرف لوٹاتے ہیں۔ اس قول کو علامہ قرطبی، امام رازی، ابوحیان اور علامہ ابن کثیر رحمہم اللہ نے اپنی اپنی تفاسیر میں اختیار فرمایا ہے۔ علامہ نووی اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس قول کو راجح قرار دیا ہے۔ علمائے متاخرین میں سے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، علامہ انور شاہ کشمیری اور مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہم اللہ نے بھی اسی قول کو راجح قرار دیا ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے معارف القرآن میں ان حضرات کے اقوال کو نقل فرمایا ہے۔

③ تیسرا قول سورۃ النجم کی آیت **ما کذب الفؤاد ما رای** اور **لقد رای من ایت ربہ الکبری** میں عموم ہے۔ اسلئے باری تعالیٰ کی رویت بھی اس میں شامل ہو سکتی ہے اور اس عموم کی نفی کسی حدیث مرفوع سے ثابت نہیں لہٰذا رویت کے انکار کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ امکان رویت عقلاً و نقلاً موجود ہے۔ اسے علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے اختیار فرمایا ہے ④ چوتھا قول جس کو جمہور کا مسلک قرار دیا گیا ہے یہ ہے کہ اس مسئلہ میں توقف اختیار کیا جائے۔ اسلئے کہ آیات میں کوئی ایک معنی صریح طور پر متعین نہیں اور اخبار آحاد جن میں سے بعض سے رویت کا ثبوت اور دیگر بعض سے عدم ثبوت معلوم ہوتا ہے ان پر اس مسئلہ کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی ہے۔ اسلئے کہ عقائد میں اخبار آحاد معتبر نہیں بلکہ عقائد کا ثبوت تواتر سے ہوتا ہے جو یہاں مفقود ہے نیز اسکے ثبوت یا عدم ثبوت کے عقیدے پر ہمارا کوئی عمل موقوف نہیں، اسلئے اس مسئلہ میں توقف ہی اولیٰ ہے۔ مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ نے تفسیر معارف القرآن میں اسی کو **اسلم واحوط** قرار دیا ہے۔ (درس مسلم ص ۲۳۳)

④ نماز فجر و عصر کی رویت باری تعالیٰ سے مناسبت: یہ دونوں نمازیں عام حالات میں آدمی کی طبیعت پر شاق و گراں

گزرتی ہیں اس وجہ سے ان کو خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا۔ شاق وگراں ہونے کی وجہ یہ ہے کہ صبح کی نماز کے لئے بستر چھوڑ نا بالخصوص سردی کے موسم میں بستر چھوڑ کر ٹھنڈے پانی سے وضوء کرنا اور مسجد کی طرف آنا انتہائی مجاہدہ کا کام ہے اور عصر کا وقت انتہائی کام کاج اور کاروباری مصروفیت کا وقت ہوتا ہے اور سارے دن کی کمائی کو سمیٹنے کا وقت ہوتا ہے، اس لئے عام طور پر آدمی اس سے غافل رہتا ہے، ان دونمازوں میں اس مشقت کی وجہ سے ان کو خاص کیا گیا ہے، مراد تمام نمازوں پر مواظبت ہے۔

## ﴿الورقة الثالثة: جامع الامام الترمذي﴾

### ﴿السؤال الاول﴾ ١٤٣١ھ

**الشق الاول** ......حدثنا هناد وقتيبة قالا حدثنا وكيع عن اسرائيل عن أبي اسحاق عن أبي عبيدة عن عبدالله قال: خرج النبي ﷺ لحاجته، فقال: التمس لي ثلاثة أحجار قال: فأتيته بحجرين وروثة فأخذ الحجرين وألقى الروثة وقال: انها ركس. قال أبوعيسى ---وهذا حديث فيه اضطراب---قال أبوعيسى: وأصح شيء في هذاعندي حديث اسرائيل وقيس عن أبي اسحق عن أبي عبيدة عن عبدالله...

اذكر معنى الاضطراب اصطلاحًا. اشرح الاضطراب في هذاالحديث بايضاح. اذكر مرجحات الترمذي للطريق الذي رجحه مع مناقشة مبسوطة معه في هذاالباب. (ص ۱۰۱۱، قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) اضطراب کا اصطلاحی معنی (۲) اضطراب فی الحدیث کی وضاحت (۳) مناقشۂ مبسوطہ مع مرجحات ترمذی۔

**جواب** ...... ❶ اضطراب کا اصطلاحی معنی:۔ اضطراب یہ ہے کہ حدیث کی سند یا متن میں ایسا اختلاف واقع ہو کہ اس میں ترجیح یا تطبیق نہ ہو سکے۔

❷ اضطراب فی الحدیث کی وضاحت:۔ اس حدیث میں اضطراب کی وضاحت یہ ہے کہ اس میں مدار اسناد ابواسحاق سبیعی رحمہ اللہ ہیں اور یہ حدیث ان سے ان کے چھ شاگرد روایت کر رہے ہیں ① اسرائیل بن یونس ② قیس بن ربیع ③ معمر ④ عمار بن رزیق ⑤ زہیر ⑥ زکریا بن زائدہ، اس میں اضطراب کی وضاحت یہ ہے کہ اضطراب دو طریقے سے پایا جاتا ہے ایک یہ کہ ابواسحاق اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے درمیان دو واسطے ہیں یا ایک، زہیر دو واسطے بیان کرتے ہیں یعنی عن ابی اسحاق عن عبدالرحمن ابن الاسود عن ابيه عن عبدالله اور باقی پانچوں شاگرد صرف ایک واسطہ ذکر کرتے ہیں۔

دوسرا اضطراب واسطہ کی تعیین میں ہے اسرائیل بن یونس اور قیس بن الربیع کی روایت میں واسطہ ابوعبیدہ ہیں، معمر اور عمار کی روایت میں واسطہ علقمہ ہیں، زکریا بن ابی زائدہ کی روایت میں واسطہ عبدالرحمن بن یزید ہیں۔

❸ مناقشۂ مبسوطہ مع مرجحات ترمذی:۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس اضطراب کے بارے میں عبداللہ بن عبدالرحمن یعنی امام دارمی رحمہ اللہ سے پوچھا کہ ان روایات میں سے کون سی روایت اصح ہے تو وہ کوئی فیصلہ نہ کر سکے پھر امام بخاری رحمہ اللہ سے پوچھا تو انہوں نے بھی کوئی جواب نہ دیا لیکن ان کے طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے زہیر کی روایت کو ترجیح دی ہے کیونکہ انہوں نے جامع بخاری میں زہیر ہی کی روایت کی تخریج کی ہے لیکن امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک ان تمام روایات میں سے اسرائیل کی روایت زیادہ راجح اور اصح ہے اس لئے کہ ابواسحاق کے تمام شاگردوں میں سے اسرائیل سب سے زیادہ اثبت اور احفظ ہیں چنانچہ عبدالرحمن بن مہدی فرماتے ہیں کہ سفیان ثوری ابواسحاق سے جو حدیثیں روایت کرتے تھے میں نے

انہیں صرف اس بناء پر چھوڑ دیا کہ وہ روایات مجھے اسرائیل سے حاصل ہو گئی تھیں چونکہ وہ ان کو زیادہ اتم طریقہ سے روایت کرتے تھے اس لئے میں نے انہی پر بھروسہ کیا اس کے علاوہ زیر بحث حدیث میں قیس بن ربیع نے بھی اسرائیل کی متابعت کی ہے جس سے ان کی روایت اور زیادہ راجح ہو جاتی ہے جبکہ ابو اسحاق کے معاملہ میں زہیر اتنے قابل اعتماد نہیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ زہیر نے جس وقت ابو اسحاق کی شاگردی اختیار کی یعنی ان سے حدیثیں لیں اس وقت ابو اسحاق اپنی عمر کے آخری دور میں تھے اور ان کے حافظ میں قدرے تغیر پیدا ہو گیا تھا اسی لئے امام احمد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اگر کوئی حدیث زائدہ اور زہیر سے تم نے سنی ہو تو اس بات کی پرواہ نہ کیا کرو کسی اور سے نہیں سنی یعنی وہ ثقہ ہیں الا حدیث ابی اسحاق یعنی یہ حضرات ویسے تو ثقہ ہیں لیکن ابو اسحاق سے ان کی روایات اتنی قابل اعتماد نہیں۔ ان وجوہ سے امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہاں زہیر کے مقابلہ میں اسرائیل کی روایت کو ترجیح دی ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ پر تنقید کی ہے کہ انہوں نے زہیر کی روایت کو کیوں راجح قرار دیا لیکن یہ امام ترمذی رحمہ اللہ کی اپنی رائے ہے۔

دوسرے محقق علماء اور محدثین نے امام ترمذی رحمہ اللہ کی اس رائے پر تنقید کی ہے چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ہدی الساری مقدمہ فتح الباری کی آٹھویں فصل میں اور علامہ عینی نے عمدۃ القاری (ج ۲ ص ۴۳۵) میں اس فیصلہ پر مفصل گفتگو کی ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ کی تردید فرمائی ہے اور متعدد وجوہ سے زہیر کی روایت کو اسرائیل کی روایت کے مقابلہ میں راجح قرار دیا ہے اگرچہ اسرائیل کی روایت کو بھی صحیح کہا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ زہیر کی روایت کی پہلی وجہ ترجیح یہ ہے کہ زہیر کے بہت سے متابعات موجود ہیں چنانچہ معجم کبیر طبرانی کی روایت میں ابراہیم بن یوسف بن اسحاق بن ابی اسحاق نے زہیر کی متابعت کی ہے چونکہ یہ روایت خود ابو اسحاق کی ذریت سے مروی ہے اسلئے اس کی متابعت بہت قوی ہے اسی طریقہ سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے معجم طبرانی کے حوالے سے زہیر کا ایک اور متابع ذکر کیا ہے جو کہ یحییٰ بن ابی زائدہ عن ابیہ عن ابی اسحاق کے طریق سے ہے اسی طرح مصنف ابن ابی شیبہ میں زہیر کی روایت کا ایک متابع لیث بن ابی سلیم بھی موجود ہے وہ اگرچہ حافظہ کے اعتبار سے کمزور ہیں لیکن استشہاد اور متابعت کیلئے کافی ہیں نیز شریک نے زہیر کی متابعت کی ہے اور شریک قیس بن الربیع کے مقابلہ میں زیادہ قابل اعتماد ہیں جبکہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسرائیل کی روایت کی ایک وجہ ترجیح یہ بیان کی تھی کہ قیس بن الربیع ان کے متابع ہیں نیز ابن حماد حنفی اور ابو مریم نے بھی ان کی متابعت کی ہے۔

دوسری وجہ ترجیح یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے زہیر کی جو روایت نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں **حدثنا زهير عن ابی اسحق قال ليس ابو عبيدة ذكره ولكن عبدالرحمن بن الاسود عن ابيه انه سمع عبدالله** اس میں صراحتاً اسرائیل والے طریق کی تردید کی گئی ہے اور اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ ابو اسحاق پہلے اس حدیث کو ابو عبیدہ سے روایت کرتے تھے لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا تھا کہ ابو عبیدہ کا سماع اپنے والد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مشکوک ہے بعد میں ابو اسحق کو یہی روایت عبدالرحمن بن الاسود سے بھی مل گئی جس پر کوئی اعتراض نہیں تھا لہٰذا انہوں نے صراحتاً یہ بتا دیا کہ یہ حدیث میرے پاس صرف ابو عبیدہ کے طریق سے نہیں بلکہ عبدالرحمن بن الاسود کے طریق سے بھی ہے بہر حال ابو اسحق کی اس تصریح سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ زہیر کے سامنے حدیث بیان کرتے وقت ان کے ذہن میں دونوں طریق مستحضر تھے اور ان میں سے انہوں نے عبدالرحمن بن الاسود کے طریق کو اختیار کیا اور اس سے بڑی کوئی وجہ ترجیح نہیں ہو سکتی۔

تیسری وجہ ترجیح یہ ہے کہ ابو اسحق مشہور مدلس ہے لہٰذا ان کے معنعن کے مقابلہ میں تحدیث کا صیغہ راجح ہے اب اسرائیل کے طریق میں وہ ابو عبیدہ سے معنعن کر رہے ہیں اور یوسف بن ابی اسحق کے طریق میں جو زہیر کے متابع ہیں انہوں نے تحدیث کی تصریح کی ہے چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ زہیر کی روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں **وقال ابراهيم بن يوسف عن ابيه عن ابی**

اسحٰق قال حدثنی عبدالرحمن لہٰذا زہیر کے طریق میں تدلیس کا کوئی شبہ نہیں جبکہ اسرائیل کے طریق میں یہ شبہ موجود ہے۔
چوتھی وجہ ترجیح علامہ عینی رحمہ اللہ نے عمدۃ القاری میں یہ بیان فرمائی ہے کہ اسرائیل کی روایات میں خود اختلاف ہے چنانچہ بعض روایات میں ان کی روایت زہیر کی روایت کے بالکل مطابق ہے اگرچہ بعض میں اختلاف ہے جبکہ زہیر کی روایت میں کوئی اختلاف نہیں۔
امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسرائیل کی جلالت قدر بیان کرنے کیلئے عبدالرحمن بن مہدی کا قول پیش کیا ہے لیکن علامہ عینی رحمہ اللہ نے عمدۃ القاری میں حجم اسماعیل وغیرہ کے حوالے سے بعض محدثین کے اقوال ذکر کئے ہیں جن سے زہیر کو اسرائیل کے مقابلہ میں ترجیح حاصل ہوتی ہے۔
ان وجوہات کی بناء پر دیگر محدثین اور امام بخاری رحمہ اللہ نے زہیر کی روایت کو ترجیح دی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے امام بخاری رحمہ اللہ کی دقت نظر اور فراست کا پتہ چلتا ہے۔ (درس ترمذی ج۱ ص۲۱۱)

**الشق الثانی** ......عن أبي سعيد الخدري أن النبي ﷺ قال: ليس فيما دون خمس ذود صدقة وليس فيما دون خمس أواق صدقة وليس فيمادون خمسة أوسق صدقة. (ص۱۳۶۔ ج۱۔ ترمذی)

ترجم الحديث ترجمة واضحة . ماهي الأواقي والأوسق؟ اذكر هل للزرع والتمر والحبوب نصاب مقدر شرعًا؟ ما هو اختلاف العلماء فيه؟ الذي يشهد حديث الباب؟ وماهي الترجيهات التي ذكرها العلماء عند من لايقول به؟

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث مبارک کا ترجمہ (۲) اواق اور اوسق کی تعریف (۳) کھیتی، کھجور اور دانوں کا نصاب شرعی (۴) حدیث باب کی توجیہات۔

**جواب** ...... ❶ <u>حدیث مبارک کا ترجمہ:۔</u> حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ پانچ سے کم اونٹوں میں زکوٰۃ نہیں اس طرح پانچ اوقیہ چاندی سے کم پر اور پانچ وسق سے کم غلے پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے۔

❷ <u>اواق اور اوسق کی تعریف:۔</u> اواق اوقیہ کی جمع ہے اور اوقیہ چالیس درہم کے برابر ہوتا ہے اس حساب سے خمسہ اواق دوسو درہم کے برابر ہوتے ہیں اور اوسق یہ وسق کی جمع ہے اور وسق ایک پیمانہ ہے جو ساٹھ صاع کے برابر ہوتا ہے اس حساب سے خمسہ اوسق تقریباً پچیس من کا ہوتا ہے۔

❸ <u>کھیتی، کھجور اور دانوں کا نصاب شرعی:۔</u> امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وجوب عشر کیلئے نصاب شرط نہیں، پیداوار قلیل ہو یا کثیر مطلقاً عشر واجب ہے۔ ائمہ ثلاثہ و صاحبینؒ کے نزدیک پانچ وسق نصاب شرط ہے اس سے کم میں ان کے نزدیک عشر واجب نہیں ہے۔

❹ <u>حدیث باب کی توجیہات:۔</u> ائمہ ثلاثہ و صاحبین رحمہم اللہ کی دلیل حدیث الباب ہے ليس في ما دون خمسة اوسق صدقة (ترمذی)
اس کی بہت ساری توجیہات کی گئی ہیں لیکن ان میں سے چند یہ ہیں: ① عام نصوص قرآنی وآتوا حقه يوم حصاده، ومما اخرجنا لكم من الارض کے قرینہ سے یہ مؤول ہے اس کا تعلق مال تجارت سے ہے اور اس سے زکوٰۃ مراد ہے کیونکہ اس وقت لین دین اوساق سے ہوتا تھا اور ایک وسق کی قیمت ۴۰ درہم تھی تو پانچ وسق ۲۰۰ دوسو درہم ہوئے جو مال تجارت کا نصاب تھا خود اسی حدیث میں بھی قرینہ موجود ہے پہلا جملہ ليس فيما دون خمسة اواق صدقة بالاتفاق زکوٰۃ پر محمول ہے ② نصوص قرآن کے مقابلہ میں اخبار آحاد مرجوح ہیں ③ یہاں عام اور خاص میں تعارض ہے تاریخ معلوم نہیں عام پر عمل کرنے میں احتیاط ہے لہٰذا عام خاص کیلئے ناسخ ہے ④ علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث عرایا سے متعلق ہے عریہ پانچ وسق تک ہوتا تھا جیسے ہبہ کرنے والے پر زکوٰۃ نہیں ویسے عریہ دینے والے پر عشر نہیں ⑤ سہولت کیلئے اس وقت پانچ وسق تک کا عشر مالک خود فقراء کو دیتا تھا اس سے زائد کا عشر عاشر لیتا تھا تو مطلب یہ ہوگا کہ پانچ وسق کا صدقہ عاشر نہیں لے گا۔ (المسائل والدلائل ص۲۳۸، درس ترمذی ج۲ ص۴۲۸)

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۱ھ

**الشق الاول** ......عن عائشة: كفن النبي ﷺ في ثلاثة أثواب بيض يمانية ليس فيها قميص ولا عمامة.

في كم ثوب كفن النبي ﷺ؟ وما هو التطبيق بين الروايات المتعارضة في ذلك؟ اذكر اختلاف العلماء في العدد المسنون لكفن مع تعيين نوع هذه الأثواب اذكر أدلتهم مع ترجيح الامام أبو حنيفة في ضوء الأدلة.

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں (۱) روایات متعارضہ کے درمیان تطبیق (۲) مسنون کفن کے کپڑوں میں علماء کا اختلاف اور کپڑوں کی تعیین (۳) علماء کے دلائل اور ترجیح حنفیہ۔ (ص ۱۹۵۔ج۔قدیمی)

**جواب** ...... ❶ روایات متعارضہ کے درمیان تطبیق:۔ كفن النبي ﷺ ثلاثة اثواب بيض ليس فيها قميص ولا عمامة اس روایت میں نبی کریم ﷺ کو تین کپڑوں میں کفنانے کا ذکر ہے لیکن طبقات ابن سعد کی ایک روایت میں سات کپڑوں کا ذکر ہے۔ ان روایات متعارضہ کے درمیان تطبیق یہ ہے کہ مختلف حضرات نے آپ کے کفن کیلئے مختلف کپڑے پیش کئے لیکن حضرات صحابہ کرام ﷡ نے ان میں سے تین کا انتخاب کرلیا اور باقی واپس کردیئے۔ (درس ترمذی ج۳ ص ۲۸۰)

❷ مسنون کفن کے کپڑوں میں علماء کا اختلاف اور کپڑوں کی تعیین:۔ جمہور ﷭ کے نزدیک مرد کیلئے تین کپڑے مسنون ہیں البتہ امام مالک ﷫ مرد کے حق میں پانچ تک اور عورت کے حق میں سات تک استحباب کے قائل ہیں چنانچہ مرد کا کفن انکے نزدیک تین لفافوں ایک قمیص اور ایک عمامہ پر مشتمل ہوگا اور پھر تین کپڑوں کی تعیین کے بارے میں بھی اختلاف ہے امام شافعی ﷫ کے نزدیک وہ تین کپڑے تین لفافے ہیں امام احمد ﷫ کا بھی یہی مسلک ہے جبکہ حنفیہ کے نزدیک وہ تین کپڑے یہ لفافہ، ازار اور قمیص ہیں۔

❸ علماء کے دلائل اور ترجیح حنفیہ:۔ عدد مسنون میں جو علماء کا اختلاف ہے حضرت عائشہ ﷞ کی حدیث باب كفن النبي ﷺ في ثلاثة اثواب بيض يمانية ليس فيها قميص ولا عمامة سے جمہور کا مسلک ثابت ہوتا ہے لیکن امام مالک ﷫ اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ تین کپڑے قمیص اور عمامہ کے علاوہ تھے اور قمیص اور عمامہ الگ سے تھے مجموعہ پانچ کپڑے ہوئے لیکن ظاہر ہے کہ یہ تاویل خلاف ظاہر ہے۔

کپڑوں کی تعیین میں جو علماء کا اختلاف ہے تو وہاں امام ابوحنیفہ ﷫ کی پہلی دلیل سنن ابی داؤد میں حضرت ابن عباس ﷠ کی روایت ہے قال كفن النبي ﷺ في ثلاثة اثواب نجرانية الحلة ثوبان وقميصه الذي مات فيه۔

دوسری دلیل: الکامل لابن عدی میں حضرت جابر بن سمرۃ ﷜ سے روایت ہے قال كفن النبي ﷺ في ثلاثة اثواب قميص وازار ولفافة۔

فریق ثانی کی دلیل: حضرت عائشہ ﷞ کی حدیث باب ہے قالت كفن رسول الله ﷺ في ثلاثة اثواب بيض يمانية ليس فيها قميص ولا عمامة۔ پہلا جواب: یہ ہے کہ اس میں قمیص میت نہیں بلکہ قمیص متعارف کا انکار ہے جو زندوں کے ساتھ مخصوص ہے اور قمیص میت قمیص احیاء سے بالکل مختلف ہوتی ہے اس میں آستین، کلی اور سلائی نہیں ہوتی۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ حضرت ابن عباس ﷠ آپ ﷺ کی تکفین وتدفین میں حاضر تھے حضرت عائشہ ﷞ اس میں موجود نہیں تھیں اسلئے حضرت ابن عباس ﷠ کی مذکورہ حدیث راجح ہے تو لہٰذا امام ابوحنیفہ کا مذہب راجح ہے۔ (ایضاح ج۳ ص ۲۸۲)

**الشق الثانی** ...... عن العلاء بن عبد الرحمن انه دخل على انس بن مالك في داره بالبصرة حين انصرف من الظهر وداره بجنب المسجد فقال قوموا فصلوا العصر قال فقمنا فصلينا فلما انصرفنا

قال سمعت رسول الله ﷺ یقول تلك صلاة المنافق یجلس یرقب الشمس حتى اذا کان بین قرنی الشیطان قام فنقر اربعا لا یذکر الله فیها الا قلیلا۔

ترجم الاثر سلمة۔ وضح اختلاف الفقهاء فی استحباب تعجیل العصر وتأخیره۔ اذکر ادلة کل فریق بالتفصیل۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں دو امور مطلوب ہیں (۱) اثر کا ترجمہ (۲) عصر کی تعجیل وتاخیر میں اختلاف مع الدلائل۔

**جواب** ...... ❶ اثر کا ترجمہ: حضرت علاء بن عبد الرحمنؒ سے مروی ہے کہ وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ان کے گھر بصرہ میں حاضر ہوئے جس وقت وہ ظہر کی نماز سے لوٹے تھے اور ان کا گھر مسجد سے متصل تھا انہوں نے فرمایا کہ اٹھو اور عصر کی نماز ادا کرو راوی کہتے ہیں کہ پس ہم اٹھے اور ہم نے نماز ادا کی پس جب ہم نماز سے لوٹے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ یہ منافق آدمی کی نماز ہے وہ سورج کے انتظار میں بیٹھا رہتا ہے حتیٰ کہ جب سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان ہوتا ہے تو کھڑا ہوتا ہے اور جلدی سے چار چونچ مارتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کا معمولی ذکر کرتا ہے۔

❷ عصر کی تعجیل وتاخیر میں اختلاف مع الدلائل: امام شافعیؒ کے نزدیک عصر کی نماز میں تعجیل افضل ہے امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا مسلک بھی یہی ہے جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے ہاں تغیر شمس سے پہلے پہلے تاخیر عصر افضل ہے۔

حنفیہؒ کے دلائل: ① حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت جو کہ ترمذی میں مذکور ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ عصر میں جلدی کیا کرتے تھے۔ ② حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس سے تاخیر کا استحباب معلوم ہوتا ہے ان رسول الله ﷺ کان یامر بتاخیر صلوة العصر۔ ③ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر ہے کہ وہ نماز عصر کو تاخیر کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔

ائمہ ثلاثہؒ کے دلائل: ① حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ عصر کی نماز جب پڑھتے تھے تو اس وقت سورج کی دھوپ آپ کے صحن میں ہوتی تھی اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ عصر کو جلدی پڑھا جائے۔ ② اسی مضمون کی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سورج کے بلند اور روشن ہونے کی حالت میں عصر کی نماز پڑھتے تھے جبکہ عصر پڑھ کر لوگ عوالی مدینہ میں چلے جاتے تھے اس وقت بھی سورج روشن اور بلند ہوتا تھا۔ ③ اسی مضمون کی تیسری روایت حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عصر کی نماز پڑھنے کے بعد اونٹ ذبح کر کے گوشت بنانا، پکانا اور کھانا مغرب سے پہلے ہوتا تھا یہ بھی تعجیل عصر پر دال ہے۔

پہلی دلیل کے جوابات: ① دیواروں کے چھوٹا ہونے کی وجہ سے دیر تک دھوپ باقی رہتی تھی۔ ② دروازہ مغرب کی طرف تھا غروب تک دھوپ کا رہنا تعجیل عصر پر دلالت نہیں کرتا۔

دوسری دلیل کے جوابات: ① گرمی کے زمانہ پر محمول ہے اور تیز رفتار آدمی اتنی مسافت اتنی دیر میں طے کر سکتا ہے۔ ② اس حدیث میں اس بات کی تصریح نہیں ہے کہ وہ پیدل ہی جاتے تھے ممکن ہے کہ وہ سواری پر جاتے ہوں۔

تیسری دلیل کے جوابات: ① یہ بیان جواز پر محمول ہے۔ ② ماہر طباخ مختصر وقت میں یہ سارے کام کر سکتا ہے۔

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۲۱ھ

**الشق الاول** ...... عن ابراهیم التیمی عن أبیه قال: خطبنا علی فقال: من زعم أن عندنا شیئًا نقرؤه الا کتاب الله وهذه الصحیفة فیها أسنان الابل وأشیاء من الجراحات فقد کذب، وقال فیها: قال رسول الله ﷺ: المدینة حرم مابین عیر الی ثور، فمن أحدث فیها حدثا أو آوی محدثا فعلیه لعنة الله والملائکة والناس اجمعین لایقبل الله منه یوم القیامة صرفًا ولا عدلا ومن ادعی الی غیر أبیه أو تولی غیر موالیه

فعلیه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين لايقبل منه صرف ولاعدل، وذمة المسلمين واحدة يسعى بها أدناهم ۔ (ص۳۲۔ج۲۔قدیمی)

ترجم الحديث؟ اذكرهل للمدينة المنورة ايضاً حرم كحرم مكة؟ اذكر الاختلاف والدليل ۔ اشرح قوله: "وذمة المسلمين واحدة يسعى بها أدناهم"

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) حدیث مبارک کا ترجمہ (۲) حرم مدینہ میں اختلاف ائمہ مع الدلائل (۳) ذمة المسلمين واحدة الخ کا معنی۔

**جواب** ...... ① **حدیث مبارک کا ترجمہ:۔** حضرت ابراہیم تیمی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور فرمایا جو شخص گمان کرے کہ بیشک ہمارے پاس کوئی چیز ہے جس کو ہم پڑھتے ہیں کتاب اللہ اور اس صحیفہ کے علاوہ جس میں اونٹوں کی عمروں کا بیان ہے اور زخموں کے متعلق کچھ باتیں ہیں پس تحقیق اس نے جھوٹ بولا (اور فرمایا کہ صحیفہ میں ہے کہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ منورہ حرم ہے وہ حصہ جو عیر سے ثور تک ہے پس جو شخص نئی چیز پیدا کرے اس حصہ میں یا کسی بدعتی کو ٹھکانہ دے پس اس پر اللہ کی لعنت اور تمام فرشتوں اور انسانوں کی اس پر لعنت ہوگی نہیں قبول فرمائیں گے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے فریضہ کو اور نہ نفل کو یا اس کی توبہ اور فدیہ کو اور جو شخص اپنے نسب کو غیر باپ کی طرف منسوب کرے یا کوئی غلام غیر مولیٰ کو اپنا مولیٰ بتائے پس اس پر بھی اللہ کی لعنت اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے نہیں قبول کریگے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ اور نہ اس کا فدیہ اور تمام مسلمانوں کا عہد و پیمان ایک ہے ذمہ دار ہو سکتا ہے ان میں سے ادنیٰ شخص بھی۔

② **حرم مدینہ میں اختلاف ائمہ مع الدلائل:۔** حرم مدینہ میں بالاتفاق بغیر احرام کے داخل ہونا جائز ہے اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک حرم مکہ کی طرح شجر مدینہ کو کاٹنا اور وہاں شکار کرنا حرام ہے البتہ اس میں جزاء واجب نہ ہوگی۔ امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت اور امام شافعی رحمہ اللہ کا قول جدید یہی ہے جبکہ امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت اور امام شافعی رحمہ اللہ کا قول قدیم یہ ہے کہ اسکی سزا یہ ہے کہ اسکے بدن کے کپڑے اور ساتھ کا سامان سلب کرلیا جائے اور ان کی دلیل تحریم روایات الباب ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک حرم مدینہ کا حکم یہ نہیں کہ وہاں کے درخت اور شکار حرام ہیں بلکہ صرف یہ حکم ہے کہ وہ معظم و محترم جگہ ہے اس کی شان کے خلاف وہاں کوئی کام نہ کیا جائے اسکے خوشنما مناظر کو باقی رکھا جائے اور ان کو بلاضرورت توڑ پھوڑ کر بدنما نہ بنایا جائے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس پر استدلال اس حدیث انس رضی اللہ عنہ سے استدلال کیا ہے جس میں ہے **يا ابا عمير مافعل النغير** کہ اگر صید مدینہ حرام ہوتا تو اس کا حبس جائز نہ ہوتا، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ممکن ہے وہ پرندہ (نغیر) انہوں نے حل (خارج حرم) سے پکڑا ہو لیکن حافظ نے اس کو خود ہی رد کردیا اسلئے کہ حنفیہ کے نزدیک حل کا شکار جب حرم میں داخل ہو جائے تو اس کیلئے حرم کا حکم ثابت ہو جاتا ہے یعنی صید حل بھی حرم میں آکر صید حرم ہی ہو جاتا ہے۔

نیز امام طحاوی رحمہ اللہ نے تحریم کی روایات کا ایک جواب یہ دیا ہے کہ ممکن ہے یہ حکم اس وقت کا ہو جب ہجرۃ الی المدینہ واجب تھی تاکہ مدینہ کی زینت باقی رہے اور یہ زینت کا بقاء ہجرۃ کی رغبت اور الفت مدینہ کا ذریعہ ہو پس جب ہجرۃ منسوخ ہوئی تو یہ تحریم بھی منسوخ ہوگئی، چنانچہ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ بعض روایات میں آتا ہے **ان النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن هدم آطام المدينة فانها من زينة المدينة** یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی اونچی دیواروں اور قدیم قلعوں کے منہدم کرنے سے منع فرمایا کیونکہ ان کا وجود باعث زینت ہے۔ اسی طرح ان تحریم کی روایات میں خود استثناء موجود ہے **الاان يعلف رجل بعيره** کہ بقدر ضرورت آدمی اپنی سواری کیلئے گھاس کاٹ سکتا ہے دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں **الا ما يُساق به الجمل** اور ایک روایت

میں ہے ولکن یهش مشارقیقا یعنی وہاں کے درختوں کے پتے ضرورۃً آہستہ آہستہ جھاڑ سکتے ہیں غرضیکہ جن روایات سے جمہور تحریم پر استدلال کررہے ہیں خود انہی روایات میں عدم تحریم کا پہلو موجود ہے۔ (درس ترمذی ج۳ ص۳۳۳)

**❷ ذمة المسلمين واحدة الخ کا معنی:۔** اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ عہد و پیمان کے حق میں تمام مسلمان برابر ہیں اعلیٰ ہو یا ادنیٰ ایک ہو یا ایک سے زائد ہوں امیر ہو یا غریب ہو کوئی بھی امان دے دے تو سب مسلمانوں کی طرف سے یہ امان سمجھا جائے گا اور تمام مسلمانوں کے نزدیک اس کا جان و مال محفوظ و مامون سمجھا جائے گا۔

**الشق الثانی** ......عن علی عن النبی ﷺ قال: من أصاب حدًا فعجل عقوبته فی الدنیا فالله أعدل من أن یثنی علی عبده العقوبة فی الآخرة، ومن أصاب حدًا فستره الله علیه وعفا عنه فالله أکرم من أن یعود فی شیئ، قد عفا عنه. (ص۹۰ - ج۲ - قدیمی)

ترجم الحدیث المبارک.

ماهو الاختلاف بین أهل السنة والجماعة وبین غیرهم فی من أتی کبیرة من الکبائر هل یکفر بذلك أم لا.

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل دو امور ہیں (۱) حدیث مبارک کا ترجمہ (۲) مرتکب کبیرہ کے کفر کے بارے میں اختلاف۔

**جواب** ......❶ **حدیث مبارک کا ترجمہ:۔** حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو کسی ایسے کام کا مرتکب ہو کہ اس پر سزا لازم آئی اور اسکو جلدی دنیا میں سزا دی گئی تو اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ انصاف کرنیوالا ہے کہ اپنے بندے کو آخرت میں دوبارہ سزا دے اور اگر کوئی ایسے فعل کا مرتکب ہو جس کی وجہ سے حد جاری ہوتی ہو اس پر اور اللہ تعالیٰ اسکے گناہوں کو چھپا لیں اور اسے معاف فرمادیں تو اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ لطف و کرم والا ہے کہ کسی بات کو معاف کرنے کے بعد دوبارہ لوٹائے یعنی دوبارہ سزا دے۔

❷ **مرتکب کبیرہ کے کفر کے بارے میں اختلاف:۔** معتزلہ و خوارج دونوں کے نزدیک ایمان مرکب ہے مرتکب کبیرہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے البتہ معتزلہ کے نزدیک ایمان سے خارج ہو کر کفر میں داخل نہیں ہوتا بلکہ وہ فاسق ہوتا ہے جبکہ خوارج کے نزدیک مرتکب کبیرہ کفر میں بھی داخل ہو جاتا ہے۔ اور اہل السنہ والجماعۃ کے نزدیک اگر تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان موجود ہو تو مرتکب کبیرہ ہونے کے باوجود وہ مومن ہے۔ (کشف الباری ج۲ ص۵۵۸)

## ﴿الورقة الثالثة: جامع الامام الترمذی﴾

### ﴿السؤال الأول﴾ ۱۴۳۲ھ

**الشق الأول** ......عن ابی هریرة ان ناسا من اصحاب النبی ﷺ قالوا: الکمأة جدری الارض فقال رسول الله ﷺ: الکمأة من المن وماءها شفاء للعین والعجوة من الجنة وهی شفاء من السم.

ترجم الحدیث واشرح قولهم: الکمأة جدری الارض وحقق کلمة الکمأة وبیّن انواعها. فی تفسیر المن ثلاثة أقوال اذکرها.

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں۔(۱) حدیث کا ترجمہ (۲) الکمأة جدری الارض کی تشریح (۳) الکمأة کی تحقیق اور اس کی اقسام (۴) المن کی تفسیر میں تین اقوال۔

**جواب** ......❶ **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے بعض نے عرض کیا کہ کھمبی زمین کی چیچک ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کھمبی تو من و سلویٰ ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لئے شفاء ہے اور عجوہ کھجور جنت سے ہے اور زہر سے شفاء ہے۔

میں ہے ولکن یهش هشا رقیقا یعنی وہاں کے درختوں کے پتے ضرورۃً آہستہ آہستہ جھاڑ سکتے ہیں غرضیکہ جن روایات سے جمہور تحریم پر استدلال کر رہے ہیں خود انہی روایات میں عدم تحریم کا پہلو موجود ہے۔ (الدرالمنضود ج ۳ ص ۳۲۳)

❷ **ذمة المسلمین واحدة الخ کا معنی:۔** اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ عہد و پیمان کے حق میں تمام مسلمان برابر ہیں اعلیٰ ہو یا ادنیٰ ایک ہو یا ایک سے زائد ہوں امیر ہو یا غریب ہو کوئی بھی امان دے دے تو سب مسلمانوں کی طرف سے یہ امان سمجھا جائے گا اور تمام مسلمانوں کے نزدیک اس کا جان و مال محفوظ و مامون سمجھا جائے گا۔

**الشق الثانی**......عن علی عن النبی ﷺ قال: من أصاب حدًا فعجل عقوبته فی الدنیا فالله أعدل من أن یثنی علی عبده العقوبة فی الآخرة، ومن أصاب حدًا فستره الله علیه وعفا عنه فالله أکرم من أن یعود فی شیئ قد عفا عنه. (ص ۹۰۔ ج ۲۔ قدیمی) ترجم الحدیث المبارک۔ بیّن الاختلاف بین أهل السنة والجماعة وبین غیرهم فی من أتی کبیرة من الکبائر هل یکفر بذلك أم لا۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل دو امور ہیں (۱) حدیث مبارک کا ترجمہ (۲) مرتکب کبیرہ کے کفر کے بارے میں اختلاف۔

**جواب**...... ❶ **حدیث مبارک کا ترجمہ:۔** حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو کسی ایسے کام کا مرتکب ہو کہ اس پر حد لازم آئی اور اسکو جلد ہی دنیا میں سزا دی گئی تو اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ انصاف کرنیوالا ہے کہ اپنے بندے کو آخرت میں دوبارہ سزا دے اور اگر کوئی ایسے فعل کا مرتکب ہو جس کی وجہ سے حد جاری ہوتی ہو اس پر اور اللہ تعالیٰ اسکے گناہوں کو چھپالیں اور اسے معاف فرمادیں تو اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ لطف و کرم والا ہے کہ کسی بات کو معاف کرنے کے بعد دوبارہ لوٹائے یعنی دوبارہ سزا دے۔

❷ **مرتکب کبیرہ کے کفر کے بارے میں اختلاف:۔** معتزلہ و خوارج دونوں کے نزدیک ایمان مرکب ہے مرتکب کبیرہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے البتہ معتزلہ کے نزدیک ایمان سے خارج ہو کر کفر میں داخل نہیں ہوتا بلکہ وہ فاسق ہوتا ہے جبکہ خوارج کے نزدیک مرتکب کبیرہ کفر میں بھی داخل ہو جاتا ہے۔ اور اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک اگر تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان موجود ہو تو مرتکب کبیرہ ہونے کے باوجود وہ مؤمن ہے۔ (کشف الباری ج ۲ ص ۵۷۸)

## ﴿الورقة الثالثة: جامع الامام الترمذی﴾

### ﴿السؤال الاول﴾ ۱۴۳۲ھ

**الشق الاول**......عن ابی هریرة ان ناسا من اصحاب النبی ﷺ قالوا: الکمأة جدری الارض فقال رسول الله ﷺ: الکمأة من المن وماءها شفاء للعین والعجوة من الجنة وهی شفاء من السم.

ترجم الحدیث واشرح قولهم: الکمأة جدری الارض وحقق کلمة الکمأة وبیّن انواعها. فی تفسیر المن ثلاثة أقوال اذکرها۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں۔ (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) الکمأة جدری الارض کی تشریح (۳) الکمأة کی تحقیق اور اس کی اقسام (۴) المن کی تفسیر میں تین اقوال۔

**جواب**...... ❶ **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے بعض نے عرض کیا کہ کھمبی زمین کی چیچک ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کھمبی تو من و سلویٰ ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لئے شفاء ہے اور عجوہ کھجور جنت سے ہے اور زہر سے شفاء ہے۔

❸ **الکمأة جدری الارض کی تشریح:** چیچک بچوں کے جسم پر دانے نکلنے والی بیماری ہے، یہ بدن کے اندر جو فضلہ ہے جو بدن پر دانوں کی شکل میں ابھرتا ہے، اسی طرح زمین کے اندر جو فضلات زائد ہوتے ہیں وہ کھمبی کی شکل میں زمین پر ظاہر ہوتے ہیں اس وجہ سے اس کو جدری سے تعبیر کیا گیا۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فضلہ ہونے کے اعتبار سے اس کو جدری سے تعبیر فرمایا، محقق طبری نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کھمبی کی پیداوار بہت ہوئی تو لوگوں نے اس کا استعمال چھوڑ دیا اور کہنے لگے کہ یہ زمین کی چیچک ہے یعنی بطور ذم اس کو چیچک قرار دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور مدح ارشاد فرمایا کہ یہ تو اس کے فضل اور من میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے بطور انعام بغیر مشقت کے ہمیں عنایت فرمائی ہے۔

❹ **الکمأة کی تحقیق اور اس کی اقسام:** یہ کاف کے فتحہ میم کے سکون اور ہمزہ مفتوحہ کے ساتھ ہے۔ عموماً لوگوں نے اس کو بغیر ہمزہ پڑھا ہے اس کی جمع الکمأ ہے جیسے تمرة کی جمع تمر مگر ابن الاعرابی نے اس کے برعکس فرمایا کہ کمأ مفرد ہے اور کمأة جمع ہے۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ کمأة کا اطلاق واحد جمع دونوں پر ہوتا ہے۔ یہ ایک خاص گھاس ہے جس کا پتا اور تنا نہیں ہوتا، جنگل اور ریتلی زمین میں بغیر بوئے قدرتی طور پر پیدا ہوتی ہے پہلے اہل عرب اس کو نبات الرعد بھی کہتے تھے کیونکہ یہ بادل کی کڑک سے زمین میں پیدا ہوتی ہے۔ عرب علاقوں میں شام، روم، مصر وغیرہ میں کثرت سے ہوتی ہے، ہندوستان میں بھی اس کا وجود ہے اور اس کو اردو میں کھمبی کہا جاتا ہے۔

کھمبی کی تین اقسام ہیں۔ ① بالکل سیاہ: اس میں زہر ہوتا ہے اس کو ہرگز استعمال نہ کیا جائے۔ ② سرخی وسفیدی ملی جلی: اس کا استعمال بھی ٹھیک نہیں ہے۔ ③ بالکل سفید: اس کا پانی آنکھوں کیلئے مفید ہے اگر آنکھ میں سفیدی ہو اور اس کے پانی کو کئی روز استعمال کیا جائے تو سفیدی ختم ہو جائے گی۔ اس کے لگانے سے نظر تیز ہوتی ہے اس کو خشک کر کے پیس کر استعمال کرنے سے اسہال بند ہو جاتے ہیں۔ اگر کسی کی ناف اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو سرکہ میں ملا کر لیپ کرنے سے اپنی جگہ پر آجاتی ہے۔ اگر عورت استعمال کرے تو اولاد ہونا بند ہو جاتی ہے۔

❺ **المن کی تفسیر میں تین اقوال:** ① یہ اللہ تعالیٰ کی ایسی نعمت ہے جو بندوں پر اس نے نازل فرمائی ہے، بغیر مشقت اور تکلیف کے حاصل ہوتی ہے جس طرح کہ بنی اسرائیل کو من وسلویٰ بغیر مشقت کے حاصل ہوتا تھا۔ ② کھمبی درحقیقت اس من میں سے ہے جو بنی اسرائیل پر نازل کیا گیا تھا کہ پتھروں کے اوپر شبنم کی شکل میں گرتا تھا اور اس کو جمع کر کے کھایا جاتا تھا یہاں بھی مقصود یہی ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل کو بغیر مشقت کے وہ حاصل ہوتا تھا اسی طرح کھمبی بھی اس کے حصول کے لئے مشقت نہیں اٹھانی پڑتی۔ ③ عبد اللطیف بغدادی اور اس کے متبعین نے فرمایا کہ درحقیقت وہ من جو بنی اسرائیل پر نازل کیا گیا تھا اس کی مختلف صورتیں تھیں۔ بعض شبنم کی صورت میں، بعض سبزیوں کی صورت میں اور بعض شکر کی صورت میں ہوتی تھیں۔ اسی طرح کھمبی بھی جو کہ انہی صورتوں میں سے کسی صورت میں ان پر نازل کی گئی تھی۔ (درس ترمذی ج ۶ ص ۳۳)

**الشق الثانی** ......عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال: انما صلی النبی ﷺ الرکعتین بعد العصر لانه أتاه مال فشغله عن الرکعتین بعد الظهر، فصلاهما بعد العصر ثم لم یعدلهما۔ (ص ۴۵۔ ج ۱۔ ترمذی)

اذکر حکم الصلاة بعد العصر بمکة وغیرها۔ قد ورد عن عائشة أن النبی ﷺ ما دخل علیها بعد العصر الا صلی رکعتین، وقد ورد النهی عن ذلک فما هو وجه التوفیق بین هذه الأحادیث؟ اذکر ترجمة لسعید بن جبیر۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) عصر کے بعد مکہ اور غیر مکہ میں نماز کا حکم (۲) عصر کے بعد نماز پڑھنے کی احادیث میں تطبیق (۳) حضرت سعید بن جبیر کے حالات۔

جواب ...... ❶ **عصر کے بعد مکہ اور غیر مکہ میں نماز کا حکم:۔** اوقات مکروہہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اوقات ثلاثہ یعنی طلوع، استواء اور غروب کے اوقات اور دوسرے نماز عصر اور نماز فجر کے بعد کے اوقات۔

پہلی قسم: کے بارے میں حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اس میں ہر قسم کی نماز ناجائز ہے خواہ فرض ہو یا نفل اور ائمہ ثلاثہ ؒ کے نزدیک فرائض جائز ہیں اور نوافل ناجائز۔ البتہ امام شافعی ؒ کے نزدیک نوافل ذوات الاسباب بھی جائز ہیں۔

دوسری قسم: یعنی نماز فجر اور نماز عصر کے بعد اوقات۔ ان کے بارے میں بھی امام شافعی ؒ کا مسلک یہی ہے کہ ان میں بھی فرائض اور نوافل ذوات الاسباب دونوں ناجائز ہیں۔ البتہ صرف نوافل غیر ذوات الاسباب ان اوقات میں مکروہ ہیں نوافل ذوات الاسباب کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ ایسے نوافل جن کا سبب اختیار عبد کے علاوہ کوئی اور چیز بھی ہو مثلاً تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد، نماز شکر، نماز عید، کسوف وغیرہ۔ حنفیہ کے نزدیک ان اوقات میں فرائض تو ناجائز ہیں لیکن نوافل خواہ ذوات الاسباب ہوں یا غیر ذوات الاسباب دونوں ناجائز ہیں، پھر شافعیہ کے نزدیک حرم مکہ میں نوافل غیر ذوات الاسباب بھی جائز ہیں جبکہ حنفیہ کے نزدیک اس استثناء کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے بلکہ ان اوقات میں ہر جگہ ہر قسم کے نوافل ناجائز ہیں۔

امام شافعی ؒ ایک تو ان روایات کے عموم سے استدلال کرتے ہیں جن میں تحیۃ الوضوء یا تحیۃ المسجد کا حکم دیا گیا ہے اور ان میں اوقات مکروہہ یا غیر مکروہہ کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی گئی، نیز حرم کے مسئلہ میں حضرت جبیر بن مطعم کی اس حدیث مرفوع سے استدلال کرتے ہیں جس میں نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد مروی ہے **یابنی عبدمناف لاتمنعوا احدا طاف بھذا البیت وصلی ایۃ ساعۃ شاء من لیل او نھار** اس کے برخلاف حنفیہ حضرت ابن عباس ؓ کی حدیث باب اور ان روایات کے عموم سے استدلال کرتے ہیں جن میں بعد الفجر اور بعد العصر نماز سے مطلقاً منع کیا گیا ہے۔ حنفیہ احادیث تحیۃ المسجد اور حدیث مذکور ہے **لاتمنعوا احدا الخ** کو حدیث باب سے مخصوص مانتے ہیں۔

حنفیہ کے موقف کی وجہ ترجیح یہ ہے کہ نہی کی احادیث کثیر ہیں لہٰذا احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ممانعت پر عمل کیا جائے اور جہاں تک **یابنی عبدمناف الاتمنعوا احدا** والی حدیث کا تعلق ہے سو اول تو وہ مضطرب الاسناد ہے۔ اور اگر یہ روایت صحیح ہو تب بھی اس کا مقصد محض حرم کے محافظین کو یہ ہدایت کرنا ہے کہ وہ حرم کو ہر وقت کھلا رکھیں اور طواف و نماز پر پابندی عائد نہ کریں۔ اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ حرم شریف میں نماز پڑھنے والے کیلئے کوئی وقت مکروہ نہیں۔ (درس ترمذی ج۱ ص۴۲۳)

❷ **احادیث میں تطبیق:۔** عصر کے بعد آنحضرت ﷺ نے دو رکعتیں پڑھنے کے بارے میں روایات متعارض ہیں حضرت ابن عباس ؓ کی مذکورہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے یہ دو رکعتیں صرف ایک بار پڑھیں معجم طبرانی میں حضرت عائشہ ؓ کی اور مسند احمد میں حضرت ام سلمہ ؓ کی ایک روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے یہ نماز صرف ایک بار پڑھی البتہ بخاری شریف میں حضرت عائشہ ؓ کی ایک روایت ہے **ما کان النبی ﷺ یاتینی فی یوم بعد العصر الاصلی رکعتین** نیز مسلم میں حضرت عائشہ ؓ ہی کی روایت میں دو رکعتین بعد العصر کا ذکر ہے جس میں **ثم اثبتھا (ای داوم علیھا)** کے الفاظ بھی موجود ہیں اس سے مداومت معلوم ہوتی ہے اس کے علاوہ مسلم ہی میں حضرت عائشہ ؓ کی ایک اور روایت بھی موجود ہے **عن عائشۃ قالت ماترک رسول اللہ ﷺ رکعتین بعد العصر عندی قط** اس سے بھی مداومت معلوم ہوتی ہے اس تعارض کو رفع کرنے کیلئے کسی نے مستقلاً توجہ نہیں دی البتہ حافظ ابن حجر ؒ نے اس کی طرف کچھ اشارہ کیا ہے مجموعہ روایات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مداومت کی روایات زیادہ صحیح ہیں مثلاً حضرت ابن عباس ؓ کی حدیث باب کو امام ترمذی ؒ نے حسن قرار دیا ہے لیکن دوسرے محدثین نے اس پر یہ

اعتراض کیا ہے کہ یہ روایت جریر بن عبدالحمید عن عطاء بن السائب کے طریق سے مروی ہے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ جریر بن عبدالحمید نے جس زمانہ میں عطاء بن السائب سے روایات لی ہیں اس زمانہ میں وہ مختلط ہو گئے تھے اس لئے یہ روایت ضعیف ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث صحیح کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور معجم طبرانی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سواس میں ایک راوی ثابت ہے جسے کذاب کہا جاتا ہے اس لئے وہ حدیث بھی معارضہ کی صلاحیت نہیں رکھتی البتہ مسند احمد کی روایت جس میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے عدم مداومت کا بیان ہے وہ اسناد کے اعتراض سے خالی ہے اس لئے اسے ضعیف کہہ کر رد نہیں کیا جا سکتا البتہ صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے اس کا تعارض باقی رہتا ہے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کو رفع کرنے کیلئے المثبت مقدم علی النافی کے قاعدہ کو اختیار کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی نفی ان کے علم کے مطابق ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اثبات انکے علم کے مطابق ہے۔

مگر اس پر مسلم شریف میں موجود حضرت کریب مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے اشکال ہوتا ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس مسئلہ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی طرف راہنمائی کی اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظہر کے بعد کی سنتیں رہ گئی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عصر کے بعد ادا کیا تھا پھر بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نوافل پر مداومت بھی فرمائی جس کا علم صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہوا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو نہ ہوا مگر یہ نوافل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت پر محمول ہیں امت کے لئے جائز نہیں ہیں۔ (تفصیل درس ترمذی ج ۱ ص ۴۳۵)

❸ سعید بن جبیر کے حالات:۔ سعید بن جبیر الاسدی الکوفی یہ تابعین کے اعلام میں سے ہیں اور تیسرے طبقہ کے ائمہ رواۃ میں سے ہیں اور انہوں نے حضرت ابن مسعود، ابن عباس، ابن زبیر اور انس رضی اللہ عنہم سے روایات لی ہیں اور ان سے بہت لوگوں نے روایات لی ہیں اور ان کو حجاج بن یوسف نے شعبان ۹۵ھ میں شہید کیا تھا اور ان کی عمر ۴۹ برس ہوئی۔ (تقریب التہذیب)

## السوال الثانی ۱۴۳۲ھ

**الشق الاول** ...... عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: أَغْلِقُوا الْبَابَ وَأَوْكُوا السِّقَاءَ وَأَكْفِئُوا الْإِنَاءَ وَأَطْفِئُوا الْمِصْبَاحَ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَفْتَحُ غَلَقًا وَلَا يَحِلُّ وِكَاءً وَلَا يَكْشِفُ آنِيَةً فَإِنَّ الْفُوَيْسِقَةَ تُضْرِمُ عَلَى النَّاسِ بَيْتَهُمْ.

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يَقْرِنَ بَيْنَ التَّمْرَتَيْنِ حَتّٰى يَسْتَأْذِنَ صَاحِبَهٗ.

ترجم الحدیثین وشکلهما. اختلف العلماء فی قران التمرتین فی ان هذا النهی علی التحریم او علی الکراهة والأدب؟ اکتب هذه المسئلة بالتفصیل.

﴿ خلاصۂ سوال ﴾ ...... اس سوال کا حل تین امور ہیں۔ (۱) احادیث کا ترجمہ (۲) احادیث پر اعراب (۳) قران التمرین کی نہی کی وضاحت۔

**جواب** ...... ❶ احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دروازوں کو بند کر دو اور پانی کے مشکیزوں کے منہ کو گرہ لگا دو اور برتنوں کو اوندھا کر دو یا برتنوں کو ڈھانپ دو اور چراغ کو بجھا دو اس لئے کہ شیطان کسی بھی بند چیز کو نہیں کھول سکتا اور نہ کسی گرہ کو کھول سکتا ہے اور نہ کسی برتن کو کھول سکتا ہے پس بے شک چھوٹا شرارتی لوگوں پر ان کا گھر بھڑکا دیتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو اور تین تین کھجوریں ملا کر کھانے سے منع فرمایا۔ مگر جب اپنے ساتھیوں سے اجازت طلب کر لے یعنی اجازت کے بعد اس طرح کھانا جائز ہے۔

❷ احادیث پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

❸ **قران التمرین کی نہی کی وضاحت:۔** حدیث میں مذکورہ نہی کراہت کیلئے ہے تحریم کیلئے نہیں ہے اور پھر اس میں کچھ تفصیل ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ کھجور کھانے کی تین صورتیں ہیں۔ ① کھجوریں کسی شخص کی ذاتی ہیں اور وہ خود کھا رہا ہے۔

② میزبان نے کچھ کھجوریں پیش کیں اور چند مہمان ملکر کھا رہے ہیں۔

③ چند دوستوں نے ملکر مشترک طور پر پیسے ملا کر کھجوریں خریدی ہیں اور وہ سب ملکر کھا رہے ہیں۔

پہلی دونوں صورتوں میں دو دو اور تین تین کھجوریں کھانا جائز ہے کیونکہ پہلی صورت میں اس کی اپنی کھجوریں ہیں اور دوسری صورت میں میزبان نے پیٹ بھر کر کھانے کی اجازت دی ہے مگر یہ فعل مروت اور آداب کے خلاف ہے اور اس میں حرص نظر آتی ہے اس وجہ سے حتی الامکان گریز ہی کیا جائے۔

تیسری صورت میں دو دو اور تین تین کھجوریں ملا کر کھانا جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں دوسرے احباب و اصحاب کی حق تلفی لازم آتی ہے۔ یہ حکم صرف کھجور کا نہیں ہے بلکہ ہر کھانے والی چیز کا ہے خواہ وہ چیز عددی ہو یا وزنی ہو، ہر صورت یہی حکم ہے۔

**الشق الثانی** ...... عن جابر أن رسول الله ﷺ قرن الحج والعمرة فطاف لهما طوافًا واحدًا.

**عرف القارن والمتمتع والمفرد. اذكر اختلاف العلماء في هذه المسألة هل القارن يطوف طوافًا واحدًا وسعيًا واحدًا أم يطوف طوافين ويسعى سعيين. اذكر أدلة الفريقين.** (ص ۱۸۸ ج ا ۔ ترمذی)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) قارن، متمتع و مفرد کی تعریف (۲) قارن کے ایک یا دو طواف و سعی میں اختلاف (۳) فریقین کے دلائل۔

**جواب** ...... ❶ **قارن، متمتع و مفرد کی تعریف:۔** قارن اس شخص کو کہا جاتا ہے جو آفاقی ہو (حرم سے باہر ہو) عمرے کے کسی رکن کے وجود سے پہلے عمرے اور حج کا احرام اکٹھے باندھے اور متمتع اسکو کہا جاتا ہے جو آفاقی ہو اور پہلے عمرے کا احرام باندھے اور عمرے کے افعال یعنی طواف، سعی وغیرہ کرے پھر حج کے مہینوں میں حج کا احرام باندھے اور اسی سال حج کرے اور مفرد اس کو کہا جاتا ہے جو صرف حج کا احرام باندھے۔ (حاشیہ ہدایۃ ج ۳ ص ۲۳)

❷ **قارن کے ایک یا دو طواف و سعی میں اختلاف:۔** امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کے ہاں قارن پر دو طواف اور دو سعی فرض ہیں ایک عمرہ کیلئے اور ایک حج کیلئے، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہم امام شعبی، ابن شبرمہ اور ابن ابی لیلی رحمہم اللہ سے بھی یہی منقول ہے تابعین کی ایک جماعت کا یہی مسلک ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت بھی یہی ہے اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے ہاں صرف ایک طواف اور ایک سعی فرض ہے ان کے ہاں افعال عمرہ افعال حج میں داخل ہیں اور حنفیہ تداخل کے قائل نہیں ہیں۔

❸ **فریقین کے دلائل:۔** حنفیہ کے دلائل: ① **قوله تعالى فمن تمتع بالعمرة الى الحج** (البقرہ) حافظ ابن حجر شافعی، ابن عبد البر مالکی، ابن قیم حنبلی، ابن ہمام حنفی رحمہم اللہ جیسے محققین کے ہاں یہ آیت تمتع اصطلاحی اور قران دونوں کو شامل ہے اسکا مفہوم یہ ہے کہ حج اور عمرہ کے افعال الگ الگ ہیں پھر ان کا اتصال ہوتا ہے تمتع میں بالاتفاق تداخل نہیں ہے تو قران میں بھی تداخل نہ ہونا چاہیے ② حضرت صبی بن معبد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حج قران کیا اس میں دو طواف کئے اور دو سعی کیں ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو نے اپنے نبی ﷺ کی سنت کی رہنمائی کی (سنن ابو داؤد جلد ۱) ③ ابراہیم بن محمد بن حنفیہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کے ساتھ طواف کیا اور انہوں نے حج اور عمرے کو جمع کیا اور انہوں نے دو طواف کئے اور دو سعی کیں اور انہوں نے مجھے بیان کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسے ہی کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا (سنن کبری بیہقی ج ۵) ④ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت ہے وہ

فرماتے ہیں جب تو حج اور عمرہ کا اکٹھا احرام باندھے تو دو طواف کر اور صفا و مروہ کی دو سعی کر۔ (کتاب الآثار امام محمد رحمہ اللہ) ⑤ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو طواف کئے اور دو سعی کیں (دار قطنی) ⑥ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی دو طواف اور دو سعی کی حدیث مروی ہے۔ (دار قطنی) ⑦ حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے قارن کے بارے میں فرمایا کہ دو طواف کرے اور دو سعی کرے۔ (ابن ابی شیبہ)

ائمہ ثلاثہ کے دلائل: ① متعدد احادیث مرفوعہ میں قارن کے لئے ایک طواف اور ایک سعی کا ذکر ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث صحیحین میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صحیحین و ترمذی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی نسائی و ترمذی میں۔ صحیحین کی روایت میں یہ الفاظ ہیں **واما الذین جمعوا بین الحج والعمرة طافوا طوافا واحدا** ۔ ② حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے داخل کیا عمرہ کو حج میں قیامت کے دن تک۔ (ترمذی)

حنفیہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث الباب اور اس مضمون کی دیگر تمام احادیث مؤول ہیں اور ان کا ظاہری مفہوم کسی کے نزدیک بھی مراد نہیں کیونکہ اس پر اتفاق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طواف نہیں کیا بلکہ تین طواف کئے۔ اب آئمہ ثلاثہ رحمہم اللہ اس میں یہ تاویل کرتے ہیں کہ طواف واحد سے مراد طواف زیارت ہے جس میں طواف عمرہ کا تداخل ہو گیا ہے اور حنفیہ اس کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ اس قسم کی احادیث میں طواف واحد سے مراد طواف عمرہ ہے جس میں طواف قدوم کا تداخل ہو گیا ہے۔ حنفیہ کی توجیہ اس لئے راجح ہے کہ اس سے روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے۔

حدیث باب میں ایک توجیہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے فرمائی ہے وہ یہ کہ یہاں طواف سے مراد تحلل ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایسا طواف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی کیا جو تحلل کا سبب بنا اور وہ طواف زیارت تھا کیونکہ طواف عمرہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم قارن ہونے کی وجہ سے حلال نہیں ہوئے۔ **کما یدل علیه سیاق بعض روایات عائشة وابن عمر رضی الله عنهما.**

نیز وہ روایات جن میں ایک طواف اور ایک سعی کا ذکر ہے ان کا ایک جواب یہ بھی ہے کہ تعارض کے وقت مثبت زیادت کو ترجیح ہوتی ہے۔ (تفصیل درس ترمذی ج ۳ ص ۲۲۱، المسائل والدلائل ص ۲۹۵)

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۲ھ

**الشق الاول** ...... **عن ابی هریرة قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: لم یکذب ابراهیم علیه السلام فی شیئ قط الا فی ثلاث: قوله: انی سقیم ولم یکن سقیما وقوله لسارة: اختی وقوله: بل فعله کبیرهم هذا.**

اشرح الحدیث. ما معنی "لم یکذب ابراهیم فی شیئ قط الا فی ثلاث" هل هذه الأمور الثلاث تعد کذبات؟ ما هو التوضیح و التاویل المناسب للامور الثلاثة: انی سقیم وقوله لسارة: أختی وقوله: بل فعله کبیرهم هذا؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں دو امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کی تشریح ② مذکورہ امور کی وضاحت و تاویل۔

**جواب** ...... ❶ <u>حدیث کی تشریح:</u> ارشاد نبوی کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے زندگی بھر میں کبھی جھوٹ نہیں بولا، البتہ ان کی زندگی میں صرف تین مواقع ایسے آئے جہاں ان کو بظاہر جھوٹ بولنا پڑا اور وہ تین مواقع یہ ہیں: ① جب ان کی قوم نے میلے میں جانے کیلئے اپنے ساتھ چلنے کا کہا تو انہوں نے کہا میں بیمار ہوں۔ ② جب ظالم بادشاہ کے دربار میں پہنچے تو اس نے پوچھا کہ یہ عورت (حضرت سارہ) کون ہے؟ تو جواب دیا کہ یہ میری بہن ہے۔ ③ قوم نے پوچھا کہ یہ بتوں کی مرمت (جوڑ توڑ) کس نے کی ہے؟ اے ابراہیم! کیا ہمارے معبودوں کا یہ حشر تو نے کیا ہے؟ تو جواب دیا کہ ان کے بڑے نے کیا ہے جس کی گردن میں کلہاڑی لٹکی ہوئی ہے۔

❷ <u>مذکورہ امور کی وضاحت و تاویل:</u> حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق مشہور تین کذب درحقیقت کذب نہ تھے بلکہ تعریض

توریض کا مطلب ہے کہ کسی کلام کے دو رُخ اور مفہوم ہوں، متکلم ایک رُخ کی طرف اشارہ کرے اور دوسرا رُخ مراد لے (اس کو تحدیگہ پرتوریہ کے لفظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے) ① انی سقیم میں پہلا رُخ یہ ہے کہ میں بیمار ہوں اور دوسرا رُخ یہ ہے کہ میں بیمار ہو جاؤں گا، یا پہلا رُخ یہ کہ میں ظاہری بیماری سے بیمار ہوں اور دوسرا رُخ یہ کہ میں باطنی بیمار ہوں، اور آپ ﷺ اپنی قوم کے شرک کی وجہ سے واقعی باطنی بیمار تھے۔ ② فعله کبیرهم میں پہلا رُخ یہ ہے کہ کبیر فاعل ہے اور دوسرا رُخ قوم پر حجت قائم کرنا ہے کہ جو بُت خود سے معمولی چیز رفع نہیں کر سکتا وہ معبود کیسے ہو سکتا ہے۔ ③ هذه اختی میں پہلا رُخ یہ کہ یہ میری نسبی بہن ہے اور دوسرا رُخ یہ کہ یہ میری دینی بہن ہے۔ تو ان تینوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوسرے رُخ کو مراد لیا تھا جھوٹ نہیں بولا تھا۔

باقی توریض و توریہ صورۃً کذب کے مشابہ ہے اسلئے اس پر کذب کا اطلاق کیا گیا ہے۔ (الحل المسعودی)

**الشق الثانی** ...... عن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: الظهر يركب اذاكان مرهونًا ولبن الدر يشرب اذاكان مرهونا، وعلى الذى يركب ويشرب نفقته. (ص۲۳۶، ج۱، قدیمی) ترجم الحديث. هل يجوز للمرتهن الانتفاع بالرهن؟ انكر أقوال العلماء وأدلتهم. ماهو الجواب عن هذا الحديث عند من لايقول به؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) حدیث مبارکہ کا ترجمہ (۲) مرتہن کیلئے رہن سے نفع حاصل کرنے کا حکم (۳) مذکورہ حدیث کا جواب۔

**جواب** ...... ❶ حدیث مبارکہ کا ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ گروی رکھے جانے والے جانور کو سواری کے لئے استعمال کرنا یا اس کا دودھ استعمال کرنا جائز ہے لیکن سوار ہونے اور دودھ استعمال کرنے والے پر اس کا نفقہ وغیرہ بھی واجب ہے۔

❷ مرتہن کیلئے رہن سے نفع حاصل کرنے کا حکم:۔ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے ہاں مرتہن کیلئے رہن سے انتفاع ناجائز ہے مرہون کے منافع راہن کیلئے ہیں اور اس کا خرچ بھی راہن کے ذمہ ہے امام احمد رحمہ اللہ کے ہاں مرتہن کیلئے رہن سے نفع حاصل کرنا جائز ہے وہ مرہون پر خرچ بھی کرے اور منتفع بھی ہو۔ امام احمد رحمہ اللہ کی دلیل: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث باب ہے گو یہ محتمل ہے کہ وعلى الذى يركب و يشرب نفقته کا مصداق راہن ہے یا مرتہن مگر دوسری حدیث میں اس کی وضاحت ہے کہ اس کا مصداق مرتہن ہے اور وہ روایت یہ ہے عن الشعبى عن ابى هريرة ذكر ان النبى ﷺ قال اذا كانت مرهونة فعلى المرتهن علفها و لبن الدرّ يشرب وعلى الذى يشرب نفقتها ويركب. (طحاوی)

جمہور کی دلیل: ① عن ابى هريرة مرفوعًا يغلق الرهن من صاحبه الذى رهنه له غنمه وعليه غرمه (دارقطنی)

② حرمتِ ربوا کے دلائل مثلاً كل قرض جرّ نفعافهو ربوا کی بناء پر مرتہن کیلئے انتفاع ممنوع ہے کیونکہ یہ ربوا میں داخل ہے۔

❸ مذکورہ حدیث کا جواب:۔ ① امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حرمتِ ربوا سے قبل پر محمول ہے اور منسوخ ہے۔ ② یہ دودھ یا سواری کرنا نفقہ خرچ کے مقابل ہوگا لہٰذا مرتہن جتنا خرچ کرے اتنی سواری کرلے یا اتنا ہی دودھ پی لے گویا یہ اجازت مطلق نہیں ہے بلکہ نفقہ کے ساتھ مقید ہے کیونکہ حدیث میں انتفاع کو نفقہ کے ساتھ مربوط کیا گیا ہے۔ (المسائل والدلائل ص[illegible]، تقریر ترمذی ج۱ ص[illegible])

## ﴿الورقة الثالثة: جامع الامام الترمذى﴾

### ﴿السوال الاول﴾ ۱۴۳۲ھ

**الشق الاول** ...... باب ماجاء فى القنوت فى صلاة الفجر. عن البراء بن عازبؓ ان النبى ﷺ كان

یقنت فی صلاۃ الصبح والمغرب. ان القنوت فی الصلاۃ علی أصناف ثلاثۃ: قنوت فی الوتر وقنوت فی صلاۃ الفجر والصلوۃ وقنوت فی النوازل لحیلتنا الکر لختلاف العلماء بجمیع تفاصیلہ فی ذالک وأدلتھم

**جواب** ...... قنوت کی اقسام ثلاثہ کی مکمل تفصیل مع الدلائل:۔ قنوت کی تین قسمیں ہیں: قنوت فی الوتر، قنوت فی صلوۃ الفجر، قنوت نازلہ۔ قنوت فی الوتر: اسکے متعلق تین مسائل ہیں: ① حنفیہ کے نزدیک قنوت وتر پورا سال مشروع ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک صرف رمضان میں واجب ہے۔ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک صرف رمضان کے نصف اخیر میں مشروع ہے باقی دنوں میں نہیں۔

شوافع وحنابلہ کی دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر ہے جو باب ماجاء فی القنوت فی الوتر میں تعلیقاً مذکور ہے انہ کان لایقنت الا فی النصف الاخر من رمضان۔ حنفیہ کی دلیل حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے علمنی رسول اللہ ﷺ کلمات اقولھن فی الوتر الخ۔ اس میں رمضان اور غیر رمضان کی کوئی تخصیص نہیں۔ نیز حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پورا سال قنوت وتر ثابت ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر کا جواب یہ ہے کہ وہ ان کا اپنا اجتہاد ہو سکتا ہے نیز ممکن ہے کہ وہاں قنوت سے مراد قیام طویل ہو جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رمضان کے نصف اخیر میں جس قدر طویل قیام فرماتے تھے عام دنوں میں اتنا طویل قیام نہ فرماتے تھے۔

② حنفیہ کے نزدیک قنوت وتر رکوع سے پہلے مشروع ہے، امام مالکؒ، سفیان ثوری، عبداللہ ابن مبارک اور امام اسحاق کا بھی یہی مذہب ہے۔ شوافع وحنابلہ قنوت کو رکوع کے بعد مسنون مانتے ہیں جبکہ ایک قول کے مطابق امام احمدؒ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد تخییر کے قائل ہیں۔ ان کا استدلال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر سے ہے انہ کان لا یقنت الا فی النصف الآخر من رمضان وکان یقنت بعد الرکوع۔ حنفیہ کا استدلال ابن ماجہ میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے ان رسول اللہ ﷺ کان یوتر فیقنت قبل الرکوع۔ نیز مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت علقمہ سے مروی ہے ان ابن مسعود واصحاب النبی ﷺ کانوا یقنتون فی الوتر قبل الرکوع۔ پس معلوم ہوا کہ حنفیہ کے پاس اس مسئلہ میں مرفوع حدیث بھی ہے اور تعامل صحابہ بھی ہے۔ جبکہ مخالفین کے پاس صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر ہے اس کا بھی یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے جس کا منشاء یہ ہو سکتا ہے انہوں نے آپ ﷺ کو قنوت نازلہ رکوع کے بعد پڑھتے دیکھا ہوگا اور اسی پر قنوت وتر کو قیاس کر لیا اور قنوت نازلہ میں ہم بھی رکوع کے بعد قنوت پڑھنے کے قائل ہیں۔

③ قنوت وتر کی دعا شوافع کے نزدیک اللھم اھدنی فیمن ھدیت الخ ہے جبکہ حنفیہ کے نزدیک اللھم انا نستعینک الخ ہے۔ حنفیہ نے اس دعا کو اس لئے ترجیح دی کہ یہ اشبہ بالقرآن ہے بلکہ علامہ سیوطیؒ نے الاتقان میں نقل کیا ہے کہ یہ سورۃ الخلع والحفد کے نام سے قرآن کریم کی دو مستقل سورتیں تھیں جن کی تلاوت منسوخ ہو گئی۔

یہ اختلاف افضلیت میں ہے ورنہ فریقین کے نزدیک دونوں دعائیں جائز ہیں۔ امام محمدؒ کے نزدیک قنوت میں کوئی دعا مخصوص نہیں بلکہ جو دعا بھی چاہے وہ پڑھ سکتا ہے بشرطیکہ وہ کلام الناس کی حد تک نہ پہنچے۔ (درس ترمذی ج ۲ ص ۲۲۵)

قنوت فی صلوۃ الفجر: امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک فجر کی نماز میں رکوع ثانی کے بعد پورا سال قنوت مشروع ہے پھر امام مالکؒ کے نزدیک یہ قنوت مستحب ہے جبکہ امام شافعیؒ اس کے سنت ہونے کے قائل ہیں۔

حنفیہ وحنابلہ کے نزدیک عام حالات میں قنوت فجر مسنون نہیں البتہ اگر مسلمانوں پر کوئی عام مصیبت نازل ہوئی ہو تو اس زمانہ میں فجر میں قنوت پڑھنا مسنون ہے جسے قنوت نازلہ کہا جاتا ہے۔

شوافع ومالکیہ کی دلیل حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ان النبی ﷺ کان یقنت فی صلوۃ الصبح

والمغرب ۔ نیز حضرت انس ؓ کی روایت ہے ما زال رسول الله ﷺ یقنت فی الفجر حتی فارق الدنیا۔ نیز حضرت ابو ہریرہ ؓ کی روایت ہے قال کان النبی ﷺ اذا رفع رأسه من الرکوع من صلوٰۃ الصبح فی الرکعة الثانیة رفع یدیه فیدعو بهذا الدعاء اللهم اهدنی فیمن هدیت الخ۔

حنفیہ و حنابلہ کی دلیل حضرت ابن مسعود ؓ کی روایت ہے لم یقنت النبی ﷺ الا شهرًا لم یقنت قبله ولا بعده۔ نیز اس کی تائید حضرت انس ؓ کی روایت سے بھی ہوتی ہے انما قنت رسول الله ﷺ فی صلوٰۃ شهرًا یدعو علی رعل وذکوان۔ نیز حضرت انس ؓ کی روایت ہے ان النبی ﷺ کان لا یقنت الا اذا دعی لقوم او دعی علی قوم۔

شوافع و مالکیہ کے دلائل کا جواب یہ ہے کہ وہ قنوت نازلہ پر محمول ہیں اور لفظ کان استمرار و دوام پر دلالت نہیں کرتا جیسا کہ علامہ نووی نے متعدد مقامات پر اس کی تصریح کی ہے۔ الغرض شوافع کے دلائل یا تو منسوخ ہیں یا وہ قنوت نازلہ پر محمول ہیں یا ان میں قنوت سے مراد دعائے قنوت پڑھنا نہیں بلکہ طول قیام مراد ہے۔

<u>قنوت نازلہ:</u> ہمارے نزدیک قنوت نازلہ صرف فجر کی نماز میں مسنون ہے جبکہ شوافع کے نزدیک پانچوں نمازوں میں قنوت نازلہ پڑھنا مسنون ہے۔ شوافع کا استدلال حضرت براء بن عازب ؓ کی حدیث سے ہے ان النبی ﷺ کان یقنت فی صلوٰۃ الصبح والمغرب، اسی طرح دیگر روایات میں بقیہ نمازوں کا بھی ذکر ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اکثر روایات صلوٰۃ الفجر میں قنوت نازلہ پڑھنے سے متعلق ہیں۔ لہٰذا اصلیت اسی سے ثابت ہوگی البتہ شوافع کی پیش کردہ روایات سے صرف جواز ثابت ہو سکتا ہے اور اس کے ہم بھی منکر نہیں ہیں۔ (درس ترمذی ج ۲ ص ۱۴۹)

**السؤال الثانی** ...... عن أم قیس بنت محصن قالت: دخلت بابن لی علی النبی ﷺ لم یأکل الطعام، فبال علیه، فدعا بماء، فرشه علیه. (ص ۲۱، ج ۱، ترمذی)

اذکر حکم بول الغلام والجاریة هل یغسل أم یرش أم بینهما فرق؟ اذکر أدلة الفقهاء علی ذلك.

خلاصۂ سوال ...... اس سوال کا خلاصہ دو امور ہیں (۱) بول غلام اور بول جاریہ کے غسل میں فرق (۲) مع ائمہ کے دلائل۔

**جواب** ...... ❶، ❷ <u>بول غلام اور بول جاریہ کے غسل میں فرق مع الدلائل:</u> بول غلام و بول جاریہ سے طہارت کی کیا صورت ہے؟ امام مالک، امام شافعی رحمہما اللہ کا ایک قول امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، امام زہری اور اوزاعی رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ بول غلام سے طہارت صرف چھینٹا مارنے سے حاصل ہو جاتی ہے اور بول جاریہ سے اہتمام کے ساتھ دھونا واجب ہے۔ یہی لوگ کتاب کے اندر قد ذهب قوم کے مصداق ہیں۔

امام مالک و امام شافعی رحمہما اللہ کا قول غیر مشہور اور امام اوزاعی رحمہ اللہ کے نزدیک بول غلام اور بول جاریہ دونوں میں چھینٹا مارنا کافی ہے۔ ان کے مذہب کو سابقہ مذہب کے ساتھ لاحق کر کے فریق اول قرار دیا جائے گا تاکہ بحث کرنے میں آسانی ہو۔

امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری، ابراہیم نخعی، حسن بن حی اور جمہور فقہاء رحمہم اللہ کے نزدیک بول غلام اور بول جاریہ دونوں سے طہارت کے لیے دھونا واجب ہے۔ یہی لوگ کتاب کے اندر وخالفهم فی ذلك آخرون کے مصداق ہیں جنہیں ہم فریق ثانی قرار دیں گے۔

فریق اول کی دلیل: شروع باب کی وہ حدیث شریف ہے جس کے اندر بول غلام کے لیے نضح کا لفظ اور بول جاریہ کے لیے غسل کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کہ بول غلام میں حضور ﷺ نے چھینٹا مارنے کا حکم فرمایا ہے اور بول جاریہ میں غسل کا لفظ استعمال کیا ہے۔ صاحب کتاب نے اس حدیث کو باب کے شروع میں چھ صحابہ ؓ سے نقل کیا ہے۔

فریق ثانی کی طرف سے اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ نضح کا معنی یہاں پر چھینٹے مارنا نہیں ہے بلکہ اصب یعنی پانی بہانا ہے۔

فریق ثانی یعنی جو حضرات بول غلام اور جاریہ دونوں سے طہارت کے لئے وجوب غسل کے قائل ہیں ان کی پہلی دلیل اجلہ تابعین حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ کا قول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جو پیشاب ایک لائن کے ساتھ گرتا ہے اسکے اوپر سے اسی طرح پانی گزارنے سے پاک ہوجاتا ہے اور جو پیشاب وسیع اور کئی لائنوں سے گرتا ہے، پیشاب چاہے کسی کا بھی ہو، اسکے اوپر پانی بھی اسی طرح گرانا ہوگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سعید بن المسیب رحمہ اللہ کے نزدیک ہر پیشاب ناپاک ہے چاہے غلام کا ہو یا جاریہ کا۔ لیکن ان دونوں کی طہارت میں مخرج کے تنگ ہونے اور وسیع ہونے کے اعتبار سے کچھ فرق کیا ہے نیز حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا فتویٰ یہ ہے کہ بول جاریہ کو اہتمام کے ساتھ دھویا جائے اور بول غلام کو جہاں لگا ہے وہ تلاش کر کے دھویا جائے اس سے معلوم ہوا ہے کہ بول جاریہ اور بول غلام دونوں ناپاک ہیں اور دونوں سے پاکی حاصل کرنے سے غسل لازم ہے۔ (ایضاح الطحاوی ج ا ص ۲۹۵)

سوال: جب غلام اور جاریہ کے درمیان کوئی فرق نہیں تو انکے بول کی تطہیر کے حکم میں کیوں فرق کیا گیا ہے؟

جواب: بول جاریہ بول غلام کی نسبت غلیظ اور بدبودار ہوتا ہے اسی وجہ سے انکے درمیان فرق کیا گیا ہے۔ (درس ترمذی ص ۲۷۹)

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۲۲ھ

**الشق الاول** ......باب مایقول عند افتتاح الصلوة: حدثنا محمد بن موسی نا جعفر بن سلیمان عن علی بن علی الرفاعی عن ابی المتوکل عن ابی سعید الخدری قال: کان رسول الله اذا قام الی الصلوة باللیل کبر ثم یقول: سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالیٰ جدك ولااله غیرك ثم یقول: الله اکبر کبیرا ثم یقول: اعوذ بالله السمیع العلیم من الشیطان الرجیم من همزه ونفخه ونفثه.

ترجم الحدیث الشریف جمیلة. اذکر ما تکلم فی اسناد حدیث ابی سعیدؓ. اکتب تفصیل مذاهب الأئمة الاربعة فی ذکر افتتاح الصلاة ورجح مذهب أبی حنیفة من حیث الروایة فی دعاء الافتتاح.

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں۔ (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث ابوسعید رضی اللہ عنہ کے متعلق کلام (۳) افتتاح صلوۃ کے ذکر میں اختلاف وترجیح۔

**جواب** ...... ❶ <u>حدیث کا ترجمہ:</u> حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے پھر ثناء پڑھتے پھر کہتے (ترجمہ: اللہ تعالیٰ بہت بڑا ہے، بے حد سننے والا خوب جاننے والا ہے میں اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں شیطان مردود سے اس کے چوکوں سے اور اس کے پھونکنے سے اور اس کے دم کرنے سے)۔

❷ <u>حدیث ابوسعید رضی اللہ عنہ کے متعلق کلام:</u> حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی سند میں کلام کیا گیا ہے، یحییٰ بن سعید قطان علی بن علی رفاعی میں کلام کیا کرتے تھے اور امام احمدؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

❸ <u>افتتاح صلوۃ کے ذکر میں اختلاف وترجیح:</u> امام مالکؒ کے نزدیک تکبیر اور سورۃ فاتحہ کے درمیان کوئی ذکر مسنون نہیں ہے بلکہ تکبیر کے بعد نماز کی ابتداء سورت فاتحہ سے ہوتی ہے ان کا استدلال ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ کان رسول الله صلى الله عليه وسلم وابوبکر وعمر وعثمان یفتتحون القراءة بالحمد لله رب العالمین۔

جمہور کے نزدیک تکبیر اور فاتحہ کے درمیان ذکر مسنون ہے۔ امام مالکؒ کی دلیل کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ آپ کی مذکورہ حدیث میں افتتاح سے مراد افتتاح قراءت جہریہ ہے لہٰذا قراءت سریہ اس کے منافی نہیں۔

پھر جمہور کا آپس میں بھی اختلاف ہے کہ تکبیر اور قرأت کے درمیان کون سا ذکر افضل ہے، شوافع کے نزدیک توجیہ (انی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض الخ) پڑھنا افضل ہے اور حنفیہ کے نزدیک ثناء (سبحانك اللهم الخ) افضل ہے۔
حنفیہ کی دلیل حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے قال كان رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلوة قال سبحانك اللهم الخ ۔ نیز حنفیہ نے سورت طور کی آیت وسبح بحمد ربك حين تقوم الخ سے بھی استدلال کیا ہے۔

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ امام شافعی نے اپنے مسلک پر قرآن کریم میں سورہ انعام کی اس آیت سے احتجاج کیا ہے جس میں هذا اكبر کے فوراً بعد انی وجهت وجهی للذی فطرت السموات والارض کے الفاظ مذکور ہیں۔ (درس ترمذی)

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ دعائے توجیہ والی حدیث کے بعد امام مسلم نے صراحت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس دعا کو تہجد میں پڑھتے تھے، ہمارے ہندوستانی نسخوں میں اگرچہ یہ عبارت نہیں ہے مگر حافظ کے پاس مسلم شریف کا جو نسخہ تھا اس میں یہ عبارت موجود تھی اور اللهم باعد درحقیقت دعا ہے اور دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ اس سے پہلے اللہ کی تعریف کی جائے پس نماز کی ابتداء اس کیلئے مناسب موقع نہیں ہے۔ نیز وہ طویل دعا ہے جو تخفیف قرأت کے منافی ہے اس لئے احناف اور حنابلہ نے فرائض میں ثناء کو ترجیح دی ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ص ۹ ج ۲)

**الشق الثانی** ...... عن ناجية الخزاعي صاحب بدن رسول الله ﷺ قال: قلت يا رسول الله، كيف أصنع بما عطب من البدن؟ قال: انحرها، ثم اغمس نعلها في دمها، ثم خل بين الناس وبينها فيأكلوها.

اذكر أقوال العلماء فيما عطب من البدن فنحرها. اذكر أدلتهم على ذلك. جاء في هذه الرواية "ثم خل بين الناس وبينها فيأكلوها" وفي رواية أخرى: "لا تطعمها أنت ولا أحد من أهل رفقتك" فكيف التوفيق بينهما؟

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) ما عطب من البدن میں اختلاف (۲) ائمہ کے دلائل (۳) احادیث سے رفع تعارض۔ (ص ۱۸۹ ج ۱ قدیمی)

**جواب** ...... ① **ما عطب من البدن میں اختلاف:۔** اگر ہدی ہلاک ہونے لگے تو اگر وہ نفلی ہدی ہو تو پھر اس کو ذبح کرے اور اس کے نعل کو اس کے خون کے ساتھ رنگین کرے تا کہ لوگوں کو پتہ چلے کہ یہ ہدی ہے تو حنفیہ کے نزدیک اس کیلئے بھی کھانا جائز نہیں اور اغنیاء کو کھلانا بھی جائز نہیں بلکہ فقراء کو کھلا سکتا ہے، جب ہدی واجب کے لئے ہو تو خود بھی کھا سکتا ہے اور اغنیاء اور فقراء کو بھی کھلا سکتا ہے لیکن اس کی جگہ دوسری ہدی ذبح کرے۔ حنفیہ، امام احمد اور مالکیہ رحمہم اللہ میں سے ابن القاسم کا یہی مسلک ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ حنفیہ کے برعکس کہتے ہیں یعنی جب ہدی نفلی ہو تو اس میں تصرف کرنا جائز ہے جیسے بھی چاہے اور اس کے لئے کھانا بھی جائز ہے اور اغنیاء وغیرہ کو کھلانا بھی جائز ہے اور جب وہ ہدی نذر کی ہو تو اس کی ملکیت اس سے زائل ہو گئی ہے اب وہ صرف مسکینوں کا حق ہے لہٰذا اس کیلئے اس میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے بلکہ صرف فقراء میں ہی اس کو صرف کرے۔

② **ائمہ کے دلائل:۔** حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ نفلی جانور خریدنے سے متعین ہو جاتا ہے لہٰذا اس کو قربت میں ہی خرچ کرنا ضروری ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ فقراء کو کھلایا جائے اور اغنیاء کو کھلانے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ بخلاف واجب جانور وہدی کے کہ وہ خریدنے سے متعین نہیں ہوتی اس کی جگہ دوسرا جانور بھی ذبح کیا جا سکتا ہے۔ باقی حدیث باب مطلق ہے یہ نفل یا واجب پر دلالت نہیں کرتی فریقین میں سے کسی ایک کیلئے اس میں کوئی حجت صریح نہیں ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ ہدی واجب کیلئے تھی اس واسطے غنی و فقراء سب کیلئے کھانا درست تھا۔

③ **احادیث سے رفع تعارض:۔** سوال میں موجود دونوں حدیثوں کے درمیان تعارض اس طرح رفع ہو سکتا ہے کہ نبی ﷺ نے

ان کو جو یہ حکم دیا کہ وہ کھائے اور نہ اپنے رفقاء میں سے کسی کو کھلائے یا آئندہ کیلئے ذرائع کو بند کرنے کے لئے تھا کہ کہیں لوگ اسے کھانے کی طمع میں اسے عمداً ہلاکت سے پہلے ہی ذبح نہ کر دیں۔ (درس ترمذی ج۳ ص۱۶۸)

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۲ھ

**الشق الاول** ...... عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ قال: مثل الذی یعطی العطیة ثم یرجع فیها کالکلب أکل حتی اذا شبع قاء ثم عاد فرجع فی قیئه. (ص۳۳-ج۲-قدیمی)

انکر اختلاف العلماء فی الرجوع عن الهبة. انکر أدلتهم علی ذلك. ماهی موانع الرجوع فی الهبة عند الحنفیة

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) رجوع فی الہبہ میں علماء کا اختلاف (۲) علماء کے دلائل (۳) حنفیہ کے نزدیک موانع رجوع فی الہبہ کی وضاحت۔

**جواب** ...... ① رجوع فی الہبہ میں علماء کا اختلاف:۔ اگر کوئی شخص کسی کو کوئی چیز ہبہ کرے اور قبضہ بھی دے دے تو وہ چیز واہب کی ملک سے نکل کر موہوب لہ کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہے اب واہب اس موہوبہ چیز کو واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟ امام شافعی، امام احمد اور امام مالک رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ واہب کے لئے اپنے ہبہ میں رجوع کرنا جائز نہیں نہ قضاءً اور نہ دیانۃً، ہاں اگر والد نے اپنے بیٹے کو کوئی چیز ہبہ کی ہے تو وہ اس سے رجوع کر سکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام اسحاق، امام نخعی اور امام ثوری رحمہم اللہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے غیر ذی رحم محرم کو ہبہ کیا تو اس کے لئے اپنے ہبہ میں رجوع کرنا جائز ہے جب تک اس نے موہوب لہ سے کوئی عوض نہ لیا ہو اور اگر ذی رحم محرم کو ہبہ کیا تو اس کے لئے رجوع جائز نہیں ہے عام ازینکہ وہ والد ہو یا غیر ہو۔

② علماء کے دلائل:۔ امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کا استدلال حدیث باب سے ہے اور حضرت ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہما والی مرفوع حدیث سے ہے **لایحل لرجل ان یعطی عطیة أو یهب هبة فیرجع فیها الا الوالد فیما یعطی ولده ومثل الذی یعطی العطیة ثم یرجع فیه کمثل الکلب یاکل فاذا شبع قاء ثم عاد فی قیئه۔**

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ وغیرہ کا استدلال حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث سے ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا **الرجل احق بهبة مالم یثب منها۔** ان کا استدلال حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث سے ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا **من وهب هبة فهو احق بها مالم یثب منها۔**

حنفیہ امام شافعی رحمہ اللہ کے استدلال کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ہبہ میں رجوع کرنا یہ انسانی مروت کے خلاف ہے حرام نہیں اور صاحب ہدایہ یہ فرماتے ہیں کہ حنفیہ کے نزدیک رجوع کے جواز سے مراد قضاءً یا باہمی رضامندی سے ہے اور کراہیۃ تحریمہ آپ ﷺ کے قول **العائد فی هبة کالعائد فی قیئه** کی وجہ سے ہے۔ (تقریر ترمذی ج۱ ص۲۲۵، تحفۃ الاحوذی ج۳ ص۲۲۴)

③ حنفیہ کے نزدیک موانع رجوع فی الہبہ کی وضاحت:۔ حنفیہ کے نزدیک چند اشیاء ایسی ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی ایک چیز پائی گئی تو پھر بھی ہبہ میں رجوع جائز نہیں ہے۔ ① زیادت متصل: یعنی موہوب لہ نے ہبہ میں ایسی زیادتی کر دی جو اس سے علیحدہ نہیں ہو سکتی مثلاً کپڑا تھا اس نے اس پر کڑھائی کروالی ② موت: یعنی واہب و موہوب لہ میں سے کسی ایک کی موت واقع ہو گئی ③ عوض: یعنی موہوب لہ نے ہبہ کے عوض میں کوئی چیز دے دی ④ خروج عن الملک: یعنی وہ چیز موہوب لہ کی ملک سے بھی نکل گئی مثلاً اس نے آگے کسی اور کو ہبہ کر دی یا فروخت کر دی ⑤ زوجیت: یعنی واہب اور موہوب لہ کی آپس میں شادی ہو گئی تو پھر بھی رجوع جائز نہیں ہے ⑥ قرابت: یعنی واہب اور موہوب لہ میں کوئی اور رشتہ داری و قرابت کا تعلق قائم ہو گیا ⑦ ہلاکت: یعنی

سو اب یہ چیز ہلاک ہو گئی تو پھر بھی اس میں رجوع جائز نہیں ہے۔

دمع خزقہ کے سات حروف سے ان کی طرف بالترتیب اشارہ ہے۔ (تحفۃ الالمعی ج ۳ ص ۲۲۲)

**الشق الاول** ...... عن جابر بن عبدالله أن رسول الله ﷺ قال: ما أسكر كثيره فقليله حرام. اذكر الأشربة المحرمة. قالوا: ان هذا الحديث يخالف ما ذهب اليه الحنفية، هل أصابوا في هذا القول؟ ماهو موقف الحنفية في المسألة وماهي أدلة الفريقين. (ص ۸-ج ۲-تبارک)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں دو امور توجہ طلب ہیں (۱) اشربہ محرمہ کی وضاحت (۲) فریقین کا موقف اور دلائل۔

**جواب** ...... ❶ اشربہ محرمہ کی وضاحت:۔ ① خمر انگور کے کچے پانی کو کہتے ہیں جب وہ جوش کھا کر ابلنے لگے گاڑھا ہو جائے اور جھاگ پھینکنے لگے ② طلاء یہ ہے کہ انگور کے رس کو اتنا پکایا جائے کہ دو تہائی سے کم جل جائے اور مسکر ہو جائے ③ نقیع تمر یعنی تر کھجور کا کچا رس جو جوش کھا کر گاڑھا اور مسکر ہو جائے ④ نقیع زبیب یہ ہے کہ خشک انگور پانی میں بھگو لیا جائے اور وہ جوش کھا کر گاڑھا ہو جائے ⑤ مذکورہ چار اقسام کے علاوہ اشربہ مسکرہ مثلاً نبیذ التمر یا نبیذ زبیب جن کو تھوڑا سا پکایا جائے۔

❷ فریقین کا موقف اور دلائل:۔ ائمہ ثلاثہ و امام محمد رحمہ اللہ کے ہاں تمام نشہ آور مشروبات خمر یعنی شراب کے حکم میں ہیں ان کا قلیل وکثیر مطلقاً حرام ہے ان کے شارب پر حد جاری ہوگی۔ خمر کی طرح ہر مسکر مشروب حرام و نجس ہے اس کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے۔

شیخین کے نزدیک پہلی قسم حقیقۃً خمر ہے اس کا قلیل وکثیر حرام ہے اور اس کے پینے والے کو حد لگائی جائے گی اگرچہ ایک قطرہ ہی پیئے اور یہ نجس العین ہے اور اس کا بیچنا اور اس کا خریدنا دونوں ناجائز ہیں اور اس کے بعد والی تین قسمیں وہ بھی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے صحیح مذہب کے مطابق خمر ہیں اسی وجہ سے وہ حرام اور نجس ہیں اور اس کا پینا تھوڑا ہو یا زیادہ وہ حرام ہے لیکن قسم اول کے قطعی ہونے کی طرح ان کا خمر ہونا قطعی نہیں ہے بلکہ ان کے خمر ہونے میں شبہ ہے اس شبہ کی وجہ سے انکے پینے والے سے حد ساقط ہو جاتی ہے اور حد اس وقت لگائی جاتی ہے جب یہ نشہ لائے اور ان کی خرید و فروخت بھی جائز ہے اور آخری قسم میں سے شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک اتنا پینا جائز ہے جو نشہ نہ لائے بشرطیکہ وہ عیش کیلئے نہ ہو بلکہ تقوی علی العبادۃ کیلئے ہو اور جتنی مقدار نشہ لائے وہ حرام ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ امام صاحب اور جمہور رحمہم اللہ کے درمیان دو چیزوں میں اختلاف ہے، ایک اشربہ ثلاثہ میں کہ ان کے نزدیک یہ خمر تو ہیں لیکن ان کا خمر ہونا ظنی ہے لہٰذا ان کے شارب پر حد جاری نہیں کی جائے گی جبکہ جمہور رحمہم اللہ کے نزدیک ان کا خمر ہونا ظنی نہیں لہٰذا شارب پر حد جاری کی جائے گی۔ دوسرا اختلاف اشربہ اربعہ کے علاوہ باقی اشربہ مسکرہ کی غیر نشہ آور قلیل مقدار میں ہے۔ مثلاً نبیذ وغیرہ امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک انکی قلیل مقدار کا استعمال جائز ہے، جمہور کے نزدیک جائز نہیں۔

امام اعظم رحمہ اللہ کے دلائل: ① امام اعظم رحمہ اللہ کا استدلال لغت سے ہے وہ فرماتے ہیں کہ اہل لغت خمر کا اطلاق انگور کے شیرے پر کرتے ہیں باقی پھلوں کے شیرے پر خمر کا اطلاق لغت میں نہیں ② عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں ایک روایت نقل کی ہے قال النبی ﷺ الخمر من العنب، والسكر من التمر، والمزر من الذرة، والغبيراء من الحنطة، والبتع من العسل، كل مسكر حرام۔ اس میں تصریح ہے کہ خمر انگور کی ہوتی ہے۔ یہ روایت اگرچہ حضرت سعید بن المسیب نے مرسلاً نقل کی ہے لیکن ان کی مراسیل بالاجماع مقبول ہیں۔ ③ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا اثر ہے اما الخمر فحرام لا سبيل اليها، وأما ما سواها من الأشربة فكل مسكر حرام اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اثر ہے حرمت الخمر لعينها، والسكر من كل شراب، اسی طرح حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے اس نبیذ سے تھوڑا سا چکھا جو نشہ آور تھی اگر قلیل حرام ہوتا تو وہ بھی نہ

سمجھتے۔ ④ حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن جا رہے تھے۔ حضور ﷺ سے پوچھا کہ وہاں گندم اور جو کی شراب بنائی جاتی ہے، اسکا کیا حکم ہے؟ فرمایا اشربا ولا تسکرا، امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کان ذلك دليلا أن حكم المقدار الذي يسكر من ذلك الشراب خلاف حكم مالايسكر منه، کہ یہ دلیل ہے اس بات پر کہ مسکر و غیر مسکر شراب کا حکم الگ الگ ہے۔ ⑤ عبداللہ بن شخیر کی روایت ہے نهى رسول الله ﷺ عن أشربة، قال: فقيل له: انه لا بدمنها أو نحو هذا، قال: فاشربوا مالم يسفه أحلامكم، ولايذهب اموالكم۔ علامہ ہیثمی نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

ان روایات سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ خمر صرف انگور کی ہوتی ہے اور دوسری یہ کہ اشربہ اربعہ کے علاوہ باقی مشروبات میں غیر مسکر مقدار کا استعمال جائز ہے۔

جمہور کے دلائل: ① ابوداؤد کی روایت میں ہے ان من العنب خمرا، وان من التمر خمرا، وان من العسل خمرا، وان من البر خمرا، وان من الشعير خمرا ② حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ماأسكر كثيره فقليله حرام ③ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے نهى عن قليل ماأسكر كثيره ④ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے كل مسكر حرام، وماأسكر منه الفرق فملأ الكف منه حرام ⑤ اسی طرح روایت ہے كل مسكر خمر، وكل مسكر حرام۔

ان احادیث سے جمہور استدلال کر کے فرماتے ہیں کہ خمر صرف انگور کے شیرے کا نام نہیں بلکہ طلاء، نقيع الزبيب وغیرہ بھی خمر ہیں۔ اسی طرح انبذہ مسکرہ کا قلیل استعمال بھی ناجائز ہے۔

دلائلِ جمہور کا جواب: امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عصیرِ عنب کے علاوہ باقی اشربہ پر خمر کا اطلاق مجازاً ہے۔ لغۃً اور حقیقتاً نہیں کیونکہ لغت میں خمر صرف ماءِ عنب کو کہا جاتا ہے اور ماأسكر كثيره فقليله حرام کو خمر پر محمول کیا جاتا ہے کہ خمر کی قلیل مقدار بھی حرام ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس تاویل پر دل مطمئن نہیں ہوتا کیونکہ "ما" عام ہے جو خمر اور غیر خمر دونوں کو شامل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کے جو آثار ہیں وہ موقوف ہیں اور ماأسكر كثيره فقليله حرام حدیث مرفوع ہے۔ چنانچہ علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ومراد الحديث أن كل شراب من شانه السكر فهو حرام...... وقد تبين لي بعد مرور الدهر أن مراد الحديث كما ذهب اليه الجمهور واذن لا أصرف الأحاديث عن ظاهرها۔

البتہ اس سے زیادہ سے زیادہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ باقی اشربہ مسکرہ پینے میں خمر کے حکم میں ہیں، لہٰذا شراب کی طرح ان کا قلیل و کثیر استعمال درست نہیں۔ تاہم ان کا تمام امور میں خمر کے حکم میں ہونا ان روایات سے ثابت نہیں ہو سکتا۔

اسی وجہ سے کئی حنفی علماء نے حرمت کے حق میں جمہور کے مذہب کے مطابق فتویٰ دیا ہے کہ ان کا استعمال مطلقاً حرام ہے اور بیع اور حد کے حق میں امام صاحب رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔ ان اشربہ ثلاثہ کی نجاست کے بارے میں نجاست غلیظہ اور نجاست خفیفہ کے دونوں قول ہیں۔ متاخرین حنفیہ نے نجاست غلیظہ والے قول کو ترجیح دی ہے۔ ان اشربہ اربعہ کے علاوہ باقی اشربہ (نبیذ وغیرہ) امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک نجس نہیں ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اگرچہ نبیذ کی مقدار غیر مسکر کے استعمال کو جائز سمجھتے تھے لیکن مختلف فیہ ہونے کی وجہ سے خود انہوں نے اس کا استعمال کبھی نہیں کیا۔ (کشف الباری، اشربہ ص ۳۶۵)

## ﴿الورقة الثالثة: الجامع للامام الترمذي﴾

### ﴿السوال الاول﴾ ١٤٣٤ھ

**الشق الاول**...... عن أنس بن مالك قال: خر رسول الله ﷺ عن فرس فجحش فصلى بنا قاعدا

فصلينا معه قعودا ثم انصرف فقال: انما الامام أو انما جعل الامام ليؤتم به فاذا كبر فكبروا واذا ركع فاركعوا واذا رفع فارفعوا واذا قال: سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا ولك الحمد واذا سجد فاسجدوا واذا صلى قاعدا فصلوا قعودا أجمعون . (ص ۸۲، ج ۱، ترمذی) متى وقعت هذه الواقعة ؟ ترجم الحديث الشريف.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں دو امور توجہ طلب ہیں ۔ (۱) واقعہ پیش آنے کی تاریخ (۲) حدیث کا ترجمہ۔

**جواب** ...... ❶ واقعہ پیش آنے کی تاریخ:۔ حافظ ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ ذی الحجہ ۵ھ میں پیش آیا تھا۔ (درس ترمذی)

❷ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ گھوڑے سے گر پڑے اور آپ ﷺ کو چوٹ آ گئی تو آپ ﷺ نے ہمیں بیٹھ کر نماز پڑھائی اور ہم نے آپ ﷺ کے ساتھ بیٹھ کر نماز پڑھی، پھر آپ ﷺ (ہماری طرف) گھومے اور فرمایا کہ بے شک امام اس لئے بنایا گیا ہے تاکہ اس کی پیروی کی جائے، جب وہ تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو، جب وہ رکوع کرے تم بھی رکوع کرو اور جب وہ رکوع سے اٹھے تو تم بھی اٹھو، اور جب وہ سمع الله لمن حمده کہے تو تم ربنا لك الحمد کہو اور جب وہ سجدہ میں جائے تو تم بھی سجدہ میں جاؤ اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔

**الشق الثانی** ...... عن صدقة بن عبدالله عن موسى بن يسار عن نافع عن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ في العسل في كل عشرة أزق زق. قال أبو عيسى: حديث ابن عمر في اسناده مقال ولا يصح عن النبي ﷺ في هذا الباب كبير شيء . (ص ۱۳۷، ج ۱، ترمذی) ترجم الحديث و انكر حكم العسل عند العلماء هل فيه عشر أم لا ؟ انكر أدلتهم مع ترجيح ماذهب اليه أبو حنيفة بذكر دلائله.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) شہد میں عشر کے وجوب میں اختلاف (۳) ائمہ کے دلائل (۴) حنفیہ کی وجہ ترجیح۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شہد کے ہر دس مشکیزوں پر ایک مشکیزہ (عشر) لازم ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کی سند پر اعتراض ہے اور اس باب کے متعلق آپ ﷺ سے کوئی خاص چیز ثابت نہیں ہے۔

❷ و ❸ شہد میں عشر کے وجوب میں اختلاف مع الدلائل:۔ امام ابوحنیفہ، صاحبین، امام احمد اور امام اسحاق رحمہم اللہ کے نزدیک شہد میں عشر لازم ہے، البتہ امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک شرط یہ ہے کہ وہ شہد عشری زمین سے لیا گیا ہو۔

شافعیہ و مالکیہ رحمہم اللہ کے نزدیک شہد میں عشر لازم نہیں ہے۔

حدیث الباب حنفیہ و جمہور رحمہم اللہ کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے دس مشک شہد میں ایک مشک عشر لازم کیا ہے۔

شافعیہ و مالکیہ رحمہم اللہ نے حدیث الباب کو صدقہ بن عبداللہ کی وجہ سے ضعیف و ناقابل استدلال قرار دیا ہے۔

حنفیہ رحمہم اللہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ اولاً صدقہ بن عبداللہ مختلف فیہ راوی ہے، بہت سے حضرات نے اس کی توثیق بھی کی ہے ثانیاً اس حدیث کے متعدد شواہد بھی موجود ہیں، جس کی وجہ سے یہ روایت حسن کے درجہ میں آ جاتی ہے۔

① عن ابی سيارة قال قلت يارسول الله ! ان لی نحلا قال اد العشر . (ابن ماجہ)

② عن عمرو بن العاص عن النبی ﷺ انه اخذ من العسل العشر . (ابن ماجہ)

③ عن ابی هريرة ...... كتب رسول الله ﷺ الى اهل اليمن ان يؤخذ من اهل العسل العشور (مصنف عبدالرزاق)

ان تمام روایات کی اسناد اگرچہ کلام سے خالی نہیں ہیں مگر ان کی کثرت اس پر دال ہے کہ شہد پر عشر لینا یا ثابت ہے۔

نیز سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ و عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ شہد پر عشر وصول کیا کرتے تھے۔ (درس ترمذی ج۲ ص۴۴۳)

شافعیہ و مالکیہ رحمہم اللہ کی دلیل یہ ہے کہ شہد جانور (مکھیوں) سے حاصل ہوتا ہے، لہٰذا یہ ریشم کی مثل ہے کیونکہ ریشم بھی جانور (کیڑوں) سے پیدا ہوتا ہے اور ریشم میں بالاتفاق عشر واجب نہیں ہے لہٰذا شہد میں بھی عشر لازم نہیں ہے۔

جمہور رحمہم اللہ کی طرف سے اس عقلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ پھل و پھولوں میں عشر لازم ہے اور جو چیز ان سے پیدا ہوگی اس پر بھی عشر لازم ہوگا، اور ریشم میں اس لیے عشر لازم نہیں ہے کہ ریشم کے کیڑے شہتوت کی پتیاں کھاتے ہیں اور پتوں پر عشر واجب نہیں ہے، پس اس سے پیدا شدہ ریشم پر بھی عشر لازم نہیں ہوگا لہٰذا ریشم پر شہد کو قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

❸ حنفیہ کی وجہ ترجیح:۔ جوابات کے ضمن میں حنفیہ کی وجہ ترجیح گزر چکی ہے۔ شافعیہ و مالکیہ کے پاس صرف ایک عقلی دلیل ہے کوئی نقلی دلیل نہیں ہے اور اس عقلی دلیل کا جواب بھی گزر چکا ہے جبکہ جمہور و حنفیہ کا مذہب احادیث مرفوعہ اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے مبرہن و مزین ہے۔

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۴ھ

**الشق الاول** ...... عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ وَقَفَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِعَرَفَةَ فَقَالَ: هٰذِهِ عَرَفَةُ وَهُوَ الْمَوْقِفُ وَعَرَفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ ثُمَّ أَفَاضَ حِيْنَ غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَأَرْدَفَ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ وَجَعَلَ يُشِيْرُ بِيَدِهٖ عَلٰى هَيْأَتِهٖ وَالنَّاسُ يَضْرِبُوْنَ يَمِيْنًا وَشِمَالًا يَلْتَفِتُ إِلَيْهِمْ وَيَقُوْلُ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلَيْكُمُ السَّكِيْنَةَ ثُمَّ أَتٰى جَمْعًا فَصَلّٰى بِهِمُ الصَّلٰوتَيْنِ جَمِيْعًا فَلَمَّا أَصْبَحَ أَتٰى قُزَحَ وَوَقَفَ عَلَيْهِ وَقَالَ هٰذَا قُزَحُ وَهُوَ الْمَوْقِفُ وَجَمْعٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ...... ثُمَّ أَتَى الْجَمْرَةَ فَرَمَاهَا ثُمَّ أَتَى الْمَنْحَرَ فَقَالَ: هٰذَا الْمَنْحَرُ وَمِنًى كُلُّهَا مَنْحَرٌ...... ثُمَّ أَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ إِنِّيْ أَفَضْتُ قَبْلَ أَنْ أَحْلِقَ قَالَ: إِحْلِقْ وَلَا حَرَجَ أَوْ قَصِّرْ وَلَا حَرَجَ قَالَ: وَجَاءَ آخَرُ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ ذَبَحْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ قَالَ: إِرْمِ وَلَا حَرَجَ...... قَالَ أَبُوْ عِيْسٰى: وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ رَأَوْا أَنْ يَجْمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ بِعَرَفَةَ فِيْ وَقْتِ الظُّهْرِ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِذَا صَلَّى الرَّجُلُ فِيْ رَحْلِهٖ وَلَمْ يَشْهَدِ الصَّلٰوةَ مَعَ الْإِمَامِ إِنْ شَاءَ جَمَعَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ مِثْلَ مَاصَنَعَ الْإِمَامُ.

شكل الحديث وترجمه. ما هو ترتيب المناسك الأربعة يوم النحر؟ وما هو حكم التقديم والتأخير فيما بينها؟ واذكر أدلة العلماء على ذلك. ما هي شروط الجمع بين الصلاتين بعرفة عند الحنفية. (ص ۷۰۔ ج۱۔ قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں پانچ امور مطلوب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) یوم نحر کے مناسک اربعہ کی ترتیب (۴) مناسک کی ترتیب میں تقدیم و تاخیر کا حکم مع الدلائل (۵) عرفات میں جمع بین الصلاتین کی شرائط۔

**جواب** ...... ❶ حدیث پر اعراب:۔ كما مرّ فی السوال آنفا۔

❷ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عرفات میں ٹھہرے اور فرمایا یہ عرفات ٹھہرنے کی جگہ ہے پھر غروب آفتاب کے وقت آپ ﷺ واپس ہوئے اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو ساتھ بٹھا لیا اور اپنی عادت کے مطابق سکون و اطمینان کے ساتھ ہاتھ سے اشارے کرنے لگے لوگ دائیں بائیں اپنے اونٹوں کو چلانے کیلئے مار رہے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اے لوگو اطمینان سے چلو پھر آپ ﷺ مزدلفہ پہنچے اور مغرب و عشاء دو نمازیں اکٹھی پڑھیں صبح کے وقت قزح کے مقام پر آئے اور وہاں ٹھہرے، آپ ﷺ نے فرمایا یہ قزح ہے اور یہ ٹھہرنے کی جگہ ہے بلکہ مزدلفہ سارے کا سارا ٹھہرنے

کی جگہ ہے سامنے بلند قربانی کی جگہ پہنچے اور فرمایا یہ قربانی کی جگہ ہے اور منیٰ پورے کا پورا قربان گاہ ہے، پھر ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں نے سر منڈانے سے پہلے کعبۃ اللہ کا طواف کرلیا ہے فرمایا کوئی حرج نہیں سر منڈوالے یا فرمایا بال کٹوالے۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر ایک شخص آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے قربانی کرلی فرمایا کوئی حرج نہیں اب کنکریاں مارلو۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسی پر علماء کا عمل ہے وہ کہتے ہیں کہ عرفات میں ظہر و عصر کو ظہر کے وقت میں جمع کیا جائے اور بعض اہل علم کہتے ہیں کہ جب آدمی اپنے خیمہ میں نماز پڑھے اور امام کے ساتھ جماعت میں حاضر نہ ہو تو اگر وہ چاہے تو امام کے جمع کرنے کی مثل وہ بھی ان دونوں نمازوں کو جمع کرے۔

❸ **یوم نحر کے مناسک اربعہ کی ترتیب:۔** یوم نحر یعنی دس ذی الحجہ کو حاجی کے ذمہ چار کام ہوتے ہیں ① رمی ② قربانی (قارن و متمتع کیلئے) ③ حلق یا قصر ④ طواف زیارت۔ رسول اللہ ﷺ سے یہ چاروں افعال اسی ترتیب سے ثابت ہیں۔ (درس ترمذی)

❹ **مناسک کی ترتیب میں تقدیم و تاخیر کا حکم مع الدلائل:۔** مذکورہ چار کاموں میں سے شروع کے تین میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ترتیب واجب ہے اور اس ترتیب کے عامداً یا ساہیاً یا جاہلاً ترک کرنے پر دم واجب ہے البتہ طواف زیارت کو بقیہ مناسک یا ان میں سے کسی پر مقدم کرنے پر کوئی دم نہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر اس نے حلق کو رمی پر مقدم کیا تو اس پر دم ہے لیکن اگر حلق کو نحر پر مقدم کیا یا نحر کو رمی پر مقدم کیا تو کچھ واجب نہیں اور اگر طواف زیارت کو رمی پر مقدم کیا تو درست نہ ہوگا لہٰذا اس کو چاہیے کہ پہلے رمی کرے پھر نحر کرے پھر طواف زیارت دوبارہ کرے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مناسک اربعہ میں ترتیب مسنون ہے اور ترتیب کے ساقط ہونے پر کوئی دم وغیرہ نہیں۔ یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول مشہور ہے اور ان کا ایک قول یہ بھی ہے کہ تقدیم حلق علی الرمی کی صورت میں دم واجب ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ ان مناسک میں اگر ترتیب جہل یا نسیان کی وجہ سے ٹوٹی ہے تو کوئی دم نہیں البتہ اگر ترتیب عامداً اور عمداً توڑی گئی ہے تو اس کے بارے میں ان کی دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ اس کا یہ فعل اگرچہ مکروہ ہے لیکن اس پر کوئی دم نہیں، دوسری روایت یہ ہے کہ اس پر دم ہے۔ بہرحال ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ ایک حد تک عدم وجوب ترتیب کے قائل ہیں۔ ان حضرات کا استدلال حدیث باب میں احلق ولا حرج اور ارم ولا حرج سے ہے۔ نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بھی ان حضرات کا استدلال ہے جو فرماتے ہیں ماسئل رسول اللہ ﷺ یومئذ عن قدم شیئا قبل شیء الا قال: "لاحرج لاحرج۔"

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا استدلال مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک فتوے سے ہے من قدم شیئا من حجه او اخره فلیهرق لذلك دما اگلی سند میں اگرچہ کسی قدر ضعف ہے لیکن طحاوی میں یہ اثر سند صحیح کے ساتھ مذکور ہے۔

واضح رہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی لاحرج والی روایت کے راوی ہیں لہٰذا ان کا مذکورہ فتویٰ اس بات کی دلیل ہے کہ روایات میں لاحرج سے مراد وجوب دم کی نفی نہیں ہے بلکہ محض گناہ کی نفی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حج کرنے کا یہ پہلا موقع تھا اور اس دن تک مناسک حج کا صحیح علم لوگوں کو نہیں ہوا تھا اس لئے فساد ترتیب کا گناہ اٹھالیا گیا تھا اس کی تائید طحاوی میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے جو فرماتے ہیں سئل رسول اللہ ﷺ وهو بين الجمرتين عن رجل حلق قبل ان يرمي قال: لاحرج وعن رجل ذبح قبل ان يرمي قال لاحرج، ثم قال عباد الله وضع الله عزوجل الحرج والضيق وتعلموا مناسككم فانها من دينكم ۔ اس سے واضح ہوا کہ آپ ﷺ نے حرج کی نفی اس بناء پر فرمائی تھی کہ مناسک حج عام نہیں تھے لیکن یہ وجوب دم کے منافی نہیں اسی بناء پر حضرت ابن

عباس رضی اللہ عنہ جو لاحرج کے واقعات کے عینی شاہد اور انکے راوی ہیں اپنے فتویٰ میں انکی تصریح فرماتے ہیں کہ اس صورت میں دم واجب ہوگا۔ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہی ہے کہ نفی اثم وجوب دم کے منافی نہیں جیسا کہ اگر حالت احرام میں کسی شخص کو تکلیف یا بیماری کی وجہ سے حلق کرنا پڑے تو وہ بھی قرآنی جائز ہے اور اس پر کوئی گناہ نہیں، اسکے باوجود اسکے بدلہ میں دم دینا بالاتفاق واجب ہے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر زیر بحث مسئلہ میں بھی یہی صورت تھی کہ فساد ترتیب کا گناہ مناسک سے ناواقفیت کی بناء پر اٹھا لیا گیا تھا (اور لاحرج جیسے جملوں سے بھی یہی مراد تھی) اگرچہ دم پھر بھی واجب تھا لیکن عدم گناہ کا حکم بھی اس وقت تھا اب جبکہ مناسک حج کی پوری تفصیل سامنے آچکی ہے اسلئے جاہل کیلئے کوئی عذر باقی نہیں رہا اسلئے جہالت کی وجہ سے فساد ترتیب کی صورت میں دم تو ہوگا ہی، گناہ بھی ہوگا۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک پر ولا تحلقوا رءوسکم حتی یبلغ الهدی محله سے بھی استدلال کیا ہے کہ اس آیت میں محصر کو تقدیم نحر علی الحلق کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ تقدیم حلق علی النحر باجماع جائز نہیں ہے اور موجب دم ہے جب محصر کا یہ حکم ہے تو قارن وغیرہ کا بھی یہی حکم ہونا چاہیے کہ حلق قبل النحر درست نہ ہو اور ترتیب توڑنے پر دم ہو۔ (درس ترمذی ج ۳ ص ۱۳۹)

**نوٹ** حنفیہ کی عام کتب فقہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہی اوپر والا مذہب بیان کیا گیا ہے کہ فساد ترتیب کی صورت میں بہر صورت دم لازم ہے خواہ عامداً ہو، ناسیاً ہو یا جاہلاً ہو لیکن کتاب الحجة علی اهل المدینة میں امام محمد رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک بھی یہ ہے کہ فساد ترتیب جاہلاً میں کوئی دم لازم نہیں ہے۔ (ایضاً)

⑧ **عرفات میں جمع بین الصلوتین کی شرائط:۔** امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری اور ابراہیم نخعی رحمہم اللہ کے نزدیک عرفات میں جمع تقدیمی کیلئے چھ شرائط ہیں ① حج کا احرام ہو ② عصر پر ظہر کی تقدیم ③ وقت و زمان یعنی عرفہ کا دن اور زوال کے بعد کا وقت ④ مکان یعنی وادی عرفات اور اس کے ارد گرد کا علاقہ ⑤ باجماعت نماز ادا کرنا منفرداً جمع درست نہیں ہے ⑥ امام اعظم یا اس کے نائب کا ہونا، ان دونوں کی غیر موجودگی میں جمع درست نہیں ہے۔

صاحبین اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک شروع کی چار شرائط کافی ہیں، آخری دو شرائط ضروری نہیں ہے۔

انکی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر ہے جو بخاری میں تعلیقاً مروی ہے وکان ابن عمر اذا فاتته الصلوة مع الامام جمع بینهما

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ نصوص قطعیہ سے محافظت علی الوقت کی فرضیت ثابت ہے اس لئے اس کو ما ورد به الشرع کے علاوہ کسی اور صورت میں ترک کرنا جائز نہیں ہے، لہٰذا جمع کے لئے جماعت اور امام یا نائب کا ہونا ضروری ہوگا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دوسری دلیل حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا اثر بھی ہے عن ابراهيم قال اذا صليت يوم عرفة فی رحلك فصل كل واحد من الصلوتين لوقتها و لا ترتحل من منزلك حتى تفرغ من الصلوة (کتاب الآثار لابی یوسف)

**فائدہ** مزدلفہ میں جمع تاخیری کیلئے حنفیہ کے نزدیک پانچ شرائط ہیں ① حج کا احرام ہو ② اس سے قبل وقوف عرفہ کیا ہو ③ زمان مخصوص (لیلۃ النحر) ④ وقت مخصوص (وقت عشاء ہو) ⑤ مکان مخصوص (مزدلفہ) مزدلفہ میں جمع کیلئے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بھی امام یا نائب اور جماعت کی شرط نہیں ہے۔ (درس ترمذی ج ۳ ص ۱۵۳)

**الشق الثانی** ......عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللهِ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ نَهٰى أَنْ يُنْتَبَذَ الْبُسْرُ وَالرُّطَبُ جَمِيْعًا. عَنْ أَبِىْ سَعِيْدٍ أَنَّ النَّبِىَّ ﷺ نَهٰى عَنِ الْبُسْرِ وَالتَّمْرِ أَنْ يُخْلَطَ بَيْنَهُمَا وَنَهٰى عَنِ الزَّبِيْبِ وَالتَّمْرِ أَنْ يُخْلَطَ بَيْنَهُمَا وَنَهٰى عَنِ الْجِرَارِ أَنْ يُنْتَبَذَ فِيْهَا. (ص ۱۰ ج ۲ قدیمی) شكل الحديثين ثم ترجمهما وما هى الحكمة فى النهى عن الخليطين، حرّر اقوال العلماء الامة فى حكم الخليطين والله.

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں (۱) احادیث پر اعراب (۲) احادیث کا ترجمہ (۳) خلیطین سے نہی کی حکمت (۴) خلیطین کے حکم میں ائمہ کے اقوال مع الدلائل۔

**جواب** ...... ❶ **احادیث پر اعراب:۔** كما مرّ فى السؤال آنفا۔

❷ **احادیث کا ترجمہ:۔** حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گدر (ادھ پکی) کھجور اور تازہ پکی ہوئی کھجور کو ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے گدر کھجور اور چھوہاروں کو جمع کرنے سے منع فرمایا اور منقی و چھوہاروں کو بھی جمع کرنے سے منع فرمایا اور مٹی کے گھڑوں میں نبیذ بنانے سے بھی منع فرمایا۔

❸ **خلیطین سے نہی کی حکمت:۔** ① خلیطین سے ممانعت کی حکمت لعینہ نہیں بلکہ لغیرہ ہے اس لئے کہ اس نبیذ میں اندیشہ ہے کہ غیر محسوس طور پر فساد پیدا ہو جائے کیونکہ ایسی دو چیزیں جن میں ایک جلدی گلنے والی اور ایک دیر سے گلنے والی ہو یا ایک کھٹی اور دوسری میٹھی ہو تو ایسی صورت میں جلدی گلنے والی چیز کے اجزاء شراب میں داخل ہو جائیں گے اور پتہ بھی نہیں چلے گا، لہٰذا احتیاطاً اس سے منع کیا ہے (تحفۃ الالمعی ج۵ ص۲۴۰) ② جب دو چیزوں کو ملا کر نبیذ بنائی جائے تو اس میں جلد نشہ پیدا ہو جاتا ہے ③ اس میں اسراف یعنی فضول خرچی ہے۔ (کشف الباری)

❹ **خلیطین کے حکم میں ائمہ کے اقوال مع الدلائل:۔** خلیطین کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ ① ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک خلیطین ناجائز اور حرام ہے۔ ② جمہور علماء کے نزدیک خلیطین کے متعلق جو نہی وارد ہے وہ نہی تنزیہی ہے لہٰذا خلیطین جب تک مسکر نہ ہو وہ حرام نہیں، امام نووی رحمہ اللہ نے اسے امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب قرار دیا ہے ③ احناف کے نزدیک خلیطین میں کوئی حرج نہیں، بلا کراہت جائز ہے بشرطیکہ مسکر نہ ہو۔ جمہور کا استدلال احادیث باب سے ہے جن میں خلیطین سے منع فرمایا گیا ہے۔

امام صاحب رحمہ اللہ مندرجہ ذیل احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔ ① سنن ابی داؤد میں صفیہ بنت عطیہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے وہ فرماتی ہیں۔ دخلت مع نسوة من عبدالقيس على عائشة فسألناها عن التمر والزبيب، فقالت: كنت آخذ قبضة من تمر وقبضة من زبيب فألقيه فى اناء فأمرسه، ثم أسقيه النبى ﷺ۔

اس روایت میں تصریح ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کھجور اور منقی ملا کر نبیذ بناتی تھیں اور حضور اکرم ﷺ کو پلاتی تھیں۔

② سنن ابی داؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے ان رسول الله ﷺ كان ينبذله زبيب فيلقى فيه تمر وتمر فيلقى فيه الزبيب ③ امام محمد رحمہ اللہ نے کتاب الآثار میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی خلیطین کا استعمال نقل کیا ہے۔

احادیث باب کو حضرات حنفیہ نے مذکورہ احادیث سے منسوخ قرار دیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ابتداء میں اس کی ممانعت تھی لیکن بعد میں اجازت دیدی گئی تھی۔ (کشف الباری کتاب الاشربہ ص۳۰۲)

## ﴿السؤال الثالث﴾ ۱۴۲۴ھ

**الشق الاول** ...... مناقب اهل بيت النبى ﷺ عن عمرو بن ابى سلمة ربيب النبى ﷺ قال نزلت هذه الاية على النبى ﷺ "انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت و يطهركم تطهيرا" فى بيت ام سلمة فدعا النبى ﷺ فاطمة وحسنا وحسينا فجللهم بكساء و على خلف ظهره فجللهم بكساء ثم قال اللهم هؤلاء اهل بيتى فاذهب عنهم الرجس وطهرهم تطهيرا قالت ام سلمة وانا معهم يارسول الله ﷺ قال انت على مكانك وانت على خير هذا حديث غريب. (ص۲۱۹۔ ج۲۔ ترمذی)

**ترجم الحديث بكامله واكتب معنى اهل البيت ، استدل الروافض بهذا الخبر الواحد على اخراج ازواجه ﷺ المطهرات من اهل بيته مع ان الخطاب فى كتاب الله معهن سياقا وسباقا فكيف الرد عليهم بالادلة ، عرّف الحديث الغريب عند جمهور الامة وعند الامام الترمذى بتفصيل .**

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) اہل البیت کا معنی (۳) روافض کے استدلال کارد (۴) حدیث غریب کی تعریف۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ اہل بیت نبی ﷺ کے مناقب: حضرت عمرو بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو کہ آپ ﷺ کے ربیب ہیں وہ فرماتے ہیں کہ آیت تطہیر **انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا** حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں نازل ہوئی تھی، پس رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ، حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور ان کو اپنی چادر میں لپیٹ لیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی پشت کے پیچھے کھڑے تھے آپ ﷺ نے ان کو بھی اپنی چادر میں لپیٹ لیا پھر فرمایا کہ اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں، ان سے بھی رجس کو دور کر دے اور ان کو بھی خوب پاک صاف کر دے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ میں بھی ان کے ساتھ ہوں اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو اپنی جگہ ہے یعنی تیرا اپنا مقام و مرتبہ ہے اور تو خیر پر ہی ہے۔

② اہل البیت کا معنی:۔ اہل البیت کا معنی گھر والے ہیں اور اس کی مراد کے متعلق بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے مراد صرف ازواج مطہرات ہی ہیں، حضرت عکرمہ و مقاتل نے یہی کہا ہے اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی بات نقل کی ہے اور انہوں نے استدلال میں آیت **واذکرن ما یتلی فی بیوتکن** بھی پیش فرمائی، اور سابقہ آیت میں **نساء النبی** کے الفاظ بھی اس پر قرینہ ہیں، حتیٰ کہ حضرت عکرمہ بازار میں منادی کرتے تھے کہ آیت میں اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہیں کیونکہ یہ آیت انہی کی شان میں نازل ہوئی تھی اور میں اس پر مباہلہ کرنے کے لئے بھی تیار ہوں۔

مگر حدیث کی متعدد روایات اس پر شاہد ہیں کہ اہل بیت میں حضرت علی، فاطمہ، حسن و حسین رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں۔ (معارف القرآن)

③ روافض کے استدلال کارد:۔ آپ ﷺ کی تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن مسلمانوں کی مائیں ہیں اور آپ ﷺ کے اہلبیت میں داخل ہیں بلکہ اگر یوں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ جس طرح ہمارے معاشرے میں اہل بیت کا فرد اول بیوی اور زوجہ کو سمجھا جاتا ہے اسی طرح آپ ﷺ کے اہلبیت کا مصداق اولاً ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہی ہیں، باقی حضرات کا اہل بیت میں داخل ہونا دوسرے درجہ میں ہے۔

(اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ تمام ازواج، اولاد، احفاد، داماد سب لوگ اہلبیت ہیں (انعامات المنعم))

سوال ہوتا ہے کہ ایک حدیث میں حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اہل بیت میں داخل ہیں جبکہ دوسری حدیث کے مطابق ازواج مطہرات اہل بیت میں داخل نہیں ہیں تو بظاہر ان دونوں احادیث میں تعارض ہے۔

جواب یہ ہے کہ ازواج مطہرات اہل بیت میں داخل ہی ہیں، البتہ دوسری حدیث میں تاویل کی جائے گی۔

تاویل یہ ہے کہ جہاں پر ازواج مطہرات کے اہل بیت میں داخل ہونے کی نفی کی گئی ہے وہاں پر اہل بیت سے وہ اہل بیت مراد ہیں جن پر صدقہ حرام ہے اور ازواج مطہرات کے اہل بیت میں داخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ آپ ﷺ کے نکاح میں ہیں اور آپ ﷺ کے گھر میں رہتی ہیں اور آپ ﷺ ان کی کفالت کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کے احترام و اکرام اور ان کی تعویت اور ان کے حقوق کی حفاظت کی نصیحت کیلئے خصوصی طور پر تاکید کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے بعد قرآن کریم کے ساتھ میرے اہل بیت کو بھی لازم پکڑنا اور ان کا بھی خیال رکھنا۔ (مزید تفصیل: تحفۃ الالمعی ج ۸ صفحہ ۱۳۳ — معارف الحدیث ج ۸ صفحہ ۲۹۳)

آیت (عنکم الرجس ویطھرکم) میں جمع مذکر کی ضمیر کُمْ کے استعمال کا جواب یہ ہے کہ اس میں ازواج واولاد سب شامل ہیں اس لئے مذکر کی ضمیر استعمال کی گئی ہے۔ نیز سیاق وسباق کے احکام صرف ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے متعلق تھے اولاد ان میں شامل نہ تھی اس لئے اس حکم میں خصوصیت کے ساتھ اولاد کو شامل کرنے کے لئے مذکر کی ضمیر استعمال کی گئی ہے۔ (کمالین)

**۲ حدیث غریب کی تعریف:۔** جمہور کے نزدیک حدیث غریب وہ حدیث ہے جس کی سند میں کہیں نہ کہیں ایک راوی ہو۔

امام ترمذی رحمہ اللہ کے زمانہ میں غریب بمعنی ضعیف استعمال ہوتا تھا اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ لفظ اسی معنی میں استعمال کیا ہے۔

اسکے علاوہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں غریب کا لفظ تین نئے معانی میں بھی استعمال کیا ہے۔ ① وہ حدیث جس کی صرف ایک سند ہو چاہے وہ حدیث نیچے مشہور ہوگئی ہو جیسے کتاب العلل میں حدیث حماد بن سلمہ رضی اللہ عنہ اور حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ذکر کی گئی ہے۔

② کوئی حدیث فی نفسہ مشہور ہو مگر اسکے کسی خاص طریق کے متن یا سند میں کسی راوی نے کوئی زیادتی کی ہو جیسے صدقۃ الفطر کی روایت میں امام مالک رحمہ اللہ نے من المسلمین کا اضافہ کیا ہے، اگر یہ زیادتی ثقہ کی طرف سے ہو تو مقبول ہے ورنہ مردود ہے۔

③ کوئی روایت فی نفسہ مشہور ہو، متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم اس کو روایت کرتے ہوں مگر وہ حدیث کسی خاص صحابی سے معروف نہ ہو اور اس کی ایک ہی سند ہو۔ (تحفۃ الاحوذی ج ص ۱۶۳)

**الشق الثانی** ...... عن البراء بن عازب قال: خطبنا رسول الله ﷺ يوم نحر فقال: لا يذبحن أحدكم حتى يصلي قال: فقام خالي يارسول الله هذا يوم اللحم فيه مكروه وانى عجلت نسكي لأطعم أهلي وأهل داري أو جيراني قال: فأعد ذبحاً آخر فقال: يارسول الله عندي عناق لبن وهي خير من شاتي لحم أفأذبحها قال: نعم وهي خير نسيكتك ولا تجزئ جذعة بعدك. (ص ۲۷۷ ج ۱ قدیمی)

ما معنى قوله: "هذا يوم اللحم فيه مكروه" اذكر أقوال الشارحين في تفسير هذه الجملة مع أنه قد ورد في رواية أخرى: "ان هذا يوم يشتهى فيه اللحم" فكيف التوفيق بينهما؟ اذكر معنى قوله: "عناق لبن" و "جذعة".

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں دو امور مطلوب ہیں (۱) هذا يوم اللحم فيه مكروه اور ان هذا يوم يشتهى فيه اللحم میں تطبیق (۲) عناق لبن، جذعة کا معنی۔

**جواب** ...... ① **هذا يوم اللحم فيه مكروه اور ان هذا يوم يشتهى فيه اللحم میں تطبیق:۔** بظاہر یہاں پر احادیث میں تعارض پیدا ہو رہا ہے کہ عمومی احادیث اور لوگوں کی عادت سے معلوم ہوتا ہے کہ یوم نحر میں ہر آدمی کو گوشت کھانے کا شوق ہوتا ہے جبکہ حدیث مذکورہ هذا يوم اللحم فيه مكروه، اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے، اس لئے اس جملہ کی وضاحت ضروری ہے۔ اس جملہ کی تشریح میں مختلف اقوال ہیں: ① بعض محدثین نے کہا کہ اس جملہ میں اَللَّحَمْ (حاء کے فتح کے ساتھ) ہے بمعنی گوشت کی خواہش کرنا، مطلب یہ ہے کہ اس دن میں گھر والوں کو بغیر قربانی کے رکھنا کہ ان کو گوشت کھانے کی خواہش ہو یہ مکروہ ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ لَحَمْ (فتح الحاء) والی روایت درست نہیں ہے۔

② یہاں پر مضاف محذوف ہے اور اصل عبارت طلب اللحم فيه مكروه ہے یعنی اس دن گوشت مانگنا اور طلب کرنا مکروہ ہے۔ لیکن پہلے قول کی تائید بعض روایات سے بھی ہوتی ہے کہ ان میں مقروم (گوشت کی خواہش کرنا) کا لفظ آیا ہے۔ (کشف الباری)

② **عناق لبن، جذعة کا معنی:۔** عناق لبن: بکری کا وہ بچہ جس کی عمر ایک سال سے کم ہو، لبن کی طرف اضافت سے اس کی صغر سنی کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ جذعة: بکری کا چھ ماہ کا بچہ۔ (کشف الباری)

عناق لبن: دودھ سے پلا ہوا بکری کا بچہ۔ جزعة: ایک سال سے کم عمر بکری کا بچہ۔ (تحفۃ الاحوذی ج)

## ﴿الورقة الثالثة: الجامع للامام الترمذی﴾

### ﴿السوال الاول﴾ ۱۴۳۵ھ

**الشق الاول** ......بَابُ مَاجَاءَ فِی الَّذِیْ یُهِلُّ بِالْحَجِّ فَیُکْسَرُ اَوْ یَعْرَجُ: حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ نَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ نَا حَجَّاجُ الصَّوَّافُ نَا یَحْیٰی بْنُ اَبِیْ کَثِیْرٍ عَنْ عِکْرِمَةَ قَالَ حَدَّثَنِی الْحَجَّاجُ بْنُ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ کُسِرَ اَوْ عَرِجَ فَقَدْ حَلَّ وَعَلَیْهِ حَجَّةٌ اُخْرٰی فَذَکَرْتُ ذٰلِكَ لِاَبِیْ هُرَیْرَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ فَقَالَا صَدَقَ.

شکل العبارة و ترجمها. اذکر اختلاف الائمة فی معنی الاحصار من جهة اللغة. (ص ۱۸۹-ج ا-قدیمی)

﴿خلاصہ سوال﴾ ......اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) احصار کے لغوی معنی میں اختلاف۔

**جواب** ...... ① عبارت پر اعراب:۔ کمامرّ فی السوال آنفا۔

② عبارت کا ترجمہ:۔ یہ باب اُس شخص کے بیان میں ہے جس نے حج کا احرام باندھا پھر اس کی ہڈی ٹوٹ گئی یا وہ لنگڑا ہو گیا، حضرت حجاج بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کی ہڈی ٹوٹ جائے یا وہ لنگڑا ہو جائے تو وہ حلال ہو جائے اور اس پر دوسرا حج لازم ہے، پس میں نے یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے ذکر کی تو انہوں نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا ہے۔

③ احصار کے لغوی معنی میں اختلاف:۔ لغت کے اعتبار سے احصار کے معنی میں اختلاف ہے، اس میں تین اقوال ہیں۔

① ابو عبیدہ، ابن سکیت، زجاج، ابن قتیبہ اور اکثر اہل لغت کا مذہب یہ ہے کہ یہ مرض کے ساتھ مختص ہے اسلئے کہ احصره المرض من السفرای منعه ہے، ثعلب کہتے ہیں کہ فصیح کلام میں احصر بالمرض وحصر بالعدو کہا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ احصار کا لفظ مرض کے ساتھ مختص ہے ② امام فراء کا مذہب یہ ہے کہ لفظ احصار دشمن و مرض دونوں صورتوں میں مستعمل ہے ③ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ لفظ احصار دشمن کے ساتھ خاص ہے، حضرت ابن عباس و ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے۔

اب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ احصار کا حکم مرض، دشمن اور دیگر تمام موانع کی وجہ سے ثابت ہو جائے گا جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ احصار صرف دشمن کی وجہ سے ثابت ہوگا۔ لغت کے پہلے دونوں قول امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل ہیں اس لئے کہ پہلے قول کے مطابق واضح طور پر مرض کو سبب احصار قرار دیا گیا ہے اور دوسرے قول میں مطلق حبس کو سبب احصار قرار دیا گیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ احصار کا حکم مطلق حبس سے ثابت ہو جائے گا خواہ سبب دشمن ہو، مرض ہو یا کوئی اور چیز ہو۔

جہاں تک قول ثالث (امام شافعی رحمہ اللہ کے قول) کا تعلق ہے وہ اہل لغت کے اتفاق کی وجہ سے باطل ہے، اگر اس قول کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو پھر ہم مرض وغیرہ کو دفع حرج کی وجہ سے دشمن پر قیاس کریں گے کہ دفع حرج کے لئے جیسے دشمن کی وجہ سے احصار متحقق ہے اسی طرح مرض کی وجہ سے بھی دفع حرج کے لئے احصار متحقق ہو جائے گا۔ (درس ترمذی ج ۳ ص ۲۱۰)

**الشق الثانی** ......عن أبی هریرة أن النبی ﷺ صلّی علی النجاشی فکبر أربعا. (ص ۱۹۸-ج ا-قدیمی)

ماهو حکم الصلاة علی المیت الغائب عند العلماء؟ اذکر اختلافهم بادلتهم. ماهو الاختلاف فی عدد التکبیرات علی الجنائز؟ اذکر وجوه ترجیح مذهب الجمهور.

﴿خلاصہ سوال﴾ ......اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) غائبانہ نماز جنازہ کا حکم مع الدلائل (۲) تکبیرات جنازہ کی

تعداد میں اختلاف (۳) مذہب جمہور کی وجہ ترجیح۔

**جواب** ...... ❶ **غائبانہ نماز جنازہ کا حکم مع الدلائل:۔** شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ جائز ہے۔

علامہ خطابی رحمہ اللہ نے غائبانہ نماز جنازہ کے جواز کی یہ شرط بیان کی ہے کہ جس جگہ میت کا انتقال ہوا وہاں کوئی اس پر جنازہ پڑھنے والا موجود نہ ہو، شافعیہ میں سے رویانی رحمہ اللہ نے بھی اس قول کو پسند کیا ہے۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ غائبانہ نماز جنازہ کے جواز کی شرط یہ ہے کہ مصلی کی نسبت سے میت جانب قبلہ میں ہو لہٰذا اگر میت کا علاقہ مصلی کی نسبت سے قبلہ کی جانب مخالف میں ہو تو غائبانہ نماز جائز نہ ہوگی۔ ان کا استدلال نجاشی رحمہ اللہ کے واقعہ سے ہے کہ آپ ﷺ نے اس پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھی تھی۔

حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ مشروع نہیں ہے۔

جہاں تک نجاشی رحمہ اللہ کے واقعہ کا تعلق ہے سو یہ ان کی خصوصیت ہے نیز چونکہ وہ مسلمان بادشاہ تھا اور مسلمانوں کی انہوں نے بطور خاص مدد کی تھی اور ان پر کسی نے نماز نہیں پڑھی تھی اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان پر مدینہ میں نماز پڑھی جبکہ نجاشی رحمہ اللہ کی وفات اپنے ملک میں ہوئی تھی، اس کے علاوہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اور نجاشی رحمہ اللہ کے درمیان جتنے حجابات تھے وہ سب دور کردیئے گئے تھے یہاں تک کہ نجاشی کا جنازہ آپ کو سامنے نظر آنے لگا تھا چنانچہ واحدی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "اسباب النزول" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بغیر سند کے نقل کیا ہے **کشف للنبی ﷺ عن سریر النجاشی حتی رآہ وصلی علیہ** اور ابن حبان رحمہ اللہ نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے جس میں وہ نبی کریم ﷺ کے بارے میں فرماتے ہیں **فقام وصفوا خلفه وهم لا يظنون الا ان جنازته بين يديه** اور ابو عوانہ کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں **فصلينا خلفه ونحن لا نرى الا ان الجنازة قدامنا۔**

البتہ اس پر مجمع بن جاریہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اشکال ہوسکتا ہے جو "صلوۃ علی النجاشی" کا واقعہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں **فصففنا خلفه صفين وما نرى شيئاً۔** اس اشکال کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے کہ نجاشی رحمہ اللہ کے جنازے سے یہ حجابات بعض حضرات کے حق میں تو اٹھائے گئے ہوں اور بعض کے حق میں نہ اٹھائے گئے ہوں۔

غائبانہ نماز جنازہ پر ایک استدلال حضرت معاویہ بن معاویہ مزنی رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے بھی کیا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تبوک میں ان کی نماز جنازہ پڑھی تھی حالانکہ ان کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی تھی۔ اس کا جواب بھی یہی ہے کہ اگر یہ روایت ثابت ہوجائے تو یہ بھی ان کی خصوصیت پر محمول ہے۔ نیز بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی معجزۂ رفع حجابات کے بعد حاضرانہ نماز تھی۔

بہر حال پورے ذخیرۂ حدیث میں **صلوۃ علی الغائب** کے یہ صرف دو واقعے ہیں ان کی توجیہ بھی ہوسکتی ہے اور دونوں کو خصوصیت پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے ورنہ اگر اس کی عام اجازت ہوتی تو آنحضرت ﷺ ان سینکڑوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر نماز جنازہ پڑھتے جن کی وفات آپ ﷺ کی حیات میں مدینہ طیبہ سے باہر ہوئی، اسی طرح آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی کوئی معمول **صلوۃ علی الغائب** کا نہیں ملتا، یہ بھی مسلک احناف کی ایک مضبوط دلیل ہے۔ (درس ترمذی ج ۳ ص ۲۹۹)

❷ **تکبیرات جنازہ کی تعداد میں اختلاف:۔** ائمہ اربعہ اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ نماز جنازہ چار تکبیرات پر مشتمل ہے ابو عبدالرحمن بن ابی لیلی رحمہ اللہ کا یہ مسلک ہے کہ نماز جنازہ میں پانچ تکبیرات ہیں۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی ایک روایت بھی یہی ہے۔

دراصل نبی کریم ﷺ سے نماز جنازہ میں چار سے لیکر نو تک تکبیریں ثابت ہیں لیکن جمہور نے چار کو ترجیح دی ہے۔

❸ **مذہب جمہور کی وجہ ترجیح:۔** ① نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کی

نماز جنازہ میں چار تکبیرات کہیں، اس اجتماع میں حضرات شیخین اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عباس، حضرت ابو ایوب انصاری، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ کرام بھی موجود تھے ② حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے "الاستذکار" میں "ابوبکر بن سلیمان بن ابی حثمہ عن ابیہ" کے طریق سے روایت نقل کی ہے قال کان النبی ﷺ یکبر علی الجنائز اربعًا وخمسًا وسبعًا وثمانیًا حتی جاء موت النجاشی فخرج الی المصلی وصف الناس وراءه وکبر علیه اربعًا ثم ثبت النبی ﷺ علی اربع حتی توفاه الله عزوجل ③ بیہقی میں حضرت ابو وائل رحمہ اللہ کی روایت آئی ہے کانوا یکبرون علی عهد رسول الله ﷺ سبعًا وخمسًا وستًا او قال اربعًا فجمع عمر بن الخطاب اصحاب رسول الله ﷺ فاخبر کل رجل بما رای فجمعهم عمر علی اربع تکبیرات کاطول الصلاۃ۔ یہ روایت سنداً حسن ہے۔ (درس ترمذی ج ۳ ص ۳۰۶)

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۲۵ھ

**الشق الاول** ...... عن یونس بن جبیر قال: سألت ابن عمر عن رجل طلق امرأته وهی حائض فقال: هل تعرف عبدالله بن عمر؟ فانه طلق امرأته وهی حائض، فسأل عمر النبی ﷺ فأمره أن یراجعها۔ قال: قلت: فیعتد بتلك التطلیقة؟ قال: فمه أرأیت ان عجز واستحمق۔ (ص ۲۲۳ ج ۱ ۔ قدیمی)

اشرح معنی قوله: "قال: فمه ارأیت ان عجز واستحمق"۔ اذکر حکم وقوع الطلاق فی حال الحیض عند الأئمة مع اختلافهم ودلائلهم۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) فمه ارأیت ان عجز و استحمق کا معنی (۲) حالت حیض میں طلاق کے وقوع میں اختلاف (۳) ائمہ کے دلائل۔

**جواب** ...... ❶ **فمه ارأیت ان عجز و استحمق کا معنی:۔** فمه: اس کے بارے میں دو احتمال ہیں ① "ما" استفہامیہ ہے اور "ہ" وقف کیلئے ہے ای فما یکون ان لم تحتسب یعنی وہ طلاق کیوں شمار نہیں ہوگی ② ھا اصلیہ ہے اور "ما" کلمۂ زجر کے لئے ہے ای کف عن هذا الکلام فانه لا بد من وقوع الطلاق بذلك یعنی اس کلام سے رک جا اس لئے کہ اس کلام سے لامحالہ طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

**ارأیت ان عجز و استحمق:** اس جملے کے بھی تین مطلب بیان کئے گئے ہیں۔ ① ایک یہ کہ اگر وہ (ابن عمر رضی اللہ عنہ صحیح طریقے سے طلاق دینے سے) عاجز ہو گیا اور اس نے (حیض کی حالت میں طلاق دے کر) حماقت کا ارتکاب کر لیا تو کیا طلاق واقع نہیں ہوگی؟ اور کیا اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا؟ ظاہر ہے کہ کیا جائے گا ② دوسرا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ بیوی کی طرف رجوع کرنے سے عاجز ہو جاتا اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل نہ کر کے حماقت کا ارتکاب کرتا تو کیا طلاق واقع نہ ہوتی؟ ظاہر ہے طلاق تو واقع ہو ہی جاتی۔

مذکورہ دونوں صورتوں میں ان عجز واستحمق شرط ہے اور جزاء محذوف ہے الا یقع الطلاق۔

③ علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ بھی احتمال ہے کہ ان کو نافیہ مانا جائے أی لم یعجز ابن عمر ولا استحمق، لأنه لیس بطفل ولا مجنون، ابن عمر نہ کوئی عاجز آدمی ہے اور نہ ہی اس نے حماقت میں ایسا کیا کیونکہ وہ بچہ اور مجنون تو نہیں ہے۔ (کشف الباری، کتاب الطلاق ص ۱۰۸)

❷ و ❸ **حالت حیض میں طلاق کے وقوع میں اختلاف مع الدلائل:۔** اگر حیض میں عورت کو طلاق دی گئی تو اس طلاق کا اعتبار کیا جائے گا، امام بخاری رحمہ اللہ نے واضح فیصلہ کیا ہے، جمہور اور ائمہ اربعہ کا یہی مسلک ہے کہ حیض میں طلاق دینا اگرچہ

ہے لیکن طلاق واقع ہو جائے گی۔

حافظ ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم، علامہ ابن حزم، ابراہیم بن اسماعیل بن علیہ اور روافض رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ حیض میں طلاق کا اعتبار نہیں، طلاق واقع نہیں ہوگی۔ یہ حضرات ابوداؤد رحمہ اللہ کی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں جو انہوں نے ابو الزبیر عن ابن عمر کے طریق سے نقل کی ہے طلق عبدالله بن عمر امراته وهي حائض على عهد رسول الله ﷺ فسأل عمر رسول الله ﷺ، فقال: ان عبدالله بن عمر طلق امرأته وهي حائض قال عبدالله، فردها علي ،ولم يرها شيئًا اس حدیث کے آخر میں ، ولم يرها شيئًا سے استدلال کرکے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ حیض میں طلاق معتبر نہیں۔

جمہور اس استدلال کے مختلف جوابات دیتے ہیں۔ ① پہلا جواب یہ ہے کہ ولم يرها شيئًا کا یہ اضافہ ابو الزبیر کا تفرد ہے امام ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابو الزبیر کے علاوہ ان الفاظ کو کسی اور نے روایت نہیں کیا ② ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے ولم يرها شيئًا کے الفاظ کو منکر قرار دیا ہے ③ اگر ان الفاظ کو درست اور ثابت مانا جائے تو حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہوگا لم يرها شيئًا مستقيمًا لكونها تقع على السنة یعنی حیض کے زمانہ میں آپ ﷺ نے طلاق دینے کو صحیح اقدام نہیں سمجھا، علامہ خطابی اور امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی ان الفاظ کو ثابت ماننے کی صورت میں اسی طرح کا مطلب بیان کیا ہے ④ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ لم يرها کی ضمیر رجعة کی طرف بھی لوٹائی جا سکتی ہے ای لم ير الرجعة شيئًا ممنوعًا یعنی طلاق سے رجوع کرنے کو حضور ﷺ نے ممنوع نہیں سمجھا۔

جمہور کا استدلال یہاں باب کی آخری روایت سے ہے، اس میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا فحسبت علي بتطليقة اس میں تصریح ہے کہ انہوں نے حیض کے زمانہ میں جو طلاق دی تھی وہ معتبر سمجھی گئی۔ (کشف الباری کتاب الطلاق ص ۳۰۶)

**الشق الثانی** ......باب ما جاء في الجماعة في مسجد قد صُلِّيَ فيه مرة عن ابي سعيد قال جاء رجل وقد صلّى رسول الله ﷺ فقال ايكم يتجر على هذا فقام رجل و صلّى معه . (ص ۵۳۔ ج ۱۔ قدیمی)

حقق كلمة يتجر لغةً و عرفًا ، من هو الرجل القائم ، انكر مذاهب الفقهاء في الجماعة الثانية وادلتهم.

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) يَتَّجِرُ کی لغوی و عرفی تحقیق (۲) رجل قائم کی تعیین (۳) جماعت ثانیہ میں فقہاء کے مذاہب مع الدلائل۔

**جواب** ......❶ يَتَّجِرُ کی لغوی و عرفی تحقیق:۔ یہ لفظ تجارت سے بھی مشتق ہو سکتا ہے، مراد اخروی تجارت و نیکی کی تجارت ہے۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اجر سے نکلا ہو، اصل میں یاتجر ہو (جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں متزر کا لفظ ازار سے نکلا ہے) اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ تم میں سے کون ہے جو اس کے ساتھ نماز پڑھ کر اجر حاصل کرے؟ (درس ترمذی ج ۱ ص ۳۴۲)

❷ رجل قائم کی تعیین:۔ بیہقی کی روایت میں اس کی تصریح ہے (فقام ابوبكر فصلّى معه)۔

❸ جماعت ثانیہ میں فقہاء کے مذاہب مع الدلائل:۔ حنابلہ اور اہل ظواہر کے نزدیک جماعت ثانیہ جائز ہے، ان کی پہلی دلیل یہی حدیث الباب ہے، دوسری دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے جاء انس بن مالك الى مسجد قد صُلِّيَ فيه فاذّن واقام وصلّى جماعة (بخاری)۔ اس حدیث میں یہ تصریح بھی ہے کہ اس جماعت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ ۲۰ افراد شریک تھے۔

ائمہ ثلاثہ اور جمہور رحمہم اللہ کے نزدیک جس مسجد کے امام اور مؤذن مقرر ہوں اور اس میں ایک مرتبہ اہل محلہ نماز پڑھ چکے ہوں وہاں تکرار جماعت مکروہ (تحریمی) ہے البتہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ ہے کہ ایسی صورت میں اگر محراب سے ہٹ کر بغیر اذان و

اقامت اور بغیر تداعی کے تکرار کرلی جائے تو جائز ہے لیکن مفتیٰ بہ قول یہی ہے کہ اس طرح بھی جماعت ثانیہ کرنا درست نہیں، البتہ اگر کسی مسجد میں غیر اہلِ محلہ نے آکر جماعت کرلی ہو تو اہلِ محلہ کو دوبارہ جماعت کرنے کا حق ہے یا اگر بعض اہلِ محلہ نے چپکے سے اذان کہہ کر نماز پڑھ لی ہو جس کی اطلاع دوسرے اہلِ محلہ کو نہ ہوسکی تو ان کیلئے تکرار جماعت جائز ہے یا اگر مسجد طریق ہو جس کے امام اور مؤذن مقرر نہ ہوں تو اس میں بھی تکرار جماعت جائز ہے۔ ان صورتوں کے سوا کسی صورت میں بھی جمہور کے نزدیک تکرار جماعت جائز نہیں۔

ائمہ ثلاثہ کی پہلی دلیل: طبرانی کی معجم کبیر اور معجم اوسط میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ان رسول اللہ ﷺ اقبل من نواحی المدینة یرید الصلوٰة فوجد الناس قد صلّوا فمال الیٰ منزله فجمع اهله فصلّی بهم۔

علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے اس روایت کے رجال کو ثقہ قرار دیا ہے، ظاہر ہے کہ اگر جماعت ثانیہ جائز یا مستحب ہوتی تو آپ ﷺ مسجد نبوی کی فضیلت کو نہ چھوڑتے لہٰذا آپ ﷺ کا گھر میں نماز پڑھنا مسجد میں تکرار جماعت کی کراہت پر واضح دلیل ہے۔

دوسری دلیل: عن النبی ﷺ قال لقد هممت ان آمر فتیتی ان یجمعوا حزم الحطب ثم آمر بالصلوٰة فتقام ثم احرق علی اقوام لا یشهدون الصلوٰة (ترمذی)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی جماعت میں ہی حاضری ضروری ہے اگر تکرار جماعت جائز ہوتا تو پہلی جماعت سے پیچھے رہ جانے والوں کے پاس دوسری جماعت کروانے کا عذر موجود تھا۔

تیسری دلیل: حدیث باب کے جزئی واقعہ کے علاوہ پورے ذخیرۂ احادیث میں مسجد نبوی کے اندر دوسری جماعت کا ذکر نہیں ملتا اور حقیقت یہ ہے کہ تکرار جماعت کی اجازت سے مسجد کی جماعت کا مطلوب یعنی وقار قائم نہیں رہتا چنانچہ تجربہ ہے کہ جہاں تکرار جماعت کا رواج ہو وہاں لوگ پہلی جماعت کی شرکت میں بہت سست ہوجاتے ہیں کیونکہ مسجد میں ہر وقت جماعت ہوتی رہتی ہے۔

جمہور کی طرف سے حدیث الباب کا جواب یہ ہے کہ یہ جماعت دو آدمیوں پر مشتمل تھی اور تداعی کے بغیر تھی اور تداعی کے بغیر تکرار جماعت ہمارے نزدیک بھی احیاناً جائز ہے۔ واقعۂ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا جواب یہ ہے کہ عین ممکن ہے کہ یہ راستہ کی مسجد ہو اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ مسند ابویعلیٰ میں یہ تصریح ہے کہ یہ مسجد بنی ثعلبہ تھی اور اس نام کی کوئی مسجد مدینہ طیبہ میں معروف نہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ راستہ کی مسجد تھی ورنہ مدینہ طیبہ کی چھوٹی چھوٹی مسجدوں کا تذکرہ بھی کتابوں میں موجود ہے۔

نیز عن انس ان اصحاب رسول الله ﷺ کانوا اذا فاتتهم الجماعة صلوا فی المسجد فرادیٰ جماعت ثانیہ کی نفی پر بالکل صریح ہے۔ (درس ترمذی ج ۱ ص ۲۸۳)

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۲۵ھ

**الشق الاول**......عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ لیس علی المسلم فی فرسه ولا عبده صدقة.

اذکر مذاهب العلماء فی زکاة الخیل و تفصیلها واکتب ادلتهم. (ص ۱۳۶۔ ج ۱۔ ترمذی)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں فقط گھوڑوں کی زکوٰۃ میں ائمہ رحمہم اللہ کے مذاہب مع الدلائل مطلوب ہیں۔

**جواب**......گھوڑوں کی زکوٰۃ میں ائمہ رحمہم اللہ کے مذاہب مع الدلائل:۔ جو گھوڑے اپنی سواری کیلئے ہوں ان پر بالاتفاق زکوٰۃ نہیں اور جو گھوڑے تجارت کیلئے ہوں ان پر باجماع زکوٰۃ ہے (جو قیمت کے اعتبار سے ادا کی جائے گی) البتہ جو گھوڑے تناسل کیلئے ہوں اور سائمہ (چرنے والے) ہوں ان کے بارے میں اختلاف ہے۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک ان پر زکوٰۃ نہیں، وہ حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں۔

نیز ان کا استدلال حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع قد عفوت عن صدقة الخیل والرقیق سے بھی ہے۔ (ترمذی)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایسے گھوڑوں پر زکوۃ واجب ہے۔ دلیل: ① مسلم کی مشہور حدیث ہے الخیل ثلاثۃ الخ۔ اس میں آپ ﷺ نے گھوڑوں کی تین قسمیں بیان فرمائیں، ایک وہ جو آدمی کے لئے وبال ہے، دوسری وہ جو آدمی کے لئے وبال ہے اور تیسری وہ جو آدمی کے لئے باعث اجر وثواب ہے۔ دوسری قسم کی تشریح میں فرمایا کہ یہ وہ گھوڑے ہیں جن کو آدمی اللہ کے واسطے پالے، پھر ایسے گھوڑوں کے بارے میں دو حقوق کا ذکر ہے ایک حق گھوڑوں کی ظہور (پیٹھ) میں ہے کہ کسی شخص کو سواری کے لئے عاریۃً دے دیا جائے اور دوسرا حق رقاب میں ہے جو سوائے زکوۃ کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ ② حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں گھوڑوں پر زکوۃ مقرر کی تھی اور ہر گھوڑے سے ایک دینار وصول کرتے تھے (طحاوی)۔ ③ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے قال رسول الله ﷺ في الخيل السائمة في كل فرس دينار تؤديه. (دارقطنی)

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے دلائل کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر فرس سے سواری والے گھوڑے مراد ہیں اور ایسے گھوڑوں پر ہم بھی زکوۃ کے قائل نہیں ہیں۔ اسی قسم کی تفسیر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔ (درایۃ ترمذی ج ۲ ص ۲۳۲)

**الشق الثانی** ...... حدثنا شعبة عن الأعمش ومنصور سمعا أبا الضحى يحدث عن مسروق قال: جاء رجل الى عبدالله فقال: ان قاصا يقص يقول: انه يخرج من الأرض الدخان فيأخذ بمسامع الكفار ويأخذ المؤمن كهيئة الزكام قال: فغضب وكان متكئا فجلس ثم قال: اذا سئل أحدكم عما يعلم فليقل به ...... قال منصور: فليخبر به ...... واذا سئل عما لا يعلم فليقل: الله أعلم فان من علم الرجل اذا سئل عما لا يعلم أن يقول: الله أعلم فان الله تعالى قال لنبيه ( قل ما أسألكم عليه من أجر وما أنا من المتكلفين ) ان رسول الله ﷺ لما رأى قريشا استعصوا عليه قال: اللهم أعني عليهم بسبع كسبع يوسف فأخذتهم سنة فأحصت كل شيئ حتى أكلوا الجلود والميتة. وقال أحدهما: العظام قال: وجعل يخرج من الأرض كهيئة الدخان قال: فأتاه أبو سفيان قال: ان قومك قد هلكوا فادع الله لهم قال: فهذا لقوله (يوم تأتي السماء بدخان مبين يغشى الناس هذا عذاب اليم). قال منصور: هذا لقوله (ربنا اكشف عنا العذاب انا مؤمنون ) فهل يكشف عذاب الآخرة ؟ قال: مضى البطشة واللزام والدخان. وقال أحدهما القمر: وقال الآخر الروم. (ص ۱۴۹، ج ۲، ترمذی)

ترجم الحديث. انكر أقوال العلماء في تفسير "الدخان" واذكر كيف أنكر ابن مسعود ما ذكره القاص وقد ثبت ذلك المعنى عن بعض الصحابة؟ اشرح كلاً من "البطشة" و "اللزام" و "الروم".

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل چار امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) دخان کی تفسیر میں علماء کے اقوال (۳) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے انکار کرنے کی وجہ (۴) بطشہ، لزام، روم کی تشریح۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کا ترجمہ: مسروق سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ایک واعظ بیان کر رہا تھا کہ قیامت کے قریب زمین میں سے دھواں نکلے گا کہ اس سے کافروں کے کان بند ہو جائیں گے اور مؤمنوں کو زکام سا ہو جائے گا۔ مسروق کہتے ہیں کہ اس پر عبداللہ رضی اللہ عنہ غصے ہو گئے اور اٹھ کر بیٹھ گئے (پہلے تکیہ لگائے بیٹھے تھے) اور فرمایا: اگر کسی سے کوئی بات پوچھی جائے جس کا اسے علم ہو تو بیان کرے یا فرمایا بتا دے اور اگر نہ جانتا ہو تو کہہ دے کہ اللہ جانتا ہے۔ یہ بھی انسان کا علم ہے کہ جو چیز نہیں جانتا اس کے بارے میں کہے کہ "اللہ اعلم" اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ کہہ دیجئے میں تم لوگوں سے اجرت نہیں مانگتا اور میں اپنے پاس سے بات بنانے والا نہیں ہوں۔ اس دھوئیں کی حقیقت یہ ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ نے دیکھا کہ قریش نافرمانی پر تل

چکے ہیں تو دعا کی کہ یا اللہ ان پر یوسف علیہ السلام کے زمانے کی طرح سات سال کا قحط نازل فرما۔ چنانچہ قحط آیا اور سب چیزیں ختم ہوگئیں۔ یہاں تک کہ لوگ کھالیں اور مردار کھانے لگے۔ اعمش یا منصور کہتے ہیں کہ ہڈیاں بھی کھانے لگے۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر زمین سے ایک دھواں نکلنے لگا۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر ابوسفیان نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کی درخواست کی کہ آپ ﷺ کی قوم ہلاک ہوگئی ہے یَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ (سو اس دن کا انتظار کیجئے کہ آسمان دھواں ظاہر لائے، جو لوگوں کو ڈھانپ لے یہی دردناک عذاب ہے۔ الدخان آیت ۱۰۔۱۱)۔ منصور کہتے ہیں یہ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وہ لوگ دعا کریں گے رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ الخ یہ (اے ہمارے رب! ہم سے یہ عذاب دور کر دے، بے شک ہم ایمان لانے والے ہیں (الدخان آیت ۱۲) کیونکہ قیامت کا عذاب تو دور نہیں کیا جائے گا (یعنی یہ آیت بھی عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے قول کی تائید کرتی ہے) عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بطشہ، لزام اور دخان کے عذاب گزر چکے ہیں۔ اعمش یا منصور کہتے ہیں کہ چاند کا پھٹنا بھی گزر گیا اور پھر ان دونوں میں سے ایک یہ بھی کہتے ہیں کہ روم کا غالب ہونا بھی گزر گیا۔

**(۲) دخان کی تفسیر میں علماء کے اقوال:۔** حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دخان سے مراد وہ دھواں ہے جو قریش کو آپ ﷺ کے زمانہ میں بھوک کی شدت کی وجہ سے محسوس ہوتا تھا۔ دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ دخان سے مراد وہ دھواں ہے جو قرب قیامت اٹھے گا اور تمام لوگوں پر چھا جائے گا اور منافقین اس کے اثر سے بیہوش ہو جائیں گے۔ (کشف الباری، کتاب التفسیر ص ۲۸۵)

**(۳) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے انکار کرنے کی وجہ:۔** حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس تفسیر و مصداق کا انکار اس لئے کیا کہ شاید ان کو اس مصداق سے متعلق احادیث نہ پہنچی ہوں اور ان کو اس کا علم نہ ہو۔

**(۴) بطشہ، لزام، روم کی تشریح:۔** حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بطشہ و لزام سے غزوۂ بدر کے موقع پر کفار کا قتل اور ان کا قید و گرفتار ہونا مراد ہے۔ دیگر حضرات یہ فرماتے ہیں کہ بطشہ اور لزام سے قیامت کے دن کفار کو پکڑ کر جہنم میں ڈالنا اور ان کا ہلاک ہونا مراد ہے۔ روم سے مراد اہل روم پر غلبہ ہے جو حضور ﷺ کے زمانہ میں اہل فارس کے ذریعہ پورا ہوگیا اور اس کا ذکر غُلِبَتِ الرُّوْمُ میں موجود ہے۔ (کشف الباری، کتاب التفسیر ص ۲۸۵)

## ﴿الورقة الثالثة: الجامع للامام الترمذیؒ﴾

### ﴿السؤال الأول﴾ ۱۴۳۶ھ

**الشق الأول** ...... عن أنس بن مالك قال: كان النبي ﷺ إذا دخل الخلاء قال: اللهم إني أعوذ بك قال شعبة: وقد قال مرة أخرى: أعوذ بك من الخبث والخبيث أو الخبث والخبائث. قال أبو عيسى حديث أنس أصح شيء في هذا الباب وأحسن. وحديث زيد بن أرقم في إسناده اضطراب روى هشام الدستوائي وسعيد بن أبي عروبة عن قتادة فقال سعيد: عن القاسم بن عوف الشيباني عن زيد بن أرقم ورواه شعبة ومعمر عن قتادة عن النضر بن أنس، عن أبيه عن النبي ﷺ قال أبو عيسى: سألت محمدا عن هذا فقال: يحتمل أن يكون قتادة روى عنهما جميعا. (ص ۷۔ ج ۱۔ قدیمی)

حقق مصداق كل من الخبث والخبائث. ماهو الاضطراب اصطلاحا؟ وما هو حكمه؟ اشرح الاضطراب الذي ذكره الترمذي ههنا، واذكر كيف رفع البخاري هذا الاضطراب؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) "خبث وخبائث" کا مصداق (۲) اضطراب کا معنی و حکم (۳) اضطراب ورفع اضطراب کی وضاحت۔

**جواب** ...... ❶ **"خبث وخبائث" کا مصداق:۔** "خبائث" کے بارے میں اتفاق ہے کہ یہ خبیثہ کی جمع ہے اور اس سے مراد مونث شیاطین ہیں البتہ "خبث" کے بارے میں اختلاف ہے علامہ خطابی رحمہ اللہ اصلاح خطاء المحدثین میں فرماتے ہیں کہ اصحاب حدیث لفظ "خبث" کو بسکون الباء روایت کرتے ہیں اور علامہ ابوعبید رحمہ اللہ نے بھی اس لفظ کو اسی طرح نقل کیا ہے حالانکہ درحقیقت یہ لفظ باء کے ضمہ کے ساتھ ہے یعنی خُبُث جو کہ خبیث کی جمع ہے اور "خبث" بسکون الباء تو مصدر ہے بہرحال خبث اور خبائث سے شیاطین مراد ہیں خبث سے ذکور اور خبائث سے اناث، اور دخول بیت الخلاء کے وقت شیاطین سے استعاذہ کی وجہ یہ ہے کہ یہ اور اس جیسے دوسرے گندگی کے مقامات شیاطین کے مرکز ہوتے ہیں اور قضاء حاجت کے وقت شیاطین انسانوں کو تکلیف پہنچاتے ہیں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کشف عورت کے وقت شیاطین انسانوں سے کھیلتے ہیں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی وفات اسی طرح واقع ہوئی کہ وہ قضاء حاجت کیلئے گئے پھر بعد میں وہیں مردہ پائے گئے اس وقت ایک پر اسرار آواز آ رہی تھی جیسے کوئی یہ شعر پڑھ رہا ہو۔

**قتلناسیدالزرج سعد بن عبادة    رمیناه بسهمین فلم نخط فؤاده**

معلوم ہوا کہ یہ ایک جنی کی آواز تھی جس نے حضرت سعد کو قتل کیا تھا۔ (درس ترمذی ج ۱ ص ۱۰۱)

❷ **اضطراب کا معنی وحکم:۔** اضطراب کے لفظی معنی حرکت کے ہیں پھر یہ لفظ اختلاف کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور اصول حدیث کی اصطلاح میں اضطراب کا مطلب یہ ہے کہ کسی حدیث کی روایت میں راویوں کا اختلاف واقع ہو جائے اور یہ چیز حدیث کو ضعیف بنادیتی ہے اگر راویوں کا اختلاف سند میں ہو تو اضطراب فی الاسناد کہلاتا ہے اور اگر اضطراب متن میں ہو تو اضطراب فی المتن کہلاتا ہے اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اضطراب کو رفع کیا جاسکتا ہو تو رفع ہونے کے بعد حدیث مضطرب صحیح ہو جاتی ہے اور اگر اضطراب رفع نہ ہو سکے تو وہ حدیث ضعیف اور ناقابل استدلال ہوتی ہے پھر اضطراب کو رفع کرنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ روایتوں میں تطبیق دی جائے اور دوسرا یہ کہ کسی ایک روایت کو صحیح یا راجح قرار دیکر باقی روایتوں کو غلط یا مرجوح قرار دیا جائے۔ (ایضاً)

❸ **اضطراب ورفع اضطراب کی وضاحت:۔** امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی جس روایت کی طرف وفی الباب میں اشارہ فرمایا ہے اور اس کا اضطراب ذکر کیا ہے وہ ابوداؤد وغیرہ میں مروی ہے اور اسکے الفاظ یہ ہیں **ان هذا الحشوش محتضرة فاذا اتی احدکم الخلاء فلیقل اعوذبالله من الخبث والخبائث** (ابوداؤد) حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے جس اضطراب سند کا ذکر کیا ہے اسے سمجھنے کیلئے یہ پہلے ذہن نشین کر لیجئے کہ حضرت قتادہ رحمہ اللہ اس حدیث کے مدار الاسناد ہیں ان سے انکے چار شاگردوں نے یہ حدیث روایت کی ہے اور چاروں کے طریق روایت میں اختلاف ہے وہ چار طریق یہ ہیں۔ ① **هشام الدستوائی عن قتادة عن زید بن ارقم** ② **سعید بن ابی عروبة عن قتادة عن القاسم بن عوف الشیبانی عن زید بن ارقم** ③ **شعبة عن قتادة عن النضر بن انس عن زید بن ارقم** ④ **معمر عن قتادة عن النضر بن انس عن ابیه انس۔**

اس طرح اس روایت کی سند میں تین اضطرابات پائے جاتے ہیں۔ **پہلا اضطراب:** یہ ہے کہ قتادہ اور صحابی کے درمیان کوئی واسطہ ہے یا نہیں ہشام کی روایت میں کوئی واسطہ نہیں باقی تینوں کی روایت میں واسطہ موجود ہے۔

**دوسرا اضطراب:** اس میں یہ ہے کہ اگر قتادہ و صحابی کے درمیان کوئی واسطہ ہے تو وہ کونسا ہے سعید بن ابی عروبہ رحمہ اللہ کی روایت میں وہ واسطہ قاسم بن عوف الشیبانی رحمہ اللہ ہیں اور شعبہ اور معمر رحمہما اللہ کی روایت میں واسطہ نضر بن انس رحمہ اللہ ہیں۔

**تیسرا اضطراب:** اس میں یہ ہے کہ صحابی کون ہیں معمر رحمہ اللہ کی روایت میں صحابی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں اور باقی تینوں کی

روایت میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ ہیں یہ کل تین اضطراب ہوئے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام بخاری رحمہ اللہ سے ان اضطرابات کے بارے میں سوال کیا تو امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ **یحتمل ان یکون قتادة روی عنهما جمیعا** ظاہر ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے اس قول کے ذریعہ اس اضطراب کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اس سے کون کون سا اضطراب کس طرح رفع ہوا اس کی تشریح میں شراح حیران رہے ہیں اس تشریح کا مدار اس بات پر ہے کہ عنہما کی ضمیر کا مرجع کیا ہے؟

محشی نے اس ضمیر کا مرجع حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ اور نضر بن انس رضی اللہ عنہ کو قرار دیا ہے اور اس بات کی کوشش کی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے اس قول سے تینوں اضطراب رفع ہو جائیں اور وہ اس طرح کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان تمام روایات کو صحیح قرار دیا ہے اور ان میں تطبیق دیتے ہوئے کہا ہے کہ یہ ممکن ہے کہ قتادہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی ہو خواہ بلا واسطہ **کما فی روایۃ هشام** یا بالواسطہ **کما فی روایت سعید وشعبه** اور حضرت نضر بن انس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی ہو خواہ **عن زید بن ارقم کما فی روایۃ شعبه** یا **عن ابیه انس کما فی روایۃ معمر**۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا میلان بھی اسی توجیہ کی جانب ہے اس توجیہ کے مطابق چاروں روایات صحیح ہو جاتی ہیں اور تینوں اضطرابات میں تطبیق پیدا ہو جاتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے اس قول کی دوسری توجیہ بعض حضرات نے یہ کی ہے کہ عنہما کی ضمیر کا مرجع قاسم بن عوف اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہ ہیں اس توجیہ کا حاصل یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنے اس قول کے ذریعے صرف پہلے اضطراب کو رفع کیا ہے جو ہشام اور سعید کے درمیان واقع ہوا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ قتادہ رضی اللہ عنہ نے یہ روایت براہ راست حضرت زید رضی اللہ عنہ سے سنی جسے ہشام کے سامنے بیان کر دیا اور قتادہ رضی اللہ عنہ نے یہی روایت قاسم بن عوف کے واسطے سے بھی سنی جسے سعید کے سامنے بیان کر دیا باقی دوسرے اور تیسرے اضطراب کا جواب امام بخاری رحمہ اللہ نے نہیں دیا کیونکہ اسکی تطبیق انہیں مستحضر نہیں تھی۔

تیسری توجیہ امام بخاری رحمہ اللہ کے اس قول کی حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے کی ہے اور وہ یہ کہ عنہما کی ضمیر کا مرجع قاسم بن عوف اور نضر بن انس رضی اللہ عنہ ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے اس قول کے ذریعے صرف اس دوسرے اختلاف میں تطبیق پیدا کی ہے جو سعید اور شعبہ کے درمیان واقع ہوا یعنی قتادہ اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے درمیان واسطہ کون ہے، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس بات کا احتمال ہے کہ قتادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ایک مرتبہ قاسم بن عوف رضی اللہ عنہ سے سنی ہو جسے سعید رحمہ اللہ نے روایت کیا اور ایک مرتبہ نضر بن انس رضی اللہ عنہ سے سنی ہو جسے شعبہ رحمہ اللہ نے روایت کیا۔

رہا پہلا اختلاف سو اس میں تطبیق پیدا کرنے کی ضرورت اسلئے نہیں تھی کہ اس میں ہشام کی روایت غلط ہے کیونکہ حضرت قتادہ رحمہ اللہ کا سماع حضرت انس رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور سے ثابت نہیں **کما صرح به الحاکم فی معرفة علوم الحدیث** اور جب سماع ثابت نہیں تو بلا واسطہ روایت کرنے کا احتمال ہی نہیں رہا، تیسرے اضطراب میں معمر رحمہ اللہ کی روایت غلط ہے اور ان سے وہم ہوا ہے چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے صراحۃً لکھا ہے کہ **حدیث معمر عن النضر بن انس فی هذا وهم** جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ ہشام اور معمر رحمہ اللہ کی روایتیں غلط ہیں تو پہلا اور تیسرا اضطراب خود بخود ختم ہو گیا اسلئے کہ ایک شق کو ترجیح ہو جائے تو اضطراب باقی نہیں رہتا اب صرف دوسرا اضطراب باقی رہ گیا تھا امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو دور کر دیا۔ صحیح ابن حبان رحمہ اللہ کی ایک روایت سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔ (ایضاً)

**الشیخ الثانی** ...... عن أنس أن أناسا من عرينة قدموا المدينة فاجتووها فبعثهم رسول الله ﷺ في إبل الصدقة وقال: اشربوا من ألبانها وأبوالها فقتلوا راعي رسول الله ﷺ واستاقوا الإبل وارتدوا عن الاسلام، فأتي بهم النبي ﷺ فقطع أيديهم وأرجلهم من خلاف، وسمر أعينهم، وألقاهم بالحرة

قال أنس: فكنت أرى أحدهم يكد الأرض بفيه حتى ماتوا وربما قال حماد: يكدم الأرض بفيه حتى ماتوا. اشرح كلمة "فاجتووها" و "سمر" و "يكدم". ماهو حكم بول ما يؤكل لحمه، هل هو طاهر أم نجس؟ اذكر اختلاف العلماء وأدلتهم مع الإجابة عن حديث الباب عند من لا يقول به. (ص۲۱-ج۲-ترمذی)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) فاجتووها، سمر، یکدم کی تحقیق (۲) ماکول اللحم جانوروں کے بول کے پاک ہونے میں اختلاف مع الدلائل (۳) حدیث الباب کا جواب۔

﴿جواب﴾ ...... ❶ **فاجتووها، سمر، یکدم کی تحقیق:۔** اجتووا کے لغوی معنی مرض جواء میں مبتلا ہو جانا ہے اور مرض جواء پیٹ کی ایک بیماری ہے جس میں پیٹ پھول جاتا ہے اور پیاس بہت لگتی ہے، اس مرض کو عموماً استسقاء کہا جاتا ہے۔ بعض حضرات نے اجتووا کے معنی آب و ہوا کو ناموافق پانا کئے ہیں یعنی ان لوگوں نے مدینہ طیبہ کی آب و ہوا کو اپنی صحت کیلئے ناموافق پایا، دوسرے معنی زیادہ راجح ہیں کیونکہ بعض روایات میں اجتووا کی جگہ استوخموا المدینة کے الفاظ وارد ہوئے ہیں اور استخام دوسرے معنی کیلئے متعین ہے۔

سمر کے معنی ہیں گرم سلاخوں سے داغنا، یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ یہ مثلہ ہے جس کی ممانعت کی گئی ہے، جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ تحریم مثلہ سے پہلے کا ہے اور بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ انہوں نے اہل صدقہ کے راعی کو جو بعض روایات کے مطابق حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے اسی طرح قتل کیا تھا اس لئے قصاصاً ایسا کیا گیا۔

یکدم کا معنی کاٹنا ہے اور بعض روایات میں یکد ہے جس کا معنی رگڑنا ہے۔ بعض روایات میں ان کے اس عمل کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ پیاسے تھے اور انہیں پانی نہیں دیا گیا تھا اگر یہ بات صحیح ہو تو یا نبی کی خصوصیت ہوگی ورنہ حکم یہ ہے کہ کوئی مجرم خواہ کتنی ہی شدید سزا کا مستحق ہو اگر پانی مانگے تو اسے پانی دیا جائے گا۔ (درس ترمذی ج۱ ص ۲۸۹، ۲۹۳)

❷ و ❸ **ماکول اللحم جانوروں کے بول کے پاک ہونے میں اختلاف مع الدلائل، حدیث الباب کا جواب:۔**

ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کا اتفاق ہے کہ غیر ماکول اللحم کا بول و براز نجس ہے۔ اہل ظاہر کے ہاں پاک ہے۔

امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام ابویوسف رحمہم اللہ کے ہاں ماکول اللحم کا بول و براز ناپاک ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کا ایک قول بھی یہی ہے۔

امام مالک، امام احمد اور امام محمد رحمہم اللہ کے ہاں پاک ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مختار قول بھی یہی ہے۔

جمہور کے دلائل: ① قوله تعالىٰ ويحرم عليهم الخبائث خبائث وہ چیزیں ہیں جن سے عرب کی طبائع سلیمہ نفرت کرتی ہیں اور ان سے ہر سلیم طبیعت نفرت کرتی ہے، لہٰذا یہ حرام ہیں اور حرمت نجاست کی دلیل ہے، جبکہ حرمت کی بنیاد تعظیم نہ ہو۔ ② عن ابی هريرة مرفوعًا استنزهوا من البول فان عامة عذاب القبر منه (ابن ماجہ، دار قطنی، مستدرک حاکم) یہ حدیث ہر قسم کے ابوال کو شامل ہے ماکول اللحم کا ہو یا غیر ماکول اللحم کا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں والتمسك بعموم حديث ابی هريرة الذی صححه ابن خزيمة وغيره اولى لانه ظاهر فی تناول جميع الابوال فيجب اجتنابها لهذا الوعيد ③ عن ابی امامة مرفوعا اتقوا البول فانه اول ما يحاسب به العبد فی القبر ④ عن ابن عباس مرفوعا ان عامة عذاب القبر من البول فتنزهوا منه ⑤ عن انس مرفوعا تنزهوا من البول فان عامة عذاب القبر منه ⑥ عن عمار مرفوعا انما يغسل الثوب من خمس من البول والغائط والمنی والدم والقیء۔

یہ تمام احادیث عام ہیں بول ماکول اللحم کو بھی شامل ہیں۔

⑤ حضرت ابن عباس کی مرفوع حدیث ہے ان النبی ﷺ مر علی قبرین فقال انهما یعذبان وما یعذبان فی کبیر اما هذا فکان لا یستتر من بوله، گو یہ حدیث بول انسانی کے بارے میں ہے تاہم باقی ابوال اس کے ساتھ ملحق ہیں۔

امام مالک، امام احمد وامام محمد رحمہم اللہ کے دلائل: ① عن انس قال ﷺ اشربوا من البانها وابوالها۔

پہلا جواب: یہ ہے کہ ضرورت کیلئے علاج پر محمول ہے اور الا ما اضطررتم الیه کے تحت داخل ہے۔ غالباً آپ ﷺ کو وحی سے ان کی شفاء کا علم ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے ان فی ابوال الابل شفاء لذروة بطونهم۔

دوسرا جواب: مذکورہ احادیث سے منسوخ ہے۔ تیسرا جواب: محرم مبیح سے راجح ہے۔

② حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے ما اکل لحمه فلا باس ببوله۔

③ عن البراء مرفوعاً لا باس ببول ما اکل لحمه۔

جواب: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں حدیثیں سنداً انتہائی ضعیف ہیں۔ (المسائل والدلائل ص ۱۵۶)

## السوال الثانی ۱۴۳۶ھ

**الشق الاول** ......عن عائشة قالت: أفتل قلائد هدی رسول الله ﷺ کلها غنما ثم لا یحرم (ص ۱۸۱، ج ۱، قدیمی)

ترجم الحدیث الشریف. اشرح الحدیث المبارک واذکر اختلاف العلماء مع أدلتهم فی حکم تقلید الغنم واکتب لمن یشهد هذا الحدیث؟ وما هو الجواب عند من لا یقول به. واشرح أیضا قوله: ثم "لا یحرم".

﴿خلاصہ سوال﴾ ......اس سوال میں چھ امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی تشریح (۳) تقلید غنم کے حکم میں اختلاف (۴) ائمہ کے دلائل (۵) مستدلین کی تعیین وجواب (۶) ثم لا یحرم کی تشریح۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی تمام بکریوں کے لئے ہار بنا کرتی تھی پھر آپ ﷺ محرم نہیں ہوتے تھے۔

② حدیث کی تشریح:۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کی طرف سے ۹ھ میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ قربانی کے لئے جو بکریاں مکہ مکرمہ بھیجی گئی تھیں میں ان کے لئے ہار بنا کرتی تھی یعنی وہ ہار ان کو پہنائے گئے اور آپ ﷺ اس موقع پر مدینہ طیبہ میں حلال ہی رہے آپ ﷺ نے احرام نہیں باندھا تھا۔

③ تقلید غنم کے حکم میں اختلاف:۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اونٹوں کی طرح بکریوں میں تقلید مشروع ہے لیکن حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک تقلید اہل وبقر کے ساتھ مخصوص ہے اور غنم میں مشروع نہیں ہیں۔

④ ائمہ کے دلائل:۔ حنفیہ ومالکیہ کی دلیل یہ ہے کہ تقلید غنم آپ ﷺ سے ثابت نہیں ہے اور جو چیز آپ ﷺ سے ثابت نہیں وہ مشروع بھی نہیں ہے۔ شافعیہ وحنابلہ کا استدلال حدیث باب سے ہے جس میں غنم کے لئے ہار بٹنے کا ذکر ہے۔

حنفیہ ومالکیہ کی طرف سے پہلا جواب تو یہ ہے کہ اس روایت میں غنم کا ذکر اسود بن یزید رحمہ اللہ کا تفرد ہے اس لئے کہ اس روایت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرنے والے متعدد حضرات تابعین ہیں، عروہ بن زبیر، عمرہ بنت عبدالرحمن، قاسم ابو قلابہ، مسروق اور اسود رحمہم اللہ۔ ان تمام حضرات میں سے صرف اسود ہی غنم کا ذکر کرتے ہیں اور کسی بھی روایت میں غنم کا ذکر نہیں بلکہ کنت افتل قلائد هدی رسول الله ﷺ یا اس جیسے الفاظ مروی ہیں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حضور ﷺ سے حج میں بکریاں لے جانا ثابت نہیں بلکہ اونٹ لے جانا ثابت ہے۔ علامہ عینی رحمہ اللہ نے عدم تقلید غنم کی دلیل یہ ذکر کی ہے لانها تضعف عن

التقلید یعنی بکری ایک کمزور جانور ہے وہ قلادہ کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

دوسرا جواب: حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ یہ قلادے بکریوں کے لئے تیار ہوئے تھے تب بھی اس حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ تقلید سے مراد تقلید نعلین ہے بلکہ ظاہر یہ ہے کہ نعلین کے بغیر محض اون کے قلادے ڈالنا ہی دفع ظرق اور عند الحنفیہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ (درس ترمذی ج ۳ ص ۱۷۴)

**❺ مستدلین کی تعیین و جواب:۔** حدیث الباب شافعیہ وحنابلہ کی دلیل ہے۔ **تفصیلہ وجوابہ کما مرّ آنفا۔**

**❻ ثم لا یحرم کی تشریح:۔** حدیث باب کے یہ الفاظ اس پر دال ہیں کہ صرف تقلید غنم سے آدمی محرم نہیں ہوتا چنانچہ جمہور کا مسلک یہی ہے کہ صرف تقلید بدی سے آدمی محرم نہیں ہوتا جب تک کہ تلبیہ نہ کہے یا سوق بدی نہ کرے، اسی طرح بدی کو بھیجنے سے محرم نہیں ہوتا پھر سوق کی صورت میں اگرچہ تلبیہ نہ پڑھے محرم ہو جاتا ہے اسلئے کہ بدی کا سوق تلبیہ پڑھنے کے درجہ میں ہے۔ (ایضا)

**الشق الثانی** ......عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ اذا توضا العبد المسلم او المؤمن فغسل وجهه خرجت من وجهه كل خطيئة نظر اليها بعينيه مع الماء او مع آخر قطر الماء او نحو هذا واذا غسل يديه خرجت من يديه كل خطيئة بطشتها يداه مع الماء او مع آخر قطر الماء حتى يخرج نقيا من الذنوب قال ابو عيسى هذا حديث حسن صحيح. (ص ۳، ج ۱، ترمذی)

ترجم الحديث الشريف و عرّف الحديث الحسن والصحيح ، قد اشكل على المحدثين قول الامام الترمذی هذا حديث حسن صحيح حيث جمع الحسن والصحيح على الحكم في حديث واحد مع ان الحديث الحسن يتقاصر عن درجة الصحيح فكيف يتحدان في الحكم ، انت تعرف ان النبي عليه السلام نهى عن التكني بابي عيسى فكيف كنى الامام الترمذی نفسه بابي عيسى .

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث حسن وصحیح کی تعریف (۳) امام ترمذی رحمہ اللہ کے ایک ہی حدیث کو حسن صحیح کہنے کی توجیہ (۴) امام ترمذی رحمہ اللہ کے اپنی کنیت ابو عیسیٰ رکھنے کی وضاحت۔

**جواب** ...... **❶ حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب مسلمان یا مؤمن آدمی وضو کرتا ہے اور اپنا چہرہ دھوتا ہے تو اس کے چہرے سے تمام خطائیں جن کی طرف اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوتا ہے پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ نکل جاتی ہیں یا اس کی مثل، اور جب وہ اپنے ہاتھ دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں سے وہ تمام خطائیں جن کو اس کے ہاتھوں نے پکڑا ہوتا ہے پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ وہ بھی نکل جاتی ہیں، یہاں تک وہ گناہوں سے پاک صاف ہو کر نکلتا ہے۔

**❷ حدیث حسن وصحیح کی تعریف:۔** حدیث صحیح وہ حدیث ہے جس کے تمام راوی عادل وکامل الضبط ہوں، سند متصل ہو اور وہ حدیث معلل وشاذ ہونے سے بھی محفوظ ہو اور حسن وہ حدیث ہے جس میں راوی کا ضبط ناقص ہو باقی تمام شرائط صحیح والی ہیں۔

**❸ امام ترمذی رحمہ اللہ کے ایک ہی حدیث کو حسن صحیح کہنے کی توجیہ:۔** سوال ہوتا ہے کہ امام ترمذی کا ایک ہی حدیث کو حسن صحیح کہنا کیسے درست ہے حالانکہ دونوں میں فرق ہے۔

پہلا جواب: یہ ہے کہ یہاں کلمہ واؤ (برائے جمع) محذوف ہے اور امام ترمذی کا منشاء یہ ہے کہ یہ حدیث ایک طریق سے حسن ہے اور دوسرے طریق سے صحیح ہے اور یہ اس وقت ہے جب ایک حدیث کے متعدد طرق ہوں۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے حسن کی تعریف میں جمہور رحمہم اللہ سے الگ ایک مستقل اصطلاح قائم کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک حسن کی تعریف یہ ہے کہ جس کی سند میں کوئی ایسا راوی نہ ہو جو متہم بالکذب ہو اور اس سند میں شذوذ نہ ہو، جمہور رحمہم اللہ کی طرح امام ترمذی رحمہ اللہ حافظے کے نقصان کو حسن کے لئے شرط قرار نہیں دیتے لہٰذا اس تعریف کی رو سے حسن اور صحیح میں عام خاص کی نسبت ہے نہ کہ تباین کی، حسن عام ہے اور صحیح خاص ہے لہٰذا جس روایت پر امام ترمذی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ حسن کی تعریف صادق آرہی ہو اگر وہ ساتھ ہی تام الضبط افراد سے مروی ہو اور اس میں کوئی علت بھی نہ ہو تو وہ صحیح بھی ہوگی اور اگر راوی تام الضبط نہ ہو یا اس کی روایت میں کوئی علت پائی جائے وہ صرف حسن ہوگی صحیح نہیں ہوگی۔ (درس ترمذی ج ۱ ص ۱۹۵)

❷ **امام ترمذی رحمہ اللہ کے اپنی کنیت ابوعیسیٰ رکھنے کی وضاحت:** ابوعیسیٰ کنیت رکھنے میں فی نفسہ کوئی قباحت نہیں ہے کیونکہ صحیح المعنی لفظ ہے اور آپ ﷺ نے بیان جواز کیلئے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوعیسیٰ رکھی مگر چونکہ اس سے یہ وہم اور شبہ ہوتا ہے کہ شاید حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے والد تھے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو اپنی قدرت کا مظہر اور نمونہ بنا کر بغیر والد کے پیدا فرمایا تھا، اس وہم اور شبہ کی وجہ سے ابوعیسیٰ کنیت رکھنا مناسب نہیں ہے۔ نیز ممکن ہے کہ امام ترمذی کا مذہب یہ ہو کہ یہ کنیت رکھنا ابتداء اسلام میں فساد عقیدہ سے بچنے کے لئے ممنوع تھا، پھر اسلامی عقائد کے راسخ ہو جانے کے بعد یہ ممانعت بھی ختم ہوگئی اور یہ جواز کا حکم حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث (حضور ﷺ نے میری کنیت ابوعیسیٰ رکھی تھی) سے معلوم ہوا ہے۔ (درس ترمذی ج ۱ ص ۱۳۳)

## ﴿السوال الثالث﴾ ١٤٣٦ھ

**الشق الأول** ......عن الحسن عن سمرة: أن النبي ﷺ نهى عن بيع الحيوان بالحيوان نسيئة. (ص ۲۳۳-ج ۱-قدیمی)

اذكر العلل في الأشياء الربوية عن الأئمة . ما هو حكم بيع الحيوان بالحيوان نسيئة وتفاضلا؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال کا حل دو امور ہیں (۱) اشیاء ربویہ میں ربوا کی علت (۲) بیع الحیوان بالحیوان نسیئۃً وتفاضلاً کا حکم۔

**جواب** ...... ❶ **اشیاء ربویہ میں ربوا کی علت:** تمام ائمہ متفق ہیں کہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث الذهب بالذهب والفضة بالفضة الخ جس میں چھ چیزوں کا ذکر ہے یہ معلل بالعلت ہے، ربا کا حکم ان تمام چیزوں میں جاری ہوتا ہے جن میں وہ علت پائی جائے صرف غیر مقلدین اختلاف کرتے ہیں ان کے نزدیک ربا مذکورہ چھ چیزوں میں منحصر ہے ساتویں کسی چیز میں ربا نہیں۔

سونے اور چاندی کی علت: شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک سونے اور چاندی میں علت ثمنیت ہے یعنی ایسی چیز ہونا جس کو اللہ تعالیٰ نے معاملات میں ثمن (وسیلہ) بننے کیلئے پیدا کیا ہے، ایسی چیزیں دو ہی ہیں سونا اور چاندی۔ پس یہ علت ان دو کے ساتھ خاص ہوگی اور احناف اور حنابلہ کے نزدیک علت وزن یعنی موزونی چیز ہونا ہے پس جو بھی چیز تولی جاتی ہے وہ سونے اور چاندی کے حکم میں ہے مثلاً زعفران، لوہا، تانبا، پیتل وغیرہ بلکہ اب تو ہزاروں چیزیں موزونی ہیں پس یہ سب ربوی اشیاء ہیں۔

باقی چار چیزوں میں علت: احناف اور حنابلہ کے نزدیک کیل یعنی مکیلی ہونا علت ہے پس جو بھی چیز پیمانے سے ناپی جاتی ہے وہ ربوی ہے خواہ وہ مطعوم ہو یا غیر مطعوم جیسے چاول، چنا، مکئی، برسین کے بیج وغیرہ اور معدودات (جو گن کر فروخت کی جاتی ہیں) اور مذروعات (جو گز وغیرہ سے ناپ کر فروخت کی جاتی ہیں) ربوی چیزیں نہیں۔

پس احناف اور حنابلہ کے نزدیک مذکورہ چھ چیزوں میں ربا کی علت وزن و کیل ہیں اور ان دونوں کے لئے مشترک لفظ "قدر" ہے پس قدر مع الجنس میں یعنی جب دونوں عوض ایک جنس کے ہوں اور دونوں عوض بقدری یعنی مکیلی یا موزونی ہوں تو ربا الفضل اور ربا النسیئہ دونوں کا تحقق ہوگا اور نہ تفاضل جائز ہوگا نہ ادھار۔ بلکہ برابر سرابر اور دست بدست فروخت کرنا ضروری ہوگا اور قدر مع غیر الجنس میں یعنی

جب دونوں عوض الگ الگ جنس کے ہوں مگر دونوں مطعوم یا موزونی ہوں تو صرف ربا النسیئہ کا تحقق ہوگا ربا الفضل متحقق نہیں ہوگا یعنی اس صورت میں کمی بیشی جائز ہوگی اور ادھار ناجائز جیسے گیہوں کو چنے کے عوض بیچا جائے تو تفاضل جائز ہے اور ادھار حرام ہے۔

اور شافعیہ کے نزدیک باقی چیزوں میں علت مطعوم (کھانے کی چیز) ہونا ہے اور مطعوم میں ان کے نزدیک تین چیزیں شامل ہیں ① مطعومات یعنی وہ چیزیں جو غذا بننے کے لئے پیدا کی گئی ہیں، گیہوں اور جو اس کی مثالیں ہیں اور چاول، چنا اور مکئی وغیرہ ان کے ساتھ ملحق ہیں ② فواکہ (پھل) کھجور اس کی مثال ہے اور کشمش، انجیر وغیرہ اس کے ساتھ ملحق ہیں ③ مصلحات یعنی وہ چیزیں جو غذا یا جسم کی اصلاح کرتی ہیں نمک اس کی مثال ہے اور تمام ادویات اور مسالے اس کے ساتھ ملحق ہیں۔

مالکیہ کے نزدیک صرف ربا النسیئہ کیلئے طعام میں علت مطعوم ہونا ہے بشرطیکہ وہ چیز دوا کے طور پر نہ کھائی جاتی ہو خواہ وہ مطعوم اقتیات وادخار کے قابل ہو یا نہ ہو جیسے ککڑی، خربوزہ، لیموں اور گاجر وغیرہ کو دست بدست بیچنا ضروری ہے اور فواکہ کی جملہ انواع جیسے سیب اور کیلے وغیرہ کو بھی دست بدست فروخت کرنا ضروری ہے، ادھار بیچنا سود ہے البتہ ان میں ربا الفضل متحقق نہیں ہوگا اس لئے کمی بیشی جائز ہے۔

اور ربا الفضل اور ربا النسیئہ دونوں کے تحقق کیلئے دو چیزیں ضروری ہیں ① طعام کا مقتات ہونا یعنی عموماً انسان ان کو کھاتے ہوں اور صرف ان پر گزر بسر کرتے ہوں ② طعام کا ادخار کے قابل ہونا یعنی مدت تک رکھنے سے وہ چیز خراب نہ ہو جہاں یہ دونوں چیزیں (اقتیات وادخار) پائی جائیں گی وہاں دونوں ربا متحقق ہوں گے وہاں نہ کمی بیشی فروخت کرنا درست ہوگا نہ ادھار۔ (تحفۃ الاحوذی ج ۴ ص ۳۷۵)

❷ <u>بیع الحیوان بالحیوان نسیئۃ وتفاضلا</u> کا حکم:۔ بیع الحیوان بالحیوان تفاضلا بالاتفاق جائز ہے۔

البتہ بیع الحیوان بالحیوان نسیئۃ میں اختلاف ہے۔

احناف کے نزدیک بیع الحیوان بالحیوان نسیئۃ جائز نہیں ہے کیونکہ حرمت ربوا کی علت ہمارے نزدیک قدر مع الجنس ہے، جہاں پر دونوں علت موجود ہوں وہاں پر کمی زیادتی اور ادھار دونوں حرام ہیں اور جہاں ان میں سے کوئی ایک علت پائی جائے وہاں کمی زیادتی جائز ہے۔ البتہ ادھار پھر بھی حرام ہے لہٰذا بیع الحیوان بالحیوان میں ربوا کی علت ہم جنس ہونا تو پائی جارہی ہے۔ مگر قدر والی علت نہیں پائی جارہی کیونکہ حیوان نہ کیلی ہے اور نہ وزنی ہے بلکہ عددی ہے لہٰذا اس میں ادھار حرام ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اتحاد جنس کے وقت ادھار حرام نہیں ہے پس ان کے نزدیک بیع الحیوان بالحیوان تفاضلا ونسیئۃ دونوں طرح جائز ہے۔

احناف کی پہلی دلیل: یہ حدیث سمرہ رضی اللہ عنہ ہے **ان النبی ﷺ نهى عن بيع الحيوان بالحيوان نسيئة** کہ آپ ﷺ نے ایک جانور کے بدلے میں دوسرے جانور کی ادھار بیع سے منع فرمایا ہے۔

دوسری دلیل: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے **الحيوان اثنين بواحدة لا يصلح نسأ ولا بأس يدا بيد** کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو جانور کو ایک جانور کے بدلے میں ادھار بیچنا درست نہیں ہے البتہ نقد بیچنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی پہلی دلیل: حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک غزوہ کے موقع پر اونٹوں کی ضرورت پیش آئی اور اونٹ کم پڑ رہے تھے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جا کر لوگوں سے اونٹ وصول کرو **فكنت آخذ البعير بالبعيرين الى اجل** کہ میں ایک اونٹ دو اونٹوں کے بدلے میں ادھار لیتا تھا یہ معاملہ آپ ﷺ کے زمانے میں ہوا معلوم ہوا کہ بیع الحیوان بالحیوان نسیئۃ بھی جائز ہے۔

احناف کی طرف سے جواب یہ ہے کہ ربوا کی حرمت کا اعلان حجۃ الوداع کے موقع پر ہوا اور اس کے بعد آپ ﷺ کسی غزوہ میں شریک نہیں ہوئے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ حرمت ربوا سے پہلے کا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی دوسری دلیل:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ گھوڑے کے بدلے میں اپنے گھوڑے کی بیع کی اور فرمایا کہ میں اپنا گھوڑا تمہیں ربذہ مقام پر دوں گا، چنانچہ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گھوڑا ادا کردیا یہ بیع الحیوان بالحیوان نسیئۃ ہے معلوم ہوا کہ یہ جائز ہے۔

اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ بیع بالنسیئہ تو ناجائز ہے، لیکن بیع الغائب بالناجز جائز ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ بیع بالنسیئہ میں ایک اجل مقرر ہوتی ہے اور وہ "اجل" عقد کے اندر شرط ہوتی ہے کہ جب تک وہ اجل نہیں آئے گی اس وقت تک مشتری کو بیع کے مطالبے کا حق نہیں ہوگا اور بیع الغائب بالناجز کے اندر صلب عقد میں اجل کی ایسی کوئی شرط نہیں ہوتی بلکہ بیع کے مکمل ہوتے ہی مشتری کو بیع کے مطالبے کا حق حاصل ہو جائیگا اور جب بھی وہ مشتری مطالبہ کرے گا، بائع کے ذمے یہ حق ہوگا کہ وہ مبیع مشتری کے حوالے کردے۔ لیکن بائع یہ کہتا ہے کہ بیع تو مکمل ہوگئی لیکن میرا گھوڑا فلاں جگہ رکھا ہے وہاں جا کر میں دے دوں گا۔ یہ بیع الغائب بالناجز ہے۔ یہ بیع بالنسیئہ نہیں ہے اس لئے کہ اس میں صلب عقد کے اندر کوئی اجل مشروط نہیں، بلکہ عقد ہوتے ہی مشتری کو مطالبے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ یہ جائز ہے جیسے مثلاً آپ بازار میں کسی دکاندار کے پاس کوئی چیز خریدنے گئے، وہ دکاندار تمہارا جاننے والا تھا، آپ نے اس سے سودا خریدا جب پیسے دینے کے لئے ہاتھ جیب میں ڈالا تو معلوم ہوا کہ جیب میں پیسے نہیں ہیں۔ اب دکاندار آپ سے کہتا ہے کہ آپ سودا لے جائیں پیسے بعد میں "آ" جائیں گے یا بعد میں دے جانا۔ یہ کونسی بیع ہے؟ اگر اس کو "بیع بالنسیئہ" کہا جائے تو بیع باطل ہوگی، اس لئے کہ پیسے بعد میں دینے کی کوئی اجل مقرر اور متعین نہیں ہوئی اور بیع بالنسیئہ میں اجل کا مقرر اور متعین نہ ہونا بیع کو فاسد کردیتا ہے لیکن یہ بیع درست ہے۔ اس لئے کہ بیع کے اندر صلب عقد میں اجل کی شرط نہیں بلکہ بیع حال ہے اور بائع کو ہر وقت یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ زبردستی مشتری سے پیسے وصول کرلے لیکن بائع نے تسامح سے کام لیتے ہوئے اپنا یہ حق چھوڑ دیا اور مشتری سے یہ کہا کہ پیسے بعد میں دے جانا یہ بیع الغائب بالناجز ہے۔ اسی طرح حیوان کی بیع حیوان سے ہو رہی ہو تو بیع الغائب بالناجز جائز ہے اور بیع بالنسیئہ جائز نہیں اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے واقعے میں بیع الغائب بالناجز ہے بیع بالنسیئہ نہیں ہے اس لئے اس واقعے سے استدلال درست نہیں۔ (تقریر ترمذی ج ۱ ص ۱۲۸)

**الشق الثانی** ......عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال الحقوا الفرائض باھلھا فما بقی فھو لاولی رجل ذکر۔

ترجم الحدیث المبارک بالاردیۃ . اشرح الحدیث بکل تفصیل واذکر ھل العصبۃ یطلق علی الذکر فقط ام یطلق علی الانثی ایضا واذکر فائدۃ قید الرجل بالذکر۔

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی تشریح (۳) مذکر ومؤنث پر عصبہ کے اطلاق ومصداق کی وضاحت (۴) مذکر کی قید کا فائدہ۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم مقررہ حصوں کو ذوی الفروض کے ساتھ ملاؤ، پھر جو بچ جائے وہ قریب ترین مرد کے لئے ہے۔

❷ حدیث کی تشریح:۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ ترکہ میں سے پہلے ذوی الفروض کو ان کا شریعت کی طرف سے مقرر کردہ حصہ ادا کرو پھر جو مال بچ جائے وہ قریب ترین مذکر کو دے دو۔ اس میں الاقرب فالاقرب کی ترتیب ہوتی ہے۔ پس سب سے اقرب اس کا اپنا جزء یعنی بیٹا و پوتا ہوتا ہے دوسرے درجہ میں اصل یعنی باپ دادا اقرب ہوتے ہیں پھر تیسرے درجہ میں باپ کا جزء یعنی بھائی و بھتیجا اقرب ہوتے ہیں، پھر چوتھے درجہ میں دادا کا جزء یعنی چچا و چچازاد عصبہ ہوتے ہیں اور اس میں اقرب کی موجودگی میں ابعد محروم ہوتا ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ج ۶ ص ۲۳۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ گھوڑے کے بدلہ میں اپنے گھوڑے کی بیع کی اور فرمایا کہ میں اپنا گھوڑا تمہیں ربذہ مقام پر دوں گا، چنانچہ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گھوڑا دے دیا یہ بیع الحیوان بالحیوان نسیئۃً ہے، معلوم ہوا کہ یہ جائز ہے۔

اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ بیع بالنسیئہ تو ناجائز ہے، لیکن **بیع الغائب بالناجز** جائز ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ **بیع بالنسیئۃ** میں ایک اجل مقرر ہوتی ہے اور وہ "اجل" عقد کے اندر شرط ہوتی ہے کہ جب تک وہ اجل نہیں آئے گی اس وقت تک مشتری کو مبیع کے مطالبے کا حق نہیں ہوگا اور **بیع الغائب بالناجز** کے اندر صلب عقد میں اجل کی ایسی کوئی شرط نہیں ہوتی بلکہ بیع کے مکمل ہوتے ہی مشتری کو مبیع کے مطالبے کا حق حاصل ہو جائیگا اور جب بھی وہ مشتری مطالبہ کرے گا، بائع کے ذمے یہ حق ہوگا کہ وہ مبیع مشتری کے حوالے کردے۔ لیکن بائع یہ کہتا ہے کہ بیع تو مکمل ہوگئی لیکن میرا گھوڑا فلاں جگہ رکھا ہے وہاں جا کر میں دے دونگا۔ یہ **بیع الغائب بالناجز** ہے۔ یہ بیع بالنسیئہ نہیں ہے اس لئے کہ اس میں صلب عقد کے اندر کوئی اجل مشروط نہیں، بلکہ عقد ہوتے ہی مشتری کو مطالبے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ یہ جائز ہے جیسے مثلاً آپ بازار میں کسی دکاندار کے پاس کوئی چیز خریدنے گئے وہ دکاندار تمہارا جاننے والا تھا، آپ نے اس سے سودا خریدا جب پیسے دینے کے لئے ہاتھ جیب میں ڈالا تو معلوم ہوا کہ جیب میں پیسے نہیں ہیں۔ اب دکاندار آپ سے کہتا ہے کہ آپ سودا لے جائیں پیسے بعد میں آجائیں گے یا بعد میں دے جانا۔ یہ کونسی بیع ہے؟ اگر اس کو "بیع بالنسیئہ" کہا جائے تو یہ بیع باطل ہوگی، اس لئے کہ پیسے بعد میں دینے کی کوئی اجل مقرر اور متعین نہیں ہوئی اور بیع بالنسیئہ میں اجل کا مقرر اور متعین نہ ہونا بیع کو فاسد کردیتا ہے لیکن یہ بیع درست ہے۔ اس لئے کہ بیع کے اندر صلب عقد میں اجل کی شرط نہیں بلکہ بیع حال ہے اور بائع کو ہر وقت یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ زبردستی مشتری سے پیسے وصول کرلے لیکن بائع نے تسامح سے کام لیتے ہوئے اپنا یہ حق چھوڑ دیا اور مشتری سے یہ کہا کہ پیسے بعد میں دے جانا یہ **بیع الغائب بالناجز** ہے۔ اسی طرح حیوان کی بیع حیوان سے ہو رہی ہو تو **بیع الغائب بالناجز** جائز ہے اور بیع بالنسیئہ جائز نہیں اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے واقعے میں **بیع الغائب بالناجز** ہے بیع بالنسیئہ نہیں ہے اس لئے اس واقعے سے استدلال درست نہیں۔ (تقریر ترمذی ج ا ص ۱۳۹)

**الشق الثانی** ...... **عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال الحقوا الفرائض باهلها فما بقی فهو لاولی رجل ذکر.**

**ترجم الحديث المبارك بالاردية . اشرح الحديث بكل تفصيل واذكر هل العصبة يطلق على الذكر فقط ام يطلق على الانثى ايضا واذكر فائدة قيد الرجل بالذكر.**

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی تشریح (۳) مذکر و مؤنث پر عصبہ کے اطلاق و مصداق کی وضاحت (۴) مذکر کی قید کا فائدہ۔

**جواب** ...... ❶ <u>حدیث کا ترجمہ:</u> حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم مقررہ حصوں کو ذوی الفروض کے ساتھ ملاؤ، پھر جو بچ جائے وہ قریب ترین مرد کے لئے ہے۔

❷ <u>حدیث کی تشریح:</u> رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ ترکہ میں سے پہلے ذوی الفروض کو ان کا شریعت کی طرف سے مقرر کردہ حصہ ادا کرو پھر جو مال بچ جائے وہ قریب ترین مذکر کو دے دو۔ اس میں **الاقرب فالاقرب** کی ترتیب ہوتی ہے۔ پس سب سے اقرب اس کا اپنا جزء یعنی بیٹا و پوتا ہوتا ہے، دوسرے درجہ میں اصل یعنی باپ دادا اقرب ہوتے ہیں پھر تیسرے درجہ میں باپ کا جزء یعنی بھائی و بھتیجا اقرب ہوتے ہیں، پھر چوتھے درجہ میں دادا کا جزء یعنی چچا و چچازاد عصبہ ہوتے ہیں اور اس میں اقرب کی موجودگی میں ابعد محروم ہوتا ہے۔ (تحفۃ الالمعی ج ۵ ص ۳۳۶)

❸ **مذکر ومؤنث پر عصبہ کے اطلاق ومصداق کی وضاحت:۔** عصبہ نسبی کی تین قسمیں ہیں۔ ① عصبہ بنفسہ: ہر وہ مذکر رشتہ دار ہے جس کا میت سے رشتہ جوڑنے میں کسی مؤنث کا واسطہ نہ آئے یہ چار ہیں۔ جزء میت، اصل میت، اصل قریب یعنی باپ کا جزء، اور اصل بعید یعنی دادا کا جزء ② عصبہ بغیرہ: وہ عورتیں ہیں جو اپنے بھائیوں کے ساتھ ملکر انکی وجہ سے عصبہ بنتی ہیں یعنی بیٹی، پوتی، حقیقی و علاتی بہنیں ③ عصبہ مع غیرہ: وہ عورتیں ہیں جو مؤنث فروع کیساتھ عصبہ بنتی ہیں اور وہ دو ہیں: حقیقی اور علاتی بہنیں (تحفۃ الالمعی ج۵ص۲۳۵)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عصبہ کا مصداق مذکر ومؤنث دونوں ہیں یعنی دونوں عصبہ بنتے ہیں البتہ فرق یہ ہے کہ مذکر بذاتہ عصبہ ہے مگر عورتیں بذاتہ عصبہ نہیں ہیں بلکہ عورت یا غیر کی وجہ سے عصبہ بنتی ہے یا غیر کے ساتھ ملکر عصبہ بنتی ہے اور اس باب میں صرف عصبہ بنفسہ کا ذکر ہے۔

❹ **مذکر کی قید کا فائدہ:۔** چونکہ یہ باب صرف عصبہ بنفسہ کے ذکر کیلئے ہے اور عصبہ بنفسہ صرف مرد ہوتا ہے اسلئے اس حدیث میں رجل کی قید احترازی ہے، عورت سے احتراز مقصود ہے اور مذکر کی قید صفت کاشفہ ہے یعنی اسکی وضاحت کیلئے ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

"مذکر" کا لفظ رجل کی تاکید کیلئے ہے۔ "مذکر" کی قید احترازی ہے، خنثیٰ کو خارج کرنا مقصود ہے۔ (درس ترمذی)

## ﴿الورقة الثالثة: الجامع للامام الترمذی﴾

## ﴿السوال الاول﴾ ۱۴۳۷ھ

**الشق الاول** ......عن اسامة بن زيد ان رسول الله ﷺ قال لايرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم.

عن جابر عن النبي ﷺ قال لايتوارث اهل ملتين. (ص۳۱-ج۲-قدیمی)

**اشرح الحديث الاول واذكر حكم ميراث المرتد عند اهل العلم. اشرح الحديث الثاني وبين مذاهب الائمة في توارث اهل ملتين شتى، مع ذكر التوجيه الصحيح للحديث على مذهب الجمهور.**

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال کا خلاصہ پانچ امور ہیں (۱) حدیث اول کی تشریح (۲) مرتد کی میراث کا حکم (۳) حدیث ثانی کی تشریح (۴) اہل ملتین کے باہم وارث ہونے میں ائمہ کے مذاہب (۵) جمہور کی طرف سے حدیث کی توجیہ۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث اول کی تشریح:۔** رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ نہ مسلمان کافر کا وارث ہوتا ہے اور نہ کافر مسلمان کا وارث ہوتا ہے اور کفر سے مراد اسلام کا انکار ہے پس دیگر تمام مذاہب ایک ہی ملت ہیں اور وہ مسلمان کے وارث نہیں ہوسکتے البتہ مسلمان انکا وارث ہوگا۔

❷ **مرتد کی میراث کا حکم:۔** اس پر اجماع ہے کہ مرتد مسلمان کا وارث نہیں ہوگا البتہ مرتد کے مال کے بارے میں مختلف مذاہب ہیں۔

امام شافعی وربیعہ وابن ابی لیلیٰ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ مرتد کے مرنے کے بعد اس کا مال فئی للمسلمین ہوگا۔

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا مال مسلمانوں کیلئے فئی ہے البتہ اگر مرتد نے اس لئے ارتداد کو اختیار کیا ہوتا کہ ورثاء کو محروم کرسکے تو پھر ورثاء محروم نہ ہوں گے بلکہ ان کو وارث بنایا جائے گا۔ امام ابو یوسف ومحمد رحمہما اللہ کے نزدیک مرتد کا مال ورثاء مسلمین کو دیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو مال بحالت اسلام کمایا ہے اس کے وارث مسلمان ورثاء ہوں گے اور جو مال مرتد ہونے کے بعد حاصل کیا ہے وہ بیت المال میں جمع کیا جائے گا۔

علقمہ اور بعض تابعین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے مال کے مستحق وہ اہل دین ہوں گے جن کے دین کی طرف وہ منتقل ہوا ہے قال داؤد الظاهري يختص بورثة من اهل الدين الذي انتقل اليه۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مرتد تو حکماً میت ہے تو اس کی موت کا حکم وقت ردت کی طرف منسوب ہوگا لہٰذا ردۃ اختیار

کرنے تک تو مسلمان تھا اب مرتد ہو کر وہ میت ہو گیا تو اب تک کا جو مال اسکے پاس ہے وہ بحالت اسلام کمایا ہوا ہے تو ورثاء مسلمین اسکے وارث ہوں گے کیونکہ یہ توریث المسلم للمسلم ہوئی اور ردۃ کے بعد جو مال اس نے حاصل کیا وہ کفر کی حالت کا ہے اب مسلمان کو اس کا وارث نہیں بنایا جائیگا ورنہ توریث المسلم للکافر لازم آئیگا بلکہ اس کا مال بیت المال میں جمع کر دیا جائیگا۔

(نوٹ) یہ حکم مرتد مرد کے مال کے بارے میں ہے اور مرتدہ کے بارے میں اجماع ہے کہ اس کا مال جو بحالت اسلام ہو یا بحالت ارتداد و ورثاء مسلمین کا ہے لانها لاتقتل عندنا بل تحبس حتى تسلم او تموت۔ (درس ترمذی ج ۳ ص ۱۱۶)

❸ **حدیث ثانی کی تشریح:۔** حضور ﷺ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ دو ملتوں و دو مذاہب والے باہم وارث نہیں ہو سکتے۔ باقی ملتین کی وضاحت امر نمبر ۴ میں آرہی ہے۔

❹ **اہل ملتین کے باہم وارث ہونے میں ائمہ کے مذاہب:۔** حنفیہ کے نزدیک اسلام کے علاوہ سارے مذاہب ایک ملت ہیں۔ امام محمد رحمہ اللہ نے مؤطا میں لکھا ہے الكفر ملة واحدة يتوارثون به یعنی اسلام کا انکار کرنے والے سب ایک ملت ہیں، پس وہ کفر کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور امام شافعی رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے اور امام مالک رحمہ اللہ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ الگ الگ ملت ہیں، پس وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہونگے اور مشرکین اور مورتیاں پوجنے والے سب ایک ملت ہیں پس وہ ایک دوسرے کے وارث ہونگے اور حنابلہ کے نزدیک ہر مذہب الگ ملت ہے اس لئے وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہونگے اور باب کی حدیث میں احناف کے نزدیک دو ملتوں سے کفر و اسلام مراد ہیں، پس اس حدیث کا مطلب وہی ہے جو امر نمبر ۲ میں گزر چکا ہے۔ (تحفۃ الالمعی ج ۵ ص ۳۲۵)

❽ **جمہور کی طرف سے حدیث کی توجیہ:۔** حدیث الباب حنابلہ کے بالکل مطابق ہے اور جمہور کے بالکل خلاف ہے۔

جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ اسلام ملت واحدہ ہے اور اس کے بالمقابل کفر ملت واحدہ ہے خواہ وہ کسی بھی نوع کا کفر ہو لہٰذا حدیث الباب میں اسلام و کفر مراد ہے اور معنی یہ ہے کہ اہل اسلام اہل کفر کے وارث نہ ہوں گے اور اہل کفر اہل اسلام کے وارث نہ ہوں گے۔ (درس ترمذی ج ۳ ص ۱۱۸)

**الشق الثانی** ......عن عبدالرحمن بن كعب بن مالك ان جابر بن عبدالله اخبره: ان النبی ﷺ كان يجمع بين الرجلين من قتلى احد فى الثوب الواحد ثم يقول: ايهما اكثر أخذا للقرآن؟ فاذا اشير له الى احدهما قدمه فى اللحد، و قال: انا شهيد على هؤلاء يوم القيامة، وامر بدفنهم فى دمائهم ولم يصل عليهم ولم يغسلوا. (ص ۲۰۰۔ ج ۱۔ ترمذی)

انكر اختلاف العلماء فى الصلاة على الشهيد مع ادلتهم۔ انكر الجواب عن الحديث المذكور عند من لا يقول به

﴿خلاصہ سوال﴾ ......اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) شہید کی نماز جنازہ میں اختلاف (۲) ائمہ کے دلائل (۳) حدیث الباب کا جواب

**جواب** ...... ❶ **شہید کی نماز جنازہ میں اختلاف:۔** شہید کی نماز جنازہ کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

جبکہ امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام محمد، سفیان ثوری، امام اوزاعی اور ابن ابی لیلیٰ رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ امام احمد اور امام اسحاق رحمہما اللہ کی ایک ایک روایت بھی اسی کے مطابق ہے، اہل حجاز کا قول بھی یہی ہے۔

❷ **ائمہ کے دلائل:۔** ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کا استدلال حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث باب سے ہے۔

حنفیہ کے دلائل: ① مستدرک حاکم میں حضرت جابر ؓ کی روایت ہے فقد رسول الله ﷺ حمزة حين جاء الناس من القتال...... ثم جئ بحمزة فصلّى عليه ② سنن ابی داؤد میں حضرت انس ؓ کی روایت ہے أنّ النبيّ ﷺ مرّ بحمزة وقد مثّل به ولم يصلّ على أحد من الشهداء غيره، امام طحاوی ؒ نے بھی اس روایت کا اخراج کیا ہے اور اس روایت کی سند بھی قوی ہے اس روایت میں ولم يصلّ على أحد من الشهداء کا جملہ آیا ہے اس کا مطلب آگے آئیگا ③ صحیح بخاری میں حضرت عقبہ بن عامر ؓ سے مروی ہے کہ أن النبيّ ﷺ خرج يومًا فصلّى على أهل أحد صلاته على الميّت الخ یہ آنحضرت ﷺ کے وصال سے کچھ عرصہ پہلے کا واقعہ ہے ④ امام ابوداؤد ؒ کی "مراسیل" میں حضرت عطاء ؒ سے مروی ہے قال: صلّى النبيّ ﷺ على قتلى أحد ⑤ سنن نسائی میں شداد بن الہاد ؓ سے ایک قصہ مروی ہے جسمیں انہوں نے ایک دیہاتی کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے اسلام لانے اور غزوہ میں شریک ہو کر شہید ہونے کا ذکر کیا ہے اس میں وہ آگے فرماتے ہیں ثم كفّنه النبيّ ﷺ في جبة النبيّ ﷺ ثم قدّمه فصلّى عليه الخ یہ روایت امام طحاوی ؒ نے بھی ذکر کی ہے۔
یہ تمام روایات شہید کی نماز جنازہ پر دال ہیں اگر ان میں سے کسی میں ضعف ہو بھی تب بھی کثرت روایات سے اسکی تلافی ہو جاتی ہے۔

❷ حدیث الباب کا جواب:۔ جہاں تک حضرت جابر ؓ کی حدیث باب کا تعلق ہے جسمیں شہدائے احد پر نماز کی نفی کی گئی ہے جب مذکورہ بالا متعدد روایات سے انکی نماز جنازہ کا ثبوت ہو گیا تو اس حدیث کی توجیہ کی جائیگی چنانچہ اسکے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں۔

امام طحاوی ؒ نے اس کا جواب دیتے ہوئے یہ امکان ذکر کیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بنفس نفیس تو ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی ہو اس لئے کہ آپ ﷺ زخمی تھے لیکن آپ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کو ان کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا ہو لہذا جن روایات میں شہدائے احد کی نماز جنازہ کی نفی ہے وہ اسی پر محمول ہے لیکن اس توجیہ پر تمام روایات منطبق نہیں ہوتیں۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ حدیث باب میں لم يُصلّ عليهم سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت حمزہ ؓ کے سوا کسی پر مستقلاً منفرداً نماز نہیں پڑھی بلکہ متعدد صحابہ کرام ؓ پر ایک ساتھ نماز پڑھی، یہ توجیہ احقر کے نزدیک درست اور بہتر ہے اس لئے کہ اس پر مجموعی طور پر روایات منطبق ہو جاتی ہیں۔

حضرت عقبہ بن عامر ؓ کی روایت جس میں وصال سے کچھ پہلے دوبارہ شہدائے احد پر "صلاۃ" کا ذکر ہے اس میں اگرچہ ایک امکان یہ بھی ہے کہ اس سے محض دعا مراد ہو جیسا کہ امام نووی ؒ کا قول ہے لیکن ایک قوی امکان یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے ان پر باقاعدہ نماز جنازہ پڑھی ہو اور یہ دوسری دفعہ نماز جنازہ کا پڑھا جانا شہدائے احد کے ساتھ مخصوص ہو۔

امام طحاوی ؒ نے اس کی یہ توجیہ بھی کی ہے کہ غزوۂ احد کے وقت نماز جنازہ واجب نہیں تھی احد میں جب اسکا وجوب ہوا تو آپ ﷺ نے دوبارہ نماز ادا فرمائی۔ (درس ترمذی ج ۳ ص ۳۱۲)

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۲۷ھ

**الشق الاول**...... عن علی بن ابی طالب: ان النبی ﷺ نهى عن متعة النساء و عن لحوم الحمر الأهلية زمن خيبر. (ص ۲۳۳ ج ۱ قدیمی)

اذكر الاختلاف في حل المتعة وحرمتها مع ذكر ادلة القائلين بها والجواب عنها. اختلفت الروايات في بيان وقت تحريم المتعة. اذكر هذه الروايات المتعارضة ثم اكتب وجه الجمع والتطبيق بين هذه الروايات.

﴿خلاصہ سوال﴾...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں۔ (۱) متعہ کی حرمت میں اختلاف مع الدلائل (۲) تحریم متعہ کے

وقت کے متعلق روایات (۳) روایات متعارضہ میں تطبیق۔

**جواب** ...... ❶ **متعہ کی حرمت میں اختلاف مع الدلائل:۔** اہل تشیع کے نزدیک متعہ نہ صرف حلال ہے بلکہ عظیم ترین عبادت ہے جبکہ اس کے بالمقابل پوری امت مسلمہ متعہ کی حرمت پر متفق ہے۔

روافض کے ہاں جو متعہ رائج ہے یہ خالص زنا ہے، ان کے متعہ میں گواہ نہیں ہوتے، ولی نہیں ہوتا، نفقہ واجب نہیں ہوتا، نہ عدت، میراث اور نسب نام کی کوئی چیز ثابت نہیں ہوتی، بس ایک مرد ایک عورت سے تمتع حاصل کرنے کے لئے اجرت سے کوئی معاہدہ کر لیتا ہے اور ظاہر ہے کہ اسی باہمی رضامندی سے عام طور پر زنا بھی ہوتا ہے یہ اور بات ہے کہ زنا میں اجرت کا طے ہونا کوئی ضروری نہیں، زنا بغیر اجرت کے بھی ہوتا ہے اور اجرت کے ساتھ بھی اور متعہ میں اجرت ہوتی ہے، کسی بھی دین سماوی میں کبھی بھی جس طرح زنا حلال نہیں ہوا اسی طرح روافض کا مذکورہ متعہ بھی حلال نہیں ہوا۔

متعہ کی حلت پر روافض قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں **فما استمتعتم به منهن فاتوهن اجورهن فريضة ولا جناح عليكم فيما تراضيتم به من بعد الفريضة ان الله كان عليمًا حكيمًا۔**

روافض کہتے ہیں کہ اس آیت میں متعہ کا بھی ذکر ہے اور اجرت کا بھی، نیز حضرت ابی بن کعب اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی قرأت میں **الى اجل مسمى** کا اضافہ بھی ہے۔ اجل، متعہ اور اجرت تینوں چیزوں کا ذکر ہے اور اسی کا نام متعہ ہے لہٰذا متعہ کا ثبوت قرآن میں موجود ہے لیکن یہ تلبیس ہے۔ اس آیت سے پہلی آیت میں اللہ جل شانہ نے محرمات کی تفصیل بیان فرمائی ہے **حرمت عليكم امهاتكم وبناتكم الخ،** اسکے بعد متصل دوسری آیت میں **واحل لكم ماوراء ذلكم ان تبتغوا باموالكم محصنين غير مسافحين** میں ان عورتوں کی نشاندہی فرمائی گئی ہے جن سے نکاح حلال اور جائز ہے یعنی محرمات کے علاوہ باقی عورتوں سے نکاح جائز ہے پھر **واحل لكم** پر تفریع قائم کرتے ہوئے فرمایا گیا **فما استمتعتم به الخ** یعنی جب تم نے ان حلال عورتوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح کر لیا اور اس سے استمتاع بھی کر لیا تو اس کا پورا مہر اس کو دو۔ اس سیاق وسباق کو دیکھنے سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ **فما استمتعتم به الخ** سے کسی مستقل چیز کا حکم نہیں دیا جا رہا ہے بلکہ یہ ماقبل کی کلام پر تفریع اور اسکا تتمہ ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ اس میں **لجورهن** لفظ آیا ہے تو اطلاعاً عرض ہے کہ یہاں **لجورهن** بالاتفاق **مهورهن** کے معنی میں ہے مہر کے لئے قرآن نے دوسری آیات میں بھی اجر کا لفظ استعمال کیا ہے جیسے **فانكحوهن باذن اهلهن وآتوهن اجورهن** اور **لاجناح عليكم ان تنكحوهن اذا اتيتموهن اجورهن الخ،** ان دونوں آیات میں **اجورهن** بالاتفاق **مهورهن** کے معنی میں ہے۔

مہر کے لئے لفظ "اجرت" کے استعمال کی وجہ یہ ہے کہ مہر عورت کے منافع کا عوض ہوتا ہے اس کی ذات کا عوض نہیں ہوتا اور جو چیز منافع کے عوض میں ہوتی ہے اس کو اجرت کہتے ہیں۔ جہاں تک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرأت کا تعلق ہے تو ان کی وہ قرأت شاذہ ہے جس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

**فما استمتعتم به الخ** سے اگر روافض کا متعہ مراد لیا جائے تو اس سے ایک اور خرابی یہ لازم آئے گی کہ آیت میں تعارض پیدا ہو جائے گا کیونکہ آیت کے ابتدائی حصہ میں کہا گیا کہ محرمات کے علاوہ جن عورتوں سے بھی تم نکاح کرو اس نکاح سے عفت اور پاکدامنی کے طلبگار رہو، نکاح سے شہوت رانی مقصد نہیں ہونی چاہیے چنانچہ فرمایا گیا **محصنين غير مسافحين،** اب اگر **فما استمتعتم به الخ** سے روافض کا متعہ مراد لیا جائے تو وہ تو ہوتا ہی شہوت رانی کے لئے ہے جس کی پہلے ممانعت کی گئی ہے، اس طرح اول اور آخر کلام میں تعارض پیدا ہوگا۔

حدیث کے علاوہ قرآن مجید کی بھی کئی آیات متعہ کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں چنانچہ سورۃ معارج میں فرمایا گیا والذین هم لفروجهم حافظون، الا علی ازواجهم او ماملکت ایمانهم فانهم غیر ملومین، فمن ابتغی وراء ذلك فاولئك هم العادون۔

ان آیات میں دو قسم کی عورتوں کے ساتھ ہمبستری کی اجازت دی گئی ہے، ایک ازواج یعنی وہ عورتیں جن سے عقد نکاح کے ذریعہ انسان تمتع حاصل کرسکتا ہے اور دوسری ملک یمین کے ذریعہ سے انسان کی ملکیت میں آنے والی باندیاں، ان دو قسموں کے علاوہ کسی اور سے اپنی شہوت پوری کرنے والوں کے بارے میں کہا گیا کہ ایسے لوگ سرکش اور باغی ہیں اور ظاہر ہے جس عورت سے متعہ کیا جاتا ہے وہ ان دو قسموں میں سے کسی میں بھی داخل نہیں ہے۔ اس کو آپ زوجہ نہیں کہہ سکتے کہ زوجہ کے لئے میراث، سکنی، عدت اور اس سے پیدا ہونے والے بچہ کا نسب ثابت ہوتا ہے جبکہ متعہ میں عورت کے لئے ان میں سے کسی چیز کا ثبوت روافض نہیں مانتے، اسی طرح اس پر باندی کا اطلاق بھی نہیں کیا جاسکتا کہ باندی فروخت کی جاسکتی ہے لیکن جس عورت سے متعہ کیا جاتا ہے اس کو فروخت نہیں کرسکتے اس لئے متعہ کرنے والے لوگ فمن ابتغی وراء ذلك فاولئك هم العادون میں داخل ہیں اور اس آیت سے حرمت متعہ بالکل صاف طور پر ثابت ہو رہی ہے۔

اسی طرح قرآن کی سورۃ نساء کی اس آیت سے بھی متعہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے وان خفتم ان لا تقسطوا فی الیتامی فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنی وثلاث ورباع، فان خفتم ان لاتعدلوا فواحدۃ او ماملکت ایمانکم۔ یہاں بھی یا نکاح کی اجازت ہے یا ملک یمین کی اور متعہ نہ نکاح ہے اور نہ اس میں ملک یمین کی شکل پائی جاتی ہے، نیز یہاں یہ قید ہے کہ نکاح بیک وقت صرف چار عورتوں کے ساتھ کیا جاسکتا ہے، عدد مقرر ہے جبکہ متعہ بیک وقت روافض کے ہاں دس عورتوں سے بھی کیا جاسکتا ہے بلکہ ہزار عورتوں سے بھی کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کی اس آیت سے بھی متعہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے ولیستعفف الذین لایجدون نکاحا حتی یغنیهم الله من فضله (اور جن لوگوں کو نکاح پر قدرت نہیں وہ اپنے آپ کو قابو میں رکھیں حتی کہ جب اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کردے (تب نکاح کرلیں)۔

یہ آیت صاف صاف بتا رہی ہے کہ اگر کسی شخص کی مالی استطاعت اتنی نہیں ہے کہ وہ نکاح اور نفقہ وغیرہ کے اخراجات برداشت کرسکے تو اس کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ عفیف رہنے کی کوشش کرے اور اپنے نفس کو ضبط و قابو میں رکھے، جب اللہ تعالیٰ اس کی مالی حالت مستحکم فرما دیں گے تب وہ نکاح کرے، اگر متعہ کے جواز کی کوئی صورت اسلام میں جائز ہوتی تو آیت میں اس اسلوب کو اختیار کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی، استغناء سے قبل اس کو عفیف اور قابو میں رہنے کے بجائے متعہ کا حکم دے دیا جاتا۔

اسی طرح قرآن کی سورۃ فرقان کی آیت هو الذی خلق لکم من الماء بشرا فجعله نسبا وصهرا میں نسب اور صاہرت کے سلسلہ کو اللہ کی نعمتوں میں شمار کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ نسب اور مصاہرت کا ترتب نکاح پر ہوتا ہے متعہ پر نہیں ہوتا پھر اگر متعہ جائز ہوتا بقول روافض عظیم عبادت ہے تو جس طرح نکاح میں اظہار اور اعلان ہوتا ہے، تہنیت و مبارکباد پیش کی جاتی ہے تو یہ لوگ متعہ میں ایسا کیوں نہیں کرتے، آج تک کسی رافضی کو فخر سے یہ کہتے کسی نے نہیں سنا ہوگا کہ اس نے اپنی ماں اور محترمہ یا بہن کے متعہ کا ذکر کیا ہو اور اس عظیم عبادت کے اظہار پر خوشی کا اظہار کیا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے دل خود اندر سے اس پر مطمئن نہیں ہیں لیکن شہوت رانی اور دین اسلام سے بے تعلقی اور انحراف کی وجہ سے انہوں نے خالص زنا کو متعہ کا نام دے کر اس کے جواز کا ڈھنڈورا پیٹنا شروع کیا، اللہ ہمیں دین اسلام کی صحیح سمجھ عطا فرمائیں اور شیطان کے ہتھکنڈوں سے ہمیں بچائیں۔ (آمین)

ابتدائے اسلام میں جو متعہ حلال تھا وہ درحقیقت نکاح موقت تھا، یہاں روایت میں جس متعہ کی حرمت کا ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ

نے حنفیہ سے مخالفت فرمائی اس متعہ سے رافضیوں کا متعہ مراد نہیں جیسا کہ بتا دیا گیا کہ متعہ روافض زنا ہے اور زنا کی اجازت اسلام میں کبھی بھی نہیں دی گئی ابتدائے اسلام میں جس متعہ کی اجازت تھی وہ در حقیقت نکاح موقت تھا، نکاح موقت، زنا اور نکاح صحیح کے درمیان کی چیز ہے۔ نکاح موقت پر نکاح صحیح کا اطلاق درست ہے اور نہ اسکو زنا کہہ سکتے ہیں، نکاح صحیح اس کو اسلئے نہیں کہہ سکتے کہ نکاح صحیح میں میراث اور فرقت کے بعد عدت ہوتی ہے جبکہ نکاح موقت میں یہ چیزیں نہیں ہوتیں، تاہم اسکو زنا بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ عقد گواہوں کی موجودگی میں ہوتا ہے اور اسمیں استبراء بھی ہوتا ہے نیز ولی کی اجازت بھی ہوتی ہے اسلئے اس کو زنا نہیں کہہ سکتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف یہ بات بعض روایات میں منسوب ہے کہ وہ جواز متعہ کے قائل تھے لیکن ان کی طرف یہ نسبت انکے اقوال شاذہ کی بنیاد پر ہے لہذا اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے رجوع بھی ثابت ہے۔

❷ تحریم متعہ کے وقت کے متعلق روایات:۔ نسخ کی روایات پر تو اتفاق ہے کہ متعہ منسوخ ہو چکا ہے البتہ اس میں روایات مختلف ہیں کہ کب اور کس موقع پر یہ منسوخ ہوا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں غزوۂ خیبر کے موقع پر متعہ کی حرمت بتلائی گئی ہے۔ کنز العمال کی روایت عن سبرة ان رسول الله ﷺ نهى عن متعة النساء فى حجة الوداع سے فتح مکہ میں، صحیح مسلم کی روایت رخص رسول الله ﷺ علم او طاس فى المتعة ثلاثا ثم نهى عنها سے غزوۂ اوطاس میں، اور امام زہری رحمہ اللہ کی روایت ان النبى ﷺ نهى فى غزوة تبوك عن نكاح المتعة (فتح الباری) سے غزوۂ تبوک میں، اور کنز العمال کی روایت ان رسول الله ﷺ نهى عن متعة النكاح فى حجة الوداع سے حجۃ الوداع کے موقع پر حرمت متعہ کا اعلان معلوم ہوتا ہے۔

❸ روایات متعارضہ میں تطبیق:۔ تبوک والی روایات ضعیف ہونے کی وجہ سے قابل اعتبار نہیں ہیں، جن روایات میں حجۃ الوداع کے موقع پر متعہ کی حرمت کے اعلان کا ذکر ہے وہ روایات صحیح ہیں تاہم حجۃ الوداع کے موقع پر چونکہ مسلمانوں کا مجمع بہت بڑا تھا اس لئے اعلاناً للناس آپ ﷺ نے اس کی حرمت کا دوبارہ اعلان فرمایا، حرمت کا اعلان تو آپ پہلے ہی کر چکے تھے اس موقع پر تحریم سابق سے لوگوں کو خبردار کرنے کے لئے دوبارہ اعلان فرمایا، جہاں تک ان روایات کا تعلق ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوۂ اوطاس میں متعہ کی حرمت کا اعلان کیا گیا ہے تو ان روایات میں غلط فہمی کا دخل ہے چونکہ غزوۂ اوطاس فتح مکہ کے متصل بعد واقع ہوا ہے اس لئے بعض راویوں نے فتح مکہ کے بجائے غزوۂ اوطاس کا ذکر کر دیا۔ اب دو قسم کی روایات رہ جاتی ہیں جن میں بعض سے غزوۂ خیبر میں اس کی حرمت کا اعلان معلوم ہوتا ہے اور بعض میں فتح مکہ کے موقع پر متعہ کی حرمت کے اعلان کا ذکر ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے بعض اصحاب کی رائے یہ ہے کہ متعہ کی حرمت اولاً خیبر میں ہوئی، اسکے بعد فتح مکہ کے موقع پر تین دن کیلئے اس کو مباح قرار دیا گیا اور تین دن کے بعد ابداً الآباد تک اس کو حرام کر دیا گیا، اس طرح اسکی حرمت و اباحت دونوں مکرر ہوئیں اور قبلہ کی طرح اس میں بھی دو مرتبہ نسخ ہوا۔ امام نووی رحمہ اللہ نے اسی کو راجح اور مختار قرار دیا ہے۔ (کشف الباری، کتاب المغازی ص ۳۳۵ ج ۲)

**النص الثانی** ...... عن الحجاج عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده: ان رسول الله ﷺ رد ابنته زينب على العاص بن الربيع بمهر جديد و نكاح جديد ...... عن عكرمة عن ابن عباس قال: رد النبى ﷺ ابنته زينب على العاص بن الربيع بعد ست سنين بالنكاح الأول ولم يحدث نكاحا. (ص ۲۱۶، ج ۱، قدیمی)

اذكر حكم الزوجة اذا اسلمت و زوجها مشرك، هل تقع الفرقة بمجرد اسلامها ام لا؟ ورد فى بعض الروايات ان النبى ﷺ رد ابنته بعد ست سنين و فى بعضها بعد اربع سنين و فى بعضها بعد سنتين فما هو وجه التوفيق بين هذه الروايات؟ وايضا بين الحديثين المذكورين تعارض واضح

فکیف ازالة هذا التعارض؟ اذکره مع مایرد من الایرادات فی هذا المقام۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) زوجہ کے مسلمان ہونے کی صورت میں فرقت کا حکم (۲) حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو دو چار چھ سال بعد لوٹانے کی روایات میں تطبیق (۳) نکاح سابق یا نکاح جدید کی روایات میں تطبیق۔

**جواب** ...... ❶ **زوجہ کے مسلمان ہونے کی صورت میں فرقت کا حکم:۔** اگر بیوی مسلمان ہو جائے اور شوہر کافر ہو تو امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بیوی کے محض اسلام لانے سے نکاح فسخ ہو جائے گا۔ البتہ اگر عورت مدخول بہا ہو اور شوہر بھی عدت کے دوران اسلام لے آئے تو سابقہ نکاح لوٹ آئے گا، جبکہ حنفیہ کے نزدیک محض اسلام سے فرقت واقع نہیں ہوتی بلکہ شوہر پر اسلام پیش کیا جائے گا اگر وہ اسلام قبول کر لے تو بیوی اسی کی ہے اور اگر انکار کر دے تو اس انکار کے سبب سے نکاح فسخ ہو جائے گا۔

**فائدہ** حنفیہ رحمہم اللہ کا مذکورہ بالا مسلک اس صورت میں ہے جبکہ زوجین دار الاسلام میں ہوں لیکن اگر دونوں دار الحرب میں ہوں تو فرقت عدت گزارنے پر موقوف ہوگی۔

حنفیہ رحمہم اللہ کی دلیل: حضرت یزید بن علقمہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ بنو تمیم کی ایک عورت عباد بن نعمان (جس کا تعلق قبیلہ بنو تغلب سے تھا) کے نکاح میں تھی بنی تمیم کی یہ عورت اسلام لے آئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے شوہر عباد بن نعمان کو بلوایا اور کہا کہ یا تو اسلام لے آ، یا اس عورت کو اپنے سے دور کر دے، عباد بن نعمان نے اسلام لانے سے انکار کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس نکاح کو فسخ کر دیا۔ اس مضمون کی ایک روایت امام محمد رحمہ اللہ نے کتاب الحجہ میں اور علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں واؤد بن کردوس رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔

شوافع رحمہم اللہ کا استدلال عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده والی روایت سے ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ احد الزوجین کے اسلام کے بعد عدت گزارنے پر فرقت واقع ہو جائے گی۔ (درس ترمذی ج ۳ ص ۳۲۹)

❷ **زینب کے شوہر چھ سال بعد لوٹانے کی روایات میں تطبیق:۔** اس تعارض کو رفع کرنے سے پہلے بطور تمہید کے یہ بات سمجھیں کہ حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ غزوہ بدر کے موقع پر قیدی بنا کر لائے گئے یعنی ہجرت کے دو سال بعد اور اس وعدے پر چھوڑے گئے کہ مکہ مکرمہ جا کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ بھیج دیں گے چنانچہ حسب وعدہ انہوں نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو بھیج دیا، پھر ہجرت کے چار سال بعد دوبارہ پکڑے گئے جس کا واقعہ یہ ہوا کہ یہ قریش کا مال تجارت لیکر شام گئے واپسی پر مسلمانوں کے لشکر سے سامنا ہوا مسلمانوں نے سامان کو قبضہ میں لے لیا اور انہوں نے بھاگ کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس پناہ لی، آپ رضی اللہ عنہا نے اس امان کو باقی رکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے سارا سامان واپس کر دیا یہ مکہ مکرمہ واپس چلے گئے قریش کو ان کی امانتیں واپس لوٹائیں پھر مکہ ہی میں مشرف با اسلام ہوئے اور ۶ھ میں ہجرت کی اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو واپس ان کے حوالے کر دیا، اس تمہید کے بعد دلائل میں تطبیق یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں چھ سال کی مدت سے مراد ہجرت کے بعد ابو العاص کے اسلام لانے اور ہجرت کرنے تک کا زمانہ مراد ہے اور جس روایت میں چار سال کا ذکر ہے اس میں بدر سے ان کی ہجرت تک کا زمانہ مراد ہے اور جس روایت میں دو سال کا ذکر ہے اس میں ابو العاص رضی اللہ عنہ کی دوسری مرتبہ گرفتار ہونے سے لیکر ان کی ہجرت تک کا زمانہ مراد ہے۔ (ایضا)

❸ **نکاح سابق یا نکاح جدید کی روایات میں تطبیق:۔** اکثر محدثین نے اس طرح تعارض رفع کیا کہ عمرو بن شعیب کی حدیث میں حجاج بن ارطاۃ ایک راوی ہے جو کہ ضعیف ہے اور اس کے مقابلے میں محدثین نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کو صحیح اور راجح قرار دیا لیکن اس پر یہ اشکال واضح ہے کہ چھ سال بعد نکاح اول کے ساتھ لوٹانا کیسے ممکن ہے جبکہ ظاہر یہی ہے کہ اس عرصہ

میں عدت پوری ہو چکی ہوگی اور فرقت کے بعد عدت گزارنے پر لوٹانے کا کوئی سوال نہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسکا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا **ممتدۃ الطھر** تھیں اسلئے اس مدت میں ان کی عدت نہ گزری ہوگی لہٰذا ابوالعاص کی طرف لوٹایا جانا اثنائے عدت میں اس وقت متحقق ہوا جب ابوالعاص رضی اللہ عنہ اسلام لا چکے تھے اس لئے نکاح ثانی کی بھی حاجت پیش نہیں آئی۔ نیز ایک جواب یہ بھی ہے کہ مسلمان عورتوں کے مشرکین کے ساتھ نکاح کی حرمت آیت کریمہ **لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ** کے ذریعہ ہوئی ہے اور یہ آیت ۶ھ میں نازل ہوئی، گویا حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی طرف لوٹایا جانا اس آیت کے نزول سے پہلے تھا یا نزول کے متصل بعد لیکن عدت کے دوران تھا۔

حنفیہ رحمہم اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کو ترجیح دے کر جو اس تعارض کو رفع کیا تو اس صورت میں یہ اشکال کہ چھ سال بعد لوٹانا کیسے ممکن ہے، مذہب احناف پر تو اشکال وارد نہیں ہوتا، اس لئے کہ احد الزوجین کے محض اسلام لانے سے فرقت نہیں ہوتی بلکہ اسلام پیش کرنے کے بعد انکار ضروری ہے اور واقعہ مذکورہ میں حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ پر ۶ھ میں اسلام پیش ہوا اور وہ اسلام لے آئے اس لئے نکاح کے فسخ ہونے کا کوئی سوال نہیں۔ (ایضاح ج ۳ ص ۳۳۱)

## السوال الثالث ۱۴۳۷ھ

**الشق الاول** ...... عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ حَدَّثَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حَدِيثَيْنِ قَدْ رَأَيْتُ أَحَدَهُمَا فَأَنَا أَنْتَظِرُ الْآخَرَ حَدَّثَنَا أَنَّ الْأَمَانَةَ نَزَلَتْ فِيْ جَذْرِ قُلُوْبِ الرِّجَالِ ثُمَّ نَزَلَ الْقُرْآنُ فَعَلِمُوْا مِنَ الْقُرْآنِ وَعَلِمُوْا مِنَ السُّنَّةِ، ثُمَّ حَدَّثَنَا عَنْ رَفْعِ الْأَمَانَةِ فَقَالَ يَنَامُ الرَّجُلُ نَوْمَةً فَتُقْبَضُ الْأَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهِ فَيَظَلُّ أَثَرُهَا مِثْلَ الْوَكْتِ ثُمَّ يَنَامُ نَوْمَةً فَتُقْبَضُ الْأَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهِ فَيَظَلُّ أَثَرُهَا مِثْلَ الْمَجْلِ كَجَمْرٍ دَحْرَجْتَهُ عَلٰى رِجْلِكَ فَنَفِطَتْ فَتَرَاهُ مُنْتَبِرًا وَلَيْسَ فِيْهِ شَيْءٌ. ثُمَّ أَخَذَ حَصَاةً فَدَحْرَجَهَا عَلٰى رِجْلِهِ، قَالَ: فَيُصْبِحُ النَّاسُ يَتَبَايَعُوْنَ لَا يَكَادُ أَحَدٌ يُؤَدِّي الْأَمَانَةَ حَتّٰى يُقَالَ إِنَّ فِيْ بَنِيْ فُلَانٍ رَجُلًا أَمِيْنًا وَحَتّٰى يُقَالَ لِلرَّجُلِ مَا أَجْلَدَهُ وَأَظْرَفَهُ وَأَعْقَلَهُ وَمَا فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيْمَانٍ قَالَ وَلَقَدْ أَتٰى عَلَيَّ زَمَانٌ وَمَا أُبَالِيْ أَيُّكُمْ بَايَعْتُ فِيْهِ لَئِنْ كَانَ مُسْلِمًا لَيَرُدَّنَّهُ عَلَيَّ دِيْنُهُ وَلَئِنْ كَانَ يَهُوْدِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا لَيَرُدَّنَّهُ عَلَيَّ سَاعِيْهِ فَأَمَّا الْيَوْمَ فَمَا كُنْتُ أُبَايِعُ مِنْكُمْ إِلَّا فُلَانًا وَفُلَانًا (ص ۴۱ ج ۲ ترمذی)

شكل الحديث بالضبط وترجمه بالاردية ترجمة واضحة۔ اشرح قوله: ولقد أتى على ...... الخ" شرحًا واضحًا

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) ولقد اتى على زمان کی تشریح۔

**جواب** ...... ❶ حدیث پر اعراب:۔ كمامرّ فى السوال آنفا۔

❷ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دو باتیں بیان فرمائیں ان میں سے ایک کو میں نے دیکھ لیا اور دوسری کا منتظر ہوں۔ انہوں نے بیان کیا ہم کو کہ بے شک امانت لوگوں کے دلوں کی جڑ میں اتری ہے پھر سیکھا انہوں نے قرآن کو پھر سیکھا انہوں نے سنت کو پھر آپ ﷺ نے ہمیں اس امانت کے اٹھنے کے متعلق بتلایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی ایک مرتبہ سوئے گا تو اس کے دل سے امانت کو چھین لیا جائے گا اور صرف ایک چھالے کا نشان باقی رہ جائے گا پھر آدمی ایک مرتبہ اور سوئے گا تو امانت بالکل چھین لی جائے گی اور اس کا اثر بڑے آبلہ کی مثل رہ جائے گا مثل انگارے کے جسے تم اپنے پاؤں پر لڑھکا دو اور وہ آبلہ بن جائے پس تم اسے ابھرا ہوا دیکھتے ہو لیکن اس میں کچھ نہیں ہوتا پھر آپ ﷺ نے ایک پتھر لیا اور اس کو پاؤں پر لڑھکایا پھر یہ حال ہوگا کہ لوگ صبح کو

خرید و فروخت کر رہے ہوں گے اور کوئی ایسا نہ ہوگا جو امانت کو ادا کرے یہاں تک کہ کہا جائے گا کہ فلاں قبیلہ میں ایک امین شخص ہے اس مرد سے متعلق کہا جائے گا کہ وہ کس قدر عقلمند ہے وہ کس قدر ہوشیار اور بہادر و جری ہے حالانکہ اسکے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہوگا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بیشک میرے اوپر ایسا زمانہ بھی آچکا کہ جب میں خرید و فروخت کے معاملہ میں کوئی پرواہ نہ کرتا تھا جس سے جی چاہا خرید لیا جس کے ہاتھ جی چاہا بیچ دیا اگر وہ مسلمان ہوتا تو اپنے دین کی وجہ سے وہ واپس کر دیتا تھا (جو چیز غلطی سے چلی گئی) اور اگر یہودی یا نصرانی ہوتا تو سردار (مسلمان) بادشاہ اور ذمہ دار کی وجہ سے واپس کرتا تھا اب میں صرف فلاں فلاں سے معاملہ کرتا ہوں۔

❷ **ولقد اتی علی زمان کی تشریح:۔** حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک وقت میرے اوپر ایسا گزرا کہ میں ہر شخص سے خرید و فروخت کر لیا کرتا تھا اگر لین دین میں غلطی ہوگئی تو اگر وہ مسلمان ہوتا تو اس نے اپنے دین کے تقاضا کے مطابق بعد میں معاملہ کو درست کر لیا اور اگر کافر ہوتا تو اس کو والی ملک یعنی مسلمان ذمہ دار کا ڈر ہوتا تھا وہ بھی واپس کر دیتا تھا کہ مسلمان ذمہ دار ناانصافی نہ ہونے دیتا تھا لہٰذا امانت و دیانت کا دور تھا کسی سے بھی معاملہ کرنے میں کوئی پریشانی نہ ہوتی تھی اب امانت اٹھنی شروع ہوگئی ہے اب اطمینان نہیں رہا تو اب میں فلاں فلاں سے ہی معاملہ کرتا ہوں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا وصال ۳۶ھ کے شروع میں قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد ہوا مگر انہوں نے اس وقت تغیر امانت محسوس فرمالیا تھا۔ (درس ترمذی ج ۳ ص ۳۳۸)

**الشق الثانی** ...... عَنْ أَبِیْ وَائِلٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ رَبِیْعَةَ قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِیْنَةَ فَدَخَلْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَذَکَرْتُ عِنْدَهٗ وَافِدَ عَادٍ فَقُلْتُ أَعُوْذُ بِاللّٰهِ أَنْ أَکُوْنَ مِثْلَ وَافِدِ عَادٍ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَمَا وَافِدُ عَادٍ؟ قَالَ فَقُلْتُ عَلَی الْخَبِیْرِ سَقَطْتَ إِنَّ عَادًا لَمَّا أُقْحِطَتْ بَعَثَتْ قَیْلًا فَنَزَلَ عَلٰی بَکْرِ بْنِ مُعَاوِیَةَ فَسَقَاهُ الْخَمْرَ وَغَنَّتْهُ الْجَرَادَتَانِ ثُمَّ خَرَجَ یُرِیْدُ جِبَالَ مَهْرَةَ فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ لَمْ آتِكَ لِمَرِیْضٍ فَأُدَاوِیَهٗ وَلَا لِأَسِیْرٍ فَأُفَادِیَهٗ فَاسْقِ عَبْدَكَ مَا کُنْتَ مُسْقِیَهٗ وَاسْقِ مَعَهٗ بَکْرَ بْنَ مُعَاوِیَةَ یَشْکُرُ لَهُ الْخَمْرَ الَّذِیْ سَقَاهُ فَرُفِعَ لَهٗ سَحَابَاتٌ فَقِیْلَ لَهُ اخْتَرْ إِحْدَاهُنَّ فَاخْتَارَ السَّوْدَاءَ مِنْهُنَّ فَقِیْلَ لَهٗ: خُذْهَا رَمَادًا رِمْدِدًا لَا تَذَرُ مِنْ عَادٍ أَحَدًا وَذُکِرَ أَنَّهٗ لَمْ یُرْسَلْ عَلَیْهِمْ مِنَ الرِّیْحِ إِلَّا قَدْرُ هٰذِهِ الْحَلْقَةِ یَعْنِیْ حَلْقَةَ الْخَاتَمِ ثُمَّ قَرَأَ: "إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ مَا تَذَرُ مِنْ شَیْءٍ أَتَتْ عَلَیْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ کَالرَّمِیْمِ" الآیة. (ص ۱۶۳۔ ج ۲۔ قدیمی)

شکل الحدیث بالضبط، و ترجمه الی الاردیة، واذکر المراد بقوله: "وغنته الجرادتان و قوله: رمدا، وعین فاعل ذکر فی قوله: وذکر انه لم یرسل علیهم من الریح ...... . اذکر القصة بتمامها.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل پانچ امور ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) غنته الجرادتان، رمادًا کی مراد (۴) ذکر کے فاعل کی تعیین (۵) قصہ کی وضاحت۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث پر اعراب:۔** کمامرّ فی السوال آنفا۔

❷ **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت ابو وائل قبیلہ ربیعہ کے ایک شخص سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا میں مدینہ آیا تو نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا وہاں قوم عاد کے قاصد کا ذکر آیا تو میں نے کہا کہ میں اس سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں بھی اس کی طرح ہو جاؤں، نبی کریم ﷺ نے پوچھا کہ قوم عاد کا قاصد کیا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ اچھے واقف کار سے آپ کا واسطہ پڑا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ جب قوم عاد پر قحط پڑا تو قیل (ایک آدمی کا نام) کو بھیجا گیا وہ بکر بن معاویہ کے پاس ٹھہرا اس نے اسے شراب پلائی اور دو خوش آواز گانے والیوں نے اسے گانا سنایا پھر وہ مہرہ کے پہاڑوں کا ارادہ کر کے نکلا اور چل دیا، پھر دعا کی کہ یا اللہ

میں کسی بیماری کے علاج یا کسی قیدی کو چھڑانے کیلئے نہیں آیا کہ میں فدیہ دوں لہٰذا تو اپنے بندے کو جو پلاتا ہو پلا، ساتھ ہی ساتھ بکر بن معاویہ کو بھی پلا، اس طرح وہ بکر بن معاویہ کے شراب پلانے کا شکریہ ادا کرتا تھا پھر اسکے لئے کئی بادل بلند کئے گئے اور اسے کہا گیا کہ ان میں سے ایک بادل کو منتخب کرلے جن میں سے اس نے کالے بادل کو پسند کیا پھر کہا گیا کہ جلی ہوئی راکھ لے لو جو قوم عاد کے کسی فرد کو نہ چھوڑے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قوم عاد پر صرف اس انگوٹھی کے حلقے کے برابر ہوا چھوڑی گئی پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ...... الآية (اور قوم عاد میں بھی (عبرت ہے) جب ہم نے ان پر سخت آندھی بھیجی جو کسی چیز کو نہ چھوڑتی جس پر سے وہ گزرتی مگر اسے بوسیدہ ہڈیوں کی طرح کر دیتی)۔

❸ **غنته الجرادتان ، رَمَادٌ کی مراد:۔** **غنته الجرادتان:** اس سے مراد وہ گانے والیاں ہیں جو سابقہ دور میں مکہ میں تھیں اور یہ خوش آواز گانے والیاں مشہور تھیں۔ **رَمَادٌ:** یہ مفرد ہے اس کی جمع أَرْمِدَةٌ ہے بمعنی راکھ۔

❹ **ذکر کے فاعل کی تعیین:۔** ذکر کا فاعل رسول اللہ ﷺ ہیں اس لئے کہ بعض روایات میں **فقال رسول الله ﷺ الخ** کی صراحت موجود ہے۔

❺ **قصہ کی وضاحت:۔** جب قوم عاد نے زمین میں فسق و فجور اختیار کیا، اہل زمین پر ظلم وجور کا بازار گرم کیا اور اللہ تعالیٰ کی عطاء کردہ نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو ان کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا، حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو توحید کی دعوت دی اور ظلم وجور سے رکنے کا حکم دیا تو انہوں نے حضرت ہود علیہ السلام کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً جب ان کی نافرمانی حد سے تجاوز کر گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر قحط سالی کا عذاب نازل کیا اور طویل عرصہ تک بارش نہ ہوئی۔

اُس زمانہ میں دستور یہ تھا کہ جب کسی پر کوئی آفت و مصیبت نازل ہوتی تو اس سے نجات کیلئے بیت اللہ کے پاس آکر دعا مانگتے، دعا قبول ہوتی اور مصیبت ٹل جاتی اور اُس وقت سب لوگ بیت اللہ کو معظم و محترم سمجھتے تھے اور اس کی حرمت کے معترف تھے۔ چنانچہ دستور کے مطابق قوم عاد نے اپنے کم و بیش ستر افراد کے وفد کو قحط سالی سے نجات کیلئے مکہ مکرمہ بھیجا تاکہ دعا مانگیں اور قحط سالی ختم ہو۔

اُس وقت مکہ میں جو قوم آباد تھی ان کے سردار کا نام بکر بن معاویہ تھا اور قوم عاد کے ساتھ اس کی قرابت ورشتہ داری بھی تھی۔ یہ قوم عاد کا وفد بکر بن معاویہ کے پاس آکر مہمان ہو گیا اور طویل عرصہ تک مہمان بن کر رہا، اس دوران شراب و کباب کی محفلیں ہوتیں وجام چلتے، گانے والی لڑکیاں گانے سناتیں، بکر بن معاویہ کی طرف سے خوب مہمان نوازی ہوتی رہی، جب طویل عرصہ گزر گیا اور انہوں نے کوچ نہ کیا تو بالآخر بکر بن معاویہ تنگ آ گیا کہ پیچھے میرے ننھیال اور سسرال والے قحط میں مبتلا ہیں انہوں نے ان کو دعا کے لئے بھیجا ہے اور یہ لوگ یہاں میرے پاس ڈیرے ڈال کر بیٹھ گئے ہیں، مگر شرم کی وجہ سے براہ راست ان کو کچھ نہیں کہتا تھا، اور گانے والی لڑکیوں نے اپنے گانے کے اندر ان کو ملامت کی کہ تم اپنی قحط زدہ قوم کو یہاں آکر بھول ہی گئے ہو اور وہ بھوک و پیاس سے مر رہے ہیں۔

جب انہوں نے گانوں میں اس کا تذکرہ کیا تو ان کو اپنا مقصد یاد آیا اور تاخیر کی وجہ سے ایک دوسرے کو لعنت ملامت کی اور بالآخر وہ سب دعا کے لئے جبال ھمرہ (بیت اللہ کے اردگرد کا علاقہ) پر پہنچے اور دعا مانگی، ان کے سرغنہ قیل بن عنز نے دعا مانگی کہ اے پروردگار اگر پیغمبر (ہود علیہ السلام) سچا ہے تو اس کی بدولت ہماری قحط سالی کا خاتمہ فرما، دعا کے نتیجہ میں تین بادل نمودار ہوئے اور غیب سے آواز آئی کہ ان میں سے کسی ایک بادل کو اپنے لئے پسند و منتخب کر لو۔ قیل نے ان میں سے کالے بادل کو منتخب کیا، اس لئے کہ سیاہ بادلوں میں زیادہ پانی ہوتا ہے اسی وقت ایک منادی نے آواز دی کہ اے قیل! تم نے اپنے لئے آگ وہلاکت کو پسند کیا ہے جو تمہارے کسی فرد کو بھی نہیں چھوڑے گی۔

الغرض، جب قوم عاد نے ان سیاہ بادلوں کو دیکھا تو خوش ہو گئے اور کہا **هٰذَا عَارِضٌ مُمْطِرُنَا** اللہ تعالیٰ نے فرمایا **بَلْ هُوَ مَا**

استعجلتم به، ریح فیها عذاب الیم، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سات دن اور آٹھ رات تک اس عذاب کو ان پر مسلط کئے رکھا اور کوئی ان میں سے نہ بچا کما قال اللہ تعالیٰ واما عاد فاهلكوا بريح صرصر عاتية، سخرها عليهم سبع ليال وثمانية ايام حسوما، فترى القوم فيها صرعى كانهم اعجاز نخل خاوية۔

اس حدیث میں وافد عاد سے مراد یہی "قیل بن عنز" ہے جس نے اپنی طرف سے خیر خواہی کے طور پر فائدہ مند سمجھتے ہوئے سیاہ بادلوں کا انتخاب کیا مگر حقیقت میں وہ بادل ان کے لئے وبال جان اور ہلاکت کا باعث بن گئے تو اس قیل کی مثل ہونے سے اس حدیث میں پناہ مانگی گئی ہے۔ اب ضرب المثل کے طور پر یہ لفظ اس جگہ پر مستعمل ہوتا ہے جہاں کسی چیز کو فائدہ مند سمجھ کر اختیار کیا جائے اور وہ فائدہ کی بجائے نقصان کا باعث بن جائے۔ (حل)

## ﴿الورقة الثالثة: الجامع للامام الترمذیؒ﴾

### ﴿السوال الاول﴾ ۱۴۳۸ھ

**الشق الاول** ......عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ اليتيمة تستأمر فی نفسها فان صمتت فهو اذنها وان ابت فلا جواز عليها، يعنی اذا ادركت فردت. (ص۲۱۰۔ ج۱۔ قدیمی)

اذكر ماهو المراد "اليتيمة" فی هذا الحديث؟ ترجم الحديث الى الاردية۔ ما هی ولاية الاجبار؟ وعلى من تثبت هذه الولاية؟ اذكر باختلاف الائمة ودلائلهم۔

﴿خلاصہ سوال﴾ ......اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) حدیث میں یتیمہ کی مراد (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) ولایت اجبار کی وضاحت (۴) ولایت اجبار والی عورت میں اختلاف مع الدلائل۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث میں یتیمہ کی مراد:-** حدیث میں یتیمہ سے مراد وہ بچی ہے جس کا باپ مر چکا ہو اور اس کا اطلاق صغیرہ و کبیرہ دونوں پر ہوتا ہے، اگر یہاں پر کبیرہ مراد ہو تو پھر مطلب واضح ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا اور اگر صغیرہ مراد ہو تو پھر اس سے مراد خیار بلوغ ہے جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صغیرہ ہونے کی وجہ سے یتیمہ کا نکاح ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ بالغ نہ ہو جائے وہ نکاح میں خیار کے بھی قائل نہیں ہیں وہ فرماتے ہیں کہ صغیرہ ہونے کی وجہ سے یتیمہ کی اجازت معتبر نہیں ہے اور باپ دادا کی غیر موجودگی میں کسی کو اس پر ولایت اجبار بھی حاصل نہیں ہے۔

الغرض شوافع کے نزدیک اس روایت کو کبیرہ پر محمول کیا جائے گا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ یتیمہ کا لفظ صغیرہ و کبیرہ دونوں پر بولا جاتا ہے بالخصوص صغیرہ پر اس کا اطلاق زیادہ ہوتا ہے لہٰذا صغیرہ کو یتیمہ کے عموم سے خارج کرنا درست نہیں ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کی بیان کردہ مشکل کا حل خیار بلوغ میں موجود ہے۔ (درس ترمذی ج۳ ص۳۸۸)

❷ **حدیث کا ترجمہ:-** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یتیم لڑکی سے نکاح کے لئے اجازت طلب کی جائے، اگر وہ خاموش رہے تو یہ اس کی اجازت (رضامندی) ہے اور اگر وہ انکار کر دے تو اس پر کوئی جبر نہیں ہے۔

❸ **ولایت اجبار کی وضاحت:-** ولایت اجبار کا مطلب یہ ہے کہ ولی لڑکی کی رضامندی کے بغیر جبراً و بزور کسی جگہ نکاح کر دے۔

❹ **ولایت اجبار والی عورت میں اختلاف مع الدلائل:-** ولایت اجبار میں ائمہ کرام کے درج ذیل مذاہب ہیں۔

① حضرت حسن بصری اور امام نخعی رحمہما اللہ کے نزدیک ولی کو مطلقاً ولایت اجبار حاصل ہے، عورت چاہے ثیبہ ہو یا باکرہ ہو، کبیرہ ہو یا صغیرہ ہو ② ابن شبرمہ رحمہ اللہ کے نزدیک ولی کو مطلقاً ولایت اجبار حاصل نہیں ③ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس سلسلہ میں مدار

عورت کے ثیبہ اور باکرہ ہونے پر ہے، باکرہ پر ولی کو ولایت اجبار حاصل ہے، ثیبہ پر نہیں ② حضرات حنفیہ کے نزدیک مدار صغر و کبر پر ہے، صغیرہ پر ولی کو ولایت اجبار کو حاصل ہے، کبیرہ پر نہیں۔

لہٰذا باکرہ صغیرہ پر باتفاق ائمہ اربعہ ولایت اجبار ہے اور کبیرہ ثیبہ پر بالاتفاق ولایت اجبار نہیں اور کبیرہ باکرہ پر شوافع کے نزدیک ولایت اجبار ہے، حنفیہ کے نزدیک نہیں اور صغیرہ ثیبہ پر حنفیہ کے نزدیک ولایت اجبار ہے، شوافع کے نزدیک نہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ چار صورتوں میں سے دو صورتیں ائمہ اربعہ کے نزدیک اتفاقی ہیں اور دو صورتیں اختلافی۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی اس مسئلے میں کیا رائے ہے؟ ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس مسئلے میں حنفیہ کے ہم خیال ہیں یعنی ولایت اجبار کا مدار صغر پر ہے کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب سے پہلے باب کا ترجمہ قائم کیا تھا **باب نکاح الرجل ولده الصغار** اس میں لفظ صغار عام ہے، باکرہ ثیبہ دونوں کو شامل ہے، معلوم ہوا ولایت اجبار کی علت صغر ہے، بکارت یا عدم بکارت نہیں اور باب ہذا میں امام بخاری رحمہ اللہ بالغہ کا حکم بیان فرما رہے ہیں کہ عورت چاہے باکرہ ہو یا ثیبہ جب بالغ ہو جائے تو پھر اس پر ولایت اجبار نہیں، جب تک کہ اس کی رضامندی شامل نہ ہو۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا استدلال اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی معروف روایت سے ہے **ان رسول اللہ ﷺ قال الایم احق بنفسها من ولیها**۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہاں ایم سے مراد ثیبہ ہے کیونکہ باکرہ کا ذکر اس روایت میں آگے مستقلاً آیا ہے یعنی **والبکر تستاذن فی نفسها واذنها صماتها** اور جب ایم سے ثیبہ مراد ہوئی تو اس کا مفہوم مخالف یہ ہوا **البکر لیست احق بنفسها من ولیها** اور مفہوم مخالف ان کے نزدیک حجت ہے۔

حنفیہ کے دلائل: ① حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث باب **لا تنکح الثیب حتی تستأمر ولا تنکح البکر حتی تُستأذن واذنها الصمات** اس میں ثیبہ اور باکرہ دونوں کا ایک حکم بیان کیا گیا ہے، فرق صرف طریق اجازت میں ہے۔

② سنن نسائی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے **ان فتاة دخلت علیها فقالت: ان ابی زوجنی ابن اخیه لیرفع بی خسیسته وانا کارهة فقالت اجلسی حتی یاتی النبی ﷺ فجاء رسول اللہ ﷺ فأخبرته فأرسل الی ابیها فدعاه فجعل الأمر الیها فقالت: یا رسول اللہ اقد أجزت ما صنع ابی ولکن أردت أن أعلِمَ أَلِلنِّساء من الامر شیٔ** اور سنن ابن ماجہ میں ان کے یہ الفاظ مروی ہیں **فقالت: قد اجزت ماصنع ابی ولکن اردت ان تعلم النساء ان لیس الی الآباء من الامر شیٔ**۔ بعض شافعیہ نے اس میں تاویل کی ہے کہ یہ عورت ثیبہ تھی لیکن اول تو روایت میں اس پر کوئی دلیل نہیں، دوسرا اس عورت نے یہ کہا کہ میرا مقصد اس مسئلے کا اعلان تھا کہ آباء کو عورتوں پر ولایت اجبار نہیں اور اس نے یہ اعلان مطلق الفاظ میں کیا جس میں باکرہ اور ثیبہ کی کوئی تفریق نہیں اور آنحضرت ﷺ نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔

③ سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ میں **جریر بن حازم عن ایوب عن عکرمة** کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت مروی ہے **ان جاریة بکرا اتت النبی ﷺ فذکرت ان ابیها زوجها وهی کارهة فخیرها النبی ﷺ** یہ روایت حنفیہ کے مسلک پر صریح ہونے کے ساتھ صحیح بھی ہے، یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس کی صحت کا اعتراف کیا ہے۔

شافعیہ کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ ایم سے مراد بے شوہر عورت ہے اور اس کا اطلاق باکرہ اور ثیبہ دونوں پر ہوتا ہے البتہ بکر کا ذکر الگ سے اسلئے فرمایا گیا کہ اس کا طریقہ اجازت دوسرا تھا اور اگر بالفرض ایم سے مراد "ثیبہ" ہی لی جائے تب بھی مفہوم

ذالک سے استدلال ہمارے نزدیک درست نہیں، بالخصوص جب کہ وہ منطوق کے خلاف ہو اور منطوق یہ ہے البکر تستأذن فی نفسها۔

پھر اجبار کا حق کس ولی کو حاصل ہوگا؟ ہمارے ہاں عصبات علی الترتیب اجبار کے حقدار ہونگے اور مشہور یہ ہے کہ باپ دادا کو اجبار کا حق حاصل ہوتا ہے، یہ در اصل امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔

امام مالک واحمد رحمہما اللہ کے نزدیک اجبار کا حق صرف باپ کو حاصل ہوتا ہے۔ (کشف الباری کتاب النکاح ص ۲۳۵ و درس ترمذی ج ۳ ص ۳۸۹)

**الشق الثانی** ......عن ابی امامة قال: سمعت النبی ﷺ یقول فی الخطبة عام حجة الوداع: العارية مؤداة و الزعيم غارم والدين مقضى. (ص ۲۳۹۔ج ۱۔ترمذی) ترجم الحديث. اذا هلكت العارية هل يجب على المستعير الضمان ام لا؟ ما هو اختلاف المجتهدين فى ذلك؟ ما هى ادلتهم؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) عاریہ کی ہلاکت میں مستعیر پر ضمان کے وجوب میں اختلاف (۳) ائمہ کے دلائل۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو حجۃ الوداع کے سال خطبہ میں ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ عاریت پر لی ہوئی چیز قابل واپسی ہے اور ضامن ذمہ دار ہے اور دین ادا کی جائے۔

❷ و ❸ عاریہ کی ہلاکت میں مستعیر پر ضمان کے وجوب میں اختلاف مع الدلائل:۔ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے کوئی چیز ضرورت کیلئے عاریت پر لی ہے تو جب ضرورت پوری ہو جائے فوراً وہ چیز واپس کر دو، خواہ مخواہ غفلت لاپرواہی و سستی کا مظاہرہ نہ کرو۔ اگر عاریت پر لی ہوئی چیز ہلاک وضائع ہو جائے تو ضمان لازم ہونے میں ائمہ کا اختلاف ہے:

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک خواہ تعدی سے وہ چیز ہلاک ہو یا بغیر تعدی کے ہلاک ہو ہر صورت ضمان لازم ہے اور دلیل حدیث الباب ہے۔ حنفیہ کے نزدیک عاریت والی چیز امانت ہوتی ہے لہٰذا اگر وہ تعدی سے ہلاک ہوئی ہے تو ضمان لازم ہے اور اگر تعدی کے بغیر ہلاک ہوگئی تو کوئی ضمان لازم نہیں ہے۔ (تحفۃ الاحوذی جلد ۳ صفحہ ۴۸۲) حنفیہ رحمہم اللہ نے حدیث الباب کی یہ تاویل کی ہے کہ اگر عاریت والی چیز میں تعدی نہیں کی اور وہ ہلاک بھی نہیں ہوئی تو اس کی ادائیگی لازم ہے اور اگر وہ تعدی سے ہلاک ہوئی ہے تو پھر ضمان لازم ہے۔

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۸ھ

**الشق الاول** ......عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ سَرِيَّةٍ فَنَزَلْنَا بِقَوْمٍ فَسَأَلْنَاهُمُ الْقِرٰى فَلَمْ يَقْرُوْنَا فَلُدِغَ سَيِّدُهُمْ فَأَتَوْنَا فَقَالُوْا هَلْ فِيْكُمْ مَنْ يَّرْقِيْ مِنَ الْعَقْرَبِ؟ قُلْتُ نَعَمْ أَنَا وَلٰكِنْ لَا أَرْقِيْهِ حَتّٰى تُعْطُوْنَا غَنَمًا قَالُوْا فَإِنَّا نُعْطِيْكُمْ ثَلَاثِيْنَ شَاةً فَقَبِلْنَا فَقَرَأْتُ عَلَيْهِ اَلْحَمْدُ سَبْعَ مَرَّاتٍ فَبَرَأَ وَقَبَضْنَا الْغَنَمَ . قَالَ فَعَرَضَ فِيْ أَنْفُسِنَا مِنْهَا شَيْءٌ فَقُلْنَا لَا تَعْجَلُوْا حَتّٰى تَأْتُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَيْهِ ذَكَرْتُ لَهُ الَّذِيْ صَنَعْتُ قَالَ: وَمَا عَلِمْتَ أَنَّهَا رُقْيَةٌ؟ إِقْبِضُوا الْغَنَمَ وَاضْرِبُوْا لِيْ مَعَكُمْ بِسَهْمٍ .

شكل الحديث بالضبط وترجمه الى الاردية . ما هو حكم لخذ الاجرة على تعليم القرآن و غيره من العبادات؟ من الذى يستدل بهذا الحديث؟ وما هو الجواب عنه عند من لا يقول به؟ (ص ۲۶۔ج ۲۔ترمذی)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) تعلیم قرآن و دیگر عبادات پر اجرت لینے کا حکم (۴) حدیث کے مستدلین کی تعیین و جواب۔

**جواب** ...... ❶ حدیث پر اعراب:۔ کمامرّ فی السوال آنفا۔

❷ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک لشکر میں بھیجا تو ہم ایک قوم کے پاس ٹھہرے اور ان سے ضیافت طلب کی لیکن انہوں نے ہماری میزبانی کرنے سے انکار کر دیا پھر ان کے سردار کو بچھو نے ڈس لیا وہ لوگ ہمارے پاس آئے اور پوچھا کہ کیا تم میں سے کوئی بچھو کے کاٹے پر دم کرتا ہے، میں نے کہا ہاں لیکن میں اس صورت میں دم کروں گا کہ تم ہمیں بکریاں دو، انہوں نے کہا ہم تمہیں تیس بکریاں دیں گے، ہم نے قبول کر لیا اور پھر میں نے سات مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تو وہ ٹھیک ہو گیا اور ہم نے بکریاں لے لیں پھر ہمارے دل میں خیال آیا اور ہم نے فیصلہ کیا کہ ہم جلدی نہ کریں یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھ لیں، جب ہم آپ ﷺ کے پاس پہنچے تو میں نے پورا قصہ سنایا، آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ سے دم کیا جاتا ہے، بکریاں رکھ لو اور میرا حصہ بھی دو۔

❸ تعلیم قرآن و دیگر عبادات پر اُجرت لینے کا حکم:۔ تعلیم قرآن و دیگر عبادات پر احناف کے نزدیک اُجرت لینا ناجائز ہے۔ احناف کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ قرآن پڑھاؤ اور اس کا عوض مت کھاؤ۔ ایک اور حدیث جسمیں حضور ﷺ نے حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے عہد لیا اس حدیث کے آخر میں ہے کہ اگر تجھ کو موذن مقرر کیا جاوے تو اذان پر اُجرت مت لینا۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا **من قرء القرآن یاکل به الناس جاء یوم القیامة وجهه عظم لیس علیه لحم** (جس شخص نے قرآن پڑھا کر اسکے ذریعہ لوگوں سے مال کھائے، قیامت کے دن وہ آئے گا اس حال میں کہ اسکا چہرہ ہڈیاں ہوگا، اس پر گوشت نہیں ہوگا)

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ہر اس طاعت پر اُجرت لینا درست ہے جو اجیر پر متعین اور واجب عین نہ ہو اور قرآن کی تعلیم ایسی ہے۔ امام ابو الخطاب کی روایت میں امام احمد، ابو ثور اور ابو قلابہ رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل صحیحین میں حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے **هل معك من القرآن شیئ قال معی سورة كذا سورة كذا قال اذهب فقد انكحتها بما معك من القرآن**، نیز انکی دلیل حدیث میں مذکور واقعہ ہے۔

حنفیہ کی طرف سے امام شافعی رحمہ اللہ کی پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اس میں اس کی تصریح نہیں کہ تعلیم قرآن کو مہر بنایا گیا تھا۔ ممکن ہے کہ اسکے اکرام اور تعظیم قرآن کی وجہ سے بلا مہر نکاح کیا ہو جیسے آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کی شادی حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے ساتھ انکے اسلام پر کی تھی یا بیان مہر سے سکوت اسلئے ہو کہ مہر تو بہر حال لازمی چیز ہے کیونکہ فروج کی استباحت مال کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ **لقوله تعالى ان تبتغوا باموالكم ، ولعل المرأة وهبت مهرها له**۔

دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ جن لوگوں سے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے اُجرت لی تھی وہ کافر لوگ تھے اور کفار سے مال لینا جائز ہے۔ نیز مہمان کا حق واجب ہے اور ان لوگوں نے ان کی مہمان نوازی نہیں کی تھی جیسا کہ حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے **والله لقد استضفناكم فلم تضيفونا**۔

علاوہ ازیں رقیہ (جھاڑ پھونک) قربت محضہ نہیں تو اس پر اُجرت لینا جائز ہے۔ شیخ قرطبی رحمہ اللہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں لانسلم **ان جواز الاجرة فی الرقی یدل علی جواز التعلیم بالاجرة والحدیث انما هو فی الرقیة**۔ (اشرف الہدایہ ج ۱۲ ص ۲۹)

❹ حدیث کے مستدلین کی تعیین و جواب:۔ یہ حدیث امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل ہے۔ جوابه كما مرّ آنفا۔

**الشق الثانی** ...... **اذكر ترجمة الامام الترمذی بحیث تكون حاوية علی ذكر اسمه و نسبه و ولادته ورحلاته فی طلب العلم وذكر شیوخه الذین اكثر الروایة عنهم فی جامعه ومؤلفاته ثم عرف بكتابه هذا الجامع بحیث یشتمل التعریف علی ذكر خصائصه ومزایاه و شروحه التی خدمه بها العلماء.**

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) امام ترمذی رحمہ اللہ کے حالات (۲) جامع ترمذی کا تعارف (۳) جامع ترمذی کی شروحات وغیرہ۔

**الجواب** ...... ❶ **امام ترمذی رحمہ اللہ کے حالات:۔** امام ترمذی رحمہ اللہ کا پورا نام محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ، کنیت ابو عیسیٰ اور وطن کی نسبت بوغی اور ترمذی ہے۔ علامہ بدیع فرماتے ہیں کہ آپ کے آباؤ اجداد "مرو" شہر کے باشندے تھے پھر خراسان کے شہر "ترمذ" میں منتقل ہو گئے، جو دریائے جیحون کے کنارے ایک مشہور شہر تھا اس شہر سے بڑے بڑے علماء و محدثین پیدا ہوئے اسی لئے اس کو "مدینۃ الرجال" کہا جاتا تھا، اس شہر سے چند فرسخ کے فاصلے پر بوغ نامی قصبہ آباد تھا امام ترمذی رحمہ اللہ اسی قصبہ میں پیدا ہوئے اسلئے ان کو بوغی بھی کہتے ہیں اور ترمذی بھی لیکن چونکہ "بوغ" "ترمذ" کے مضافات میں واقع ہے اسلئے ترمذی نسبت زیادہ مشہور ہوئی۔

امام ترمذی رحمہ اللہ کا سن پیدائش ۲۰۹ھ ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ۲۰۰ھ ہے لیکن پہلا قول راجح ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے پہلے اپنے شہر میں رہ کر علم حاصل کیا اس کے بعد طلب علم کے لئے حجاز، مصر، شام، بغداد، کوفہ، بصرہ اور خراسان وغیرہ کے سفر کئے اور اپنے وقت کے بڑے بڑے شیوخ سے علم حاصل کیا، جن میں امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد سجستانی، احمد بن منیع، محمود بن غیلان اور اسحٰق بن موسیٰ الانصاری رحمہم اللہ جیسے جلیل القدر محدثین شامل ہیں اور ان کے علاوہ بھی سینکڑوں محدثین سے علم حاصل کیا تمام اساتذہ امام ترمذی رحمہ اللہ کی بڑی قدر کیا کرتے تھے آخری عمر میں خشیت الٰہی کے غلبہ کی وجہ سے بہت زیادہ روتے تھے جس کی وجہ سے بینائی جاتی رہی۔ آپ کی وفات بالاتفاق ۲۷۹ھ میں ہوئی۔ (درس ترمذی ج ۱ ص ۱۳۰)

❷ **جامع ترمذی کا تعارف:۔** جامع ترمذی بلاشبہ صحاح ستہ میں شامل ہے لیکن اس میں بحث ہوتی رہی ہے کہ اسکا درجہ کس نمبر پر ہے بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا درجہ بخاری و مسلم، سنن ابی داؤد اور نسائی کے بعد ہے لیکن اکثر کا خیال یہ ہے کہ صحیحین کے بعد اسی کا مقام ہے یہی وجہ ہے کہ اس کو جامع کہتے ہیں جو بیک وقت جامع بھی ہے اور سنن بھی، اگر بعض چیزوں پر اعتراضات کو چھوڑ کر دیکھا جائے تو جامع ترمذی کے فوائد تمام صحاح ستہ کی کتابوں میں سب سے زائد ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے جامع ترمذی تالیف کرنے کے بعد اسے خراسان، حجاز، مصر اور شام کے علماء کے پاس بھیجا جب ان تمام نے اسکو پسند کیا اور اس کی تحسین کی تب اسکی عمومی اشاعت کی گئی خود امام ترمذی رحمہ اللہ کا قول ہے **من كان عنده هذا الكتاب الجامع فكان عنده نبي يتكلم** کہ جس کے پاس یہ کتاب ہے گویا اس کے پاس نبی ہے جو اس سے کلام کر رہا ہے۔

اس کتاب میں بعض ایسی خصوصیات پائی جاتی ہیں جو دوسری کتابوں میں نہیں مثلاً ① یہ کتاب بیک وقت جامع بھی ہے اور سنن بھی ہے۔ ② اس کتاب میں احادیث کا تکرار نہیں ہے ③ اس میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے تمام فقہاء کے مستدلات کو جمع کیا ہے اور ہر ایک کیلئے ابواب قائم کیا ہے ④ ہر باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے فقہاء کے مذاہب بالالتزام بیان کئے ہیں جس کی وجہ سے یہ کتاب حدیث کے ساتھ ساتھ فقہ کا بھی قابل قدر ذخیرہ ہے ⑤ امام ترمذی رحمہ اللہ ہر حدیث کے بارے میں اسکا درجہ استناد بھی بتاتے ہیں اور سند کی کمزوریوں کی تفصیل سے نشاندہی کرتے ہیں ⑥ ہر باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ ایک، دو یا تین احادیث ذکر کرتے ہیں اور ان احادیث کا انتخاب کرتے ہیں جو دوسرے ائمۂ حدیث نے نہیں نکالی ہوتی لیکن ساتھ ہی وفی الباب سے ان کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں ⑦ اگر حدیث طویل ہو تو امام ترمذی رحمہ اللہ اس میں سے صرف وہ حصہ ذکر کرتے ہیں جو باب سے متعلق ہو یہی وجہ ہے کہ احادیث مختصر اور چھوٹی ہیں جن کو یاد رکھنا آسان ہے ⑧ اگر حدیث میں کوئی اضطراب ہو یا کوئی علت ہو تو امام ترمذی رحمہ اللہ اس کی مکمل اور مفصل تخریج فرماتے ہیں ⑨ امام ترمذی کا معمول ہے کہ وہ مشتبہ راویوں کا تعارف بھی کراتے ہیں بالخصوص جو راوی نام سے مشہور ہو اس کی کنیت اور جو کنیت سے مشہور ہو اس کا نام

ذکر کرتے ہیں اس پر بھی بحث کرتے ہیں کہ راوی کا مروی عنہ سے سماع ثابت ہے یا نہیں ⑩ جامع ترمذی کی ترتیب بہت آسان ہے اور اس کے تراجم ابواب نہایت سہل ہیں جس کی وجہ سے حدیث کو تلاش کرنا بہت آسان ہے۔ (**تلك عشرة كاملة**) (ایضاً ص ۱۳۲)

⑫ جامع ترمذی کی شروح وغیرہ۔ جامع ترمذی کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی مقبولیت بخشی، چنانچہ اس کی متعدد تجریدات، مستخرجات اور حواشی لکھے گئے ہیں جن میں سے چند کا مختصر تعارف درج ذیل ہے۔ ① **عارضة الاحوذي بشرح جامع الترمذي** یہ قاضی ابوبکر ابن العربی کی تصنیف ہے جو مالکیہ کے جلیل القدر فقہاء ومحدثین میں سے ہیں۔ یہ شرح متقدمین کے طریقہ پر مختصر ہے لیکن بہت سے علمی فوائد پر مشتمل ہے، بعد کی شروح ترمذی کے لئے ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے ② **شرح ابن الملقن** یہ علامہ سراج الدین ابن الملقن کی تصنیف ہے جو علمائے شافعیہ میں سے ہیں اور ساتویں صدی کے بزرگ ہیں۔ اس شرح کا اصل نام **نفع الشذي على جامع الترمذي** ہے اور اس میں صرف ان احادیث کی شرح کی گئی ہے جو ترمذی میں صحیحین اور ابوداؤد سے زائد ہیں ③ **شرح الحافظ ابن حجر** حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی ترمذی کی ایک شرح لکھی تھی چنانچہ "فتح الباری" میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی معروف حدیث **اتى النبي ﷺ سباطة قوم الخ** کی شرح کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ میں نے جامع ترمذی پر ایک شرح لکھی ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ بول قائماً کے بارے میں کوئی حدیث صحیح نہیں، لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی یہ شرح نایاب ہے ④ **شرح البلقيني** جس کا نام **العرف الشذي على جامع الترمذي** ہے۔ یہ علامہ عمر بن ارسلان البلقینی رحمہ اللہ کی تصنیف ہے جو مشہور فقہاء شافعیہ میں سے ہیں اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے استاذ ہیں ⑤ **شرح الحافظ ابن رجب البغدادي الحنبلي** رحمہ اللہ یہ مشہور حنبلی محدث اور فقیہ ہیں اور "طبقات الحنابلہ" کے مصنف ہیں۔ ⑥ **قوت المغتذي** یہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی نہایت مختصر شرح ہے اور ہندوستان کے متعدد نسخ ترمذی کے حاشیہ پر چھپی ہوئی ہے ⑦ **شرح السندي** یہ علامہ ابوالطیب سندھی رحمہ اللہ کی تصنیف ہے اور مصر سے شائع ہو چکی ہے ⑧ **شرح العلامة سراج الدين السرهندي** رحمہ اللہ ان کی شرح بھی مصر ہی سے شائع ہو چکی ہے ⑨ **تحفة الاحوذي** یہ قاضی عبدالرحمن مبارک پوری کی تصنیف ہے جو اہل حدیث کے بلند پایہ عالم ہیں، انہوں نے ایک ضخیم جلد میں اس شرح کا مقدمہ بھی لکھا ہے جو علم حدیث سے متعلق عمدہ مباحث پر مشتمل ہے ⑩ **الكوكب الدري على جامع الترمذي** یہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ کی تقریر ترمذی ہے جسے ان کے شاگرد رشید حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ نے ضبط کیا ہے اور ان کے صاحبزادے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ نے اس پر مفید حواشی لکھے ہیں، بلاشبہ حل ترمذی کے نقطۂ نظر سے یہ کتاب دریا بکوزہ کا مصداق ہے، اس میں مختصر جامع اور تشفی بخش تشریحات بھی ہیں اور علم ومعرفت، تحقیق وتدقیق کے خزانے بھی، یہ ترمذی کی انتہائی بہترین اور مختصر شرح ہے، اس کا صحیح اندازہ تب ہوتا ہے جب انسان مطولات کے مطالعہ کے بعد اس کا مطالعہ کرے، خاص طور سے حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ کے حواشی نے اس کے منافع کو دوچند کر دیا ہے ⑪ **معارف السنن** یہ حضرت کشمیری رحمہ اللہ کے شاگرد خاص حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کی تالیف ہے، اصل میں انہوں نے "العرف الشذی" کو درست کرنے اور اس کا تدارک کرنے کیلئے یہ کتاب لکھنی شروع کی تھی لیکن رفتہ رفتہ اس نے ایک مستقل تصنیف اور شرح کی حیثیت اختیار کر لی، اس میں انہوں نے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تقریر کو بنیاد بنایا ہے لیکن اس کے ساتھ اپنی تحقیق اور مطالعہ سے بہت سے مباحث کا اضافہ کیا ہے، اس کی عبارت انتہائی شگفتہ اور کلام بڑی حد تک منضبط ہے جو دوسری شروح حدیث میں بہت کمیاب ہے، آج کل ترمذی کی جتنی شروح دستیاب ہیں ان میں سب سے زیادہ مفصل اور جامع شرح ہے۔ (درس ترمذی ج۱ ص ۱۳۸)

﴿سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم﴾

Scanned with CamScanner

## ﴿الورقة الرابعة: الصحيح للامام البخاري﴾

### ﴿السوال الاول﴾ ۱۴۲۵ھ

**الشق الاول** ......باب اداء الخمس من الايمان: اخرج المصنف في الباب حديث وفد عبدالقيس، ان وفد عبدالقيس لما اتوا النبي ﷺ الى آخره عما يلي. (ص ۱۳ ـ ج ۱ قدیمی)

اذکر غرض المؤلف بهذه الترجمة ومناسبة الحديث بها ـ من هم عبدالقيس؟ واين كانوا يسكنون. اذكر اقوال العلماء في عدد قدوم هذا الوفد على النبي ﷺ وفي اى عام قدم؟ كيف قال "فامرهم باربع" مع ان عدد المامورات اما واحد وهو الايمان بالله وحده واما خمسة. لماذا لم يذكر الحج في هذا الحديث. اشرح "خزايا و ندامى و حنتم و نقير و مزفت و مقير".

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا خلاصہ سات امور ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت (۳) عبد قیس کا تعارف اور مسکن (۴) آمد کی تعداد و تعیینِ سال (۵) فامرهم باربع کا جواب (۶) حج کو ذکر نہ کرنے کی وجہ (۷) مذکورہ الفاظ کی تشریح۔

**جواب** ......❶ __ترجمۃ الباب کی غرض:__ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض تبلیغ و تعلیم کی تاکید مقصود ہے اور تعلیم و تبلیغ بدون حفظ ممکن نہیں اس لئے حفظ کی بھی تاکید فرمادی۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ بلغوا عني ولو آية سے ایہام ہوتا تھا کہ صرف آیاتِ قرآنی کی تبلیغ کی جائے تو امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے رد کی طرف اشارہ کردیا کہ تعلیم و تبلیغ میں عموم ہے خواہ آیاتِ قرآنی ہو یا حدیثِ نبوی ﷺ ہو۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض اس بات کو بیان کرنا ہے کہ تبلیغ کیلئے مبلغ کا کامل عالم ہونا ضروری نہیں ہے اگر کوئی شخص کامل عالم نہ ہو تو اس کیلئے بھی تبلیغ کرنا جائز ہے جیسا کہ مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس صرف چند دن رہے ان دنوں میں انہوں نے جو کچھ سیکھا آپ ﷺ نے انہیں اسی کی تبلیغ و تعلیم کا حکم دیا۔ (کشف الباری ج ۳ ص ۰۰۵)

❷ __حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت:__ حدیث کے جملہ وان تعطوا من المغنم الخمس کی ترجمۃ الباب سے مناسبت واضح ہے۔

❸ __وفد عبد قیس کا تعارف و محلِ سکونت:__ جیسا کہ حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبیلہ ربیعہ کے لوگ تھے یہ قبیلہ قدیم الاسلام ہے اور یہ لوگ بحرین اور اطرافِ عراق کے رہنے والے تھے اور جواثی شہر میں یہی لوگ آباد تھے جہاں پر مسجدِ نبوی کے بعد سب سے پہلے نماز جمعہ ادا کی گئی تھی۔ (کشف الباری ج ۳ ص ۰۰۶)

❹ __آمد کی تعداد اور تعیین:__ وفدِ عبد القیس آپ ﷺ کی خدمت میں کب آیا تھا؟ اس میں متعدد اقوال ہیں۔ ① واقدی، ابن سعد، ابن شاہین اور قاضی عیاض رحمہم اللہ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ یہ وفد ۸ھ میں فتح مکہ کے سال مکہ کی طرف روانگی سے پہلے آیا تھا ② محمد بن اسحٰق، ابن ہشام، ابن القیم رحمہم اللہ کی رائے یہ ہے کہ یہ وفد ۹ھ میں آیا تھا ③ ابن حبان، صاحب تاریخ الخمیس اور ابن الاثیر رحمہم اللہ کی رائے یہ ہے کہ یہ وفد ۱۰ھ میں آیا تھا ④ حافظ ابن حجر اور علامہ انور شاہ کشمیری رحمہما اللہ کے نزدیک یہ وفد دو مرتبہ آیا تھا۔

البتہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے نزدیک پہلی مرتبہ ۵ھ میں اور دوسری مرتبہ ۹ھ میں آیا تھا اور شاہ صاحب کے نزدیک پہلی مرتبہ ۶ھ میں اور دوسری مرتبہ ۸ھ میں آیا تھا۔ اور حدیث میں پہلی مرتبہ کی آمد کا ذکر ہے۔ (کشف الباری ج ۳ ص ۰۰۵)

(۵) **فامرھم باربع الخ کا جواب:** سوال ہوتا ہے کہ حدیث میں اجمالاً ماموراتکا عدد چار بتلایا گیا ہے اور تفصیل میں پانچ مامورات کا ذکر ہے، شہادتین، اقامت صلوٰۃ، ایتاء زکوٰۃ، صوم رمضان، اعطاء خمس، تو بظاہر اجمال و تفصیل میں مطابقت نہیں ہے، علماء نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں۔ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مامورات اربعہ یہ چار چیزیں ہیں: اقامت صلوٰۃ، ایتاء زکوٰۃ، صوم رمضان اور اعطاء خمس، باقی ایمان اور شہادتین کو تبرکاً ذکر کیا گیا ہے۔

علامہ ابن رشید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اصل میں قوم نے ایمان کے بارے میں سوال نہیں کیا تھا وہ ایمان لا چکے تھے انہوں نے ان اعمال کے متعلق سوال کیا تھا جو جنت میں جانے کا ذریعہ بنیں لہٰذا وہ اعمال اقامت صلوٰۃ، ایتاء زکوٰۃ، صوم رمضان، اعطاء خمس ہیں۔

ابن بطال، قاضی عیاض اور امام نووی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ امور اربعہ شہادتین، اقامت صلوٰۃ، ایتاء زکوٰۃ، صوم رمضان ہیں کیونکہ یہ لوگ کفار کے پڑوس میں رہتے تھے اور وہاں جنگ کے امکانات زیادہ تھے اسلئے آپ ﷺ نے تبعاً و ضمناً اعطاء خمس کا ذکر بھی کر دیا۔

حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان تعطوا من المغنم الخمس کا عطف شہادۃ پر نہیں بلکہ امرھم باربع میں لفظ اربع پر ہے اصل عبارت اس طرح ہوگی امرھم باربع وبان تعطوا من المغنم الخمس مطلب یہ ہوگا کہ آپ ﷺ نے انکو چار چیزوں کا حکم دیا اور اس بات کا حکم دیا کہ وہ غنیمت میں سے خمس ادا کیا کریں۔

ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم اور احادیث میں صلوٰۃ و زکوٰۃ کو ایک ساتھ مذکور ہیں اسلئے ممکن ہے کہ صلوٰۃ و زکوٰۃ کو ایک شمار کیا ہو، نیز یہ بھی ممکن ہے کہ زکوٰۃ اور اعطاء خمس دونوں حق مالی ہونے میں مشترک ہیں اسلئے زکوٰۃ اور اعطاء خمس کو ایک شمار کر لیا ہو۔ (ایضاح ص ۱۷۸)

(۶) **حج کو ذکر نہ کرنے کی وجہ:** اس روایت میں حج کا کوئی ذکر نہیں ہے جبکہ اصح قول کے مطابق حج ۹ھ میں فرض ہوا۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ وفد کی آمد دو مرتبہ ہوئی تھی اور پہلی مرتبہ ابن حجر کے قول کے مطابق ۵ھ میں اور شاہ صاحب کے قول کے مطابق ۶ھ میں فرضیت حج سے پہلے آمد ہوئی تھی اور حدیث میں پہلی آمد کا ذکر ہے اس وجہ سے اس میں آپ ﷺ نے حج کو ذکر نہیں فرمایا۔ نیز یہاں آپ ﷺ نے صرف ان اوامر و اعمال پر اکتفاء کیا جن کا کرنا ان کے لئے فی الحال ممکن تھا اور جن پر عمل کر کے وہ جنت کے مستحق بن سکتے تھے۔ تمام اوامر و اعمال کا ذکر مقصود نہیں تھا کیونکہ انہوں نے مرنا بامر فصل مخبر به من وراءنا وندخل به الجنة کے ذریعہ یہی سوال کیا تھا۔ (ایضاح ص ۱۷۸)

(۷) **الفاظ مذکورہ کی تشریح:** "خزایا" یہ "خزیان" کی جمع ہے بمعنی ذلیل و رسوا شخص۔

"ندامی" یہ ندامت بمعنی شرمندگی سے مشتق ہے کیونکہ ندامت سے جیسے نادم کا صیغہ آتا ہے اسی طرح ندمان کا صیغہ بھی آتا ہے۔

"حنتم" اس کی تشریح میں متعدد اقوال ہیں سب سے صحیح اور قوی قول کے مطابق سبز رنگ کے مٹکے کو کہتے ہیں۔

"دباء" کدو کا برتن، بعض اوقات کدو کو خشک کر کے اس میں سے گودا نکال کر برتن بنا لیتے تھے اور بسا اوقات گودا نکال کر اسے خشک کرتے تھے۔ "مقیر" وہ برتن جس پر "قار" یا "قیر" (تارکول کی شکل کوئی کالی چیز ہوتی ہے) مل دیا گیا ہو۔

"مزفت" وہ برتن جس پر زفت (تارکول کی شکل کوئی چیز ہوتی ہے) مل کر اس کے مسامات کو بند کیا گیا ہو۔

"نقیر" وہ برتن جو کھجور کی جڑ کو کھود کر بنایا گیا ہو۔ بعض حضرات کے نزدیک وہ برتن جو مطلقاً لکڑی یا درخت کی جڑ کو کھود کر بناتے تھے۔ ان تمام برتنوں میں دور جاہلیت میں نبیذ تیار ہوتی تھی اور اس میں بہت جلد نشہ آ جاتا تھا اسلئے ابتداء اسلام میں حرمت مسکرات کے ساتھ ان برتنوں کے استعمال سے بھی منع کر دیا گیا تھا تاکہ شراب اور دیگر مسکرات کی حرمت اور کراہت صحیح طور پر قلوب میں راسخ ہو جائے بعد میں جب مسلمانوں کے قلوب میں شراب کی کراہت و نفرت راسخ ہو گئی تو پھر ان برتنوں کے استعمال کی اجازت دے دی گئی۔ (ایضاح ص ۱۷۸)

**الشق الاول** ...... باب اذا غصب جارية فزعم انها ماتت فقضى بقيمة الجارية الميتة ثم وجدها صاحبها فهي له ويرد القيمة ولا تكون القيمة ثمنا . وقال بعض الناس الجارية للغاصب لاخذه القيمة وفي هذا احتيال لمن اشتهى جارية رجل لا يبيعها فغصبها واعتل بانها ماتت حتى يأخذ ربها قيمتها فتطيب للغاصب جارية غيره وقال النبي ﷺ اموالكم عليكم حرام ولكل غادر لواء يوم القيمة .

ترجم العبارة بتمامها . اشرح مسئلة الباب على مذهب الامام البخاري اوّلاً ثم اذكر ما ردّه البخاري على بعض الناس من احتياله واعتلاله هل اصاب في ردّه او اخطأ؟ اجب عن استدلاله بقوله عليه السلام اموالكم عليكم حرام وبقوله عليه السلام ولكل غادر لواء يوم القيمة .

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) امام بخاریؒ کے مذہب پر مسئلہ کی تشریح اور بعض الناس پر رد (۳) امام بخاریؒ کے مستدلات کا جواب۔

**جواب** ...... ❶ **عبارت کا ترجمہ:** یہ باب اس بارے میں ہے کہ جب کسی نے باندی غصب کی اور کہا کہ وہ مر گئی ہے پس اس نے مردہ باندی کی قیمت ادا کردی پھر باندی کے مالک نے باندی کو پایا تو یہ باندی مالک کی ہوگی اور وہ قیمت لوٹائے گا اور یہ قیمت ثمن نہیں بنے گی، بعض لوگوں نے کہا کہ باندی غاصب کے لئے ہوگی مالک کے قیمت کو وصول کرنے کی وجہ سے اس میں اس شخص کے لئے حیلہ ہے جو کسی دوسرے شخص کی باندی کو پسند کرتا ہو اور وہ اسے نہ بیچتا ہو کہ وہ اسے غصب کرلے اور حیلہ کرے کہ وہ مرگئی ہے حتی کہ اس کا مالک اس کی قیمت لے لے تو غاصب کے لئے یہ غیر کی باندی پاک ہوجائے گی۔ حالانکہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے اموال تمہارے اوپر حرام ہیں اور ارشاد فرمایا کہ ہر دھوکہ باز کے لئے قیامت کے دن مخصوص جھنڈا ہوگا۔

❷ **امام بخاریؒ کے مذہب پر مسئلہ کی تشریح اور بعض الناس پر رد:** کسی شخص نے کسی دوسرے کی مملوکہ باندی غصب کی اور دعویٰ کردیا کہ وہ فوت ہوگئی ہے، قاضی کے فیصلہ کرنے پر مغصوب منہ نے قیمت وصول کرلی، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ باندی زندہ ہے تو اس صورت میں امام بخاریؒ کے نزدیک باندی اصل مالک کی ہوگی اور وہ وصول کردہ قیمت غاصب کو واپس کرے گا اور یہ وصول شدہ رقم اس باندی کا ثمن اور بدل نہ ہوگا۔ جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ باندی غاصب کی مملوکہ ہوجائے گی۔

امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ مذکورہ مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کے بقول باندی غاصب کی ہوجائے گی کیونکہ مغصوب منہ قیمت لے چکا ہے اس میں انہوں نے ایسے شخص کے لئے بڑا حیلہ نکالا جو کسی کی باندی میں رغبت رکھتا ہو اور مالک نہ بیچنا چاہتا ہو تو یہ شخص اس باندی کو غصب کرکے مرنے کا بہانہ بنادے گا جب مالک قیمت لے کر خاموش ہوجائے گا تو وہ غاصب اس باندی کو اپنے لئے حلال کرکے خوش ہوجائے گا حالانکہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے اموال تمہارے اوپر حرام ہیں نیز فرمایا کہ ہر دھوکہ باز کے لئے قیامت کے دن ایک مخصوص جھنڈا ہوگا جس کی وجہ سے سب لوگوں میں اس کی شناخت و رسوائی ہوگی اور ظاہر ہے کہ یہ غصب بھی دھوکہ کی ہی ایک قسم ہے کیونکہ اس نے انها ماتت کہہ کر مالک سے خیانت اور دغابازی کی ہے۔ الغرض امام ابوحنیفہؒ کا دوسرے کی باندی کو حاصل کرنے کا یہ حیلہ انتہائی قبیح عمل ہے۔

❸ **امام بخاریؒ کے مستدلات کا جواب:** امام بخاریؒ کا امام ابوحنیفہؒ پر یہ اعتراض بالکل درست نہیں ہے۔ حافظ عینیؒ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر بخاری میں اس باب کو ذکر کرنے کا کوئی محل نہیں ہے سوائے اس کے کہ حنفیہ کو بدنام کرنے کی ایک کوشش جو مشائخ کے شایانِ شان نہیں۔

اصل اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ایسے حیلوں کے ہم بھی قائل نہیں ہیں، یہ فعل ہمارے نزدیک بھی حرام ہے لیکن اگر کسی نے یہ کام کر لیا تو ہمارے نزدیک وہ مالک ہو جائے گا گویا ہمارے نزدیک قیمت کی ادائیگی کا یہ فیصلہ ظاہراً اور باطناً دونوں طرح نافذ ہوگا۔

امام بخاریؒ کے مستدلات کا جواب: ① اُن احادیث میں بھی فعل حرام کا ذکر ہے اور نفاذ حکم کی نفی نہیں ہے۔

② **اموالکم علیکم حرام** اُس صورت میں ہے جب رضامندی نہ پائی جائے جبکہ یہاں پر قیمت کی ادائیگی کے بعد رضامندی پائی گئی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ قیمت کی ادائیگی کا طریقہ خباثت و دھوکہ پر مبنی ہے مگر بہرحال مالک نے وہ قیمت بخوشی قبول کی ہے یہی وجہ ہے کہ مالک کیلئے اُس قیمت میں تصرف کرنا حلال و جائز ہے۔ اسی طرح باندی میں بھی بلا شبہ تصرف حلال و جائز ہے۔

③ **لکل غادر لواء یوم القیامة** کا جواب یہ ہے کہ لغت کے اعتبار سے غاصب کو غادر نہیں کہا جاتا کیونکہ غدر کا معنی ترک وفاء ہے اور غصب کا معنی زبردستی کوئی چیز لینا ہے۔ اور غاصب کا قول انہا ماتت جھوٹ و گناہ ہے مگر مالک کا قیمت کو وصول کرلینا رضامندی ہے۔ (ماخذ انعام الباری ص ۳۰۸ و جلد ۱ ص ۱۵۵ [illegible])

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۲۵ھ

**الشق الاول** ......عن عائشة قالت کان النبی ﷺ اذا اغتسل من الجنابة دعا بشیء نحو الحلاب، فاخذ بکفه فبدأ بشق راسه الایمن ثم الایسر، فقال بهما علی وسط رأسه. (ص ۳۹۔ ج ۱۔ قدیمی)

ترجم المؤلف "باب بدأ بالحلاب والطیب عند الغسل" فقد اشکل امر مطابقة هذه الترجمة لحدیث الباب. اذکر خلاصة اقوال العلماء بهذا الصدد، ورجح الراجح منها. ترجم الحدیث المبارک.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال کا حاصل دو امر ہیں (۱) ترجمۃ الباب اور حدیث کی تطبیق میں علماء کے اقوال (۲) حدیث کا ترجمہ۔

**جواب** ...... ① __ترجمۃ الباب اور حدیث کی تطبیق میں علماء کے اقوال:__ اول تو حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کے سارے ابواب معرکۃ الآراء ہیں مگر یہ باب ان معارک الآراء ابواب میں سے ہے جس میں شراح نے بڑی کوششیں کیں مگر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی کیا غرض ہے۔ ایک جماعت تو پکار اٹھی من ذا الذی یسلم من الغلط، غلطی سے کوئی مبرا نہیں ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ بھی غلطی میں پڑ گئے کہ حلاب کو طیب سمجھ لیا۔ غسل سے پہلے خوشبو کا کیا کام؟ جو لوگ امام بخاری رحمہ اللہ کے ہمنوا ہیں وہ کہتے ہیں کہ حدیث میں حلاب بالحاء نہیں ہے بلکہ بالجیم ہے کاتب کی غلطی سے نقطہ نہیں لگا اسلئے وہ بالحلاب رہ گیا۔ ان لوگوں نے امام بخاری رحمہ اللہ کے ترجمۃ الباب کی خاطر حدیث میں تصرف کر دیا یہ بڑی جسارت ہے ایسا ہرگز نہ کرنا چاہیے تھا۔ مگر محققین ان دونوں صورتوں سے الگ ہیں اور مختلف توجیہات فرماتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حلاب کے مشہور معنی دودھ کا برتن مراد نہیں ہے بلکہ یہ محلوب کے معنی میں ہے اور اس سے مراد وہ چیز ہے جو کسی چیز سے کھینچی گئی ہو یعنی عصارۃ البذور عرب کا دستور یہ تھا کہ وہ نہانے سے قبل خاص بذور کا عصارہ اپنے ابدان میں ملا کرتے تھے جیسا کہ خوشبو قبل الغسل استعمال کرتے تھے لہٰذا اب حلاب و طیب میں تنافر نہیں رہا اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ حلاب اس برتن کو کہتے ہیں جس میں دودھ دوہا جائے اور جس پر برتن میں دودھ دوہا جاتا ہے اس میں چکنائی وغیرہ لگی ہوئی ہوتی ہے اور وہ چکنائی ساری خوشبو کی اصل ہوتی ہے تو امام بخاری رحمہ اللہ کا ذہن ابتداءً حلاب سے اس چکنائی کی طرف گیا اور چونکہ وہ ساری معطرات کی اصل ہے اسلئے اس سے طیب کی طرف گیا اس وجہ سے لفظ طیب بڑھا دیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے الطیب سے ایک دوسری روایت کی طرف اشارہ فرما دیا جو بیاب من

تطیب ثم اغتسل وبقی اثر الطیب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو لگائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اپنی ازواج پر دور فرمار ہے تھے اور ظاہر ہے کہ اسکے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا ہے تو یہاں پر خوشبو لگانے کے بعد غسل کرنا ثابت ہو گیا اور بدأ ة بالحلاب روایۃ الباب سے ثابت ہو گیا۔ لہٰذا ترجمہ کے دونوں جز ثابت ہو گئے اور مقصد یہ ہے کہ دونوں ہی جائز ہیں اور بعض حضرات کی رائے ہے کہ حدیث میں آتا ہے کان یغسل راسه بالخطمی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غسل سے قبل بعض چیزیں تطیب وتنظیف بدن کیلئے استعمال فرماتے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ بدأ ة بالحلاب اور الطیب میں تردد ذکر فرما کر اشارہ فرما دیا کہ پانی کے علاوہ اور کوئی چیز استعمال کرنا ثابت نہیں ہے۔ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ میں دو چیزیں حلاب اور طیب ذکر فرمائی تھیں لیکن صرف روایۃ ایک کی یعنی حلاب کی ذکر فرمائی دوسرے کی نہیں ذکر کی۔

دعا بشیئ نحو الحلاب روایۃ بالکل واضح ہے حلاب اس برتن کو کہتے ہیں جس میں اونٹ کا دودھ دوہا جائے چونکہ اس وقت متعدد برتن ہر کام کیلئے مستقلاً نہیں ہوا کرتے تھے اسلئے اسی برتن میں دودھ نکال لیا اور اسی میں دوسرے وقت پانی لیکر غسل کر لیا۔ (تقریر ترمذی ج ۲ ص ۸۸)

❷ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غسل جنابت کرنا چاہتے تو حلاب کی طرح ایک چیز منگواتے تھے پھر اپنے دائیں ہاتھ میں (پانی) لیتے تھے اور سر کے بائیں حصہ سے غسل کی ابتداء فرماتے تھے پھر بائیں حصہ کا غسل فرماتے تھے پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو سر کے بیچ میں لگاتے تھے۔

الشق الثانی ...... باب شهادة القاذف والسارق والزانی وقول الله تعالٰی ولاتقبلوا لهم شهادة ابداً واولٰئك هم الفاسقون الاالذین تابوا وجلد عمر ابابكرة وشبل بن معبد ونافعا بقذف المغیرة ، ثم استتابهم وقال من تاب قبلت شهادته، واجازه عبدالله بن عتبة وعمر بن عبدالعزیز وسعید بن جبیر...... وقال بعض الناس لایجوز شهادة القاذف وان تاب، ثم قال: لایجوز نكاح بغیر شاهدین ، فان تزوج بشهادة محدودین، جاز، وان تزوج بشهادة عبدین لم یجز، واجازه شهادة المحدود والعبد والامة لرؤیة هلال رمضان، وكیف تعرف توبته، وقد نفی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الزانی سنة، ونهی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن كلام كعب بن مالك وصاحبیه حتی مضی خمسون لیلة. (ص ۳۶۳ ج ۱ قدیمی)

اذكر غرض المؤلف بهذه الترجمة . ماذا اراد المؤلف بقوله، قال بعض الناس...... الخ - هل اصاب المؤلف فیما اعترض علی بعض الناس ام ذلك تحكم محض، اجب عن بعض الناس بما یطمئن به القلب وینشرح له الصدر . بم یتعلق قوله "وكیف تعرف توبته...... الخ" وماالغرض منه؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) قال بعض الناس سے غرض مؤلف اور اس کا جواب (۳) کیف تعرف توبته کا متعلق اور غرض۔

جواب ...... ❶ ترجمۃ الباب کی غرض:۔ اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض اس بات کو بیان کرنا ہے کہ اگر محدود فی القذف آدمی توبہ کر لے تو اس کی شہادت وگواہی مقبول ہے۔

❷ قال بعض الناس سے غرض مؤلف اور اس کا جواب:۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ محدود فی القذف توبہ کر لے تو اس کی شہادت مقبول ہے یا نہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی شہادت مقبول ہے اور حضرت امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی شہادت مقبول نہیں ہے۔ دراصل یہ اختلاف اس بات پر مبنی ہے کہ آیت کریمہ۔ الاالذین تابوا الخ کا استثناء و اولٰئك هم الفاسقون کے جملہ

سے ہے یا ماقبل کے کُل احکام سے ہے۔
امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ماقبل کے تمام احکام سے استثناء ہو رہا ہے اسلئے اسکی شہادت توبہ کے بعد مقبول ہے جبکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ استثناء صرف جملہ **واولئك هم الفاسقون** سے ہے اور یہ توبہ کا معاملہ اس کا اور اللہ تعالیٰ کا باہمی معاملہ ہے مگر دنیاوی معاملہ میں ہم اس کی شہادت قبول نہیں کریں گے تو اس مقام پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اولاً اپنے مذہب کی تائید میں آیت پیش کی پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کو بطور دلیل پیش کیا کہ انہوں نے ابوبکرہ، شبل بن معبد اور نافع کو حضرت مغیرہ کے قذف کی وجہ سے کوڑے لگوائے تھے پھر توبہ کروائی اور ارشاد فرمایا **من تاب قبلت شهادته**، اسکے بعد تیسری دلیل کے طور پر اپنے مذہب کی تائید میں علماء کی ایک جماعت کے اسماء نقل کئے ہیں کہ یہ حضرات بھی محدود فی القذف کی شہادت کے جواز کے قائل ہیں اور وہ جماعت یہ ہے عبداللہ بن عتبہ، عمر بن عبدالعزیز، سعید بن جبیر، طاؤس، مجاہد، شعبی، عکرمہ، زہری، محارب بن دثار، شریح، معاویہ بن قرہ۔
امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے آیت کریمہ کا جواب یہ ہے کہ **الا الذین تابوا** کا استثناء صرف متصل والے جملہ **الفاسقون** سے ہے یعنی توبہ کے بعد وہ فاسق نہ رہے گا۔ مگر شہادت مقبول نہ ہوگی، اس پر قرینہ **لا تقبلوا لهم شهادة ابدا** میں **أبدًا** کا لفظ ہے، اگر اس کی شہادت بھی مقبول ہو تو پھر یہ **ابدًا** کے خلاف ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کا جواب یہ ہے کہ ان تینوں کی شہادت دیانت پر محمول ہے جیسے رؤیت ہلال رمضان وغیرہ اور دیانات میں قبول شہادت کی گنجائش کے ہم بھی قائل ہیں۔
کبار علماء کی ایک جماعت کی تائید و مسلک کا جواب یہ ہے کہ ان حضرات سے بھی جید علماء اور کبار حضرات عدم قبول شہادت کے قائل ہیں مثلاً ابن عباس رضی اللہ عنہ، حسن بصری، شریح، سفیان بن سعید، نخعی وغیرہ نیز شعبی، مجاہد اور عکرمہ رحمہم اللہ کا بھی ایک ایک قول عدم قبول شہادت کا ہے۔
اس طویل بحث کے بعد اب ہم اصل مقصد کی طرف آتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت سے غرض امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر تین اعتراض کرنا ہے۔ **پہلا اعتراض:** امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی کلام میں تناقض ہے بایں طور کہ ایک طرف ان کے نزدیک محدود فی القذف کی گواہی مقبول نہیں ہے اور بغیر گواہ نکاح بھی ناجائز ہے اور دوسری طرف اگر محدود فی القذف بطور گواہ موجود ہو تو انکے نزدیک یہ نکاح جائز ہے۔ **دوسرا اعتراض:** محدود فی القذف اور عبد (غلام) ناقص الشہادت ہونے میں برابر ہیں مگر محدود فی القذف کی گواہی سے نکاح جائز ہے اور عبد کی گواہی سے نکاح جائز نہیں ہے، یہ فرق بھی سمجھ سے بالا ہے۔
**تیسرا اعتراض:** یہ ہے کہ رؤیت ہلال رمضان میں محدود اور عبد دونوں کی گواہی معتبر ہے جبکہ ماقبل میں ذکر ہو چکا ہے کہ انکی گواہی غیر معتبر ہے۔
**اعتراض اول کا جواب:** یہ ہے کہ نکاح میں دو درجے ہیں انعقاد و اثبات۔ اثبات یعنی بوقت خصومت و انکار اسے ثابت کرنا چونکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ دونوں میں فرق نہیں کرتے اس لئے اعتراض کی نوبت آئی، ایسے ہی شہادت میں ایک درجہ تحمل کا ہے دوسرا ادا کا ہے، دونوں کی شرطیں الگ الگ ہیں بعض دفعہ تحمل صحیح اور ادا غیر معتبر ہوتی ہے انعقاد نکاح کے لئے ایسے شاہدین کا موجود ہونا کافی ہے جو تحمل شہادت کے اہل ہوں گو کسی عارضہ کی وجہ سے قاضی ادا کو قبول نہ کرے اور محدود فی القذف اہل شہادت میں سے ہے گو عارضہ کی وجہ سے اس کی ادا معتبر نہیں لہٰذا ان کا وجود انعقاد نکاح کیلئے کافی ہو جائے گا ہاں اگر تنازعہ ہو گیا مثلاً عورت نکاح کا انکار کرنے لگے تو اثبات نکاح کے لئے ایسا شاہد ہونا چاہیے جو اہلیت رکھتا ہو اور اس کی ادا معتبر ہو یعنی اس میں ایسا کوئی عارض نہ ہو جس کی وجہ سے اس کی شہادت رد ہو سکے اور محدود فی القذف میں یہ عارض موجود ہے لہٰذا عدالت اسے قبول نہ کرے گی۔
**اعتراض ثانی کا جواب:** یہ ہے کہ محدود اہل شہادت میں سے ہے اپنے نفس اور مال پر ولایت رکھتا ہے تصرفات کر سکتا ہے مگر عبد کو اپنے نفس پر کوئی اختیار نہیں، مال کا مالک نہیں لہٰذا دونوں میں فرق واضح ہے اور اعتراض دونوں میں مساوات سمجھنے سے ہوا۔

اعتراض ثالث کا جواب: یہ ہے کہ شہادت اور روایت کا باب الگ الگ اور شرائط جدا جدا ہیں، غلام اور باندی عادل ہوں تو ان کی روایت معتبر ہے ایسے ہی محدود فی القذف توبہ کر لے تو فسق ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کی بھی روایت قبول ہو جائے گی اور حنفیہ و جمہور کی تحقیق یہ ہے کہ رویت ہلال میں شہادت ضروری نہیں اخبار بھی کافی ہے اور اخبار میں غلام باندی اور محدود سب برابر ہوتے ہیں غرض یہ شبہ بھی اخبار اور شہادت میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے پیش آیا یا اس طرف توجہ نہیں فرمائی گئی کہ رویت ہلال رمضان باب الاخبار سے ہے مگر یہ صرف رمضان کی خصوصیت ہے ورنہ دوسرے مہینوں کے لئے شہادت تامہ ضروری ہے اور یہ فرق حدیث پاک سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک اعرابی کی خبر پر رمضان کا فیصلہ فرما دیا تھا۔ (کشف الباری کتاب الشہادات [illegible])

❷ **کیف تعرف توبته** کا تعلق اور غرض: اس جملہ کا عطف پہلے ترجمۃ الباب پر ہے گویا یہ جملہ بھی ترجمۃ الباب کا حصہ و جز ہے مطلب یہ کہ یہ باب قاذف، سارق و زانی کی شہادت اور ان کی توبہ کی معرفت کے بیان میں ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی اس جملہ سے غرض قاذف کی توبہ کی معرفت کو بیان کرنا ہے۔

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۲۵ھ

**الشق الاول** ..... باب الطلاق في الاغلاق والكره والسكران والمجنون وامرهما والغلط والنسيان في الطلاق والشرك لقول النبي ﷺ الاعمال بالنية ولكل امرئ ما نوى..... عن ابي هريرة عن النبي ﷺ قال: ان الله تجاوز عن امتي ما حدثت به انفسها ما لم تعمل او تتكلم. (ص۷۹۳ ج۲ قدیمی)

اذكر اقوال العلماء في تفسير الاغلاق ورجح الراجح منها. اذكر احكام الطلاق في الاغلاق و طلاق المكره والسكران والمجنون. لماذا ذكر المؤلف حديث الاعمال بالنية ههنا؟ اذكر مطابقة الحديث بالترجمة. اشرح الحديث شرحا واضحا جامعا.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ..... اس سوال میں پانچ امور توجہ طلب ہیں (۱) اغلاق کی تفسیر (۲) طلاق فی الاغلاق اور طلاق مکرہ، سکران و مجنون کا حکم (۳) حديث الاعمال بالنية کو ذکر کرنے کی وجہ (۴) حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت (۵) حدیث کی تشریح۔

**جواب** ..... ❶ اغلاق کی تفسیر: اغلاق کے معنی و تفسیر میں مختلف اقوال ہیں ① بعض حضرات نے کہا کہ اس سے جنون مراد ہے۔
② ابو عبید ہروی نے نقل کیا ہے کہ اس سے اکٹھی تین طلاقیں دینا مراد ہے کیونکہ تین طلاقیں دیکر وہ اپنے اوپر طلاق کو بند کر دیتا ہے ③ ابو عبید نے اغلاق کی تفسیر اکراہ سے کی ہے ④ امام احمد اور امام ابوداؤد رحمہما اللہ نے اس کی تفسیر غضب اور غصہ سے کی ہے مگر اغلاق سے مطلق غضب مراد نہیں ہے بلکہ اس کی تفصیل یہ ہے کہ غضب کی تین اقسام ہیں۔

① وہ غصہ اور غضب جو آدمی کی عقل کو بالکلیہ زائل کر دے اور اس کو اپنی بات کا بالکل شعور نہ ہو تو اس صورت میں بالاتفاق طلاق واقع نہیں ہوتی ② غصہ کی ابتدائی کیفیت جس میں آدمی کو شعور بھی ہوتا ہے اور وہ اپنی بات کو کہتا بھی ہے اس صورت میں بالاتفاق طلاق واقع ہو جاتی ہے ③ غصہ میں شدت آگئی مگر عقل بالکلیہ زائل نہیں ہوئی البتہ غصہ کی وجہ سے وہ اپنی نیت کے مطابق کام نہیں کر سکتا اس صورت میں علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ طلاق کا واقع نہ ہونا راجح ہے اور علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ لفظ اغلاق کے مفہوم میں اکراہ، غضب، جنون اور ہر وہ امر شامل ہے جس کی وجہ سے آدمی کے ہوش و حواس اور عقل سلامت نہ رہے۔ (کشف الباری کتاب الطلاق ص ۲۹۳)

❷ طلاق فی الاغلاق اور طلاق مکرہ، سکران و مجنون کا حکم: طلاق فی الاغلاق اس کا حکم بھی گزر چکا ہے۔

**طلاق مجنون ومکرہ:** مجنون کی طلاق تو بالاتفاق واقع نہیں ہوتی، البتہ مکرہ کی طلاق میں اختلاف ہے۔

حضرات حنفیہ امام شعبی، ابو داؤد، ابراہیم نخعی اور سعید بن جبیر رحمہم اللہ فرماتے ہیں مکرہ کی طلاق واقع ہو جاتی ہے اسلئے کہ اکراہ کی وجہ سے صرف رضا فوت ہوتی ہے اختیار فوت نہیں ہوتا، لہٰذا جب اختیار باقی ہے تو طلاق واقع ہوگی۔

یہ حضرات اس واقعہ سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ ایک عورت نے اپنے شوہر کو طلاق پر مجبور کیا اور طلاق حاصل کرلی پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس یہ مقدمہ لایا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے طلاق کو صحیح قرار دیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے بھی اسی طرح کے آثار منقول ہیں۔ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ مکرہ کی طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ اکراہ کی وجہ سے اختیار نہیں رہتا اور شرعی تصرفات کا دارومدار نیت واختیار پر ہے۔ نیز یہ حضرات فرماتے ہیں کہ حالت اکراہ میں کلمۂ کفر کہنے کی بھی اجازت ہے اور طلاق کلمۂ کفر سے بہت کم درجہ کی چیز ہے اس پر بھی طلاق کا حکم جاری نہیں ہونا چاہیے۔

**طلاق سکران:** سکران کی طلاق میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا مذہب، امام شافعی کا اصح قول اور امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت یہ ہے کہ سکران کی طلاق واقع ہو جائے گی، اس لئے کہ عقل زائل ہونے کا سبب معصیت ہے اس لئے حکماً اس کی عقل باقی سمجھی جائے گی تاکہ اس کو تنبیہ ہو زجر اور تنبیہ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ طلاق واقع ہو جائے۔ امام احمد رحمہ اللہ کا مشہور قول اور امام شافعی رحمہ اللہ کی ایک روایت یہ ہے کہ سکران کی طلاق واقع نہیں ہوگی، احناف میں سے امام کرخی اور طحاوی، شوافع میں سے امام مزنی کی رائے اور امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ وہ مستی اور بے ہوشی کے عالم میں ہوتا ہے اسے پتہ نہیں چلتا کہ اس کے منہ سے کیا نکل رہا ہے اور اس کے کیا اثرات ہونگے، قصد وارادہ کا اعتبار عقل سے ہے اور اس کی عقل زائل ہو گئی ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ معتوہ کی طلاق بالاتفاق واقع نہیں ہوتی، سکران بھی سکر اور نشہ کی وجہ سے معتوہ ہوتا ہے اس لئے اس کی طلاق بھی واقع نہیں ہونی چاہیے۔

**خطأ غلطی یا بھول میں طلاق کا حکم** ذہن نشین کرلیں۔ غلطی یا بھول میں طلاق دینے والے کے حکم میں بھی اختلاف ہے۔

جمہور علماء کے نزدیک طلاق واقع نہیں ہوگی اور دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے **ان اللہ تجاوز عن امتی الخطاء والنسیان وما استکرھوا علیہ** ۔ حنفیہ کے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی اور دلیل مشہور حدیث ہے **ثلاث جدھن جد وھزلھن جد النکاح والطلاق والرجعۃ** جب ہزل کا اعتبار ہے تو خطاء، غلط ونسیان کا بھی اعتبار کیا جائے گا۔ (کشف الباری کتاب الطلاق)

**❼ حدیث الاعمال بالنیۃ کو ذکر کرنے کی وجہ:** ترجمۃ الباب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے مشہور حدیث الاعمال بالنیۃ سے دلیل کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مذکورہ مسائل میں نیت کا اعتبار ہوتا ہے کیونکہ حکم دراصل عاقل مختار اور عامد اکی طرف متوجہ ہوتا ہے جبکہ مکرہ مختار نہیں ہوتا، سکران حالت سکر میں عاقل نہیں ہوتا اور خاطی وناسی کا بھی قصد وارادہ نہیں ہوتا۔ (ایضاً ص ۲۵۹)

**❼ و ❽ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت وتشریح:** ترجمۃ الباب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے طلاق کی مختلف اقسام کو ذکر فرمایا ہے اور اس حدیث سے طلاق موسوس کے عدم وقوع پر امام بخاری رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت سے وسوسے کو معاف کر دیا ہے اور وسوسے پر کوئی مواخذہ نہیں ہے لہٰذا اگر کسی آدمی کو طلاق کا وسوسہ آتا ہے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

**الشق الثانی** ...... باب من لم یتغن بالقرآن وقولہ تعالیٰ (اولم یکفھم انا انزلنا علیک الکتاب یتلی

علیہم) عن ابن شہاب قال اخبرنی ابو سلمة بن عبدالرحمن عن ابی ہریرۃ انہ کان یقول قال رسول الله ﷺ لم یاذن الله لنبی ما اذن للنبی ﷺ یتغنی بالقرآن وقال صاحب له یرید یجھر به.

ترجم الحدیث. من المراد به صاحب والی من یعود ضمیر له؟ اذکر تفسیر التغنی بالقرآن فی ضوء اقوال العلماء.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) صاحب کی مراد اور ضمیر کا مرجع (۳) تغنی بالقرآن کی تفسیر۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز اتنی توجہ سے نہیں سنی جتنی توجہ سے اس نے اپنے نبی ﷺ کو قرآن کریم کو خوش الحانی سے پڑھتے ہوئے سنا اور ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی نے کہا کہ تغنی سے مراد جہر کرنا ہے۔

❷ **صاحب کی مراد اور ضمیر کا مرجع:۔** ضمیر کا مرجع ایک قول کے مطابق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں جبکہ دوسرے قول کے مطابق اس کا مرجع ابو سلمہ رضی اللہ عنہ ہیں اور صاحب سے مراد عبدالحمید بن عبدالرحمن بن زید بن خطاب ہے۔ (حاشیہ)

❸ **تغنی بالقرآن کی تفسیر:۔** تغنی بالقرآن کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں۔

① تغنی بمعنی تشاغل یعنی قرآن کریم کو شوق سے پڑھنا اور اس کی تلاوت میں مشغول رہنا ہے۔

② امام شافعی فرماتے ہیں کہ تغنی سے مراد درد اور حزن کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کرنا ہے۔

③ تغنی سے مراد تلذذ اور حلاوت کا احساس ہے یعنی جس طرح اہل عرب گانے سے لذت محسوس کرتے ہیں اسی طرح اہل ایمان تلاوت قرآن کریم سے لذت و حلاوت محسوس کرتے ہیں۔ ④ تغنی سے مراد خوبصورت آواز، لفظوں کی درست ادائیگی اور عمدہ لہجے سے تلاوت کرنا ہے۔ تغنی سے مراد قرآن مجید کا ہر وقت گنگنانا ہے۔ (کشف الباری کتاب فضائل القرآن ص ۲۷)

## ﴿الورقة الرابعة: الصحيح للامام البخاری﴾

### ﴿السوال الاول﴾ ۱۴۲۶ھ

**الشق الاول** ...... بـاب ظلم دون ظلم، حدثنا ابوالولید قال: حدثنا شعبة ح قال: وحدثنی بشر قال: حدثنا محمد عن شعبة عن سلیمان عن ابراھیم عن علقمة عن عبدالله قال: لما نزلت "الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم" ...... قال اصحاب رسول الله ﷺ: اینا لم یظلم فانزل الله "ان الشرک لظلم عظیم".

اشرح قولـه "ظلم دون ظلم" واذکر معنی کلمة "دون" تفصیلا. اذکر غرض المؤلف بترجمة الباب. ما فائدة ایراد ھذا الحدیث باسنادین؟ ما ھی میزة "سلیمان عن ابراھیم عن علقمة عن عبدالله"؟ اذکر مناسبة الحدیث بترجمة الباب. (ص۹۔ ج۱۔ قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ پانچ امور ہیں (۱) ظلم دون ظلم کی تشریح اور دون کا معنی (۲) ترجمۃ الباب کی غرض (۳) دو سندوں کو ذکر کرنے کا فائدہ (۴) راویوں کا تعارف (۵) حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت۔

**جواب** ...... ❶ **ظلم دون ظلم کی تشریح اور دون کا معنی:۔** امام بخاری رحمہ اللہ نے پچھلے باب میں کفر دون کفر کا ذکر کیا تھا اور بتایا تھا کہ کفر کے مراتب اور درجات مختلف ہیں تو اس کی نقیض یعنی ایمان کے اندر بھی درجات اور مراتب مختلف ہوں گے اور جب ایمان میں مراتب اور درجات مختلف ہوں گے تو اس کو مرکب کہا جائیگا اور زائد و ناقص بھی قرار دیا جائے گا۔ اسی طرح یہاں ظلم دون ظلم میں بھی یہ بتا رہے ہیں کہ یہ ظلم بھی ایمان کی نقیض ہے اور ظلم کے اندر بھی مراتب مختلف ہیں لہذا ظلم دون

ظلم ثابت ہو گیا اور ایمان چونکہ اس کی نقیض ہے اسلئے ایمان کے اندر مراتب و درجات کا تفاوت و اختلاف بھی ثابت ہو جائیگا۔

اس بات کو دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ یہاں تنوین بمعنی ادنیٰ یا اسفل کے ہے اور مطلب یہ ہے کہ ظلم کی ایک جنس ہے اسکے تحت بہت سے افراد ہیں، بعض اعلیٰ ہیں اور بعض ادنیٰ ہیں، یہی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے طرز کے موافق بھی ہے، کیونکہ ان کی رائے یہ ہے کہ ایمان جو اصل ہے وہ تو تصدیق اور اقرار لسانی ہے، ایک اس کی فرع ہے جس سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے، وہ فرع اعمال ہیں، اسی طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ بھی ہے کہ کفر اور شرک و ظلم کی ایک اصل ہے اور وہ ہے کفر باللہ، جو ایمان باللہ کی ضد ہے ایک اس کی فرع ہے وہ ہیں معاصی جن سے کفر میں قوت اور زیادتی ہوتی ہے، یہ سب ہیں تو کفر ہی لیکن ایک اصل ہے اور ایک فرع، اصل کے ارتکاب سے آدمی ایمان سے نکل جاتا ہے اور فرع کے ارتکاب سے ایک شعبۂ کفر میں داخل ہو جاتا ہے کافر نہیں ہوتا گویا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ظلم کے مراتب مختلف ہیں اسکا سب سے بلند مرتبہ تو شرک ہے کہ اسکی وجہ سے آدمی مومن ہی نہیں رہتا اور اسکے نیچے بہت سے مراتب ہیں کہ انکے ارتکاب سے ایمان سے تو خارج نہیں ہوتا ہاں اس کے اندر کفر کی شاخیں اور اسکے شعبے آجاتے ہیں۔

علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ سے مقصود یہ ہے کہ ایمان کی تکمیل اعمال سے ہوتی ہے اور معاصی سے ایمان میں نقصان پیدا ہوتا ہے ان سے آدمی کفر میں داخل نہیں ہوتا اور معاصی کے چھوٹے بڑے ہونے کے اعتبار سے لوگوں میں تفاوت اور اختلاف ہے"۔ (کشف الباری ج ۲ ص ۲۲۷)

❷ <u>ترجمۃ الباب کی غرض</u>:۔ مذکورہ تشریح میں غرض الباب بھی گزر چکی ہے۔

❸ <u>دو سندوں کو ذکر کرنے کا فائدہ</u>:۔ یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حدیث باب کو دو سندوں سے نقل کر رہے ہیں، پہلی سند میں ان کے استاد ابو الولید ہیں جو امام شعبہ کے شاگرد ہیں، جب کہ دوسری سند میں ان کے استاد بشر بن خالد عسکری ہیں وہ محمد بن جعفر غندر کے واسطے سے امام شعبہ سے روایت کرتے ہیں، گویا پہلی سند عالی ہے جب کہ دوسری سند اس کے مقابلے میں نازل ہے چونکہ محمد بن جعفر المعروف بغندر امام شعبہ سے روایت کرنے والوں میں سب سے اثبت ہیں اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باوجود عالی سند کے موجود ہونے کے نازل سند بھی ذکر کردی، معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کبھی اہم فائدہ کیلئے سند نازل کو ذکر کر دیتے ہیں۔

❹ <u>راویوں کا تعارف</u>:۔ ابو الولید: یہ ابو الولید ہشام بن عبد الملک طیالسی باہلی بصری ہیں۔ امام مالک، شعبہ، حماد بن سلمہ، سفیان بن عیینہ رحمہم اللہ وغیرہ سے سماع حاصل ہے۔ ان سے ابو زرعہ، ابو حاتم، اسحاق بن راہویہ، محمد بن یحییٰ اور محمد بن مسلم رحمہم اللہ روایت کرتے ہیں۔ علمائے جرح و تعدیل نے ان کو ثقہ اور ثبت قرار دیا ہے۔ ۱۳۳ھ میں ان کی ولادت ہوئی اور ۲۲۷ھ میں انتقال ہوا۔

شعبة: یہ امیر المومنین شعبہ بن الحجاج بن الورد عتکی واسطی بصری ہیں، ابو بسطام کنیت ہے، ان کی جلالت قدر اور امامت پر سب کا اتفاق ہے۔ سفیان ثوری فرماتے ہیں شعبة امیر المؤمنین فی الحدیث، امام احمد فرماتے ہیں کان أمة وحده فی هذا الشأن۔ عراق میں رجال کی تفتیش اور حدیث سے دفاع کا کام سب سے پہلے انہوں نے شروع کیا۔ بصرہ ہی میں ۱۶۰ھ میں وفات پائی، اصول ستہ کے مصنفین نے ان کی روایات لی ہیں۔ (ایضاح ص ۲۷۸)

سلیمان: یہ ابو محمد سلیمان بن مہران اسدی کوفی ہیں جو اعمش کے لقب سے معروف ہیں۔ انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی زیارت کی ہے البتہ ان سے ان کا سماع ثابت نہیں ہے۔ زید بن وھب، ابو وائل، ابراہیم تیمی اور شعبی رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں اور ان سے روایت کرنے والوں میں شعبہ، سفیان، زائدہ اور وکیع رحمہم اللہ وغیرہ ہیں۔

امام علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "اسید محمدیہ کے لئے علم کو محفوظ طور پر پہنچانے والے چھ حضرات ہیں، ان میں سے ایک

سلیمان بن مہران اعمش ہیں"۔ قاسم بن عبدالرحمن رحمہ اللہ فرماتے ہیں هذا الشيخ أعلم الناس بقول عبدالله بن مسعود۔ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں سبق الأعمش أصحابه بأربع خصال: كان أقرأهم للقرآن، وأحفظهم للحديث، وأعلمهم بالفرائض، وذكر خصلة أخرى۔ زہیر بن معاویہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ما أدركت أحداً أعقل من الأعمش ومغيرة۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں أبو إسحاق والأعمش رجلا أهل الكوفة۔ امام شعبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ماشفاني أحد في الحديث ماشفاني الأعمش یعنی حدیث میں امام اعمش کی طرح کسی اور نے میری تشفی نہیں کی۔ امام شعبہ رحمہ اللہ جب امام اعمش کا ذکر کرتے تھے تو ان کے صدق و دیانت کی وجہ سے المصحف، المصحف کہا کرتے تھے۔ احمد بن عبداللہ عجلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں كان ثقة ثبتاً في الحديث۔ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں الأعمش ثقة۔ امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ثقة ثبت۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ثقة حافظ، عارف بالقرأت، ورع، لكنه يدلس۔ امام اعمش رحمہ اللہ ۶۱ھ کے اوائل میں پیدا ہوئے اور ۱۴۷ھ یا ۱۴۸ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ (ایضاح ص ۳۵۲)

ابراھیم: یہ کوفہ کے مشہور تابعی فقیہ ابو عمران ابراہیم بن یزید بن قیس بن اسود نخعی ہیں۔ ان کی والدہ ملیکہ بنت یزید ہیں جو اسود بن یزید اور عبدالرحمن بن یزید کی بہن ہیں۔

اپنے دونوں ماموں کے علاوہ عبیدہ سلمانی، ہمام بن الحارث، علقمہ بن قیس نخعی اور مسروق بن الاجدع رحمہم اللہ وغیرہ سے روایت حدیث کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں حکم بن عتیبہ، حماد بن ابی سلیمان، زبید الیامی اور امام اعمش رحمہم اللہ وغیرہ ہیں۔

امام اعمش رحمہ اللہ فرماتے ہیں كان إبراهيم صيرفي الحديث اور فرمایا کہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ شہرت اور نام و نمود سے ہمیشہ بچتے رہتے تھے حتی کہ کسی ستون وغیرہ کے پاس حلقہ نہیں لگاتے تھے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ثقة إلا أنه يرسل كثيراً۔

آخر عمر میں حجاج بن یوسف کی طرف سے ان کی تلاش جاری تھی اور وہ روپوش ہو گئے، اسی حال میں پہلے حجاج بن یوسف کا پھر کچھ عرصہ میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ آخری وقت پر بہت اضطراب میں تھے، لوگوں نے پوچھا کہ کیا کوئی خطرہ درپیش ہے؟ آپ نے فرمایا اس وقت میں جس عظیم خطرہ سے دوچار ہوں اس سے بڑھ کر اور کیا خطرہ ہو سکتا ہے، ابھی میرے رب کا فرستادہ پہنچے گا پھر میرا ٹھکانہ یا تو جنت ہے گا یا جہنم، خدا کی قسم! میری خواہش ہے کہ بس میری روح قیامت تک حلق میں اٹکی رہے۔ سن ۹۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

علقمہ: یہ کوفہ کے مشہور تابعی فقیہ، امام ابو شبل علقمہ بن قیس بن عبداللہ بن مالک نخعی رحمہ اللہ ہیں، یہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کی والدہ اور ماموں اسود بن یزید اور عبدالرحمن بن یزید کے چچا ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ میں پیدا ہوئے، آپ کی زیارت نہیں کی چنانچہ آپ کا شمار مخضرمین میں ہوتا ہے۔

طلب علم کیلئے سفر کیا، حضرات خلفائے راشدین، حضرت سلمان، حضرت ابوالدرداء، حضرت خالد بن الولید، حضرت حذیفہ، حضرت خباب، حضرت عائشہ، حضرت سعد، حضرت عمار اور حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہم وغیرہ سے روایت حدیث کی، کوفہ میں مقیم ہو گئے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی صحبت اختیار کی، تا آنکہ علم و عمل کے روشن مینار بن کر نکلے، بڑے بڑے علماء نے آپ سے فقہ کا علم حاصل کیا اور آپ کا نام دور دور تک پہنچا۔

آپ سے استفادہ کرنے والوں میں امام ابراہیم نخعی، امام شعبی، سلمہ بن کہیل، ابو وائل شقیق بن سلمہ اور ابو اسحاق سبیعی رحمہم اللہ جیسے حضرات ہیں۔

حضرت علقمہ رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے سب سے اخص ترین شاگرد سمجھے جاتے ہیں حتی کہ عادات و اخلاق میں بھی انکے مشابہ تھے۔ قرآن کریم بہت خوش الحانی سے پڑھتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان سے فرمائش کر کے قرآن کریم سنتے اور

فرمایا کرتے تھے زدنا، فداك أبي وأمي ، فاني سمعت رسول الله ﷺ یقول: ان حسن الصوت زینة القرآن۔

قابوس بن ابوظبیان نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپ حضور اکرم ﷺ کے اصحاب کی مجالس کو چھوڑ کر علقمہ کے پاس کیوں جاتے ہیں؟ ابوظبیان ﷫ نے جواب دیا کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کو ان سے سوال کرتے اور استفادہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

امام احمد ﷫ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں ثقة من أهل الخير۔ امام یحییٰ بن معین ﷫ نے بھی ان کو "ثقہ" قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر ﷫ لکھتے ہیں ثقه ثبت فقيه عابد۔

حضرت علقمہ ﷫ نے وصیت کی کہ جب میرا وقت نزع آئے تو کسی ایسے شخص کو میرے پاس بٹھاؤ جو مجھے لا اله الا الله کی تلقین کرے، انتقال کے بعد مجھے جلد دفنا دینا، لوگوں میں اعلان نہ کرتے پھرنا کہ یہ جاہلیت کا طریقہ ہو جائے گا۔

آپ کا انتقال ۶۰ھ یا ۷۰ھ کے بعد ہوا۔ (ایضا)

عبدالله: یہ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب ہذلی ہیں، ابو عبدالرحمٰن آپ کی کنیت ہے۔

سابقین اولین میں آپ کا شمار ہے، بدر وغیرہ تمام غزوات میں شریک ہوئے، ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ دونوں ہجرتیں کیں، علماء صحابہ میں سے تھے ان سے صحابہ و تابعین میں سے ایک جم غفیر نے علم حاصل کیا۔

حضرات صحابہ میں سے حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت عمران بن حصین، حضرت جابر، حضرت انس اور حضرت ابوامامہ ﷺ نے ان سے احادیث کی روایت کی ہے۔ حضرات تابعین میں سے جن حضرات نے ان سے استفادہ کیا ان میں سے چند مشہور ہیں۔ علقمہ، اسود، مسروق، عبیدہ، ابووائلہ، قیس بن ابی حازم ﷭۔

آپ حضرت عمر ﷺ سے پہلے اسلام لائے خود فرماتے ہیں لقد رأيتني سادس ستة، وما على ظهر الأرض مسلم غيرنا۔

آپ کی والدہ ماجدہ بھی صحابیہ ہیں وہ أم عبد کہلاتی تھیں۔ اسی نسبت سے آپ کو ابن أم عبد بھی کہا جاتا ہے۔ یہ دونوں ماں بیٹے حضور ﷺ سے انتہائی خصوصی تعلق رکھتے تھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ فرماتے ہیں قدمت أنا وأخي من اليمن فمكثنا حينا ما نرى ابن مسعود وأمه الا من أهل البيت من كثرة دخولهم ولزومهم له۔

سفر میں حضور اکرم ﷺ کے نعل مبارک، مسواک، بستر اور وضو کا سامان آپ ہی اٹھاتے تھے، عام دنوں میں بھی آپ حضور ﷺ کو جوتے پہناتے تھے، جب حضور ﷺ جوتے اتارتے تو آپ انہیں اپنی کلائیوں (یعنی آستین کی جیبوں) میں ڈال لیتے تھے۔

بدر کے موقعہ پر جب اللہ کے دشمن ابوجہل کو دو نوعمر صحابیوں نے زخمی کر دیا تو حضور اکرم ﷺ نے آپ ہی کو اسے قتل کرنے کیلئے بھیجا، آپ نے اس امت کے فرعون کو قتل کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔ حضور ﷺ نے آپ کو جنت کی بشارت دی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں آپ ﷺ کو قرآن کریم سناؤں، میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ ﷺ کو کیا قرآن سناؤں؟ قرآن تو خود آپ ﷺ پر نازل ہوا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں دوسرے کی زبان سے سننا چاہتا ہوں، کہتے ہیں کہ میں نے سورۂ نساء سے پڑھنا شروع کیا، یہاں تک کہ فكيف اذا جئنا من كل امة بشهيد وجئنا بك على هؤلاء شهيدا تک پہنچ گیا۔ آپ ﷺ نے مجھے روک دیا اور فرمایا کہ بس کافی ہے، میں آپ ﷺ کی طرف دیکھنے لگا آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

حضرت عمر بن الخطاب ﷺ نے آپ کو کوفہ بھیجا اور اہل کوفہ کو لکھا بعثت اليكم عمارًا أميرًا، وعبدالله بن مسعود معلمًا ووزيرًا، وهما من النجباء من أصحاب رسول الله ﷺ ومن أهل بدر، فاقتدوا بهما، وقد آثرتكم

یعبداللہ علی نفسی۔

حضرت عمر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں کنیف ملئ علما کہ آپ ایک بڑا برتن ہیں جو لبالب علم سے بھرا ہوا ہے۔

ایک دفعہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ نے عیادت کی۔

پوچھا: ماتشتکی؟ (آپ کیا تکلیف محسوس کرتے ہیں؟) فرمایا: ذنوبی (مجھے اپنے گناہوں کی تکلیف کا احساس ہے)

پوچھا: فماتشتھی؟ (آپ کی کیا خواہش ہے؟) فرمایا: رحمۃ ربی (میں اپنے پروردگار کی رحمت کا خواستگار ہوں)۔

پوچھا: ألا آمرلك بطبیب؟ (آپ کے لئے کسی طبیب کا انتظام نہ کردوں؟)

فرمایا: الطبیب أمرضنی (میرے لئے کیا طبیب کا انتظام کریں گے اصل "طبیب" ہی نے تو مجھے بیمار کیا ہے)

پوچھا:۔ ألا آمرلك بعطاء؟ (آپ کیلئے کچھ رقم کا بندوبست کردوں؟) فرمایا: لاحاجة لی فیه (مجھے ضرورت نہیں)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کو ضرورت نہ سہی آپ کے بعد آپ کی بچیوں کے کام آئے گی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا آپ کو میری بیٹیوں کے بارے میں فقر کا اندیشہ ہے؟ ایسی بات نہیں ہوگی کیونکہ میں نے انہیں روزانہ رات کو سورۂ واقعہ پڑھنے کی تلقین کی ہوئی ہے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من قرأ سورة الواقعة كل ليلة لم تصبه فاقة أبدا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کل آٹھ سو اڑتالیس حدیثیں مروی ہیں ان میں سے چونسٹھ متفق علیہ ہیں، جب کہ امام بخاری اکیس حدیثوں میں متفرد ہیں اور امام مسلم پینتیس حدیثوں میں متفرد ہیں ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (ایضا)

❺ **حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت:۔** علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے معاصی کو ظلم سمجھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کو ظلم قرار دیا معلوم ہوا کہ بعض ظلم کفر ہیں اور بعض ظلم کفر نہیں ہیں اس سے ظلم کے مراتب معلوم ہوئے اور یہی ظلم دون ظلم ترجمۃ الباب تھا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں ان الشرك لظلم عظيم میں تو ظلم کے مراتب پر صراحتاً دلالت کر رہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چھوٹا ظلم بھی ہے جو شرک سے کم ہے۔ (ایضاح ج۲ ص۳۱۸)

**الشق الثانی** ......باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الدین النصیحة لله ولرسوله ولائمة المسلمين وعامتهم...... عن جرير بن عبدالله قال: بايعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم على اقام الصلاة وايتاء الزكوة والنصح لكل مسلم. (ص۱۴، ج۱، قدیمی)

اذكر غرض المؤلف بهذه الترجمة. لماذا لم يخرج البخاري هذا الحديث في كتابه موصولا وقد ترجم به الباب؟ ترجم لسيدنا جرير بن عبدالله. اشرح الحديث اذكر معنى النصيحة. اكتب مناسبة الحديث ومطابقته بترجمة الباب

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حاصل پانچ امور ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) حدیث کو موصولا ذکر نہ کرنے کی وجہ (۳) حضرت جریر بن عبداللہ رحمہ اللہ کا تعارف (۴) حدیث کی تشریح اور نصیحت کا معنی (۵) حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت۔

**جواب** ...... ❶ **ترجمۃ الباب کی غرض:۔** امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض مراتب ایمان کو بیان کرنا ہے کہ ان میں تفاوت ہے اس لئے کہ یہاں النصیحة کا الدین پر حمل ہے گویا دین اور نصیحت ایک ہی چیز ہے اور نصیحت کے مختلف مراتب ہیں نصیحت لله، لرسوله، لائمة المسلمين، لعامتهم، نیز ان کی کیفیات میں بھی کمی بیشی ہوتی ہے لہٰذا جب نصیحت میں مراتب ہیں تو دین میں بھی مراتب ہونگے اور دین و ایمان ایک ہی چیز ہے اس لئے ایمان میں بھی مراتب ثابت ہوئے۔

نیز امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد عمل کو ایمان میں داخل قرار دینا ہے کیونکہ یہاں الدین پر النصیحت کا حمل ہے اور نصیحت

عمل ہے معلوم ہوا کہ عمل دین و ایمان میں داخل ہے۔ (کشف الباری ج ۲ ص ۵۷۵)

② **حدیث کو موصولاً ذکر نہ کرنے کی وجہ:-** اس حدیث کا مدار سہیل بن ابی صالح ؒ پر ہے اور وہ امام بخاری ؒ کی شرائط کے مطابق نہیں ہیں۔ نیز اس میں اختلاف ہے کہ حدیث حضرت تمیم داری ؓ کی مسانید میں سے ہے یا حضرت ابوہریرہ ؓ کی مسانید میں سے ہے ان دو وجوہ سے امام بخاری ؒ نے اس حدیث کو موصولاً نقل نہیں کیا چونکہ یہ حدیث فی الجملہ قابل استدلال ہے اس لئے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس پر صرف ترجمۃ الباب قائم کر دیا۔ (ایضاً ج ۲ ص ۵۷۶)

③ **حضرت جریر بن عبداللہ ؓ کا تعارف:-** آپ ؓ حضرت جریر بن عبداللہ احمسی بجلی کوفی ؓ ہیں، آپ ؓ اپنی قوم کے سردار تھے، جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رمضان ۱۰ھ میں مشرف با اسلام ہوئے آپ ﷺ نے ان کا اکرام کیا اور انہیں چادر عطا فرمائی اور فرمایا **اذا جاءکم کریم قوم فاکرموہ۔**
آپ ؓ نے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر قبیلۂ خثعم کا بت خانہ **ذو الخلصہ** قبیلۂ احمس کے شہسواروں کو ساتھ لیکر مسمار کیا تھا۔
حضرت عمر ؓ آپ ؓ کی جسمانی صحت اور حسن و جمال کو دیکھ کر فرمایا کرتے تھے **جریر یوسف هذه الامة۔**
آپ ؓ پہلے کوفہ منتقل ہوئے اور وہاں سکونت اختیار کی بعد میں قرقیسیا نامی علاقہ میں منتقل ہو گئے تھے اور آخر حیات تک وہیں مقیم رہے۔ حتی کہ وہیں پر مدفون ہوئے۔ اور ۵۱ھ یا ۵۴ھ یا ۵۶ھ میں انتقال ہوا۔ (ایضاً ج ۲ ص ۵۷۷)
آپ ؓ سے تقریباً سو احادیث مروی ہیں۔ **(رضی اللہ تعالی عنہ وعنہم اجمعین۔)**

④ **حدیث کی تشریح اور نصیحت کا معنی:-** حضرت جریر بن عبداللہ ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر نماز کی پابندی، زکوٰۃ کی ادائیگی اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی پر بیعت کی ہے دراصل آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ بیعت کے وقت عام طور پر ارکان ظاہرہ شہادتین اور صلوٰۃ و زکوٰۃ کو ذکر فرماتے اور پھر ان امور کو ذکر فرماتے جن کی بیعت کرنے والے میں ضرورت محسوس فرماتے۔ چنانچہ حضرت جریر ؓ سے بھی بوقت بیعت شہادتین، اقامت صلوٰۃ اور ادائیگی زکوٰۃ کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ نصیحت و خیر خواہی کا عہد لیا۔
نصیحت کا معنی خیر خواہی ہے یہ لفظ یا **نصحت العسل** سے مشتق ہے جس کا معنی شہد کو صاف کرنا ہے۔ یا پھر **النصح** سے مشتق ہے جس کا معنی **بمنصحة** یعنی سوئی سے سینا ہے گویا جس طرح سوئی کے ذریعہ کپڑے کے پھٹن کو درست کیا جاتا ہے اسی طرح نصیحت کے ذریعہ اپنے بھائی کی پراگندگی کو ختم اور دور کیا جاتا ہے۔ امام خطابی ؒ فرماتے ہیں کہ نصیحت ایک مختصر کلمہ ہے جو اپنے اندر بہت سے جامع معانی رکھتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ منصوح لہ کیلئے تمام حظوظ خیر کو جمع کر دینا نصیحت ہے۔
حدیث اول میں اللہ تعالیٰ کے لئے نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ذات و صفات پر آپ ﷺ کی تعلیمات کے مطابق ایمان لانا، شرک کی تمام انواع سے اجتناب کرنا، اطاعت و فرمانبرداری کرنا، اخلاص کے ساتھ تمام اوامر کو بجالانا، تمام نواہی سے مکمل اجتناب کرنا، انعامات و احسانات کا اعتراف کرتے ہوئے شکر ادا کرنا، بعض شارحین نے اس جگہ نصیحت لکتاب اللہ کا بھی ذکر کیا ہے اللہ تعالیٰ کی کتاب کے لئے نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ اس پر ایمان لائے کہ یہ وحی الٰہی ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام ہے یہ نہ مخلوق کی کلام کے مشابہ ہے اور نہ ہی مخلوق میں سے کوئی ایسے کلام پر قادر ہے نیز اسکے الفاظ و حروف کو درست کیا جائے۔ محرفین کی تاویلات کو باطل کیا جائے۔ زبان طعن دراز کرنے والوں کی زبان کو بند کیا جائے، اسکے بیان کردہ فرائض و سنن و آداب کا علم حاصل کیا جائے، اس کے محکمات پر عمل اور متشابہات کے سامنے سر تسلیم خم کیا جائے، اسکے مواعظ سے عبرت حاصل کی جائے، وعد و وعید کی تصدیق کی جائے، اسکے علوم کی تحصیل کی کوشش کی جائے۔ رسول اللہ ﷺ کیلئے نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ جو کچھ لے کر

آئے ہیں اس کی مکمل تصدیق کی جائے، آپ ﷺ نے جس چیز کی دعوت دی اس کو قبول کیا جائے آپ ﷺ نے جو شرائع واحکام بتائے اور دین کی جو تشریح کی اس کے مطابق عمل کیا جائے آپ ﷺ کے اوامر پر عمل اور نواہی سے اجتناب کیا جائے، آپ ﷺ کے حق کو تمام مخلوق کے حق پر مقدم کیا جائے اور آپ ﷺ کے طریقہ دعوت کو اختیار کیا جائے، ائمۃ المسلمین سے مراد امراء و خلفاء ہیں ان کے ساتھ خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ معروف میں ان کی اطاعت ہو، ان کے پیچھے نماز ادا ہو ان کے ساتھ مل کر کفار سے جہاد کیا جائے بغاوت نہ کی جائے، غفلت پر ان کو متنبہ کی جائے، جھوٹی تعریف سے ان کو دھوکہ نہ دیا جائے، ان کی صلاح وہدایت کے لئے دعا کی جائے۔ ائمۃ المسلمین سے مراد علماء و مجتہدین بھی ہو سکتے ہیں۔ اب مطلب یہ کہ ان کے علوم کو نشر کیا جائے، ان کے مناقب کو بیان کیا جائے، ان کے ساتھ حسن ظن رکھا جائے اور ان کی تقلید کی جائے۔ عامۃ المسلمین کے ساتھ نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ ان کو دین کی تعلیم دی جائے، ان کی دینی و دنیاوی مصالح کی طرف رہنمائی کرنا، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنا، ان کے ساتھ شفقت و مہربانی کا معاملہ کرنا، بڑوں کے ساتھ توقیر اور چھوٹوں کے ساتھ ترحم کا رویہ رکھنا۔ (کشف الباری کتاب الایمان ج ۲ ص ۵۵۷)

❺ **حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت:۔** حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت واضح ہے کہ حدیث میں النصح لکل مسلم کا ذکر ہے کہ ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنا اور ترجمۃ الباب میں بھی النصیحۃ لعامۃ المسلمین کا ذکر ہے۔

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۲۶ھ

**الشق الاول** ......باب التقاضی والملازمۃ فی المسجد...... عَنْ كَعْبٍ أَنَّهُ تَقَاضَى ابْنَ أَبِي حَدْرَدٍ دَيْنًا كَانَ لَهُ عَلَيْهِ فِي الْمَسْجِدِ فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا حَتَّى سَمِعَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ فِي بَيْتِهِ فَخَرَجَ إِلَيْهِمَا حَتَّى كَشَفَ سِجْفَ حُجْرَتِهِ فَنَادَى يَا كَعْبُ قَالَ: لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ: ضَعْ مِنْ دَيْنِكَ هَذَا وَأَوْمَأَ إِلَيْهِ أَيِ الشَّطْرَ، قَالَ: لَقَدْ فَعَلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: قُمْ فَاقْضِهِ. (ص ۶۵۔ ج ۱۔ قدیمی)

شکل الحدیث بالضبط ثم ترجمہ۔ اذکر غرض المؤلف عن هذه الترجمة۔ کیف ساغ للصحابیین رفع الصوت فی المسجد حتی خرج الرسول ﷺ من حجرته۔ اذکر مناسبة الحدیث بالترجمة۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں پانچ امور مطلوب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) ترجمۃ الباب کی غرض (۴) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلند آواز پر برانگیختہ کرنے والی چیز (۵) حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث پر اعراب:۔** کما مرّ فی السوال آنفا۔

❷ **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے مسجد نبوی ﷺ میں ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہ سے اپنے قرض کا تقاضا کیا (اسی دوران) دونوں کی گفتگو تیز ہوگئی اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے گھر سے سن لیا پس آپ ﷺ ان کی طرف تشریف لائے اپنے حجرہ مبارک کا پردہ ہٹا کر پس آپ نے پکارا کہ اے کعب! حضرت کعب رضی اللہ عنہ بولے حاضر جناب اے اللہ کے رسول، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے قرض میں سے اتنا کم کردو۔ آپ ﷺ کا اشارہ تھا کہ آدھا کم کردو انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! میں نے کردیا پھر آپ نے ابن ابی حدرد سے فرمایا کہ اٹھو اور اس کو بقیہ ادا کردو۔

❸ **ترجمۃ الباب کی غرض:۔** امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض یہ بتلانا ہے کہ مسجد میں قرض کا تقاضا و مطالبہ کرنا اور قرض خواہ کا قرض کی وصولی تک مقروض کے ساتھ چمٹے رہنا اور برابر اس سے مطالبہ کرتے رہنا جائز ہے۔ (الخیر الساری ج ۳ ص ۳۰۹)

❹ **صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلند آواز پر برانگیختہ کرنے والی چیز:۔** صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلند آواز پر برانگیختہ کرنے والی چیز قرض کا مطالبہ تھا۔

سوال ہوتا ہے کہ مسجد میں دنیاوی باتیں کرنا، بیع وشراء کرنا وغیرہ ذلک۔ ان تمام امور کی ممانعت ہے تو پھر صحابہ کرامؓ کا مسجد میں اس قدر بلند آواز سے قرض کا مطالبہ کرنا کہ جس کی وجہ سے آنحضرت ﷺ بھی اپنے حجرہ مبارک سے باہر تشریف لے آئے یہ کیسے صحیح وجائز ہوا؟

جواب کا حاصل یہ ہے کہ مسجد میں ان دنیاوی باتوں کی ممانعت ہے جو لغو ہوں یا انکا تعلق بالکلیہ دنیا سے ہو اور وہ امور جن کا تعلق بالکلیہ دنیا سے نہ ہو جیسے قرض کا مطالبہ کرنا یہ استثنائی چیزوں میں داخل ہے اگرچہ اس میں بیع وشراء سے زیادہ شور وغل کیوں نہ ہو جائے مگر پھر بھی یہ جائز ہے اس لئے کہ یہ حق العبد ہے۔

❽ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت:۔ حدیث کے جملہ انه تقاضى ابن ابى حدرد دينا کی ترجمۃ الباب سے مناسبت واضح ہے کہ حضرت کعبؓ نے مسجد میں حضرت ابن ابی حدردؓ سے قرض کا تقاضا کیا اور یہی ترجمۃ الباب کا پہلا جز تھا اور جب ان کی بات چیت طویل ہوگئی اور آوازیں بلند ہوگئیں تو آپ ﷺ نے حجرہ سے باہر تشریف لا کر ان میں صلح کروائی اس سے ملازمہ بھی ثابت ہوگیا۔ (ایضاح ج۳ ص ۳۰۹)

**الشق الثانی** ......عن ابى ذرٍّ قال: كنت مع النبي ﷺ فى المسجد عند غروب الشمس فقال يا ابا ذر أتدرى اين تغرب الشمس؟ قلت الله ورسوله اعلم، قال فانها تذهب حتى تسجد تحت العرش فذلك قوله تعالى والشمس تجرى لمستقر لها ذلك تقدير العزيز العليم. (ص۷۰۹۔ج۲۔قدیمی) ترجم الحديث واذكر معنى "المستقر" فى الآية الكريمة. حقق مسئلة سجود الشمس واشرح الحديث بحيث تندحض به جميع الشبهات.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) مستقر کا معنی (۳) سجود شمس کی حقیقت اور حدیث کی تشریح۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوذر غفاریؓ روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غروب شمس کے وقت مسجد میں موجود تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے ابوذر! کیا تجھے معلوم ہے کہ سورج کہاں غروب ہوتا ہے؟ تو میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک وہ چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ عرش کے نیچے پہنچ کر سجدہ کرتا ہے اور ارشاد باری تعالیٰ والشمس تجرى لمستقر لها کا یہی مطلب ہے۔

❷ و ❸ مستقر کا معنی، سجود شمس کی حقیقت اور حدیث کی تشریح:۔ اس حدیث میں سجود شمس کا تذکرہ کیا گیا ہے، جدید فلکیات کی تحقیقات اور مشاہدات کی رو سے اس پر چند اشکالات ہوتے ہیں: ① سورج جب کسی ایک جگہ غروب ہوتا ہے تو اسی وقت دوسری جگہ طلوع ہوتا ہے، سورج کا طلوع وغروب ہر وقت جاری وساری ہے، جبکہ حدیث سے یہ مفہوم سمجھ میں آتا ہے کہ پوری دنیا میں سورج ایک ہی وقت غروب ہوتا ہے اور اجازت ملنے پر پھر اپنا سفر شروع کرکے طلوع ہوتا ہے حالانکہ یہ مشاہدہ کے خلاف ہے۔

اس اشکال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں غروب آفتاب سے پوری دنیا کا غروب مراد نہیں بلکہ دنیا کے بڑے حصہ کا غروب مراد ہے یعنی وہ مقام جہاں کے غروب پر دنیا کی اکثر آبادی میں غروب ہو جاتا ہے۔

یا اس سے خط استواء کا غروب مراد ہے اور یا افق مدینہ کا غروب مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ سورج یہ سجدہ اور اجازت معلوم معمورہ کے غروب، یا خط استواء کے غروب اور یا افق مدینہ کے غروب کے وقت طلب کرتا ہے۔

② عرش رحمٰن کی جو تفصیل قرآن وحدیث سے معلوم ہوتی ہے اس کی رو سے عرش تمام آسمانوں اور کائنات سماویہ کو محیط ہے اس لحاظ سے سورج تو ہمیشہ ہر حال اور ہر وقت زیر عرش ہے جب کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف غروب کے وقت زیر عرش جاتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ غروب کے وقت زیر عرش جانا اس کو مستلزم نہیں کہ باقی اوقات میں وہ زیر عرش نہیں ہوتا، یہ قید احترازی

نہیں قید واقعی ہے چنانچہ حضرت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "...... اسکا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ یہ قید واقعی ہو اور اصلی مقصود اخبار عن السجدہ ہو اور اس تعبیر سے یہ فائدہ ہو کہ اس سے تحت الامر الالٰہی ہونے کی تصریح ہوگئی کیونکہ استواء علی العرش کا غالباً احکام و تصرفات سے کنایہ ہونا آیات عدیدہ میں مذکور ہے"۔

④ اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ سورج اپنے مستقر پر پہنچ کر سجدہ کرتا ہے، پھر اجازت مانگتا ہے، اسی طرح وہ وقفہ کرتا ہے حالانکہ سورج کا وقفہ علم فلکیات اور مشاہدہ کی رو سے درست نہیں اسکی حرکت دائمی اور مسلسل ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چیز کا سجدہ اس کے مناسب حال ہوتا ہے جیسا کہ قرآن نے خود تصریح فرمادی ہے كل قد علم صلاته وتسبيحه اس لئے آفتاب کے سجدہ سے یہ معنی سمجھنا کہ وہ انسان کی طرح سجدہ کرتا ہوگا درست نہیں۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "...... سجدہ بالمعنی المذکور کے لئے اول تو انقطاع حرکت ضروری نہیں، دوسرا ممکن ہے کہ یہ سکون آنی ہو اور حرکت زمانی ہو، اس لئے حساب رصدی مختل نہ ہوتا ہو اور نہ ہی وہ محسوس و مدرک ہوتا ہو"۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اس موضوع پر ایک مستقل مقالہ لکھا ہے اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے "معارف القرآن" میں اس کا خلاصہ نقل کردیا ہے، انہوں نے ایک اور انداز سے اس حدیث کا مفہوم بیان کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ......

حدیث میں جو یہ بتلایا گیا کہ آفتاب غروب ہونے کے بعد عرش کے نیچے اللہ کو سجدہ کرتا ہے اور پھر اگلا دورہ شروع کرنے کی اجازت مانگتا ہے اور اجازت ملنے کے بعد آگے چلتا ہے اور صبح جانب مشرق سے طلوع ہوتا ہے، اس کا مقصد اس سے زائد نہیں کہ آفتاب کے طلوع و غروب کے وقت عالم دنیا میں ایک نیا انقلاب آتا ہے جس کا مدار آفتاب پر ہے رسول اللہ ﷺ نے اس انقلابی وقت کو انسانی تنبیہ کے لئے موزوں سمجھ کر یہ تلقین فرمائی کہ آفتاب کو خود مختار اپنی قدرت سے چلنے والا نہ سمجھو یہ صرف اللہ تعالیٰ کی اجازت کے تابع ہے، اس کے تابع فرمان حرکت کرنے ہی کو اس کا سجدہ قرار دیا گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ غروب آفتاب کی تخصیص اور اس کے بعد زیر عرش جانے اور وہاں سجدہ کرنے اور اگلے دورے کی اجازت مانگنے کے جو واقعات اس روایت میں بتلائے گئے ہیں وہ پیغمبرانہ موثر تعلیم کے مناسب بالکل عوامی نظر کے اعتبار سے ایک تمثیل ہے جس سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ انسان کی طرح زمین پر سجدہ کرے اور نہ سجدہ کرنے کے وقت آفتاب کی حرکت میں کچھ وقفہ ہونا لازم آتا ہے اور نہ یہ مراد ہے کہ وہ دن رات میں صرف ایک ہی سجدہ کسی خاص جگہ جا کر کرتا ہے اور نہ یہ کہ وہ صرف غروب کے بعد تحت العرش جاتا ہے مگر اس انقلابی وقت میں جبکہ سب عوام یہ دیکھ رہے ہیں کہ آفتاب زیر عرش غائب ہو رہا ہے اس وقت بطور تمثیل ان کو اس حقیقت سے آگاہ کر دیا گیا کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ در حقیقت آفتاب کے زیر علاج تابع فرمان چلتے رہنے سے ہو رہا ہے۔ آفتاب خود کوئی قدرت و طاقت نہیں رکھتا تو اس طرح اس وقت اہل مدینہ اپنی جگہ یہ محسوس کر رہے تھے کہ اب آفتاب سجدہ کر کے اگلے دورے کی اجازت لے گا اسی طرح جہاں جہاں وہ غروب ہوتا جائے گا سب کے لئے ہی سبق حاصل کرنے کی تلقین ہوگی اور حقیقت معاملہ یہ نکلی کہ آفتاب اپنے مدار پر حرکت کے درمیان ہر لحظہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ بھی کرتا ہے اور آگے چلنے کی اجازت بھی مانگتا رہتا ہے اور اس سجدہ اور اجازت کے لئے اس کو کسی سکون اور وقفہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اس تقریر پر مشاہدات اور قواعد ہیئت وریاضی کے اعتبار سے کوئی شبہ اور اشکال باقی نہیں رہتا۔ (کشف الباری کتاب التفسیر ص ۵۲۵)

## السوال الثالث ۱۴۲۶ھ

**الشق الاول** ...... باب في الزكاة ولا يفرق بين مجتمع ولا يجمع بين متفرق خشية صدقة ...... وقال بعض

الناس فی عشرین ومائة بعیر حقتان، فان اهلکها متعمدا او وهبها او احتال فیها فرارًا من الزکاة فلاشیئ علیه. ماحکم الحیلة فی الشرع. لماذا عقد البخاری هذا الباب فی کتاب الحیل؟ عین المراد بقوله "بعض الناس". اشرح موقف کل من البخاری وبعض الناس مع ادلتها وترجیح ما هو الراجح. (س ۱۴۳۰ھ)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (۱) حیلہ کا شرعی حکم (واقسام) (۲) کتاب الحیل میں یہ باب لانے کی وجہ (۳) بعض الناس کی مراد (۴) امام بخاری رحمہ اللہ اور بعض الناس کا موقف مع الدلائل۔

**جواب** ...... ❶ حیلہ کا شرعی حکم (واقسام): حیلہ لغت میں مخفی طور وطریقہ سے مقصود تک پہنچنے کا نام ہے اور اصطلاح میں جائز ومباح طریقہ سے مقصود تک پہنچنے کو حیلہ کہتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ شرح بخاری میں حیلوں کی اقسام اور ان میں علماء کا اختلاف نقل کر کے فرماتے ہیں "اور جو لوگ حیلہ کو مطلق جائز کہتے ہیں اور ایسے ہی وہ لوگ جو مطلق ناجائز مانتے ہیں اپنے اپنے کثیر دلائل رکھتے ہیں مثلاً پہلوں کے دلائل میں سے ایک ارشاد باری تعالیٰ ہے **وخذ بیدک ضغثا فاضرب به ولا تحنث** اور اس پر آنحضرت ﷺ نے اس ضعیف زانی کے تئیں میں عمل بھی فرمایا جیسا کہ سنن نے اسے ابو امامہ بن سہل سے نقل فرمایا ہے، نیز فرمایا **ومن یتق الله یجعل له مخرجا** اور حیلہ میں مشکلات سے نکلنے کی راہیں موجود ہیں جیسا کہ استثناء کی مشروعیت مثلاً قسم کے ساتھ ساتھ کوئی ان شاء اللہ بھی کہہ لے تو حانث ہونے سے بچ جائیگا، ایسے ہی شرط کا حال ہے کہ اس کے ذریعہ بھی حرج میں پڑنے سے بچنے کی صورت موجود ہے، ایسے ہی حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہما کی حدیث میں جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے پہلے سب کو دراہم کے عوض بیچ لو پھر حسب منشا خرید لو۔

ناجائز قسم کے دلائل میں سے اصحاب السبت کا قصہ ہے اور وہ حدیث جس میں اہل کتاب پر چربی کی حرمت کا ذکر ہے اور وہ اسے پگھلا کر فروخت کرنے اور قیمت کھانے لگے تھے نیز **نهی عن النجش** والی حدیث اور **لعن الله المحلل والمحلل له** والی روایت ہے۔

شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ مبسوط میں حیلہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ مسائل اجتہادیہ میں حیلہ جمہور علماء کے نزدیک جائز ہے بعض شدت پسند جاہل اور کتاب وسنت میں قلت تدبر کی وجہ سے اسے مکروہ کہتے ہیں کتاب اللہ میں اس کے جواز کی دلیل **خذ بیدک ضغثا الخ** ہے۔ اس میں حضرت ایوب علیہ السلام کو اپنی یمین سے تخرج کی تلقین مذکور ہے، جبکہ انہوں نے اپنی بیوی کو سو درے لگانے کی قسم کھائی تھی اس بات پر کہ اس نے کہا تھا کہ شیطان کے نام پر جانور ذبح کرو، اہل تفسیر نے یہ طویل قصہ نقل فرمایا ہے اور ایسے ہی **کذلک کدنا لیوسف** کی آیت میں حیلہ مذکور ہے جس کا سہارا لیکر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کو اپنے ہاں روکنے کی تدبیر فرمائی اور بھائیوں کو علم تک نہ ہو سکا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حکایت جس میں انہوں نے **ستجدنی ان شاء الله صابرا** فرمایا تھا اور صبر کر بھی نہ سکے کیونکہ ساتھ میں ان شاء اللہ کی قید لگا دی اور یہی صحیح تخرج ہے۔ **قال الله تعالیٰ: ولا تقولن لشیئ انی فاعل ذلک غدا الا أن یشاء الله**، نیز حدیث شریف میں ہے آپ ﷺ نے یوم خندق میں نعیم بن مسعود کو بنی قریظہ کے بارے میں فرمایا شاید ہم انہیں یہی حکم کر دیتے اور جب اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ عرض کیا تو فرمایا **الحرب خدعة** یہاں کلام کو محتمل کے ساتھ مقید فرمایا یا ایک حیلہ اور گناہ سے بچاؤ کی ایک صورت تھی اور ایسے ہی ایک آدمی نے آ کر آپ ﷺ کو بتایا کہ اس نے اپنے بھائی کے ساتھ کلام نہ کرنے کے لئے اپنی زوجہ پر تین طلاق کی قسم کھالی ہے ارشاد ہوا کہ پہلے ایک طلاق دے دو جب عدت گزر جائے تو کلام کر لینا اور پھر اس سے نکاح کر لینا یہ بھی ایک حیلہ ہی کی تعلیم تھی اور اس سلسلہ کی احادیث بھی بکثرت ملتے ہیں، اگر احکام شرعیہ میں غور کیا جائے تو معاملات تقریباً سبھی اسی طرح کے ملتے ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ احکام میں حیلہ کو ناجائز ماننے والا اصل احکام شرعیہ ہی کو مکروہ سمجھتا ہے اور اس قسم کی باتیں قلت تدبر کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں کہ جس تدبیر کے ذریعہ آدمی حرام سے

جائے یا حلال کی صورت کو حاصل کر پائے تو یہ حسن ہے مگر واجب ہے کہ کسی کے حق کو حیلہ کر کے باطل قرار دیا جائے یا باطل کو حق کی صورت اور مس میں پیش کیا جائے یا کسی حق کو بذریعہ حیلہ مشتبہ کر دیا جائے تو یہ مذکورہ صورتیں مکروہ ہوں گی اور جو اول الذکر میں داخل ہے اس میں کوئی حرج نہیں پایا جاتا ہے **لقوله تعالى وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان** اور باب الشفعۃ بالعروض کے آخر میں حیلہ کی بعض صورتیں ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ حق شفیع کو باطل کرنے کے لئے ایسے حیلے اختیار کر لینے میں کوئی حرج نہیں ثبوت شفعہ سے پہلے تو کوئی اشکال ہی نہیں اور اس کے بعد بھی کوئی مضائقہ نہیں جبکہ مشتری کا مقصود شفیع کو ستانا یا ضرر پہنچانا نہیں بلکہ اپنی ملک کو محفوظ کرنا اور بچانا ہے یہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ مکروہ ہے جیسا کہ اسقاط استبراء اور وجوب زکوٰۃ سے منع کے حیلہ میں ان حضرات کا اختلاف ہے۔ حاصل یہ ہے کہ بعض نے حیلہ کے منع کو ترجیح دی ہے اسے خداع کہا ہے اور بعض جواز کو ترجیح دیتے ہیں اور اسے تخلص سے تعبیر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جو لوگ احکام میں حیلہ کو مکروہ سمجھتے ہیں وہ در حقیقت احکام شرعیہ کو مکروہ کہتے ہیں۔ (حل تمام بعض الناس ص ۳۸)

احناف کے نزدیک حیلہ کی پانچ اقسام ہیں۔ ① واجب: کسی حق کو ثابت کرنے یا باطل کو رفع کرنے کیلئے حیلہ واجب ہے ② حرام: کسی حق کو باطل کرنے یا باطل کو ثابت کرنے کیلئے حیلہ کرنا حرام ہے۔ نیز مباح چیز کے حصول کیلئے حرام طریقہ اختیار کرنا بھی حرام ہے ③ مباح: مباح چیز کے حصول کیلئے مباح طریقہ اختیار کرنا مباح ہے ④ مکروہ: مباح چیز کے حصول کیلئے مکروہ طریقہ اختیار کرنا مکروہ ہے ⑤ مستحب: مکروہ چیز سے بچنے کیلئے مباح طریقہ اختیار کرنا مستحب ہے۔

❷ <u>کتاب الحیل میں یہ باب لانے کی وجہ:</u> اس باب میں اسقاط زکوٰۃ کے حیلہ کا ذکر ہے اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس باب کو کتاب الحیل میں لائے ہیں۔

❸ <u>بعض الناس کی مراد:</u> بعض الناس سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی مراد امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

❹ <u>امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور بعض الناس کا موقف مع الدلائل:</u> امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کے پاس مثلاً ایک سو بیس اونٹ ہیں تو اس پر حولان حول کے بعد دو حقے زکوٰۃ لازم ہے یا صرف بیس اونٹ ہیں تو اس پر چار بکریاں لازم ہیں لیکن مالک زکوٰۃ سے بچنے کیلئے سال مکمل ہونے سے چند دن پہلے نصاب کو ہلاک کر دے یا ہبہ کر دے یا کوئی اور ایسا تصرف کر دے تو اس پر کچھ واجب نہیں ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسقاط زکوٰۃ کے لئے کسی بھی قسم کا حیلہ کرنا ناجائز ہے اور یہ حیلہ کرنے والا گناہگار ہوگا کیونکہ ارشاد نبوی ﷺ ہے **لا یجمع بین متفرق ولا یفرق بین مجتمع خشیة الصدقة** کہ زکوٰۃ کے لازم ہونے کے خوف سے ایک ملک میں تفریق یا دو ملک میں جمع نہ کیا جائے۔ الغرض اس عبارت میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کیا کہ انہوں نے حدیث کی مخالفت کرتے ہوئے حیلہ کے ذریعہ زکوٰۃ کے ساقط کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ بدنیتی کی وجہ سے اگر کوئی شخص ایسا حیلہ کرے تو اس کی قباحت اپنی جگہ ہے مگر اس کا یہ فعل نافذ ہو جائے گا۔ اور زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔

نیز اسقاط زکوٰۃ کا الزام اور وبال اس پر اس صورت میں ہے جب سال پورا ہو جائے اور سال پورا ہونے سے قبل اسے اپنے مال میں ہر قسم کا تصرف کا اختیار ہے لہٰذا اسکے تصرف کے نتیجے میں جب نصاب ختم ہو گیا تو زکوٰۃ لازم ہی نہ ہوئی۔ (فتح الباری ص ۲۷۱ ج ۱۲، حل تمام بعض الناس ص ۳۵)

**متن الحدیث** ..... **بَابُ إِنْ حَلَفَ أَنْ لَا يَشْرَبَ نَبِيذًا فَشَرِبَ طِلَاءً أَوْ سَكَرًا أَوْ عَصِيرًا لَمْ يَحْنَثْ فِيْ قَوْلِ بَعْضِ النَّاسِ، وَلَيْسَتْ هٰذِهِ بِأَنْبِذَةٍ عِنْدَهُ ..... عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ أَبَا أُسَيْدٍ صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَعْرَسَ، فَدَعَا النَّبِيَّ ﷺ لِعُرْسِهِ، فَكَانَتِ الْعَرُوْسُ خَادِمَهُمْ، فَقَالَ سَهْلٌ لِلْقَوْمِ، هَلْ تَدْرُوْنَ، مَا سَقَتْهُ؟**

قَالَ: أَنْقَعْتُ لَهُ تَمَرَاتٍ فِي تَوْرٍ مِنَ اللَّيْلِ حَتَّى أَصْبَحَ عَلَيْهِ فَسَقَتْهُ إِيَّاهُ. (ص ۹۸۹۔ ج ۲۔ قدیمی)

— فسر معنى النبيذ والطلاء والسكر والعصير. شكل العبارة كاملاً وترجمها ترجمة واضحة. ما هو مراد المؤلف بقوله "بعض الناس" وما الذي اراد بهذه المقالة؟ اشرح المسألة بايضاح وتفصيل.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل پانچ امور ہیں (۱) مذکورہ الفاظ کے معانی (۲) عبارت پر اعراب (۳) عبارت کا ترجمہ (۴) بعض الناس کی مراد (۵) مؤلف کی غرض۔

**جواب** ...... ❶ مذکورہ الفاظ کے معانی:۔ "نبیذ" کھجور یا کشمش کا معمولی جوش دیا ہوا اور شہد یا کسی غلہ مثلاً گیہوں، چاول، جو وغیرہ کا وہ مشروب جو اتنا گاڑھا اور تیز ہو جائے کہ اس کی کثیر مقدار مسکر و نشہ آور ہو جائے۔

"طلاء" انگور کا شیرہ جس کو آگ پر پکایا جائے اور اسکی ایک تہائی ختم ہو کر دو تہائی باقی رہ جائے اور اس کی کثیر مقدار مسکر ہو۔

"سکر" خشک یا تر کھجور کا بھگویا ہوا وہ پانی جو جوش مار کر تیز ہو جائے۔ جھاگ پھینکے اور مزا اسکا رنگ بدل جائے۔

"عصیر" انگور کا نچوڑا ہوا کچا پانی جبکہ وہ مسکر ہو جائے۔ (مصباح اللغات ص ۹۹)

❷ عبارت پر اعراب:۔ كما مرّ في السوال آنفا۔

❸ عبارت کا ترجمہ:۔ اگر کسی شخص نے قسم اٹھائی کہ وہ نبیذ نہیں پیئے گا پھر اس نے طلاء یا سکر یا عصیر کو پی لیا تو بعض کے قول کے مطابق وہ حانث نہیں ہوگا اور ان کے نزدیک یہ مشروب نبیذ نہیں ہے، حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی حضرت ابو اسید نے شادی کی اور آپ ﷺ کو اپنی شادی پر بلایا اور ان کی زوجہ ہی خادمہ (کھانے پکانے کا انتظام کرنے والی) تھی، پس حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے قوم سے پوچھا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ آپ ﷺ کو کیا پلایا گیا تھا؟ پھر فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کیلئے رات کو ایک بڑے پیالہ میں کھجور بھگو دی گئی تھی حتی کہ صبح ہو گئی اور آنحضرت ﷺ کو اسکا پانی پلایا گیا تھا۔

❹ بعض الناس کی مراد:۔ عام طور پر امام بخاری رحمہ اللہ کے قول بعض الناس سے مراد حنفیہ ہی ہوتے ہیں۔

❺ مؤلف کی غرض:۔ اس باب سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود بقول حافظ ابن حجر و ابن بطال وغیرہ مسئلہ حلف نبیذ میں احناف پر تعریض کرنا ہے حاصل اعتراض یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے یہ قسم اٹھائی کہ "میں نبیذ نہ پیوں گا"۔ لیکن پھر اس نے طلاء یا سکر یا عصیر (شیرہ) پی لیا تو احناف کے نزدیک یہ شخص حانث نہ ہوگا اور اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی کیونکہ انکے یہاں یہ چیزیں مفہوم نبیذ میں داخل نہیں باوجود یکہ صورت حال یہ ہے کہ طلاء، سکر، عصیر وغیرہ تمام مشروبات لغوی مفہوم اور اصل معنی کے اعتبار سے نبیذ ہی ہیں اسلئے کہ یہ تمام مشروبات خوف سکر میں نبیذ کے مشابہ ہیں نیز نبذ کا لغوی معنی مطلقاً پانی میں کسی چیز کو ڈالنا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ معنی نبیذ نیز طلاء، سکر، عصیر سبھی میں مشترک و عام ہے معلوم ہوا کہ لفظ نبیذ سبھی کو شامل و عام ہے لہٰذا (عموم و اطلاق کی وجہ سے) حلف ٹوٹ جانی چاہیے۔ گویا یہ حالف اس شخص کی طرح ہے جس نے مطلقاً یہ حلف اٹھائی کہ انه لا يشرب شرابا، تو وہ ہر اس چیز کے پینے سے حانث ہو جائے گا جس پر بھی لفظ شراب و مشروب واقع ہوتا ہے پس اسی طرح یہاں بھی ہے۔

جواب: لغت و اصل حقیقت مفہوم کے اعتبار سے اگرچہ لفظ نبیذ مطلق و عام ہے کہ لفظ نبیذ ہر اس مشروب کا نام ہے جس کی تیاری میں کھجور وغیرہ کو پانی میں ڈالنے اور بھگونے کی صفت موجود ہو کیفیت و ہیئت خواہ کچھ بھی ہو۔ نیز عام ہے کہ وہ مشروب مسکر ہو خواہ نہ ہو لیکن یمین کا دار و مدار عرف عام پر ہوتا ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے زمانے کے عرف عام میں لفظ نبیذ ہرگز عام نہیں بلکہ غیر مسکر مشروب کے ساتھ مخصوص تھا۔ جو مطلقاً مباح و حلال ہے جیسا کہ طلاء، سکر، عصیر مشروبات مسکر کے ساتھ مخصوص ہیں جو قلیلہ

وکثیرہ علی الاطلاق حرام ہیں۔اس بناء پر یہ مشروبات مفہوم نبیذ کے ضمن میں داخل نہیں آتے بلکہ ان کیلئے خاص اور مستقل نام مقرر ہیں لہٰذا ان مشروبات کے پینے سے لا یشرب نبیذا والی حلف میں حانث نہ ہوگا اور یہ حلف نہیں ٹوٹے گی۔اسلئے نہیں کہ لغت کے اعتبار سے یہ مشروبات مفہوم نبیذ میں داخل نہیں بلکہ اس بناء پر کہ عرف عام میں مفہوم نبیذ میں مشروبات شامل نہیں اسلئے یہ مشروبات اس کی حلف کے خلاف نہیں البتہ اگر کسی زمانہ یا کسی مقام میں عرف کی تبدیلی ہو جائے کہ لفظ نبیذ ان مشروبات کو بھی شامل ہوتا ہو جیسا کہ بظاہر امام بخاری رحمہ اللہ کے زمانہ میں عرف عام سابق کے برخلاف تغیری معلوم ہو رہا ہے تو اس صورت میں احناف کا فتویٰ بھی اسی عرف کے مطابق ہی ہوگا اور اس تقدیر پر ان مشروبات کے پینے سے بھی لا یشرب نبیذا والی حلف یقیناً ٹوٹ جائے گی۔(ایضاً)

## ﴿الورقة الرابعة: الصحيح للامام البخاري﴾

### ﴿السؤال الاول﴾ ۱۴۲۷ھ

**الشق الاول** ......باب ﴿الا انهم يثنون صدورهم ليستخفوا منه الا حين يستغشون ثيابهم يعلم ما يسرون وما يعلنون انه عليم بذات الصدور﴾ وقال غير عكرمة وحاق نزل يحيق ينزل يؤس من يئست وقال مجاهد تبتئس تحزن يثنون صدورهم شك وامتراء في الحق ليستخفوا منه من الله ان استطاعوا وقار التنور نبع الماء وقال عكرمة: وجه الارض.

ترجم العبارة واشرح المفردات المذكرة شرحا رائعا. ان كان المراد من التنور تنور الخبز فأين محل وقوعه في الارض. في شان نزول الآية الكريمة قولان اذكرهما ذكرا حقا.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل چار امور ہیں۔(۱) عبارت کا ترجمہ (۲) مفردات مذکورہ کی تشریح (۳) تنور کا محل وقوع (۴) شان نزول کے دونوں اقوال کی وضاحت۔

**جواب** ...... ❶ عبارت کا ترجمہ:۔ باب: آگاہ رہو بے شک وہ اپنے سینوں کو دوہرا کرتے ہیں تاکہ وہ چھپ جائیں اس سے آگاہ رہو جس وقت وہ چھپاتے ہیں اپنے سینوں کو اپنے کپڑوں میں، جانتا ہے وہ جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں بے شک وہ دلوں کے بھید خوب جاننے والا ہے۔

❷ مفردات مذکورہ کی تشریح:۔ "حاق" عکرمہ کے علاوہ دیگر حضرات (ابو عبیدہ) نے کہا کہ حاق بمعنی نزل یحیق بمعنی ینزل ہے (وہ ان کو گھیرے گا یعنی ان پر اتر پڑے گا)۔ "یؤس" یہ فعول کے وزن پر ہے اور یہ یئست سے ماخوذ ہے بمعنی ناامید ہونا اور مجاہد فرماتے ہیں کہ تبتئس تحزن کے معنی میں ہے (فلا تبتئس بما کانوا یفعلون یعنی آپ غم نہ کیجئے جو کچھ وہ کر رہے ہیں)۔ "یَثْنُوْنَ" شَكٌّ و اِمْتِرَاءٌ فِي الْحَقِّ اس جملے سے امام بخاری نے دوسرے شان نزول کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ جملہ یَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ کی تفسیر نہیں، کفار و مشرکین کے فعل کی علت کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ اس طرح کی جو حرکتیں کرتے ہیں یہ حق میں شک کی وجہ سے کرتے ہیں۔

قول التَّنُّوْرُ سے عبارت میں فار التنور کا معنی و مصداق بیان کیا گیا ہے، جس کی تشریح بعد والے امر میں آ رہی ہے۔

❸ تنور کا محل وقوع:۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ تنور سے سطح زمین مراد ہے یعنی سطح زمین سے پانی ابلنا شروع ہو گیا تھا، بعض حضرات نے تنور سے معروف معنی مراد لیا ہے اور کہا کہ آدم علیہ السلام کا تنور مقام "عین وردہ" ملک شام میں تھا، بعض نے کہا کہ حضرت آدم علیہ السلام کا تنور کوفہ میں تھا۔

❹ **شانِ نزول کے دونوں اقوال کی وضاحت:۔** اس آیت کریمہ کے مختلف شانِ نزول بیان کئے گئے ہیں، حضرت ابن عباس ﷺ کی روایت کا حاصل یہ ہے کہ صحابہ کرام ﷺ میں سے بعض حضرات پر حیاء کا اس قدر غلبہ ہوا کہ استنجاء یا جماع وغیرہ ضروریات بشری کے وقت بدن کے کسی حصہ کو برہنہ کرنے سے شرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے جس کی وجہ سے وہ جھکے جاتے اور شرم گاہ کو چھپانے کیلئے سینوں کو دوہرا کردیتے تھے اور اوپر سے چادر یا کپڑا ڈال لیتے تا کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کشف عورت نہ ہو تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے تکلفات کو اختیار کرنے سے منع فرمایا چنانچہ فرمایا کہ سن لو کہ وہ لوگ اپنے سینوں کو دوہرا کرتے ہیں اور اوپر سے کپڑا ڈالتے ہیں تا کہ اللہ سے چھپ جائیں سن لو جب یہ کپڑوں سے اپنے آپ کو ڈھانپتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن کے چھپوں کو بھی جانتا ہے اور کھلے کو بھی۔ وہ تو اُن رازوں سے بھی واقف ہے جو دلوں کے اندر ہیں۔ اس تفسیر کے مطابق یہ آیت مسلمانوں کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ آیت کفار اور مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی کہ اُن کا رویہ یہ تھا کہ وہ آپ ﷺ کی کسی بات کو سننے کے لئے تیار نہ تھے جب آپ ﷺ کو دور سے آتا دیکھتے تو سینے کا رُخ پھیر لیتے یا کپڑے کی اوٹ میں منہ چھپا لیتے یا تمسخر کے طور پر اپنے سروں اور سینوں کو نیچے جھکا لیتے۔ اسی طرح مسلمانوں کے خلاف کفار جب منصوبے بناتے تو جھک کر اور سینوں کو کپڑے میں لپیٹ کر باتیں کرتے تا کہ آپ ﷺ اور مسلمانوں کو علم نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اُن کی سب حرکتوں کو جانتے ہیں حتیٰ کہ اُن کے دل کے بھیدوں اور پوشیدہ باتوں سے بخوبی واقف ہیں۔

**الشق الثانی** ۔۔۔۔۔ كتاب العقيقة باب تسمية المولود غداة يولد لمن لم يعق عنه وتحنيكه. عن ابى موسیٰ قال: ولد لى غلام فأتيت به النبى ﷺ فسماه ابراهيم فحنكه بتمرة ودعا له بالبركة ودفعه الىّ. وكان اكبر ولد ابى موسىٰ.
ترجم العبارة. عرف العقيقة لغة وشرعا وانكر اسم ابى موسىٰ.
اكتب غرض الامام البخارى من ترجمة الباب. بيّن حكم العقيقة عند الفقهاء الكرام وحرر ادلتهم فى ذالك.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ۔۔۔۔۔ اس سوال کا حل پانچ امور ہیں۔ (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) عقیقہ کا لغوی و شرعی معنیٰ (۳) حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ کے نام کی وضاحت (۴) ترجمۃ الباب کی غرض (۵) عقیقہ کا حکم مع الدلائل۔

**جواب** ۔۔۔۔۔ ❶ **عبارت کا ترجمہ:۔** کتاب العقیقہ۔ باب: مولود کا نام رکھنے کے بیان میں جس دن وہ پیدا ہوا اس شخص کیلئے جو اس کی طرف سے عقیقہ نہ کرے اور تحنیک کے بیان میں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ سے مروی ہے کہ میرے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا میں اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا اور میں نے اس کا نام ابراہیم رکھا۔ پس آپ ﷺ نے کھجور چبا کر اس کے منہ میں ڈالی اور اس کیلئے برکت کی دعا کی اور پھر اُسے میرے سپرد کر دیا اور وہ ابوموسیٰ اشعری ﷺ کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔

❷ **عقیقہ کا لغوی و شرعی معنیٰ:۔** عقیقہ عق سے ماخوذ ہے جس کا معنیٰ کاٹنا ہے، پھر اُن بالوں کو کہا جانے لگا جو مولود بچے کے سر پر ہوتے ہیں اس لئے کہ اُن کو بھی کاٹا جاتا ہے۔ اصطلاحِ شریعت میں عقیقہ اُس جانور کو کہتے ہیں جو مولود بچے کی طرف سے ذبح کیا جاتا ہے تا کہ وہ آلائش سے محفوظ رہے۔

❸ **حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ کے نام کی وضاحت:۔** حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ کا نام عبداللہ بن قیس بن سلیم ہے۔

❹ **ترجمۃ الباب کی غرض:۔** اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری کی غرض روایات کے درمیان تطبیق کی طرف اشارہ کرنا ہے اس لئے کہ بعض روایات میں آتا ہے کہ بچے کا نام اس کی پیدائش کے دن ہی رکھا جائے جبکہ دیگر بعض روایات میں ہے کہ بچے کا نام پیدائش کے ساتویں دن رکھا جائے۔ امام بخاری نے دونوں کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر بچے کے عقیقہ کا ارادہ ہو تو

اس کا نام اسی دن رکھا جائے اور اگر عقیقہ کرنے کا ارادہ ہو تو پھر ساتویں دن عقیقہ کے ساتھ نام رکھا جائے۔

ترجمۃ الباب لمن لم یعق عنه وتحنیکه سے امام بخاریؒ نے عقیقہ کے عدم وجوب اور تحنیک کے مسنون ہونے کی طرف بھی اشارہ کر دیا۔

⑧ **عقیقہ کا حکم مع الدلائل:** داؤد ظاہری، ابن حزم اور ظاہریہ کے نزدیک عقیقہ واجب ہے۔ امام احمدؒ کی ایک روایت بھی یہی ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک عقیقہ سنت مؤکدہ ہے۔ امام احمدؒ کی دوسری روایت اسی کے مطابق ہے۔

مالکیہ کے نزدیک عقیقہ مندوب و مستحب ہے۔ حضرات حنفیہ کے مسلک کے متعلق مختلف روایات منقول ہیں:

امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی ظاہر الروایہ یہ ہے کہ عقیقہ مشروع نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جمہور فقہاء حنفیہ نے کراہت کا قول اختیار نہیں کیا جن حضرات نے یہ قول اختیار کیا ہے کئی حنفی علماء نے اُن کی تردید کی ہے۔ اکثر فقہاء حنفیہ نے عقیقہ کو مستحب کہا ہے چنانچہ امام طحاویؒ، علامہ عینیؒ، ملا علی قاریؒ وغیرہ علمائے حنفیہ نے استحباب کے قول کو ترجیح دی ہے۔ امام طحاویؒ کی طویل بحث کا حاصل یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں عقیقہ واجب تھا پھر اس کا وجوب منسوخ ہو گیا اور استحباب باقی رہ گیا۔ جن احادیث سے عقیقہ کی مشروعیت یا استحباب و وجوب ثابت ہوتا ہے وہ درج ذیل ہیں:

① حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے کل غلام مرتهن بعقیقته تذبح عنه یوم سابعه ویسمی فیه ویحلق رأسه۔ ② حضرت سلمان بن عامر ضبی رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے مع الغلام عقیقة فأهریقوا عنه دما واميطوا عنه الاذى۔ ③ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے امرنا رسول الله ﷺ ان نعق عن الجارية شاة و عن الغلام شاتين۔ ④ حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ان الناس یعرضون علی العقیقة یوم القیامة کما یعرضون علی الصلوات الخمس۔ جمہور علماء کے نزدیک عقیقہ مستحب ہے اور وہ عمرو بن شعیب کی روایت سے استدلال کرتے ہیں سئل النبی ﷺ عن العقیقة فقال لا احب العقوق من احب منکم ان ینسك عن ولده فلیفعل عن الغلام شاتان مكافئتان وعن الجارية شاة۔ (ملخص از کشف الباری ص ۲۰ ج ۱ ملخص)

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۲۷ھ

**الشق الاول** ...... باب الزکاة من الاسلام وقوله تعالى (وما امروا الا ليعبدوا الله مخلصين له الدين حنفاء ويقيموا الصلوة ويؤتوا الزكاة وذلك دين القيمة) عن طلحة بن عبيدالله يقول جاء رجل الى رسول الله ﷺ من اهل نجد ثائر الرأس تسمع دوى صوته ولا نفقه مايقول حتى دنا فاذا هو يسأل عن الاسلام فقال رسول الله ﷺ خمس صلوات في اليوم والليلة فقال هل علىّ غيرها؟ قال لا، الا ان تطوع. قال رسول الله ﷺ صيام رمضان قال هل علىّ غيره؟ قال لا، الا ان تطوع. قال وذكر له رسول الله ﷺ الزكاة قال هل علىّ غيرها؟ قال لا، الا ان تطوع. قال فادبر الرجل وهو يقول والله لا ازيد على هذا ولا انقص قال رسول الله ﷺ افلح ان صدق. ترجم الحديث ومن هو السائل؟ اذكر غرض الامام البخاری من ترجمة الباب. اشرح قوله لا ازيد على هذا ولا انقص.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) سائل کی تعیین (۳) ترجمۃ الباب کی غرض (۴) لا ازید علی هذا ولا انقص کی تشریح۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث کا ترجمہ:** حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص اہل نجد میں سے رسول اللہ ﷺ

کی خدمت میں حاضر ہوا جس کے سر کے بال بکھرے ہوئے تھے ہم اس کی آواز کی گنگناہٹ تو سن رہے تھے مگر ہم اس کو سمجھ نہیں رہے تھے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے یہاں تک وہ رسول اللہ ﷺ کے بالکل قریب پہنچ گیا اور اس نے اسلام کے متعلق آپ ﷺ سے سوال کرنا شروع کر دیئے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رات دن میں پانچ نمازیں تم پر فرض ہیں، اس نے عرض کیا کہ کیا ان کے علاوہ بھی مجھ پر کوئی نماز فرض ہے؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا کہ نہیں، البتہ نفل نماز پڑھنے کا تمہیں اختیار ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور رمضان کے روزے تم پر فرض ہیں اس نے عرض کیا کہ کیا ان کے علاوہ بھی مجھ پر کوئی روزہ فرض ہے؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا کہ نہیں البتہ نفلی روزہ رکھنے کا تمہیں اختیار ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے زکوٰۃ کے متعلق ارشاد فرمایا، پھر اس نے کہا کہ کیا میرے اوپر اور کوئی صدقہ بھی لازم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، البتہ نفل صدقہ کا تمہیں اختیار ہے، اسکے بعد وہ آدمی یہ کہتا ہوئے چلا گیا کہ اللہ کی قسم میں نہ تو ان امور میں کچھ زیادتی کروں گا اور نہ ان امور میں کچھ کمی کروں گا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر یہ شخص اپنی اس بات میں سچا ہے تو پھر یہ نجات پا گیا اور کامیاب ہو گیا۔

❷ <u>سائل کی تعیین:۔</u> بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ حضرت ضمام بن ثعلبہ ہیں کیونکہ بعض روایات میں اُنکے نام کی صراحت موجود ہے جبکہ دیگر بعض حضرات نے کہا کہ حضرت ضمام بن ثعلبہ کا جو واقعہ عام طور پر آتا ہے اس کے سیاق اور اس واقعہ کے سیاق میں تھوڑا فرق ہے اس لئے یہاں پر نجد سے آئے ہوئے کوئی دوسرے صحابی مراد ہیں۔ لیکن اکثر حضرات نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔

❸ <u>ترجمۃ الباب کی غرض:۔</u> امام بخاریؒ ایمان کے مختلف شعبے بیان کر رہے ہیں، اسی سلسلہ کی ایک کڑی یہ باب ہے جس میں ایمان کے شعبوں میں سے زکوٰۃ کا ذکر ہے، گویا اس باب کو قائم کر کے امام بخاریؒ نے یہ بتایا کہ زکوٰۃ بھی ایمان کا حصہ ہے نیز اس باب سے امام بخاریؒ کی غرض مرجئہ پر رد کرنا ہے کیونکہ ان کے نزدیک اعمال صالحہ ایمان کا جز نہیں ہیں۔ (انعام الباری ج۱ ص۵۴۲)

❹ <u>**لا ازید علی ھذا و لا انقص کی تشریح:۔**</u> بظاہر سوال ہوتا ہے کہ ان اعمال میں کمی نہ کرنے پر جنت کی بشارت دینا درست ہے لیکن زیادتی نہ کرنے پر جنت کی بشارت دینا کیسے درست ہے؟

علماء نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں۔ ① میں مزید کوئی سوال نہیں کروں گا، آپ ﷺ نے جو اعمال بتلائے ہیں ان اعمال میں کمی نہیں کروں گا۔ ② آپ ﷺ نے جو کچھ فرمایا میں اپنی قوم کو جا کر بالکل وہی سب کچھ بتاؤں گا، اس کی تبلیغ میں کمی بیشی نہ کروں گا۔ ③ اپنی طرف سے نفس احکام اور صفات احکام میں کمی بیشی نہیں کروں گا۔ ④ اصل مقصود لَا اَنْقُصُ ہے اور اس کی تاکید کے لئے لَا اَزِیْدُ بڑھا دیا جیسے ہم کسی چیز کی خریداری کرتے وقت بائع سے کہتے ہیں کہ کیا کوئی کمی بیشی نہیں ہے؟ حالانکہ ہمارا مقصود صرف کمی ہوتا ہے زیادتی ہمارا مقصود نہیں ہوتا۔ (درس مشکوٰۃ ج۱ ص۳۳)

**الشق الثاني** ...... **باب کتابة العلم ...... عن ابی جحیفة قال قلت لعلی هل عندکم کتاب؟ قال لا، الا کتاب الله او فهم اعطیه رجل مسلم او ما فی هذه الصحیفة قال قلت وما فی هذه الصحیفة؟ قال العقل وفکاك الاسیر و لا یقتل مسلم بکافر.** **ترجم الحدیث ۔ ما منشاء السوال من علیؓ؟**

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں دو امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کا منشاء۔

**جواب** ...... ❶ <u>حدیث کا ترجمہ:۔</u> حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس کتاب اللہ کے علاوہ بھی کوئی وحی ہے؟ (جو بقول شیعان علی اہلبیت کے ساتھ خاص ہو) تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی مسلمان کو قرآن کریم کا فہم عطاء کر دے یا وہ چیز جو اس صحیفہ میں لکھی ہوئی ہے؟

(ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ) میں نے پوچھا کہ اس صحیفہ میں کیا ہے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ دیت، قیدی کو رہا کروانا اور یہ کہ کسی مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہ کیا جائے (یعنی ان کے احکام ہیں)۔

❷ **حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کا منشاء:۔** شیعان علی وروافض کا یہ نظریہ ہے کہ اصل قرآن کریم چالیس پاروں کا تھا وہ دس پارے جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کے فضائل ومناقب تھے ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ وحضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء نے قرآن کریم سے خارج کر دیا۔

نیز ان کا دوسرا نظریہ تھا کہ اصل نبی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں، حضرت جبرائیل علیہ السلام غلطی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لیکر پہنچ گئے۔

نیز ان کا تیسرا غلط نظریہ یہ تھا کہ حضرت علی خلیفہ بلافصل ہیں مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ نے ان کے حق خلافت کو غصب کیا۔ تو زیاد نے ان نظریات کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ ان عقائد ونظریات کی کیا حقیقت ہے، کیا آپ کے پاس قرآن کریم کے علاوہ کوئی خاص احکامات والی وحی بھی ہے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زیاد کے سوال کے جواب میں ان تمام باطل وغلط نظریات وعقائد کی تردید فرمادی کہ قسم بخدا میرے پاس بھی اس قرآن کریم کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے مگر دینی فہم وسمجھ جو کہ اللہ تعالیٰ مسلمان کو قرآن کریم اور حدیث رسول ﷺ اور ان سے مسائل واحکام کے استنباط واستخراج کے لئے عطاء کرتے ہیں اور یہ ایک صحیفہ بھی ہے جس میں دیت، قیدی کو رہا کروانا اور کافر کے بدلہ مسلمان کو قتل نہ کرنے کے احکام درج ہیں اس کے علاوہ اہل بیت، وغیرہ کے متعلق میرے پاس کچھ نہیں ہے۔

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۲۷ھ

**الشق الاول** ...... **باب في الركاز الخمس، وليس المعدن بركاز، وقال بعض الناس، المعدن ركاز مثل دفن الجاهلية، لانه يقال: اركز المعدن، اذا اخرج منه شيئ، قيل له، فقد يقال لمن وهب له الشيئ و ربح ربحا كثيرا اوكثر ثمره، اركزت ثم ناقضه، قال: لاباس ان يكتمه و لايودي الخمس.** (ص ۲۰۳، ج ۱، قدیمی)

**اكتب معنى الركاز لغة واصطلاحا. اذكر مذاهب الائمة المجتهدين في هذه المسالة. اشرح اعتراض البخاري على "بعض الناس" في المسالة المذكورة وعين من هو "بعض الناس" وهل اصاب فيما اعترض عليه؟ وماهو الجواب عنه؟**

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) رکاز کا لغوی واصطلاحی معنی (۲) مذکورہ مسئلہ میں ائمہ رحمہم اللہ کے مذاہب (۳) امام بخاری رحمہ اللہ کے اعتراض کی تشریح (۴) **بعض الناس** کی تعیین اور جواب۔

**جواب** ...... ❶ **رکاز کا لغوی واصطلاحی معنی:۔** رکاز کا لفظ رکز سے ماخوذ ہے اور یہ مرکوز اسم مفعول کے معنی میں ہے اور رکز لغت میں کسی چیز کے گاڑنے اور ثابت کرنے کو کہتے ہیں۔

اصطلاحی معنی سے قبل ایک بات ذہن نشین کرلیں، زمین سے جو مال نکلتا ہے اس کیلئے تین الفاظ مستعمل ہیں معدن، کنز، رکاز۔

① معدن: وہ مال ہے جس کو قدرت نے سونا، چاندی، تانبا وغیرہ کی کان کی شکل میں زمین میں پیدا کیا ہے۔

② کنز: وہ مال ہے جس کو انسان نے از خود زمین میں دفن کیا ہے جیسے سونا، چاندی، درہم ودنانیر وغیرہ۔

③ رکاز: یہ لفظ حنفیہ کے نزدیک معدن اور کنز دونوں کو شامل ہے۔ بالغرض اصطلاحی طور پر رکاز وہ مال ہے جو زمین میں مدفون ہو خواہ قدرت کی طرف سے ہو یا انسان نے اس کو زمین میں دفن کیا ہو۔ (درس ترمذی، ماخوذ الاثار ص ۹۵)

❷ **مذکورہ مسئلہ میں ائمہ رحمہم اللہ کے مذاہب:۔** اس بات میں اختلاف ہے کہ رکاز کے لفظ میں معدن بھی شامل ہے یا نہیں؟

ہمارے نزدیک معدن رکاز میں شامل ہے لہٰذا وفی الرکاز الخمس کے جملے سے جہاں دفینۂ جاہلیت میں خمس کا [illegible] سے ہوگا وہیں معدن پر بھی خمس کا واجب ہونا ثابت ہوگا لیکن امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رکاز میں معدن شامل نہیں لہٰذا اس پر کوئی [illegible] نہیں۔

شوافع کا استدلال حدیث الباب کے جملے "المعدن جبار" سے ہے جس کا یہی معنی ہے کہ معدن پر کچھ واجب نہیں۔

اس معاملہ میں حنفیہ کا مسلک لغتاً روایتاً اور درایتاً ہر اعتبار سے راجح ہے۔

لغتاً تو اس لئے کہ علامہ ابن منظور افریقی نے لسان العرب میں ابن الاعرابی کے حوالے سے لکھا ہے کہ لفظ رکاز کا اطلاق مدفون خزانے کے علاوہ معدن پر بھی ہوتا ہے۔ روایتاً اسلئے راجح ہے کہ اولاً تو حدیث الباب میں **وفی الرکاز الخمس** کا جملہ مسلک احناف کی تائید کر رہا ہے دوسرا امام ابوعبیدؒ نے کتاب الاموال میں روایت نقل کی ہے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی سند سے جس کے آخر میں **فقال فیه وفی الرکاز الخمس** کے الفاظ ہیں اور اس حدیث میں رکاز سے مراد معدن کے علاوہ کچھ نہیں ہوسکتا۔

درایتاً حنفیہ کا مسلک اس لئے راجح ہے کہ کنز مدفون پر خمس واجب ہونے کی علت معدن میں بھی پائی جاتی ہے اور وہ علت یہ ہے کہ کنز مدفون کو مشرکین کا مال شمار کیا گیا ہے اور مال غنیمت میں سے شمار کرکے دوسرے غنائم کی طرح اس پر بھی خمس واجب کیا گیا ہے اور یہی علت معدن میں بھی موجود ہے۔ (درس ترمذی ج۲ ص۳۶۹)

❷ و ❸ **امام بخاری رحمہ اللہ کے اعتراض کی تشریح، بعض الناس کی تعیین اور جواب:** اس عبارت میں بعض الناس سے مراد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہیں اور ممکن ہے کہ سفیان ثوری یا امام اوزاعی ہوں کیونکہ معدنیات میں وجوب خمس کے متعلق ان کا قول امام صاحب رحمہ اللہ کے موافق ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عبارت میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر دو اعتراض کئے ہیں:

① امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک رکاز صرف دور جاہلیت کے دفینہ کو کہتے ہیں اور معدن ان کے نزدیک رکاز نہیں ہے کیونکہ حدیث **المعدن جبار وفی الرکاز الخمس** سے دونوں میں تغایر معلوم ہوتا ہے۔

الغرض اعتراض اول یہ ہے کہ احناف کے نزدیک رکاز کا لفظ معدن اور مال مدفون دونوں پر بولا جاتا ہے کیونکہ محاورہ میں کان سے کچھ نکالا جائے تو **ارکز المعدن** کہتے ہیں اس طرح تو پھر جس کو کوئی چیز ہبہ کردی جائے یا اسے ربح کثیر مل جائے یا بکثرت پھل مل جائے تو یہ بھی رکاز ہے کیونکہ اسے محاورہ عرب میں "ارکزت" کہا جاتا ہے لہٰذا انہیں بھی خمس واجب ہونا چاہیے حالانکہ اس پر خمس کو لازم نہیں کرتے۔

گویا پہلے اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ اولاً احناف نے محاورہ کو لے کر حدیث کو ترک کردیا اور معدن کو رکاز کہا اور خمس کو لازم کیا اور پھر ربح کثیر اور اثمار میں اپنے ہی قول کی مخالفت کرتے ہوئے خمس کو لازم نہیں کرتے۔

احناف کی طرف سے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ معدن رکاز میں داخل ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے **یا رسول اللہ ﷺ وما الرکاز؟ قال الذهب والفضة الذین خلقهما الله تعالیٰ فی الارض یوم خلقها ولما سئل عما یوجد فی الخرب العادی قال فیه وفی الرکاز الخمس** آپ ﷺ سے سوال ہوا کہ رکاز کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ سونا اور چاندی جسے شروع دن سے اللہ تعالیٰ نے زمین میں پیدا فرمایا ہو اور پھر غیر آباد زمین کے دفینے کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا کہ اس میں اور رکاز میں خمس ہے اس حدیث میں رکاز کا عطف مدفون پر ہورہا ہے معلوم ہوا کہ رکاز سے مراد معدن ہے کیونکہ مدفون کا متقابل معدن ہے۔

الغرض احناف کا مستدل عربی محاورہ نہیں ہے بلکہ حدیث نبوی ﷺ ہے۔

نیز **ارکز المعدن** کا محاورہ تو کلام عرب میں مستعمل ہی نہیں ہے البتہ **ارکز الرجل** مستعمل ہے جبکہ کسی کو سونے کا خزانہ حاصل ہو مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسے کوئی چیز ہبہ میں مل جائے یا ربح و اثمار کی کثرت ہوجائے تو اسے بھی **ارکزت الرجل** کہا گیا ہو۔

② دوسرا اعتراض یہ ہے کہ احناف کی کلام میں تضاد و تناقض ہے اس لئے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ ایک طرف تو معدن کو رکاز کہتے ہیں اور اس میں خمس کو لازم کرتے ہیں اور دوسری طرف اس حکم کو ساقط بھی کر دیتے ہیں کہ اگر مالک معدن کو چھپا لے اور خمس ادا نہ کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے تو یہ دونوں باتیں آپس میں متضاد ہیں۔ جواب یہ ہے کہ یہ الزام بھی حقیقت کے خلاف ہے اس لئے کہ امام اعظم رحمہ اللہ نے معدن میں خمس مان کر کبھی ساقط نہیں کیا بلکہ امام اعظم رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر واجد شخص خود محتاج ہے اور وہ اپنے آپ کو بیت المال کے مصارف میں سے سمجھتا ہے تو وہ خود بھی خمس کو اپنے مصرف میں لا سکتا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس پر معدن میں خمس لازم نہیں ہے الجواب کوئی تناقض نہیں ہے۔ (حل اقوال بعض الناس ص ۱۲، کشف الالتباس ص ۶۵)

**الشق الثانی** ...... **باب غزوة ذات الرقاع وهی غزوة محارب خصفة من بنی ثعلبة من غطفان فنزل نخلا وهی بعد خیبر لان اباموسی جاء بعد خیبر. عن جابر بن عبدالله ان النبی ﷺ صلی بأصحابه فی الخوف فی السابعة غزوة ذات الرقاع وعن ابی موسیٰ ان جابرا حدثهم: صلی النبی ﷺ بهم یوم محارب وثعلبة.**

**ترجم العبارة. لماذا ذکر الامام البخاری غزوة ذات الرقاع قبل غزوة خیبر وکان الانسب له ان یذکر بعد خیبر؟ لانه یقول وهی بعد خیبر. یظهر من عبارة الامام البخاری ان ثعلبة جد محارب ولیس الأمر کذالك فما هو المخلص منه؟ لماذا سمیت هذه الغزوة بغزوة ذات الرقاع وبیّن سبب غزوة ذات الرقاع وعدد عسکر المسلمین فیها واذکر الاختلاف فی تاریخ وقوعها بین اصحاب السیر وبین الامام البخاری مدللا ومبرهنا.**

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں پانچ امور مطلوب ہیں۔ (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) غزوۂ ذات الرقاع کو غزوۂ خیبر سے پہلے ذکر کرنے کی وجہ (۳) ثعلبہ کے جد محارب میں سے ہونے کی وضاحت (۴) غزوۂ ذات الرقاع کی وجہ تسمیہ، سبب اور اسلامی لشکر کی تعداد (۵) غزوہ کے وقوع کی تاریخ میں اختلاف مع الدلائل۔

**جواب** ...... ① __عبارت کا ترجمہ:۔__ غزوۂ ذات الرقاع، یہی غزوہ غزوۂ محارب خصفہ و بنی ثعلبہ بھی ہے جو قبیلۂ غطفان میں سے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اس غزوہ میں مقام نخلہ میں پڑاؤ کیا تھا، یہ غزوہ غزوۂ خیبر کے بعد ہوا ہے اس لئے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ خیبر کے بعد تشریف لائے تھے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کے ساتھ صلوٰۃ الخوف ساتویں (غزوہ یا سال) میں ادا کی تھی، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ نے انہیں بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں غزوۂ محارب و بنی ثعلبہ میں صلوٰۃ الخوف پڑھائی تھی۔

② __غزوۂ ذات الرقاع کو غزوۂ خیبر سے پہلے ذکر کرنے کی وجہ:۔__ سوال ہوتا ہے کہ جب امام بخاریؒ غزوۂ ذات الرقاع کو غزوۂ خیبر کے بعد تسلیم کر رہے ہیں تو پھر اس کو غزوۂ خیبر کے بعد ذکر کرتے، پہلے کیوں ذکر کیا؟۔

① امام بخاریؒ نے غزوۂ ذات الرقاع کو غزوۂ خیبر سے پہلے ذکر کر کے اس غزوہ کے تاریخ وقوع میں عام اہل سیر کی بات تسلیم کرنے کی طرف اشارہ کیا کہ ممکن ہے کہ اہل سیر کی بات صحیح ہو۔ ② امام بخاریؒ نے یہ عمل نہیں کیا بلکہ ان سے روایت کرنے والے بعد کے راویوں نے اس کو خیبر سے پہلے ذکر کر دیا۔ ③ ممکن ہے کہ اختلاف کی طرف اشارہ کرنے کیلئے امام بخاریؒ نے قصداً ایسا کیا ہو۔

③ __ثعلبہ کے جد محارب میں سے ہونے کی وضاحت:۔__ **من بنی ثعلبة من غطفان** یہ عبارت امام بخاریؒ کے اوہام میں سے ہے کیونکہ اس کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ محارب بن خصفہ ثعلبہ کی اولاد میں سے ہیں اور ثعلبہ محارب کا جد امجد ہے حالانکہ یہ حقیقت کے خلاف ہے، ثعلبہ محارب کا جد نہیں بلکہ خود ثعلبہ غطفان کی اولاد میں داخل ہے اور غطفان و محارب دونوں چچا زاد بھائی

ہیں کیونکہ غطفان سعد بن قیس کا بیٹا ہے اور محارب خصفہ بن قیس کا بیٹا ہے پس یہ عبارت من بنی ثعلبہ کی بجائے و بنی ثعلبہ (واؤ عاطفہ کے ساتھ) ہونی چاہیے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر و علامہ عینی نے ٹھیک عبارت اسی طرح نقل کی ہے۔

⑦ **غزوہ ذات الرقاع کی وجہ تسمیہ، سبب اور اسلامی لشکر کی تعداد:** وجہ تسمیہ: رقاع رقعۃ کی جمع ہے بمعنی پٹی و چیتھڑے۔ اس کی وجہ تسمیہ میں مختلف اقوال ہیں۔ ① اس غزوہ میں زیادہ چلنے کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاؤں میں آبلے پڑ گئے تھے جس کی وجہ سے انہوں نے کپڑے کی پٹیاں اور چیتھڑے پاؤں پر لپیٹ لئے تھے اس وجہ سے اس غزوہ کو ذات الرقاع کہتے ہیں۔

② اس غزوہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رنگارنگ کپڑوں کے جھنڈے بنائے تھے۔

③ ذات الرقاع ایک پہاڑ کا نام ہے جس میں مختلف رنگوں کے نشانات ہیں چونکہ اس غزوہ کے موقع پر آپ ﷺ نے وہاں قیام فرمایا تھا اس لئے اس کو ذات الرقاع کہتے ہیں۔ ④ بعض علماء مالکیہ نے کہا کہ اس غزوہ میں صلوٰۃ الخوف ادا کی گئی اور نماز میں پیوندکاری ہوئی تھی کہ ایک جماعت ایک رکعت پڑھ کر چلی گئی پھر دوسری جماعت آئی اس نے بھی ایک رکعت پڑھی، پھر وہ بھی واپس چلی گئی اور پھر پہلی رکعت والی جماعت نے آکر اپنی نماز مکمل کی، اس کے بعد دوسری جماعت نے بھی آکر اپنی نماز مکمل کی، چونکہ اس غزوہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نماز کو دو ٹکڑوں اور حصوں میں پڑھا تھا اس لئے اس کو غزوہ ذات الرقاع کہتے ہیں۔

سبب و تعداد: رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ غطفان کے دو قبیلے بنو محارب اور بنو ثعلبہ نے لشکر جمع کیا ہے اور وہ مسلمانوں کے خلاف منظم ہو رہے ہیں تو آپ ﷺ نے چار سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر ان کے خلاف پیش قدمی کی۔

⑧ **غزوہ کے وقوع کی تاریخ میں اختلاف مع الدلائل:** اس غزوہ کے وقوع کی تاریخ میں مختلف اقوال ہیں:

① یہ غزوہ ۴ھ میں پیش آیا ② یہ غزوہ ۵ھ میں پیش آیا ③ امام بخاری کی رائے یہ ہے کہ یہ غزوہ ۷ھ میں غزوۂ خیبر کے بعد پیش آیا اور اس کے متعدد دلائل ہیں: ① اس غزوہ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ شریک تھے اور یہ بات متفق علیہ ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فتح خیبر کے بعد مدینہ منورہ میں تشریف لائے تھے پس معلوم ہوا کہ یہ غزوہ غزوۂ خیبر کے بعد واقع ہوا ہے۔ ② حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ غزوۂ ذات الرقاع میں شریک ہوئے اور وہ بالاتفاق غزوۂ خیبر کے بعد آئے تھے پس معلوم ہوا کہ یہ غزوہ غزوۂ خیبر کے بعد واقع ہوا ہے۔ ③ ابوداؤد کی روایت میں اس بات کی تصریح ہے کہ آپ ﷺ نے سب سے پہلے صلوٰۃ الخوف غزوہ عسفان میں ادا کی اور غزوہ عسفان حدیبیہ کے بعد ہوا ہے اور اس غزوہ میں بھی صلوٰۃ الخوف کا ادا کرنا ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ یہ صلوٰۃ الخوف غزوہ عسفان میں صلوٰۃ الخوف کے بعد ہے جب غزوہ عسفان حدیبیہ کے بعد ہے تو اب تین احتمال ہیں۔

(۱) ذات الرقاع ۶ھ کے بالکل آخر میں ہو کہ غزوہ حدیبیہ اور غزوہ عسفان بھی اسی سن میں واقع ہوئے ہیں۔ (۲) اس غزوہ کو ۷ھ کے محرم کے شروع میں مانا جائے ان دونوں کے اعتبار سے یہ غزوہ خیبر سے پہلے ہوگا (۳) اس کو غزوہ خیبر کے بعد مانا جائے ان میں سے پہلے دو احتمالات کی کسی روایت سے تائید نہیں ہوتی جبکہ تیسرے احتمال کی تائید اوپر ذکر کی گئی دونوں روایات سے ہوتی ہے۔
بعض حضرات نے غزوۂ ذات الرقاع کے تعدد کا قول بھی اختیار کیا ہے مگر وہ صحیح نہیں ہے۔ (کشف الباری کتاب المغازی)

## ﴿الورقة الرابعة: الصحيح للامام البخاري﴾

### ﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۲۸ھ

**الشق الاول** ......باب قول النبی ﷺ انا اعلمکم باللہ وان المعرفة فعل القلب، لقول اللہ تعالیٰ (ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم) عن عائشةؓ قالت، کان رسول اللہ ﷺ اذا امرهم امرهم من

الاعمال بما يطيقون فقالوا انا لسنا كهيأتك يارسول الله ان الله قد غفرلك ماتقدم من ذنبك وماتأخر فيغضب حتى يعرف الغضب في وجهه ثم يقول: ان اتقاكم واعلم بالله انا (ص۷، ج۱، بخاری)

اذكر الفرق بين العلم والمعرفة . اذكر غرض البخاري من الترجمة واذكر مناسبتها بكتاب الايمان ماهو المقصود من ايراد الآية ههنا؟ ترجم الحديث واشرحه . كيف نسب الذنب الى رسول الله ﷺ وقد أجمعت الأمة على عصمة جميع الانبياء؟ اذكر اقوال العلماء في التخلص عن هذا الاشكال .

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل سات امور ہیں (۱) علم ومعرفت میں فرق (۲) ترجمۃ الباب کی غرض (۳) ترجمۃ الباب کی کتاب الایمان سے مناسبت (۴) آیت کو ذکر کرنے کا مقصد (۵) حدیث کا ترجمہ (۶) حدیث کی تشریح (۷) رسول اللہ ﷺ کی طرف ذنب کی نسبت کی وضاحت

جواب ...... ❶ **علم ومعرفت میں فرق:** علم ومعرفت میں لفظی فرق یہ ہے کہ علم کے دو مفعول ہوتے ہیں اور معرفت کا ایک مفعول ہوتا ہے جیسے علمت زيدا فاضلا، عرفت زيدا۔

معنوی فرق یہ ہے کہ قوت حافظہ میں کوئی صفت یا صورت محفوظ ہے تو اس کو علم کہتے ہیں اور جب ذی صورت یا ذی صفت سامنے آتا ہے اور وہ صفت یا صورت اس پر منطبق ہو جائے تو اس کو معرفت کہتے ہیں۔

نیز علم بعض اصطلاحات میں بمعنی تصدیق ہے اور معرفت بمعنی تصور ہے۔ (کشف الباری ج۲ ص۸۹)

❷ **ترجمۃ الباب کی غرض:** امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں دو ترجمے قائم کیے ہیں (۱) انا اعلمکم باللہ (۲) ان المعرفۃ فعل القلب۔
پہلے ترجمہ سے مرجئہ کا رد ہے بایں طور کہ اعلمکم اسم تفضیل کا صیغہ ہے معلوم ہوا کہ علم باللہ کے مختلف درجات ہیں لہٰذا ایمان کے بھی مختلف درجات ہوں گے کیونکہ علم باللہ کو ہی ایمان کہتے ہیں اور ایمان کے مختلف درجات اعمال کے اعتبار سے ہوں گے جس کے اعمال زیادہ ہوں گے اس کے درجات بھی زیادہ ہوں گے اور جس کے اعمال کم ہوں گے اس کے درجات بھی کم ہوں گے اور جس کے اعمال زیادہ ہوں گے اس کا ایمان بھی زیادہ ہوگا اور جس کے اعمال کم ہوں گے اس کا ایمان بھی کم ہوگا لہٰذا مرجئہ پر رد ہو گیا کیونکہ ان کے نزدیک نیک عمل سے ایمان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اور برے اعمال سے ایمان کو ضرر نہیں پہنچتا اور ایمان کم زیادہ نہیں ہوتا۔

دوسرے ترجمۃ الباب وان المعرفۃ فعل القلب سے کرامیہ کا رد کرنا ہے کیونکہ ان کے نزدیک فقط زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہنا ہی ایمان ہے تو امام بخاری رحمہ اللہ نے ان پر رد کر دیا کہ فقط زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہہ لینا کافی نہیں ہے بلکہ ایمان معرفت کا نام ہے اور معرفت دل کا فعل ہے لہٰذا ایمان کے لئے دل کی تصدیق ضروری ہے۔ (ایضاً ج۲ ص۸۸)

❸ **ترجمۃ الباب کی کتاب الایمان سے مناسبت:** اس ترجمۃ الباب پر اشکال ہوتا ہے کہ اس میں علم اور معرفت کا ذکر ہے لہٰذا اس کو کتاب العلم میں ذکر کرنا چاہیے تھا اس کو کتاب الایمان میں کیوں ذکر کیا۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ یہاں اس ترجمہ کو ذکر فرما کر مرجئہ وکرامیہ پر رد کر رہے ہیں کہ یہاں اعلم اسم تفضیل کا صیغہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ علم کے مختلف درجات ہیں اور علم باللہ کو ایمان کہتے ہیں جب علم کے مختلف درجات ہیں تو معلوم ہوا کہ ایمان کے بھی مختلف درجات ہوں گے اور ایمان میں کمی زیادتی اعمال سے ہی آئے گی، جس کے اعمال زیادہ ہوں گے اس کا ایمان زیادہ ہوگا اور جس کے اعمال کم ہوں گے اس کا ایمان کم ہوگا۔

پس اس مکمل تقریر سے ترجمۃ الباب کی کتاب الایمان سے مناسبت واضح ہو گئی۔ (ایضاً)

❹ **آیت کریمہ کو ذکر کرنے کا مقصد:** آیت کریمہ ولكن يؤاخذكم بما كسبت قلوبكم دوسرے ترجمۃ الباب

وان المعرفة فعل القلب کی دلیل ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت سے ان المعرفة فعل القلب والے دعوی کو ثابت نہیں فرما رہے بلکہ اس آیت سے صرف یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ کسبت کا اسناد قلوبکم کی طرف ہو رہا ہے جب کسب کی نسبت قلوبکم کی طرف ہوئی تو معلوم ہوا کہ کسب قلب کے لئے ثابت ہے اور کسب ایک فعل ہے لہذا القلب کے لئے فعل ثابت ہو گیا جب قلب کے لئے فعل ثابت ہو گیا تو معرفت کو قلب کا فعل ثابت کرنا بالکل آسان ہے۔ (ایضاً ص ٩٠)

⑧ <u>حدیث کا ترجمہ:۔</u> حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کسی چیز کا حکم فرماتے تھے تو ایسی چیز کا حکم فرماتے تھے جسکی وہ طاقت رکھتے تھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عرض کرتے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری حالت آپ جیسی نہیں ہے بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تو تمام اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے ہیں پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک ہو جاتے حتی کہ غصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ سے پہچانا جاتا تھا پھر فرماتے کہ میں تم میں سے سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو جاننے والا ہوں۔

⑨ <u>حدیث کی تشریح:۔</u> حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کسی عمل کا حکم کرتے تو کسی ایسے عمل کا حکم کرتے تھے جن کی انکے اندر ہمت وطاقت ہوتی تھی، صحابہ کرام عرض کرتے کہ اے اللہ کے رسول! ہماری حالت آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نہیں ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تو اگلے پچھلے وہ تمام امور اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیئے ہیں جو آپ کی شان کے لائق نہیں اور آپ معصوم و مغفور ہیں لہذا ہمیں زیادہ اعمال کی ضرورت ہے، گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے زیادہ عمل کی خواہش کا اظہار کیا ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں ہمیشہ پوری رات عبادت کیا کروں گا دوسرے صحابی نے کہا کہ میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا، تیسرے نے کہا کہ میں کبھی شادی نہیں کرونگا وغیرہ ذلک تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زبان سے یہ الفاظ ان الله قدغفرلك ماتقدم من ذنبك وماتأخر سنتے تو فوراً غصہ کے آثار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے مبارک سے نمودار ہو جاتے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ان اتقاكم واعلمكم بالله انا یعنی میں قوت علمیہ وعملیہ دونوں میں تم سے زیادہ ہوں مگر میں پھر بھی مجاہدہ میں اس قدر مبالغہ نہیں کرتا، تو تم کون ہو عبادت وریاضت میں اس قدر مبالغہ کرنیوالے اور یہ راستہ اختیار کرنیوالے یعنی تمہیں عبادت وریاضت میں اس قدر مبالغہ نہیں کرنا چاہیے۔

⑩ <u>رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ذنب کی نسبت کی وضاحت:۔</u> ذنب کا عمومی معنی خطاء معصیت اور گناہ ہے۔

سوال ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں مگر اس حدیث میں ذنب کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہے۔

جوابات: ① قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے اور حضرت شاہ صاحب نے اسکو اختیار کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک ہے معصیت، ایک ہے خطا اور ایک ہے ذنب، معصیت شدید ہے اور یہ نافرمانی کو کہتے ہیں، اس سے کم درجہ "خطا" کا ہے جسکے معنی غلطی کے ہیں اور اس سے کم درجہ "ذنب" کا ہے جس کے معنی عیب کے ہیں، معصیت اور خطا سے انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں اور ذنب جس چیز کو کہا جا رہا ہے وہ ایک معمولی چیز ہے جو معصیت یا خطا کے برابر نہیں ہے البتہ وہ ان کی شان کے اعتبار سے ان کے لئے معیوب تصور کی جاتی ہے یہ عصمت کے منافی نہیں ہے ② ایک اصول ہے حسنات الأبرار سيئات المقربين۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ لوگوں کے دو طبقے ہیں عوام اور خواص، عوام کے لئے قانون ہوتا ہے اور اس قانون کی دفعات ہوتی ہیں ان پر یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ ان قانونی دفعات کی مخالفت نہ کریں لیکن جو خواص ہوتے ہیں ان کو صرف قانون ہی نہیں مزاج کی بھی رعایت رکھنی پڑتی ہے جو خواص دولت وسلطنت ہوتے ہیں ان کی ذمہ داری صرف یہ نہیں کہ قانون کی خلاف ورزی نہ کریں بلکہ ان کیلئے یہ پابندی بھی

ضروری ہے کہ وہ مزاج شاہ کے خلاف کوئی حرکت نہ کریں اگرچہ وہ قانونی گرفت میں نہ آتی ہو ④ یہاں ذنب سے مراد خطاء اجتہادی ہے مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی تمام ایسی خطائیں جو اجتہادی طور پر ہوئی ہیں وہ سب معاف ہیں۔ (کشف الباری ج ص ۹۲)

مسئلہ عصمت انبیاء ﷺ: یا رسول اللہ ان اللہ قد غفرلك ماتقدم من ذنبك وما تاخر سے اور سورۃ فتح کی ابتدائی آیات سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء ﷺ سے گناہ ہو جاتا ہے تو یہ عصمت انبیاء ﷺ کے خلاف ہوا اس بارے میں مختلف مذاہب ہیں، اصولی طور پر تین مذہب ہیں: مذہب اول: انبیاء ﷺ قبل النبوۃ و بعد النبوۃ کفر و شرک سے معصوم ہوتے ہیں اور بعد النبوۃ عمداً و سہواً کبائر سے معصوم ہوتے ہیں۔ قبل النبوۃ سہواً کبائر ہو سکتے ہیں تو صغائر بھی ہو سکتے ہیں۔

مذہب ثانی: انبیاء ﷺ قبل النبوۃ و بعد النبوۃ کفر و شرک اور کبائر سے معصوم ہوتے ہیں، البتہ صغائر قبل النبوۃ یا بعد النبوۃ ہو سکتے ہیں، عمداً ہوں یا سہواً، یہ اشاعرہ کا مذہب ہے۔ مذہب ثالث: انبیاء ﷺ کبائر و صغائر سے قبل النبوۃ و بعد النبوۃ پاک ہوتے ہیں پھر بعض کہتے ہیں قبل النبوۃ سہواً صغائر ہو سکتے ہیں، یہی مذہب راجح ہے لیکن علامہ انور شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تین درجے ہیں ① معصیت جس کا ترجمہ نافرمانی ② خطا جس کو نادرست کہتے ہیں ③ ذنب جس کو خلاف شان کہتے ہیں۔ تو صغیرہ کبیرہ معصیت کی قسم ہے اس سے انبیاء پاک ہیں اور خطا سے بھی پاک ہیں، البتہ خلاف شان کبھی ان سے کوئی عمل ہو جاتا ہے۔

دلائل عصمت انبیاء: ① اللہ تبارک و تعالیٰ نے انبیاء ﷺ کی جماعت کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا وانهم عندنا لمن المصطفين الاخيار جو اللہ پاک کے چنے ہوئے پسندیدہ ہوں ان سے ناپسندیدہ عمل کیسے ہو سکتا ہے۔ انبیاء ﷺ سے ذنب کا صدور مان لیا جائے تو اس سے اللہ پاک کے چناؤ میں غلطی لازم آئے گی جو کہ محال ہے ② اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لا ينال عهدى الظلمين نبوت والا عہدہ ظالموں کو نہیں مل سکتا۔ اور گناہ ظلم ہے ③ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے وما ارسلنا من رسول الا ليطاع باذن الله رسول اسلئے بھیجے ہیں تا کہ اللہ پاک کے اذن سے انکی اطاعت کی جائے۔ ظاہر ہے کہ نبی ہر وہ قدم اٹھائے گا جو قابل اطاعت ہو نہ کہ اسکے برعکس، اور معصیت قابل اطاعت نہیں ④ مرتکب معصیت قابل عتاب ہوتا ہے اگر نبی سے ارتکاب معصیت ہو جائے تو امت کی طرف سے معتوب ہونا لازم آئیگا اور یہ مقام نبوت کے خلاف ہے ⑤ امت میں جو انسانی کمالات ہوتے ہیں نبی ان سے بدرجہ اولیٰ مشرف ہوتا ہے احسن صورۃ، احسن عملا، اشجع، اسخی، وافی ہوتا ہے۔ حالانکہ منصب نبوت تو شرعی ہے لیکن اللہ پاک ظاہری لحاظ سے بھی او نچا رکھتے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ انبیاء ﷺ سب سے زیادہ اتقی بھی ہوں گے اللہ پاک کو نبی میں کسی قسم کا عیب پسند نہیں ہے۔

**الشق الثانی** ...... بَابُ تَفَاضُلِ أَهْلِ الْإِيْمَانِ فِي الْأَعْمَالِ —— عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يَدْخُلُ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَأَهْلُ النَّارِ النَّارَ ثُمَّ يَقُوْلُ اللّٰهُ أَخْرِجُوْا مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ إِيْمَانٍ، فَيُخْرَجُوْنَ مِنْهَا قَدِ اسْوَدُّوْا فَيُلْقَوْنَ فِيْ نَهْرِ الْحَيَا أَوِ الْحَيَاةِ شَكَّ مَالِكٌ فَيَنْبُتُوْنَ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ، فِيْ جَانِبِ السَّيْلِ، أَلَمْ تَرَ أَنَّهَا تَخْرُجُ صَفْرَاءَ مُلْتَوِيَةً قَالَ وُهَيْبٌ، حَدَّثَنَا عَمْرٌو الْحَيَاةِ وَقَالَ خَرْدَلٍ مِّنْ خَيْرٍ.

وضح غرض البخاری من ترجمة الباب . اعرب الحديث ثم ترجمه واشرحه شرحا مبسوطا، ماهی فائدة ايراد التعليق فی آخر الحديث؟ اذكر مطابقة الحديث بالترجمة واضحا . (ص ۸ - ق ۱ - قدیمی)

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال کا حاصل چھ امور ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) حدیث پر اعراب (۳) حدیث کا ترجمہ (۴) حدیث کی تشریح (۵) تعلیق کو ذکر کرنے کا فائدہ (۶) حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت۔

**جواب** ...... ① ترجمۃ الباب کی غرض: اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض مرجئہ پر رد کرنا ہے کیونکہ وہ کہتے

ہیں کہ ایمان کے لئے اعمال کی ضرورت نہیں ہے اگر اعمال نہ ہوں تو کوئی نقصان نہیں ہے تو امام بخاری رحمہ اللہ نے ان پر رد کیا کہ اعمال سے فائدہ پہنچتا ہے اور اعمال کی وجہ سے اہل ایمان کے درجات میں تفاضل ہوگا حتی کہ جس کے اعمال زیادہ ہونگے وہ جنت میں جلدی پہنچیگا اور جو جہنم میں ڈالے جائیں گے ان میں سے بھی ان لوگوں کو پہلے نکالا جائے گا جن کے اعمال زیادہ ہونگے۔

نیز خوارج و معتزلہ کا بھی رد ہے کیونکہ مرتکب کبائر ہونے کے باوجود ان کو دوزخ سے نکالا جائیگا اور معتزلہ و خوارج کے نزدیک مرتکب کبائر مخلد فی النار ہوتا ہے۔ (کشف الباری ج ۲ ص ۱۰۷)

❷ **حدیث پر اعراب:۔** کما مرّ فی السوال آنفا۔

❸ **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (جب) داخل ہو جائیں گے جنتی لوگ جنت میں اور جہنمی لوگ جہنم میں پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہے اس کو جہنم سے نکال لو، پھر نکالے جائیں گے جہنم سے ایسے لوگ جو جل کر سیاہ ہو چکے ہونگے پھر وہ زندگی کی نہر یا بارش کے پانی میں ڈالے جائیں گے۔ مالک راوی کو (حیا یا حیاۃ کے ذکر کرنے میں) شک ہوا ہے پس اگ آئیں گے وہ جیسا کہ ندی کے کنارے درخت اگ آتے ہیں یعنی وہ سرسبز و شاداب ہو جائیں گے، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ زرد رو اور پیچ در پیچ نکلتا ہے۔

❹ **حدیث کی تشریح:۔** آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب جنتی اور جہنمی لوگ اپنے اپنے مقام و ٹھکانہ پر پہنچ جائیں گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر معمولی سا بھی ایمان ہے اس کو بھی جہنم سے نکال کر جنت میں ڈال دو جب ان کو جہنم سے نکالا جائے گا تو وہ جل کر کوئلہ کی طرح سیاہ ہو چکے ہونگے پھر ان کو بارش کے پانی یا زندگی کی نہر میں ڈالا جائیگا۔ راوی حدیث مالک رحمہ اللہ کو شک ہے کہ یہاں حیا (بارش) کا لفظ ہے یا حیاۃ (زندگی) کا لفظ ہے۔ بہرحال جب ان کو اس زندگی یا بارش کی نہر میں ڈالا جائیگا تو وہ خود رو صحرائی بیج کی طرح سرسبز و شاداب ہونا شروع ہو جائیں گے اور ان کے اندر گوشت پوست کا نشو و نما شروع ہو جائیگا۔

الغرض اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جتنے بھی اہل ایمان ہیں وہ سب کے سب ایک نہ ایک دن جہنم سے نکل کر ضرور جنت میں داخل ہونگے، وہ مخلد فی النار نہ رہیں گے۔

❺ **تعلیق کو ذکر کرنے کا مقصد:۔** امام بخاری رحمہ اللہ نے وہیب رحمہ اللہ کی تعلیق کو نقل کر کے دو باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے: ① امام مالک رحمہ اللہ کی طرح وہیب رحمہ اللہ نے بھی یہ حدیث عمرو بن یحییٰ سے نقل کی ہے مگر انہوں نے بلا تردد الحیاۃ (زندگی) کا لفظ ذکر کیا ہے، شک و تردد کے ساتھ حیا یا حیاۃ کا لفظ ذکر نہیں کیا۔ ② امام مالک رحمہ اللہ نے خردل من ایمان کا لفظ ذکر کیا ہے جبکہ وہیب رحمہ اللہ نے خردل من خیر کا لفظ ذکر کیا ہے۔ (ایضاح ج ۱ ص ۱۹۰)

❻ **حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت:۔** سوال ہوتا ہے کہ حدیث و ترجمۃ الباب میں مطابقت نہیں ہے اسلئے کہ ترجمۃ الباب میں تفاضل فی الاعمال کا ذکر ہے جبکہ روایت میں تفاضل فی الایمان کا ذکر ہے۔ جواب و تطبیق کا حاصل یہ ہے کہ امام بخاری ترجمۃ الباب کے ذریعہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حدیث میں من خردل من ایمان میں ایمان سے مراد اعمال ہیں اور اعمال پر ایمان کا اطلاق اس لئے کیا گیا کہ ان سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے اور ایمان سے اعمال مراد ہونے پر قرینہ اسی روایت کا دوسرا طریق ہے جس میں من خردل من ایمان کی جگہ من خردل من خیر واقع ہے اور خیر عمل کو ہی کہتے ہیں۔ (کشف الباری ج ۲ ص ۱۰۷)

## السوال الثانی ۱۴۲۸ھ

**الشق الاول** ...... حدثنا حفص بن عمر قال حدثنا شعبۃ عن محمد بن عثمان بن عبداللہ بن موہب

عن موسی بن طلحة عن ابی ایوب ان رجلا قال للنبی ﷺ اخبرنی بعمل یدخلنی الجنة قال الناس: ماله ماله، وقال النبی ﷺ ارب ماله تعبدالله لاتشرک به شیئا وتقیم الصلاة وتؤتی الزکوة وتصل الرحم۔" وقال بهز: حدثنا شعبة قال حدثنا محمد بن عثمان وابوه عثمان بن عبدالله انهما سمعا موسی بن طلحة عن ابی ایوب عن النبی ﷺ بهذا، قال ابوعبدالله: اخشی ان یکون محمد غیر محفوظ، انما هو عمرو.

ترجم الحدیث ترجمة واضحة ۔ اشرح معنی قولہ "ماله ماله" "ارب ماله" ۔ ماذا اراد المؤلف بقوله "قال بهز..... الخ" وقوله "قال عبدالله..... الخ"۔ (ص۱۴۳۱ھ، بنات)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) مذکورہ الفاظ کی تشریح (۳) مذکورہ جملہ کو ذکر کرنے کا مقصد۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے ایسا عمل بتلائیں جو مجھے جنت میں داخل کردے (وہ عمل کرنے سے میں جنت میں داخل ہوجاؤں) لوگوں نے کہا کہ اسے کیا ہوگیا ہے، اسے کیا ہوگیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کی کوئی حاجت ہے پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آپ اللہ کی عبادت کریں اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں (شرک نہ کریں) اور آپ نماز ادا کریں اور زکوۃ ادا کریں اور صلہ رحمی کریں۔

اور بہز راوی کہتے ہیں کہ ہمیں شعبہ نے بیان کیا کہ ہمیں محمد بن عثمان اور ان کے والد عثمان بن عبداللہ نے حدیث بیان کی کہ انہوں نے موسیٰ بن طلحہ سے اور انہوں نے ابوایوب رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اسی طرح سنا ہے۔

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) کہتے ہیں کہ مجھے خوف ہے کہ محمد سے روایت غیر محفوظ ہے۔ بےشک وہ عمرو بن عثمان ہیں۔

❷ مذکورہ الفاظ کی تشریح:۔ "ماله ماله" ان الفاظ میں ما استفہامیہ تعجب کیلئے ہے لام جارہ ہے اور "ہ" ضمیر ہے، مطلب یہ کہ اسے کیا ہوگیا ہے؟ یہ کیوں اس طرح کا سوال کررہا ہے۔

"أرب ماله" اس میں ارب کا معنی حاجت اور ضرورت ہے ما عموم کے لئے ہے له میں لام جارہ اور ضمیر ہے، مطلب یہ ہے کہ اسکی کوئی حاجت اور ضرورت ہے یعنی یہ سوال بہت اہم اور ضروری ہے۔ (کشف الباری کتاب الادب ص۳۳۶)

❸ مذکورہ جملہ کو ذکر کرنے کا مقصد:۔ اس جملہ کو ذکر کرنے سے مقصد سماع کی وضاحت ہے کہ پہلی روایت شعبه عن محمد عن موسیٰ سے وہم ہوتا تھا کہ شاید یہ روایت معنعن ہے تو اس جملہ شعبة قال حدثنا محمد بن عثمان وابوه انهما سمعا الخ سے وضاحت کردی کہ محمد کا سماع موسیٰ بن طلحہ سے ثابت ہے اور شعبہ کو محمد نے یہ حدیث بیان کی ہے۔

نیز یہ بھی بتلا دیا کہ محمد موسیٰ سے روایت کرنے میں متفرد نہیں ہے بلکہ محمد اور اسکے والد عثمان دونوں موسیٰ سے روایت کرتے ہیں۔

"قال ابوعبدالله الخ" امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شعبہ نے جو محمد بن عثمان نام ذکر کیا ہے یہ انکا وہم ہے، مجھے خوف ہے کہ محمد بن عثمان ذکر کرنے سے یہ روایت غیر محفوظ ہے اس لئے محمد بن عثمان کی جگہ عمرو بن عثمان ہے۔

**السؤال الثانی** ...... سألت امراة النبی ﷺ فقالت یارسول الله، ان ابنتی اصابتها الحصبة فامرق شعرها وانی زوجتها افاصل فیه؟ فقال، لعن الله الواصلة والمستوصلة. عن عبدالله بن عمر قال، سمعت النبی ﷺ او قال قال النبی ﷺ لعن الله الواشمة والمستوشمة والواصلة والمستوصلة یعنی لعن النبی ﷺ (ص۱۴۳۰ھ، بنات) اشرح کلمة الحصبة، امرق، الواشمة، المستوشمة، الواصلة والمستوصلة لغة وصرفا. ترجم الحدیثین. ما معنی قوله فی آخر الحدیث یعنی لعن النبی ﷺ.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) مذکورہ الفاظ کی لغوی وصرفی تحقیق (۲) احادیث کا ترجمہ (۳) مذکورہ جملہ کا مطلب۔

**جواب** ...... ❶ مذکورہ الفاظ کی لغوی وصرفی تحقیق:۔ "حَصْبَۃٌ" یہ ایک بیماری کا نام ہے جس سے جسم پر چھوٹے سرخ دانے نکل آتے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ چیچک کی ایک قسم ہے اور بعض نے اسکا ترجمہ خسرہ کیا ہے۔

"امرق" صیغہ واحد مذکر غائب بحث ماضی معروف از باب افعال بمعنی بال گرنا۔

"واشمۃ" صیغہ واحد مؤنث بحث اسم فاعل از باب ضرب بمعنی بدن گودنے والی عورت۔

"مستوشمۃ" صیغہ واحد مؤنث بحث اسم فاعل از باب استفعال بمعنی بدن گودوانے والی عورت۔

"واصلۃ" صیغہ واحد مؤنث بحث اسم فاعل از باب ضرب بمعنی بالوں کے ساتھ دوسرے بال لگانے والی عورت۔

"مستوصلۃ" صیغہ واحد مؤنث بحث اسم فاعل از باب استفعال بمعنی بالوں کے ساتھ دوسرے بال لگوانے والی عورت۔

❷ احادیث کا ترجمہ:۔ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ اے اللہ کے پیغمبر ﷺ بے شک میری بیٹی کو حصبہ بیماری لگ گئی ہے اور اس نے اسکے بالوں کو گرا دیا ہے۔ اور میں اس کی شادی کرنا چاہتی ہوں تو کیا میں اسکے بالوں میں دوسرے بال ملا دوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے بالوں کے ساتھ دوسرے بال لگانے والی اور لگوانے والی دونوں عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے گودنے والی اور گودوانے والی عورت پر۔ بال لگانے والی اور بال لگوانے والی عورت پر یعنی آپ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔

❸ مذکورہ جملہ کا مطلب:۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس جملہ کا مطلب واضح نہیں ہے البتہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ لعنت آپ ﷺ کی زبان کے ذریعہ بھیجی ہے یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت کی وجہ سے آپ ﷺ نے بھی لعنت بھیجی ہے۔

کئی نسخوں میں اس طرح عبارت ہے قال النبی ﷺ الواشمۃ والمستوشمۃ الخ یعنی لعن النبی ﷺ اب اس جملہ کا مطلب واضح ہے کہ الواشمۃ سے پہلے لعن کا اقتضاء کیا گیا ہے اس لئے راوی نے لعن النبی ﷺ کہہ کر اس کی تصریح کر دی۔ (کشف الباری کتاب اللباس ص ۴۸۵)

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱٤۲۸ھ

**الشق الاول** ...... عن عبد الله ان رسول الله ﷺ نهى عن الشغار ...... وقال بعض الناس ان احتال حتى تزوج على الشغار فهو جائز والشرط باطل، وقال فى المتعة النكاح فاسد والشرط باطل وقال بعضهم المتعة والشغار جائز والشرط باطل. (ص ۱۰۲۹-ج ۲-قدیمی) عرف الشغار واذكر حكمه عند الائمة مع دلائلهم. من هم المراد بقوله "قال بعض الناس وقال بعضهم". اشرح ماذكره المؤلف ردا على "بعض الناس" وانكر هل المؤلف مصيب فى هذا الرد؟ وان لم يكن مصيبا فما هو وجه الرد على المؤلف.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (۱) شغار کی تعریف (۲) شغار کا حکم مع الدلائل (۳) قال بعض الناس اور قال بعضهم کی مراد (۴) امام بخاری رحمہ اللہ کی مراد اور اسکا جواب۔

**جواب** ...... ❶ شغار کی تعریف:۔ شغار لغت میں شغر البلد سے ماخوذ ہے یہ اسوقت کہا جاتا ہے جب شہر خالی اور ویران ہو جائے، چونکہ یہ نکاح بھی مہر سے خالی ہوتا ہے اسلئے اس کو شغار کہتے ہیں۔ اصطلاح میں شغار یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے سے

کہے کہ میں اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح تجھ سے اس شرط پر کرتا ہوں کہ تو اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح مجھ سے کرے۔ اور احد العقدین دوسرے کا عوض ہو جائے اسکے علاوہ کوئی اور مہر نہ ہو جائے " تے سامنے اور و وٹہ سٹہ کا نکاح کیا جاتا ہے۔ (کشف الباری کتاب النکاح ص ٢١٥)

بعض قبائل و خاندانوں میں وٹہ سٹہ میں محض رشتہ کا تبادلہ ہوتا ہے مگر اس میں مہر بھی طے کیا جاتا ہے وہ اس میں شامل نہیں ہے۔

❷ **نکاح شغار کا حکم مع الدلائل:۔** امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کے ہاں نکاح شغار اگرچہ جائز نہیں لیکن اگر کیا جائے تو نکاح منعقد ہو جائے گا اور مہر مثل واجب ہوگا۔ جمہور رحمہم اللہ کے نزدیک اس صورت میں نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔

جمہور رحمہم اللہ کی دلیل حدیث ہے کہ اس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسلام میں نکاح شغار نہیں گویا نکاح شغار منفی عنہ ہے۔

دوسری عقلی دلیل یہ ہے کہ شغار کی صورت میں یہ بات لازم آتی ہے کہ ہر ایک عورت کا بضع مہر بھی ہو اور منکوح بھی ہو اور یہ درست نہیں۔

حنفیہ رحمہم اللہ کی دلیل یہ ہے کہ افعال شرعیہ سے نہی یہ تقاضا کرتی ہے کہ منہی عنہ کی مشروعیت کا تقاضا کرتی ہے لہذا نکاح درست ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ شغار کی صورت میں احد البضعین کو جو دوسرے کا مہر ٹھہرایا گیا ہے یہ تسمیہ فاسد ہے اس لئے کہ بضع مال نہیں لہذا وہ مہر نہیں بن سکتی اس لئے ایسی صورت میں ہر ایک عورت مہر مثل کی مستحق ہوگی۔

خلاصہ یہ کہ بضع کو مہر قرار دینا شرط فاسد ہے اور نکاح شرط فاسد سے منعقد اور صحیح ہو جاتا ہے اور خود شرط باطل ہو جاتی ہے۔

جمہور رحمہم اللہ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں شغار سے منع کیا گیا ہے باطل قرار نہیں دیا گیا ہے یعنی یہ حدیث ممانعت پر محمول ہے نہ کہ ابطال پر۔ عقلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک شغار کی صورت میں مہر مثل کا اعتبار ہے لہذا ہر عورت کی بضع محض منکوحہ کی حیثیت رکھتی ہے نہ کہ مہر اور منکوح دونوں کی۔ (درس ترمذی ج ٣ ص ٣٠٠)

❸ **قال بعض الناس اور قال بعضهم کی مراد:۔** علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض الناس سے مراد حنفیہ ہیں کیونکہ عموماً امام بخاری رحمہ اللہ کے اس لفظ سے یہی مراد ہوتے ہیں یا خود امام اعظم رحمہ اللہ مراد ہوتے ہیں اور بعضهم سے ممکن ہے کہ امام زفر مراد ہوں کیونکہ ان کے نزدیک نکاح موقت صحیح ہے۔ (حل قال بعض الناس ص ٣٧)

❹ **امام بخاری رحمہ اللہ کی مراد اور اسکا جواب:۔** نکاح شغار فریقین کے نزدیک باطل ہے مگر امام بخاری رحمہ اللہ کا خیال یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ حیلہ کر کے نکاح شغار کو جائز قرار دیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ بعض الناس کا قول ہے کہ اگر کوئی حیلہ کر کے نکاح شغار کرتا ہے تو یہ نکاح جائز ہے اور شرط باطل ہے حالانکہ آپ ﷺ نے شغار سے منع فرمایا ہے ان رسول الله نهى عن الشغار نیز آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا لا شغار فی الاسلام۔

ہم کہتے ہیں کہ محض عدم واقفیت کی بناء پر اعتراض کرنا درست نہیں ہے۔ الغرض نکاح شغار کو اس کی اصلی صورت میں ہم نہ تو جائز کہتے ہیں اور نہ ہی نافذ مانتے ہیں بلکہ ہم نکاح کے رکن اور اہلیت کے پائے جانے کی وجہ سے شرط کو باطل قرار دیتے ہیں اور خلو عن المہر کی خامی اور اسی طرح غیر صالح للمہر کو مہر قرار دینے کی خامی کو دور کر کے عقد کو نافذ اور مہر مثل کو واجب قرار دیتے ہیں کیونکہ نہی عقد نکاح کو مہر سے خالی رکھنے کی وجہ سے ہے پس نہ تو حدیث کی مخالفت ہوئی اور نہ ہی فساد لازم آیا۔

"وقال فی المتعة الخ" اس عبارت سے مقصود بھی حنفیہ پر اعتراض کرنا ہے کہ جیسے نکاح شغار میں شرط فاسد ہے اسی طرح متعہ میں بھی شرط فاسد ہے لہذا جیسے شغار میں نکاح صحیح ہے اسی طرح متعہ میں بھی نکاح صحیح ہونا چاہیے دونوں کا ایک ہی حکم ہونا چاہیے حالانکہ حنفیہ نے فرق کیا ہے کہ شغار میں شرط لغو اور باطل ہے اور متعہ میں خود وہ متعہ باطل ہے۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ دونوں میں فرق ظاہر ہے کہ نکاح شغار میں لفظ نکاح موجود ہے، گواہ بھی ہیں صرف خلو عن المہر کی

خرابی ہے اس لئے وہ نکاح صحیح ہے صرف شرط باطل ہے جبکہ متعہ اپنی ذات کے لحاظ سے ہی باطل ہے اور اس کی حرمت پر نصوص قطعیہ اور اجماع امت بھی قائم ہے۔ اس لئے اس کے جواز کا تو کوئی بھی قائل نہیں ہو سکتا۔

"وقال بعضهم الخ" اس سے مقصود بھی حنفیہ پر اعتراض کرنا ہے کہ بعض لوگ نکاح شغار اور متعہ میں نکاح کو جائز اور شرط کو باطل قرار دیتے ہیں حالانکہ متعہ باطل ہے۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ متعہ کی حرمت اور بطلان پر نصوص قطعیہ اور اجماع امت منعقد ہے اس کی حلت کا کوئی بھی قائل نہیں ہے اور حنفیہ میں سے کوئی اسکا قائل ہے۔ امام زفر رحمہ اللہ صرف نکاح موقت کے قائل ہیں کہ ایک مدت تک کیلئے کوئی نکاح کرے تو نکاح صحیح ہے اور مدت کی شرط باطل ہو جائے گی اور متعہ و نکاح موقت میں فرق ہے۔ (حل اقوال بعض الناس ص ۹۸، وشیخ الکلام ص ۱۲۷)

**الشق الثانی** ...... باب لايجوز نكاح المكره وقال الله تعالى "ولاتكرهوا فتياتكم على البغاء" من خنساء بنت خذام ان اباها زوجها وهى ثيب فكرهت ذلك، فاتت النبى ﷺ فرد نكاحها. (ص ۱۰۲۸ ج ۲ قدیمی)

**عرف الاكراه وانواعه واضحًا. اذكر غرض الترجمة. ماهى مناسبة الآية بالترجمة؟ اشرح الحديث.**

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل چار امور ہیں (۱) اکراہ کی تعریف واقسام (۲) ترجمۃ الباب کی غرض (۳) آیت کی ترجمۃ الباب سے مناسبت (۴) حدیث کی تشریح۔

**جواب** ...... ❶ اکراہ کی تعریف واقسام:۔ اکراہ کی تعریف یہ ہے **هو اسم لفعل يفعله المرء بغيره فينتفى به رضاه** یعنی اکراہ ایسے فعل کا نام ہے جس کو ایک آدمی کرتا ہے دوسرے آدمی کے ساتھ جس کی وجہ سے دوسرے آدمی کی رضامندی ختم ہو جاتی ہے۔

اکراہ کی دو قسمیں ہیں۔ ① اکراہ ملجی: یہ کہ ایک انسان دوسرے انسان کو کسی کام کے کرنے پر یا کسی کام سے روکنے پر جان سے مارنے یا اس کے اعضاء میں سے کسی عضو کو تلف کرنے کی دھمکی دیتا ہے اس صورت میں انسان کی رضامندی و خود مختاری دونوں معدوم و سلب ہو جاتی ہیں اور وہ قطعی بے بس و لاچار ہو جاتا ہے۔

② اکراہ غیر ملجی: یہ کہ ایک انسان دوسرے انسان کو کسی کام کے کرنے پر یا کسی کام سے روکنے پر قید کرنے یا مارنے کی دھمکی دیتا ہے۔ اس میں فقط محض رضا و دلی خوشی تو معدوم ہوتی ہے مگر اہلیت و اختیار اور ارادہ کی قوت سلب نہیں ہوتی اس کی وجہ یہ ہے کہ رضا خاص اور اختیار عام ہے۔ خاص کی نفی سے عام کی نفی لازم نہیں آتی۔ (حاشیہ اعلاء ص ۱۰۲۸)

❷ ترجمۃ الباب کی غرض:۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض اس ترجمۃ الباب سے مکرہ کے نکاح کے عدم جواز کو بیان کرنا ہے کہ زبردستی عورت کی رضامندی کے بغیر اس کا نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

❸ آیت کی ترجمۃ الباب سے مناسبت:۔ آیت میں لونڈیوں کو زنا پر مجبور کرنے سے منع کیا گیا ہے تو جب لونڈی پر جبر و اکراہ جائز نہیں تو آزاد عورت پر بھی نکاح کے سلسلے میں جبر و اکراہ جائز نہیں اور ترجمۃ الباب بھی یہی تھا کہ مجبور مکرہ عورت کا نکاح جائز نہیں ہے۔

❹ حدیث کی تشریح:۔ حضرت خنساء بنت خذام رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح حضرت انیس بن قتادہ رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا اور وہ جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے پھر ان کے والد نے انکا نکاح قبیلہ بنو عمرو کے کسی آدمی سے کر دیا تھا۔ حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کو یہ نکاح پسند نہ تھا اس وجہ سے وہ یہ شکایت لیکر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئیں۔ آپ ﷺ نے انکا یہ نکاح رد کر دیا اور اس سے فراغت کے بعد انکا نکاح حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا حاصل حدیث کا یہ ہوا کہ حضرت خنساء رضی اللہ عنہا ثیبہ تھیں اور ان کے والد نے ان کی رضامندی کے بغیر ان کا نکاح کیا تھا اس لئے آپ ﷺ نے اس نکاح کو رد کر دیا۔

## ﴿الورقة الرابعة: الصحيح للامام البخاري﴾

### ﴿السوال الاول﴾ ۱۴۲۹ھ

**الشق الاول**......باب، حدثنا أبو اليمان...... أن عبادة بن الصامت وكان شهد بدرًا وهو أحد النقباء ليلة العقبة: أن رسول الله ﷺ قال. وحوله عصابة من أصحابه: بايعوني على أن لاتشركوا بالله شيئا ولاتسرقوا ولاتزنوا ولاتقتلوا أولادكم ولاتأتوا ببهتان تفترونه بين أيديكم وأرجلكم ولاتعصوا في معروف، فمن وفى منكم فأجره على الله، ومن أصاب من ذلك شيئا فعوقب في الدنيا فهو كفّارة له، ومن أصاب من ذلك شيئا ثم ستره الله فهو الى الله. أن شاء عفا عنه وأن شاء عاقبه، فبايعناه على ذلك. (ص ۷، ج ۱، قدیمی)

ترجم الحديث و اشرحه كاملاً واشرح خاصة قوله: "ومن أصاب من ذلك شيئا فعوقب في الدنيا فهو كفّارة له". اذكر وجوه أيراد البخاري الأبواب بلا ترجمة. بين المراد من معروف في قوله ولاتعصوا في معروف.

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی تشریح (۳) ابواب کو بلا ترجمہ لانے کی وجوہ (۵) معروف کی مراد۔

**جواب**...... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ جو بدر کی لڑائی میں شریک تھے اور لیلۃ العقبہ کے نقیبوں میں سے تھے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس وقت جب آپ کے گرد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت موجود تھی، یہ فرمایا کہ مجھ سے بیعت کرو اس بات کی کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گے، چوری نہیں کرو گے، زنا نہیں کرو گے، اپنی نسل کشی نہ کرو گے اور نہ عمداً کوئی بہتان باندھو گے اور کسی اچھی بات میں (اللہ کی) نافرمانی نہ کرو گے، جو کوئی تم میں (اس عہد کو) پورا کرے گا تو اسکا اجر اللہ کے ذمے ہے اور جو کوئی ان (بری باتوں) میں سے کسی میں مبتلا ہو جائے اور اسے دنیا میں سزا دے دی گئی تو یہ سزا اسکے (گناہوں کے) لئے کفارہ ہو جائیگی اور جو کوئی ان میں سے کسی بات میں مبتلا ہو گیا اور اللہ نے اس (گناہ) کو چھپا لیا تو وہ (معاملہ) اللہ کے سپرد ہے۔ اگر چاہے معاف کر دے اور اگر چاہے سزا دے دے (حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ) پھر ہم سب نے ان (سب باتوں) پر آپ ﷺ سے بیعت کر لی۔

❷ حدیث کی تشریح:۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ جو کہ ایک بدری صحابی رضی اللہ عنہ ہیں اور بیعت عقبہ کے نقیب اور سرداروں میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم مجھ سے مندرجہ ذیل باتوں پر بیعت کرو۔

① اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذات وصفات میں کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ گے یعنی شرک فی الذات، شرک فی الافعال اور شرک فی العبادات میں سے کسی کا بھی ارتکاب نہ کرو گے کیونکہ تمام گناہ معاف ہو سکتے ہیں شرک کا گناہ معاف نہیں ہو سکتا ② چوری نہیں کرو گے یہ بھی گناہ کبیرہ ہے اور اس کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے ③ زنا نہیں کرو گے یہ بھی گناہ کبیرہ ہے۔ اگر مرتکب غیر محصن ہے تو اس کی سزا سو کوڑے ہے اور اگر مرتکب محصن ہے تو اس کی سزا رجم ہے ④ اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے یہ بھی گناہ کبیرہ ہے، عرب میں عار کی وجہ سے بچے اور بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے کہ ہم خود کہاں سے کھائیں گے اور انکو کہاں سے کھلائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ولاتقتلوا اولادکم خشية املاق نحن نرزقهم واياكم۔ آپ ﷺ نے عرب کے دستور کی وجہ سے لاتقتلوا اولادکم فرمایا ورنہ مطلق قتل حرام ہے خواہ صغیر ہو یا کبیر ہو اپنا ہو یا بیگانہ ہو ⑤ تم ایسا بہتان نہیں تراشو گے جس کو تم بذاتِ خود گھڑتے ہو اور بہتان وہ جھوٹ ہے جو سامع کو مبہوت اور پریشان کر کے رکھ دے ⑥ معروف چیز میں نافرمانی نہیں کرو گے، ابن الاثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ معروف کا لفظ تمام امور شرعیہ کو شامل ہے خواہ وہ فرائض ہوں یا مندوبات ہوں۔ اخلاق وآداب ہوں یا وہ امور ہوں

جن سے شریعت نے منع کیا ہے پس اس تشریح سے تمام امور اوامر و نواہی معروف کے تحت آ گئے۔

ان امور کو ذکر کرنے کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو شخص بھی ان باتوں کو پورا کرے گا اپنے عہد اور وعدوں کو پورا کرے گا اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہوگا، اور یہ وجوب حتمی نہیں ہے احسانی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مختار کل ہیں **لا یسئل عما یفعل وهم یسئلون** وہ ہر چیز کا سوال کر سکتا ہے مگر تم اس سے کسی بھی قسم کا سوال و پوچھ گچھ نہیں کر سکتے۔ البتہ جب اللہ تعالیٰ نے وعدہ کر لیا ہے تو اس کا پورا ہونا یقینی ہے۔ اگر تم میں سے کوئی ان گناہوں میں سے کسی کا ارتکاب کرے اور اس کو اس دنیا میں ہی سزا دی جائے تو یہ سزا اس کے لئے کفارہ ہو جائے گی اور اگر کوئی ان گناہوں میں سے کسی کا ارتکاب کرے اور پھر اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرما دیں یعنی دنیا میں اس پر حد جاری نہ ہو اور اس کو سزا نہ دی جائے تو پھر اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو اس کو معاف کر دیں گے اور اگر چاہیں گے تو اس کو آخرت میں سزا دیں گے۔

راوی حدیث حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ ﷺ سے ان امور پر بیعت کر لی کہ ہم انکو پورا کریں گے۔

(۳) <u>ابواب بلاترجمہ لانے کی وجوہ:</u>۔ علماء نے اسکے متعدد مقاصد بیان کئے ہیں (۱) عند البعض امام بخاری رحمہ اللہ کو سہو ہو گیا ہے (۲) عند البعض کاتب کو سہو ہوا ہے کہ اس سے ترجمۃ الباب سہواً چھوٹ گیا ہے (۳) عند البعض راوی کا تصرف ہے (۴) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مصنف نے قصداً جگہ چھوڑی تھی بعد میں ترجمہ قائم کرنے کا ارادہ تھا مگر بعد میں موقعہ نہ ملا (۵) عام شراح کرام کہتے ہیں یہ باب سابق کی فصل ہے اور اسی سے مربوط ہے (۶) حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ بعض جگہ تشحیذ اذہان کیلئے ترجمہ حذف کرتے ہیں کہ طلباء کی طبیعت تیز کرتے ہیں اور ذہن میں جلا پیدا کرتے ہیں کہ تم خود غور کر کے ترجمۃ الباب قائم کرو جو تکرار بھی نہ ہو اور مقام کے مناسب بھی ہو (۷) حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کبھی امام بخاری رحمہ اللہ تکثیرِ فوائد کی غرض سے ترجمہ ترک کر دیتے ہیں کہ مذکورہ روایت کی مناسبت سے اس پر متعدد تراجم قائم کئے جا سکتے ہیں (۸) بعض اوقات ابواب سابقہ پر کوئی اشکال ہوتا ہے امام بخاری رحمہ اللہ باب بلاترجمہ لا کر ایسی روایت ذکر کرتے ہیں جس سے وہ اشکال ختم ہو جاتا ہے (۹) شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ "باب" کا لفظ محدثین کے قول "ح" کی جگہ استعمال کرتے ہیں (۱۰) امام بخاری رحمہ اللہ رجوع الی الاصل کے لئے باب بلاترجمہ لاتے ہیں یعنی امام بخاری رحمہ اللہ ایک باب منعقد کرتے ہیں پھر اس کے بعد کچھ تراجم اور ابواب ضمناً اور تبعاً ذکر کرتے ہیں پھر اصل باب کی طرف عود کے لئے باب بلاترجمہ لاتے ہیں۔ **تلك عشرة كاملة.**

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے اس کی مختلف وجوہ بیان کی ہیں۔ (۱) یہ باب سابق باب کی فصل کے طور پر ہے اس طور کہ باب سابق میں جو بات حدیث جبرائیل علیہ السلام سے ثابت ہوئی تھی اب اس کو ہرقل کے قول سے ثابت کر رہے ہیں (۲) اصل میں باب خوف المؤمن الخ میں امام بخاری رحمہ اللہ نے متنبہ کیا تھا کہ نفاق اور حبط اعمال سے ڈرتے رہنا چاہیے ایمان کے سلسلہ میں اپنے آپ کو مامون سمجھنا بھی علامت نفاق میں سے ہے اب اس باب میں تسلی دے رہے ہیں کہ نفاق کا خطرہ بھی ہر شخص کے لئے نہیں ہوتا، جس شخص کے دل و دماغ میں ایمان رچ بس جائے اور قلب میں سرایت کر جائے وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا اور باذن اللہ وہ ارتداد سے محفوظ رہتا ہے صراحتاً اس کو ذکر نہیں کیا بلکہ باب بلاترجمہ لا کر اس کی طرف اشارہ کر دیا (۳) باب کو بلاترجمہ لا کر تشحیذ اذہان مقصود ہے کہ تمرین کے لئے ترجمہ حذف کر دیا ہے۔ (کشف الباری ج۲ ص ۳۳۲)

(۴) <u>معروف کی مراد:</u>۔ (۱) معروف وہ چیز جس کا حسن شارع کی طرف سے معلوم ہو خواہ وہ فعلی امر ہو یا از قبیل نہی ہو۔ (۲) معروف بمعنی مشہور ہے یعنی شارع سے اس فعل کا کرنا ثابت اور مشہور ہو (۳) اس سے مراد طاعات ہیں (۴) اس سے مراد واجب اور آنقوی ہے (۵) اس

سے ہر وہ چیز مراد ہے جس سے شارع کی طرف سے نہی وارد ہوئی ہو ⑨ صاحب نہایہ فرماتے ہیں کہ معروف ایک کلمہ جامع ہے جو تمام امور شرعیہ کو شامل ہے خواہ وہ فرائض ہوں یا مندوبات، اخلاق و آداب ہوں یا وہ امور جن سے شریعت مطہرہ میں منع کیا گیا ہو۔ (ایضاً ص۹)

**الشق الثانی** ...... باب فَضْلِ مَنْ عَلِمَ وَعَلَّمَ. عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَثَلُ مَا بَعَثَنِي اللّٰهُ بِهِ مِنَ الْهُدَى وَالْعِلْمِ كَمَثَلِ الْغَيْثِ الْكَثِيرِ أَصَابَ أَرْضًا فَكَانَ مِنْهَا نَقِيَّةٌ قَبِلَتِ الْمَاءَ فَأَنْبَتَتِ الْكَلَأَ وَالْعُشْبَ الْكَثِيرَ وَكَانَتْ مِنْهَا أَجَادِبُ أَمْسَكَتِ الْمَاءَ فَنَفَعَ اللّٰهُ بِهَا النَّاسَ فَشَرِبُوا وَسَقَوْا وَزَرَعُوا وَأَصَابَتْ مِنْهَا طَائِفَةً أُخْرَى، إِنَّمَا هِيَ قِيعَانٌ لَا تُمْسِكُ مَاءً وَلَا تُنْبِتُ كَلَأً فَذَٰلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقُهَ فِي دِينِ اللّٰهِ وَنَفَعَهُ مَا بَعَثَنِي اللّٰهُ بِهِ فَعَلِمَ وَعَلَّمَ وَمَثَلُ مَنْ لَمْ يَرْفَعْ بِذٰلِكَ رَأْسًا وَلَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللّٰهِ الَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ: قَالَ إِسْحَاقُ: وَكَانَ مِنْهَا طَائِفَةٌ قَيَّلَتِ الْمَاءَ قَاعٌ يَعْلُوهُ الْمَاءُ. وَالصَّفْصَفُ: الْمُسْتَوِي مِنَ الْأَرْضِ. (ص۱۸۔ج۱۔قدیمی)

اضبط الحديث ثم ترجمه. اشرح الحديث واذكر وجوه التطبيق بين المثال والممثل له. من هو أبو عبدالله ومن هو أسحاق؟ واشرح ما قاله اسحاق. لماذا ذكر البخاري القاع والصفصف في هذا المقام؟ اذكر غرض الباب.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل آٹھ امور ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) حدیث کی تشریح (۴) مثال و ممثل لہ میں تطبیق (۵) ابوعبداللہ اور اسحٰق کا تعارف (۶) قول اسحٰق کی تشریح (۷) القاع، الصفصف کو ذکر کرنے کی وجہ (۸) باب کی غرض۔

**جواب** ...... ① **حدیث پر اعراب:۔** کمامرّ فی السوال آنفاً۔

② **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت اور علم کی باتیں دیکر مجھے بھیجا ان کی مثال زوردار بارش کی ہے جو زمین پر برسے، پس کچھ حصہ زمین کا عمدہ تھا جس نے پانی کو چوس لیا اور پھر اس نے گھاس اور سبزہ خوب اگایا اور کچھ حصہ سخت (پتھریلا) تھا کہ اس نے پانی جذب کیا اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ لوگوں کو نفع دیا کہ انہوں نے خود پیا اور جانوروں کو پلایا اور کاشتکاری کی اور یہ بارش زمین کے ایک ایسے ٹکڑے پر بھی برسی جو صاف چٹیل تھا، نہ اس نے پانی کو جذب کیا اور نہ ہی گھاس اگایا، پس یہ اس شخص کی مثال ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے دین میں سمجھ پیدا کی اور اللہ تعالیٰ نے جو مجھے دیکر بھیجا ہے اس سے اس کو فائدہ پہنچایا پس اس نے خود بھی سیکھا اور دوسروں کو بھی سکھایا اور اس شخص کی مثال ہے جس نے اس علم کی طرف سر اٹھا کر توجہ بھی نہیں کی اور نہ اللہ تعالیٰ کی اس ہدایت کو قبول کیا جس کو میں لیکر آیا ہوں۔

③ **حدیث کی تشریح:۔** اس حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ علم دین سیکھنے اور سکھانے والے کی فضیلت کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھا رہے ہیں کہ علم دین کی مثال بارش کی ہے کہ بارش زمین کے ہر حصہ پر برستی ہے مگر اس سے نفع حاصل کرنے میں زمین کی مختلف اقسام ہیں ایک قسم زمین کی وہ ہے جو پانی کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے پھر اس سے سبزہ گھاس وغیرہ اگتا ہے اور لوگ انکو استعمال کرتے ہیں۔

زمین کی دوسری قسم وہ ہے جو سخت اور پتھریلی ہوتی ہے پانی اس کے اوپر جمع ہو جاتا ہے پھر لوگ اسے خود بھی استعمال کرتے ہیں اور جانوروں کو بھی پلاتے ہیں اور اس کے ذریعہ کاشتکاری بھی کرتے ہیں۔

زمین کی تیسری قسم وہ ہے جو چٹیل اور صاف ہوتی ہے جو نہ پانی کو اپنے اندر جذب کر کے کھیتیاں اور سبزہ وغیرہ اگاتی ہے اور نہ پانی کو جمع کر کے لوگوں کو نفع پہنچاتی ہے گویا اس پر بارش کا برسنا بیکار اور فضول جاتا ہے۔

بعینہٖ اسی طرح علم دین اور ہدایت کی مثال ہے کہ یہ بھی تمام لوگوں کے لئے ہے مگر ایک شخص وہ ہے جس نے دین میں سمجھ پیدا کی علم دین کو خود بھی سیکھا اور دوسروں کو بھی سکھایا خود بھی علم دین سے فائدہ حاصل کیا اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچایا۔

دوسرا شخص وہ ہے جس نے علم دین کی طرف سر اٹھا کر بھی نہ دیکھا گویا علم دین کی طرف بالکل توجہ نہ کی نہ خود علم دین سیکھا اور نہ دوسروں کو سکھایا نہ خود علم دین سے فائدہ حاصل کیا اور نہ دوسروں کو فائدہ پہنچایا۔

④ **مثال و ممثل لہ میں تطبیق:۔** علماء نے تطبیق کی مختلف توجیہات بیان کی ہیں۔

۱..... جس طرح مثال یعنی زمین کی تین اقسام ہیں ① وہ زمین جس نے پانی کو قبول کیا اور پھر گھاس سبزہ اگایا ② وہ زمین جس نے پانی کو روکا اور لوگوں نے اس پانی سے نفع حاصل کیا ③ وہ زمین جس نے نہ پانی کو روکا اور نہ گھاس وغیرہ اگایا۔

بعینہ اسی طرح ممثل لہ یعنی لوگوں کی بھی تین اقسام ہیں ① وہ شخص جس نے دین میں سمجھ بوجھ پیدا کی ② وہ شخص جس نے دین سے نفع حاصل کیا یعنی خود بھی علم دین سیکھا اور دوسروں کو بھی سکھایا ③ وہ شخص جس نے دین اور ہدایت کی طرف بالکل توجہ نہ کی، نہ خود علم سے فائدہ حاصل کیا اور نہ دوسروں کو فائدہ پہنچایا۔

۲..... مثال اور ممثل لہ دونوں کی دو اقسام ہیں بایں طور کہ زمین کی دو اقسام ہیں۔ ① نافع: جو خود بھی پانی سے نفع حاصل کرے اور لوگوں کو بھی فائدہ پہنچائے ② غیر نافع: جو نہ خود پانی سے نفع حاصل کرے اور نہ لوگوں کو فائدہ و نفع پہنچائے۔

بعینہ اسی طرح ممثل لہ یعنی لوگوں کی بھی دو اقسام ہیں۔ ① نافع: وہ شخص جس نے دین میں سمجھ بوجھ پیدا کی خود بھی علم دین کو سیکھا اور نفع حاصل کیا اور دوسروں کو بھی علم دین سکھایا اور نفع پہنچایا ② غیر نافع: وہ شخص جس نے علم دین کی طرف بالکل توجہ نہ کی، نہ خود نفع حاصل کیا اور نہ دوسروں کو نفع پہنچایا (کشف الباری ج۳ ص۴۲۵)

⑤ **ابو عبد اللہ اور اسحٰق کا تعارف:۔** ابو عبد اللہ سے مراد صاحب کتاب یعنی محمد بن اسماعیل البخاری (امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ) ہیں۔

جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بغیر نسبت کے اسحٰق کو ذکر کریں تو اس سے مراد ان کے حنفی المسلک استاذ اسحٰق بن ابراہیم ہوتے ہیں ان کی کنیت ابو یعقوب ہے اور یہ ابن راہویہ کے نام سے مشہور و معروف ہیں۔ (ایضاً ج۳ ص۴۲۸)

⑥ **قول اسحٰق کی تشریح:۔** اس جملہ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاذ اسحٰق بن راہویہ کے الفاظ کو ذکر کیا ہے کہ دیگر رواۃ نے **قبلت الماء** کا لفظ ذکر کیا ہے جبکہ اسحٰق بن راہویہ نے **قیلت (بالیاء)** کا لفظ ذکر کیا ہے۔ اور اس کا معنی **شربت** (پیا) ہے اگرچہ بعض حضرات نے **قیلت** (بالیاء) کو تصحیف کہا ہے۔

نیز بقیہ رواۃ نے **نقیۃ** کا لفظ ذکر کیا ہے جبکہ اسحٰق بن راہویہ نے **طائفۃ** کا لفظ ذکر کیا ہے۔ (ایضاً ج۳ ص۴۳۲)

⑦ **القاع الخ، الصفصف الخ کو ذکر کرنے کی وجہ:۔** ان الفاظ کو ذکر کرنے سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض قاع اور **صفصف** کی تفسیر بیان کرنا ہے۔ روایت میں **قیعان** کا لفظ **قاع** کی جمع ہے بمعنی وہ زمین جس پر پانی چڑھتا ہو اور گزر جائے اور **صفصف** ہموار زمین کو کہتے ہیں۔ سوال ہوتا ہے کہ **قیعان** کا لفظ تو روایت میں موجود ہے مگر **صفصف** کا لفظ روایت میں کہیں بھی نہیں ہے پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر کیسے ذکر فرمائی؟ جواب کا حاصل یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے قرآن کریم کے الفاظ کی بھی تشریح کر دیتے ہیں اور چونکہ قرآن کریم میں **قاع** کے لفظ کے ساتھ **صفصف** کا لفظ بھی آیت کریمہ **فیذرھا قاعا صفصفا** میں موجود تھا اس لئے اس کی بھی تشریح کر دی۔ (ایضاً ج۳ ص۴۳۲)

⑧ **باب کی غرض:۔** اس باب سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض **علم و معلم** یعنی سیکھنے اور سکھانے والے شخص کی فضیلت کو بیان کرنا ہے اور یہ فضیلت صرف اس شخص کے لئے ہے جو ان دونوں اوصاف کا مجموعہ ہو۔

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۲۹ھ

**الشق الاول** ......حَدَّثَنِي أَنَسٌ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ خَالَهُ أَخًا لِأُمِّ سُلَيْمٍ فِي سَبْعِينَ رَاكِبًا وَكَانَ رَئِيسَ الْمُشْرِكِينَ عَامِرُ بْنُ الطُّفَيْلِ خَيَّرَ بَيْنَ ثَلَاثِ خِصَالٍ فَقَالَ: يَكُونُ لَكَ أَهْلُ السَّهْلِ وَلِيَ أَهْلُ الْمَدَرِ أَوْ أَكُونُ خَلِيفَتَكَ أَوْ أَغْزُوكَ بِأَهْلِ غَطَفَانَ بِأَلْفٍ وَأَلْفٍ فَطُعِنَ عَامِرٌ فِي بَيْتِ أُمِّ فُلَانٍ فَقَالَ: غُدَّةٌ كَغُدَّةِ الْبَكْرِ فِي بَيْتِ امْرَأَةٍ مِنْ آلِ فُلَانٍ اِئْتُونِي بِفَرَسِي فَمَاتَ عَلَى ظَهْرِ فَرَسِهِ فَانْطَلَقَ حَرَامٌ أَخُو أُمِّ سُلَيْمٍ وَ هُوَ رَجُلٌ أَعْرَجُ وَرَجُلٌ مِنْ بَنِي فُلَانٍ قَالَ: كُونَا قَرِيبًا......(ص۵۸۶۔ ج۲۔ قدیمی)

اضبط الحديث بالشكل وترجمه ترجمة واضحة سلسة . ما اسم هذا الخال؟ وبأى غزوة يتعلق هذا الحديث؟ اشرح الحديث شرحًا مبسوطًا واذكر متى وقعت هذه الغزوة؟ واذكر قصة هذه الغزوة بإيجاز.

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں پانچ امور مطلوب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) خال کا نام اور غزوہ کی تعیین (۴) حدیث کی تشریح (۵) غزوہ کا سن اور قصہ۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث پر اعراب:** کمامرّ فی السوال آنفا۔

❷ **حدیث کا ترجمہ:** حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ان کے ماموں ام سلیم رضی اللہ عنہا (انس رضی اللہ عنہ کی والدہ) کے بھائی (حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ) کو بھی رسول اللہ ﷺ نے ان ستر سواروں کے ساتھ بھیجا تھا، اس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ رئیس المشرکین عامر بن طفیل نے حضور اکرم ﷺ کے سامنے تین صورتیں رکھی تھیں، اس نے کہا کہ یا تو یہ کیجئے کہ دیہاتی آبادی پر آپ کی حکومت رہے اور شہری آبادی پر میری یا مجھے آپ کا جانشین منتخب کیا جائے ورنہ پھر میں ہزاروں غطفانیوں کو لے کر آپ پر چڑھائی کروں گا (اس پر آنحضرت ﷺ نے اس کیلئے بددعا کی) اور ام فلاں کے گھر میں وہ طاعون میں مبتلا ہوا۔ کہنے لگا کہ آل فلاں کی عورت کے گھر کے جوان اونٹ کی طرح مجھے بھی غدود نکل آیا ہے، میرا گھوڑا لاؤ چنانچہ وہ اپنے گھوڑے کی پشت پر ہی مر گیا، بہرحال ام سلیم رضی اللہ عنہا کے بھائی حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ ایک اور صحابی جو لنگڑے تھے اور ایک تیسرے صحابی جن کا تعلق بنی فلاں سے تھا آگے بڑھے، حرام رضی اللہ عنہ نے (اپنے دونوں ساتھیوں سے جو عامر تک پہنچنے سے پہلے ہی) کہہ دیا کہ آپ دونوں میرے قریب ہی کہیں رہیے۔

❸ **خال کا نام اور غزوہ کی تعیین:** حضرت انس رضی اللہ عنہ کے خال (ماموں) کا نام حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ ہے اور اس روایت میں غزوۂ بئر معونہ کا ذکر ہے۔

❹ **حدیث کی تشریح:** حدیث کی تشریح غزوہ کے قصے سے واضح ہو جائے گی درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر عامر بن طفیل کا قصہ بیان کیا گیا ہے کیونکہ بئر معونہ کے قراء کا اصل قاتل عامر بن طفیل ہی تھا۔

عامر بن طفیل کا قصہ یہ ہے کہ یہ مدینہ منورہ آیا تھا اور اس نے آپ ﷺ کو تین باتوں کا اختیار دیا تھا۔ ① دیہاتوں پر آپ ﷺ کی حکومت ہوگی اور شہروں پر میری حکومت ہوگی ② آپ ﷺ کے بعد آپ کا جانشین میں ہوں گا ③ اگر ان دونوں باتوں میں سے کوئی منظور نہیں تو پھر جنگ کیلئے تیار رہو میں غطفان کے ہزاروں لوگوں کو لیکر آپ ﷺ سے جنگ کروں گا۔

اس کے بعد عامر بن طفیل آل سلول کی ایک عورت کے گھر میں طاعون کی بیماری میں مبتلا ہو گیا اور جیسے جوان اونٹ کے بدن میں غدود نکل آتا ہے اس کے جسم میں بھی ایسا ہی پھوڑا نکلا اور جب وہ مرنے کے قریب ہوا تو اس نے کہا کہ میرا گھوڑا لاؤ میں بستر پر نہیں مروں گا چنانچہ گھوڑے کی پشت پر سوار ہو کر اس کی موت واقع ہوئی۔ (کشف الباری مغازی ص ۲۶۵)

❺ **غزوہ کا سن اور قصہ:** غزوۂ بئر معونہ کا واقعہ صفر ۴ھ میں اس طرح پیش آیا کہ قبیلۂ بنو عامر کا سردار عامر بن مالک حضور اقدس ﷺ

کی خدمت میں حاضر ہوا، ساتھ ہدیہ بھی لایا، حضور اکرم ﷺ نے اس کو اسلام کی دعوت دی اس نے نہ تو اسلام قبول کیا اور نہ انکار کیا بلکہ یہ درخواست کی کہ آپ اپنے آدمی ہمارے قبیلے کی طرف اسلام کی دعوت کی غرض سے بھیجئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا مجھ کو اہل نجد سے ڈر ہے کہ وہ ہمارے اصحاب کو نقصان پہنچائیں گے، عامر بن مالک نے جس کی کنیت "ابو براء" ہے کہا کہ میں آپ کے اصحاب کو پناہ میں لیتا ہوں، چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے اس کی فرمائش پر ستر قراء کو بھیجنے کا فیصلہ فرمایا، بخاری کتاب الجہاد کی روایت میں یہ بھی ہے کہ قبیلۂ رعل وذکوان کے لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے انہوں نے اپنے اسلام کا اظہار کر کے حضور اکرم ﷺ سے درخواست کی تھی کہ ہمارے دشمنوں کے مقابلے میں ہمیں مدد بھیجئے، ان کی مدد کی غرض سے آپ ﷺ نے ان ستر صحابہ ؓ کی جماعت کو روانہ فرمایا تھا۔ لیکن دونوں باتیں جمع ہو سکتی ہیں کہ عامر بن مالک نے جو درخواست کی تھی اس کی خواہش کو بھی پورا کرنا تھا اور قبیلۂ رعل وذکوان کی امداد بھی مقصود تھی۔

چنانچہ یہ حضرات روانہ ہوئے، ان کا امیر آپ نے حضرت منذر بن عمرو ساعدی ؓ کو مقرر فرمایا اور حضرت حرام بن ملحان ؓ کو آپ ﷺ نے ایک خط جو عامر کے سردار عامر بن طفیل کے نام ہو دیا، یہ عامر بن طفیل عامر بن مالک کا بھتیجا تھا، حضرت حرام ؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں پہنچے، اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم پیچھے رہو، میں عامر بن طفیل کو خط دیتا ہوں، اگر مجھے اس نے امن دیا تو تم یہیں رہنا اور اگر مجھے قتل کر دیا تو تم باقی ساتھیوں کے پاس چلے جانا، چنانچہ حضرت حرام ؓ کو شہید کر دیا گیا اور بنی عامر کو باقی صحابہ ؓ کے قتل پر ابھارا، عامر بن طفیل کے چچا عامر بن مالک نے کہا میں نے ان حضرات کو امن دیا ہے لہٰذا ان کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے مگر عامر بن طفیل نے چچا کی بات نہ مانی تاہم [illegible] کہا کہ جب ان کو امن دیا گیا ہے پھر غداری اور عہد شکنی نہیں ہونی چاہیے، جب بنو عامر نے عامر بن طفیل کی بات نہیں مانی تو عامر نے رعل اور ذکوان سے مدد طلب کی، رعل اور ذکوان نے باوجود اسکے کہ حضور اکرم ﷺ سے صحابہ کو بھیجنے کی درخواست کی تھی، عہد شکنی کی اور عامر بن طفیل کے ساتھ مل کر صحابہ کرام کو شہید کیا۔

صرف تین صحابہ بچے، ایک حضرت کعب بن زید انصاری ؓ تھے، ان کے بارے میں یہ سمجھا گیا کہ یہ فوت ہو چکے ہیں حالانکہ وہ زندہ تھے، حضرت کعب بن زید ؓ بعد میں غزوۂ خندق کے موقع پر شہید ہوئے ہیں۔ دوسرے دو صحابہ میں ایک منذر بن محمد ؓ تھے اور ایک عمرو بن امیہ ضمری ؓ تھے، یہ دونوں مویشی چرانے جنگل گئے ہوئے تھے، اچانک انہیں آسمان میں پرندے اڑتے نظر آئے، پرندوں کو دیکھ کر یہ دونوں گھبرا گئے اور کہا کہ کوئی حادثہ ضرور پیش آیا ہے، جب قریب گئے تو دیکھا کہ تمام صحابہ شہید ہو گئے ہیں، دونوں نے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے، عمرو بن امیہ ؓ نے کہا کہ مدینہ چلیں اور رسول اللہ ﷺ کو خبر دیں، لیکن منذر بن محمد ؓ نے کہا، جہاں منذر بن عمرو (امیر جماعت) شہید کئے گئے وہاں سے میں کیوں بھاگوں؟ آگے بڑھے اور کفار سے لڑ کر جام شہادت نوش فرمایا، عمرو بن امیہ کو لوگوں نے زندہ گرفتار کیا اور عامر بن طفیل کے حوالے کیا، عامر نے انکے سر کے بال کاٹے اور یہ کہہ کر ان کو آزاد کر دیا کہ میری والدہ نے ایک غلام آزاد کرنے کی نذر مانی تھی یہ انکی طرف سے آزاد ہے۔

جب حضور اکرم ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ ایک ماہ تک رعل وذکوان کے خلاف قنوت نازلہ میں بددعا کرتے رہے، اس حادثے سے آپ ﷺ کو اس قدر صدمہ پہنچا کہ زندگی بھر اتنا صدمہ نہیں ہوا تھا۔ (کشف الباری مغازی ص ۲۶)

**الشق الثاني** ......باب تزويج اليتيمة لقوله: "وإن خفتم ألا تقسطوا في اليتامى فانكحوا" وإذا قال للولي: زوجني فلانة، فمكث ساعة، أو قال: ما معك؟ فقال: معي كذا وكذا، أو لبثا ثم قال: زوجتكها فهو جائز، فيه سهل عن النبي ﷺ. (ص ۷۷۰ ج ۲ قدیمی) ترجم العبارة و اذكر غرض البخاري من ترجمة الباب. اشرح ترجمة الباب واذكر مذاهب العلماء ودلائلهم على الأحكام التي أشار إليها المؤلف

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) ترجمۃ الباب کی غرض (۳) ترجمۃ الباب کی تشریح (۴) ولی کے یتیم بچی کے نکاح کرنے اور ایجاب وقبول کے درمیان فصل میں اختلاف۔

**جواب** ...... ❶ عبارت کا ترجمہ:۔ یہ باب یتیمہ کے نکاح کرانے کے بیان میں ہے، اللہ تعالیٰ کے قول **وان خفتم الا تقسطوا فی الیتامٰی فانکحوا** کی روشنی میں: جب کسی نے ولی سے کہا کہ میرا نکاح فلاں عورت سے کر دے، پس وہ کچھ دیر ٹھہرا رہا یا اس نے کہا کہ تیرے پاس کیا چیز ہے؟ اس نے کہا کہ میرے پاس فلاں فلاں چیز ہے یا وہ دونوں ٹھہرے رہے پھر ولی نے کہا کہ میں نے تیرا نکاح اس سے کر دیا تو یہ جائز ہے، اس میں آنحضرت ﷺ سے حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی حدیث مروی ہے۔

❷ ترجمۃ الباب کی غرض:۔ اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتا رہے ہیں کہ یتیم بچی کا نکاح بھی کیا جا سکتا ہے گویا ولی یتیمہ کا نکاح کر سکتا ہے۔

❸ ترجمۃ الباب کی تشریح:۔ اس ترجمۃ الباب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے دو احکام کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ① ولی یتیم بچی کا نکاح کر سکتا ہے۔ ② اگر ایک ہی مجلس میں ایجاب وقبول ہو تو اگرچہ اس کے درمیان فاصلہ بھی آ جائے تب بھی اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (**سیجیئ تفصیله**)۔

❹ ولی کے یتیم بچی کے نکاح کرنے اور ایجاب وقبول کے درمیان فصل میں اختلاف:۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ یتیم لڑکی کا نکاح کرنا درست ہے یا نہیں ہے، امام مالک و امام شافعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ بلوغ سے قبل یتیم بچی کا نکاح جائز نہیں ہے۔

امام احمد اور امام اسحٰق رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جب اس کی عمر نو سال ہو جائے تو پھر اس کی رضامندی سے اس کا نکاح کرایا جا سکتا ہے اور پھر بالغ ہونے کے بعد اس کو فسخ کا اختیار نہ ہوگا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر وہ یتیم بچی صغیرہ ہے تو اس پر دادا کو حق اجبار حاصل ہے اگر کوئی دوسرا شخص اس کا نکاح کرے گا تو اس کا نکاح صحیح ہوگا مگر بعد البلوغ اس کو فسخ کا اختیار حاصل ہوگا البتہ اگر وہ بالغہ ہے تو اس پر کسی کو بھی حق اجبار حاصل نہیں ہے کیونکہ بعد البلوغ وہ یتیم نہیں ہے **لا یتیم بعد البلوغ**۔

امام بخاری رحمہ اللہ اس مسئلہ میں امام احمد رحمہ اللہ کے ساتھ متفق ہیں کیونکہ آگے **واذا قال للولی زوجنی فلانة الخ** سے اسی کی طرف اشارہ ہے کہ اگر ولی نے یتیم بچی کا نکاح کر دیا تو یہ صحیح ہے۔

دوسرا مسئلہ ایجاب وقبول کے درمیان فصل کا ہے کہ ایجاب وقبول میں فصل معتبر ہے یا نہیں ہے؟

اس مسئلہ میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے کہ ایجاب کے فوراً بعد قبول کرنا ضروری ہے یا نہیں: حضرات مالکیہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ فوراً قبول کرنا چاہیے تاخیر کر کے قبول کرنا معتبر نہیں ہے۔ حضرات شوافع رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ فصل یسیر یعنی ایجاب وقبول میں معمولی فاصلہ ہو تو معتبر نہیں ہے البتہ زیادہ فاصلہ معتبر ہوگا اور قبول کرنا معتبر نہ ہوگا۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک اگر مجلس کے اندر قبول ہو تو صحیح ہے اور اگر مجلس مختلف ہو گئی تو پھر قبول کرنا معتبر نہ ہوگا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ کے مسلک کی طرف معلوم ہوتا ہے اور اس عبارت میں بھی اسی کا ذکر ہے کہ جب مرد نے ولی سے کہا کہ میرا فلاں عورت سے نکاح کر دے تو اس کے بعد ولی تھوڑی دیر خاموش رہا یا ولی نے مرد سے مال اور مہر وغیرہ کے متعلق سوالات شروع کر دیئے کہ تیرے پاس کیا کچھ ہے؟ یا ویسے وہ دونوں کچھ دیر ٹھہرے رہے پھر ولی نے کہا کہ میں نے تیرا نکاح اس عورت سے کر دیا تو یہ نکاح جائز ہے اور اس کے جائز ہونے کے بارے میں حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث وارد ہے جس میں واہبہ کا قصہ مذکور ہے کہ ایک ہی مجلس میں ایجاب وقبول سے نکاح منعقد ہو گیا تھا حالانکہ ایجاب وقبول کے درمیان فاصلہ تھا۔ (کشف الباری کتاب النکاح ص ۲۵۵)

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۲۹ھ

**الشق الاول** ......باب ذبيحة الأعراب ونحوهم. حدثنا محمد بن عبيدالله، حدثنا أسامة بن حفص المدنى، عن هشام بن عروة عن أبيه، عن عائشة رضي الله عنها، أن قومًا قالوا للنبي ﷺ: أن قوما يأتوننا باللحم، لاندرى أذكر اسم الله عليه أم لا؟ فقال: سموا عليه أنتم وكلوه. قالت: وكانوا حديثى عهد بالكفر تابعه على عن الدراوردى، وتابعه أبو خالد والطفاوى. (ص۸۲۹-ج۲-قدیمی)

وضّح غرض الترجمة. اذكر حكم التسمية على الذبيحة عند العلماء مع أدلتهم. اشرح قوله: سموا عليه أنتم وكلوه. واذكر هل تجزئ تسمية الآكل دون الذابح؟ اشرح قوله: تابعه......وتابعه...... واذكر سبب أيراد هذه المتابعة.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) بوقت ذبح تسمیہ کا حکم مع الدلائل (۳) مذکورہ جملہ کا مطلب (۴) متابعت کی تشریح اور سبب۔

**جواب** ...... ❶ ترجمۃ الباب کی غرض:۔ اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری ﷫ کی غرض یہ ہے کہ اگر کوئی اعرابی اور دیہاتی آدمی جانور ذبح کرنا چاہے تو اس کا ذبیحہ درست ہے اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ (کشف الباری کتاب الذبائح ص ۲۶۲)

❷ بوقت ذبح تسمیہ کا حکم مع الدلائل:۔ جانور کو ذبح کرتے وقت تسمیہ (بسم اللہ پڑھنا) چھوڑنے میں اختلاف ہے۔

احناف و مالکیہ کے نزدیک عمداً بسم اللہ چھوڑنے سے ذبیحہ اور شکار حلال نہ ہوگا البتہ اگر نسیاناً تسمیہ ترک ہو گیا تو ذبیحہ اور شکار حلال ہوگا۔

امام احمد ﷫ کا ذبیحہ میں یہی مسلک ہے البتہ شکار میں ان کے نزدیک عمد و نسیان دونوں حالتوں میں تسمیہ شرط ہے۔

امام شافعی ﷫ کے نزدیک ذبیحہ اور شکار دونوں پر تسمیہ مسنون ہے۔ واجب نہیں ہے لہٰذا ترک تسمیہ کی وجہ سے شکار اور ذبیحہ حرام نہ ہوگا۔ البتہ اگر اس نے تسمیہ کو غیر اہم سمجھ کر چھوڑ دیا یا ترک تسمیہ کا معمول بنا لیا تو ایسی صورت میں ان کے نزدیک بھی ذبیحہ حلال نہ ہوگا۔

جمہور کی دلیل ① آیت کریمہ ولاتاكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه۔ ② آیت کریمہ واذكروا اسم الله عليه۔

③ حضرت ابو ثعلبہ ﷛ کی روایت ہے وماصدت بقوسك فذكرت اسم الله فكل وماصدت بكلبك المعلم فذكرت اسم الله فكل۔ اور ترک تسمیہ نسیاناً میں ان احادیث کی وجہ سے ذبیحہ حرام نہ ہوگا ذبيحة المسلم حلال سمى اولم يسم مالم يتعمد والصيد كذلك نیز المسلم يكفيه اسمه فان نسى ان يسمى حين يذبح فليسم وليذكر اسم الله عليه ثم ليأكل۔ امام شافعی ﷫ کی دلیل آیت کریمہ حرمت عليكم الميتة الخ الا ماذكيتم ہے اس میں تذکیہ کا ذکر ہے اور تسمیہ کی شرط نہیں ہے اور تذکیہ لغت میں فتح و شق کو کہتے ہیں معلوم ہوا کہ تسمیہ شرط نہیں ہے۔

جمہور فرماتے ہیں کہ تذکیہ سے شرعی تذکیہ مراد ہے جس میں تسمیہ شرط ہے لغوی تذکیہ مراد نہیں کیونکہ درندہ کا مارا ہوا شکار ذبح کرنے سے بالاتفاق حلال نہیں ہے حالانکہ تذکیہ لغوی پایا گیا ہے معلوم ہوا کہ الاماذکیتم میں تذکیہ شرعی مراد ہے جس میں تسمیہ شرط ہے۔

دوسری دلیل حضرت عائشہ ﷞ کی روایت ہے ان قوما قالوا للنبى ﷺ ان قوما يأتوننا بلحم لاندرى أذكر اسم الله عليه ام لا؟ فقال سمّوا عليه انتم وكلوه، قالت وكانوا حديثى عهد بالكفر یعنی ہمارے پاس کچھ نو مسلم گوشت لاتے ہیں، معلوم نہیں کہ ان پر بوقت ذبح بسم اللہ پڑھی گئی ہے یا نہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم بسم اللہ پڑھو اور کھاؤ، معلوم ہوا کہ بوقت ذبح و شکار تسمیہ شرط نہیں ہے۔ جمہور فرماتے ہیں کہ یہ حدیث امام شافعی ﷫ کا مستدل ہونے میں صریح نہیں ہے کیونکہ اس میں یہ کہا گیا ہے کہ اس پر بسم اللہ پڑھو اور کھاؤ مقصد یہ کہ جب مسلمان گوشت لایا ہے تو اس کے بارے میں خواہ مخواہ

بدگمانی کا شکار نہیں ہونا چاہیے، حسن ظن سے کام لینا چاہیے، جب تک صراحتاً کسی شئے کا علم نہ ہو جائے بدگمانی نہیں کرنی چاہیے۔

نیز دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ ابتدا ءِ اسلام کا واقعہ ہے چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ نے اس حدیث کے آخر میں وذلك فی اول الاسلام کا اضافہ کر دیا ہے۔ (کشف الباری کتاب الذبائح ص ۴۲۹)

❸ **مذکورہ جملہ کا مطلب:** اگر ذابح نے بسم اللہ نہ پڑھی ہو تو آکل کی بسم اللہ کفایت نہیں کرے گی، باقی حدیث کے اس جملہ کا مطلب ابھی دلیل کے جواب میں گزر چکا ہے۔

❹ **متابعت کی تشریح اور سبب:** متابعت کی تشریح یہ ہے کہ علی بن المدینی نے امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ الشیخ اسامہ بن حفص کی متابعت کی ہے۔ کہ اسامہ نے یہ روایت ہشام بن عروہ سے نقل کی ہے اور علی بن المدینی نے یہ روایت عبد العزیز بن محمد دراوردی سے نقل کی ہے۔

نیز امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ الشیخ اسامہ کی متابعت ابو خالد سلیمان بن حیان اور محمد بن عبد الرحمن طفاوی نے بھی کی ہے۔

متابعت ذکر کرنے کا سبب اور مقصد حدیث کے مرفوع ہونے کی تائید ہے کہ جس طرح امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ الشیخ اسامہ بن حفص نے اس حدیث کو مرفوعاً بیان کیا ہے اسی طرح علی بن المدینی، ابو خالد سلیمان بن حیان اور محمد بن عبد الرحمن طفاوی نے بھی اس حدیث کو مرفوعاً بیان کیا ہے۔ (ایضاً ص ۴۳۲)

**الشق الثانی** ...... باب من رأى أن لا يخلط البسر والتمر، إذا كان مسكرًا وأن لا يجعل إدامين في إدام. حدثنا مسلم، حدثنا هشام، حدثنا قتادة، عن أنس رضي الله عنه، قال: إني لأسقي أبا طلحة، وأبا دجانة وسهيل بن البيضاء خليط بسر وتمر إذ حرمت الخمر، فقذفتها وأنا ساقيهم وأصغرهم وأنا نعدها يومئذ الخمر، وقال عمرو بن الحارث حدثنا قتادة سمع أنسا. (ص ۸۳۸۔ ج ۲۔ قدیمی)

اذكر غرض الأمام البخاري من الترجمة و اذكر سبب أيراد التعليق آخرًا.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل دو امور ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) تعلیق کو ذکر کرنے کا سبب۔

**جواب** ...... ❶ **ترجمۃ الباب کی غرض:** اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض خلیطین کی ممانعت اور اس کی دو علتوں کو بیان کرنا ہے کہ خلیطین کا استعمال ممنوع ہے اور اس کی علت اسکار اور اسراف ہے۔

❷ **تعلیق کو ذکر کرنے کا سبب:** اس تعلیق کو ذکر کرنے کا مقصد اور سبب قتادہ کے سماع کی تصریح ہے کہ پہلی حدیث قتادة عن انس سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ حدیث معنعن ہے۔ قتادة سمع انسا کی تعلیق سے قتادہ کے سماع کی تصریح کر دی۔ (ایضاً)

## ﴿الورقة الرابعة: الصحيح للامام البخاري﴾

## ﴿السؤال الأول﴾ ۱۴۳۰ھ

**الشق الأول** ...... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ خُزَاعَةَ قَتَلُوْا رَجُلًا مِنْ بَنِي لَيْثٍ عَامَ فَتْحِ مَكَّةَ بِقَتِيلٍ مِنْهُمْ قَتَلُوهُ فَأُخْبِرَ بِذَلِكَ النَّبِيُّ ﷺ فَرَكِبَ رَاحِلَتَهُ فَخَطَبَ فَقَالَ: إِنَّ اللّٰهَ حَبَسَ عَنْ مَكَّةَ الْقَتْلَ أَوِ الْفِيلَ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ كَذَا قَالَ أَبُو نُعَيْمٍ وَاجْعَلُوْهُ عَلَى الشَّكِّ الْفِيلَ أَوِ الْقَتْلَ وَغَيْرُهُ يَقُولُ الْفِيلَ وَسَلَّطَ عَلَيْهِمْ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ وَالْمُؤْمِنِينَ أَلَا وَإِنَّهَا لَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي وَ لَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ بَعْدِي، أَلَا وَإِنَّهَا حَلَّتْ لِي سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ، أَلَا وَإِنَّهَا سَاعَتِي هَذِهِ حَرَامٌ لَا يُخْتَلَى شَوْكُهَا وَلَا يُعْضَدُ شَجَرُهَا وَلَا تُلْتَقَطُ سَاقِطَتُهَا إِلَّا لِمُنْشِدٍ فَمَنْ قُتِلَ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ إِمَّا أَنْ يُعْقَلَ وَإِمَّا أَنْ يُقَادَ أَهْلُ الْقَتِيلِ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْيَمَنِ فَقَالَ اكْتُبْ لِي

يَارَسُولَ اللهِ. فَقَالَ اُكْتُبُوْا لِأَبِي فُلَانٍ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ: إِلَّا الْإِذْخِرَ يَارَسُولَ اللهِ، فَإِنَّا نَجْعَلُهُ فِي بُيُوتِنَا وَقُبُورِنَا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِلَّا الْإِذْخِرَ إِلَّا الْإِذْخِرَ. (ص ۲۲، ج ۱۔ قدیمی)

شكل الحديث كاملاً . مامعنى قوله: "قال محمد: واجعلوه على الشك..... الخ"؟ حقق كلاً من كلمة "لايختلى" و"لايعضد" و"منشد" و"يقاد" لغويًا . اذكرقصة قتل خزاعة رجلًا عام فتح مكة مع تعيين القاتل والمقتول من خزاعة ومن بني ليث ببسط وتفصيل . ترجم الحديث كاملاً واشرح قوله: "فمن قتل فهو بخير النظرين اما أن يعقل واما أن يقاد أهل القتيل" شرحًا مبسوطًا مع ذكر اختلاف العلماء وأدلتهم في هذه المسألة.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ چھ امور ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) مذکورہ جملہ کا معنی (۳) مذکورہ الفاظ کی لغوی تحقیق (۴) قتل خزاعہ کے قصہ کی وضاحت (۵) حدیث کا ترجمہ (۶) فمن قتل فهو بخير النظرين الخ کی تشریح مع اختلاف۔

**جواب** ...... ❶ حدیث پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

❷ مذکورہ جملہ کا معنی:۔ قال محمد واجعلوه على الشك امام بخاری رحمہ اللہ کے اس جملہ کا مطلب و معنی یہ ہے کہ اس روایت میں آپ ﷺ کا جو ارشاد مذکور ہے ان الله حبس عن مكة القتل او الفيل، اس جملہ کو شک کے ساتھ ہی رکھو یعنی روایت میں القتل او الفيل ہی درست ہے اور ابو نعیم نے بھی اس جملہ کو شک کیساتھ ہی ذکر کیا ہے اگرچہ بقیہ حضرات نے یہاں پر بغیر شک کے صرف الفيل کہا ہے مگر تم شک کیساتھ دونوں الفاظ کو ذکر کرو اور القتل او الفيل کہو۔

❸ مذکورہ الفاظ کی لغوی تحقیق:۔ "لايختلى" صیغہ واحد مذکر غائب بحث نفی مضارع مجہول از مصدر اِخْتِلاءٌ (افتعال) بمعنی کاٹنا۔

"لايُعْضَدُ" صیغہ واحد مذکر غائب بحث نفی مضارع مجہول از مصدر عَضْدًا (ضرب) بمعنی درخت کا شاخ سے جھاڑنا۔

"مُنْشِدٌ" صیغہ واحد مذکر بحث اسم فاعل از مصدر اِنْشَادٌ (افعال) بمعنی گم شدہ چیز کی تشہیر کرنا۔

"يُقَادُ" صیغہ واحد مذکر غائب بحث مضارع مجہول از مصدر قَوَدًا (نصر) بمعنی قصاص لینا۔

❹ قتل خزاعہ کے قصہ کی وضاحت:۔ اس کا تفصیلی واقعہ ابن ہشام رحمہ اللہ نے اپنی سیرت میں ابن اسحاق کے حوالے سے لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ احمر نامی ایک شخص بڑا بہادر تھا اس کی عادت تھی کہ جب سوتا تھا تو بہت زور زور سے خراٹے لیتا تھا لوگوں کو معلوم ہو جاتا تھا کہ وہ کہاں ہے؟ وہ جب اپنے قبیلہ میں ہوتا تو الگ تھلگ سوتا تھا اگر قبیلہ پر حملہ ہو جاتا تو لوگ "یا احمر" کہہ کر پکارتے تو یہ شخص شیر کی مانند اٹھ کھڑا ہوتا پھر اسکے سامنے کوئی ٹھہر نہیں سکتا تھا۔ کہتے ہیں کہ قبیلہ ہذیل کی ایک جماعت لڑنے بھڑنے ہوئی آئی اور قبیلہ خزاعہ پر حملہ کا ارادہ کیا جب قریب آئی تو ابن الاثوع ہذلی نے کہا کہ جلدی نہ کرو میں دیکھتا ہوں کہ یہاں احمر ہے یا نہیں کیونکہ اگر وہ موجود ہو تو حملہ کرنا ممکن نہیں ہوگا چنانچہ وہ خراٹوں کا تعاقب کرتا ہوا اس تک پہنچا اور نیند کی حالت میں اسے مار ڈالا پھر جو قبیلہ والوں پر حملہ بولا تو وہ "یا احمر یا احمر" پکارتے رہے لیکن یہاں تو احمر کا کام ہی تمام ہو چکا تھا۔

جب فتح مکہ کا دن آیا تو ابن الاثوع ہذلی جو اب تک حالت شرک میں تھا مکہ مکرمہ آیا اور حالات جاننے کی کوشش کرنے لگا قبیلہ خزاعہ نے جوں ہی دیکھا تو پہچان لیا اور اس کا گھیراؤ کر لیا اس سے پوچھا کہ تم ہی احمر کے قاتل ہو؟ اس نے کہا ہاں میں ہی احمر کا قاتل ہوں اتنے میں خراش بن امیہ آیا اور لوگوں کو ہٹنے کا اشارہ کیا جب لوگ ہٹ گئے تو ابن الاثوع کے پیٹ میں تلوار گھسا دی اور اس کا پیٹ پھاڑ ڈالا کہ انتڑیاں نکل گئیں اس طرح اسے مار ڈالا اسی موقع پر حضور اکرم ﷺ تشریف لائے اور آپ نے قتل و قتال سے منع فرمایا اور خون بہا دے دیا۔

❺ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ خزاعہ (کے کسی شخص) نے بنو لیث کے کسی آدمی کو اپنے

مقتول کے عوض مار دیا تھا (یہ فتح مکہ والے سال کی بات ہے)۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر دی گئی، آپ ﷺ نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ سے قتل یا فیل کو روک لیا، امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس لفظ کو شک کے ساتھ سمجھو، ایسا ہی ابونعیم وغیرہ نے القتل اور الفیل کہا، ان کے علاوہ دوسرے لوگ الفیل کہتے ہیں (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا) کہ ان پر اپنے رسول اور مسلمانوں کو غالب کر دیا اور سمجھو کہ وہ (مکہ) کسی کیلئے حلال نہیں ہوا مجھ سے پہلے اور نہ (آئندہ) کبھی ہوگا، میرے لئے بھی صرف دن کے تھوڑے سے حصہ کیلئے حلال کر دیا گیا تھا، سن لو کہ وہ اس وقت حرام ہے نہ اس کا کوئی کانٹا توڑا جائے نہ اسکے درخت کاٹے جائیں اور اس کی گری پڑی چیز بھی وہی اٹھائے جس کا منشاء یہ ہو کہ وہ اس شے کا اعلان وغیرہ کرے گا تو اگر کوئی شخص مارا جائے تو اسکو (اسکے عزیزوں کو) دو باتوں کا اختیار ہے یا دیت لے یا قصاص، اتنے میں ایک یمنی آدمی آیا اور کہنے لگا کہ یا رسول اللہ (یہ مسائل) میرے لئے لکھوا دیجئے تب آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابوفلاں کیلئے (یہ مسائل) لکھ دو تو ایک قریشی شخص نے کہا یا رسول اللہ! اذخر کے سوا، کیونکہ اسے ہم گھروں میں بوتے ہیں اور اپنی قبروں میں ڈالتے ہیں (یہ سن کر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (ہاں) مگر اذخر مگر اذخر۔

❷ **فمن قتل فهو بخير النظرين الخ** کی تشریح مع اختلاف:۔ اس جملہ میں مَنْ قُتِلَ سے مراد اَهْلُ مَنْ قُتِلَ ہے کیونکہ مقتول تو دنیا سے رخصت ہو چکا ہے اس کے لئے دیت یا قصاص لینا ممکن نہیں رہا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قتل عمد کا موجب دیت وقصاص میں سے کوئی ایک ہے۔ امام شافعی وامام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک اس کا اختیار مقتول کے ولی کو ہے اور امام ابوحنیفہ، امام مالک اور سفیان ثوری رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ مقتول کے ولی کو قصاص لینے ومعاف کرنے کا حق حاصل ہے، البتہ دیت کا ایجاب قاتل کی رضامندی پر موقوف ہے۔

حنفیہ ومالکیہ کے دلائل: ① **كتب عليكم القصاص فى القتلى** ② **وكتبنا عليهم فيها ان النفس بالنفس** ③ **ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لوليه سلطانا فلا يسرف فى القتل** ④ آپ ﷺ کا ارشاد ہے **العمد قود والخطأ دية** (قتل عمد میں قصاص اور خطاء میں دیت ہے) ⑤ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک شخص دوسرے کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ اس نے میرے بھائی کو قتل کیا ہے۔ آپ ﷺ نے قاتل سے پوچھا تو اس نے اقرار کیا۔ آپ ﷺ نے قاتل سے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس کچھ ہے جو تم اپنے نفس کے بدلہ میں دے سکو؟ تو اس نے کہا کہ میرے پاس سوائے چادر وکلہاڑی کے اور کچھ نہیں ہے، آپ ﷺ نے پوچھا کہ تمہارے قبیلے کے لوگ تمہاری مدد کریں گے؟ تو اس نے کہا قبیلہ میں میری کوئی حیثیت نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے اسکو مقتول کے ولی کے سپرد کر دیا۔ پس معلوم ہوا کہ دیت کا اختیار مقتول کے ولی کو نہیں ہے ورنہ آپ ﷺ قاتل سے نہ پوچھتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یا انس! **كتاب الله القصاص** (کتاب اللہ کا حکم قصاص ہے)۔

ان تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ دیت کے لئے صلح فریقین کی رضامندی ضروری ہے۔

امام شافعی وامام احمد رحمہما اللہ کے دلائل: ① یہی حدیث الباب انکی دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے ولی کو دیت وقصاص میں اختیار دیا ہے۔

جواب یہ ہے کہ استدلال تام نہیں ہے اس لئے کہ روایت کے الفاظ میں اختلاف ہے۔ **اما ان يقتل واما ان يفادى، يقتل او يفادى، اما ان يفدى و اما ان يقتل، ما ان يعقل او يقاد** وغیرہ سات آٹھ قسم کے الفاظ وارد ہیں، ان میں سے جن روایات میں مفاداۃ یا فدیہ کا ذکر ہے وہ روایات حنفیہ کیلئے مؤید ہیں اسلئے کہ ان میں دیت کا ذکر نہیں ہے اور مفاداۃ میں مشارکت ہوتی ہے اس میں فریقین کی رضامندی ضروری ہوتی ہے۔ لہٰذا باقی روایات بھی دیت میں اسی قاتل کی رضامندی پر محمول ہوں گی۔

② واقعہ قتل خزاعہ میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ میں آج مقتول کی دیت دے رہا ہوں آج کے بعد قتل کی صورت میں

مقتول کے اولیاء کو دیت یا قصاص کا اختیار ہوگا۔

جواب: یہ ہے کہ قصاص قضاء یا لقتل ہے اور دیت قضاء یا لقیمۃ ہے اور قتل متعدد ہونے کی صورت میں صاحب حق کو قیمت لینے کا اختیار فریقین کی رضامندی پر موقوف ہوتا ہے یہ ایک قانون کلی و مسلّم ضابطہ ہے لہٰذا نص صریح کے بغیر اسکے خلاف نہیں کیا جائیگا جبکہ آپ کی پیش کردہ روایت میں دوسرا احتمال (قاتل کی رضامندی کی شرط) موجود ہے۔ (کشف الباری، کتاب العلم ج ۳ص ۳۸۹)

**الشق الثانی** ...... باب التسمیۃ علی کل حال وعند الوقاع عن کریب عن ابن عباس یبلغ بہ النبی ﷺ قال: لو أن احدکم اذا أتی أھلہ قال: بسم اللہ، اللھم جنبنا الشیطان وجنب الشیطان مارزقتنا، فقضی بینھما ولد لم یضرہ۔ (ص ۲۶، ج ۱، قدیمی)

اذکر غرض الترجمۃ. وضح ثبوت ترجمۃ الباب کاملاً. عقد المؤلف ھذا الباب بعد "باب غسل الوجہ بالیدین من غرفۃ واحدۃ" کما عقد بعدہ "باب مایقول عند الخلاء" ثم بعد الفراغ من أبواب الاستنجاء والخلاء شرع فی بقیۃ أبواب الوضوء، فکیف یکون ارتباط ھذا الباب بما قبلہ ومابعدہ؟ اذکر حکم التسمیۃ لدی الوضوء عند الأئمۃ المجتہدین من أدلتھم. اکتب غرض کریب من قولہ عن ابن عباسؓ یبلغ بہ النبی ﷺ.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حاصل پانچ امور ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) ترجمۃ الباب کا ثبوت (۳) باب کا ماقبل و مابعد سے ربط (۴) تسمیہ علی الوضوء کا حکم مع اختلاف (۵) عن ابن عباس ؓ یبلغ بہ النبی ﷺ کی غرض۔

**جواب** ...... ❶ <u>ترجمۃ الباب کی غرض</u>:۔ اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری ؒ کی غرض تسمیہ عند المباشرت کو بیان کرنا ہے کہ جب آدمی مباشرت کا ارادہ کرے تو اس کو چاہیے کہ بسم اللہ الخ پڑھے۔ دراصل اس باب میں امام بخاری ؒ تسمیہ عند الخلاء والوضوء کو بیان کرنا چاہتے ہیں مگر ان کو اپنی شرائط کے مطابق تسمیہ عند الخلاء والوضوء کی روایت نہیں ملی اسلئے انہوں نے تسمیہ علی کل حال وعند الوقاع کا ترجمہ قائم کر کے اسکو ثابت کیا اور اسکے ضمن میں تسمیہ عند الخلاء والوضوء بھی ثابت ہو گیا۔ (الخیر الساری ج ۲ ص ۹۸، تقریر بخاری ج ۲ ص ۱۹)

❷ <u>ترجمۃ الباب کا ثبوت</u>:۔ اس ترجمۃ الباب کے تحت امام بخاری ؒ نے جو روایت ذکر کی ہے اس میں تسمیہ عند الجماع کا ذکر ہے لہٰذا ترجمۃ الباب کا جزء عند الوقاع ثابت ہو گیا پس جب عند الجماع بسم اللہ پڑھی جائے گی تو قضاء حاجت اور وضو کے وقت اور دیگر تمام اوقات واحوال میں بطریق اولیٰ بسم اللہ پڑھی جائے گی، لہٰذا ترجمۃ الباب ثابت ہو گیا۔

❸ <u>باب کا ماقبل و مابعد سے ربط</u>:۔ ترجمۃ الباب کی غرض سمجھ لینے کے بعد اس کے ربط کا ثبوت اجمالی عام فہم ہے کہ ماقبل میں امام بخاری ؒ نے اجمالی طور پر وضو کا ذکر فرمایا تھا، اس کے بعد اس باب میں تسمیہ عند الخلاء کو ذکر کیا اس کے مابعد والے ابواب میں مزید قضائے حاجت کی ادعیہ اور آداب کو ذکر کرنے کے بعد پھر تفصیل سے وضو کو ذکر کریں گے۔

❹ <u>تسمیہ علی الوضوء کا حکم مع اختلاف</u>:۔ حضرات حنفیہ، شوافع، مالکیہ اور حنابلہ کی اظہر روایت یہ ہے کہ تسمیہ علی الوضوء سنت یا مستحب ہے۔ (دونوں قول منقول ہیں، حنابلہ کی طرف وجوب کی نسبت صحیح نہیں ہے) اسحٰق بن راہویہ اور اہل ظواہر کے نزدیک تسمیہ علی الوضوء فرض ہے۔ جان بوجھ کر تسمیہ کو چھوڑا تو وضو نہیں ہوگا، اعادہ ضروری ہے اور اگر بھول کر چھوڑا تو معاف ہے۔

جمہور کی پہلی دلیل: آیت وضو ہے اس میں امور اربعہ کا ذکر ہے جو کہ فرض ہیں اس میں تسمیہ کا ذکر نہیں ہے۔

دوسری دلیل: حدیث مسیئ الصلوٰۃ ہے کہ آپ ﷺ نے صحابی ؓ سے فرمایا کہ توضأ کما امرک اللہ اور آیت میں تسمیہ کا ذکر نہیں ہے اور یہ مقام تعلیم تھا اور مقام تعلیم میں فرائض کو ذکر کیا جاتا ہے اگر تسمیہ فرض ہوتا تو آپ ﷺ ضرور اس کو بھی ذکر فرماتے۔

تیسری دلیل: یہ کہ آپ ﷺ کے وضو کی کیفیت بیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نقل کرتے ہیں اور انہیں سے کوئی صحابی رضی اللہ عنہ بھی تسمیہ کا ذکر نہیں کرتا۔

اہل ظواہر کی دلیل: یہ حدیث ہے **لاصلوٰۃ لمن لاوضوء له ولا وضوء لمن لم يذكر اسم الله عليه** اس میں بغیر بسم اللہ وضوء کی نفی ہو رہی ہے معلوم ہوا کہ تسمیہ علی الوضوء فرض ہے۔ جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ اس میں لا نفی وضوء کی نفی کے لئے نہیں ہے بلکہ کمال وضوء کی نفی کے لئے ہے جیسے **لا ایمان لمن لا امانة له** کہ خائن شخص کامل مؤمن نہیں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ وضوء کی دو حیثیتیں ہیں ① عبادت ② مفتاح للصلوٰۃ۔ عبادت ہونے کی حیثیت سے وضوء تسمیہ پر موقوف ہے اور آپ کی ذکر کردہ حدیث میں اسی کا ذکر ہے مگر مفتاح للصلوٰۃ ہونے کی حیثیت سے وضوء تسمیہ پر موقوف نہیں ہے۔ نیز تسمیہ کا وجوب کسی بھی قوی روایت سے ثابت نہیں ہے اور حدیث باب میں تمام اسانید کے ساتھ ضعیف ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کا قول امام ترمذی رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں **لا اعلم في هذا الباب حديثا له اسناد جيد**. (درس ترمذی ج ۱ ص ۲۳۱، اسباب کمال الدلائل ص ۱۳)

⑧ **عن ابن عباس رضی اللہ عنہ يبلغ به النبي ﷺ** کی غرض:۔ اس جملہ سے راوی کا مقصد اس بات کی وضاحت کرنا ہے کہ یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ پر موقوف نہیں ہے بلکہ یہ حدیث رسول اللہ ﷺ پر مسند ہے چونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں احتمال تھا کہ انہوں نے یہ ارشاد براہ راست سنا ہے یا بالواسطہ سنا ہے اس وہم کو دور کرنے کے لئے **يبلغ به النبي ﷺ** کا انداز اختیار کیا گیا ہے۔ (الخیر الساری)

## ﴿السوال الثاني﴾ ۱۴۳۰ھ

**الشق الاول** ...... **باب بيع العبد بالعبد والحيوان نسيئة، واشترى ابن عمر راحلة بأربعة أبعرة مضمونة عليه يوفيها صاحبها بالربذة، واشترى رافع بن خديج بعيرًا ببعيرين فأعطا أحدهما وقال آتيك بالآخر رهوا ان شاء الله وقال ابن سيرين: لا بأس بعير ببعيرين ودرهم بدرهم نسيئة، عن أنس قال كان في السبي صفية فصارت الى دحية الكلبي ثم صارت الى النبي ﷺ.** (ص ۲۹۷ ج ا قدیمی)

**اذكر غرض البخاري من ترجمة الباب. ترجم العبارة كاملاً ثم اذكر مناسبة الحديث بترجمة الباب.**

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) ترجمۃ الباب اور حدیث میں مناسبت۔

**جواب** ...... ① ترجمۃ الباب کی غرض:۔ اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض حیوان کے بدلے حیوان کی بیع نسیئہ کے جواز کو بتلانا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کو ترجیح دینا ہے کہ ان کے نزدیک بیع الحیوان بالحیوان نسیئہ جائز ہے۔

② عبارت کا ترجمہ:۔ یہ باب غلام کے بدلے غلام کی بیع اور حیوان کی ادھار بیع کے بیان میں ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک اونٹ چار اونٹوں کے بدلے میں خریدا تھا جن کے متعلق یہ طے ہوا تھا کہ مقام ربذہ میں ان کے حوالہ کریں گے۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے ایک اونٹ دو اونٹ کے بدلے میں خریدا تھا اور ایک اونٹ ان میں سے دیدیا تھا اور فرمایا کہ دوسرا اونٹ کل بغیر کسی تاخیر کے آپ کے سپرد کر دوں گا، اور حضرت ابن سیرین فرماتے ہیں کہ ایک اونٹ دو اونٹ کے بدلے میں اور ایک درہم ایک درہم کے بدلے میں ادھار فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قیدیوں میں ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں، پس وہ حضرت دحیہ کلبی کے حصہ میں آ گئیں پھر وہ آپ ﷺ کے نکاح میں آ گئیں۔

③ ترجمۃ الباب اور حدیث میں مناسبت:۔ ترجمۃ الباب اور حدیث میں مناسبت واضح ہے کہ ترجمۃ الباب میں بیع

الخمر الی نسیئہ کا ذکر ہے اور حدیث میں بھی یوفیہا اصحابہا بالربذۃ میں بیع نسیئہ کا ذکر ہے۔

**الشقّ الثانی** ——باب الشروط فی القرض، وقال ابن عمر و عطاء: إذا أجّله فی القرض جاز، عن أبی هریرة رضی الله عنه عن رسول الله ﷺ أنه ذکر رجلا سأل بعض بنی اسرائیل أن یسلفه ألف دینار فدفعها الیه الی أجل مسمی. (ص۳۲۹، ج۱، قدیمی)

اذکر غرض البخاری من ترجمة الباب . اذکر أقوال العلماء فی أن القرض هل یقبل التأجیل أم لا واذکر أدلتهم علی ذلک . اذکر قصة الحدیث مبسوطا مع وجه الدلالة علی مسألة الباب.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) قرض کی تاجیل میں اختلاف مع الدلائل (۳) قصۂ حدیث کی وضاحت (۴) مسئلۃ الباب کا اثبات۔

**جواب** ...... ❶ <u>ترجمۃ الباب کی غرض:</u> امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض اس ترجمہ سے یہ ہے کہ قرض کے اندر عاقدین آپس میں جو شرائط طے کرلیں تو ان شرائط کا اعتبار کیا جائیگا۔ اور صاحب حق کو اس سے پہلے مطالبہ کا حق نہ ہوگا۔ چنانچہ اگر کسی شخص نے ایک مہینہ پر ادھار لیا یا ایک مہینے کے بعد ادا کرنے کا وعدہ کیا تو اس اجل سے پہلے صاحب حق مطالبہ نہیں کرسکتا۔

نیز امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود اس ترجمہ سے ایک اختلافی مسئلہ میں امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب کی تائید کرنا ہے وہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر قرض لیا اور ایک مدت متعین کردی تو اس مدت سے قبل اپنے قرض کو صاحب حق وصول کرسکتا ہے یا نہیں؟ تو احناف کے نزدیک کرسکتا ہے اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک نہیں کرسکتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب کی تائید کی ہے۔

❷ <u>قرض کی تاجیل میں اختلاف مع الدلائل:</u> قرض تاجیل کو قبول کرتا ہے یا نہیں؟ یعنی اگر کسی نے قرض لیا اور مدت متعین کردی تو اس مدت سے قبل صاحب حق اپنے قرضہ کو وصول کرسکتا ہے یا نہیں؟ تو اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ مطلقاً نفی کرتے ہیں کہ قرض تاجیل کو قبول نہیں کرتا جبکہ عند الاحناف قرض تاجیل کو قبول کرتا ہے لیکن اس کی پاسداری ضروری نہیں یعنی قرض خواہ جب اپنے قرض کا مطالبہ کرنا چاہے مطالبہ کرسکتا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اگر قرض میں تاجیل مقرر کردی گئی تو اس کی پاسداری ضروری ہے اور میعاد کا لحاظ کیا جائے گا لہٰذا اس میعاد سے پہلے مطالبہ کرنا درست نہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ قرضہ قرض دار کے ذمہ واجب ہوتا ہے جیسا کہ دوسرے دیون واجب ہوتے ہیں پس جس طرح دوسرے دیون میں میعاد مقرر کرنا درست ہے اسی طرح قرضہ میں بھی میعاد مقرر کرنا درست ہے۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ قرض ابتداءً تو اعارہ اور تبرع ہے اور انتہاءً قرض عقد معاوضہ ہے پس قرض کی ابتدائی حالت کا اعتبار کرتے ہوئے تو قرض میں میعاد لازم نہ ہوگی جیسا کہ اعارہ میں میعاد لازم نہیں ہوتی اور انتہاءً کا اعتبار کرتے ہوئے میعاد مقرر کرنا درست نہ ہوگا کیونکہ قرضہ انتہاء کے اعتبار سے میعاد مقرر کرنے کی صورت میں بیع الدراہم بالدراہم بالنسیئہ ہو جائے گا اور دراہم کا دراہم کے عوض بطور ادھار بیچنا ربا ہے اور ربا کا لازم آنا فساد قرض کا مقتضی ہے حالانکہ قرضہ کے جواز پر امت کا اجماع ہے لہٰذا ہم اس شرط اور میعاد کو ہی باطل قرار دیدیں گے جس کی وجہ سے قرضہ باطل ہوتا ہے۔

❸ <u>قصۂ حدیث کی وضاحت:</u> اس قصہ کو امام بخاری رحمہ اللہ نے تفصیلاً کتاب الکفالۃ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ بنی اسرائیل کے ایک آدمی کا تذکرہ کیا کہ اس نے اپنی قوم کے ایک آدمی سے ایک ہزار دینار قرض کا تقاضا کیا تو اس قرض دینے والے نے کہا کہ کوئی گواہ لاؤ جو گواہی دے تو اس آدمی نے کہا کفی باللہ شہیدا تو قرض دینے والے نے کہا کوئی ضامن لے کر آؤ تو

اس سائل نے جو کفی باللہ وکیلا تو اس قرض دینے والے نے کہا تو نے سچ کہا اور اس کو ایک معین مدت تک قرض دے دیا پھر جب قرض کی واپسی کا وقت آیا تو قرض لینے والے نے قرض کی واپسی کیلئے کشتی تلاش کی جس پر سوار ہو کر صاحب حق کے پاس مدت معینہ پر قرض دے سکے لیکن اس کو کوئی کشتی نہ ملی اس پر اس نے ایک لکڑی کو لیا اور اس میں سوراخ کر کے اس میں ایک ہزار دینار رکھے اور صاحب حق کے نام ایک رقعہ بھی رکھ دیا اور اس کو سمندر میں ڈال کر دعا کی کہ اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں نے تیرے فلاں بندے سے قرض لیا تھا اور اس نے مجھ سے گواہ اور ضامن مانگا تھا تو میں نے تیری ذات کو گواہ اور ضامن بنایا تھا تو اس نے قبول کر لیا اب تو جانتا ہے کہ میں نے سواری کی تلاش میں کافی کوشش کی ہے لیکن مجھے سواری نہ مل سکی اب میں تیرے سپرد کیے دیتا ہوں یہ کہہ کر لکڑی کو سمندر میں ڈال دیا اور چلا گیا ادھر اس صاحب حق نے بھی قرض وصول کرنے کیلئے اسکے پاس جانے کا ارادہ کیا جب وہ سمندر پہ پہنچا تو اس کو بھی کوئی سواری نہ ملی راستے میں وہ لکڑی نظر آئی تو اس نے وہ جلانے کے واسطے لے لیا پھر جب گھر آ کر اس کو چیرا تو اس میں اسکے ہزار دینار اور وہ رقعہ تھا جو اس قرض لینے والے نے اس میں رکھا تھا۔ پھر جب بعد میں ان دونوں کی ملاقات ہوئی تو قرض لینے والے نے اس کو ہزار دینار پیش کئے اور معذرت کی کہ مجھے سواری نہ ملی جس کی وجہ سے تمہارے پاس نہ آ سکا تو قرض دینے والے نے کہا کہ تم نے میری طرف جو ہزار دینار اور رقعہ بھیجا تھا وہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تیری طرف سے پہنچا دیا تھا۔ (کشف الباری کتاب ...)

❷ مسئلۃ الباب کا اثبات:۔ حدیث کی دلالت مسئلۃ الباب پر الی اجل مسمی کے الفاظ سے ہے کہ اگر تاجیل کا اعتبار نہ ہوتا تو اجل معین کرنے کا کوئی فائدہ نہ تھا نیز حضور ﷺ نے بھی اس واقعہ کو بغیر نکار کے بیان فرمایا ہے معلوم ہوا کہ ہماری شریعت میں بھی تاجیل معتبر ہے۔

## ﴿السوال الثالث﴾ ١٤٣٠ھ

**الشق الاول** ...... أخبرنا معمر عن الزهري عن أبي سلمة عن جابر بن عبدالله قال: انما جعل النبي ﷺ الشفعة في كل مالم يقسم فاذا وقعت الحدود وصرفت الطرق فلا شفعة وقال بعض الناس: الشفعة للجوار ثم عمد الى ما شدده فأبطله وقال: ان اشترى دارًا فخاف أن يأخذ الجار بالشفعة فاشترى سهما من مائة سهم ثم اشترى الباقي وكان للجار الشفعة في السهم الأول فلا شفعة في باقي الدار، وله أن يحتال في ذلك.

اشرح الحديث ببسط واذكر هل قوله: "فاذا وقعت الحدود وصرفت الطرق فلا شفعة" جزء من الحديث المرفوع أم هو مدرج من جابرؓ؟ من هو مصداق "بعض الناس" في هذه العبارة؟ اشرح العبارة ووضح مراد البخاريؒ منها مع الاجابة عن بعض الناس. (ص ۱۰۳۶، ج ۲، قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (۱) حدیث کی تشریح (۲) فاذا وقعت الحدود الخ کی وضاحت (۳) بعض الناس کا مصداق (۴) امام بخاری ؒ کی مراد اور بعض الناس کا جواب۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کی تشریح:۔ آپ ﷺ کی اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی زمین میں چند لوگ شریک ہیں اور ان میں سے کوئی شخص اپنا حصہ فروخت کرنا چاہے تو دوسرے شریک کو شرکت کی وجہ سے حق شفعہ حاصل ہے جب تک کہ تقسیم نہ ہو اور جب تقسیم ہو جائے اور حد بندی وغیرہ ہو جائے تو پھر شرکت کی وجہ سے حق شفعہ ختم ہو گیا اب شریک کیلئے شفعہ کی گنجائش نہیں ہے۔

❷ فاذا وقعت الحدود الخ کی وضاحت:۔ یہ جملہ حدیث مرفوع کا جزء ہے یعنی یہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ تقسیم سے پہلے پہلے شرکت کی وجہ سے شفعہ کرو اگر تقسیم ہو گئی تو پھر شرکت کی وجہ سے شفعہ نہیں ہو سکتا۔

❸ بعض الناس کا مصداق:۔ بعض الناس سے امام بخاری ؒ کی مراد امام اعظم ابوحنیفہ ؒ ہیں۔

❷ **امام بخاری رحمہ اللہ کی مراد اور بعض الناس کا جواب:۔** اس عبارت سے امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض اور مراد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر اعتراض کرنا ہے کہ اولاً احناف شفعہ للجوار کے قائل ہیں اور پھر خود ہی اس بات کے قائل ہیں کہ اگر کسی نے گھر خریدا اور خطرہ محسوس کیا کہ ہمسایہ شفعہ کرے گا اور یہ گھر لے جائے گا تو وہ حیلہ کے ذریعہ اسکے حق شفعہ کو ختم کر سکتا ہے با ایں طور کہ اولاً مکان کا ایک حصہ خریدے پھر بقیہ مکان کی الگ بیع کرے تو پڑوسی کو صرف پہلے حصہ میں شفعہ کا حق ہوگا بقیہ حصہ میں نہیں الغرض اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ اولاً خود ہی شفعہ للجوار کو ثابت کرتے ہیں اور پھر خود ہی شفعہ للجوار سے بچنے کیلئے حیلے سکھاتے ہیں کہ وہ پہلے والے معمولی حصہ میں کوئی فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے اس میں رغبت نہیں کریگا اور شفعہ چھوڑ دے گا۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ جار کا حق ہم نے باطل نہیں کیا بلکہ اس نے خود عدم رغبت کی وجہ سے اپنا حق ختم کیا ہے۔
نیز ہم یہ حیلے سکھاتے نہیں ہیں بلکہ اصول کے پیش نظر اس کے نفاذ کے قائل ہیں البتہ اگر محض پڑوسی کا حق تلف کرنا اور اسے تنگ کرنا مقصود ہو تو یہ ناجائز اور گناہ ہے اور اگر پڑوسی کی مضرت کو دفع کرنا مقصود ہو تو جائز ہے۔ (حل بعض الناس ٦٣)

**الشق الثانی** ......باب قوله: وكان الله سميعابصيرًا، أن أبابكر الصديق قال للنبي ﷺ: يارسول الله! علمني دعاء أدعوبه في صلاتي، قال: قل: اللهم اني ظلمت نفسي ظلمًا كثيرًا ولايغفر الذنوب الاأنت فاغفرلي من عندك مغفرة انك أنت الغفور الرحيم. (ص١٠٩٩ ج٢ قدیمی)

اذكر غرض الامام البخاري بهذه الترجمة بايضاح . اذكر مناسبة الحديث بالترجمة.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال کا حل دو امور ہیں (١) ترجمۃ الباب کی غرض (٢) حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت۔

**جواب** ......❶ **ترجمۃ الباب کی غرض:۔** ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض معتزلہ پر رد کرنا ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سمیع تو ہیں لیکن بغیر سماع کے سمیع ہیں۔ اسی طرح ان حضرات پر بھی رد کرنا مقصود ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سمیع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم بالمسموعات ہیں۔

❷ **حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت:۔** ترجمۃ الباب سے مقصود اللہ تعالیٰ کے سمیع اور بصیر ہونے کا اثبات ہے اور حدیث میں جو دعا ذکر کی ہے اس میں ذنوب کا ذکر ہے اور ذنوب میں سے بعض ایسے ہیں کہ جن کا علم سننے سے حاصل ہوتا ہے اور بعض ایسے ہیں کہ جن کا علم دیکھنے سے حاصل ہوتا ہے۔ تو جب اللہ تعالیٰ سے مطلق ذنوب کی معافی طلب کی ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سمیع اور بصیر ہیں کیونکہ گناہوں کی دو ہی قسمیں ہیں ① مسموع ② مبصر۔ علامہ ابن بطال رحمہ اللہ نے مناسبت اس طرح بیان کی ہے کہ حدیث میں دعا کا ذکر ہے۔ دعا اس وقت کی جاتی ہے جب مخاطب سمیع بھی ہو اور بصیر بھی یعنی سننے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو اور دیکھنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔ تو دعا سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سمیع بھی ہیں اور بصیر بھی ہیں۔

## ﴿الورقة الرابعة: الصحيح للامام البخاري﴾

### ﴿السوال الاول﴾ ١٤٣١ھ

**الشق الاول** ......باب علامة المنافق، حدثنا قبيصة بن عقبة قال: حدثنا سفيان عن الأعمش عن عبدالله بن مرة عن مسروق عن عبدالله بن عمرو أن النبي ﷺ قال: أربع من كن فيه كان منافقًا خالصًا ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها، اذا اؤتمن خان واذا حدث كذب واذا عاهد غدر واذاخاصم فجر..... تابعه شعبة عن الأعمش. (ص١٠ ج١ قدیمی)

انکر غرض البخاری من ترجمة الباب . ترجم الحديث ترجمة واضحة . ظاهر هذا الحديث يدل على أن من اتصف بهذه الصفات كان منافقًا خالصًا، هل هو محمول على ظاهره؟ ماهي أقوال العلماء في ذلك ماهو الغرض من ايراد قوله: تابعه شعبة عن الاعمش .

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حاصل چار امور ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) مذکورہ اوصاف کا حامل منافق ہے یا مؤمن؟ (۴) تابعه شعبة الخ کی غرض۔

**جواب** ...... ❶ ترجمۃ الباب کی غرض:۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض یہ بتلانا ہے کہ جیسے طاعات سے ایمان بڑھتا ہے اسی طرح معاصی سے ایمان میں کمی آتی ہے۔ علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ نفاق کے مختلف مراتب و علامات ہیں، جس شخص میں جتنی علامات ہوں گی وہ اسی لحاظ سے منافق ہوگا۔

نیز ممکن ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض مرجئہ پر رد کرنا ہو کیونکہ انکے نزدیک معصیت ایمان کیلئے مضر نہیں ہے جبکہ یہاں معاصی کو علامت نفاق قرار دیا گیا ہے اور انکے حامل کو منافق قرار دیا گیا ہے معلوم ہوا کہ معاصی ایمان کیلئے مضر ہیں۔ (کشف الباری ج۲ ص ۲۲۹)

❷ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص میں چار خصلتیں پائی جائیں گی وہ شخص خالص منافق ہوگا اور جس شخص میں ان میں سے کوئی ایک خصلت ہوگی تو اس میں نفاق کی ایک خصلت و علامت ہوگی، یہاں تک کہ وہ اسکو چھوڑ دے (وہ علامات یہ ہیں)۔ جب امانت رکھی جائے تو خیانت کرے اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو اسکو توڑ دے (خلاف ورزی کرے) اور جب جھگڑا کرے تو گالم گلوچ پر اتر آئے۔

❸ مذکورہ اوصاف کا حامل منافق ہے یا مؤمن؟:۔ اہلسنت والجماعت کے نزدیک مرتکب کبیرہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا لہٰذا مذکورہ اوصاف سے متصف شخص ایمان سے خارج نہ ہوگا اور اسے منافق نہیں کہا جائے گا۔

سوال ہوتا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص میں نفاق کی علامات پائے جانے کی وجہ سے وہ شخص منافق ہے جبکہ اہلسنت والجماعت اس کے مؤمن ہونے کے قائل ہیں۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علامت کے پائے جانے سے صاحب علامت کا پایا جانا لازم نہیں آتا۔ لہٰذا ان علامات کے پائے جانے سے ضروری نہیں ہے کہ وہ شخص منافق ہی ہو جیسے حرارت بخار کی علامت ہے مگر ضروری نہیں کہ جب بھی حرارت پائی جائے بخار ہی ہو، بعض اوقات دیر تک دھوپ میں بیٹھنے سے بھی بدن میں حرارت پائی جاتی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء و محققین کے نزدیک یہ خصلتیں نفاق کی علامت ہیں مطلب یہ کہ ان سے متصف شخص منافقین کے مشابہ ہوگا اور ان کے اخلاق کو اختیار کرنے والا سمجھا جائے گا۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں نفاق عملی مراد ہے نفاق فی العقیدہ مراد نہیں ہے۔ (ایضاً ص ۲۳۵)

❹ تابعه شعبة کی غرض:۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض سند مذکور کی تائید ہے کہ اس میں قبیصہ عن سفیان کی وجہ سے اعتراض ہے کہ یحییٰ بن معین نے سفیان ثوری رحمہ اللہ کے اس طریق کو ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ قبیصہ نے سفیان ثوری سے بچپن میں سماعت کی ہے اس لئے وہ غلطی کرتے ہیں لہٰذا یہ روایت سند کے لحاظ سے قوی نہیں ہے تو امام بخاری رحمہ اللہ نے تابعه شعبة عن الاعمش سے متابعت کو ذکر فرما کر اس ضعف کا ازالہ فرمایا ہے کہ شعبہ نے بھی سفیان کی متابعت کرتے ہوئے اعمش سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ لہٰذا متابعت کی وجہ سے یہ روایت صحیح ہوگی۔ نیز قبیصہ کے علاوہ دوسرے حضرات نے بھی یہ روایت سفیان ثوری سے

روایت کی ہے چنانچہ مسلم شریف میں یہ روایت امام وکیع رحمہ اللہ نے سفیان ثوری سے نقل کر کے قبیصہ کی متابعت تامہ کی ہے۔ (ایضاص۴۹)

**الشق الثانی** ...... حدثنا أحمد بن عبدالله بن علی المنجوفی قال: حدثنا روح قال: حدثنا عوف عن الحسن و محمد عن أبی هریرة أن رسول الله ﷺ قال: من اتبع جنازة مسلم ایمانا واحتسابا وکان معه حتی یصلّی علیها ویفرغ من دفنها فانه یرجع من الأجر بقیراطین، کل قیراط مثل أحد، ومن صلی علیها ثم رجع قبل أن تدفن فانه یرجع بقیراط، تابعه عثمان المؤذن قال: حدثنا عوف عن محمد عن أبی هریرة عن النبی ﷺ نحوه. (ص۱۷۶ ج۱ قدیمی) ترجم الحدیث. المشی مع الجنازة أمامها أفضل أم خلفها؟ اذکر اختلاف الفقهاء وادلتهم. اذکر سبب ایراد متابعة عثمان المؤذن.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) جنازہ کے ساتھ چلنے میں اختلاف مع الدلائل (۳) متابعت عثمان کو ذکر کرنے کا سبب۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ایمان اور احتساب یعنی ثواب کی امید اور یقین کے ساتھ کسی مسلمان کے جنازے کے پیچھے چلے اس پر نماز جنازہ پڑھنے اور اس کو دفن کرنے سے فارغ ہونے تک اس کے ساتھ رہے تو وہ دو قیراط ثواب لیکر لوٹے گا اور ہر قیراط احد پہاڑ کی مثل ہے اور جس شخص نے اس پر نماز جنازہ پڑھی اور پھر تدفین سے پہلے لوٹ آیا تو وہ ایک قیراط ثواب لیکر لوٹے گا۔

❷ جنازہ کے ساتھ چلنے کی کیفیت میں اختلاف مع الدلائل:۔ جنازہ میں میت کے آگے چلنا افضل ہے یا پیچھے؟ اس میں اختلاف ہے۔ سفیان ثوری رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں اختیار ہے کسی صورت کو دوسری صورت پر کوئی فضیلت نہیں ہے، امام بخاری رحمہ اللہ کا بھی اسی طرف میلان ہے۔ امام احمد و مالک رحمہ اللہ کے نزدیک پیدل چلنے والا آگے چلے اور سوار پیچھے چلے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مطلقاً آگے چلنا افضل ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مطلقاً پیچھے چلنا افضل ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ اثر ہے **انما انت مشیع فامش ان شئت امامها وان شئت خلفها وان شئت عن یمینها وان شئت عن یسارها** کہ میت کے آگے، پیچھے، دائیں، بائیں ہر طرف چلنا درست ہے۔

امام احمد اور امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے **ان النبی ﷺ قال الراکب یسیر خلف الجنازة والماشی خلفها وامامها وعن یمینها وعن یسارها قریبا منها** کہ سوار کا پیچھے چلنا اور پیادہ کا ہر طرف چلنا درست ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے **رایت النبی ﷺ وابابکر وعمر یمشون امام الجنازة** کہ میں نے آپ ﷺ اور صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کو جنازے کے آگے چلتے دیکھا ہے۔

نیز جنازہ کو لیکر جانے والے شفعاء ہیں اور شفعاء مشفوع لہ کے آگے چلتے ہیں لہٰذا جنازہ کے آگے چلنا افضل ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ مرفوع روایت ہے **الجنازة متبوعة ولاتتبع ولیس منا من تقدمها**

نیز طاؤس رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ **مامشی رسول الله ﷺ فی جنازة حتی مات الا خلف الجنازة** وبه نأخذ۔

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے **ان فضل الماشی خلفها علی الذی یمشی امامها کفضل صلوة الجماعة علی الفذ**۔

باقی حضرت انس و مغیرہ رضی اللہ عنہما کی روایت بیان جواز کیلئے ہے اس سے افضلیت کا ثبوت نہیں ہوتا اور جواز کے سب قائل ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی سند پر کلام ہے اور امام ترمذی نے اس کے مرفوع نہ ہونے کی تصریح

کی ہے اور یہ حدیث مرسل ہے اور شوافع عموماً مراسیل کو حجت نہیں مانتے۔ نیز اگر کلام تسلیم بھی ہو تب بھی اس سے فقط جواز معلوم ہوتا ہے افضلیت معلوم نہیں ہوتی۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ کسی عذر کی وجہ سے یہ حضرات آگے چلتے ہوں اور وہ عذر یہ ہو سکتا ہے کہ ان کے پیچھے چلنے کی وجہ سے دیگر حضرات کے مشقت میں پڑنے کا اندیشہ ہو اور ان کے لئے جنازہ کے ساتھ چلنا شاق ہو پھر راوی کا خصوصیت کے ساتھ ان حضرات کے متعلق آگے چلنے کا ذکر قرینہ ہے کہ باقی حضرات پیچھے چلتے تھے۔ (تحفۃ المعی)

باقی جنازہ کو لیکر جانے والوں کا شفعاء ہونا سمجھ سے بالا ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ میت کو بطور مجرم بارگاہ الٰہی میں پیش کر رہے ہیں۔ حالانکہ مسلمان اس کو اعزاز و اکرام کے ساتھ سفر آخرت پر رخصت کرتے ہیں اور اسے اپنے لئے توشہ آخرت سمجھ کر آگے بھیجتے ہیں تو ظاہر ہے کہ ایسے موقع پر پیچھے رہنا ہی مناسب ہے نیز پیچھے رہنے میں دیگر مصالح کا بھی لحاظ رہے گا مثلاً جنازہ سامنے ہوگا جس سے ہر قدم پر عبرت حاصل ہوگی نیز پیچھے رہنے کی صورت میں بوقت ضرورت امداد کی سہولت کیساتھ رہا جا سکتا ہے۔ (کشف الباری ج ص ۵۲۱)

❷ متابعت عثمان کو ذکر کرنے کا سبب:۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اولاً احمد بن عبداللہ منجوفی کے طریق سے اس حدیث کو ذکر کیا اور اس طریق میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کر رہے ہیں اور راجح قول کے مطابق حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا سماع حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے۔ اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے ابو عثمان مؤذن کی متابعت ذکر کر دی جس میں حسن رحمہ اللہ کا ذکر نہیں ہے اور اس متابعت کو ذکر کرکے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ ہمارا اعتماد اس دوسرے طریق پر ہے۔ (ایضاح ص ۵۲۲)

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۲۱ھ

**الشق الاول**...... وقال النبی ﷺ لعلیؓ انت منی وانا منك. وقال عمر: توفی رسول اللہ ﷺ وهو عنه راض. عن سعد بن ابی وقاص قال: قال النبی ﷺ لعلیؓ: اما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسی؟ عن عبیدة عن علیؓ قال اقضوا کما کنتم تقضون فانی اکره الاختلاف حتی یکون الناس جماعة او اموت کما مات أصحابی وکان ابن سیرین یری ان عامة ما یروی عن علی الکذب.

ترجم الآثار. متی قال علی هذا القول: اقضوا کما کنتم تقضون وفی ما قال؟ استدل الرافضة بالحدیث علی خلافة علیؓ بلا فصل فکیف الرد البلیغ علیهم؟ متی قال النبی ﷺ لعلیؓ: اما ترضی ان تکون منی.

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال کا حل چار امور ہیں۔ (۱) آثار کا ترجمہ (۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد فرمانے کا موقع (۳) مذکورہ احادیث سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بلا فصل ہونے کا عدم ثبوت (۴) اما ترضی ان تکون منی کا موقع۔

**جواب**...... ❶ آثار کا ترجمہ:۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا اس حال میں کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے راضی تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ کیا تو اس بات پر راضی نہیں ہے کہ تو میرے لئے ایسے ہی ہو جائے جیسے موسیٰ علیہ السلام کیلئے ہارون علیہ السلام تھے۔ حضرت عبیدہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ فیصلہ کرو تم جیسا کہ تم پہلے فیصلہ کرتے تھے پس بیشک میں اختلاف کو ناپسند کرتا ہوں یہاں تک کہ لوگ ایک ہی جماعت ہوں یا پھر میری موت واقع ہو جائے جیسا کہ میرے ساتھیوں کی موت واقع ہوگئی۔ ابن سیرین " کہا کرتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی عموماً روایات جھوٹ ہیں۔

❷ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد فرمانے کا موقع:۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ام ولد کی بیع کے بارے میں اختلاف ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے اہل عراق! جس طرح تم اس مسئلہ میں حضرات شیخین (ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما) کے دور میں فیصلہ

کرتے تھے اسی طرح اب بھی فیصلہ کرو میں نہیں چاہتا کہ میرے دور میں ان کے فیصلہ کے خلاف فیصلہ ہو اور لوگ اختلاف کی وجہ سے تقسیم ہو جائیں، کچھ میرے فیصلہ پر عمل کریں اور کچھ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے فیصلہ پر عمل کریں۔ بلکہ اب بھی وہی فیصلہ کرو جو اس وقت کرتے تھے، یا پھر ایسی حالات میں میری موت واقع ہو جائے یعنی میری موت واقع ہو سکتی ہے مگر میری زندگی میں حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے فیصلہ کے خلاف فیصلہ نہیں ہو سکتا یا پھر میری زندگی میں امت میں اختلاف نہیں ہو سکتا۔

❷ **مذکورہ احادیث سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بلافصل ہونے کا رد:۔** حضرت ہارون علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام والی حدیث کی ذریعے روافض نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ثبوت اور بقیہ خلفاء کی خلافت کی نفی پر استدلال کیا ہے کہ جیسے حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ تھے اور کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں تھا اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے بلا شرکت خلیفہ ہیں اور تشبیہ سے یہی مطلوب ہے۔ مگر یہ استدلال درست نہیں کیونکہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ ان کی زندگی میں بنے تھے نہ کہ موت کے بعد۔ اس لئے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی موت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہوئی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ان سے مشابہت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ بھی آپ ﷺ کی زندگی میں ہی ایک خاص موقع پر آپ کے خلیفہ بنے ہوں، چنانچہ ایسا ہی ہے۔ باقی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت آپ ﷺ کے وصال کے بعد تو یہاں اس کا ذکر ہے اور نہ اس واقعہ سے کوئی تعلق ہے۔

❸ **اما ترضی ان تکون منی الخ کا موقع:۔** غزوہ تبوک کے موقع پر جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گھر میں چھوڑا اور جنگ کیلئے ساتھ لے کر نہ گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شکایت کے طور پر رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ آپ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑ کر جا رہے ہیں، یہ تو ایک معمولی کام ہے اس کی وجہ سے میں جہاد جیسے اہم کام سے محروم رہ جاؤں گا۔ آپ ﷺ نے ان کی شکایت کو دور کرتے ہوئے اور ان کی دلجوئی کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے پہلے بھی یہ کردار ایک پیغمبر نے بھی انجام دیا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے کوہ طور پر جا رہے تھے تو قوم کی دیکھ بھال کے لئے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو پیچھے چھوڑا تھا تو کیا آپ اس بات پر راضی نہیں ہو کہ آپ میرے لئے بمنزل ہارون کے ہو جاؤ۔ گویا یہ ارشاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے بہت بڑے اعزاز کی بات تھی۔ (کشف الباری [illegible])

**الشق الثانی** ...... عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: لَمَّا اشْتَدَّ بِالنَّبِيِّ ﷺ وَجَعُهُ قَالَ: ائْتُونِي بِكِتَابٍ أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَا تَضِلُّوا بَعْدَهُ، قَالَ عُمَرُ: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ غَلَبَهُ الْوَجَعُ، وَعِنْدَنَا كِتَابُ اللّٰهِ، حَسْبُنَا، فَاخْتَلَفُوا وَكَثُرَ اللَّغَطُ، قَالَ: قُومُوا عَنِّي، وَلَا يَنْبَغِي عِنْدِي التَّنَازُعُ، فَخَرَجَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُولُ: إِنَّ الرَّزِيَّةَ كُلَّ الرَّزِيَّةِ مَا حَالَ بَيْنَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَبَيْنَ كِتَابِهِ. (ص ۲۲ ج ۱ بخاری)

شکل الحدیث ثم ترجمه واذكر لقب هذا الحديث. ماذا كان يريد النبي ﷺ أن يكتب للناس؟ اكتب في ضوء أقوال العلماء. كيف ساغ لعمر ان يقول ما قال، مع أن أمر الرسول كان واجب الامتثال؟ ماذا يعني ابن عباس بقوله: ان الرزية.....الخ؟ وهل كان حاضرا في المجلس. اذكر غرض المؤلف من هذه الترجمة.

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال میں چھ امور کا حل مطلوب ہے (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) حدیث کا نام ولقب (۴) آپ ﷺ جو امور لکھوانا چاہتے تھے ان کی نشاندہی (۵) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم نبوی ﷺ پر عمل نہ کرنے کی وجہ (۶) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کی مراد (۷) ترجمۃ الباب کی غرض۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث پر اعراب:۔** کما مر فی السوال آنفا۔

❷ <u>حدیث کا ترجمہ:۔</u> حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ بہت بیمار ہوئے تو آپ ﷺ نے اسی بیماری کی سختی میں فرمایا کہ لکھنے کا سامان لاؤ میں تمہارے لئے ایک کتاب لکھوا دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو سکو۔ حضرت عمر ؓ نے کہا کہ آپ ﷺ پر بیماری کی سختی ہے اور ہمارے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے وہ ہم کو بس کافی ہے لوگوں نے اختلاف شروع کیا اور شور وغل مچ گیا آپ ﷺ نے فرمایا چلو اٹھ جاؤ میرے پاس لڑنے جھگڑنے کا کیا کام۔ حضرت ابن عباس ؓ (نے جب یہ حدیث روایت کی) تو یوں کہتے ہوئے نکلے: ہائے مصیبت وائے مصیبت جو آپ ﷺ اور آپ کی تحریر کے درمیان حائل ہوگئی۔

❸ <u>حدیث کا نام ولقب:۔</u> یہ حدیث حدیث قرطاس کے نام ولقب سے مشہور ہے اور اس واقعہ کو واقعۂ قرطاس کہتے ہیں کیونکہ اس میں آپ ﷺ کے قلم دوات اور کاغذ منگوانے کا ذکر ہے۔ (کشف الباری ج۵ ص ۳۳۶)

❹ <u>آپ ﷺ جو امور لکھوانا چاہتے تھے ان کی نشاندہی:۔</u> آپ ﷺ نے قلم دوات اور کاغذ کس لئے منگوایا تھا اور آپ ﷺ کیا لکھوانا چاہتے تھے؟ اس کی کہیں بھی تصریح نہیں ہے البتہ سیاق روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ خلافت کے متعلق ہی لکھوانا چاہتے تھے تاکہ لوگ اس میں اختلاف نہ کریں کیونکہ اس سے فتنہ وگمراہی کا دروازہ کھل جاتا۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ آپ ﷺ احکام دین لکھوانا چاہتے تھے تاکہ اختلاف رفع ہو جائے۔ اہل علم نے پہلے احتمال کو راجح قرار دیا ہے۔ (ایضاً ج۵ ص ۳۳۷)

❺ <u>حضرت عمر ؓ کے حکم نبوی ﷺ پر عمل نہ کرنے کی وجہ:۔</u> روافض اعتراض کرتے ہیں کہ جب آپ ﷺ نے قلم کاغذ اور دوات منگوایا تو حضرت عمر ؓ نے کیوں منع فرمایا حالانکہ حکم نبوی ﷺ پر عمل کرنا واجب ہے۔

اس سوال کے علماء نے متعدد جوابات دیئے ہیں۔ ① حضرت عمر ؓ نے حضور ﷺ کیلئے تخفیف اور سہولت کا ارادہ فرمایا کہ جب طبیعت بحال ہو جائے گی تو اس وقت لکھوا لیں گے ② کیا حضرت عمر ؓ کو ہی خطاب تھا؟ نہیں، بلکہ سارے صحابہ کرام ؓ مخاطب تھے اور کیا حضرت عمر ؓ کا اتنا ہی رعب تھا کہ کوئی اور صحابی بالخصوص علی شیر خدا بھی لکھوا ہی نہ سکے؟ پھر جب حضرت عمر ؓ نماز وغیرہ کیلئے جاتے تو اس وقت لکھوا لیتے؟ ③ ان کلمات کے بعد آنحضرت ﷺ پانچ دن تک زندہ رہے تو پانچ دن تک کسی نے کیوں نہ لکھوایا ④ جو آپ ﷺ لکھوانا چاہتے تھے وہ کوئی استحبابی امر تھا، وجوبی نہیں تھا، اگر وجوبی ہوتا تو لازم آئے گا کہ آپ ﷺ نے تبلیغ رسالت کا حق ادا نہیں کیا اور دین کی تکمیل کئے بغیر رخصت ہوئے (نعوذ باللہ) ⑤ آپ ﷺ کبھی امتحاناً سوال کیا کرتے تھے، یہ بھی امتحان تھا، صحابہ کرام ؓ سمجھ گئے کہ امتحانی سوال ہے اور آپ ﷺ اپنے ساتھیوں کا عزم دیکھنا چاہتے ہیں کہ کیا ان کو یقین ہے کہ دین کی تکمیل ہوگئی یا نہیں؟ جب حضرت عمر ؓ نے کہہ دیا حسبنا کتاب اللہ تو حضور ﷺ خاموش ہو گئے ⑥ حضرت عمر ؓ کی "موافقت رائے" والی خصوصیت تھی، بہت ساری باتیں اللہ تعالیٰ نازل کرنا چاہتے تو حضرت عمر ؓ کی زبان پر جاری ہو جاتیں اور بہت ساری باتوں میں حضور ﷺ نے اپنے مشورہ کو حضرت عمر ؓ کے مشورے کی وجہ سے بدل لیا جیسے ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہ ؓ آنحضرت ﷺ کے پیچھے گئے آنحضرت ﷺ سے ملاقات ہوئی آپ ﷺ نے فرمایا جوتا لے جاؤ اور اعلان کرو **من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ** آگے سے حضرت عمر ؓ مل گئے انہوں نے منع کر دیا حضرت ابوہریرہ ؓ نے واپس جا کر حضور ﷺ سے بیان کر دیا۔ حضرت عمر ؓ بھی آ گئے اور اس کا نقصان عرض کیا کہ لوگ کلمہ پڑھ کر بیٹھ جائیں گے، اعمال نہیں کریں گے تو حضور ﷺ نے ان کی رائے سے اتفاق کیا ایسے ہی یہاں بھی حضرت عمر ؓ کی رائے سے حضور ﷺ نے اتفاق کر لیا ⑦ فتح الباری میں مسند احمد سے منقول ہے کہ حضرت علی ؓ کو حکم دیا تھا اور مناسب بھی یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ اہل بیت نبوی سے تھے تو شیعوں نے خوب پروپیگنڈہ کیا اور حضرت عمر ؓ کو ہدف ملامت بنایا، حکم تو حضرت علی ؓ کو دیا تھا وہ کیوں رک گئے؟

❻ <u>حضرت ابن عباس ؓ کے قول کی مراد:۔</u> حضرت ابن عباس ؓ اس وقت جب یہ واقعۂ قرطاس پیش آیا مجلس میں

موجود نہ تھے، مراد یہ ہے کہ جس وقت حدیث کا درس دے رہے تھے اور اس مقام پر پہنچے تو ان الـرزیۃ کہہ کر تحریر مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے کہ ہائے مصیبت، ہائے مصیبت، کس نے آپ ﷺ کو لکھوانے سے منع کر دیا تھا، اگر آپ ... وقت (ترتیب خلافت) لکھوا دیتے تو پھر مسلمانوں میں یہ جنگ جمل وصفین کے واقعات ہی پیش نہ آتے۔ (ایضاح ج ص ۳۰۸)

❷ <u>ترجمۃ الباب کی غرض:۔</u> حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ بعض اوقات مختلف فیہ مسائل کے ابواب میں ترجمہ کو علی سبیل الاحتمال ذکر کرتے ہیں کسی ایک جانب کو جزم کے ساتھ ذکر نہیں کرتے یہ ترجمہ بھی اسی طرح ہے کیونکہ کتابت کے متعلق سلف میں اختلاف رہا ہے۔ بعض حضرات کتابت کے قائل تھے اور بعض نہیں۔ اگرچہ بعد میں کتابت حدیث پر اجماع منعقد ہو چکا ہے بلکہ اس کے استحباب پر اتفاق ہو چکا ہے اس سے بڑھ کر یہ کہ جس کے ذمہ تبلیغ علم لازم ومتعین ہو اور اسے نسیان کا خوف ہو تو اس پر کتابت علم وحدیث واجب ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مصنف کی غرض یہ بتانا ہے کہ کتابت حدیث کی اصل حدیث میں موجود ہے۔ اگرچہ عہد نبوی میں اس خدشہ کی بنیاد پر کہ قرآن کریم کے ساتھ خلط نہ ہو جائے یا اس اندیشہ کی وجہ سے کہ لوگ کتاب پر بھروسہ کر کے حفظ حدیث کا اہتمام نہیں کریں گے، کتابت حدیث سے منع کیا گیا تھا لیکن بعد میں کتابت کی اجازت ہو گئی، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے واقعات اس پر شاہد ہیں۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ فرماتے ہیں "حفاظت علم اور بقاء علم اور اشاعت وتبلیغ علم کے لئے کتابت بھی ضروری ہے اور سہل اور انفع ذریعہ ہے، اس لئے باب کتابۃ العلم منعقد کر کے کتابت علم کا استحسان اور امور علمیہ کا بغرض بقاء وحفاظت آپ کے ارشاد سے لکھا جانا ثابت کر دیا بلکہ اشارۃً علماء کو ترغیب الی الکتابت بھی مفہوم ہوتی ہے"۔ (کشف الباری ج ص ۲۱۷)

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۱ھ

**الشق الاول** ...... باب اذا عرض الذمی وغیرہ بسب النبی ﷺ ولم یصرح نحو قولہ: السام علیك سمعت أنس بن مالك یقول: مر یهودی برسول الله ﷺ فقال: السام علیك، فقال رسول الله ﷺ وعلیك، فقال رسول الله ﷺ أتدرون مایقول؟ قال: السام علیك، قالوا: یارسول الله ألا نقتله، قال: لا، اذا سلم علیكم أهل الكتاب فقولوا: وعلیكم. (ص ۱۰۲۳۔ ج ۲۔ قدیمی)

اذکر غرض البخاری من ترجمة الباب. قید "الذمی" فی الباب هل هو قید اتفاقی أم احترازی؟ و علی الثانی: عن أی شیء احترز به؟ ترجم الحدیث المبارك واذكر ما هو حكم ساب النبی ﷺ؟ ان كان یستحق القتل فلماذا نهاهم عن القتل، وان لم یستحق القتل فلماذا أمرهم بقتل كعب بن الأشرف وغیره.

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال کا حاصل چار امور ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) الـذمی کی قید کی وضاحت (۳) حدیث کا ترجمہ (۴) ساب النبی ﷺ کا حکم۔

**جواب** ...... ❶ <u>ترجمۃ الباب کی غرض:۔</u> امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض اس ترجمۃ الباب سے مسئلۃ الباب میں مذہب کوفیین کی تائید کرنا ہے اور مسئلۃ الباب (سب النبی ﷺ کے حکم) کو بیان کرنا ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حضور ﷺ کو معاذ اللہ برا بھلا کہے یا کوئی عیب لگائے تو اس کا کیا حکم ہے تو اہل کوفہ (جن میں سفیان ثوری اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہما اللہ بھی ہیں) کا مذہب یہ ہے کہ اگر یہ شخص ذمی ہے تو تعزیر کی جائے گی اور قتل نہیں کیا جائے گا۔ جبکہ اگر وہ شخص مسلمان ہو تو اس جرم کی وجہ سے وہ مرتد ہو جائے گا۔ جبکہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اگر وہ شخص ذمی ہو تب

بھی اس کو قتل کیا جائے گا۔ تو امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب قائم کر کے اہل کوفہ کے مذہب کو ترجیح دی ہے۔ باقی یہ کیسے معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے مذہب کوفیین کی تائید کی ہے تو ایک تو اس وجہ سے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ قائم کر کے ایسے شخص پر کوئی صراحۃً حکم نہیں لگایا اور اس کے بعد جو حدیث ذکر کی ہے اس سے اسی مذہب کو ترجیح ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس یہودی کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا جس نے السام علیک کہہ کر سب النبی ﷺ کا ارتکاب کیا تھا۔ (حاشیہ)

❷ **الذمی کی قید کی وضاحت:۔** الذمی کی قید احترازی ہے یہ قید لگا کر حربی کافر اور مسلمان سے احتراز مقصود ہے کیونکہ سب النبی ﷺ کی وجہ سے وہ واجب القتل ہیں۔

❸ **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ میں نے ایک یہودی کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سے گزرتے ہوئے سنا کہ اس نے کہا **السام علیک** (لام کے بغیر) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **وعلیک** پھر رسول اللہ ﷺ نے (ہم سے مخاطب ہو کر) فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ اس نے کیا کہا ہے؟ (ہم نے کہا نہیں) آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس نے کہا تھا **السام علیک** صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ کیا ہم اس کو قتل کر دیں؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا کہ اس کو قتل نہ کرو، جب کوئی کتابی تم کو سلام کرے تو تم اس کو **وعلیکم** کہو۔

❹ **سب النبی ﷺ کا حکم:۔** جمہور کے نزدیک آنحضرت ﷺ کو گالی دینے والے شخص کو قتل کیا جائیگا اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ و کوفیین کے نزدیک اگر وہ کافر ہے تو وہ مستحق قتل ہے اس کو قتل کیا جائیگا اور وہ اگر مسلمان ہے تو مرتد ہونے کی وجہ سے اس کو بھی قتل کیا جائیگا اور اگر وہ ذمی ہے تو پھر عہد نہیں توڑا جائے گا یعنی اس پر تعزیر جاری ہوگی اس کو قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ مشرک ہے۔ جب اس کے مشرک ہونے کے باوجود اس کو قتل نہیں کیا گیا اس کا جان و مال دار الاسلام میں محفوظ ہے تو پھر اس کو سب النبی ﷺ کی وجہ سے بھی قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ سب النبی ﷺ تو شرک سے چھوٹا گناہ ہے۔ باقی آنحضرت ﷺ نے اس یہودی کے قتل کا حکم اس کی تالیف قلب کیلئے نہیں دیا تھا۔ نیز وہ ذمی تھا اور اس کی بدگوئی پر واضح دلائل بھی نہ تھے اور کعب بن اشرف کے قتل کا حکم اسلئے دیا کہ وہ مشرک و حربی کافر تھا اور انتہائی موذی و شریر شخص تھا جو لوگوں کو آپ ﷺ کے خلاف اور اسلام کے خلاف اشعار میں اکساتا تھا اور آپ ﷺ نے سب النبی ﷺ کی وجہ سے اس کے قتل کا حکم نہ دیا تھا۔ (حاشیہ)

**الشق الثانی** ...... **باب الحاکم یحکم بالقتل علی من وجب علیہ دون الامام الذی فوقہ عن أنس أن قیس بن سعد کان یکون بین یدی النبی ﷺ بمنزلة صاحب الشرط من الأمیر.** (ص۱۰۵۹،ج۲،قدیمی)

**اذکر غرض المؤلف من ترجمة الباب . اشرح قول أنس تماما . هل یجوز اقامة الحدود لأمیر العسکر علی عسکرہ؟ أو المالك علی مملوکہ؟**

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ کے قول کی مراد (۳) امیر لشکر اور مالک کے حد قائم کرنے کی وضاحت۔

**جواب** ...... ❶ **ترجمۃ الباب کی غرض:۔** امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض اس ترجمہ سے بعض فقہاء کی تائید کرنا ہے کہ جن کے نزدیک امیر مصر کی طرف سے مقرر کردہ چھوٹے امیر اور حاکم بھی حدود و قصاص کا فیصلہ کر سکتے ہیں اس کے برخلاف احناف کے نزدیک حدود و قصاص کا فیصلہ صرف امیر عام اور امیر مصر کر سکتا ہے چھوٹے امیروں اور حاکموں کو اس کا اختیار نہیں۔

❷ **حضرت انس رضی اللہ عنہ کے قول کی مراد:۔** حضرت انس رضی اللہ عنہ کے قول کا حاصل یہ ہے کہ حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ رسول

اللہ ﷺ کے زمانہ میں آپ ﷺ کے ساتھ اس طرح رہتے تھے جیسے امیر کے ساتھ سپاہیوں کا افسر رہتا ہے یعنی حضرت قیس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ماتحت ایک امیر ہونے کی حیثیت سے رہتے تھے۔

**❷ امیر لشکر اور مالک کے حد قائم کرنے کی وضاحت:۔** حنفیہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ امام وقت کے علاوہ کوئی دوسرا شخص حد جاری نہیں کر سکتا۔ نہ امیر لشکر اپنے ماتحت افراد پر اور نہ مالک اپنے مملوک پر بصرف اور صرف امامِ وقت ہی حد جاری کرے گا جبکہ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک آقا و مالک اپنے مملوک پر حد جاری کر سکتا ہے ان کی دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ اے لوگو! اپنے غلام و باندیوں پر حد جاری کرو یہ ارشاد اپنی حقیقت پر ہے حنفیہ کے نزدیک وہ احادیث و آثار وغیرہ جن میں حدود قائم کرنے کا حکم ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ حدود قائم کرواؤ یعنی جرم کی وجہ سے اپنے غلام و مملوک وغیرہ کو چھپاؤ نہیں بلکہ امام وقت کے سامنے اسکو پیش کرو اور اس پر حد جاری کرواؤ۔ (تحفۃ الالمعی ج ۴ ص ۳۲۷ تقریر ترمذی ج ۲ ص ۹۳)

## ﴿الورقة الرابعة: الصحيح للامام البخاري﴾

### ﴿السوال الاول﴾ ١٤٢٢ھ

**الشق الاول** ...... عن عائشة أم المؤمنين أن الحارث بن هشام سأل رسول الله ﷺ، فقال: يا رسول الله! كيف يأتيك الوحي؟ فقال رسول الله ﷺ: أحيانًا يأتيني مثل صلصلة الجرس، هو أشده على فيفصم عني وقد وعيت عنه ماقال، وأحيانًا يتمثل لى الملك رجلا فيكلمني فأعي مايقول، قالت عائشة ولقد رأيته ينزل عليه الوحي في اليوم الشديد البرد، فيفصم عنه وان جبينه ليتفصدعرقًا.

ترجم الحديث ترجمة واضحة . اشرح الحديث واذكر انواع الوحي، وكم نوعا ذكر ههنا؟ ولماذا لم يذكر سائر أنواعه؟ هل هذا الحديث من مسانيد عائشة أم من مسانيد الحارث بن هشام؟ (ص۔ ج۔ ق ی)

**﴿خلاصۂ سوال﴾** ...... اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی تشریح (۳) وحی کی اقسام (۴) مسند عائشہ رضی اللہ عنہا یا حارث رضی اللہ عنہ کی تعیین۔

**جواب** ...... **❶ حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! آپ پر وحی کیسے آتی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وحی کبھی میرے پاس گھنٹی کی جھنکار کی طرح آتی ہے اور وحی کی یہ کیفیت مجھ پر بہت شاق گزرتی ہے پھر یہ کیفیت مجھ سے دور ہو جاتی ہے جبکہ اس (فرشتہ) کا کہا مجھے محفوظ ہو جاتا ہے اور کسی وقت فرشتہ آدمی کی صورت میں میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے بات بیان کرتا ہے پھر جو کچھ وہ کہتا ہے میں اسے یاد کر لیتا ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے کڑاکے کی سردی میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب وحی کا سلسلہ موقوف ہو جاتا تو آپ ﷺ کی پیشانی سے پسینہ بہہ نکلتا۔

**❷ حدیث کی تشریح:۔** حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ سے وحی کے متعلق سوال کیا کہ آپ ﷺ پر وحی کس طرح آتی ہے تو آپ ﷺ نے اس حدیث میں نزول وحی کی کیفیت کو بیان فرمایا ہے کہ بعض اوقات وحی گھنٹی کی آواز کی طرح غیر مفہوم صورت میں آتی ہے کہ پہلی آن اور گھڑی میں سمجھ میں نہیں آتی اور صلصلة سے جس آواز کو تشبیہ دی گئی ہے وہ فرشتہ کے پروں کی آواز ہے یا حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ وحی کی حفاظت کے لئے فرشتوں کی جو جماعت آتی تھی اس کی پرواز کی آواز ہے یا خود جبرائیل علیہ السلام کے آنے کی آواز ہے یا فرشتہ کی اصل آواز ہے۔ وحی کی اس قسم میں فرشتہ کا نزول براہ راست آپ ﷺ کے قلب پر ہوتا تھا اور آپ ﷺ کو تمام قوتیں سمیٹ کر روحانیت کو غالب اور بشریت کو مغلوب کر کے اسکی طرف متوجہ ہونا

پڑتا تھا اس وجہ سے وحی کی یہ قسم آپ ﷺ پر انتہائی دشوار اور شاق ہوتی تھی، پھر جب یہ وحی کا سلسلہ ختم ہوتا ہے تو جو کچھ فرشتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے القاء کرتا ہے میں اس کو یاد کر چکا ہوتا ہوں اور اس کا حافظ ہو چکا ہوتا ہوں۔

وحی کے نزول کی دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ بعض اوقات فرشتہ انسان کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اور بصورت بشر وہ مجھ سے باتیں کرتا ہے اور جو کچھ وہ کہتا ہے میں اسے یاد کرتا رہتا ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو شدید سردی کے زمانہ میں وحی نازل ہونے کی حالت میں دیکھا کہ جب آپ ﷺ سے وحی منقطع ہوتی تو آپ ﷺ کی پیشانی سے پسینہ بہہ پڑتا تھا۔ یعنی نزول وحی میں اس قدر شدت ہوتی تھی کہ شدید سردی کے باوجود پسینہ بہہ پڑتا تھا۔ (کشف الباری ج۱ ص۲۹۸)

③ **وحی کی اقسام:۔** وحی کی مختلف انداز سے مختلف اقسام بیان کی گئی ہیں مگر ان سب کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ وحی کی تین اقسام ہیں جیسا کہ آیت کریمہ **وماكان لبشران يكلمه الله الا وحيا اومن وراء حجاب او يرسل رسولا فيوحى باذنه مايشاء** میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے:

① **تلقى بالقلب** یعنی بغیر کسی واسطے کے قلب میں کسی بات کا ڈالنا خواہ نیند میں ہو یا بیداری میں ② **كلام من وراء حجاب** جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طور پر اور آپ ﷺ نے شب معراج میں سنا ③ **ارسال الرسول** یعنی فرشتہ کے ذریعہ وحی بھیجنا خواہ وہ بشر کی صورت میں آئے یا براہ راست قلب اطہر پر القاء کرے اور اس حدیث میں اسی آخری قسم کا ذکر ہے۔

سوال ہوتا ہے کہ جب وحی کی متعدد اقسام ہیں تو پھر آپ ﷺ نے باقی اقسام کو ذکر کیوں نہیں کیا؟

جواب کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس حدیث میں کثیر الوقوع صورتوں کو ذکر کیا ہے اور وہ دو ہی صورتیں ہیں۔ (ایضاً ج۱ ص۲۹۷)

④ **مسند عائشہ رضی اللہ عنہا یا حارث رضی اللہ عنہ کی تعیین:۔** یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مسانید میں سے ہے یا حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ کی مسانید میں سے ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر بوقت سوال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہاں موجود تھیں اور انہوں نے براہ راست خود سنا ہو تو پھر یہ حدیث مسانید عائشہ رضی اللہ عنہا میں سے ہے اور اگر بوقت سوال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہاں موجود نہ ہوں تو پھر یہ حدیث مسانید حارث رضی اللہ عنہ میں سے ہے اور اس وقت یہ حدیث مرسل صحابی رضی اللہ عنہ ہوگی اور جمہور کے نزدیک اس کا حکم موصول کا ہے۔ (ایضاً ج۱ ص۲۹۵)

**الشق الثاني** ...... **باب حفظ العلم، حدثنا ابومصعب أحمد بن أبي بكر، قال: حدثنا محمد بن ابراهيم بن دينار عن ابن أبي ذئب، عن سعيد المقبري عن أبي هريرة قال: قلت يارسول الله ﷺ اني أسمع منك حديثا كثيرًا أنساه، قال: ابسط رداءك، فبسطته، قال: فغرف بيديه ثم قال: ضمه، فضممته، فما نسيت شيئًا بعده، حدثنا ابراهيم بن المنذر قال: حدثنا ابن أبي فديك بهذا أوقال: غرف بيده فيه.**

**اذكر عددمرويات ابي هريرة" واكتب كيف كان أكثر حديثًا من عبدالله بن عمرو مع أنه كان يكتب وأبوهريرة كان لايكتب؟ كيف التوفيق بين هذاالحديث: "فما نسيت شيئا بعده" وبين مانقل عن بعض الصحابة" أن أباهريرة قد نسي بعض الأحاديث. ماهوغرض المؤلف في ايراد طريق آخر بقوله: "حدثنا ابراهيم بن المنذر...... الخ".** (ص۸۔ج۱۔قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل چار امور ہیں (۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات کی تعداد (۲) کثرت روایات کی توجیہ (۳) احادیث میں تطبیق (۴) طریق آخر کو لانے کی غرض۔

**جواب** ...... ① **حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات کی تعداد:۔** حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات کی تعداد میں مختلف

اقوال ہیں مگر سب سے مشہور قول کے مطابق ان کی تعداد (۵۳۷۴) پانچ ہزار تین سو چوہتر ہے۔ (کشف الباری ج ۱ ص ۵۰۵)

❸ **کثرت روایات کی توجیہ:۔** سوال ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ احادیث کو لکھا کرتے تھے جبکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ احادیث کو لکھتے نہیں تھے اور ان کو احادیث بھول بھی جاتی تھیں مگر اس کے باوجود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث زیادہ ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی احادیث کم ہیں۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس صحیفہ بھی تھا اور وہ احادیث لکھتے بھی تھے مگر چند عوارض اور وجوہ سے انکی احادیث ہم تک نہیں پہنچیں۔ ① حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ تعلیم کی نسبت عبادات میں زیادہ مشغول رہتے تھے ② مصر میں آکر مقیم ہو گئے تھے اور مدینہ کی نسبت مصر میں کم طالبان حدیث پہنچے ③ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی طور پر دعا فرمائی تھی اس وجہ سے انکی مرویات زیادہ ہیں۔ (ایضاً)

❹ **احادیث میں تطبیق:۔** سوال ہوتا ہے کہ احادیث میں تعارض ہے اس لئے کہ اس روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں فما نسیت شیأ بعدہ اور بعض صحابہ سے مروی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بعض احادیث بھول گئے تھے۔

ان احادیث و روایات میں تطبیق یہ ہے کہ نسیان والی روایات کا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے قبل کی حالت سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے پہلے وہ بعض روایات کو بھول گئے تھے۔

دوسری تطبیق یہ ہے کہ عدم نسیان کا تعلق مخصوص احادیث کے ساتھ ہے کہ مخصوص احادیث میں سے میں کچھ نہیں بھولا۔ (کشف الباری ج ۴ ص ۳۵۳)

❺ **طریق آخر کو لانے کی غرض:۔** مصنف رحمہ اللہ نے طریق آخر کو لا کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ متن کے الفاظ مختلف ہیں بعض جگہ فغرف بیدیہ کے الفاظ ہیں اور بعض جگہ غرف بیدہ فیہ کے الفاظ ہیں۔ (ایضاً ج ۴ ص ۳۵۹)

## ﴿السوال الثانی ۱۴۳۲ھ﴾

**الشق الاول** ......باب اذا أحصر المعتمر، عن نافع أن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنهما حين خرج الی مكة معتمرا في الفتنة قال ان صددت عن البيت صنعت كما صنعنا مع رسول الله، فأهل بعمرة من أجل أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان أهل بعمرة عام الحديبية. (ص ۲۴۳ - ج ۱، قدیمی) اذكر غرض المؤلف بايراد الترجمة . اذكر اختلاف العلماء في الاحصار: بأي شيء يتحقق؟ اذكر أدلتهم على ما ذهبوا اليه.

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں دو امر مطلوب ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) احصار کے تحقق میں اختلاف مع الدلائل۔

**جواب** ......① **ترجمۃ الباب کی غرض:۔** امام بخاری رحمہ اللہ کی اس ترجمۃ الباب سے غرض ان حضرات پر رد کرنا ہے جو یہ فرماتے ہیں کہ معتمر پر احصار نہیں ہوتا کیونکہ عمرہ حج کی طرح موقت نہیں ہے اس لئے معتمر اپنے احرام میں رہے گا اور جب بھی راستہ کھلے گا وہ طواف کے ذریعہ حلال ہو گا تو امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب سے ان پر رد کر دیا کہ جیسے حج میں احصار ہوتا ہے اسی طرح عمرہ میں بھی احصار ہوتا ہے۔

② **احصار کے تحقق میں اختلاف:۔** كما مرّ في الشق الثاني من السوال الاوّل ۱۴۳۰ھ (الورقة الثالثة)

**الشق الثانی** ......باب كيف تعرف لقطة أهل مكة......عن ابن عباس رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يعضد عضاهها، ولا ينفر صيدها، ولا تحل لقطتها الا لمنشد، ولا يختلى خلاها، فقال ابن عباس: يا رسول الله الا الاذخر، فقال: الا الاذخر. (ص ۳۲۸ - ج ۱، قدیمی)

اشرح كلا من "عضاهها" و "لا يختلي" و "خلاها" لغويًا. ترجم الحديث المبارك و اشرحه . هل هذا

الحدیث معارض لحدیث "نهى عن لقطة الحاج" فكيف التوفيق بينهما؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) الفاظ کی لغوی تحقیق (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) حدیث کی تشریح (۴) احادیث میں تطبیق۔

**جواب** ...... ① **الفاظ کی لغوی تحقیق:-** "خَلاھا" صیغہ واحد بحث اسم بمعنی تر گھاس اور خشک گھاس کو حشیش کہا جاتا ہے۔

"عِضَاھُا" صیغہ جمع بحث اسم بمعنی ہر بڑا کانٹے دار درخت، اس کا مفرد عِضَاھَۃٌ و عِضَۃٌ ہے۔

"لَا یُخْتَلٰی" صیغہ واحد مذکر غائب بحث نفی مضارع مجہول از مصدر اختلاء (افتعال) بمعنی کاٹنا۔

② **حدیث کا ترجمہ:-** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہ کاٹے جائیں اس کے درخت، اور نہ (بھگائے) جائیں اس کے شکار اور نہ اٹھائے وہاں کا لقطہ مگر وہی شخص جو اعلان کرنے والا ہو اور نہ کاٹی جائے اس کی گھاس، پس ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اذخر کا استثناء فرما دیں، تو آپ ﷺ نے (اذخر کا استثناء کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا کہ الا الاذخر یعنی اس کو کاٹا جا سکتا ہے۔ (اذخر ایک خوشبودار گھاس ہے)

③ **حدیث کی تشریح:-** آپ ﷺ نے اس حدیث میں مکہ (حرم) کے متعلق چند احکامات ارشاد فرمائے ہیں کہ یہاں کے چھوٹے بڑے درخت اور تر گھاس کو نہ کاٹا جائے اور وہاں کے شکار کو ڈرا دھمکا کر بھگایا نہ جائے اور اسکا لقطہ یعنی کوئی بھی گری پڑی چیز نہ اٹھائی جائے مگر جس شخص کا لقطہ اٹھانے کا مقصد اس کی تشہیر کرنا ہو اور اعلان کرتا ہو وہ شخص حرم کا لقطہ اٹھا سکتا ہے۔

④ **احادیث میں تطبیق:-** دونوں قسم کی احادیث میں کوئی فرق نہیں ہے اسلئے کہ دونوں احادیث کا مآل ایک ہی ہے باقی آپ ﷺ نے خصوصیت کیساتھ حاجی کا لقطہ نہ اٹھانے کا حکم اسلئے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ بعض اوقات کوئی چیز ایک جگہ رکھ کر بھول جاتا ہے پھر جب بعد میں اسے یاد آئے گا تو وہ دوبارہ اس مکان کی طرف لوٹے گا اور جب وہاں اپنی چیز نہ پائے گا تو اس سے اس کو تکلیف ہوگی اسلئے خصوصیت کے ساتھ حاجی کا لقطہ اٹھانے سے منع فرمایا، البتہ اگر حاجی کا لقطہ بھی ضائع ہونے کا خوف و اندیشہ ہو تو اس کا اٹھانا لازم ہے۔

## ﴿السؤال الثالث﴾ ۱۴۳۲ھ

**الشق الاول** ...... باب ما يجوز من الظن، عن عائشة قالت: قال النبي ﷺ و ما أظن فلانًا وفلانًا يعرفان من ديننا شيئًا. قال الليث: كانا رجلين من المنافقين، حدثنا يحيى بن بكير حدثنا الليث بهذا، وقالت: دخل على النبي ﷺ يومًا وقال: ياعائشة ما أظن أن فلانًا يعرفان ديننا الذي نحن عليه.

اذكر غرض المؤلف بالترجمة. قالوا: الحديث لا يطابق الترجمة، لأن في الترجمة اثبات الظن وفي الحديث نفي الظن فما هو الجواب عنه؟ أليس هذا الحديث يعارض قول الله تعالى: "اجتنبوا كثيرًا من الظن" فكيف التوفيق بينهما. (ص ۸۹۶ ۔ ج ۲ ۔ قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) ترجمۃ الباب کا اثبات (۳) آیت کریمہ و حدیث میں تطبیق۔

**جواب** ...... ① **ترجمۃ الباب کی غرض:-** شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ باب سابقہ باب سے بمنزل استثناء کے ہے یعنی ما قبل میں مصنف رحمہ اللہ نے ظن کے عدم جواز کو بیان کیا تھا تو اب اس باب میں اس بات کو بیان فرما رہے ہیں کہ بعض ظن جس کی بنیاد واضح دلیل پر ہو وہ جائز ہے۔ (کشف الباری کتاب الادب ص ۳۶۲)

❷ **ترجمۃ الباب کا اثبات:۔** سوال ہوتا ہے کہ بظاہر حدیث اور ترجمہ میں مطابقت نہیں ہے، اسلئے کہ ترجمۃ الباب میں ظن کا اثبات ہے اور حدیث میں ظن کی نفی ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ حدیث میں ظن کی نفی نہیں ہے بلکہ حقیقی ظن کا اثبات ہے یعنی ظن کسی کام کے اثبات کے متعلق بھی ہوسکتا ہے اور کسی کام کی نفی کے متعلق بھی ہوسکتا ہے تو اس حدیث میں منفی ظن کا اثبات ہے کہ میرے گمان میں فلاں فلاں شخص ہمارے دین کی کوئی بات بھی نہیں جانتے۔ (ایضا)

❸ **آیت کریمہ و حدیث میں تطبیق:۔** سوال ہوتا ہے کہ بظاہر اس حدیث میں اور آیت کریمہ **اجتنبوا کثیرا من الظن** میں تعارض ہے اسلئے کہ آیت سے ظن کا عدم جواز اور گناہ ہونا معلوم ہورہا ہے اور حدیث سے ظن کا جواز معلوم ہورہا ہے۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ ان میں کوئی تعارض نہیں ہے اس لئے کہ ظن کی دو صورتیں ہیں:

① وہ ظن جس کی بنیاد بالکل واضح دلیل اور قرینہ پر ہو یہ جائز ہے اور حدیث الباب میں اسی کا ذکر ہے۔

② وہ ظن اور بدگمانی جس پر کوئی قرینہ اور دلیل نہ ہو یہ ناجائز ہے اور آیت کریمہ میں اسی کا ذکر ہے۔ (ایضا)

**الشق الثانی** ...... باب ذبائح أهل الكتاب وشحومها من أهل الحرب وغيرهم. عن عبدالله بن مغفل قال: كنا محاصرين قصر خيبر، فرمى انسان بجراب فيه شحم، فنزوت لآخذه، فالتفت، فاذا النبي ﷺ، فاستحييت منه. (ص ۸۲۸، ج ۲، قدیمی) اذكر غرض البخاري من ترجمة الباب. اذكر مطابقة الحديث بالترجمة بايضاح. ماهي شروط حل ذبائح أهل الكتاب؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) ترجمۃ الباب اور حدیث میں مطابقت (۳) اہل کتاب کے ذبیحہ کی شرائط۔

**جواب** ...... ❶ **ترجمۃ الباب کی غرض:۔** اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض اس بات کو بیان کرنا ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ اور اس کی چربی کا استعمال جائز ہے، یہی جمہور علماء کا مسلک ہے۔

اہل کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے وجود کے قائل ہیں تورات و انجیل میں سے کسی ایک پر ایمان رکھتے ہیں اگرچہ ان کے عقائد و نظریات مشرکانہ ہیں۔ (کشف الباری کتاب الذبائح ص ۲۰۲)

❷ **ترجمۃ الباب اور حدیث میں مطابقت:۔** اس طویل حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کو جراب مذکور سے انتفاع کا حکم دیا۔ معلوم ہوا کہ اس سے نفع حاصل کرنا اور اسے استعمال کرنا جائز ہے اور یہی ترجمۃ الباب ہے۔

❸ **اہل کتاب کے ذبیحہ کی شرائط:۔** اہل کتاب کے ذبیحہ کے حلال و قابل استعمال ہونے کی تین شرائط ہیں: ① اہل کتاب اسلامی طریقے سے ذبح کریں ② ذبح کرتے وقت صرف اللہ تعالیٰ کا نام لیں ③ ذبح کرنے والا واقعتاً اہل کتاب میں سے ہو ملحد و بے دین نہ ہو جیسا کہ آج کل اپنے آپ کو اہل کتاب کہلوانے والے اکثر بے دین اور ملحد لوگ ہیں۔ ان میں سے بہت سے اللہ کے وجود کے بھی قائل نہیں ہیں، ایسے لوگوں کا ذبیحہ درست نہیں ہے۔ (ایضا)

## ﴿الورقة الرابعة: الصحيح للامام البخاري﴾

## ﴿السوال الاول﴾ ۱۴۳۳ھ

**الشق الاول** ...... باب من قال ان الايمان هو العمل، لقول الله تعالى: وتلك الجنة التي أورثتموها بما كنتم تعملون وقال عدة من أهل العلم في قوله تعالى: "فوربك لنسألنهم أجمعين عما كانوا يعملون عن

قول لا اله الا الله" وقال: لمثل هذا فليعمل العاملون، عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ سئل أي العمل أفضل؟ فقال: ايمان بالله ورسوله، قيل: ثم ماذا؟ قال: الجهاد في سبيل الله، قيل: ثم ماذا؟ قال حج مبرور.

اذكر غرض البخاري من هذه الترجمة. اذكر مناسبة الآيات بالترجمة. كيف قدم الجهاد على الحج مع أن الحج ركن من أركان الاسلام، ووضح مناسبة الحديث بالباب. (ص ۸ ۱۴۰۸ھ)

﴿خلاصۂ سوال﴾..... اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) آیات کی ترجمۃ الباب سے مناسبت (۳) جہاد کو حج پر مقدم کرنے کی وجہ (۴) حدیث کی باب سے مناسبت۔

**جواب** ..... ❶ ترجمۃ الباب کی غرض:۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس ترجمۃ الباب سے سلف سے ایک اشکال کو دور کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ سلف سے منقول ہے الایمان قول وعمل، اشکال یہ ہوتا ہے کہ یہ تو بالکل جماعت کے خلاف ہے، ایمان تو تصدیق قلبی کا نام ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس ترجمۃ الباب سے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا اور بتایا کہ سلف صالحین جو یہ کہتے ہیں کہ ایمان عمل کا نام ہے اس سے مراد وہ عمل قلبی یعنی تصدیق باطنی لیتے ہیں لہٰذا ان کا قول جماعت کے خلاف نہیں ہے۔ مگر ترجمہ کی یہ غرض مؤلف رحمہ اللہ کے ابواب سابقہ ولاحقہ کی تصریح کے خلاف ہے۔

حضرت کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ ایمان محض علم اور معرفت کا نام نہیں کیونکہ یہ معرفت تو جحود کے ساتھ بھی جمع ہو جاتی ہے بلکہ ایمان عمل قلب کا نام ہے یعنی دل سے تسلیم کرنا اور دل سے ماننا ہی ایمان ہے۔

علامہ سندھی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اصل میں چونکہ متعدد آیات میں عمل کا ایمان پر عطف کیا گیا ہے اور عطف مغایرت پر دلالت کرتا ہے تو اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ اعمال ایمان سے خارج ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو دور کیا اور یہ بتلایا کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں اور اعمال کا ایمان پر مغایرت کی غرض سے عطف نہیں کیا گیا۔ عام شراح کرام کی رائے یہ ہے کہ یہاں عمل عام ہے، چاہے عمل جوارح ہو یا عمل قلب ہو۔ گویا امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اس ترجمہ سے یہ بتانا ہے کہ عمل ایمان میں داخل ہے۔

نیز امام بخاری رحمہ اللہ جہمیہ کا بھی رد کر رہے ہیں جو صرف معرفت کو خواہ اختیاری ہو یا غیر اختیاری ایمان کہتے ہیں۔ جب امام بخاری رحمہ اللہ نے بتایا کہ ایمان تو عمل ہی کا نام ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایمان میں جس معرفت کا اعتبار کیا گیا ہے وہ اختیاری ہے، غیر معرفت اختیاریہ کے اس پر عمل کا اطلاق صحیح نہیں ہوگا لہٰذا جہمیہ کا خیال بھی غلط ہو گیا۔ (کشف الباری ج ۲ ص ۱۵۱)

❷ آیات کی ترجمۃ الباب سے مناسبت:۔ پہلی آیت وتلك الجنة التي اورثتموها بما كنتم تعملون میں فرمایا کہ تم نے یہ جنت تمہیں عمل کی وجہ سے دی ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ جنت ایمان کے بدلہ میں ملتی ہے پس معلوم ہوا کہ اس عمل سے مراد ایمان ہی ہے واسطے کہ اگر اعمال کی کثرت ہو مگر ایمان نہ ہو تو جنت نہیں ملتی لیکن اگر عمل نہ ہو صرف ایمان ہی ہو تو جنت ملتی ہے۔

الغرض معلوم ہوا کہ ایمان عمل ہی ہے اور یہی ترجمۃ الباب ہے۔

دوسری آیت فوربك لنسئلنهم اجمعين، عما كانوا يعملون کے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں متعدد حضرات نے يعملون کی تفسیر لا اله الا الله سے کی ہے اور یہی ایمان ہے، پس معلوم ہوا کہ عمل ایمان ہی ہے۔

تیسری آیت لمثل هذا فليعمل العاملون میں مثل هذا سے مراد فوز عظیم ہے جس کا ما قبل میں ذکر ہے اور اس فوز عظیم سے مراد جنت ہے لہٰذا مطلب یہ ہے کہ جنت کیلئے عمل کرو اور جنت کیلئے اصل عمل ایمان ہی ہے کیونکہ اس کے بغیر جنت حاصل نہیں ہو سکتی۔

پس معلوم ہوا کہ آیت میں عمل کا اطلاق ایمان پر ہے۔ (ایضاً)

❸ جہاد کو حج پر مقدم کرنے کی وجہ:۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فرضیت کے اعتبار سے جہاد حج پر مقدم ہے اسلئے آپ ﷺ نے بھی اس حدیث میں جہاد کو مقدم ذکر کیا ہے۔ نیز ممکن ہے یہ اس وقت کا مسئلہ ہو جب کفار مسلمانوں پر حملہ کرتے ہیں تو ہر شخص پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے اور حج پر مقدم ہو جاتا ہے۔ نیز جہاد کو مقدم کیا کہ اس کا نفع متعدی ہے جبکہ حج کا نفع لازم ہوتا ہے۔ (ایضاً)

❹ حدیث کی باب سے مناسبت:۔ آپ ﷺ سے سوال ہوا کہ ای العمل افضل آپ ﷺ نے جواب دیا الایمان باللہ ورسولہ کہ عمل ایمان باللہ ہی ہے کوئی اور چیز نہیں اور یہی ترجمۃ الباب تھا۔

**الشق الثانی** ......باب: لایجمع بین متفرق ولایفرق بین مجتمع، ویذکر عن سالم عن ابن عمر رضی اللہ عنہما عن النبی ﷺ مثلہ. (ص ١٩٥۔ج قدیمی)

اذکر غرض البخاری من هذا الباب . اشرح قوله: لایجمع الخ حسب اختلاف الفقهاء في هذه المسألة . لماذا ذكر البخاری رحمه الله قوله "ويذكر....." بصيغة المجهول.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (١) باب کی غرض (٢) لایجمع بین متفرق ولا یفرق بین مجتمع کی تشریح (٣) یذکر مجہول کا صیغہ ذکر کرنے کی وجہ۔

**جواب** ......❶ باب کی غرض:۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض یہ ہے کہ آدمی زکوٰۃ کے ڈر سے فقراء و مساکین کا حق مارنے کے لئے فریب نہ کرے جو حق اس مال پر زکوٰۃ ہے اس کو ادا کرے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں خشیہ کی قید نہیں لگائی اس لئے کہ اس کی مراد میں علماء کا اختلاف ہے۔ (نصر الباری)

❷ لایجمع بین متفرق ولا یفرق بین مجتمع کی تشریح:۔ اس جملہ کی تشریح میں ائمہ ثلاثہ اور حنفیہ رحمہم اللہ کے درمیان اختلاف ہے۔ اس اختلاف کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے قدرے تفصیل کی ضرورت ہے۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی مال دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو تو زکوٰۃ ہر شخص کے الگ الگ حصے پر نہیں بلکہ مجموعے پر واجب ہوتی ہے مثلاً اگر اسی بکریاں دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہیں تو زکوٰۃ اسی بکریوں پر واجب ہوگی یعنی یہ سمجھا جائے گا کہ یہ اسی بکریاں ایک ہی شخص کی ملکیت ہیں اور چونکہ اسی بکریوں پر نصاب نہیں بدلتا بلکہ وہی ایک بکری واجب رہتی ہے جو چالیس پر تھی، اسلئے صرف ایک بکری زکوٰۃ میں دینی ہوگی حالانکہ اگر دونوں کے حصوں کا الگ الگ اعتبار کیا جائے تو ہر شخص کے حصہ میں چالیس بکریاں آتی ہیں۔ اس صورت میں ہر شخص پر ایک ایک بکری واجب ہونی چاہیے لیکن دونوں کے اشتراک کی وجہ سے ہر شخص سے ایک ایک بکری وصول کرنے کے بجائے مجموعے سے صرف ایک بکری وصول کی جائیگی اور اس سے دونوں کا فریضہ ساقط ہو جائے گا۔

پھر ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک اس اشتراک کی بھی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ دونوں شخص مال کی ملکیت میں شریک ہوں اور مال دونوں کے درمیان مشاع ہو اس کو خلطة الشیوع کہا جاتا ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں اشخاص ملکیت میں تو باہم شریک نہ ہوں بلکہ دونوں کی ملکیتیں جدا جدا ہوں لیکن دونوں کا باڑا ایک ہو اور ان کی کم از کم چار چیزیں مشترک ہوں، چرواہا، چراگاہ، دودھ دوہنے والا اور پانی پلانے والا نر (راعی، مرعی، حالب اور فحل)۔ اس صورت کو خلطة الجوار کہتے ہیں۔ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک خلطة الجوار کا بھی اسی طرح اعتبار ہے جس طرح خلطة الشیوع کا ہے چنانچہ خلطة الجوار کی صورت میں بھی زکوٰۃ دونوں اشخاص کے مجموعی مال پر واجب ہوگی۔ اب ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث کے مذکورہ بالا جملے کا مطلب یہ ہے کہ "زکوٰۃ زیادہ واجب ہونے کے خوف سے متعدد آدمی مال کے اندر خلطة الشیوع یا خلطة الجوار

پیدا کرکے اسے اکٹھا کریں اور نہ اسے علیحدہ کریں بلکہ جس حالت پر ہے اسی حالت پر رہنے دیں۔ مثلاً اگر دو آدمیوں کی چالیس چالیس بکریاں ہوں تو الگ الگ ہونے کی صورت میں ہر شخص پر ایک بکری واجب ہوگی اور مشترک ہونے کی صورت میں مجموعہ (یعنی اسّی) پر صرف ایک واجب ہوگی اب اگر دو آدمی جن کے درمیان نہ خلطۃ الشیوع ہے نہ خلطۃ الجوار زکوٰۃ کم کرنے کی نیت سے آپس میں شرکت پیدا کرلیں تو یہ ناجائز ہے اور اسی کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ لَا یُجْمَعُ بَیْنَ مُتَفَرِّقٍ۔

اس کے برعکس اگر دو آدمیوں کے پاس دو سو دو بکریاں مشترک ہوں تو ان کے مجموعہ پر تین بکریاں واجب ہوتی ہیں، اب اگر یہ شرکت کو ختم کرکے آدھی آدھی تقسیم کرلیں تو ہر ایک کے پاس ایک سو ایک بکریاں ہوں گی اور ہر شخص کے ذمہ صرف ایک ایک بکری واجب ہوگی، لہٰذا اگر اس غرض سے کہ جانوروں کو تقسیم کیا جائے کہ زکوٰۃ کم آئے گی تو یہ ناجائز ہے اور اس بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے وَلَا یُفَرَّقُ بَیْنَ مُجْتَمِعٍ۔

یہ ساری تفصیل ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے مسلک کے مطابق ہے۔ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کا استدلال حدیث الباب سے ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر خلطۃ الشیوع یا خلطۃ الجوار زکوٰۃ کی مقدار واجب میں موثر نہ ہوتے تو جمع و تفریق سے منع نہ کیا جاتا۔

اس کے برعکس حنفیہ کے نزدیک نہ خلطۃ الشیوع کا اعتبار ہے اور نہ خلطۃ الجوار کا، بلکہ ہر صورت میں زکوٰۃ ہر شخص کے اپنے حصے پر واجب ہوگی، مجموعہ پر نہیں چنانچہ اگر اسّی بکریاں دو افراد کے درمیان نصف نصف مشترک ہوں (خواہ خلطۃ الشیوع خواہ جوار) تو ہر شخص پر ایک ایک بکری الگ واجب ہوگی۔

جہاں تک حدیث باب کے زیر بحث جملے لایجمع بین متفرق الخ کا تعلق ہے، حنفیہ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ "کوئی شخص زکوٰۃ کم کرنے کی غرض سے نہ متفرق اموال کو جمع کرے اور نہ اکٹھے اموال کو متفرق کرے اسلئے کہ ایسا کرنے سے زکوٰۃ کی مقدار واجب پر کوئی فرق نہ پڑے گا بلکہ زکوٰۃ ہر شخص کے اپنے حصہ پر واجب ہوگی"۔ گویا حنفیہ کے نزدیک تقدیر عبارت یوں ہے لایجمع بین متفرق ، ولایفرق بین مجتمع مخافۃ الصدقۃ ، فان ذلک لایؤثر فی تغییر الزکوٰۃ ۔(درس ترمذی ج۲ ص۴)

❷ یُذکر مجہول کا صیغہ ذکر کرنے کی وجہ:- اس حدیث کے دو طریق ہیں۔ ① سفیان بن حسین عن الزہری ② یونس بن یزید عن الزہری۔ اوّل طریق سے یہ حدیث موصولاً منقول ہے جبکہ دوسرے طریق میں یونس بن یزید راوی نے انکی مخالفت کی ہے اور زہری کے تلامذہ میں یونس راوی سفیان کی نسبت احفظ ہے اور انکی روایت میں تقویت ہے اسلئے کہ وہ ان الفاظ سے روایت کرتا ہے اقرأنیہا سالم بن عبداللہ بن عمر فوعیتہا اس میں یونس نے ان ابن عمر حدثہ نہیں کہا اس وجہ سے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو عدم جزم کے ساتھ مجہول کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے حدیث انس رضی اللہ عنہ کے شاہد کے طور پر ذکر کیا ہے۔ (ص)

## ﴿السؤال الثانی﴾ ۱۴۳۲ھ

**الشق الاول** ......باب ردّ النساء الجرحی والقتلی، عن الربیع بنت معوذ قالت: کنا نغزو مع النبی ﷺ فنسقی القوم ونخدمہم ونرد الجرحی والقتلی الی المدینۃ. (ص۴۰۳۔ج۱۔قدیمی)

اذکر غرض البخاری من الترجمۃ . اذکر المعانی المحتملۃ لقولہا "نرد الجرحی والقتلی الی المدینۃ" . ھل یجوز للنساء سقی المجاہدین ومداواۃ جرحہم مع أنہن لسن محارم لہم .

﴿خلاصہ سوال﴾...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) نرد الجرحی والقتلی الی المدینۃ کے معانی (۳) محارم نہ ہونے کے باوجود عورتوں کیلئے مجاہدین کو پانی پلانے اور مرہم پٹی کرنے کا حکم۔

**تشریح** ...... ❶ **ترجمۃ الباب کی غرض:۔** امام بخاری رحمہ اللہ کی اس ترجمۃ الباب سے غرض میدان جنگ میں عورتوں کے متعلق ایک خدمت یعنی میدان جنگ سے زخمی وشہداء کو منتقل کرنے کو بیان کرنا ہے اور حدیث سے واضح طور پر ترجمۃ الباب ثابت ہے۔ (کشف الباری کتاب الجہاد ص ۵۱۸)

❷ **یرد الجرحی والقتلی الی المدینة کے معانی:۔** حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ونرد الجرحی والقتلی میں دو احتمال ہیں۔ ① قتلی سے مراد حقیقی مقتولین وشہداء ہوں اور لفظ قتلی کو حقیقت پر محمول کیا جائے تو ان کو لوٹانے کی وجہ یہ ہوگی کہ ان کی تدفین وغیرہ میں مشغولیت چونکہ قتال میں خلل پیدا کرنے کا سبب ہے۔ اس لئے ان شہداء ومقتولین کو عورتیں میدان جنگ سے مدینہ منورہ منتقل کررہی تھیں۔

لیکن اس معنی واحتمال پر اس روایت کی وجہ سے اشکال ہوتا ہے کہ جس کو امام احمد، ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور دارمی رحمہم اللہ وغیرہ نے نقل کیا ہے چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے شہداء کو مدینہ منورہ منتقل کرنے سے منع فرمایا تھا اور انہیں ان کی جائے شہادت کی طرف لوٹانے کا حکم دیا تھا جبکہ باب کی حدیث میں مذکورہ روایت کے برخلاف شہداء کو مدینہ منورہ منتقل کرنے کا ذکر ہے؟

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بہتر یہی ہے کہ رد القتلی سے ان کو مصرع سے انکی قبروں کی طرف منتقل کرنا مراد لیا جائے اور اسکی تائید شرح القسطلانی کی اس عبارت سے ہوتی ہے کہ "سفاقسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ غزوہ احد کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دو یا تین شہداء کو کسی جانور پر رکھتے اور عورتیں انکو انکی قبروں کی طرف منتقل کرتیں"۔

باقی الی المدینة کے الفاظ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ کے بقول یہ الفاظ ابوذر کے نسخے میں نہیں ہیں اور اسکے جواب میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ الی المدینة کے الفاظ کا تعلق جرحی سے ہے نہ کہ قتلی سے اور اس توجیہ کی صورت میں معنی بالکل درست ہیں یعنی عورتیں زخمیوں کو مدینہ منورہ منتقل کررہی تھیں نہ کہ شہداء کو۔ یا یہ کہا جائے کہ حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا کی حدیث مذکور فی الباب کا تعلق نبی کریم ﷺ کی ممانعت سے پہلے ہے یعنی آپ ﷺ کے منع کرنے سے قبل یہ عورتیں شہداء کو مدینہ منورہ منتقل کررہی تھیں لیکن بعد میں آپ ﷺ نے فرمادیا کہ شہداء کو انکی جائے شہادت ہی میں دفن کیا جائے۔ اس طرح سنن اور بخاری کی روایات میں تطبیق ہوجاتی ہے۔

② قتلی سے وہ زخمی مراد ہوں جو قریب الموت ہوں اور یہ وہ زخمی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم جن کے زخم مندمل ہونے کا مستقبل قریب میں احتمال ہو انکو میدان جنگ ہی میں باقی رہنے دیا گیا تھا کہ وہ صحت کے بعد دوبارہ قتال میں شریک ہوسکیں۔

لیکن اس احتمال پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ اگر قتلی سے مراد زخمی ہیں تو پھر الگ سے جرحی کا ذکر کیوں کیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں جرحی سے مراد وہ افراد ہیں جو قریب الموت نہ ہوں اور ان کے لوٹانے سے مراد ان کو خیموں میں منتقل کرنا ہو۔ (ایضا ص ۵۱۹)

❸ **محارم نہ ہونے کے باوجود عورتوں کیلئے مجاہدین کو پانی پلانے اور مرہم پٹی کرنے کا حکم:۔** یہ سوال ہوتا ہے کہ یہ کیسے جائز ہوگیا کہ عورتیں نامحرم مردوں کی مرہم پٹی کریں اس سے تو اجنبی مردوں اور عورتوں کا اختلاط لازم آتا ہے؟

شراح نے اس اعتراض کے دو جوابات ارشاد فرمائے ہیں۔ ① یہ احتمال ہے کہ مذکورہ واقعہ نزول حجاب سے پہلے کا ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ② علامہ قسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ صحابیات وہاں علاج مردوں کو چھوئے بغیر ان کا علاج کرتی ہوں، وہ اس طرح کہ دوا تو صحابیات تیار کریں اور محارم شوہر مسیحا کی پاس دوا کا استعمال اور کوئی شخص یا محرم مرد کرے۔ اس صورت میں بھی مس نہیں پایا جائیگا۔
باب کی حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت اور حاجت کے وقت اجنبی مرد یا اجنبی عورت ایک دوسرے کا علاج معالجہ کرسکتے ہیں لیکن

یہ بات ضرور ملحوظ رہے کہ دوران علاج ستر والے حصے سے نظر یا لمس وغیرہ میں تجاوز نہ کیا جائے صرف ستر والے حصے ہی کو دیکھے یا چھوئے اس کی وجہ یہ ہے کہ علاج ضرورت ہے اور یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ الضرورات تبیح المحظورات۔ (کشف الباری کتاب النکاح ص ۵۱۶)

**الشق الثانی** ......باب نظر المرأة الى الحبش ونحوهم من غير ريبة، عن عائشة قالت: رأيت النبي ﷺ يسترني بردائه وأنا أنظر الى الحبشة يلعبون في المسجد حتى أكون أنا الذي أسأم، فاقدروا قدر الجارية الحديثة السن الحريصة على اللهو. (ص ۸۸ ۷ج ۲ قدیمی)

اذكر غرض المؤلف بايراد هذه الترجمة . اذكر مذاهب العلماء في نظر المرأة الى الرجال الأجانب اذكر وجه التوفيق بين هذا الحديث وبين حديث أم سلمة وفيه "أفعمياوان أنتما ألستما تبصرانه".

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) عورت کے اجنبی مردوں کی طرف دیکھنے میں علماء کے اقوال (۳) عورتوں کے اجنبی مردوں کی طرف دیکھنے کی روایات میں تطبیق۔

**جواب** ...... ① __ترجمۃ الباب کی غرض:__۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض یہ ہے کہ بغیر شہوت جہاں فتنہ کا اندیشہ نہ ہو وہاں عورت کے لئے مردوں کو دیکھنا جائز ہے۔ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی ایک قول یہی ہے جبکہ ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے۔ اور امام نووی رحمہ اللہ نے ان کے اسی دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔ (کشف الباری کتاب النکاح ص ۴۶۷)

② __عورت کے اجنبی مردوں کی طرف دیکھنے میں علماء کے اقوال:__۔ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے اقوال ابھی گزر چکے ہیں۔

مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے معارف القرآن میں وقل للمؤمنت يغضضن من ابصارهن الاية کی تفسیر میں لکھا ہے کہ عورتوں کا اپنے محرم کے سوا کسی اجنبی مرد کو دیکھنا مطلقاً حرام ہے۔ بہت سے علماء کا یہ قول ہے اور انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث افعمیا وان انتما سے استدلال کیا ہے اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ بغیر شہوت کے نامحرم کو دیکھنے میں مضائقہ نہیں اور انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث الباب سے استدلال کیا ہے کہ مسجد نبوی کے احاطہ کے حبشی نوجوان کو دیکھا اور آپ ﷺ نے منع نہیں فرمایا۔ اس کے بعد حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ نظر شہوت حرام ہے اور بلا شہوت نظر کرنا خلاف اولیٰ ہے اس لئے اس سے بھی احتیاط کرنا اولیٰ واحق ہے۔

③ __عورتوں کے اجنبی مردوں کی طرف دیکھنے کی روایات میں تطبیق:__۔ بظاہر احادیث میں تعارض ہے کہ دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے ازواج مطہرات کو مردوں کی طرف دیکھنے سے منع فرمایا ہے جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حضور ﷺ کی موجودگی میں حبشی نوجوانوں کو نیزہ بازی کرتے ہوئے دیکھتی تھی۔ علماء نے تطبیق کی متعدد وجوہ بیان کی ہیں: ① حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ آیت حجاب کے نزول سے قبل تھا اور حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد پر محمول ہے ② یہ حکم خوف فتنہ علی المرأۃ پر محمول ہے یعنی حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا حکم اس حالت کے ساتھ خاص ہے جب عورت پر فتنہ میں پڑنے کا خوف ہو اور حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کا حکم اس حالت پر محمول ہے جب فتنہ کا خوف نہ ہو ③ حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا ورع اور تقویٰ پر محمول ہے اور حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا بیان جواز پر محمول ہے یعنی اصل تو یہ ہے کہ عورت کو مرد کی طرف بغیر شہوت کے دیکھنا جائز ہے جیسا کہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں ہے البتہ تقویٰ اور پرہیزگاری یہ ہے کہ اس سے بھی بچا جائے جیسا کہ حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا میں ہے۔ (ایضاً)

## ﴿السؤال الثالث﴾ ۱۴۳۲ھ

**الشق الأول** ......عن أبي ذر أنه سمع النبي ﷺ يقول: لا يرمي رجل رجلاً بالفسوق ولا يرميه

بالکفر الا ارتدت علیه ان لم یکن صاحبه کذلك. (ص ۸۹۳ ـ ج ۲ ـ قدیمی)

ترجم الحدیث المبارک ترجمة واضحة. اذکر أقوال الشراح والعلماء فی شرح قوله: "الا ارتدت علیه"

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں دو امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) الا ارتدت علیه کی تشریح میں علماء کے اقوال۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ کوئی شخص کسی پر فسق و کفر کا الزام نہ لگائے، اسلئے کہ اگر وہ اس کا اہل نہ ہوگا تو وہ فسق و کفر اس الزام لگانے والے کی طرف لوٹ آئیگا۔

❷ **الا ارتدت علیه کی تشریح میں علماء کے اقوال:۔** ایک شخص نے دوسرے کو فاسق یا کافر کہا اور جس کو کہا ہے وہ حقیقت میں فاسق یا کافر ہے تو ایسی صورت میں کہنے والے کی نیت کو دیکھا جائے گا اگر اس نے خیر خواہی کے جذبے سے لوگوں کو اسکی حالت سے باخبر کرنے کیلئے یہ جملہ کہا ہے تو جائز ہے۔ لیکن اگر اسکا مقصد اس شخص پر طعنہ زنی اور بلا ضرورت اس کے فسق یا کفر کی تشہیر ہے تو یہ جائز نہیں کیونکہ شریعت نے برائیوں کے اچھالنے کا نہیں، ستر اور چھپانے کا حکم دیا ہے۔

جس شخص کو فاسق یا کافر کہا ہے اور وہ حقیقت میں فاسق و کافر نہیں تو یہاں روایت میں فرمایا گیا کہ وہ کلمہ تکفیر کہنے والے کی طرف لوٹ آتا ہے، اس کے مختلف مطلب بیان کئے گئے ہیں۔ ① کہنے والے کی طرف لوٹ آنے کا ظاہری مطلب تو یہی ہے کہ وہ خود کافر ہو جائے گا حالانکہ مسلمان کو کافر کہنے سے آدمی گناہگار تو ضرور ہو جاتا ہے لیکن کافر نہیں ہوتا، اسلئے اسکی ایک تو وہی مشہور تاویل کی گئی کہ یہ حکم مستحل کیلئے ہے یعنی جو شخص مسلمان کو گالی دینا حلال اور جائز سمجھتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے اور اسکے کافر ہونے میں کوئی شک نہیں لیکن سیاق کلام سے اس مطلب کی تائید نہیں ہوتی ② یہ زجر و توبیخ پر محمول ہے، معنی حقیقی مراد نہیں ہے ③ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اس جملے کا وبال اس پر آئے گا چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ علامہ قرطبی کے حوالے سے لکھتے ہیں "جس شخص کو کافر کہا گیا وہ اگر واقعتاً کافر ہے، پھر تو کہنے والا سچا ہے اور جس کے متعلق کہا گیا وہ اس کا مستحق ہے لیکن اگر وہ کافر نہیں تو کہنے والے پر اس جملے کا وبال اور گناہ آئے گا"۔ یہ اس حدیث کی سب سے اچھی توجیہ ہے۔

لعنت کے متعلق بھی اسی طرح کی ایک حدیث ابوداؤد رحمہ اللہ میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ (کشف الباری کتاب الادب ص ۲۴۴)

**الشق الثانی** ...... باب جف القلم علی علم الله ...... حدثنا شعبة حدثنا یزید الرشك قال: سمعت مطرف بن عبدالله بن الشخیر یحدث عن عمران بن حصین قال: قال رجل یا رسول الله أیعرف أهل الجنة من أهل النار قال نعم قال: فلم یعمل العاملون، قال: کل یعمل لما خلق له أو لما یسر له۔

اشرح ترجمة الباب واذکر غرضها. ترجم موجزاً لیزید الرشك واذکر سبب تلقیبه بالرشك. من هو الرجل المبهم فی الحدیث. (ص ۹۷۶ ـ ج ۲ ـ قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی تشریح و غرض (۲) یزید الرشك کا تعارف اور لقب کی وجہ (۳) رجل مبہم کی تعیین۔

**جواب** ...... ❶ **ترجمۃ الباب کی تشریح و غرض:۔** اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ اس بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تقدیر کو دیکھ کر فارغ ہو چکے ہیں اور جو کچھ تقدیر میں لکھا جا چکا ہے اس میں اب تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا اور علم اللہ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علم و حکم کے مطابق ہے اور اللہ تعالیٰ کو اس کا مکمل علم ہے اور وہ اس کو اپنی ترتیب کے مطابق واقع کرے گا۔ (حاشیہ)

❸ **یزید الرشک کا تعارف اور لقب کی وجہ:** ان کا پورا نام یزید بن ابی یزید ضبعی بصری ہے۔
غسانی کہتے ہیں کہ رشک فارسی میں کثیر اللحیہ یعنی بڑی داڑھی والے کو کہتے ہیں ان کی بہت بڑی داڑھی تھی کہ اس میں ایک مرتبہ ایک بچھو داخل ہو گیا تھا اور تین دن تک وہ اس میں رہا مگر ان کو اس کا علم نہ ہوا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رشک اہل بصرہ کی لغت میں بمعنی القسام ہے اور تقسیم کرنے والے کو کہتے ہیں، اس زمانہ میں بصرہ ایران کے ماتحت تھا اور وہاں فارسی زبان بولی جاتی تھی اسلئے رشک فارسی لفظ ہے بمعنی قسام اور قسام اسلامی حکومت میں قسام ایک عہدہ تھا جو لوگوں کی جائیداد وغیرہ تقسیم کرتا تھا چونکہ یزید رشک یہی کام کرتے تھے اسلئے ان کا یہ لقب مشہور ہو گیا۔ (تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۱۰۳)
❹ **رجل مبہم کی تعیین:** رجل سے مراد خود راوی حدیث حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ہیں۔

## ﴿الورقة الرابعة: الصحيح للإمام البخاري﴾

## ﴿السؤال الأول﴾ ۱۴۲۴ھ

**الشق الأول** ...... باب قول النبي ﷺ رب مبلغ أوعى من سامع . عن عبدالرحمن بن أبي بكرة، عن أبيه: ذكر النبي ﷺ قعد على بعيره وأمسك انسان بخطامه .... أو بزمامه ..... قال: أي يوم هذا؟ فسكتنا حتى ظننا أنه سيسميه سوى اسمه قال: أليس يوم النحر؟ قلنا: بلى، قال: فأي شهر هذا؟ فسكتنا حتى ظننا أنه سيسميه بغير اسمه فقال: أليس بذي الحجة؟ قلنا: بلى، قال: فإن دماءكم وأموالكم وأعراضكم بينكم حرام كحرمة يومكم هذا في شهركم هذا، في بلدكم هذا، ليبلغ الشاهد الغائب فإن الشاهد عسى أن يبلغ من هو أوعى له منه. (ص ۱۶، ج ۱ بخاری)

اذكر غرض البخاري من الترجمة وترجم الحديث . من الذي كان قد أمسك بخطامه أو بزمامه؟ ورد في هذا الحديث أن الصحابة سكتوا وورد في كتاب الحج أنهم قالوا: الله ورسوله أعلم وكذلك ورد في حديث لأبي بكرة أنهم قالوا: الله ورسوله أعلم وورد في حديث ابن عباس أنهم قالوا: يوم حرام فما هو وجه التوفيق بينهما؟ يورد ههنا اشكال بأن المشبه به يكون أقوى من المشبه، وأما ههنا المشبه أقوى من المشبه به، ثم اذكر وجه دفع هذا الاشكال.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں پانچ امور توجہ طلب ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) اونٹ کی نکیل یا مہار پکڑنے والے صحابی کا نام (۴) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جواب کی روایات میں تطبیق (۵) مشبہ کے مشبہ بہ سے اقویٰ ہونے کی وضاحت۔

**جواب** ...... ❶ **ترجمۃ الباب کی غرض:** حافظ قطب الدین حلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ باب کا مقصد اس بات پر تنبیہ ہے کہ اگر حدیث پڑھنے والا غیر عارف وغیر محقق ہو لیکن جو کچھ وہ پڑھا رہا ہے وہ محفوظ ہو تو اس کی حدیث لی جا سکتی ہے۔
حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس بات پر متنبہ کرنا مقصود ہے جو مشہور ہے کہ شاگرد استاد سے علم میں کم تر ہوتا ہے۔
حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض اس بات کی ترغیب دینا ہے کہ اپنے سے کم تر سے بھی علم حاصل کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ بعض بلا واسطہ سننے والوں کے مقابلہ میں بالواسطہ سننے والے زیادہ سمجھدار ہوتے ہیں۔ (کشف الباری کتاب العلم ص ۳۷۰)
❷ **حدیث کا ترجمہ:** حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا

کہ آپ ﷺ اپنے اونٹ پر تشریف فرما تھے اور ایک شخص آپ ﷺ کے اونٹ کی نکیل یا مہار پکڑے ہوئے تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا
کہ آج کون سا دن ہے؟ پس ہم خاموش ہو گئے، حتیٰ کہ ہم یہ سمجھے کہ شاید آپ ﷺ اس دن کا کوئی دوسرا نام بتائیں گے۔
آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہ یوم نحر نہیں ہے؟ ہم نے کہا کیوں نہیں، پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہ کون سا مہینہ ہے؟ ہم پھر خاموش
رہے حتیٰ کہ ہم یہ سمجھے کہ شاید آپ ﷺ اس مہینہ کا کوئی دوسرا نام بتائیں گے، پس آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہ ذی الحجہ نہیں ہے؟ ہم
نے کہا کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک تمہارے خون، مال و آبرو تمہیں ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جیسے
تمہارے اس دن کی حرمت تمہارے اس مہینہ میں اور تمہارے اس شہر میں ہے۔ یہ پیغام حاضر غائب تک پہنچا دے اسلئے کہ ممکن ہے
حاضر شخص کسی ایسے آدمی کو یہ پہنچا دے جو اس بات کو پہنچانے والے سے زیادہ یاد رکھنے والا اور سمجھنے والا ہو۔

❸ **اونٹ کی نکیل یا مہار پکڑنے والے صحابی کا نام:۔** بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت بلال ؓ ہیں
اسلئے کہ نسائی شریف میں حضرت ام حصین ؓ کہتی ہیں **فرأیت بلالا یقود بخطام راحلته**۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ
یہ عمرو بن خارجہ ؓ تھے اسلئے کہ سنن کی روایت میں حضرت عمرو بن خارجہ فرماتے ہیں **کنت آخذا بزمام ناقة النبی ﷺ**۔
حافظ ابن حجر ؒ فرماتے ہیں کہ ٹھیک یہ ہے کہ یہ خود راوی حدیث حضرت ابو بکرۃ ؓ ہیں کیونکہ اسماعیلی کی روایت میں یہ تصریح
ہے **خطب رسول الله ﷺ علی راحلته یوم النحر وامسکت اما قال بخطامها واما قال بزمامها**۔ (ایضا)

❹ **صحابہ کرام ؓ کے جواب کی روایات میں تطبیق:۔** بظاہر روایات میں تعارض ہے اس لئے کہ روایت باب میں
**سکتنا** جبکہ کتاب الحج میں **قلنا الله ورسوله اعلم** ہے اور کتاب الحج میں حضرت ابن عباس ؓ کی روایت میں **یوم حرام**
کا جواب منقول ہے۔ پہلی دو روایات میں تطبیق یہ ہے کہ ممکن ہے بعض نے سکوت کیا ہو اور بعض نے **الله ورسوله اعلم** کہا ہو۔
نیز ممکن ہے کہ پہلی مرتبہ پوچھنے پر سکوت کیا ہو اور دوسری مرتبہ پوچھنے پر **الله ورسوله اعلم** کہا ہو۔
یہ دونوں جواب احتمال محض ہیں، اصل میں صحابہ کرام ؓ نے **الله ورسوله اعلم** ہی کہا تھا مگر راوی نے اختصاراً کہیں
**فسکتنا ای فسکتنا عن الجواب** سے تعبیر کر دیا اسلئے کہ **الله ورسوله اعلم** جواب نہیں ہے بلکہ یہ سکوت عن الجواب ہے۔
آخری دو روایات میں تطبیق یہ ہے کہ بعض نے **الله ورسوله اعلم** اور بعض نے **یوم حرام** کہا تھا۔
نیز ممکن ہے آپ ﷺ نے دو مرتبہ پوچھا ہو، پہلی مرتبہ صحابہ کرام ؓ نے **الله ورسوله اعلم** اور دوسری مرتبہ **یوم حرام** کہا ہو۔
نیز ممکن ہے آپ ﷺ نے دو دن خطبہ دیا ہو، پہلے دن صحابہ ؓ نے **الله ورسوله اعلم** اور دوسرے دن **یوم حرام** کہا ہو۔
چوتھا جواب جو اقرب معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابو بکرہ ؓ کی روایت مفصل اور حضرت ابن عباس ؓ کی روایت مختصر و مجمل ہے۔
حضرت ابو بکرہ ؓ کی روایت میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے جب **ای یوم هذا** فرمایا تو صحابہ کرام ؓ نے جواب دیا **الله
ورسوله اعلم** پھر حضور ﷺ نے فرمایا **الیس یوم النحر**؟ صحابہ کرام ؓ نے جواباً عرض کیا **بلی**، تو اس کا خلاصہ یہ نکلا کہ
صحابہ کرام ؓ نے جواباً **یوم حرام** کہہ دیا تو حضرت ابن عباس ؓ کی روایت میں اصل مضمون پر نظر کرتے ہوئے اختصاراً یہ
کہہ دیا کہ صحابہ کرام ؓ نے جواب میں **یوم حرام** کہہ دیا۔ (ایضا)

❺ **مشبہ کے مشبہ بہ سے اقویٰ ہونے کی وضاحت:۔** سوال ہوتا ہے کہ تشبیہ میں مشبہ بہ مشبہ سے اقویٰ ہوتا ہے؟
یہاں مشبہ (حرمت دم و عرض و مال) مشبہ بہ (حرمت یوم و شہر و بلد) سے اقویٰ ہے۔
اس کا جواب یہ ہے کہ ایک دوسری جہت سے یہاں مشبہ بہ مشبہ سے اقویٰ ہے، وہ ہے حرمت کی شہرت اور لوگوں کے ذہنوں

میں یوم وشہر وبلد کی حرمت زیادہ تھی اور یہ حرمت ان کے یہاں معروف ومشہور تھی جبکہ جان ومال وآبرو کی اہل جاہلیت کے یہاں کوئی قدر نہیں تھی کسی کو قتل کر دینا، کسی کا مال لوٹ لینا، کسی کی آبرو اور عزت کو تار تار کر دینا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا، اس لئے حضور ﷺ نے ان کو بتلایا کہ جیسے تم یوم وشہر وبلد کو محترم سمجھتے ہو اور اس میں تعدی سے اجتناب کرتے ہو اسی طرح یہ چیزیں بھی حرام اور لائق احترام ہیں ان میں بھی تعدی سے اجتناب کرو۔ (کشف الباری کتاب العلم ج ۳ ص ۳۳۱)

**الشق الثانی** ......باب رفع العلم وظهور الجهل وقال ربيعة: لا ينبغي لأحد عنده شيئ من العلم أن يضيع نفسه، عن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: ان من أشراط الساعة أن يرفع العلم ويثبت الجهل ويشرب الخمر ويظهر الزنا. (ص ۱۸، ج ۱، قدیمی)

وضح مراد البخاري بترجمة الباب واشرح قول ربيعة واذكر مناسبته بالباب. اشرح الحديث واذكر صورة رفع العلم هل هو بقبض العلماء أم بنزع العلم من الصدور؟ مع دفع التعارض بين الأمرين. شرب الخمر والزنا كانا موجودين في زمان النبوة أيضا، فكيف هذا من أشراط الساعة؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال میں پانچ امور حل طلب ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی مراد (۲) ربیعہ کے قول کی مراد (۳) ربیعہ کے قول کی باب سے مناسبت (۴) رفع علم کی صورت اور دفع تعارض (۵) زنا و شرب خمر کے علامات قیامت میں سے ہونے کی وضاحت۔

**جواب** ...... ❶ <u>ترجمۃ الباب کی مراد:</u> حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد علم سیکھنے کی ترغیب دینا ہے اس لئے کہ علم اسی وقت اٹھے گا جب علماء چلے جائیں گے اور جب تک علماء باقی رہیں گے علم باقی رہے گا اور علم کا چلا جانا علامات قیامت میں سے ہے لہٰذا آدمی کو اس سے بچنا چاہیے کیونکہ قیامت کا قیام ایسے وقت ہوگا جب اللہ تعالیٰ کا ذکر دنیا میں نہیں رہے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ناراض ہو جائیں گے۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مؤلف کی غرض تعلیم وتبلیغ ہے کیونکہ رفع علم اور ظہور جہل علامات قیامت میں سے ہے جیسا کہ باب کے تحت مذکور دونوں حدیثوں میں بالتصریح موجود ہے اور اشراط ساعت کا انسداد اور ان سے احتراز ضروری ہے سو رفع علم اور ظہور جہل کے انسداد اور اس سے احتراز کی یہی صورت ہے کہ تبلیغ واشاعت علم میں سعی کی جائے کیونکہ ظہور جہل کی یہی صورت ہوگی کہ اہل علم ختم ہو جائیں اور جہال باقی رہ جائیں اور اس کا تدارک بجز اشاعت علم اور کچھ نہیں۔ (کشف الباری کتاب العلم ج ۳ ص ۳۳۳)

❷ <u>ربیعہ کے قول کی مراد:</u> علامہ ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اثر کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کے اندر علم کی قابلیت اور اس کی فہم واستعداد ہو تو دوسروں کے مقابلہ میں اس کے ذمے طلب علم واشتغال علم زیادہ لازم ہے لہٰذا اس کو طلب علم میں محنت کرنی چاہیے ورنہ وہ خود کو ضائع کر دے گا۔

❸ <u>ربیعہ کے قول کی باب سے مناسبت:</u> قول کا حاصل یہ ہے کہ اگر یہ شخص فہیم وذی استعداد ہونے کے باوجود طلب علم نہیں کرے گا تو یہ رفع علم کا موجب ہوگا جو اشراط ساعت میں سے ہے۔ علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ربیعہ کے اس اثر کا مقصد نشر علم اور تبلیغ کی ترغیب دینا ہے کہ عالم اگر علم کو نہیں پھیلائے گا اور اس حال میں مر جائے گا تو رفع علم اور ظہور جہل کا موجب بنے گا۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس اثر کا مطلب یہ ہے کہ عالم کو اپنی تشہیر کرنی چاہیے تا کہ لوگ اس سے استفادہ کر سکیں جب تک لوگوں کو یہ نہیں معلوم ہوگا کہ فلاں آدمی کسی چیز کا عالم ہے فلاں آدمی کو شریعت کے احکام کا علم ہے لوگ اس سے استفادہ کیسے کریں گے؟ ایسی صورت میں چونکہ استفادہ اور افادہ نہیں ہو سکے گا اس لئے گویا اپنے آپ کو ضائع کرتا ہے اور جب افادہ واستفادہ نہیں ہوگا تو رفع علم اور ظہور جہل ہوگا۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عالم کے لئے زیبا نہیں کہ وہ دنیا داروں کے یہاں آتا جاتا رہے، اس کو اپنے علم کی تعظیم و توقیر کرنی چاہیے اور اپنے آپ کو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

یہ معنی اگرچہ فی نفسہ درست بلکہ بہت اچھا ہے لیکن بظاہر اسکی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت نہیں ہے۔ البتہ علامہ عینی رحمہ اللہ نے اسکی مناسبت کی توجیہ یوں کی ہے کہ چونکہ اس کا آنا جانا دنیا داروں کی طرف کثرت سے رہے گا تو علمی وقار اور احترام اہل علم جاتا رہے گا، نتیجہ یہ کہ اسکا اشتغال بالعلم اور اہتمام گھٹتا گھٹتا بالکل ختم ہو جائیگا جو رفع علم اور ظہور جہل کا موجب ہوگا۔ (کشف الباری کتاب العلم ج ا ص ٤٣٩)

❹ **رفع علم کی صورت اور دفع تعارض:** صحیحین کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کے اٹھنے کی صورت یہ ہوگی کہ علماء اٹھتے چلے جائیں گے اور ان کے جانشین ان کے علم کے حاملین نہیں ہوں گے لہٰذا علم علماء کے ساتھ چلا جائے گا۔

لیکن بعض دیگر روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علم براہ راست سینوں سے اٹھالیا جائیگا قرآن سینوں سے اٹھالیا جائیگا۔ ان دونوں قسم کی روایات کے سلسلہ میں اگر ترجیح کا طریقہ اختیار کیا جائے تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ صحیحین کی روایت کو ترجیح حاصل ہے۔ یا دونوں قسم کی روایات میں تطبیق دی جائے کہ دونوں صورتیں پیش آئیں گی ابتداء میں تو علم یوں جائے گا کہ علماء اٹھتے جائیں گے اور انکے علوم کے حاملین نہ ہیں گے لہٰذا ان کا علم چلا جائے گا اور پھر اخیر میں یہ ہوگا کہ اجواف رجال اور اوراق سے بھی اس کو اٹھالیا جائے گا۔

تطبیق کی یہ صورت راجح ہے، اس صورت میں کسی حدیث کو ترک کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ (ایضاً)

❺ **زنا و شرب خمر کے علامات قیامت میں سے ہونے کی وضاحت:** سوال پیدا ہوتا ہے کہ "شرب خمر" کو علامات قیامت میں سے قرار دینا کیسے درست ہے حالانکہ نفس شرب تو ہر زمانے میں پائی جاتی رہی ہے، خود حضور اکرم ﷺ نے بعض افراد پر اس سلسلہ میں حد بھی جاری فرمائی؟ جوابات: ① یہ ہے کہ یہاں قیامت کی علامت صرف "شرب خمر" کو قرار نہیں دیا گیا بلکہ شرب خمر اور شیوع زنا وغیرہ کے مجموعہ کو علامت قرار دیا گیا ہے ② ویشرب الخمر سے کثرت شرب خمر مراد ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ بخاری شریف کی ایک روایت میں ویکثر شرب الخمر آیا ہے۔ اسی طرح یظهر الزنا سے بھی مطلق ظہور مراد نہیں بلکہ شیوع مراد ہے جیسا کہ مسلم شریف کی روایت میں یفشو کا لفظ آیا ہے۔ (ایضاً)

## ﴿السؤال الثاني﴾ ١٤٣٤ھ

**الشق الأول** ...... باب الحنوط للميت عن ابن عباس قال: بينما رجل واقف مع رسول الله ﷺ بعرفة، اذ وقع من راحلته، فأقصعته أو قال فأقعصته، فقال رسول الله ﷺ: اغسلوه بماء وسدر وكفنوه في ثوبين ولا تحنطوه ولا تخمروا رأسه فانه يبعث يوم القيامة ملبيا. (ص ١٦٩-ج ١ قدیمی)

اذكر غرض البخاري من الترجمة ووضّح اثباتها بحديث الباب. حقق لغويا كلمتي "اقصعته و اقعصته". هل المحرم يعامل به معاملة عامة الموتى بعد الموت؟ أم له حكم خاص؟ اذكر مذاهب العلماء مع أدلتهم.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) حدیث سے ترجمۃ الباب کا اثبات (۳) اقصعته، اقعصته کی لغوی تحقیق (۴) محرم میت کے احرام کا حکم مع الدلائل۔

**جواب** ...... ❶ **ترجمۃ الباب کی غرض:** امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض میت کے لئے حنوط و خوشبو کے استحباب کو بیان کرنا ہے اور ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے نزدیک یہ مستحب ہے، چونکہ آپ ﷺ نے محرم کے لئے احرام کی وجہ سے حنوط سے منع کر دیا تھا، اس لئے جہاں احرام نہ ہوگا وہاں میت کے لئے خوشبو لگانا درست ہوگا۔ (نصر الباری ج ۳ ص ٢٥٦)

❷ **حدیث سے ترجمۃ الباب کا اثبات:۔** ابھی غرض کے ضمن میں معلوم ہو گیا کہ **لاتحنطوا** کے ذریعہ ترجمۃ الباب کا اثبات ہو رہا ہے اس لئے کہ منع کرنے کی علت رسول اللہ ﷺ نے خود محرم کا احرام کو بیان کیا وہیں ثابت ہوا کہ جب احرام نہ ہوگا اس وقت میت کو خوشبو لگانا جائز ہے۔

❸ **اقصعته، اقعصته کی لغوی تحقیق:۔** یہ دونوں الفاظ مترادف ہیں بمعنی جلدی سے قتل کرنا۔ (حاشیہ)

❹ **محرم میت کے احرام کا حکم مع الدلائل:۔** امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق اور ظاہریہ رحمہم اللہ اس بات کے قائل ہیں کہ مرنے کے بعد بھی محرم کا احرام باقی رہتا ہے، چنانچہ جو شخص حالت احرام میں مر جائے تو اس کا سر ڈھانپنا اور اس کو خوشبو لگانا جائز نہیں کیونکہ حدیث باب میں آپ ﷺ نے سر ڈھانپنے سے منع فرمایا ہے۔

امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام اوزاعی رحمہم اللہ کے نزدیک موت سے احرام منقطع ہو جاتا ہے لہٰذا محرم اگر حالت احرام میں مر جائے تو اسکے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے گا جو حلال کے ساتھ کیا جاتا ہے چنانچہ اسے خوشبو لگانا اور اس کا سر ڈھانپنا جائز ہے۔

ان حضرات کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **ان رسول الله ﷺ قال اذا مات الانسان انقطع عمله الا من ثلاثة الا من صدقة جارية او علم ينتفع به أو ولد صالح يدعوله۔**

نیز ان کی دلیل مؤطا امام مالک میں نافع کی روایت ہے **أن عبدالله بن عمر كفن ابنه واقدبن عبدالله ومات بالجحفة محرما، وقال لولا انا حرم لطيبناه وخمروا رأسه ووجهه۔** ان کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بھی ہے **قال قال رسول الله ﷺ خمروا وجوه موتاكم ولاتشبهوا باليهود" اخرجه الدارقطني في سننه بسند صالح،** اس روایت میں **وجوه موتاكم** کے الفاظ عام ہیں جو محرم وغیر محرم سب کو شامل ہیں۔

جہاں تک حدیث باب کا تعلق ہے سو اس کی توجیہ حنفیہ، مالکیہ نے یہی کی ہے کہ یہ اس شخص کی خصوصیت تھی، اس کا قرینہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حدیث باب میں فرمایا **فانه يبعث يوم القيامة يهلّ او يلبّي** ۔(درس ترمذی ج۳ ص۲۳۵)

**الشق الثاني** ...... **بَابٌ إِذَا غَنِمَ الْمُشْرِكُونَ مَالَ الْمُسْلِمِ ثُمَّ وَجَدَهُ الْمُسْلِمُ . عَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ قَالَ أَخْبَرَنِي نَافِعٌ أَنَّ عَبْدًا لِابْنِ عُمَرَ أَبَقَ فَلَحِقَ بِالرُّوْمِ فَظَهَرَ عَلَيْهِ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ فَرَدَّهُ عَلٰى عَبْدِاللّٰهِ وَأَنَّ فَرَسًا لِابْنِ عُمَرَ عَارَ فَلَحِقَ بِالرُّوْمِ فَظَهَرَ عَلَيْهِ فَرَدُّوْهُ عَلٰى عَبْدِاللّٰهِ** (ص ۴۳۲ ج۱، قدیمی)

**شكل الحديث بالضبط وحقق كلمة "عار" لغويا وترجم الحديث المبارك الى الأردية ۔ هل استيلاء الكفار على أموال المسلمين يوجب تملكهم أم لا، اذكر هذه المسألة مع اختلاف العلماء وأدلتهم۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) عــار کی لغوی تحقیق (۳) حدیث کا ترجمہ (۴) کافروں کے دار الاسلام پر حملہ کی صورت میں مسلمانوں کی املاک کے مالک بننے کا حکم۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث پر اعراب:۔** كمامرّ في السوال آنفا۔

❷ **عــار کی لغوی تحقیق:۔** امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ "**عَيْرٌ**" سے مشتق ہے بمعنی حمار وحشی اور **عَارَ** کا معنی **هَرَبَ** سے کیا ہے بمعنی بھاگ جانا و فرار ہونا۔ صاحب مختار الصحاح امام محمد بن ابوبکر رازی و امام خلیل رحمہما اللہ نے اس کا معنی "گھوڑے کا بدکنا اور ادھر اُدھر بھاگنا" کیا ہے۔ (کشف الباری کتاب الجہاد ج۲ ص۵۶۹)

❸ **حدیث کا ترجمہ:۔** عبد اللہ کہتے ہیں کہ مجھے نافع رحمہ اللہ نے خبر دی کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ایک غلام بھاگ کر روم چلا گیا تھا، حضرت

خالد رضی اللہ عنہ نے اس کو پکڑ کر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو واپس کر دیا تھا اور (اسی طرح) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا گھوڑا بدک کر روم چلا گیا تھا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس کو پکڑا تو مسلمانوں نے وہ گھوڑا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو واپس کر دیا تھا۔

**② کافروں کے دارالاسلام پر حملہ کی صورت میں مسلمانوں کی املاک کے مالک بننے کا حکم:۔** امام شافعی، ابوثور اور ابن منذر رحمہم اللہ کے نزدیک دارالاسلام پر غلبہ واستیلاء سے اہل اسلام کی املاک پر حربیوں کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی لہٰذا جب اہل اسلام دارالحرب پر حملہ کر کے ان املاک واموال کو دارالاسلام منتقل کریں تو جو مال جس کی ملکیت تھا وہ حسب سابق اس کی ملکیت میں رہے گا ان اموال کا حکم مال غنیمت کا نہیں ہوگا۔

امام حسن، امام زہری اور عمرو بن دینار رحمہم اللہ کے نزدیک مسلمانوں کا چھینا گیا مال دارالحرب سے دارالاسلام منتقل ہونے کے بعد غانمین میں تقسیم کر دیا جائیگا یعنی دارالحرب پر حملہ آور ہونیوالے مجاہدین ہی اسکے مستحق ہو گئے، پرانے مالک کا حق اس مال پر باقی نہیں رہے گا۔

ان حضرات کا استدلال یہ ہے کہ مسلمانوں کے غلبہ واستیلاء سے جس طرح اہل شرک کا مال مسلمانوں کے لئے غنیمت بن جاتا ہے، اسی طرح مستدکرہ مال بھی، جس پر اہل حرب کا غلبہ اور استیلاء ہو جائے وہ ان کی ملک ہو جاتا ہے لہٰذا مسلمانوں کے غالب آنے پر وہ بطور غنیمت مجاہدین میں تقسیم ہوگا۔

جمہور فقہاء امام اعظم ابوحنیفہ، امام ثوری، امام اوزاعی، امام مالک رحمہم اللہ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اہل حرب دارالاسلام پر حملہ آور ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے اموال کے مالک بن جائیں گے۔ لیکن جب دارالحرب پر حملہ کر کے اہل اسلام اپنے اموال چھین کر دارالاسلام منتقل کر دیں تو ان حضرات کے نزدیک اس میں تفصیل ہے۔

اگر پرانے مالک نے مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اپنا متعین مال پالیا تو وہ اس کی ملکیت ہوگی، جبکہ غنائم کی تقسیم کے بعد اپنے مال پر پرانے مالک کی ملکیت باقی نہیں رہے گی بلکہ وہ غانمین کی ملکیت ہوگی۔

البتہ ان حضرات کے نزدیک غنائم کی تقسیم کے بعد اگر پرانے مالک نے اپنا مال پالیا اور اس کی خواہش ہے کہ غانم کو قیمت کے عوض اس کا مال مل جائے تو پھر غانم کے مقابلہ میں اس کا زیادہ استحقاق ہے کہ قیمت کی ادائیگی کی صورت میں اسے وہ مال دے دیا جائے۔

اس صورت میں شریعت نے اصل مالک اور غانم دونوں کے مفاد کی رعایت ملحوظ رکھی ہے، چونکہ مال غنیمت کی تقسیم کے بعد پرانے مالک کی ملکیت اس کے مال پر باقی نہیں رہتی اور اس پر غانم کی ملکیت قائم ہو جاتی ہے اس لئے اگرچہ پرانا مالک اپنا مال بلا عوض لیتا تو غانم نقصان میں رہتا۔ اس بناء پر اپنا مال حاصل کرنے کے لئے پرانے مالک پر اس کی قیمت کی ادائیگی لازم قرار دی گئی تا کہ اپنا مال لے کر مالک قدیم بھی فائدہ میں رہے اور غانم کی حق تلفی بھی نہ ہونے پائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے سعید بن المسیب، عطاء بن ابی رباح، قاسم اور عروہ رحمہم اللہ کا مسلک بھی یہی ہے۔

امام شافعی، ابوثور اور ابن منذر رحمہم اللہ کا استدلال احادیث باب سے ہے، جن میں تصریح ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ان کا گھوڑا اور غلام جو دارالحرب بھاگ نکلے تھے واپس کر دیے گئے تھے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ احادیث باب خود ان حضرات کے خلاف جمہور فقہاء کیلئے حجت ہیں، اسلئے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ترجمۃ الباب والی روایات میں اجمال ہے، چنانچہ موطا امام مالک میں اسی روایت کے آخر میں یہ تصریح بھی ہے **وذلک قبل ان یقسم** یعنی مجاہدین اسلام دارالحرب سے جو گھوڑا اور غلام چھین کر دارالاسلام لائے تھے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے واپس کر دیے گئے تھے۔ یہی روایت **عن رشدین عن یونس عن الزہری عن سالم عن ابیہ** کے طریق

سے سنن دار قطنی میں بھی مروی ہے، اس میں ہے کہ "مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے جس نے اپنا مال پالیا وہ مال (بلا عوض) اس کی ملکیت ہے، لیکن غنیمت کی تقسیم کے بعد پانے کی صورت میں اسے کچھ بھی لینے کا حق نہیں"۔

مال غنیمت کی تقسیم کے بعد ملکیت باقی نہ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ عوض کی ادائیگی کے بغیر تو اپنے مال کا مالک نہیں رہے گا لیکن عوض اور قیمت ادا کرنے کے بعد غانم کے مقابلہ میں اپنے مال پر اس کا زیادہ حق ہوگا۔ اس کی تائید رسول کریم ﷺ کی حدیث اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دو آثار سے ہوتی ہے، جو آگے جمہور کے دلائل کے تحت آرہے ہیں۔

جمہور کے دلائل: امام اعظم ابوحنیفہ، امام ثوری، امام اوزاعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا استدلال ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ہے کہ ایک شخص نے اپنا اونٹ پایا جسے مشرکین نے چھینا تھا (اور بعد میں مسلمانوں نے دار الحرب پر حملہ کر کے اسے مال غنیمت میں دوبارہ حاصل کیا اور اسلام لائے) تو رسول اللہ ﷺ نے اسے مخاطب کر کے فرمایا "اگر یہ اونٹ تم نے مال غنیمت تقسیم ہونے سے پہلے پایا ہو تو یہ تمہارا ہی ہے، اگر مال غنیمت کی تقسیم کے بعد پایا ہو تو پھر تم قیمت دے کر ہی لے سکتے ہو"۔ (کشف الباری کتاب الجہاد ج۳ ص ۵۸۵)

## ﴿السوال الثالث﴾ ١٤٣٤ھ

**الشق الاول** ...... حَدَّثَنِي أَبُوهُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ مَا تَرَكَ غِنًى وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ تَقُولُ الْمَرْأَةُ إِمَّا أَنْ تُطْعِمَنِي وَإِمَّا أَنْ تُطَلِّقَنِي وَ يَقُولُ الْعَبْدُ أَطْعِمْنِي وَاسْتَعْمِلْنِي وَيَقُولُ الِابْنُ أَطْعِمْنِي إِلَى مَنْ تَدَعُنِي؟ فَقَالُوا: يَا أَبَا هُرَيْرَةَ سَمِعْتَ هَذَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ؟ قَالَ: لَا، هَذَا مِنْ كِيسِ أَبِي هُرَيْرَةَ. (ص ٨٠٦ - ج ٢ - قدیمی)

شکل الحدیث بالضبط وترجمه . واذکر أليس هذا من الحديث المرفوع؟ فكيف قال أبو هريرة : لا، هذا من كيس أبي هريرة . اشرح الحديث فاذکر معنى قوله: أفضل الصدقة ماترك غنى وقوله: وابدأ بمن تعول و قوله: تقول المرأة..... الخ . حال من ترامی فی النفقة الزوج أم الزوجة؟ اذکر باختلاف العلماء وأدلتهم .

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں پانچ امور حل طلب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) حدیث کے مرفوع یا قول ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ہونے کی وضاحت (۴) حدیث کی تشریح (۵) نان نفقہ میں زوجین میں سے معتبر میں اختلاف مع الدلائل۔

**جواب** ...... ❶ <u>حدیث پر اعراب:</u> کمامرّ فی السوال آنفا۔

❷ <u>حدیث کا ترجمہ:</u> حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ افضل صدقہ وہ ہے جو مالداری کو چھوڑے اور اوپر والا (دینے والا) ہاتھ نیچے والے (لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہے اور خرچ کرنے میں ابتداء اہل وعیال سے کرو۔

بیوی کہے گی کہ مجھے کھلاؤ یا مجھے طلاق دو اور غلام کہے گا کہ مجھے کھلاؤ اور مجھ سے کام لو اور بیٹا کہے گا کہ مجھے کھانا کھلاؤ، مجھے کس کے حوالے چھوڑتے ہو، لوگوں نے پوچھا کہ اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کیا آپ رضی اللہ عنہ نے یہ کلام و تشریح رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ یہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جھولی سے ہے۔

❸ <u>حدیث کے مرفوع یا قول ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ہونے کی وضاحت:</u> ① تقول المرأة سے آخر تک حدیث مرفوع نہیں بلکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا کلام ہے جس میں انہوں نے من تعول کی تشریح کی ہے چنانچہ نسائی میں اس کی تصریح ہے فسئل ابوھریرة من تعول یا اباھریرة یعنی ان سے پوچھا گیا کہ من تعول کا مصداق کون ہے؟ تو انہوں نے جواب میں یہ ارشاد فرمایا (کشف الباری)

② علامہ قسطلانی رحمہ اللہ کوکب الدری کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آخری جملہ لا ھذا من کیس ابی

ھریرۃ سامعین کے سوال کے انکار میں کہا کہ اگر یہ حضور ﷺ کا کلام نہیں ہے تو کیا یہ میں نے اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے۔ (عمدۃ القاری)

⑦ **حدیث کی تشریح:۔** رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ افضل صدقہ وہ ہے جو کچھ مالداری کو چھوڑ دے یعنی اس کی وجہ سے آدمی بالکل مفلس بن کر نہ رہ جائے بلکہ کسی قدر مالداری قائم رہے، یہ صدقہ کی بہترین شکل ہے۔ آدمی سارے مال کا اس طرح صدقہ کرے کہ اس کے پاس کچھ بھی نہ بچے، یہ پہلی صورت کی بہ نسبت غیر افضل ہے کیونکہ اس میں خدشہ ہوتا ہے کہ آدمی فقیر ہو کر کہیں مانگنے پر مجبور نہ ہو جائے، اس طرح اس صورت میں بعض واجب حقوق کی ادائیگی بھی متاثر ہو سکتی ہے۔ آگے فرمایا **الید العلیا خیر من الید السفلی**، اس میں **ید علیا** سے دینے والا ہاتھ اور **ید سفلی** سے لینے اور مانگنے والا ہاتھ مراد ہے، مطلب یہ کہ دینا...... لینے اور مانگنے سے بہتر ہے۔ "**وابدأ بمن تعول**" خرچ کرنے میں ابتدا اہل وعیال سے کرنی چاہیے، اس جملے میں اسی کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ ان پر خرچ کرنا واجب ہے اور واجب کی ادائیگی نفل پر مقدم ہوتی ہے۔

"**من تعول**" میں بیوی اور نابالغ اولاد تو بالاتفاق داخل ہیں، البتہ بالغ ہونے کے بعد اولاد کے نفقہ میں اختلاف ہے۔ بعض علماء کے نزدیک اولاد کا نفقہ مطلقاً باپ کے ذمہ واجب ہے، چاہے بالغ ہو یا نابالغ، لیکن جمہور کے نزدیک لڑکے کے بالغ ہونے اور لڑکی کے شادی شدہ ہو جانے کے بعد باپ کے ذمہ ان کا نفقہ واجب نہیں رہتا۔ (کشف الباری کتاب النفقات ص ۳۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے کلام **تقول المرأۃ الخ** کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کا نان ونفقہ تم پر لازم ہے پہلے ان پر خرچ کرو، اگر تم ان پر خرچ نہیں کرو گے تو بیوی کہے گی کہ مجھے گھر میں رکھنا ہے تو نان ونفقہ دو ورنہ مجھے طلاق دو، غلام کہے گا کہ مجھ سے کام لیتا ہے تو کھانا دو، اگر کھانا نہیں دیتا تو مجھ سے کام بھی نہ لو اور بچے کہیں گے کہ مجھے کھانا دو، مجھے کس کے حوالہ کر رہے ہو، کس کے لئے چھوڑ رہے ہو، مجھے تم کھانا دو۔

⑧ **نان نفقہ میں زوجین میں سے معتبر میں اختلاف مع الدلائل:۔** نفقہ کے واجب ہونے کے بعد کس کی حالت کا اعتبار ہوگا، شوہر کی حالت کا یا بیوی کی حالت کا؟ اس میں تین اقوال ہیں: ① امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس میں شوہر کی حالت کا اعتبار ہوگا، شوہر اگر مالدار ہے تو نفقۂ اغنیاء واجب ہوگا، اگر تنگدست ہے تو نفقۂ فقراء واجب ہوگا۔ صاحب ہدایہ نے حنفیہ میں سے امام کرخی رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک نقل کیا ہے اور علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے "اعلاء السنن" میں اسی قول کو حنفیہ کی ظاہر الروایت کہا ہے۔

اس مسلک کی پہلی دلیل **لینفق ذو سعة من سعته ومن قدر علیه رزقه فلینفق مما آتاه الله لا یکلف الله نفسا الا ما آتاها** ہے۔ اس آیت کریمہ میں مرد کی حالت کا اعتبار کیا گیا ہے کہ وہ اپنی وسعت اور استطاعت کے مطابق خرچ کرے۔

دوسری دلیل حضرت معاویہ قشیری رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جو امام ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، حاکم اور ابن حبان رحمہم اللہ نے نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں **اتیت رسول الله ﷺ فقلت: ماتقول فی نسائنا؟ قال: اطعموهن مما تأكلون واكسوهن مما تكسون ولا تضربوهن ولا تقبحوهن**۔ اس حدیث میں مردوں کی حالت کا اعتبار کیا گیا ہے۔

② امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مسلک اول کے برعکس نفقہ میں عورت کی حالت کا اعتبار ہوگا، بیوی اگر مالدار ہے تو نفقۂ اغنیاء اور تنگدست ہے تو نفقۂ فقراء واجب ہوگا۔ ابن قدامہ نے **المغنی** میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی قول لکھا ہے۔

ان کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے **وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف**۔ اس میں معروف سے مراد کفایت ہے یعنی بیوی کی حالت کے اعتبار سے وہ نفقہ اس کے لئے کفایت کر جائے۔

دوسری دلیل حضرت ہندہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا **خذی ما یکفیك وولدك بالمعروف**، اس میں شوہر کی حالت کا اعتبار کرنے کی بجائے حضرت ہندہ رضی اللہ عنہا کیلئے کفایت کر جانے کو پیش نظر رکھا ہے۔

③ حضرات حنابلہ کا مسلک یہ ہے کہ میاں بیوی دونوں کی حالت کا اعتبار کیا جائیگا۔ درمختار میں ہے کہ یہی حضرات حنفیہ کا مفتی بہ قول ہے یعنی اگر دونوں مالدار ہیں تو نفقۂ اغنیاء، دونوں تنگدست ہیں تو نفقۂ فقراء اور اگر بیوی تنگدست ہے تو اس کا نفقہ اغنیاء کے نفقے سے کم اور فقراء کے نفقے سے زیادہ ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ لینفق ذو سعة من سعته میں شوہر کی حالت کا اعتبار کیا گیا ہے جبکہ وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف میں عورت کی حالت کا اعتبار کیا گیا تو میاں بیوی دونوں کی حالت کا اعتبار کر کے دونوں آیتوں پر عمل ممکن ہو سکے گا چنانچہ ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ولنا فيما ذكرناه جمعا بين الدليلين وعملا بكلا النصين ورعاية لكلا الجانبين فيكون اولى۔ (کشف الباری کتاب النفقات ص ٣٦)

**الشق الثانی** ……باب ما يذكر في الشيب. عن عثمان بن عبدالله بن موهب قال: أرسلني أهلي الى أم سلمة بقدح من ماء…… وقبض اسرائيل ثلاث أصابع …… من قضة فيه شعر من شعر النبي ﷺ، وكان اذا أصاب الانسان عين أو شيئ بعث اليها مخضبه، فاطلعت في الجلجل، فرأيت شعرات حمرا.

اذكر غرض البخاري من ترجمة الباب. ما معنى قوله: "وقبض اسرائيل ثلاث أصابع". حقق كلمة "قضة" هل هي بالفاء والضاد المعجمة أم هي بالقاف والصاد المهملة؟ وعلى كلتا الصورتين وضح العبارة بكاملها بحيث لاتبقى خافية في معناها. (ص ٨٧٥ ج ٢ قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾ …… اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں۔ (١) ترجمۃ الباب کی غرض (٢) وقبض اسرائیل ثلاث اصابع کا معنی (٣) فضۃ یا قصۃ کی تحقیق اور عبارت کی توضیح۔

**جواب** …… ① **ترجمۃ الباب کی غرض:** شارحین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض سفید بالوں کو خضاب لگانے کا حکم بیان کرنا ہے مگر یہ غرض درست معلوم نہیں ہوتی اس لئے کہ بعد میں خضاب کے متعلق مستقل باب آ رہا ہے۔

شیخ الحدیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد شیب (بڑھاپہ، سفید بال) کی فضیلت، سفید بالوں کو اکھاڑنے سے ممانعت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ (کشف الباری کتاب اللباس ص ٢٥١)

② **وقبض اسرائیل ثلاث اصابع کا معنی:** یہ جملہ معترضہ ہے کہ اسرائیل بن یونس نے حدیث بتلانے کے لئے تین انگلیوں سے اشارہ کیا۔ یہ کیا اشارہ تھا؟ علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے عثمان کے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تین مرتبہ جانے کی طرف اشارہ مقصود ہے کیونکہ انگلیوں سے عدد کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس سے پانی کے اس پیالہ کے چھوٹا ہونے کی طرف اشارہ تھا کہ وہ پیالہ اس قدر چھوٹا تھا۔ (ایضا)

③ **فضۃ یا قصۃ کی تحقیق اور عبارت کی توضیح:** اس کو دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں قُصَّةٌ (قاف و صاد کے ساتھ) اس کا معنی بالوں کا گچھا ہے۔ عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ میرے گھر والوں نے مجھے پانی کا پیالہ دے کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا بالوں کے گچھے کی وجہ سے تاکہ اس پیالہ میں رسول اللہ ﷺ کے بال ڈال دیئے جائیں کیونکہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک ڈبیہ میں حضور ﷺ کے بال محفوظ تھے، کسی کو نظر لگتی یا کوئی بیمار ہوتا تو وہ پانی بھیجتا، آپ ﷺ کے بال اس میں ڈال دیئے جاتے، لوگ اس کو استعمال کرتے تو ان کی برکت سے شفایاب ہو جاتے۔

فِضَّةٌ (فا و ضاد کے ساتھ) یہ قدح کی صفت ہے یعنی چاندی کا پیالہ۔ عبارت کا مطلب یہ ہے کہ میرے گھر والوں نے مجھے چاندی کا بنا ہوا پانی کا پیالہ دے کر بھیجا جس میں رسول اللہ ﷺ کے بال مبارک تھے، یہ پیالہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا تھا، عثمان

بنی وہب کے گھر والے اسے لے گئے تھے پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو واپس کرنے کیلئے دیکر بھیجا تھا۔ (ایضاً)

## ﴿الورقة الرابعة: الصحيح للامام البخاري﴾

### ﴿السوال الاول﴾ ١٤٢٥ھ

**الشق الاول** ......بَابٌ أَحَبُّ الدِّينِ إِلَى اللّٰهِ أَدْوَمُهُ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا امْرَأَةٌ، قَالَ: مَنْ هٰذِهِ؟ قَالَتْ: فُلَانَةُ تَذْكُرُ مِنْ صَلَاتِهَا، قَالَ: مَهْ عَلَيْكُمْ بِمَا تُطِيقُونَ فَوَاللّٰهِ لَا يَمَلُّ اللّٰهُ حَتّٰى تَمَلُّوا، وَكَانَ أَحَبُّ الدِّينِ إِلَيْهِ مَا دَاوَمَ عَلَيْهِ صَاحِبُهُ. (ص ١٠، ج ١)

اذكر غرض البخاري من ترجمة الباب وشكل الحديث بالضبط وترجمه. اشرح الحديث واذكر من هي هذه المرأة المبهمة في الحديث؟ وما معنى قوله: "لايمل الله حتى تملوا"؟ اذكر أقوال العلماء في ذلك؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چھ امور توجہ طلب ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) حدیث پر اعراب (۳) حدیث کا ترجمہ (۴) حدیث کی تشریح (۵) امراۃ مبہمہ کی تعیین (۶) لايمل الله حتى تملوا کے معنی میں اقوال۔

**جواب** ...... ❶ ترجمۃ الباب کی غرض:۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس ترجمہ سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ ایمان کا اطلاق عمل پر درست ہے کیونکہ ترجمہ قائم فرمایا ہے احب الدين الى الله ادومه دین عمل کے معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک سب سے محبوب عمل وہ ہے جس میں مداومت کی جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اعمال دین میں داخل ہیں اور مصنف کے نزدیک ایمان، اسلام اور دین کا اطلاق ایک ہی حقیقت پر ہوتا ہے تو جب اعمال کا دین میں سے ہونا ثابت ہو گیا تو اسلام و ایمان میں داخل ہونا بھی ثابت ہو گیا۔

ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ترجمۃ الباب سے مصنف کا مقصود مرجئہ کی تردید ہے کہ تم کہتے ہو کہ اعمال کا ایمان اور دین سے کوئی تعلق نہیں جبکہ یہاں عمل کو "دین" کہا گیا اور اس پر مداومت کی ترغیب دی گئی ہے۔ (کشف الباری ج ۲ ص ۳۳۴)

❷ حدیث پر اعراب:۔ كمامرّ في السوال آنفا۔

❸ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اس حال میں کہ ان کے پاس ایک عورت تھی، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ فلاں عورت ہے اور وہ ان کی نماز کا تذکرہ کرنے لگیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بس کرو، جن اعمال پر مداومت کی طاقت ہو انہی کو لازم پکڑو۔ قسم بخدا اللہ تعالیٰ اس وقت تک ثواب کو قطع نہیں کرتے جب تک تم خود نہ اکتا جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب عمل وہ ہے جس پر عمل کرنے والا مداومت و مواظبت اختیار کرے۔

❹ حدیث کی تشریح:۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے تو ان کے پاس ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی، رسول اللہ ﷺ کے دریافت کرنے پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں اس کا تعارف کرتے ہوئے اس کی نماز کے انہماک وغیرہ کا بھی تذکرہ کیا یا مطلب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ وہی عورت ہے جس کی نماز کا بڑا چرچا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "رک جاؤ" یعنی اس کی تعریف نہ کرو۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ممکن ہے آپ ﷺ نے اس عورت سے فرمایا ہو کہ جس کام کی تمہارے اندر طاقت نہ ہو اس سے رک جاؤ، پھر فرمایا قسم بخدا اللہ تعالیٰ ثواب دینے سے نہیں تھکتے مگر تم لوگ ہی اعمال سے تھک کر ان کو چھوڑ دیتے ہو اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ و محبوب عمل وہ ہے جو دائمی و ہمیشگی کے طور پر کیا جائے۔

❺ امراۃ مبہمہ کی تعیین:۔ اس روایت کو کتاب التہجد میں امام بخاری رحمہ اللہ نے كانت عندي امرأة من بني اسد کے

الفاظ سے نقل کیا ہے جبکہ مسلم کی روایت میں ام کی تصریح بھی ہے کہ میں نے کہا کہ یہ خاتون حولاء بنت تویت ہیں، ان کا تعلق حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے قبیلے سے ہے۔ (کشف الباری کتاب الایمان ج ۲ ص ۳۳۱)

❷ **لایمل اللّٰہ حتی تملوا کے معنی میں اقوال:** اللہ تعالیٰ ثواب کو اس وقت تک قطع نہیں فرماتے جب تک تم اکتا کر عمل چھوڑ نہ دو۔ "مَلَّ یَمَلُّ" باب سمع سے ہے۔ ملال کہتے ہیں کسی چیز کو پسند کرنے اور رغبت رکھنے کے بعد نفس کا اس سے متنفر ہونا اور اسے گراں سمجھنا۔ یہ انسانوں میں ہوتا ہے، اس لئے کہ یہ ایک انفعالی کیفیت ہے جس کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے لئے یہ کیفیت یا صفت محال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ انفعالات سے پاک ہیں۔

اب یہاں جو اللہ تعالیٰ کے لئے "ملال" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس کے بارے میں امام اسماعیل، علامہ ابن عبد البر اور محققین کا کہنا ہے کہ مشاکلت و ازدواج کے طور پر یہاں اللہ تعالیٰ کے لئے "ملال" کا لفظ استعمال ہوا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا یعنی برائی کا بدلہ اسی کی طرح برائی ہے، یہاں سیئہ کا اطلاق حقیقتاً نہیں بلکہ مشاکلۃً کیا گیا ہے کیونکہ سیئہ کا بدلہ سیئہ نہیں، اس لئے کہ بدلے کے طور پر جو برائی کی جائے وہ حقیقتاً نہیں بلکہ صورۃً برائی ہے۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ کے "ملال" سے قطع الثواب مراد ہے، قطع ثواب کو اللہ کے "ملال" سے تعبیر کر دیا گیا کہ بندہ ملال کی وجہ سے عمل قطع کر دیتا ہے اس پر ثواب کا انقطاع مرتب ہوتا ہے، اسلئے کہ ملال تو قطع عمل کا سبب ہے اور قطع عمل قطع ثواب کا سبب ہے، اس لئے قطع ثواب پر ملال کا اطلاق کر دیا گیا۔ علامہ ہروی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی میں **لایتناهی حقه علیکم فی الطاعة حتی یتناهی جهدکم** یعنی جب تک تمہاری استطاعت باقی ہے اس وقت تک اس کا حق تمہارے اوپر رہے گا۔

یہ تمام تاویلات اس صورت میں ہیں جب **حتی** اپنے اصل معنی یعنی انتہائے غایت کے لئے ہو، جبکہ بعض حضرات نے اس کو انتہائے غایت کے معنی میں نہیں لیا۔ چنانچہ کچھ حضرات نے **لایمل اللّٰہ حتی تملوا** کے معنی کئے ہیں **لایمل اللّٰہ اذا مللتم** یعنی تم اکتا بھی جاؤ تب بھی اللہ تعالیٰ کو "ملال" نہیں ہوگا۔

علامہ مازری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ **حتی** یہاں "واؤ" کے معنی میں ہے لہٰذا **لا یمل اللّٰہ حتی تملوا** کے معنی ہوں گے **لایمل اللّٰہ وتملون**۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ سے ملال کی نفی کر دی گئی اور لوگوں کے لئے اس کو ثابت کیا گیا ہے۔

ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اس قسم کے الفاظ متعارفہ میں سے ہے کہ ان کی مراد کو انہی الفاظ کے بغیر سمجھنا ہمارے لئے ممکن نہیں، وجہ یہ ہے کہ عقائد الٰہی کی تعبیر کے لئے ہمارے پاس بالکل متعین الفاظ نہیں کیونکہ ہمارے الفاظ کا دامن بہت تنگ ہے اس لئے ہم جب ان عقائد کی تعبیر کرتے ہیں تو اس کے لئے وہی الفاظ لاتے ہیں جو ہم اپنے عرف میں استعمال کرتے ہیں۔ ابن حبان رحمہ اللہ نے تمام متشابہات میں یہی مذہب اختیار کیا ہے۔ (کشف الباری کتاب الایمان ج ۲ ص ۳۳۲)

**السؤال الثانی** ...... بَابُ الْحَيَاءِ فِي الْعِلْمِ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ: جَاءَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِيْ مِنَ الْحَقِّ فَهَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ غُسْلٍ إِذَا احْتَلَمَتْ؟ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ. فَغَطَّتْ أُمُّ سَلَمَةَ تَعْنِيْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَتَحْتَلِمُ الْمَرْأَةُ؟ قَالَ: نَعَمْ تَرِبَتْ يَمِيْنُكِ فَبِمَ يُشْبِهُهَا وَلَدُهَا؟ (ص ۲۳، ج ۱، قدیمی)

انكر غرض البخاري من ترجمة الباب. شكل الحديث ثم ترجمه إلى الأردية. اشرح الحديث واذكر من التي تعجبت وأنكرت: أهي أم سلمة، أم عائشة؟ واذكر سبب تعجبها وإنكارها. اذكر سبب شبه الولد وسبب كونه مذكرا أو مؤنثا، في ضوء ما ورد في الحديث.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چھ امور حل طلب ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) حدیث پر اعراب (۳) حدیث کا ترجمہ (۴) حدیث کی تشریح (۵) تعجب وانکار کرنے والی زوجہ کی تعیین اور وجہ (٦) شبہ والد اور تذکیر و تانیث کا سبب۔

**جواب** ...... ❶ **ترجمۃ الباب کی غرض:** عام شارحین حافظ ابن حجر، علامہ سندھی، شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ حیاء فی العلم کی مذمت کرنا چاہتے ہیں کیونکہ علم میں حیاء کرنا علم سے محرومی کا سبب ہے۔

چنانچہ امام مجاہد رحمہ اللہ کا اثر، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ اسی پر دال ہیں۔

جبکہ ابن بطال، علامہ کرمانی، شیخ الاسلام زکریا انصاری، علامہ عینی اور حضرت کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض مواقع پر حیاء کرنا مذموم ہے اور ترک حیاء محمود ہے اور بعض مواقع پر حیاء کرنا محمود اور ترک حیاء مذموم ہے۔

جہاں استعمال حیاء مطلوب ومحمود ہو اس کے اثبات کے لئے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا و ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایات ہیں اور جہاں ترک حیاء مطلوب ومقصود ہو اس کے لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا و مجاہد رحمہ اللہ کے آثار کا ذکر کیا ہے۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب کو مطلق رکھا، استحباب وعدم استحباب کچھ ذکر نہیں کیا، مگر بظاہر عدم استحباب معلوم ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ **ان اللہ لایستحیی من الحق** سراسر حق ومسلم ہے مگر مؤلف کا مقصود یہ ہے کہ اس کا مصداق یہ ہے کہ بوجہ حیاء علم وتفقہ سے محروم نہ رہ جائے یہ مطلب نہیں کہ حیاء نہ کرے اور تعلیم وتفقہ کے وقت حیاء کو پاس ہی نہ آنے دے جو کچھ کہنا ہو بے تامل کہے۔ الغرض ترجمۃ الباب میں دو باتیں ملحوظ ہیں ① اصل یہ ہے کہ بوجہ حیاء علم وتعلم سے محروم نہ رہے ② تعلیم وتعلم میں بھی حتی الوسع حیاء کرنا مستحسن ہے بعض مواقع حیاء میں یہ تو ہرگز نہ کرے کہ علم ہی سے محروم رہ جائے مگر محرومی سے بچ کر جس قدر حیاء کر سکے مستحسن ہے، اسلئے کہ **الحیاء من الایمان، الحیاء خیر کلہ**۔ (کشف الباری کتاب العلم ج۳ ص۵۹۹)

❷ **حدیث پر اعراب:** **کما مرّ فی السؤال آنفا۔**

❸ **حدیث کا ترجمہ:** حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت ام سُلیم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! بے شک اللہ تعالیٰ حق بات سے حیاء نہیں کرتے، کیا عورت پر غسل لازم ہے جب اسے احتلام ہو جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جی ہاں! جب وہ پانی (منی) کو دیکھ لے۔ پس حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جی ہاں، تیرا دایاں ہاتھ خاک آلود ہو پس اس کی اولاد کس وجہ سے اس کے مشابہ ہوتی ہے؟۔

❹ **حدیث کی تشریح:** حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا ایک مرتبہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنے سوال سے قبل بطور تمہید عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ حق بات کو ضرور بیان کرتے ہیں اور اس کو چھوڑتے نہیں ہیں، یہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حق کے سلسلہ میں نہ حیاء کا حکم دیتے ہیں اور نہ اسکی اجازت دیتے ہیں، چونکہ حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا کے سوال کا تعلق ان مسائل سے تھا جن کے متعلق کچھ پوچھنے سے عموماً عورتیں شرم محسوس کرتی ہیں اسلئے انہوں نے یہ تمہید قائم کی تھی، پھر سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! اگر کوئی عورت خواب میں جماع کرے تو کیا اس پر غسل لازم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جی غسل لازم ہے بشرطیکہ یقینی طور پر انزال ہو جائے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اس سوال وجواب کو سن کر شرم وحیاء کی وجہ سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا عورتوں کو واقعتاً احتلام ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بالکل عورتوں کو بھی احتلام ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بچہ والدہ کے بھی مشابہ ہوتا ہے، اگر عورتوں کو احتلام نہ ہوتا تو بچہ والدہ کے مشابہ کیوں ہوتا؟

⑤ **تعجب وانکار کرنے والی زوجہ کی تعیین اور وجہ:۔** بخاری شریف کی اس حدیث میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نام ہے جبکہ مسلم شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں تو بظاہر تعارض ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بخاری کی روایت راجح ہے اور یہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ہی واقعہ ہے۔

ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ذہلی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ دونوں روایتیں صحیح ہیں اور یہ دونوں مستقل حدیثیں ہیں۔

نیز ممکن ہے کہ اس مجلس میں دونوں ازواج مطہرات موجود ہوں اور دونوں نے ہی نکیر کی ہو۔

تعجب وانکار کی علت اور وجہ کے متعلق بعض علماء فرماتے ہیں کہ ازواج مطہرات احتلام سے پاک ہیں اس وجہ سے ان کو تعجب ہوا مگر یہ وجہ وعلت درست نہیں اس لئے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا پہلے حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں رہ چکی تھیں، لہٰذا صحیح یہ ہے کہ سوال وتعجب کی علت یہ تھی کہ عورتوں کو بہت کم احتلام ہوتا ہے بلکہ بعض فلاسفہ نے تو عورت کی منی کا ہی انکار کیا ہے۔ بہر حال روایت سے معلوم ہوا کہ عورتوں میں منی بھی موجود ہے اور عورتوں کو احتلام بھی ہوتا ہے۔ (تقریر بخاری ج اص ۵۲)

⑥ **شبہ ولد اور تذکیر وتانیث کا سبب:۔** صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لانے کا علم ہوا تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں آپ سے تین سوال کرنا چاہتا ہوں جن کا جواب کوئی نبی ہی دے سکتا ہے۔ ان میں سے ایک سوال یہ تھا **ما بال الولد ینزع الی ابیه او الی امه؟** یعنی بچہ اپنی ماں یا باپ کے مشابہ کیوں ہوتا ہے؟ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جب مرد کی منی عورت کی منی سے سابق ہوتی ہے تو وہ بچہ کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور جب عورت کی منی مرد کی منی سے سبقت کر جائے تو عورت بچہ کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے"۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع روایت ہے "جب عورت کی منی مرد کی منی پر غالب آ جائے تو بچہ ماموؤں کے مشابہ ہوتا ہے اور جب مرد کی منی عورت کی منی پر غالب آتی ہے تو اپنے چچاؤں کے مشابہ ہوتا ہے"

اوپر حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوا کہ سبب مشابہت "سبق" ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے معلوم ہوا کہ سبب مشابہت "غلبہ" ہے۔ پھر امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ "مرد کی منی سفید ہے اور عورت کی منی زرد، جب دونوں جمع ہو جائیں اور مرد کی منی عورت کی منی پر غالب آ جائے تو اللہ کے حکم سے مذکر پیدا ہوتا ہے اور جب عورت کی منی مرد کی منی پر غالب آتی ہے تو اللہ کے حکم سے بچہ مؤنث ہوتا ہے"۔

جہاں تک مذکر ومؤنث ہونے کا تعلق ہے سو اس کی وجہ رحم کے اندر "علو" یعنی غلبہ ہے چنانچہ اس کے اندر اگر مرد کی منی عورت کی منی پر غالب ہو تو بچہ مذکر ہوتا ہے اور اگر عورت کی منی مرد کی منی پر غالب ہو تو بچہ مؤنث ہوتا ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ "سبقت" سبب مشابہت ہے اور "غلبہ" سبب تذکیر وتانیث ہے۔ اس طرح تمام احادیث کے درمیان تطبیق ہو جاتی ہے۔

دونوں قسم کی احادیث کو ملانے سے یہاں کئی صورتیں نکلتی ہیں۔ ① "سبقت وغلبہ" دونوں ماء رجل کے لئے ہوں تو بچہ مذکر ہوگا اور باپ کے مشابہ ہوگا ② "سبقت وغلبہ" دونوں ماء مرأۃ کیلئے ہوں تو بچہ مؤنث اور ماں کے مشابہ ہوگا ③ سبقت ماء رجل اور غلبہ ماء مرأۃ کے لئے ہو تو بچہ مؤنث ہوگا اور باپ کے مشابہ ہوگا ④ اس کے برعکس سبقت ماء مرأۃ اور غلبہ ماء رجل کے لئے ہو تو بچہ مذکر ہوگا اور ماں کے مشابہ ہوگا ⑤ اگر کسی ایک کو بھی سبقت حاصل نہ ہو بلکہ دونوں کا پانی ایک ساتھ خارج ہو لیکن غلبہ ماء رجل کیلئے ہو تو بچہ مذکر ہوگا اور ماں باپ دونوں کے مشابہ ہوگا ⑥ اگر سبقت کسی کو حاصل نہ ہو لیکن غلبہ ماء مرأۃ کو حاصل ہو تو بچہ مؤنث ہوگا اور ماں باپ دونوں کے مشابہ ہوگا۔ (کشف الباری کتاب العلم ج ۴ ص ۲۳۱)

## ﴿السؤال الثاني﴾ ۱۴۳۵ھ

**الشق الأول** ...... عَنْ قَتَادَةَ سَأَلْتُ أَنَسًا كَمْ اعْتَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ؟ قَالَ: أَرْبَعًا عُمْرَةُ الْحُدَيْبِيَةِ فِي ذِي الْقَعْدَةِ حَيْثُ صَدَّهُ الْمُشْرِكُونَ وَعُمْرَةٌ مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ فِي ذِي الْقَعْدَةِ حَيْثُ صَالَحَهُمْ وَعُمْرَةُ الْجِعْرَانَةِ إِذْ قَسَمَ غَنِيمَةَ أُرَاهُ حُنَيْنٍ قُلْتُ: كَمْ حَجَّ؟ قَالَ وَاحِدَةً. (ص۲۳۹، ج۱، قدیمی)

شکّل الحديث بالضبط وترجمه إلى الأردية. واذكر: كم حج النبي ﷺ؟ وكم اعتمر؟ اذكر في هذا الحديث أنه ﷺ اعتمر أربع عمر ولم يذكر التفصيل إلا ثلاث عمر! فكيف التطبيق بين الإجمال والتفصيل؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) رسول اللہ ﷺ کے حج وعمرہ کی تعداد (۴) اجمال وتفصیل میں تطبیق۔

**جواب** ...... ① **حدیث پر اعراب:** كما مرّ في السؤال آنفا۔

② **حدیث کا ترجمہ:** حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے کتنے عمرے کیے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ چار۔ ① عمرۃ الحدیبیہ ذی قعدہ میں جب مشرکین نے آپ ﷺ کو روک دیا تھا ② آئندہ سال ذی قعدہ میں عمرہ کیا جب مشرکین سے مصالحت ہوئی تھی ③ عمرہ جعرانہ جب آپ ﷺ نے حنین کی غنیمت کو تقسیم کیا تھا۔ میں نے پوچھا کہ آپ ﷺ نے کتنے حج کیے تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ایک۔

③ **رسول اللہ ﷺ کے حج وعمرہ کی تعداد:** رسول اللہ ﷺ نے حقیقۃً وحکماً چار عمرے کیے تھے۔ ① ۶ھ میں کیا گیا عمرہ جو مشرکین کے روکنے کی وجہ سے نا تمام رہا ② آئندہ سال ۷ھ میں عمرۃ القضاء کیا تھا ③ عمرہ جعرانہ فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے انیس دن تک مکہ میں قیام کیا تھا پھر حنین تشریف لے گئے، وہاں سے طائف گئے۔ ایک ماہ تک اس کا محاصرہ کیا پھر لوٹ کر جعرانہ آئے، وہاں حنین کی غنیمت تقسیم کی اور یہیں سے عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ ادا کیا تھا ④ حجۃ الوداع کے موقع پر حج قران کیا تھا یعنی حج وعمرہ دونوں ایک ہی احرام سے ادا کیے تھے۔ (تحفۃ الاحوذی ج۳ ص۶۰۹)

آپ ﷺ نے فرضیت حج کے بعد صرف ایک ہی حج ۱۰ھ میں کیا تھا جسے حجۃ الوداع کہتے ہیں۔

④ **اجمال وتفصیل میں تطبیق:** سوال ہوتا ہے کہ اجمال وتفصیل میں تطبیق نہیں ہے اس لئے کہ اجمال میں چار عمروں کا ذکر ہے جبکہ تفصیل میں تین عمروں کا ذکر ہے۔ اس کا جواب وتطبیق یہ ہے کہ اس روایت میں وعمرة مع حجته کا جملہ ساقط ہے اور آخری جملہ کم حج اسی جملہ پر متفرع ہے اور اس جملہ کے ساقط ہونے کی دلیل بعد والی ابوالولید کے طریق سے مذکور حدیث ہے کہ اس میں اس کا ذکر موجود ہے۔

**الشق الثاني** ...... بَابُ خَاتَمِ الْحَدِيدِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ سَمِعَ سَهْلًا يَقُولُ: جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ: جِئْتُ أَهَبُ نَفْسِي فَقَامَتْ طَوِيلًا فَنَظَرَ وَصَوَّبَ فَلَمَّا طَالَ مُقَامُهَا فَقَالَ رَجُلٌ: زَوِّجْنِيهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكَ بِهَا حَاجَةٌ قَالَ عِنْدَكَ شَيْءٌ تُصْدِقُهَا؟ قَالَ: لَا. قَالَ: انْظُرْ فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ: وَاللَّهِ إِنْ وَجَدْتُ شَيْئًا قَالَ: اذْهَبْ فَالْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ قَالَ: لَا وَاللَّهِ وَلَا خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ وَعَلَيْهِ إِزَارٌ مَا عَلَيْهِ رِدَاءٌ فَقَالَ: أُصْدِقُهَا إِزَارِي فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِزَارُكَ إِنْ لَبِسَتْهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْكَ مِنْهُ شَيْءٌ وَإِنْ لَبِسْتَهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهَا مِنْهُ شَيْءٌ فَتَنَحَّى الرَّجُلُ فَجَلَسَ فَرَآهُ النَّبِيُّ ﷺ مُوَلِّيًا فَأَمَرَ بِهِ فَدُعِيَ فَقَالَ: مَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ؟ قَالَ: سُورَةُ كَذَا وَكَذَا لِسُوَرٍ عَدَّدَهَا قَالَ: قَدْ مَلَّكْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ.

اذکر غرض البخاری من ترجمة الباب ثم شکل الحدیث بالضبط وترجمه إلی الأردیة ۔ ما هو حکم خاتم الحدید؟ وما هو حکم جعل القرآن الکریم مهرا؟ اذکر تفصیل المذاهب. (س ۱۴۳۸ھ – ۲۰۱۷ء)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں پانچ امور توجہ طلب ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) حدیث پر اعراب (۳) حدیث کا ترجمہ (۴) لوہے کی انگوٹھی کا حکم (۵) تعلیم قرآن کریم کو مہر بنانے کا حکم۔

**جواب** ...... ❶ __ترجمۃ الباب کی غرض:__۔ عمدۃ القاری میں لکھا ہے کہ لوہے کی انگوٹھی کا حکم نہ ترجمۃ الباب سے معلوم ہو رہا ہے اور نہ حدیث الباب سے معلوم ہو رہا ہے۔ حدیث سے صرف ایک قصہ معلوم ہو رہا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۶۴)

مگر صاحب کشف الباری لکھتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے فعل سے معلوم ہوتا ہے کہ لوہے کی انگوٹھی پہننا جائز ہے اس لئے کہ حدیث میں ہے اذهب فالتمس ولو خاتما من حدید۔ (کشف الباری کتاب اللباس ص ۲۲۹)

❷ __حدیث پر اعراب:__۔ کما مر فی السوال آنفا۔

❸ __حدیث کا ترجمہ:__۔ ایک خاتون نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میں اپنے آپ کو ہبہ کرنے آئی ہوں۔ دیر تک وہ خاتون کھڑی رہی رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھا اور سر جھکا لیا جب دیر تک وہ کھڑی رہی تو ایک صاحب نے اٹھ کر عرض کی کہ اگر آپ ﷺ کو ان کی ضرورت نہیں ہے تو ان کا نکاح مجھ سے کر دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے پاس کوئی چیز ہے جو مہر میں انہیں دے سکو؟ انہوں نے عرض کی کہ نہیں، آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ دیکھ لو، وہ گئے اور واپس آ کر عرض کی کہ باخدا مجھے کچھ نہیں ملا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جاؤ تلاش کرو لوہے کی ایک انگوٹھی ہی سہی، وہ گئے اور واپس آ کر عرض کی کہ واللہ مجھے لوہے کی ایک انگوٹھی بھی نہیں ملی وہ ایک تہبند پہنے ہوئے تھے اور ان کے جسم پر (کرتے کی جگہ) چادر بھی نہیں تھی، انہوں نے عرض کی کہ میں انہیں اپنا تہبند مہر میں دے دوں گا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر تمہارا تہبند یہ پہن لیں گی تو تمہارے لئے کچھ باقی نہیں رہے گا اور اگر تم اسے پہن لو گے تو ان کیلئے کچھ نہیں رہے گا۔ وہ صاحب اس کے بعد ایک طرف بیٹھ گئے۔ پھر جب آپ ﷺ نے انہیں جاتے دیکھا تو آپ ﷺ نے انہیں بلوایا اور فرمایا تمہیں قرآن کتنا یاد ہے؟ انہوں نے عرض کی کہ فلاں فلاں سورتیں۔ انہوں نے سورتوں کو شمار کیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اس خاتون کو تمہارے نکاح میں اس قرآن کی وجہ سے دیا جو تمہیں محفوظ ہے۔

❹ __لوہے کی انگوٹھی کا حکم:__۔ لوہے کی انگوٹھی ائمہ اربعہ میں سے جمہور یعنی حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک مکروہ ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں قول اصح کے مطابق بلا کراہت جائز ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی صنیع سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلک اباحت کو ترجیح دے رہے ہیں، حدیث باب میں ہے اذهب فالتمس ولو خاتما من حدید۔ لیکن یہ استدلال صریح نہیں ہے کیونکہ لوہے کی انگوٹھی تلاش کرنے کا حکم دینے سے مردوں کے لئے اس کے استعمال کے جواز پر کوئی دلالت نہیں ہوتی چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس استدلال کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ استدلال درست نہیں ہے اس لئے تلاش کرنے کے جواز سے پہننے کا جواز لازم نہیں آتا، اس لئے کہ ممکن ہے آپ ﷺ نے اس لئے تلاش کرنے کا حکم دیا ہو تا کہ عورت اس کی قیمت سے مستفید ہو سکے۔

جمہور کی پہلی دلیل ابوداؤد کی روایت ہے کہ ایک آدمی کے پاس لوہے کی انگوٹھی تھی، آپ ﷺ نے دیکھ کر فرمایا مالی اری علیه حلیة اهل النار۔ علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ابن حبان نے یہ حدیث نقل کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔

جمہور کا دوسرا استدلال مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے، انہوں نے سونے کی انگوٹھی

پہنی اور رسول اللہ ﷺ نے کراہت کی نگاہ سے دیکھا تو انہوں نے وہ پھینک دی اور لوہے کی انگوٹھی پہنی تو آپ نے فرمایا ھذا اخبث واخبث یعنی یہ زیادہ بری ہے۔ اس روایت کی سند میں عبداللہ بن مؤمل ایک ضعیف راوی ہے۔

مسند احمد میں اس طرح کی ایک اور روایت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

بہر حال اگرچہ ان روایات کی سند پر کلام ہے تاہم شواہد کی وجہ سے یہ صحیح کے درجے میں نہیں تو حسن کے درجے میں آ جاتی ہیں جو کراہت ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ (کشف الباری کتاب اللباس ص ۲۳۸)

**۵ تعلیم قرآن کریم کو مہر بنانے کا حکم:۔** حضرات شافعیہ تعلیم قرآن کے مہر بنانے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ان کی دلیل یہی حدیث الباب ہے۔ جمہور اور حنفیہ کے نزدیک تعلیم قرآن کو مہر بنانا جائز نہیں۔ جمہور کا استدلال قرآن کریم کی آیت سے ہے **واحل لكم ماوراء ذلكم ان تبتغوا باموالكم** اس میں ابتغاء بالمال کا حکم دیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مہر کے لئے مال متقوم کا ہونا ضروری ہے اور جو مال نہ ہو وہ مہر نہیں بن سکتا اور تعلیم قرآن بھی مال نہیں، اس لئے اس کو مہر بنانا جائز نہیں۔

جہاں تک حدیث باب کا تعلق ہے اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔ ① تعلیم قرآن کو مہر بنانا حضرت صحابی کی خصوصیت تھی چنانچہ اس خصوصیت کی بعض روایات میں تصریح ہے **ان رسول الله ﷺ زوج رجلا على سورة من القرآن ثم قال: لاتكون لاحد بعدك مهرا**۔ یہ روایت ابن قدامہ نے "المغنی" میں ذکر فرمائی ہے ② **بما معك من القرآن** میں باء عوض کی نہیں بلکہ سببیت کے لئے ہے اور مطلب یہ ہے کہ **ملكتكها لانك من اهل القرآن** یعنی اہل قرآن ہونے کی وجہ سے تم پر مہر معجل واجب نہیں البتہ مہر موجل قواعد کے مطابق واجب ہوگا۔ (کشف الباری کتاب النکاح ص ۲۲۹)

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۵ھ

**الشق الاول** ...... عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: لا تنكح البكر حتى تستأذن ولا الثيب حتى تستأمر. فقيل: يا رسول الله كيف إذنها؟ قال إذا سكتت. وقال بعض الناس إن لم يستأذن البكر ولم تزوج فاحتال رجل فأقام شاهدى زور أنه تزوجها برضاها فأثبت القاضى نكاحها والزوج يعلم أن الشهادة باطلة فلا بأس أن يطأها وهو تزويج صحيح. (ص ۱۰۳۰-ج ۲-قدیمی)

ترجم الحديث المبارك الى الأردية. اشرح ما يقصده البخارى بهذه العبارة، ثم اذكر على من يرد البخارى؟ وهل هذا الرد صحيح؟ اكتب ببسط و تفصيل.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) **قال بعض الناس** کی تشریح (۳) امام بخاری رحمہ اللہ کے اعتراض کا جواب۔

**جواب** ...... **۱ حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ باکرہ و ثیبہ عورت کا نکاح اسکے امر و اجازت کے بغیر نہ کیا جائے۔ پس پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول! باکرہ کی اجازت کیسے ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب وہ (پوچھنے پر) خاموش رہے اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اگر باکرہ سے اجازت نہیں لی اور نکاح نہیں کیا پس کسی آدمی نے حیلہ کیا اور جھوٹے گواہ قائم کر دیئے کہ اس نے اس عورت سے اس کی رضامندی سے نکاح کیا ہے اور قاضی نے نکاح کو ثابت کر دیا حالانکہ زوج کو معلوم ہے کہ گواہ جھوٹے ہیں تو اسکے باوجود زوج کے اس عورت سے مباشرت کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور یہ نکاح درست ہے۔

**۲ قال بعض الناس کی تشریح:۔** اگر دو شخص جھوٹی گواہی دیں کہ فلاں شخص نے فلاں عورت سے اس کی رضامندی سے

نکاح کیا ہے اور وہ قاضی اس پر نکاح کا فیصلہ دیدے تو کیا یہ نکاح صحیح ہوگا جبکہ بننے والا زوج جانتا بھی ہے کہ شہادت باطل ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نفی کرتے ہیں اور امام اعظم رحمہ اللہ نکاح کو ثابت کہتے ہیں۔ اسی کو امام بخاری رحمہ اللہ **وقال بعض الناس** سے بیان فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اگر باکرہ عورت سے نہ اذن لیا نہ نکاح کیا اور ایک شخص نے حیلہ کرتے ہوئے دو جھوٹے گواہ قائم کردیئے کہ فلاں نے اس عورت کی رضامندی کیساتھ اس سے نکاح کیا اور قاضی نے نکاح کا فیصلہ دے دیا تو یہ نکاح صحیح ہو جائیگا اور زوج کو وطی کرنا جائز ہوگا خواہ جانتا بھی ہو کہ گواہ جھوٹے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی باب میں اس مسئلہ کو مختلف عبارات میں تین بار دہرایا ہے۔ دراصل یہ مسئلہ ایک اور اصول پر مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ عقود و فسوخ مثلاً نکاح، طلاق، عتاق وغیرہ میں اگر قاضی شہادت کاذبہ پر فیصلہ دیتا ہے تو امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک یہ فیصلہ ظاہراً و باطناً نافذ ہو جائیگا۔ (اگرچہ گواہ واقعتاً جھوٹے ہوں)۔ (حل قال بعض الناس ص [illegible])

❷ <u>امام بخاری رحمہ اللہ کے اعتراض کا جواب:</u>۔ یہ اعتراض ایک اصولی اختلاف پر متفرع ہے اسلئے ہم اسی اصولی اختلاف کو ہی دلائل کے ذریعہ حل کرتے ہیں۔

چنانچہ حنفیہ کے نزدیک قضاء قاضی کے ظاہراً و باطناً نافذ ہونے کے متعدد دلائل ہیں: ① اثر علی رضی اللہ عنہ یعنی بدائع میں شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ کی مبسوط کے حوالے سے مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے کسی آدمی نے دو جھوٹے گواہ قائم کردیئے کہ میرا فلاں عورت سے نکاح ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے اس شخص کے نکاح کا فیصلہ دے دیا اس پر اس عورت نے بغرض عفت عرض کیا "یا امیر المومنین! حقیقتاً تو میرا اس آدمی سے نکاح نہیں ہے بلکہ یہ گواہ جھوٹے ہیں لیکن اگر آپ کا یہی فیصلہ ہے تو میں آپ کے فیصلہ کو تسلیم کرتے ہوئے یہ مطالبہ کرتی ہوں کہ آپ اب میرا عقد نکاح اس سے کردیجئے تاکہ میں اس کیلئے حقیقتاً حلال ہو جاؤں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا **شاهداك زوجاك** یعنی ان دونوں گواہوں کی بناء پر جو میں نے نکاح کا فیصلہ دیا ہے یہی فیصلہ نکاح کے قائم مقام ہے لہٰذا تجدید عقد کی ضرورت نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ عقود و فسوخ میں قضاء قاضی ظاہراً و باطناً دونوں طرح نافذ ہے۔ **فتاید ماقلنا بقضاء من کان اقضاهم وارضاهم له ومانقل منه فی هذا الباب کالمرفوع الی رسول الله ﷺ اذ لا طریق الی معرفة ذلك حقيقة بالرأی** ② قیاس علی تفریق المتلاعنین یعنی مسئلہ لعان والی آیات و احادیث سے ثابت و معلوم ہوتا ہے کہ قطع منازعت کیلئے قاضی کے تفریق والے فیصلے سے باطنی و واقعی طور پر بھی فسخ ہو جاتا ہے، حالانکہ ان متلاعنین میں سے ایک یقیناً جھوٹا ہے یعنی یا تو زوج تہمت زنا میں کاذب ہے یا پھر زوجہ اپنے دعویٰ براءت میں، جس طرح کہ یہاں گواہان نکاح جھوٹے تھے جنکی بناء پر تفریق قاضی باطناً نافذ نہ ہونی چاہیے مگر اسکے باوجود حقیقی تفریق واقع ہو جاتی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ جس طرح مسئلہ لعان میں "بغرض قطع منازعت" قضاء قاضی سے فسخ نکاح اور تحریم حلال منعقد ہو جاتا ہے اسی طرح یہاں مسئلہ نکاح میں بھی "بغرض قطع منازعت ہی" قضاء قاضی بشہادۃ الزور سے اسکے برعکس عقد نکاح کا ثبوت اور تحلیل حرام کا انعقاد بھی لازماً ہو جانا چاہیے **والا فمانا وجه الفرق بينهما** ③ قیاس علی مسئلہ وفاقیہ یعنی اگر کسی شخص نے اپنی لونڈی دوسرے شخص کے پاس فروخت کردی اور قیمت ادا ہوگئی لیکن پھر مشتری نے عدالت قاضی میں جھوٹے گواہوں سے فسخ بیع ثابت کردی اور قاضی نے بھی فیصلہ دیدیا تو اس صورت میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ اب وہ لونڈی اس بائع کیلئے بلاشبہ حلال ہے حالانکہ بائع اپنے دین کی حفاظت کی خاطر اس لونڈی سے بچنے کی یہ تدبیر بھی کرسکتا ہے کہ وہ اسے آزاد کردے مگر اس کے باوجود اس پر آزاد کرنا واجب نہیں بلکہ وہ اس لونڈی کو اپنی خدمت میں رکھ سکتا ہے۔ اسی طرح مشتری کو بھی واپس کی ہوئی رقم میں تصرف کرنے کا حق حاصل ہے پس جس طرح اس مسئلہ میں قضاء قاضی ظاہراً و باطناً نافذ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مسئلہ نکاح میں بھی قضاء قاضی عند الاحناف ظاہراً و باطناً نافذ ہو جاتی ہے۔

دلیل جمہور: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث مرفوع ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص باتیں بنا کر اپنی چرب زبانی و زبان زوری سے ناحق کسی کا حق لے لے گا تو اس کا وبال اسی کی طرف ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قضاء قاضی کو ظاہراً نافذ ہو جاتی ہے مگر باطناً اور فیما بینہ وبین اللہ اس کا انعقاد ہرگز نہیں ہوتا بلکہ ایسا شخص ماخوذ و گنہگار ہوتا ہے۔

جوابات: ① یہ حدیث اموال املاک مرسلہ کے بارہ میں ہے نہ کہ عقود و فسوخات کے بارہ میں۔ پس املاک و اموال مرسلہ میں قضاء قاضی صرف ظاہراً نافذ ہوتی ہے نہ کہ باطناً بھی۔ باقی عقود و فسوخ میں قضاء قاضی ظاہراً و باطناً دونوں طرح نافذ و جاری ہو جاتی ہے۔
② عدم تعلق بمحل النزاع یعنی اس حدیث کا دوسرے سے محل نزاع کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں کیونکہ یہ شہادۃ زور کے بارہ میں وارد نہیں ہوئی بلکہ یہ اس شخص کے بارہ میں ہے جس کیلئے نبی کریم ﷺ محض اسکی چرب لسانی و زبان زوری کی وجہ سے کسی مال کا فیصلہ فرما دیں اور اس کے ہم بھی قائل ہیں کہ اگر کوئی شخص زبان زوری و چرب لسانی سے اپنے متعلق کسی چیز کا فیصلہ کرائے گا تو وہ چیز اس کیلئے باطناً اور فیما بینہ وبین اللہ ہرگز حلال نہیں ہوگی وظاهرٌ ان اللحن بالحجة ليست بشهادة بضابطة الشرع۔ (کشف الباری ص۳۰۶)

**تنبیہ:** حنفیہ کے نزدیک قضاء قاضی کے ظاہراً و باطناً نافذ ہونے کی شرائط کما مرّ في الورقة الثانية الشق الأول من السوال الثاني ۱۴۲۷ھ۔

**الشق الثانی** ...... "بَابُ مَا يَجُوزُ مِنْ تَفْسِيرِ التَّوْرَاةِ وَ كُتُبِ اللّٰهِ بِالْعِبْرَانِيَّةِ وَ غَيْرِهَا لِقَوْلِ اللّٰهِ: "قُلْ فَأْتُوْا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوْهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ" عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ أَهْلُ الْكِتَابِ يَقْرَءُوْنَ التَّوْرَاةَ بِالْعِبْرَانِيَّةِ وَ يُفَسِّرُوْنَهَا بِالْعَرَبِيَّةِ لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا تُصَدِّقُوْا أَهْلَ الْكِتَابِ وَ لَا تُكَذِّبُوْهُمْ وَ قُوْلُوْا: آمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ". (ص۱۱۲۰ج۲۔ قدیمی)

شكل الحديث ثم ترجمه ترجمة سلسة. اذكر حكم تفسير القرآن الكريم في اللغة العربية و غيرها و استمداد بروايات اهل الكتاب في الأحكام الدينية. اذكر غرض الامام البخاري من ترجمة الباب.

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ عربی یا کسی اور زبان میں تفسیر کرنے کا حکم ④ اسرائیلی روایات سے دینی احکام میں مدد لینے کا حکم ⑤ ترجمۃ الباب کی غرض۔

**جواب** ...... ① **حدیث پر اعراب:** کما مر في السوال آنفًا۔

② **حدیث کا ترجمہ:** یہ باب تورات و دیگر آسمانی کتابوں کی عبرانی و دیگر زبانوں میں تفسیر کے جواز کے بیان میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: "قل فأتوا بالتوراة فاتلوها ان كنتم صادقين" کی وجہ سے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل کتاب تورات کی عبرانی زبان میں تلاوت کرتے تھے اور اس کی تفسیر اہل اسلام کیلئے عربی زبان میں کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہ تم اہل کتاب کی تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو بلکہ تم یہ کہو کہ ہم اللہ پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ ہماری اور تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔

③ **عربی یا کسی اور زبان میں تفسیر کرنے کا حکم:** عربی یا دیگر زبانوں میں تفسیر قرآن کرنے کا حکم: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے فرائض منصبی کو ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا "يعلمهم الكتاب و الحكمة" (وہ پیغمبر لوگوں کو کتاب و حکمت سکھلاتا ہے) اور حکمت کی تفسیر میں متعدد اقوال میں سے ایک قول تفسیر قرآن، التفقہ فی الدین اور احکام الٰہیہ کا علم ہے۔ آپ ﷺ کے سب سے پہلے شاگرد و مخاطب وہ حضرات تھے جو نہ صرف عربی زبان جاننے والے تھے بلکہ فصیح و بلیغ خطیب و شاعر بھی تھے۔ ان کے سامنے تلاوت قرآن

کریم ان کی تعلیم کیلئے کافی تھی الگ سے ترجمہ وتفسیر کی ضرورت نہ تھی مگر اس کے باوجود آپ ﷺ سے بہت سی آیات کے مفاہیم پوچھے گئے، معلوم ہوا کہ رسول کے فرائض منصبی میں تلاوت کے ساتھ معانی کی تعلیم بھی شامل ہے۔ اور قرآن فہمی کیلئے صرف عربی زبان کا جاننا ہی کافی نہیں ہے بلکہ تعلیم رسول کی بھی ضرورت ہے جیسا کہ تمام علوم وفنون میں اس فن کی محض زبان جاننا یا اس میں ماہر ہونا کافی نہیں ہے بلکہ کسی ماہر استاذ سے اس کو سیکھنے اور سمجھنے کی بھی ضرورت ہے تو پس قرآنی علوم جو تمام علوم کے سردار ہیں اور گہرے و دقیق علوم پر مشتمل ہیں وہ کسی تعلیم وتفسیر کے بغیر کیسے سمجھ میں آسکتے ہیں؟ اس ساری بحث سے معلوم ہوا کہ قرآنی علوم سیکھے وسکھائے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتے، اس کیلئے ماہر استاذ کی ضرورت ہے اور ماہر استاذ وہی ہوسکتا ہے جس کو بذریعہ وحی ہم کلامی کا شرف حاصل ہو اور وہ ہستی آپ ﷺ ہیں۔ اگر قرآنی علوم کو سمجھانے کی ضرورت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو نہ بھیجتے بلکہ یہ آسمانی کتاب کسی دوسرے ذریعے سے بھی انسانوں تک پہنچائی جاسکتی تھی اور یہی قرآن کریم کے علوم کو سمجھنا و سمجھانا تفسیر ہے۔ (خلاصہ معارف القرآن بقرہ ۱۲۹) کیونکہ تفسیر میں قرآن کریم کی تلاوت وادائیگی کی کیفیت، مفہوم و مفرداتی وترکیبی احکام، ناسخ ومنسوخ، شان نزول اور قرآن کریم کے مبہم قصوں کی وضاحت کی جاتی ہے۔

سب سے پہلے مفسر قرآن آپ ﷺ ہیں، اور درحقیقت سارا ذخیرۂ احادیث قرآن کریم کی تفسیر ہی ہے، پھر صحابہ کرام ؓ ہیں سب سے مشہور مفسر قرآن حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ تھے، پھر تابعین وتبع تابعین نے اور بعد والے ائمہ ؒ نے بھی قرآن کریم کی تفسیر کی، محدثین نے تفسیر قرآن پر مستقل کتابیں لکھیں اور تفسیری روایات کو جمع کیا۔ (کشف الباری)

الغرض اس ساری تفصیل سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی تفسیر کرنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ اہل علم قرآنی علوم کے ماہرین کے لیے ضروری ہے، کیوں کہ قرآن کریم آخری کتاب ہے اور اس کے احکام قیامت تک کے لیے ہر زمانہ، علاقہ وزبان کے لوگوں کے لیے ہیں لہٰذا ہر زبان میں قرآن کریم کی تفسیر جائز ہے اور امام بخاری ؒ نے یہی ترجمۃ الباب قائم کیا ہے۔

④ اسرائیلی روایات سے دینی احکام میں مدد لینے کا حکم:۔ وہ روایات جو یہودیوں یا عیسائیوں سے ہم تک پہنچی ہیں، ان میں سے بعض براہ راست بائبل یا تلمود وغیرہ اور ان کی شروح سے لی گئی ہیں اور بعض وہ ہیں جو اہل کتاب سے سینہ بسینہ منتقل ہو کر ہم تک پہنچی ہیں۔ تفسیر کی مروجہ کتابوں میں ایسی روایات کی بہت بڑی تعداد موجود ہے۔ حافظ ابن کثیر ؒ نے ایسی روایات کی علیحدہ علیحدہ تین اقسام اور ان کا حکم بیان کیا ہے۔ ① وہ اسرائیلی روایات جن کی تصدیق دوسرے خارجی دلائل سے ہو چکی ہو مثلاً فرعون کا غرق ہونا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جادوگروں سے مقابلہ اور طور پہاڑ پر جانا، ایسی روایات قابل اعتبار ہیں اسلئے کہ قرآن کریم یا صحیح احادیث نے ان کی تصدیق کی ہے۔ ② وہ اسرائیلی روایات جن کا جھوٹ اور غلط ہونا خارجی دلائل سے ثابت ہو چکا ہو مثلاً یہ روایت کہ نعوذ باللہ حضرت سلیمان علیہ السلام آخری عمر میں بت پرستی میں مبتلا ہو گئے تھے، یہ روایات قطعاً باطل ہیں قرآن کریم نے صراحتاً اس کی تردید فرمائی ہے۔ ③ وہ اسرائیلی روایات جن کی خارجی دلائل سے تصدیق وتکذیب نہیں ہوتی مثلاً تورات کے احکام وغیرہ ایسی روایات کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہ ہی ان کی تصدیق کرو اور نہ ہی ان کی تکذیب کرو۔ ایسی روایات کو بیان کرنا تو جائز ہے لیکن نہ ان پر کسی دینی مسئلے کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے اور نہ ان کی تصدیق وتکذیب کی جاسکتی ہے۔ (علوم القرآن)

⑤ ترجمۃ الباب کی غرض:۔ اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری ؒ کی غرض اس بات کو بیان کرنا ہے کہ تمام آسمانی کتابوں بالخصوص قرآن کریم کی تفسیر عربی و دیگر تمام علاقائی زبانوں میں کرنا جائز ہے۔

## ﴿الورقة الرابعة: الصحيح للامام البخاري﴾

### ﴿السوال الأول﴾ ١٤٣٦ھ

**الشق الأول** ...... باب ما يذكر في المناولة وكتاب أهل العلم بالعلم الى البلدان ...... ورأى عبدالله بن عمر

ویحیٰی بن سعید ومالك ذلك جائزا، واحتج بعض أهل الحجاز فى المناولة بحديث النبى ﷺ حيث كتب لامير السرية كتابا وقال: لاتقرأه حتى تبلغ مكانا كذا وكذا، فلما بلغ ذلك المكان قرأه على الناس و أخبرهم بأمر النبى ﷺ. اذكر غرض البخارى من ترجمة الباب اشرح المناولة والمكاتبة واذكر أقسامهما. ماالفرق بين المناولة وعرض المناولة. من هو المراد بقوله: "عبدالله بن عمر" وبقوله "بعض أهل الحجاز"؟ ترجم العبارة واذكر قصة السرية بايجاز واشرح كيف يستدل بهذه القصة على المطلوب؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ سات امور ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) مناولہ و مکاتبہ کی تعریف و اقسام (۳) مناولہ و عرض مناولہ میں فرق (۴) عبداللہ بن عمر کی تعیین (۵) بعض اہل الحجاز کی مراد (۶) عبارت کا ترجمہ (۷) قصہ کی وضاحت اور مطلوب پر استدلال۔

**جواب** ...... ❶ ترجمۃ الباب کی غرض: ماقبل میں امام بخاریؒ نے اساتذہ سے روایت لینے کے دو طریقے (قراءۃ الشیخ علی التلمیذ و قراءۃ التلمیذ علی الشیخ) ذکر کئے تھے، اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری کی غرض اساتذہ سے روایت لینے کے مزید دو طریقوں (مناولہ و مکاتبہ) کو ذکر کرنا ہے۔

❷ مناولہ اور مکاتبہ کی تعریف و اقسام: مناولہ یہ ہے کہ شیخ کسی کو اپنی مرویات دے۔

پھر اس کی دو قسمیں ہیں: ① مقرونہ بالاجازۃ ② مجردہ عن الاجازۃ۔

مناولہ مقرونہ بالاجازۃ یہ ہے کہ شیخ کسی کو اپنی مرویات دے اور اس کو آگے روایت کرنے کی اجازت بھی دے۔

مناولہ مجردہ عن الاجازت یہ ہے کہ شیخ کسی کو اپنی مرویات دے مگر باقاعدہ اس کو آگے روایت کرنے کی اجازت نہ دے۔

مکاتبہ یہ ہے کہ شیخ اپنی مرویات لکھ کر یا لکھوا کر شاگرد کو بھیجے، پھر اس کی بھی مناولہ والی یہی مذکورہ دو اقسام ہیں۔

① مقرونہ بالاجازۃ ② مجردہ عن الاجازۃ۔الخ

اگر مناولہ اور مکاتبہ مقرونہ بالاجازۃ ہو تو بالاتفاق اس سے روایت کرنا جائز ہے۔

اور اگر مناولہ مجردہ عن الاجازۃ ہو تو اس بارے میں اختلاف ہے، اکثر حضرات کے نزدیک اس سے بھی روایت کرنا جائز ہے جبکہ بعض حضرات اس سے روایت کی اجازت نہیں دیتے۔ اور اگر مکاتبہ مجردہ عن الاجازۃ ہو تو اس میں بھی اختلاف ہے، ایوب سختیانی، منصور بن المعتمر، لیث بن سعد، ابو حامد اسفرائینی، محاملی، صاحب محصول اور ابو المظفر سمعانی نے اس سے بھی روایت کو جائز قرار دیا ہے جبکہ سیف آمدی اور ابو الحسن ماوردی کے نزدیک اجازت کے بغیر کتابت محضہ کے ذریعہ روایت معتبر نہیں ہے۔

❸ مناولہ اور عرض مناولہ میں فرق: مناولہ میں شیخ اپنی تصنیف یا مرویات خود کسی کو دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ میری مرویات ہیں اور عرض مناولہ میں تلمیذ و شاگرد شیخ کی مرویات لیکر آتا ہے اور شیخ کو دکھاتا ہے، شیخ ان میں غور و فکر کر کے ان کی توثیق کرتا ہے کہ ہاں یہ میری مرویات ہیں ان کو تم روایت کر سکتے ہو۔

❹ عبداللہ بن عمر کی تعیین: علامہ کرمانیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں عبداللہ بن عمر سے مراد عبداللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب عمری مدنی ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ میں بھی عبداللہ بن عمر سے یہی سمجھتا رہا اور اسی کے مطابق روایت کی تخریج کی مگر بعد میں تتبع سے یہ قرینہ سامنے آیا کہ یہاں ان کو یحییٰ بن سعید پر مقدم کیا گیا ہے تو اس تقدیم سے معلوم ہوا کہ یہاں عبداللہ بن عمر عمری کے علاوہ کوئی اور ہیں کیونکہ یحییٰ بن سعید عبداللہ بن عمر عمری سے عمر اور مرتبہ ہر اعتبار سے بڑے ہیں اس لئے عمری یہاں مراد نہیں ہو سکتے۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ غالب امکان یہی ہے کہ یہاں عبداللہ بن عمر عمری مراد ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ قوی احتمال

بھی موجود ہے کہ یہاں عبداللہ بن عمر بن خطاب مراد ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہاں عبداللہ بن عمر عمری، عبداللہ بن عمر بن خطاب اور عبداللہ بن عمرو بن عاص تینوں حضرات مراد ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا ان کا مراد ہونا بھی بعید نہیں ہے۔ (کشف الباری کتاب العلم ج ۳ ص ۲۰۹)

⑤ **بعض اہل الحجاز کی مراد:۔** بعض اہل الحجاز سے مراد امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ امام حمیدی (ابوبکر عبداللہ بن زبیر بن عیسیٰ القرشی الاسدی الحمیدی) ہیں۔

⑥ **عبارت کا ترجمہ:۔** یہ باب مناولہ اور اہل علم کا علمی باتیں لکھ کر شہروں کی طرف بھیجنے کے بیان میں ہے حضرت عبداللہ بن عمر، یحییٰ بن سعید اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مناولہ و مکاتبہ جائز ہیں اور بعض اہل حجاز نے مناولہ کے جواز پر آپ ﷺ کی حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں آپ ﷺ نے امیر لشکر کو خط لکھا اور فرمایا کہ جب تک تم فلاں مقام تک نہ پہنچ جاؤ اس وقت تک اس خط کو نہ پڑھنا پھر جب وہ اس جگہ پہنچ گئے تو اس خط کو انہوں نے لوگوں کے سامنے پڑھا اور آپ ﷺ کے حکم سے انہیں باخبر کیا۔

⑦ **قصہ کی وضاحت اور مطلوب پر استدلال:۔** رجب ۲ھ میں آپ ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو ایک سریہ کا امیر بنایا تو وہ آپ ﷺ کے فراق میں رو پڑے، آپ ﷺ نے ان کی جگہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا اور ان کی سربراہی میں سات یا بارہ افراد کی ایک جماعت کو روانہ کیا اور ان کو ایک خط دیا اور فرمایا کہ جب تم فلاں مقام پر پہنچ جاؤ تو اس وقت اس خط کو کھولنا اور اس کے مطابق عمل کرنا، چنانچہ جب حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے مطلوبہ مقام پر اس خط کو کھولا تو اس میں لکھا تھا **انا نظرت فی کتابی هذا فامض حتی تنزل نخلة بین مكة والطائف فترصد بها قریشا وتعلم لنا من اخبارهم** اور اس خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ اپنے ساتھیوں کو مجبور نہ کرنا بلکہ اختیار دینا، جس کا جی چاہے تمہارا ساتھ دے اور جس کا جی چاہے واپس لوٹ آئے۔ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے خط پڑھنے کے بعد کہا **انا لله وانا الیه راجعون، سمعا وطاعة** اور اپنے ساتھیوں کو خط کے مضمون سے آگاہ کیا اور سب کو حسب ہدایت اختیار بھی دیا، ابن اسحاق کی روایت کے مطابق تمام ساتھی اپنی خوشی سے آگے جانے پر راضی ہو گئے اور طبرانی کی روایت کے مطابق دو آدمی پیچھے رہ گئے تھے اور یہ بھی قصداً پیچھے نہیں رہے تھے بلکہ ان کا اونٹ گم ہو گیا تھا اس کی تلاش کی وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے اس قصہ سے مناولہ ثابت ہے بایں طور کہ آپ ﷺ نے امیر لشکر کو اپنی تحریر عطا فرمائی تھی۔

اس روایت سے مکاتبت ثابت ہے بایں طور کہ آپ ﷺ نے خط لکھ کر امیر لشکر کے حوالہ کیا تھا اور فرمایا تھا کہ اس کا مضمون فلاں مقام پر پہنچ کر سنانا، معلوم ہوا کہ کتابت پر اعتماد و اطمینان کیا جا سکتا ہے اور کتاب کے ذریعہ روایت کی جا سکتی ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے اس کتاب کو پڑھ کر اپنے رفقاء کو وہ مضمون سنایا تھا۔

**الشق الثانی** ......**باب حسن اسلام المرء، قال مالك: أخبرني زيد بن اسلم ان عطاء بن يسار اخبره ان ابا سعيد الخدري اخبره انه سمع رسول الله ﷺ يقول: اذا اسلم العبد فحسن اسلامه يكفر الله عنه كل سيئة كان زلفها، وكان بعد ذلك القصاص: الحسنة بعشر امثالها الى سبع مائة ضعف، والسيئة بمثلها الا ان يتجاوز الله عنها.** (ص ۱۱-ج ۱-قدیمی)

**اذكر غرض البخاري من هذه الترجمة، واكتب ما هو حكم معلقات الصحيحين؟ قال العلماء ان المؤلف قد اختصر في هذا الحديث فما هو الجزء المحذوف منه؟ ولماذا حذفه؟ اذكر في ضوء أقوال العلماء**

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) صحیحین کی تعلیقات کا حکم (۳) حدیث کے جزء محذوف کی وضاحت اور حذف کی وجہ۔

**جواب** ...... ❶ __ترجمۃ الباب کی غرض:__ ترجمۃ الباب کا مقصد ایمان میں کمی بیشی کا اثبات ہے اور معتزلہ، مرجئہ و خوارج کی تردید بھی ہے۔

ایمان میں کمی بیشی اس طرح ہے کہ ایک اسلام ہے اور دوسرا اس کا حسن ہے، اسلام کا معنی اطاعت ہے تو اگر ظاہر کے ساتھ ساتھ باطن میں بھی اطاعت ہو تو اسلام میں ایک درجہ حسن کا آ گیا اور اگر اس کے ساتھ مزید انشراح حاصل ہو جائے تو حسن میں مزید اضافہ ہو جائے گا اور اعمال صالحہ کے ذریعہ مزید نورانیت پیدا ہو جائے تو اس کا حسن اور بڑھ جائے گا الغرض اسلام حسن کو قبول کرتا ہے اور حسن کے مختلف درجات ہیں پس معلوم ہوا کہ اسلام کے مختلف درجات ہیں اور اس میں کمی بیشی ہوتی ہے اور ایمان و اسلام ایک ہی چیز ہیں تو جب اسلام میں تفاوت ثابت ہو گیا تو ایمان میں بھی تفاوت ثابت ہو گیا۔

اس میں مرجئہ کی تردید اس طرح ہے کہ اسلام کا حسن اعمال کے ساتھ متعلق ہے اور اس میں اعمال کے تفاوت کی وجہ سے کمی زیادتی ہوتی رہتی ہے تو ثابت ہوا کہ اعمال اسلام و ایمان کا جزء ہیں لہٰذا مرجئہ کی تردید ہو گئی کہ ان کے نزدیک اعمال کے ہونے اور نہ ہونے سے فرق نہیں پڑتا۔

معتزلہ و خوارج کی تردید اس طرح ہے کہ اعمال کے اضافہ کی صورت میں ایمان و اسلام کے حسن میں اضافہ ہو گا اور اعمال کی کمی کی صورت میں ایمان و اسلام کے حسن میں کمی آ جائے گی گویا ایمان و اسلام کی نفی نہیں ہوگی اور ان کے نزدیک ایمان و اسلام کی نفی ہو جاتی ہے۔

❷ __ترجمین کی تعلیقات کا حکم:__ اگر تعلیق معروف کے صیغہ کے ساتھ ہو تو حکماً متصل ہے اور اگر مجہول کا صیغہ ہو تو انقطاع کے احتمال کی وجہ سے متصل کے حکم میں تو نہیں البتہ قابل احتجاج ہوگی مگر دوسرے دلائل کے مقابلہ میں مرجوح ہوگی۔ (انعام الباری ج۱ ص۲۳۶)

❸ __حدیث کے جزء محذوف کی وضاحت اور حذف کی وجہ:__ اس حدیث کے دو جزء ہیں، پہلا جزء تو یہی اذا اسلم العبد فحسن اسلامه كفر الله عنه كل سيئة كان زلفها ہے اور دوسرا جزء وكتب له كل حسنة كان زلفها ہے۔

اس دوسرے جزء کو امام بخاری رحمہ اللہ نے حذف کر دیا ہے۔

اس جزء کے حذف کرنے کی وجہ کے متعلق بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ کتابت حسنہ والا حصہ قواعد معلومہ فی الدین کے خلاف تھا یعنی اسلام لانے کے بعد سیئات کی معافی واضح اور نصوص میں مصرح ہے لیکن مسلمان ہونے کے بعد زمانہ کفر کے اعمال حسنہ پر اجر و ثواب کا مرتب ہونا خلاف قواعد تھا اس لئے اس جملہ کو حذف کر دیا۔ (کشف الباری ج۲ ص۴۰۹)

## ﴿السوال الثانی﴾ ١٤٣٦ھ

**الشق الاول** ...... باب اذا عرض بنفي الولد عن ابي هريرة ان رجلا اتى النبي ﷺ فقال يا رسول الله ولد لي غلام اسود فقال هل لك من ابل؟ قال نعم، قال ما الوانها؟ قال حمر، قال هل فيها من ازرق؟ قال نعم، قال فانّى ذالك؟ قال لعل نزعه عرق قال فلعل ابنك هذا نزعه عرق. (ص۷۹۹۔ ج۲۔ قدیمی)

ترجم الحديث الى الاردية و عرّف التعريض و بيّن اسم الرجل الآتي، ما هو غرض المؤلف من هذه الترجمة، هل يجب الحد واللعان في التعريض عند علماء الامة وخيارها.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں پانچ امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) تعریض کی تعریف (۳) رجل آتی کا نام (۴) ترجمۃ الباب کی غرض (۵) تعریض میں حد و لعان کے وجوب میں علماء کے اقوال۔

**جواب** ...... ❶ __حدیث کا ترجمہ:__ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے ہاں ایک سیاہ بچہ پیدا ہوا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تیرے پاس اونٹ ہیں؟ اس نے کہا کہ جی ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ کس رنگ کے ہیں؟ اس نے کہا کہ سرخ رنگ کے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا ان میں

کوئی سیاہ مائل بہ خاکی (بھورا) بھی ہے؟ اس نے کہا کہ جی ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کیسے ہوا؟ اس نے کہا کہ شاید کسی رگ نے اس کو کھینچا ہو، آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر شاید تیرے اس بیٹے کو بھی کسی رگ نے کھینچا ہو۔

② **تعریض کی تعریف:۔** تعریض کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسی بات ذکر کرنا جس سے دوسری غیر مذکور بات معلوم ہوتی ہو مثلاً اسی حدیث میں اس شخص نے کہا کہ میرا رنگ تو سفید ہے یہ بچہ کالے رنگ کا کیوں ہے؟ یعنی یہ بچہ میرا نہیں ہے۔ (کشف الباری کتاب الطلاق ص ۵۶۲)

③ **رجل اعرابی کا نام:۔** اس رجل اعرابی کا نام ضمضم بن قتادہ تھا۔

④ **ترجمۃ الباب کی غرض:۔** اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض یہ ہے کہ اگر کوئی شخص صراحتاً نہیں بلکہ تعریضاً اپنے بچے کا انکار کرے تو یہ معتبر نہیں ہے اور اس پر حد لعان جاری نہ ہوں گے۔

⑤ **تعریض میں حد ولعان کے وجوب میں علماء کے اقوال:۔** حضرات حنفیہ، شافعیہ اور جمہور علماء رحمہم اللہ کے نزدیک تعریض پر نہ حد قذف جاری ہوگی اور نہ ہی زوجین کے درمیان لعان کرایا جائے گا البتہ تعزیراً اس کو سزا دی جا سکتی ہے۔

حضرات مالکیہ کے نزدیک تعریض کی وجہ سے لعان اور حد دونوں جاری ہوں گے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے ایک روایت جمہور کے مطابق اور دوسری روایت مذہب مالکیہ کے مطابق ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب کے تحت مذکورہ روایت کو ذکر کرکے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ قذف ولعان میں تعریض معتبر نہیں ہے جیسا کہ جمہور کا مسلک ہے۔ (ایضاً)

**الشق الثانی** ...... باب الغنيمة لمن شهد الوقعة، حدثنا صدقة اخبرنا عبدالرحمن عن مالك عن زيد بن اسلم عن ابيه قال قال عمر: لو لا آخر المسلمين ما فتحت قرية الا قسمتها بين اهلها كما قسم النبي ﷺ خيبر.

اذكر غرض البخاري من ترجمة الباب و اشرح اختلاف العلماء في هذه المسألة ثم اذكر ادلتهم.
ترجم الاثر المذكور بالاردية، واذكر ما هي مناسبة هذا الاثر بترجمة الباب. (ص۴۳۔ج۔ق ی)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) جنگ ختم ہونے کے بعد شرکت کرنے والے کے حصہ میں اختلاف مع الدلائل (۳) اثر کا ترجمہ (۴) اثر کی ترجمۃ الباب سے مناسبت۔

**جواب** ...... ① **ترجمۃ الباب کی غرض:۔** امام بخاری رحمہ اللہ کا مطلب و مقصد یہاں ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے مذہب کو راجح قرار دینا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جو لوگ جہاد میں شریک ہوں گے انہی کو مال غنیمت میں سے حصہ ملے گا اور وہ لوگ جو شریک نہیں ہوں گے ان کو حصہ نہیں ملے گا۔ (کشف الباری کتاب الجہاد ج ۳ ص ۲۶۱)

② **جنگ ختم ہونے کے بعد شرکت کرنے والے کے حصہ میں اختلاف مع الدلائل:۔** اگر کوئی شخص یا لشکر جنگ ختم ہونے کے بعد میدان جنگ پہنچے تو آیا اس کا غنیمت میں حصہ ہوگا کہ نہیں؟ تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ ① اتفاقی صورت یہ ہے کہ وہ شخص یا لشکر اس وقت پہنچا جب جنگ ختم ہو چکی اور غنیمت کی تقسیم کا عمل بھی مکمل ہو گیا، تو ان کا غنیمت میں کوئی حصہ نہیں ② اختلافی صورت یہ ہے کہ جنگ ختم ہونے اور غنیمت تقسیم ہونے سے قبل یہ لشکر یا شخص وہاں پہنچا تو حنفیہ کے نزدیک یہ غنیمت میں شریک ہوں گے، ان کو بھی اس میں سے حصہ ملے گا جبکہ جمہور کے نزدیک ان کو غنیمت میں سے کچھ نہیں ملے گا۔

جمہور کی دلیل حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خط میں ان کو الغنيمة لمن شهد الوقعة فرمایا تھا۔

ان کی دوسری دلیل بخاری و ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ان النبي ﷺ بعث ابان بن سعيد بن العاص في سرية قبل نجد فقدم ابان بعد فتح خيبر فلم يسهم له۔

حنفیہ کے دلائل: امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت کیا کہ انہوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ "میں ایک لشکر تمہاری طرف بطور کمک کے بھیج رہا ہوں، سو ان میں سے جو بھی تمہارے پاس مقتولین کے ختم ہونے سے پہلے پہنچ جائے تو اس کو غنیمت میں شریک کرو"۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں پانچ سو افراد پر مشتمل ایک جماعت بطور کمک ابوامیہ اور زیاد بن لبید بیاضی کی مدد کے لئے روانہ کی، یہ جماعت ان تک اس وقت پہنچی جب وہ "نجیر" فتح کر چکے تھے تو انہوں نے آنے والی جماعت کو بھی اپنے ساتھ غنیمت میں شریک کیا۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات: ان کی پہلی دلیل سے استدلال چند وجوہ کی بناء پر درست نہیں۔

① اس اثر کے وقف اور رفع میں اختلاف ہے اور موقوف ہونا راجح ہے۔ ② حنفیہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر سے استدلال کرتے ہیں، چونکہ اب ان سے مروی روایات میں تعارض آ گیا ہے، اس لئے یہ حدیث احناف کے خلاف حجت نہیں ہو سکتی۔

ائمہ ثلاثہ کی دوسری دلیل حضرت ابان بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، اس واقعے سے ان حضرات کا استدلال اس لئے درست نہیں کہ یہ خیبر کا واقعہ ہے، جو فتح کے ساتھ ہی دار الاسلام میں تبدیل ہو چکا تھا جبکہ مسئلۂ باب کا تعلق دار الحرب سے ہے، دار الاسلام میں اس طرح کے کسی کمک کے پہنچنے پر غنیمت میں آنے والوں کو بالاتفاق شریک نہیں کیا جا سکتا۔

دوسری طرف اسی خیبر سے متعلق ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، جو آگے آ رہا ہے، اس میں یہ آیا کہ جب وہ اپنی قوم کے لوگوں (جن کی تعداد پچاس سے اوپر تھی) اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں، جو نجاشی کے ہاں مقیم تھے) کے ہمراہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو یہ عین اسی وقت تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی فتح سے فارغ ہوئے تھے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی شریک غنیمت کیا اور ان حضرات کے علاوہ اور کسی کو جو موقع سے غائب تھا اس غنیمت میں شریک نہیں کیا۔

ایک طرف یہ حدیث ہے، دوسری طرف حضرت ابان رضی اللہ عنہ کا واقعہ، ان دونوں میں چونکہ ظاہری تعارض ہے اس لئے جمع بین الروایات کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے احناف یہی کہتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کا واقعہ غنیمت کی تقسیم سے پہلے کا ہے اور حضرت ابان بن سعید رضی اللہ عنہ کا واقعہ تقسیم غنیمت کے بعد کا ہے، جس پر اس حدیث کے یہ الفاظ واضح دلالت کرتے ہیں کہ فقدم ابان بعد فتح خیبر، جبکہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے الفاظ تو یہ ہیں فوافیناہ حین افتتح خیبر۔ اسی لئے احناف تفریق کے قائل ہیں اور ان کے مذہب پر دونوں واقعات پر عمل بھی ہو جاتا ہے۔ البتہ حنفیہ کے نزدیک استحقاق غنیمت کیلئے چند شرائط ہیں۔

① مستحق صحیح و سالم ہو، بیمار نہ ہو، مطلب یہ ہے کہ قتال کی صلاحیت رکھتا ہو، لنگڑا، لولا اور نابینا وغیرہ نہ ہو ② مسلمان ہو، کافر کیلئے غنیمت نہیں، خواہ شریک جنگ ہو ③ مرد ہو، عورت کیلئے غنیمت نہیں، اگرچہ جنگ میں شریک ہوں ④ دار الحرب میں اس کا داخلہ قتال کی نیت سے ہی ہوا ہو، خواہ بعد میں لڑائی میں حصہ لے یا نہ لے، کہ مقصد قتال یعنی ارہاب العدو حاصل ہو رہا ہے۔ (کشف الباری کتاب الجہاد ج ٣ ص ٣٦)

③ **اثر کا ترجمہ:** حضرت زید بن اسلم اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر مجھے آئندہ آنے والے مسلمانوں کا خیال نہ ہوتا تو کوئی بھی گاؤں و علاقہ فتح کرنے کے بعد میں اسے اس کے باشندوں میں ہی تقسیم کر دیتا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین کے ساتھ کیا تھا۔

④ **اثر کی ترجمۃ الباب سے مناسبت:** ابن المنیر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ ترجمہ کے ساتھ حدیث کے اس جملے کی مطابقت ہے کما قسم رسول اللہ ﷺ خیبر۔

اس میں امام بخاری رحمہ اللہ نے غنیمت کی فوری تقسیم کی ترجیح کی طرف اشارہ کیا ہے کہ غنیمت فوراً تقسیم کر دی جائے، جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے کیا چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فعل اس بات کی دلیل ہے کہ موقع پر غیر موجود شخص کا تقسیم حاضرہ میں کوئی استحقاق نہیں ہوگا اسی لئے تو فوری تقسیم کا عمل اختیار کیا جا رہا ہے اب جو شخص سریے سے شریک جنگ ہی نہیں اس کو تو بطریق اولیٰ تقسیم میں حصہ نہیں ملنا چاہیے۔ (ایضاً)

## ﴿السوال الثالث ﴾ ١٤٣٦ھ

**الشق الاول** ......باب اذا زوج ابنته وهى كارهة فنكاحه مردود. عن خنساء بنت خذام الانصارية ان اباها زوجها وهى ثيب فكرهت ذلك فاتت رسول الله ﷺ فرد نكاحه . (ص۷۷۱۔ج۲۔قدیمی)

اشرح غرض البخارى من هذه الترجمة ثم اذكر مطابقة الحديث بهذه الترجمة .

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل دو امور ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت۔

**جواب** ...... ❶ ترجمۃ الباب کی غرض:۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض یہ بتلانا ہے اگر کسی نے زبردستی اپنی بیٹی کا نکاح کیا تو وہ نکاح مردود ہے اگر وہ ثیبہ بالغہ ہے تو بالاتفاق نکاح درست نہیں ہے اور اگر وہ بالغہ نہیں ہے تو اس مسئلہ کی مکمل تفصیل اختلاف کے ساتھ مسئلہ ولایت اجبار میں گزر چکی ہے۔

❷ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت:۔ حدیث کے جملہ فرد نكاحها کی مناسبت ترجمۃ الباب کے ساتھ واضح ہے اسلئے کہ خنساء بنت خذام انصاریہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ان کے والد نے انکی رضا مندی کے بغیر کیا تھا اسلئے آپ ﷺ نے اس نکاح کو رد کر دیا تھا۔

**الشق الثانی** ......بَابُ قَوْلِهِ تَعَالٰى إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُقَتَّلُوْا اَوْ يُصَلَّبُوْا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ: اَلْمُحَارَبَةُ لِلّٰهِ الْكُفْرُ بِهٖ: قَالَ اَبُوْ قِلَابَةَ حَدَّثَ اَنَسٌ قَالَ قَدِمَ قَوْمٌ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَكَلَّمُوْهُ فَقَالُوْا قَدِاسْتَوْخَمْنَا هٰذِهِ الْاَرْضَ فَقَالَ هٰذِهٖ نَعَمٌ لَنَا تَخْرُجُ فَاخْرُجُوْا فِيْهَا فَاشْرَبُوْا مِنْ اَلْبَانِهَا وَاَبْوَالِهَا فَخَرَجُوْا فِيْهَا فَشَرِبُوْا مِنْ اَلْبَانِهَا وَاَبْوَالِهَا وَاسْتَصَحُّوْا وَمَالُوْا عَلَى الرَّاعِيْ فَقَتَلُوْهُ وَاطَّرَدُوا النَّعَمَ فَمَا يُسْتَبْطَأُ مِنْ هٰؤُلَاءِ قَتَلُوا النَّفْسَ وَحَارَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَخَوَّفُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ . (ص۶۶۳۔ج۲۔قدیمی)

شكل الحديث المبارك والعبارة التى قبله ثم ترجمهما ، اذكر غرض المؤلف من ترجمة الباب و هل تتحقق المحاربة من الكفار فقط او من المسلمين ايضاً ، ما هو جزاء المحاربين عند الفقهاء العظام .

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں پانچ امور مطلوب ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) ترجمۃ الباب کی غرض (۴) محاربہ کے تحقق کی وضاحت (۵) محاربین کی سزا کی وضاحت۔

**جواب** ...... ❶ عبارت پر اعراب:۔ كمامرّ فى السوال آنفا۔

❷ عبارت کا ترجمہ:۔ یہ باب ہے اللہ تعالیٰ کے قول انما جزاء الذين يحاربون الله الخ (جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں ان کی جزا اور بدلہ یہ ہے کہ قتل کر دیے جائیں یا سولی پر چڑھا دیے جائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف جہت سے کاٹ دیے جائیں یا ان کو ملک بدر کر دیا جائے) کے بیان میں: اللہ تعالیٰ سے محاربہ اس کا انکار کرنا ہے۔

ابو قلابہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ کچھ لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، پس انہوں نے آپ ﷺ سے بات چیت کی اور کہا کہ تحقیق ناموافق پایا ہم نے اس زمین کو (آب و ہوا ہمیں موافق نہیں آئی)، پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ہمارے اونٹ چراگاہ کی طرف جا رہے ہیں پس تم بھی ان میں چلے جاؤ پس ان کے دودھ اور پیشاب پیو۔

پس وہ اُن میں چلے گئے اور انہوں نے ان کے دودھ اور پیشاب پیئے اور صحت یاب ہو گئے اور وہ چرواہے کی طرف متوجہ ہوئے اور اُسے قتل کر دیا، پھر وہ اونٹوں کو ہانک کر لے گئے۔ پھر کیا وجہ تھی کہ ان لوگوں سے (بدلہ لینے میں) تاخیر کی جاتی کہ انہوں نے ایک شخص کو قتل کیا، اللہ اور اس کے رسول سے محاربہ کیا اور رسول اللہ ﷺ کو خوف زدہ کیا۔

❹ و ❼ ترجمۃ الباب کی غرض اور محاربہ کے تحقق کی وضاحت:۔ محاربہ کفار ہی کی طرف سے ہوتا ہے یا اہل ایمان کی طرف سے بھی محاربہ متصور ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں صاف صاف کہا ہے اَلْمُحَارَبَةُ لِلّٰهِ اَلْكُفْرُ بِهٖ، اگلی رائے یہ ہے کہ محاربہ صرف کفار کی طرف سے ہوتا ہے، اسی طرح آگے کتاب المرتدین والمحاربین کے تحت عرنیین کا واقعہ نقل کیا ہے، اس سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ محاربہ کفار کی طرف سے ہوتا ہے، وہاں امام بخاری نے محاربین کے ساتھ من اهل الكفر والردة کے الفاظ بھی بڑھائے ہیں۔

❽ محاربین کی سزا کی وضاحت:۔ قرآن مجید کی اس آیت میں چار امور بیان کئے گئے ہیں۔ ① قتل ② سولی پر لٹکانا ③ ہاتھ پاؤں کاٹنا ④ ملک بدر کرنا۔

امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ امام کو اختیار ہے ان چاروں سزاؤں میں سے وہ محاربین کو جو سزا دینا چاہے دے سکتا ہے۔

لیکن دوسرے فقہاء کے یہاں اس میں تفصیل ہے اور مختلف صورتوں کے لئے مختلف احکام ہیں۔

① اگر محارب نے مال لیا ہے اور قتل نہیں کیا تو اس کے ہاتھ پاؤں مخالف جہت سے قطع کئے جائیں گے لیکن یہ اس وقت ہے جب مال بقدر نصاب ہو۔ حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس صورت میں یہی حکم ہے ② اگر محارب نے مال نہیں لیا البتہ قتل کیا ہے تو ایسی صورت میں اس کو حداً قتل کیا جائے گا لہٰذا اولیائے مقتول اگر معاف بھی کر دیں تب بھی قتل کیا جائے گا، اس صورت کا حکم ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ وہ حداً قتل کیا جائے گا ③ اگر محارب نے قتل بھی کیا ہے اور مال بھی لیا ہے تو اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک امام کو اختیار ہے کہ وہ اس کے ہاتھ پاؤں من خلاف کاٹ کر قتل کر دے یا سولی پر لٹکا دے یا تینوں کو جمع کر دے کہ ہاتھ پاؤں بھی کاٹے قتل بھی کر دے اور سولی پر بھی لٹکا دے یا صرف قتل کر دے یا صرف سولی پر لٹکا دے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس صورت میں اس کو قتل کر کے سولی پر لٹکایا جائے گا اس کے ہاتھ پاؤں نہیں کاٹے جائیں گے۔

④ اگر محارب نے نہ قتل کیا اور نہ مال لیا صرف لوگوں کو ڈرایا، اس صورت میں حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک اس کو تعزیر کے بعد قید کر دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ توبہ کر لے، ایسی توبہ جس کے آثار اس کے چہرے سے ظاہر ہوں۔.........

حنابلہ کے نزدیک اس صورت میں اس کو تمام شہروں سے بھگایا جائے گا، کسی شہر میں اس کو ٹھکانہ نہیں دیا جائے گا کیونکہ آیت کریمہ میں اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ہے، جمہور علماء نفی من الارض کی تفسیر حبس اور قید سے کرتے ہیں۔

**(فائدہ)** اکثر مفسرین نے وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا سے رہزنی و ڈکیتی مراد لی ہے مگر الفاظ کو عموم پر رکھا جائے تو مضمون زیادہ وسیع ہو جاتا ہے اور جو شان نزول احادیث میں بیان ہوا ہے وہ بھی اس کا مقتضی ہے کہ الفاظ کو عموم پر رکھا جائے جن میں کفار کے حملے ارتداد کا فتنہ، رہزنی و ڈکیتی، ناحق قتل و لوٹ مار، مجرمانہ سازشیں، مغویانہ پروپیگنڈہ سب داخل ہو سکتے ہیں۔ (کشف الباری تفسیر ص ١٥٠)

## ﴿الورقة الرابعة: الصحيح للامام البخاري﴾

## ﴿السؤال الاول﴾ ١٤٣٧ھ

**الشق الاول** ......باب ظلم دون ظلم حدثنا ابوالوليد قال حدثنا شعبة ح قال وحدثني بشر قال حدثنا محمد عن شعبة عن سليمان عن ابراهيم عن علقمة عن عبدالله قال لما نزلت "الذين آمنوا ولم

یلبسوا ایمانهم بظلم" قال اصحاب رسول الله ﷺ: اینا لم یظلم؟ فانزل الله "ان الشرک لظلم عظیم".

لماذا خاف اصحاب رسول الله ﷺ بنزول هذه الآیة. اشرح الآیة شرحًا واضحًا یندحض به موقف المعتزلة من تفسیر هذه الآیة. وهل ههنا قرینة علی تفسیر "الظلم" بالشرک؟ (۱۴۲۹ھ تقریبی)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزولِ آیت سے خوف کی وجہ (۲) آیت کی تشریح (۳) آیت میں ظلم کی تفسیر شرک ہونے پر قرینہ۔

**جواب** ...... **❶ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزولِ آیت سے خوف کی وجہ:** اس آیت کے ظاہری معنی کو دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گھبراہٹ ہوئی کہ آیت میں امن وہدایت صرف ان لوگوں کیلئے ہے جو اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کو نہ ملائیں اور ہم میں سے کون شخص ایسا ہے جس سے کسی قسم کا ظلم سرزد نہ ہوا ہو لہٰذا اس آیت کے مطابق ہم امن وہدایت سے محروم ہو جائیں گے کیونکہ آیت میں ظلم کا لفظ نکرہ ہے جو نفی کے تحت واقع ہونے کی وجہ سے عام ہے اور ظلم کا ہر ہر فرد مراد ہوگا اور انبیاء کے علاوہ کسی دوسرے شخص کا ظلم کے ہر ہر فرد سے بچنا ناممکن ہے۔ یا پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ظلم کا عام اور ظاہری معنی مراد لیا یعنی لوگوں کی حق تلفی کرنا یا معصیت وجرائم کا ارتکاب کر کے خود اپنے اوپر ظلم کرنا اور اس سے کوئی بھی معصوم نہیں ہو سکتا اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے گھبرا کر اس کی تفسیر پوچھی چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (یہاں تنوین تعظیم کیلئے ہے) یہاں ظلم کا سب سے اعلیٰ فرد مراد ہے اور وہ شرک ہے اور اس پر قرینہ آیت کریمہ ان الشرک لظلم عظیم ہے اس میں شرک کو ظلم عظیم کہا گیا ہے۔ (کشف الباری ج۲ ص۳۲۶)

**❷ آیت کی تشریح:** علامہ زمخشری رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں لکھتے ہیں (الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانهم بظلم) أی لم یخلطوا ایمانهم بمعصیة تفسقهم، وأبی تفسیر الظلم بالکفر لفظ اللبس مطلب یہ ہے کہ آیت میں جو ظلم آیا ہے اس سے مراد معاصی ہیں کفر وشرک نہیں کیونکہ یہاں لفظ لبس استعمال ہوا ہے جس کے معنی خلط ملط کر دینے کے ہیں چونکہ ایمان اور کفر دونوں ضدین ہیں، دونوں میں اجتماع ممکن نہیں لہٰذا اختلاط کا کوئی سوال نہیں جب اختلاط نہیں ہو سکتا تو ظلم سے شرک وکفر کے معنی مراد لینے کے بجائے معاصی مراد لیں گے چونکہ اس آیت میں ایسے لوگوں کو جو اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کو خلط کرتے ہیں غیر مامون قرار دیا گیا ہے لہٰذا کہا جائے گا کہ مرتکب کبیرہ خارج عن الایمان اور مستحق النار ہے۔

پھر چونکہ حدیث میں ظلم کی تفسیر صراحۃً "شرک" کے ساتھ وارد ہے اس لئے معتزلہ نے یہ کہہ کر حدیث رد کر دی کہ یہ خبر واحد ہے اور عقل کے خلاف ہے ان کے خیال میں یہ حدیث جیسے عقل کے خلاف ہے قرآن کریم کی اس آیت کے بھی خلاف ہے، کیونکہ ایمان وشرک کا خلط ولبس محال ہے اس لئے کہ خلط ولبس اس وقت متحقق ہو سکتا ہے جب دونوں ایک ہی محل میں جمع ہوں اور ایمان وشرک چونکہ ضدین ہیں اور ضدین کا اجتماع ایک ہی محل میں بوقت واحد ناممکن ومحال ہے، پس جب فی نفسہ ایمان وشرک کا لبس محال ہوا تو "ظلم" کی تفسیر "شرک" سے کیسے کی جائے گی؟

اہل السنت والجماعت نے ایک تو الزامی جواب دیا ہے اور کہا ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ ایمان وشرک کا اجتماع محال ہے اور یہ اجتماع نقیضین ہے، ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ اگر ایمان وشرک نقیضین ہیں تو تمہارے نزدیک تو معصیت بھی ایمان کی نقیض ہے، ارتکاب معصیت کی وجہ سے آدمی ایمان سے خارج ہو جاتا ہے تو پھر ایمان ومعصیت کا اجتماع کیسے ممکن ہے؟ پھر اس کی جو قرآن کریم میں لم یلبسوا ایمانهم بظلم کہہ کر نفی کی ہے اس کا فائدہ کیا ہے؟ جب یہ اجتماع ہی ناممکن ہے تو اس کی نفی فضول قرار دی جائیگی۔ نیز حدیث کو اگر خبر واحد کہہ کر رد کر دیا جائے تو اس نص قرآنی کا کیا جواب ہوگا جس میں صراحۃً ایمان وشرک کو جمع کیا گیا ہے!

فرمایا ومایؤمن أکثرھم باللہ الا وھم مشرکون۔

اگر معترض یہ جواب دیں کہ یہاں ایمان کے لغوی معنی یعنی تصدیق بالقلب مراد ہے جس کا محل قلب ہے اور یہ معصیت کے ساتھ جمع ہوسکتی ہے کیونکہ اسکا محل جوارح ہیں۔ تو یہی جواب ہم بھی دے سکتے ہیں کہ الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم میں ایمان سے اسکے لغوی معنی یعنی فقط تصدیق مراد ہے اور شرک ایمان شرعی کی ضد ہے اس کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا اور ایمان لغوی کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے۔ اب آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جن لوگوں نے یقین کیا کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے، وہ خالق و مالک ہے، وہی سب سے بڑا ہے، اس طرح کہ اس یقین کے ساتھ شرک کی ملاوٹ نہ ہو۔ مثلاً اس قسم کا عقیدہ نہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ تو سب سے بڑا ہے مگر اس کے نیچے کچھ چھوٹے چھوٹے معبود بھی ہیں جن کو تکوینیات میں کسی درجہ میں مستقل نفاذ کا اختیار حاصل ہے جب کہ مشرکین مکہ کا عقیدہ ایسا ہی تھا، یا خدا کے ساتھ سب کچھ عقیدہ ٹھیک ہے مگر تشریع میں کسی کیلئے مستقل اختیار ثابت کرے جیسا کہ یہود و نصاریٰ احبار و رہبان کیلئے کرتے تھے تو جو شخص خدا پر ایمان لائے اور اس کو ایسا تسلیم کرے پھر اس تسلیم کے ساتھ اس قسم کے شرک کی بالکل ملاوٹ نہ ہو، صرف وہی لوگ مامون و مہتدی ہوسکتے ہیں اور اگر خدا پر یقین رکھنے کے باوجود شرک کو نہ چھوڑا جیسا کہ مشرکین کی حالت تھی اور یہود و نصاریٰ کیا کرتے تھے تو وہ یقین نہ ایمان شرعی ہے اور نہ ہی اس کے ذریعہ امن اور ہدایت نصیب ہوسکتی ہے۔

معلوم ہوا کہ ظلم کے معنی شرک لینے سے نہ تو عقل کے خلاف کوئی بات لازم آتی ہے اور نہ ہی قرآن کریم کے خلاف ہونا لازم آتا ہے بلکہ "شرک" کے معنی لے کر آیت کا مطلب بالکل نفیس اور بے غبار ہوجاتا ہے۔

علاوہ ازیں اگر اس حدیث سے قطع نظر بھی کرلی جائے تب بھی سیاق و سباق کو پیش نظر رکھنے سے یہ متعین ہوجاتا ہے کہ یہاں ظلم سے شرک مراد ہے۔ اسکی تفصیل یہ ہے کہ اس آیت سے پہلے شروع رکوع میں رد شرک کا بیان ہے قل أندعو من دون اللہ مالا ینفعنا ولا یضرنا پھر اسی مضمون کی تائید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ذکر کیا گیا واذ قال ابراھیم لابیہ آزر أتتخذ أصناما آلھۃ، اسکے تحت ان کا اپنے والد سے مکالمہ مذکور ہے اور پھر توحید کا موثر پیرایہ میں اظہار بیان ہے آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنی قوم پر نکیر مذکور ہے جو ان کے ساتھ حجت بازی کرتی تھی أتحاجونی فی اللہ وقد ھدان ولا أخاف ما تشرکون بہ الخ، اسکے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام بطور استعجاب فرماتے ہیں وکیف أخاف ما أشرکتم ولا تخافون أنکم أشرکتم باللہ مالم ینزل بہ علیکم سلطانا، اسکے بعد بطور تنبیہ فرماتے ہیں فأی الفریقین أحق بالأمن ان کنتم تعلمون۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتلایا کہ مجھے کیا ڈراتے ہو، غور کرو خوف کس کو ہونا چاہیے اس کو جو اللہ کے لئے شریک تجویز کرتا ہے؟ یا اس کو جو توحید کا علمبردار ہے؟ اب بتاؤ امن کس کے لئے ہونا چاہیے اور خوف کا کون مستحق ہے؟ یہاں فریقین کا مصداق واضح ہے کہ ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں، دوسرا فریق ان کی قوم ہے جو شرک کا شکار بنی ہوئی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی اسی طرف بلا رہی ہے کیونکہ گفتگو یہاں انہی لوگوں سے ہو رہی ہے اور اوپر کی تمام آیات کا خطاب اسی قوم کو ہے، پس فریقین کا مصداق یہاں حتمی طور پر متعین ہے کہ ایک تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں جو توحید کی طرف بلانے والے ہیں اور دوسرا فریق ان کی قوم ہے جو شرک میں مبتلا ہے، ان فریقین کے متعلق استفسار کیا جا رہا ہے کہ أی الفریقین أحق بالأمن، اسی استفسار کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم أولئک لھم الأمن وھم مھتدون، اب خود غور کرکے دیکھئے کہ یہاں ظلم سے کیا مراد لینا چاہیے، ظاہر ہے کہ پورا رکوع شرک کے بیان میں ہے اور اسی کے سلسلہ میں سوال و جواب کو بیان کیا گیا ہے اس سے بالکل واضح ہے کہ یہاں ظلم سے مراد "شرک" ہے ورنہ جواب سوال کے ساتھ منطبق ہی نہیں ہوگا۔

پھر اگر ہم تھوڑی دیر کیلئے تسلیم کرلیں کہ یہاں ظلم سے مراد معصیت ہے نہ کہ شرک، پھر بھی معتزلہ کا مدعی ثابت نہیں ہوسکتا کہ مرتکب معصیت مخلد فی النار ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ أولئك لهم الأمن میں دو احتمال ہیں: ایک امن من الدخول فی العذاب یعنی نفس عذاب سے مامون ہونا، دوسرا امن من الخلود فی العذاب یعنی دائمی عذاب سے مامون ہونا۔ معتزلہ اپنے مسلک پر اس آیت سے اسی وقت استدلال کرسکتے ہیں جب أولئك لهم الأمن میں قطعی طور پر متعین کردیں کہ یہاں امن سے امن من الخلود مراد ہے اور معتزلہ اس کو قطعی طور پر ثابت نہیں کرسکتے کیونکہ یہاں دوسرا احتمال امن من الدخول کا بھی ہے جو اس بات پر دلالت کرے گا کہ معصیت کی صورت میں دخول فی العذاب سے امن نہیں ہوگا اس کا ہم انکار نہیں کرتے مرتکب معصیت کو ہم دخول فی النار کا مستحق کہتے ہیں جب کہ معتزلہ کا دعویٰ خلود فی النار کا ہے جس کا قطعی اثبات یہاں نہیں ہے۔ (ایضا)

❷ **آیت میں ظلم کی تفسیر شرک ہونے پر قرینہ:** حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ظلم سے شرک مراد لینے پر قرینہ لفظ لبس ہے جو اس بات پر دال ہے کہ اس مقام پر ظلم سے معاصی مراد نہیں بلکہ شرک مراد ہے کیونکہ لبس کے معنی ہیں دو چیزوں کو ایک ظرف میں اس طرح خلط کرنا کہ ان میں امتیاز نہ ہوسکے اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے کہ ان دونوں کا محل ایک ہو اور محل کا اتحاد ایمان اور شرک میں ہوسکتا ہے کیونکہ قلب جس طرح ایمان کا محل ہے اسی طرح شرک کا بھی محل ہے، جبکہ دیگر معاصی کا محل اکثر جوارح ہوتے ہیں، قلب ان کا محل نہیں ہوتا۔ اسلئے حضور ﷺ نے حق تعالیٰ کی مراد کی تعیین شرک سے فرمادی مثلاً شربت بننے کیلئے ضروری ہے کہ شکر اور پانی دونوں ایک محل میں مل جائیں اگر دونوں علیحدہ علیحدہ گلاسوں میں رہیں تو وہاں لبس نہیں پایا جائے گا جو شربت بننے کیلئے ضروری ہے۔ (کشف الباری کتاب الایمان ج ۲ ص ۲۹۳)

**الشق الثانی** ...... باب ليبلغ العلم الشاهد الغائب قاله ابن عباس عن النبي ﷺ عن ابی شريح انه قال لعمرو بن سعيد وهو يبعث البعوث الى مكة: ائذن لی ايها الامير احدثك قولا قام به النبي ﷺ الغد من يوم الفتح سمعته اذناى ووعاه قلبی وابصرته عيناى حين تكلم به، حمد الله وأثنى عليه ثم قال: ان مكة حرمها الله و لم يحرمها الناس فلايحل لامرئ يؤمن بالله واليوم الآخر ان يسفك بها دما و لا يعضد بها شجرة فان احد ترخص لقتال رسول الله ﷺ فيها فقولوا: ان الله قد أذن لرسوله ولم يأذن لكم وانما أذن لی فيها ساعة من نهار ثم عادت حرمتها اليوم كحرمتها بالأمس وليبلغ الشاهد الغائب، فقيل لأبی شريح ما قال عمرو؟ قال: انا اعلم منك يا ابا شريح، لايعيذ عاصيًا ولا فارًّا بدم ولا فارًّا بخربة.

اذكر غرض البخاری من هذه الترجمة. من هو ابوشريح؟ ومن هو عمرو بن سعيد؟ ولماذا قام بهذه النصيحة؟ ترجم الحديث الشريف ثم اذكر ما هو حكم قطع اشجار الحرم؟ واشرح قوله: لايعيذ عاصيا ولا فارًّا بدم ولا فارا بخربة؟ (ص ۲۱ - ج ۱ بخاری)

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال میں چھ امور حل طلب ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) ابوشریح رضی اللہ عنہ و عمرو بن سعید کا تعارف (۳) ابوشریح رضی اللہ عنہ کے مذکورہ حدیث سنانے کی وجہ (۴) حدیث کا ترجمہ (۵) حرم کے درختوں کو کاٹنے کا حکم (۶) لايعيذ عاصيا ولا فارًّا بدم ولا فارًّا بخربة کی تشریح۔

**جواب** ...... ❶ **ترجمۃ الباب کی غرض:** حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چونکہ حدیث پاک میں آتا ہے بلّغوا عنی ولو آية تو اس سے تبلیغ آیت قرآنی کی تخصیص معلوم ہوتی ہے اسلئے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب قائم فرما کر اشارہ فرمادیا

کہ تبلیغ آیت قرآنی کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ مقصود تبلیغ علم ہے، خواہ وہ آیت قرآنی ہو یا حدیث پاک ہو۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں تبلیغ علم کی صریح تاکید اور تعمیم ہے، جو مجلس علم میں حاضر ہو اسکو چاہیے کہ جو احکام سنے وہ غائبین کو سنا دے۔ اہل علم پر تبلیغ بالاستقلال لازم ہے جس میں سوال سائل یا کسی حاجت مند کے انتظار کی ضرورت نہیں اور قلیل یا کثیر جتنا معلوم ہوا سکی تبلیغ کا ذمہ دار ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض اس باب سے یہ بھی ممکن ہے کہ اگر کسی مسئلے کے بیان کرنے کی ضرورت پیش آئے اور حاضرین کو معلوم نہ ہو تو سوال کا انتظار نہ کرے بلکہ مسئلہ بیان کر دے، دیکھئے! حضرت ابو شریح خزاعی رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم ہوا کہ عمرو بن سعید مکہ پر چڑھائی کرنا اور لشکر کشی کرنا چاہتا ہے، اس نے حضرت ابو شریح سے کوئی سوال نہیں کیا تھا، چونکہ ان کو حدیث معلوم تھی اسلئے انہوں نے سوال کا انتظار کئے بغیر جا کر اسے حدیث سنا دی۔ (کشف الباری کتاب العلم جلد ۳ ص ۱۱)

**۲ ابو شریح و عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ کا تعارف:۔** ابو شریح: یہ حضرت ابو شریح خزاعی عدوی کعبی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کے نام کے بارے میں بڑا اختلاف ہے، خویلد بن عمرو، عبد الرحمن بن عمرو، عمرو بن خویلد وغیرہ کئی نام وارد ہیں لیکن مشہور خویلد بن عمرو ہے۔ یہ فتح مکہ سے قبل مشرف باسلام ہوئے، فتح مکہ کے موقع پر بنی کعب کے تین پرچموں میں سے ایک پرچم ان کے ہاتھ میں تھا۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کرتے ہیں۔ ان سے روایت کرنے والوں میں ابو سعید مقبری، سعید بن ابی سعید مقبری، سفیان بن ابی العوجاء اور نافع بن جبیر بن مطعم رحمہم اللہ ہیں۔

امام واقدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں **کان ابو شریح الخزاعی من عقلاء اهل المدينة**۔

حضرت ابو شریح سے تقریباً بیس حدیثیں مروی ہیں، ان میں سے دو حدیثیں متفق علیہ ہیں، ایک حدیث میں امام بخاری رحمہ اللہ منفرد ہیں۔ حضرت ابو شریح رضی اللہ عنہ کا انتقال مدینہ منورہ میں ۶۸ھ میں ہوا۔ (ایضاً)

عمرو بن سعید: انکا پورا نام عمرو بن سعید بن العاص بن سعید بن العاص بن امیہ القرشی الاموی ہے۔ یہ الاشدق کے نام سے مشہور ہیں اور یہ تابعی ہیں۔ یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے یزید کی طرف سے مکہ کے والی اور گورنر رہے۔ عبد الملک بن مروان نے ان کو ۷۰ھ میں قتل کر دیا تھا اور تیسرے طبقے کے راویوں میں انکا شمار ہے۔ (تقریب التہذیب)

**۳ ابو شریح رحمہ اللہ کے مذکورہ حدیث سنانے کی وجہ:۔** واقعہ کربلا کے بعد حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کی بنیاد پر اہل مکہ کو شامیوں کا ظلم و ستم بتا کر ابھار دیا، بہت سے لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ عمرو بن سعید نے یزید کے حکم سے حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ اور محاصرہ کے لئے ایک لشکر تیار کیا، جب مروان کو اطلاع ہوئی تو وہ آیا اور اس نے کہا دیکھو! مکے پر چڑھائی کے لئے لشکر مت بھیجو، عمرو بن سعید کی سمجھ میں بات آ گئی، وہ رک گیا لیکن عمرو بن الزبیر جو عبد اللہ بن الزبیر کا باپ شریک بھائی تھا وہ عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کا دشمن تھا اور وہ عمرو بن سعید کے شرطیوں کا سردار تھا، اس نے کہہ دیا **والله لنغزونه في جوف الكعبة على رغم انف من رغم** یعنی "کوئی کتنا ہی جلے بھنے، ہم تو ضرور بالضرور کعبہ شریف کے اندر بھی اگر نا پڑے تو لڑیں گے"۔ حضرت ابو شریح خزاعی رضی اللہ عنہ کو جب اس لشکر کشی کے مقصد کا علم ہوا تو وہ تشریف لائے، اس سے اجازت چاہی اور اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنائی۔

**۴ حدیث کا ترجمہ:۔** سعید بن ابی سعید نے وہ ابو شریح رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عمرو بن سعید (والی مدینہ) سے جب وہ مکہ (ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے لڑنے کے لئے) لشکر بھیج رہے تھے، کہا کہ اے امیر! مجھے اجازت ہو تو میں وہ بات آپ سے

بیان کروں جو رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دوسرے روز ارشاد فرمائی تھی اس (حدیث) کو میرے دونوں کانوں نے سنا ہے اور میرے دل نے اسے یاد رکھا ہے اور جب رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی۔ پھر فرمایا کہ مکہ کو اللہ نے حرام کیا ہے آدمیوں نے حرام نہیں کیا تو (سن لو) کہ کسی شخص کے لئے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، یہ جائز نہیں کہ مکہ میں خونریزی کرے یا اس کا کوئی پیڑ کاٹے، پھر اگر کوئی اللہ کے رسول (کے لڑنے) کی وجہ سے اس کا جواز چاہے تو اس سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے لئے اجازت دی تھی، تمہارے لئے نہیں دی اور مجھے بھی دن کے کچھ لمحوں کے لئے اجازت ملی تھی آج اس کی حرمت لوٹ آئی جیسی کل تھی اور حاضر غائب کو (یہ بات) پہنچا دے۔ (یہ حدیث سننے کے بعد راوی حدیث) ابو شریح سے پوچھا گیا کہ (آپ کی بات سن کر) عمرو نے کیا جواب دیا؟ انہوں نے کہا کہ اے ابو شریح! میں تم سے زیادہ جانتا ہوں، حرم (مکہ) کسی خطا کار کو یا خون کر کے اور فتنہ پھیلا کر بھاگ آنے والے کو پناہ نہیں دیتا۔

**⑤ حرم کے درختوں کو کاٹنے کا حکم:۔** مکہ مکرمہ کے اشجار و نباتات کی تین قسمیں ہیں۔

ایک وہ جو کسی شخص نے اپنی محنت سے اگائے ہوں، ان کو کاٹنا یا اکھیڑنا بالاتفاق جائز ہے۔

دوسرے وہ جن کو کسی نے اگایا تو نہیں لیکن وہ ان ہی نباتات کی جنس میں سے ہیں جنہیں لوگ عام طور پر اگاتے ہیں۔ اس دوسری قسم کی نباتات کو بھی کاٹنا اور اکھیڑنا جائز ہے۔ تیسری قسم خودرو پودوں اور گھاس وغیرہ کی ہے، اس قسم میں سے صرف "اذخر" گھاس کا کاٹنا اور اکھیڑنا جائز ہے، باقی کسی چیز کا اکھیڑنا یا کاٹنا جائز نہیں، البتہ خودرو گھاس یا پودوں اور درختوں میں سے اگر کوئی پودا وغیرہ مرجھا گیا ہو، یا جل گیا ہو، یا ٹوٹ گیا ہو تو اس کو کاٹنا بھی جائز ہے۔

حاصل یہ کہ **ولا یعضد بها شجرة** میں شجرہ سے مراد وہ گھاس اور پودے وغیرہ ہیں جو خود اگے ہوں وہ **مما انبته الناس** کی جنس میں سے ہوں، نہ ٹوٹے ہوئے ہوں، نہ جلے ہوئے ہوں اور نہ مرجھائے ہوئے ہوں نیز "اذخر" بھی نہ ہو، ایسے پودوں اور گھاس وغیرہ کا کاٹنا جائز نہیں اور کاٹنے کی صورت میں جزا واجب ہوگی۔ (ایضاً)

**⑥ لا یعیذ عاصیا ولا فارا بدم ولا فارا بخربة کی تشریح:۔**

"لا یعیذ عاصیا" اس جملہ میں "عاصی" سے مراد خارج عن الطاعۃ یعنی باغی ہے۔

"فارا بالدم" سے مراد قتل کر کے بھاگنے والا ہے۔ "فارا بخربة" ابن الاثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خربة عیب کو کہتے ہیں، یہاں اس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کو اس طرح اپنے ساتھ مختص کرے اور اس پر غالب ہونا چاہتا ہے جس کی شریعت اجازت نہ دیتی ہو۔ اسی طرح خربہ کا معنی سرقہ بھی ہے، اصل میں اونٹوں کی چوری پر خربہ کا اطلاق ہوتا تھا، بعد میں توسعاً عام چوری پر اس کا اطلاق کیا جانے لگا۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کی تفسیر جنایت سے کی ہے۔

ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو شریح رضی اللہ عنہ نے حدیث کے عموم سے استدلال کیا ہے لیکن عمرو بن سعید نے اس سے گریز کیا اور یہ کہہ دیا کہ تم اس حدیث کو عام سمجھ رہے ہو حالانکہ یہ حدیث خاص ہے، مجرم اور عاصی جو جرم کر کے حرم میں پناہ لے لے تو اسے پناہ نہیں ملتی۔

لیکن عمرو بن سعید کا یہ جواب غلط تھا کیونکہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نہ باغی تھے، نہ عاصی تھے اور نہ انہوں نے کسی کو قتل کیا تھا۔

ابن بطال فرماتے ہیں کہ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک حضرت عبداللہ بن زبیر، یزید اور عبدالملک کے مقابلہ میں خلافت کے زیادہ حقدار تھے کیونکہ ان لوگوں سے پہلے ان کے ہاتھ پر بیعت ہوئی تھی پھر وہ حضور ﷺ کے صحابہ میں سے تھے۔ (کشف الباری ج ٣ ص ١٣٥)

## السوال الثانی ١٤٣٧ھ

**الشق الاول** ...... بَابُ مَا جَاءَ فِىْ بُيُوْتِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ وَمَا نُسِبَ مِنَ الْبُيُوْتِ إِلَيْهِنَّ وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى (وَقَرْنَ فِىْ بُيُوْتِكُنَّ) وَ (لَاتَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ) أَخْبَرَنِيْ عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ لَمَّا ثَقُلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِسْتَأْذَنَ أَزْوَاجَهُ أَنْ يُمَرَّضَ فِىْ بَيْتِىْ فَأَذِنَّ لَهُ ۔ (ص۴۳۶ ـ ج ا ـ قدیمی) اذکر غرض البخاری من هذه الترجمة ۔ شکل الحدیث و ترجمه ۔ اشرح الحدیث واذکر ان اقامة ازواجه ﷺ فی هذه البیوت هل کانت من حیث السکن ام من حیث الملك؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں پانچ امور مطلوب ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) حدیث پر اعراب (۳) حدیث کا ترجمہ (۴) حدیث کی تشریح (۵) ازواج مطہرات ؓ کی اقامت کی جہت سکونت یا جہت ملکیت کی تعیین۔

**جواب** ...... ❶ <u>ترجمۃ الباب کی غرض:</u> حضرت امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ جیسے حضورِ اکرم ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے مال میں آپ کی ازواج مطہرات ؓ کا نفقہ واجب تھا، اسی طرح سے آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی ازواج کیلئے اسکان بھی آپ کے گھر والوں میں واجب تھا کیونکہ یہ تمام ازواج آپ ﷺ کے حق میں محبوس تھیں چنانچہ حضورِ اکرم ﷺ نے جن مکانات کے اندر اپنی ازواج مطہرات کو رکھا تھا آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی وہ انہی مکانات میں قیام پذیر رہیں۔ (کشف الباری کتاب الجہاد ج۳ ص۹۱)

❷ <u>حدیث پر اعراب:</u> کما مرّ فی السوال آنفاً۔

❸ <u>حدیث کا ترجمہ:</u> ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کی طبیعت زیادہ ناساز ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ نے دیگر ازواج مطہرات ؓ سے اس بات کی اجازت لی کہ وہ اپنے مرض کے دن میرے گھر میں رہیں تو ازواج مطہرات ؓ نے آپ ﷺ کو اجازت دے دی۔

❹ <u>حدیث کی تشریح:</u> حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جب آپ ﷺ کی طبیعت زیادہ خراب ہوئی اور آپ ﷺ کیلئے باہر تشریف لانا ممکن نہ رہا تو حضرت عائشہ صدیقہ ؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ روزانہ باری باری ازواج مطہرات کے گھروں میں جاتے تھے مگر مرض کی شدت کی وجہ سے جب یہ ممکن نہ رہا تو پھر آپ ﷺ نے دیگر ازواج مطہرات ؓ سے اجازت طلب کی کہ اگر تمہاری طرف سے اجازت ہو تو میں یہ آخری چند ایام عائشہ ؓ کے حجرہ میں گزاروں؟ تمام ازواج مطہرات ؓ نے بخوشی اس کی اجازت دے دی چنانچہ دوسری حدیث میں حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کا انتقال میرے گھر میں میری باری والے دن میرے سینہ پر سر مبارک رکھنے کی حالت میں ہوا۔

❺ <u>ازواج مطہرات ؓ کی اقامت کی جہت سکونت یا جہت ملکیت کی تعیین:</u> امام بخاریؒ نے یہاں ترجمۃ الباب کے تحت دو آیتیں ذکر فرمائی ہیں۔ ایک وقرن فی بیوتکن اور دوسری لاتدخلوا بیوت النبی الاان یؤذن لکم پہلی آیت میں بیوت کی نسبت ازواج مطہرات، دوسری میں نبی اکرم ﷺ کی طرف ہے۔

امام بخاریؒ نے غالباً اس کے ذریعے اسی اختلاف کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس کا عنوان میں ذکر ہے کہ ازواج مطہرات ؓ کا مذکورہ گھروں میں قیام من حیث الملک تھا یا من حیث الاسکان، یا یہ کہ لیجئے کہ ان کو ان گھروں کا مالک بنایا گیا تھا یا صرف ان کو رہنے کے لئے یہ گھر دیے گئے تھے۔ مشہور مفسر قرآن علامہ جمل ؒ آیت کریمہ لاتدخلوا بیوت النبی الا ان یؤذن لکم کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں "اس آیت میں اس امر کی دلیل ہے کہ گھر مرد کا ہوتا ہے اور اسی کے لئے اس کا فیصلہ کیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے خود بیت کی نسبت مرد (نبی) کی طرف کی ہے"۔

لیکن اس پر اعتراض یہ ہے کہ ایک اور آیت واذکرن مایتلی فی بیوتکن میں تو بیوت کی نسبت عورتوں (ازواج

مطہرات رضی اللہ عنہن) کی طرف کی گئی ہے، اس لئے یہ کہنا تو درست نہیں رہا کہ گھر مرد کا ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بیوت کی اضافت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف، باعتبار ملک ہے اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی طرف باعتبار محل ہے کہ یہ ان کے رہنے اور سکن کی جگہیں ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آیت کریمہ میں اذن دخول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل بتلایا گیا ہے اور اذن مالک ہی کا حق ہوتا ہے۔ پھر یہ سمجھئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیوت میں علماء کا اختلاف ہے اور اس میں دو قول ہیں: ① ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ یہ گھر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی ملکیت تھے، ان میں وہ من حیث الملک مقیم تھیں۔ دلیل یہ ہے کہ ازواج مطہرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی انہی گھروں میں مقیم رہیں، یہاں تک کہ وفات پا گئیں، اسکی وجہ یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گھر اپنی حیات ہی میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو ہبہ کر دیئے تھے ② دوسری جماعت کہتی ہے کہ یہ اسکان تھا، ہبہ نہیں تھا اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن تاحیات وہیں رہیں کیونکہ یہ اسی "مؤنۃ" کا حصہ تھا، جس کو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مستثنیٰ فرمایا جیسا کہ ان کے نفقہ کو مستثنیٰ قرار فرمایا تھا کہ ماترکت بعد نفقة اهلي ومؤنة عاملي فهو صدقة، یہی اہل علم کا قول ہے اور اسی کو امام ابن عبدالبر اور ابن العربی وغیرہ نے پسند فرمایا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن جن گھروں میں مقیم رہیں، ان کی وفات کے بعد وہ گھر ان کے ورثاء کی طرف منتقل نہیں ہوئے، پس یہ اس امر کی دلیل ہے کہ یہ گھر ان کی ملکیت میں نہیں تھے صرف مسکن تھے، جب ان کا انتقال ہو گیا تو ان گھروں کو مسجد نبوی کا حصہ بنا دیا گیا اور ان کے ذریعے اس کی توسیع کر دی گئی۔

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے بقول امام بخاری رحمہ اللہ کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ ان بیوت کی ملکیت کے قائل تھے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ان گھروں میں مالکانہ حیثیت کے ساتھ مقیم تھیں چنانچہ مصنف رحمہ اللہ نے وما نسب اليهن من البيوت کہہ کر اسی امر کی ترجیح کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں وقول البخاري في الترجمة :وما نسب اليهن لعله اشارة الى ترجيح ملكهن، اور یہی رائے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی بھی ہے۔ (ایضاً)

**الشق الثاني** ...... باب من لم يخمس الاسلاب ومن قتل قتيلا فله سلبه من غير ان يخمس وحكم الامام فيه

اذكر غرض المؤلف من هذه الترجمة . ما هو السلب لغة و شرعًا؟ وما هو اختلاف العلماء في حكمه الشرعي . ما هو اختلاف العلماء في ان السلب هل يخمس ام لا؟ وما هي ادلتهم. (ص ۴۳۳۔ ج۔ قدیمی)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی غرض (۲) سلب کا لغوی و شرعی معنی (۳) سلب کے حکم شرعی میں اختلاف (۴) سلب کے خمس میں اختلاف مع الدلائل۔

**جواب** ...... ❶ ترجمۃ الباب کی غرض:۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس ترجمۃ الباب کے ذریعہ سلب کی تخمیس کے مشہور اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس مسئلہ میں جمہور کے ساتھ ہیں تو انہوں نے جمہور کے مذہب کو ثابت کرنے کیلئے یہ ترجمۃ الباب قائم کیا ہے۔ (کشف الباری کتاب الجہاد ج ۳ ص ۳۸۸)

❷ سلب کا لغوی و شرعی معنی:۔ سَلَبٌ: مصدر بمعنی مسلوب اسم مفعول ہے بمعنی زبردستی چھینا ہوا مال۔ شرعی طور پر سلب ما يوجد مع المحارب من ملبوس وغيره عند الجمهور (مقاتل کے پاس جو لباس و ہتھیار وغیرہ ہوتا ہے)۔ (ایضاً)

❸ سلب کے حکم شرعی میں اختلاف:۔ جمہور فقہائے امت کا موقف یہ ہے کہ کوئی مسلم جنگجو دوران معرکہ کسی مشرک کو آگے دو ٹوک کر دے تو جو کچھ مال و اسباب اس مشرک کے پاس ہوتا ہے اسکا یہ مقاتل مسلم مستحق ہوتا ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ تاہم اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ آیا اس کیلئے امام کی اجازت بھی ضروری ہے یا نہیں؟

حنفیہ و مالکیہ کے علاوہ تمام حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس کیلئے امام کی اجازت کی کوئی ضرورت نہیں، امام سلب کی تصریح کرے یا نہ کرے مقتول بہر حال اس کا مستحق ہوگا۔ جبکہ حنفیہ اس کیلئے امام کی اجازت کو شرط قرار دیتے ہیں مثلاً یہ کہے کہ غنیمت جمع ہونے سے قبل جو کسی کو قتل کرے گا اس کا سلب شدہ مال اسی کا ہوگا بصورت دیگر سلب بھی غنیمت کا حصہ ہوگا جو غانمین کے درمیان تقسیم ہوگا۔

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مالکیہ کا مذہب بھی احناف کے قریب قریب ہے لیکن وہ یہ کہتے ہیں کہ امام کیلئے یہ مناسب نہیں کہ ابتداء اس طرح کی کوئی بات یا شرط لگائے، ہاں! جنگ ختم ہونے کے بعد ایسی بات کی جاسکتی ہے تاکہ نیت مقاتل میں فساد نہ آئے۔

دراصل مالکیہ سلب کو نفل ہی کا حصہ قرار دیتے ہیں چنانچہ جو مذہب نفل کے سلسلے میں ان کا ہے وہی مذہب ان کا سلب میں بھی ہے۔

**۲** سلب کے تخمیس میں اختلاف مع الدلائل:۔ شافعیہ، حنابلہ، ابن المنذر، اور ابن جریر رحمہم اللہ وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ سلب میں تخمیس جاری نہیں ہوگی، مطلب یہ ہے کہ سلب قاتل کے حوالہ کر دیا جائے گا اور اس میں سے خمس نہیں لیا جائے گا۔

ان کی پہلی دلیل حضرت عوف بن مالک اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ ان رسول الله ﷺ قضی بالسلب للقاتل، ولم يخمس السلب کہ آپ ﷺ نے سلب قاتل کو دینے کا حکم جاری کیا اور اس میں خمس نہیں لیا۔

دوسری دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے انا کنا لانخمس السلب کہ "ہم سلب میں تخمیس نہیں کرتے تھے"۔

دوسرا مذہب امام اوزاعی اور مکحول رحمہما اللہ کا ہے کہ سلب کا بھی خمس نکالا جائے گا۔ ان حضرات کی دلیل آیت قرآنی واعلموا انما غنمتم من شئ فان لله خمسه وللرسول ہے کہ یہ آیت عام ہے چنانچہ غنائم میں مطلقاً تخمیس کا عمل جاری ہوگا۔ یہی مذہب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی ہے۔ تیسرا مذہب اسحاق بن راہویہ کا ہے، وہ فرماتے ہیں ان استكثر الامام السلب خمسه وذلك اليه کہ امام اگر یہ دیکھے کہ سلب کی مقدار بہت زیادہ ہے تو اس کی تخمیس کرے گا اور اس کا اختیار امام کو ہوگا۔

ان کی دلیل ابن سیرین رحمہ اللہ سے مروی حدیث ہے کہ حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ نے ایک مرزبان (اہل فارس کا قبیلہ کا پیشوا) کے ساتھ بحرین میں مبارزت کی، حضرت براء رضی اللہ عنہ نے اس کو نیزہ مارا جس سے اس مرزبان کی کمر توڑ دی، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے دونوں کنگن لے لئے اور دوسرا سامان بھی، نماز ظہر کے بعد یہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور پورا واقعہ سنایا تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم پہلے سلب میں سے خمس نہیں لیا کرتے تھے تاہم براء کا جو سلب ہے وہ معتد بہ مال ہے، اس لئے میں اس کا خمس لوں گا چنانچہ یہ پہلا سلب تھا جس میں تخمیس ہوئی، اس سلب کی مقدار تیس ہزار تھی۔

اس مسئلہ میں چوتھا مذہب حنفیہ اور مالکیہ کا ہے، ان حضرات کے نزدیک سلب مقتول دوسرے غنائم کی طرح ہے، یہ قاتل کے ساتھ مختص نہیں بلکہ قاتل اور غیر قاتل سب اس میں برابر ہیں، سلب کو امام نفل کے طور پر دے گا۔

اب احناف کے ہاں نفل کی تکمیل غنائم کو دار الاسلام منتقل کرنے سے قبل تو درست ہے اور دار الاسلام منتقل کرنے کے بعد خمس ہے۔ مالکیہ کے نزدیک ہر حال میں خمس ہے اور امام کی رائے پر موقوف ہے وہ اگر مناسب سمجھے گا تو قاتل کو دے گا ورنہ نہیں۔ (ایضاً)

## السوال الثالث ۱۴۲۷ھ

**الشق الاول** ......باب عدة اصحاب بدر ..... عن البراء، قال: استصغرت انا و ابن عمر يوم بدر وكان المهاجرون يوم بدر نيفا على ستين، والانصار نيفا و اربعين ومائتين. (ص ۵۶۳، ج ۲، قدیمی)

اشرح لغويا قوله: "استصغرت" و قوله: "نيفا"۔ قد وردت اعداد مختلفة فيمن شهدوا بدرًا اذكر تلك الاعداد۔ اكتب وجه التوفيق بين هذه الاعداد المختلفة۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) استصغرت، نیفا کی لغوی تشریح (۲) شرکاءِ بدر کی تعداد میں اقوال (۳) شرکاءِ بدر کی تعداد کی روایات میں تطبیق۔

**جواب** ...... ❶ **استصغرت، نیفا کی لغوی تشریح:۔** یہ باب استفعال سے واحد متکلم ماضی مجہول کا صیغہ ہے، مجرد میں اس کا مادہ صغر ہے، اب اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں کم عمر ہونے کی وجہ سے مجھے صغیر السن سمجھا گیا اور یہاں چار افراد میں سے ہیں جن کو صغیر السن ہونے کی وجہ سے جہاد کی اجازت نہیں دی گئی تھی مگر وہ مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ تھے جن میں تین صحابہ حضرت انس، حضرت ابن عمر اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم تھے۔ "نیفا" یہ نیف او نیّف دونوں طرح ہے اور بضع کے وزن پر ہے اور جس طرح بضع کا اطلاق تین سے لے کر نو تک ہوتا ہے اسی طرح اس کا اطلاق بھی تین سے نو تک ہوتا ہے۔

❷ **شرکاءِ بدر کی تعداد میں اقوال:۔** ① رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بدر میں تین سو تیرہ آدمی تھے ② بعض روایات میں تین سو چودہ کا ذکر ہے ③ بعض روایات میں تین سو پندرہ کا ذکر ہے ④ بعض روایات میں تین سو انیس کا ذکر ہے۔ (کشف الباری کتاب المغازی ص ۹۹)

❸ **شرکاءِ بدر کی تعداد کی روایات میں تطبیق:۔** اگر حضور اکرم ﷺ کو اور ایک اس صحابی کو جو گنتی کے وقت موجود نہیں تھے لیکن دور سے ایک اونٹ پر آتے ہوئے نظر آرہے تھے شمار نہ کیا جائے تو تعداد تین سو تیرہ صحیح ہے اور اگر اس صحابی کو شمار کیا جائے تو پھر تین سو چودہ صحیح ہے اور اگر حضور اکرم ﷺ کو بھی شمار کیا جائے تو تعداد تین سو پندرہ صحیح ہے اور اگر ان چار صحابہ کو جو صغیر السن تھے اور انکو جہاد کی اجازت نہیں ملی تھی لیکن وہ ساتھ تھے ان کو بھی شمار کیا جائے تو تعداد تین سو انیس صحیح ہے۔ (ایضا)

**الشق الثانی** ...... عن انس بن مالك قال: اتى النبي ﷺ على بعض نسائه و معهن ام سليم فقال: ويحك يا انجشة! رويدك سوقك بالقوارير. (ص ۹۰۸ ج ۲) من هي ام سليم؟ عرفها بايجاز. حقق لغويا قوله رويدك و سوقك.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں دو امور مطلوب ہیں (۱) ام سُلیم رضی اللہ عنہا کا تعارف (۲) رويدك، سوقك کی لغوی تحقیق۔

**جواب** ...... ❶ **ام سُلیم رضی اللہ عنہا کا تعارف:۔** آپ رضی اللہ عنہا کا نام سہلہ یا رملہ، لقب غمیصاء اور رمیصاء، کنیت ام سلیم، والد کا نام ملحان اور والدہ کا نام ملیکہ ہے۔ اسلام لانے کی وجہ سے پہلا شوہر چھوڑ کر ملک شام چلا گیا اور وہیں انتقال ہوا، پھر ابو طلحہ سے قبولِ اسلام کی شرط پر نکاح ہوا اور دو بچے ابو عمیر اور عبد اللہ پیدا ہوئے اور پہلے خاوند مالک سے ایک بچہ تھا جسے اسلامی تاریخ مشہور صحابیِ رسول ﷺ اور خادمِ رسول ﷺ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے نام سے یاد کرتی ہے۔

❷ **رويدك، سوقك کی لغوی تحقیق:۔** "رُوَيْدَ" یہ اسم فعل اَمْهِلْ امر معلوم کے معنی میں ہے یعنی روک دو۔
"سَوْقَكَ" یہ باب نصر کا مصدر ہے بمعنی ہانکنا اور تیز کرنا اس سے معنی کی مراد لے سکتے ہیں کیونکہ یہ سوق کا سبب ہے۔ (کشف الباری)

## ﴿الورقة الرابعة: الصحيح للامام البخاري﴾

## ﴿السؤال الاول﴾ ۱۴۳۸ھ

**الشق الاول** ...... باب العلم والعظة بالليل عن ام سلمة قالت استيقظ النبي ﷺ ذات ليلة فقال سبحان الله ماذا انزل الليلة من الفتن و ماذا فتح من الخزائن ايقظوا صواحب الحجر فرب كاسية في الدنيا عارية في الآخرة. (ص ۲۲ ج ۱)

ترجم الحديث و بين اسم ام سلمة، عقد الامام البخاري بعد هذا الباب باب السمر في العلم اذكر مقصد الامام البخاري من ترجمتي البابين، اشرح قوله عليه السلام فرب كاسية في الدنيا عارية في الآخرة.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حاصل چار امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نام (۳) ترجمۃ الباب (باب العلم و العظة بالليل ،باب السمر فی العلم) کا مقصد (۴) فرب كاسية فی الدنیا عارية فی الاخرة کی تشریح۔

جواب ...... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ یہ باب ہے رات کے وقت تعلیم دینے اور وعظ و نصیحت (کے جواز) کے بیان میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ نیند سے بیدار ہوئے اور فرمایا کہ آج رات کس قدر فتنے نازل کئے گئے اور کس قدر خزانے کھولے گئے ان حجرہ والیوں کو جگاؤ کیونکہ بہت سی عورتیں جو اس دنیا میں (باریک) کپڑے پہننے والی ہیں وہ آخرت میں برہنہ ہوں گی۔

❷ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نام:۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نام ہند بنت ابی امیہ (نام حذیفہ یا سہیل) بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم قرشیہ مخزومیہ ہے۔ (کشف الباری ج۴)

❸ ترجمۃ الباب (باب العلم و العظة بالليل ، باب السمر فی العلم) کا مقصد:۔

باب العلم و العظة بالليل: اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض رات کے وقت تعلیم اور وعظ و نصیحت کے جواز کو بیان کرنا ہے کہ جس طرح دن کے وقت تعلیم دینا اور وعظ و نصیحت کرنا جائز ہے اسی طرح رات کے وقت بھی تعلیم دینا اور وعظ و نصیحت کرنا جائز ہے، تعلیم اور وعظ و نصیحت کے لئے دن کی کوئی قید نہیں ہے۔

باب السمر فی العلم: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ سونے سے پہلے اگر علمی قصہ گوئی کی جائے تو یہ ممنوع نہیں ہے اور گذشتہ باب میں سونے سے پہلے کی تخصیص نہیں تھی وہ باب عام تھا۔

❹ فرب كاسية فی الدنيا عارية فی الاخرة کی تشریح:۔ یہاں رُبَّ تکثیر کے لئے ہے، اس کے متعدد مطلب ہیں ① یہ عورتیں ایسا باریک لباس پہنتی ہیں جس سے اندرونی اعضاء مکشوف ہو جاتے ہیں یا اعضاء کا رنگ جھلکنے لگتا ہے ② اس میں یہ بھی شامل ہے کہ اس قدر چست و تنگ لباس پہنا جائے کہ اندرونی اعضاء ابھر جائیں اور ان کی ساخت ظاہر ہو جائے ③ یہ عورتیں دنیا میں انتہائی بڑھیا و قیمتی لباس پہننے والی ہیں مگر آخرت میں نیکیوں سے خالی ہوں گی۔ (کشف الباری)

الشق الثانی ...... عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ بَعَثَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الْيَمَنِ بِذُهَيْبَةٍ فِيْ اَدِيْمٍ مَقْرُوْظٍ لَمْ تُحَصَّلْ مِنْ تُرَابِهَا قَالَ فَقَسَمَهَا بَيْنَ اَرْبَعَةِ نَفَرٍ — فَقَامَ رَجُلٌ غَائِرُ الْعَيْنَيْنِ مُشْرِفُ الْوَجْنَتَيْنِ نَاشِزُ الْجَبْهَةِ كَثُّ اللِّحْيَةِ مَحْلُوْقُ الرَّأْسِ مُشَمَّرُ الْاِزَارِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِتَّقِ اللّٰهَ قَالَ وَيْلَكَ اَوَ لَسْتُ اَحَقَّ اَهْلِ الْاَرْضِ اَنْ يَّتَّقِيَ اللّٰهَ ...... قَالَ ثُمَّ نَظَرَ اِلَيْهِ وَهُوَ مُقَفٍّ فَقَالَ اِنَّهٗ يَخْرُجُ مِنْ ضِئْضِئِ هٰذَا قَوْمٌ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ رَطْبًا لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ ۔ (ص۶۲۳-ج۲-قدیمی)

شكل الحديث الشريف بالضبط ثم ترجمه واضحة ، اكتب اسم ابی سعيد الخدری ولماذا يقال له الخدری و بين اسم الرجل القائم ومن المراد من قوم فی قوله ﷺ قوم يتلون كتاب الله .

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا نام اور خدری کہنے کی وجہ (۴) رجل قائم کا نام اور قوم کی مراد۔

جواب ...... ❶ حدیث پر اعراب:۔ كمامرّ فی السوال آنفا۔

❷ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں کچھ سونا بھیجا ایسے چمڑے میں جسکو دباغت دی گئی تھی اور اس کو مٹی سے جدا نہیں کیا گیا تھا فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ

نے اس کو چار آدمیوں میں تقسیم کر دیا تو ایک شخص کھڑا ہوا جس کی آنکھیں اندر کی طرف دھنسی ہوئی تھیں اور رخسار آگے کو ابھرے ہوئے تھے، پیشانی آگے کو نکلی ہوئی تھی، داڑھی گھنی تھی، سر اس کا منڈا ہوا تھا، ازار پنڈلیوں کی طرف اٹھایا ہوا تھا، اس نے کہا اے اللہ کے رسول اللہ سے ڈرو، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تیری ہلاکت ہو کیا میں اہل زمین میں سے اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا نہیں ہوں؟ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف دیکھا کہ وہ پشت پھیرے ہوئے جا رہا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی نسل میں سے ایک ایسی قوم نکلے گی جو قرآن کریم کی تلاوت بڑی تازگی کے ساتھ کرے گی مگر وہ قرآن ان کے حلقوم سے آگے نہیں جائے گا، وہ لوگ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔

❷ **حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا نام اور خدری کہنے کی وجہ:۔** حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا پورا نام و نسب سعد بن مالک بن سنان بن عبید بن ثعلبہ بن عبید بن الابجر انصاری خزرجی ہے۔

ان کے اجداد میں سے ابجر کا نام خدرہ تھا، ان کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کو خدری کہتے ہیں۔ (کشف الباری ج ۳ ص ۸۲)

❸ **رجل قائم کا نام اور قوم کی مراد:۔** اس رجل قائم کے متعلق بعض نے لاعلمی کا اظہار کیا ہے، بعض نے اس کا نام ذوالخویصرہ تمیمی ذکر کیا ہے۔ علامہ عینی رحمہ اللہ نے کہا کہ اس کا نام نافع تھا اور ابوداؤد کی روایت میں بھی اس کا نام نافع آیا ہے، بعض نے کہا کہ اس کا نام حرقوص بن زہیر ہے۔ قوم سے مراد خوارج کا فتنہ ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں ظاہر ہوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو قتل کیا تھا اور مقتولین میں یہ شخص بھی شامل تھا۔ (کشف الباری، مغازی، ص ۳۰۷)

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۲۸ھ

**الشق الاول** ...... عن ابن عمر ان النبی ﷺ حرق نخل بنی النضیر قال: ولها یقول حسان بن ثابت

وهان علی سراة بنی لوی — حریق بالبویرة مستطیر

فاجابه ابوسفیان:

ادام الله ذلك من صنیع — وحرق فی نواحیها السعیر

ستعلم اینا منها بنزه — وتعلم ای ارضینا تضیر (ص ۵۷۵۔ ج مغازی)

**اذکر اسماء قبائل الیهود الذین کانوا بالمدینة قبل مقدم رسول الله ﷺ ومتی اجلیت هذه القبائل منها؟ متی وقعت غزوة بنی النضیر؟ اذکر قصتها بتفصیل وبسط۔ ترجم الابیات المذکورة ثم اشرحها۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں پانچ امور مطلوب ہیں (۱) ہجرت سے قبل مدینہ میں آباد یہودی قبائل کے نام (۲) یہودی قبائل کو مدینہ سے نکالنے کا موقع (۳) غزوہ بنو نضیر کا سن اور واقعہ (۴) ابیات کا ترجمہ (۵) ابیات کی تشریح۔

**جواب** ...... ❶ **ہجرت سے قبل مدینہ میں آباد یہودی قبائل کے نام:۔** حضور اقدس ﷺ جس وقت مدینہ منورہ میں تشریف لائے تھے اس وقت کفار کی تین قسمیں تھیں۔ ① ایک قسم کفار کی وہ تھی جو باقاعدہ دشمنی کا اعلان کرتے تھے اور جنگ کیلئے آمادہ تھے ② دوسری قسم ان لوگوں کی تھی جس اس انتظار میں تھے کہ مسلمانوں کا انجام کیا ہوتا ہے؟ اگر غالب آ گئے تو ہم بھی ان کے ساتھ ہو جائیں گے ورنہ اپنے آبائی دین پر قائم رہیں گے، پھر بعض ان میں سے دل سے مسلمانوں کا غلبہ چاہتے تھے جیسے بنو خزاعہ اور کچھ لوگ دل سے مسلمانوں کا غلبہ نہیں چاہتے تھے ③ تیسری قسم یہود مدینہ کی تھی۔ مدینہ کے یہود میں اصل قبیلے دو تھے ایک بنو قریظہ اور دوسرا بنو نضیر، بنو قینقاع اور بنو حارثہ کا بھی ذکر آتا ہے لیکن درحقیقت وہ بنو قریظہ اور بنو نضیر ہی کی شاخیں تھیں۔ (کشف الباری کتاب المغازی ص ۱۰۸)

❷ **یہودی قبائل کو مدینہ سے نکالنے کا موقع:۔** سب سے پہلے عہد شکنی کے نتیجہ میں بنو قینقاع کو شوال ۲ھ میں جلاوطن

کیا گیا اس کے بعد محمد بن اسحاق رحمہ اللہ کی رائے کے مطابق ۲ھ میں بنو قریظہ، بنو نضیر دونوں نے عہد شکنی کی مگر بنو نضیر کو جلا وطن کیا گیا، بعض شام میں اور بعض خیبر میں جا کر آباد ہوئے اور بنو قریظہ سے تجدید معاہدہ ہوا، اس کے بعد غزوہ خندق کے موقع پر دوبارہ عہد شکنی کے نتیجہ میں ان کے مردوں کو قتل کیا گیا اور عورتوں و بچوں کو مسلمانوں میں تقسیم کیا گیا۔

⓬ غزوۂ بنو نضیر کا سن اور واقعہ:۔ غزوہ بنو نضیر کب پیش آیا؟ اس سلسلہ میں امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک رائے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کی نقل کی ہے اور ایک رائے ابن اسحاق رحمہ اللہ کی نقل کی ہے، حضرت عروہ کی رائے یہ ہے کہ جب غزوہ بدر کے بعد چھ مہینے گزر چکے تو غزوہ بنو نضیر کا واقعہ پیش آیا جبکہ ابن اسحاق رحمہ اللہ کی رائے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ نقل کی کہ بنو نضیر کا یہ واقعہ غزوہ بئر معونہ اور غزوہ احد کے بعد پیش آیا ہے۔

ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں یہودیوں میں سے بنو قینقاع کی غداری و جلا وطنی کے بعد اب بنو نضیر نے عہد شکنی کی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ بئر معونہ کے واقعہ میں اتفاقاً زندہ بچ گئے تھے۔ وہاں سے مدینہ آتے ہوئے ان کو دو کافر ملے جو بنو عامر میں سے تھے تو عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھ کر کہ اس قبیلے کے سردار عامر بن طفیل نے ستر مسلمان (بئر معونہ میں) شہید کئے ہیں، ان دونوں کو قتل کر ڈالا، عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم نہ تھا کہ مقتولین کے قبیلے سے آنحضرت ﷺ نے معاہدہ کیا ہے، جب آنحضرت ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان سے ہمارا معاہدہ تھا لہٰذا دیت دینا ضروری ہے (اگرچہ عامر بن طفیل نے عہد شکنی کر لی تھی اور ستر مسلمانوں کو شہید کیا تھا لیکن اس عہد شکنی میں پورا قبیلہ شامل نہیں تھا اس لئے آپ نے بنو عامر کے ان دو مقتولین کی دیت ضروری سمجھی)

بنو عامر جس طرح مسلمانوں کے حلیف تھے اسی طرح بنو نضیر کے بھی حلیف تھے لہٰذا عرب کے دستور کے مطابق دیت میں کچھ حصہ بنو نضیر کے ذمہ بھی واجب الادا تھا چنانچہ آنحضرت ﷺ اس دیت کے سلسلہ میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر چند صحابہ کو لے کر بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے، وہاں جا کر ایک دیوار کے نیچے آپ ﷺ بیٹھ گئے۔

اس دوران بنو نضیر نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ ایک شخص مکان کی چھت پر چڑھ کر اوپر سے ایک بڑا پتھر آپ ﷺ پر گرا دے تاکہ اس طرح آپ ﷺ کو قتل کیا جا سکے۔ آنحضرت ﷺ کو بذریعہ وحی یہودیوں کی اس سازش کی اطلاع مل چنانچہ حضور اکرم ﷺ وہاں سے اٹھے جیسے کسی کام کیلئے اٹھ کر ابھی واپس آ جائیں گے اور مدینہ منورہ تشریف لے گئے جب آپ کی واپسی میں دیر ہوتی چلی گئی تو یہود بڑے شرمندہ اور مایوس ہوئے اور صحابہ وہاں سے اٹھ کر آپ کی تلاش میں مدینہ منورہ آ گئے حضور اکرم ﷺ کے پاس جب صحابہ پہنچے آپ نے فرمایا کہ بنو نضیر نے عہد شکنی کی ہے لہٰذا ان کا محاصرہ کیا جائے۔ عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے مدینہ کا عامل مقرر فرمایا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو لیکر آپ ﷺ نے بنو نضیر کا محاصرہ کر لیا، عبداللہ بن ابی نے بنو نضیر کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے لیکن منافقین کے دلوں میں اللہ نے رعب ڈال دیا اور وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں نہ آ سکے۔ چودہ دن محاصرہ کرنے کے بعد بنو نضیر مجبور ہوئے اور حضور اکرم ﷺ سے درخواست کی کہ ہمیں امن دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دس دن کی مہلت ہے دس دن کے اندر اندر تم مدینہ سے نکل جاؤ، جتنا سامان تم اپنے ساتھ لے جا سکتے ہو اتنا لے جانے کی اجازت ہے لیکن ہتھیار اور اسلحے لے جانے کی اجازت نہیں۔ یہودیوں نے اپنے مکانات کے دروازے اور چوکھٹ تک نکال لئے اور مدینہ سے بنو نضیر کا ہنگامہ ختم ہوا۔ یامین بن عمیر اور ابو سعید بن وہب یہ دو آدمی ان میں سے مسلمان ہوئے چنانچہ ان کو جلا وطن نہیں کیا گیا اور نہ ان کو مال و اسباب سے محروم کیا گیا۔

⓭ ابیات کا ترجمہ:۔ (حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے بیت کا ترجمہ) اور آسان ہو بنی لوی کے سرداروں کے لئے مقام بویرہ میں لگی آگ جلانا: جس کے شعلے پھیلے ہوئے تھے۔ (ابو سفیان بن حارث رضی اللہ عنہ کے ابیات کا ترجمہ) اللہ تعالیٰ اس آگ کو جو بویرہ میں لگی ہے ہمیشہ قائم رکھے اور آگ بویرہ کے گرد و نواح کو یوں ہی جلایا کرے، تم عنقریب جان لوگے کہ کون اس بویرہ سے

دور ہے اور تم بھی جان لو گے کہ ہم میں سے کس کی زمین کو وہ آگ نقصان پہنچاتی ہے۔

⑤ ابیات کی تشریح:۔ (حضرت حسان ؓ کے بیت کی تشریح) حضرت حسان بن ثابت ؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ ؓ نے بغیر کسی جنگ کے بڑی آسانی کے ساتھ مقام بویرہ میں باغات کو آگ لگائی، اس شعر سے حضرت حسان ؓ قریش کو عار دلا رہے ہیں کیونکہ قریش نے بنو نضیر کو جنگ پر ابھارا تھا، اور اگر "سراۃ بنی لؤی" سے قریش کے سردار مراد ہوں تو مطلب ہوگا کہ قریش کے سرداروں نے مقام بویرہ میں آگ کا معاملہ بڑا آسان اور ہلکا سمجھا، یہ طنز ہے کہ قریش نے بنو نضیر اور بنو قریظہ کو یہ یقین دہانی کرائی تھی کہ مسلمانوں کے ساتھ تصادم کے وقت وہ ان کی مدد کریں گے، حضرت حسان ؓ فرماتے ہیں کہ اب جب ان پر یہ افتاد پڑی اور ان کے باغات جلائے گئے تو قریش میں سے کوئی بھی مدد کے لئے نہیں آیا گویا کہ یہ کوئی غمگین ہونے والی بات نہیں تھا۔ جب حضرت حسان ؓ نے یہ شعر پڑھا تو اس کے جواب میں ابوسفیان بن الحارث (حضور اکرم ﷺ کے چچا زاد بھائی ہیں اور اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے) نے یہ اشعار کہے جو عبارت میں مذکور ہیں۔

ابوسفیان نے پہلے شعر میں بددعا دی کہ بویرہ کا اردگرد ہمیشہ یونہی آگ میں جلتا رہے، دوسرے شعر میں حضرت حسان ؓ سے کہا کہ بویرہ میں آگ کی عار ہمیں کیوں دلاتے ہو، بویرہ کے اردگرد تو تم رہتے ہو اس سے ہمیں اور ہماری زمین کو کچھ نقصان نہیں ہوگا تمہاری ہی دو اطراف کی زمینیں جلیں گی۔ (کشف الباری کتاب المغازی ص ۱۸۵)

**الشق الثاني** ...... باب غزوة الرجيع ورعل وذكوان وبئر معونة وحديث عضل والقارة وعاصم بن ثابت وخبيب واصحابه ...... عن انس قال: بعث النبي ﷺ سبعين رجلا لحاجة يقال لهم القراء فعرض لهم حيان من بني سليم رعل وذكوان عند بئر يقال لها: بئر معونة فقال القوم: والله ما اياكم اردنا انما نحن مجتازون في حاجة للنبي ﷺ فقتلوهم فدعا النبي ﷺ عليهم شهرا في صلاة الغداة وذلك بدء القنوت وما كنا نقنت. قال عبدالعزيز: وسأل رجل انسا عن القنوت: ابعد الركوع او عند فراغ من القراءة؟ قال: لا بل عند فراغ من القراءة (ص ۵۸۵ ج ۲ قدیمی)

اشرح ترجمة الباب واذكر هل رعل وذكوان يتعلقان بغزوة الرجيع؟ وكذلك عضل والقارة هل يتعلقان ببئر معونة؟ ترجم الحديث المبارك ثم اذكر قصة غزوة الرجيع بجمع واستقصاء۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) ترجمۃ الباب کی تشریح (۲) رعل وذکوان کے غزوۂ رجیع اور عضل وقارہ کے بئر معونہ کے متعلق ہونے کی وضاحت (۳) حدیث کا ترجمہ (۴) غزوۂ رجیع کا قصہ۔

**جواب** ...... ❶ ترجمۃ الباب کی تشریح:۔ غزوۂ رجیع کے بارے میں ابن اسحاق کی رائے یہ ہے کہ یہ غزوہ ۳ ہجری کے آخر میں واقع ہوا ہے جبکہ واقدی، ابن سعد اور ابن حبان کی رائے یہ ہے کہ یہ ۴ ہجری کا واقعہ ہے۔

غزوۂ بئر معونہ کے بارے میں تمام اہل سیر کا تقریباً اتفاق ہے کہ وہ ۴ ہجری کا واقعہ ہے۔

امام بخاری ؒ نے دونوں غزوات کو ایک ہی باب میں ذکر فرمایا اس میں شاید واقدی، ابن سعد اور ابن حبان کی رائے کی تائید مقصود ہے۔

ابن عبدالبر نے "الاستیعاب" میں کہیں تو اس کو ۳ ہجری کا واقعہ قرار دیا اور کہیں ۴ ہجری کی روایت نقل کردی ہے۔

بہر حال امام بخاری ؒ کا ان دونوں غزوات کو ایک باب میں جمع کرنا حکمت سے خالی نہیں ہے اور وہ بظاہر یہی ہے کہ یہ دونوں غزوات ۴ ہجری میں واقع ہوئے ہیں۔ (کشف الباری کتاب المغازی ص ۲۵۳)

❸ **رعل وذکوان کے غزوہ رجیع اور عضل وقارہ کے بئر معونہ کے متعلق ہونے کی وضاحت:۔** امام بخاری ؒ کے ترجمۃ الباب سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ رعل وذکوان کا تعلق غزوہ رجیع کے ساتھ ہے اور عضل وقارہ کا تعلق بئر معونہ کے ساتھ ہے جبکہ حقیقت اسکے برعکس ہے یعنی رعل وذکوان کا تعلق بئر معونہ کے ساتھ ہے اور عضل وقارہ کا تعلق غزوہ رجیع کے ساتھ ہے۔ (ایضاً ص ۲۵۲)

❹ **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر آدمی کسی کام کے لئے بھیجے جن کو "قراء" کہا جاتا تھا، بنو سلیم کے دو قبیلے رعل اور ذکوان انکے راستے میں ایک کنویں کے پاس جس کو "بئر معونہ" کہا جاتا ہے آڑے آئے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا تم ہمارا راستہ روکتے ہو خدا کی قسم! ہم تمہارے ارادے سے نہیں آئے ہیں، ہم تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک کام سے جا رہے ہیں، لیکن ان لوگوں نے صحابہ کو قتل کر دیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینے تک رعل اور ذکوان کے حق میں بددعا فرمائی اور یہیں سے قنوت نازلہ کا آغاز ہوا اس سے پہلے ہم قنوت نہیں پڑھا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عبدالعزیز بن صہیب کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ قنوت رکوع کے بعد ہے یا قرأت سے فارغ ہونے کے بعد رکوع سے پہلے ہے؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "قرأت سے فارغ ہونے کے بعد رکوع سے پہلے ہے"۔

❺ **غزوہ رجیع کا قصہ:۔** غزوہ رجیع: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دس آدمیوں پر مشتمل ایک سریہ جاسوسی کی غرض سے روانہ فرمایا اور حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کو ان پر امیر مقرر فرمایا۔ (بخاری)

ابن سعد کی روایت کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عضل اور قارہ کے لوگ آئے اور انہوں نے درخواست کی کہ ہماری قوم کو قرآن کی تعلیم دینے کیلئے چند صحابہ رضی اللہ عنہم روانہ فرمائیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دس آدمی روانہ فرما دیے۔

لیکن دونوں روایات میں تطبیق ہو سکتی ہے بایں طرح کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مشرکین مکہ کے حالات دریافت کرنے کیلئے ان حضرات کو بھیجنے کا پہلے سے ارادہ تھا اب جب عضل اور قارہ کی درخواست آئی تو آپ نے یہ کام بھی ان کے سپرد کر دیا کہ وہاں جا کر تم قرآن کی تعلیم بھی دو۔

اس جماعت کے امیر حضرت عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے علاوہ جو صحابہ اس میں شریک تھے ان میں حضرت خبیب بن عدی، حضرت عبداللہ بن طارق، حضرت زید بن دثنہ، حضرت مرثد بن ابی مرثد غنوی اور حضرت خالد بن ابی البکیر شامل تھے، جب یہ حضرات مکہ اور عسفان کے درمیان مقام "ہداۃ" تک پہنچے تو عضل اور قارہ کے لوگوں نے بدعہدی اور غداری کی اور قبیلہ ہذیل کی ایک شاخ بنو لحیان سے تذکرہ کیا کہ اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آئے ہیں چنانچہ اس قبیلے کے سو تیر اندازوں نے صحابہ کی اس جماعت کا تعاقب کیا اور نشانات قدم کا تتبع کرتے ہوئے چلے یہاں تک کہ ایک ایسی منزل تک آ گئے جہاں صحابہ کی اس جماعت نے پڑاؤ کیا تھا ان لوگوں نے اس مقام پر کھجور کی گٹھلیاں پائیں دیکھ کر کہنے لگے "یہ تو یثرب کی کھجور ہے" چنانچہ نشانات قدم کو تلاش کرتے ہوئے دوبارہ چل دیئے اور جا کر بالآخر مسلمانوں کی جماعت کو پا لیا۔ جب عاصم اور ان کے ساتھی چلتے سے رک گئے تو انہوں نے ایک اونچے ٹیلے کی پناہ لی۔ کافروں نے آ کر اس ٹیلے کے اردگرد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گھیر لیا اور کہا "تمہارے لئے عہد و پیمان ہے اگر تم لوگ اتر کر ہمارے پاس آ گئے تو ہم تم میں سے کسی کو قتل نہیں کریں گے۔" اس پر جماعت کے امیر حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے کہا "میں تو کافر کی پناہ میں نہیں اتروں گا" اور یہ دعا کی **اللھم اخبر عنا نبیک** اے اللہ! ہماری حالت سے اپنے نبی کو باخبر کیجئے۔ پھر کفار نے ان سے قتال کیا اور تیروں سے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کو اور ان کے چھ ساتھیوں کو انہوں نے شہید کیا۔ حضرت خبیب، حضرت زید اور حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہم باقی رہے، کافروں نے ان کو امان کا عہد و پیمان دیا ان کے عہد و پیمان پر تینوں صحابہ رضی اللہ عنہم ٹیلے سے اتر آئے پھر بعد میں کافروں نے کیے عہد و یکے بعد دیگرے ان تین صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی شہید کر دیا تھا۔ (ایضاً)

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۸ھ

قال: كنت مع النبي ﷺ فيما بين مكة والمدينة وهم محرمون وانا رجل حل على فرسي وكنت رقاء على الجبال، فبينا انا على ذلك اذ رأيت الناس متشوفين لشيئ فذهبت انظر فاذا هو حمار وحش فقلت لهم: ما هذا؟ قالوا: لاندري، قلت هو حمار وحش فقالوا: هو ما رأيت وكنت نسيت سوطي فقلت لهم: ناولوني سوطي فقالوا: لانعينك عليه، فنزلت فاخذته ثم ضربت في اثره فلم يكن الا ذلك حتى عقرته فاتيت لهم فقلت لهم: قوموا فاحتملوا، قالوا: لانمسه فحملته حتى جئتهم به فابى بعضهم واكل بعضهم فقلت: انا استوقف لكم النبي ﷺ فادركته فحدثته الحديث فقال لي: أبقي معكم منه شيئ؟ فقلت: نعم فقال: كلوا فهو طعم اطعمكموه الله".

- ترجم الحديث واذكر غرض الامام البخاري بالترجمة للباب. اذكر حكم أكل لحم الصيد للمحرم مدللاً ومفصلاً مع اختلاف الفقهاء. اشرح كلمة "مولى التوأمة" واذكر وجه تسميته بـ "التوأمة".

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) ترجمۃ الباب کی غرض (۳) محرم کے لیے شکار کا گوشت کھانے کا حکم مع اختلاف و دلائل (۴) مولی التوأمہ کی تشریح اور وجہ تسمیہ۔

**جواب** ...... (۱) حدیث کا ترجمہ:۔ پہاڑوں پر شکار کرنے کے بیان میں۔ ابوقتادہ کے مولی نافع اور توأمہ کے مولی ابوصالح نے حدیث بیان کی کہ انہوں نے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ میں مکہ اور مدینہ کے درمیان راستے میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا، دوسرے حضرات تو احرام باندھے ہوئے تھے لیکن میں نے احرام نہیں باندھا ہوا تھا اور ایک گھوڑے پر سوار تھا، میں پہاڑوں پر چڑھنے کا بڑا مشتاق تھا، پھر اچانک میں نے دیکھا کہ لوگ للچائی ہوئی نظروں سے کوئی چیز دیکھ رہے ہیں میں نے جو نظر ڈالی تو ایک گورخر تھا، میں نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا چیز ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ہمیں نہیں معلوم! میں نے کہا کہ یہ تو گورخر ہے۔ لوگوں نے کہا: جو تم نے دیکھا وہی ہے۔ میں اپنا کوڑا بھول گیا تھا، میں نے ان سے کہا کہ میرا کوڑا مجھے دے دیں، لیکن انہوں نے کہا کہ ہم اس معاملے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کریں گے (کیوں کہ وہ محرم تھے) میں نے اتر کر خود کوڑا اٹھایا اور اس کے پیچھے سے اسے مارا، وہ جہاں تھا وہیں رک گیا، پھر میں نے اسے ذبح کیا اور اپنے ساتھیوں کے پاس لے کر آیا۔ میں نے کہا کہ اب اٹھو اور اسے کھاؤ۔ انہوں نے کہا کہ ہم اسے چھوئیں گے بھی نہیں، چنانچہ میں ہی اسے اٹھا کر ان کے پاس لایا، بعض نے تو اس کا گوشت کھایا، لیکن بعض نے انکار کیا، پھر میں نے ان سے کہا کہ اچھا میں اب تمہارے لیے حضور اکرم ﷺ سے رکنے کی درخواست کروں گا (تاکہ مسئلہ معلوم ہو جائے) میں آپ ﷺ کے پاس گیا اور آپ سے واقعہ بیان کیا، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کیا تمہارے پاس اس میں سے کچھ باقی بھی بچا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں فرمایا کہ کھاؤ کیوں کہ یہ ایک کھانا ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مہیا کیا ہے۔

(۲) ترجمۃ الباب کی غرض:۔ اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض اس بات کو بیان کرنا ہے کہ شکار وغیرہ امر مباح کیلئے خود کو یا سواری کو تھوڑی بہت مشقت میں ڈالنا جائز ہے۔

(۳) محرم کے لیے شکار کا گوشت کھانے کا حکم، اختلاف و دلائل:۔ كما مر في الشق الثاني من السوال الثاني ١٤٢٧ھ (الورقة الثالثة)

(۴) مولی التوأمہ کی تشریح اور وجہ تسمیہ:۔ ابوصالح کا نام نبہان ہے، یہ توأمہ بنت امیہ بن خلف جمحی کے آزاد کردہ غلام تھے اسلئے انہیں مولی التوأمہ کہا جاتا ہے (توأمہ جڑواں بچی کو کہتے ہیں تو أمہ اپنی ایک بہن کے ساتھ جڑواں پیدا ہوئی تھی۔ کشف الباری)

﴿حسبنا الله و نعم الوكيل نعم المولى و نعم النصير﴾

الورقة الخامسة
ابوداؤد شریف
مَکتَبۃُ زَکَرِیَّا

## ﴿الورقة الخامسة: السنن للامام أبي داؤد﴾

### ﴿السوال الاول﴾ ۱۴۳۵ھ

**الشق الاول** ...... حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، ثَنَا أَبُوْ خَالِدٍ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِيْ صَلَاتِهِ فَلْيُلْقِ الشَّكَّ وَلْيَبْنِ عَلَى الْيَقِيْنِ، فَإِذَا اسْتَيْقَنَ التَّمَامَ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، فَإِنْ كَانَتْ صَلَاتُهُ تَامَّةً كَانَتِ الرَّكْعَةُ نَافِلَةً وَالسَّجْدَتَانِ، وَإِنْ كَانَتْ نَاقِصَةً كَانَتِ الرَّكْعَةُ تَمَامًا لِصَلَاتِهِ وَكَانَتِ السَّجْدَتَانِ مُرْغِمَتَيِ الشَّيْطَانِ. قال ابوداؤد رواه هشام بن سعد ومحمد بن مطرف عن زيد عن عطاء بن يسار عن ابي سعيد الخدري عن النبي ﷺ وحديث ابن خالد اشبع.

شكل الحديث وترجمه. اذكر صورة المسئلة ومذاهب العلماء في حكمها مع دلائلهم. ماذا اراد المؤلف بقوله "قال ابوداؤد رواه هشام ...... الخ". (ص۱۴۸، ج۱، رحمانیہ)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ پانچ امور ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) صورت مسئلہ اور اس کا حکم (۴) ائمہ کے دلائل (۵) امام ابوداؤد ﷫ کے قول کی مراد۔

**جواب** ...... ❶ حدیث پر اعراب:۔ كما مرّ في السوال آنفا۔

❷ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوسعید خدری ﷜ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی ایک کو اپنی نماز میں شک ہو جائے تو اس کو چاہیے کہ شک کو ختم کر دے اور یقین پر بنا کرے اور جب مکمل ہونے کا یقین ہو جائے تو دو سجدے کرے، پس اگر اس کی نماز مکمل ہو چکی تھی تو یہ رکعت اور دو سجدے نفل ہو جائیں گے اور اگر اس کی نماز ناقص تھی یہ رکعت اس کی نماز کو مکمل کرنے والی ہوگی اور دو سجدے شیطان کو رسوا کرنے والے ہوں گے۔

❸ و ❹ صورت مسئلہ اور اس کا حکم اور ائمہ کے دلائل:۔ اگر نماز میں شک واقع ہو تو ائمہ ثلاثہ ﷭ کے ہاں بنا علی الاقل کرے۔ امام احمد ﷫ کی اور روایات بھی ہیں۔ امام ابوحنیفہ ﷫ کے ہاں تفصیل ہے اگر شک کی عادت نہ ہو تو استیناف کرے۔ اگر عادت ہو تو تحری کرے اور غلبہ ظن پر عمل کرے اگر غلبہ ظن حاصل نہ ہو تو بنا علی الاقل کرے۔

ائمہ ثلاثہ ﷭ کی پہلی دلیل: حضرت عبدالرحمن بن عوف ﷜ کی مرفوع حدیث ہے **اذا سها احدكم في صلوته فلم يدر واحدة صلى او اثنتين فليبن على واحدة** ۔ دوسری دلیل: حضرت ابوسعید خدری ﷜ کی مرفوع حدیث ہے **اذا شك احدكم في صلوته فلم يدركم صلى فليبن على اليقين۔**

حنفیہ کی دلیل: احادیث تین قسم کی ہیں ① استیناف ② تحری ③ بنا علی الاقل۔

استیناف کی احادیث: ① **عن عبادة بن الصامت ان رسول الله ﷺ سئل عن رجل سها في صلوته فلم يدركم صلى فقال ليعد صلوته** ۔ مرسل جمہور کے ہاں حجت ہے ② **عن ميمونة بنت سعد انها قالت افتنا يارسول الله في رجل سها في صلوته فلا يدري كم صلى قال ينصرف ثم يقوم في صلوته وهو مؤيد بالآثار** ③ **عن ابن عمر قال في الذي لايدري كم صلى ثلاثا ام اربعا قال يعيد وفي رواية عنه انه قال اما انا اذا لم ادركم صليت فاني اعيد واخرج ابن ابي شيبة نحوه عن طاؤس و ابن جبير والشعبي وشريح واخرج مالك نحوه عن عطاء واخرج الامام محمد نحوه في كتاب الآثار عن ابراهيم النخعي۔**

تحری کی احادیث:۔ ① عن ابن مسعود مرفوعا اذا شک احدکم فی صلوته فلم یدر اثلاثا صلی ام اربعا فلیتحر الصواب وکذالک اخرج ابوداؤد و النسائی وابن ماجة و آخرون وقد بوب ابوداؤد علیه باب من قال یتم علی اکبر ظنه ۔ اس تبویب سے واضح ہوا کہ تحری سے مراد بنا علی اکبر الظن ہے۔ فریق ثانی اس کو بنا علی الیقین وبنا علی الاقل پر محمول کرتا ہے۔ علامہ انور شاہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں لغت دوسرے معنی کی مساعدت نہیں کرتی۔

② سئل ابن عمر وابوسعید الخدری عن رجل سها فلم یدرکم صلی قالا یتحری اصوب ذالک۔

③ عن ابن مسعود قال اذا شک احدکم فی صلوة فلا یدری ثلاثا صلی ام اربعا فلیتحر فلینظر افضل ظنه ۔

بنا علی الاقل کی احادیث گزر چکی ہیں جن سے فریق ثانی استدلال کرتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سب احادیث پر عمل کرتے ہیں۔ ضعیف حدیث کو بھی ترک نہیں کرتے ان مختلف احادیث کو مختلف احوال پر محمول کرتے ہیں۔ باقی ائمہ کرام نے اصح ما فی الباب کو لیا ہے۔ دیگر بعض احادیث کو ترک کیا اور بعض کی تاویل کی، ظاہر ہے اعمال اہمال سے راجح ہے۔

⑤ امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے قول کی مراد:۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ اس عبارت میں اس حدیث کی سند کے متعلق بحث فرما رہے ہیں۔ اس میں اختلاف ہے کہ یہ روایت مسند ہے یا مرسل۔ زید بن اسلم کے بہت سے تلامذہ موصولا ذکر کر رہے ہیں یعنی درمیان میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا واسطہ ذکر کر رہے ہیں جیسے ابن عجلان، ہشام بن سعد اور مطرف سب مسندا ذکر کر رہے ہیں اور امام مالک زید بن اسلم سے مرسلا روایت کر رہے ہیں اور امام مالک کے اکثر تلامذہ بھی مرسلا روایت کر رہے ہیں جیسے امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے فرمایا قال ابوداؤد رواه ابن وهب عن مالك وحفص بن ميسره عن مالك، وداؤد بن قيس عن مالك، یہ سارے مرسلا روایت کر رہے ہیں لیکن ہشام بن سعد امام مالک سے مسندا موصولا ذکر کر رہے ہیں۔

**فائدہ** ہشام بن سعد براہ راست زید بن اسلم سے بھی نقل کرتے ہیں اور بواسطہ امام مالک بھی زید بن اسلم سے نقل کرتے ہیں تو گویا ہشام، زید بن اسلم کے بھی تلمیذ ہیں اور امام مالک کے بھی تلمیذ ہیں۔

**الشق الثانی** ...... عن ثعلبة بن زهدم قال كنا مع سعيد بن العاص بطبرستان فقام فقال ايكم صلى مع رسول الله ﷺ صلوة الخوف؟ فقال حذيفة انا فصلى بهؤلاء ركعة وبهؤلاء ركعة ولم يقضوا..... قال ابو داؤد وكذا رواه عبيد الله بن عبد الله ومجاهد عن ابن عباس عن النبي ﷺ وعبد الله بن شقيق عن ابي هريرة عن النبي ﷺ ويزيد الفقير وابو موسى جميعا عن جابر عن النبي ﷺ فقد قال بعضهم في حديث يزيد الفقير انهم قضوا ركعة (ص ۲۰۸، ج ۱، رحمانیہ)

ما معنى قوله "ولم يقضوا" . اشرح قول ابي داؤد وبين مراده بايضاح. متى شرعت صلاة الخوف؟ و هل هي مشروعة بعد رسول الله ﷺ ام كانت خاصة به؟ كم مرة صلى رسول الله ﷺ صلاة الخوف. اذكر انواع صلاة الخوف التي اوردها ابوداؤد في سننه . ما هو اختلاف الائمة في طريق اداء صلاة الخوف؟ اذكر دلائلهم ببسط وتفصيل.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل چار امور ہیں (۱) ولم یقضوا کا معنی (۲) امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے قول کی تشریح و مراد (۳) صلوۃ الخوف کی مشروعیت اور آپ ﷺ کے صلوۃ الخوف پڑھنے کی تعداد (۴) صلوۃ الخوف کی کیفیت میں ائمہ کا اختلاف مع دلائل۔

**جواب** ...... ① ولم یقضوا کا معنی:۔ بعض روایات میں لم یقضوا کی جگہ لا یقضون کا لفظ ہے۔ مذکورہ جملہ

کا مطلب یہ ہے کہ امام طائفتین میں سے ہر طائفہ کو ایک ایک رکعت پڑھائے اور بس اسی پر اکتفاء کیا جائے وہ طائفہ از خود دوسری رکعت نہ پڑھے۔ ائمہ اربعہ و جمہور رحمہم اللہ میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے اس لئے جمہور اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ بعد میں یعنی خوف زائل ہونے کے بعد صلوۃ الخوف کی قضاء نہیں ہے ایک مرتبہ جو نماز پڑھ لی وہ ٹھیک ہے اس کی قضاء نہیں ہے۔

نیز دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ جملہ راوی کا اپنا فہم ہے کہ وہ اپنے علم کی بناء پر نفی کر رہے ہیں۔ (الدر المنضود ج ۲ ص ۵۰۷)

❷ **امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے قول کی تشریح و مراد:۔** اس قول کی تشریح یہ ہے کہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ صورۃ مذکورہ جو کہ حدیث سعید بن العاص رضی اللہ عنہ میں مذکور ہے اس کو ترجیح دے کر اس کی تائید میں تعلیقات بیان کرنا چاہتے ہیں چنانچہ کل سات کے قریب تعلیقات ذکر کی ہیں جن سے صورۃ مذکورہ کی تقویت ثابت ہوتی ہے۔ نیز یہ بھی بتلانا ہے کہ یزید بن فقیر کے بعض طرق میں یہ بھی مذکور ہے کہ انہوں نے ایک رکعت کی قضاء کی تھی۔

❸ **صلوۃ الخوف کی مشروعیت اور آپ ﷺ کے صلوۃ الخوف پڑھنے کی تعداد:۔** صلوۃ الخوف کی مشروعیت کس موقع پر اور کس سنہ میں ہوئی اس میں شدید اختلاف ہے، ابوداؤد میں اس سلسلہ کی ایک روایت ہے جس کی طرف حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا بھی میلان ہے اور زاد المعاد میں ابن القیم رحمہ اللہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ ابو عیاش الزرقی کی روایت میں تصریح ہے کہ آپ ﷺ نے صلوۃ الخوف سب سے پہلے مقام عسفان میں پڑھی اور غزوہ عسفان بالاتفاق ۶ھ میں ہے اور عمدۃ القاری میں واقدی سے نقل کیا ہے کہ مقام عسفان میں آپ کی یہ نماز عمرہ حدیبیہ کے موقع پر تھی۔ عمرہ حدیبیہ بھی بہر حال ۶ھ ہی میں ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس نماز کی مشروعیت ۶ھ میں ہوئی۔

یہ نماز آپ ﷺ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہمیشہ کیلئے مشروع ہے، چنانچہ آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بھی متعدد مواقع پر یہ نماز پڑھی گئی۔ امام ابو یوسف کی ایک روایت، ابن علیہ اور مزنی کے نزدیک یہ نماز آپ ﷺ کے ساتھ خاص تھی۔

آپ ﷺ نے یہ نماز کتنی مرتبہ پڑھی ہے؟ اس میں بھی اختلاف ہے، بذل والمجہود میں ۲۴ مرتبہ پڑھنا منقول ہے۔ حافظ ابن قیم، ابن القصار، مالکی اور علامہ بیہقی فرماتے ہیں کہ دس مرتبہ پڑھی ہے۔ اصحاب سیر و تاریخ کا جس قول پر استقرار ہوا ہے وہ یہ ہے کہ یہ نماز آپ ﷺ نے زندگی میں چار مرتبہ (ذات الرقاع، بطن نخل، عسفان، ذی قرد) پڑھی ہے۔ (الدر المنضود ج ۲ ص ۴۹۹)

❹ **صلوۃ الخوف کی کیفیت میں ائمہ کا اختلاف:۔** صلوۃ الخوف کی کیفیت کیا ہے، صحاح ستہ میں سب سے زیادہ تفصیل امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے بیان کی ہے۔ تقریباً بارہ کے قریب صورتیں بیان کی ہیں اور یہ سب صورتیں جائز ہیں صرف اولویت میں اختلاف ہے، البتہ ساتویں و آٹھویں باب میں مذکور صورتیں جمہور کے مسلک کے خلاف ہیں۔ بیان کا طریقہ یہ ہے کہ ہر صورت کو اجمالی طور پر ترجمۃ الباب میں بیان فرمائیں گے پھر اس کا اثبات حدیث سے کریں گے۔

① امام دو فریق بنائے (دو صفوں کی شکل میں) اور دونوں امام کے پیچھے ایک ہی وقت میں اقتداء کریں تکبیر تحریمہ کے ساتھ، تکبیر کے بعد رکوع میں جانے تک دونوں فریق امام کے ساتھ شریک رہیں اور رکوع میں بھی دونوں شریک رہیں، رکوع سے سر اٹھانے کے بعد امام اور اگلی صف والے سجدہ میں چلے جائیں اور پچھلی صف والے قومہ کی حالت میں رہیں، امام اور اگلی صف والے جب دوسرے سجدہ سے اٹھ جائیں تو اب پچھلی صف والے سجدہ میں چلے جائیں، جب یہ سجدہ سے سر اٹھائیں تو پھر پچھلی صف والے اگلی صف کی جگہ میں اور اگلی صف والے پچھلی صف کی جگہ میں آ جائیں پھر امام دوسری رکعت پڑھائے اور دوسری رکعت میں دونوں امام کے ساتھ رکوع کریں، رکوع کے بعد امام اور وہ صف جو اب امام کے ساتھ متصل ہے جو پہلی رکعت میں پیچھے تھی وہ سجدہ میں چلے جائیں اور سجدہ سے فارغ ہونے کے بعد یہ بیٹھ جائیں اور پچھلی صف والے جو پہلی رکعت میں [illegible] تھی وہ [illegible] سجدہ میں

جائیں، پھر سجدہ سے اٹھ کر یہ بھی قعدہ میں بیٹھ جائیں پھر امام دونوں کے ساتھ اکٹھے سلام پھیر لے اسکے قائل سفیان ثوری رحمۃ اللہ ہیں۔

② امام دو فریق بنائے ایک فریق دشمن کے مقابلے میں اور ایک فریق امام کے پیچھے ہے ایک فریق کو امام ایک رکعت پڑھائے ایک رکعت پڑھانے کے بعد امام قیام کی حالت میں کھڑا رہے اور یہ فریق اپنی دوسری رکعت کو پڑھ لے دوسری رکعت کے بعد بغیر سلام پھیرے دشمن کے مقابلے میں چلا جائے اور جو فریق دشمن کے مقابلے میں ہے وہ آ کر امام کی اقتداء کرے اور امام دوسری رکعت دوسرے فریق کو پڑھائے دوسری رکعت پڑھنے کے بعد امام کے ساتھ قعدہ میں شریک ہو اسکے بعد امام بھی سلام پھیرے اور دونوں فریق بھی سلام پھیر دیں۔

③ امام دو فریق بنائے، ایک دشمن کے مقابلے میں ایک امام کے پیچھے نماز پڑھے۔ اس کو امام ایک رکعت پڑھائے اس کے بعد امام قیام کی حالت میں رہے اور فریق اول اپنی دوسری رکعت پڑھ لے دوسری رکعت کے بعد سلام پھیر لے نماز مکمل کر کے دشمن کے مقابلے میں چلا جائے اور جو فریق دشمن کے مقابلے میں ہے وہ خلف الامام آ جائے امام دوسری رکعت ان کو پڑھائے اسکے بعد امام جلسہ کی حالت میں رہے اور فریق ثانی اپنی رہی ہوئی رکعت پڑھ لے اور قعدہ میں بیٹھ کر امام کے ساتھ سلام پھیر لے۔

④ صورت رابعہ بعینہ یہی صورت ثالثہ ہے فرق اتنا ہے کہ امام دوسرے فریق کو دوسری رکعت پڑھا کر قعدہ کر کے سلام پھیر لے فریق ثانی کی فراغت کا انتظار نہ کرے بلکہ فریق ثانی خود اپنی رہی ہوئی نماز پڑھ کر سلام پھیر لے۔

⑤ امام دو فریق بنائے۔ ایک فریق اپنے پیچھے اور ایک دشمن کے مقابلے میں ہو اور ہر دونوں فریق تکبیر تحریمہ کے اندر امام کیساتھ شریک ہوں وہ فریق جو دشمن کے مقابلے میں ہے وہ بھی تکبیر تحریمہ میں امام کیساتھ شریک ہو اس کے بعد امام فریق خلف کو ایک رکعت پڑھائے ایک رکعت کے بعد یہ فریق اول اس فریق کی جگہ چلا جائے جو دشمن کے مقابلے میں ہے پھر وہ فریق جو دشمن کے مقابلے میں ہے وہ فریق آ جائے اور اپنی رہی ہوئی پہلی رکعت تنہا پڑھے پھر امام دوسری رکعت پڑھائے پھر یہ قعدہ میں بیٹھ جائیں اب اسی حالت میں فریق اول جو دشمن کے مقابلے میں ہے وہ آ جائے اور اپنی باقی رکعت کو پڑھ لے پھر قعدہ میں بیٹھ جائے اور پھر امام دونوں کے ساتھ اکٹھے سلام پھیر لے۔

⑥ صورت سادسہ بعینہ صورت خامسہ ہے صرف فرق یہ ہے کہ پہلا فریق ایک رکعت پڑھنے کے بعد دشمن کے مقابلے میں جائے تو الٹے پاؤں جائے تاکہ قبلہ سے انحراف نہ ہو اور پانچویں صورت میں کوئی قید نہیں کہ انحراف عن القبلہ ہو یا نہ ہو۔

⑦ کہ امام دو فریق بنائے ایک دشمن کے مقابلے میں اور ایک امام کے پیچھے۔ جو فریق خلف الامام ہے وہ تکبیر تحریمہ کے ساتھ امام کے ساتھ شامل ہو جائے جب امام پہلی رکعت کا پہلا سجدہ کر لے تو امام جلسہ کی حالت میں رہے اسکے بعد فریق اول دوسرا سجدہ خود کر کے دشمن کے مقابلے میں جائے اور دشمن کے مقابلے میں الٹے پاؤں جائے پھر دوسرا فریق آ جائے وہ پہلے اپنی رہی ہوئی رکعت پڑھے اور پہلی رکعت کے پہلے سجدہ میں امام کے ساتھ شریک ہو جائے پھر امام کھڑا ہو جائے اور یہ فریق دوسرا سجدہ خود کرے پھر یہ دوسرے سجدے سے فارغ ہو کر دوسری رکعت کیلئے کھڑے ہوں اور دوسری رکعت میں پہلا فریق بھی آ جائے اور رکعت ثانیہ میں شریک ہو جائے اور یہ دوسری رکعت سب کے سب آ ناً فاناً اجمالی مختصر پڑھیں (کیونکہ سارے امام کے ساتھ مشغول ہیں) پھر امام دونوں کے ساتھ سلام پھیر لے۔

⑧ کہ امام دو فریق بنائے ایک دشمن کے مقابلے میں اور ایک خلف الامام۔ جو خلف الامام ہے اس کو امام پہلی رکعت پڑھائے پھر فریق اول دوسری رکعت پڑھے بغیر دشمن کے مقابلے میں چلا جائے اور جو فریق دشمن کے مقابلے میں ہے وہ آ جائے اور امام اس کو دوسری رکعت پڑھائے۔ اسکے بعد امام قعدہ کر کے سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہو جائے پھر فریق اول واپس اپنے مقام میں اپنی رہی ہوئی نماز پڑھ لیں۔ فریق ثانی اس جگہ پڑھ لے جہاں جماعت ہوئی ہے اور فریق اول وہاں پر پڑھے جہاں وہ موجود ہے اس

صورت ثامنہ میں دونوں فریقوں کی نماز میں فرق یہ ہے کہ دوسرے فریق کی نماز متواصلاً ہے اور پہلے فریق کی نماز وقفہ وقفہ سے ہے۔

⑨ امام دو فریق بنائے ایک دشمن کے مقابلے میں اور ایک خلف الامام۔ جو خلف الامام ہے امام اس کو ایک رکعت پڑھائے پھر یہ فریق دشمن کے مقابلے میں چلا جائے اور دوسرا فریق خلف الامام آجائے۔ امام اس کو دوسری رکعت پڑھائے پھر قعدہ میں بیٹھ کر امام تو سلام پھیر کر فارغ ہو جائے اور فریق ثانی اپنی رہی ہوئی رکعت کو یہیں پورا کرے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد دشمن کے مقابلے میں چلا جائے اور پھر فریق اول جہاں جماعت ہوئی ہے وہاں واپس آکر اپنی باقی نماز پڑھے۔

⑩ امام دو فریق بنائے ایک دشمن کے مقابلے میں ایک خلف الامام جو خلف الامام ہو۔ امام اس کو ایک رکعت پڑھائے ایک رکعت کے بعد یہ دشمن کے مقابلے میں چلا جائے اور جو فریق دشمن کے مقابلے میں ہے وہ آجائے اس کو امام دوسری رکعت پڑھائے اس کے بعد امام سلام پھیر کر فارغ ہو جائے اور یہ فریق دشمن کے مقابلے میں چلا جائے اور پہلا فریق اس جگہ پر آکر اپنی رہی ہوئی نماز پڑھ لے لاحق ہونے کی حیثیت سے اس کے بعد یہ دشمن کے مقابلے میں چلا جائے اور دوسرا فریق اس جگہ پر آکر اپنی رہی ہوئی نماز پڑھ لے مسبوق ہونے کی حیثیت سے۔ یہ صورت عاشرہ حدیث عبدالرحمن بن سمرۃ میں بعض اجزا انضماماً کور ہے اور احناف کے ہاں راجح ہے۔

حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حدیث عبدالرحمان بن سمرہ رضی اللہ عنہ میں فرق یہ ہے کہ حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ میں فریق ثانی کا اتمام مقدم ہے اور فریق اول کا اتمام موخر ہے اور حدیث عبدالرحمان بن سمرہ رضی اللہ عنہ میں فریق اول کا اتمام مقدم ہے اور فریق ثانی کا اتمام موخر ہے۔

⑪ امام دو فریق بنائے۔ ہر ایک کو ایک ایک رکعت پڑھائے تو امام کی دو ہو جائیں گی اور ہر فریق کی ایک رکعت ہوگی اور ہر فریق اسی رکعت پر اکتفاء کرے دوسری رکعت ملانے کی ضرورت نہیں۔ احناف کے ہاں یہ صورت جائز نہیں ہے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہر فریق کی ایک رکعت ہوئی ہے امام کے ساتھ باقی لم یقضوا یہ راوی کا اپنا فہم ہے اپنے علم کی بناء پر نفی کر رہے ہیں۔

⑫ امام ہر فریق کو دو دو رکعتیں پڑھائے تو امام کی چار ہو جائیں گی اور ہر فریق کی دو دو رکعتیں چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ظہر کی نماز خوف پڑھائی تو ایک فریق کو دو رکعتیں ہوئیں پھر سلام پھیر دیا پھر دوسرا گروہ آیا اس کو دو رکعتیں پڑھائیں پھر سلام پھیر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار رکعتیں اور فریقین کی دو دو رکعتیں اور حسن بصری رحمہ اللہ کا قول بھی یہی ہے۔

احناف کے ہاں مختار دسویں صورت ہے اور شوافع کے ہاں تفصیل ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ دشمن دو حال سے خالی نہیں، دشمن قبلے کی جانب ہوگا یا قبلے کی جانب نہیں ہوگا۔ اگر قبلے کی جانب ہو تو پھر پہلی صورت ہے امام ابوداؤد رحمہ اللہ کی ترتیب کے مطابق اور اگر دشمن غیر قبلہ میں ہو تو مختار صورت ثالثہ ہے۔ حنابلہ و مالکیہ کے ہاں مطلقاً تیسری صورت مختار ہے خواہ دشمن قبلے کی جانب ہو یا غیر قبلہ کی جانب ہو۔ (الدر المنضود ج ۲ ص ۴۹۶، ج ۲ ص ۵۰۸)

سوال: امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے تو کہا قال مالك وحديث يزيد بن رومان احبّ ماسمعت الى اس میں تو صورت ثالثہ ذکر ہے نہ کہ صورت رابعہ کا۔ جواب: امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے مالکیہ کی طرف جو قول منسوب کیا ہے مرجوع عنہ ہے امام مالک رحمہ اللہ نے اس سے رجوع کر لیا اور مشہور قول جو ہے وہ صورت رابعہ ہے جسکی موطا امام مالک رحمہ اللہ میں تصریح ہے (ایضاً ج ۲ ص ۵۰۲)

⑤ <u>ائمہ کے دلائل</u>:۔ احناف کی اول: ① حدیث عبدالرحمان بن سمرہ رضی اللہ عنہ بجمیع اجزائہ مستدل ہے۔

① و ② حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کو احناف کے مستدلات میں ذکر کیا گیا ہے لیکن جمیع مدعٰی کے اعتبار سے نہیں بلکہ بعض اجزاء کے لحاظ سے کہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ میں فریق اول کی رکعتین میں موالات نہیں ہے اس لحاظ سے موافق احناف ہے۔ اسی طرح احناف کی دلیل اثر ابن عباس رضی اللہ عنہ، فتویٰ ابن عباس رضی اللہ عنہ ہے جو کتاب الآثار للامام

محمد رحمۃ اللہ علیہ میں مذکور ہے۔ یہ اثر ابن عباس رضی اللہ عنہ غیر مدرک بالقیاس ہونے کی وجہ سے حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔

شوافع کی دلیل: صورت اولیٰ میں کہ جب دشمن قبلے کی جانب ہو حدیث ابی عیاش رضی اللہ عنہ الزرقی ہے جو پہلے باب میں ہے اور شوافع کی دلیل جب دشمن غیر قبلہ کی جانب ہو حدیث یزید بن رومان ہے۔

مالکیہ وحنابلہ رحمہم اللہ کی دلیل: حدیث یزید بن رومان ہے مطلقاً، عام ازیں دشمن قبلے کی جانب ہو یا نہ ہو۔

احناف کی اختیار کردہ صورت متعلقہ قواعد بالصلوٰۃ کے موافق ہے۔ قواعد صلوٰۃ میں سے ہے کہ کوئی مقتدی امام سے پہلے فارغ نہ ہو اور احناف کی مختار صورت میں کوئی فریق امام سے پہلے فارغ نہیں ہوتا۔ بخلاف باقی ائمہ رحمہم اللہ کی جو مختار صورتیں ہیں ان میں سے بعض میں امام سے پہلے فارغ ہونا لازم آتا ہے اور بعض میں تو امام کو انتظار کرنا پڑتا ہے جو قواعد متعلقہ بالصلوٰۃ کے خلاف ہے اگرچہ احناف کی مختار صورت میں مشی زیادہ ہے لیکن قواعد صلوٰۃ کی خلاف ورزی نہیں بخلاف دیگر ائمہ کی مختارات میں کہ ان میں اگرچہ مشی کم ہے لیکن قواعد صلوٰۃ کی خلاف ورزی ہے۔

## السوال الثانی ١٤٢٥ھ

**الشق الاول** ...... عن ابن عباس قال: اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم برجل وقصته راحلته فمات وهو محرم، فقال کفنوه فی ثوبيه واغسلوه بماء وسدر ولاتخمروا راسه فان الله يبعثه يوم القيامة يلبی قال ابوداؤد سمعت احمد بن حنبل يقول فی هذا الحديث خمس سنن. (ص ١٠٧، ج ٢ - رحمانیہ)

ترجم الحديث الشريف . انكر السنن الخمس التی استنبطها احمد من هذا الحديث .

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل دو امور ہیں (١) حدیث کا ترجمہ (٢) حدیث سے مستنبط سنن خمس۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کا ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ایسے آدمی کو لایا گیا جس کو اس کی سواری نے گردن توڑ کر مار ڈالا تھا اور وہ محرم تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کو اس کے کپڑوں میں ہی کفن دو اور اس کو پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دو اور اس کا سر نہ ڈھانپو، پس بیشک اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن تلبیہ کہنے کی حالت میں ہی اٹھائیں گے۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اس حدیث میں پانچ سنتوں کا ذکر ہے۔

❷ حدیث سے مستنبط سنن خمسہ: ① دو کپڑوں میں کفن دو ② بیری کے پتے پانی میں ڈال کر غسل دو ③ خوشبو نہ لگاؤ ④ سر نہ ڈھانپو ⑤ پورے مال سے کفن دو۔

**الشق الثانی** ...... بَابُ مَا يُنْهٰی عَنْهُ اَنْ يُسْتَنْجٰی بِهٖ: حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ خَالِدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الْهَمْدَانِیُّ حَدَّثَنَا الْمُفَضَّلُ يَعْنِیْ اِبْنَ فَضَالَةَ الْمِصْرِیَّ عَنْ عَيَّاشِ بْنِ عَبَّاسٍ الْقِتْبَانِیِّ اَنَّ شِيَيْمَ بْنَ بَيْتَانَ اَخْبَرَهٗ عَنْ شَيْبَانَ الْقِتْبَانِیِّ قَالَ اِنَّ مَسْلَمَةَ بْنَ مُخَلَّدٍ اِسْتَعْمَلَ رُوَيْفِعَ بْنَ ثَابِتٍ عَلٰی اَسْفَلِ الْاَرْضِ قَالَ شَيْبَانُ فَسِرْنَا مَعَهٗ مِنْ كُوْمِ شَرِيْكٍ اِلٰی عَلْقَمَاءَ اَوْ مِنْ عَلْقَمَاءَ اِلٰی كُوْمِ شَرِيْكٍ يُرِيْدُ عَلْقَمَاءَ فَقَالَ رُوَيْفِعٌ اِنْ كَانَ اَحَدُنَا فِیْ زَمَنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَيَاْخُذُ نِضْوَ اَخِيْهِ عَلٰی اَنَّ لَهُ النِّصْفَ مِمَّا يَغْنَمُ وَلَنَا النِّصْفُ وَاِنْ كَانَ اَحَدُنَا لَيَطِيْرُ لَهُ النَّصْلُ وَالرِّيْشُ وَلِلْآخَرِ الْقِدْحُ ثُمَّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَا رُوَيْفِعُ لَعَلَّ الْحَيَاةَ سَتَطُوْلُ بِكَ بَعْدِیْ فَاَخْبِرِ النَّاسَ اَنَّهٗ مَنْ عَقَدَ لِحْيَتَهٗ اَوْ تَقَلَّدَ وَتَرًا اَوِ اسْتَنْجٰی بِرَجِيْعِ دَابَّةٍ اَوْ عَظْمٍ فَاِنَّ مُحَمَّدًا مِنْهُ بَرِیْءٌ۔

شكل الحديث المبارك ثم ترجمه ، انكر واقعة استعمال مسلمة بن مخلد رويفعا و اوضح قوله صلی اللہ علیہ وسلم

من عقد لحیته ...... الی آخرہ بوضوح تام، اشرح ما قاله ابو داؤد. (ص ۷، ۲، ج ۱ رحمانیہ)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ پانچ امور ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) حضرت مسلمہ بن مخلد کے رویفع کو عامل مقرر کرنے کی وضاحت (۴) من عقد لحیته الخ کی وضاحت (۵) قال ابو داؤد کی تشریح۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث پر اعراب:۔** کما مرّ فی السؤال آنفا۔

❷ **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت شییم بن بیتان رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ نے حضرت رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ کو نچلی زمین کا عامل مقرر کیا۔ شیبان کہتے ہیں کہ ہم کوم شریک سے مقام علقما تک یا مقام علقما سے کوم شریک تک اُن کے ساتھ چلے، مقام کا ارادہ کرتے ہوئے تو حضرت رویفع رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم میں سے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دوسرے شخص کا اونٹ اس شرط پر لیتا کہ غنیمت میں سے نصف حصہ اس کا ہوگا اور نصف میرا اور پھر بسا اوقات ایک کے حصہ میں تیر کے پیکان آتے اور دوسرے کے حصے میں تیر کی لکڑی آتی، پھر فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے رویفع! شاید تم میرے بعد زیادہ عمر پاؤ، پس لوگوں کو خبر دے دینا کہ جو شخص اپنی داڑھی کو گرہ لگائے یا جانوروں کے گلے میں تانت باندھے یا جانور کے لید گوبر سے استنجاء کرے یا کسی ہڈی سے استنجاء کرے تو (میں) محمد اس سے بری ہوں۔

❸ **حضرت مسلمہ بن مخلد کے رویفع کو عامل مقرر کرنے کی وضاحت:۔** حضرت رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ کو والیٔ مصر حضرت مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ نے اسفل ارض مصر کا عامل مقرر کیا تھا۔ (انوار محمود)

❹ **من عقد لحیته الخ کی وضاحت:۔** من عقد لحیته "عقد کا معنی گرہ لگانا ہے اس کے متعدد مطلب ہیں۔ ① داڑھی کو چڑھانا اور گھنگریالے بنانا: یہ خلاف سنت ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے اس لئے کہ مسنون طریقہ داڑھی کے بالوں کو سیدھا رکھنا ہے۔

② گرہ لگانا: یہ زمانہ جاہلیت میں متکبرین کفار کی عادت تھی کہ وہ بوقت جنگ داڑھی میں گرہ لگاتے تھے یہ عورتوں کی مشابہت کی وجہ سے ممنوع ہے۔ بعضوں نے کہا کہ یہ عجمیوں کی عادت تھی جو کہ تغییر خلقت کی وجہ سے ممنوع ہے۔ بعضوں نے کہا کہ کفار عرب کی عادت تھی کہ جس کی ایک بیوی ہوتی وہ ایک گرہ لگاتا اور جس کی دو بیویاں ہوتیں وہ دو گرہ لگاتا تو یہ تشبہ بالکفار کی وجہ سے ممنوع ہے۔

"او تقلد وترًا" وتر بمعنی وہ تانت جس کو تیر کمان میں باندھتے ہیں اہل جاہلیت اپنے بچوں اور جانوروں کے گلوں میں نظر بد سے بچنے اور دفع آفات کے لئے تانت میں تعویذ گنڈے اور منکے وغیرہ باندھتے تھے کہ اگر یہ عمل نہ کیا تو وہ محفوظ نہیں رہیں گے گویا وہ انہیں مؤثر بالذات سمجھتے تھے تو یہ شرک ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے تانت وغیرہ میں گھنگرو و گھنٹی وغیرہ باندھ کر جانوروں کے گلے میں ڈالنا مراد ہے کہ یہ مزمار الشیطان ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے۔

"او استنجی برجیع دابة" اس سے گوبر لید وغیرہ سے استنجاء کرنا مراد ہے کہ ان کے نجس ہونے کی وجہ سے استنجاء ممنوع ہے۔ (انوار محمود ج ۱ ص ۳۹)

❺ **قال ابو داؤد کی تشریح:۔** سوال میں موجود حدیث و عبارت میں قال ابو داؤد کا لفظ موجود نہیں ہے البتہ ما بعد والی حدیث جو کہ اسی حدیث کے مضمون پر مشتمل ہے اس کے بعد دو مرتبہ قال ابو داؤد کا لفظ موجود ہے۔ پہلے قال ابو داؤد میں امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت میں موجود حصن الیون کی وضاحت کی ہے کہ یہ فسطاط (مصر) شہر کے پہاڑ پر واقع ایک قلعہ ہے، دوسرے قال ابو داؤد میں امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے راوی حدیث شیبان کا تعارف کروایا ہے کہ ان کے والد کا نام امیہ اور ان کی کنیت ابو حذیفہ ہے۔

## ﴿السؤال الثالث﴾ ۱۴۲۵ھ

**الشق الاول** ...... عن علیؓ قال: أمرنا أن نستشرف العين والأذنين ولانضحي بعوراء، ولامقابلة

وَلَامُدَابَرَةٍ وَلَا خَرْقَاءَ وَلَاشَرْقَاءَ. (ص۳۹۔ج۲۔رحمانیہ) ماھی العیوب التی تمنع الاجزاء فی الاضاحی. اشرح الکلمات المخطوطة، وشکل الحدیث المذکور ثم ترجمه الی الاردیة.

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (۱) وہ عیوب جن کی قربانی میں ممانعت ہے (۲) کلمات مخطوطہ کی تشریح (۳) حدیث پر اعراب (۴) حدیث کا ترجمہ۔

**جواب**...... ❶ **وہ عیوب جن کی قربانی میں ممانعت ہے:۔** قربانی کے جانور میں جس عیب کی وجہ سے متعلقہ عضو کی افادیت (منفعت میں ایک ثلث (تہائی) کی کمی واقع ہو جائے تو ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔ (تقریر ترمذی ج۲ ص۱۵۳)

مثلاً چوٹ سے آنکھ کی ایک ثلث بینائی چلی گئی کہ پہلے وہ جانور تیس فٹ کے فاصلے سے چارہ وغیرہ کی پہچان کر لیتا تھا اور اب چوٹ کے بعد بیس فٹ کے فاصلے سے چارہ کی پہچان نہیں کرتا تو ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔

❷ **کلمات مخطوطہ کی تشریح:۔** "مقابلہ" وہ جانور جس کا کان آگے کی جانب سے کٹا ہوا ہو۔

"مدابرہ" وہ جانور جسکا کان پیچھے کی جانب سے کٹا ہوا ہو۔ "شرقاء" وہ جانور جسکا کان کسی جانب سے لمبائی میں کٹا ہوا ہو۔

"خرقاء" وہ جانور جس کا کان کسی جانب سے گولائی میں پھٹا یا کٹا ہوا ہو۔

❸ **حدیث پر اعراب:۔** کما مرّ فی السوال آنفا۔

❹ **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم قربانی کے جانور کی آنکھ اور کان کی اچھی طرح دیکھ بھال کریں اور ہم ایک آنکھ والے جانور کی قربانی نہ کریں، اسی طرح ہم مقابلہ، مدابرہ، خرقاء اور شرقاء کی بھی قربانی نہ کریں۔

**الشق الثانی**......عن ام قیس بنت محصن قالت، دخلت علی رسول اللہ ﷺ بابن لی، قد اعلقت علیه من العذرة، فقال: علام تدغرن اولادکن بهذا العلاق، علیکن بهذا العود الهندی، فان فیه سبعة اشفیة، منها ذات الجنب یسعط من العذرة ویلد من ذات الجنب. (ص۱۸۵۔ج۲۔رحمانیہ)

اشرح الکلمات المخطوطة . ترجم الحدیث الشریف ترجمة واضحة.

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں دو امر مطلوب ہیں (۱) کلمات مخطوطہ کی تشریح (۲) حدیث کا ترجمہ۔

**جواب**...... ❶ **کلمات مخطوطہ کی تشریح:۔** "اعلقت" صیغہ واحد متکلم ماضی معروف از مصدر "اعلاق" (افعال) بمعنی تالو دبا کر علاج کرنا۔ "تدغرن" صیغہ جمع مؤنث حاضر بحث مضارع معروف از مصدر "دَغْرًا" (فتح) بمعنی انگلی سے دبانا۔

"العود الهندی" یہ ایک جڑی بوٹی کا نام ہے جسے اردو میں کوٹ کہتے ہیں۔

"ذات الجنب" یہ بیماری کا نام ہے بمعنی پہلو کی تکلیف۔ "العذرة والعلاق" یہ نام ہیں بمعنی بچے کے حلق کا ورم اور سوجن۔

"یسعط" صیغہ واحد مذکر مضارع مجہول از مصدر سعوطا (نصر و فتح) بمعنی ناک میں دوائی ڈالنا۔

"یلدّ" صیغہ واحد مذکر مضارع مجہول از مصدر لَدًّا وَلُدُوْدًا (نصر) بمعنی منہ میں دوائی ٹپکانا۔ (کشف الباری ملخص)

❷ **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں اپنے بچے کو لیکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی جس کا میں نے عذرہ بیماری کی وجہ سے گلا (حلق) دبا رکھا تھا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم کس وجہ سے اس بیماری میں بچوں کا حلق دباتی ہو؟ تم عود ہندی لے لیا کرو کیونکہ اس میں سات بیماریوں سے شفاء ہے۔ ان میں سے ایک پہلو کی تکلیف بھی ہے عذرہ بیماری کی وجہ سے ناک میں دوائی ڈالی جائے اور پہلو کی تکلیف کی وجہ سے منہ میں دوائی ٹپکائی جائے۔

## ﴿الورقة الخامسة: السنن للامام أبي داؤد﴾

### ﴿السوال الاول﴾ ١٤٢٦ھ

**الشق الاول** ......عن نافع بن جبير عن سهل بن ابي حثمة يبلغ به النبي ﷺ قال: اذا صلى احدكم الى سترة فليدن منها لايقطع الشيطان عليه صلاته،قال ابو داؤد: ورواه واقد بن محمد عن صفوان عن محمد بن سهل عن ابيه ،اوعن محمد بن سهل عن النبي ﷺ، وقال بعضهم عن نافع بن جبير عن سهل بن سعد واختلف في اسناده.(ص٠١٠،ج١،رحمانیہ) ماهوحكم السترة فى الصلاة عند الائمة ـ مقدارها وماقائدتها ـ ماحكم فى جعل الدابة سترة فى الصلاة؟ اشرح ماقاله ابو داؤد شرحا واضحًا.

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں (۱)سُترہ فی الصلوٰۃ کا حکم (۲)سترہ کی مقدار اور فائدہ (۳) جانور کوسترہ بنانے کا حکم (۴) امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے قول کی تشریح۔

**جواب** ......❶ **سُترہ فی الصلوٰۃ کا حکم:**۔ائمہ اربعہ اور جمہور رحمہم اللہ کے نزدیک نمازی کے آگے سترہ قائم کرنا سنت ہے،ابن العربی نے امام احمد رحمہ اللہ کا مسلک وجوبِ سترہ کا نقل کیا ہے مگر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ قول درست نہیں ہے بلکہ امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب جمہور والا ہی ہے۔(الدرالمنضود ج۲ص۱۹۲)

❷ **سترہ کی مقدار اور فائدہ:**۔طولاً (لمبائی میں) سترہ کی مقدار ایک ذراع ہے اور عرضاً (موٹائی وچوڑائی میں) ایک انگلی کی مقدار ہے۔

سترہ کا فائدہ نمازی اور آگے سے گزرنے والے دونوں حضرات کے لئے ہے،نمازی کے لئے اس کا فائدہ یہ ہے کہ کسی کے گزرنے سے خشوع وخضوع زائل نہ ہوگا اور اسی طرح گزرنے والے کو ہٹانے کی حاجت بھی پیش نہ آئے گی۔

آگے سے گزرنے والے کیلئے سترہ کا فائدہ یہ ہے کہ اس کے گزرنے سے وہ گنہگار نہ ہوگا۔(ایضاً)

❸ **جانور کوسترہ بنانے کا حکم:**۔امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک صلوٰۃ الی الدابۃ مکروہ ہے اور جس حدیث میں صلوٰۃ الی الدابۃ کا ذکر ہے وہ ضرورت پر محمول ہے اور عندالضرورۃ جائز ہے۔مالکیہ کے نزدیک جانور کوسترہ بنانا خلافِ مستحب ہے۔

حنفیہ وحنابلہ کے نزدیک جانور کوسترہ بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے،یہ جائز ہے۔(ایضاً ج۲ص۱۹۶)

❹ **امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے قول کی تشریح:**۔قال ابو داؤد سے امام ابوداؤد رحمہ اللہ کی غرض اس حدیث کی سند پر کلام کرنا ہے کہ بعض رواۃ اس حدیث کو عن محمد بن سهل عن ابيه عن النبي ﷺ کی سند سے روایت کرتے ہیں اور بعض رواۃ عن محمد بن سهل عن النبي ﷺ کی سند سے روایت کرتے ہیں اس میں محمد بن سہل تابعی ہیں اور ان کے والد حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔پہلی سند کی صورت میں یہ روایت متصل ہوگی کیونکہ صحابی کا واسطہ مذکور ہے اور دوسری سند کی صورت میں یہ روایت مرسل ہوگی اور مرسلات محمد سے ہوگی۔

نیز دوسری غرض سند کے اضطراب کو بیان کرنا ہے کہ بعض رواۃ اس کو سہل بن سعد نقل کرتے ہیں اور بعض رواۃ سہل بن ابی حثمہ نقل کرتے ہیں۔

**الشق الثاني** ......عن ابن عباس ان ضباعة بنت الزبير بن عبدالمطلب اتت رسول الله ﷺ فقالت يارسول الله انى اريد الحج اشترط؟ قال نعم،قالت فكيف اقول؟ قولى لبيك اللهم لبيك ومحلى من الارض حيث حبستنى.(ص٢٦٠،ج١،رحمانیہ) مامعنى الاشتراط فى الحج؟ اذكر اختلاف الائمة فى هذا الاشتراط ـ من الذى يستدل بهذا الحديث؟ وماهو الجواب عنه عند من لايقول به؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حاصل تین امور ہیں (۱) اشتراط فی الحج کا معنی (۲) اشتراط فی الحج میں ائمہ کا اختلاف (۳) حدیث کے مستدلین کی تعیین اور جواب۔

**جواب** ...... ❶ اشتراط فی الحج کا معنی:۔ اشتراط فی الحج کا معنی یہ ہے کہ کسی شخص کو یہ خطرہ ہو کہ وہ احرام باندھنے کے بعد خیر و عافیت سے حج یا عمرہ ادا کر سکے گا یا نہیں تو وہ شخص اس کا حل نکالتا ہے اور احرام کی نیت اس طرح کرتا ہے کہ اگر میں خیر و عافیت سے مکہ مکرمہ پہنچ گیا تو میں حج یا عمرہ کروں گا اور اگر بالفرض میں مکہ مکرمہ نہ پہنچ سکا تو راستہ میں جہاں بھی عذر پیش آیا تو میں وہیں حلال ہو جاؤں گا۔ (بذل المجہود ج۳ ص ۱۸۸)

❷ اشتراط فی الحج میں ائمہ کا اختلاف:۔ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے شافعیہ و حنابلہ اس اشتراط کے قائل ہیں حنفیہ و مالکیہ قائل نہیں اور یہ اختلاف متفرع ہے ایک دوسرے اختلاف یعنی احصار پر احصار میں ائمہ کا یہ اختلاف ہے کہ حنفیہ تو یہ کہتے ہیں کہ وہ دشمن کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر عذر اور مرض کو شامل ہے لہٰذا جس عذر کی وجہ سے بھی محرم حرم جانے سے رک جائے گویا اس کو احصار لاحق ہو گیا ہے اور جو حکم احصار کا قرآن پاک میں مذکور ہے یعنی دم دے کر حلال ہو جانا اس کا بھی یہی حکم ہے۔ لہٰذا احرام کے وقت کسی شرط لگانے کی ضرورت نہیں بغیر ہی شرط کے حسب قاعدہ ہدی ذبح کر کے محرم حلال ہو سکتا ہے اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ یہ فرماتے ہیں کہ احصار اور اس کا جو حکم قرآن میں مذکور ہے وہ دشمن کے ساتھ خاص ہے۔ دشمن کے علاوہ کوئی اور مانع پیش آئے تو اس کا یہ حکم نہیں ہے کیونکہ آیت احصار صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی اور اس موقع پر دشمن کی وجہ سے احصار ہوا تھا آخر اس کا حل کیا ہے؟ تو شافعیہ و حنابلہ نے کہا کہ اس کا حل اشتراط عند الاحرام ہے جو حدیث الباب میں مذکور ہے یعنی احرام کے وقت یہ نیت کرے **اللھم مَحِلّی من الارض حیث حَبَسْتَنِیْ** یا اللہ جس جگہ راستہ میں تو مجھے آگے جانے سے روک لے تو میرے حلال ہونے کی جگہ وہی ہوگی۔ شافعیہ حنابلہ کے نزدیک اشتراط سے دو فائدے حاصل ہوں گے ایک یہ کہ اب اس کیلئے حلال ہونا جائز ہو جائے گا دوسرا یہ کہ دم بھی واجب نہ ہوگا بغیر ہی ہدی کے حلال ہو سکتا ہے اور حنفیہ کے نزدیک اشتراط مطلقاً غیر مفید ہے اس لئے کہ حلال ہونا ان کے نزدیک ویسے بھی جائز ہے اور ہدی جس طرح بغیر اشتراط کے واجب ہوتی ہے اسی طرح بعد الاشتراط بھی واجب ہے۔ لہٰذا اشتراط کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

عند المالکیہ بھی اشتراط غیر مفید ہے ان کے نزدیک اگر حابس و مانع دشمن کے علاوہ ہے تو پھر طواف کے بغیر کسی طرح بھی حلال ہونا جائز نہیں چاہے شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو۔ (ایضاً)

❸ حدیث کے مستدلین کی تعیین اور جواب:۔ یہ حدیث بظاہر شافعیہ و حنابلہ کی دلیل ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ اشتراط کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور آپ ﷺ نے اشتراط کا حکم حضرت ضباعہ رضی اللہ عنہا کی تسلی اور تطییب کیلئے دیا تھا۔ کما مرّ آنفاً (ایضاً)

## ﴿السوال الثانی﴾ ١٤٢٦ھ

**الشق الاول** ...... **ان ابا الصہباء قال لابن عباس اتعلم انما کانت الثلاث تجعل واحدة علٰی عہد النبی ﷺ وابی بکر وثلاثا من امارة عمر؟ قال ابن عباس نعم۔**

**اذکر اختلاف العلماء فی ان الطلقات الثلاث ھل تعتبر واحدة ام ثلاثا؟ ماھی دلائلھم علٰی ما ذھبوا الیہ؟ اشرح ھذا الحدیث الشریف واذکر کیف خالف عمر رسول اللہ ﷺ وخلیفتہ ابابکرؓ۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں (۱) طلاق ثلاثہ کے معتبر ہونے میں اختلاف (۲) ائمہ کے دلائل (۳) حدیث کی تشریح (۴) مخالفت عمر رضی اللہ عنہ کی وضاحت۔

**جواب** ...... ❶ طلاق ثلاثہ کے معتبر ہونے میں اختلاف:۔ ایک کلمہ سے یا ایک ہی مجلس میں وفعۃً واحدۃً دی جانے

والی تین طلاقیں ائمہ اربعہ کے نزدیک تین ہی واقع ہوتی ہیں۔ جمہور صحابہ وتابعین کا یہی مسلک ہے۔ ابن العربی اور ابوبکر رازی نے تین طلاق کے وقوع پر اجماع نقل کیا ہے۔

البتہ امام ابوحنیفہ وامام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک یہ مکروہ تحریمی و بدعت ہے اور امام شافعی وامام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک یہ خلاف اولیٰ ہے۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ بعض اہل ظاہر اور آج کل کے لامذہب لوگوں کے نزدیک اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اور روافض کے نزدیک ایک بھی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

❷ ائمہ کے دلائل:۔ اہل ظواہر وغیرہ کی پہلی دلیل: واقعہ عبد یزید یا واقعہ رکانہ ہے۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اس کو ترجیح دی کہ یہ واقعہ رکانہ کا ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اس کے باوجود نبی کریم ﷺ نے ان کو رجوع کا حکم دیا۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ ایک مجلس میں دی جانے والی تین طلاقیں تین شمار نہیں ہوتیں ورنہ رجوع کا حکم نہ دیتے۔

قال ابوداؤد وحدیث نافع بن جبیر رضی اللہ عنہ سے امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیا کہ عبد یزید یا رکانہ نے طلاق بتہ دی تھی۔

اور استدلال تب ہوتا جب تین طلاقیں دیتے۔ وجہ ترجیح یہ ہے کہ طلاق بتہ کا ذکر کرنے والے گھر کے آدمی ہیں اور ضابطہ ہے **صاحب البیت ادری مافیہ۔**

دوسری دلیل: واقعہ ابوالصہباء ہے جو حدیث الباب کے ترجمہ سے واضح ہے۔

جوابات: ① یہ حدیث ابوالصہباء خاص صورت (غیر مدخول بہا عورت) پر محمول ہے اور غیر مدخول بہا تو ایک طلاق سے بائنہ ہو جاتی ہے۔ دوسری اور تیسری طلاق دینے کی ضرورت ہی نہیں رہتی ② حدیث ابوالصہباء کا مصداق ایک خاص صورت ہے وہ یہ ہے کہ جب کوئی یوں طلاق دیتا انت طالق، طالق، طالق تو ثانی وثالث سے اول کی تاکید مقصود ہوتی تھی نہ کہ تاسیس اور وہ زمانہ خیر القرون کا تھا۔ اس لئے بقول ان کے ثانی وثالث کو اول کی تاکید پر محمول کرتے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ لوگ اس میں غلو کرنے لگ گئے تو فرمایا اب جو تین دفعہ طلاق کہے گا تو اب ہم اس کو تاسیس پر محمول کریں گے تاکید پر محمول نہیں کریں گے ③ نیز یہ حدیث ابوالصہباء حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کی گئی حالانکہ ان کا فتویٰ تو تین طلاق کا ہے۔ تو ان کا اس روایت کے خلاف فتویٰ دینا یہ دلیل ہے اس بات کی کہ یہ منسوخ ہے یا مصروف عن الظاہر ہے یا غیر مدخول بہا عورت پر محمول ہے یا اس خاص صورت پر محمول ہے جس کا اوپر بیان ہوا ④ اس میں حضور ﷺ کے زمانہ کا ذکر ہے آپ ﷺ کے قول وفعل کا کوئی ذکر نہیں ⑤ یہ حدیث سنداً بھی کوئی وزنی نہیں کہ اس کی بناء پر نصوص کثیرہ کو چھوڑ دیا جائے۔

جمہور کے دلائل: حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے اپنی ایک بیوی کو طلاق دی، بعد میں ان کو افسوس ہوا اور فرمانے لگے **لولا أني سمعت جدي أو حدثني أبي أنه سمع جدي يقول: أيما رجل طلق امرأته ثلاثا عند الأقراء أو ثلاثا مبهمة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره، لراجعتها۔** سنن دارقطنی میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دیں، اس کے بیٹے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے ہمارے باپ نے ہماری والدہ کو ہزار طلاقیں دی ہیں تو اس پر حضور ﷺ نے فرمایا **ان أباكم لم يتق الله تعالى فيجعل له من أمره مخرجا، بانت منه بثلاث على غير السنة وتسعمائة وسبعة وتسعون اثم في عنقه۔**

پھر اگر یہ تسلیم بھی کیا جائے کہ عہد نبوی اور عہد صدیقی میں تین طلاقیں بہ نیت تاکید ایک شمار ہوتی تھیں اور قضاءً اس سلسلے میں طلاق دینے والے کے قول کا اعتبار کیا جاتا تھا تاہم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مطلقاً تین طلاقوں کے وقوع پر اجماع منعقد ہو گیا، انہوں نے یہ فیصلہ فرمایا کہ تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اگرچہ وہ بہ نیت تاکید ہوں اور تمام صحابہ نے اس کو تسلیم کر لیا کسی

نے مخالفت نہیں کی چنانچہ امام طحاوی، حافظ ابن عبدالبر، ابن العربی، حافظ ابن حجر اور علامہ ابن الہمام رحمہم اللہ نے طلقات ثلاث کے وقوع پر اجماع نقل کیا ہے۔ (کشف الباری کتاب الطلاق ص ۲۲۳ و مسائل والدلائل ص ۵۳۷)

❸ **حدیث کی تشریح:**۔ ابو الصہباء حضرت ابن عباس ؓ سے کثرت سے سوال کرتے تھے تو ایک مرتبہ انہوں نے حضرت ابن عباس ؓ سے یہ سوال کیا کہ کیا تمہیں معلوم ہوا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دیتا تھا تو عہد نبوی ﷺ، عہد صدیقی ؓ اور عہد فاروقی ؓ کی ابتداء میں ان تین طلاق کو ایک ہی شمار کیا جاتا تھا، پھر بعد میں حضرت عمر ؓ نے تین طلاق کو تین ہی قرار دیا؟ تو حضرت ابن عباس ؓ نے جواب دیا کہ جی ہاں! عہد نبوی ﷺ، عہد صدیقی ؓ اور عہد فاروقی ؓ میں تین طلاق کو ایک ہی شمار کیا جاتا تھا۔

الغرض ابو الصہباء ؓ کے اس سوال و جواب کا مقصد یہ ہے کہ ہم عہد نبوی ﷺ اور عہد صدیقی ؓ والے معمول پر ہی عمل کریں گے۔

❹ **مخالفت عمر ؓ کی وضاحت:**۔ سوال ہوتا ہے کہ جب عہد نبوی ﷺ و صدیقی ؓ میں تین طلاق کو ایک شمار کیا جاتا تھا تو پھر حضرت عمر ؓ نے ان کے عمل کے خلاف فیصلہ کیوں دیا کہ آج کے بعد تین طلاق تین ہی شمار ہوں گی۔

جواب یہ ہے کہ حضرت عمر ؓ نے اپنی طرف سے کوئی انوکھا فیصلہ یا حکم صادر نہیں فرمایا تھا، بلکہ صورتحال یہ تھی کہ عہد نبوی ﷺ و عہد صدیقی ؓ میں لوگ **انت طالق** کا لفظ تین بار کہتے تھے اور انکا مقصود انشاء جدید نہ ہوتا تھا بلکہ تاکید کیلئے وہ دوسری اور تیسری مرتبہ اس کو ذکر کرتے تھے اور وہ خیر القرون کا زمانہ تھا اور لوگوں کی دیانت پر اس وقت اعتماد تھا اسلئے تاکید دینا ہیں کے سلسلہ میں ان کے قول کا اعتبار ہوتا تھا اور اس کا قول تھا بھی قبول کیا جاتا تھا بعد میں جب خیر القرون کا زمانہ دور ہوتا چلا گیا اور لوگوں کی دیانت کا معیار پہلے کی طرح نہ رہا تو حضرت عمر ؓ نے اعلان فرمایا کہ آج کے بعد تین طلاق دینے والے شخص کی طرف سے تاکید کا قول معتبر نہ ہوگا بلکہ الفاظ کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے اس کو تین طلاق ہی شمار کیا جائے گا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں عہد نبوی ﷺ اور عہد صدیقی ؓ کا ذکر ہے آپ ﷺ کے اور حضرت ابو بکر صدیق ؓ کے قول و فعل کا ذکر نہیں ہے۔ (ایضا ص ۲۲۳)

**الشق الثانی** ...... عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ اَعْمَرَ شَيْئًا فَهُوَ لِمُعْمَرِهٖ مَحْيَاهُ وَمَمَاتَهُ وَلَا تُرْقِبُوْا فَمَنْ اَرْقَبَ شَيْئًا فَهُوَ سَبِيْلُهٗ. (ص ۴۹۵ ج ۲، رحمانیہ) شکل الحدیث وترجمه.

**عرف العمری والرقبی وحکمهما واختلاف العلماء فیهما مع ادلتهم . اشرح الحدیث شرحا واضحا.**

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) عمریٰ اور رقبیٰ کی تعریف و حکم (۴) حدیث کی تشریح۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث پر اعراب:**۔ **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

❷ **حدیث کا ترجمہ:**۔ حضرت زید بن ثابت ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے کوئی چیز بطور عمریٰ دی تو وہ معمر لہ (جس کو بطور عمریٰ دی گئی ہے) کیلئے ہے اس کی زندگی میں اور موت کے بعد بھی اور تم رقبیٰ نہ کیا کرو پس جس شخص نے رقبیٰ کیا تو وہ اس کا مالک ہوگا۔

❸ **عمریٰ اور رقبیٰ کی تعریف و حکم:**۔ عمریٰ: زمانہ جاہلیت میں بھی "عمریٰ" مشہور و معروف تھا اور اس کا مطلب یہ سمجھا جاتا تھا کہ یہ "عاریت" ہے ہبہ نہیں ہے۔ لہٰذا جب تک معمر لہ زندہ ہے وہ اس سے فائدہ اٹھائے گا اور جب اس کا انتقال ہو جائے گا تو اس وقت وہ جائیداد معمر کے پاس واپس آ جائے گی۔ حدیث باب نے زمانہ جاہلیت کے عمریٰ میں تبدیلی پیدا کی، جس کی تفصیل یہ ہے کہ عمریٰ کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں: ① "عمریٰ" کرنے والا یہ تصریح کر دے کہ **اعمرتك هذه الدار وهي لك ولعقبك** یعنی

یہ گھر تمہیں عمریٰ کے طور پر دے دیا، یہ تمہارا اور تمہارے وارثوں کا ہے۔ ② پہلی صورت کے بالکل برعکس صراحت کر دے مثلاً یہ کہے داری لك عمری ماعشت فلن مُتّ فهی راجعة الی یعنی میں اپنا یہ گھر تمہیں عمریٰ کے طور پر دیتا ہوں، جب تک تم زندہ ہو اور جب تمہارا انتقال ہو جائیگا تو میرے پاس واپس آ جائیگا۔ ③ صرف اتنا کہے کہ اعمرتك هذه الدار یا داری لك عمری لیکن معمرلہ کے مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ کیا اس کے ورثاء کو ملے گا، یا معمر کے پاس واپس لوٹ آئے گا اس کے بارے میں کوئی صراحت نہیں کرتا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ تینوں صورتوں میں عمریٰ کو عاریت ہی سمجھا جائے گا، ہبہ نہیں کہا جائیگا۔ جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے جس میں معمر نے یہ صراحت کر دی تھی کہ هی لك ولعقبك تمہارے مرنے کے بعد تمہارے ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے گا اس کا مطلب یہ ہے کہ ورثاء اس گھر سے صرف انتفاع کے حقدار ہوں گے، ملکیت ان کی طرف منتقل نہیں ہوگی، یہاں تک کہ جب معمرلہ کے تمام ورثاء انتقال کر جائیں اور کوئی وارث باقی نہ رہے تو اس وقت یہ گھر معمر کی طرف واپس آ جائے گا اور اگر وہ زندہ نہیں ہوگا تو اس کے ورثاء کو مل جائے گا اور دوسری صورت جس میں اس نے یہ صراحت کر دی تھی کہ معمرلہ کے انتقال کے بعد میرے پاس واپس آ جائے گا اس میں کوئی اشکال ہی نہیں ہے اسی طرح تیسری صورت جس میں اس نے صراحت نہیں کی تھی بلکہ مطلق رکھا تھا اس صورت میں بھی معمر کے پاس واپس آ جائے گا۔

حنفیہ، شافعیہ اور صحیح قول کے مطابق حنابلہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ تینوں صورتوں میں عمریٰ ہبہ ہے اور جب عمریٰ کا لفظ استعمال کر کے کسی شخص نے اپنا گھر دوسرے کو دے دیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ معمرلہ کو اس گھر کا مالک بنا دیا۔ پہلی صورت میں بالکل ظاہر ہے اس لئے کہ اس میں معمر نے صراحت ہی کر دی ہے کہ هی لك ولعقبك اور دوسری صورت میں جب اس نے یہ صراحت کر دی کہ تمہارے مرنے کے بعد یہ گھر میرے پاس لوٹ آئے گا تو اس صورت میں بھی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہبہ ہی ہے اور معمر نے یہ جو شرط لگائی ہے کہ تمہارے مرنے کے بعد یہ میرے پاس واپس آ جائے گا یہ شرط فاسد ہے لہٰذا وہ مکان ہمیشہ کیلئے معمرلہ کی طرف منتقل ہو جائے گا اور وہ شرط لغو ہو جائے گی اور تیسری صورت جس میں اس نے کوئی صراحت نہیں کی اس میں بھی بطریق اولیٰ ہبہ منعقد ہو جائے گا لہٰذا اب یہ مکان کسی بھی حال میں معمر کی طرف لوٹ کر نہیں جائے گا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا العمری جائزة لاهلها ان الفاظ کے ذریعے جب آپ نے عمریٰ جائز قرار دیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی تشریف آوری کے وقت عمریٰ کا جو مفہوم مشہور و معروف تھا آپ نے اس کی تقریر فرما دی اور زمانہ جاہلیت میں عمریٰ کا جو مفہوم معروف تھا وہ یہ تھا کہ عمریٰ ایک عاریت ہے ہبہ نہیں ہے اور وہ چیز کسی نہ کسی وقت واپس معمر کے پاس آ جاتی تھی اور جب آپ نے اس کی تقریر فرما دی تو اب وہی مفہوم شریعت کے اندر بھی معتبر مانا جائے گا لہٰذا عمریٰ کو عاریت ہی سمجھا جائے گا۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ العمری جائزة کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حضور ﷺ نے زمانہ جاہلیت کے طریقے کی تقریر فرمائی بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ نے یہ فرما دیا کہ اب آئندہ جو شخص عمریٰ کرے گا تو وہ ہبہ سمجھا جائے گا چنانچہ دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں او میراث لاهلها اس میں آپ نے عمریٰ کو اہل عمریٰ کے لئے میراث قرار دیا اور اگلی حدیث میں اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ آئے ہیں وہ یہ کہ "حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص کو له ولعقبه کہہ کر عمریٰ دیا گیا تو وہ اس شخص کا ہو گیا جس کو وہ دیا گیا ہے اور دینے والے کی طرف کبھی نہیں لوٹے گا، اسلئے کہ اس نے ایسی چیز دی جس میں وراثت جاری ہوتی ہے۔ اس روایت میں صراحت کر دی کہ وہ عمریٰ معمر کی طرف نہیں لوٹے گا"۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں اس سے بھی زیادہ صریح الفاظ ہیں وہ یہ کہ لاتفسدوا علیکم اموالکم من اعمر عمری فھی لہ ولورثتہ یعنی اپنے اموال کو خراب مت کرو اور جو شخص آئندہ عمری کرے گا وہ اس کو اور اس کے ورثہ کو ملے گا۔ ان احادیث سے صاف واضح ہو رہا ہے کہ حضور ﷺ نے سابقہ رائج طریقے کی تقریر نہیں فرمائی بلکہ اس میں تبدیلی فرمائی اور اس کو عاریت کے بجائے آپ نے ہبہ قرار دیا۔

البتہ یہ سارا اختلاف اور ساری تفصیل اس وقت ہے جب کوئی شخص صرف "عمریٰ" کا لفظ تنہا استعمال کرے مثلاً یوں کہے اعمرتك هذه الدار یا داری لك عمری لیکن اگر کوئی عمریٰ کے بجائے دوسرے الفاظ استعمال کرے مثلاً یہ کہے داری لك ماعشت تو اس صورت میں یہ ہمارے نزدیک بھی عاریت ہے یا یہ کہے داری لك عمری سکنی سکنیٰ کا لفظ بڑھا دیا تو اس صورت میں بھی عاریت ہے ہبہ نہیں ہے اسلئے معمر لہ کے انتقال کے بعد وہ مکان معمر کی طرف لوٹ آئیگا۔

رقبیٰ:- کے دو معنی ہوتے ہیں ایک معنی جو زیادہ مشہور ہے وہ یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے سے یہ کہے داری لك رقبی میں اپنا گھر تمہیں رقبیٰ کے طور پر دیتا ہوں، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تم اپنی زندگی میں اس کو استعمال کرو، اگر تمہارا انتقال پہلے ہو گیا تو یہ گھر لوٹ کر واپس میرے پاس آ جائے گا اور اگر میرا انتقال پہلے ہو گیا تو یہ مکان ہمیشہ کے لئے تمہارا ہو جائے گا۔ اس کو رقبیٰ اس لئے کہتے ہیں کہ کل واحد منهما يرتقب موت صاحبه ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کی موت کا انتظار کرتا رہتا ہے، انکو پتہ نہیں ہوتا کہ کون پہلے مرے گا؟ اور بالآخر یہ گھر کس کے پاس جائے گا؟

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک رقبیٰ کا بھی وہی حکم ہے جو عمریٰ کا ہے یعنی امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا حکم عاریت کا ہے اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک اس سے ہبہ منعقد ہو جائیگا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب یہ ہے کہ رقبیٰ باطل ہے یعنی یہ الفاظ کہنے سے کوئی فرق واقع نہیں ہوگا اور وہ مکان بدستور رقبیٰ کرنے والے کی ملکیت میں رہے گا، وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ صورت غرر کو متلزم ہے جب تک ان دونوں میں سے ایک کا انتقال نہیں ہوگا اس وقت تک یہ معاملہ لٹکا رہے گا لہذا غرر پائے جانے کی وجہ سے یہ معاملہ باطل ہے جہاں تک حدیث باب کا تعلق ہے جس میں فرمایا کہ الرقبی جائزة لاهلها اس کے معنی وہ نہیں جو آپ نے بیان کئے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے یہ کہا ارقبتك هذه الدار تو اس کے معنی یہ ہیں اعطيتك رقبة هذه الدار یعنی یہ مکان پوری زمین سمیت تمہیں دیدیا۔ اسکے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ الرقبی جائزة لاهلها لہذا اگر کوئی شخص ارقبتك کے لفظ سے ہبہ کریگا تو عمریٰ کی طرح یہ ہبہ منعقد ہو جائیگا لیکن جہاں رقبیٰ کے وہ معنی مراد ہوں جس میں غرر پایا جاتا ہو تو وہ رقبیٰ باطل ہے۔ (تقریر ترمذی ص ١٤٩)

❷ حدیث کی تشریح:- آپ ﷺ کے اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کوئی چیز دوسرے شخص کو عمریٰ یا رقبیٰ کے طور پر دی تو جس شخص کو وہ چیز عمریٰ یا رقبیٰ کے طور پر دی گئی ہے وہ شخص ہی اسکا مالک بن جائیگا۔ اپنی زندگی میں وہ خود مالک ہوگا اور اسکی موت کے بعد اسکے ورثاء اس کے مالک ہونگے۔ باقی اس مسئلہ کی مکمل وضاحت ابھی ماقبل میں گزر چکی ہے۔

## السوال الثالث ١٤٢٦ھ

**الشق الاول** ...... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مَنْ أَدْخَلَ فَرَسًا بَيْنَ فَرَسَيْنِ يَعْنِي وَهُوَ لَا يُؤْمَنُ أَنْ يَسْبِقَ فَلَيْسَ بِقِمَارٍ، وَمَنْ أَدْخَلَ فَرَسًا بَيْنَ فَرَسَيْنِ وَقَدْ أَمِنَ أَنْ يَسْبِقَ فَهُوَ قِمَارٌ. (ص ٣٤٩ - باب المحلل)

شكل الحديث بالضبط وترجمه واضحة - عرف القمار ماهو؟ ماهي الحكم التي من اجلها نهى الشرع عن المقامرة؟ اشرح الحديث شرحا مبسوطا.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) قمار کی تعریف و حکم (۴) حدیث کی تشریح۔

**جواب** ...... ❶ حدیث پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

❷ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص دو گھوڑوں (متسابقین) کے درمیان تیسرا گھوڑا شامل کرے اس حال میں کہ اس گھوڑے کے سبقت کرنے سے امن نہ ہو تو یہ قمار نہیں ہے اور جو شخص دو گھوڑوں میں ایسا گھوڑا شامل کرے جس کے سبقت کرنے سے امن ہو تو یہ قمار ہے۔

❸ قمار کی تعریف و حکم:۔ هو استواء الجانبين في احتمال الغرامة یعنی وہ معاملہ جس میں متعاقدین میں سے ہر ایک پر ضمان آنے کا امکان ہو۔ دو میں سے کسی ایک پر ضمان آنا ضروری ہو۔ اب دیکھئے محلل نہ ہونے کی صورت میں ضمان متسابقین میں سے کسی ایک پر ضرور آئے گی۔ یعنی صرف ایک پر اور ادخال محلل کے بعد ایک شق ایسی نکل آئی کہ اس میں ضمان ان دونوں پر ہے صرف ایک پر نہیں، اس تشریح سے یہ بات سامنے آئی کہ قمار اس قسم کے معاملہ کا نام ہے جس میں جانبین میں سے لاعلی التعیین کسی ایک کا نفع دوسرے کے ضرر کو مستلزم ہو یعنی جس ایک کا بھی نفع ہوگا وہ اپنے اندر دوسرے کے ضرر کو لئے ہوئے ہوگا، کس قدر تکلیف دہ اور خبیث معاملہ ہے اس کی حرمت محاسن شریعت میں سے ہے، ہماری شریعت میں تو محاسن ہی محاسن ہیں، عبادات ہوں یا معاملات، لیکن لوگ لالچ اور مال کی حرص و طمع میں نفع موہوم کی خاطر اس قمار بازی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ (الدر المنضود ج ٤ ص ٣٢٩)

❹ حدیث کی تشریح:۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر متسابقین کسی تیسرے ایسے شخص کو مسابقت میں شامل کرلیں جس میں سابق و مسبوق دونوں احتمال موجود ہوں تو پھر یہ مسابقت کا معاملہ قمار میں داخل ہو کر حرام نہ ہوگا بلکہ یہ قمار سے خارج ہو جائیگا اور اگر اس گھوڑے میں دونوں احتمال نہ ہوں بلکہ فقط مسبوق ہونا متعین ہو یا فقط سابق ہونا متعین ہو تو پھر یہ قمار ہوگا اور حرام ہوگا۔

**الشق الثانی** ...... عن عبدالله بن عمروؓ ان رسول الله ﷺ قال: الشؤم في الدار والمرأة والفرس قال ابو داؤد قرئ على الحارث بن مسكين وانا شاهد اخبرك ابن القاسم قال: سئل مالك عن الشؤم في الفرس والدار قال كم من دار سكنها قوم فهلكوا ثم سكنها آخرون فهلكوا فهذا تفسيره فيما نرى والله اعلم.

ترجم الحديث الشريف۔ اذكر اقوال العلماء في معنى هذا الحديث. اشرح ما قاله ابو داؤد (ص ١٩١ ج ٢۔ رحمانیہ)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کے معنی میں علماء کے اقوال (۳) امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے قول کی تشریح۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نحوست گھر، عورت اور گھوڑے کے اندر ہے۔

❷ حدیث کے معنی میں علماء کے اقوال:۔ علماء نے اس حدیث کے مختلف معنی وتوجیہات بیان کی ہیں۔ ① امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ احادیث باب اپنے ظاہری معنی پر محمول ہیں اور یہ احادیث لا عدوی و لا طیرہ والے عام قانون سے مستثنیٰ ہیں ② یہ کلام حرف شرط کے ساتھ ہے جیسا کہ باب کی دوسری روایت میں ان کان الشؤم حرف شرط کے ساتھ ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر شؤم ونحوست کسی چیز میں ہو سکتی ہے تو وہ عورت، گھر اور گھوڑا میں ہو سکتی ہے مگر شؤم کسی چیز میں نہیں ہوتی اس لئے ان تینوں چیزوں میں بھی اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا ③ شؤم کی دو قسمیں ہیں (۱) عدم موافقت (۲) نحوست۔ حدیث میں معنی اول مراد ہے

اب شوم دار کا مطلب یہ ہے کہ وہ تنگ ہو، پڑوسی اچھے نہ ہوں اور آب وہوا اچھی نہ ہو۔ شوم مرأة کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اولاد نہ ہو، زبان دراز ہو اور عفت و پاکدامنی کا خیال نہ رکھتی ہو، شوم فرس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جہاد میں کام نہ آئے اور سرکش ہو

② امام طحاوی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت سنی تو ناراض ہوگئیں اور فرمایا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو صحیح یاد نہیں رہا رسول اللہ ﷺ نے اس طرح ارشاد نہیں فرمایا تھا بلکہ لوگ زمانہ جاہلیت میں عورت، گھر اور گھوڑے میں بدشگونی کا عقیدہ رکھتے تھے تو آپ ﷺ نے اس عقیدہ کی تردید فرمائی تھی۔ (کشف الباری، کتاب النکاح ص ۸۱)

③ امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے قول کی تشریح:۔ خلقی اور ذاتی اعتبار سے کسی چیز میں کوئی نحوست وشئوم نہیں ہے بلکہ عوارض خارجیہ کی وجہ سے شئوم و نحوست ہوتی ہے مثلاً تربیت یافتہ نہ ہونے کی وجہ سے عورت کا خاوند کو تنگ کرنا، گھوڑے کا سرکش ہونا، گھر کی فضا وہ ماحول کا اچھا نہ ہونا وغیرہ۔ اسی چیز کی وضاحت کیلئے امام ابوداؤد، امام مالک رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ ان سے شئوم کے متعلق پوچھا گیا تو امام مالکؒ نے فرمایا کہ کتنے گھر ایسے ہیں کہ ان میں ایک قوم رہتی ہے وہ ہلاک ہو جاتی ہے، پھر دوسری قوم رہتی ہے وہ بھی ہلاک ہو جاتی ہے پھر تیسری قوم رہتی ہے وہ بھی ہلاک ہو جاتی ہے تو یہ اس گھر کی ذاتی تاثیر نہیں ہے بلکہ عوارض خارجیہ کی وجہ سے ہے اور ہماری رائے کے مطابق اس حدیث کی یہی تفسیر اور وضاحت ہے۔

## ﴿الورقة الخامسة: السنن للامام أبي داؤد﴾

## ﴿السوال الاوّل﴾ ١٤٢٧ھ

**الشق الاوّل** ......عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ يُقَالُ لَهُ أَنَّهُ يُسْتَقٰى لَكَ مِنْ بِئْرِ بُضَاعَةَ وَهِيَ بِئْرٌ يُلْقٰى فِيْهَا لُحُوْمُ الْكِلَابِ وَالْمَحَايِضِ وَعَذِرُ النَّاسِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الْمَاءَ طَهُوْرٌ لَا يُنَجِّسُهٗ شَيْءٌ. (ص ۲ ج ۱، رحمانیہ) شكل العبارة وترجمها۔ اشرح المسألة المذكورة مع اختلاف الائمة ودلائلهم۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) وقوع نجاست کی وجہ سے پانی کے حکم میں اختلاف (۴) ائمہ کے دلائل وجواب۔

**جواب** ...... ① عبارت پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفاً۔

② عبارت کا ترجمہ:۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا اس حال میں کہ آپ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ آپ ﷺ کے پینے کے لئے بیر بضاعہ سے پانی لایا جاتا ہے حالانکہ وہ ایسا کنواں ہے کہ کتوں کے گوشت، حیض کے چیتھڑے اور لوگوں کی گندگی وغیرہ اس میں ڈالے جاتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک پانی طہور (طاہر) ہے اس کو کوئی چیز نجس نہیں کرتی۔

③ وقوع نجاست کی وجہ سے پانی کے حکم میں اختلاف:۔ حضرت حسن بصری اور داؤد ظاہری رحمہما اللہ کی طرف یہ منسوب ہے کہ پانی خواہ قلیل ہو یا کثیر وقوع نجاست سے اس وقت تک نجس نہیں ہوگا جب تک اس کی طبیعت یعنی رقت وسیلان باقی رہے خواہ اس کے اوصاف ثلاثہ متغیر ہوگئے ہوں۔

حنفیہ کے نزدیک اگر ماء قلیل ہو تو وہ وقوع نجاست سے نجس ہو جائے گا اور اگر کثیر ہو تو اس وقت تک نجس نہیں ہوگا جب تک متغیر الاوصاف نہ ہو اور اگر متغیر الاوصاف ہو جائے تو نجس ہو جائیگا خواہ قلتین سے کم ہو یا زیادہ ہو اور احناف کے نزدیک قلت وکثرت کا مدار مبتلی بہ کی رائے پر ہے اگر اس کا ظن غالب یہ ہو کہ ایک طرف واقع ہونے والی نجاست کا اثر دوسری طرف پہنچ جائے

گا تو یہ ماء قلیل ہے اور اگر ایک طرف واقع ہونے والی نجاست کا اثر دوسری طرف نہیں پہنچے گا تو یہ ماء کثیر ہے اور اس قلت و کثرت کی پہچان کے مختلف طریقے ہیں۔ ① ایک طرف وضو کرنے کی حرکت دوسری طرف پہنچے تو قلیل ہے ورنہ کثیر ہے ② ایک طرف رنگ ڈالنے کا اثر دوسری طرف پہنچے تو قلیل ہے ورنہ کثیر ہے ③ ایک طرف مٹی ڈالنے کا اثر دوسری طرف پہنچ جائے تو قلیل ہے ورنہ کثیر ہے ④ اگر مساحت طولاً و عرضاً مشہور قول کے مطابق دس دس ذراع ہو تو کثیر ہے اور اگر اس سے کم ہو تو قلیل ہے۔

مالکیہ کے نزدیک وقوع نجاست سے اس وقت تک پانی نجس نہیں ہوتا جب تک احد الاوصاف متغیر نہ ہو، اگر احد الاوصاف متغیر ہو جائے تو پانی نجس ہو جائیگا، گویا مالک کے نزدیک نجاست و طہارت کا مدار تغیر پر ہے، اگر تغیر ہو تو نجس ہے ورنہ طاہر ہے۔

شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک اگر پانی کی مقدار قلتین یا اس سے زائد ہو تو وہ وقوع نجست سے نجس نہیں ہوگا جب تک کہ اسکے اکثر اوصاف متغیر نہ ہوں اور اگر قلتین سے کم ہو تو وہ نجس ہو جائیگا، عام ازیں اوصاف متغیر ہوں یا نہ ہوں گویا انکے نزدیک قلت و کثرت کا مدار قلتین پر ہے، قلتین اور مافوق القلتین کثیر ہے اور مادون القلتین قلیل ہے۔ (درس ترمذی ج ۱ ص ۲۶۶ و مسائل و دلائل ص ۱۴۷)

❼ **ائمہ کے دلائل و جواب:** حنفیہ کی پہلی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں ٹھہرے ہوئے پانی میں بول و غسل سے منع فرمایا گیا ہے حالانکہ ایک آدھ مرتبہ بول سے تغیر نہیں ہوتا اسی طرح وہ ٹھہرا ہوا پانی جس میں غسل کیا جا سکے، ظاہر ہے کہ وہ پانی قلتین سے زیادہ ہوگا مگر پھر بھی غسل سے منع فرمایا گیا ہے، معلوم ہوا کہ اگر پانی قلتین سے زائد ہو تو پھر بھی وقوع نجاست سے نجس ہو جائیگا۔

دوسری دلیل وہ احادیث ہیں جن میں یہ حکم ہے کہ اگر کتا برتن میں منہ ڈالے تو اس کو دھوو، حالانکہ کتے کے منہ ڈالنے سے وہ متغیر الاوصاف نہیں ہوتا، معلوم ہوا کہ نجس ہونے کا مدار تغیر پر نہیں ہے۔

تیسری دلیل وہ احادیث ہیں جن میں یہ حکم ہے کہ سونے سے بیدار ہونے کے بعد برتن میں ہاتھ داخل نہ کرو بلکہ پہلے ہاتھ دھوو، حالانکہ ہاتھوں پر نجاست کا وہم ہے، وجب نجاست کے وہم ہونے سے غسل ید کا حکم ہے تو وقوع نجاست سے بطریق اولیٰ پانی نجس ہو جائیگا اور ادخال ید سے وہ متغیر الاوصاف نہیں ہوتا، معلوم ہوا کہ ماء قلیل متغیر الاوصاف ہو یا نہ ہو بہر صورت وہ وقوع نجاست سے نجس ہو جائیگا۔

چوتھی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے کہ ایک حبشی بئر زمزم میں گر کر مر گیا تھا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فتویٰ دیا کہ سارا پانی نکالو، معلوم ہوا کہ وہ پانی نجس ہو گیا تھا حالانکہ وہ متغیر الاوصاف بھی نہیں ہوا تھا اور ظاہر ہے کہ بئر زمزم میں پانی قلتین سے زیادہ ہوگا اس کے باوجود پانی نجس ہو گیا، اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس فتویٰ پر موجود صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے انکار نہیں کیا تو گویا اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع سکوتی ہو گیا کہ وقوع نجاست سے پانی نجس ہو جائے گا اگرچہ قلتین سے زائد ہو۔

شوافع و حنابلہ کی دلیل حدیث قلتین ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحراء میں موجود پانی کے متعلق سوال ہوا کہ اس پر درندے آتے رہتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **اذا كان الماء قلتين لم يحمل الخبث** کہ جب پانی قلتین ہو جائے تو وہ نجس نہیں ہوتا۔ اس حدیث کا مدار تین شخصوں پر ہے۔ ① ولید بن کثیر ② محمد بن اسحاق ③ حماد بن سلمہ۔

حنفیہ کی طرف سے حدیث قلتین کا پہلا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں سنداً، متناً، معنیً، مصداقاً اور رفعاً و وقفاً اضطراب ہے اس لئے یہ حدیث قابل استدلال نہیں ہے۔ سنداً اضطراب اس طرح ہے کہ اس حدیث شریف کا مدار تین شخصوں پر ہے: راوی نمبر ① ولید ابن کثیر ہے اور ولید ابن کثیر سے چار طریقے سے یہ سند مروی ہے۔

١. وليد ابن كثير عن محمد بن جعفر ابن زبير. ٢. وليد ابن كثير عن محمد ابن عباس ابن زبير.
٣. وليد ابن كثير عن عبيدالله ابن عمر. ٤. وليد ابن كثير عن عبدالله بن عمر.

راوی نمبر ② محمد بن اسحاق۔ چونکہ محمد ابن اسحاق سے یہ حدیث دو طریقہ سے مروی ہے۔

١۔۔۔۔ محمد ابن اسحاق عن محمد ابن جعفر ابن زبیر۔ ٢۔۔۔۔ محمد ابن اسحاق عن محمد ابن عباد ابن الزبیر۔ محمد بن اسحاق کو علی ابن مدینی رحمہ اللہ وغیرہ حفاظ حدیث نے ضعیف کہا ہے۔

راوی نمبر ③ حماد ابن سلمہ ہے، یہ معتبر راوی ہے اور ان کی سند میں اضطراب بھی نہیں ہے لیکن ان کی روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے اور تمہارے نزدیک موقوف حدیث ایسے اختلافی مسئلہ پر قابل استدلال نہیں ہوتی ہے۔ اس لئے حماد ابن سلمہ کی روایت سے استدلال درست نہیں ہو سکتا ہے۔

متناً اضطراب اس طرح ہے کہ اس میں چھ طرح کے الفاظ ہیں:- ① اذا کان الماء قلتین لم یحمل الخبث ② اذا کان الماء قلتین اوقدر ثلاث ③ اذا کان الماء قلة ④ اذا کان الماء اربعین قلة ⑤ اذا کان الماء اربعین دلوًا ⑥ اذا کان الماء اربعین غربا۔ اب ان چھ الفاظ میں سے کس متن پر عمل کریں؟

معناً اضطراب اس طرح ہے کہ لغت میں قلة کے متعدد معانی ہیں۔ مثلاً قامة الانسان (قد آدم) رأس الجبل (پہاڑ کی چوٹی) مایحمل البعیر (اونٹ کا سامان) جرّة (مٹکا) اس لئے ان معانی میں سے کس معنی کو مراد لیں؟

مصداقاً اضطراب اس طرح ہے کہ مٹکے مختلف مقدار میں ہیں بعض مٹکے دو مشکیزے کے برابر، بعض تین مشکیزے کے برابر، بعض چار اور پانچ مشکیزے کے برابر ہیں تو کس مقدار والے مٹکے کو حدیث کا مصداق ٹھہرائیں؟

رفعاً ووقفاً اضطراب اس طرح ہے کہ حماد بن سلمہ اور حماد بن زید میں سے ایک اسے موقوف اور دوسرے اسے مرفوع قرار دے رہے ہیں لہٰذا جس حدیث میں اس قدر شدید اضطراب ہو وہ اتنے اہم مسئلہ میں دلیل نہیں بن سکتی۔

دوسرا جواب: حدیث قلتین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع سکوتی کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں ہے کیونکہ بئر زمزم میں حبشی کے گرنے کے وقت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے فتویٰ پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے سکوت اختیار کیا تھا، معلوم ہوا کہ قلتین سے زائد پانی بھی وقوع نجاست سے نجس ہو جاتا ہے۔ تیسرا جواب: لم یحمل الخبث کا معنی یہ ہے کہ جب پانی کم ہوتے ہوتے قلتین ہو جائے تو وہ حامل نجاست نہیں ہو سکتا یعنی وہ نجاست کو برداشت نہیں کر سکتا وہ نجس ہو جاتا ہے۔ (ایضاً)

مالکیہ کی دلیل: حدیث بئر بضاعہ ہے کہ صحابہ کرام کے سوال کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان الماء طهور لاینجسه شیئ اس میں الماء کا الف لام جنسی ہے، معلوم ہوا کہ جنس ماء نجس نہیں ہوتا، عام ازیں کہ ماء قلیل ہو یا کثیر ہو۔

حدیث بیئر بضاعہ کا پہلا جواب: جمہور کی طرف سے پہلا جواب یہ ہے کہ مالکیہ کا استدلال حدیث بیئر بضاعہ سے تب تام ہو جب الف لام جنسی ہو حالانکہ یہ الف لام جنسی نہیں ہے بلکہ الف لام عہد خارجی کا ہے اس سے پورے جہاں کا پانی مراد نہیں بلکہ بیئر بضاعہ کا پانی مراد ہے کہ بیئر بضاعہ کا پانی وقوع نجاست سے ناپاک نہیں ہوتا باقی بیئر بضاعہ کا پانی نجس کیوں نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ماء جاری کے حکم میں ہے باقی ماء جاری اس طرح ہے کہ اس کے ذریعے باغوں اور کھیتوں کو سیراب کیا جاتا تھا اور کثرت سیرابی کی وجہ سے اس میں استقرار نہیں تھا یعنی اس میں پانی ٹھہرتا نہیں تھا ہر وقت نکالا جاتا تھا تو استقرار نہ ہونے کی وجہ سے یہ ماء جاری کے حکم میں ہے۔

سوال: اگر بئر بضاعہ کا پانی جاری تھا تو پھر نہر بضاعہ کیوں نہیں کہا نہر بضاعہ کہنا چاہیے؟

جواب: ہم نے کب دعویٰ کیا ہے کہ نہر اور دریا کی طرح جاری تھا بلکہ اس وجہ سے کہ کثرت سے پانی نکالا جاتا تھا ماء جاری کے حکم میں ہے اور ماء جاری کا حکم یہ ہے کہ جب تک متغیر الاوصاف نہ ہو نجس نہیں ہوتا۔

چنانچہ امام طحاوی رحمہ اللہ نے امام واقدی رحمہ اللہ کی سند سے یہ ثابت کیا کہ اس کا پانی جاری تھا کہ کثرت سے اس سے پانی نکالا جاتا تھا۔

سوال: واقدی تو ایسا شخص ہے کہ اس پر سخت قسم کی جرح کی گئی ہے امام احمد رحمہ اللہ نے اس کو جھوٹا قرار دیا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کی ساری کتابیں جھوٹ سے بھری ہوئی ہیں۔

جواب: محققین کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ امور جو احادیث صحیحہ یا اجماع امت سے ثابت ہوں اس کے خلاف واقدی کا قول قبول نہیں اور وہ امور جو احادیث صحیحہ یا اجماع امت سے ثابت ہوں اس کے خلاف نہ ہوں اس کا تعلق سیر و مغازی سے ہو یا امکنہ کے احوال سے متعلق ہو تو قابل قبول ہے اور ظاہر ہے کہ ہم جو یہاں واقدی کا قول لے رہے ہیں ایک کنویں کی حالت معلوم کرنے کے لئے کہ اس کا پانی جاری تھا یا نہیں تو اس بارے میں اس کا قول لینا کوئی باعث اشکال نہیں ہے۔

حدیث بئر بضاعہ کا دوسرا جواب: یہ حدیث بوجوہ ثلاثہ سنداً قابل استدلال نہیں ہے۔

(پہلی وجہ) سند میں ولید بن کثیر کا موجود ہونا یہ متکلم فیہ راوی ہے، لأنه خارجيٌّ۔

(دوسری وجہ) سند میں محمد بن اسحاق کا موجود ہونا جس کے فضائل و مناقب بحمد اللہ سب کو معلوم ہیں خصوصاً مدلس بھی ہے۔

(تیسری وجہ) جس کی طرف امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے بھی اشارہ کیا یعنی اس میں اضطراب ہے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کرنے والا راوی کون ہے یہ راوی مجہول ہے اس میں پانچ قول ہیں ① عبید اللہ بن عبد اللہ بن رافع بن خدیج ② عبد اللہ بن عبد اللہ بن رافع ③ عبید اللہ بن عبد الرحمان بن رافع ④ عبد اللہ بن عبد الرحمان بن رافع ⑤ عبد الرحمان بن رافع تو گویا راوی کے نام میں بھی اختلاف ہے اور اس کے والد کے نام میں بھی اختلاف ہے۔

حدیث بئر بضاعہ کا تیسرا جواب: ان الماء طهورٌ لا ينجسه شيئ نجاستوں کے نکال دینے کی بعد کی حالت پر محمول ہے یعنی جب نجاستوں کو تو نکال دیا تھا لیکن طينُ البئر (کنویں کی مٹی) اور ما بين الحجرات (رہے ہوئے اجزاء نجاست) باقی تھے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے صحابہ تم جن چیزوں کو نجس سمجھ رہے ہو ماء طاری (نئے آنے والے پانی) کے لئے یہ چیزیں نجس نہیں کیونکہ اس میں حرج ہے اور دین میں حرج مدفوع ہے۔ یہ جواب امام طحاوی رحمہ اللہ نے دیا ہے اور انہوں نے کچھ نظائر بھی پیش کئے ہیں مثلاً المؤمن لا ينجس، الارض لا تنجس ان کو بھی جاری کرو۔ (ایضاح ص ۲۶۸)

حنفیہ کی وجہ ترجیح: شوافع و حنابلہ کی سب سے قوی و مضبوط دلیل حدیث قلتین ہے اور اس میں سند، متن، معنی، مصداق اور رفع و وقف ہر اعتبار سے اضطراب ہے۔ نیز یہ مسلک اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کے بھی خلاف ہے اس لئے حنفیہ کا مسلک راجح ہے۔

**الشق الثاني** ...... **عن عائشة قالت مات ابراهيم ابن النبي ﷺ وهو ابن ثمانية عشر شهرا فلم يصل عليه رسول الله ﷺ. عن عطاء ان النبي ﷺ صلى على ابنه ابراهيم وهو ابن سبعين ليلة.**

**طبق بين الحديثين تطبيقا حسنا واذكر توجيهات عدم صلاته عليه السلام على ابنه ابراهيم بالتفصيل. ماهو حكم الصلاة على الطفل الصغير والسقط ؟**

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) حضرت ابراہیم کی عمر کی روایات میں تطبیق (۲) حضرت ابراہیم پر نماز جنازہ نہ پڑھنے کی توجیہات (۳) چھوٹے و ضائع شدہ بچے پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم۔

**جواب** ...... ❶ حضرت ابراہیم کی عمر کی روایات میں تطبیق:۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی عمر کے متعلق روایات مختلف ہیں، بعض روایات میں اٹھارہ ماہ اور بعض میں ستر دن کا ذکر ہے تو ان میں سے پہلی روایت صحیح ہے۔ (الدر المنضود ج ۵ ص ۲۵۹)

صاحب بذل لکھتے ہیں کہ اس بات پر اتفاق ہے کہ ان کی پیدائش ذوالحجہ ۸ھ میں ہوئی اور وفات ۱۰ ربیع الاول ۱۰ھ میں ہوئی اور بعض شراح نے سبعین لیلۃ والی روایت کی طرف ہی تعرض نہیں کیا اور بعض نے اس تعارض کے حل کی طرف تعرض نہیں کیا۔ (بذل ج۱۰ ص۱۸)

❸ حضرت ابراہیم پر نماز جنازہ نہ پڑھنے کی توجیہات:۔ ① آپ ﷺ اس دن صلوٰۃ الکسوف میں مشغول تھے۔
② حضرت ابراہیم آپ ﷺ کا صاحبزادہ ہونے والی فضیلت کی وجہ سے نماز جنازہ سے مستغنی تھے جس طرح شہداء شہادت والی فضیلت کی وجہ سے مستغنی ہوتے ہیں۔ ③ نبی پر نماز نہیں پڑھتا کیونکہ ان کے بارے میں آیا ہے او عاش لـکـان نبیًا۔
④ آپ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی بلکہ لوگوں نے پڑھی تھی۔ (ایضاً بحوالہ عینی)

❹ چھوٹے وضائع شدہ بچے پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم:۔ امام احمدؒ کے نزدیک ہر اس بچے کی نماز جنازہ ہے جس کی تخلیق مکمل ہو چکی ہو خواہ وہ بچہ زندہ پیدا ہوا ہو یا مرا ہوا (تخلیق مکمل ہونے کی علامت یہ ہے کہ اسکے سر پر بال نکل آئیں) اور اگر بچہ ادھورا پیدا ہوا ہو اور اس کی تخلیق مکمل نہ ہوئی ہو تو پھر اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ جمہور کے نزدیک اگر بچہ زندہ پیدا ہوا پھر مر گیا تو اسکی نماز جنازہ ہے اور اگر بچہ مرا ہوا ہی پیدا ہو تو اس کو دھو کر کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے، اسکی نماز جنازہ نہیں ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ج۳ ص۳۳۶)

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۲۷ھ

**الشق الاول** ......عن ابن عباس انه قال يا زيد بن ارقم، هل علمت ان رسول الله ﷺ اهدى اليه عضو صيد فلم يقبله وقال انا حرم؟ قال: نعم، عن جابر بن عبدالله قال سمعت رسول الله ﷺ يقول: صيد البر لكم حلال مالم تصيدوه أو يصاد لكم، قال ابوداؤد اذا تنازع الخبران عن النبي ﷺ ينظر بما اخذ به اصحابه. (ص۲۶۰۔ج۱۔رحمانیہ)

اذكر مذاهب الائمة فى اكل الصيد للمحرم مع بسط دلائلهم. ماهو وجه التوفيق بين الحديثين؟ اشرح ماقاله ابوداؤد و وضح مراده.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) محرم کیلئے شکار کا گوشت کھانے میں اختلاف مع دلائل (۲) احادیث میں تطبیق (۳) امام ابوداؤد ﷫ کے قول کی مراد۔

**جواب** ...... ❶ محرم کے لئے شکار کا گوشت کھانے میں اختلاف: كما مرّ فى الورقة الثالثة الشق الثانى من السوال الثانى ۱۴۲۷ھ

❷ احادیث میں تطبیق:۔ اس سلسلے میں روایات مختلف ہیں بعض سے شکار کا قبول کرنا ثابت ہے اور بعض سے رد کرنا جمع بین الروایات المختلفہ میں علماء مختلف ہیں۔ حضرت امام بخاری وغیرہ ﷭ نے تطبیق اس طرح کی کہ رد کی روایات زندہ شکار پر محمول ہیں اور قبول کی روایات لحم صید پر اسی لئے امام بخاری ﷫ نے باب قائم کیا اذا أهدى للمحرم حمارًا وحشيًا حيًا لم يقبل لیکن امام نووی ﷫ نے شرح مسلم میں اس توجیہ پر سخت رد کیا ہے کیونکہ صحیح مسلم کی بعض روایات میں لحم صید کی تصریح کے باوجود ہے کہ آپ ﷺ نے اس کو رد فرمایا اسی طرح یہاں ابوداؤد میں عضو صید کے بارے میں عدم قبول روایت میں مذکور ہے لہٰذا یہ توجیہ واقعی درست نہیں اور دوسری توجیہ وہ ہے جو ائمہ ثلاثہ و جمہور ﷭ نے اپنے اپنے مسلک کے پیش نظر فرمائی ہے کہ رد کی روایات کو قنا صيدتك لاجل المحرم پر محمول کیا ہے اور قبول کی روایات کو اسکے علاوہ پر۔ (ایضاً ج۳ ص۲۲۱)

❸ امام ابوداؤد ﷫ کے قول کی مراد:۔ امام ابوداؤد ﷫ کے قول کا حاصل یہ ہے کہ اس مسئلہ میں احادیث مرفوعہ متعارضہ مختلف ہیں لہٰذا ایسی صورت میں صحابہ کرام ﷡ کے عمل کو دیکھا جائے کہ ان کا کیا عمل ہے، اختلاف احادیث کی صورت میں جو خلفاء راشدین اور صحابہ کرام ﷡ کا معمول ہو اسی پر عمل کرنا چاہیے۔ (الدر المنضود ج۳ ص۲۲۳)

**الشق الثانی** ...... عن علی قال: ما کتبنا عن رسول الله ﷺ الا القرآن وما فی هذه الصحيفة، قال قال رسول الله ﷺ المدينة حرام ما بين عائر الى ثور فمن احدث حدثا او آوى محدثا فعليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين لا يقبل منه عدل ولا صرف. (ص ٢٩٢، ج ١، رحمانیہ)

ترجم الحديث المبارك ترجمة واضحة . اين يقع "ثور" من مدينة؟

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال میں دو امور توجہ طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) "ثور" کا محل وقوع۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نہیں لکھا ہم نے رسول اللہ ﷺ سے مگر قرآن کریم اور جو کچھ اس صحیفے میں ہے اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مدینہ منورہ کا بھی حرم ہے مقام عیر سے ثور تک، پس جس شخص نے دین میں کوئی نئی بدعت و چیز ایجاد کی یا کسی بدعتی کو ٹھکانہ دیا تو اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتے اور تمام لوگوں کی لعنت ہوگی اور اس سے کوئی فرض و نفل عبادت قبول نہ کی جائے گی۔

❷ ثور کا محل وقوع:۔ اس حدیث میں دو الفاظ مذکور ہیں: عائر (جس کو عیر بھی کہتے ہیں) اور ثور، یہ دو پہاڑوں کے نام ہیں یعنی ان کا درمیانی حصہ سب کا سب حرم مدینہ ہے، صحیح بخاری میں ایک جگہ من کذا الی کذا اور ایک جگہ ما بین عائر الی کذا ہے، گویا ایک جگہ تو دونوں ہی مبہم ہیں اور دوسری جگہ اول معین اور دوسرا مبہم ہے۔ غرضیکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ثور کا لفظ اختیار نہ فرمایا اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں من کذا الی کذا اور ایک روایت میں ما بین عیر الی ثور ہے۔ حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض شراح کا خیال یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ثانی کی تعیین قصداً نہیں فرمائی کیونکہ ثور کا لفظ ان کے نزدیک صحیح نہیں تھا اس لئے بجائے الی ثور کے الی کذا نقل کیا اس لئے کہ عائر تو مدینہ میں معروف ہے اور ثور کا وہاں ہونا غیر معروف ہے بلکہ اس کا مکہ میں ہونا مشہور و معروف ہے اور یہ وہی پہاڑ ہے جس کے غار میں حضور ﷺ بوقت ہجرت کفار سے چھپ کر ٹھہرے تھے اسلئے بعض نے کہا کہ یہ لفظ وہم راوی ہے اسکے بجائے کچھ اور ہوگا مثلاً الی احد چنانچہ مسند احمد کی ایک روایت میں اسی طرح ہے۔ بعض شراح نے اسکی یہ توجیہ فرمائی کہ یہ کلام قیاس و تشبیہ پر محمول ہے کہ جس طرح مکہ میں جبل ثور معروف ہے اسی طرح وہاں بھی عائر بھی ہے اور حدیث میں یہ مکہ کے دو پہاڑ مراد ہیں مطلب یہ ہے کہ جتنی مکہ میں ان دو پہاڑوں کے درمیان مسافت ہے اتنی ہی وسیع جگہ مدینہ میں اسکا حرم ہے بعض محققین وصاحب قاموس کی تحقیق کے مطابق بعض علماء سے منقول ہے کہ ہم نے خود مدینہ میں جاکر اسکی تحقیق کی تو بعض عمر رسیدہ لوگوں سے پتہ چلا کہ واقعتاً احد پہاڑ کے پیچھے ایک پہاڑی کو ثور کہتے ہیں۔ (الدر المنضود ج ۳ ص ۳۳۳)

## ﴿السوال الثالث﴾ ١٤٢٧ھ

**الشق الاول** ...... حدثنا عثمان بن ابی شيبة عن زيد بن الحباب عن مطيع بن راشد عن توبة العنبرى انه سمع انس بن مالك ان رسول الله ﷺ شرب لبنا فلم يمضمض ولم يتوضأ وصلى قال زيد دلنى شعبة على هذا الشيخ . اشرح الحديث بايجاز . ماذا يريد المؤلف بقوله قال زيد دلنى شعبة على هذا الشيخ؟ من المراد بالشيخ المذكور؟ ورد فى حديث آخر ان النبى ﷺ شرب لبنا فدعا بماء فمضمض ثم قال ان له دسما فتعارضت الروايتان ؟ ارفع التعارض بين الروايتين .

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کی تشریح (۲) قال زيد دلنى شعبة على هذا الشيخ کی مراد (۳) شیخ مذکور کی مراد (۴) دودھ پینے کے بعد کلی کرنے کی روایات سے رفع تعارض۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کی تشریح:۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے

ایک مرتبہ دودھ پیا مگر دودھ پینے کے بعد نہ ہی کلی کی اور نہ ہی وضو کیا۔ آپ ﷺ نے بغیر کلی اور وضو کئے اسی سابقہ وضو کے ساتھ نماز ادا فرمالی۔

❷ **قال زيد دلني شعبة على هذا الشيخ** کی مراد:۔ اس حدیث کی سند میں زید بن حباب کے استاذ مطیع بن راشد ہیں۔ زید بن حباب کہتے ہیں کہ سماعِ حدیث کے لئے مجھے مطیع بن راشد کی نشاندہی شعبہ نے کی تھی۔ غالباً زید کا مقصود اس جملے کے ذریعے اپنے شیخ کی توثیق کرنا ہے اور وہ دو طرح سے ہو رہی ہے۔ ① ان کو شیخ کے لفظ سے تعبیر کیا جو کہ الفاظِ توثیق میں سے ہے اگر چہ ادنیٰ درجہ ہی ہے۔ ② شعبہ جیسے بڑے محدث نے جب ان کی طرف رہنمائی کی تو وہ یقیناً ثقہ راوی ہیں۔

❸ شیخ مذکور کی مراد:۔ اس شیخ مذکور سے مراد زید بن حباب کے استاذ مطیع بن راشد ہیں جیسا کہ ابھی گزر چکا ہے۔

❹ دودھ پینے کے بعد کلی کرنے کی روایات سے رفع تعارض:۔ دودھ پینے کے بعد وضو اور کلی کے متعلق دونوں طرح کی روایات ہیں چنانچہ حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ نے اس پر علماء کا اجماع منعقد کیا ہے کہ لبن سے وضوءِ شرعی واجب نہیں ہے۔ مگر امام ترمذیؒ کے کلام سے اس میں اختلاف معلوم ہوتا ہے چنانچہ ائمہ اربعہؒ کے نزدیک وضو لازم نہیں۔ اور بعض صحابہ مثلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ و ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ وجوبِ وضوء کے قائل تھے۔ ابو سلمیٰ بن عبد الرحمٰنؒ اس کو مستحب بھی نہیں کہتے تھے۔ جب ان سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کیا کسی خوشگوار شراب کی وجہ سے بھی وضو کیا جاتا ہے؟ (الدر المنضود)

پس جن روایات میں کلی کرنے یا وضو کرنے کا ذکر ہے وہ وجوب پر دال نہیں ہے۔

نیز وضو والی روایات میں وضوءِ لغوی (ہاتھ دھونا، کلی کرنا) مراد ہے اور عدمِ وضو والی روایات میں وضوءِ شرعی مراد ہے۔

**الشق الثانی** ...... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا تَمْنَعُوْا إِمَاءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ وَلٰكِنْ لِيَخْرُجْنَ وَهُنَّ تَفِلَاتٌ. شكل الحديث و ترجمه . ظاهر هذا الحديث ومثله من الاحاديث تقتضي ان النساء لاتمنع المساجد لكن بشروط مستنبطة من الاحاديث اذكرها مبسوطة مفصلة .

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) عورتوں کے مساجد میں جانے کی شرائط۔

**جواب** ...... ❶ حدیث پر اعراب:۔ کمامرّ فی السوال آنفا۔

❷ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ منع کرو تم اللہ کی باندیوں کو اللہ کی مساجد سے اور لیکن وہ نکل سکتی ہیں اس حال میں کہ وہ خوشبو وغیرہ نہ لگائیں۔

❸ عورتوں کے مساجد میں جانے کی شرائط:۔ آپ ﷺ کے زمانہ میں عورتیں نماز کے لئے مسجد میں جاتی تھیں مگر وہ خیر کا زمانہ تھا اس لئے اس میں اجازت تھی، بعد میں شر کے غلبہ کی وجہ سے فقہاء نے اس اجازت کو چند شرائط کے ساتھ مقید کیا ہے۔

① مردوں اور عورتوں کے درمیان اختلاط نہ ہو۔ ② زیب و زینت اختیار نہ کی جائے۔ ③ خوشبو وغیرہ نہ لگائی جائے۔ ④ فتنے کا خوف اور اندیشہ نہ ہو (نووی)۔ چنانچہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر رسول اللہ ﷺ عورتوں کی موجودہ حالت کو دیکھ لیتے تو ان کو مسجد میں جانے سے منع کر دیتے۔ (الدر المنضود ج ۲ ص ۱۳۷)

## ﴿الورقة الخامسة: السنن للامام أبي داؤد﴾

### ﴿السوال الاوّل﴾ ١٤٢٨ھ

**الشق الاوّل** ...... عن عبد الله بن مسعود ان النبي ﷺ قال له ليلة الجن مافي اداوتك؟ قال: نبيذ،

قال تمرة طيبة وماء طهور. عرف النبيذ لغةً واصطلاحًا. اذكر انواع النبيذ واحكامها وعين المراد به مهنا. اذكر ادلة الائمة على ماذهبوا اليه. اذكر كلام العلماء على هذا الحديث وما لجيب عن هذا الحديث.

﴿خلاصۂ سوال ﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں (۱) نبیذ کی لغوی و اصطلاحی تعریف (۲) نبیذ کی اقسام و احکام (۳) ائمہ کے دلائل (۴) حدیث پر کلام اور اسکا جواب۔

**جواب** ...... ① **نبیذ کی لغوی و اصطلاحی تعریف:۔** نبیذ نبذ سے ہے جس کے معنی ڈالنے کے ہیں یہ فعیل کا صیغہ مفعول کے معنی میں ہے یہ ایک قسم کا شربت ہے جو مختلف چیزوں تمر، منقی، زبیب، عسل، حنطہ، شعیر وغیرہ سے بنتا ہے لیکن زیادہ تر نبیذ تمر کی ہوتی تھی اسی کو آپ ﷺ نوش فرماتے تھے۔ اسکا طریقہ یہ ہے کہ جس چیز کی نبیذ بنانی ہو مثلاً کھجور یا کشمش اس کو شام کے وقت پانی میں بھگو کر رکھ دیا جائے صبح کو جب اس میں مٹھاس پیدا ہو جائے پی لیا جائے یا صبح کو پانی میں ڈال کر رکھ دیں اور شام کو پی لیں۔ (الدر المنضود ج۱ ص۲۲۹)

② **نبیذ کی اقسام واحکام:۔** احکام کے اعتبار سے نبیذ کی تین قسمیں ہیں ① یہ کہ کھجوریں تھوڑی دیر کیلئے پانی میں بھگو دی جائیں اور پھر نکال لی جائیں کہ ابھی تک مٹھاس کا اثر بھی پانی میں نہ آیا ہو ② یہ ہے کہ اتنی دیر پانی میں رکھی جائیں کہ اس پانی میں تغیر آجائے، حدت، تیزی، جھاگ اور نشہ پیدا ہو جائے ③ یہ ہے کہ اتنی دیر بھگوئی جائیں کہ پانی کے اندر صرف مٹھاس پیدا ہو اور کسی قسم کا تغیر تیزی یا جھاگ پیدا نہ ہو۔

قسم اول سے وضوء بالاتفاق جائز ہے اس لئے کہ فی الواقع عرفاً وہ نبیذ ہی نہیں ہے صرف لغۃً نبیذ ہے اور قسم ثانی کہ پانی میں سکر پیدا ہو جائے اس سے وضوء بالاتفاق جائز نہیں ہے اور قسم ثالث جو درمیان میں ہے اس میں اختلاف ہو رہا ہے۔ ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اس سے وضوء جائز نہیں ہے اور امام صاحب کا قول یہ ہے کہ اس سے وضوء جائز ہے۔ امام محمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ ایسی نبیذ سے وضوء بھی کیا جائے اور تیمم بھی کیا جائے۔

جاننا چاہیے کہ علماء کا اختلاف صرف نبیذ تمر میں ہے۔ تمر کے علاوہ دوسری چیزوں سے جو نبیذ بنائی جائے اس سے وضوء بالاتفاق جائز نہیں ہے اس لئے کہ وضوء بالنبیذ کا جواز امام صاحب کے نزدیک خلاف قیاس حدیث کی بناء پر ہے۔ اور جو حکم خلاف قیاس حدیث سے ثابت ہو وہ اپنے مورد پر منحصر ہوتا ہے دوسری شئی کو اس پر قیاس کرنا جائز نہیں ہوتا۔ نیز امام صاحب رحمہ اللہ جو وضوء بالنبیذ کے جواز کے قائل ہیں وہ اس وقت میں ہیں جب ماء مطلق نہ ہو اور ماء مطلق کی موجودگی میں وہ بھی جواز کے قائل نہیں ہیں۔ البتہ امام اوزاعی رحمہ اللہ کے نزدیک ماء مطلق کی موجودگی میں بھی نبیذ سے وضوء جائز ہے۔

نیز یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ امام صاحب ابتداء میں نبیذ سے جواز وضوء کے قائل تھے پھر بعد میں مسلک جمہور کی طرف ان کا رجوع ثابت ہے لہٰذا اب فتویٰ اسی قول اخیر پر ہے اسی کو امام طحاوی رحمہ اللہ نے بھی اختیار فرمایا ہے۔

③ **ائمہ کے دلائل:۔** امام صاحب رحمہ اللہ کا استدلال حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث الباب سے ہے جو لیلۃ الجن میں پیش آئی تھی کہ آپ ﷺ نے نبیذ کے بارے میں فرمایا **تمرة طيبة وماء طهور** اور پھر اس سے وضوء فرمایا۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی دلیل آیت کریمہ **فلم تجدوا ماءً فتيمموا** ہے کہ اگر ماء مطلق نہ ہو تو تیمم کرو اور نبیذ ماء مطلق نہیں ہے۔ جواب یہ ہے کہ مذکورہ احادیث کے قرینہ سے یہ آیت مقید ہے کہ نہ پانی ہو اور نہ پانی کے حکم میں نبیذ وغیرہ ہو تو پھر تیمم کرو۔ (ایضاً)

④ **حدیث پر کلام اور اسکا جواب:۔** جمہور محدثین نے اس حدیث پر تین طرح کے نقد و اعتراض کئے ہیں۔

① اسکی سند میں ابو زید راوی ہیں جو باتفاق محدثین مجہول ہیں، چنانچہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اسکے مجہول ہونے پر اتفاق نقل کیا ہے امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی یہی نقل فرمایا ہے کہ یہ مجہول ہیں، حدیث نبیذ کے علاوہ کوئی اور حدیث ان سے مروی نہیں ہے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا ہے کہ ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث کو ابوزید سے۔ راوی لذکورنی السند ابوفزارہ کے علاوہ ابوروق بھی روایت کرتے ہیں۔ علامہ عینی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب ابوزید سے روایت کرنیوالے دو ہو گئے تو پھر ابوزید حد جہالت سے خارج ہو گئے (اسلئے کہ مجہول العین اس کو کہتے ہیں من لم یرو عنہ الا واحد پھر علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کرنے والے صرف ابوزید ہی نہیں ہیں بلکہ ابوزید کے علاوہ ایک جماعت بھی اسکوان سے روایت کرتی ہے اور عینی رحمہ اللہ نے اربعۃ عشر رجلا یعنی چودہ رواۃ مع کتب حدیث کے حوالہ کے ایسے شمار کرائے جو اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں ان چودہ رواۃ کا بیان بذل المجہود میں موجود ہے۔

② یہ حدیث اخبار آحاد سے ہے جو کتاب اللہ کے اطلاق کے خلاف ہے اسلئے کہ کتاب اللہ میں یہ ہے کہ اگر ماء مطلق نہ پاؤ تو تیمم کرو اور ظاہر ہے کہ نبیذ ماء مطلق نہیں بلکہ ماء مقید ہے لہٰذا تیمم کرنا چاہیے، وضوء کیلئے ماء مطلق کا ہونا ضروری ہے۔

اس اشکال کا جواب حضرت رحمہ اللہ نے بذل میں دیا ہے کہ چونکہ وضوء بالنبیذ کے بعض اکابر صحابہ قائل ہیں جیسے حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم لہٰذا اس حدیث کو عمل صحابہ رضی اللہ عنہم اور تلقی بالقبول کی وجہ سے مشہور کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔ اور اس قسم کی حدیث سے اطلاق کتاب اللہ میں ترمیم اور تخصیص جائز ہے۔

③ تیسرا اشکال اس حدیث پر جمہور کی طرف سے یہ ہے کہ صحیح مسلم اور خود سنن ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ ہے کہ علقمہ نے اپنے استاذ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ لیلۃ الجن میں آپ حضرات میں سے کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا؟ تو انہوں نے جواب دیا ما کان معہ منا احد، امام نووی رحمہ اللہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صریح دلیل ہے اس بات کی کہ وضوء بالنبیذ کی وہ حدیث جو سنن ابوداؤد وغیرہ میں موجود ہے باطل ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

ہماری طرف سے اس کا جواب یہ دیا گیا کہ لیلۃ الجن کا واقعہ جیسا کہ مشہور ہے کئی بار پیش آیا ہے جنات کے وفد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مختلف زمانوں میں چھ مرتبہ حاضر ہوئے ہیں جیسا کہ آکام المرجان فی احکام الجان میں لکھا ہے پہلی بار خاص مکہ میں، اس وقت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں تھے۔ دوسری مرتبہ بھی مکہ میں مقام حجون پر جو ایک پہاڑی ہے۔ تیسری مرتبہ مکہ کے ایک اور مقام میں، چوتھی مرتبہ مدینہ منورہ بقیع الغرقد میں، ان تینوں مرتبہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ تھے، پانچویں مرتبہ خارج مدینہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ تھے اور چھٹی مرتبہ بعض اسفار میں، اس وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ حضرت بلال بن الحارث تھے (یہ دوسرے بلال ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن تو بلال بن رباح ہیں)۔

اس تیسرے اشکال کے اور بھی جوابات دیئے گئے ہیں مثلاً یہ کہ ما کان معہ منا احد ای غیری یعنی میرے علاوہ کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں تھا یا یہ مراد ہے کہ خاص مقام تعلیم میں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کے مقدمات فیصل فرمائے تھے وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی نہ تھا اسلئے کہ منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کے یہاں جانے کے وقت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو راستہ میں کسی جگہ میں روک کر بٹھا دیا تھا کہ تم یہیں رہنا آگے مت بڑھنا اور اس جگہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی حفاظت کی غرض سے حصار فرما دیا تھا چنانچہ یہ وہیں بیٹھے رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے قریب جنات کے پاس سے واپس تشریف لائے اس وقت چونکہ نماز کا وقت ہو چکا تھا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا جیسا کہ حدیث الباب میں ہے ما فی اداوتک یہ مشہور ایرادات کے جوابات ہیں حاصل یہ ہے کہ حدیث ثابت ہے لہٰذا وضوء بالنبیذ جائز ہے۔ (ایضاً)

**المتن الثانی** ...... "عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن الشغار"۔

اکتب معنی الشغار لغةً وشرعًا . ما هو حکم الشغار بعد انعقاده؟ اذکر اقوال الائمة فی ذلك و اذکر مذهب الاحناف مع الدلیل واجب عما استدل به الائمة علی بطلان الشغار .

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① شغار کی لغوی واصطلاحی تعریف ② انعقاد کے بعد نکاح شغار کا حکم ، اختلاف ، احناف کی دلیل اور مخالفین کی دلیل کا جواب۔

**جواب** ...... ① **شغار کی لغوی وشرعی تعریف:۔** شغار لغت میں شغر البلد من السلطان سے ماخوذ ہے یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب شہر سلطان (بادشاہ) سے خالی ہو جائے ، چونکہ یہ نکاح بھی مہر سے خالی ہوتا ہے اس لیے اس کو شغار کہتے ہیں۔

شغار کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ آدمی اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح دوسرے سے اس شرط پر کرے کہ دوسرا اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح اس سے کرے گا اس میں مہر مقرر نہیں ہوتا بلکہ ان میں سے ہر ایک کی بضع ہی دوسرے کے مقابلے میں مہر بنتی ہے۔

② **انعقاد کے بعد نکاح شغار کا حکم ، اختلاف ، احناف کی دلیل اور مخالفین کی دلیل کا جواب:۔** امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے ہاں نکاح شغار اگرچہ جائز نہیں لیکن اگر کیا جائے تو نکاح منعقد ہو جائے گا اور مہر مثل واجب ہوگا۔

جمہور کے نزدیک اس صورت میں نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔

جمہور کی دلیل حدیث مذکورہ حدیث الباب ہے کہ اس میں آپ ﷺ نے نکاح شغار سے منع فرمایا۔

دوسری عقلی دلیل یہ ہے کہ شغار کی صورت میں یہ بات لازم آتی کہ ہر ایک عورت کا بضع مہر بھی ہو اور منکوح بھی ہو اور یہ درست نہیں۔

حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ افعال شرعیہ سے نہی یہ نہی عنہ کی مشروعیت کا تقاضا کرتی ہے لہٰذا نکاح درست ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ شغار کی صورت میں احد البضعین کو جو دوسرے کا مہر ٹھہرایا گیا ہے یہ تسمیہ فاسد ہے اس لئے کہ بضع مال نہ ہونے کی وجہ سے مہر نہیں بن سکتی اس لئے ایسی صورت میں ہر ایک عورت مہر مثل کی مستحق ہوگی۔

خلاصہ یہ کہ بضع کو مہر قرار دینا شرط فاسد ہے اور نکاح شرط فاسد سے منعقد اور صحیح ہو جاتا ہے اور خود شرط باطل ہو جاتی ہے۔

جمہور کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں شغار سے منع کیا گیا ہے ، باطل قرار نہیں دیا گیا ہے یعنی یہ حدیث ممانعت پر محمول ہے نہ کہ ابطال پر۔ عقلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک شغار کی صورت میں مہر مثل کا اعتبار ہے لہٰذا ہر عورت کی بضع محض منکوح کی حیثیت رکھتی ہے نہ کہ مہر اور منکوح دونوں کی۔ (درس ترمذی ج۳ ص ۳۱)

(**نوٹ:** نکاح شغار سے متعلق مزید مواد کما مرّ فی الشق الاول من السوال الثالث ۱٤۲۸)

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱٤۲۸ھ

**الشق الاول** ...... عن انس بن مالك انه حدثهم ان شهداء احد لم یغسلوا، ودفنوا بدمائهم، ولم یصل علیهم.

عرف الشهید اصطلاحا . ما هو حکم الشهید هل یغسل ام لا؟ اذکر مذاهب العلماء وادلتهم علی ذلك ما هو حکم الصلوة علی الشهید هل یصلی علیه ام لا، اذکر بالادلة ورجح الراجح . (ص ۹۲ - ج ۲ - رحمانیہ)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) شہید کی تعریف (۲) شہید کے غسل کا حکم مع الدلائل (۳) شہید پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم مع الدلائل۔

**جواب** ...... ① **شہید کی تعریف:۔** شہید وہ شخص ہے جسے دارالحرب کے کسی کافر نے یا باغیوں نے یا ڈاکوؤں نے مارڈالا ہو یا میدان جنگ سے نعش ملی ہو اور اس پر زخم ہو یا اس کو کسی مسلمان نے قتلاً مارڈالا ہو اور اس کے عوض خون بہا واجب نہ ہوا ہو بلکہ

قصاص ہی واجب ہوا ہو۔

❷ **شہید کے غسل کا حکم مع الدلائل:۔** تمام ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شہید کو غسل نہ دیا جائے گا بشرطیکہ اس کی شہادت حالت جنابت میں واقع نہ ہوئی ہو۔ دلیل یہی حدیث الباب ہے اور اس مضمون کی احادیث متعدد کتب حدیث میں موجود ہیں (چونکہ اتفاقی مسئلہ ہے اس لئے تفصیلی دلائل کو یہاں ذکر نہیں کیا گیا)۔

اور اگر جنبی ہونے کی حالت میں شہادت واقع ہو تو پھر حنفیہ کے نزدیک اس کو غسل دیا جائے گا۔

دلیل حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے غسل والی روایات ہیں کہ جب جنبی ہونے کی حالت میں انکی شہادت واقع ہوئی تو فرشتوں نے انکو غسل دیا تھا۔

❸ **شہید پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم مع الدلائل:۔** شہید کی نماز جنازہ کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ جبکہ امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، سفیان ثوری، امام اوزاعی اور ابن ابی لیلیٰ رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ امام احمد اور امام اسحاق رحمہما اللہ کی ایک ایک روایت بھی اسی کے مطابق ہے، اہل حجاز کا قول بھی یہی ہے۔ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کا استدلال حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث باب سے ہے جس میں ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

حنفیہ کے دلائل: ① مستدرک حاکم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **فقد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم حمزة حين جاء الناس من القتال..... ثم جئ بحمزة فصلّى عليه** ② سنن ابی داؤد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **أنّ النبيّ صلی اللہ علیہ وسلم مرّ بحمزة وقد مثّل به ولم يصلّ على أحد من الشهداء غيره**، امام طحاوی رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کا اخراج کیا ہے اور اس روایت کی سند بھی قوی ہے۔ اس روایت میں **ولم يصلّ على أحد من الشهداء** کا جملہ آیا ہے اس کا مطلب آگے آئے گا ③ صحیح بخاری میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ **أن النبيّ صلی اللہ علیہ وسلم خرج يومًا فصلّى على أهل أحد صلاته على الميت الخ**، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے کچھ عرصہ پہلے کا واقعہ ہے ④ امام ابو داؤد رحمہ اللہ کی "مراسیل" میں حضرت عطاء رحمہ اللہ سے مروی ہے **قال: صلى النبيّ صلی اللہ علیہ وسلم قتلى أحد** ⑤ سنن نسائی میں شداد بن الہاد رضی اللہ عنہ سے ایک قصہ مروی ہے جس میں انہوں نے ایک دیہاتی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے، اسلام لانے اور غزوہ میں شریک ہو کر شہید ہونے کا ذکر کیا ہے اس میں وہ آگے فرماتے ہیں **ثم كفنه النبيّ صلی اللہ علیہ وسلم في جبة النبيّ صلی اللہ علیہ وسلم ثم قدمه فصلّى عليه الخ**، یہ روایت امام طحاوی رحمہ اللہ نے بھی ذکر کی ہے۔

یہ تمام روایات شہید کی نماز جنازہ پر دال ہیں اگر ان میں سے کسی میں ضعف ہو بھی تب بھی کثرت روایات سے اسکی تلافی ہو جاتی ہے۔

جہاں تک حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث باب کا تعلق ہے جس میں شہدائے احد پر نماز کی نفی کی گئی ہے سو جب مذکورہ بالا متعدد روایات سے انکی نماز جنازہ کا ثبوت ہو گیا تو اس حدیث کی توجیہ کی جائے گی چنانچہ اسکے متعدد جوابات دیے گئے ہیں۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیتے ہوئے یہ امکان ذکر کیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس تو ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی ہو اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زخمی تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا ہو لہذا جن روایات میں شہداء احد کی نماز جنازہ کی نفی ہے وہ اسی پر محمول ہے لیکن اس توجیہ پر تمام روایات منطبق نہیں ہوتیں۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ حدیث باب میں **لم يُصلّ عليهم** سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے سوا کسی پر مستقلاً و منفرداً نماز نہیں پڑھی بلکہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ایک ساتھ نماز پڑھی، یہ توجیہ احقر کے نزدیک درست اور بہتر ہے اس لئے کہ

اس پر مجموعی طور پر روایات منطبق ہو جاتی ہیں۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت جس میں وصال سے کچھ پہلے دوبارہ شہدائے احد پر "صلاۃ" کا ذکر ہے اس میں اگرچہ ایک امکان یہ بھی ہے کہ اس سے محض دعا مراد ہو جیسا کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے لیکن ایک قوی امکان یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے اس پر باقاعدہ نماز جنازہ پڑھی ہو اور یہ دوسری دفعہ نماز جنازہ کا پڑھا جانا شہدائے احد کے ساتھ مخصوص ہو۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہ توجیہ بھی کی ہے کہ غزوہ احد کے وقت نماز جنازہ واجب نہیں تھی بعد میں جب اس کا وجوب ہوا تو آپ ﷺ نے دوبارہ نماز ادا فرمائی۔ (درس ترمذی ج ص ٣١)

**السؤال الرابع** ...... جَاءَ سَهْلُ بْنُ أَبِي حَثْمَةَ إِلَى مَجْلِسِنَا، قَالَ: أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا خَرَصْتُمْ فَخُذُوا وَدَعُوا الثُّلُثَ، فَإِنْ لَمْ تَدَعُوا الثُّلُثَ فَدَعُوا الرُّبُعَ. (ص ٢٣٤ ج ١ رحمانیہ)

ترجم الحديث المبارك . ماهو الخرص لغة واصلاحًا . ماهو حكم الخرص عند العلماء اذكر بالدلائل . اشرح قوله "ودعوا الثلث فان لم تدعوا او تجدوا الثلث فدعوا الربع.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (١) حدیث کا ترجمہ (٢) خرص کا لغوی و اصطلاحی معنی (٣) خرص کا حکم مع الدلائل (٤) مذکورہ قول کی تشریح۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث کا ترجمہ:۔** (حضرت عبدالرحمٰن بن مسعود کہتے ہیں کہ) حضرت سہل بن ابی حثمہ ہماری مجلس میں تشریف لائے اور فرمایا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ جب تم خرص کرو تو پھل توڑ لو یعنی مالک کو پھل توڑنے کی اجازت دیدو اور ثلث چھوڑ دو، پس اگر تم ثلث نہ چھوڑ دو یا ترک ثلث کو مناسب نہ سمجھو تو پھر ربع ہی چھوڑ دو۔

❷ **خرص کا لغوی و اصطلاحی معنی:۔** خرص کا لغوی معنی اندازہ لگانا ہے اور کتاب الزکوۃ کی اصطلاح میں اس کا مطلب یہ ہے کہ امام کھیتوں اور باغوں میں پھلوں کے پکنے سے پہلے ایک آدمی بھیجے جو یہ اندازہ لگائے کہ اس سال کتنی پیداوار ہو رہی ہے۔ خرص کا فائدہ یہ ہے کہ حکومت کو پہلے سے اندازہ ہو جائے کہ اس سال کتنی پیداوار ہوئی ہے اور اس پر کتنا عشر واجب ہوگا نیز اس طرح مالکوں کے پیداوار کو چھپانے کا سد باب بھی ہو جاتا ہے۔

❸ **خرص کا حکم مع الدلائل:۔** امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خرص کا حکم یہ ہے کہ اندازے سے جتنی پیداوار ثابت ہو اتنی پیداوار کا عشر اسی وقت پہلے سے کٹے ہوئے پھلوں سے وصول کیا جا سکتا ہے لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ محض اندازے سے عشر نہیں وصول کیا جا سکتا بلکہ پھلوں کے پکنے کے بعد دوبارہ وزن کر کے حقیقی پیداوار متعین کی جائے گی اور اس سے عشر وصول کیا جائے گا۔ مالکیہ کا مسلک بھی شافعیہ کے مطابق ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں کوئی روایت مروی نہیں لیکن حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قواعد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں حنفیہ کا مسلک بھی شافعیہ کے مطابق ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال حدیث باب میں اذا خرصتم فخذوا کے الفاظ سے ہے۔ نیز اسی باب میں عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ان کا استدلال ہے ان النبي ﷺ قال في زكوة الكروم انها تخرص كما يخرص النخل ثم تؤدى زكوته زبيبًا كما تؤدى زكوة النخل تمرًا۔ جمہور کا استدلال ان احادیث سے ہے جن میں بیع مزابنہ سے منع کیا گیا ہے اور یہ احادیث صحیح اور تقریبًا مشہور کے درجہ میں ہیں جبکہ اس باب کی بیشتر احادیث سندًا متکلم فیہ ہیں لہٰذا ان کی وجہ سے مزابنہ کی صحیح اور صریح احادیث کو نہیں چھوڑا جا سکتا بالخصوص جبکہ وہ ایک اصل کلی پر مشتمل ہوں۔

امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ جب خرص کے ذریعہ عشر وصول کیا جائے یا باغ کا اندازہ لگا کر جتنی پیداوار ثابت ہوئی ہو عشر وصول کرتے وقت اس میں سے ایک تہائی یا ایک چوتھائی چھوڑ کر باقی کا عشر وصول کرنا چاہیے کیونکہ ایک تو اندازہ میں غلطی کا احتمال ہے دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ پھلوں کے پکتے پکتے کچھ مقدار خراب ہو جائے لہذا احتیاطاً ایک تہائی یا ایک چوتھائی چھوڑ کر باقی سے عشر وصول کیا جائے گا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک چونکہ پیداوار کی کوئی مقدار عشر سے مستثنیٰ نہیں لہذا ان کے نزدیک اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت پیداوار کا اندازہ لگایا جا رہا ہو تو اندازہ لگانے میں حقیقی مقدار سے ایک تہائی یا ایک چوتھائی کم کا اندازہ لگانا چاہیے کیونکہ پھلوں کے پکنے تک اتنی مقدار کے سوکھ جانے یا بکھر جانے کا احتمال ہے۔

مالکیہ میں سے ایک جماعت کے نزدیک حدیث باب کے مذکورہ بالا جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ایک تہائی یا چوتھائی مقدار کے بارے میں مالک کو یہ اختیار ہے کہ وہ خود خیرات کر دے اور اس کیلئے یہ ضروری نہیں کہ وہ اس مقدار کو بھی بیت المال کے سپرد کر دے۔

❷ **مذکورہ قول کی تشریح:۔** ودعو الثلث اور خرص کے وقت ایک ثلث زکوۃ مالک باغ کے پاس چھوڑ دو۔ ابن العربی مالکی ثلث یا ربع کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ جب خرص کے بعد پھل پک جائیں اور عشر وصول کرنے کا وقت آ جائے تو زمیندار یا کاشتکار نے جتنی مؤنت پیداوار کے لئے اٹھائی ہے اس کو مستثنیٰ کر کے باقی پر عشر لگایا جائے گا اور چونکہ اس دور میں مؤنت عموماً پیداوار کا ثلث یا ربع ہوتی تھی اس لئے اس مقدار کا ذکر کر دیا گیا۔ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک مؤنت کی مقدار تو عشر سے مستثنیٰ نہیں ہوتی البتہ اتنی مقدار مستثنیٰ ہوتی ہے جتنی مالک اور اس کے اہل وعیال کے گزارہ کیلئے کافی ہو اور یہ مقدار چونکہ ثلث یا ربع کے مساوی ہوتی تھی اس لئے خاص طور پر ثلث یا ربع کا ذکر کر دیا گیا ہے۔

## السوال الثالث ۱۴۲۸ھ

**الشق الاول** ...... اکتب ترجمة جامعة حول الامام ابی داود تحت عنوان الترجمة حاویة علی اسمه ونسبه وشهرته ومولده ووفاته وشیوخه وتلامذته ومصنفاته وعرّف کتابه وخصائصه ودرجته بین الصحاح الستة۔

**جواب** ...... **امام ابوداؤدؒ کے حالات اور سنن ابوداؤد کی خصوصیات:۔** آپ کا نام سلیمان، والد کا نام اشعث، کنیت ابوداؤد ہے، پورا نسب اس طرح ہے سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو الازدی السجستانی۔

آپ تیسری صدی ہجری کے شروع ۲۰۲ھ میں سجستان میں پیدا ہوئے، تحصیل علم کے لئے مختلف ممالک وبلاد مثلاً مصر، شام، حجاز، عراق، خراسان، بغداد کا سفر کیا۔ بغداد میں بار بار تشریف آوری ہوئی اور وہیں سکونت اختیار فرمائی اور یہیں اس کتاب کی روایت بھی وہیں کی۔ اخیر زمانہ عمر میں چار سال قبل ۲۷۱ھ میں امیر بصرہ کی درخواست پر بغداد سے بصرہ منتقل ہو گئے تھے پھر ۱۶ شوال ۲۷۵ھ بروز جمعہ کو انتقال فرمایا اور عباس بن عبد الواحد نے جنازہ پڑھایا اور حضرت سفیان ثوریؒ کی قبر کے پاس مدفون ہوئے۔

آپ نے امام بخاریؒ وامام مسلم کے شیوخ سے حدیث حاصل کی۔ حافظ ابن حجرؒ نے آپ کے شیوخ کی تعداد ۳۰۰ کے قریب بتائی ہے۔ ارباب صحاح ستہ میں سے آپ کسی کے شاگرد نہیں ہیں۔ آپ کے شیوخ میں امام احمد بن حنبلؒ بھی ہیں حتی کہ خود امام احمد بن حنبلؒ نے بھی امام ابوداؤدؒ سے حدیث عتیرہ سنی ہے۔ امام ابوداؤدؒ کے تلامذہ کی تعداد سینکڑوں میں نہیں بلکہ ہزاروں میں ہوگی مگر ان میں مشہور شخصیات جو امامت کے درجہ کو پہنچیں ان میں امام ترمذی وامام نسائی شامل ہیں۔

امام ابوداؤدؒ کے فقہی مسلک میں اختلاف ہے۔ شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے کہ آپ اصول وقواعد کلیہ میں امام احمدؒ کے متبع ہیں اور فروع میں ان کے تابع نہیں ہیں بلکہ امام احمدؒ کے وضع کردہ اصول کو سامنے رکھ کر خود استنباط کرتے ہیں خواہ وہ استنباط امام احمدؒ کے مسلک کے موافق

ہو یا مخالف ہو۔ اور اپنے اجتہاد کو مجتہد منتسب کہا جاتا ہے اور جو فقہی اصول وقواعد میں بھی کسی دوسرے امام کا تابع نہ ہو وہ مجتہد مطلق کہا جاتا ہے۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے لکھا ہے کہ بعض نے آپ کو شافعی اور بعض نے حنبلی شمار کیا ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیری اور شیخ الحدیث کی رائے بھی یہی ہے کہ امام ابوداؤد حنبلی ہیں۔ امام ابوداؤدؒ کی فن حدیث میں اس سنن کے علاوہ اور بھی تصنیفات ہیں ① مراسیل ابی داؤد ② کتاب القدر ③ الناسخ والمنسوخ ④ التفرد ⑤ فضائل الانصار ⑥ مسند مالک بن انس ⑦ المسائل۔

امام ابوداؤدؒ نے بعض عادات کو اپنی سنن میں خصوصیت کے ساتھ اختیار کیا ہے۔ ① قال ابوداؤد۔ اس کی غرض کبھی اختلاف رواۃ فی الاسناد کو بیان کرنا ہوتا ہے اور کبھی اختلاف رواۃ فی الفاظ الحدیث کو بیان کرتے ہیں اور کبھی صرف تعدد طرق کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ② بعض مرتبہ کسی حدیث کی سند کو بیان کرتے ہوئے دوسری سند بھی ذکر کر دیتے ہیں اور ہر سند کے جو الفاظ مروی ہوتے ہیں ان کو الگ الگ ممتاز کر دیتے ہیں۔ ③ بسا اوقات ترجمۃ الباب کے ذریعے تمام روایات اور رفع تعارض کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ④ اس کتاب میں کوئی ایسی روایت ذکر نہیں کی گئی جو امام ابوداؤدؒ کے نزدیک متروک ہو۔ ⑤ اگر کسی حدیث کی دو سندیں ہیں ان میں سے ایک کے راوی مقدم ہیں یعنی وہ سند عالی اور کم وسائط والی ہے اور دوسری سند کے راوی احفظ ہیں تو سند عالی کو اختیار کرتے ہیں۔ ⑥ ترجمۃ الباب کو ثابت کرنے کے لئے ایک ہی روایت ذکر کرتے ہیں بشرطیکہ اس سے پورا ترجمہ ثابت ہو جاتا ہو اگر کسی باب میں زائد احادیث ہیں تو وہ کسی خاص فائدہ کے تحت ہوں گی۔ ⑦ بسا اوقات طویل حدیث کا اختصار کیا جاتا ہے اور اس حدیث کا صرف وہ حصہ ذکر کیا جاتا ہے جو ترجمۃ الباب کے مناسب ومتعلق ہو اس لئے کہ پوری حدیث ذکر کرنے میں جو جز مقصود ہے وہ بعض لوگوں کے حق میں مخفی رہ سکتا ہے۔ ⑧ امام ابوداؤدؒ نے اپنی ان چار ہزار آٹھ سو احادیث کا انتخاب پانچ لاکھ احادیث میں سے کیا ہے۔ ⑨ سنن کے طرز پر یہ پہلی کتاب ہے اس سے پہلے حدیث کی جو تصانیف تھیں وہ جامع اور مسند تھیں۔ ⑩ احادیث احکام پر ایسی جامع کتاب پہلے تصنیف نہیں کی گئی اور فقہی احادیث کا جتنا بڑا ذخیرہ اس کتاب میں موجود ہے وہ کسی دوسری کتاب میں نہیں ہے چنانچہ ابن الاعرابی وامام غزالیؒ نے تصریح فرمائی ہے کہ کتب احادیث میں سے صرف یہ ایک کتاب مجتہد کے لئے کافی ہے۔ ⑪ اس کتاب کے متعلق یہ بات کہی گئی ہے کہ آپ ﷺ نے خواب میں فرمایا جو میری سنت کے ساتھ تمسک یعنی اتباع کرنا چاہے اسے ابوداؤد پڑھنی چاہیے۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ خواب ابو العلاء الوادعیؒ نے دیکھا۔

عند الجمہور اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح بخاری شریف ہے، اس کے بعد دوسرا مرتبہ مسلم شریف کا ہے پھر عند الجمہور تیسرا مرتبہ ابوداؤد کا ہے جبکہ ابن سید الناس کی رائے یہ ہے کہ ابوداؤد اور مسلم دونوں کا ایک ہی مرتبہ ہے مگر یہ جمہور کے خلاف ہے۔ اسکے بعد چوتھا مرتبہ ترمذی شریف کا ہے مگر بہت سے حضرات کی تحقیق یہ ہے کہ نسائی شریف کا مرتبہ ترمذی سے اونچا ہے اور شیخ الحدیث کی رائے اور قرین قیاس بھی یہی ہے۔ اور علامہ شاہ کشمیریؒ کی رائے یہ ہے کہ نسائی شریف کا مرتبہ ابوداؤد سے بھی اونچا ہے۔ (الدر المنضود)

**الشق الثانی** ...... حدثنی عقبة بن الحارث قال تزوجت ام یحیی بنت ابی اهاب فدخلت علینا امرأة سوداء فزعمت انها ارضعتنا جمیعا فاتیت النبی ﷺ فذکرت ذلك له، فاعرض عنی فقلت یارسول الله، انها لکاذبة، قال ومایدریك وقد قالت ماقالت دعها عنك. ([illegible] رحمانیہ)

**ترجم الحدیث المبارك. هل یثبت الرضاع بشهادة امرأة واحدة؟ اذکر اختلاف العلماء وادلتهم علی ماذهبوا الیه.**

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) ایک عورت کی گواہی سے رضاعت کا ثبوت (۳) ائمہ کے دلائل۔

تشریح ...... ❶ **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ام یحییٰ بنت ابی اہاب سے نکاح کیا تو ہمارے پاس ایک سیاہ رنگ کی عورت آئی اور اس نے گمان ظاہر کیا (کہا) کہ اس نے ہم دونوں (میاں بیوی) کو دودھ پلایا ہے تو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور میں نے پورا واقعہ بیان کر دیا تو آپ ﷺ نے مجھ سے اعراض کیا، میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! بے شک وہ جھوٹی ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تیری کیا رائے ہے؟ (یعنی تو اس منکوحہ کو کیسے اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے) حالانکہ کہی گئی ہے وہ بات جو کہی گئی ہے (یعنی وہ تیری رضاعی بہن ہے) لہٰذا تو اپنی منکوحہ کو چھوڑ دے۔

❷ **ایک عورت کی گواہی سے رضاعت کا ثبوت:۔** اس بات میں اختلاف ہے کہ اگر تنہا مرضعہ شہادت دے تو صرف اس کی شہادت معتبر ہے یا نہیں؟ امام احمد، امام اسحاق، امام اوزاعی اور امام زہری رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ مرضعہ کی شہادت تنہا معتبر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور طاؤس سے بھی یہی مروی ہے۔ امام اوزاعی کا ایک قول یہ ہے کہ اگر مرضعہ قبل التزوج شہادت دے تو معتبر ہے ورنہ معتبر نہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رضاعت کے اثبات کیلئے دو عورتوں کی شہادت معتبر ہے، کسی مرد کا ہونا ضروری نہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رضاعت کے باب میں کم از کم چار عورتوں کی گواہی ضروری ہے، یہ امام شعبی اور عطاء رحمہما اللہ سے بھی مروی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رضاعت کے اثبات کے لئے بھی نصاب شہادت ضروری ہے، یعنی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں، اس کے بغیر رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔ (کشف الباری ج ۲ ص ۵۰۵)

❸ **ائمہ کے دلائل:۔** امام احمد رحمہ اللہ نے حدیث باب سے استدلال کیا ہے کہ یہاں صرف ایک مرضعہ کی شہادت ہے اور اس بناء پر حضور اکرم ﷺ نے حضرت عقبہ کو فرمایا کہ اپنی بیوی کو چھوڑ دے۔ حنفیہ اس باب میں آیت کریمہ **واستشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين فرجل وامرأتان** سے استدلال کرتے ہیں۔

جہاں تک حدیث باب کا تعلق ہے سو جمہور اس کو تنزہ اور تورع و احتیاط پر محمول کرتے ہیں۔

اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ تنہا مرضعہ کی شہادت سے تفریق کرانا امام قانوناً نہیں اور نہ شریعت حرمت ثابت کرتی ہے، ہاں اس سے ایک قسم کا شک اور شبہ ضرور پیدا ہو جاتا ہے، ظاہر ہے کہ شبہ پیدا ہو جانے کے بعد اس بیوی سے مخالطت میں انبساط نہ ہوگا، چونکہ عمر بھر کا معاملہ ہے اس لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے انقباض رہے گا جس کا امور معاشرت و تربیت اولاد پر برا اثر پڑنا بھی ظاہر ہے، اسی بناء پر **الحلال بين والحرام بين وبينهما مشتبهات** اور **دع ما يريبك الى ما لا يريبك** کا لحاظ کر کے تقویٰ و ورع کی بناء پر حضور اکرم ﷺ نے **كيف وقد قيل** اور **دعها عنك** فرمایا۔ محقق ابن ہمام اور علامہ سرخسی رحمہما اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے شیخ خیر الدین رملی رحمہ اللہ کے حاشیہ البحر الرائق کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے لکھا ہے کہ تنہا ایک عورت کی شہادت دیانۃً معتبر ہے، قضاءً معتبر نہیں۔ قضاء اور دیانت میں فرق یہ ہے کہ جب تک معاملہ عدالت میں نہ پہنچے تب تک دیانت ہی کا اعتبار ہوگا اور مفتی سے اگر اس معاملے کے متعلق استفتاء کیا جائے تو مفتی دیانت کے مطابق ہی فتویٰ دے گا، ہاں جھگڑا عدالت میں پہنچنے کے بعد قاضی اس کا اعتبار نہیں کرے گا، کیونکہ فیصلہ قضاءً تنہا مرضعہ کی شہادت پر نہیں ہو سکتا۔

آنحضرت ﷺ میں دونوں حیثیتیں جمع تھیں، آپ مفتی بھی تھے اور قاضی بھی، اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ فیصلہ آپ نے کس حیثیت سے فرمایا۔ اگر قضاء کی حیثیت سے کیا ہے تو بے شک جواب دہی کی ضرورت ہوگی مگر قرائن اس کے متقاضی ہیں کہ آپ نے بحیثیت قضاء یہ فیصلہ نہیں فرمایا بلکہ بحیثیت افتاء کے آپ نے یہ فیصلہ فرمایا ہے۔ اگر قضاءً یہ فیصلہ ہوتا تو آپ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کے خبر دینے کے بعد اعراض نہ فرماتے بلکہ فوراً فیصلہ فرماتے، جبکہ روایات میں ہے کہ آپ نے خبر سننے کے بعد اعراض فرمایا جب

انہوں نے دوبارہ بلکہ بعض روایات کے مطابق تیسری اور چوتھی مرتبہ یا سہ بار ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کیف وقد قیل۔
اسی طرح اگر یہ فیصلہ قضاءً ہوتا تو آپ شاہد کو باقاعدہ مجلس قضاء میں طلب فرماتے اور پھر حکم نافذ فرماتے جبکہ یہاں کچھ بھی نہیں ہوا۔
خلاصہ یہ ہوا کہ علامہ خیر الدین رملی کے بقول یہاں آپ ﷺ نے قضاءً نہیں بلکہ دیانۃً فیصلہ فرمایا ہے، گویا کہ کسی صورت میں قضاءً تو نہیں دیانۃً تفریق ضروری ہے۔
جبکہ محقق ابن الہمام اور امام سرخسی کے بقول یہاں دیانۃً بھی تفریق ضروری نہیں بلکہ تورعاً اور تنزھاً تفریق کا حکم دیا گیا ہے۔
پھر امام سرخسی رحمہ اللہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ حدیث باب میں شہادت دینے والی عورت کی شہادت کسی کے نزدیک معتبر نہیں ہونی چاہیے کیونکہ روایت میں آتا ہے کہ حضرت عقبہ بن الحارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تزوجت بنت أبي اهاب، فجاءت امرأة سوداء تستطعمنا فأبينا أن نطعمها، فجاءت من الغد تشهد على الرضاع...... امام سرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ومثل هذه الشهادة تكون عن ضغن، فلا تتم الحجة بها۔
حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو جدا کر دیا "ففارق" کے اندر یہ احتمال بھی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے تفریق کرا دی ہو اور یہ احتمال بھی ہے کہ خود حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے طلاق دے کر جدا کر دیا ہو۔ (ایضاً)

## ﴿الورقة الخامسة: السنن للامام أبي داؤد﴾

### ﴿السوال الاول﴾ ۱۴۲۹ھ

**الشق الاول** ...... حدثنا محمد بن العلاء وعثمان بن أبي شيبة والحسن بن علي وغيرهم قالوا: حدثنا أبو أسامة عن الوليد بن كثير عن محمد بن جعفر بن الزبير عن عبدالله بن عمر عن أبيه قال سئل النبي ﷺ عن الماء ومايتوبه من الدواب والسباع فقال ﷺ: اذا كان الماء قلتين لم يحمل الخبث هذا لفظ ابن العلاء، وقال عثمان والحسن بن علي: عن محمد بن عباد بن جعفر. (ص ۲۰-ج۱-رحمانیہ)
اذكر حكم المياه هل تتنجس بوقوع النجاسة أم لا؟ واذكر أدلة الأئمة. اذكر وجوه ترجيح ماذهب اليه أبو حنيفة مع الجواب عن أدلة الخصم. اشرح الحديث المذكور مع ماله وماعليه.
خلاصۂ سوال ...... اس سوال کا خلاصہ دو امور ہیں (۱) وقوع نجاست کی وجہ سے پانی کا حکم و دلائل اور حنفیہ کی وجہ ترجیح (۲) حدیث کی تشریح۔

**جواب** ...... ① کما مرّ فی الشق الاول من السوال الاول ۱۴۲۷ھ۔
**حدیث کی تشریح:۔** حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ سے صحراء وغیرہ کے پانی کے متعلق سوال کیا گیا کہ اس پر چوپائے درندے وغیرہ آتے رہتے ہیں تو اس پانی کی طہارت ونجاست کا کیا حکم ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب پانی قلتین ہو تو وہ نجس نہیں ہوتا اگر قلتین سے کم ہو تو وہ نجس ہو جاتا ہے اور حنفیہ کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ صحراؤں کا پانی آہستہ آہستہ کم ہوتا ہے اور پانی جب کم ہوتے ہوتے قلتین رہ جائے تو وہ نجاست کو برداشت نہیں کرتا یعنی وہ نجس ہو جاتا ہے۔

**الشق الثانی** ...... حدثنا محمد بن آدم المصيصي حدثنا أبو خالد عن ابن عجلان عن زيد عن أبي صالح عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: انما جعل الامام ليؤتم به" بهذا الخبر زا... قرأ فأنصتوا" قال أبو داود: وهذه الزيادة "واذا قرأ فأنصتوا" عندنا ليست بمحفوظة. الو...

عندنا من أبي خالد . (ص۹۹۔ ج۱۔ رحمانیہ)

اذكر مذاهب العلماء في الامام يصلي جالسًا فما حكم المقتدين" ايقتدون قيامًا أم قعودًا . اذكر دلائل الأئمة على ذلك . اشرح ماقاله أبوداود ببسط" ثم اذكر هل أصاب في قوله هذا ام لم يصب؟

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال کا حل دو امور ہیں (۱) امام جالساً کے پیچھے اقتداء کی کیفیت میں اختلاف مع دلائل (۲) امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے قول کی وضاحت اور اس کا حکم۔

**جواب** ...... ❶ امام جالساً کے پیچھے اقتداء کی کیفیت میں اختلاف مع الدلائل:۔

كمامرّ في الشق الاوّل من السوال الثاني ۱۴۲۷ھ . (الورقة الثالثة)

❷ امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے قول کی وضاحت اور اس کا حکم:۔ وزاد اذاقرأ فانصتوا یہ جملہ عدم قراءت خلف الامام کے سلسلے میں احناف کا مستدل ہے تو اس پر امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اعتراض کیا ہے کہ یہ زیادتی غیر محفوظ ہے یہ ابوخالد کا وہم ہے۔ لیکن یہ غیر محفوظ کا قول خود غیر محفوظ ہے اولاً صاحب الترغیب والترہیب حافظ منذری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابوخالد ثقات میں سے ہے اور ثقہ کی زیادتی محفوظ میں سے ہوتی ہے نہ کہ غیر محفوظ۔ ثانیاً ابوخالد ان رواۃ میں سے ہے جن کی احادیث سے شیخین بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے استدلال کیا ہے۔ ثالثاً یہ ابوخالد متفرد نہیں بلکہ ان کا متابع موجود ہے نسائی کی روایت میں متابع محمد بن سعید ہے اور دارقطنی کی روایت میں دو اور متابع بھی ہیں ایک متابع کافی ہوتا ہے یہاں تین متابع ہیں۔ رابعاً اس زیادتی کا شاہد بھی موجود ہے اور وہ شاہد ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس جملہ کا مذکور ہونا ہے چنانچہ امام مسلم رحمہ اللہ نے سلیمان تیمی کے طریق سے روایت ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ میں یہ جملہ نقل کیا ہے تو امام مسلم رحمہ اللہ کے ہاں یہ زیادتی و جملہ محفوظ ہے تو جب ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ زیادتی محفوظ ہے تو ابوخالد کی روایت میں بھی محفوظ ہے۔ خامساً تقابل ہو رہا ہے امام مسلم اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے درمیان امام ابوداؤد رحمہ اللہ اس کو غیر محفوظ اور امام مسلم رحمہ اللہ اس کو محفوظ قرار دے رہے ہیں اور محدثین کے ہاں زیادہ درجہ امام مسلم رحمہ اللہ کا ہے لہٰذا امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے قول کے مقابلے میں امام مسلم رحمہ اللہ کے قول کو ترجیح ہوگی۔ (الدر المنضود ج۲ ص۲۰ و دفاع بذل المجہود ص۸۹)

## ﴿السوال الثاني﴾ ۱۴۲۹ھ

**الشق الاوّل** ............عن ابى هريرة ان رسول الله ﷺ قال ايما رجل افلس فادرك الرجل متاعه بعينه فهو احق به من غيره . (ص۱۳۶۔ ج۲۔ رحمانیہ) ترجم الحديث ترجمة واضحة .

ماهو اختلاف العلماء فى المسالة المذكورة فى الحديث؟ اذكر ادلتهم على ما ذهبوا اليه.

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) مفلس کے پاس اپنا مال پانے کا حکم (۳) ائمہ کے دلائل۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مفلس ہو جائے اور دوسرا شخص بعینہٖ اپنا سامان اسکے پاس پائے تو وہ دوسرے لوگوں کی بنسبت اپنی چیز کا زیادہ حقدار ہے۔

❷ مفلس کے پاس اپنا مال پانے کا حکم:۔ اگر کسی کے دیوالیہ ہونے کا قاضی اعلان کردے اور کوئی شخص اپنا فروخت کیا ہوا سامان دیوالیہ کے پاس بحالہٖ پائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ مثلاً ایک شخص نے زید کو بکری فروخت کی ابھی قیمت وصول نہیں ہوئی تھی کہ زید دیوالیہ قرار دیدیا گیا اور وہ بکری اسکے پاس بحالہٖ موجود ہے تو اسکا کیا حکم ہے؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بائع وہ بکری لے لیگا اس کو فروخت نہیں کیا جائیگا اور حنفیہ کے نزدیک اس بکری کو بھی فروخت کیا جائیگا اور بائع قرض خواہوں کی صف میں کھڑا ہوگا اور حصہ رسد پائے گا۔

② **ائمہ کے دلائل:۔** ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کا استدلال باب کی حدیث سے ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "جو آدمی دیوالیہ قرار دیدیا جائے اور کوئی شخص اپنا سامان اسکے پاس بعینہ پائے تو وہ اس سامان کا دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ حقدار ہے" اور امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں "فروخت کیا ہوا مال اس حدیث میں مراد نہیں کیونکہ وہ بائع کا مال نہیں رہا وہ مشتری کا مال ہے بلکہ اس حدیث میں مراد امانتیں، عاریتیں اور مغصوبہ مال ہیں۔ یعنی اگر کسی نے دیوالیے کے پاس کوئی چیز امانت رکھی یا عاریت دی یا کسی نے غصب کی اور وہ اس نے خرید و فروخت نہیں کی بلکہ بعینہ موجود ہے تو وہ چیز فروخت نہیں کی جائے گی بلکہ مالک کو واپس دی جائے گی۔ (تحفۃ الاحوذی ج ۳ ص ۱۸۰)

حنفیہ کی پہلی دلیل: سمرہ کی روایت ہے من سرق له متاعه ووجده عنده مفلس بعينه فهو احق به من غيره یعنی اگر کسی کا مال چوری ہو اور بعینہ وہ مال مفلس کے پاس مل گیا تو یہ شخص دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ حقدار ہے۔

دوسری دلیل: اسی حدیث باب میں "بعینہ" کا لفظ ہے۔ اس سے بھی معلوم ہو رہا ہے کہ یہاں بیع نہیں ہوئی اس لئے کہ بیع سے ملک بدل جاتی ہے اور تبدل ملک سے تبدل عین ہو جاتا ہے۔ (تقریر ترمذی)

**الشق الثانی** ...... المؤمنون تتكافأ دماؤهم، وهم يد على من سواهم ويسعى بذمتهم أدناهم ألا لا يقتل مؤمن بكافر ولا ذو عهد في عهده من أحدث حدثا فعلى نفسه، ومن أحدث حدثا أو آوى محدثا فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين. ([illegible])

اذكر حكم قتل المؤمن بالكافر عند الفقهاء. اذكر أدلتهم. اشرح الحديث كاملاً ببسط وتفصيل.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) کافر کے بدلہ میں مسلمان کے قتل کا حکم (۲) ائمہ کے دلائل (۳) حدیث کی تشریح۔

**جواب** ...... ① **کافر کے بدلہ میں مسلمان کے قتل کا حکم:۔** امام ابوحنیفہ، امام زفر اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ کا ایک قول یہ ہے کہ ذمی کافر کے بدلہ میں مسلمان کو قصاصاً قتل کیا جائیگا اور حربی کافر کے بدلہ میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا اور مستامن کے قاتل کے بارے میں حنفیہ کے دو قول ہیں۔ ایک قول کے مطابق مستامن کے قاتل کو قتل نہیں کیا جائیگا بلکہ دیت لازم ہوگی۔

دوسرے قول کے مطابق مستامن کے قاتل کو بھی قصاص میں قتل کیا جائے گا۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک کسی کافر کے بدلہ میں کسی مسلمان کو قصاصاً قتل نہیں کیا جائیگا خواہ کافر ذمی ہو مستامن ہو یا حربی ہو۔

② **ائمہ کے دلائل:۔** دلائل احناف: ① يا ايها الذين آمنوا كتب عليكم القصاص في القتلى الخ ② وكتبنا عليهم فيها ان النفس بالنفس والعين بالعين الخ ③ ولا يقتلون النفس التي حرم الله الا بالحق. ان تینوں آیات میں حرمت نفس ذمی کو بھی شامل ہے کیونکہ عموماً یہ بھی مسلمان ہے ④ مسلمان اگر ذمی کا مال چرائے تو قطع ید کی سزا ہے لہذا قتل پر قصاص بطریق اولیٰ ہوگا ⑤ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ذمی کے قاتل مسلمان کو قصاصاً قتل کیا تھا ⑥ آپ ﷺ نے ذمی کے قاتل پر سخت وعید بیان فرمائی کہ جو شخص ذمی کو قتل کرے وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھے گا اس سے معلوم ہوا کہ اس کا قتل کا بھی گناہ ہے۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی دلیل یہی حدیث الباب ہے لا يقتل مؤمن بكافر۔

جوابات: ① اس روایت میں کافر سے مراد کافر حربی ہے کیونکہ دوسری روایت میں ولا ذو عهد في عهده آیا ہے تو ذمی اور کافر کے تقابل سے معلوم ہوا کہ کافر اور ذمی کا الگ الگ حکم ہے اور کافر سے مراد کافر حربی ہے ② لا يقتل مؤمن میں مؤمن کا لفظ مسلمان حقیقی و حکمی دونوں کو شامل ہے اور ذمی حکماً مسلمان ہے کیونکہ انہوں نے حفاظت جان و مال کے بدلہ میں جزیہ دیا ہے اور

مسلمان حکومت نے ان کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے لہٰذا ذمی کا شمار حکماً مسلمان میں ہوگا اور کافر سے مراد کافر حربی ہے جو نہ حقیقتاً مسلمان ہے اور نہ حکماً مسلمان ہے۔ (تقریر ترمذی ج ۲ ص ۵۳)

❸ **حدیث کی تشریح:۔** **المسلمون تتكافأ دماؤهم** آپ ﷺ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ تمام مسلمانوں کے خون برابر ہیں شریف اور وضیع اونچی اور نیچی قوم کا کوئی فرق نہیں، جان کا بدلہ جان ہی ہے چاہے کوئی بھی ہو۔

**وهم يد على من سواهم** تمام مسلمان ایک دوسرے کے معاون ہیں، ہر ایک کو دوسرے کی امر حق میں معاونت کرنی چاہیے، اور اس اعانت میں امان دینا بھی داخل ہے لہٰذا اس کی بھی رعایت کرنی چاہیے۔

**ويسعى بذمتهم أدناهم** مسلمانوں کی طرف سے پناہ اور امن دینے میں ادنیٰ درجہ کا مسلمان بھی سعی کرسکتا ہے یعنی اگر ادنیٰ درجہ کا مسلمان کسی کافر کو امان دیدے تو پھر یہ امن ہر مسلمان کو تسلیم کرنا ہوگا۔ ادنیٰ خواہ عدد کے اعتبار سے ہو، جیسے صرف ایک آدمی امان دے، یا مرتبے کے لحاظ سے ادنیٰ ہو جیسے غلام یا عورت امان دے۔

**ألا لا يقتل مؤمن بكافر ولا ذو عهد في عهده** اس جملہ کی تشریح امر اول میں گزر چکی ہے۔

**من أحدث حدثاً فعلى نفسه، ومن أحدث حدثا أو آوى محدثا فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين** جو شخص دین میں کوئی نئی بات یعنی بدعت جاری کرے تو اس کا وبال اسی پر ہے اور جو شخص کسی بدعت کو ایجاد کرے یا بدعت ایجاد کرنے والے کی حمایت اور اعانت کرے تو اس پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ اسی مفہوم کو دوسری جگہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں جانے کا سبب ہے۔

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۲۹ھ

**الشق الأول** ......عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ قضى بيمين وشاهد...... (ص ۱۵۲۔ ج ۲ رحمانیہ)

**اذكر اختلاف العلماء في هذه المسألة مع أدلتهم. اذكر ترجيح ماذهب إليه الامام أبو حنيفة.**

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) قضاء بالیمین والشاهد میں اختلاف (۲) ائمہ کے دلائل (۳) مذہب حنفی کی وجہ ترجیح۔

**جواب** ...... ❶ **قضاء بالیمین والشاهد میں اختلاف:۔** ائمہ ثلاثہ ؒ کے ہاں اگر مدعی کے پاس صرف ایک گواہ ہو اپنے دعویٰ کے ثبوت کیلئے تو صرف ایک گواہ پر اکتفاء بھی جائز ہے بشرطیکہ مدعی اس کے ساتھ قسم بھی کھائے گویا ان کے ہاں مدعی کا قسم کھانا دوسرے گواہ کے قائم مقام ہے۔ امام ابو حنیفہ ؒ کے ہاں مدعی کیلئے اپنے دعویٰ کے ثبوت پر دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی کیلئے ضروری ہیں لہٰذا ایک گواہ کی موجودگی میں مدعی کے حق میں فیصلہ نہیں کیا جائے گا اگرچہ مدعی قسم کھانے کیلئے تیار ہو، الغرض ائمہ ثلاثہ ؒ کے نزدیک قضاء بالیمین والشاهد جائز ہے اور حنفیہ ؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

❷ **ائمہ کے دلائل:۔** ائمہ ثلاثہ ؒ حدیث الباب سے استدلال کرتے ہیں کہ اس میں آپ ﷺ نے ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ فرمایا، یہ حدیث متعدد صحابہ کرام ؓ سے مختلف طرق سے منقول ہے۔

امام ابو حنیفہ ؒ آیت کریمہ **واستشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين فرجل وامرأتان** (البقرۃ) اور اسی طرح دوسری آیت **واشهدوا ذوى عدل منكم** سے استدلال فرماتے ہیں کہ ان دونوں آیتوں میں گواہوں کے لئے تثنیہ کا صیغہ استعمال فرمایا گیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ نصاب شہادت دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہیں۔

دوسری دلیل احناف کی مشہور و معروف روایت جو قاعدہ کلیہ ہے البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه (وقال علی المنکر) ہے اس حدیث میں بینہ پیش کرنا مدعی کی ذمہ داری قرار دی گئی ہے اور یمین مدعی علیہ کی ذمہ داری اور وظیفہ قرار دیا گیا ہے۔ گویا آپ ﷺ نے دونوں کی ذمہ داری کو تقسیم فرمایا ہے اور قسمت (تقسیم) شرکت کے منافی ہے لہٰذا مدعی سے قسم کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا اور مدعی علیہ سے گواہوں کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا، جبکہ قضاء بالیمین والشاهد میں مدعی سے جو قسم کا مطالبہ ہے وہ اس حدیث کے خلاف ہے۔

احناف کی طرف سے ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی دلیل کا پہلا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے تمام طرق پر کلام کیا گیا ہے اور کوئی بھی طریق صحیح سند سے ثابت نہیں لیکن اس جواب کو پسند نہیں کیا گیا کہ محض سند کی کمزوری کی وجہ سے اس کو رد کر دیا جائے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ قضی بالیمین مع الشاهد کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ مدعی کے پاس صرف ایک گواہ تھا اس لئے آپ ﷺ نے مدعی علیہ سے قسم لیکر فیصلہ فرمایا، لیکن یہ جواب بھی اس لئے درست نہیں کہ اس میں مدعی علیہ کی یمین نہیں بلکہ مدعی کی یمین مراد ہے جیسا کہ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی بہت بڑی جماعت اس کی قائل ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ احادیث اخبار آحاد ہیں اور اخبار آحاد سے کتاب اللہ پر زیادتی نہیں ہو سکتی اس لئے ان احادیث کو قرآن کے مقابلے میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔

چوتھا جواب جو سب سے راجح ہے وہ یہ ہے کہ اصل نصاب شہادت تو وہی ہے جو قرآن میں بیان ہوا لیکن بعض حالات ایسے ہوتے ہیں جن میں پورا نصاب شہادت مہیا کرنا ممکن نہیں ہوتا تو ایسے خاص حالات اور اعذار جن میں ایک سے زائد گواہ ملنا ممکن نہ تھا تو ان مقامات میں آپ ﷺ نے قضی بالیمین مع الشاهد کی اجازت دیدی تو یہ ایک استثنائی صورت ہے اور حدیث باب کے ذریعے اس صورت کو اصل حکم (دو گواہ) سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ (تقریر ترمذی ج۲ ص۳۸۲)

❸ مذہب حنفیہ کی وجہ ترجیح:۔ حنفیہ کا مذہب قوی و راجح ہے اسلئے کہ قرآنی آیات اور قواعد فقہ کے مطابق ہے بخلاف دیگر ائمہ کے کہ ان کے مذہب کا مدار اخبار آحاد پر ہے جن سے کتاب اللہ پر زیادتی نہیں ہو سکتی اور ان احادیث کو قرآن کریم کے مقابلہ میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔

**الشق الثانی** ......عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ أسهم لرجل ولفرسه ثلاثة أسهم سهما له وسهمين لفرسه.

ترجم الحديث الشريف. اذكر اختلاف العلماء في المسألة المذكورة في هذا الحديث. اذكر دلائل العلماء وخاصة دلائل الإمام أبي حنيفة مع الجواب عن أدلة خصمه. (ص۱۴۲۷ھ۔ج۲۔بنات)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) سہم راجل وفرس میں اختلاف (۳) ائمہ کے دلائل وجوابات۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آدمی اور اس کے گھوڑے کیلئے تین حصے مقرر فرمائے، ایک حصہ آدمی کیلئے اور دو حصے گھوڑے کیلئے۔

❷ سہم راجل وفرس میں اختلاف:۔ راجل کے لئے بالاتفاق ایک حصہ ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ البتہ فارس کے حصہ میں اختلاف ہے: امام مالک، امام شافعی، امام احمد، عمر بن عبد العزیز، حسن بصری، ابن سیرین، ثوری، لیث بن سعد، اسحاق، ابو ثور، اوزاعی، ابن حزم ظاہری اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک راجل (سوار) کیلئے تین حصے ہونگے ایک حصہ سوار کیلئے اور دو حصے گھوڑے کیلئے ہونگے۔ حضرت عمر، علی بن ابی طالب، ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم، امام ابو حنیفہ اور امام زفر رحمہما اللہ کے نزدیک سوار کے لئے دو حصے ہوں گے ایک سوار کے لئے اور دوسرا گھوڑے کے لئے۔

② ائمہ ثلاثہ کے دلائل:۔ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی دلیل حدیث الباب ہے۔
امام ابوحنیفہ کے دلائل: ① عن ابن عمر ان رسول ﷺ جعل للفارس سهمين ولصاحبه سهمًا (بخاری)
② عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ كان يقسم للفارس سهمين وللراجل سهما (مصنف ابن ابی شیبہ)
③ غزوہ خیبر کے مال غنیمت کی تقسیم میں کل مال کے اٹھارہ حصے بنائے گئے لشکر کی تعداد چودہ سو تھی، بارہ سو پیدل اور تین سو سوار تھے، پیدل چلنے والوں کو ایک ایک حصہ اور سواروں کو دو دو حصے ملے اس طرح اٹھارہ سو حصوں میں وہ مال تقسیم ہوا۔ (ابوداؤد)
جواب کا حاصل یہ ہے کہ ممکن ہے کہ یہ غزوہ خیبر سے پہلے کا واقعہ ہو جو خیبر کی تقسیم سے منسوخ ہو گیا۔
نیز قانون وضابطہ یہی ہے جو خیبر میں ہوا اگر کبھی آپ ﷺ بطور نفل استحقاق سے زیادہ بھی دے دیتے تھے اور یہ تقسیم بطور نفل تھی۔
نیز مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں بسا اوقات عربی کتابت میں الف کو حذف کر دیا جاتا ہے اور یہاں بھی اسی طرح ہوا ہے اصل میں للفارس سهمين تھا تو الف حذف کر کے للفرس سهمين ذکر کر دیا گیا۔
نیز اگر فرس کے لئے دو حصے ہوں تو حیوان کی انسان پر فضیلت لازم آئے گی کہ انسان کے لئے ایک حصہ اور فرس کے لئے دو حصے ہیں لہذا مذہب حنفیہ راجح اور موافق قیاس ہے۔ (کشف الباری [illegible] ص ۲۴۳، [illegible])

## ﴿الورقة الخامسة: السنن للامام أبي داؤد﴾

## ﴿السؤال الأول﴾ ۱۴۲۰ھ

**الشق الأول** ......سمعت جابر بن عبدالله يقول: قربت للنبي ﷺ خبزا ولحما فأكل ثم دعا بوضوء فتوضأ ثم صلى الظهر ثم دعا بفضل طعامه فأكل ثم قام الى الصلاة ولم يتوضأ وعن جابر قال: كان آخر الأمرين من رسول الله ﷺ ترك الوضوء مما غيرت النار. قال أبوداؤد هذا اختصار من الحديث الأول.
ترجم الحديثين الشريفين. اذكر اختلاف الصحابة والتابعين ومن بعدهم في الوضوء مما مسته النار وتركه منه مع ذكر الأدلة لجميعهم. ما هو موقف الجمهور تجاه الأحاديث التي تخالفهم. اشرح قوله أبي داؤد شرحا واضحا بينا مع ذكر مذهب أبي داؤد في هذه المسألة. (ص ۲۶ ج ۱ رحمانیہ)
﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں (۱) احادیث کا ترجمہ (۲) وضوء مما مست النار میں اختلاف مع الدلائل (۳) جمہور کی مخالف احادیث کا جواب (۴) امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے قول کی تشریح۔
**جواب** ...... ① **احادیث کا ترجمہ:۔** (راوی حدیث کہتے ہیں کہ) میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں روٹی اور گوشت پیش کیا، پس آپ ﷺ نے اس سے (کچھ) کھایا پھر وضوء کا پانی منگوایا اور وضو کیا، پھر ظہر کی نماز پڑھی، پھر آپ ﷺ نے بچا ہوا کھانا منگوایا اور کھایا پھر نماز کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے اور وضو نہیں کیا۔
حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا آخری عمل ان دونوں اعمال میں سے ترک الوضوء مما غیرت النار تھا۔
امام ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ پہلی حدیث کا اختصار ہے۔
② **وضوء مما مست النار میں اختلاف مع الدلائل:۔** جو چیز آگ سے پک کر متغیر ہو چکی ہو اس کا کھانا ناقض وضو ہے یا نہیں، اس کے کھانے کے بعد نماز کیلئے وضو واجب ہے یا نہیں، اس سلسلہ میں اختلاف کے دو دور ہیں۔
دور اول کا اختلاف: دور اول میں صحابہ کے درمیان اس سلسلہ میں دو جماعتیں ہو چکی تھیں۔ ① حضرت ابوموسیٰ اشعری،

حضرت انس، ابوطلحہ، زید بن ثابت، حضرت عائشہ، حضرت ام حبیبہ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت سہل بن حنظلہ رضی اللہ عنہم وضوء کے قائل تھے ② حضرات خلفاء اربعہ، عبداللہ بن عباس، جابر بن عبداللہ، حضرت ام سلمہ، ابوسعید خدری، ابورافع، سوید بن نعمان، عمر بن امیہ اور اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم نقض وضو کے منکر تھے، بعد میں یہ اختلاف ختم ہو گیا تھا اور سب صحابہ وضو کے عدم وجوب پر متفق ہو گئے۔

دور ثانی کا اختلاف: دور ثانی میں بھی دو جماعتیں ہو گئی ہیں۔ ① حضرت امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، حسن بصری، عمر بن عبدالعزیز، ابن المنذر، ابن خزیمہ، ابوقلابہ رحمہم اللہ کے نزدیک آگ سے پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے لہٰذا نماز کے لئے دوبارہ وضو کرنا واجب ہوگا۔ بعض لوگوں نے امام اسحاق بن راہویہ اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک ناقض وضو نہیں ہے۔ حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور جمہور فقہاء ومحدثین کے نزدیک آگ سے پکی ہوئی چیز ناقض وضو نہیں ہے نیز اس پر صحابہ و تابعین رحمہم اللہ کا اجماع بھی ہے جیسا کہ اوجز المسالک (ص ۵۶ ج ۱) میں نقل فرمایا ہے۔

قائلین وجوب وضو کی دلیل: ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں آپ ﷺ کے متعلق پکی ہوئی چیز کھا کر وضو کرنا منقول ہے اور اس مضمون کی حدیث طحاوی میں سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اٹھارہ سندوں کے ساتھ نقل کی گئی ہے، معلوم ہوا کہ آگ پر پکی ہوئی چیز سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

قائلین عدم وجوب وضو کی پہلی دلیل: وہ حدیث ہے جسمیں آپ ﷺ کا پکی ہوئی چیز کھا کر وضو نہ کرنا ثابت ہے اور اس مضمون کی حدیث بارہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پچیس سندوں کیساتھ طحاوی میں منقول ہے پس معلوم ہوا کہ آگ پر پکی ہوئی چیز ناقض وضو نہیں ہے۔

دوسری دلیل: آٹھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان غنی، حضرت ابن مسعود، ابن عباس، ابن عمر، ابوہریرہ اور ابوامامہ رضی اللہ عنہم) کا عمل اور فتویٰ ہے کہ پکی ہوئی چیز سے شرعی وضو لازم نہیں ہے۔

③ **جمہور کی مخالف احادیث کا جواب:** قائلین وجوب وضو کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ جو احادیث شریفہ تم نے پیش کی ہیں ان میں دو احتمال ہیں۔ ① وہاں وضوء سے مراد وضوء شرعی ہے ② وضوء سے مراد وضوء شرعی نہیں ہے بلکہ وضوء لغوی ہے۔

پہلے احتمال کے اعتبار سے یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ حضور ﷺ سے وضو کرنا اور نہ کرنا دونوں ثابت ہے تو ان دونوں امروں میں سے کون پہلے کا اور کون بعد کا ہے تو ہمیں اس سلسلے میں دو روایتیں مل گئیں۔ ① حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ **وکان آخر الامرین من رسول اللہ ﷺ ترک الوضوء مما مست النار** ② دوسری حدیث شریف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے وہ فرماتے ہیں **ان رسول اللہ ﷺ اکل ثور اقط فتوضأ ثم اکل بعدہ کتفا فصلی ولم یتوضأ** تو ان دونوں روایات سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ حضور ﷺ کا آخری عمل ترک وضو ہے لہٰذا ترک وضو کے مخالف ثبوت وضو کے سلسلے میں جتنی بھی روایات ہیں وہ سب کی سب اس آخری عمل کی وجہ سے منسوخ ہیں۔ لہٰذا روایت ناسخہ کے مقابلہ میں روایات منسوخہ سے استدلال کس طرح درست ہو سکتا ہے یہ ناسخ ومنسوخ کا حکم اس وقت ہے جب کہ وضوء سے وضوء صلوٰۃ مراد ہو۔

دوسرے احتمال کی صورت میں اگر ماقبل کی روایات میں وضوء سے وضوء صلوٰۃ مراد نہ ہو بلکہ وضو لغوی مراد ہو تو ماقبل کی روایات کو منسوخ قرار دینے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ان روایات سے وضوء شرعی کا ثبوت نہیں ہوتا بلکہ ہاتھ منہ دھونا مراد ہے اور کھانے کے بعد ہاتھ منہ دھونے سے ہمیں بھی انکار نہیں ہے لہٰذا پکی ہوئی چیزوں کا کھانا حدث نہیں ہو سکتا ہے۔

نیز دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوطلحہ اور ابی بن کعب اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم ان حضرات سے طحاوی میں ثبوت وضو کے سلسلہ میں روایات پیش کی گئی ہیں۔ اب یہاں سے ان حضرات کا فتویٰ پیش کیا جاتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب

میں عراق سے آیا تو ان حضرات کے ساتھ کھانے کا اتفاق ہوا تو میں کھانے کے بعد وضو کرنے لگا تو یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ انس رضی اللہ عنہ عراق سے ایک نیا حکم لے کر آیا ہے اور عراقی بن گیا اور وضو کرنے پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کو ڈانٹا فرمایا کہ آپ پاک چیزوں سے وضو کرتے ہیں یقیناً آپ یہ حکم عراق سے لے کر آئے ہیں تو اس مضمون سے یہ پتہ چلا کہ ان حضرات کا یہ فتویٰ روایت کے خلاف ہے اور جب راوی کا فتویٰ روایت کے خلاف ہو تو یہ روایت کے منسوخ ہونے پر دلیل ہوتی ہے۔ لہٰذا تسلیم کرنا ہوگا کہ ثبوت وضو کی روایات منسوخ ہیں۔ (ایضاح الطحاوی ج ۱ ص ۲۰۹)

❷ امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے قول کی تشریح:۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ثانی کوئی مستقل حدیث نہیں ہے بلکہ پہلی حدیث کا ہی اختصار ہے اور جب اصل حدیث سے وضو مما مست النار کے نسخ پر استدلال صحیح نہیں ہے تو دوسری حدیث سے بھی وضو مما مست النار کے نسخ پر استدلال درست نہیں ہے۔

لہٰذا دیکھنے کی بات یہ ہے کہ حدیث طویل سے نسخ پر استدلال صحیح ہے یا نہیں؟ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث سابق سے نسخ پر استدلال صحیح نہیں اس لئے کہ آپ ﷺ نے تناول لحم کے بعد ظہر کی نماز کے لئے جو وضو فرمایا اس میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ یہ وضو مما مست النار کے اکل کی وجہ سے تھا۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ وضو کرنا اس لئے تھا کہ پہلے سے آپ کو وضو نہ تھا اور وضو مما مست النار کا اس وقت تک حکم ہی نہیں ہوا تھا وہ اس قصہ کے بعد ہوا لہٰذا اس احتمال ثانی کی صورت میں نسخ پر استدلال صحیح نہیں ہوا **اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال**۔ ہاں اگر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث **کان آخر الامرین الخ** مستقل حدیث ہوتی تب بے شک اس سے نسخ پر استدلال صحیح تھا، یہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے کلام کی تشریح ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی مصنف کے کلام کا یہی مطلب سمجھا اور یہی غرض بیان کی ہے۔

دوسرے لفظوں میں اس کی مزید وضاحت اس طرح کی جاسکتی ہے کہ ان دونوں حدیثوں کا مدار محمد بن المنکدر رہے ان کے دو شاگرد ہیں۔ ابن جریج اور شعیب بن ابی حمزہ، ابن جریج نے تو محمد بن المنکدر سے اصل حدیث بلا کسی اختصار اور تغیر کے نقل کی اور شعیب بن ابی حمزہ نے اپنے نزدیک اس حدیث کا ایک مفہوم متعین کر کے اس کو مختصراً روایت کیا اور مفہوم سمجھنے میں ان سے غلطی ہوئی اور کہہ دیا کہ **كان آخر الامرين من رسول الله ترك الوضوء مما مست النار**۔

لیکن امام ابوداؤد رحمہ اللہ کی یہ بات کہ ثانی حدیث، حدیث اول ہی کا اختصار ہے ہمیں تسلیم نہیں اس لئے کہ اختصار ماننے میں راوی کی طرف وہم کی نسبت لازم آتی ہے۔ کیونکہ حدیث اول سے نسخ پر استدلال واقعی صحیح نہیں ہے جیسا کہ آپ بھی فرما رہے ہیں۔ الحاصل حدیث جابر مستقل حدیث ہے اور نسخ کے بارے میں صریح ہے۔ (الدر المنضود ج ۱ ص ۳۷۶)

**الشق الثانی** ......عن عبدالله بن حبشي قال قال رسول الله ﷺ من قطع سدرة صوّب الله رأسه في النار، عن عثمان بن ابي سليمان عن رجل من ثقيف عن عروة بن الزبير يرفع الحديث الى النبي ﷺ نحوه وفي رواية:لعن رسول الله ﷺ من قطع السدر وقال هشام بن عروة:كان عروة يقطعه من ارضه۔

ترجم الحديث واشرحه شرحا تاما. اذكر من المراد من:عن رجل من ثقيف؟ ورد النهي عن قطع السدر في حديث الباب وورد في حديث آخر:اغسلوه أي الميت بماء وسدر طبق بين الحديثين۔ (ص ۳۶۵ ج ۲-خاص)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال کا حل چار امور ہیں۔ (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی تشریح (۳) رجل من ثقیف کی مراد (۴) بیری کے درخت کو کاٹنے کی روایات میں تطبیق۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت عبداللہ بن حبشی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے بیری کو کاٹا اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو آگ میں داخل کریں گے اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی اس شخص پر جو بیری کو کاٹے۔ ہشام بن عروہ کہتے ہیں کہ عروہ اپنی زمین سے بیری کو کاٹا کرتے تھے۔

❷ **حدیث کی تشریح:۔** اس حدیث میں بیری کو کاٹنے والے کیلئے وعید کا ذکر ہے۔ اس سے کونسی بیری مراد ہے اور وعید کی وجہ کیا ہے؟ اس میں مختلف آراء ہیں۔ ① اس سے مراد حرم مکی کی بیری ہے جسے کاٹنے سے منع کیا گیا ہے۔ ② اس سے حرم مدینہ کی بیری مراد ہے کہ وہ اس کی طرف ہجرت کرنے والوں اور چلنے والوں کیلئے سائے کا سبب ہے۔ مگر یہ دونوں قول ضعیف ہیں۔ ③ اس سے مراد صحراء و میدان کی وہ بیری ہے جس سے مسافر چرواہے اور چوپائے وغیرہ سایہ و راحت حاصل کرتے ہوں تو مجرم اس بیری کو کاٹ کر ان کو سایہ و راحت سے محروم کر رہا ہے اور ایذاء کا سبب بن رہا ہے اس لئے اس کیلئے وعید ہے۔ یا پھر اس سے مراد دوسرے کی ملکیت سے بلا اجازت کاٹنے والا شخص مراد ہے۔ اس کا سبب ورود اور منشاء بذل المجہود میں یہ لکھا ہے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ جو شخص کسی قوم کی ملک میں بیری کاٹنے کا ارادہ رکھتا ہے اور اسے کاٹنے پر تُلا ہوا ہے ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟ تو حق تلفی، ظلم و زیادتی کی وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں ڈالیں گے۔ راوی نے صرف جواب سنا سوال نہ سنا اس لئے اس نے صرف جواب ہی نقل کر دیا جس کی وجہ سے یہ اشکال پیدا ہوا۔ (انعام المحمود ص ۹۹)

❸ **رجل من ثقیف کی مراد:۔** بیہقی نے اس شبہ کا اظہار کیا ہے کہ اس رجل سے مراد عمرو بن اوس ہے پھر انہوں نے اس حدیث کا یہ دوسرا طریق ذکر کیا ہے عن عمرو بن دینار عن عمرو بن اوس عن عروۃ عن عائشۃ اس طریق ثانی سے بیہقی کے شبہ کو تقویت ملتی ہے۔

❹ **بیری کے درخت کو کاٹنے کی روایات میں تطبیق:۔** سابقہ تشریح سے روایات میں تطبیق بھی واضح ہوگئی کہ عمومی طور پر مردے کیلئے بیری کے پتے استعمال کرنے کا حکم ہے مگر بلا اجازت دوسرے کی زمین سے کاٹنا یا لوگوں کے سائے اور راحت والی جگہ سے بیری کو کاٹنا ممنوع ہے اور اسی پر وعید آئی ہے۔

## ﴿السوال الثانی﴾ ١٤٢٠ھ

**الشق الاول** ...... عن طاؤس أن رجلا يقول له أبو الصهباء كان كثير السؤال لابن عباس قال: أما علمت أن الرجل كان اذا طلق امرأته ثلاثًا قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وصدرًا من امارة عمر؟ قال ابن عباس: بلى، كان الرجل اذا طلق امرأته ثلاثًا قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وصدراً من امارة عمر فلما رأى الناس قد تتابعوا فيها قال: أجيزوهن عليهم. (ص۳۰۶۔ج۱۔رحمانیہ) ترجم الحديث . اذكر حكم ايقاع الطلقات الثلاث دفعة واحدة عند العلماء اسرد أدلة الجمهور مع بعض شبهات من خالفهم في هذه المسألة.

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل دو امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) طلاق ثلاثہ دفعۃ واحدۃ کا حکم مع دلائل۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت طاؤس سے روایت ہے کہ ایک آدمی جسے ابو الصہباء کہا جاتا تھا وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بہت زیادہ سوال کرتا تھا اس نے (ابن عباس رضی اللہ عنہ سے) کہا کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ جب کوئی شخص اپنی غیر مدخول بہا عورت کو تین طلاق دیتا تھا تو دور نبوی ﷺ، دور صدیقی اور دور فاروقی رضی اللہ عنہ کی ابتداء میں ان کو ایک ہی طلاق شمار کیا جاتا تھا؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا، فرق بیان: جب آدمی اپنی غیر مدخول بہا بیوی کو تین طلاق دیتا تھا تو عہد نبوی ﷺ صدیقی اور عہد فاروقی رضی اللہ عنہ کی ابتداء میں اس کو ایک ہی شمار کیا جاتا تھا، پس جب انہوں نے دیکھا کہ وہ اس میں پے در پے (کثرت سے طلاق) بالفاظ متعدد دے رہے ہیں (تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان کی تین طلاق کو ان پر نافذ و لازم کر دو۔

❸ طلاق ثلاث بلفظ واحدۃ کا حکم مع دلائل:۔ کمامرّ فی الشق الاول من السوال الثانی ١٤٢٦ھ۔

**الشق الثانی** ...... حدثنا أحمد بن أبي بكر أبو مصعب الزهري قال: نا الدراوردي عن ربيعة بن أبي عبد الرحمن، عن سهيل بن أبي صالح عن أبيه عن أبي هريرة، أن النبي ﷺ قضى باليمين مع الشاهد، قال أبو داود: وزادني الربيع بن سليمان المؤذن في هذا الحديث قال أن الشافعي عن عبد العزيز قال فذكرت ذلك لسهيل، فقال أخبرني ربيعة وهو عندي ثقة أني حدثته إياه ولا أحفظه، قال عبد العزيز: وقد كان أصابت سهيلا علة أذهبت بعض عقله ونسي بعض حديثه فكان سهيل بعد يحدثه عن ربيعة عنه عن أبيه. (ص١٥٣ ج٢ رحمانیہ)

اذكر حكم القضاء باليمين والشاهد عند الأئمة . اسرد أدلة الفريقين بإيضاح مع ترجيح ما ذهب إليها الحنفية في ضوء الأدلة . وضح غرض أبي داود بهذه المقالة واذكر حكم حديث من حدث ونسي.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور قابل طلب ہیں (١) قضاء بالیمین والشاہد کا حکم مع دلائل وحنفیہ کی وجہ ترجیح (٢) قال ابوداؤد والخ کی غرض (٣) محدث کی انکار کردہ روایت کا حکم۔

**جواب** ...... ❶ کمامرّ الشق الاول من السوال الثالث ١٤٢٩ھ۔

❷ قال ابوداؤد والخ کی غرض:۔ اس قال ابوداؤد سے امام ابوداؤد رحمہ اللہ اس حدیث کی تضعیف کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ دو وجہ سے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ① اس حدیث کے راوی عبد العزیز کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کو سہیل کے سامنے ذکر کیا اور یہ بات کہی کہ ربیعہ اس حدیث کو آپ کی طرف سے بیان کرتے ہیں تو سہیل نے کہا کہ ربیعہ نے مجھے خبر دی ہے کہ میں نے اس حدیث کو ان کے سامنے بیان کیا ہے اور مجھے یاد نہیں کہ میں نے اس کو بیان کیا ہے یا نہیں ② قال عبد العزیز سے دوسری وجہ بیان کر رہے ہیں کہ سہیل بن صالح کو کوئی مرض لاحق ہو گئی تھی جس کی وجہ سے ان کے حافظہ میں ضعف واقع ہو گیا تھا اور وہ حدیث کا بعض حصہ بھول گئے اسکے بعد سہیل اس حدیث کو ربیعہ سے بیان کرتے اور ربیعہ سہیل سے اور اصل سند کا معلوم نہ ہونا حدیث کو ضعیف کر دیتا ہے۔

❸ محدث کی انکار کردہ روایت کا حکم:۔ اگر کسی راوی نے اپنے شیخ سے کوئی حدیث روایت کی لیکن شیخ انکار کرتا ہے کہ میں نے یہ روایت بیان نہیں کی تو اگر شیخ نے یقین کے ساتھ انکار کیا مثلاً یہ کہا کہ میں نے یہ روایت بیان نہیں کی یا میرے اوپر جھوٹ بولا گیا ہے یعنی ایسا جملہ کہا جس سے حقیقی انکار سمجھا جاتا ہو تو ایسی صورت میں دونوں میں سے کسی ایک کے یقینی جھوٹا ہونے کی وجہ سے یہ روایت مردود ہو گی، اور اگر شیخ نے شک کے ساتھ انکار کیا مثلاً یہ کہا مجھے یاد نہیں تو پھر اصح قول کے مطابق یہ روایت مقبول ہو گی اور اس صورت میں شیخ کے انکار کو نسیان پر محمول کیا جائیگا، اگرچہ بعض حنفی علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ روایت بھی مقبول نہیں ہے۔ (تحفۃ الدرر)

## ﴿السوال الثالث﴾ ١٤٣٠ھ

**الشق الاول** ...... عن إسماعيل يعني ابن أبي خالد عن أبيه عن جابر بن سمرة قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: لا يزال هذا الدين قائما حتى يكون عليكم اثنا عشر خليفة كلهم تجتمع عليه الأمة

فسمعت كلاما من النبی ﷺ أفهمه فقلت لأبی: مایقول؟ قال كلهم من قریش. (ص۲۳۸، ج۲، رحمانیہ)

**اشرح الحدیث المذكور واذكر المراد من قوله "اثنا عشر خلیفة" فی ضوء أقوال العلماء مع ترجیح الراجح من هذه الأقوال. ذكر أبوداود هذا الحدیث فی فاتحة كتاب المهدی فمامناسبة هذا الحدیث بكتاب المهدی. اذكر حكم عقیدة ظهور المهدی عند أهل السنة والجماعة، واكتب حكم من ینكره هذه العقیدة.**

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (۱) حدیث کی تشریح (۲) **اثنا عشر خلیفة** کی مراد (۳) حدیث الباب کی کتاب المہدی سے مناسبت (۴) اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک ظہور مہدی علیہ السلام کا عقیدہ و منکر کا حکم۔

**جواب** ...... ❶ <u>حدیث کی تشریح</u>:۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ یہ دین اسلام درست چلتا رہے گا یہاں تک کہ بارہ خلیفہ تم پر مقرر ہوں گے، ہمارے کے سارے امت کے اجماعی خلیفہ ہوں گے۔ پس پھر میں نے اسکے بعد آپ ﷺ سے ایک کلام کہ جس کو میں نہیں سمجھا، پس میں نے اپنے والد سے کہا کہ آپ ﷺ کیا فرما رہے تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ سارے کے سارے خلفاء قریش میں سے ہوں گے۔

اس سے حدیث میں یہ پیشین گوئی کی گئی ہے کہ بارہ قریشی خلفاء تک دین اسلام غالب رہے گا، مقصود غلبہ اسلام بیان کرنا ہے ان کی فضیلت بیان کرنا مقصود نہیں ہے کیونکہ بعض فاسق بھی گزرے ہیں جیسے یزید بن معاویہ وغیرہ ہے۔

❷ و ❸ <u>**اثنا عشر خلیفة** کی مراد اور حدیث الباب کی کتاب المہدی سے مناسبت</u>:۔ **اثنا عشر خلیفة** سے کون مراد ہیں؟ اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ ① حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے عدد مقصود نہیں بلکہ یہ بتانا ہے کہ امت مرحومہ زمانہ طویل تک باقی رہے گی ② یہ ہے کہ مقصود روایت یہ ہے کہ خلافت علی حسب السنۃ بارہ امیروں میں ہوگی اب بارہ امیروں کا پے در پے ہونا ضروری نہیں حتی کہ یا تفصیل تخلل یزید ③ یہ ہے کہ امارت علی حسب سنۃ الخلفاء بارہ امیروں میں رہے گی اگرچہ ان میں بعض ظالم بھی ہوں گے مگر امور سلطنت میں وہ خلفاء کا طریقہ اختیار کریں گے ④ یہ ہے کہ خلافت واحدہ پر لوگوں کا اجتماع بارہ امیروں تک ہوگا کما ذکرہ السیوطی ⑤ یہ ہے کہ اس سے اشارہ فرمایا حدیث خیر القرون کی طرف یعنی ان قرون میں غالب اقتدار ہوں گے اور وہ بارہ ہوں گے ⑥ یہ ہے کہ اس سے مراد مہدی اور ان کے بعد کا زمانہ ہے اس وقت بارہ امیر ہوں گے ⑦ اس سے مراد یہ ہے کہ ایک ہی زمانہ میں بارہ امیر ہوں گے اور سب کے سب دعوائی خلافت کریں گے ⑧ یہ ہے کہ اس سے اشارہ ہے خلفاء بنو امیہ کی طرف جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد ہوئے اور وہ یہ ہیں۔

① یزید بن معاویہ ② معاویہ بن یزید ③ عبد الملک ④ ولید ⑤ سلیمان ⑥ عمرو بن عبد العزیز ⑦ یزید بن عبد الملک ⑧ ولید بن یزید ⑨ یزید بن الولید ⑩ ابراہیم بن الولید (۱۱) مروان بن الحکم (۱۲) حکم بن مروان۔ (درس ترمذی ج ص۱۱)

❹ <u>اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک ظہور مہدی علیہ السلام کا عقیدہ و منکر کا حکم</u>:۔ اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں حضرت مہدی علیہ السلام کا آنا قرب قیامت میں برحق اور صحیح ہے اور اس بارے میں احادیث حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے ظہور مہدی علیہ السلام کے بارے میں (۵۰) احادیث مرفوعہ اور (۲۸) آثار صحابہ جمع کئے ہیں۔

ظہور مہدی علیہ السلام کا منکر فاسق ہے (اس لئے کہ اس کا ثبوت اخبار آحاد سے ہے جو کہ ظن کا فائدہ دیتی ہیں اور ظنیات کا منکر فاسق ہوتا ہے)۔

**الشق الثانی** ...... **عن أم كلثوم بنت عقبة قالت: ماسمعت رسول الله یرخص فی شیء من الكذب إلا فی ثلاث كان رسول الله ﷺ یقول: لا أعده كاذبا الرجل یصلح بین الناس یقول القول ولا یرید إلا**

الاصلاح، والرجل يقول في الحرب، والرجل يحدث امرأته والمرأة تحدث زوجها. (ص ۳۳۱ ج ۲ رحمانیہ)

ﮯ ترجم الحديث الشريف ترجمة واضحة. اشرح الحديث المذكور شرحًا واضحًا واذكر هل يجوز الكذب الصريح في هذه الأمور الثلاثة؟

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی تشریح (۳) امور ثلاثہ میں کذب صریح کا حکم۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کسی چیز میں جھوٹ کی اجازت دیتے ہوئے نہیں سنا مگر تین مواقع میں، رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ میں انہیں جھوٹا شمار نہیں کرتا (پہلا) اس شخص کو جو لوگوں کے درمیان صلح کرواتا ہو، وہ کوئی بات کہے اور صرف صلح کے ارادہ سے کوئی بات کہے، اور (دوسرا) وہ آدمی جو جنگ میں کوئی بات کہے، اور (تیسرا) وہ آدمی جو اپنی بیوی سے کوئی بات کہے اور عورت اپنے خاوند سے کوئی بات کہے۔

❷ **حدیث کی تشریح:۔** ① والرجل ليصلح بين الناس یعنی جب دو آدمیوں میں جھگڑا ہو، یا کوئی اختلاف ہو تو ان کے درمیان صلح کرانے کیلئے فی الجملہ کذب کی اجازت ہے کہ ہر فریق سے دوسرے فریق کی اچھی باتیں نقل کرے خواہ ان میں مبالغہ ہی کرنا پڑے چونکہ اختلاف فتنہ ہے جو قتل سے بھی بڑھ کر ہے ظاہر ہے کہ مؤول کذب یا فی الجملہ کذب سے اگر یہ فتنہ ختم ہو جائے تو کس قدر اصلاح کا ذریعہ ہوگا ② والرجل يقول في الحرب جنگ کے موقع پر بھی کذب مؤول کی اجازت ہے مثلاً کہے مات امامكم الاعظم اور نیت سابق امام کی کرے جو گزشتہ زمانہ میں مر چکا ہے ③ الرجل يحدث امرأته حسن معاشرہ کو برقرار رکھنے کے لئے شوہر کو اس بات کی گنجائش ہے کہ وہ ایسی بات بیوی سے کہہ دے جو کذب کے مشابہ ہو صریح کذب نہ ہو تا کہ وہ خوش ہو جائے مثلاً یہ کہے کہ میں تجھے اس قدر رقم کا جوڑا بنا دوں گا ان شاء اللہ اور نیت یہ کرے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مقدر کیا تو بنا دوں گا۔

❸ **امور ثلاثہ میں کذب صریح کا حکم:۔** علامہ نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ ان تین مواقع مذکورہ فی الحدیث میں جھوٹ کا استعمال جائز ہے البتہ اس جھوٹ سے کیا مراد ہے اس بارے میں حضرات علماء کے دو قول ہیں ① جمہور اہل علم کہتے ہیں کہ اس سے مراد مطلقاً کذب ہے یعنی صریح جھوٹ ان مواقع میں مصلحۃً جائز ہے۔

② محقق طبری رحمہ اللہ وغیرہ سے منقول ہے کہ اس سے مراد صریح کذب نہیں بلکہ توریہ اور معاریض ہیں۔ فریق اول کا استدلال حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات سے ہے کہ انہوں نے تین مواقع پر کذب سے کام لیا (۱) اپنی بیوی حضرت سارہ کو اپنی بہن بتایا (۲) عید کے دن لوگوں کے ساتھ عدم شرکت کی وجہ میں فرمایا انی سقیم کہ میں بیمار ہوں (۳) جب انہوں نے بتوں کو توڑا تو قوم کے معلوم کرنے پر فرمایا بل فعله كبيرهم، ان تینوں مواقع کی تفسیر آپ پڑھ چکے ہیں۔

نیز حدیث شریف میں بھی ان تین کذبات کی نسبت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کی گئی ہے اسی طرح ان حضرات کا استدلال حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ سے ہے کہ منادی نے حضرت یوسف علیہ السلام کی جانب سے اعلان کیا تھا ایتها العير انكم لسارقون نیز ان کا مستدل یہ بھی ہے کہ یہ مسئلہ اتفاقی ہے اگر کوئی ظالم کسی شخص کو ناحق قتل کے ارادہ سے آئے اور کسی سے پوچھے کہ فلاں کہاں ہے تو اس پر واجب ہے کہ یہ جواب دیدے میں نہیں جانتا ہوں وہ کہاں ہے خواہ اس کو اسکے بارے میں علم ہو۔

فریق ثانی جو توریہ کا قائل ہے وہ کہتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں یہ تینوں کذبات نہیں ہیں بلکہ توریہ ہی ہیں، بیوی کو بہن بتانے سے مراد ان کی اسلامی اور دینی بہن ہے اسی طرح انی سقیم کے معنی مُتَمکِّن و محزون کے ہیں اور بل فعله كبيرهم میں اسناد مجازی ہے مراد یہ ہے کہ جو میں نے بتوں کو توڑا ہے اس کا داعیہ یہ بڑا بت بنا ہے۔

رہا منادی یوسف علیہ السلام کا معاملہ اس کی مختلف تاویلات کی گئی ہیں بعض نے فرمایا کہ منادی کا بھائیوں کو چور کہنا یوسف علیہ السلام کے علم سے نہیں تھا۔ بعض حضرات کہتے ہیں ان کو چور اس وجہ سے کہا گیا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے والد سے چوری کر کے دھوکہ دے کر لائے تھے۔ بعض فرماتے ہیں کہ انکو چور کہنا بنیامین کی خواہش کا نتیجہ تھا حضرت یوسف علیہ السلام کی تجویز نہ تھی اس بارے میں بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ یہ حیلہ اور تدبیر سب وحی بامر الٰہی ہوا ہے جو اس کی حکمت بالغہ کا مظہر ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے امتحان وابتلاء کی تکمیل تھی لہٰذا اب اس پر کوئی اشکال نہیں رہا۔

تیسرے استدلال کا جواب یہ ہے کہ ظالم کو ظلم سے روکنا اور مظلوم کو بچانا فرض ہے جس کے لئے بہرحال اس قدر اجازت ہونی ہی چاہیے۔ یا یہ مراد ہو کہ اس وقت مطلوب کہاں ہے مجھے معلوم نہیں یہ کہہ دیا جائے وغیرہ ذلک۔ بہرحال راجح قول یہ ہے کہ حتی الامکان صریح جھوٹ سے بچا جائے اور توریہ و معاریض کو استعمال کیا جائے یا الفاظ و کلمات ایسے کلمات استعمال کریں جو ذو معنیین ہوں مخاطب اس سے ایسے معنی سمجھے جس سے اس کا دل خوش یا تسکین ہو جائے۔ (درس ترمذی ج ۲ ص ۹)

## ﴿الورقة الخامسة: السنن للامام أبي داؤد﴾

## ﴿السؤال الأول﴾ ۱۴۲۱ھ

**الشق الأول** ...... عن ابن عباس قال أحسبه عن رسول الله ﷺ قال: اذا صلى أحدكم الى غير سترة فانه يقطع صلاته الكلب والحمار والخنزير واليهودي والمجوسي والمرأة ويجزي عنه اذا مرّوا بين يديه على قذفة بحجر. (ص ۱۰۲، ج ۱، رحمانیہ) ترجم الحديث و اذكر مذاهب العلماء في بطلان الصلاة وعدمه بمرور هذه الأشياء. اذكر أدلتهم على ذلك مع بيان ترجيح ماهو الراجح فى ضوء الأدلة.

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) مذکورہ اشیاء کے گزرنے سے نماز کے بطلان کی تفصیل (۳) ائمہ کے دلائل اور راجح کی تعیین۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی ایک سترہ کے بغیر نماز پڑھے تو بے شک کتا، گدھا، خنزیر، یہودی، مجوسی اور عورت اس کی نماز کو باطل کر دیتے ہیں اور کفایت کر جاتا ہے اس سے جبکہ گزریں یہ اس کے سامنے سے پتھر پھینکنے کی مقدار پر۔

❷ **مذکورہ اشیاء کے گزرنے سے نماز کے بطلان کی تفصیل:۔** نمازی کے سامنے سے کسی چیز کا گزرنا قاطع صلوٰۃ ہے یا نہیں، جمہور کے ہاں کسی چیز کا گزرنا قاطع صلوٰۃ نہیں اور اہل ظواہر کے نزدیک تین چیزوں کا گزرنا قاطع صلوٰۃ ہے ① کلب کا گزرنا ② حمار کا گزرنا ③ عورت کا گزرنا۔ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک صرف کلب اسود کا گزرنا قاطع صلوٰۃ ہے۔

❸ **ائمہ کے دلائل اور راجح کی تعیین:۔** اہل ظواہر حدیث کے عموم سے استدلال کرتے ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کلب کے بارے میں تو قاطع صلوٰۃ ہونا قطعی ہے لیکن حمار و امرأۃ کے بارے میں حدیث عائشہ و حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہم کی وجہ سے مجھے تردد ہے۔

اس مسئلہ سے متعلق احادیث میں تعارض ہے بعض احادیث قطع صلوٰۃ پر دال ہیں اور بعض عدم قطع صلوٰۃ پر دال ہیں اور ضابطہ یہ ہے کہ جب آثار مرفوعہ میں تعارض ہو جائے تو پھر آثار صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا جاتا ہے اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم اس پر دال ہیں کہ یہ قاطع الصلوٰۃ نہیں ہیں خود صحابہ رضی اللہ عنہم کا احادیث قطع الصلوٰۃ پر کوئی عمل نہیں ہے ان کا فتویٰ یہی ہے کہ کسی چیز کا مرور قاطع صلوٰۃ نہیں ہے۔

جمہور رحمہم اللہ کا استدلال باب ماجاء لایقطع الصلوٰۃ شیء میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ہے جس

کا حاصل یہ ہے کہ حتی میں آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے جبکہ اتان (گدھی) آپ ﷺ کے سامنے سے گزرتی رہی لیکن اس کے گزرنے کے باوجود آپ ﷺ کی نماز نہیں ٹوٹی تو اگر مرور قاطع صلوٰۃ ہوتا تو آپ ﷺ دوبارہ نماز پڑھتے۔

نیز جمہور رحمہم اللہ کی دوسری دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جس میں وہ فرماتی ہیں کہ میں آپ ﷺ کے سامنے جنازے کی طرح لیٹی ہوئی ہوتی تھی اور آپ ﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے۔ ان دونوں سے ثابت ہوا کہ حمار اور عورت کا مصلی کے سامنے ہونا یا مرور مفسد صلوٰۃ نہیں البتہ کلب اسود کے سلسلے میں کوئی روایت جمہور کے پاس نہیں لیکن کلب اسود کو بھی انہی دونوں پر قیاس کیا جا سکتا ہے کیونکہ حدیث الباب میں تینوں کا ذکر ساتھ ساتھ آیا ہے۔

جمہور رحمہم اللہ کی طرف سے امام احمد بن حنبل اور اہل ظواہر رحمہم اللہ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ احادیث دالہ علی قطع الصلوٰۃ مؤول ہیں یعنی نفس صلوٰۃ کے لئے قاطع نہیں ہے بلکہ خشوع صلوٰۃ کے لئے قاطع ہیں باقی ان تینوں کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ ان اشیاء ثلاثہ میں شیطانی اثرات زیادہ ہوتے ہیں۔

ہم نے کلب اسود غیر اسود کے بارے میں دیکھا کہ اس کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے اور کلب اسود و غیر اسود سب یکساں طور پر حرام ہیں اور حرمت کی علت ان کا لون و رنگ نہیں ہے بلکہ ان کی ماہیت میں حرمت کی علت موجود ہے۔ اسی طرح تمام غیر ماکول اللحم کا حکم ہے کہ ان میں الوان کی وجہ سے حرمت میں کوئی فرق نہیں آتا ہے نیز ان کی وجہ سے اہل گدھوں کے بارے میں حکم ہے کہ الوان کی وجہ سے کسی حکم میں کوئی فرق نہیں آتا ہے تو جس طرح کلب اسود و غیر اسود سب کا حکم باب حرمت میں یکساں ہے اسی طرح مرور بین یدی المصلی میں بھی یکساں حکم ہونا چاہیے کہ جس طرح کلب غیر اسود کے مرور سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے اسی طرح کلب اسود کے مرور سے بھی نماز فاسد نہ ہوگی نیز جب مرور کلب کی وجہ سے فساد نماز نہیں ہے تو مرور حمار کی وجہ سے بھی فساد نماز نہ ہوگا۔

وہ احادیث جو قطع صلوٰۃ پر دال ہے وہ منسوخ ہیں اور ناسخ حدیث ابی سعید رضی اللہ عنہ ہے جس میں ہے لایقطع الصلوٰۃ شیئ ای مرور شیئ۔ نیز قطع کے منسوخ ہونے پر قرینہ یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ قطع صلوٰۃ کے راوی ہیں مگر ان کا فتویٰ عدم قطع کا ہے۔

الحاصل عند الجمہور کسی بھی چیز کا نمازی کے آگے سے گزرنا قاطع صلوٰۃ نہیں ہے۔ مذہب جمہور کے راجح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر احادیث فعلیہ مؤید باقوال صحابہ رضی اللہ عنہم ہوں تو ان کو بعض اوقات احادیث قولیہ پر بھی ترجیح حاصل ہو جاتی ہے اور یہاں بھی ایسے ہی ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار بکثرت اس بارے میں مروی ہیں کہ عورت کے گزرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

(دروس ترمذی ج ۲ ص ۱۰۵، درس ابی داؤد ج ۳ ص ۳۰۲)

**الشق الثانی** ......باب فی الجعائل فی الغزو: عن ابی ایوب انه سمع رسول الله ﷺ يقول: ستفتح عليكم الامصار وستكون جنود يقطع عليكم فيها بعوثا فيكره الرجل منكم البعث فيها فيتخلص من قومه ثم يتصفح القبائل يعرض نفسه عليهم يقول من اكفيه بعث كذا الاوذلك الاجير الى آخر قطرة من دمه.

ترجم الحديث وبين اسم ابي ايوب. حقق كلمة الجعائل حق تحقيق. اكتب اختلاف فقهاء الامة في الجعائل في الجهاد. (ص ۳۳۹-حقانیہ)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال کا حل چار امور ہیں۔ (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے نام کی وضاحت (۳) جعائل کی لغوی تحقیق (۴) جعائل فی الجہاد میں فقہاء کا اختلاف۔

**جواب** ...... **①** <u>حدیث کا ترجمہ</u>: یہ باب اُجرت پر جہاد کرنے کے بیان میں ہے: حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے

مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ عنقریب تم پر بڑے بڑے شہر فتح کئے جائیں گے اور عنقریب لشکر اکٹھے کئے جائیں گے۔ ان لشکروں میں سے تم پر قومیں مقرر کی جائیں گی (یعنی ہر قبیلہ سے لشکر کا ایک حصہ فوج کے لئے طلب کیا جائے گا) پس ایک آدمی تم میں سے بلا اجرت لشکر کے ساتھ جانے کو ناگوار سمجھے گا پس وہ شخص اپنے قبیلہ میں سے بھاگ پڑے گا پھر وہ قبیلوں کو تلاش کرے گا اور اپنے نفس کو پیش کرتے ہوئے ان پر پیش کرے گا کہ کون شخص ہے کہ میں اسے اجرت کے بدلے میں کفایت کر جاؤں؟ (یعنی مجھے لشکر کی خدمت کے لئے اجرت پر کون رکھے گا)۔ آگاہ رہو یہ شخص خون کے آخری قطرہ تک مزدور ہے۔

❷ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے نام کی وضاحت:۔ آپ کا نام خالد بن زید بن کلیب انصاری ہے۔

❸ بعث، جعائل لفظوں کی تحقیق:۔ جعیلۃ کی جمع ہے، جہاد کیلئے اپنی طرف سے جس مزدور کو بھیجا جائے اسکی اجرت کو جعیلۃ کہتے ہیں۔

❹ جعائل فی الجہاد میں فقہاء کا اختلاف:۔ امام مالکؒ جہادی مزدوری یا گھوڑے کی مزدوری کو مکروہ کہتے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ بھی مزدوروں سے جہاد کروانے کو مکروہ کہتے ہیں مگر یہ کہ مسلمان کمزور ہوں اور بیت المال میں بھی کوئی چیز نہ ہو تو اس وقت مجاہد کو مزدوری دیکر جہاد کرانا جائز ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک بادشاہ سے تو لینا جائز ہے، غیر بادشاہ سے مزدوری لینا جائز نہیں۔ وجہ کراہت یہ ہے کہ جہاد فرض کفایہ ہے اور فرض کی ادائیگی پر اجرت لینا صحیح نہیں۔

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۱ھ

**الشق الاول** ...... عن أبي الدرداء أن رسول الله ﷺ كان في غزوة فرأى امرأة مجحاء فقال: لعل صاحبها ألم بها، قالوا: نعم، قال: لقد هممت أن ألعنه لعنة تدخل معه في قبره، كيف يورثه وهو لا يحل له! وكيف يستخدمه وهو لا يحل له! (ص۳۰۰ ج۱ رحمانیہ)

اشرح كلمة "مجحا" لغةً ثم ترجم الحديث الشريف. اشرح الحديث كاملاً ووضح معنى قوله عليه الصلاة والسلام "كيف يورثه وهو لا يحل له، وكيف يستخدمه وهو لا يحل له".

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں (۱) مجحا کی تشریح (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) حدیث کی تشریح (۴) مذکورہ جملہ کی وضاحت۔

**جواب** ...... ❶ مُجحًا کی تشریح:۔ مجحا سے مراد وہ حاملہ عورت ہے جو قریب الولادۃ ہو۔

❷ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک غزوہ میں شریک تھے، آپ ﷺ نے ایک عورت کو دیکھا جو حاملہ قریب الولادۃ تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ شاید اس باندی کے مالک نے اسکے ساتھ (قبل الاستبراء) المام (جماع) کیا ہے (آپ ﷺ کو شاید وحی یا کشف کے ذریعہ معلوم ہوا ہوگا)۔ آپ ﷺ کے اس ارشاد کی بعض حاضرین نے تصدیق بھی کر دی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس شخص کو ایسی بددعا دوں جو اس کے ساتھ قبر میں بھی داخل ہو (اب یہ شخص قبل الاستبراء مباشرت کی وجہ سے) کیسے وارث بنا سکتا ہے اسے حالانکہ اس کے لئے یہ حلال نہیں ہے اور کیسے خدمت لے سکتا ہے اس سے حالانکہ یہ بھی اس کے لئے حلال نہیں ہے۔

❸ حدیث کی تشریح:۔ ترجمے سے حدیث کا مطلب و تشریح واضح ہے کہ ایک غزوہ میں آپ ﷺ نے ایک لونڈی کو دیکھا کہ وہ حاملہ ہے اور قریب الولادۃ ہے تو اس کی اس حمل کی حالت میں ہی اسکے مالک نے اسکے ساتھ مباشرت بھی کی ہے تو آپ ﷺ کے اس فرمان کے جواب میں بعض حاضرین نے آپ ﷺ کی تصدیق بھی کر دی کہ واقعتاً اس کی حاملہ ہونے کی حالت میں اس کے

ان حضرات کے نزدیک سورۂ محمد کی آیت منسوخ ہونے کی وجہ سے جنگی قیدیوں کو احسانا یا فدیہ لیکر آزاد کرنا جائز نہیں۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض مفسرین کے نزدیک سورۂ انفال کی آیت پہلے اور سورۂ محمد کی آیت بعد میں نازل ہوئی لہٰذا چونکہ متاخر متقدم کے لئے ناسخ ہوتا ہے اس لئے سورۂ محمد کی آیت ناسخ اور سورۂ انفال کی آیت منسوخ ہوگی اور یہی امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مختار مسلک بھی ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے دو قول منقول ہیں ایک یہی کہ قیدیوں کو فدیہ کے عوض رہا کرنا جائز نہیں دوسرا قول امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے سیر کبیر میں جواز کا نقل کیا گیا ہے، یہی قول راجح اور اظہر ہے۔ اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بھی یہی ہے اور انہوں نے بہت ہی عمدہ طرز استدلال کے ساتھ اس مذہب کو راجح قرار دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مضمون اور مفہوم کے اعتبار سے دونوں آیات میں تعارض نہیں اور دونوں میں سے کسی آیت کو بھی ناسخ اور منسوخ نہیں قرار دیا جا سکتا چنانچہ ابن زید اور ابو عبید بن سلام نے فرمایا کہ یہ دونوں آیات محکم ہیں اور یہی قول امام مالک، امام شافعی، امام احمد، ابو ثور، اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی اس وقت من وفداء کی ممانعت وارد ہوئی اس کے بعد جب مسلمانوں کی تعداد بڑھی اور ان کی شوکت و سلطنت میں اضافہ ہوا تو من وفداء کی اجازت دی گئی۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ غزوۂ بدر میں من وفداء کی ممانعت اور اثخان کے حکم سے کفر کی شوکت پامال کرنا مقصود تھا اس لئے اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں ہوا کہ کفار کو فدیہ کے عوض زندہ چھوڑ دیا جائے لیکن کفر کی شوکت ملیا میٹ ہوکر جب اہل اسلام کو غلبہ حاصل ہوا اور ان کی شوکت و سطوت قائم ہوئی تو اثخان کی ضرورت باقی نہ رہنے کی وجہ سے من وفدیہ کی اجازت دی گئی۔ گویا دونوں آیات محکم ہیں جب اہل اسلام کا مفاد اثخان اور خونریزی میں منحصر تھا اور حالات کا اقتضا بھی یہی تھا تو من وفداء کی ممانعت ہوئی اور اثخان کا حکم وارد ہوا تاہم جب اقتضائے حال بدل گیا اور اثخان کی ضرورت نہ رہی تو من وفداء کی اجازت دی گئی۔ اسلئے یہاں کسی بھی آیت کو منسوخ کہنے کی ضرورت نہیں نسخ کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب دو آیات میں جمع اور تطبیق ممکن نہ ہو۔

اسی بناء پر جمہور فقہاء نے فرمایا کہ امام وقت کو مصلحت کے پیش نظر احسان، فداء اور ترقیق میں سے کسی بھی فیصلہ پر عمل کا اختیار حاصل ہے۔ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ان سب کی نظیریں موجود ہیں۔ (کشف الباری، جہاد، ج۳، ص۳۳۸)

## ﴿السؤال الثالث﴾ ۱۴۳۱ھ

**الشق الاول** ......عن ثابت بن وديعة قال كنا مع رسول الله في جيش فأصبنا ضبابا قال: فشويت منها ضبا، فأتيت رسول الله ﷺ فوضعته بين يديه، قال: فأخذ عودا فعد به أصابعه ثم قال: ان أمة من بني اسرائيل مسخت دوابا في الأرض واني لاأدري أي الدواب هي فقال: فلم يأكل ولم ينه. (ص۶۷۱، ج۲، رحمانیہ)

ترجم الحديث الشريف . اذكر حكم أكل الضب عند العلماء . اذكر أدلتهم على ذلك . كيف قال ﷺ: ان أمة من بني اسرائيل مسخت ...... الخ مع أنه قد ورد أن الممسوخ لايعيش أكثر من ثلاثة أيام.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) ضب کا حکم اور ائمہ کے دلائل (۳) ان أمة من بني اسرائيل مسخت (احادیث میں تطبیق)۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ثابت بن ودیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک لشکر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ہم نے چند گوہ پکڑلیں میں نے ان میں سے ایک کو بھونا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لاکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لکڑی لے کر اس کی انگلیاں گنیں، پھر فرمایا بنی اسرائیل کی ایک جماعت زمین میں جانور کی شکل میں مسخ کردی

گئی تھی اور مجھے نہیں معلوم وہ کون سا جانور تھا۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس کو کھایا اور نہ منع فرمایا۔

❷ ضب کا حکم اور ائمہ کے دلائل:۔ ضب گرگٹ اور چھپکلی سے ملتا جلتا ایک جانور ہے جسے ہمارے معاشرہ میں گوہ/سوسمار کہتے ہیں۔

جمہور علماء کے نزدیک ضب یعنی گوہ کا گوشت مباح ہے۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور ظاہریہ رحمہم اللہ کا یہی مسلک ہے۔

حضرات فقہاء کی ایک جماعت کے نزدیک گوہ حرام ہے۔ یہ مسلک امام اعمش، زید بن وہب اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک ضب کا گوشت مکروہ ہے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ نے مکروہ تنزیہی فرمایا اور ہدایہ میں علامہ عینی رحمہ اللہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مکروہ تحریمی ہے۔ جمہور کا استدلال حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی طویل روایت ہے جس میں انہوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا یہ ضب حرام ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، لیکن یہ ہمارے ملک میں موجود نہیں ہے اس لئے اس کو میری طبیعت پسند نہیں کرتی۔ جواب یہ ہے کہ یہ ابتداء پر محمول ہے اور یہ منسوخ ہے نیز محرم مبیح سے راجح ہے۔

حرمت کے قائلین قرآن کریم کی آیت ويحرم عليهم الخبائث سے استدلال کرتے ہیں کہ ضب سے طبیعت سلیمہ نفرت کرتی ہے لہٰذا خبائث میں داخل ہے نیز ابوداؤد میں عبدالرحمن بن شبل کی روایت سے استدلال کرتے ہیں ان النبي ﷺ نهى عن أكل الضب۔

علامہ خطابی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اسماعیل بن عیاش کی وجہ سے معلول قرار دیا۔

لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اسماعیل بن عیاش کی شامیین سے روایات مقبول ہیں اور یہ حدیث وہ شامیین سے روایت کرتے ہیں اسکے علاوہ ابن عساکر نے اس روایت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے طریق سے بھی نقل کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

اسی طرح امام محمد رحمہ اللہ نے کتاب الآثار میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ ان کو کسی نے ضب ہدیہ میں دیا۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اس کے کھانے کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے انہیں منع فرمایا، اتنے میں ایک سائل آیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے وہی ضب کھلانا چاہا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اتطعمينه مالا تأكلين جو خود نہیں کھا رہی وہ اسے کھلا رہی ہو۔ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں وبه نأخذ وهو قول ابي حنيفة۔ (کشف الباری کتاب الذبائح ص ۹۹)

❸ ان امة من بني اسرائيل مسخت کی وضاحت:۔ بظاہر احادیث میں تعارض ہے اس لئے کہ اس حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ شاید یہ ضب بنی اسرائیل کی مسخ شدہ قوم کی ہی صورت نہ ہو جبکہ دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسخ شدہ قوم تین دن سے زیادہ زندہ نہیں رہتی۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک آپ ﷺ کو مسخ کا علم تو ہو لیکن اس بات کا علم نہ ہو کہ وہ تین دن سے زیادہ زندہ نہیں رہتی، بعد میں اس کا بھی علم ہو گیا ہو۔ (انعام المعبود ص ۹۲)

مولانا سہارنپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ کو یہ علم تھا کہ بنی اسرائیل کی ایک قوم حشرات الارض میں سے کسی جانور کی شکل میں مسخ ہوئی ہے اب جو بھی ایسا جانور ہوگا اس کا کھانا حرام ہوگا جیسا کہ بندر اور خنزیر کی شکل میں بعض قوموں کو مسخ کیا گیا تھا اور یہ دونوں حرام ہیں۔ لیکن اس وقت تک گوہ کے بارے میں آپ کو یہ یقین نہ تھا کہ وہ ہی مسوخ شدہ شکل ہے لہٰذا آپ ﷺ نے تردد فرمایا بعد میں جب یقینی طور پر گوہ کے بارے میں معلوم ہوا تو اسکے کھانے سے منع فرما دیا۔

**[illegible]** ......باب في الكمناء: عن البراء قال جعل رسول الله ﷺ على الرماة...... عبدالله بن جبير وقال ان رأيتمونا تخطفنا الطير فلا تبرحوا من مكانكم هذا حتى ارسل اليكم وان رأيتمونا هزمنا القوم واوطأناهم فلا تبرحوا حتى ارسل اليكم قال فهزمهم الله قال فأنا والله رأيت النساء يسندن على الجبل فقال اصحاب عبدالله بن جبير الغنيمة اى قوم الغنيمة ظهر اصحابكم فما تنتظرون

......؟ واللہ لنأتین الناس فلنصیبن من الغنیمۃ فأتوھم فصرفت وجوھھم فأقبلوا منھزمین.

ترجم الحدیث المبارک. اذکر عدد الرماۃ وبأیۃ غزوۃ یتعلق ھذا الحدیث؟ ترجم للبراء بن عازب ترجمۃ وجیزۃ. اشرح الکلمات الآتیۃ لغۃ وصرفا الکمناء، اوطأنا، یسندن، تخطف، الرماۃ.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں۔(۱) حدیث کا ترجمہ (۲) تیر اندازوں کی تعداد اور غزوہ کی نشاندہی (۳) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا تعارف (۴) الکمناء، اوطأنا، یسندن، تخطف، الرماۃ کی لغوی وصرفی تحقیق۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث کا ترجمہ:** یہ باب ہے کمین گاہ میں چھپنے والے کے بیان میں۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جبیر کو تیر اندازوں پر امیر مقرر فرمایا اور فرمایا کہ اگر تم لوگ یہ دیکھو کہ ہم لوگوں کو پرندے اچک رہے ہیں تب بھی تم لوگ اپنی جگہ سے نہ ہٹنا جب تک کہ تمہیں بلایا نہ جائے اور اگر تم دیکھو کہ ہم نے دشمن کی فوج کو شکست دے دی ہے اور ہم نے انہیں روند ڈالا ہے تب بھی تم لوگ اس جگہ سے نہ ہٹنا جب تک کہ تمہیں بلایا نہ جائے۔ راوی کہتے ہیں کہ پس اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو شکست دے دی اور میں نے ان لوگوں کی عورتوں کو دیکھا کہ وہ پہاڑوں پر چڑھنے لگیں (فرار ہونے لگیں)۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے کہا کہ مال غنیمت لے لو تمہارے ساتھی غالب آگئے ہیں اب تم کیا دیکھ رہے ہو؟ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو بھول گئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ قسم بخدا ہم لوگ تو ضرور جائیں گے اور مال غنیمت سے حصہ حاصل کریں گے پس وہ گئے اور ان کے چہرے پھیر دیئے گئے اور ان کو شکست ہوگی۔

❷ **تیر اندازوں کی تعداد اور غزوہ کی نشاندہی:** حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں دیئے گئے تیر اندازوں کی تعداد پچاس تھی اور یہ واقعہ غزوۂ احد کے اندر پیش آیا۔

❸ **حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا تعارف:** آپ کا پورا نام براء بن عازب بن حارث بن عدی انصاری حارثی اوسی ہے کنیت ابو عمارہ ہے بعض نے ابو عمرو اور ابو الطفیل بھی ذکر کی ہے۔

آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت بلال حبشی، حضرت ثابت بن ودیعہ انصاری، حضرت حسان بن ثابت اور حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہم سے بھی روایت کی ہے۔ آپ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ہم عمر تھے، بدر کے موقع پر کم سنی کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے البتہ بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ واقعۂ صفین، جمل اور قتال خوارج کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے، آپ سے ۳۰۵ روایات مروی ہیں، آپ نے حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اکہتر یا بہتر ہجری میں وفات پائی۔ (کشف الباری ج ۲ ص ۵۰۲)

❹ **الکمناء، اوطأنا، یسندن، تخطف، الرماۃ کی لغوی وصرفی تحقیق:**

"اَلْکُمَنَاءُ" یہ کمین کی جمع ہے بمعنی وہ شخص جو دشمن کی تاک و گھات میں ہو تا کہ موقع پا کر حملہ کر دے۔ کمین گاہ۔

"اَوْطَأْنَا" صیغہ جمع متکلم فعل ماضی معلوم از مصدر ایطاءۃ (افعال، مثال و مہموز) بمعنی روندنا۔

"یُسْنِدْنَ" صیغہ جمع مؤنث غائب فعل مضارع معلوم از مصدر سُنُوْدًا (نصر ینصر) کا مادہ مجرد سے کرنا، چڑھنا۔

"تَخْطَفُ" صیغہ واحد مؤنث غائب فعل مضارع معلوم از مصدر خَطْفًا (سمع یسمع) بمعنی اچکنا۔

"اَلرُّمَاۃُ" یہ رامی (اسم فاعل بمعنی تیر انداز) کی جمع ہے از مصدر اَلرَّمْیُ (ضرب، ناقص) بمعنی پھینکنا۔

⚫⚫⚫⚫⚫

## ﴿الورقة الخامسة: السنن للامام أبی داؤد﴾

### ﴿السؤال الاول﴾ ١٤٣٢ھ

**الشق الأول** ...... عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن رجلاً أتى النبی ﷺ فقال: يا رسول الله كيف الطهور؟ فدعا بماء فی اناء فغسل كفيه ثلاثا ثم غسل وجهه ثلاثاً ثم غسل ذراعيه ثلاثاً ثم مسح برأسه وأدخل اصبعيه السباحتين فی أذنيه، ومسح بابهاميه على ظاهر أذنيه، وبالسباحتين باطن أذنيه ثم غسل رجليه ثلاثاً، ثم قال هكذا الوضوء، فمن زاد على هذا أو نقص فقد أساء وظلم أو ظلم وأساء

اشرح قوله "فمن زاد على هذا أو نقص فقد أساء وظلم" شرحًا وافيًا فی ضوء ما أفاده العلماء والشراح

**جواب** ...... فمن زاد علی هذا او نقص فقد اساء وظلم کی تشریح:۔ اس حدیث میں مشہور اشکال ہے وہ یہ کہ نقص من الثلاث متعدد احادیث میں حضور ﷺ سے ثابت ہے، ہاں البتہ زیادۃ علی الثلاث ثابت نہیں تو جو چیز آپ سے ثابت ہے اس کو اساءۃ اور ظلم کیوں کہا جا رہا ہے۔ نیز اس حدیث کی بناء پر ابو حامد اسفرائنی ﷫ نے بعض علماء سے نقل کیا کہ ان کے نزدیک نقص من الثلاث نا جائز ہے اور ایسے ہی دارمی نے بعض علماء سے نقل کیا کہ ان کے نزدیک وضوء کے اندر زیادۃ علی الثلاث مبطل وضوء ہے جیسا کہ زیادۃ فی الصلوٰۃ مفسد صلوٰۃ ہے علامہ زرقانی ﷫ نے اس اختلاف کو غرائب میں شمار کیا ہے۔

بہر حال اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں لفظ نقص ثابت نہیں وہم راوی ہے، چنانچہ یہ حدیث نسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں ہے۔ ان تمام کتب میں اس حدیث میں لفظ نقص مذکور نہیں صرف لفظ زاد ہے۔

لیکن اگر اس لفظ کو ثابت مان لیا جائے تو اس کی تاویل یہ کی جائے گی کہ نقص سے مراد نقص من مرۃ واحدۃ ہے یعنی ایک مرتبہ بھی تمام اعضاء کو اچھی طرح نہیں دھویا اس صورت میں نقص کا اساءۃ اور ظلم ہونا ظاہر ہے۔

دوسری تاویل یہ ہو سکتی ہے کہ یہاں پر شرط کی جانب میں دو چیزیں مذکور ہیں "زاد" اور "نقص" اسی طرح جانب جزاء میں دو چیزیں مذکور ہیں "اساء" اور "ظلم" تو اساءۃ کا تعلق نقص سے ہے اور ظلم کا تعلق زاد سے ہے۔ اس صورت میں اشکال واقع نہ ہوگا اس لئے کہ نقصان کو اساءت اور زیادتی کو ظلم کہا جا رہا ہے یا یوں کہا جائے کہ مجموعہ مجموعہ پر مرتب ہو رہا ہے، ہر ایک کو الگ الگ ظلم و اساءۃ نہیں کہا جا رہا ہے۔ (الدر المنضود ج ۱ ص ۴۰۸)

**الشق الثانی** ...... عن قتادة عن الحسن عن سمرة قال: قال رسول الله ﷺ من توضأ ونعمت ومن اغتسل فهو أفضل. (ص۶۲-ج۱، باب الرخصة في ذلك)

اذكر حكم الغسل يوم الجمعة عند الفقهاء واذكر أدلتهم، من الذی يستدل بهذا الحديث؟ وما هی العلل التی ذكرها من لايقول به. ماهی أقوال العلماء فی "سماع الحسن عن سمرة"؟ و اذكر أدلتهم على ذلك مع ذكر وجوه ترجيح ماذهب اليه محمد رحمه الله تعالى.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حاصل چار امور ہیں (۱) غسل یوم الجمعہ کے حکم میں اختلاف مع الدلائل (۲) امام محمدؒ کے نزدیک مذہب راجح (۳) حدیث کے مستدلین کی تعیین و جواب (۴) سماع الحسن عن سمرة کی وضاحت۔

**جواب** ...... ❶ غسل یوم الجمعہ کے حکم میں اختلاف مع الدلائل:۔ ائمہ اربعہ اور جمہور سلف وخلف کے نزدیک غسل یوم الجمعہ واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔ اہل ظاہر کے نزدیک غسل یوم الجمعہ واجب ہے، حنابلہ و مالکیہ کا بھی ایک یہی قول ہے۔

جمہور کی پہلی دلیل: حضرت سمرہ بن جندب ﷜ کی مرفوع حدیث من توضأ يوم الجمعة فبها ونعمت ومن

فالغسل افضل اور یہ حدیث سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ دوسری دلیل: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے "من توضأ فاحسن الوضوء ثم اتی الجمعة فدنا واستمع وانصت غفرله" اس حدیث میں غسل کا ذکر نہیں ہے۔ تیسری دلیل: حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہما کی مشہور حدیث ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دیر سے جمعہ میں تشریف لائے اور غسل بھی نہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک تو دیر سے آئے ہیں اور پھر آئے بھی بغیر غسل کے ہیں حالانکہ آپ ﷺ نے ہمیں غسل یوم الجمعہ کا حکم دیا ہے۔ اب اگر غسل واجب ہوتا تو پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ غسل کے لئے تشریف لے جاتے ورنہ کم از کم حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو غسل کے لئے واپس جانے کا حکم فرماتے ان دونوں امور میں سے کوئی بھی ثابت نہیں ہے اور پھر اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع سکوتی بھی ہو گیا کہ کسی نے اس موقع پر وجوب کی بات نہ کی، ان تین وجوہ سے معلوم ہوا کہ غسل یوم الجمعہ واجب نہیں ہے۔

اہل ظاہر کی پہلی دلیل: یہ حدیث ہے من اتی الجمعة فلیغتسل اس میں امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کیلئے آتا ہے۔

دوسری دلیل: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ان رسول الله ﷺ قال غسل یوم الجمعة واجب علی کل محتلم اس میں صراحت کے ساتھ وجوب غسل کا ذکر ہے۔

جمہور کی طرف سے ان دلائل کا پہلا جواب: یہ ہے کہ غسل کا حکم عارض کی وجہ سے تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محنت مزدوری کرتے تھے، اون وغیرہ کے کپڑے پہنتے تھے جو پسینے سے تر ہو جاتے تھے اور مسجد ابتدائی تنگ تھی اور چھت بھی نیچی تھی تو پسینہ کی بو کی وجہ سے آپس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تنگی ہوتی تھی اس لئے غسل کا حکم دیا گیا تھا، پھر وسعت ہوئی محنت مزدوری ختم ہو گئی مسجد بھی وسیع ہو گئی، اچھا کھانا پینا اور پہننا ہو گیا تو وہ عارض یہ بو والا ختم ہو گیا، جب عارض ختم ہو گیا تو غسل والا حکم بھی ختم ہو گیا۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ امر کا صیغہ وجوب کیلئے نہیں بلکہ استحباب کیلئے ہے۔ (الدلائل ص ۳۳۳)

❷ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک مذہب راجح:۔ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک بھی مذہب جمہور ہی راجح ہے کہ غسل یوم الجمعہ واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔ اور وجہ ترجیح یہ ہے کہ غسل یوم الجمعہ کے وجوب اور عدم وجوب دونوں طرح کی احادیث ہیں۔ گویا ان میں تعارض ہو گیا تو ہم نے عمل صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف غور کیا تو ہمیں حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے عمل سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع سکوتی عدم وجوب غسل پر معلوم ہوا۔ پس اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم سے عدم وجوب غسل راجح ہوا۔

❸ حدیث کے متعلقین کی تعیین و جواب:۔ یہ حدیث الباب جمہور کی دلیل ہے کہ اس میں آپ ﷺ نے واضح طور پر ارشاد فرمایا کہ جس نے جمعہ کے دن وضو کیا اس نے بھی اچھا کیا، البتہ غسل کرنا افضل ہے۔ اگر غسل یوم الجمعہ واجب ہوتا تو آپ ﷺ بھی کی ترک کے متعلق نعمت کے الفاظ ارشاد نہ فرماتے۔ چونکہ یہ حدیث جمہور کے موافق ہے اس لئے جواب کی ضرورت نہیں ہے۔

دیگر حضرات کہتے ہیں کہ حضرت حسن رحمہ اللہ کا سماع حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے مختلف فیہ ہے اور یہاں پر حضرت حسن رحمہ اللہ بصیغہ عن روایت کرتے ہیں، لہذا یہ روایت قابل استدلال نہیں ہے۔ جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے متعدد شواہد و متابع موجود ہیں۔ یہ حدیث حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ پانچ صحابہ (حضرت انس، ابوسعید خدری، ابوہریرہ، جابر، ابن عباس رضی اللہ عنہم) سے مروی ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ (ایضاً)

❹ سماع الحسن عن سمرة کی وضاحت:۔ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے حضرت حسن کے سماع کے متعلق تین مذہب ہیں ① یہ کہ حضرت حسن رحمہ اللہ کا سماع سمرہ رضی اللہ عنہ سے مطلقاً ثابت ہے، امام ترمذی، امام بخاری اور علی بن مدینی رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے ②

وجہ یہ ہے کہ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کا سماع سمرۃ رضی اللہ عنہ سے بالکل ثابت نہیں ہے، ابن حبان، ابن معین اور شعبہ رحمہم اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے ④ یہ ہے کہ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے سمرۃ رضی اللہ عنہ سے صرف حدیث عقیقہ سنی ہے۔ امام نسائی اور دارقطنی رحمہما اللہ کا رجحان اسی طرف ہے۔
(درس ترمذی ج ۲ ص ۲۴۲، تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۲۹۵)

## «السؤال الثاني» ۱۴۳۲ھ

**الشق الأول** ..... حدثنا عبد الله بن مسلمة، حدثنا مالك وقرأه علي مالك أيضًا عن نافع عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ فرض زكاة الفطر، قال فيه: فيما قرأه على مالك: زكاة الفطر من رمضان صاع من تمر أو صاع من شعير على كل حر أو عبد ذكر أو أنثى من المسلمين. (ص ۲۲۹، ج ۱، مکتبہ)

هل لصدقة الفطر نصاب؟ اذكر أقوال العلماء فيه. اذكر أدلتهم. اذكر ما يترتب على قوله "من المسلمين" من الأحكام، واكتب أقوال العلماء في زيادة "من المسلمين" هل هي زيادة ثابتة أم لا؟ ولو ثبتت فما هو محمله الصحيح؟ اذكر اختلاف الفقهاء في وقت وجوب صدقة الفطر.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ..... اس سوال کا حل پانچ امور ہیں (۱) صدقۂ فطر کے وجوب کیلئے نصاب کی شرط میں اختلاف (۲) ائمہ کے دلائل (۳) من المسلمين کا ثبوت اور محمل (۴) من المسلمين پر مرتب حکم (۵) صدقۂ فطر کے وجوب کے وقت میں اختلاف۔

**جواب** ..... ① صدقۂ فطر کے وجوب کیلئے نصاب کی شرط میں اختلاف:۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صدقۂ فطر کیلئے کوئی نصاب شرط نہیں ہے بلکہ جس شخص کے پاس بھی ایک دن کی ضروریات سے زائد مال ہو اس پر صدقۂ فطر لازم ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صدقۂ فطر کے وجوب کیلئے نصاب زکوۃ شرط ہے البتہ نامی ہونا اور حولان حول شرط نہیں ہے۔

② ائمہ کے دلائل:۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ① آیت کریمہ "قد افلح من تزکی" ہے۔ اس میں صدقۂ فطر پر زکوۃ کا لفظ مستعمل ہے اور زکوۃ کے لئے بالاتفاق نصاب شرط ہے۔ ② "آتوا الزکوۃ" والی آیات ہیں، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان آیات کا عموم صدقۂ فطر کو بھی شامل ہے لہٰذا اس کے لئے نصاب شرط ہونا چاہیے۔ ③ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہے قال رسول الله ﷺ لا صدقة إلا عن ظهر غنى کہ صدقۂ فطر غنی پر لازم ہے اور ایک دن کی ضرورت سے زائد مال والے شخص کو غنی نہیں کہا جاتا۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی پہلی دلیل: یہ ہے کہ روایات میں صدقۂ فطر کیلئے کوئی نصاب بیان نہیں کیا گیا۔

دوسری دلیل: حضرت ابو ثعلبہ بن ابی صعیر رضی اللہ عنہ کی صدقۂ فطر والی طویل حدیث ہے جس کے آخر میں یہ ارشاد نبوی ﷺ ہے اما غنيكم فيزكيه الله واما فقيركم فيرد عليه اكثر مما اعطاه، اس سے معلوم ہوا کہ فقیر پر بھی صدقۂ فطر واجب ہے۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ اگر فقیر پر صدقۂ فطر واجب کیا جائے تو انقلاب موضوع لازم آئے گا کہ آج فقیر خود صدقۂ فطر ادا کرے اور اگلے ہی دن لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہوا نظر آئے۔ نیز ابن العربی مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فقیر کو دینے کا حکم ہے اس سے لینے کا حکم نہیں ہے۔

محقق ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں نعمان بن راشد راوی ضعیف ہے اور ابن ابی صعیر راوی مجہول ہے لہٰذا یہ حدیث ضعیف ہے۔ نیز اکثر روایات میں فقیر کا ذکر نہیں ہے لہٰذا یہ روایت شاذ ہے۔ (درس ترمذی ج ۲ ص ۲۹۸)

③ و ④ من المسلمين کا ثبوت اور محمل اور اس پر مرتب حکم:۔ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ من المسلمين کی قید روایت میں ثابت ہے چنانچہ اس پر یہ مسئلہ متفرع ہوگا کہ کافر غلام کی طرف سے مسلمان مالک پر صدقۂ فطر واجب نہیں ہے البتہ

ہو۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ باہر بارش ہو تو بارش کی وجہ سے مسجد میں نماز جنازہ کی ادائیگی بالکلیہ اسکے جواز کی دلیل نہیں ہے۔ الغرض نفی کی روایات اصل پر محمول ہیں اور اثبات کی روایات حالت عذر و بیان جواز پر محمول ہیں۔ (المسائل والدلائل ص ۲۰۵، درس ترمذی ج ۳ ص ۳۰۷)

❸ **حدیث کے مستدلین کی وضاحت اور اس پر کلام:۔** بظاہر یہ حدیث شافعیہ و حنابلہ کی دلیل ہے اسلئے کہ اس میں آپ ﷺ نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے والے کے متعلق فرمایا کہ **فلا شیئ علیه** اس پر کوئی چیز نہیں ہے یعنی مسجد میں بلا کراہت نماز جنازہ پڑھنا درست ہے۔ جواب یہ ہے کہ اصل عبارت و نسخہ **فلا شیئ له** ہے اور اس کی تائید دیگر روایات سے بھی ہوتی ہے کہ سنن ابن ماجہ، مسند احمد بن حنبل اور طحاوی وغیرہ سب کتب میں **فلا شیئ له** یا **فلیس له شیئ** کے الفاظ ہیں۔

نیز خطیب بغدادی جو سنن ابی داؤد کے اصل راوی ہیں وہ بھی فرماتے ہیں **المحفوظ: فلا شیئ له** یعنی **فلا شیئ** والی روایت ہی صحیح اور محفوظ ہے۔ (درس ترمذی ج ۳ ص ۳۰۹)

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۲ھ

**الشق الاول** ...... عَنْ عِكْرِمَةَ أَنَّ عَلِيًّا أَحْرَقَ نَاسًا ارْتَدُّوا عَنِ الْإِسْلَامِ، فَبَلَغَ ذٰلِكَ ابْنَ عَبَّاسٍ، فَقَالَ: لَمْ أَكُنْ لِأُحْرِقَهُمْ بِالنَّارِ، إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا تُعَذِّبُوا بِعَذَابِ اللّٰهِ، وَكُنْتُ قَاتِلَهُمْ بِقَوْلِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ، فَبَلَغَ ذٰلِكَ عَلِيًّا فَقَالَ: وَيْحَ ابْنِ عَبَّاسٍ. (ص ۲۳۹، ج ۲، رحمانیہ)

شكل الحديث بالضبط وترجمه بالأردية ترجمة واضحة . ماهو حكم المرتد عند العلماء؟ واذكر أدلتهم . كيف أحرقهم سيدنا علي بالنار مع النهي الصريح من قبل رسول الله ﷺ؟ (ص ۲۳۹، ج ۲، رحمانیہ)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) مرتدہ کا حکم مع الدلائل (۴) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مرتدین کو احراق بالنار کی سزا دینے کی توجیہ۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث پر اعراب:۔** كما مرّ في السوال آنفا۔

❷ **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو آگ سے جلا ڈالا تھا جو کہ اسلام سے مرتد ہو گئے تھے (جب) یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا کہ میں آگ سے نہ جلاتا۔ بے شک رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کے عذاب کے ساتھ کسی کو عذاب نہ دو اور میں ان کو رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی وجہ سے قتل کرتا اسلئے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنا دین (دین اسلام) تبدیل کرے (مرتد ہو جائے) تو اس کو قتل کر دو۔ (جب) یہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ **ویح ابن عباس** (اور بعض روایات میں **صدق ابن عباس** کے الفاظ بھی ہیں اور ویح کا لفظ بعض مواقع پر مدح و تعریف کیلئے بھی آتا ہے اور یہاں اسی معنی میں مستعمل ہے۔ (کشف الباری کتاب الجہاد ج ۲ ص ۳۵۵)

❸ **مرتدہ کا حکم مع الدلائل:۔** حنفیہ کے نزدیک مرتدہ عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کو قید کیا جائے گا، یہاں تک کہ وہ ارتداد سے توبہ کرلے یا پھر قید ہی میں اس کی موت واقع ہو جائے۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ مرتد مرد کی طرح مرتدہ عورت کو بھی قتل کیا جائے گا اور دلیل یہی حدیث ہے **من بدل دينه فاقتلوه** کہ جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اس کو قتل کر دو اس میں مرد و عورت کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ حربی کافروں سے لڑائی کے وقت آپ ﷺ نے عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے قتل سے منع فرمایا ہے حالانکہ حربی واجب القتل ہے جب حربیہ عورت کے قتل سے منع فرمادیا تو مرتدہ عورت بھی قتل سے مستثنیٰ ہوگی۔ (ترمذی باب فی المرتد)

❷ <u>حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مرتدین کو احراق بالنار کی سزا دینے کی توجیہ:۔</u> حضرت علی اور حضرت خالد بن ولید، حضرت معاذ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم کے نزدیک تحریق بالنار جائز ہے۔ علامہ مہلب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لاتعذبوا بعذاب اللّٰه والی نہی تحریمی نہیں بلکہ علی سبیل التواضع ہے یعنی تواضعاً اس کی ممانعت ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرنیین کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروائیں۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں زانی عورتوں کو جلایا تھا۔ اسی طرح حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بعض مرتدین کو جلایا۔ اکثر فقہاء مدینہ قلعہ بند دشمنوں کے جلانے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ کسی تحریق سے نہی تحریمی وجوبی نہیں ہے بلکہ ندب و استحباب کیلئے ہے (ایضاً)۔

اس ساری تفصیل کی روشنی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس نہی کا علم نہ تھا نیز فتنۂ ارتداد و سبائیت کی قباحت و شناعت اور انکو نشان عبرت بنانے کے لئے انہوں نے یہ عمل کیا تھا۔ (تفصیل کشف الباری کتاب الجہاد ج۲ ص۳۳۷)

**الشق الثانی** ...... عن أبي شريح الخزاعي أن النبي ﷺ قال: من أصيب بقتل أو خبل، فإنه يختار إحدى ثلاث، إما أن يقتص، وإما أن يعفو، وإما أن يأخذ الدية، فإن أراد الرابعة فخذوا على يديه، ومن اعتدى بعد ذلك فله عذاب أليم. (ص۲۶۱، ج۲، رحمانیہ) ترجم الحديث بالأردية ثم اشرحه.

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال میں دو امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی تشریح۔

**جواب** ...... ❶ <u>حدیث کا ترجمہ:۔</u> حضرت ابو شریح خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص قتل کیا گیا یا اس کا کوئی عضو کاٹا گیا تو اسے تین باتوں کا اختیار ہے چاہے تو قصاص لے لے اور چاہے تو معاف کردے اور چاہے تو دیت لے لے پس اگر وہ (ان تین کے علاوہ) کسی چوتھی چیز کا ارادہ کرے تو اس کے ہاتھ پکڑ لو اور جو شخص اس کے بعد حد سے تجاوز کرے تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔

❷ <u>حدیث کی تشریح:۔</u> حضرت ابو شریح خزاعی رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص قتل کردیا جائے یا اس کا کوئی عضو کاٹ دیا جائے تو اس کے ورثاء کو تین امور میں اختیار ہے۔ ① یہ کہ قتل کی صورت میں اسکے ورثاء قاتل کو قتل کردیں یا عضو کاٹ دینے کی صورت میں اسکا بھی وہی عضو کاٹ دیا جائے ② یہ کہ قاتل اور قاطع کو معاف کردیا جائے ③ یہ کہ قاتل سے دیت وصول کی جائے۔ اسے ان تین باتوں میں سے کسی ایک میں اختیار حاصل ہے اور اگر وہ ان تین امور کے علاوہ کوئی چوتھا امر اختیار کرے اور تین امور پر کسی اعتبار سے زیادتی کرے تو اس کو منع کرو اور اگر اس ارشاد اور لوگوں کے منع کرنے کے باوجود حد سے تجاوز کرے تو پھر آگاہ رہو حد سے تجاوز کرنے والوں کیلئے دردناک عذاب ہے۔

## ﴿الورقة الخامسة: السنن للإمام أبي داؤد﴾

## ﴿السوال الأول﴾ ۱۴۳۲ھ

**الشق الأول** ...... عن ثعلبة بن زهدم قال: كنا مع سعيد بن العاص بطبرستان فقام فقال: أيكم صلى مع رسول الله ﷺ صلاة الخوف؟ فقال حذيفة أنا فصلى بهؤلاء ركعة وبهؤلاء ركعة ولم يقضوا، قال أبوداؤد: وكذا رواه عبيدالله بن عبدالله ومجاهد عن ابن عباس عن النبي ﷺ وعبدالله بن شقيق عن أبي هريرة عن النبي ﷺ، ويزيد الفقير وأبو موسى. قال أبوداؤد رجل من التابعين ليس بالأشعري. جميعا عن جابر عن النبي ﷺ، وقد قال بعضهم عن شعبة في حديث يزيد

الفقير أنهم قضوا ركعة أخرى وكذلك رواه سماك الحنفي عن ابن عمر عن النبي ﷺ، وكذلك رواه زيد بن ثابت عن النبي ﷺ، قال: فكانت للقوم ركعة وللنبي ﷺ ركعتين. (ص۱۸۵، ج۱۔ رحمانیہ)

من هو سعيد بن العاص؟ ترجم له موجزا. اشرح الحديث.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں دو امور توجہ طلب ہیں (۱) سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کا تعارف (۲) حدیث کی تشریح۔

**جواب** ...... ❶ حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کا تعارف:۔ ان کا پورا نام سعید بن عاص بن سعید بن عاص بن امیہ اموی ہے ان کے والد جنگ بدر میں کافر ہونے کی حالت میں قتل کئے گئے، آپ ﷺ کے وصال کے وقت ان کی عمر نو برس تھی اصغار صحابہ رضی اللہ عنہم میں ان کا شمار کیا گیا ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں کوفہ کے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں مدینہ کے گورنر رہے۔ مصحف عثمانی کے کاتبوں میں بھی ان کا شمار ہوتا ہے۔ ۵۹ھ میں ان کا انتقال ہوا اور جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔ (تقریب احمد یہ)

❷ حدیث کی تشریح:۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ثعلبہ بن زہدم کہتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اسی دوران حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تم میں سے کس نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صلوٰۃ الخوف ادا کی ہے؟ بتلائے؟ مجلس میں موجود حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے پڑھی ہے پھر انہوں نے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے لشکر کے دونوں گروہوں کو ایک ایک رکعت پڑھائی اور انہوں نے کوئی رکعت قضا نہیں کی۔

**الشق الثانی** ...... حدثنا عبدالله بن محمد النفيلي حدثنا أبو معاوية عن هشام بن عروة عن عمرو بن خزيمة عن عمارة بن خزيمة عن خزيمة بن ثابت قال: سئل النبي ﷺ عن الاستطابة؟ فقال: بثلاثة أحجار ليس فيها رجيع، قال أبوداؤد: كذا رواه أبو أسامة وابن نمير عن هشام. (ص۶، ج۱۔ رحمانیہ)

ترجم الحديث المبارك الى الأردية. اشرح قول أبي داؤد ووضح مراده بذلك.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں دو امور حل طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) قال ابوداؤد کی شرح وغرض۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے استنجاء کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ استنجاء تین پتھروں کے ذریعہ کیا جائے کہ ان میں گندگی نہ ہو۔

❷ قال ابوداؤد کی شرح وغرض:۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ کی غرض میں دو اقوال ہیں۔ ① بذل المجہود میں لکھا ہے کہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ کی غرض حدیث کی سند میں اختلاف کو بیان کرنا ہے، اکثر رواۃ نے ہشام بن عروہ اور عمرو بن خزیمہ کے درمیان واسطہ نقل نہیں کیا جبکہ بعض رواۃ نے ان دونوں کے درمیان عبدالرحمن بن سعد رضی اللہ عنہ کا واسطہ نقل کیا ہے جیسا کہ بیہقی کی روایت میں ہے۔

② صاحب منہل نے لکھا ہے کہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ کی غرض سند کے اختلاف کو ہی بیان کرنا کہ ہشام کے اکثر تلامذہ (ابومعاویہ، ابواسامہ، ابن نمیر) اپنے استاذ ہشام بن عروہ کے شیخ کا نام عمرو بن خزیمہ ذکر کرتے ہیں جبکہ ہشام کے ہی ایک شاگرد سفیان بن عیینہ ہشام بن عروہ کے شیخ کا نام ابو وجزہ ذکر کرتے ہیں لہٰذا یہ سفیان کا وہم ہے۔ (الدرالمنضود ج۱ ص۱۳۹)

## ﴿السؤال الثاني﴾ ۱۴۲۳ھ

**الشق الأول** ...... عن عاصم عن أبي عثمان عن ابن مسعود قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: من أسبل إزاره في صلاة خيلاء، فليس من الله جل ذكره في حل ولا حرام، قال أبو داؤد: روى هذا جماعة عن عاصم موقوفًا على ابن مسعود منهم: حماد بن سلمة وحماد بن زيد وأبو الأحوص وأبو معاوية.

ترجم الحديث الشريف ترجمة واضحة بالأردية ۔ اشرح الحديث ووضح معنى قوله: فليس من الله في حل ولا حرام واذكر أقوال الشراح فيه ۔ اشرح قول أبي داؤد وبين غرضه. (ص ۱۴۳۲ھ ـ [illegible])

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی تشریح (۳) فليس من الله في حل ولا حرام کے معنی میں شراح کے اقوال (۴) قول ابوداؤد کی شرح و غرض۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے اپنی نماز میں تکبر و غرور کی وجہ سے اسبال ازار کیا تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ حلال میں ہے اور نہ حرام میں ہے۔

❷ **حدیث کی تشریح:۔** حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس شخص نے تکبر و غرور کی وجہ سے اپنا ازار نماز وغیرہ میں ٹخنوں سے نیچے کیا تو اس کا یہ فعل حرام ہے اور اگر اس نے یہ عمل سستی یا غفلت کی وجہ سے کیا تو مکروہ ہے اور اگر کسی عذر و مجبوری کی وجہ سے کیا ہے تو پھر مکروہ بھی نہیں ہے۔ (بذل المجہود)

❸ **فليس من الله في حل ولا حرام کے معنی میں شراح کے اقوال:۔** اس جملے کے مطلب میں شراح کے مختلف اقوال ہیں۔
یہ ماخوذ ہے عرب کے قول فلان لا يتقع للحلال ولا للحرام یعنی فلاں شخص ناکارہ اور بیکار ہے، لوگوں کے نزدیک اس کی کوئی وقعت نہیں اور نہ اس کا کوئی فعل قابل اعتبار ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ یہ شخص نہ کوئی جائز اور حلال کام کر رہا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا کوئی احترام ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس شخص کیلئے نہ جنت حلال ہے اور نہ جہنم حرام۔ یا یہ مطلب ہے کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا ہے کہ اس کو نہ حلال کی خبر اور پرواہ ہے اور نہ حرام کی۔ (بذل المجہود [illegible])

❹ **قول ابوداؤد کی شرح و غرض:۔** قال ابو داؤد سے امام ابوداؤد رحمہ اللہ کی غرض اختلاف رواۃ کو بیان کرنا ہے کہ اس حدیث کو ابوداؤد طیالسی نے مرفوعاً نقل کیا ہے جبکہ دیگر متعدد رواۃ حماد بن سلمہ، حماد بن زید، ابو الاحوص اور ابو معاویہ وغیرہ اس حدیث کو عاصم کے واسطے سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً نقل کرتے ہیں گویا کہ اس حدیث کو مرفوعاً نقل کرنے میں ابوداؤد طیالسی متفرد ہے لہٰذا یہ موقوف ہی راجح ہے۔

**الشق الثانی** ...... عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده قال جاء هلال احد بني متعان الى رسول الله ﷺ بعشور نحل له وكان سأله ان يحمي واديا يقال له سلبة فحمى له رسول الله ﷺ ذلك الوادي فلما ولي عمر بن الخطاب كتب سفيان بن وهب الى عمر بن الخطاب رضي الله عنه يسأله عن ذلك فكتب عمر: ان ادى اليك ما كان يؤدي الى رسول الله ﷺ من عشور نحله فاحم له سلبة والا فانما هو ذباب غيث يأكله من يشاء۔

ترجم الحديث بتمامه. اكتب مذاهب العلماء في زكوة العسل وأدلتهم. (ص ۱۴۳۳ھ ـ بنات)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل دو امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) شہد کی زکوۃ میں علماء کے مذاہب۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث کا ترجمہ:۔** عمرو بن شعیب اپنے باپ دادا کی سند سے مروی ہے کہ بنی متعان میں سے ہلال نامی ایک شخص اپنے شہد کا دسواں حصہ لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ آپ ﷺ سے سلبہ نامی وادی کا ٹھیکہ لینا چاہتا تھا (میرے علاوہ وہاں کوئی مداخلت نہ کرے) پس آپ ﷺ نے اُسے وہ ٹھیکہ دے دیا پس جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو سفیان بن وہب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا اور اس معاملے کے متعلق دریافت کیا، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اُسے لکھا کہ اگر یہ شخص تمہیں وہی عشر ادا کرتا ہے جو رسول اللہ ﷺ کو ادا کیا کرتا تھا اپنے شہد کے عشر میں سے تو

یہ دارالحکومت کا تھیلا اسی کو دے دو گر شدہ ہیں وہ جنگل کی کھیاں ہیں ان کا شہد جو چاہے استعمال کرسکتا ہے۔

❷ **شہد کی زکوٰۃ میں علماء کے مذاہب:** کما مرّ فی الورقة الثالثة الشق الثانی من السوال الاول ١٤٣٤ھ۔

## السوال الثالث ١٤٣٢ھ

**الشق الاول**......عن أنس بن مالك قال: ان نبی الله ﷺ دخل نخلاً لبنی النجار فسمع صوتا ففزع، فقال: من أصحاب هذه القبور، قالوا يا رسول الله، ناس ماتوا فی الجاهلية، فقال: تعوذوا بالله من عذاب النار ومن فتنة الدجال قالوا ومم ذاك يارسول الله؟ قال: ان المؤمن اذا وضع فی قبره أتاه ملك فيقول له ماكنت تعبد؟ فان الله هداه قال: كنت أعبدالله...... وان الكافر اذا وضع فی قبره أتاه ملك فينتهره، فيقول له ماكنت تعبد، فيقول: لاأدری، فيقال له: لادريت ولا تليت (ص٣٠٩-ج٢، رحمانیہ)

ما المراد "بالقبر" فی الحديث، عرّفه واضحًا. ماهی الطائفة المسعودية؟ وما نظريتها فی "عذاب القبر"؟ انكر موقفها وأدلتها وفنّد مزاعمها بدلائل واضحة. ورد فی هذا الطريق "أتاه ملك" وقد ورد فی طريق آخر: فيأتيه الملكان، فكيف وجه التوفيق بينهما.

﴿ خلاصۂ سوال ﴾......اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (۱) قبر کی مراد و توضیح (۲) مسعودی فرقہ کا تعارف اور نظریہ عذاب قبر (۳) مسعودی فرقہ کا رد (۴) اتاه ملك و ملكان کی روایات میں تطبیق۔

**جواب**...... ❶ **قبر کی مراد و توضیح:** قبر سے مراد وہ جگہ ہے جہاں آدمی کی میت واعضاء موجود ہیں خواہ وہ قبر متعارف (گڑھا) ہو یا مچھلی کا پیٹ ہو یا سمندر کا پانی ہو، جہاں بھی میت کے اعضاء موجود ہیں وہ اس کیلئے قبر ہے۔ باقی اس حدیث میں قبر سے مراد قبر متعارف ہے۔

❷ **مسعودی فرقہ کا تعارف اور نظریہ عذاب قبر:** اس فرقہ کا موجد و بانی مسعود احمد نامی شخص ہے، انکی جماعت کا نام جماعت المسلمین ہے، ان کی دعوت کے چند نکات یہ ہیں۔ ① جو شخص خدا کو حاکم مانے مگر مسعود احمد کو حاکم و امیر نہ مانے وہ مسلمان نہیں ہے ② جو شخص رسول اللہ ﷺ پر ایمان رکھے مگر مسعود احمد کو امام مفترض الطاعت نہ مانے وہ مسلمان نہیں ہے ③ جو دین اسلام کو مانے مگر مسعود احمد کے لٹریچر کو نہ مانے وہ مسلمان نہیں ہے۔

الغرض اس مسعودی فرقہ کا ایمان صرف اور صرف مسعود احمد پر ہی محیط ہے۔ (تجلیات صفدر ص ٣٦٠)

اور یہ فرقہ عذاب قبر کا منکر ہے اور ان کے نزدیک قبر معروف و متعارف کا بالکل اعتبار نہیں ہے اور ان کے نزدیک مرنے کے بعد روح کا تعلق جسم سے بالکل ختم ہو جاتا ہے، کوئی عذاب قبر نہیں ہے۔

❸ **مسعودی فرقہ کا رد:** متعدد نصوص قطعیہ سے عذاب قبر کا اثبات ہوتا ہے۔

① اس حدیث الباب کا جملہ تعوذوا بالله من عذاب النار، عذاب قبر کے اثبات کی دلیل ہے۔

نیز معلوم ہوا کہ قبر سے مراد قبر متعارف ہی ہے۔ نیز معلوم ہوا کہ مُردے قدموں اور جوتوں کی آواز کو سنتے ہیں۔

② مشہور واقعہ جس میں رسول اللہ ﷺ نے دو قبروں پر تازہ ٹہنیاں گاڑی تھیں۔

❹ **اتاه ملك و ملكان کی روایات میں تطبیق:** اس حدیث میں ملک (واحد) کا صیغہ ہے جبکہ دیگر معروف احادیث میں ملکان (تثنیہ) کا صیغہ ہے تو بظاہر روایات متعارض ہیں۔

تطبیق و رفع تعارض کا حاصل یہ ہے کہ یہ مختلف لوگوں کے اعتبار سے ہے کہ بعض لوگوں کے پاس دونوں فرشتے اکٹھے آتے

ہیں جو کہ سوال وجواب کے ذریعہ ان کو وحشت زدہ کر کے ان میں مبتلا کریں اور وہ فتنہ ان کے حق میں یہ سوال وجواب انتہائی شدید ہوتا ہے اور بعض لوگوں کے پاس ان کے نیک اعمال کی وجہ سے انفرادی طور پر اکیلے اکیلے یکے بعد دیگرے آتے ہیں اور یہ سوال وجواب کا معاملہ ان کے حق میں آسان ہوتا ہے اور ان پر ہیبت وخوف طاری نہیں ہوتا۔ (ص)

**الشق الثانی** ...... عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْفَغْوَاءِ الْخُزَاعِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: دَعَانِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَقَدْ أَرَادَ أَنْ يَبْعَثَنِي بِمَالٍ إِلَى أَبِي سُفْيَانَ يَقْسِمُهُ فِي قُرَيْشٍ بِمَكَّةَ بَعْدَ الْفَتْحِ فَقَالَ الْتَمِسْ صَاحِبًا قَالَ فَجَاءَنِي عَمْرُو بْنُ أُمَيَّةَ الضَّمْرِيُّ، فَقَالَ: بَلَغَنِي أَنَّكَ تُرِيدُ الْخُرُوجَ وَتَلْتَمِسُ صَاحِبًا؟ قَالَ قُلْتُ أَجَلْ قَالَ فَأَنَا لَكَ صَاحِبٌ قَالَ: فَجِئْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قُلْتُ قَدْ وَجَدْتُ صَاحِبًا قَالَ: فَقَالَ مَنْ؟ قُلْتُ: عَمْرُو بْنُ أُمَيَّةَ الضَّمْرِيُّ قَالَ: إِذَا هَبَطْتَ بِلَادَ قَوْمِهِ فَاحْذَرْهُ، فَإِنَّهُ قَدْ قَالَ الْقَائِلُ أَخُوكَ الْبِكْرِيُّ وَلَا تَأْمَنْهُ، فَخَرَجْنَا حَتَّى إِذَا كُنْتُ بِالْأَبْوَاءِ قَالَ إِنِّي أُرِيدُ حَاجَةً إِلَى قَوْمِي بِوَدَّانَ، فَتَلَبَّثْ لِي، قُلْتُ: رَاشِدًا فَلَمَّا وَلَّى ذَكَرْتُ قَوْلَ النَّبِيِّ ﷺ فَشَدَدْتُ عَلَى بَعِيرِي حَتَّى خَرَجْتُ أُوضِعُهُ حَتَّى إِذَا كُنْتُ بِالْأَصَافِرِ إِذَا هُوَ يُعَارِضُنِي فِي رَهْطٍ قَالَ: وَأَوْضَعْتُ فَسَبَقْتُهُ فَلَمَّا رَآنِي قَدْ فُتُّهُ انْصَرَفُوا وَجَاءَنِي فَقَالَ: كَانَتْ لِي إِلَى قَوْمِي حَاجَةٌ قَالَ قُلْتُ أَجَلْ وَمَضَيْنَا حَتَّى قَدِمْنَا مَكَّةَ فَدَفَعْتُ الْمَالَ إِلَى أَبِي سُفْيَانَ. (ص۳۳۲-ج۲-رحمانیہ)

شكل الحديث بالضبط ثم ترجمه ترجمة واضحة . ترجم لعمرو بن أمية الضمري موجزًا واذكر أليس هو صحابيًا؟ فكيف أراد قطع الطريق على صاحبه ؟ اشرح بإيضاح.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کا تعارف (۴) صحابی ہونے کے باوجود ساتھی کا سامان چوری کرنے کے ارادہ کرنے کی وضاحت۔

**جواب** —— ① **حدیث پر اعراب:** كما مرّ في السؤال آنفًا۔

② **حدیث کا ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن عمرو فغواء خزاعی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے بلایا آپ مجھے کچھ مال دے کر ابوسفیان کے پاس بھیجنا چاہتے تھے تاکہ وہ اس مال کو مکہ میں فتح مکہ کے بعد قریش میں تقسیم کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنا دوسرا ساتھی تلاش کرلو، میرے پاس حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ آئے اور کہنے لگے میں نے سنا ہے کہ تم مکہ معظمہ جانا چاہتے ہو اور کسی ساتھی کی تلاش کر رہے ہو؟ میں نے کہا جی ہاں۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔ چنانچہ میں خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے ساتھی مل گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جس وقت تم ان کی قوم کے ملک میں پہنچو تو ہوشیار رہنا (یعنی ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے خلاف سازش کر کے تم کو قتل کرا دیں) اس لئے کہ ایک شخص کا قول ہے کہ اپنے حقیقی بھائی سے مطمئن نہیں ہونا چاہیے۔ عمرو بن فغواء رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھر ہم لوگ نکلے (یعنی چل دیے) جب ہم لوگ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان واقع مقام ابواء میں پہنچے تو حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں ایک ضرورت کی بناء پر اپنی قوم کے پاس (مقام) ودان میں جا رہا ہوں تم میرا انتظار کرنا میں نے کہا خوشی سے جاؤ جب وہ چلا گیا تو مجھے آنحضرت ﷺ کا فرمان یاد آیا۔ میں اپنے اونٹ پر سوار ہوا اور اسکو دوڑاتے (یعنی تیزی سے) دوڑاتا ہوا نکل آیا۔ جب میں (مقام) اصافر میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ عمرو بن امیہ ضمری اپنی قوم کے کچھ لوگوں کو لئے ہوئے میرے مقابلہ کیلئے آرہا ہے میں نے اونٹ کو تیز دوڑایا یہاں تک کہ میں ان سے بہت زیادہ آگے نکل گیا۔ جب اس نے دیکھا کہ میں اس کی گرفت سے باہر ہو گیا ہوں تو اس کے ساتھی واپس ہو گئے اور وہ میرے پاس آکر کہنے لگا کہ مجھے اپنے لوگوں سے کچھ کام تھا۔ میں نے

کہا ٹھیک ہے کام ہو گیا۔ پھر ہم لوگ چلتے رہے یہاں تک کہ مکہ معظمہ میں آ پہنچ گئے اور میں نے وہ مال ابوسفیان کے حوالے کر دیا۔

❸ عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کا تعارف:۔ ان کا پورا نام حضرت ابو امیہ عمرو بن امیہ بن خویلد ضمری رضی اللہ عنہ ہے۔ یہ مشہور صحابیٔ رسول ہیں، اور قدیم الاسلام صحابہ رضی اللہ عنہم میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ اور یہ سب سے پہلے بئر معونہ کی لڑائی میں شریک ہوئے۔ ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ دونوں ہجرتوں کا شرف حاصل ہوا، اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں انتقال ہوا۔

❹ صحابی ہونے کے باوجود ساتھی کا سامان چھیننے کا ارادہ کرنے کی وضاحت:۔ مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ممکن ہے وہ لوگ حضرت عبداللہ بن عمرو خزاعی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے ہوں ان کو رخصت کرنے کے لئے لیکن انہوں نے یہ سمجھ لیا ہو کہ یہ میرا مال چھیننے کے لئے آئے ہیں اور ممکن ہے کہ ان کا گمان صحیح ہو کہ وہ لوگ مال چھیننے کے لئے ہی آئے ہوں۔

واللہ اعلم بالصواب (بذل المجہود، کتاب الآداب، باب فی الحذر من الناس)

## ﴿الورقة الخامسة: السنن للامام أبي داؤد﴾

### ﴿السوال الاول﴾ ۱۴۲۴ھ

**الشق الاول** ...... حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ أَبِيْ عَلِيِّ الْحَنَفِيِّ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ اِبْنِ جُرَيْجٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ وَضَعَ خَاتَمَهُ ، قَالَ أَبُوْ دَاؤُدَ هٰذَا حَدِيْثٌ مُنْكَرٌ وَإِنَّمَا يُعْرَفُ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ زِيَادِ بْنِ سَعْدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اِتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ وَرِقٍ ثُمَّ أَلْقَاهُ، وَالْوَهْمُ فِيْهِ مِنْ هَمَّامٍ وَلَمْ يَرْوِهِ إِلَّا هَمَّامٌ. (ص۲ ج۱۔ رحمانیہ)

شكّل العبارة . ماهو المراد بقوله اذا دخل الخلاء وضع خاتمه لماذا لا يدخل النبی ﷺ الخلاء مع الخاتم اشرح غرض أبي داؤد بهذه العبارة . اذكر هل أصاب أبوداؤد في كلامه هذا؟ وما هو وجه الرد عليه؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں: ① عبارت پر اعراب ② جملہ کی مراد اور خاتم کے ساتھ بیت الخلاء میں نہ جانے کی وجہ ③ امام ابوداؤد کے قول کی تشریح ④ امام ابوداؤد کے قول کی صحت وعدم صحت کی وضاحت۔

**جواب** ...... ❶ عبارت پر اعراب:۔ كما مرّ في السوال آنفًا۔

❷ جملہ کی مراد اور خاتم کے ساتھ بیت الخلاء میں نہ جانے کی وجہ:۔ جب آپ ﷺ بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو اپنی خاتم مبارک باہر اتار کر جاتے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس میں محمد رسول اللہ کے الفاظ نقش تھے (کیونکہ آپ ﷺ اسے بطور مہر خطوط میں استعمال کرتے تھے) چونکہ بیت الخلاء نجاست وگندگی کی جگہ ہے اور خاتم پر اسم الٰہی کے نقش ہونے کی وجہ سے اس میں بے ادبی کا پہلو ہے اس لئے آپ ﷺ بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت اپنی خاتم مبارک باہر اتار کر جاتے تھے۔

❸ امام ابوداؤد کے قول کی تشریح:۔ ابوداؤد نے اس عبارت میں حدیث باب کو منکر کہا ہے اور نکارت کی تین وجوہ بیان کی ہیں ① اس کی سند میں ابن جریج اور زہری کے درمیان زیاد کا واسطہ متروک ہے ② اسکے متن میں تبدیلی ہوگئی ہے اور اصل متن یوں ہے ان النبی ﷺ اتخذ خاتمًا من ورق ثم القاه ③ یہ امام ہمام بن یحییٰ کی غلطی ہے جس میں وہ منفرد ہیں۔ (زبدۃ المقصود)

❹ امام ابوداؤد کے قول کی صحت وعدم صحت کی وضاحت:۔ امام ماردینی الجوہر النقی میں فرماتے ہیں کہ یہاں امام ابوداؤد رحمہ اللہ سے تسامح ہوا ہے درحقیقت یہ حدیث منکر نہیں کیونکہ منکر کی تعریف یہ ہے ما رواه الضعيف مخالفًا للثقة حالانکہ ہمام کی یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل وشیخین رحمہم اللہ نے توثیق کی ہے اور ترمذی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

پہلی وجہ کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ ابن جریج کو زہری سے بالواسطہ اور بلاواسطہ دونوں طریق سے سماع حاصل ہو۔

دوسری وجہ کا جواب یہ ہے کہ یہ دو مستقل احادیث ہیں اور دونوں ہی صحیح ہیں۔

تیسری وجہ کا جواب یہ ہے کہ ہمام کے دو متابعین موجود ہیں ① یحییٰ بن متوکل بصری، یہ متابعت مستدرک میں ہے ② یحییٰ بن ضریس، یہ رازی کی کتاب العلل میں موجود ہے۔ بلکہ ابوداؤد جس حدیث کو معروف کہہ رہے ہیں وہ خود محدثین کے یہاں غلط ہے کیونکہ صحیح روایت کی بنا پر آپ ﷺ نے جو انگوٹھی پھینکی تھی وہ سونے کی تھی اور چاندی کی انگوٹھی تو آپ ﷺ کے پاس آخر عمر تک بلکہ آپ کے بعد بھی خلافت عثمان رضی اللہ عنہ تک باقی رہی تھی کہ ایک موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بئر اریس میں گر گئی۔ (زبدۃ المقصود ص ۳۲)

**الشق الأول** ...... حدثنا هارون بن معروف حدثنا ابن وهب عن جرير بن حازم أنه سمع قتادة بن دعامة حدثنا أنس بن مالك أن رجلا جاء إلى النبي ﷺ وقد توضأ وترك على قدميه مثل موضع الظفر فقال له رسول الله ﷺ ارجع فأحسن وضوءك. قال أبو داؤد: وهذا الحديث ليس بمعروف عن جرير بن حازم ولم يروه إلا ابن وهب وحده وقد روي عن معقل بن عبيد الله الجزري عن أبي الزبير عن جابر عن عمر عن النبي ﷺ نحوه. قال: ارجع فأحسن وضوءك. (ص ۲۵، ج ۱، رحمانیہ)

اذكر حكم الموالاة في الوضوء عند العلماء مع دلائلهم. ما هو الجواب عن هذا الحديث عند من لا يقول به؟ اشرح غرض أبي داؤد بقوله هذا شرحا واضحا.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) موالاۃ فی الوضوء میں اختلاف مع الدلائل (۲) حدیث باب کا جواب (۳) امام ابوداؤد کے قول کی تشریح۔

**جواب** ...... ① موالاۃ فی الوضوء میں اختلاف مع الدلائل: مالکیہ کے نزدیک موالاۃ فی الوضوء واجب اور شرط صحت وضو ہے اگر کوئی شخص عمداً تفریق کرے تو اس کا وضو باطل ہے البتہ نسیان کی صورت میں معاف ہے اور کتب مالکیہ میں موالاۃ کو فور سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ اسی طرح حنابلہ کے یہاں بھی موالاۃ فرض ہے ان کے یہاں نسیان سے بھی ساقط نہیں ہوتی اور حنفیہ کے نزدیک موالاۃ صرف سنت ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے دونوں قول ہیں۔ ابن رسلان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے قول قدیم میں موالاۃ واجب ہے و صاحب الروض من اصحاب احمد کی بھی یہی رائے ہے اور قول جدید امام شافعی رحمہ اللہ کا استحباب ہے اور یہی امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت حنفیہ کے مثل ہے۔

امام خطابی شافعی رحمہ اللہ اور ابن بطال مالکی رحمہ اللہ نے اس حدیث باب سے وجوب موالاۃ پر استدلال کیا ہے۔

اسی طرح حدیث ثانی میں آپ ﷺ نے اعادۂ وضو کا حکم فرمایا جس سے بظاہر یہی موالاۃ کی تائید ہوتی ہے۔

لیکن اول تو یہ حدیث ضعیف ہے اس لئے کہ اس کی سند میں بقیہ بن الولید راوی ہیں جو حجت نہیں، ابو مسہر غسانی ان کے بارے میں فرماتے ہیں احادیث بقية ليست بنقية فكن منها على تقية نیز وہ مدلس ہیں اور یہاں بطریق عنعنہ روایت کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی احتمال ہے کہ اعادۂ وضو کا حکم آپ نے بطریق استحباب فرمایا ہو۔

جو حضرات وجوب موالاۃ کے قائل نہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آیت وضو میں صرف غسل اعضاء اور مسح راس کا حکم فرمایا ہے اس میں موالاۃ کا کہیں ذکر نہیں۔ نیز امام بیہقی رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ایک اثر بھی ذکر کیا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے بازار میں وضو کیا اور صرف غسل وجہ و یدین اور مسح راس کیا اور نماز جنازہ پڑھانے کیلئے مسجد میں تشریف لے گئے، وہاں پہنچ کر جملہ حاضرین کے سامنے مسح علی الخفین کیا، جب کہ وضو خشک ہو چکا تھا اور اس پر حاضرین میں سے کسی نے نکیر نہیں کی۔ (الدر المنضود ج ۱ ص ۳۰۹)

❷ **حدیث الباب کا جواب:۔** امام نووی رحمہ اللہ نے ان کے استدلال کو رد فرمایا ہے اور یہ لکھا ہے کہ یہ استدلال کم از کم ضعیف ورنہ باطل ہے اس لئے کہ حضور ﷺ نے جو اس اعرابی کو وضو کا حکم فرمایا ہے اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ احتمال ہے وضو کیا جائے دوسرا یہ کہ مقاصد شک رہ گیا ہے اس کو دور کرایا جائے۔ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال البتہ اگر آپ اعادۂ وضو کا حکم فرماتے تب استدلال صحیح تھا اگرچہ اس وقت بھی یہ احتمال ہے کہ اعادہ کا حکم بطریق استحباب ہو نہ کہ بطریق وجوب۔

❸ **امام ابوداؤد کے قول کی تشریح:۔** اس قال ابوداؤد سے امام ابوداؤد رحمہ اللہ کی غرض سند مذکور کے اعتبار سے حدیث قتادہ کی غرابت کو بیان کرنا ہے۔ وجہ غرابت یہ ہے کہ جریر سے یحییٰ ابن وہب راوی ہے جریر سے نقل کرنے میں ابن وہب راوی متفرد ہے، سند میں تفرد آ گیا تو تفرد کی وجہ سے یہ حدیث غریب ہے۔

دوسری وجہ بعض محدثین نے یہ بیان کی ہے کہ قتادہ سے روایت کرنے والے بجز جریر کے اور کوئی نہیں ہے اگرچہ حدیث میں غرابت ہے لیکن امام ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مضمون حدیث صحیح ہے کیونکہ یہ دوسری سندوں سے بھی مروی ہے (ثابت ہے)۔

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۴ھ

**الشق الأول** ...... عن سليمان الأحول عن عطاء عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ نهى عن السدل في الصلاة وأن يغطي الرجل فاه . قال أبو داؤد : رواه عسل عن عطاء عن أبي هريرة أن النبي ﷺ نهى عن السدل في الصلاة . حدثنا محمد بن عيسى بن الطباع حدثنا حجاج عن ابن جريج قال أكثر ما رأيت عطاء يصلي سادلاً . قال أبو داؤد : وهذا يضعف ذلك الحديث .(ص ۱۰۳-ج ۱-رحمانیہ)

اذكر أقوال العلماء في تعريف السدل . ماهو حكم السدل في الصلاة . ماهو غرض أبي داؤد بقوله : "رواه عسل...... الخ" وبقوله : "وهذا يضعف ذلك الحديث" واذكر حكم عمل الراوي وفتياه خلاف ما رواه

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) سدل کی تعریف (۲) سدل فی الصلوٰۃ کا حکم (۳) امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے قول کی غرض (۴) راوی کے اپنی روایت کے خلاف عمل یا فتویٰ کا حکم۔

**جواب** ...... ❶ **سدل کی تعریف:۔** سدل کی متعدد تعریفیں کی گئی ہیں ① ارسال الثوب وجرّہ خیلاء یعنی تہبند یا ازار کو تکبر کی وجہ سے دراز کرنا، اس کو اسبال بھی کہتے ہیں ② چادر کو اس طرح اوڑھنا کہ دونوں ہاتھ بھی اسکے اندر بند ہو جائیں ③ اس کی معروف تعریف یہ ہے کہ چادر یا رومال کے وسط کو سر یا کندھوں پر ڈال لیا جائے اور پھر اس کی طرفین کو لپیٹا نہ جائے۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اسی کو راجح قرار دیا ہے، صاحب ہدایہ، صاحب منیۃ اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ (الدر المنضود ج ۲ ص ۱۰)

❷ **سدل فی الصلوٰۃ کا حکم:۔** یہ جمہور کے نزدیک مکروہ ہے۔ امام ابوحنیفہ و امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک تو صرف نماز میں مکروہ ہے جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مطلقاً مکروہ ہے خواہ داخل نماز ہو یا خارج نماز ہو۔

امام مالک، عطاء، حسن اور ابن سیرین رحمہم اللہ وغیرہ کے نزدیک اس میں مطلقاً کراہت نہیں ہے۔

ابن ارسلان فرماتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک کراہت اس وقت ہے جب نمازی کے بدن پر صرف ایک ہی کپڑا ہو، اور اگر کوئی شخص قمیص پر سدل کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جبکہ دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ اگر قمیص پر سدل کرے تو یہ تشبہ بالیہود کی وجہ سے مکروہ ہے اور اگر بغیر قمیص سدل کرے تو یہ کشف عورت کے احتمال کی وجہ سے مکروہ ہے۔ (ایضاً)

❸ **امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے قول کی غرض:۔** اس عبارت میں دو جگہ پر قال ابوداؤد کا لفظ آیا ہے۔

پہلے قال ابوداؤد سے امام ابوداؤد کی غرض نہی عن السدل والی روایت کے دوسرے طریق کو بیان کرنا ہے کہ عسل راوی نے بھی نہی عن السدل کی روایت نقل کی ہے مگر پہلی سند راجح و بہتر ہے اس لئے کہ دوسری سند میں عسل راوی ضعیف ہے۔

دوسرے قال ابوداؤد سے امام ابوداؤد رحمہ اللہ کی غرض کسی حدیث کے ضعیف ہونے کی ایک علت کی طرف اشارہ کرنا ہے، وہ علت یہ ہے کہ اگر راوی حدیث کا عمل یا فتویٰ اس کی اپنی روایت کے خلاف ہو تو یہ اس حدیث کو ضعیف کر دیتا ہے۔

چنانچہ یہاں پر بھی حدیث نہی عن السدل کے راوی حضرت عطاء ہیں جبکہ ان کا اپنا عمل یہ ہے کہ: کثرت کے ساتھ سدل فی الصلوٰۃ کرتے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کسی خارجی علت کی وجہ سے خلاف حدیث عمل کرنے سے ضعف پیدا نہیں ہوتا۔

باقی یہاں پر وہ علت کیا ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت عطاء کے نزدیک سدل کی کراہت صرف ایک کپڑا کی صورت میں ہو اور اگر سدل قمیص یا ازار پر ہو تو کراہت وممانعت نہ ہو جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب ہے اور ہو سکتا ہے کہ وہ سدل قمیص یا ازار پر ہی کرتے ہوں۔

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یا تو حضرت عطاء اس حدیث کو بھول گئے یا پھر انکے نزدیک وہ سدل ممنوع ہوگا جو تکبر کے طور پر ہو۔ (ایضاً)

❷ **راوی کے اپنی روایت کے خلاف عمل وفتویٰ کا حکم:** امام ابوداؤد کی عبارت وھو یضعف ذلک الحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر راوی اپنی روایت کے خلاف عمل کرے یا فتویٰ دے تو اس کی وجہ سے روایت مجروح ہو جاتی ہے اور اس میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے۔ امام سیوطی رحمہ اللہ تدریب میں نقل کرتے ہیں کہ راوی کا روایت کے مطابق عمل وفتویٰ اس روایت کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں ہے اور راوی کا روایت کے خلاف عمل وفتویٰ اس روایت کے ضعیف ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ (ص)

**الشق الثانی** ...... عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده عبدالله بن عمرو بن العاص عن رسول الله ﷺ انه سئل عن الثمر المعلق فقال: من اصاب بفيه من ذی حاجة غير متخذ خبنة فلا شیئ عليه ومن خرج بشيئ منه فعليه غرامة مثليه والعقوبة ومن سرق منه شيئا بعد ان يؤويه الجرين فبلغ ثمن المجن فعليه القطع وذكر فی ضالة الابل والغنم كما ذكره غيره قال: وسئل عن اللقطة فقال: ما كان منها فی طريق الميتاء او القرية الجامعة فعرفها سنة فان جاء طالبها فادفعها اليه وان لم يأت فهی لك وما كان فی الخراب يعنی ففيها وفی الركاز الخمس. (ص۲۵۲۔ج۱۔رحمانیہ)

اشرح كلا من الكلمات التالية خبنة، الجرين، الميتاء. ترجم الحديث المبارك بكامله. ماهو حكم الانتفاع باللقطة عند الائمة ؟ اذكر مع ادلتهم.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) خبنة، الجرين، الميتاء کی تشریح (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) لقطہ سے انتفاع کا حکم مع الدلائل۔

**جواب** ...... ❶ **خبنة، الجرين، الميتاء کی تشریح۔ اَلْخُبْنَةُ:** یہ مفرد ہے اس کی جمع خُبَنٌ ہے بمعنی کپڑے کی دامن، وہ تھوڑا کپڑا جو دامن وجھولی میں ڈال جائے، مطلب یہ ہے کہ ضرورتمند وحاجت مند آدمی بامر مجبوری گزارہ کیلئے باغ کے اندر پھل کھا سکتا ہے اس کو جھولی میں ڈال کر نہیں لیجا سکتا۔ **اَلْجَرِیْنُ:** یہ مفرد ہے اس کی جمع جُرُنٌ ہے بمعنی کھلیان، کھجور وغیرہ خشک کرنے کی جگہ۔ مطلب یہ ہے کہ جب میوہ خشک ہونے کے لئے کھیت میں کسی جگہ لا رکھا ہو تو اس کو اٹھانا جائز نہیں ہے۔

**اَلْمِیْتَاءُ:** یہ اِتْیَانٌ سے اسم ظرف ہے بمعنی لوگوں کی عام گزرگاہ، مطلب یہ ہے کہ شارع عام سے کوئی چیز ملے تو ایک سال

تک اس کی تشہیر کی جائے۔

❷ **حدیث کا ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ درختوں پر میوہ لٹکا ہے جانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص اس کو کھالے اور وہ شخص ضرورت مند ہو تو (درست ہے) لیکن اس کو چھپا کر نہ لے جائے تو کچھ حرج نہیں اور جو شخص چھپا کر کچھ لے جائے تو وہ دوہرا جرمانہ ادا کرے اور اس کو سزا اس کے علاوہ ملے گی اور جب میوہ پختہ ہو کر کھیت میں خشک ہونے کیلئے ڈالا جائے اور کوئی شخص وہاں سے اتنا چوری کر کے لے جائے کہ جس کی مالیت (ڈھال کی) ڈھال کے برابر ہو تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائیگا اسکے بعد گم شدہ بکری اور اونٹ کا حال بیان کیا جیسا کہ دیگر حضرات نے بیان کیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ سے لقطہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ جو لقطہ عام راستے پر آباد علاقہ میں پایا جائے تو ایک سال تک تشہیر کرو، اگر اس کا مالک آجائے تو اس کو دے دو مالک نہ آئے تو وہ تمہارا (یعنی پانے والے کا ہے) اور جو لقطہ کسی ویران جگہ سے ملے یا کان سے ملے تو اس میں سے پانچواں حصہ دینا ہوگا (باقی سب لقطہ پانے والے کا حق ہے)۔

❸ **لقطہ سے انتفاع کا حکم مع الدلائل:** ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ملتقط خواہ غنی ہو یا فقیر وہ لقطہ اس کیلئے حلال ہے اور وہ خود اسے استعمال کر سکتا ہے۔ البتہ استعمال کے بعد اگر مالک آگیا تو پھر مالک کو اس کی ضمان ادا کرنا لازم ہوگی۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگر ملتقط فقیر اور مستحق زکوۃ ہے تو پھر اس کے لئے استعمال کرنا جائز ہے اور اگر وہ غنی وغیر مستحق ہے تو پھر اسے اختیار ہے چاہے امانت کے طور پر اپنے پاس محفوظ رکھے اور اگر چاہے تو صدقہ کر دے۔ البتہ اگر صدقہ کے بعد مالک آگیا تو پھر اس کو اختیار ہے چاہے تو صدقہ کو نافذ کر دے اور اس کو صدقہ کا ثواب مل جائے گا اور اگر چاہے تو ملتقط سے ضمان لے لے اس صورت میں ملتقط کو صدقہ کا ثواب مل جائے گا۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے دلائل: ① حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ ان کو راستے سے سو دینار کی تھیلی ملی تھی اور ان کے غنی و مالدار ہونے کے باوجود آپ ﷺ نے ان کو انتفاع کی اجازت دی تھی۔ ② حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہیں سے ایک دینار ملا تھا، آپ ﷺ نے اس کا اعلان کیا، جب اس کا مالک نہ ملا تو آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس دینار سے انتفاع کی اجازت دی۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بنو ہاشم میں سے تھے ان کیلئے صدقہ کھانا جائز نہیں تھا۔ معلوم ہوا کہ ان کے غیر مستحق ہونے کے باوجود آپ ﷺ نے ان کو فائدہ اٹھانے کی اجازت دی۔

حنفیہ کے دلائل: ① حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے **من اصاب لقطة فليشهد ذا عدل او ذوى عدل ولا يكتم ولا يغيب فان وجد صاحبها فليردها عليه والا فهو مال الله يؤتيه من يشاء**۔ اس حدیث میں **فهو مال الله يؤتيه من يشاء** کا جملہ ہے یہ تعبیر عموماً اس چیز کیلئے ہوتی ہے جس کے مستحق فقراء ہوتے ہیں نہ کہ اغنیاء۔ ② حضرت عبداللہ بن شخیر کی مرفوع حدیث ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا **ضالة المسلم حرق النار**۔ ③ حضرت جارود کی حدیث ہے **ضالة المسلم حرق النار فلا يقربنها**۔ ④ حضرت یعلیٰ بن مرۃ کی مرفوع روایت ہے **من التقط لقطة يسيرة ثوبا او شبهه فليعرفه ثلاثة ايام ومن التقط اكثر من ذلك ستة ايام فان جاء صاحبها والا فليتصدق بها فان جاء صاحبها فليخيره**۔

ان احادیث میں سے بعض صریح نہیں ہیں اور بعض سنداً ضعیف ہیں مگر متعدد آثار صحابہ سے تائید ہونے کی وجہ سے یہ احادیث بے اصل نہیں ہیں چنانچہ خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ بات ثابت ہے کہ ملتقط کو لقطہ سے فائدہ اٹھانے اور اپنے استعمال میں لانے کی اجازت نہیں۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ بوقت انتفاع حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فقراء صحابہ میں سے تھے۔ چنانچہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے اپنا باغ صدقہ کرنے کے بعد وہ غنی ہوئے تھے۔

دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پورے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو صرف بامر مجبوری گھر میں بھوک ہونے کی وجہ سے استعمال کی اجازت دی تھی۔ اور حنفیہ کے نزدیک عدم انتفاع کا مطلب یہ ہے کہ ملتقط کے لئے اس لقطہ کو اپنی چیز سمجھ کر کھانا جائز نہیں۔ البتہ اگر وہ اس شرط کے ساتھ استعمال کرے کہ جب مالک کو ضرورت ہوگی میں اس کو قیمت ادا کر دوں گا تو اس چیز کا استعمال جائز ہے۔ (کشف الباری ج ۳ ص ۵۵۵، تقریر ترمذی ج ۲ ص ۳۰)

## ﴿السؤال الثالث﴾ ۱۴۳۴ھ

**الشق الأول** ...... عن ابن عباس قال: قطع رسول الله ﷺ يد رجل في مجن قيمته دينار أو عشرة دراهم.

ترجم الحديث الشريف. اذكر اختلاف أهل العلم في قدر ما يقطع به يد السارق. اذكر أدلتهم مع ترجيح ما ذهب إليه الإمام أبو حنيفة". (ص ۲۵۵-ج ۲-رحمانیہ)

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) مقدار سرقہ میں اختلاف مع الدلائل (۳) احناف کی وجہ ترجیح۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کا ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کا ہاتھ ایک ڈھال کے بدلے میں کاٹا تھا جس کی قیمت ایک دینار یا دس درہم تھی۔

❷ مقدار سرقہ میں اختلاف مع الدلائل: امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک سرقہ کا نصاب تین درہم ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سرقہ کا نصاب جس پر حد جاری ہوتی ہے ربع دینار ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نصاب سرقہ دس درہم یا ایک دینار یا اتنی مالیت کے بقدر کوئی چیز مال ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے ان النبي ﷺ كان يقطع في ربع دينار فصاعدًا کہ آپ ﷺ ربع دینار یا اس سے زیادہ میں ہاتھ کاٹتے تھے۔ (اسی روایت کے دوسرے طریق میں تین درہم کا ذکر ہے جو کہ امام مالک کی دلیل ہے)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ایک تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اثر سے استدلال کرتے ہیں کہ لا قطع الا في دينار فصاعدًا کہ قطع ید ایک دینار یا اس سے زیادہ میں ہوتا ہے۔ دوسری دلیل وہ روایت ہے جس میں ڈھال کی قیمت پر آپ ﷺ نے قطع ید فرمایا اس ڈھال کی قیمت دس درہم تھی یہ روایت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس باب میں مختلف طریقوں سے مروی ہے بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے صرف اتنا فرمایا لم يقطع النبي ﷺ في ثمن المجن کہ آپ ﷺ نے صرف مجن کی قیمت میں قطع ید فرمایا اور بعض میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ اس مجن کی قیمت تین درہم تھی اور بعض میں ہے کہ اس کی قیمت ربع دینار تھی۔ ان تمام روایتوں کو مدنظر رکھنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اصل روایت میں صرف اتنا ہے کہ آپ ﷺ نے ثمن المجن میں قطع ید فرمایا پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا خیال ظاہر فرمایا کہ اس مجن کی قیمت ربع دینار یا تین درہم تھی لیکن ان کا یہ خیال حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کے معارض ہے جس میں انہوں نے مجن کی قیمت دس درہم بیان فرمائی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ سے صرف اتنی بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ثمن المجن میں قطع ید فرمایا۔ باقی رہی یہ بات کہ ثمن المجن کتنی تھی تو اس کی تعیین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما میں اختلاف ہوگیا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ دس درہم تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ربع دینار تھی یا تین درہم تھی تو اس اختلاف کی وجہ سے

حنفیہ نے اس روایت کو لیا: حد کو ساقط کرنے والی تھی کیونکہ اگر تین درہم والی روایت کو لیں تو اسکی وجہ سے حد زیادہ اور جلدی نافذ ہوگی اور دس درہم والی روایت کو لینے کی صورت میں حد دیر سے نافذ ہوگی اور نو درہم کی چوری تک حد نہیں لگے گی اور حدود کے باب میں احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ وہ صورت اختیار کی جائے جس سے حد دور ہوتی ہو اس وجہ سے حنفیہ رحمہم اللہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت جو دس درہم کی تھی اس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی روایت پر ترجیح دیتے ہوئے اس پر عمل کیا اور اس کی تائید عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اثر سے بھی ہوتی ہے جس میں انہوں نے فرمایا **لاقطع الافی دینار** یعنی ایک دینار سے کم میں قطع ید نہیں ہوتا اور اس زمانے میں ایک دینار کی قیمت دس درہم کے برابر ہوتی تھی۔ (تقریر ترمذی ج ۲ ص ۹۸)

❸ <u>حنفیہ کی وجہ ترجیح:</u>۔ مذہب احناف کو دوسرے ائمہ کے مذاہب کے مقابلہ میں ترجیح حاصل ہے اس لئے کہ یہ حدیث مبارکہ **الحدود تندرؤ بالشبہات** کے موافق ہے کہ ربع دینار اور تین درہم پر قطع ید میں شبہ ہو گیا کہ قطع ید ہے یا نہیں ہے تو احناف رحمہم اللہ نے یقینی قطع ید والی صورت کو اختیار کیا اور دوسری صورت کو ترک کر دیا۔

نیز دلیل شوافع و مالکیہ مضطرب ہے۔ نیز مذہب حنفیہ مؤید بآثار صحابہ رضی اللہ عنہم ہے۔ (حل)

**الشق الثانی** ...... عن ابن شهاب قال: كان جابر بن عبدالله يحدث أن يهودية من أهل خيبر سمت شاة مصلية، ثم أهدتها لرسول الله ﷺ فأخذ رسول الله ﷺ الذراع فأكل منها وأكل رهط من أصحابه معه ثم قال لهم رسول الله ﷺ: ارفعوا أيديكم وأرسل رسول الله ﷺ الى اليهودية فدعاها فقال لها: أسممت هذه الشاة؟ قالت اليهودية من أخبرك؟ قال أخبرتني هذه في يدي للذراع، قالت نعم قال فما أردت الى ذلك؟ قالت قلت ان كان نبيا فلن يضره وان لم يكن نبيا استرحنا منه، فعفا عنها رسول الله ﷺ ولم يعاقبها وتوفي بعض اصحابه الذين اكلوا من الشاة واحتجم رسول الله ﷺ على كاهله من أجل الذي اكل من الشاة. حجمه أبوهند بالقرن والشفرة وهو مولى لبني بياضة من الأنصار.

ترجم الحديث بالأردية . ماهو اختلاف العلماء فيمن سقى رجلا سما أو أطعمه أيقاد منه؟ لمن يشهد هذا الحديث؟ وماهو الجواب عنه عند من لايقول به؟ (ص ۲۶۲۔ ج ۲۔ رحمانیہ)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) زہر دینے والے آدمی کے قصاص میں اختلاف (۳) مستدلین کی تعیین (۴) حدیث الباب کا جواب۔

**جواب** ...... ❶ <u>حدیث کا ترجمہ:</u>۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خیبر کی رہنے والی ایک یہودی عورت نے ایک بھنی ہوئی بکری میں زہر ملایا اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں وہ (زہر آلود بکری) ہدیتاً بھیجی، آپ نے اس میں سے (شانہ کا کچھ گوشت لے کر) کھایا اور آپ کے ہمراہ کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی کھایا پھر آپ ﷺ نے ان حضرات سے فرمایا ہاتھ اٹھالو اور آپ ﷺ نے اس عورت کے پاس کسی کو بھیج کر اسے طلب فرمایا پھر اس سے دریافت فرمایا کہ تم نے اس بکری میں زہر ملایا تھا۔ اس نے عرض کیا آپ کو یہ بات کس نے بتلائی؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھ سے شانے نے بتلایا جو کہ میرے ہاتھ میں ہے (یعنی معجزہ کے طور پر خود دست کے گوشت نے بتلا دیا کہ میرے اندر زہر ملا ہوا ہے) اس عورت نے جواب دیا بلاشبہ میں نے زہر ملایا، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا (زہر ملانے سے) تمہارا کیا مقصد تھا؟ اس عورت نے جواب دیا میں نے اپنے دل میں یہ کہا کہ اگر تو یہ اللہ کے پیغمبر ہیں تو ان کو زہر نقصان نہیں دے گا اور اگر آپ پیغمبر نہیں ہیں تو ہم لوگوں کو آپ کی طرف سے آرام مل جائے گا

یعنی ہم سب آپ سے نجات حاصل کرلیں گے، تو نبی کریم ﷺ نے اس عورت کا جرم معاف فرما دیا اور اس عورت کو کوئی سزا نہیں دی اور نبی کریم ﷺ کے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کہ جنہوں نے گوشت تناول کیا تھا وہ (زہر آلود گوشت کھانے کی وجہ سے) وفات پاگئے اور نبی کریم ﷺ نے اس زہر کی وجہ سے اپنے دونوں مونڈھوں کے درمیان سینگی لگوائی اور ابو ہند نے گائے کے سینگ اور چھری سے آپ ﷺ کے سینگی لگائی اور ابو ہند قبیلہ بنو بیاضہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔

❷ زہر دینے والے آدمی کے قصاص میں اختلاف:۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر قصاص لازم ہے۔
امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول یہ ہے کہ جب اس نے کسی کھانے یا پینے کی چیز میں کوئی زہر دیا اور اسی شخص کو کھلایا پلایا اور اس کو زہر کا علم نہیں تھا تو اس صورت میں قصاص لازم ہے۔ اور اگر کھانے میں زہر ملایا مگر اس کو کھانے کا علم نہیں دیا اور اس نے کھالیا تو پھر قصاص لازم نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر اس نے زہر پلایا اور آگے موت واقع ہوگئی تو قصاص لازم نہیں ہے۔ اور امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر زبردستی زہر پلایا تو اس صورت میں عاقلہ پر دیت لازم ہے۔

❸ مسلک حنفی کی تائید:۔ یہ حدیث امام ابوحنیفہ کی دلیل ہے جن کے نزدیک قصاص لازم نہیں ہے۔

❹ حدیث الباب کا جواب:۔ مالکیہ کی طرف سے پہلا جواب یہ ہے کہ اس کی سند متصل نہ ہونے کی وجہ سے یہ قابل استدلال نہیں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ بکری یہودی عورت نے آپ ﷺ کو ہدیہ میں دی تھی چنانچہ یہ آپ ﷺ کی ملک ہوگئی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے مہمان تھے اس لئے براہ راست خود اس عورت کی طرف سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ بکری نہیں دی گئی تھی۔ اس وجہ سے یہاں پر قصاص لازم نہیں ہوا۔ (ص)

## ﴿الورقة الخامسة: السنن للامام أبي داؤد﴾

## ﴿السؤال الأول﴾ ١٤٣٥ھ

**الشق الأول** ...... حدثنا عثمان بن ابي شيبة ثنا وكيع بن الجراح ثنا الوليد بن عبدالله حدثتني جدتي وعبدالرحمن بن خلاد عن ام ورقة بنت نوفل ان النبي ﷺ لما غزا بدرا قالت: قلت له يارسول الله ائذن لي في الغزو معك أمرّض مرضاكم لعل الله ان يرزقني شهادة. قال: قرّي في بيتك فان الله يرزقك الشهادة. قال فكانت تسمى الشهيدة قال وكانت قد قرأت القرآن فاستأذنت النبي ﷺ ان تتخذ في دارها مؤذنا فأذن لها قال وكانت دبرت غلاما لها وجارية فقاما اليها بالليل فغمّاها بقطيفة لها حتى ماتت وذهبا فأصبح عمر فقام في الناس قال: من كان عنده من هذين علم أو من رآهما فليجئ بهما فأمر بهما فصلبا وفي رواية وامرها ان تؤم اهل دارها. (ص۹۲ ج۱)

ترجم الحديث بتمامه وحقق الكلمات التالية لغة وصرفا: امرض، قري، غمّا، صلبا. اذكر كلام المحدثين في الوليد بن عبدالله وعبدالرحمن بن خلاد وجدة الوليد جرحا وتعديلا. حديث الباب يدل على جواز امامة المرأة للنساء، اذكر مسئلة امامة المرأة بالدلائل.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں۔ (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) امرض، قری، غمّا، صلبا کی لغوی، صرفی تحقیق (۳) ولید بن عبداللہ، عبدالرحمن بن خلاد، جدہ ولید کے متعلق محدثین کا کلام (۴) عورت کی امامت کا مسئلہ مع الدلائل۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ام ورقہ بنت نوفل سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب غزوۂ بدر کو تشریف

لے گئے تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول آپ مجھے بھی جہاد میں شرکت کی اجازت عنایت فرمائیں، میں مریض مجاہدین کی خدمت کروں گی، شاید کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی شہادت کا مقام عطا فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے گھر میں ہی ٹھہری رہو پس بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں شہادت مرحمت فرما دیں گے۔ راوی کہتے ہیں کہ پس اُن کا نام شہیدہ ہو گیا۔ راوی کہتے ہیں کہ انہوں نے قرآن کریم پڑھا ہوا تھا پس انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے گھر میں مؤذن مقرر کرنے کی اجازت مانگی، آپ ﷺ نے انہیں اجازت دے دی اور انہوں نے اپنے ایک غلام اور ایک باندی کو مدبر بنایا تھا، وہ دونوں ایک رات اُٹھے اور چادر کے ساتھ اُن کا گلا گھونٹ دیا یہاں تک کہ وہ انتقال کر گئیں اور وہ دونوں فرار ہو گئے، پس صبح کی حضرت عمرؓ نے کہ کھڑے ہوئے لوگوں میں اور فرمایا جس شخص کے پاس اُن دونوں کے متعلق کوئی خبر ہو یا جس شخص نے ان دونوں کو دیکھا ہو وہ اُن کو پیش کرے، پس حضرت عمرؓ نے ان کے متعلق حکم دیا اور وہ دونوں سولی پر چڑھائے گئے اور مدینہ منورہ میں سب سے پہلے انہی کو سولی پر چڑھایا گیا تھا۔

**۲ امرض، قری، غما، صلبا کی لغوی وصرفی تحقیق:۔**

"اُمَرِّضُ" صیغہ واحد متکلم فعل مضارع معلوم از مصدر تمریض (تفعیل، صحیح) بمعنی علاج کرنا، تیمارداری کرنا۔

"قِرِّیْ" صیغہ واحد مؤنث امر حاضر معلوم از مصدر قرارًا، قرارًا، قُرُوْرًا (سمع وضرب، مضاعف) قرار پکڑنا، ٹھہرنا۔

"غَمَّا" صیغہ تثنیہ مذکر و مؤنث غائب فعل ماضی معلوم از مصدر غمًّا (نصر، مضاعف) بمعنی ڈھانپ لینا، گھٹن کرنا۔

"صُلِبَا" صیغہ تثنیہ مذکر و مؤنث غائب فعل ماضی مجہول از مصدر صَلْبًا (نصر وضرب، صحیح) بمعنی سولی دینا۔

**۳ ولید بن عبداللہ، عبدالرحمٰن بن خلاد، جدہ ولید کے متعلق محدثین کا کلام:۔** ولید بن عبداللہ کا نام ولید بن عبداللہ بن جمیع الزہری المکی ہے۔ یہ کوفہ کا رہنے والا تھا، حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ یہ سچا تھا لیکن اس کو وہم ہوتا تھا اور اس پر شیعہ ہونے کا الزام بھی ہے۔ عبدالرحمٰن بن خلاد انصاری مجہول الحال راوی ہے، ابن قطانؒ فرماتے ہیں کہ لایعرف حالھما۔ جدہ ولید کا نام لیلیٰ بنت مالک ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ لاتُعرف۔ (تقریب، محمد یہ)

**۴ عورت کی امامت کا مسئلہ مع الدلائل:۔** شوافع وحنابلہ کے نزدیک عورتوں کا مستقل اپنی علیحدہ جماعت کروانا اور عورت کا امامت کروانا مستحب ہے۔ حنفیہ ومالکیہ کے نزدیک عورت کی امامت اور صرف عورتوں کی جماعت مکروہ ہے۔ (بذل)

مغنی میں لکھا ہے امام احمدؒ سے اس میں استحباب وعدم استحباب کی دونوں روایتیں ہیں جبکہ ہمارے بعض فقہاء کے کلام سے مستفاد ہوتا ہے کہ اگر عورتیں باہر نکل کر جماعت کریں تب تو مکروہ ہے اور اگر گھر ہی میں جماعت کر لیں تو یہ جائز ہے۔

الغرض بعض روایات سے عورتوں کی جماعت ثابت ہے۔ ابن ہمامؒ نے مستدرک اور کتاب الآثار محمد سے اُن روایات کو نقل کیا ہے۔

ہمارے فقہاء نے اُن روایات (مثلاً اُن میں سے ایک یہی روایت ہے) کو منسوخ مانا ہے۔

ابن ہمامؒ نے نسخ پر طویل کلام کیا ہے اور نسخ کو اولاً تو تسلیم ہی نہیں کیا اور فرمایا کہ اگر نسخ مان لیا جائے تو سنیت کا نسخ کراہیتِ تحریمیہ کا مقتضی نہیں ہے بلکہ عدم استحباب اور خلاف اولیٰ کا مقتضی ہے۔ ہمارے نزدیک ناسخ ابوداؤد کی یہ مشہور حدیث ہے صلوٰۃ المرأۃ فی بیتھا افضل من صلوتھا فی حجرتھا وصلوتھا فی مخدعھا افضل من صلوتھا فی حجرتھا۔ ظاہر بات ہے کہ مخدع بہت مختصر جگہ ہوتی ہے جبکہ جماعت کے لئے وسیع جگہ درکار ہے۔ (الدر المنضود ج ۲ ص ۱۲۰)

**الحدیث الرابع** ......عن عبداللہ بن عبداللہ بن عمر عن أبیہ قال: سئل رسول اللہ ﷺ عن الماء وما ینوبہ من الدواب والسباع فقال ﷺ إذا کان الماء قلتین لم یحمل الخبث. قال أبو داود: وھذا لفظ

ابن العلاء، وقال عثمان والحسن بن علي عن محمد بن عباد بن جعفر. قال أبو داود: وهو الصواب.

اذكر مذاهب العلماء في طهارة الماء وعدمها عند وقوع شيئ نجس فيه. اذكر أدلتهم مع شرح ما قاله أبو داود رحمه الله تعالى. (ص ۲۰۔ ج ۱۔ رحمانیہ)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) وقوعِ نجاست سے پانی کی طہارت ونجاست کا حکم (۲) ائمہ کے دلائل (۳) قال ابوداؤد کی تشریح۔

**جواب** ...... ❶ و ❷ کما مرّ فی الشق الاول من السؤال الاول ۱۴۲۷ھ۔

❸ <u>قال ابوداؤد کی تشریح:</u> نجس کی وجہ سے پانی کی نجاست وطہارت میں شوافع وحنابلہ کی دلیل حدیث قلتین ہے۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے تین طرق سے نقل کیا ہے ① بطریق ولید بن کثیر ② بطریق محمد بن اسحاق ③ بطریق عاصم بن منذر۔

اس حدیث پر اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث میں متعدد طرح سے اضطراب ہے اور سند کے حوالے سے پہلے طریق پر اعتراض یہ ہے کہ ولید بن کثیر کے شیخ میں اختلاف ہے کہ وہ محمد بن جعفر ہے یا محمد بن عباد بن جعفر ہے۔ بعض رواۃ محمد بن جعفر بتلاتے ہیں جیسے امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے استاد محمد بن العلاء، محمد بن جعفر ذکر کرتے ہیں اور بعض رواۃ محمد بن عباد بن جعفر ذکر کرتے ہیں جیسے امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے باقی دو استاد عثمان بن ابی شیبہ اور حسن بن علی اس کو محمد بن عباد بن جعفر ذکر کرتے ہیں۔

قال ابوداؤد هو الصواب سے امام ابوداؤد نے بطریق تصحیح سند اضطراب کو دور کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ وهو الصواب میں هو ضمیر کا مرجع محمد بن عباد بن جعفر ہے کہ یہی درست ہے کہ ولید بن کثیر کا شیخ محمد بن عباد بن جعفر ہے۔ اور صواب کا مقابل خطاء ہے تو اس سے اشارہ کیا کہ جو رواۃ ولید بن کثیر کے شیخ کا نام محمد بن جعفر بتلاتے ہیں یہ ان کی غلطی ہے تو اب کوئی اضطراب باقی نہیں رہا۔

لیکن یہ کوشش زیادہ کارآمد نہیں ہے اس لئے کہ قال ابوداؤد پر جو دوسرا نسخہ ہے اس میں الصواب محمد بن جعفر ہے مطلب یہ ہے کہ ولید بن کثیر کے استاد محمد بن جعفر ہیں اور اس کے مقابلہ میں محمد بن عباد بن جعفر یہ رواۃ کی خطاء ہے۔

نیز تیسرے نسخہ میں لا هذا ولا ذاك به ہے یعنی شبہ عبارت ہے اور مصنف رحمہ اللہ نے کوئی فیصلہ نہیں فرمایا۔

خلاصہ یہ کہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ رفعِ اضطراب میں خود مضطرب ہیں۔

## ﴿السؤال الثاني﴾ ۱۴۲۵ھ

**الشق الاول** —— حدثنا علي بن صالح عن سلمة بن كهيل عن حجر بن عنبس عن وائل بن حجر أنه صلى خلف رسول الله ﷺ فجهر بآمين وسلم عن يمينه وعن شماله حتى رأيت بياض خده.

ترجم الحديث الشريف بالأردية. اذكر مذاهب العلماء في الجهر بآمين والسر به، وشق أدلتهم مع بيان واضح لترجيح مذهب أبي حنيفة رحمه الله تعالى. (ص ۱۳۴۔ ج ۱۔ رحمانیہ)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) آمین جہراً وسراً میں اختلاف (۳) ائمہ کے دلائل (۴) حنفیہ کی وجہ ترجیح۔

**جواب** ...... ❶ <u>حدیث کا ترجمہ:</u> حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کی تو آپ ﷺ نے جہراً آمین کہی اور اپنی دائیں اور بائیں جانب سلام پھیرا حتی کہ میں نے آپ ﷺ کے رخسار کی سفیدی دیکھ لی۔

❸ **آمین جہر اور سراً میں اختلاف:۔** حنفیہ اور مالکیہ رحمہم اللہ کے ہاں آمین میں اخفاء سنت ہے۔

شوافع اور حنابلہ رحمہم اللہ کے ہاں آمین میں جہر سنت ہے البتہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے ہاں جائز دونوں ہیں صرف افضلیت کا اختلاف ہے۔

❹ **ائمہ کے دلائل:۔** یوں تو اس مسئلہ میں فریقین کی طرف سے بہت سی روایات دلیل کے طور پر پیش کی گئی ہیں لیکن انکی تمام روایات یا صحیح نہیں یا صریح نہیں اسلئے اس مسئلہ میں حضرت وائل بن حجر کی حدیث باب مدار بن گئی ہے شوافع اور حنابلہ رحمہم اللہ بھی اسی سے استدلال کرتے ہیں اور حنفیہ و مالکیہ رحمہم اللہ بھی اسی سے استدلال کرتے ہیں، دراصل حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث باب میں روایات کا اختلاف ہے یہ روایت دو طریق سے مروی ہے ایک سفیان ثوری رحمہ اللہ اور دوسرے شعبہ رحمہ اللہ کے طریق سے سفیان ثوری کا طریق یہ ہے: **عن وائل بن حجر قال سمعت النبي ﷺ قرء غير المغضوب الخ ..... ومدبها صوته** اور شعبہ رحمہ اللہ کے طریق کے الفاظ اس طرح ہیں **ان النبي ﷺ قرء..... وخفض بها صوته** ۔امام ترمذی رحمہ اللہ نے دونوں طریق سے روایت کو اپنی جامع میں تخریج کیا ہے، شوافع اور حنابلہ، سفیان رحمہ اللہ کی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے شعبہ رحمہ اللہ کی روایت کو چھوڑ دیتے ہیں جبکہ حنفیہ اور مالکیہ شعبہ رحمہ اللہ کی روایت کو اصل قرار دیکر سفیان رحمہ اللہ کی روایت میں تاویل کرتے ہیں کہ اس میں مدبھا سے مراد جہر نہیں بلکہ آمین کی "ی" کو کھینچنا ہے۔

❹ **حنفیہ کی وجوہ ترجیح:۔** ① سفیان ثوری رحمہ اللہ اپنی جلالت شان کے باوجود کبھی کبھی تدلیس بھی کرلیا کرتے تھے اسکے برخلاف شعبہ رحمہ اللہ تدلیس (شیخ کے نام کو چھپانا) کو اشد من الزنا کہتے تھے تو اس سے انکی غایت احتیاط معلوم ہوتی ہے ② سفیان ثوری رحمہ اللہ اگرچہ جہر تامین کے راوی ہیں لیکن خود ان کا اپنا مسلک شعبہ رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق اخفاء تامین کا ہے ③ شعبہ رحمہ اللہ کی روایت اوفق بالقرآن ہے کیونکہ ارشاد باری ہے **ادعوا ربكم تضرعا و خفية** اور آمین بھی دعا ہے لہذا آمین میں اخفاء ہے نہ کہ جہر ④ اگر سفیان رحمہ اللہ کی روایت کو جہر پر محمول کرکے اختیار کیا جائے تو شعبہ رحمہ اللہ کی روایت کو بالکلیہ چھوڑنا لازم آتا ہے اسکے برخلاف اگر شعبہ رحمہ اللہ کی روایت کو اختیار کیا جائے تو سفیان رحمہ اللہ کی روایت کو بالکلیہ چھوڑنا لازم نہیں آتا بلکہ اسکی مختلف توجیہات ہوسکتی ہیں مثلاً ایک توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ **مدبها صوته** سے مراد جہر نہیں بلکہ حرف مد یعنی آمین کے الف اور یا کو کھینچنا مراد ہو۔

**الشق الثانی** ...... **عن ثوبان قال: بعث رسول الله ﷺ سرية فاصابهم البرد فلما قدموا على رسول الله ﷺ امرهم ان يمسحوا على العصائب والتساخين.** (ص۲۱-ج۱-حقانیہ)

**ترجم الحديث وحقق كلمة العصائب والتساخين.**

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال میں دو امور توجہ طلب ہیں۔ (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) عصائب وتساخین کی تحقیق۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر بھیجا تو اسے سردی لگ گئی پس جب وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے انہیں موزوں اور عماموں پر مسح کا حکم فرمایا۔

❷ **عصائب وتساخین کی تحقیق:۔** **عصائب:** یہ **عِصَابَة** کی جمع ہے بمعنی پٹی و پگڑی، سر دوں گھوڑوں اور پرندوں کی جماعت۔ پٹی و پگڑی کو عصابہ اس لئے کہتے ہیں کہ ان کو سر و زخم پر بل دیئے جاتے ہیں۔

**تَسَاخِين:** یہ جمع ہے یا اس کا مفرد نہیں ہے یا اس کا مفرد **تَسْخِيْن، تَسْخَان** ہے بمعنی موزے، چادر کی مانند مخصوص کپڑا جس کو علماء سر پر ڈالتے ہیں۔ (مصباح اللغات)

**﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۲۵ھ**

آتی جاتی تھی تو جب وہ میرے پاس دم کرتا تھا تو میرا درد ٹھہر جاتا تھا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا یہ کام تو شیطان ہی کا تھا شیطان اس ہاتھ سے آنکھ کو چھوتا تھا جب اس کو دم کیا جاتا تو وہ اس سے رک جاتا تمہارے لئے تو یہی کافی تھا جیسا کہ آنحضرت ﷺ فرماتے تھے اے انسانوں کے پروردگار امراض کو دفع فرما اور شفا عطا فرما آپ ہی شفا عطا فرمانے والے ہیں آپ وہ شفا عطا فرمائیں کہ کسی مرض کو باقی نہ چھوڑیں۔

❷ **رقی، تمائم، تولة، غیلة کی لغوی وصرفی تحقیق:** رقی: رقیہ کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ جھاڑ پھونک ہے جو غیر اللہ کے نام پر ہو خواہ کسی بت یا بزرگ کے نام پر ہو یا کلام اللہ اور کلام رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر کسی اور کی کلام ہو۔

**تمائم:** یہ تمیمہ کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ تعویذ ہیں جو بچے کے گلے میں اس غلط نظریہ اور عقیدہ سے لٹکایا جائے کہ وہ تعویذ ہی اثر کرتا اور نظر بد کو دفع کرتا ہے۔

**تولة:** علامہ خطابی اور ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی جادو کی ایک قسم ہے اور امام اصمعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ایک عمل ہے جس کی وجہ سے بیوی اپنے خاوند کی محبوبہ بن جاتی ہے۔ **غیلة:** دوران حمل یا رضاعت عورت سے جماع کرنا۔

❸ **حدیث کی تشریح:** حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ جھاڑ پھونک، تعویذ گنڈے اور جادو ٹونے وغیرہ یہ مشرکین کے اعمال شنیعہ میں سے ہیں اور غلط اعتقاد اور ان کو مؤثر حقیقی سمجھنے کی وجہ سے یہ شرک ہیں۔ جب ان کی اہلیہ زینب نے یہ بات سنی تو بولی کہ تم کیسے یہ بات کہتے ہو؟ اللہ کی قسم میں درد کی شدت کی صورت میں فلاں یہودی کے پاس جاتی تھی اور اس کے دم کے نتیجہ میں میرا درد ختم ہو جاتا تھا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی وضاحت فرمائی کہ دراصل یہ شرارت شیطانی تصرف ہے کیونکہ شیطان جسم انسانی میں تصرف کر کے وسوسہ ڈال سکتا ہے، بدنظری کرا سکتا ہے اور یہ یہودی اس کی اعانت اور شرارت سے فائدہ اٹھاتا ہے اور اپنے آپ کو عامل ظاہر کرتا ہے حالانکہ یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ پس اس بیماری کا اصل علاج آنحضرت ﷺ کی تعلیم کردہ یہ دعا ہے اِذْهَبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ اِشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا۔

❹ **رقی وتمائم محرمہ ومباحہ میں فرق:** تعویذات وغیرہ کے استعمال اور انکی اباحت وحرمت اور قباحت کا تعلق اعتقاد اور توکل پر ہے، اگر آدمی تعویذ، دوا اور دم درود وغیرہ میں مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ کو سمجھے کہ شفاء من جانب اللہ ہوتی ہے اور دم درود، دوا اور تعویذ وغیرہ کو سبب سمجھے تو پھر ان کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور اگر انہی اشیاء کو مؤثر حقیقی سمجھا جائے تو پھر ان کا استعمال ممنوع ہے۔

**فائدہ:** جھاڑ پھونک کی چند قسمیں ہیں۔ ① وہ کلام جس میں شرکیہ کلمات اور غیر اللہ سے استمداد ہو ایسے کلمات سے دم کرنا اور کرانا حرام ہے ② جو عجم اور غیر واضح الفاظ ہوں جن کا مطلب سمجھ نہ آتا ہو کیونکہ ہو سکتا ہے یہ الفاظ ہیں ان الفاظ سے دم کرنا مکروہ تحریمی کے قریب حکم اول ہے ③ وہ کلمات جو صحیح المعنی ہوں لیکن منقول وماثور نہ ہوں تو ان سے دم کرنا مباح اور جائز ہے ④ وہ آیات، دعائیں اور کلمات جو آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں ان سے دم کرنا مستحب ہے۔ (انوار المحمود ج ۲ ص ۳۲۰)

## ﴿الورقة الخامسة: السنن للامام أبي داؤد﴾

### ﴿السوال الاول﴾ ١٤٣٦ھ

**الشق الاول** ......عن ام عطية وكانت بايعت النبي ﷺ قالت: كنا لانعد الكدرة والصفرة بعد الطهر شيئا.

ما هي الوان الحيض المعتبرة عند العلماء. اشرح الحديث المبارك، واذكر اختلاف العلماء في الصفرة والكدرة في ايام الحيض و بعدها، هل هما من الحيض ام هما استحاضة، وما هي ادلتهم؟ (۲۰+۸)

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) حیض کے الوان معتبرہ میں علماء کے اقوال (۲) حدیث کی تشریح (۳) ایام حیض وبعد میں صفرۃ وکدرۃ کے حیض واستحاضہ ہونے میں اختلاف مع الدلائل۔

**جواب** ...... ① حیض کے الوان معتبرہ میں علماء کے اقوال:۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حیض کے چھ رنگ ہیں سواد، حمرۃ، صفرۃ، خضرۃ، کدرۃ، تربیۃ (سیاہ، سرخ، زرد، سبز، گدلا، مٹیالا)۔ جس رنگ کا بھی خون ہو گا وہ حیض ہی ہے۔

امام شافعی وامام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک صرف سرخ وسیاہ رنگ کا خون حیض ہے باقی استحاضہ کے رنگ ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ صفرۃ وکدرۃ (زرد وگدلا) کو بھی حیض قرار دیتے ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صفرۃ وکدرۃ ایام حیض میں حیض ہی ہیں۔ (درس ترمذی ج۱ ص۳۳۹)

② حدیث کی تشریح:۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم طہر کے بعد صفرۃ وکدرۃ کو کچھ شمار نہیں کرتی تھیں یعنی اگر دوران حیض کوئی عورت صفرۃ وکدرۃ دیکھتی تو اس کو حیض سمجھا جاتا تھا مگر پاک ہونے کے بعد ہم اس کو کچھ نہیں سمجھتی تھیں۔

③ ایام حیض وبعد میں صفرۃ وکدرۃ کے حیض واستحاضہ ہونے میں اختلاف مع الدلائل:۔ اس میں مختلف اقوال ہیں۔
① جمہور علماء (جن میں حنفیہ بھی ہیں) کا مسلک یہ ہے کہ عورت صفرۃ وکدرۃ اگر مدت حیض میں دیکھے تب تو وہ حیض ہے ورنہ استحاضہ اور یہی بات مصنف رحمہ اللہ ترجمۃ الباب میں بھی کہہ رہے ہیں لہٰذا یہ ترجمہ مسلک جمہور کے موافق ہوا ② ابن حزم ظاہری کا ہے کہ یہ دونوں رنگ مطلقاً استحاضہ ہیں اگرچہ مدت حیض کے اندر دیکھے ③ وہ ہے جو امام مالک رحمہ اللہ کی ایک روایت ہے کہ صفرۃ وکدرۃ مطلقاً حیض ہیں خواہ عادت کے اندر دیکھے یا اسکے پورا ہونے کے بعد اور دوسری روایت امام مالک رحمہ اللہ کی مثل جمہور کے ہے ④ وہ ہے جو حنفیہ میں سے امام ابویوسف رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ کدرۃ حیض ہے بشرطیکہ شروع میں اترے (اسود یا احمر کے بعد) ورنہ یہ محض ایک رطوبت ہے جسکا کوئی اعتبار نہیں۔

جمہور کی دلیل: ابوداؤد رحمہ اللہ کی حدیث الباب ہے۔ ابن حزم کی دلیل: بھی یہ حدیث الباب ہے یعنی حدیث ام عطیہ ہے لیکن بروایت بخاری ونسائی، اس لئے کہ ان دونوں میں اس روایت کے الفاظ میں "بعد الطہر" مذکور نہیں بس اس طرح ہے كنا لا نعد الكدرة والصفرة شيئًا اسی لئے امام نسائی رحمہ اللہ نے اس پر ترجمہ بھی مطلق ہی قائم کیا ہے۔

جمہور کی طرف سے اسکا جواب یہ دیا جائے گا کہ ابوداؤد کی روایت میں بعد الطہر کی زیادتی موجود ہے اسی لئے امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں بھی یہ قید ذکر فرمائی ہے اور اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی بخاری شریف میں ترجمۃ الباب ابوداؤد ہی کی روایت کے مطابق بعد الطہر کی قید کے ساتھ قائم کیا ہے لہٰذا ابن حزم کیلئے اب اس سے استدلال کی گنجائش نہیں رہی۔

تیسرے قول کی دلیل بخاری شریف کی وہ مشہور حدیث ہے جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں لا تعجلن حتى ترين القصة البيضاء کیونکہ بظاہر اس حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے صفرۃ وکدرۃ کا مطلقاً حیض ہونا ثابت ہوتا ہے، مدت حیض کی قید نہیں ہے اس کا جواب بھی حدیث ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے خود بخود نکل آیا کہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کو زمانہ حیض پر محمول کیا جائے لہٰذا اب حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا وحدیث ام عطیہ رضی اللہ عنہا دونوں کو ملا کر حاصل یہ ہوا کہ صفرۃ وکدرۃ قبل الطہر حیض ہیں یعنی زمان حیض میں اور بعد الطہر استحاضہ ہیں یعنی غیر ایام حیض میں۔ (الدر المنضود ج۱ ص۳۲۶)

**الشق الثاني** ——— عن عبد الله قال: صلى رسول الله ﷺ الظهر خمسًا فقيل له: أزيد في الصلاة؟ قال وما ذاك؟ قال صليت خمسًا، فسجد سجدتين بعد ما سلم. (ص۱۵۲ ج۱)

اشرح الحديث واذكر حكم من لم يقعد في الركعة الرابعة وقام للخامسة عند الأئمة مع أدلتهم

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں دو امور حل طلب ہیں (۱) حدیث کی تشریح (۲) قعدۂ اخیرہ کے بغیر پانچویں رکعت میں کھڑے ہونے والے کا حکم مع الدلائل۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث کی تشریح:۔** حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے کہ غلطی سے پانچ رکعت نماز پڑھا دی، بعد میں کسی صحابی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا نماز کی رکعت میں تعداد کے اعتبار سے زیادتی و اضافہ ہو گیا ہے؟ آپ ﷺ نے پوچھا کہ وہ کیسے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے نماز پانچ رکعت پڑھائی ہے چنانچہ آپ ﷺ نے سلام کے بعد دو سجدے کر کے نماز کو مکمل کیا۔

گویا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سجدۂ سہو سلام کے بعد کیا۔

❷ **قعدۂ اخیرہ کے بغیر پانچویں رکعت میں کھڑے ہونے والے کا حکم مع الدلائل:۔** جمہور علماء ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تو یہ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں خواہ چوتھی رکعت میں بیٹھے یا نہ بیٹھے بہر صورت نماز صحیح ہو جائے گی، سجدۂ سہو کر لینا کافی ہے اور احناف یہ کہتے ہیں کہ چوتھی رکعت پر بیٹھنے کی صورت میں تو نماز صحیح ہو جائے گی، سجدۂ سہو کر لینا کافی ہوگا اور اگر بغیر قعدہ کے آدمی کھڑا ہو جائے تو اگر سجدہ میں جانے سے پہلے پہلے یاد آ جائے تو قعدہ کی طرف لوٹ آئے نماز درست ہو جائے گی اور اگر سجدہ میں چلا گیا تو حنفیہ کے نزدیک اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ شیخین تو یوں فرماتے ہیں کہ اس کا فرض باطل ہوگا ویسے اس کی یہ نماز نفل ہو جائے گی لہٰذا ایک رکعت اور شامل کرے اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک مطلقاً نماز ہی باطل ہو جائے گی۔

جمہور علماء اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ خلط بین الفرض والنفل مفسد صلوٰۃ ہے اگر کوئی شخص فرض نماز کو اس کی تکمیل سے پہلے نفل کے ساتھ خلط کر دے تو نماز باطل ہو جائے گی۔ قعدۂ اخیرہ نہ کرنے کی صورت میں پانچویں رکعت میں داخل ہونے سے جس کا تحقق سجدہ سے ہوتا ہے خلط بین الفرض والنفل قبل تکمیل الفرض لازم آتا ہے اس لئے نماز باطل ہو جائے گی۔ بخلاف اس کے کہ قعدۂ اخیرہ کر چکا ہو وہاں کو خلط لازم آئے گا لیکن بعد تکمیل الفرض لہٰذا نماز درست ہو جائے گی یہ بات تو حنفیہ کی اصولی ہے۔

لیکن جمہور یہ کہتے ہیں کہ آپ کی یہ تفصیل حدیث کے خلاف ہے۔ حدیث تو مطلق ہے؟ حنفیہ کہتے ہیں کہ حدیث میں جو مذکور ہے یہ واقعہ جزئیہ ہے جس کا ظاہر ہے کہ مطلق کا تحقق اس کے دو فردوں میں سے کسی ایک فرد کے ضمن میں ہوگا لہٰذا یہاں اس واقعہ میں اب دو احتمال ہیں قعدۂ اخیرہ کرنے کا اور نہ کرنے کا، لیکن وقوع ان میں سے یقیناً ایک ہی کا ہوا ہوگا اس لئے ہم نے صرف ایک ہی صورت اختیار کی اور وہ صورت وہ ہے جس کا قرینہ ہمارے پاس موجود ہے وہ قرینہ یہ ہے کہ راوی کہہ رہا ہے **صلی الظھر خمسًا** اب ظہر تو ظہر جبھی ہوگی جب اسکے جملہ فرائض پائے جا چکے ہوں اور ان میں ایک قعدۂ اخیرہ بھی ہے۔

معلوم ہوا کہ آپ قعدۂ اخیرہ کر چکے تھے اسی لئے صرف سجدۂ سہو کیا۔ (الدر المنضود ج ۲ ص ۳۸۵)

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۶ھ

**الشق الاول** ...... عن ابن عباس قال: طلق عبد يزيد، أبو ركانة و اخوته، ام ركانة ونكح امرأة من مزينة فجاءت النبي ﷺ فقالت: ما يغني عني الا كما تغني هذه الشعرة، لشعرة اخذتها من رأسها ففرق بيني وبينه فاخذت النبي ﷺ حمية فدعا بركانة واخوته ثم قال لجلسائه: اترون فلانا يشبه منه كذا وكذا من عبد يزيد وفلانا يشبه منه كذا وكذا؟ قالوا نعم، قال النبي ﷺ لعبد يزيد: طلقها

نفعل ثم قال: راجع امرأتك ام ركانة واخوته، فقال: انی طلقتها ثلاثًا یا رسول الله؟ قال: قد علمت راجعها وتلا: "یا ایها النبی اذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن". (ص۲۹۶۔ج۱۔رحمانیہ)

اذکر حکم التطلیقات الثلاث عند العلماء مع ادلتهم ۔ ترجم الحدیث واذکر من یستدل بهذا الحدیث؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) طلاق ثلاثہ کا حکم مع الدلائل (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) حدیث کے مستدلین کی تعیین۔

**جواب** ...... ❶ طلاق ثلاثہ کا حکم مع الدلائل:۔ کمامرّ فی الشق الاوّل من السؤال الثانی ۱۴۲۶ھ۔

❷ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ عبد یزید نے (جو کہ رکانہ اور اس کے دوسرے بھائیوں کا باپ ہے) ام رکانہ کو طلاق دیدی اور اس نے قبیلہ مزینہ کی ایک عورت سے شادی کر لی تو وہ عورت آپ ﷺ کے پاس آئی اور اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! وہ میرے کسی کام کا نہیں ہے مثل ان بالوں کے (ان بالوں کے متعلق اس نے کہا جو اس نے اپنے سر کے بال پکڑے ہوئے تھے) پس آپ ﷺ میرے اور اس کے درمیان تفریق کر دیں، آپ ﷺ کو غیرت وغصہ آگیا، آپ ﷺ نے رکانہ اور اس کے بھائیوں کو بلایا اور پھر حاضرین مجلس سے فرمایا کہ کیا تم دیکھ رہے ہو کہ فلاں کی فلاں چیز عبد یزید کے مشابہ ہے؟ اور فلاں کی فلاں فلاں چیز مشابہ ہے؟ حاضرین نے کہا کہ جی ہاں، آپ ﷺ نے عبد یزید سے کہا کہ اس کو طلاق دیدو پس اس نے ایسا ہی کیا یعنی طلاق دیدی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی بیوی ام رکانہ اور بھائیوں سے رجوع کر لے، اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے اسکو تین طلاقیں دی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے تو رجوع کر لے اور آپ ﷺ نے یہ آیت یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْھُنَّ لِعِدَّتِھِنَّ تلاوت فرمائی۔

❸ حدیث کے مستدلین کی تعیین:۔ یہ حدیث ان لوگوں کا مستدل ہے جو طلاق ثلاثہ کو ایک طلاق قرار دیتے ہیں۔

**الشق الثانی** ...... عن معمر بن ابی معمر احد بنی عدی بن کعب قال: قال رسول الله ﷺ: "لا یحتکر الا خاطئ" فقلت لسعید: فانك تحتکر؟ قال: ومعمر کان یحتکر. (ص۳۳۹۔ج۲۔رحمانیہ)

عرف الاحتکار لغة و شرعًا ۔ متی یتحقق الاحتکار؟ اذکره باختلاف العلماء ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں دو امور توجہ طلب ہیں (۱) احتکار کا لغوی وشرعی معنی (۲) احتکار کے تحقق میں اختلاف۔

**جواب** ...... ❶ احتکار کا لغوی وشرعی معنی:۔ احتکار کا لغوی معنی کسی چیز کو ذخیرہ کرنا، جمع کرنا اور روکنا ہے اصطلاح شریعت میں احتکار یہ ہے کہ کسی چیز کو اس نیت سے ذخیرہ کرنا کہ میں اس کو اس وقت نکالوں گا جب اس کی قلت ہو جائے گی اور پھر لوگوں سے زیادہ قیمت وصول کروں گا۔ (تقریر ترمذی)

❷ احتکار کے تحقق میں اختلاف:۔ کھانے پینے کی اشیاء میں تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ان میں احتکار جائز نہیں لیکن ان کے علاوہ دوسری اشیاء میں احتکار جائز ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک غذائی اجناس کے علاوہ دوسری اشیاء میں احتکار جائز ہے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک احتکار ہر ضرورت کی چیز میں ناجائز ہے جو حضرات فقہاء احتکار کو غذائی اجناس کیساتھ خاص کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ "احتکار" کا لفظ لغت میں غذائی اجناس کی ذخیرہ اندوزی ہی پر دلالت کرتا ہے دوسری اشیاء کی ذخیرہ اندوزی پر "احتکار" کا لفظ دلالت نہیں کرتا ہے اسلئے صرف غذائی اجناس کے احتکار کی ممانعت ہوگی۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے

ہیں کہ غذائی اجناس کے احتکار کی ممانعت میں جو علت پائی جا رہی ہے وہ یہ کہ لوگوں کو اس چیز کی ضرورت ہے لیکن محتکر نے لوگوں سے اسکے منہ مانگے دام وصول کرنے کی خاطر اپنے گودام میں اس کا ذخیرہ کیا ہوا ہے ، تو یہ علت جس طرح غذائی اجناس میں پائی جاتی ہے اسی طرح دوسری اشیاء میں بھی پائی جاتی ہے اس لئے تمام ضرورت کی اشیاء میں احتکار ناجائز ہے ۔ (تقریر ترمذی ج۱ ص۴۰۲)

## ﴿السوال الثالث﴾ ١٤٣٦ھ

**الشق الاول** ......عن سلمة بن الاكوع قال لما نزلت هذه الآية وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين كان من اراد منا ان يفطر يفتدى فعل حتى نزلت الآية بعدها فنسختها . (ص۳۳۴ ج۱ رحمانیہ)

ترجم الحديث اولاً ثم بين اسم ابی سلمة وجده ثانياً ، اذكر القرائتين لقوله تعالى وعلى الذين يطيقونه فدية و تفسيرهما ، هل هذه الآية منسوخة او محكمة .

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کے والد اور دادا کا نام (۳) وعلى الذين يطيقونه فدية الخ کی دو قراءتیں اور تفسیر (۴) آیت فدیہ کے منسوخ یا محکم ہونے کی وضاحت۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کا ترجمہ :۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آیت وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين نازل ہوئی تو ہم میں سے جو شخص روزہ افطار کرنا (چھوڑنا) چاہتا وہ فدیہ دے کر روزہ افطار کر لیتا حتی کہ جب اس کے بعد والی آیت نازل ہوئی تو اس نے اسے منسوخ کر دیا۔

❷ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کے والد اور دادا کا نام :۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کا پورا نام سلمہ بن عمرو بن اکوع اسلمی مدنی ہے ، ان کے والد کے نام میں عمرو کے علاوہ اور بھی متعدد اقوال ہیں جبکہ دادا اکوع کا نام سنان بن عبداللہ بن قشیر ہے ۔ (کشف الباری ج۴ ص۱۸۳)

❸ وعلى الذين يطيقونه فدية الخ کی دو قراءتیں اور تفسیر :۔ مذکورہ آیت کریمہ وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين میں مختلف قراءتیں ہیں۔

(الف)......سب سے مشہور اور جمہور کے نزدیک یہی قراءت ہے مطلب یہ ہے کہ جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں مگر روزہ نہیں رکھتے ان کے ذمہ فدیہ کی ادائیگی واجب ہے ، چونکہ یہ مذہب کسی کا بھی نہیں اس لئے اس قراءت کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں۔

① عند الجمہور یہ آیت منسوخ ہے اور اس کیلئے ناسخ آیت کریمہ فمن شهد منكم الشهر فليصمه ہے ② يطيقونه کا الف باب افعال سے ہے اور اس میں سلب ماخذ والی خاصیت پائی جاتی ہے مطلب یہ ہے کہ جو لوگ روزہ کی طاقت نہیں رکھتے ان سے طاقت سلب ہو گئی ہے وہ لوگ فدیہ ادا کریں لہٰذا یہ آیت منسوخ نہیں ہے ③ يطيقونه سے پہلے لا نافیہ محذوف ہے اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے یہی قراءت وعلى الذين لايطيقونه مروی ہے اس پر کوئی اشکال نہیں ہے۔

(ب)...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک آیت کریمہ وعلى الذين يطوقونه (جمع مذکر غائب مضارع مجہول باب تفعیل) ہے مطلب یہ کہ جو لوگ روزہ کی وجہ سے تکلیف میں مبتلا ہو جائیں ان پر فدیہ ہے ، اس صورت میں بھی یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔

❹ آیت فدیہ کے منسوخ یا محکم ہونے کی وضاحت :۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک یہ آیت محکم ہے جبکہ جمہور کے نزدیک یہ آیت مابعد والی آیت کی وجہ سے منسوخ ہے كما مرّ آنفا۔

**الشق الثانی** ......عن ابن عمر قال اصاب عمر ارضا بخيبر فاتى النبى ﷺ فقال: اصبت ارضا لم اصب مالا قط انفس عندى منه فكيف تامرنى به ؟ قال ان شئت حبست اصلها وتصدقت بها فتصدق

بها عمر انه لا يباع اصلها ولا يوهب ولا يورث؟ للفقراء والقربى والرقاب وفى سبيل الله وابن السبيل وزاد عن بشر والضيف ثم اتفقوا: لاجناح على من وليها ان ياكل منها بالمعروف ويطعم صديقا غير متمول فيه زاد عن بشر قال: وقال محمد غير متاثل مالا۔ (ص-۵-ج-۲-رحمانیہ)

ترجم الحديث . ماهو حكم الوقف هل يلزم على التابيد ام يجوز للواقف ان يرجع فيما وقفه اذكر المذاهب منقحة واضحة . من الذى يستدل بهذا الحديث وما هو الجواب عنه عند من لايقول به؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) وقف کے حکم میں ائمہ کے مذاہب (۳) مستدلین کی تعیین وجواب۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر کی ایک زمین ملی، وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے ایسی زمین ملی ہے کہ اس سے زیادہ قیمتی و نفیس مال مجھے آج تک نہیں ملا، پس آپ ﷺ مجھے اسکے متعلق کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو اسکی اصل کو روک لو یعنی وقف کردو اور اسکے منافع کو صدقہ کردو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس زمین کو صدقہ کردیا (زمین کو وقف اور منافع کو صدقہ کردیا) اس شرط پر کہ اسکی اصل کو بیچا نہیں جائے گا، ہبہ نہیں کیا جائیگا، میراث جاری نہیں ہوگی۔ اسکے منافع فقراء، رشتہ دار، غلاموں کی آزادی، جہاد و حج فی سبیل اللہ، مسافر اور مہمانوں کیلئے ہوں گے جو شخص اس کا متولی اور نگران ہو اس کیلئے معروف طریقہ کے مطابق کھانے میں کوئی حرج و مضائقہ نہیں ہے اور وہ اپنے دوست کو بھی کھلا سکتا ہے بشرطیکہ اس میں تونگری حاصل نہ کرے۔ امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ نے (اس لفظ "غیر متمول فیہ" کی جگہ) "غیر متاثل مالا" کہا ہے یعنی وہ متولی اس مال کے ذریعہ جڑ پکڑنے والا نہ ہو۔

❷ **وقف کے حکم میں ائمہ کے مذاہب:۔** وقف کی چار صورتیں ہیں۔ ① کوئی شخص اپنے ذاتی مال سے مسجد بنا کر اس کو وقف کرے یعنی اس میں نماز پڑھنے کی عام اجازت دیدے تو ایک مرتبہ اس میں نماز پڑھتے ہی مسجد وقف ہو جائے گی ② موت پر وقف کو معلق کرے مثلاً یہ کہے کہ میرے مرنے کے بعد میرا یہ مکان دارالعلوم کے لئے وقف ہے پس واقف کے مرتے ہی وہ مکان وقف ہو جائے گا ③ قاضی کسی چیز کے وقف ہونے کا فیصلہ کرے۔ ان تین صورتوں میں بالاجماع موقوفہ چیز اور اس کے منافع ہمیشہ کے لئے وقف ہو جائیں گے اور موقوفہ چیز بندے کی ملک سے نکل کر اللہ کی ملک میں چلی جائے گی اور اب اس کا کوئی مجازی مالک نہیں رہے گا اس لئے اس کی بیع اور ہبہ جائز نہیں، نہ اس میں وراثت جاری ہوگی ④ واقف کسی زمین کے صرف منافع وقف کرے، اصل زمین وقف نہ کرے اس صورت میں اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک اس صورت میں بھی اصل زمین اور منافع ہمیشہ کے لئے وقف ہو جائیں گے، اور موقوفہ چیز واقف کی ملکیت سے خارج ہو جائے گی اور اللہ کی ملک میں چلی جائے گی اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک صرف منافع وقف ہونگے اور اصل چیز واقف کی ملک میں رہے گی مگر احناف کے یہاں فتویٰ صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر ہے کیونکہ اس میں وقف کی مصلحت ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک اس صورت میں وقف کی بیع اور ہبہ گو کہ جائز ہے اگرچہ مکروہ ہے چونکہ وقف کے خرد برد ہونے کا احتمال ہے، اسلئے بر بنائے مصلحت صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر فتویٰ دیا گیا ہے۔ پس فتویٰ کی رو سے اس باب میں کوئی اختلاف نہیں۔ (تحفۃ الالمعی ج۴ ص۳۰۷)

❸ **مستدلین کی تعیین وجواب:۔** اس حدیث کے متعلق ہر دو فریق نے اپنے مستدل ہونے کا دعویٰ کیا ہے مگر بظاہر یہ امام صاحب رحمہ اللہ کیلئے مؤید ہے چونکہ اب حنفیہ کے نزدیک فتویٰ صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر ہے اسلئے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اپنی

جگہ درست ہے مگر آج کل کے دور میں موقوف چیز کے مرفوع ہونے کا احتمال ہے اسلئے اس پر عمل ممکن نہیں۔ (واللہ اعلم)

## ﴿الورقة الخامسة: السنن للامام أبی داؤد﴾

### ﴿السوال الاول﴾ ۱۴۲۷ھ

**الشق الاول** ......عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال: "انما جعل الامام لیؤتم بہ" بہذا الخبر زاد "واذا قرأ فانصتوا" قال ابوداؤد وھذہ الزیادۃ "واذا قرأ فانصتوا" لیست بمحفوظۃ، الوھم عندنا من ابی خالد

اذکر شروط صحۃ الاقتداء بالامام المعذور عند من یقول بانھم یقتدون جالسین۔ اشرح قول ابی داؤد شرحاً کاملاً و حقق: ھل ھذہ الزیادۃ محفوظۃ ام لا۔ (ص ۹۹، ج۱، رحمانیہ)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) اقتداء جالساً کی صحت کی شرائط (۲) امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے قول کی تشریح (۳) زیادتی کے محفوظ ہونے کی تحقیق۔

**جواب** ...... ① اقتداء جالساً کی صحت کی شرائط:۔ حافظ عراقی رحمہ اللہ نے شرح التقریب میں اور علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے المغنی میں نقل کیا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک مقتدیوں کا بیٹھ کر اقتداء کرنا چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔

① امام ابتداء ہی سے بیٹھ کر نماز پڑھا رہا ہو یعنی اس کا عذر ابتداء ہی سے ہو درمیان نماز میں طاری نہ ہوا ہو ② امام راتب یعنی مقرر کردہ ہو ③ اس کا عذر مرجو الزوال (زائل ہونے کی امید) ہو۔ (درس ترمذی ج۲ ص ۱۳۲)

② امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے قول کی تشریح:۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے قول کا حاصل یہ ہے کہ حدیث انما جعل الامام لیؤتم بہ میں واذا قرأ فانصتوا کا اضافہ غیر محفوظ ہے۔ یعنی حدیث صرف پہلا جملہ ہی ہے دوسرا جملہ شاید ابوخالد راوی کا وہم ہے۔

③ زیادتی کے محفوظ ہونے کی تحقیق:۔ حافظ منذری رحمہ اللہ نے امام ابوداؤد رحمہ اللہ کی تنقید کو تسلیم نہیں کیا اور کہا کہ ابوخالد الاحمر جن کا نام سلیمان بن حیان ہے یہ صحیحین کے راوی ہیں۔ شیخین نے ان کی روایت کی تخریج کی ہے۔ بالکل ثقہ راوی ہیں اور ثقہ کی زیادتی معتبر ہوتی ہے اگر چہ وہ متفرد ہو اور یہاں تو تفرد بھی نہیں بلکہ محمد بن سعد الانصاری نے ابوخالد کی متابعت کی ہے جیسا کہ نسائی کی روایت میں موجود ہے لہٰذا یہ زیادتی صحیح اور ثابت ہے۔

جاننا چاہیے کہ واذا قرأ فانصتوا اس کتاب میں آگے چل کر باب التشہد میں بھی آرہا ہے لیکن وہ حدیث حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی ہے اور یہاں جو حدیث ہے وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے، وہاں بھی مصنف نے اس لفظ پر کلام کیا ہے اور اس کو غیر محفوظ قرار دیا ہے اور فرمایا ولم یجیء بہ الا سلیمان التیمی۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے صحیح مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث (جس میں یہ زیادتی موجود ہے) کی تخریج کی ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ کے کسی شاگرد نے اس لفظ پر تردد کا اظہار کیا ہے اور وہ تردد یہی ہو سکتا تھا کہ اس زیادتی کے ساتھ سلیمان ہی متفرد ہیں تو اس پر امام مسلم رحمہ اللہ نے فرمایا اترید احفظ من سلیمان یعنی اگر سلیمان بھی اس کے ساتھ متفرد ہیں تو کیا حرج ہے وہ بڑے ثقہ اور حافظ حدیث ہیں، اسکے بعد اسی سائل نے امام مسلم رحمہ اللہ سے دریافت کیا کہ یہ لفظ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میں بھی ہے کیا وہ بھی آپ کے نزدیک صحیح ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں صحیح ہے سائل نے کہا کہ پھر آپ نے اس کی یہاں اس کتاب میں تخریج کیوں نہیں کی؟ تو انہوں نے فرمایا لیس کل شیء عندی صحیح وضعتہ ھھنا وانما وضعت ھھنا ما اجمعوا علیہ کہ یہ ضروری نہیں کہ جو حدیث میرے نزدیک صحیح ہو اس کو میں یہاں اپنی اس صحیح میں ذکر کروں، اپنی اس صحیح میں تو میں صرف

احادیث لائا ہوں جن کی صحت پر مشائخ کا اجماع ہوتا ہے لہٰذا تمام عبارت صحیح مسلم کے اندر متن میں موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں یہ زیادتی موجود ہے وہ بقول امام مسلم رحمہ اللہ کے بالاجماع صحیح ہے (مگر یہ ذہن میں رہے کہ امام مسلم رحمہ اللہ کی مراد اجماع سے چند مخصوص مشائخ کا اجماع ہے) حضرت سہارنپوری رحمہ اللہ نے بذل المجہود میں واذاقرأ فانصتوا کی زیادتی متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایات سے کتابوں کے حوالے کے ساتھ ایک درجن طرق سے ثابت فرمائی ہے اور آخر میں ہے کہ ان طرق میں بعض صحیح اور بعض ضعیف ہیں۔ اگر یہ تمام بھی ضعیف ہوتے تب بھی تعدد کی وجہ سے ضعف کا انجبار ہوجاتا، پھر چہ جائیکہ بعض طرق ان میں سے صحیح ہیں۔ (بذل المجہود ج ۲ ص ۱۵۵)

**الشق الثانی** ......حدثنا عثمان بن ابی شیبة حدثنا وکیع عن سفیان عن عاصم یعنی ابن کلیب عن عبدالرحمن بن الاسود عن علقمة قال: قال عبدالله بن مسعود "الا اصلی بکم صلاة رسول الله ﷺ؟ قال: فصلی فلم یرفع یدیه الا مرة"۔ (ص۱۰۹ سنن ابی داؤد)

ما ہی مذاہب العلماء فی رفع الیدین عند الرکوع والرفع منه؟ اذکر ادلتهم۔ من الذی یستدل بهذا الحدیث؟ وما الذی اورد الخصم من الایرادات؟ وما هو الجواب عنها؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) رفع یدین عندالرکوع میں اختلاف (۲) ائمہ کے دلائل (۳) مستدلین کی تعیین (۴) حدیث پر اعتراضات مع جوابات۔

**جواب** ......❶ و ❷ رفع یدین عندالرکوع میں اختلاف مع الدلائل:۔ امام ابوحنیفہ وصاحبین رحمہم اللہ کے ہاں رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین نہیں ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کی ایک روایت بھی یہی ہے۔ مالکیہ حضرات نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ وامام احمد رحمہ اللہ رفع یدین کے قائل ہیں۔

حنفیہ ومالکیہ کی دلیل: ① قوله قد افلح المؤمنون الذین هم فی صلوتهم خاشعون حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما خاشعون کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں مخبتون متواضعون لایلتفتون یمینا ولا شمالا ولا یرفعون ایدیهم ② قال ابن مسعود الا اصلی بکم صلوة رسول الله ﷺ فصلی ولم یرفع الافی اول مرة وقال الترمذی حدیث ابن مسعود حدیث حسن وصححه ابن حزم فی المحلی ③ عن جابر قال خرج علینا رسول الله ﷺ فقال مالی اراکم رافعی ایدیکم کانها اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلوٰة، یہ قولی صحیح مرفوع حدیث ہے جس میں رفع یدین سے روکا گیا ہے اور سکون کا حکم دیا گیا ہے، گویا یہ فی صلوتهم خاشعون کی تفسیر ہے ④ عن البراء بن عازب قال کان النبی ﷺ اذا کبر لافتتاح الصلوة رفع یدیه...... ثم لایعود ⑤ عن ابن مسعود قال صلیت مع رسول الله ﷺ وابی بکر وعمر فلم یرفعوا ایدیهم الا عند استفتاح الصلوٰة۔

شوافع وحنابلہ رحمہم اللہ کی دلیل: عن ابن عمر قال رایت رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلوة یرفع یدیه حتی یحاذی منکبیه واذا رکع واذا رفع راسه من الرکوع۔ اس مضمون کی حدیث حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ سے صحیحین میں، حضرت ابوحمید الساعدی فی عشرة من اصحاب رسول الله ﷺ کی حدیث ابوداؤد میں، حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مسلم میں، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنن اربعہ میں، حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے ابوداؤد میں، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ابن ماجہ میں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ابوداؤد میں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ابن ماجہ میں موجود ہے۔

جواب: اختلاف ثبوت میں نہیں بلکہ دوام و بقاء میں ہے جو ان احادیث سے ثابت نہیں۔ مذکورہ ترک رفع کے دلائل کے قرینہ سے یہ احادیث ابتداء پر محمول ہیں بعد میں رفع یدین متروک ہوگئی اور اس کی سنیت منسوخ ہوگئی۔ خصوصاً حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ترک رفع کا ثبوت تین روایات سے اور بعض خلفاء راشدین حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما سے ترک رفع اس پر بہت قوی قرینہ ہے۔

نیز جیسے دیگر مختلف مقامات کی رفع یدین بالاتفاق اب جمہور علماء دوسری صحیح احادیث کی وجہ سے متروک و منسوخ ہے اسی طرح مختلف فیہ رفع یدین بھی صحیح احادیث کی وجہ سے حنفیہ و مالکیہ کے ہاں متروک و منسوخ ہے۔ واضح رہے سنیت منسوخ ہے جواز باقی ہے۔

نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے رفع یدین کی حدیث اگرچہ صحیحین میں مروی ہے مگر مضطرب ہے اور چھ وجوہ سے مروی ہے۔
① صرف تحریمہ کی رفع یدین کا ذکر ہے ② تحریمہ اور بعد الرکوع رفع یدین کا ذکر ہے عند الرکوع رفع کا ذکر نہیں ہے ③ مواضع ثلاثہ کی رفع کا ذکر ہے ④ مواضع ثلاثہ کیساتھ بعد الرکعتین کی رفع کا ذکر بھی ہے ⑤ مواضع اربعہ کے ساتھ رفع السجود کا ذکر بھی ہے ⑥ **فی کل خفض ورفع و رکوع و سجود و قیام وقعود و بین السجدتین** کی رفع کا ذکر ہے۔

لہٰذا اس مضطرب حدیث کو مدار حکم بنانا مشکل ہے۔

ترک رفع کی وجوہ ترجیح: ① اوفق بالقرآن ہے ② اسکنوا فی الصلوٰۃ قولی حدیث ہے جو فعلی سے راجح ہے ③ فعلی احادیث متعارض ہیں جبکہ قولی احادیث تعارض سے سالم ہیں ④ ترک رفع کے راوی اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جو **لیلینی منکم اولو الاحلام والنہی** کے تحت صف اول میں تھے جیسے حضرت عمر و علی، ابن مسعود رضی اللہ عنہم بخلاف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے وہ صغار صحابہ میں سے ہیں ⑤ ترک کے راوی افقہ ہیں۔

امام ابوحنیفہ و امام اوزاعی رحمہما اللہ محدث شام کا اس مسئلے پر مذاکرہ ہوا۔ امام اوزاعی نے علو اسناد کی وجہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کی۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے تفقہ رواۃ کی وجہ سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کی **فسکت الاوزاعی**۔

امام وکیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں **حدیث یتداوله الفقهاء خير من حديث يتداوله الشيوخ**۔

علی ابن المدینی اور ابن معین کا ایک مسئلہ میں مذاکرہ ہوا تو ابن المدینی نے فرمایا **اذا اجتمع ابن عمر وابن مسعود واختلفا فابن مسعود اولى**۔ امام احمد رحمہ اللہ نے بھی ابن المدینی کی موافقت کی۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں **وکذلک قال الفقهاء وهم اعلم بمعاني الاحاديث**۔ (المسائل والدلائل ص۲۶۹)

③ <u>مستدلین کی تعیین</u>: یہ حدیث حنفیہ کی دلیل ہے **کما مرّ آنفا**۔

④ <u>حدیث پر اعتراضات مع جوابات</u>: یہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ حنفیہ کے مسلک پر صریح بھی ہے اور صحیح بھی، لیکن اس پر مخالفین کی طرف سے متعدد اعتراضات کئے گئے ہیں۔ ① امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسی باب میں حضرت عبداللہ بن المبارک کا قول نقل کیا ہے کہ عدم رفع یدین والی حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ ثابت نہیں ہے۔ جواب یہ ہے کہ درحقیقت ترک رفع کے سلسلے میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے دو حدیثیں مروی ہیں، ایک کے الفاظ یہ ہیں **ان النبي ﷺ لم يرفع الا في اول مرة** اور دوسری کے الفاظ یہ ہیں **الا اصلي بكم صلوة رسول الله فصلى فلم يرفع يديه الا في اول مرة**۔ حضرت عبداللہ بن المبارک کا قول پہلی روایت کے بارے میں ہے کہ وہ ثابت نہیں، نہ کہ دوسری روایت کے بارے میں، جس کی واضح دلیل یہ ہے کہ سنن نسائی میں یہی حدیث خود حضرت عبداللہ بن المبارک سے اسی طرح مروی ہے۔ لہٰذا ان کے قول کو دوسری روایت پر چسپاں کرنا درست نہیں ہے۔

② اس حدیث پر یہ کہا جاتا ہے کہ اس حدیث کا مدار عاصم بن کلیب پر ہے اور یہ ان کا تفرد ہے۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ

اول تو عاصم بن کلیب مسلم کے رواۃ میں سے ہیں اور ثقہ ہیں لہٰذا ان کا تفرد مضر نہیں، نیز امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ان کی متابعت کی ہے چنانچہ مسند امام اعظم رحمہ اللہ میں یہ حدیث حماد عن ابراهيم عن الاسود کے طریق سے مروی ہے اور یہ سلسلۃ الذہب ہے۔

③ یہ کہا جاتا ہے کہ اس حدیث کو عاصم بن کلیب سے روایت کرنے میں سفیان اور ان سے روایات کرنے میں وکیع متفرد ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر سفیان اور وکیع جیسے ائمہ حدیث کے تفردات کو بھی رد کیا جانے لگے تو دنیا میں کس کا تفرد قابل قبول ہو سکتا ہے؟ نیز امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے طریق میں نہ سفیان ہیں نہ وکیع، نیز سفیان سے روایت کرنے میں وکیع کے متفرد ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لئے کہ ان کے بہت سے متابعات موجود ہیں چنانچہ نسائی میں عبداللہ بن المبارک اور ابوداؤد میں معاویہ، خالد بن عمرو اور ابو حذیفہ وغیرہ نے وکیع کی متابعت کی ہے۔

④ یہ کہا گیا ہے کہ عبدالرحمن بن الاسود کا سماع علقمہ سے نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عبدالرحمن بن الاسود ابراہیم نخعی کے معاصر ہیں اور ابراہیم نخعی کا سماع علقمہ سے ثابت ہے لہٰذا عبدالرحمن بن الاسود بھی علقمہ کے معاصر ہوئے اور امام مسلم رحمہ اللہ کے نزدیک حدیث کی صحت کے لئے نفس معاصرت کافی ہے لہٰذا یہ حدیث صحیح علی شرط مسلم ہے۔ علاوہ ازیں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے یہ حدیث عبدالرحمن بن الاسود کے بجائے ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے روایت کی ہے اور علقمہ سے ان کا سماع شبہ سے بالاتر ہے۔

⑤ امام بخاری رحمہ اللہ نے جزء رفع الیدین میں کہا ہے اور وہ یہ کہ یہ حدیث معلول ہے اور معلول ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس روایت میں ثم لم يعد کی زیادتی عاصم بن کلیب کے شاگردوں میں سے صرف سفیان ثوری رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں اور عاصم بن کلیب کے ایک دوسرے شاگرد عبداللہ بن ادریس کی کتاب میں یہ زیادتی موجود نہیں۔

اسکا ایک جواب تو یہ ہے کہ اگر یہ زیادتی ثابت نہ ہو تب بھی حنفیہ کیلئے مضر نہیں کیونکہ ان کا استدلال اس کے بغیر بھی پورا ہو سکتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ زیادتی ثابت ہے اسلئے کہ یہ سفیان ثوری کی زیادتی ہے اور سفیان عبداللہ بن ادریس کے مقابلہ میں احفظ ہیں ویالعجب سفيان اذا روى لهم الجهر بآمين كان احفظ الناس ثم اذا روى ترك الرفع صار انسى الناس۔

⑥ ابوبکر بن اسحق شافعی رحمہ اللہ نے بطور اعتراض یہ کہا ہے کہ جس طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو تطبیق فی الرکوع کے نسخ کا علم نہ ہوا تھا اسی طرح رفع یدین کے مسئلہ میں بھی وہ لاعلم رہے یا ان سے سہو ہو گیا۔

لیکن اس گستاخانہ اعتراض کی لغویت اتنی ظاہر ہے کہ جواب دینے کی ضرورت نہیں اسلئے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف عدم علم کی نسبت خود معترض کے وقار کو مجروح کرتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ظاہر ہے کہ "افقہ الصحابہ" اور "حبر الامۃ" ہیں اور سالہا سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے رہے جبکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بچوں کی صف میں کھڑے ہوتے تھے لہٰذا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف عدم علم اور سہو کی نسبت تحکم محض کے سوا کچھ نہیں۔

لہٰذا حق یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث پر عائد کئے جانے والے تمام اعتراضات غلط ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس حدیث کو بہت سے محدثین نے صحیح یا حسن قرار دیا ہے، جن میں امام ترمذی، علامہ ابن عبدالبر، علامہ ابن حزم اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ وغیرہ بھی داخل ہیں۔ لہٰذا اس حدیث کے قابل استدلال ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ (درس ترمذی ج ۲ ص ۳۹)

## السوال الثانی ۱۴۳۷ھ

**الشق الاول** ...... عن ابى يونس انه قال أمرتني عائشة ان اكتب لها مصحفا وقالت اذا بلغت هذه الآية فاذنى حافظوا على الصلوات والصلوة الوسطى فلما بلغتها اذنتها فاملت على حافظوا على الصلوات

والصلوٰۃ الوسطیٰ وصلوٰۃ العصر وقوموا للہ قانتین ثم قالت سمعتہا من رسول اللہ ﷺ. (ص ۵۹ - رحمانیہ)

ترجم الحدیث و اذکر مذاہب العلماء فی تعیین الصلوٰۃ الوسطیٰ بتفصیل ، اکتب ادلتہم علی ماذہبوا الیہ

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) صلوٰۃ الوسطیٰ کی تعیین (۳) ائمہ کے دلائل۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث کا ترجمہ:** حضرت ابو یونس رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حکم دیا کہ میں ان کے لئے مصحف لکھوں اور فرمایا کہ جب تو آیت کریمہ حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ پر پہنچے تو مجھے مطلع کرنا، پس جب میں اس آیت پر پہنچا تو میں نے ان کو مطلع کیا پس انہوں نے مجھے حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ وصلوٰۃ العصر لکھوایا۔ پھر فرمایا کہ میں نے یہ رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔

❷ **صلوٰۃ الوسطیٰ کی تعیین:** صلوٰۃ الوسطیٰ کے متعلق علماء کے متعدد اقوال ہیں ① حضرت انس، حضرت جابر، عکرمہ اور مجاہد رحمہم اللہ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ صلوٰۃ الوسطیٰ سے صلوٰۃ فجر مراد ہے، امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے ② حضرت عائشہ، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ اس سے ظہر کی نماز مراد ہے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی ایک روایت بھی یہی ہے ③ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اس سے مغرب کی نماز مراد ہے ④ حضرت معاذ بن جبل اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اس سے تمام نمازیں مراد ہیں، یہ حضرات کہتے ہیں کہ حافظوا علی الصلوات میں فرائض اور نوافل سب شامل ہیں اور والصلاۃ الوسطیٰ کہہ کر فرائض پنج وقتہ کی تاکید کر دی ہے۔ علامہ ابن عبدالبر نے اسی قول کو اختیار کیا ہے ⑤ ابن حبیب مالکی اور ابو ہشام کی رائے یہ ہے کہ اس سے نماز جمعہ مراد ہے ⑥ ابن التین اور علامہ قرطبی نے نقل کیا ہے کہ اس سے عشاء کی نماز مراد ہے ⑦ اس سے صبح اور عصر کی نمازیں مراد ہیں ⑧ بعض کا خیال ہے کہ اس سے صبح اور عشاء کی نمازیں مراد ہیں ⑨ علم الدین سخاوی اور تقی الدین بن تیمیہ فرماتے ہیں کہ اس سے صلوٰۃ وتر مراد ہے ⑩ بعض کہتے ہیں کہ صلوٰۃ الخوف مراد ہے ⑪ بعضوں نے صلوٰۃ عید الاضحیٰ مراد لیا ہے۔ ⑫ بعض حضرات نے چاشت کی نماز مراد لی ہے ⑬ سعید بن جبیر اور امام الحرمین رحمہما اللہ کی رائے یہ ہے کہ اس سے لاعلی التعیین پانچ نمازوں میں سے کوئی ایک مراد ہے ⑭ بعضوں نے اس سے تہجد کی نماز مراد لی ہے ⑮ لیکن اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ اس سے نماز عصر مراد ہے، یہی قول حنفیہ اور حنابلہ کا ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں ہو قول اکثر علماء الصحابۃ۔ ماوردی کہتے ہیں ہو قول جمہور التابعین۔ اور علامہ ابن عبدالبر نے کہا ہو قول اکثر اہل الاثر۔

یعنی راجح قول کے مطابق اس سے نماز عصر مراد ہے۔ (کشف الباری کتاب التفسیر ص ۸۵)

❸ **ائمہ کے دلائل:** ان میں سے سب سے مشہور تین قول ہیں۔ ① حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک اس سے مراد نماز عصر ہے ② شوافع و مالکیہ کے نزدیک اس سے مراد نماز فجر ہے ③ حضرت عروہ بن زبیر، ابو سعید خدری اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کے نزدیک اس سے مراد نماز ظہر ہے۔

شوافع و مالکیہ کی پہلی دلیل: حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے کہ الصلوٰۃ الوسطیٰ صلوٰۃ الصبح۔

جواب یہ ہے کہ مرفوع احادیث کو آثار صحابہ پر ترجیح حاصل ہے۔

دوسری دلیل: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ الصلوٰۃ الوسطیٰ ہی الصبح تصلی بین سواد اللیل و بیاض النہار۔

جواب یہ ہے کہ خود ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دوسری جگہ صلوٰۃ الوسطیٰ سے مراد صلوٰۃ العصر مروی ہے اذا تعارضا تساقطا۔

قول ثالث کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اثر ہے الصلوٰۃ الوسطیٰ صلوٰۃ الظہر۔

جواب: احادیث مرفوعہ کے مقابلے میں یہ اثر مرجوح ہے۔ نیز وسطیٰ نیز نماز ظہر دن کے درمیان میں پڑھی جاتی ہے۔

سے مراد درمیان نہیں بلکہ ہر چیز کے اعلیٰ وافضل کو وسطیٰ کہا جاتا ہے جیسے وكذالك جعلنكم أمة وسطا۔

حنفیہ و حنابلہ کے دلائل:- ① سوال میں مذکور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔ ② ترمذی و بخاری میں حضرت عائشہ، حضرت ابن مسعود، حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی روایات ہیں قال رسول اللہ ﷺ صلوٰة الوسطىٰ صلوٰة العصر ③ بخاری و مسلم میں حضرت علی کی روایت ہے عن رسول اللہ ﷺ قال يوم الخندق حبسونا عن صلوٰة الوسطىٰ صلوٰة العصر ملأ الله بيوتهم وقبورهم نارا۔ پس معلوم ہوا کہ صلوٰۃ الوسطیٰ کا مصداق صلوٰۃ العصر ہی ہے۔ (خیر التوضیح ج ص ۵۱۳)

**الشق الثانی** ……عن عائشة أن زوج بريرة كان حرا حين اعتقت وانها خيرت فقالت: ما أحب ان اكون معه، وان لي كذا و كذا۔ (ص۳۳۲۔ ج۔ رحمانیہ)

ترجم الحديث. متى تخير المملوكة خيار العتق؟ اذكر مذاهب العلماء وادلتهم. زوج بريرة كان حرا او عبدا عند عتقها؟ حقق الامر في ضوء الروايات، وبين كيف التوفيق بين الروايات المختلفة في هذا الصدد

﴿خلاصۂ سوال﴾……اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) مملوکہ کے خیار عتق میں اختلاف مع الدلائل (۳) حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی آزادی کے وقت زوج کے غلام یا آزاد ہونے کی روایات میں تطبیق۔

**جواب**……① حدیث کا ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے زوج ان کی آزادی کے وقت آزاد تھے اور ان کو خیار دیا گیا تھا اور انہوں نے عرض کیا کہ مجھے مغیث کے ساتھ رہنا منظور نہیں، اگرچہ مجھے اتنا اتنا مال ملے۔

② مملوکہ کے خیار عتق میں اختلاف مع الدلائل:- عندالاحناف باندی جب آزاد ہو تو اس کو خیار عتق ملے گا خواہ اس کا خاوند آزاد ہو یا غلام۔ عندالجمہور باندی جب آزاد ہو تو خاوند کی حالت کا اعتبار ہوگا یعنی اگر خاوند آزاد ہے تو خیار عتق نہ ملے گا اور اگر خاوند غلام ہے تو خیار عتق ملے گا۔ محل اختلاف یہ ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا جب آزاد ہوئیں تو ان کے خاوند آزاد تھے یا غلام۔

عندالجمہور حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی آزادی کے وقت ان کے خاوند حضرت مغیث رضی اللہ عنہ غلام تھے اور احناف کے نزدیک ان کے خاوند حضرت مغیث رضی اللہ عنہ آزاد تھے۔ احناف رحمہم اللہ کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ روایت ہے جس میں ہے ان زوجها كان حرًا۔

جمہور رحمہم اللہ کی دلیل وہ روایات ہیں جن میں ہے ان زوجها كان عبدًا نیز واقعہ ایک ہی ہے اور روایات میں یہ بھی ہے کہ لو كان حرًا لم يخيرها۔ جواب:- ان زوجها كان عبدًا ماضی کے اعتبار سے ہیں، اور وہ روایات جن میں لو كان حرًا لم يخيرها ہے یہ حضرت عروہ کا مقولہ ہے جیسا کہ نسائی شریف میں اس کی تصریح بھی موجود ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقولہ نہیں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ روایت جو اسود رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں جس میں ان زوجها كان حرا حين اعتقت ہے اس کو اس وجہ سے ترجیح حاصل ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صاحب واقعہ ہیں اور وہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے حالات کو دوسرے حضرات سے زیادہ جانتی ہیں، پس ان کی اس روایت کو ترجیح ہوگی جس میں نہ تو شک کے الفاظ ہیں اور نہ ہی راوی کی روایت میں تضاد ہے۔

نیز اسود عن عائشہ رضی اللہ عنہا والی روایت تسلیم کرنے کی صورت میں دونوں قسم کی روایات میں تطبیق اور ان میں جمع کرنا ممکن ہے۔

(درس ترمذی ج ۳ ص ۴۳۵، کشف الباری کتاب الطلاق ص ۳۹۲، المسائل والدلائل ص ۵۲۸، الدر المنضود ج ۳ ص ۴۶۴)

③ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی آزادی کے وقت زوج کے غلام یا آزاد ہونے کی روایات میں تطبیق:- كمامرّ آنفا۔

## ﴿الورقة الخامسة: السنن للامام أبي داؤد﴾

## ﴿السوال الاول﴾ ۱۴۳۸ھ

**السؤال الاول** ...... عن فضالة بن عبيد قال اتى النبي ﷺ عام خيبر بقلادة فيها ذهب و خرز، قال ابوبكر وابن منيع: فيها خرز معلقة بذهب ابتاعها رجل بتسعة دنانير او بسبعة دنانير، قال النبي ﷺ: لا، حتى تميز بينه وبينه، فقال: انما اردت الحجارة، فقال النبي ﷺ لا، حتى تميز بينهما، قال: فرده حتى ميز بينهما. (ص۱۲۱، ج۲، رحمانیہ) ترجم الحديث. هل يجوز بيع الشئ المركب بالذهب وغير الذهب بدون الفصل بينهما؟ اذكر مذاهب العلماء. اذكر ادلتهم.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) سونے و غیر سونے سے مرکب چیز کی سونے کو جدا کئے بغیر بیع کا حکم (۳) ائمہ کے دلائل۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کے پاس خیبر کے دن ایک ہار لایا گیا اس میں سونا اور نگینے تھے۔ حضرت ابوبکر اور ابن منیع نے کہا کہ اس میں نگینے تھے جو سونے سے لٹکے ہوئے تھے اس کو ایک آدمی نے نو یا سات دینار کے بدلے میں خریدا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ بیع درست نہیں ہے جب تک کہ سونے کو نگینوں سے علیحدہ نہ کیا جائے، اس شخص نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے پتھر (نگینے) خریدنے کا ارادہ کیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ بیع درست نہیں ہے جب تک کہ سونے کو نگینوں سے علیحدہ نہ کیا جائے، راوی کہتے ہیں کہ اس شخص نے وہ ہار واپس کر دیا حتی کہ سونا نگینوں سے علیحدہ کر دیا گیا۔

❷ و ❸ سونے و غیر سونے سے مرکب چیز کی سونے کو جدا کئے بغیر بیع کا حکم مع الدلائل:۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی چیز ذہب اور غیر ذہب سے مرکب ہو تو اس کی بیع ذہب کے عوض جائز نہیں، جب تک کہ ذہب کو غیر ذہب سے علیحدہ نہ کر لیا جائے کیونکہ اس صورت میں ربا لازم آ جانے کا احتمال رہے گا۔ اسلئے ذہب کو الگ کرنے کے بعد ذہب کو برابری کے ساتھ فروخت کرو اور غیر ذہب کو جس طرح چاہو فروخت کرو لہٰذا مرکب حالت میں بیع کرنا جائز نہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ذہب کو علیحدہ کرنے کی ضرورت نہیں البتہ یہ دیکھا جائے گا کہ اس میں ذہب کی مقدار کتنی ہے؟ اگر سونے کی مقدار علیحدہ کئے بغیر معلوم ہو سکتی ہے تو پھر علیحدہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ اس مرکب چیز کو جس سونے کے عوض فروخت کیا جا رہا ہے وہ سونا اس مرکب چیز میں لگے ہوئے سونے سے کچھ زیادہ ہونا ضروری ہے تا کہ سونے کے مقابلے میں سونا ہو جائے اور زائد سونا دوسری چیز کے مقابل ہو جائے لہٰذا اگر سونا برابر یا کم ہو تو اس صورت میں بیع جائز نہیں مثلاً ایک ہار ذہب اور غیر ذہب سے مرکب ہے اور اس ہار میں پانچ تولے سونا ہے اب اس ہار کو چھ تولے سونے یا ساڑھے پانچ تولے سونے کے عوض فروخت کرنا جائز ہے تا کہ پانچ تولے سونا پانچ تولے سونے کے مقابل ہو جائے اور ثمن میں جو نصف تولہ سونا زائد ہے وہ غیر ذہب کے مقابلے میں ہو جائے، اس لئے یہ معاملہ درست ہو جائے گا لیکن اگر اس ہار کو ساڑھے چار تولے سونے یا پانچ تولے سونے کے عوض فروخت کیا تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اس صورت میں یا تو ساڑھے چار تولے سونے کا مقابلہ پانچ تولے سونے سے ہو رہا ہے جس کی وجہ سے تماثل نہ رہا بلکہ تفاضل ہو گیا، اس لئے حرام ہو گیا اور جس صورت میں قیمت پانچ تولے سونا مقرر کی تو وہ صورت بھی ناجائز ہوگی، اس لئے کہ پانچ تولے سونا تو پانچ تولے سونے کے مقابلے میں ہو جائے گا اور ہار کے اندر جو غیر ذہب ہے وہ خالی عن العوض ہو جائے گا اور خالی عن العوض رہنا بھی ربا ہے، اس لئے کہ اس صورت میں یہ کہا جائے گا کہ پونے پانچ تولے سونا تو پانچ تولے سونے کے مقابلے میں ہو گیا، اور پاؤ تولے سونا غیر ذہب کے مقابل ہو جائے گا اور یہ صورت بھی ربا ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔ اس لئے حنفیہ یہ فرماتے ہیں کہ جو سونا اس ہار میں لگا ہوا ہے، اگر علیحدہ کئے بغیر اس کا وزن معلوم کیا جا سکتا ہے تو پھر علیحدہ کرنے کی ضرورت

نہیں بلکہ جتنا سونا اس ہار میں ہے اس سے تھوڑا زیادہ سونا اس کی قیمت میں دے دیا جائے تو یہ بیع جائز ہو جائے گی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ اپنے مسلک کی تائید میں حدیث باب کو پیش کرتے ہیں کہ اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے صاف صاف بیان فرمادیا کہ لا تباع حتی تفصل۔

احناف کی طرف سے اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ اسی حدیث میں یہ بات صاف صاف موجود ہے کہ حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ نے یہ ہار بارہ دینار میں خریدا تھا اور اس میں سے سونا بارہ دینار سے زائد نکلا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حرمت کی اصل وجہ یہ تھی کہ قیمت کم تھی اور ہار میں پایا جانے والا سونا زیادہ تھا، جس کی وجہ سے تفاضل پایا گیا۔ اسلئے یہ بیع ناجائز ہو گئی۔ اسی لئے حضور ﷺ نے اس کو ناجائز قرار دیا اور پھر بطور مشورہ کے فرمایا کہ آئندہ اس وقت تک بیع مت کرنا جب تک سونے کو الگ نہ کر لو تا کہ یہ پتہ لگ جائے کہ سونا کتنا ہے اور غیر سونا کتنا ہے؟ اور مرکب ہونے کی صورت میں صحیح پتہ لگانا مشکل ہے کہ اس میں سونا کتنی مقدار میں ہے اور غیر سونا کتنی مقدار میں ہے؟ اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب ایسی صورت پیش آجائے تو تم صرف اندازے اور تخمینے سے کام مت لو بلکہ سونے کو الگ کر کے فروخت کرو اور غیر سونے کو الگ کر کے فروخت کرو۔

دلیل اس کی یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ کے بکثرت آثار موجود ہیں جن میں انہوں نے وہی بات فرمائی ہے جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ نے فرمائی ہے یعنی ان آثار کے اندر انہوں نے علی الاطلاق اس بیع کو ناجائز قرار نہیں دیا بلکہ یہ فرمایا کہ ثمن اگر ذہب مرکب کے مقابلہ میں زیادہ ہے تو بیع جائز ہے۔

ویسے بھی اس بیع کے عدم جواز کی علت تفاضل ہے بلکہ اس حدیث کے بعض طرق میں یہ آیا ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ کے سامنے "قلادہ" کا مسئلہ آیا تو آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا اور ساتھ ہی آپ نے یہ ارشاد فرمایا لا الذهب بالذهب مثلا بمثل، اس سے معلوم ہوا کہ اصل علت حرمت تفاضل کا پایا جانا ہے چنانچہ تماثل کا پایا جانا ضروری ہے اور جہاں تماثل مفقود ہوگا وہاں عقد ناجائز ہوگا اور حنفیہ یہ جو فرما رہے ہیں کہ ایسے عقد کے اندر ثمن کی طرف والا سونا اور چاندی بیع میں مرکب سونے چاندی سے زائد ہونی چاہیے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں تماثل یقینی طور پر موجود ہے اور جب تماثل موجود ہے تو بیع جائز ہونی چاہیے، چاہے اس سونے کو جدا کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ (تقریر ترمذی ج ۱ ص ۱۹۰)

**الشق الثانی** ............ عن اسحاق بن عبدالله بن الحارث عن ابيه (وكان الحارث خليفة عثمان على الطائف) فصنع لعثمان طعاما فيه من الحجل واليعاقيب ولحم الوحش قال: فبعث الى على بن ابى طالب فجاءه الرسول وهو يخبط لاباعر له فجاء ه وهو ينفض الخبط عن يده فقالوا له : كل فقال اطعموه قوما حلالا فانا حرم فقال على انشد الله من كان ههنا من اشجع اتعلمون ان رسول الله ﷺ اهدى اليه رجل حمار وحشي وهو محرم فابى ان ياكله؟ قالو: نعم ۔(ص ۲۶۹۔ ج ۱۔ رحمانیہ)

ترجم الحديث الشريف ترجمة واضحة .اشرح لغويا الكلمات التالية اباعر، الخبط، الحجل، اليعاقيب۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل دو امور ہیں (۱) اباعر، خبط، حجل، یعاقیب کا لغوی معنی (۲) حدیث کا ترجمہ۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث کا ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن حارث رحمۃ اللہ سے جو کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مقام طائف میں خلیفہ تھے، انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے چکور، چڑیوں اور گورخر کے گوشت سے کھانا تیار کیا۔ انہوں نے وہ کھانا علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا تو وہ اس وقت اپنے اونٹوں کے لئے چارہ تیار کر رہے تھے اور وہ اپنے ہاتھ سے چارہ جھاڑ رہے تھے۔ جس وقت وہ شخص

پہنچا تو لوگوں نے ان سے کہا کہ کھانا تناول فرمالیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم وہ کھانا ان لوگوں کو کھلا دو جو کہ حالت احرام میں نہ ہوں، ہم نے تو احرام باندھ رکھا ہے۔ اس وجہ سے (میں وہ کھانا نہیں کھا سکتا) اور میں ان لوگوں کو اللہ کی قسم دیتا ہوں جو کہ (قبیلہ) اشجع کے ہیں کیا تم لوگ اس بات سے واقف نہیں کہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص نے گورخر بھیجا، آپ ﷺ نے اس کو کھانے سے انکار فرمایا اور اس وقت آپ ﷺ احرام باندھے ہوئے تھے؟ لوگوں نے جواب دیا: جی ہاں۔

❷ اباعر، خبط، حجل، یعاقیب کا لغوی معنی:۔ "اَبَاعِرْ" یہ جمع ہے اس کا مفرد "بَعِیْرٌ" ہے بمعنی اونٹ۔ "خَبَطٌ" بمعنی درخت کے پتے جو ڈنڈے مار کر گرائے جائیں۔ "حَجَلٌ" یہ جمع ہے اس کا مفرد حَجَلَةٌ ہے بمعنی چکور۔ "یَعَاقِیْبُ" یہ جمع ہے اس کا مفرد یعقوب ہے بمعنی نر چکور۔

## ﴿السوال الثانی﴾ ١٤٢٨ھ

**الشق الاول** ...... عَنْ لَقِيطِ بْنِ صَبِرَةَ قَالَ كُنْتُ وَافِدَ بَنِي الْمُنْتَفِقِ أَوْ فِي وَفْدِ بَنِي الْمُنْتَفِقِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَلَمْ نُصَادِفْهُ فِي مَنْزِلِهِ وَصَادَفْنَا عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ قَالَ فَأَمَرَتْ لَنَا بِخَزِيرَةٍ فَصُنِعَتْ لَنَا قَالَ وَأُتِينَا بِقِنَاعٍ ثُمَّ جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ هَلْ أَصَبْتُمْ شَيْئًا قَالَ فَقُلْنَا نَعَمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ فَبَيْنَا نَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ جُلُوسٌ إِذْ دَفَعَ الرَّاعِي غَنَمَهُ إِلَى الْمُرَاحِ وَمَعَهُ سَخْلَةٌ تَيْعَرُ فَقَالَ مَا وَلَّدْتَ يَا فُلَانُ قَالَ بَهْمَةً قَالَ فَاذْبَحْ لَنَا مَكَانَهَا شَاةً ثُمَّ قَالَ لَا تَحْسِبَنَّ وَلَمْ يَقُلْ لَا تَحْسَبَنَّ أَنَّا مِنْ أَجْلِكَ ذَبَحْنَاهَا لَنَا غَنَمٌ مِائَةٌ لَا نُرِيدُ أَنْ تَزِيدَ فَإِذَا وَلَّدَ الرَّاعِي بَهْمَةً ذَبَحْنَا مَكَانَهَا شَاةً قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ لِي امْرَأَةً وَإِنَّ فِي لِسَانِهَا شَيْئًا يَعْنِي الْبَذَاءَ قَالَ فَطَلِّقْهَا إِذًا قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ لَهَا صُحْبَةً وَلِي مِنْهَا وَلَدٌ قَالَ فَمُرْهَا يَقُولُ عِظْهَا فَإِنْ يَكُ فِيهَا خَيْرٌ فَسَتَفْعَلْ وَلَا تَضْرِبْ ظَعِينَتَكَ كَضَرْبِكَ أُمَيَّتَكَ. (ص۳۶ ـ ج۱ ـ رحمانیہ)

شكل الحديث الشريف ثم ترجمه بالاردية ، اشرح كلا من الكلمات التالية خزيرة عصيدة قناع سخلة امية ثم قال لاتحسبن ولم يقل لاتحسبن.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) مذکورہ کلمات کی تشریح۔

**جواب** ...... ❶ حدیث پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفاً۔

❷ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں بنی منتفق کا نمائندہ تھا یا بنی منتفق کے وفد میں شامل تھا جو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ فرماتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم نے آپ ﷺ کو گھر میں نہ پایا اور ہم نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گھر میں پایا فرماتے ہیں پس حکم دیا انہوں نے ہمارے لئے خزیرہ تیار کرنے کا، پس وہ ہمارے لئے تیار کر دیا گیا فرماتے ہیں اور ہمارے پاس ایک بڑی پلیٹ لائی گئی پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور پوچھا کیا تمہارے لئے کچھ تیار کیا گیا؟ ہم نے کہا جی ہاں اے اللہ کے رسول، فرماتے ہیں پس اسی دوران کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں موجود تھے آپ ﷺ کا چرواہا بکریوں کو باڑے کی طرف لیکر چل دیا اور اس کے ساتھ ایک بکری کا بچہ تھا جو ممیا رہا تھا پس آپ ﷺ نے پوچھا کہ اے فلاں تو نے کیا (کتنے بچے) جنوایا؟ اس نے کہا کہ ایک مادہ، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پس اس کی جگہ ہمارے لئے ایک بکری کو ذبح کرو، پھر (مجھے) فرمایا کہ یہ خیال نہ کرنا کہ ہم تیری وجہ سے اس بکری کو ذبح کر رہے ہیں بلکہ ہمارے

لئے سو بکریاں ہیں، ہم نہیں چاہتے کہ اس پر زیادتی ہو، پس جب چرواہا کوئی بچہ جنواتا ہے تو ہم اس کی جگہ ایک بکری کو ذبح کر دیتے ہیں۔

حضرت لقیط رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے کہا اے اللہ کے رسول بیشک میری ایک بیوی ہے اور بیشک وہ زبان دراز ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تب تو اسے طلاق دے دو، میں نے کہا اے اللہ کے رسول! بیشک میرا اور اس کا عرصہ دراز کا تعلق ہے اور میرا اس سے ایک بچہ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو نصیحت کرو پس اگر اس میں خیر و بھلائی ہوگی تو وہ تمہاری نصیحت کو قبول کرے گی اور اپنی بیوی کو باندی کی طرح نہ مارو۔

❷ **مذکورہ کلمات کی تشریح:-** **خزیرۃ:** گوشت ملا ہوا دلیہ یا حریرہ۔ **قِنَاعٌ:** کھانا، کھجور وغیرہ رکھنے کی پلیٹ۔
**عصیدۃ:** مخصوص کھانا جو بغیر گوشت آٹا و گھی وغیرہ کو ملا کر تیار کیا جاتا ہے۔ **سَخْلَۃٌ:** بکری و بھیڑ کا بچہ نر ہو یا مادہ۔

"ثم قال لاتحسِبن الخ" اس عبارت سے راوی کا مقصود اس کا صحیح تلفظ یا ضبط بتلانا ہے کہ مجھے اچھی طرح یاد ہے آپ ﷺ نے سین کے کسرہ کے ساتھ لاتحسِبن کا لفظ استعمال کیا تھا نہ کہ سین کے فتح کے ساتھ لاتحسَبن۔

**الشق الثانی** ...... **عن زيد بن أرقم قال: كان احدنا يكلم الرجل الى جنبه فى الصلاة فنزلت: وقوموا لله قانتين فامرنا بالسكوت ونهينا عن الكلام.** (ص۱۴۲ج۱۔ رحمانیہ) **اذكر مذاهب العلماء فى حكم الكلام فى الصلاة. اذكر ادلة الحنفية مع مناقشة مبسوطة لادلة الائمة الآخرين.**

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) نماز میں کلام کرنے کا حکم (۲) ائمہ کے دلائل (۳) حنفیہ کے مخالف دلائل کا جواب۔

**جواب** ...... ❶ **نماز میں کلام کرنے کا حکم:-** اس پر اجماع ہے کہ کلام اگر عمداً ہو اور اصلاح صلوٰۃ کے لئے نہ ہو تو وہ مفسد صلوٰۃ ہے پھر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کلام خواہ عمداً ہو یا نسیاناً، جہلاً عن الحکم ہو یا خطأً، اصلاح صلوٰۃ کی غرض سے ہو یا اس غرض سے نہ ہو بہر صورت مفسد صلوٰۃ ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کلام اگر نسیاناً ہو یا جہلاً عن الحکم ہو تو وہ مفسد صلوٰۃ نہیں بشرطیکہ طویل نہ ہو (نووی)، امام اوزاعی رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ کلام اگر اصلاح صلوٰۃ کے لئے ہو تو مفسد صلوٰۃ نہیں۔ ایک روایت کے مطابق امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک بھی یہی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کی دوسری روایت حنفیہ کے مطابق ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ سے اس باب میں چار روایتیں ہیں، تین روایات تو مذاہب ثلاثہ ہی کی طرح ہیں اور چوتھی روایت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ جانتے ہوئے کلام کرے کہ ابھی اس کی نماز پوری نہیں ہوئی تو ایسا کلام مفسد صلوٰۃ ہوگا خواہ وہ کلام امام کو اتمام صلوٰۃ کا حکم دینے کے لئے ہی ہو، البتہ اگر کوئی شخص اس یقین کے ساتھ کلام کرے کہ اس کی نماز پوری ہو چکی اور بعد میں اسے معلوم ہوا کہ ابھی نماز پوری نہیں ہوئی تھی تو ایسا کلام مفسد صلوٰۃ نہ ہوگا۔

بہر حال ائمہ ثلاثہ کسی نہ کسی صورت میں کلام فی الصلوٰۃ کے غیر مفسد ہونے کے قائل ہیں۔

❷ **ائمہ کے دلائل:-** ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ کے مشہور واقعہ سہو فی الصلوٰۃ سے استدلال کرتے ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ یہ کہتے ہیں کہ ذوالیدین کا یہ کلام جہلاً عن الحکم تھا اور نبی کریم ﷺ کا یہ کلام نسیاناً تھا۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بات چیت اصلاح صلوٰۃ کیلئے تھی اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بات چیت یہ سمجھ کر تھی کہ نماز پوری ہو چکی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے تو یہی سمجھ کر کلام فرمایا تھا کہ چار رکعات پوری ہو چکی ہیں اور حضرت ذوالیدین بھی یہی

سمجھ کر بولے تھے کہ نماز پوری ہو چکی ہے کیونکہ اس وقت یہ احتمال موجود تھا کہ نماز کی تعداد رکعات میں کمی ہو گئی ہے۔

حنفیہ اس واقعہ کو منسوخ قرار دیتے ہیں اور مندرجہ ذیل دلائل سے استدلال کرتے ہیں۔

① آیت کریمہ **وقوموا الله قانتين** یہاں قنوت سے مراد سکوت ہے اور بکثرت روایات اس پر دال ہیں کہ یہ آیت سکوت فی الصلوٰۃ کے لئے ہی نازل ہوئی تھی اور اس میں کوئی تفصیل نہیں ہے لہٰذا ہر قسم کلام ممنوع ہے ② حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی صحاح میں حدیث ہے کہ ہم کلام فی الصلوٰۃ کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ آیت **وقوموا الله قانتين** نازل ہوئی تو ہم کلام فی الصلوٰۃ سے روک دیئے گئے ③ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سلام کیا کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سلام کا جواب دیتے تھے حتیٰ کہ جب ہم حبشہ سے لوٹے میں نے سلام کیا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہ دیا اور نماز سے فارغ ہو کر ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے بعد جو احکامات نازل کئے ہیں ان میں سکوت فی الصلوٰۃ کا حکم بھی ہے۔

❷ <u>حنفیہ کے مخالف دلائل کا جواب:</u> ① ان نصوص و روایات کے ذریعہ واقعہ ذوالیدین منسوخ ہے۔

② اس میں متعدد طرح سے اضطراب ہے۔ پہلا اضطراب: یہ ہے کہ ظہر، عصر و عشاء کی مختلف نمازوں کا ذکر ہے۔

دوسرا اضطراب: یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی رکعت پر سلام پھیرا۔ دو اور تین مختلف رکعت کا ذکر ہے۔

تیسرا اضطراب: یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلام کے بعد کہاں تک تشریف لے کر گئے تھے۔ بعض روایات میں خشبہ معروضہ اور بعض روایات میں حجرہ کے اندر داخل ہونے کا ذکر ہے۔

چوتھا اضطراب: یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری کرنے کے بعد سجدہ سہو کیا یا نہیں؟ دونوں طرح مروی ہے۔

اتنے اضطرابات کی وجہ سے بعض محدثین نے اس واقعہ کو ان واقعات میں شمار کیا ہے جن میں تطبیق ممکن نہیں ہے۔

بہرحال ان اضطرابات شدیدہ کی موجودگی میں ذوالیدین کے واقعہ میں اتنی قوت باقی نہیں رہ جاتی کہ اس کو **قوموا الله قانتين** اور ممانعت کلام فی الصلوٰۃ کی صحیح و صریح احادیث کے مقابلہ میں پیش کیا جا سکے۔

پھر یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ اس حدیث کے تمام اجزاء پر کسی کا بھی عمل نہیں، خاص طور سے امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک اس سے کسی صورت ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ان کے نزدیک بھی کلام فی الصلوٰۃ اس صورت میں غیر مفسد ہے جبکہ نسیاناً ہو اور اس واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خاص طور پر ذوالیدین کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے نسیاناً گفتگو کی تھی۔

اس کے علاوہ اس واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خشبہ معروضہ تک تشریف لے جانا بلکہ حجرہ میں داخل ہو جانا اور وہاں سے واپس آنا یہاں تک کہ بعض سرعان الناس کا مسجد سے باہر نکل جانا ثابت ہے۔ جس میں انحراف عن القبلہ اور عمل کثیر کا تحقق لازمی ہے اور عمل کثیر شافعیہ کے نزدیک بھی قول مختار کے مطابق مفسد صلوٰۃ ہے۔

بہرحال جب اس واقعہ کے بیشتر اجزاء متروک العمل ہو سکتے ہیں تو صرف کلام ہی کا کیوں اصرار ہو؟ خلاصہ یہ ہے کہ ذوالیدین کا واقعہ ایک واقعہ جزئیہ ہے جس میں نسخ کا قوی احتمال موجود ہے نیز اس میں اضطراب و تعارض بھی بکثرت ہے اور اس کے متعدد اجزاء پر عمل اجماعی طور سے متروک ہے، ایسی حالت میں اس واقعہ کو کسی مستقل فقہی مسئلہ کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا چنانچہ حنفیہ نے اس مسئلہ میں بھی اس واقعہ جزئیہ کے بجائے آیت قرآنی اور ان احادیث پر عمل کیا ہے جو قولی ہیں اور قواعد کلیہ بیان کر رہی ہیں۔ (درس ترمذی ج۲ ص۱۲۰)

﴿جزى الله عنا سيدنا و مولانا محمدًا ما هو اهله﴾

الورقة السادسة
طحاوی شریف
مؤطا امام مالکؒ
مؤطا امام محمدؒ
مَکتَبۂ زَکَریّا

## ﴿الورقة السادسة: شرح معانی الآثار والموطئین﴾

## ﴿السوال الاول﴾ ﴿شرح معانی الآثار﴾ ۱۴۳۰ھ

**الشق الاول** ...... عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال: اذا ولغ الکلب فی الاناء فاغسلوه سبع مرات ...... فذهب الی هذا الاثر...... وخالفهم فی ذلك آخرون...... واما النظر فقد کفانا الکلام فیه مابینا من حکم الحمار فی باب سور الهرة. (ص ۱ ۔ ج ۱ ۔ رحمانیہ) اشرح کلمة "ولغ" لغة. اذکر مصداق قوله "فذهب قوم وخالفهم فی ذلك آخرون". اشرح نظر الطحاوی وترجیح ماذهب الیه الحنفیة فی ضوء الأدلة.

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (۱) ولغ کا لغوی معنی (۲) ذهب قوم، خالفهم آخرون کا مصداق (۳) نظر طحاوی رحمہ اللہ کی تشریح (۴) حنفیہ کی وجہ ترجیح۔

**جواب** ...... ❶ **ولغ کا لغوی معنی:** یہ ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے اور باب فتح، ضرب اور حسب سے بمعنی برتن میں منہ ڈالنا اور اطراف زبان سے پینا۔

❷ **ذهب قوم، خالفهم آخرون کا مصداق:** "ذهب قوم" کا مصداق امام شافعی، امام احمد رحمہما اللہ (ایک قول کے مطابق)، محمد بن سیرین، اسحاق بن راہویہ، ابوثور، ابوعبید، عروہ بن زبیر، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم ہیں۔

"خالفهم آخرون" کا مصداق امام ابوحنیفہ، ابویوسف، محمد اور جمہور احناف رحمہم اللہ ہیں۔

❸ **نظر طحاوی رحمہ اللہ کی تشریح:** نظر طحاوی کی شکل میں مسئلہ سور ہرہ میں گزر چکا ہے کہ خنزیر کے جھوٹے سے بھی برتن ناپاک ہو جاتا ہے لیکن تین مرتبہ دھونے سے سور خنزیر سے بھی برتن پاک ہو جاتا ہے جو سور کلب کے مقابلہ میں زیادہ اغلظ ہے تو جب سور خنزیر سے برتن تین مرتبہ میں پاک ہو سکتا ہے تو سور کلب سے کیوں پاک نہ ہو۔ لازمی طور پر آپ کو کہنا پڑے گا کہ سور کلب سے بھی تین مرتبہ دھونے سے برتن پاک ہو جاتا ہے اور یہی تین مرتبہ واجب ہے اور سات مرتبہ دھونا اور مٹی سے رگڑنا زیادہ سے زیادہ استحباب کے درجہ میں ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ (ایضاح الطحاوی۔ ج ۱ ص ۱۱)

❹ **حنفیہ رحمہم اللہ کی وجہ ترجیح:** حنفیہ رحمہم اللہ کے مذہب کی وجہ ترجیح کا حاصل یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی حدیث میں تسبیع میں اس لحاظ سے بہت اختلاف ہے کہ بعض روایات میں اولاهن بالتراب آیا ہے اور خود ترمذی کی روایت الباب میں یہ الفاظ ہیں اولاهن او اخراهن بالتراب اور بعض میں السابعة بالتراب اور بعض میں والثامنة عفروه فی التراب بہرحال اختلاف روایات کی وجہ سے تطبیق دینا ضروری ہے اور تسبیع والے حکم کو وجوب پر محمول کرنے کے بعد تطبیق پیدا کرنا تکلف سے خالی نہیں البتہ اگر تسبیع والے حکم کو استحباب پر محمول کیا جائے تو بغیر کسی تکلف کے ان کے درمیان تطبیق ہو سکتی ہے کہ ان میں سے ہر طریقہ جائز ہے۔

**الشق الثانی** ...... عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ دَخَلَ عَلَيَّ عَلِيُّ بْنُ أَبِيْ طَالِبٍ وَقَدْ أَرَاقَ الْمَاءَ فَدَعَا بِإِنَاءٍ فِيْهِ مَاءٌ فَقَالَ: يَا ابْنَ عَبَّاسٍ، أَلَا أَتَوَضَّأُ لَكَ كَمَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَتَوَضَّأُ قُلْتُ: بَلٰى فِدَاكَ أَبِيْ وَأُمِّيْ، فَذَكَرَ حَدِيْثًا طَوِيْلًا ذَكَرَ فِيْهِ أَنَّهُ أَخَذَ حَفْنَةً مِنْ مَاءٍ بِيَدَيْهِ جَمِيْعًا فَضَرَبَ بِهِمَا وَجْهَهُ، ثُمَّ الثَّانِيَةَ مِثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ الثَّالِثَةَ، ثُمَّ أَلْقَمَ إِبْهَامَيْهِ مَا أَقْبَلَ مِنْ أُذُنَيْهِ، ثُمَّ أَخَذَ كَفًّا مِنْ مَاءٍ بِيَدِهِ الْيُمْنٰى فَصَبَّهَا عَلٰى نَاصِيَتِهِ ثُمَّ أَرْسَلَهَا تَسْتَنُّ عَلٰى وَجْهِهِ، ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنٰى إِلَى الْمِرْفَقِ ثَلَاثًا وَالْيُسْرٰى مِثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ مَسَحَ رَأْسَهُ وَظُهُوْرَ أُذُنَيْهِ، قَالَ الطَّحَاوِيُّ، فَذَهَبَ إِلٰى هٰذَا الْأَثَرِ...... وَخَالَفَهُمْ فِيْ ذٰلِكَ آخَرُوْنَ. (ص ۲۸ ۔ ج ۱ ۔ رحمانیہ)

شکل العبارۃ و ترجمها۔ اذکر اختلاف العلماء فی هذه المسألة مع تعیین من ذهب الی هذا الاثر و من خالفهم۔ اذکر دلائل الفریقین۔ اذکر آثار الصحابة ونظر الطحاوی التی تؤید ماذهب الیه الحنفیة۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں پانچ امور توجہ طلب ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) کانوں کے مسح میں اختلاف مع الدلائل (۴) حنفیہ کی تائید میں آثار صحابہ (۵) نظر طحاوی کی وضاحت۔

**جواب** ...... ❶ عبارت پر اعراب: کما مرّ فی السوال آنفاً۔

❷ عبارت کا ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور وہ قضاء حاجت سے فارغ ہو کر آئے تھے پس آپ رضی اللہ عنہ نے برتن منگوایا اس میں پانی تھا اور فرمایا کہ اے ابن عباس! کیا میں تجھے اس طرح وضو کر کے دکھاؤں؟ جس طرح میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے ہوئے دیکھا تو میں نے کہا جی ہاں آپ رضی اللہ عنہ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے طویل حدیث بیان کی اس میں یہ بات ذکر کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کا چلو لیا اور اسے اپنے چہرے پر مارا (پھینکا) پھر دوسری مرتبہ اسی طرح کیا، پھر تیسری مرتبہ اسی طرح کیا، پھر اپنے انگوٹھوں کو کانوں کی سامنے کی جانب میں، پھر اپنے بائیں ہاتھ سے پانی کا چلو لیا اور اسے اپنی پیشانی پر ڈالا کہ وہ ان کے چہرہ سے ٹپکنے لگا، پھر اپنا دایاں ہاتھ کہنی تک دھویا پھر بایاں ہاتھ بھی اسی طرح پھر اپنے سر کا مسح کیا اور دونوں کانوں کے ظاہری حصہ کا۔

❸ کانوں کے مسح میں اختلاف مع الدلائل: امام عامر شعبی رحمہ اللہ اور حسن ابن صالح کے نزدیک اذنین کا اگلا حصہ چہرہ کے حکم میں ہو کر چہرہ کے ساتھ دھونا لازم ہوگا اور پچھلا حصہ سر کے حکم میں ہو کر سر کے ساتھ مسح کرنا لازم ہوگا، یہی لوگ کتاب کے اندر فذهب قوم الی هذا الاثر کے مصداق ہیں۔

ائمہ اربعہ، سفیان ثوری، عبداللہ ابن مبارک اور جمہور رحمہم اللہ کے نزدیک اذنین کے اگلے اور پچھلے دونوں حصے سر کے حکم میں ہو کر سر کے ساتھ مسح کرنا لازم ہے، یہی کتاب کے اندر خالفهم فی ذالك آخرون کے مصداق ہیں۔

قول اول کے قائلین کی دلیل یہی حدیث ہے جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا وضو کر کے دکھایا اور آخر میں مسح علی الراس فرمایا اور دونوں کانوں کے پچھلے حصہ پر مسح فرمایا، معلوم ہوا کہ اگلے حصہ پر مسح نہیں ہے بلکہ اگلے حصہ کو چہرہ کے ساتھ دھونا لازم ہے۔

قول ثانی کے قائلین یعنی ائمہ اربعہ اور جمہور کی پہلی دلیل وہ حدیث مرفوع ہے جس میں واضح طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں کانوں کے اگلے پچھلے حصہ پر مسح کرنے کا ذکر ہے اور یہ روایت آٹھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے چودہ سندوں کے ساتھ منقول ہے اور اس مضمون کی روایت کثرت و تواتر سے مروی ہے اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح فعل موجود ہے لہٰذا ان متواتر روایات کے مقابلہ میں دوسری روایات پر عمل نہیں ہو سکتا۔ فریق اول کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہے اور راوی کا اپنی روایت کے خلاف عمل کرنا اس روایت کے منسوخ ہونے کی دلیل ہے لہٰذا اس حدیث کو دلیل میں پیش کرنا درست نہیں ہے۔ بقیہ دو دلائل اور اقوال صحابہ تائید الحنفیہ مابعد میں آرہے ہیں۔ (ایضاح الطحاوی ج۱ ص ۱۴۷)

❹ حنفیہ کی تائید میں آثار صحابہ رضی اللہ عنہم: حضرت انس رضی اللہ عنہ کا عمل، ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فتویٰ، ابن عباس رضی اللہ عنہ کا عمل اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل و فتویٰ واضح طور پر ائمہ اربعہ اور جمہور کی تائید کرتے ہیں۔ ① عن حميد قال رأيت انس بن مالك توضأ فمسح اذنيه ظاهرهما وباطنهما مع رأسه ② وقال انس ان ابن مسعود كان يامر بالاذنين ③ عن ابى حمزة قال رأيت ابن عباس توضأ فمسح اذنيه ظاهرهما وباطنهما ④ عن ابن عمر انه كان يقول

الاذنان من الرأس فامسحوهما ⑥عن نافع ان ابن عمر كان يمسح اذنيه ظاهرهما وباطنهما۔ (ایضاً)

⑤ **نظر طحاوی کی وضاحت:۔** نظر طحاوی کا حاصل یہ ہے کہ جو عورت حج کیلئے احرام باندھ لے اس پر حکم یہ ہے کہ وہ چہرے کو کھلا رکھے اور سر کو ڈھانپ رکھے اور تمام علماء کا اتفاق اس بات پر ہے کہ سر کے ساتھ ساتھ دونوں کانوں کے اگلے پچھلے دونوں حصوں کو ڈھانپ لینا واجب ہے تو یہ اس بات پر واضح دلیل ہے کہ دونوں کانوں کا حکم سر کے حکم میں داخل ہے۔ لہذا حکم مسح کے اندر بھی دونوں کانوں کا حکم سر کے حکم میں ہو کر اگلے پچھلے دونوں حصوں پر مسح لازم و ضروری ہوگا اور اگلے حصے کو دھونا درست نہیں ہوگا۔

دوسری عقلی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ ہمارے فریق مخالف اس بات پر اختلاف نہیں کرتے کہ دونوں کانوں کے پچھلے حصے کا سر کے ساتھ مسح کیا جائے البتہ اگلے حصے کا سر کے ساتھ مسح کرنے میں ان کا اختلاف ہے کہ اگلے حصے کو دھویا جائے تو اس اختلاف کو ختم کرنے کے لئے ہم نے تمام اعضاء وضو کا مطالعہ کیا تو ہم نے دیکھا کہ وضو کے اندر اعضاء مفروضہ کل چار ہیں۔ تین ان میں سے اعضاء مغسول ہیں (چہرہ، دونوں ہاتھ، دونوں پیر) اور ایک عضو (سر) ممسوح ہے۔ تو ہم نے دیکھا کہ جن اعضاء کو دھونے کا حکم ہے پورے پر دھونے کا ہی حکم ہے ایسا نہیں ہے کہ کچھ حصہ دھویا جائے اور کچھ حصے پر مسح کیا جائے اور جن اعضاء پر مسح کا حکم ہے ان میں پورے پر مسح ہی کا حکم ہے ایسا نہیں ہے کہ کچھ پر مسح کیا جائے اور کچھ کو دھویا جائے۔ اور اذنین کے پچھلے حصے کے بارے میں فریق مخالف بھی مسح پر متفق ہیں البتہ اگلے حصے میں اختلاف کرتے ہیں اور اعضاء وضو کے اندر اصول یہ ملا ہے کہ جس کے بعض حصے کو دھونے کا حکم ہے اس کے بعض پر مسح جائز نہیں ہے اور اسی طرح جس کے بعض حصے پر مسح کا حکم ہے اس کے بعض حصے کو دھونا جائز نہیں ہے تو اذنین میں بھی لازمی طور پر یہی حکم ہونا چاہیے کہ جب پچھلے حصے پر مسح کا حکم ہے تو اگلے حصے پر بھی مسح کا حکم ہوگا۔ (ایضاً ص ۳۹)

## ﴿السوال الثانی﴾ (مؤطا امام مالکؒ) ۱۴۲۰ھ

**الشق الاول** ......عن نافع ان عبدالله بن عمر كان اذا رعف انصرف فتوضأ ثم رجع فبنى ولم يتكلم، عن عبدالرحمن بن المجبر انه رأى سالم بن عبدالله يخرج من انفه الدم تختضب اصابعه ثم يفتله ثم يصلي ولا يتوضأ۔ (ص ۲۲، وضوء کا بیان، طہارت کتب کراچی) ترجم الاثرين.

اذكر حكم الرعاف والدم والقيح عند العلماء واذكر دلائلهم. كيف الجمع بين الاثرين المذكورين.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) آثار کا ترجمہ (۲) رعاف، دم اور قیح کا حکم مع الدلائل (۳) آثار میں تطبیق۔

**جواب** ...... ❶ **آثار کا ترجمہ:۔** حضرت نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو جب نکسیر پھوٹتی تو لوٹ جاتے پس وضو کرتے پھر لوٹ آتے پس بناء کرتے اور بات چیت نہ کرتے، حضرت عبدالرحمٰن بن مجبر سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ کو دیکھا کہ انکے ناک سے خون نکل رہا ہے رنگین ہوگئی انکی انگلیاں پھر نماز پڑھی انہوں نے اور وضو نہ کیا۔

❷ **رعاف، دم اور قیح کا حکم مع الدلائل:۔** قیح، رعاف اور دم سے وضوء کا مسئلہ ایک اصولی اختلاف پر متفرع ہے وہ یہ کہ حنفیہ رحمہم اللہ کے نزدیک کوئی نجاست جسم کے کسی بھی حصے سے خارج ہو وہ ناقض وضو ہے خواہ خروج نجاست عادتاً ہو یا بیماری کی وجہ سے امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق رحمہما اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ اس کے برعکس امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ صرف اس نجاست کا خروج ناقض ہوتا ہے جو خود بھی معتاد ہو اور اس کا مخرج بھی معتاد ہو جیسے بول و براز لہٰذا قیح، رعاف اور خون ان کے نزدیک ناقض نہیں کیونکہ انکا مخرج معتاد نہیں اور اگر سبیلین سے بول و براز، منی، مذی، ودی اور ریح کے علاوہ کوئی اور چیز خارج ہو تو وہ بھی ان حضرات کے نزدیک ناقض نہیں کیونکہ مخرج تو معتاد ہے لیکن خارج ہونے والی چیز معتاد نہیں البتہ دم استحاضہ اگرچہ خارج غیر معتاد ہے

لیکن امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اس سے تو ساتو وضو ٹوٹنا چاہیے مگر وہ امر تعبدی کے طور پر اس کو ناقض وضو مانتے ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مخرج کا معتاد ہونا تو ضروری ہے لیکن خارج کا معتاد ہونا ضروری نہیں لہٰذا اگر سبیلین سے غیر معتاد یعنی بول و براز کے علاوہ کوئی اور چیز خارج ہو تو وہ ان کے نزدیک ناقض ہے لہٰذا غیر سبیلین سے کسی نجاست کے خروج سے نہ مالکیہ رحمہ اللہ کے نزدیک وضو ٹوٹتا ہے اور نہ ہی امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وضو ٹوٹتا ہے جبکہ حنفیہ رحمہ اللہ کے نزدیک جسم کے کسی بھی حصے سے کسی بھی قسم کی نجاست وغیرہ کے نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔(درس ترمذی ج۱ ص۳۲۹)

احناف کی دلیل احادیث متعلقہ باب عاف ہیں یعنی وہ احادیث جن میں یہ ہے کہ جب نماز کے دوران نکسیر جاری ہو جائے تو وضو کر کے قاعدہ شرعیہ کے مطابق بناء کرلے چنانچہ یہ چار صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں حضرت عائشہ، حضرت ابن عباس، حضرت ابو سعید خدری، حضرت علی رضی اللہ عنہم۔ ان چاروں کا قدر مشترک یہ ہے کہ اگر نماز کے دوران نکسیر جاری ہو جائے تو نمازی نماز سے پھر کر وضو کرے اور شرائط معروف کے ساتھ بناء کرے۔ مالکیہ وشافعیہ رحمہ اللہ کی پہلی دلیل: حدیث جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ہے اس میں واقعہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ ذات الرقاع میں تشریف لے گئے ہم بھی ساتھ گئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک مشرک کی بیوی کو قتل کر دیا تو اس مشرک نے قسم اٹھائی کہ جب تک بدلہ نہ لوں گا چین سے نہیں بیٹھوں گا تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے تعاقب میں لگ گیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باہر نکل کر پڑاؤ ڈالا اور فرمایا کہ تم میں سے کون ہے جو ہمارا پہرہ دے تو اس پر ایک مہاجر اور ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ تیار ہو گئے۔ انصاری عباد بن بشر رضی اللہ عنہ تھے اور مہاجر عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک گھاٹی پر متعین کیا تو مہاجر نے آرام کیا اور انصاری رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھنی شروع کر دی تو اس شخص نے دیکھ لیا اور تیر مارنے شروع کر دیے ان کو تین تیر لگے اور وہ نکال کر پھینکتے رہے تو انہوں نے نماز مکمل کی اور پھر مہاجر ساتھی کو اٹھایا اس نے کہا سبحان اللہ آپ نے مجھے پہلے کیوں نہ بیدار کیا تو انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں ایک سورت میں مشغول تھا میں نے پسند نہیں کیا کہ اس کو ختم کرنے سے پہلے نماز توڑوں تو دیکھو اس صحابی رضی اللہ عنہ نے خون کے جاری ہوتے ہوئے بھی نماز کو جاری رکھا تو معلوم ہوا کہ خروج دم من غیر سبیلین ناقض نہیں ہے۔

جوابات: ① یہ انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کا اپنا اجتہاد ہے اور دلیل تام تب ہوگی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر اسکو حاصل ہو حالانکہ تقریر حاصل نہیں ہے ② اس صحابی رضی اللہ عنہ نے مغلوب الحال ہونے کی وجہ سے ایسا کیا جیسا کہ الفاظ اس پر دال ہیں كنت في سورة اقرءها فلم احبّ ان اقطعها ③ ان کو تین تیر لگے ہیں تو ظاہر ہے کہ تین تیر لگنے کی وجہ سے کپڑے بھی خون آلود ہوئے ہوں گے تو کپڑے ناپاک ہونے کے باوجود کیسے نماز پڑھی فما هو جوابكم فهو جوابنا اگر تم کہو خون فوارے کی شکل میں نکلا تو جواب یہ کہ یہ احتمال بعید ہے ④ سنداً بھی یہ حدیث ضعیف ہے اس میں محمد بن اسحاق رحمہ اللہ تشریف فرما ہے جو کہ متکلم فیہ اور ضعیف راوی ہے۔

شوافع و مالکیہ رحمہم اللہ کی دوسری دلیل: واقعہ سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ اور واقعہ سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ہے کہ ان دونوں حضرات نے نکسیر کے باوجود نماز کو مکمل کیا۔ جوابات: ① یہ معذور پر محمول ہے یا نکسیر کا مرض ہوگا ② درھم سے کم مقدار تھی اسلئے یہ ناقض نہیں ہے۔

③ **آثار میں تطبیق:** دونوں حدیثوں میں سے اول حدیث مسئلہ کے مطابق ہے جبکہ دوسری حدیث میں حضرت سالم بن عبداللہ معذور تھے ان کو نکسیر کا مرض تھا اس لئے انہوں نے نماز کو اسی طرح مکمل کیا۔

**الشق الثانی** ......عن مالك انه بلغه ان عبدالله بن مسعود كان يقول: من قبلة الرجل امرأته الوضوء.

اذكر حكم مس المرأة هل ينتقض بذلك الوضوء ام لا عند العلماء، واذكر دلائلهم على ذلك. اذكر وجوه ترجيح ماذهب اليه السادات الحنفية. ماهو حكم بلاغات مالك حقق هذه المسئلة ببسط.(ص۲۱، ج۲، ۸)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) مس مرأۃ کے ناقض وضو ہونے میں اختلاف مع الدلائل (۲) مذہب حنفی کی وجہ ترجیح (۳) بلاغات مالک رحمہ اللہ کا حکم۔

**جواب** ...... ❶ و ❷ مس مرأۃ کے ناقض وضو ہونے میں اختلاف، ائمہ کے دلائل، مذہب حنفی کی وجہ ترجیح:۔

**کمامرّ فی الشق الثانی من السوال الاول ۱۴۳۲ھ۔ (الورقۃ الاولیٰ)**

❸ بلاغات امام مالک رحمہ اللہ کا حکم:۔ بلاغ کا مطلب یہ ہے کہ کسی اثر یا خبر کو سند کے بغیر ذکر کرے مثلاً اسی حدیث میں امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بلغنی عن جابر بن عبداللہ۔ امام مالک رحمہ اللہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے درمیان سند تھی امام مالک رحمہ اللہ نے اسکو ذکر نہیں کیا۔ رہتدر میں لکھا ہے کہ بلاغات امام مالک وامام محمد رحمہما اللہ مسند ہیں۔ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس جگہ بھی امام مالک رحمہ اللہ بلغنی کا لفظ استعمال کریں وہ حدیث صحیح ہوتی ہے اور اس کی سند قوی ہوتی ہے اور اس کتاب میں کوئی بھی موضوع حدیث نہیں ہے، البتہ بعض احادیث میں معمولی ضعف ہے اور وہ بھی کثرت طرق کی وجہ سے مضر نہیں ہے۔

## ﴿السوال الثالث﴾ (موطا امام محمد) ۱۴۳۰ھ

**الشق الاول** ...... عن عبداللہ بن رافع عن ابی ہریرۃ انہ سالہ عن وقت الصلاۃ، فقال ابو ہریرۃ انا اخبرک صل الظہر اذا کان ظلک مثلک، والعصر اذا کان ظلک مثلیک والمغرب اذا غربت الشمس والعشاء مابینک وبین ثلث اللیل فان نمت الی نصف اللیل فلانامت عیناک، وصل الصبح بغلس۔ (ص۴۰۔ج۱۔قدیمی)

ترجم الحدیث واشرح قولہ "فان نمت الی نصف اللیل فلانامت عیناک"۔ اذکر اختلاف العلماء فی وقت صلاۃ الفجر والعصر والعشاء۔ اذکر دلائلہم علی ماذھبوا الیہ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حاصل چار امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) قول مذکور کی تشریح (۳) صلوٰۃ فجر، عصر اور عشاء کے وقت میں اختلاف (۴) ائمہ کے دلائل۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن رافع رحمہ اللہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نماز کے وقت کے متعلق سوال کیا تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تجھے خبر دیتا ہوں کہ تو نماز پڑھ ظہر کی جب کہ ہو جائے تیرا سایہ تیری مثل اور نماز پڑھ عصر کی جبکہ ہو جائے تیرا سایہ تیری دو مثل اور نماز پڑھ تو مغرب کی جبکہ سورج غروب ہو اور نماز پڑھ تو عشاء کی مغرب اور ثلث لیل کے درمیان میں، پس اگر تو سو جائے نصف رات تک تو پھر نہ سوئیں تیری آنکھیں اور نماز پڑھ تو فجر کی غلس میں۔

❷ قول مذکور کی تشریح:۔ ① یہ جملہ زجر و توبیخ پر مشتمل ہے کہ جو شخص بغیر نماز پڑھے سو جائے اللہ کرے اس کو نیند نہ آئے۔ ② یہ جملہ دعائیہ کلمہ ہے کہ اگر تیری عشاء کی نماز رہ گئی اور تو نصف رات تک سویا رہا تو پھر جب تک تو نماز نہ پڑھے اس وقت تک تجھے نیند نہ آئے، یعنی نصف رات سے نماز عشاء مؤخر نہیں ہونی چاہیے۔

❸ و ❹ صلوٰۃ فجر، عصر اور عشاء کے وقت میں اختلاف اور ائمہ کے دلائل:۔

صلوٰۃ الفجر کا وقت: فجر کے وقت کی ابتداء بالاتفاق طلوع صبح صادق سے ہے۔

فجر کے وقت کی انتہاء میں اختلاف ہے، جمہور کے نزدیک فجر کے وقت کی انتہاء طلوع شمس ہے، بعض حضرات کے نزدیک اسفار تک ہے اور امام مالک وامام شافعی رحمہما اللہ کی بھی ایک روایت یہی ہے۔

جمہور رحمہم اللہ کی دلیل: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے وان آخر وقتها حين تطلع الشمس نیز حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی بھی مرفوع روایت ہے قال النبي صلی اللہ علیہ وسلم...... ووقت صلوة الصبح من طلوع الفجر مالم تطلع الشمس نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے من ادرك ركعة قبل ان تطلع الشمس فقد ادرك صلوة الصبح۔

قائلین اسفار کی دلیل: امامت جبرائیل والی حدیث ہے صلى الصبح في اليوم الثاني حين اسفرت الارض جبکہ دوسرے دن آخری وقت بتلانا مقصود تھا۔ جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ حدیث امامت جبرائیل علیہ السلام مقدم ہے اور بقیہ احادیث مؤخر ہیں لہٰذا یہ حدیث منسوخ ہے۔ نیز یہ حدیث وقت مختار پر محمول ہے۔

صلوۃ العصر کا وقت: عصر کے وقت کی ابتداء جمہور کے نزدیک مثل اول کے بعد ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک مثلین کے بعد ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے صلى بنا رسول الله اذا كان ظلك مثلك والعصر اذا كان ظلك مثليك۔ جمہور کی دلیل: حدیث امامت جبرائیل علیہ السلام ہے ثم صلى العصر حين كان ظل كل شيء مثله۔

جواب یہ ہے کہ بیان اوقات میں یہ حدیث مقدم ہے اور بقیہ احادیث مؤخر ہیں لہٰذا یہ حدیث منسوخ ہے۔

نماز عصر کے وقت کی انتہاء ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک غروب شمس ہے اور بعض سلف کے نزدیک مثلین تک اور بعض کے نزدیک اصفرار شمس تک ہے۔

ائمہ اربعہ وجمہور کی دلیل: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے من ادرك ركعة من صلوة العصر قبل ان تغرب الشمس فقد ادرك العصر۔ نیز حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وقت صلوة العصر مالم تغرب الشمس۔ جواب یہ ہے کہ مذکورہ احادیث کے قرینہ سے یہ وقت مختار پر محمول ہیں۔

صلوۃ العشاء کا وقت: ائمہ اربعہ وجمہور کے نزدیک نماز عشاء کے وقت کی ابتداء شفق کے بعد ہے، اگرچہ شفق کی تفسیر میں احمر وابیض کا اختلاف ہے اور نماز عشاء کے وقت کی انتہاء امام ابوحنیفہ اور جمہور رحمہم اللہ کے نزدیک طلوع فجر ہے، پھر حنفیہ کے نزدیک ثلث لیل تک مستحب وقت، نصف لیل تک مباح وقت اور اس کے بعد مکروہ وقت ہے۔

بعض حضرات کے نزدیک عشاء کے وقت کی انتہاء ثلث لیل ہے اور بعض کے نزدیک نصف لیل ہے۔

حنفیہ رحمہم اللہ کی دلیل: ① حضرت ابن عباس، ابوموسیٰ اشعری، ابوسعید خدری، ابوہریرہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کی وہ سب روایات ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا ذکر ہے کہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثلث لیل تک، کبھی نصف لیل تک اور کبھی رات کے دو ثلث تک نماز کو مؤخر کیا، معلوم ہوا کہ صبح صادق تک عشاء کا وقت ہے۔ ② حضرت عمر نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا تھا وصل العشاء اى الليل شئت ولا تغفلها۔ ③ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا ما افراط صلوة العشاء؟ قال طلوع الفجر۔

دوسرے اقوال کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں ثلث لیل یا نصف لیل کا ذکر ہے۔ جواب یہ ہے کہ مذکورہ احادیث کے قرینہ سے وقت افضل پر محمول ہیں۔ (ایضاح الطحاوی ج۱ ص... درس ترمذی ج۱ ص... الدلائل ص...)

**السؤال الثانی**...... عن ابى هريرة ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: اذا استيقظ احدكم من نومه فليغسل يده قبل ان يدخلها فى وضوئه فان احدكم لايدرى اين باتت يده. (ص۲۸۔ج۱۔قدیمی)

ترجم الحديث بوضوح۔ اذكر مذاهب العلماء فى هذا الباب مع تعيين محل الاختلاف۔ اكتب دلائلهم على ماذهبوا اليه۔ اذكر وجوه ترجيح ماذهب اليه الحنفية. واشرح كلمة الوضوء لغة

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) مذکورہ مسئلہ میں ائمہ کے مذاہب مع الدلائل (۳) الوضوء کی لغوی تحقیق۔

**جواب** ...... ❶ __حدیث کا ترجمہ:-__ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنی نیند سے بیدار ہو تو وہ اپنے ہاتھ کو وضو کے برتن یا وضو کے پانی میں داخل کرنے سے پہلے دھو لے، اس لئے کہ تم میں سے کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری ہے۔

❷ __بیدار ہونے والے کیلئے ہاتھ دھونے میں ائمہ کے مذاہب مع الدلائل:-__ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ میں سے امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ حکم مطلقاً مسنون ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مطلقاً مستحب اور حنفیہ کے نزدیک اگر ہاتھوں پر نجاست کا یقین ہو تو غسل یدین فرض، اگر ظن غالب ہو تو واجب، اگر شک ہو تو مسنون اور اگر شک بھی نہ ہو تو مستحب ہے۔

امام احمد بن حنبل، امام اسحٰق اور داؤد ظاہری رحمہم اللہ کے نزدیک یہ حکم وجوبی ہے اور رات کی نیند سے بیدار ہونے والے شخص کے لئے ہاتھوں کا دھونا واجب اور لازم ہے۔ (درس ترمذی ص ۲۲۸) دلیل یہ ہے کہ فلیغسل امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کیلئے آتا ہے۔ نیز فلا یدخل یدہ میں نہی تحریمی ہے کیونکہ عموماً نہی تحریم کے لئے ہوتی ہے۔

جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ مذکورہ تعلیل کے قرینہ سے یہ نہی تنزیہی ہے اور فلیغسل کا امر استحباب کیلئے ہے۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی دلیل حدیث کا آخری جملہ فان احدکم لایدری الخ ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم محض احتمالِ نجاست کیوجہ سے ہے اور ہاتھ کی طہارت یقینی ہے اور یقینی حکم شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوتا لہٰذا یہ حکم وجوبی نہیں بلکہ استحبابی ہے۔

❸ __الوضوء کی لغوی تحقیق:-__ "وُضُوْء" (ضمہ کے ساتھ) یہ فُعُوْل کے وزن پر مصدر ہے بمعنی پاکیزگی و پاکی حاصل کرنا۔ "وَضُوْء" (فتحہ کے ساتھ) مَا یُتَوَضَّأُ بِهٖ بمعنی پاکیزگی حاصل کرنے کا پانی۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ بھی مصدر ہے۔

## ﴿الورقة السادسة: شرح معاني الآثار والمؤطين﴾

## ﴿السؤال الاول﴾ ﴿شرح معاني الآثار﴾ ١٤٣١ھ

**الشق الاول** ...... عَنْ هَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ أَنَّهٗ كَانَ نَازِلًا عَلٰى عَائِشَةَ فَاحْتَلَمَ فَرَأَتْهُ جَارِيَةٌ لِعَائِشَةَ وَ هُوَ يَغْسِلُ أَثَرَ الْجَنَابَةِ مِنْ ثَوْبِهٖ أَوْ يَغْسِلُ ثَوْبَهٗ فَأَخْبَرَتْ بِذٰلِكَ عَائِشَةَ فَقَالَتْ عَائِشَةُ لَقَدْ رَأَيْتُنِيْ وَ مَا أَزِيْدُ عَلٰى أَنْ أَفْرُكَهٗ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَذَهَبَ ذَاهِبُوْنَ إِلٰى أَنَّ الْمَنِيَّ طَاهِرٌ وَ أَنَّهٗ لَا يُفْسِدُ الْمَاءَ وَإِنْ وَقَعَ فِيْهِ وَأَنَّ حُكْمَهٗ فِيْ ذٰلِكَ حُكْمُ النُّخَامَةِ...... وَ خَالَفَهُمْ فِيْ ذٰلِكَ آخَرُوْنَ فَقَالُوْا بَلْ هُوَ نَجِسٌ. (۳۹-۱-رحمانیہ)

شکل الحدیث ثم ترجمه. المنی طاهر ام نجس؟ اسرد دلائل الفریقین. هل یصح قول القائلین بالنجاسة ان الآثار انما جاءت فی ذکر ثیاب ینام فیها ولم تات فی ثیاب یصلی فیها مع ان عائشة قالت: کنت افرک المنی من ثوب رسول الله ﷺ یابسا باصابعی ثم یصلی فیه ولا یغسله. اذکر نظر الطحاوی فی هذه المسئلة.

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال کا حل پانچ امور ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) منی کی طہارت و نجاست کا مسئلہ مع دلائل (۴) قائلین نجاست کی طرف سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اثر کا جواب (۵) نظر طحاوی کی وضاحت۔

**جواب** ...... ❶ __حدیث پر اعراب:-__ کما مر فی السوال آنفاً۔

❷ __حدیث کا ترجمہ:-__ امام بن حارث رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں بطور مہمان ٹھہر گئے تو اتفاق

سے ان کو احتلام ہو گیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باندی نے انہیں اپنے کپڑے سے منی کے اثرات کو دھوتے ہوئے دیکھ لیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اطلاع دی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں اپنے آپ کو گھستی ہوں یعنی مجھے یاد ہے کہ میں حضور ﷺ کے کپڑے سے منی کو کھرچ دیتی تھی اس سے زیادہ کچھ نہیں کرتی تھی۔ پس کچھ حضرات اسی کی طرف گئے ہیں کہ منی پاک ہے اور وہ پانی کو خراب وناپاک نہیں کرتی اگرچہ وہ پانی میں گر جائے اور اس کا حکم ناک کے رینٹ کی مثل ہے اور دیگر حضرات نے اس مسئلہ میں ان کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ منی نجس ہے۔

⓬ <u>منی کی طہارت ونجاست کا حکم</u>:۔ شافعیہ، حنابلہ، اسحٰق بن راہویہ اور داؤد ظاہری کے نزدیک انسان کی منی پاک ہے، یہی لوگ کتاب کے اندر فذهب ذاهبون الى ان المنى طاهر کے مصداق ہیں۔ نیز ان کے نزدیک منی ناک کے رینٹ کے حکم میں ہے۔ لہٰذا ماءِ قلیل میں منی گر جانے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔

حنفیہ، مالکیہ، امام اوزاعی، لیث بن سعد اور حسن بن صالح رحمہم اللہ کے نزدیک منی ناپاک ہے۔ یہی لوگ کتاب کے اندر وخالفهم فى ذلك آخرون کے مصداق ہیں، لیکن ان کے درمیان تفصیل یوں ہے کہ حنفیہ کے نزدیک تر منی کا دھونا واجب ہے اور خشک منی کا کھرچ دینا کافی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک خشک وتر ہر طرح کی منی کو پانی سے دھونا واجب ہے البتہ چھینٹا مارنا بھی کافی ہے اور امام لیث بن سعد کے نزدیک منی ناپاک تو ہے لیکن اگر اسکے ساتھ نماز پڑھ لی تو دوبارہ لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور امام حسن ابن صالح رحمہ اللہ کے نزدیک اگر کپڑے میں منی لگی ہے تو اعادہ صلوٰۃ کی ضرورت نہیں ہے اور اگر بدن میں لگی ہے تو اعادہ صلوٰۃ ضروری ہے۔

شافعیہ وحنابلہ رحمہم اللہ کی دلیل: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہی حدیث الباب ہے۔

امام ابن حارث رحمہ اللہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں بطور مہمان ٹھہر گئے تو اتفاق سے ان کو احتلام ہو گیا، انہوں نے صبح اٹھ کر اپنے کپڑے سے منی کے اثرات کو دھونا شروع کر دیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باندی نے یہ دیکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اطلاع دی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں اپنے آپ کو گھستی ہوں یعنی مجھے یاد ہے کہ میں حضور ﷺ کے کپڑے سے منی کو کھرچ دیتی تھی اس سے زیادہ کچھ نہیں کرتی تھی۔ تو اس حدیث شریف کے مضمون سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ منی کو کھرچ دینے کی صورت میں کپڑے کے ریشوں کے اندر لازمی طور پر منی کا حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اگر منی ناپاک ہوتی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کپڑے کو کھرچنے کی بجائے ضرور دھو دیتیں اور کھرچنا کافی نہ سمجھتیں۔ لہٰذا کہا جائے گا کہ منی پاک ہے، ناپاک نہیں ہے اور کپڑے کے اوپر سے منی کے ظاہری اثرات کو طبعی نفرت کی بناء پر کھرچ دیا جاتا ہے نہ کہ ناپاک ہونے کی بناء پر۔

حنفیہ ومالکیہ کی طرف سے اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ فرک (کھرچنا) مسلم ہے مگر منی کی طہارت مسلم نہیں ہے اسلئے کہ اگر منی پاک ہوتی تو اس کو کھرچنے کی بھی ضرورت نہ تھی، پس کھرچنا دلیل طہارت نہیں ہے بلکہ منی سے طہارت کا ایک طریقہ ہے، مثلاً جوتے پر پلیدی لگ جائے تو رگڑنے سے جوتا پاک ہو جاتا ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ پلیدی نجاست ہی نہیں ہے بلکہ یہی کہیں گے کہ اس پلیدی کو زائل کرنے کا ایک طریقہ رگڑنا ہے۔

حنفیہ ومالکیہ کی دلیل: ① حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے کپڑوں سے منی کو دھویا کرتی تھیں پھر حضور ﷺ وہ کپڑے پہن کر نماز کیلئے تشریف لے جاتے تھے، معلوم ہوا کہ منی ناپاک ہے اسی لئے تو اس کو کپڑے سے دھویا جاتا تھا۔

② حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے معلوم کیا کہ کیا آپ ﷺ اپنی نیند والے کپڑوں میں نماز پڑھتے تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اس وقت ان میں نماز پڑھتے تھے جب ان پر نجاست نہ لگی ہوتی تھی، معلوم ہوا کہ منی

نجاست ہے کیونکہ انہوں نے منی کو اذی (نجاست) سے تعبیر کیا ہے۔

⑥ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ ازواج مطہرات کے لحافوں میں نماز نہیں پڑھا کرتے تھے کیونکہ ایسے لحافوں میں عام طور پر منی کا دھبہ لگ جایا کرتا ہے اور منی چونکہ ناپاک ہے اس لئے آپ ﷺ ایسے کپڑوں میں نماز ادا نہیں فرماتے تھے۔

④ **قائلین نجاست کی طرف سے حضرت عائشہ ؓ کے اثر کا جواب:۔** حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث شافعیہ کی دلیل نہیں بلکہ حنفیہ کی دلیل ہے کیونکہ حنفیہ کے نزدیک تطہیر نجاست کے متعدد طریقے ہیں، دھونا، رگڑنا، دھل جانا، خشک ہو جانا اور کھرچنا، معلوم ہوا کہ کھرچنا بھی طہارت کا ایک طریقہ ہے پس جب منی خشک ہو جائے تو اس میں رگڑنا اور کھرچنا بھی ہے لہٰذا یہ کھرچنا منی کی نجاست پر دال ہے جیسا کہ دھونا منی کی نجاست پر دال ہے۔ ([illegible])

⑤ **نظر طحاوی کی وضاحت:۔** نظر کا خلاصہ یہ ہے کہ جب صحابہ کے درمیان مذکورہ اختلاف واقع ہوا ہے اور حضور ﷺ سے بھی کوئی قول مرفوع روایت کسی ایک جانب پر دلالت کرنے والی صراحت سے وارد نہیں ہوئی ہے تو ہمیں نظر و فکر سے کام لینے کی ضرورت پیش آئی ہے تو ہم نے دیکھا کہ ہر وہ چیز جس کا خروج حدث بنتا ہے وہ چیز فی نفسہ پاک ہے یا ناپاک، تو ہم نے غور و خوض کر کے دیکھا کہ خروج غائط، خروج بول، خروج دم حیض، خروج دم استحاضہ، خروج دم، خروج مذی یہ سب حدث ہیں اور یہ سب چیزیں فی نفسہ نجاست غلیظہ ہے اور خروج منی بھی بالاتفاق حدث ہے بلکہ اکبر احداث ہے اس لئے منی کی وجہ سے بدن کے ایک ایک بال کو دھونے کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا نفس منی کو بھی غلیظ ترین نجس ہونا چاہیے۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ دفع مشقت کیلئے منی سے طہارت حاصل کرنے کیلئے کھرچ دینے کو کافی قرار دیا گیا ہے یہی امام سے علماء ثلاثہ کا قول ہے۔ (ایضاً)

**الشق الثاني** ...... قال رسول الله ﷺ من اكل لحما فليتوضأ" قال ابو جعفر فذهب قوم الى الوضوء مما غيرت النار واحتجوا في ذلك بهذه الآثار وخالفهم في ذلك آخرون فقالوا: لا وضوء في شئ من ذلك---- وقد فرق قوم بين لحوم الغنم ولحوم الابل---- وخالفهم في ذلك آخرون. (ص ۴۹ ج ۱ باب)

اذكر مصداق قوله "فذهب قوم وخالفهم آخرون" وقوله "وقد فرق قوم وخالفهم آخرون". اذكر دلائل الفقهاء في هاتين المسالتين. اذكر ما رجحه الطحاويؒ عن طريق النظر في كلتا المسالتين.

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل چھ امور ہیں (۱) وضو مما غیرت النار میں قوم و آخرون کا مصداق (۲) فقہاء کے دلائل (۳) نظر طحاوی کی وضاحت (۴) لحم غنم و لحم ابل کے فرق میں قوم و آخرون کا مصداق (۵) فقہاء کے دلائل (۶) نظر طحاوی کی وضاحت۔

**جواب** — ① و ② **وضو مما غیرت النار میں قوم و آخرون کا مصداق اور فقہاء کے دلائل:۔**

كما مرّ في الورقة الخامسة الشق الاول من السوال الاول ۱۴۳۰ھ.

③ **نظر طحاوی کی وضاحت:۔** خلاصہ یہ ہے کہ ہم نے دیکھا کہ آگ سے پکی ہوئی چیزوں کے سلسلے میں علماء نے اختلاف کیا ہے اور اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ وہی چیز اگر آگ میں پکنے سے پہلے کھائی جائے تو وضو نہیں ٹوٹتا ہے تو ہم نے غور کر کے دیکھا کہ کیا آگ کے لئے اشیاء کے اندر کوئی ایسا اثر ہوتا ہے جو اشیاء کے حکم کو دوسری طرف منتقل کر دے تو ہم نے خالص پانی کو دیکھا کہ اس سے طہارت حاصل کر کے فرض ادا کیا جا سکتا ہے۔

پھر ہم نے اس کو دیکھا کہ اگر خالص پانی کو گرم کر دیا جائے تو پانی اپنی اصلی حالت پر باقی رہ جاتا ہے آگ میں پکنے کی وجہ سے اس کا حکم دوسری طرف منتقل نہیں ہوتا ہے اور نہ آگ اس پانی میں کوئی نیا حکم پیدا کرتی ہے بلکہ پانی پہلے حکم پر باقی رہتا ہے تو ایسا ہی

غور وفکر کا تقاضا یہ ہے کہ جب پاک کھانا پکنے سے پہلے اسکا کھانا حدث نہیں ہے تو آگ میں پکنے کے بعد بھی کھانا حدث نہ ہونا چاہیے اور اسے اصلی حکم میں کوئی تغیر نہیں ہونا چاہیے۔ یہی قیاس ونظر کا تقاضا ہے اور یہی ہمارے علماء ثلاثہ کا قول بھی ہے۔

④ لحم غنم ولحم ابل کے فرق میں قوم وآخرون کا مصداق:۔ امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کے نزدیک اونٹ کے گوشت کا کھانا ناقض وضو ہے، دوبارہ وضو کرنا واجب ہے اور بکرے وغیرہ کے گوشت کھانے میں تفصیل یہ ہے کہ کچا گوشت کھانا ان کے نزدیک ناقض وضو نہیں ہے اور پکا ہوا کھانے کی صورت میں ان کے دو قول ہیں جو کہ ماقبل میں گزرے ہیں یہی لوگ وقد فرق قوم کے مصداق ہیں۔ ائمہ ثلاثہ، جمہور فقہاء، محدثین رحمہم اللہ کے نزدیک عام جانوروں کی طرح اونٹ کا گوشت کھانے سے بھی وضو نہیں ٹوٹتا ہے، یہی لوگ وخالفھم فی ذلک آخرون کے مصداق ہیں۔ (ایضاح الطحاوی ج ص ۲۱۹)

⑤ فقہاء کے دلائل:۔ فریق اول کی دلیل حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جس کے اندر اس بات کی وضاحت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کا گوشت کھا کر وضو کا حکم فرمایا تھا اور بکرے کا گوشت کھا کر وضو کا حکم نہیں فرمایا تھا۔ اس روایت کو صاحب کتاب نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے چار سندوں کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔

فریق ثانی کی پہلی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کا گوشت کھا کر وضو کے لئے جو حکم فرمایا ہے اس سے غسل ید مراد ہو، اور اونٹ اور غنم کے گوشت کے درمیان جو فرق کیا گیا ہے وہ اس لئے ہے کہ اونٹ کے گوشت کے اندر چکنائی زیادہ ہوتی ہے اور اس میں ایک خاص قسم کی بو ہوتی ہے اسلئے ازالہ بو کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ منہ دھونے کا حکم فرمایا ہے اور غنم کے اندر اس طرح کی نہ چکنائی اور بو نہیں ہوتی اس لئے اسکے گوشت کو کھا کر وضو یعنی غسل ید وغیرہ کا حکم نہیں فرمایا ہے۔

دوسری دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی صراحت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل ترک وضو ہے جو کہ آگ میں پکی ہوئی چیزوں کے سلسلے میں تھا اور اس حکم کے اندر اونٹ اور دوسرے تمام جانوروں کا گوشت داخل ہے۔ لہذا اونٹ کے گوشت کے لئے علیحدہ حکم ثابت نہیں کیا جا سکتا یہی اس باب کی احادیث شریفہ کو صحیح قرار دینے کے لئے بہترین توجیہ ہے۔ (ایضا)

⑥ نظر طحاوی رحمہ اللہ کی وضاحت:۔ دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اونٹ اور بکرے بہت سے حکم میں یکسانیت کا وجود رکھتے ہیں، مثلاً دونوں کی فروختگی کا جائز ہونا اور دونوں کے دودھ کا حلال ہونا اور دونوں کے گوشت کا پاک ہونا وغیرہ، جب ہر چیز میں دونوں کا حکم یکساں ہے تو نظر کا تقاضا بھی یہی ہوگا کہ گوشت کھا کر وضو میں کوئی فرق نہ آنے میں بھی دونوں کا حکم یکساں ہونا چاہیے۔

## ﴿السوال الثانی﴾ (مؤطا امام مالک) ۱۴۳۱ھ

**الشق الاول** ...... عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ حَاطِبٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَرَجَ فِي رَكْبٍ فِيهِمْ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ حَتّٰى وَرَدُوا حَوْضًا فَقَالَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ لِصَاحِبِ الْحَوْضِ، يَا صَاحِبَ الْحَوْضِ، هَلْ تَرِدُ حَوْضَكَ السِّبَاعُ؟ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَا صَاحِبَ الْحَوْضِ: لَا تُخْبِرْنَا فَإِنَّا نَرِدُ عَلَى السِّبَاعِ وَتَرِدُ عَلَيْنَا. (ص ۱۲ د.ء) شكل الاثر المذكور بالضبط وترجمه الى الاردية اواشرحه بالعربية . اشرح الحديث المذكور شرحا مبسوطا.

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) اثر مذکور پر اعراب (۲) اثر کا ترجمہ (۳) حدیث کی تشریح۔

**جواب** ...... ① اثر مذکور پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

② اثر کا ترجمہ:۔ حضرت یحییٰ بن عبد الرحمن سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (کسی سفر میں) نکلے سواروں کے ساتھ اور ان میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بھی تھے یہاں تک پہنچے وہ لوگ (راستے میں) کسی حوض پر تو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے

حوض کے مالک سے کہا کہ اے حوض والے! کیا تیرے حوض پر درندے آتے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (فوراً) کہا کہ اے حوض والے! ہمیں اس بات کی خبر واطلاع نہ دینا اسلئے کہ ہم درندوں پر آتے جاتے ہیں اور درندے ہم پر آتے جاتے ہیں۔

❹ حدیث کی تشریح:۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک قافلہ کسی منزل کی طرف جارہا تھا کہ اسی دوران نماز کا وقت ہوگیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس حوض کے قریب نماز کیلئے پڑاؤ ڈالا حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس حوض کے مالک سے کہا کہ کیا تمہارے حوض پر درندے اور جانور وغیرہ بھی پانی پینے کیلئے آتے ہیں؟ اگر صورتحال ایسی ہے تو پھر ہم اس پانی سے وضو نہ کریں کیونکہ درندوں کا جھوٹا ناپاک ہے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا سوال سن کر فوراً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے حوض کے مالک! ہمیں اس بات کی اطلاع نہ دینا کیونکہ ہم اس بات کے مکلف نہیں ہیں، اگر ہم نے اس طرح کی تحقیق شروع کردی تو پھر ہم خواہ مخواہ کی تکلیف اور مشقت میں مبتلا ہو جائیں گے۔ ہم حالت سفر میں ہیں اسلئے درندوں کی بات چھوڑو کیونکہ درندے ہمارے پاس آتے جاتے ہیں اور ہم سواری اور گوشت وغیرہ کیلئے انکے پاس آتے جاتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ مستعمل پانی میں اصل طہوریت ہے لہٰذا اس کو استعمال کر سکتے ہیں اور بعض رواۃ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس موقع پر آپ ﷺ کا یہ قول بھی پیش کیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ درندوں کیلئے وہ ہے جو انہوں نے اپنے پیٹوں میں لے لیا اور جو کچھ انہوں نے بچا دیا وہ ہمارے لئے پاک بھی ہے اور پینے کے قابل بھی ہے۔ (خیر التعلیق ص ۲۳۳)

**السؤال الثانی** ...... مَالِكٌ عَنْ عَمِّهِ أَبِيْ سُهَيْلِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّهُ قَالَ: كُنْتُ أَرَى طِنْفِسَةً لِعَقِيْلِ ابْنِ أَبِيْ طَالِبٍ، يَوْمَ الْجُمُعَةِ تُطْرَحُ إِلَى جِدَارِ الْمَسْجِدِ الْغَرْبِيِّ، فَإِذَا غَشِيَ الطِّنْفِسَةَ كُلَّهَا ظِلُّ الْجِدَارِ خَرَجَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَصَلَّى الْجُمُعَةَ قَالَ مَالِكٌ: ثُمَّ نَرْجِعُ بَعْدَ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ فَنَقِيْلُ قَائِلَةَ الضُّحٰى. (ص ۲، ج ۱)

شکل الحدیث وترجمه ترجمة واضحة . اذکر اختلاف العلماء فی وقت الجمعة متی یبتدی ومتی ینتهی؟ اذکر دلائلهم علی ماذهبوا الیه. من هو المراد من "قال مالك"؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ پانچ امور ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) جمعہ کے وقت میں علماء کا اختلاف (۴) ائمہ کے دلائل (۵) قال مالك کی مراد۔

**جواب** ...... ❶ حدیث پر اعراب:۔ کمامرّ فی السوال آنفاً۔

❷ حدیث کا ترجمہ:۔ امام مالک رحمہ اللہ اپنے چچا ابو سہیل سے اور سہیل اپنے والد مالک بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں عقیل بن ابی طالب کی چادر کو دیکھتا تھا کہ ڈالی ہوئی ہوتی تھی مسجد کی مغربی دیوار پر، پس جب ڈھانپ لیتی ساری چادر دیوار کے سائے کو تو نکلتے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور جمعہ کی نماز پڑھاتے۔ کہا مالک نے پھر لوٹتے ہم جمعہ کی نماز کے بعد پس ہم قیلولہ کرتے تھے چاشت کے وقت کی مثل۔

❸ جمعہ کے وقت میں علماء کا اختلاف:۔ جمہور کے نزدیک جمعہ کی نماز کا بھی وہی وقت ہے جو ظہر کی نماز کا ہے یعنی زوالِ شمس سے شروع ہو کر مثل اول یا مثلِ ثانی تک علی القولین، حتیٰ کہ علامہ ابن عبد البر نے قبل الزوال جمعہ کے عدم جواز پر اجماع نقل کیا ہے البتہ حنابلہ کے نزدیک زوال سے پہلے بھی جمعہ کی نماز پڑھنا جائز ہے۔

❹ ائمہ کے دلائل:۔ جمہور کے دلائل: ① حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کان رسول اللہ ﷺ یصلی الجمعة اذا مالت الشمس ای زالت الشمس یعنی رسول اللہ ﷺ جمعہ کی نماز ادا کرتے تھے جبکہ سورج زائل ہو چکا ہوتا تھا۔ ② حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کان رسول اللہ اذا زالت الشمس صلی الجمعه۔ ③ و ④: حضرت سعد وبلال رضی اللہ عنہما

کی احادیث ہیں انہ یؤذن لرسول اللہ ﷺ یوم الجمعۃ اذا کان الفیئ قدر الشراک۔

حنابلہ کی پہلی دلیل: حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کنا نصلی مع رسول اللہ ﷺ ثم ننصرف ولیس للحیطان فیئ یعنی ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ کر لوٹتے تھے حالانکہ دیوار کیلئے کوئی سایہ نہ ہوتا تھا۔

دوسری دلیل: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ما کنا نقیل ولا نتغدی الا بعد الجمعۃ یعنی ہم جمعہ کے بعد قیلولہ بھی کرتے تھے اور کھانا بھی کھاتے تھے اور قیلولہ وکھانا زوال سے پہلے ہی ہوتا ہے گویا ہم زوال سے پہلے جمعہ پڑھنے کے بعد قیلولہ بھی کرتے تھے اور کھانا بھی کھاتے تھے معلوم ہوا کہ قبل از زوال جمعہ کی نماز جائز ہے۔

پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اس میں مطلق سایہ کی نفی نہیں ہے بلکہ ایسے سایہ کی نفی ہے جس سے نفع اٹھایا جائے لہٰذا یہ کوئی سایہ والی دلیل نہیں ہے۔ دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ راوی کا مقصد بتلانا نہیں ہے کہ جمعہ کی نماز قیلولہ سے پہلے ہوتی تھی اور ہمارا قیلولہ اپنے وقت پر ہوتا تھا بلکہ راوی کا مقصد یہ بتلانا ہے کہ ہمارا قیلولہ جمعہ کے دن اپنے وقت معین سے مؤخر ہوتا تھا گویا راوی کا مقصد جمعہ کے وقت کو بیان کرنا نہیں بلکہ قیلولہ کے مؤخر ہونے کو بیان کرنا ہے چونکہ جمعہ کے دن زوال کے بعد والا آرام باقی ایام میں زوال سے پہلے والے آرام کے قائم مقام ہوتا تھا اس وجہ سے اس کو قیلولہ سے تعبیر کر دیا۔ (المسائل والدلائل ص ۳۳۴)

⑤ قال مالک کی مراد:۔ اس سے مراد راوی حدیث ابو سہیل کے والد اور امام مالک کے دادا ابو انس مالک بن ابی عامر اصبحی ہیں۔

## السوال الثالث (مؤطا امام محمد) ۱۴۴۱ھ

**الشق الاول** ......عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال اذا اتی احدکم الجمعۃ فلیغتسل (ص ۔ قدیمی)

هل غسل یوم الجمعة لیوم الجمعة ام لصلاة الجمعة وما هی ثمرة الاختلاف فی هذا الامر۔

﴿خلاصہ سوال﴾...... اس سوال میں غسل کے یوم جمعہ یا صلوٰۃ جمعہ کیلئے ہونے میں اختلاف اور ثمرۂ اختلاف کی تفصیل مطلوب ہے۔

**جواب** ...... غسل کے یوم جمعہ اور صلوٰۃ جمعہ کیلئے ہونے میں اختلاف اور ثمرۂ اختلاف:۔ جمہور علماء ائمہ اربعہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک غسل نماز جمعہ کے لئے ہے امام محمد، حسن بن زیاد اور داؤد ظاہری رحمہم اللہ کے نزدیک غسل یوم جمعہ کے لئے ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ یہ غسل للصلاۃ ہے۔ فرق اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ فریق اول کے نزدیک جس شخص پر جمعہ نہیں ہے اس پر غسل بھی نہیں ہے اور فریق ثانی کے نزدیک غسل کا حکم سب کیلئے ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حدیث حق علی کل مسلم ان یغتسل الخ کا تقاضا عموم ہے اور دوسری حدیث اذا اتی احدکم الجمعۃ فلیغتسل کا تقاضا خصوصیت ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ احادیث اور اقوال ائمہ سے تین غسل ثابت ہیں:

① ہر ہفتہ میں صفائی کیلئے غسل کرنا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے حق اللہ علی کل مسلم ان یغتسل فی کل سبعۃ ایام ۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے علی کل رجل مسلم فی کل سبعۃ ایام غسل یوم هو یوم الجمعۃ یہ غسل ہر مسلمان مرد وعورت کے لئے ہے۔ ② یوم جمعہ کیلئے غسل کرنا حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے من اغتسل یوم الجمعۃ فی طهارۃ الی الجمعۃ الاخری ۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے غسل یوم الجمعۃ واجب علی کل محتلم ۔ ③ نماز جمعہ کے لئے غسل کرنا اسی غسل کے وجوب اور سنیت میں ائمہ کا اختلاف ہے حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مرفوع حدیث ہے من اتی الجمعۃ فلیغتسل۔

الغرض جو شخص نماز جمعہ کے متصل غسل کرے اور تینوں غسلوں کی نیت کرے تو اس کو تینوں غسلوں کا ثواب مل جائیگا (الدرالمختار ج ص ۳۳۳)

**الشق الثانی** ...... عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ أَبِيْ عَلْقَمَةَ عَنْ أُمِّهِ مَوْلَاةِ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ كَانَ النِّسَاءُ يَبْعَثْنَ إِلَى عَائِشَةَ بِالدُّرْجَةِ فِيْهَا الْكُرْسُفُ فِيْهِ الصُّفْرَةُ مِنَ الْحَيْضِ، فَتَقُوْلُ: لَاتَعْجَلْنَ حَتّٰى تَرَيْنَ الْقَصَّةَ الْبَيْضَاءَ تُرِيْدُ بِذٰلِكَ الطُّهْرَ مِنَ الْحَيْضِ۔ (ص ۸۱۔ قدیمی) شکل الحدیث . ترجمہ ترجمة سلسة . انکر الوان الحیض المعتبرۃ عندالعلماء . انکر هل یعتبر التمییز باللون ام لا؟ اکتب جمیع ذلک بالدلائل

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) حیض کے الوان معتبرہ (۴) تمییز بالالوان کے معتبر ہونے میں اختلاف مع الدلائل۔

**جواب** ...... ❶ حدیث پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

❷ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت علقمہ رحمہ اللہ اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں جو ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی تھیں وہ فرماتی ہیں کہ عورتیں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف ڈبیہ بھیجا کرتی تھیں جس میں کرسف ہوتا تھا اس میں دم حیض کی زردی ہوتی تھی اور وہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نماز کے متعلق سوال کرتی تھیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان سے فرماتی کہ جلدی نہ کریں حتی کہ وہ بالکل سفیدی نہ دیکھ لیں اور وہ اس سے حیض سے پاک ہونا مراد لیتی تھیں۔

❸ حیض کے الوان معتبرہ:۔ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک حیض کے چھ رنگ ہیں سواد، حمرۃ، صفرۃ، خضرۃ، کدرۃ، تربیۃ (سیاہ، سرخ، زرد، سبز، گدلا، مٹیالا)۔

❹ تمییز بالالوان کے معتبر ہونے میں اختلاف مع الدلائل:۔ حنفیہ اور سفیان ثوری رحمہم اللہ کے نزدیک رنگ کے ذریعہ تمییز معتبر نہیں ہے بلکہ صرف عادت کا اعتبار ہے۔ امام مالک کے نزدیک صرف تمییز معتبر ہے۔ امام شافعی وامام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک تنہا تنہا دونوں کا اعتبار ہے البتہ اگر کسی عورت میں یہ دونوں باتیں جمع ہو جائیں تو امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک رنگ معتبر ہے اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک عادت معتبر ہے۔ الغرض ائمہ ثلاثہ کے نزدیک رنگ معتبر ہے اور حنفیہ کے نزدیک معتبر نہیں ہے۔

حنفیہ کے دلائل: ① آیت کریمہ ہے **قل هو اذی** اس میں حیض کے ہر رنگ کے خون پر اذی کا لفظ بولا گیا ہے ② بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے **قال النبی ﷺ لفاطمة بنت ابی حبیش دعی الصلوة قدر الایام التی کنت تحیضین فیها** اس میں ایام کے ساتھ اندازے کا حکم ہے کوئی رنگ وغیرہ کا ذکر نہیں ہے ③ سوال میں مذکور حدیث ہے کہ سفیدی کے دیکھنے تک جلدی نہ کریں معلوم ہوا کہ سفیدی کے علاوہ ہر رنگ کا خون حیض ہو سکتا ہے ④ یہ کہ نفاس حیض کا ہی بقیہ ہے اور نفاس میں بالاتفاق رنگ معتبر نہیں ہے اور حیض ونفاس بقیہ احکام میں برابر ہیں لہذا اس حکم میں بھی برابر ہونے چاہئیں اور نفاس کی طرح حیض میں بھی رنگ معتبر نہیں ہونا چاہیے۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی پہلی دلیل: ابوداؤد میں حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا کی روایت ہے **انها کانت تستحاض فقال لها النبی ﷺ اذا کان دم الحیض فانه دم اسود یعرف فاذا کان ذلک فامسکی عن الصلوة۔**

حنفیہ کی طرف سے پہلا جواب یہ ہے کہ ابوداؤد نے اسکے ضعف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اسکی سند میں اضطراب ہے ابو حاتم نے اس کو منکر، ابن القطان نے منقطع کہا ہے لہذا مذکورہ صحیح احادیث کے مقابلہ میں یہ حجت نہیں ہے۔ (درس ترمذی ج ۱ ص ۳۶۳)

دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حال وحی سے معلوم ہو گیا ہوگا تو یہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیت پر محمول ہے۔

دوسری دلیل: اقبال وادبار والی احادیث کثیرہ ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مرفوع حدیث ہے فاذا اقبلت الحیضۃ فدعی الصلوٰۃ
حنفیہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ اقبال وادبار والی احادیث میں رنگ وعادت دونوں کا احتمال ہے مگر مراد عادت ہے کیونکہ دوسری
جگہ ولکن دعی الصلوٰۃ قدر الایام التی کنت تحیضین فیہا کے الفاظ ہیں لہٰذا ان روایات سے استدلال درست نہیں ہے۔
نیز حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک بھی معتادہ تھیں مگر ان کی حدیث میں بھی اسی طرح کے الفاظ ہیں۔
پس معلوم ہوا کہ تمییز بالالوان معتبر نہیں ہے۔

## ﴿الورقة السادسة: شرح معانی الآثار والموطین﴾

## ﴿السوال الاول﴾ (شرح معانی الآثار) ۱۴۳۲ھ

**الشق الاول** ......عن عروة انه تذاكر هو ومروان الوضوء من مس الفرج فقال مروان حدثتني بسرة بنت صفوان انها سمعت رسول الله ﷺ يامر بالوضوء من مس الفرج، فكان عروة لم يرفع بحديثها رأسا فارسل مروان اليها شرطيا فرجع فاخبرهم انها قالت سمعت رسول الله ﷺ يامر بالوضوء من مس الفرج فذهب قوم الى هذا الاثر واوجبوا الوضوء من مس الفرج وخالفهم في ذلك آخرون.

ترجم العبارة واضحا . اذكر مذاهب العلماء في مس الفرج هل ينتقض بذلك الوضوء ام لااذكر دلائلهم . اذكر مااجاب به الطحاويؒ عن مستدلات الخصوم وماذكره عن طريق النظر. (ص۵۳۔ج۱۔رحمانیہ)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حاصل تین امور ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) مس فرج کے ناقض وضو ہونے میں ائمہ کے مذاہب مع الدلائل ودلائل کا جواب (۳) نظر طحاوی رحمہ اللہ کی وضاحت۔

**جواب** ...... ❶ عبارت کا ترجمہ:۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ وہ اور مروان بن حکم مس ذکر کی وجہ سے وضو کے واجب ہونے کے متعلق مذاکرہ کررہے تھے تو مروان نے کہا کہ مجھے حضرت بسرہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا نے حدیث بیان کی کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو وضو من مس الفرج کا حکم دیتے ہوئے سنا اور عروہ رضی اللہ عنہ نے مروان کی اس حدیث کی وجہ سے سر ہی نہ اٹھایا تو مروان نے ایک شرطی (پولیس) کو حضرت بسرہ رضی اللہ عنہا کی طرف بھیجا اور وہ واپس آیا تو اس نے آکر خبر دی کہ حضرت بسرہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو مس فرج کی وجہ سے وضو کا حکم دیتے ہوئے سنا ہے۔

❷، ❸ مس فرج کے ناقض وضو ہونے میں اختلاف مع الدلائل اور نظر طحاویؒ کی وضاحت:۔

کمامرّ فی الشق الثانی من السوال الاوّل ۱۴۳۰ھ. (الورقة الاولیٰ)

**الشق الثانی** ......عن علی ان النبی ﷺ قال فی الرضیع یغسل بول الجاریة وینضح بول الغلام؟ ماهو حكم بول الغلام الرضيع؟هل هو نجس ام لا . ماحكمه اذا اصاب ثوبا اوبدنا هل يجب غسله لم يكفی له النضح؟ مامعنى "النضح" الوارد فی الحديث عند الحنفية ومالدليل على ذلك؟ اذكر ماذكره الطحاوی عن طريق النظر لتأييد مذهب الامام ابی حنيفة". (ص۶۸۔ج۱۔رحمانیہ)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں (۱) رضیع کے بول کا حکم (۲) بول رضیع کی وجہ سے کپڑے یا بدن کے غسل یا نضح کا حکم (۳) نضح کا معنی اور دلیل (۴) نظر طحاوی رحمہ اللہ کی وضاحت۔

**جواب** ...... ❶ رضیع کے بول کا حکم:۔ داؤد ظاہری، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے ایک قول کے مطابق بول غلام پاک

ہے اور بول جاریہ ناپاک ہے۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کا قول ثانی اور امام ابوحنیفہ، امام مالک رحمہما اللہ اور جمہور فقہاء و محدثین کا مذہب یہ ہے کہ بول غلام اور جاریہ دونوں نجس ہیں۔ (ایضاح الطحاوی ج ا ص ۲۶۵)

❷ **بول رضیع کی وجہ سے کپڑے یا بدن کے غسل یا نضح کا حکم:۔** بول غلام و بول جاریہ سے طہارت کی کیا صورت ہے؟ امام مالک، امام شافعی رحمہما اللہ کا ایک قول امام احمد بن حنبل، اسحق بن راہویہ، امام زہری اور ابن وہب رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ بول غلام سے طہارت صرف چھینٹا مارنے سے حاصل ہو جاتی ہے اور بول جاریہ سے اہتمام کے ساتھ دھونا واجب ہے یہی لوگ کتاب کے اندر قذ ہب قوم کے مصداق ہیں۔

امام مالک و امام شافعی رحمہما اللہ کا غیر مشہور اور امام اوزاعی رحمہ اللہ کے نزدیک بول غلام اور بول جاریہ دونوں میں چھینٹا مارنا کافی ہے۔ اس مذہب کو سابقہ مذہب کے ساتھ لاحق کر کے فریق اول قرار دیا جائے گا تاکہ آئندہ بحث کرنے میں آسانی ہو۔

امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری، ابراہیم نخعی، حسن بن حی اور جمہور فقہاء رحمہم اللہ کے نزدیک بول غلام اور بول جاریہ دونوں سے طہارت کیلئے غسل واجب ہے یہی لوگ کتاب کے اندر **خالفهم فی ذلك آخرون** کے مصداق ہیں اب ہم ان کو فریق ثانی قرار دیں گے۔

فریق اول کی دلیل: شروع باب کی وہ حدیث شریف ہے جس کے اندر بول غلام کے لئے نضح کا لفظ اور بول جاریہ کے لئے غسل کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کہ بول غلام میں حضور ﷺ نے چھینٹا مارنے کا حکم فرمایا ہے اور بول جاریہ میں غسل کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ صاحب کتاب نے اس حدیث کو باب کے شروع میں چھ صحابہ رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے۔

فریق ثانی کی طرف سے اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ نضح کا معنی یہاں پر چھینٹے مارنا نہیں ہے بلکہ صب یعنی پانی بہانا ہے۔

فریق ثانی (بول غلام اور جاریہ دونوں سے طہارت کیلئے غسل واجب ہے) کی پہلی دلیل اجلہ تابعین حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ کا قول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جو پیشاب ایک لائن کے ساتھ گرتا ہے اس کے اوپر سے اسی طرح پانی گزارنے سے پاک ہو جاتا ہے اور جو پیشاب وسیع اور کئی لائنوں سے گرتا ہے، پیشاب چاہے کسی کا بھی ہو اسکے اوپر پانی بھی اسی طرح گرانا ہوگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سعید بن المسیب رحمہ اللہ کے نزدیک ہر پیشاب ناپاک ہے چاہے غلام کا ہو یا جاریہ کا۔ لیکن ان دونوں کی طہارت میں مخرج کے تنگ ہونے اور وسیع ہونے کے اعتبار سے کچھ فرق کیا ہے نیز حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا فتویٰ یہ ہے کہ بول جاریہ کو اہتمام کے ساتھ دھویا جائے اور بول غلام کو جہاں لگا ہے وہ تلاش کر کے دھویا جائے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بول جاریہ اور بول غلام دونوں ناپاک ہیں اور دونوں سے پاکی حاصل کرنے سے غسل لازم ہے۔ دوسری دلیل مابعد میں نظر طحاوی رحمہ اللہ کے ضمن میں آئے گی۔ (ایضاح الطحاوی ج ا ص ۲۶۶)

❸ **نضح کا معنی اور دلیل:۔** عند الحنفیہ اس حدیث مبارک میں نضح کا معنی چھینٹے مارنا نہیں بلکہ **صب الماء** یعنی فقط پانی بہانا ہے اور اس پر متعدد دلائل ہیں۔ ① **قول النبی ﷺ انی لاعرف مدینة ینضح البحر بجانبها** یہاں پر نضح بمعنی صب ہے اسلئے کہ دریا کا پانی مذکورہ شہر کے کنارے پر چڑھ جاتا ہے نہ کہ پانی کا چھینٹا کنارے پر پڑتا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے **نضح** بول کو صب مراد لیا ہے ② حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کے پاس بچوں کو لایا جاتا تھا تاکہ حضور ﷺ ان کیلئے دعا کریں تو ایک مرتبہ ایک بچے نے حضور ﷺ پر پیشاب کر دیا تو حضور ﷺ نے فرمایا **صبوا علیه الماء صبًا** یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں کہ جن سے ماقبل میں حدیث **تحنیك** گزری ہے جسکے اندر بچہ کے پیشاب سے طہارت کیلئے نضح کا لفظ آیا ہے لہٰذا وہاں پر نضح بمعنی صب کے ہوگا ③ حضرت ابولیلیٰ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ پر پیشاب کر دیا تو لوگوں نے جلدی سے ان کو لینے کا ارادہ کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا امیر ابنا! امیر ابنا! امیر ابنا!! کوئی

حرج نہیں ہے۔ پیشاب کرنے دو فلما فرغ من بوله صَبَّ علیه الماء جب وہ پیشاب سے فارغ ہو گئے تو اس پر پانی بہا دیا۔ یہاں بھی نضح کی جگہ پر صب کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ حدیث الباب میں نضح صب کے معنی میں ہے۔ (ایضاً)

❹ نظرِ طحاویؒ کی وضاحت:۔ دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ غلام اور جاریہ کے پیشاب کے متعلق کھانا شروع کرنے کے بعد بالاتفاق یہ حکم ہے کہ دھویا جائے اور دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے تو جب کھانا شروع کرنے کے بعد دونوں کا حکم یکساں ہے تو کھانا شروع کرنے سے پہلے بھی دونوں کا حکم یکساں ہونا چاہیے۔ لہٰذا فرق کرنا صحیح نہ ہوگا۔ (ایضاً ص ۱۳۷)

## ﴿السوال الثانی﴾ (مؤطا امام مالکؒ) ۱۴۳۲ھ

**الشق الاول**...... عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ بَعَثَهُ مُصَدِّقًا فَكَانَ يَعُدُّ عَلَى النَّاسِ بِالسَّخْلِ فَقَالُوْا أَتَعُدُّ عَلَيْنَا بِالسَّخْلِ وَلَا تَأْخُذُ مِنْهُ شَيْئًا فَلَمَّا قَدِمَ عَلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ عُمَرُ: نَعَمْ نَعُدُّ عَلَيْهِمْ بِالسَّخْلَةِ يَحْمِلُهَا الرَّاعِيْ وَلَا نَأْخُذُهَا وَلَا نَأْخُذُ الْأَكُوْلَةَ وَلَا الرُّبَّا وَلَا الْمَاخِضَ وَلَا فَحْلَ الْغَنَمِ وَنَأْخُذُ الْجَذَعَةَ وَالثَّنِيَّةَ وَذٰلِكَ عَدْلٌ بَيْنَ غِذَاءِ الْغَنَمِ وَخِيَارِهٖ۔ ترجم الاثر واضبطه بالشكل. حقق الكلمات المعلمة.

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں۔(۱) اثر کا ترجمہ (۲) اثر پر اعراب (۳) خط کشیدہ کلمات کی تحقیق۔

**جواب**...... ❶ اثر کا ترجمہ:۔ سفیان بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے انہیں زکوٰۃ وصول کرنے کیلئے روانہ فرمایا تو وہ لوگوں کے بڑے مویشیوں کے ساتھ بچوں کو بھی شمار کرتے تھے تو لوگوں نے عرض کیا کہ تم بچوں کو زکوٰۃ کی گنتی میں تو شمار کر لیتے ہو اور ان کے ذریعے زکوٰۃ وصول نہیں کرتے، جب وہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے اس بات کا تذکرہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جی ہاں ہم بچوں کو شمار کرتے ہیں حتیٰ کہ اس بچے کو بھی شمار کرتے ہیں جسے چرواہا اٹھا کر چلتا ہے مگر اسے بھی ہم زکوٰۃ میں وصول نہیں کرتے اور نہ ہم موٹا تازہ جانور وصول کرتے ہیں اور نہ ہی حاملہ وصول کرتے ہیں اور نہ ہی نر بکرا وصول کرتے ہیں بلکہ ہم ایک سالہ اور دو سالہ وہ بکری وصول کرتے ہیں اور یہ کمزور بکریوں اور بہترین بکریوں کے درمیان عدل (درمیانے جانور) ہے۔

❷ اثر پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفاً۔

❸ خط کشیدہ کلمات کی تحقیق:۔ "خِيَارٌ" یہ جمع ہے اس کا مفرد خَيْرٌ (اسم تفضیل) ہے بمعنی افضل و بہتر۔

"اَلسَّخْلَةُ" یہ مفرد ہے اس کی جمع سَخْلٌ، سِخَالٌ، سُخْلَانٌ، سِخَلَةٌ ہے بمعنی بکری کا چھوٹا بچہ۔

"اَلْاَكُوْلَةُ" وہ بکری جو کھانے کے لئے موٹی کی جائے یا بھیڑیے کے شکار کے لئے کھڑی کی جائے۔

"اَلرُّبَّا" یہ مفرد ہے اس کی جمع رِبَاب ہے بمعنی وہ بکری جو اپنے بچے کو دودھ پلا رہی ہو۔

"اَلْمَاخِضُ" صیغہ واحد مذکر بحث اسم فاعل از مصدر مَخَاضًا بمعنی درد زہ میں مبتلا ہونا۔ حاملہ بکری۔

"فَحْلَ الْغَنَمِ" بمعنی نر بکرا۔ مصدر فَحْلًا (ف) بمعنی جفتی کیلئے عمدہ سانڈ اختیار کرنا۔

"اَلْجَذَعَةُ" وہ اونٹ جو پانچویں سال میں ہو۔ وہ گائے، بھینس، بکری اور بھیڑ جو دوسرے سال میں ہو۔

"اَلثَّنِيَّةُ" یہ مفرد ہے اس کی جمع ثَنَايَا ہے بمعنی سامنے کے اوپر والے دو دانت۔ وہ جانور جس کے سامنے کے دو دانت گرے ہوئے ہوں۔ "غِذَاءٌ" یہ جمع ہے اس کا مفرد غَذِيٌّ ہے بمعنی ردّی و کمزور بکری۔

**الشق الثانی**...... عن عبدالله بن عمر انه قال ذكر عمر بن الخطاب لرسول الله ﷺ انه تصيبه الجنابة من الليل فقال له رسول الله ﷺ توضأ واغسل ذكرك ثم نم عن نافع ان عبدالله بن عمر كان اذا

اراد ان ینام او یطعم وھو جنب غسل وجھه ویدیه الی المرفقین ومسح برأسه ثم طعم او نام۔ (ص۳۲،ار ضی)

انکر مرجع الضمیر الغائب فی قوله "انه تصیبه الجنابة من اللیل"۔ ماھو حکم الوضوء للجنب اذا اراد ان یاکل او یشرب او ینام؟ انکر بدلائل الفقها۔ ھل بین الحدیثین تعارض؟ ان کان فیھما التعارض فکیف رفعه۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) ضمیر غائب کا مرجع (۲) جنبی کیلئے کھانے، پینے اور سونے کے وقت وضو کا حکم (۳) احادیث میں تطبیق۔

**جواب** ...... ❶ **ضمیر غائب کا مرجع:۔** اس عبارت میں تصیبه کی ضمیر غائب کا مرجع حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ضمیر اقرب کی طرف نہیں بلکہ ابعد کی طرف لوٹ رہی ہے۔ (الدر المنضود)

سوال ہوتا ہے کہ جب مرجع حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں تو پھر آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کیسے ارشاد فرمایا توضأ واغسل ذکرك (ضمیر خطاب کے ساتھ)۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی اس مجلس میں موجود ہوں تو آپ ﷺ نے انکو خطاب کرتے ہوئے ہی یہ جملہ ارشاد فرمایا ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ سائل حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے اس وجہ سے آپ ﷺ نے انکو خطاب کرتے ہوئے سوال کا جواب دیدیا کہ ایسی صورت میں غسل ذکر کے بعد وضو کرو۔

❷ **جنبی کیلئے کھانے، پینے اور سونے کے وقت وضو کا حکم:۔** جمہور کے نزدیک سونے سے پہلے وضو کرنا واجب نہیں ہے محض مستحب ہے اسی طرح کھانے پینے سے پہلے ہاتھ دھونا اور کلی کرنا مستحب ہے وضو کرنا ضروری نہیں ہے اسی طرح جماع کے بعد دوبارہ جماع کرنے کے لئے بھی وضو کرنا مستحب ہے۔

مالکیہ میں سے ابن حبیب مالکی اور اہل ظواہر کا مذہب یہ ہے کہ جنبی کیلئے سونے سے پہلے وضو کرنا واجب ہے اور جماع کے بعد دوبارہ جماع کیلئے بھی ابن حبیب مالکی، داؤد ظاہری، عطاء بن رباح، حسن البصری، محمد بن سیرین اور حضرت عکرمہ کے نزدیک وضو کرنا واجب ہے۔

جمہور کی دلیل: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ سے سوال کیا أینام احدنا وھو جنب؟ کہ کیا ہم میں سے کوئی جنابت کی حالت میں سو سکتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا نعم ویتوضأ ان شاء۔

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حالت جنابت میں فقط دونوں ہاتھوں کو دھو کر کھانا کھالیا کرتے تھے۔

قائلین وجوب کی دلیل: یہ حدیث ہے توضأ واغسل ذکرك۔

جواب یہ ہے کہ یہ امر وجوب کے لئے نہیں ہے بلکہ استحباب کیلئے ہے، اگر امر وجوب کے لئے ہوتا تو پھر آنحضرت ﷺ جنبی ہونے کی حالت میں کبھی بھی بغیر وضو نہ سوتے اور اسی طرح کبھی بھی بغیر وضو کچھ نہ کھاتے پیتے، حالانکہ آپ ﷺ سے بغیر وضو سونا اور کھانا پینا ثابت ہے، معلوم ہوا کہ امر استحباب کیلئے ہے۔ (الدر المنضود ج ۱ ص ۳۳۹، ص ۳۵۱، درس ترمذی ج ۱ ص ۳۵۱)

❸ **احادیث میں تطبیق:۔** بظاہر احادیث میں تعارض معلوم ہوتا ہے، اسلئے کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنبی کھانے کے لئے فقط ہاتھ دھوئے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنبی کھانے سے پہلے وضو کرے۔

تطبیق: ① وضو سے مراد وضو لغوی ہے یعنی ہاتھ وغیرہ دھونا، وضو اصطلاحی مراد نہیں ہے۔ ② جہاں فقط ہاتھ دھونے کا ذکر ہے وہ بیان رخصت ہے اور جہاں وضو کا ذکر ہے وہ بیان عزیمت ہے۔ ③ آپ ﷺ بعض اوقات وضو فرماتے اور بعض اوقات محض ہاتھ دھوتے تھے۔ لہذا روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ (الدر المنضود ج ۱ ص ۳۵۰)

## ﴿السوال الثالث﴾ (مؤطا امام محمد) ۱۴۳۲ھ

**الشق الاول** ...... باب: الخلع کم یکون من الطلاق؟ عن أم بکر الاسلمیة انها اختلعت من زوجها عبدالله بن اسید، ثم اتیا عثمان بن عفان فی ذلک فقال: هی تطلیقة الا ان تکون سمت شیئا فهو علی ماسمت۔

ترجم العبارة ثم اشرحها عرف الخلع لغة وشرعا اذکر اقوال العلماء فی ان الخلع تطلیقة أم لا؟ مع دلائلهم.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں۔ (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) عبارت کی تشریح (۳) خلع کی لغوی وشرعی تعریف (۴) خلع کے طلاق ہونے یا نہ ہونے میں علماء کے اقوال مع الدلائل۔

**جواب** ...... ❶ **عبارت کا ترجمہ:۔** یہ باب خلع کے بیان میں ہے کہ وہ کتنی طلاق ہے: ام بکر اسلمیہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے زوج عبداللہ بن اسید سے خلع لیا، پھر وہ دونوں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس اس معاملے میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا کہ خلع ایک طلاق ہے مگر یہ کہ عورت کچھ ذکر کردے تو وہ اس کے ذکر کے مطابق ہے۔

❷ **عبارت کی تشریح:۔** حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ خلع ایک طلاق ہے البتہ اگر عورت نے تین طلاق کا ذکر کیا یا تین طلاق کی نیت کی تو پھر اس کے ذکر یا اس کی نیت کے مطابق تین طلاق ہی واقع ہوں گی۔

❸ **خلع کی لغوی وشرعی تعریف:۔** خلع کا لغوی معنی نزع واتارنا ہے اور اصطلاحی طور پر مختلف تعریفیں منقول ہیں۔ هو فراق الرجل امرأته علی عوض یحصل له۔ هو مفارقة الرجل امرأته علی مال۔ هو ازالة الزوجیة بما یعطیه من المال۔ ان تمام تعریفوں کا حاصل یہ ہے کہ شوہر بیوی کو کسی چیز کے عوض چھوڑ دے اور اپنی زوجیت سے اس کو نکال دے یہ خلع کہلاتا ہے۔

❹ **خلع کے طلاق ہونے یا نہ ہونے میں علماء کے اقوال مع الدلائل:۔** امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور جمہور علماء کے نزدیک خلع سے ایک طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی اور دوبارہ نئے نکاح کی صورت میں ہی وہ عورت اس کے لئے حلال ہوگی۔ امام شافعیؒ کا صحیح قول اور امام احمدؒ کی ایک روایت بھی یہی ہے۔ ظاہریہ کے نزدیک خلع طلاق رجعی کے حکم میں ہے نئے نکاح کے بغیر شوہر بیوی سے رجوع کرسکتا ہے۔ امام احمدؒ، امام اسحاقؒ اور ابوثورؒ کے نزدیک خلع فسخ نکاح ہے۔

امام شافعیؒ سے ایک روایت یہ منقول ہے کہ اگر شوہر نے خلع سے طلاق کا ارادہ نہیں کیا تو فرقت وجدائی واقع نہ ہوگی اور کتاب الام میں امام شافعیؒ نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ علامہ تقی الدین سبکیؒ نے اس کو قوی قرار دیا ہے اور محمد بن نصر مروزیؒ نے فرمایا کہ امام شافعیؒ کا یہ آخری قول ہے۔ (کشف الباری کتاب النکاح)

(امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے جدید قول میں خلع طلاق ہے اور امام احمدؒ کا مشہور قول اور امام شافعیؒ کا قدیم قول یہ ہے کہ خلع فسخ نکاح ہے۔ جمہور کی دلیل: ① عن ابن عباسؓ ان امرأة ثابت ابن قیس اتت النبی ﷺ قال رسول الله ﷺ اقبل الحدیقة وطلقها تطلیقة (بخاری)۔ ② عن ابن عباسؓ ان النبی ﷺ جعل الخلع تطلیقة بائنة (دار قطنی، بیہقی)۔ ③ خلفائے ثلاثہ حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے بھی یہی منقول ہے۔

امام احمدؒ کی دلیل: حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے ان امرأة ثابت ابن قیس اختلعت من زوجها علی عهد النبی ﷺ فامرها ان تعتد بحیضة (ترمذی، ابوداؤد)۔ اس روایت میں خلع والی عورت کی عدت ایک حیض قرار دی گئی ہے اگر خلع طلاق ہوتا تو اس کی عدت تین حیض ہوتی۔ جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ حیضة میں تاء وحدت کی نہیں ہے بلکہ اسم جنس ہے جو قلیل وکثیر پر ثابت آتا ہے۔ (المسائل والدلائل ص ۵۴۳))

**الشق الثانی** ...... عن جابر بن عبدالله انه سئل عن العمامة، فقال: لا حتی یمس الشعر الماء قال محمد

ویہذا ناخذ وھو قول ابی حنیفۃ. (ص ۳۰۔ ج۱۔ قدیمی) اقول یجوز المسح علی العمامۃ. اذکر مذاہب الائمۃ بدلائلھم.

**جواب** ...... **مسح علی العمامہ کا حکم اور ائمہ کے دلائل:۔** امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، سفیان ثوری، اوزاعی، ابوثور اور محمد بن خزیمہ رحمہم اللہ کے نزدیک عمامہ پر مسح کرنے سے فرضیت ادا ہو جاتی ہے۔ ائمہ ثلاثہ و جمہور محدثین رحمہم اللہ کے نزدیک عمامہ پر مسح کرنے سے فرضیت ادا نہیں ہوتی۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سر پر مسح کرنے کے بعد عمامہ پر مسح کرنا مسنون ہے۔

ائمہ کے دلائل: قائلین جواز کی دلیل حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث ہے جس میں عمامہ پر مسح کرنا ثابت ہے۔

جمہور رحمہم اللہ کی دلیل: آیت کریمہ وامسحوا برؤسکم ہے اس میں سر پر مسح کرنے کا حکم ہے۔

جمہور کی طرف سے حدیث مغیرہ کا پہلا جواب یہ ہے کہ جس حدیث میں عمامہ پر مسح کا ذکر ہے اس میں ناصیہ پر بھی مسح کا ذکر ہے لہٰذا فقط عمامہ پر مسح کو ادائے فرضیت کیلئے کافی قرار دینا درست نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر ہی پر مسح کیا تھا مگر بعد میں جب عمامہ درست کرنے لگے تو دیکھنے والا یہ سمجھا کہ شاید عمامہ پر مسح کیا ہے حالانکہ فی الواقع عمامہ پر مسح نہیں کیا تھا۔ (ایضاح الطحاوی ص ۳۳۶)

## ﴿الورقۃ السادسۃ: شرح معانی الآثار والمؤطین﴾

## ﴿السوال الاول﴾ (شرح معانی الآثار) ۱۴۳۳ھ

**الشق الاول** ...... عن ابن عمر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لایقرأ الجنب ولا الحائض القرآن. (ص ۶۶۔ ج۱۔ رحمانیہ)

ھل یجوز الذکر للمحدث. ملعو الاختلاف فی حکم القرأۃ للجنب والحائض. انکر دلائل الائمۃ فی المسألتین.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) محدث کیلئے ذکر کا حکم (۲) جنبی اور حائضہ کی تلاوت میں اختلاف (۳) فریقین کے دلائل۔

**جواب** ...... ❶ و ❷ **محدث جنبی اور حائضہ کے ذکر و تلاوت میں اختلاف:۔** اس مسئلہ میں چار مذاہب ہیں ① ابن المنذر، امام بخاری اور داؤد ظاہری کے نزدیک محدث، حائض اور جنبی کیلئے ہر حال میں تمام اذکار اور تلاوت قرآن کریم جائز ہے۔ (درس ترمذی)
② حسن بصری، عکرمہ، مجاہد اور عطاء وغیرہ کے نزدیک خواہ حدث اصغر کی حالت ہو یا حدث اکبر کی حالت ہو بہر صورت سب ممنوع ہے، گویا انکے نزدیک ذکر و تلاوت وغیرہ ان میں سے کسی ایک کیلئے بھی جائز نہیں ہے ③ امام حمید اور اہل حدیث کے نزدیک سلام کے علاوہ باقی تمام اذکار یعنی سلام کا جواب دینا، دیگر اذکار اور تلاوت قرآن کریم کیلئے طہارت حاصل کرنا لازم ہے۔ البتہ سلام کا جواب دینے کیلئے پانی کے موجود ہونے کے باوجود تیمم کفایت کر جائیگا کیونکہ وضو کرتے کرتے سلام کرنے والے کا غائب ہونا ممکن ہے اسی صورت میں سلام کا جواب فوت ہو جائیگا اور اسکی تلافی ممکن نہیں ہے ④ ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک حدث اصغر و اکبر ہر حال میں سلام کرنا، جواب دینا اور دیگر تمام اذکار جائز ہیں البتہ حدث اکبر میں جنبی اور حائض کے لئے صرف تلاوت قرآن کریم ناجائز ہے البتہ حنفیہ کے نزدیک تلاوت کے ارادہ کے بغیر ٹکڑے ٹکڑے کر کے قرآن کریم پڑھنا بھی جائز ہے۔ (ایضاح الطحاوی ج۱ ص ۲۵۱)

❸ **فریقین کے دلائل:۔** مذہب اول کی دلیل: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کان رسول اللہ یذکر اللہ عزوجل علی کل احیانہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام اوقات میں ذکر اللہ کرتے تھے اور ذکر اللہ میں تعمیم ہے تلاوت ہو یا ذکر ہو۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں ذکر سے تلاوت کے ماسوا مراد ہے کیونکہ عرف میں تلاوت کو ذکر نہیں کہا جاتا۔

نیز علی کل احیانہ میں تعمیم نہیں ہے بلکہ مِن طہارت مراد ہے یا مِن حدث اصغر مراد ہے اور اس پر قرینہ حدیث علی رضی اللہ عنہ ہے۔

مذہب ثانی کی دلیل: حضرت مہاجر بن قنفذ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے بعد وضو کیلئے جا رہے تھے

کہ آپ ﷺ نے میرے سلام کا جواب نہ دیا اور وضوء کے بعد ارشاد فرمایا کہ میں بغیر طہارت کے ذکر اللہ کو مکروہ سمجھتا ہوں اسلئے جواب نہ دیا تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے وضوء کے بعد سلام کا جواب دیا، معلوم ہوا کہ بغیر طہارت ذکر اللہ وغیرہ کچھ بھی جائز نہیں ہے۔

مذہب ثالث کی دلیل: حضرت ابن عباس، ابن عمر اور ابوالجہیم ﷺ کی احادیث ہیں کہ آپ ﷺ نے سلام کا جواب جلدی سے تیمم کر کے دیا تاکہ جواب فوت نہ ہو جائے۔ نیز جس طرح پانی کی موجودگی میں جنازہ اور عیدین کے فوت ہونے کے خوف سے تیمم جائز ہے اسی طرح سلام کے جواب کیلئے بھی تیمم جائز ہے کیونکہ اس کی بھی قضاء نہیں ہے پس معلوم ہوا کہ بغیر طہارت ذکر اللہ جائز نہیں ہے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ سلام کا جواب فوت ہونے کے خوف سے جنازہ وعیدین کی طرح تیمم جائز ہے۔

ان دونوں مذاہب کے دلائل کا پہلا جواب یہ ہے کہ یہ سب روایات آیت وضوء سے منسوخ ہیں جیسا کہ آیت وضوء کے شان نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علقمہ ﷺ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ قضاء حاجت کے بعد وضوء سے پہلے اور جنابت کے بعد غسل سے پہلے ہم سے کلام نہ کرتے تھے حتی کہ آیت وضوء نازل ہوگئی کہ جب نماز کے لئے اٹھو تو پھر وضوء واجب ہے، معلوم ہوا کہ ذکر اللہ اور سلام کا جواب دینے کے لئے وضوء اور طہارت واجب نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس اور ابن عمر ﷺ بغیر وضوء کے تلاوت کرتے تھے گویا راوی کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہے معلوم ہوا کہ یہ روایات منسوخ ہیں۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ اولویت پر محمول ہے کہ بہتر و اولی یہ ہے کہ وضوء کرے ورنہ بغیر وضوء بھی ذکر و تلاوت جائز ہے۔

مذہب رابع یعنی ائمہ اربعہ اور جمہور کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علی ﷺ قضاء حاجت کے بعد وضوء سے پہلے قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ آنحضرت ﷺ قضاء حاجت کے بعد وضوء سے پہلے ہمیں قرآن کریم سکھلاتے تھے اور حالت جنابت کے علاوہ ہر حال میں قرآن کریم پڑھتے اور پڑھاتے تھے، معلوم ہوا کہ جنبی اور حائض کے لئے تلاوت جائز نہیں ہے ان کے علاوہ سب کے لئے ذکر و تلاوت وغیرہ سب کچھ جائز ہے۔ نیز کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو اللہ کا مومن بندہ حالت طہارت میں اللہ کا ذکر کرتے ہوئے سو جائے پھر سونے سے بیدار ہو کر طہارت سے پہلے دنیا و آخرت کے امور میں اللہ تعالی سے مانگے تو اللہ تعالی اس کو ضرور عطا کریں گے اور اللہ سے مانگنا ذکر اللہ ہے، معلوم ہوا کہ حالت حدث میں ذکر اللہ جائز ہے۔ (ایضاً)

**الشق الثانی** ...... عن اوس بن ابی اوس قال: رأیت ابی توضأ ومسح علی نعلین له، فقلت له اتمسح علی النعلین؟ فقال: رأیت رسول الله ﷺ یمسح علی النعلین — قال ابوجعفر: فذهب قوم الی المسح علی النعلین...... وخالفهم فی ذلك آخرون. (ص۱۰۸، ج۱، رحمانیہ) من هم المجوزون للمسح علی النعلین ومن هم المخالفون؟ اذکر ادلتهم. اشرح النظر الذی ذکره الطحاوی فی هذه المسألة.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) مسح علی النعلین کے مجوزین اور مخالفین کی تعیین (۲) فریقین کے دلائل (۳) نظر طحاوی ﷫ کی تشریح۔

**جواب** ...... ❶ مسح علی النعلین کے مجوزین اور مخالفین کی تعیین:۔ حضرت عبداللہ بن عمر، خزیمہ بن اوس، عمرو بن حریث ﷺ، ابن حزم ظاہری ﷫ اور بعض اہل ظاہر کے نزدیک نعل اور چپل پر مسح کرنا جائز ہے یہی لوگ فذهب قوم کا مصداق ہیں۔

ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء ومحدثین ﷭ کے نزدیک نعل اور چپل کے اوپر مسح کرنا جائز نہیں ہے، یہی لوگ کتاب کے اندر وخالفهم فی ذلك آخرون کا مصداق ہیں۔

❷ فریقین کے دلائل:۔ اہل ظواہر وغیرہ کی طرف سے دو دلیلیں پیش کی جاتی ہیں۔ ① حدیث الباب جس کو صاحب کتاب

نے حضرت اوس بن ابی اوس رضی اللہ عنہ سے دو سندوں کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔ اس حدیث شریف کے اندر حضور ﷺ کا نعلین پر مسح کرنا ثابت ہے۔ لہٰذا کہا جائے گا کہ نعلین پر مسح کرنا جائز ہے ② وقالوا قد شذ ذالك ماروی عن علیؓ الخ سے دو سطروں کے اندر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل پیش کیا جاتا ہے چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد ابوظبیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا۔ پھر نعلین پر مسح کیا پھر مسجد میں داخل ہو کر نعلین کو اتار کر نماز ادا فرمائی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نعلین پر مسح کرنا ثابت ہے لہٰذا نعلین پر مسح کرنا جائز ہوگا۔

جوابات: ① حضرت اوس بن ابی اوس رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو حضور ﷺ کا عمل ہے اس سے مراد یہ ہے کہ حضور ﷺ حالت طہارت میں تھے اور نفلی یا تجدید کیلئے وضو فرمارہے تھے تو نعل کو پاؤں سے اتارا نہیں بلکہ اسی پر مسح فرمایا بجائے پاؤں پر مسح کرنا واجب تھا اور نہ ہی پاؤں کا دھونا واجب تھا ② قد یجوز ان یکون رسول اللہ ﷺ مسح علی النعلین الخ سے یہ جواب دیا جاتا ہے کہ درحقیقت حضور ﷺ جراب پہنے ہوئے تھے اور حضور ﷺ نے نعلین کو قدم مبارک سے نکالے بغیر جوربین پر مسح فرمایا تھا اور ساتھ ہی ساتھ نعلین کے تسمہ پر بھی مسح فرمایا تھا اور ایسا کرنا جائز ہے کہ جوربین پر مسح ادائے فرض کیلئے ہو جاتا ہے اور چپلوں کے تسمے کے اوپر جو مسح ہوجاتا ہے وہ زائد ہے لہٰذا اوس ابن ابی اوس رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کرکے چپلوں پر مسح کو جائز قرار دینا ہرگز درست نہیں ہو سکتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمل کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ درحقیقت جراب پہنے ہوئے تھے اور اس کے اوپر نعلین بھی پہنے ہوئے تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے درحقیقت جوربین پر مسح کیا تھا اس کے تابع ہو کر تسمہ پر بھی مسح ہوگیا۔ (ایضاح الطحاوی ج ۱ ص ۲۸۰)

④ <u>نظر طحاوی رحمہ اللہ کی تشریح</u>:۔ امام طحاوی رحمہ اللہ کی عقلی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ مسح علی الخفین کے جواز کیلئے شرط یہ ہے کہ پورے کا پورا موزہ یا اکثر موزہ چھپا ہوا ہو اگر پورا یا اکثر موزہ پھٹا ہوا ہو تو ایسے موزے پر بالاجماع مسح کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ موضع مسح سے قدم کا حصہ چھپا رہنا جواز مسح کیلئے شرط ہے اور خرق کثیر سے قدم ظاہر ہونے کی وجہ سے گویا کہ موضع مسح ہی باقی نہیں رہتا ہے تو معلوم ہوا کہ جواز مسح کیلئے موضع مسح میں قدمین کا موزہ کے ذریعہ چھپا ہوا ہونا شرط ہے اور نعل وچپل کے پہننے کی صورت میں قدموں کا چھپا ہوا نہ ہونا بالکل واضح ہے کیونکہ پھٹے ہوئے موزے سے جہاں تک قدم ظاہر ہوتا ہے اس سے کہیں زیادہ نعل وچپل پہننے کی صورت میں قدم ظاہر رہتا ہے تو جب پھٹے ہوئے موزے پر مسح کرنا جائز نہیں ہے تو چپل اور نعل پر بھی مسح کرنا جائز نہیں ہوگا۔ (ایضاً)

## ﴿السوال الثانی﴾ (موطا امام مالک) ۱۴۳۳ھ

**الشق الاول** ...... أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَتِيكٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ جَاءَ يَعُودُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ ثَابِتٍ فَوَجَدَهُ قَدْ غُلِبَ فَصَاحَ بِهِ فَلَمْ يُجِبْهُ فَاسْتَرْجَعَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَقَالَ غُلِبْنَا عَلَيْكَ يَا أَبَا الرَّبِيعِ فَصَاحَ النِّسْوَةُ وَبَكَيْنَ فَجَعَلَ ابْنُ عَتِيكٍ يُسَكِّتُهُنَّ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ دَعْهُنَّ فَإِذَا وَجَبَ فَلَا تَبْكِيَنَّ بَاكِيَةٌ قَالَتْ ابْنَتُهُ وَاللّٰهِ إِنِّي كُنْتُ لَأَرْجُو أَنْ تَكُونَ شَهِيدًا فَإِنَّكَ قَدْ كُنْتَ قَضَيْتَ جِهَازَكَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اَلشُّهَادَةُ سَبْعٌ سِوَى الْقَتْلِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الْمَطْعُونُ شَهِيدٌ وَالْغَرِيقُ شَهِيدٌ وَصَاحِبُ ذَاتِ الْجَنْبِ شَهِيدٌ وَصَاحِبُ الْحَرِيقِ شَهِيدٌ وَالَّذِي يَمُوتُ تَحْتَ الْهَدْمِ شَهِيدٌ وَالْمَرْأَةُ تَمُوتُ بِجُمْعٍ شَهِيدٌ وَالْمَبْطُونُ شَهِيدٌ. (ص ۱۹۲۔ قدیمی)

عرّف الشهادة لغةً وشرعًا، شكّل الحديث بتمامه وترجمه الى الاردية واضحة، اشرح قوله ﷺ والمرأة تموت بجمع شهيد والمبطون شهيد.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) شہادت کا لغوی وشرعی معنی (۲) حدیث پر اعراب (۳) حدیث

کا ترجمہ (۳) المرأۃ تموت بجمع شهيد والمبطون شهيد کی تشریح۔

**جواب** ...... ❶ **شہادت کا لغوی و شرعی معنی:۔** شہادت کا لغوی معنی یقینی خبر، گواہی، قسم، عالم ظاہر، اللہ کے راستہ میں قتل ہونا ہے۔ اور اصطلاحِ شریعت میں شہادت اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے میدانِ جنگ میں دشمن کے ہاتھوں قتل ہونا ہے۔

❷ **حدیث پر اعراب:۔** کما مرّ فی السوال آنفا۔

❸ **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ عبداللہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی عیادت کیلئے تشریف لائے پس اس کو اس حال میں پایا کہ اس پر غلبہ پایا جا چکا تھا پس وہ اس کی وجہ سے چیخے اور رسول اللہ ﷺ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا اور آنحضرت ﷺ نے انا لله وانا اليه راجعون پڑھا اور فرمایا اے ابوالربیع! ہم تجھ پر مغلوب ہو گئے ہیں پس عورتوں نے چیخنا اور رونا شروع کر دیا، پس ابن عتیک انکو خاموش کروانے لگے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انکو چھوڑ دو پس جب واجب ہو جائے تو کوئی رونے والی بلند آواز سے ہرگز نہ روئے، مریض کی بیٹی نے کہا قسم بخدا میں امید کرتی ہوں کہ آپ شہید ہو گئے اسلئے کہ آپ نے اپنا سازوسامان پورا کر لیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا شہادت کی اللہ کے راستے میں شہید ہونے کے علاوہ سات قسمیں ہیں، طاعون کی بیماری میں مرنے والا شہید ہے، غرق ہونے والا شہید ہے، پہلو کی تکلیف سے مرنے والا شہید ہے، جل کر مرنے والا شہید ہے، دیوار کے نیچے آ کر یا دیوار سے گر کر مرنے والا شہید ہے اور وہ عورت جو زچگی کی وجہ سے مر جائے وہ شہید ہے اور پیٹ کی بیماری سے مرنے والا شہید ہے۔

❹ **المرأۃ تموت بجمع شهيد والمبطون شهيد کی تشریح:۔** "المرأۃ تموت بجمع شهيد" ابن عبدالبر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ عورت ہے جس کی زچگی وولادت کی وجہ سے موت واقع ہو خواہ بچہ پیدا ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ اور دوسرا مشہور قول یہ ہے کہ وہ عورت جس کی زچگی کے دوران موت واقع ہو جائے اور بچہ بھی اسکے پیٹ میں ہی ہو، بچہ پیدا نہ ہوا ہو۔

"المبطون شهيد" وہ انسان جو پیٹ کی بیماری مثلاً استسقاء یا اسہال وغیرہ کی وجہ سے مر جائے۔ (حاشیہ)

ان کے شہید ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اُخروی اعتبار سے شہید ہیں، ان کو شہادت کا اجر وثواب ملے گا، باقی دنیاوی اعتبار سے ان کے ساتھ دنیاوی میت والا معاملہ ہی کیا جائے گا۔

**الشق الثانی** ...... مالك عن يحيى بن سعيد ان رجلا كان يؤم الناس بالعتيق فارسل اليه عمر بن عبدالعزيز فنهاه. قال مالك: وانما نهاه لانه كان لايعرف ابوه.

ترجم العبارة ثم اذكر اقوال العلماء فی امامة ولد الزنا فقهاً ودرايةً بالبسط والتفصيل.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل دو امور ہیں۔ (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) ولد الزنا کی امامت میں علماء کے اقوال کی تفصیل۔

**جواب** ...... ❶ **عبارت کا ترجمہ:۔** امام مالکؒ یحییٰ بن سعید سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی مقام عتیق میں لوگوں کو امامت کرواتا تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کی طرف پیغام بھیجا اور اسے امامت سے منع کر دیا۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اسے اس لئے منع کیا کہ اس کے باپ کا علم نہیں تھا۔

❷ **ولد الزنا کی امامت میں علماء کے اقوال کی تفصیل:۔** امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ولد الزنا کی امامت مکروہ ہے لیکن اگر اس نے امامت کروادی تو نماز جائز ہو جائے گی۔ امام لیثؒ اور امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔ امام عیسیٰ بن دینارؒ کہتے ہیں کہ ولد الزنا کی امامت مکروہ نہیں جبکہ بذاتہ اس میں امامت کی اہلیت پائی جائے۔ امام اوزاعیؒ، سفیان ثوریؒ کا بھی یہی قول ہے۔ علامہ عینیؒ لکھتے ہیں کہ ولد الزنا کی امامت جمہور کے نزدیک جائز ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ باقاعدہ ولد الزنا کا امام ہونا

مکروہ ہے۔ ائمہ حنفیہ کے نزدیک غلام اور ولد الزنا کی امامت مکروہ ہے اس لئے کہ ان میں ایک طرح کا عیب موجود ہے لیکن اگر انہوں نے امامت کروادی تو نماز جائز ہو جائے گی (ص)۔

## ﴿السوال الثالث﴾ (مؤطا امام محمدؒ) ۱۴۳۳ھ

**الشق الاول** ......اخبرنا مالك حدثنا الزهری قال كان رسول الله ﷺ يمشی امام الجنازة.

عن ربيعة بن عبدالله انه رأى عمر بن الخطاب يقدم الناس امام جنازة زينب بنت جحش.

ترجم الحديث واذكر اسماء امهات المؤمنين بتمامها.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال میں دو امور توجہ طلب ہیں۔ (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے اسماء۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ امام زہری نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ جنازے کے آگے چلا کرتے تھے۔ ربیعہ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ لوگوں کو حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے جنازہ سے مقدم کر رہے تھے (آگے چلا رہے تھے)۔

❷ امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے اسماء:۔ ① حضرت خدیجہ بنت خویلد ② حضرت سودہ بنت زمعہ ③ حضرت عائشہ صدیقہ ④ حضرت حفصہ بنت فاروق اعظم ⑤ حضرت زینب بنت خزیمہ ⑥ حضرت ام سلمہ ⑦ حضرت زینب بنت جحش ⑧ حضرت جویریہ بنت حارث ⑨ حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان ⑩ حضرت صفیہ ⑪ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہن۔

**الشق الثانی** ......عن يحيى بن عبدالرحمن ان عمر بن الخطاب خرج فی ركب فيهم عمرو بن العاص حتى وردوا حوضا فقال عمرو بن العاص لصاحب الحوض يا صاحب الحوض هل ترد حوضك السباع فقال عمر بن الخطاب يا صاحب الحوض لاتخبرنا فانا نرد على السباع و ترد علينا.

ترجم لعمرو بن العاص. اختلف الائمة فی مسئلة طهارة سؤر السباع و نجاستهمادلتهم. (ص ۸ا۔ ۱۴۳۳ھ)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال کا حل دو امور ہیں (۱) حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا تعارف (۲) سور سباع کی طہارت ونجاست میں اختلاف مع الدلائل۔

**جواب** ...... ❶ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا تعارف:۔ یہ عمرو بن العاص ہیں قریشی ہیں، ۵ھ میں اسلام لائے اور بعض نے کہا ہے کہ ۸ھ میں۔ حضرت خالد بن الولید اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ آنحضور ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور یہ سب اکٹھے اسلام لائے۔ ان کو آنحضرت ﷺ نے عمان کا حاکم بنایا تھا یہ برابر وہاں حاکم رہے۔ یہاں تک کہ آنحضور ﷺ کی وفات ہوگئی انہوں نے حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے بھی بڑے بڑے کام انجام دیئے ہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں انہیں کے ہاتھ مصر فتح ہوا اور برابر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں یہ مصر کے حاکم رہے پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی انکو وہاں کا حاکم تقریباً چار سال تک برقرار رکھا اسکے بعد معزول فرمایا۔ پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جب امیر بنے تو انکو پھر مقرر کیا۔ مصر میں ہی ۴۳ھ میں جبکہ ان کی عمر نوے (۹۰) سال تھی وفات پائی اور انکے بیٹے عبداللہ کو حاکم بنا دیا پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انکو معزول کر دیا ان سے انکے بیٹے عبداللہ اور عبداللہ بن عمرو اور قیس بن ابی حازم روایت کرتے ہیں۔ (تہذیب ج ۲ ص ۴۸۵)

❷ سور سباع کی طہارت ونجاست میں اختلاف مع الدلائل:۔ ہمارے نزدیک درندوں کا جھوٹا ناپاک ہے۔

پہلی دلیل: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث ہے کہ انہوں نے حوض کے مالک سے کہا تھا کہ ہمیں اس حوض پر درندوں کی آمد

کی خبر نہ دینا کیونکہ اگر ہمیں یہ بتا دی گئی تو ہم پر اس کا استعمال حرام ہو جائے گا کیونکہ آپ ﷺ نے ہمیں اس سے منع کیا ہے۔

دوسری دلیل: یہ ہے کہ درندوں کا گوشت ناپاک ہے اور لعاب بھی گوشت سے ہی پیدا ہوتا ہے لہٰذا وہ بھی ناپاک ہے

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک کتے و خنزیر کے علاوہ تمام درندوں کا جھوٹا پاک ہے اور دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ آپ ﷺ سے ان حوضوں کے متعلق سوال کیا گیا جن پر درندے پانی پینے کے لئے آتے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو انہوں نے اپنے پیٹوں میں لیا وہ ان کا ہے اور جو بچ گیا وہ ہمارے پینے کے لئے ہے اور پاک ہے۔

ہماری طرف سے پہلا جواب: یہ ہے کہ یہ حدیث ماء کثیر پر محمول ہے۔ دوسرا جواب: یہ ہے کہ درندوں کے جھوٹے پانی کے پاک ہونے کا حکم ابتداء اسلام میں ان کے گوشت کی تحریم سے پہلے تھا، پھر بعد میں منسوخ ہو گیا تھا۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ ان کا سوال بڑے حوضوں کے بارے میں تھا اور ایسے ہم بھی قائل ہیں کہ بڑا حوض ناپاک نہیں ہوتا۔

چوتھا جواب: یہ ہے کہ سباع سے مراد سباع طیور ہیں اور سباع طیور کا جھوٹا ناپاک نہیں ہوتا۔ ([illegible])

## ﴿الورقة السادسة: شرح معانی الآثار والموطا مالک﴾

### ﴿السوال الاول﴾ (شرح معانی الآثار) ۱۴۳۴ھ

**الشق الاول** ...... عن جابر بن عبدالله ان رسول الله ﷺ أمر بدفن قتلى احد بدمائهم ولم يصل عليهم ولم يغسلوا. قال ابوجعفر: فذهب قوم الى هذا الحديث فقال: لايصلى على من قتل من الشهداء فى المعركة وخالفهم فى ذلك آخرون فقالوا: بل يصلى على الشهيد.

اذكر الاختلاف بين الأئمة المتبوعين فى مسئلة الصلاة على الشهيد كما ذكرها الامام ابوجعفر الطحاوى واكتب ادلتهم فى ذلك ولاتنس ذكر نظر الامام الطحاوى فى هذا الباب.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل دو امور ہیں۔ (۱) شہید کی نماز جنازہ میں اختلاف مع الدلائل (۲) نظر طحاوی کی تشریح۔

**جواب** ...... ❶ شہید کی نماز جنازہ میں اختلاف: کما مرّ فی الورقة الثالثة الشق الثانی من السوال الاول ۱۴۳۷ھ

❷ نظر طحاوی کی تشریح: امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ہم نے غور و خوض کیا تو تمام میتوں کی نماز کا حکم دفن سے پہلے ثابت ہوا اور اس میں کوئی اختلاف بھی نہیں ہے البتہ میت پر بطور نفل بعض لوگ دفن سے پہلے اور بعض دفن کے بعد نماز جنازہ کو جائز کہتے ہیں اور بعض لوگ نفل نماز جنازہ کو مکروہ کہتے ہیں جبکہ دفن سے پہلے تمام میتوں کی نماز کے مسنون ہونے پر تمام علماء کا اتفاق ہے پس اگر شہدائے احد ایسے لوگوں میں سے ہیں جن پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے تو اس عمل کے ثبوت کی وجہ سے ان پر دفن سے پہلے مسنون نماز جنازہ پڑھنا بھی ثابت ہوگا اسلئے کہ ہر نفل کیلئے باب فرض میں کوئی نہ کوئی اصل اور حقیقت ہوا کرتی ہے تو اگر حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت میں حضور ﷺ کی طرف سے نماز بطور نفل ثابت ہے تو تمام میتوں کی طرح شہداء کی نماز جنازہ کا بھی مسنون طریقہ ثابت ہوگا یعنی اگر شروع میں نماز جنازہ کے بغیر شہداء کو دفن کر دینا ہی مسنون ہے تو یہ بات واجب اور لازم ہو جائے گی کہ آٹھ سال کے بعد حضور ﷺ کا قبر پر جا کر نماز ادا کرنا اسلئے تھا کہ پہلا حکم منسوخ ہو کر نماز کا حکم نازل ہو چکا ہے اور اگر حضور ﷺ کا آٹھ سال کے بعد نماز پڑھنا اس لئے تھا کہ شہداء کی نماز کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ آٹھ سال کے بعد جا کر قبر پر نماز پڑھی جائے تو ایسی صورت میں لازم آئے گا کہ ہر شہید کا حکم شہدائے احد کی طرح ہو کہ سات آٹھ سال کے بعد قبروں پر نماز جنازہ ادا کی جائے۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ شہدائے احد کو چھوڑ کر دیگر تمام شہداء کی نماز میں ایسی تاخیر کا حکم نہیں ہے بلکہ دفن سے قبل جلد از جلد نماز پڑھنے کا حکم ہے۔ بہر حال شہید کی نماز جنازہ کا ثبوت مسلّم ہے۔ ([illegible])

[illegible]......عن أبي الأحوص قال قال عبدالله: ماكان الله ليجعل في رجس أو فيما حرّم شفاء.

اذكر مذاهب العلماء في شرب بول ما يؤكل لحمه والتداوي به . اكتب أدلتهم على ذلك . اشرح نظر الطحاوي رحمه الله تعالى في هذه المسألة. [illegible]

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں (۱) ماکول اللحم جانور کے بول پینے اور اس سے علاج کرنے کا حکم (۲) ائمہ کے دلائل (۳) نظر طحاوی رحمہ اللہ کی وضاحت۔

جواب......❶ ماکول اللحم جانور کے بول پینے اور اس سے علاج کرنے کا حکم:۔ تداوی بالمحرم جائز ہے یا نہیں؟ اگر حرام چیز استعمال کئے بغیر جان خطرے میں پڑ جانے کا ظن غالب ہو، اس کے بغیر کوئی چارہ ہی نہ ہو تو بالاتفاق حرام چیز کو استعمال کر کے جان کی حفاظت کر لینا لازم ہے، اور اگر ایسے خطرے کی بات نہیں بلکہ حرام چیز کے استعمال کرنے سے شفایاب بھی ہو سکتا ہے اور استعمال نہ کرنے سے جان کا خطرہ بھی نہیں ہے تو اس صورت میں حرام چیز کے استعمال کرنے کے سلسلے میں پانچ مذاہب ہیں۔

① امام ابوحنیفہ، امام محمد، امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک اس صورت میں حرام چیز کا استعمال کرنا علی الاطلاق ناجائز ہے ② امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک علی الاطلاق جائز ہے ③ امام ابوبکر اسحاق رحمہ اللہ کے نزدیک نشہ آور چیزوں سے تداوی جائز نہیں ہے اور باقی حرام چیزوں سے جائز ہے ④ امام طحاوی رحمہ اللہ کے نزدیک نشہ آور چیزوں میں سے شراب سے تداوی جائز نہیں، شراب کے علاوہ باقی نشہ آور اور حرام چیزوں سے جائز ہے ⑤ امام ابویوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ماہر فن طبیب وڈاکٹر اگر یہ مشورہ دے کہ فلاں حرام چیز کے استعمال سے شفایاب ہو سکتا ہو تو جائز ورنہ جائز نہیں ہے۔ یہی قول حنفیہ کے نزدیک مفتی بہ ہے۔ (ایضاح الطحاوی ج ۲ ص ۲۳۵، درس ترمذی ج ۱ ص ۲۹)

❷ ائمہ کے دلائل:۔ قائلین جواز کی پہلی دلیل حدیث عرنیین ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو بیمار ہونے کی وجہ سے اونٹوں کے پیشاب اور دودھ پینے کا حکم دیا۔ نیز دوسری دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے اونٹوں کے دودھ اور پیشاب کے متعلق ارشاد فرمایا کہ وہ پیٹ کی بیماری کے لئے شفاء ہے۔

قائلین عدم جواز کی طرف سے حدیث استنزهوا من البول وغیرہ پیش کی جاتی ہے۔

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ فقہاء کا اختلاف دراصل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے اختلاف کا نتیجہ اور ثمرہ ہے اور تابعین کے اس میں مختلف اقوال ہیں۔ امام محمد بن علی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اونٹ، گائے اور بکریوں کے پیشاب سے علاج کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

پہلا احتمال یہ ہے کہ ان کے نزدیک ان کے پاک ہونے کی وجہ سے علاج جائز ہے جو کہ امام محمد رحمہ اللہ کا قول ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ ان جانوروں کا پیشاب پاک ہونے کی وجہ سے علاج جائز نہیں ہے بلکہ ضرورت کی وجہ سے علاج جائز ہے۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اونٹوں کے پیشاب سے علاج کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے تو حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول بھی محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کی طرح دو احتمال رکھتا ہے۔

حضرت عطاء ابن ابی رباح رحمہ اللہ کا قول ہے انہوں نے فرمایا ہے کہ ہر ماکول اللحم کے پیشاب سے علاج کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے ان کا قول بالکل واضح المعنی ہے کیونکہ قول سے معلوم ہوتا ہے کہ ماکول اللحم کا پیشاب پاک ہونے کی وجہ سے علاج جائز ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا فتوی ہے کہ وہ اونٹ، گائے، بکری کے پیشاب کو مکروہ سمجھتے تھے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے تابعین کے یہ اقوال ذکر کرنے کے بعد ان میں کوئی فیصلہ نہیں فرمایا بلکہ اسی طرح چھوڑ دیا ہے مگر اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ تابعین کے مذکورہ اقوال کے ذریعہ ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب کے پاک ہونے کی بناء پر بھی مطلقاً تداوی بالمحرم

پر استدلال درست نہیں ہوسکتا کیونکہ پاک ہونے کی صورت میں بھی عند الضرورۃ برائے علاج استعمال جائز ہے۔ (ایضاً)

❸ نظر طحاوی رحمہ اللہ کی وضاحت:۔ امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں کوئی عقلی دلیل پیش نہیں کی ہے البتہ ماکول اللحم جانور کے پیشاب کے ناپاک ہونے کے بارے میں عقلی دلیل پیش کی ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہے۔

ہم نظر وفکر کے ذریعے سے غور کرتے ہیں کہ اونٹوں کے پیشاب کا حکم کیا ہے چنانچہ ہم نے غور وخوض کر کے دیکھا کہ جس طرح اونٹ کا گوشت پاک ہے اسی طرح بنی آدم کا گوشت بھی پاک ہے لیکن سب کا اتفاق اس بات پر ہے کہ بنی آدم کا پیشاب بنی آدم کے خون کی طرح ناپاک ہے اسی طرح اونٹوں کا پیشاب بھی اونٹوں کے خون کی طرح ناپاک ہونا چاہیے اور جس طرح بنی آدم کا پیشاب بنی آدم کے گوشت کی طرح پاک نہیں ہے اسی طرح اونٹوں کا پیشاب اونٹوں کے گوشت کی طرح پاک نہیں ہوسکتا ہے۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔

## ﴿السؤال الثاني﴾ ۱۴۳۴ھ

**الشق الأول** ...... عن المغيرة رفعه قال: كنا مع رسول الله ﷺ في سفر فتوضأ للصلاة فمسح على عمامته وقد ذكر الناصية بشيء. (ص ۲۱ ج ۱ رحمانیہ) اذكر اختلاف العلماء في القدر الواجب مسحه من الرأس في الوضوء. اذكر أدلة الفقهاء على ما ذهبوا اليه. ما هو النظر الذي رآه الطحاوي في هذه المسألة.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) مسح علی الراس کی مقدار (۲) ائمہ کے دلائل (۳) نظر طحاوی کی تشریح۔

**جواب** ...... ❶ مسح علی الراس کی مقدار:۔ امام مالک، امام مزنی اور شیخ ابوعلی جبائی رحمہم اللہ کے نزدیک پورے سر پر مسح کرنا فرض ہے۔ یہی لوگ کتاب کے اندر فذهب ذاهبون کے مصداق ہیں۔

حنفیہ، شافعیہ، حنابلہ اور جمہور محدثین وفقہاء رحمہم اللہ کے نزدیک بعض راس پر مسح کرنے سے فرضیت ادا ہوجاتی ہے اور پورے سر پر مسح کرنا مسنون اور کمال فضیلت ہے۔ یہی لوگ کتاب کے اندر خالفهم في ذالك آخرون کے مصداق ہیں۔

❷ ائمہ کے دلائل:۔ پورے سر پر مسح کے قائلین کی دلیل وہ حدیث ہے جس کے اندر مقدم راس سے شروع کر کے گردن تک کھینچ کر لے جانا ثابت ہے اس حدیث کو صاحب کتاب نے تین صحابی سے چار سندوں کے ساتھ نقل فرمایا ہے ① حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ سے ایک سند کیساتھ ② حضرت طلحہ بن مصرف رضی اللہ عنہ نے اپنے دادا سے دو سندوں کیساتھ ③ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ایک سند کیساتھ۔

دلیل کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے وضو کے اندر پورے سر کا مسح فرمایا ہے اور ہم بھی ہر وضو کرنے والے سے درخواست کرتے ہیں کہ پورے سر کا مسح کرلیا کریں لیکن یہ حکم بطور فرض نہیں ہے بلکہ بطور کمال فضیلت ہے۔ اور حضور ﷺ کے فعل کے اندر فرضیت کی دلیل نہیں ہے بلکہ یہ ایسا ہے جیسے تین تین مرتبہ حضور ﷺ سے وضو کرنا ثابت ہے لیکن یہ تین مرتبہ فرض نہیں ہے بلکہ ایک مرتبہ فرض ہے اور بقیہ کمال فضیلت کیلئے ہے۔ ایسا ہی مسح کا حکم ہوگا کہ بعض سر کا مسح کرنا فرض ہے اور بقیہ کمال فضیلت کیلئے ہے۔

بعض سر پر مسح کے قائلین کے دلیل حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے عمامہ اور ناصیہ پر مسح فرمایا ہے۔ ناصیہ پر مسح کرنے کا مطلب یہ ہے کہ پیشانی کی مقدار سر کے حصہ پر مسح فرمایا ہے۔ اور عمامہ پر مسح کرنے کی توجیہ ماقبل میں گزر چکی ہے۔ تو اس حدیث شریف سے سر کے بعض حصہ پر مسح ثابت ہے لہٰذا کہنا ہوگا کہ پورے سر پر مسح کرنا فرض نہیں ہے بلکہ کمال فضیلت ہے۔

❸ نظر طحاوی رحمہ اللہ کی تشریح:۔ اعضاء وضو دو قسم پر ہیں اعضاء مغسول، اعضاء ممسوح۔ اعضاء مغسولہ کا حکم یہ ہے کہ جس عضو کے بعض حصے کے دھلنے کا حکم ہے اس میں پورا دھونا واجب ہے تو سر کے مسح کو بعض لوگوں نے اعضاء مغسولہ پر قیاس کر کے کہا کہ بعض سر کے مسح کا حکم ثابت ہو جائے تو پورے سر کا مسح واجب ہوگا تاکہ حکم یکساں ہوجائے اور بعض لوگوں نے کہا کہ ممسوح کو مغسول پر

قیاس کرنا درست نہیں ہو سکتا ہے بلکہ ممسوح کو ممسوح ہی پر قیاس کرنا درست ہوگا تو ہم نے مقیس علیہ کا اتفاق کیا تو مسح علی الخفین حل کیا اور اس میں سب کا اتفاق ہے کہ بعض خف پر مسح کرنا کافی ہوتا ہے تو ایسا ہی بعض سر پر مسح کرنا کافی ہوگا۔ (ایضاح الطحاوی ج۱ ص۱۳۲)

**الشق الثانی** ......عن سلمان قال: نهينا أن نكتفي بأقل من ثلاثة أحجار. فذهب قوم إلى أن الاستجمار لايجزئ بأقل من ثلاثة أحجار" واحتجوا في ذلك بهذه الآثار" وخالفهم في ذلك آخرون......

ترجم الحديث المذكور. اذكر مصداق كل من "قوم" و "آخرون". اذكر دلائل الفريقين باستيعاب اذكر ترجيح ماذهب اليه الامام الطحاوي في ضوء النظر الذي رآه في هذه المسألة. (ص٨٥۔ج١۔رحمانیہ)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) قوم و آخرون کا مصداق (۳) فریقین کا مذہب اور دلائل (۴) نظر طحاوی کی وضاحت۔

**جواب** ...... ❶، ❸ **حدیث کا ترجمہ، فریقین کا مذہب و دلائل:۔**

كما مرّ في الورقة الاولى الشق الاوّل من السوال الاوّل ١٤٢٧ھ۔

❷ **قوم و آخرون کا مصداق:۔** "قوم" کا مصداق امام شافعی، امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، ابن شعبان، ابو الفرج اور ابن حزم ظاہری اور سعید بن المسیب رحمہم اللہ ہیں جنکے نزدیک تثلیث واجب ہے بغیر تثلیث استنجاء جائز نہیں ہو سکتا۔

"آخرون" کا مصداق امام ابو حنیفہ، امام مالک، داؤد ظاہری رحمہم اللہ ہیں جنکے نزدیک تثلیث واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔

❹ **نظر طحاوی رحمہ اللہ کی وضاحت:۔** ہم نے پیشاب پاخانے کے سلسلے میں غور کر کے دیکھا کہ پیشاب پاخانہ کرنے میں اگر استنجاء بالماء کیا جائے تو اس میں تعداد متعین ہے یا نہیں؟ تو تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ اگر ایک دفعہ استنجاء بالماء سے نجاست کا رنگ و بو ختم ہو جائے تو سب کے نزدیک طہارت حاصل ہو جاتی ہے اور اگر ایک دفعہ سے ازالۂ نجاست نہ ہو تو دو دفعہ کرنے کی ضرورت ہے اور اگر دو دفعہ سے نہ ہو تو تین دفعہ کی ضرورت ہے اور اگر تین دفعہ سے بھی نہ ہو تو چار دفعہ کی ضرورت ہے تو معلوم ہوا کہ تعداد کی کوئی خاص حیثیت نہیں ہے بلکہ انقاء اور صفائی کی حیثیت ہے جتنی مرتبہ سے صفائی حاصل ہو جائے اتنی مرتبہ صفائی کرنا لازم ہوگا۔ اسی طرح استنجاء بالاحجار میں بھی انقاء اور صفائی ہی مقصود ہے تعداد کا اعتبار نہیں ہے اسی طرح اگر تین ڈھیلوں سے صفائی حاصل نہیں ہوتی تو زائد کی ضرورت ہوا کرے گی تو معلوم ہوا کہ مقصود انقاء ہے نہ کہ تثلیث یہی ہمارے علماء ثلاثہ رحمہم اللہ کا قول ہے۔ (ایضاح الطحاوی ج۱ ص۲۰۵)

## ﴿السوال الثالث﴾ (مؤطا امام مالک) ١٤٣٤ھ

**الشق الاوّل** ......اخبرنا مالك اخبرني الزهري عن سالم بن عبدالله عن ابيه ان رجلا من اصحاب رسول الله ﷺ دخل المسجد يوم الجمعة وعمر بن الخطاب يخطب الناس فقال اية ساعة هذه فقال الرجل انقلبت من السوق فسمعت النداء فما زدت على ان توضأت ثم اقبلت قال عمر والوضوء ايضًا وقد علمت ان رسول الله ﷺ كان يأمر بالغسل۔ (ص۳۔محمدی) ترجم الحديث ومن هو الرجل الداخل عينه۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال میں دو امور حل طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) داخل ہونے والے شخص کی نشاندہی۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے ایک آدمی جمعہ کے دن مسجد میں داخل ہوا اس حال میں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے پس فرمایا یہ کون سا آنے کا وقت ہے، اس آدمی نے کہا میں بازار سے لوٹا ہوں پس میں نے اذان کی آواز سنی اور میں نے وضو کے علاوہ کوئی زائد کام نہیں کیا

پھر آپ مسجد کی طرف متوجہ ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور وضو بھی (یعنی آنے کی وجہ سے اور وضو بھی صرف وضو کر کے) حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ غسل کا حکم دیا کرتے تھے۔

❷ داخل ہونے والے شخص کی نشاندہی:۔ داخل ہونے والے شخص حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔

**الشق الثانی** ...... عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَتَوَضَّأُ بِالْمَاءِ لِمَا تَحْتَ إِزَارِهِ قَالَ يَحْيَى: سُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ تَوَضَّأَ فَنَسِيَ فَغَسَلَ وَجْهَهُ قَبْلَ أَنْ يَتَمَضْمَضَ أَوْ غَسَلَ ذِرَاعَيْهِ قَبْلَ أَنْ يَغْسِلَ وَجْهَهُ، فَقَالَ: أَمَّا الَّذِي غَسَلَ وَجْهَهُ قَبْلَ أَنْ يَتَمَضْمَضَ فَلْيَتَمَضْمَضْ وَلَا يُعِدْ غَسْلَ وَجْهِهِ وَأَمَّا الَّذِي غَسَلَ ذِرَاعَيْهِ قَبْلَ وَجْهِهِ فَلْيَغْسِلْ وَجْهَهُ ثُمَّ لِيُعِدْ غَسْلَ ذِرَاعَيْهِ حَتَّى يَكُونَ غَسْلُهُمَا بَعْدَ وَجْهِهِ إِذَا كَانَ فِي مَكَانِهِ أَوْ بِحَضْرَةِ ذٰلِكَ. (ص۲۱،ج۱)

شكل الأثر ثم اشرحه ـ اشرح ما ذكره مالك رحمه الله واذكر وجه الفرق بين المسألتين.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) مذکورہ اثر کی تشریح (۳) امام مالک رحمہ اللہ کے قول کی تشریح (۴) دونوں مسئلوں میں فرق۔

**جواب** ...... ❶ حدیث پر اعراب:۔ کما مرّ فی السؤال آنفا۔

❷ مذکورہ اثر کی تشریح:۔ اثر کا حاصل یہ ہے کہ عثمان بن عبد الرحمن کہتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے یہ حدیث بیان کی کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ موضع استنجاء کی پانی کے ذریعہ طہارت حاصل کی جائے گی اور اس اثر سے غرض ان لوگوں پر رد کرنا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ استنجاء بالماء کے قائل نہ تھے۔

❸ امام مالک رحمہ اللہ کے قول کی تشریح:۔ یحیی کہتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو وضو میں بھول گیا اور اس نے کلی کرنے سے قبل چہرہ دھولیا یا چہرہ دھونے سے قبل اس نے اپنے بازو دھولئے تو اب وہ کیا کرے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ پہلی صورت میں وہ صرف کلی کرلے دوبارہ چہرہ کو دھونے کی ضرورت نہیں ہے اور دوسری صورت میں چہرہ دھونے کے بعد دوبارہ بازو دھوئے گا بشرطیکہ وہ ابھی اپنی وضو کی جگہ پر موجود ہو یا وضو کی جگہ کے قریب ہی ہو اور اگر وہ وضو کی جگہ سے دور چلا گیا ہے پھر تکلف کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس کا وضو مکمل ہوگیا ہے۔

❹ دونوں مسئلوں میں فرق:۔ دونوں مسئلوں میں فرق یہ ہے کہ پہلے مسئلہ میں کلی کرنے اور منہ دھونے میں ترتیب الٹ ہوا ہے۔ کیونکہ پہلے کلی کرنا سنت اور منہ دھونا فرض ہے گویا سنت اور فرض کی ترتیب میں خلل ہوا ہے اور سنت و فرض کی ترتیب مستحب ہے اور دوسرے مسئلہ میں منہ دھونا اور بازو دھونا دونوں فرض ہیں اور فرائض میں ترتیب مسنون ہے اس لئے منہ دھونے کے بعد دوبارہ بازو دھونے کا تاکہ فرائض میں ترتیب سنت کے مطابق ہوجائے۔

## ﴿الورقة السادسة: شرح معاني الآثار والموطئين﴾

## ﴿السؤال الأول﴾ (شرح معاني الآثار) ۱۴۳۵ھ

**الشق الأول** ...... عن عبد الله بن مسعود انه كان مع رسول الله ﷺ ليلة الجن وان رسول الله ﷺ احتاج الى ماء يتوضأ به ولم يكن معه الا النبيذ فقال رسول الله ﷺ تمرة طيبة وماء طهور.

عرف النبيذ وبين الاختلاف بين الأئمة المجتهدين أن الرجل اذا لم يجد ماء الا النبيذ التمر هل

یتوضأ به او یتیمم ؟ فی ضوء الأدلة اشرح ما اثبته الامام الطحاوی من حیث النظر فی هذا الباب .

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں۔ (۱) نبیذ کی تعریف (۲) نبیذ سے وضو کرنے میں اختلاف مع الدلائل (۳) نظر طحاوی کی تشریح۔

**جواب** ...... ❶ و ❷ کمامرّ فی الشق الاوّل من السوال الاوّل ۱٤۲۸ھ۔ ( الورقة الخامسة )

❸ نظر طحاوی کی تشریح:۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ جب نبیذ تمر سے وضو کے سلسلہ میں اختلاف واقع ہوا تو ہم نے غور وخوض کر کے نبیذ تمر کے نظائر کو دیکھا مثلاً نبیذ زبیب اور سرکہ وغیرہ یہ نبیذ تمر کے نظائر ہیں ان سے وضو کرنا بالاتفاق ناجائز ہے بلکہ تیمم کرنا ضروری ہوتا ہے تو اسی طرح نبیذ تمر سے بھی وضو کرنا ناجائز ہونا چاہیے۔ نیز تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ماءِ مطلق کی موجودگی میں نبیذ تمر سے وضو جائز نہیں ہے اسلئے کہ ماءِ مطلق کی موجودگی میں نبیذ تمر پانی کے حکم سے خارج ہے جب ماءِ مطلق کی موجودگی میں نبیذ تمر پانی کے حکم سے خارج ہے تو پانی کی غیر موجودگی کے وقت بھی نبیذ کو پانی کے حکم سے خارج ہونا چاہیے۔ (ایضاح الطحاوی ج۱ ص ۲۸۸)

**الشق الثانی** ...... باب الاقامة کیف هی عن خالد الحذاء عن ابی قلابة عن انس بن مالك قال امر بلال ان یشفع الاذان ویؤتر الاقامة وفی روایة عن انس قال امر بلال ان یشفع الاذان ویؤتر الاقامة الا الاقامة قال ابوجعفر فذهب قوم الی هذه فقالوا هکذا الاقامة تفرد مرة مرة وخالفهم آخرون فی حرف واحد من ذلك فقالوا قوله قد قامت الصلوٰة فانه ینبغی له ان یثنی ذالك مرتین وخالفهم فی ذلك آخرون فقالوا الاقامة کلها مثنی مثنی .(ص ۹۱۔ ج۱۔ رحمانیہ)

لماذا یقال لخالد الحذاء ، اذکر اقوال العلماء فی مسئلة الایتار والتثنیة فی الاقامة کما ذکرها الامام الطحاوی فی ضوء الدلائل ، حرّر هذه المسئلة من حیث النظر ایضاً .

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) خالد الحذاء کی وجہ تسمیہ (۲) الفاظِ اقامت کے ایتار و تکرار میں اختلاف مع الدلائل (۳) نظر طحاوی کی وضاحت۔

**جواب** ...... ❶ خالد الحذاء کی وجہ تسمیہ:۔ خالد الحذاء کا نام خالد بن مہران اور کنیت ابو المنازل ہے۔ حذاء موچی کو کہتے ہیں۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ خالد حذاء نے کبھی جوتے نہیں گانٹھے البتہ وہ ایک موچی کے پاس بیٹھتے تھے جس کی وجہ سے ان کا لقب حذاء پڑ گیا۔ (تحفۃ الاحوذی ج۱ ص ۵۵٦)

❷ الفاظِ اقامت کے ایتار و تکرار میں اختلاف مع الدلائل:۔ مذہب نمبر ①: امام مالک، ربیعۃ الرای اور اہلِ مدینہ رحمہم اللہ کے نزدیک کلماتِ اقامت دس ہیں۔ اللہ اکبر دو مرتبہ، شہادتین دو مرتبہ، حیعلتین دو مرتبہ، قد قامت الصلوٰۃ ایک مرتبہ، پھر اللہ اکبر دو مرتبہ پھر کلمہ توحید ایک مرتبہ۔ یہ کل دس کلمات ہوئے۔ یہی لوگ کتاب کے اندر فذهب قوم کے مصداق ہیں۔

مذہب نمبر ②: امام شافعی، امام احمد، اسحٰق ابن راہویہ، امام اوزاعی، حسن بصری، اہلِ مصر، اہلِ یمن، اہلِ شام اور اہلِ حجاز رحمہم اللہ کے نزدیک کلماتِ اقامت گیارہ ہیں یعنی مذہب نمبر ا کے نزدیک جس طریقے پر اقامت ہے ان کے نزدیک بھی اسی طریقے پر ہے البتہ قد قامت الصلوٰۃ فریق اوّل کے نزدیک ایک مرتبہ ہے اور فریق ثانی کے نزدیک دو مرتبہ ہے۔ یہی لوگ خالفهم آخرون فی حرف واحد من ذالك کے مصداق ہیں۔ مذہب نمبر ③: امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری، عبد اللہ بن مبارک اور اہلِ کوفہ رحمہم اللہ کے نزدیک کلماتِ اقامت سترہ ہیں، یعنی اقامت میں وہ تمام کلمات ہوتے ہیں جو اذان میں کہے جاتے

ہیں اور ساتھ ساتھ دو مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کا اضافہ بھی ہے یہی لوگ و خالفهم فی ذالك آخرون کے مصداق ہیں۔

مذہب اول کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کلمات اذان جفت (دو مرتبہ) کلمات اقامت طاق (ایک مرتبہ) کا حکم دیا گیا ہے اور یہ حدیث سات اسناد سے مروی ہے۔

مذہب ثانی کے دلائل: ① حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا تھا کہ کلمات اذان جفت طریقہ سے اور کلمات اقامت طاق طریقہ سے کہیں مگر قد قامت الصلوٰۃ میں جفت کریں۔ یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دو سندوں کے ساتھ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک سند کے ساتھ منقول ہے ② کلمات اذان دو قسم پر ہیں ایک وہ کلمات جو صرف ایک مقام میں کہے جاتے ہیں دوسرے وہ کلمات جو دو مقام میں کہے جاتے ہیں جیسے کہ کلمہ تکبیر اور کلمہ شہادت یہ دوسرے قسم کے کلمات جو دو مقام میں ذکر کئے جاتے ہیں وہ مقام نمبر دو میں مقام نمبر ایک کے مقابلہ میں نصف ذکر کئے جاتے ہیں تو معلوم ہوا کہ جو بعد میں ذکر کئے جاتے ہیں وہ نصف ہو جاتے ہیں اور اقامت فی نفسہ ابتداء اور شروع میں نہیں ہوا کرتی ہے بلکہ اذان کے بعد ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا وہ کلمات اقامت جو اذان میں مذکور ہوتے ہیں وہ اقامت میں اذان کے مقابلہ میں آدھے ہو جائیں گے اور وہ کلمات اقامت جو اذان میں مذکور نہیں ہوتے وہ اقامت میں دو دو مرتبہ ہوا کریں گے جیسا کہ قد قامت الصلوٰۃ ہے۔ لہٰذا اقامت کے اندر نو کلمات اذان میں سے لئے گئے اور دو کلمات قد قامت الصلوٰۃ ہوں گے تو کل گیارہ کلمات ہو جائیں گے۔

مذہب ثالث کے دلائل: ① حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی واضح روایت موجود ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اسی طریقہ پر اقامت سکھلائی تھی جس طریقہ پر اذان سکھلائی تھی چنانچہ جب انہوں نے اذان سکھلائی تو دو دو مرتبہ اذان دی اور جب اقامت سکھلائی تو وہ بھی دو دو مرتبہ کہی۔ پس یہ متصل روایت تمہاری مجمل روایت کے مقابلہ میں راجح ہے اور یہ روایت تین سندوں کے ساتھ منقول ہے ② زمانہ نبوت ﷺ کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ دو دو مرتبہ اذان دیا کرتے تھے اور دو دو مرتبہ ہی اقامت کہا کرتے تھے معلوم ہوا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا عمل اس روایت کے خلاف ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کے متعلق نقل فرمائی ہے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا عمل سید الموذنین ہونے کی وجہ سے دوسروں کی روایت کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہوگا لہٰذا عمل بلال رضی اللہ عنہ کو ترجیح حاصل ہوگی اور اذان اقامت میں صرف اتنا فرق ہے کہ اقامت میں دو مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کا اضافہ ہوگا ③ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ نے اذان کی طرح اقامت بھی دو دو مرتبہ سکھلائی ہے اور حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں الفاظ اقامت سب کے سب موجود ہیں لہٰذا کہا ہوگا کہ اذان میں پندرہ کلمات ہیں اور دو مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کا اضافہ کر کے اقامت میں سترہ کلمات ہو گئے ④ زمانہ نبوت ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت سے اقامت دو دو مرتبہ منقول ہے۔ یہاں تین صحابہ (حضرت سلمہ بن اکوع، ثوبان، ابو محذورہ رضی اللہ عنہم) کا عمل منقول ہے ⑤ امام مجاہد کا فتویٰ ہے کہ اصل اقامت دو مرتبہ ہے۔ امراء نے اپنی تخفیف کیلئے ایک مرتبہ کا رواج ڈالا ہے۔ (ایضاح الطحاوی ج ۱ ص ۲۰۰)

⑫ نظر طحاوی کی وضاحت:۔ نظر طحاوی کا حاصل یہ ہے کہ حیعلتین کے بعد لفظ اللہ اکبر کے دو مرتبہ کہے جانے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور اس میں تخفیف ممکن ہے تو ہم نے غور کر کے دیکھا کہ جس طرح اذان کے اندر حی علی الفلاح کے بعد کلمہ تکبیر دو مرتبہ کہا جاتا ہے اسی طرح اقامت میں بھی کلمہ تکبیر دو مرتبہ کہا جاتا ہے لہٰذا اقامت کے بقیہ کلمات بھی اذان کے بقیہ کلمات کی طرح مستقل ہو گئے، اسلئے کہ یہاں پر تخفیف ممکن ہونے کے باوجود اقامت میں تخفیف نہیں کی گئی، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں کا حکم برابر ہے تو جس طرح اذان دو دو مرتبہ دی جاتی ہے اسی طرح اقامت بھی دو دو مرتبہ ہی کہی جائے گی۔ (ایضاً)

## ﴿السؤال الثاني﴾ (موطا امام مالک) ۱۴۳۵ھ

**الشق الاول** ......عن عائشة زوج النبي ﷺ أنها قالت: ان كان رسول الله ﷺ ليصلي الصبح فينصرف النساء متلفعات بمروطهن ، مايعرفن من الغلس. (ص۳، ج۱)

ترجم الحديث المذكور بالأردية . اذكر الوقت المستحب لصلاة الصبح عند العلماء . اسرد ادلة كل فريق . من يستدل بهذا الحديث المذكور؟ وما الجواب عنه عند من لا يقول به؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) صلوٰۃ الصبح کا مستحب وقت (۳) ائمہ کے دلائل (۴) مستدلین کی تعیین اور جواب۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ ؓ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز پڑھا کرتے تھے اور واپس جاتی تھیں عورتیں اپنے دوپٹوں میں لپٹی ہوئی کہ غلس کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھیں۔

❷ صلوٰۃ الصبح کا مستحب وقت:۔ حنفیہ کے نزدیک صلوٰۃ الفجر میں ابتداءً وانتہاءً اسفار افضل ہے بایں طور کہ اگر نماز سے فارغ ہونے کے بعد فساد معلوم ہوتو سورج نکلنے سے پہلے پہلے اعادہ ممکن ہو جبکہ امام طحاوی کے نزدیک ابتداءً غلس اور انتہاءً اسفار افضل ہے۔

ائمہ ثلاثہ ؒ کے نزدیک فجر میں بدایۃً ونھایۃً غلس افضل ہے۔

❸ ائمہ کے دلائل:۔ احناف کے دلائل: ① سنن میں حدیث رافع بن خدیج ؓ ہے جس میں ہے اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر جو وقت اجر کی زیادتی کا ذریعہ ہے وہی وقت افضل ہوگا۔ ② بخاری میں حدیث ابوبرزہ اسلمی ؓ ہے كان النبي ﷺ يصلي الصبح ويعرف احدنا جليسه اگرچہ ابوبرزہ ؓ کی روایت معروف ہے لیکن یہ مرجوح ہے۔ راجح روایت يعرف جليسه ہے ظاہر ہے کہ یہ پہچان تب ہوسکتی ہے جب اسفار میں نماز پڑھی جائے۔ ③ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی مزدلفہ میں نماز فجر ادا کرنے والی حدیث ہے جس میں یہ الفاظ ہیں وصلى الفجر يومئذ قبل ميقاتها اس کا یہ مطلب نہیں کہ وقت شروع ہونے سے پہلے نماز پڑھی بلکہ مطلب یہ ہے کہ وقت معتاد سے پہلے پڑھی تو اس سے معلوم ہوا کہ بقیہ ایام کے اندر آپ ﷺ کی عادت مبارکہ اسفار میں صبح کی نماز پڑھنے کی تھی یعنی وقت معتادہ اسفار میں نماز پڑھنے کا تھا صرف مزدلفہ میں غلس میں پڑھی ہے اور ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ کی جو عادت مبارکہ اور معمول تھا وہی وقت افضل ہوگا اور وہ وقت اسفار ہے۔ ④ او فقيت بالقرآن ہے جس کے اندر ارشاد ربانی وسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس ہے اور تسبیح اسفار میں پڑھنے کا قرینہ ہے نہ کہ غلس میں۔ ⑤ جماعت کے مقاصد میں سے ایک مقصد تکثیر جماعت ہے اور یہ تکثیر رمضان کے سوا اسفار میں ہے تو جس وقت میں تکثیر جماعت کا فائدہ ہو گا وہی وقت افضل ہوگا اور وہ وقت اسفار ہے۔

ائمہ ثلاثہ ؒ کی دلیل: احادیث غلس ہیں جن میں سے ایک دلیل حدیث عائشہ ؓ ہے اس میں فينصرف النساء متلفعات بمروطهن مايعرفن من الغلس کہ عورتیں نماز سے واپسی میں غلس کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع بھی غلس میں کرتے اور ختم بھی غلس میں کرتے تھے۔ دوسری دلیل حدیث اسامہ بن زید لیثی جو پیچھے گزر چکی ہے ثم كانت صلوته بعد ذالك التغليس حتى مات ولم يعد الى ان يسفر۔

اس کا جواب امام ابوداؤد ؒ نے دیا کہ یہ شاذ ہے اس کو ذکر کرنے والے صرف اسامہ بن زید لیثی ہیں اور زہری کے تلامذہ اس کو نقل نہیں کرتے۔ دوسرا جواب کہ اسفار شدید کی نفی ہے مطلق اسفار کی نفی نہیں۔

حدیث عائشہ ؓ کا جواب: مايعرفن من الغلس ہم تسلیم نہیں کرتے کہ عدم معرفت کی علت غلس تھی بلکہ عدم

معرفت کی علت پردہ کا ہونا تھا کہ عورتیں پردہ کا اتنا اہتمام کرتی تھیں کہ پردہ کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھیں جس کو راوی قرینہ سے کہ بعض روایات میں ہے مایعرفن تعنی من الغلس تو تعنی کا لفظ ذکر کر کے یہ بتلاتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ مراد ہوگی لیکن یہ راوی کا اپنا اجتہاد ہے بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صحابیات کی کمال احتیاط کو بیان کر رہی ہیں تلفف عام ہے مطلق چادر پہننا اور ایک لسبہ سے حافظ ابن قیم کہتے ہیں کہ چادر کو اس طور پر پہنے کہ جسم مکمل طور پر چھپ جائے اور اگر ہم تسلیم کر لیں کہ عدم معرفت کی علت غلس تھی پھر ہم کہتے ہیں کہ کونسا غلس مراد ہے داخل مسجد کا یا فضاء کا غلس مراد ہے، اگر کہو کہ فضاء کا غلس مراد ہے تو پھر بیشک یہ اسفار کے منافی ہے لیکن یہ مسلم نہیں ہے کیونکہ واقعہ اس پر منطبق نہیں ہوتا۔ تفصیل اس طرح ہے کہ صبح صادق کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سنتیں پڑھتے پھر اگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کوئی بیدار ہوتیں تو ان سے بات چیت کرتے ورنہ آرام کرتے، پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ آکر نماز کی اطلاع دیتے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جاتے اور ۴۰ سے ۶۰ یا ۱۰۰ تک آیات کی قرأت کرتے اور ترتیل سے پڑھتے تھے تو اتنے امور ہو جائیں اور پھر بھی غلس باقی ہو یہ انتہائی مستبعد ہے۔ لہٰذا داخل مسجد کا غلس مراد ہے اور یہ مسلم تو ہے لیکن اسفار کے منافی نہیں ہے کیونکہ اس زمانہ میں روشنی کا انتظام نہیں ہوتا تھا اور چھت بھی قریب تھی اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حجرے بھی مشرقی جانب تھے ہوسکتا ہے کہ باہر اسفار ہو اور اندر غلس ہو ان میں کوئی منافات نہیں ہے۔

جوابات مشترکہ: ① احادیث اسفار میں سے حدیث رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ قولی ہے اور احادیث غلس تمام فعلی ہیں اور تعارض کے وقت قولی احادیث کو ترجیح ہوتی ہے ② غلس کی جانب عمل ہی عمل ہے اور اسفار کی جانب عمل بھی ہے قول بھی ہے، ظاہر ہے کہ تعارض کے وقت قول و عمل کے مجموعہ کو ترجیح ہوگی ③ احادیث غلس اس زمانہ کی ہیں جب عورتیں بھی مسجد میں نماز کیلئے آتی تھیں اور قرن فی بیوتکن کا حکم نازل نہیں ہوا تھا جب یہ حکم ہوا تو پھر نماز فجر میں اسفار پر عمل ہونے لگا۔

④ مستدلین کی تعیین اور جواب: اس حدیث سے ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ نے استدلال کیا ہے اور اس کا جواب ابھی دلائل کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ (درس ترمذی [illegible])

**الشق الثانی** ……عن سعید بن المسیب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین قفل من خیبر اسری، حتی اذا کان من آخر اللیل عرس، و قال لبلال: اکلأ لنا الصبح، ونام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ وکلأ بلال ما قدر لہ، ثم استند الی راحلتہ وھو مقابل الفجر، فغلبتہ عیناہ فلم یستیقظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا بلال ولا احد من الرکب حتی ضربتھم الشمس، ففزع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال بلال: یا رسول اللہ، أخذ بنفسی الذی أخذ بنفسک، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اقتادوا، فبعثوا رواحلھم واقتادوا شیئا ثم امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلالا فأقام الصلاۃ فصلی بھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصبح ثم قال حین قضی الصلاۃ: من نسی الصلاۃ فلیصلھا اذا ذکرھا فان اللہ تبارک و تعالی یقول فی کتابہ: اقم الصلاۃ لذکری.

ترجم الحدیث۔ متی وقعت لیلۃ التعریس؟ و ھل ھی قصۃ واحدۃ ام متعددۃ؟ حقق الامر فی ضوء الروایات. ھذا الحدیث یدل علی ان قضاء الصلوات یجوز حتی فی الاوقات المکروھۃ فما ھو الجواب السدید عن ذلک؟ (۱۴۳۰ھ)

﴿خلاصۂ سوال﴾……اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) روایات کی روشنی میں لیلۃ التعریس کا وقوع (۳) اوقات مکروہہ میں قضاء صلوٰۃ کے متعلق حدیث الباب کا جواب۔

**جواب** …… ① حدیث کا ترجمہ: سعید بن المسیبؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب لوٹے جنگ خیبر سے رات کو چلے جب اخیر رات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتر پڑے اور بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا صبح کی نماز کا تم خیال رکھو اور آپ سو رہے اور جب تک خدا کو

مقدور تھا بلال رضی اللہ عنہ جاگتے رہے۔ پھر بلال رضی اللہ عنہ نے ٹیک لگایا اپنے اونٹ پر اور منہ اپنا صبح کی طرف کئے رہے اور لگ گئی آنکھ بلال رضی اللہ عنہ کی تو نہ جاگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور نہ بلال رضی اللہ عنہ اور نہ کوئی شخص سوار یہاں تک کہ پڑنے لگی ان پر تیزی دھوپ کی۔ تب چونک اٹھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور فرمایا کیا ہے یہ اے بلال! کہا بلال رضی اللہ عنہ نے زور کیا مجھ پر اس چیز نے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر زور کیا (یعنی نیند نے) فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوچ کر کے لو اور لوگوں نے کجاوے سامنے۔ تھوڑی دور چلے تھے کہ حکم کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ کو تکبیر کہنے کا تو تکبیر کہی بلال رضی اللہ عنہ نے نماز کی پھر نماز پڑھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی بعد اس کے فرمایا جب نماز پڑھ چکے جو شخص بھول جائے نماز کو تو چاہیے کہ پڑھ لے اس کو جب یاد آئے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے قائم کر نماز کو جس وقت یاد کرے مجھ کو۔

❷ روایات کی روشنی میں لیلۃ التعریس کا وقوع:۔ اصمعی کہتے ہیں کہ لیلۃ التعریس کا واقعہ صرف ایک مرتبہ غزوہ حنین سے واپسی پر پیش آیا۔ مگر محدثین جن میں قاضی عیاض، حافظ ابن حجر، علامہ سیوطی وغیرہ شامل ہیں یہ تعدد واقعہ کے قائل ہیں۔ ابن العربی کی رائے یہ ہے کہ یہ واقعہ تین مرتبہ پیش آیا۔ ظاہر احادیث سے بھی تعدد واقعہ معلوم ہوتا ہے اسلئے کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ غزوہ خیبر کے سفر میں پیش آیا بعض میں حدیبیہ کا ذکر ہے بعض میں طریق تبوک اور بعض میں حنین کا ذکر ہے۔ اسی طرح بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ بیدار ہوئے۔ بعض میں ہے کہ سب سے پہلے ذو مخبرؓ بیدار ہوئے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے لہٰذا تعدد واقعہ تسلیم کئے بغیر روایات میں جمع و تطبیق مشکل ہے۔ (اوجز المسالک، ج ۱، ص ۲۸)

❸ اوقات مکروہہ میں قضاء صلوٰۃ کے متعلق حدیث الباب کا جواب:۔ حدیث الباب من نسی الصلوۃ فلیصلها اذا ذکرها اور اس مضمون کی دیگر احادیث کا احناف رحمہم اللہ کی طرف سے جوابات: ① یہ احادیث اخبار آحاد ہیں اور نہی کی احادیث متواتر ہیں لہٰذا یہ احادیث منسوخ ہیں یا مکروہ اوقات کے ماسوا کے ساتھ مخصوص ہیں ② اذا ذکرها میں جو ظرف ہے وہ ظرف موسع ہے یعنی تذکر کے وقت نماز پڑھنا ممکن ہی نہیں ہے ③ اذا ذکرها میں اذا ظرفیت کیلئے نہیں بلکہ اذا بمعنی ان ہے جواب مطلب یہ ہوگا کہ اگر یاد آئے تو قضا لازم ہے ورنہ نہیں۔

## ﴿السوال الثالث﴾ (موطا امام محمد) ۱۴۳۵ھ

**الشق الاول**...... عن عثمان بن عبدالرحمن ان اباه اخبره انه سمع عمر بن الخطاب يتوضأ وضوءً لما تحت ازاره.

ترجم الأثر ووضح مراده. اذكر حكم الاستنجاء بالماء عند العلماء مع ذكر الأدلة. اذكر سبب ايراد مالك هذا الأثر.

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (۱) اثر کا ترجمہ (۲) اثر کی توضیح (۳) استنجاء بالماء کا حکم مع الدلائل (۴) امام مالک کا اثر ذکر کرنے کی وجہ۔

**جواب**...... ❶ اثر کا ترجمہ:۔ حضرت عثمان بن عبدالرحمن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے والد نے ان کو اس بات کی خبر دی کہ انہوں نے سنا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ موضع استنجاء کی پانی سے طہارت حاصل کرتے تھے۔

❷ اثر کی توضیح:۔ اثر کا حاصل یہ ہے کہ اس میں يتوضأ بمعنی يتطهر ہے اور یہ استنجاء بالماء سے کنایہ ہے اور لما تحت ازاره موضع استنجاء سے کنایہ ہے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ موضع استنجاء کی پانی سے طہارت حاصل کرتے تھے۔

❸ استنجاء بالماء کا حکم مع الدلائل:۔ ابن حبیب مالکی، حضرت ابن عمر، ابن زبیر رضی اللہ عنہم کے متعلق منقول ہے کہ وہ استنجاء بالماء کے قائل نہ تھے اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ بھی استنجاء بالماء نہ کرتے تھے۔ جبکہ عند الجمہور استنجاء بالماء مسنون ہے اور احادیث مرفوعہ سے ثابت ہے۔

استنجاء بالماء کے مسنون ہونے کی پہلی دلیل: حدیث انس رضی اللہ عنہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

ایک باغ میں تشریف لے گئے اور آپ ﷺ کے ساتھ ایک نوجوان لڑکا تھا اس نے پانی کا برتن بیری کے پاس رکھ دیا پھر جب آپ ﷺ ہمارے پاس آئے تو استنجاء بالماء کر کے آئے تھے معلوم ہوا کہ استنجاء بالماء مسنون ہے۔ دوسری دلیل: یہ کہ جب آیت کریمہ فیہ رجال یحبون ان یتطھروا، اہل قبا کی تعریف میں نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم کون سا عمل کرتے ہو؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم استنجاء بالماء کرتے ہیں تو آپ ﷺ نے اس موقع پر ان پر کوئی رد وغیرہ نہ فرمایا۔

جو حضرات استنجاء بالماء کے قائل نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ پانی مشروب ومطعوم ہے اور دوسری حدیث میں جنات کی خوراک یعنی ہڈی وگوبر سے استنجاء کرنے سے منع کیا گیا ہے تو انسانوں کی خوراک سے بطریق اولیٰ استنجاء ممنوع ہوا۔

جوابات: ① جب آپ ﷺ سے استنجاء بالماء کا عمل ثابت ہے تو پھر محض مشروب ومطعوم ہونے کو علت قرار دے کر استنجاء بالماء کو مکروہ کہنا غیر معقول بات ہے۔ ② باقی مطعوم ومشروب اشیاء کی الگ بات ہے پانی کا تو مقصد اصلی ہی طہارت ہے کما قال اللہ وانزلنا من السماء ماء طھورا لہٰذا پانی کو دوسری مطعوم ومشروب چیزوں پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ (درس ترمذی ص ۲۱۰، ج ۱)

❸ اثر مذکور کو ذکر کرنے کی وجہ: اس اثر کو ذکر کرنے سے مقصود ان لوگوں پر رد کرنا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ استنجاء بالماء کے قائل نہ تھے، اسی طرح مہاجرین بھی استنجاء بالماء نہ کرتے تھے تو اس حدیث سے صراحتاً ثابت ہو گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ استنجاء بالماء کرتے تھے۔ نیز وہ مہاجرین میں سے بھی تھے۔

**الشق الثانی** ...... عن نافع مولی عبداللّٰہ بن عمر: ان عمر بن الخطاب کتب الی عماله ان اهم امرکم عندی الصلاۃ فمن حفظها وحافظ علیها حفظ دینه ومن ضیعها فهو لما سواها اضیع ثم کتب ان صلوا الظهر اذا کان الفیء ذراعا الی ان یکون ظل احدکم مثله والعصر والشمس مرتفعة بیضاء نقیة قدر ما یسیر الراکب فرسختین او ثلاثة قبل غروب الشمس والمغرب اذا غربت الشمس والعشاء اذا غاب الشفق الی ثلث اللیل فمن نام فلا نامت عینه فمن نام فلا نامت عینه فمن نام فلا نامت عینه والصبح والنجوم بادیة مشتبكة.

ترجم العبارة واذكر الاختلاف بين الأئمة في انتهاء وقت المغرب بأدلتهم. (ص ۲۰ ج ۱)

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل دو امور ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) نماز مغرب کے انتہائی وقت میں اختلاف مع الدلائل۔

**جواب** ...... ❶ عبارت کا ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت نافع رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عمال کی طرف خط لکھا تھا کہ تمہارے امور میں سے سب سے اہم امر میرے نزدیک نماز ہے پس جو شخص اس کی حفاظت کرے گا اور اس پر محافظت کرے گا وہ اپنے دین کی حفاظت کرے گا اور جو شخص اس کو ضائع کرے گا وہ دیگر امور کو زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا۔ پھر لکھا کہ تم نماز ظہر ادا کرو جب کہ سایہ ایک ذراع ہو یہاں تک کہ تمہارا سایہ ایک مثل ہو جائے اور عصر ادا کرو اس حال میں کہ سورج بلند ہو اور صاف واضح ہو سورج غروب ہونے سے اتنا پہلے کہ سوار آدمی دو یا تین فرسخ چل سکے اور مغرب ادا کرو جب سورج غروب ہو جائے اور عشاء ادا کرو جب شفق غائب ہونے سے ثلث لیل تک، پس جو شخص (اس نماز کے بغیر) سو جائے تو اس کی آنکھیں نہ سوئیں (تین مرتبہ یہ ارشاد فرمایا) اور فجر ادا کرو اس حال میں کہ ستارے واضح اور باہم ملے ہوں۔

❷ نماز مغرب کے انتہائی وقت میں اختلاف مع الدلائل: مغرب کی نماز کے ابتدائی وقت میں جمہور کا اتفاق ہے کہ اس کا وقت غروب شمس کے بعد شروع ہوتا ہے۔ البتہ اس کے بارے میں اختلاف ہے کہ مغرب کا وقت کب تک رہتا ہے؟

امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک غروب شمس کے بعد پانچ رکعات یا تین رکعات کا اندازہ مغرب کا وقت ہے۔

امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک غروب شفق تک مغرب کا وقت رہتا ہے اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا قول قدیم ہے۔

امام مالک وشافعی رحمہما اللہ کی دلیل: امامت جبرائیل کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے دونوں دنوں میں ایک ہی وقت کے اندر مغرب کی نماز پڑھائی اگر مغرب کے وقت میں وسعت ہوتی تو الگ الگ وقت میں پڑھتے۔

جمہور کی پہلی دلیل: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے "مالم یغب الشفق" کہ مغرب کا وقت اس وقت تک رہتا ہے جب تک شفق غروب نہ ہو جائے۔ دوسری دلیل: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "وصلی المغرب قبل ان یغیب الشفق"۔

امام مالک وشافعی رحمہما اللہ کی دلیل کے جوابات: ① یہ حدیث افضل وقت پر محمول ہے یا یوں کہو کہ اس سے مستحب وقت مراد ہے ② یہ حدیث مرجوح ہے اسکے مقابلے میں دوسری روایات راجح ہیں ③ یہ حدیث منسوخ ہے جیسا کہ ماقبل میں ذکر کر دیا گیا۔

شفق سے کونسی شفق مراد ہے؟ جمہور حضرات کا آپس میں شفق کے بارے میں اختلاف ہو گیا کہ شفق سے شفق احمر مراد ہے یا شفق ابیض۔

امام مالک وامام شافعی کے نزدیک شفق سے شفق احمر مراد ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک شفق سے مراد وہ سفیدی ہے جو سرخی کے بعد ظاہر ہوتی ہے۔ امام شافعی کے دلائل: ① حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث "انہ ﷺ قال لاشفق الا الحمرۃ"۔ ② حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے کہ وہ حضرات شفق سے حمرۃ مراد لیتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے دلائل: ① حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ترمذی شریف میں کہ "آخر وقت المغرب حین یغیب الافق" ② ابوداؤد شریف میں "حین یسود الافق" کی صراحت موجود ہے اور افق سے سفیدی مراد ہے ③ معجم طبرانی میں روایت ہے کہ آپ ﷺ کے مؤذن نے عشاء کی آذان دی جب بیاض النہار غائب ہو گئی تھی یہ روایت اسناد حسن کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ان دلائل سے معلوم ہوا کہ شفق سے مراد بیاض ہے حمرۃ نہیں۔ نیز شفق سے بیاض مراد ہونے میں اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے ہے۔ (تحفۃ الاحوذی جلد اول ص ۱۳۲)

## ﴿الورقة السادسة: شرح معاني الآثار والموطين﴾

## ﴿السوال الاول﴾ (شرح معاني الآثار) ۱۴۳۶ھ

**الشق الاول**......عن أوس بن أبي أوس قال: كنت مع ابي في سفر ونزلنا بماء من مياه الاعراب فبال فتوضأ ومسح على نعليه فقلت له: أتفعل هذا؟ فقال: ما أزيدك على ما رأيت رسول الله ﷺ فعل.

ترجم الحديث المبارك ترجمة واضحة . عرف كلا من أوس بن أبي أوس وأبي أوس موجزًا (ص ۱۰۰۔ ج ۱۔ رحمانیہ)

﴿خلاصہ سوال﴾......اس سوال کا حاصل دو امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) اوس بن ابی اوس رضی اللہ عنہ اور ابی اوس رضی اللہ عنہ کا تعارف۔

**جواب**...... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت اوس بن ابی اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اپنے والد (ابی اوس رضی اللہ عنہ) کے ساتھ سفر میں تھے اور ہم دیہات (گاؤں) کے پانیوں میں سے ایک پانی پر اترے (پڑاؤ ڈالا) پس انہوں نے پیشاب کیا پھر وضوء کیا اور اپنے نعلین پر مسح کیا، پس میں نے ان سے کہا کہ کیا آپ یہ مسح علی النعلین کر رہے ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ میں نے تمہیں زیادتی کی اس فعل پر جسے میں نے رسول اللہ ﷺ کو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

❷ اوس بن ابی اوس اور ابی اوس رضی اللہ عنہما کا تعارف:۔ اوس بن ابی اوس رضی اللہ عنہ کا نام اوس بن حذیفہ اور ابواوس کا نام حذیفہ بن اوس ثقفی ہے اور دونوں حضرات کو صحابی رسول ﷺ ہونے کا شرف حاصل ہے۔

**الشق الثاني**......عَنْ هِشَامِ بْنِ الْـغَـازِ أَنَّهُ كَانَ نَازِلًا عَلَى عَائِشَةَ رضي الله عنها فَاحْتَلَمَ، فَرَآتْهُ

جَارِيَةٌ لِعَائِشَةَ وَهُوَ يَغْسِلُ أَثَرَ الْجَنَابَةِ مِنْ ثَوْبِهِ أَوْ يَغْسِلُ ثَوْبَهُ، فَأَخْبَرَتْ بِذٰلِكَ عَائِشَةَ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: لَقَدْ رَأَيْتُنِيْ وَمَا أَزِيْدُهُ عَلٰى أَنْ أَفْرُكَهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ. ([illegible])

شكل الحديث بالضبط، وترجمه ترجمة واضحة .

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ دو امور ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ۔

جواب ...... ❶ حدیث پر اعراب:۔ کما مر في السوال آنفا۔

❷ حدیث کا ترجمہ:۔ امام بن حارث رحمہ اللہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں بطور مہمان ٹھہر گئے تو اتفاق سے ان کو احتلام ہو گیا تو انہوں نے صبح اٹھ کر اپنے کپڑے سے منی کے اثرات کو دھونا شروع کر دیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باندی نے یہ دیکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اطلاع دی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں اپنے آپ کو دیکھتی ہوں یعنی مجھے یاد ہے کہ میں حضور ﷺ کے کپڑے سے منی کو کھرچ دیا کرتی تھی اس سے زیادہ کچھ نہیں کرتی تھی۔

## ﴿السوال الثاني﴾ (مؤطا امام مالک) ۱۴۳۶ھ

الشق الأول ...... وحدثني مالك عن زيد بن أسلم أن تفسير هذه الآية: "يا أيها الذين آمنوا اذا قمتم الى الصلوة فاغسلوا وجوهكم وأيديكم الى المرافق وامسحوا برءوسكم وأرجلكم الى الكعبين" أن ذلك اذا قمتم من المضاجع يعني النوم، قال يحيى: قال مالك: الأمر عندنا أنه لايتوضأ من رعاف ولا من دم ولا من قيح يسيل من الجسد، ولايتوضأ الا من حدث يخرج من ذكر أودبر أونوم. ([illegible])

ترجم العبارة المذكورة ترجمة دقيقة واضحة . اذكر اختلاف العلماء في معنى الآية .

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حاصل دو امور ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) آیت کے معنی میں اختلاف۔

جواب ...... ❶ عبارت کا ترجمہ:۔ حضرت زید بن اسلم رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ آیت وضو یا ایها الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوة الخ کی تفسیر یہ ہے کہ جب تم آرام گاہ یعنی نیند سے اٹھو، یحییٰ کہتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک حکم یہ ہے کہ رعاف، دم اور پیپ (جو جسم سے نکلے) کی وجہ سے وضو لازم نہیں ہے اور نہ وضو کیا جائے مگر صرف اس حدث کی وجہ سے جو نکلے ذکر یا دبر سے یا نیند کی وجہ سے۔

❷ آیت کے معنی میں اختلاف:۔ امام بیضاوی فرماتے ہیں کہ آیت کا ظاہری معنی یہی ہے کہ ہر وہ شخص جو نماز کیلئے کھڑا ہو اس پر وضو کرنا واجب ہے اگرچہ وہ محدث نہ ہو، عند الجمہور محدث پر وضو واجب ہے۔ امام بیضاوی کا یہ قول جمہور کے خلاف ہے اور ان کے متعدد جوابات ہیں: ① آیت میں مطلق قیام کا ذکر ہے مگر مراد قیام مع الحدث ہے یعنی جب تم میں سے محدث لوگ نماز کیلئے اٹھیں تو وہ وضو کریں ② فاغسلوا کا امر وجوب کیلئے نہیں بلکہ استحباب کیلئے ہے ③ ابتداء میں یہ حکم تھا پھر بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا اب صرف محدث کیلئے یہ حکم ہے اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہاں آیت میں محدثین کا لفظ محذوف ہے ای اذا قمتم الی الصلوة محدثین جب تم محدث ہونے کی حالت میں نماز کیلئے اٹھو تو وضو کرو ④ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہاں کوئی لفظ محذوف نہیں یہ حکم اپنے عموم پر ہے البتہ محدث کیلئے یہ حکم وجوبی اور غیر کیلئے استحبابی ہے ⑤ بعض حضرات کے نزدیک یہ حکم ابتداء اسلام میں ایجاب تھا پھر اب استحبابی ہے۔ ([illegible])

الشق الثاني ...... عن يحيى بن سعيد عن سعيد بن المسيب أنه سمعه ورجل يسأله، فقال: اني لأجد البلل وأنا أصلي، أفأنصرف؟ فقال له سعيد: لوسال على فخذي ماانصرفت حتى أقضي صلاتي.

ماھو حکم خروج المذی عند العلماء هل یجب بذلك غسل الذکر کله أم غسل ما أصابه المذی أم غیر ذلك؟ ترجم الأثر المذکور بالأردیة واشرحه شرحًا وافیًا واضحًا. (ص۴۰، ج۱)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں (۱) خروج مذی کا حکم (۲) اثر کا ترجمہ (۳) اثر کی تشریح۔

**جواب** ...... ❶ خروجِ مذی کا حکم:۔ امام ابوحنیفہ، امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک موضعِ نجاست کو دھویا جائے۔

حنابلہ فرماتے ہیں کہ مذی کی وجہ سے آلۂ تناسل کے ساتھ خصیوں کو بھی دھویا جائے گا۔

مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ پورے آلۂ تناسل کو دھویا جائے۔ (الدر المنضود، ج۱، ص۳۲۹)

❷ اثر کا ترجمہ:۔ حضرت یحییٰ بن سعید، سعید بن مسیب سے روایت کرتے ہیں کہ یحییٰ نے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا اس حال میں کہ ایک شخص نے ان سے سوال کیا کہ بے شک میں نماز پڑھنے کی حالت میں تری محسوس کرتا ہوں تو کیا میں لوٹ جاؤں؟ (یعنی وضو کرکے دوبارہ نماز پڑھوں؟) تو سعید بن مسیب نے فرمایا کہ اگر وہ میری ران پر بہہ پڑے تو بھی میں نہیں لوٹوں گا حتیٰ کہ میں اپنی نماز پوری کروں۔

❸ اثر کی تشریح:۔ ترجمہ سے تشریح واضح ہے کہ حضرت سعید بن مسیب کے نزدیک مذی ناقضِ طہارت نہیں ہے اگرچہ بہہ پڑے اور صحتِ صلوٰۃ سے بھی مانع نہیں ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے اس اثر کو مسلسل مذی پر محمول کیا ہے یعنی یہ اس شخص کے متعلق ہے جسے ہر وقت مذی کے قطرات آتے رہتے ہوں اور ان کا مذہب یہ ہے کہ جس شخص کو مسلسل بول، مسلسل منی یا مسلسل مذی کا مرض ہو تو یہ اس کے لئے ناقضِ طہارت نہیں ہے مگر ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ناقضِ وضو ہے۔

البتہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو مرض ہو وہ ہر نماز کیلئے طہارت حاصل کرے اور امام ابوحنیفہ وحنابلہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ مریض شخص ہر نماز کے وقت کیلئے طہارت حاصل کرے گا اور اس وقت میں جتنی مرضی نمازیں پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے۔

## ﴿السوال الثالث﴾ ﴿مؤطا امام محمد﴾ ۱۴۳۶ھ

**الشق الأول** ...... أن عمر بن الخطاب خرج في رکب فیهم عمرو بن العاص حتی وردوا حوضًا، فقال عمرو بن العاص: یاصاحب الحوض، هل ترد حوضك السباع؟ فقال عمر بن الخطاب: یاصاحب الحوض، لاتخبرنا، فإنا نرد علی السباع وترد علینا. (ص۶۶، ج۱)

اذکر حکم المیاه التی وردت علیها السباع هل تتنجس أم لا. ماهو معنی قول عمر: یاصاحب الحوض لاتخبرنا هل هذا یفید فی عدم تنجس الماء؟ واذکر المعنی الذی أشار إلیه الإمام محمد بقوله: ألاتری أن عمر بن الخطاب کره أن یخبره ونهاه عن ذلك.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حاصل تین امور ہیں (۱) درندوں کی وجہ سے پانی کی نجاست کا حکم (۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کا معنی (۳) امام محمد رحمہ اللہ کے قول کی مراد۔

**جواب** ...... ❶ درندوں کی وجہ سے پانی کی نجاست کا حکم:۔ کمامرّ فی الشق الثانی من السوال الثالث ۱۴۳۳ھ

❷ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کا معنی:۔ بظاہر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ درندوں کی وجہ سے پانی نجس ہو جاتا ہے اسی وجہ سے انہوں نے سوال کیا ہے اگر درندوں کے واقع ہونے سے پانی پر کوئی اثر نہ پڑتا تو پھر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ یہ سوال ہی نہ کرتے ان کا یہ سوال کرنا عبث اور بے فائدہ ہوتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کا بظاہر یہی معنی ہے کہ پانی نجس نہیں ہے بلکہ اپنی طہارتِ اصلیہ پر ہے کیونکہ ہم اس وقت حالتِ سفر میں ہیں اور پانی ہماری ضرورت ہے اگر ہم اس طرح کی تحقیق میں شروع ہوئے تو پھر ہم خواہ مخواہ اپنے آپ کو تکلیف اور مشقتِ عظیمہ میں

ڈال دیجئے اس وجہ سے اس بات کی وضاحت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ پس ہم پانی کو اصل حالت پر طاہر گمان کرتے ہوئے استعمال کریں گے۔

❸ **امام محمد رحمہ اللہ کے قول کی مراد:۔** امام محمد رحمہ اللہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ حوض میں محض وقوع نجاست کی وجہ سے وضو کرنا ناجائز نہیں ہے اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حوض کے مالک کو اس کے متعلق خبر دینے سے منع فرمایا کیونکہ اگر وہ خبر دے دیتا تو پھر معاملہ مشکل ہو جاتا اور پانی کو ترک کرنا لازم ہو جاتا۔

**الشق الثالث** ...... قال محمد أخبرنا أبو حنيفة عن أبي إسحاق السبيعي عن الأسود بن يزيد عن عائشة قالت: كان رسول الله ﷺ يصيب من أهله ثم ينام ولا يمس ماء فإن استيقظ من آخر الليل عاد واغتسل.

ما هو حكم النوم والأكل والشرب والعود إلى الجماع للجنب عند العلماء وما هي أدلتهم؟ ما معنى قوله: ولا يمس ماء؟ وهل هذا الجزء ثابت في الحديث أم أخطأ فيه أحد الرواة؟ (ص ۷۶، ج۱، بشری)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل دو امور ہیں (۱) جنبی آدمی کیلئے کھانے پینے، سونے اور دوبارہ جماع سے پہلے وضو کا حکم مع الدلائل (۲) ولا یمس ماء کا معنی اور تحقیق۔

**جواب** ...... ❶ **جنبی آدمی کیلئے کھانے پینے، سونے اور دوبارہ جماع سے پہلے وضو کا حکم مع الدلائل:۔**

كما مر في الشق الثاني من السؤال الثاني ۱۴۳۲ھ۔

❷ **ولا یمس ماء کا معنی اور تحقیق:۔** اس جملہ کا معنی یہی ہے کہ آپ ﷺ اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے مباشرت کرتے تھے اور پھر پانی چھوئے بغیر ہی سو جاتے تھے اور پھر بیدار ہو کر مباشرت کرتے اور پھر غسل کرتے تھے بظاہر یہ جملہ آپ ﷺ کی شان عالی کے خلاف ہے کہ پانی کو چھوئے بغیر ہی سو گئے اور اسی طرح اسی حالت میں پھر مباشرت کرتے۔ علماء نے اس کی متعدد توجیہات بیان کی ہیں۔

متعدد جلیل القدر محدثین اس جملہ کو روایت نہیں کرتے صرف ابو اسحاق نے اسکو ذکر کیا اس لئے محدثین نے اس کو ابو اسحاق کا وہم قرار دیا ہے۔

یزید بن ہارون کہتے ہیں کہ یہ حدیث خطاء ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جملہ کسی راوی کی خطاء ہے۔ اس سے [illegible] جواب اور حضرات نے بھی دیا ہے کہ یہ سبیعی کی تدلیس ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ سبیعی راوی مدلس ہے مگر مدلس راوی جب ثقہ سے روایت کرے اور اسکا سماع اس سے ثابت بھی ہو تو پھر اس روایت کو تسلیم کرنا چاہیے چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ نے اس زیادتی کی تصحیح کی ہے اور دارقطنی و بیہقی نے بھی اس کی تصحیح کی ہے۔ حدیث کے اس جملہ کو صحیح ماننے کی صورت میں اس کے دو جواب ہیں:

① اس جملہ کا معنی یہ ہے کہ لا یمس ماء للغسل کہ آپ ﷺ غسل کیلئے پانی کو نہیں چھوتے تھے، ویسے وضو وغیرہ کرتے ہی تھے۔ ② آپ ﷺ بیان جواز کے لئے بعض اوقات وضو وغیرہ کو ترک کر دیتے تھے۔ (تلخیص درس ترمذی ص ۳۵۲)

## ﴿الورقة السادسة: شرح معاني الآثار والموطين﴾

## ﴿السؤال الأول﴾ (شرح معاني الآثار) ۱۴۳۷ھ

**الشق الأول** ...... سمعت رباح بن عبد الرحمن بن أبي سفيان بن حويطب يقول: حدثتني جدتي أنها سمعت أباها يقول: سمعت رسول الله ﷺ يقول: لا صلاة لمن لا وضوء له، ولا وضوء لمن لم يذكر اسم الله عليه. (ص ۳۲، ج۱، رحمانیہ)

اذكر حكم التسمية على الوضوء عند العلماء مع أدلتهم. ما هو "النظر" الذي ذكره الطحاوي في هذا الباب؟ اذكره بإيضاح. اذكر مصداق "جدتي" و "أباها".

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) تسمیہ علی الوضوء کا حکم (۲) نظر طحاوی کی وضاحت (۳) جدتی، اباها کا مصداق۔

**جواب** ...... ❶ **تسمیہ علی الوضوء کا حکم مع الدلائل:۔** کما مر فی الورقۃ الرابعۃ الشق الثانی من السوال الاول ۱۴۳۰ھ

❷ **نظر طحاوی کی وضاحت:۔** علامہ طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے بہت سی چیزوں کو دیکھا ہے جن کے اندر بغیر کلام کے دخول نہیں ہو سکتا تو جن چیزوں کے اندر داخل ہونے کے لئے کلام کا ہونا ضروری ہے وہ دو قسموں پر ہیں۔

① وہ چیزیں جن کے اندر کلام رکن شئی میں داخل ہے جیسا کہ عقود مثلاً بیع، اجارہ، نکاح، خلع وغیرہ جیسی چیزوں میں ایجاب وقبول کرنے کیلئے کلام کا ہونا ضروری ہے اور کلام ان اشیاء کے اندر رکن کا درجہ رکھتا ہے اس لئے ان اشیاء کا وجود بغیر کلام کے نہیں ہو سکتا۔

② وہ اشیاء جن کے اندر کلام کے بغیر داخل نہیں ہو سکتا ہے، اسلئے کلام ان اشیاء کیلئے شرط کے درجہ میں ہوتا ہے لہٰذا اگر بھول کر بھی یا غلطی سے بغیر کلام کے داخل ہو جائے تو دخول صحیح نہیں ہوگا جیسا کہ دخول صلوٰۃ کے لئے تکبیر تحریمہ اور دخول احرام فی الحج کیلئے تلبیہ، تو ہم نے دیکھا کہ جن اشیاء کیلئے کلام ضروری ہے ان میں کلام یا تو رکن کے درجہ میں ہوتا ہے یا شرط کے درجہ میں اور تسمیہ فی الوضوء نہ رکن وضوء میں داخل ہے اور نہ شرائط وضوء میں۔ لہٰذا وضوء میں تسمیہ کو واجب کہنا درست نہیں ہو سکتا۔

نیز وضوء من جملہ اسباب صلوٰۃ میں سے ہے جیسا کہ اسباب صلوٰۃ میں ستر عورت اور استقبال قبلہ وغیرہ ہے۔ اسی طرح وضو بھی اسباب صلوٰۃ میں سے ایک سبب ہے تو ہم نے تمام اسباب صلوٰۃ کا مطالعہ کیا ہے کہ انمیں سے کسی سبب کو اختیار کرنے کے وقت تسمیہ واجب نہیں ہوتا ہے مثلاً ستر عورت اور استقبال قبلہ کے وقت بالاتفاق تسمیہ واجب نہیں ہے اور یہ سب وضو کی طرح اسباب صلوٰۃ میں سے ہیں، لہٰذا جب ستر عورت اور استقبال قبلہ وغیرہ میں تسمیہ واجب نہیں ہے تو وضوء میں بھی تسمیہ واجب نہ ہوگا۔ (ایضاح الطحاوی ج ۱ ص ۱۲۵ تا ۱۲۶)

❸ **جدتی، اباها کا مصداق:۔** "جدتی" سے مراد اسماء بنت سعید بن زید رضی اللہ عنہا ہیں۔ بعض حضرات نے ان کو صحابیات میں سے اور بعض نے مجہولات میں سے شمار کیا ہے۔ "اباها" سے مراد حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ ہیں جو کہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ (درس ترمذی)

**الشق الثانی** ...... **عن سليمان بن بريدة عن أبيه أن النبي ﷺ كان يتوضأ لكل صلاة، فلما كان الفتح صلى الصلوات بوضوء واحد.** (ص ۲۲ - ج ۱ - رحمانیہ) **اذكر اختلاف العلماء في الوضوء، هل يجب لكل صلاة أم يجوز أداء الصلوات بوضوء واحد؟ اذكر أدلة العلماء. اشرح النظر الطحاوي.**

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) ہر نماز کے لئے وضو واجب ہونے کا حکم (۲) ائمہ کے دلائل (۳) نظر طحاوی کی تشریح۔

**جواب** ...... ❶ **ہر نماز کیلئے وضو واجب ہونے کا حکم:۔** ہر نماز کیلئے نیا وضو کرنا واجب ہے یا نہیں؟ اس کی تفصیل یہ ہے کہ نمازی کل دو قسموں پر ہیں ① مقیم نمازی ② مسافر نمازی۔ تو مسافر نمازی کے اوپر ہر نماز کے لئے نیا وضو کرنا واجب نہ ہونے کے سلسلے میں سب کا اتفاق ہے لیکن اختلاف مقیم نمازی کے سلسلے میں ہے۔ اہل تشیع اور اصحاب ظواہر کے نزدیک مقیم پر ہر نماز کیلئے نیا وضو کرنا واجب ہے، یہی لوگ کتاب میں **فذهب قوم الى ان الحاضرين الخ** کے مصداق ہیں۔ ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء و محدثین کے نزدیک مقیم و مسافر دونوں پر ہر نماز کیلئے نیا وضو کرنا واجب نہیں بلکہ پہلے وضو سے کوئی تقرب حاصل کرنے کے بعد دوسری نماز کیلئے نیا وضو کرنا حصول فضیلت اور استحباب کے طور پر ہے۔ یہی لوگ کتاب میں **وخالفهم في ذالك اكثر العلماء** کے مصداق ہیں۔

❷ **ائمہ کے دلائل:۔** اہل تشیع واہل ظواہر کی پہلی دلیل: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت جو شروع باب میں تین سندوں کے ساتھ نقل کی گئی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ہر نماز کے لئے نیا وضو فرمایا کرتے تھے اور جب فتح مکہ کا سفر فرمایا تو اس سفر کے موقع پر فتح مکہ کے دن ایک وضو سے پانچ نمازیں ادا فرمائیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے سوال فرمایا کہ آپ ﷺ نے اپنے

معمول کے خلاف عمل کیوں فرمایا؟؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے تو اس حدیث شریف سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ حضور ﷺ حالت اقامت میں ہر نماز کیلئے نیا وضو فرمایا کرتے تھے اور حالت سفر میں ایک وضو سے متعدد نمازیں ادا فرمایا کرتے تھے لہٰذا کہنا پڑے گا کہ مقیم پر ہر نماز کیلئے نیا وضو کرنا واجب ہے۔ دوسری دلیل: اللہ تعالیٰ نے **یاایھا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم الایۃ** کے اندر صاف طور پر فرمایا ہے کہ جب بھی تم نماز کے لئے تیار ہو جاؤ تو پہلے وضو کر لو تو اس آیت کریمہ سے ہر نماز کیلئے نیا وضو کرنا واضح طور پر ثابت کیا گیا ہے۔

جمہور کے دلائل: ① حدیث جابر ؓ ہے کہ آپ ﷺ نے ایک دعوت میں ایک ہی وضو سے ظہر وعصر کی نماز ادا کی اور ایک وضو سے ظہر اور عصر دونوں نمازوں کا ادا فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ ہر نماز کیلئے وضو جدید کرنا واجب نہیں اور یقیناً یہ بات ممکن ہے کہ ابو ہریرہ ؓ کی روایت میں جو ہر نماز کیلئے وضو کرنا ثابت ہے وہ طلب فضیلت پر موقوف ہے نہ کہ وجوب پر۔ ② حضرت انس ؓ کی حدیث سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضور ﷺ ہر نماز کیلئے نیا وضو فرمایا کرتے تھے اور حضرات صحابہ ؓ ایک وضو سے مختلف نمازیں ادا کرتے تھے۔ ③ ہر نماز کیلئے نیا وضو کرنا شروع اسلام میں واجب تھا، بعد میں منسوخ ہو گیا تھا۔ لیکن اس وجوب کے منسوخ ہونے پر کوئی نقلی دلیل ہونی چاہیے تو ہم نے غور وخوض کر کے دیکھا کہ کوئی روایت اس حکم کے منسوخ ہونے پر دلالت کرتی ہے یا نہیں؟ تو ہم کو حضرت عبداللہ ابن حنظلہ ابن ابی عامر ؓ کی روایت مل گئی کہ حضور ﷺ کو ہر نماز کیلئے وضو کا حکم کیا گیا تھا چاہے طہارت کی حالت میں ہوں یا نہ ہوں۔ پھر جب ہر نماز کیلئے وضو کرنا دشوار ہو گیا تو ہر نماز کیلئے مسواک کا حکم کیا گیا اور حضرت عبداللہ بن عمر ؓ ہر نماز کیلئے وضو کرنے پر قدرت رکھتے تھے اسلئے وہ نئے وضو کو نہیں چھوڑتے تھے تو اس حدیث شریف کے اندر بالکل واضح ہے کہ ہر نماز کیلئے وضو کا حکم پہلے تھا پھر وہ منسوخ ہو چکا۔ لہٰذا ایک وضو سے جتنی چاہیں نمازیں ادا کر سکتے ہیں جب تک کہ حدث لاحق نہ ہو جائے۔ ④ مسواک کا حکم ہر نماز کے وقت حضور ﷺ پر بطور وجوب کے تھا اور صحابہ پر یہ حکم واجب نہیں ہوا۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ جب مسواک صحابہ پر واجب نہیں تھی تو مسواک سے پہلے ہر نماز کیلئے وضو بھی صحابہ پر واجب نہیں تھا بلکہ ایک وضو سے جتنی نمازیں چاہیں پڑھ سکتے تھے۔ اور جب مسواک کرنا حضور ﷺ پر واجب تھا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکم مسواک سے پہلے ہر نماز کیلئے وضو کرنا بھی واجب تھا لہٰذا ہر نماز کیلئے وضو کرنے کا وجوب اور بعد میں مسواک کا وجوب دونوں حضور ﷺ کے ساتھ خاص تھے صحابہ اور امتی اس حکم وجوبی سے مستثنیٰ ہیں۔

اہل تشیع واصحاب ظواہر کی پہلی دلیل کا جواب: یہ ہے کہ حضرت بریدہ ؓ کی روایت سے ہر نماز کیلئے وضو کا وجوب ثابت نہیں ہوتا بلکہ فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اگر ہر نماز کیلئے وضو واجب ہوتا تو رسول اللہ ﷺ حالت اقامت میں دعوت کے موقع پر ظہر کے وضو سے عصر کی نماز ادا نہ کرتے۔ دوسری دلیل کا جواب: یہ ہے کہ آیت کریمہ سے ہر نماز کیلئے نیا وضو کرنا ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت وضو کے آخر میں **ولکن یرید لیطھرکم** کے ذریعے سبب وضو کو بیان کیا ہے کہ وضو وغیرہ کے ذریعے تمہیں حرج میں ڈالنا مقصود نہیں بلکہ حصول طہارت مقصود ہے اور جب کہ پہلے سے وضو کی وجہ سے طہارت حاصل ہے تو نیا وضو کرنے کا کوئی فائدہ نہیں لہٰذا آیت کریمہ سے تجدید وضو کا حکم ثابت نہیں ہو سکتا۔ (ایضاح الطحاوی ج۱ ص۱۵۹)

③ **نظر طحاوی کی تشریح:** پہلی نظر کا خلاصہ یہ ہے کہ جن حدثوں کی وجہ سے طہارت واجب ہوتی ہے ان کو ہم نے جستجو کر کے دیکھا کہ وہ دو قسموں پر ہیں: ① حدث اکبر: جیسا کہ جنابت اور احتلام وغیرہ ② حدث اصغر: جیسا کہ پیشاب، پاخانہ، خروج ریح وغیرہ اور یہ احداث جن طہارتوں کو واجب ہوتے ہیں وہ بھی دو قسموں میں ہیں: ① طہارت اکبر: جیسا کہ غسل ② طہارت اصغر: جیسا کہ وضو۔ تو طہارت اکبر کا ازالہ حدث اکبر ہی سے ہو سکتا ہے یعنی غسل سے جو طہارت حاصل ہوتی ہے اس طہارت کو جنابت و احتلام ہی زائل کر سکتا ہے مرد و اوقات اس

کو زائل نہیں کر سکتے۔ اسی طرح طہارت اصغر کا ازالہ بھی حدث اصغر ہی کر سکتا ہے یعنی وضوء سے جو طہارت حاصل ہوتی ہے اس کو پیشاب، پاخانہ اور خروج ریح وغیرہ زائل کر سکتے ہیں، مرور اوقات اس کو زائل نہیں کر سکتا لہٰذا ایک وضوء سے جو طہارت حاصل ہوتی ہے اس سے اس وقت تک نماز ادا کی جا سکتی ہے جب تک کہ وضو کو زائل کرنے والا حدث نہ لاحق ہو جائے لہٰذا ہر نماز کیلئے نیا وضو کرنا لازم نہ ہوگا۔

دوسری نظر کا خلاصہ یہ ہے کہ مسافر کے بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ وہ ایک وضوء سے جتنی نمازیں چاہے پڑھ سکتا ہے جب تک کہ حدث لاحق نہ ہو جائے لیکن اختلاف مقیم کے بارے میں ہے کہ مقیم کے اوپر ہر نماز میں وضو کرنا لازم ہے یا نہیں؟ تو ہم نے غور وخوض کر کے دیکھا کہ جن حدثوں کی وجہ سے مقیم کے اوپر طہارت لازم ہوتی ہے انہیں حدثوں کی وجہ سے مسافر کے اوپر بھی طہارت لازم ہوتی ہے اور جو حدث مقیم کی طہارت کو ختم کر دیتے ہیں وہی مسافر کی طہارت کو بھی ختم کر دیتے ہیں جیسا کہ جماع، احتلام، بول وبراز وغیرہ اور جس طرح ان حدثوں کی وجہ سے مقیم پر نئی طہارت لازم ہوتی ہے اسی طرح مسافر کے اوپر بھی نئی طہارت لازم ہوتی ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ باب ازالۂ طہارت اور حصول طہارت میں مقیم ومسافر کا حکم یکساں ہے لہٰذا جب خروج وقت مسافر کی طہارت کیلئے ناقض نہیں ہے تو مقیم کی طہارت کیلئے بھی ناقض نہ ہونا چاہیے۔ (ایضاح الطحاوی [illegible])

## ﴿السوال الثاني﴾ (مؤطا امام مالکؒ) ۱۴۳۷ھ

**الشق الأول** ...... مالك عن يحيى بن سعيد أن عمر بن الخطاب انصرف من صلاة العصر، فلقي رجلا لم يشهد العصر، فقال: ماحبسك عن صلاة العصر؟ فذكر له الرجل عذرًا، فقال له عمر: طففت، قال مالك: ويقال لكل شيئ وفاء وتطفيف. مالك عن يحيى بن سعيد أنه كان يقول: ان المصلي ليصلي الصلاة ومافاته وقتها، ولما فاته من وقتها أعظم وأفضل من أهله وماله.

ترجم الأثرين المذكورين واذكر معنى "التطفيف" لغويا. اشرح اثر يحيى بن سعيد شرحًا واضحًا

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) آثار کا ترجمہ (۲) تطفیف کا لغوی معنی (۳) یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ کے اثر کی تشریح۔

**جواب** ...... ❶ آثار کا ترجمہ:۔ یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نماز عصر سے لوٹے اور ایک آدمی سے ملے جو نماز عصر میں حاضر نہیں ہوا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تجھے نماز عصر سے کس چیز نے روکا؟ اس آدمی نے اپنا عذر بیان کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تو نے اجر کو کم کر دیا۔ امام مالک، یحییٰ بن سعید سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے کہ نمازی اس حال میں نماز پڑھتا ہے کہ نماز کا وقت فوت نہیں ہوا اور نماز کا جو وقت فوت ہو گیا وہ (اجر کے اعتبار سے) اس کے اہل ومال سے اعظم وافضل ہے۔

❷ تطفیف کا لغوی معنی:۔ یہ باب تفعیل کا مصدر ہے بمعنی کم کرنا، مطلب یہ ہے کہ تیرے نفس نے اپنا اجر ضائع وکم کر دیا۔

❸ یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ کے اثر کی تشریح:۔ یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ وقت استحباب کے بعد نمازی آدمی وقت کے اندر جب بھی نماز پڑھے گا وہ درست ہے اس کا وقت جواز ختم نہیں ہوا البتہ اس کا جو وقت استحباب فوت ہو گیا ہے وہ اجر وفضیلت کے اعتبار سے اسکے اہل ومال سے افضل واعلیٰ ہے یعنی وقت استحباب میں نماز پڑھنا انتہائی اجر وفضیلت کا باعث ہے۔

**الشق الثاني** ...... مالك عن عمه ابي سهيل بن مالك عن ابيه أنه قال: كنت ارى طنفسة لعقيل بن أبي طالب يوم الجمعة تطرح الى جدار المسجد الغربي، فاذا غشي الطنفسة كلها ظل الجدار خرج عمر بن الخطاب فصلى الجمعة، قال: ثم نرجع بعد صلاة الجمعة، فنقيل قائلة الضحاء.

اشرح كلمة "طنفسة" و "قائلة" و "الضحاء" لغويًا. اشرح الأثر المذكور واذكر من الذي يستدل به؟

وما هو الجواب عنه عند من لا يقول به؟ (ص ۱۰ ج ۱)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) طنفسة، قائلة، ضحاء کی لغوی تشریح (۲) اثر کی تشریح (۳) مستدلین کی تعیین و جواب۔

**جواب** ...... ❶ **طنفسة، قائلة، ضحاء کی لغوی تشریح:** "طَنْفَسَةٌ" یہ مفرد ہے اس کی جمع طَنَافِس ہے بمعنی فرش، چٹائی، کپڑا۔ "قَائِلَةٌ" یہ باب ضرب کا مصدر ہے بمعنی قیلولہ کرنا، دوپہر کو سونا۔ "ضَحَاءٌ" بمعنی چاشت کا وقت۔

❷ **اثر کی تشریح:** اثر کا حاصل یہ ہے کہ ابو سہیل بن مالک اپنے والد سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں جمعہ کے دن حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی چٹائی کو دیکھا کرتا تھا جسے وہ مغربی مسجد کی دیوار کی طرف بچھایا کرتے تھے۔ جب سورج ڈھل جاتا اور دیوار کا سایہ اسی طرح چٹائی کو ڈھانپ لیتا تھا تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لاتے اور نماز جمعہ پڑھاتے، اس کے بعد ہم واپس اپنے گھروں کو لوٹتے تھے اور کھانا وغیرہ کھا کر قیلولہ کرتے تھے۔

❸ **مستدلین کی تعیین و جواب:** اس اثر میں موجود لفظ ثم نرجع بعد صلوة الجمعة فنقيل قائلة الضحاء سے حنابلہ استدلال کرتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا جمعہ قیلولہ سے مقدم ہوتا تھا۔ جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ یہاں جمعہ کی تقدیم کو بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ قیلولہ کی تاخیر کو بیان کرنا مقصود ہے کہ جمعہ کے دن زوال کے بعد والا آرام باقی ایام میں زوال سے پہلے والے آرام کے قائم مقام ہوتا تھا اس وجہ سے اس کو قیلولہ سے تعبیر کر دیا۔ اس تاخیر قیلولہ بعد از زوال پر قرینہ خود روایت کے الفاظ ہیں کہ جب سورج مغربی جانب ڈھل جاتا تھا اور سایہ چٹائی پر چھا جاتا تھا یعنی زوال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کے لئے تشریف لاتے تھے۔

## ﴿السوال الثالث﴾ ( مؤطا امام محمدؒ ) ۱۴۳۷ھ

**الشق الاول** ...... حدثنا يزيد بن عبدالله بن قسيط أنه رأى سعيد بن المسيب رعف وهو يصلي، فأتى حجرة أم سلمة زوج النبي ﷺ فأتي بوضوء، فتوضأ ثم رجع فبنى على ماقدصلى. (ص ۳۰ قدیمی)

اذكر اختلاف العلماء مع أدلتهم على مسألة البناء

**جواب** ...... **مسئلہ بناء میں اختلاف مع ادلائل:** اگر کسی شخص کو نماز کے اندر حدث پیش آ گیا یعنی غیر اختیاری حدث پیش آیا جس کو حدث سماوی کہا جاسکتا ہے تو ایسی صورت میں فی الفور بلا کسی توقف کے پھر جائے۔ فی الفور نماز سے پھر جانے کا حکم اس لئے دیا ہے کہ حدث کے بعد اگر ایک ساعت ٹھہرا رہا تو یہ شخص نماز کا ایک جز حدث کے ساتھ ادا کرنے والا ہوگا اور حدث کے ساتھ نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے۔

اور قیاس یہ ہے کہ از سر نو نماز پڑھے۔ یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے اور امام مالک رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی پہلی دلیل: یہ ہے کہ حدث نماز کے منافی ہے کیونکہ نماز طہارت کو مستلزم ہے اور حدث طہارت کے منافی ہے اور لازم کا منافی ملزوم کے منافی ہوتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ حدث طہارت کے واسطے سے نماز کا منافی ہے اور قاعدہ ہے کہ شئے اپنے منافی کے ساتھ باقی نہیں رہتی لہٰذا نماز حدث کیساتھ باقی نہیں رہے گی اور جب حدث کیساتھ نماز باقی نہیں رہی تو از سر نو پڑھنا واجب اور لازم ہوگا۔

دوسری دلیل: یہ ہے کہ بناء کرنے کی صورت میں نماز کے دوران وضو کیلئے چلنا اور قبلہ سے منحرف ہونا لازم آتا ہے اور یہ دونوں فعل نماز کو فاسد کرتے ہیں اور قاعدہ ہے کہ جو چیز نماز کو فاسد کردے نماز اس کے ساتھ باقی نہیں رہتی جیسا کہ حدث عمد کے ساتھ نماز باقی نہیں رہتی۔ پس ثابت ہوا کہ مشی اور انحراف عن القبلہ کے ساتھ نماز باقی نہیں رہے گی اور جب نماز باقی نہ رہی تو اس کا اعادہ کرنا ضروری ہوگا۔

حاصل یہ ہے کہ غیر اختیاری حدث، حدث عمد کے مشابہ ہے اور حدث عمد میں بالاتفاق بناء جائز نہیں ہے۔ لہٰذا اس حدث میں بھی

بناء جائز نہیں ہوگی بلکہ استیناف (از سرنو پڑھنا) ضروری اور لابدی ہوگا۔ ہماری پہلی دلیل: یہ حدیث ہے من قاء او رعف او امذی فی صلاتہ فلینصرف ولیتوضأ ولیبن علی صلاتہ مالم یتکلم۔ دوسری دلیل: رسول کریم ﷺ کا یہ قول ہے اذا صلی احدکم فقاء او رعف فلیضع یدہ علی فمہ ولیقدم من لم یسبق بشیئ یعنی جب تم میں کوئی نماز پڑھے پس اس نے قئے کی یا نکسیر پھوٹی تو اپنے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ لے اور غیر مسبوق یعنی مدرک کو آگے بڑھائے یعنی خلیفہ کردے۔

بہرحال حدیث مذکور سے جواز بناء کا ثبوت اس طور پر ہوگا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ولیبن علی صلوتہ اور امر کا ادنیٰ مرتبہ اباحت ہے۔ اسلئے بناء کا مباح ہونا ثابت ہوگا لیکن یہاں ایک اشکال ہوگا وہ یہ کہ حدیث میں ولیتوضأ صیغہ امر وجوب کیلئے ہے لہٰذا ولیبن علی صلوتہ بھی مفید وجوب کیلئے ہونا چاہیے حالانکہ فقہاء احناف وجوب کے قائل نہیں ہیں۔

جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک قران فی النظم قران فی الحکم کو واجب نہیں ہوتا اسلئے یہ اعتراض لغو ہے۔

علاوہ ازیں خلفاء راشدین اور فقہاء صحابہ (حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، انس بن مالک، سلمان فارسی رضی اللہ عنہم) نے اس بات پر اجماع کیا ہے جس کے ہم قائل ہیں۔ یعنی جواز بناء پر نہ کہ وجوب بناء پر اور اجماع کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا جاتا ہے لہٰذا ولیبن علی صلوتہ کو ولیتوضأ پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔

دوسری حدیث میں صرف استخلاف کا بیان ہے اور حضور ﷺ کا قول من لم یسبق بشیئ افضلیت کا بیان ہے کیونکہ مدرک (غیر مسبوق) بہ نسبت مسبوق کے نماز پوری کرانے پر زیادہ قادر ہے لہٰذا مسبوق کو خلیفہ بنانا خیانت ہوگا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے قیاس کا جواب یہ ہے کہ حدث بالا یعنی غیر اختیاری حدث کو حدث عمد پر قیاس کرنا درست نہیں کیونکہ ان دونوں کے درمیان فارق موجود ہے۔ اس لئے کہ غیر اختیاری حدث میں ابتلاء ہے کیونکہ وہ بغیر اس کے فعل کے حاصل ہوتا ہے، لہٰذا اس کو معذور قرار دینا جائز ہوگا۔ اس کے برخلاف حدث عمد کہ اس میں یہ بات نہیں ہے۔ پس اس فرق کے ہوتے ہوئے قیاس کرنا کس طرح درست ہوگا۔ اور از سرنو پڑھنا افضل ہے تاکہ اختلاف کے شبہ سے احتراز ہو جائے اور کہا گیا کہ منفرد استیناف کرے اور امام اور مقتدی بناء کریں تاکہ جماعت کی فضیلت محفوظ رہے۔ (اشرف الہدایہ ج۲ ص۱۰۹)

**الشق الثانی** ...... عن سالم بن عبداللّٰه وسليمان بن يسار: أنهم سئلا عن الحائض هل يصيبها زوجها إذا رأت الطهر قبل أن تغتسل؟ فقالا: لا حتى تغتسل. قال محمد: وبهذا نأخذ لا تباشر حائض عندنا حتى تحل لها الصلاة أو تجب عليها وهو قول أبي حنيفة"

ترجم العبارة و اذكر مذاهب العلماء في أن الزوج متى يحل له مباشرة امرأته الحائض؟ واذكر أدلتهم.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) حائضہ سے مباشرت کے وقت جواز میں اختلاف (۳) ائمہ کے دلائل۔

**جواب** ...... **①** عبارت کا ترجمہ:۔ حضرت سالم بن عبداللہ اور سلیمان بن یسار رحمہما اللہ سے مروی ہے کہ ان سے حائضہ کے متعلق سوال کیا گیا کہ کیا اس کا زوج طہر دیکھنے کے بعد غسل سے پہلے اس سے مباشرت کر سکتا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ جب تک غسل نہ کرلے اس وقت تک نہیں۔ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسی کو ہم لیتے ہیں (ہمارا عمل ہے) کہ ہمارے نزدیک حائضہ سے مباشرت نہیں کی جا سکتی، یہاں تک کہ اس پر نماز کا وقت گزر جائے یا اس پر نماز لازم ہو جائے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔

**②** حائضہ سے مباشرت کے وقت جواز میں اختلاف:۔ حنفیہ کے نزدیک اگر عادت کے مطابق دس روز سے کم پر حیض

کا خون منقطع ہو گیا تو اس عورت کے ساتھ مباشرت حلال نہیں ہے یہاں تک کہ وہ عورت غسل کر لے۔ دلیل یہ ہے کہ خون کبھی بہتا ہے اور کبھی منقطع ہو جاتا ہے۔ پس انقطاع کی جہت کو ترجیح دینے کے لئے غسل کرنا ضروری ہے۔

اگر عورت نے انقطاع کے بعد غسل نہیں کیا لیکن اتنا وقت گزر گیا کہ وہ اس وقت میں غسل کر کے تکبیر تحریمہ کہہ سکتی تھی تو اس کے ساتھ مباشرت حلال ہے۔ ائمہ ثلاثہ اور امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک غسل سے قبل مباشرت جائز نہیں ہے۔

❷ ائمہ کے دلائل:۔ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی دلیل آیت کریمہ لا تقربوهن حتى يطهرن ہے اس سے معلوم ہوا کہ غسل سے پہلے مباشرت جائز نہیں ہے۔ حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ غسل یا وقت نماز گزرنے سے انقطاع کے اعادہ کا عدم ہو گیا اور یہ عورت حکماً پاک ہو گئی اس لئے کہ جب شریعت نے اس پر نماز واجب ہونے کا حکم لگایا تو گویا اس کے پاک ہونے کا بھی حکم دیدیا کیونکہ حالت حیض میں نماز درست نہیں ہوتی۔

جہاں تک آیت کریمہ کا تعلق ہے حنفیہ کے نزدیک یہ ایام اکثر والی صورت پر محمول ہے اس صورت میں ہمارے نزدیک بھی بغیر غسل مباشرت کرنا جائز نہیں ہے جبکہ دس دن کے بعد خون منقطع ہونے کی صورت میں یہ تحریم انتہائی ہے جو جائز نہیں۔ (اشرف الہدایہ [illegible])

## ﴿الورقة السادسة: شرح معاني الآثار والموطين﴾

## ﴿السوال الاول﴾ (شرح معاني الآثار) ۱۴۳۸ھ

**الشق الاول** ...... عن كبشة بنت كعب بن مالك وكانت تحت ابن ابي قتادة ان ابا قتادة دخل عليها فسكبت له وضوءا، فجاءت هرة فشربت منه فاصغى لها ابو قتادة الاناء حتى شربت قالت كبشة: فرآني انظر اليه فقال: اتعجبين يا ابنة اخي؟ قالت نعم، قال فان رسول الله ﷺ قال انها ليست بنجس انها من الطوافين عليكم او الطوافات.... قال ابو جعفر: فذهب قوم الى هذه الآثار.... وخالفهم آخرون.... ([illegible] شرح معانی الآثار)

اذكر مذاهب الائمة في سور الهرة. اذكر ادلتهم. اشرح ما اثبته الطحاوي من حيث النظر في هذا الباب.

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) سور ہرہ میں اختلاف (۲) ائمہ کے دلائل (۳) نظر طحاوی رحمہ اللہ کی تشریح۔

**جواب** ...... ❶ سور ہرہ میں اختلاف:۔ سور ہرہ امام اوزاعی رحمہ اللہ کے نزدیک نجس ہے۔ ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک بلا کراہت پاک ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک مکروہ ہے پھر امام طحاوی رحمہ اللہ کے نزدیک مکروہ تحریمی اور امام کرخی رحمہ اللہ کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے۔ آخر حنفیہ نے امام کرخی رحمہ اللہ کی روایت کو ترجیح دی ہے اور کراہت تنزیہی پر فتویٰ دیا ہے۔

❷ ائمہ کے دلائل:۔ امام اوزاعی رحمہ اللہ کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے آپ ﷺ نے فرمایا السنور سبع اس میں آپ ﷺ نے بلی کو درندہ قرار دیا اور درندوں کا سور نجس ہوتا ہے۔ حافظ زیلعی نے نصب الرایہ میں اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

جمہور کا استدلال حدیث ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے ہے جس میں انها ليست بنجس انما هي من الطوافين عليكم کے الفاظ ہیں۔

حنفیہ کے دلائل:۔ ① طحاوی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث عن النبي ﷺ قال طهور الاناء اذا ولغ فيه الهر ان يغسل مرة او مرتين ہے ② طحاوی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ اثر ہے يغسل الاناء من الهر كما يغسل من الكلب ③ طحاوی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا اثر ہے لا توضؤا من سور الحمار ولا الكلب ولا السنور۔

جمہور کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ کراہت تنزیہی بھی جواز کی ایک شعبہ ہے لہٰذا تمام روایات بیان جواز پر محمول ہیں اور طحاوی کی روایات کراہت پر محمول ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ خود حدیث باب میں آپ ﷺ نے عدم نجاست کی علت طواف کو قرار

دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سور ہرہ اپنی اصل کے اعتبار سے نجس ہے لیکن عموم بلوی کی وجہ سے اس کی اجازت ہے۔ یہ علت خود کراہت تنزیہی پر دال ہے۔ (درس ترمذی ج ۱ ص ۳۲۱)

❷ **نظر طحاوی رحمہ اللہ کی تشریح:۔** نظر طحاوی کا خلاصہ یہ ہے کہ سور گوشت کے تابع ہوا کرتا ہے، اگر گوشت پاک ہے تو سور بھی پاک ہے، اگر گوشت ناپاک ہے تو سور بھی ناپاک ہے کیونکہ سور گوشت کو مس کرتے ہوئے آتا ہے۔ اس اعتبار سے گوشت کی چار اقسام ہیں: ① طاہر ماکول گوشت: جیسے اونٹ، گائے، بکری، ان کا گوشت پاک ہونے کی وجہ سے سور بھی پاک ہے ② طاہر غیر ماکول گوشت: جیسے بنی آدم، اس کا گوشت پاک ہونے کی وجہ سے سور بھی پاک ہے ③ نجس حرام گوشت: جیسے خنزیر، کتا، ان کا گوشت حرام و ناپاک ہونے کی وجہ سے سور بھی ناپاک ہے ④ وہ گوشت جو خیبر سے پہلے حلال تھا بعد میں حرام ہوگیا جیسے اہلی گدھا اور ہرذی ناب و مخلب۔

انہی ذی ناب جانوروں میں سے بلی ہے، جب ان ذی ناب جانوروں کا گوشت حرام ہے تو ان کا سور بھی حرام و ناپاک ہونا چاہیے مگر اس کو حرام و نجس قرار دینے کی صورت میں مشقت لازم آتی ہے کیونکہ یہ گھریلو آنے جانے والے جانوروں میں سے ہے اور قاعدہ ہے کہ مشقت کی وجہ سے سہولت و آسانی پیدا ہوتی ہے، چنانچہ اس مشقت کی وجہ سے سور ہرہ میں تخفیف پیدا کرتے ہوئے اسکو مکروہ قرار دیا جائے گا کیونکہ اس میں علت طواف کی وجہ سے تخفیف پیدا ہوگئی ہے۔ (ایضاح الطحاوی ج ۱ ص ۱۰۲)

**الشق الثانی** ...... عن عائشة قالت استحيضت ام حبيبة بنت جحش فاستفتت رسول الله ﷺ فقال لها رسول الله ﷺ ان هذه ليست بحيضة ولكنه عرق فتقه ابليس فاذا ادبرت الحيضة فاغتسلي وصلي واذا اقبلت فاتركي لها الصلاة قالت عائشة فكانت ام حبيبة تغتسل لكل صلاة وكانت تغتسل احيانا في مركن في حجرة اختها زينب وهي عند رسول الله ﷺ حتى ان حمرة الدم لتعلو الماء فتصلي مع رسول الله ﷺ فما منعها ذلك من الصلاة. (ص ۶۶، ج ۱، رحمانیہ)

اذكر اقسام المستحاضات واكتب معنى الاقبال والادبار؟ اذكر خلاصة الاحكام الواردة في وضوء وغسل المستحاضات. حرر من حيث النظر ما هو الناقض في حق المعذورين هل هو الصلاة ام وقت الصلاة.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) مستحاضہ کی اقسام مع الاحکام (۲) اقبال و ادبار کا معنی (۳) معذورین کے لئے وقت یا نماز کے ناقض وضو ہونے میں نظر طحاوی۔

**جواب** ...... ❶ **مستحاضہ کی اقسام مع الاحکام:۔** مستحاضہ کی تین اقسام ہیں: مبتدأۃ، معتادہ، متحیرہ۔

مبتدأۃ: وہ عورت جس کو بالغ ہوتے ہی خون شروع ہوا اور اکثر مدت حیض گزرنے کے بعد بھی بند نہیں ہوا، یہ عورت ابتداء خون سے دس دن حیض شمار کرے، نماز وغیرہ نہ پڑھے اور بقیہ میں ایام استحاضہ شمار کرے سب سے پہلی نماز کیلئے غسل کرے اور اسکے بعد ہر نماز کے وقت وضو کر کے نماز پڑھے۔ معتادہ: وہ عورت جس کو عادت کے مطابق کچھ دن حیض آتا رہا ہو پھر اسکے بعد کبھی خون آیا اور اکثر مدت حیض گزرنے کے باوجود بھی بند نہیں ہو رہا ہے اس کا حکم یہ ہے کہ عادت کے مطابق جتنے دن حیض آتا تھا اتنے دن حیض شمار کرے اور غسل کے ذریعہ پاک ہونے کے بعد بقیہ ایام ہر مہینے میں استحاضہ شمار کرے اور وضو کر کے نماز پڑھتی رہے۔

متحیرہ: وہ عورت جس کی حیض کی کوئی عادت نہ ہو کبھی پانچ دن، کبھی سات دن اور کبھی دس دن حیض آتا ہو اور اب مسلسل خون آنا شروع ہوگیا، یا پھر اس کی عادت تو مقرر تھی مگر اس کو عادت بالکل یاد نہیں ہے اس کا حکم یہ ہے کہ یہ عورت تحری کرتے ہوئے ظن غالب پر عمل کرے اور اگر تحری سے کوئی جہت غالب اور راجح نہ ہو تو پھر اس پر تین طرح کے وقت آئیں گے:

① وہ وقت جس میں اس کو طہر ہونے کا یقین ہو اس میں وہ نماز وغیرہ پڑھتی رہے۔ ② وہ وقت جس میں اس کو حیض ہونے کا یقین ہو اس میں وہ نماز وغیرہ ترک کر دے۔ ③ وہ وقت جس میں اس کو حیض یا طہر ہونے میں تردد ہو، اس تردد کی دو قسمیں ہیں۔
اگر دخول فی الحیض میں تردد ہو تو جب تک حیض کا یقین نہ ہو جائے اس وقت تک بدستور نماز وغیرہ پڑھتی رہے اور اگر خروج من الحیض میں تردد ہو تو پھر ہر نماز کے وقت غسل کر کے نماز پڑھے یہاں تک کہ طہر کا یقین ہو جائے۔

② **اقبال وادبار کا معنی:۔** اقبال سے مراد دم حیض کا شروع ہونا اور ادبار سے مراد دم حیض کا ختم ہونا ہے چونکہ یہاں پر یہ لفظ مستحاضہ کے متعلق مستعمل ہے اور اس کا دم مستقل طور پر جاری ہے اسلئے اقبال وادبار سے سابقہ عادت کے مطابق ایام حیض کا آنا اور ختم ہونا مراد ہے۔

③ **معذورین کیلئے وقت یا نماز کے ناقض وضو ہونے میں نظر طحاوی:۔** امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے غور وخوض کر کے دیکھا کہ طہارت کی دو قسمیں ہیں ① وہ طہارت جو حدث کی وجہ سے ٹوٹ جاتی ہے جیسا کہ پیشاب پاخانہ کی وجہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ ② وہ طہارت جو خروج وقت کی وجہ سے ٹوٹ جاتی ہے جیسا کہ مسح علی الخفین کی طہارت خروج وقت کی وجہ سے ٹوٹ جاتی ہے۔
اور یہ طہارتیں متفق علیہ ہیں اور ان طہارتوں میں سے کوئی بھی طہارت ایسی نہیں ہے جس کو نماز توڑ دیتی ہے بلکہ ان طہارتوں کو یا تو حدث توڑتا ہے یا خروج وقت۔ اور یقیناً یہ بات ثابت ہے کہ مستحاضہ عورت کی طہارت کو حدث پیشاب، پاخانہ بھی توڑ دیتا ہے اور غیر حدث بھی توڑ دیتا ہے لیکن غیر حدث جو مستحاضہ عورت کی طہارت کو توڑ دیتا ہے وہ کون سی چیز ہے اس میں اختلاف واقع ہوا۔
بعض لوگوں نے کہا کہ غیر حدث وہ خروج وقت ہے اور بعض لوگوں نے کہا کہ غیر حدث وہ خروج وقت نہیں ہے بلکہ فراغ من الصلوٰۃ ہے۔ تو ہم نے جستجو کر کے دیکھا کہ ان دونوں میں کس کے لئے نظیر ملتی ہے تو معلوم ہوا کہ خروج وقت کیلئے نظیر موجود ہے جیسا کہ مسئلہ مسح علی الخفین میں ہے اور فراغ من الصلوٰۃ کے لئے کوئی نظیر نہیں ملی ہے لہٰذا فراغ من الصلوٰۃ کو ناقض وضو نہیں قرار دیا جا سکتا بلکہ خروج وقت کو ناقض وضو قرار دینا زیادہ اولیٰ ہوگا۔ لہٰذا اس توجیہ سے ان لوگوں کی دلیل مضبوط ہو جاتی ہے جو لوگ نماز کے ہر وقت کے لئے وضو کو لازم قرار دیتے ہیں۔ یہی ہمارے علماء ثلاثہ رحمہم اللہ کا قول ہے۔ (ایضاح الطحاوی ج ا ص ٣١٥)

## ﴿السوال الثانی﴾ (موطا امام مالک) ١٤٢٨ھ

**الشق الاول** ...... مالك عن نافع ان عبدالله بن عمر اغمى عليه فذهب عقله فلم يقض الصلوة قال مالك وذلك فيما نرى والله اعلم ان الوقت قد ذهب فاما من افاق وهو فى وقت فانه يصلى.

ترجم الاثر الى الاردية. ما هو الاغماء؟ اذكر اختلاف فى المغمى عليه اذا فاتته الصلوات هل يقضيها ام لا. اذكر ادلة الامام ابى حنيفة.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) اغماء کی تعریف (۳) مغمیٰ علیہ پر قضاء نمازوں کے لزوم میں اختلاف مع الدلائل۔

**جواب** ...... ① **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ پر بیہوشی طاری ہوگئی جس کی وجہ سے ان کی عقل جاتی رہی چنانچہ انہوں نے نماز کی قضاء نہ کی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہی ہمارا مذہب ہے کہ وقت جب جا چکا ہو اور جب اسے وقت کے اندر افاقہ ہو تو وہ نماز پڑھے گا۔

② **اغماء کی تعریف:۔** اغماء کا معنی ہے غلبہ بارد بلغم سے دماغ کے خلیوں کا بھر جانا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ایک سہو ہے جو کسی بیماری کی وجہ سے فتور اعضاء کے ساتھ انسان کو لاحق ہو جاتا ہے۔ نہر میں تحریر کے حوالے سے مذکور ہے کہ اغماء دل یا دماغ کی

اس بیماری کا نام ہے جو قوائے مدرکہ اور محرکہ کو اپنے افعال سے معطل کردے اور عقل باقی رہے لیکن مغلوب ہو۔

**۲** کمی علیہ پر قضاء نمازوں کے لزوم میں اختلاف مع الدلائل:۔ حنابلہ کے نزدیک اغماء کی وجہ سے فوت شدہ نمازیں تھوڑی ہوں یا زیادہ بہر صورت قضاء کرنا واجب ہے اور امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک اگر اغماء نے ایک نماز کا پورا وقت گھیر لیا اور ایک ہی نماز فوت ہوئی تو بھی قضاء واجب نہ ہوگی یعنی اغماء کی وجہ سے فوت شدہ نمازیں تھوڑی ہوں یا زیادہ دونوں صورتوں میں قضاء واجب نہ ہوگی۔ ہمارے علماء نے درمیانی راہ اختیار کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر اغماء کی وجہ سے فوت شدہ نمازیں قلیل ہیں تو ان کی قضا کرنا واجب ہے اور اگر کثیر ہیں تو قضاء کرنا واجب نہیں ہے۔

حنابلہ کی دلیل: یہ ہے کہ اغماء ایک قسم کا مرض ہے اور مرض کے اندر جس قدر نمازیں فوت ہو جائیں ان کی قضاء واجب ہوتی ہے لہٰذا اس صورت میں بھی قضاء واجب ہوگی خواہ فوت شدہ نمازیں کثیر ہی کیوں نہ ہوں۔

امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کی دلیل: یہ ہے کہ جب اغماء نے نماز کا پورا وقت گھیر لیا تو عجز متحقق ہو گیا اور بقول بعض جنون کے مشابہ ہو گیا۔ پس بعض حضرات کے نزدیک جس طرح ایک نماز کے پورے وقت کا جنون قضاء واجب نہیں کرتا اسی طرح اغماء کی صورت میں بھی قضاء واجب نہ ہوگی۔

حنفیہ کی دلیل: (وجہ استحسان) یہ ہے کہ مدت اغماء جب دراز ہو جائے گی تو فوت شدہ نمازیں کثیر ہو جائیں گی اب اگر ان فوائت کثیرہ کی قضاء کا حکم دیا جائے گا تو وہ شخص حرج میں پڑ جائے گا اور چونکہ شریعت اسلام میں حرج کو دور کیا گیا ہے اس لئے ان فوائت کثیرہ کی قضا واجب نہیں کی گئی اور اگر مدت اغماء کم ہے تو فوت شدہ نمازیں قلیل ہوں گی اور فوائت قلیلہ کی قضا کرنے میں چونکہ کوئی حرج نہیں ہے اس لئے فوائت قلیلہ کی قضاء کا حکم دیا گیا ہے۔

احناف کی دلیل کو اس طرح بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ عذر تین طرح کے ہیں۔ ① ممتد جیسے بچپن تو یہ بالاجماع مانع فرضیت ہے ② قاصر جیسے نیند کہ وہ بالاتفاق مانع نہیں حتیٰ کہ نیند کی وجہ سے اگر نماز فوت ہوگی تو اس کی قضاء واجب ہے ③ جو درمیانی درجہ پر ہے جیسے جنون اور اغماء پس اگر یہ دراز ہو جائیں تو ممتد کے ساتھ لاحق ہوں گے حتیٰ کہ قضاء ساقط ہو جائے گی اور اگر کم ہوں تو قاصر کے ساتھ لاحق ہوں گے حتیٰ کہ قضاء واجب ہوگی۔

واضح ہو کہ کثیر کی حد یہ ہے کہ فوت شدہ نمازیں ایک رات دن سے بڑھ جائیں حتیٰ کہ چھٹی نماز کا وقت نکل جائے کیونکہ جب چھٹی نماز کا وقت نکل گیا تو نمازوں میں تکرار شروع ہو گیا اور تکرار کے بعد کثرت کا ظاہر ہونا امر لابدی ہے۔

صاحب ہدایہ نے والجنون كالاغماء سے امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے قیاس کا جواب دیا ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ اغماء جنون کے مانند نہیں بلکہ جنون اغماء کے مانند ہے یعنی جنون اگر پانچ نمازوں سے زائد رہا تو قضاء ساقط ہوگی اور اگر کم ہے تو ساقط نہ ہوگی۔ ابو سلیمان رحمہ اللہ نے یہی ذکر کیا ہے۔ بخلاف نیند کے کہ اگر وہ زائد بھی ہو تب بھی قضاء ساقط نہ ہوگی کیونکہ نیند کا ممتد ہونا نادر ہے لہٰذا اس کو عذر قاصر کے ساتھ لاحق کیا جائے گا نہ کہ عذر ممتد کے ساتھ۔ (اشرف الہدایہ ج۲ ص۱۵۳)

## ﴿السوال الثالث﴾ ﴿مؤطا امام محمد﴾ ۱۴۳۸ھ

**الشق الاول** ......اكتب ترجمة جامعة موجزة للامام محمد بن الحسن الشيباني ثم عرف بموطئه هذا بحيث تذكر خصائصه وميزاته وتفوقه على بقية الموطات.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال میں فقط دو امر مطلوب ہیں (۱) امام محمد رحمہ اللہ کا تعارف (۲) مؤطا امام محمد رحمہ اللہ کا تعارف وخصائص۔

**جواب** ...... **۱** امام محمد رحمہ اللہ کا تعارف:۔ نام ونسب: کنیت ابو عبد اللہ، نام محمد ہے۔ والد کا نام حسن اور دادا کا نام فرقد

ہے اور شیبانی نسبت ہے۔ اصل مسکن جزیرۂ شام ہے، آپ کی ولادت واسط میں ۱۳۲ھ میں ہوئی، آپ کے والدین وغیرہ مستقل طور پر کوفہ منتقل ہو گئے تھے، یہیں آپ کی تعلیم و تربیت ہوئی۔

تحصیل علوم: چودہ سال کی عمر میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر علم حاصل کیا، چار سال تک خدمت میں رہے پھر امام ابویوسف رحمہ اللہ سے تکمیل کی، ان کے علاوہ امام اوزاعی، سفیان ثوری اور امام مالک رحمہ اللہ سے بھی علم حدیث میں استفادہ فرمایا، یہاں تک کہ باتفاق اہل علم فقہ کے بلند پایہ امام، تفسیر و حدیث کے ماہر و حاذق اور لغت و ادب کے نادرِ روزگار مسلم استاد بنے۔

معمولاتِ زندگی: محمد بن سلمہ کا بیان ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ نے رات کے تین حصے کر دیے تھے، ایک حصہ سونے کے لئے، ایک نماز کے لئے اور ایک درس کے لئے۔ وہ بہت زیادہ جاگتے تھے، کسی نے کہا کہ آپ سوتے کیوں نہیں؟ فرمایا میں کس طرح سو جاؤں جبکہ مسلمانوں کی آنکھیں ہم لوگوں پر بھروسہ کر کے سوئی ہوئی ہیں۔

تصنیفات: امام محمد رحمہ اللہ کی تصنیفات کی تعداد ایک ہزار کے قریب بیان کی جاتی ہے۔ جن میں سے سب سے مشہور کتابیں یہ ہیں: مبسوط، جامع صغیر، جامع کبیر، زیادات، کتاب الحج، سیر صغیر، سیر کبیر، رقیات وغیرہ۔

وفات: امام محمد رحمہ اللہ نے ۵۷ سال کی عمر پا کر ۱۸۹ھ میں "رَی" شہر میں وفات پائی۔

❷ مؤطا امام محمد رحمہ اللہ کا تعارف و خصائص: امام محمد رحمہ اللہ کی سب سے مشہور کتاب "مؤطا امام محمد رحمہ اللہ" ہے۔ یہ حدیث کی وہ مشہور کتاب ہے جو امام مالک رحمہ اللہ کی دوسری مؤطاؤں سے علمی اور فنی اعتبار سے زیادہ بلند پایہ ہے۔ اس میں احادیث مرفوعہ اور موقوفاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم مسند و مرسل روایات کی مجموعی تعداد (۱۱۸۵) ہے۔ جس میں (۱۰۰۵) تو امام مالک رحمہ اللہ سے اور (۱۷۵) دوسرے طرق سے ہیں۔ جن میں (۱۳) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ہیں اور (۴) قاضی ابویوسف رحمہ اللہ سے اور بقیہ دیگر حضرات سے مروی ہیں۔

چونکہ امام محمد رحمہ اللہ نے اپنی مؤطا میں بہت سے آثار و روایات اور مسائل کو امام مالک رحمہ اللہ کے علاوہ دوسرے حضرات سے نقل کیا ہے اس لئے مجازاً اس کا انتساب امام محمد رحمہ اللہ ہی کی طرف ہونے لگا۔ (ظفر المحصلین باحوال المصنفین)

**الشق الثانی** ...... عن نافع انه اقبل هو وعبدالله بن عمر من الجرف حتى اذا كان بالمربد نزل عبدالله فتيمم صعيدا فمسح وجهه ويديه الى المرفقين ثم صلى. (ص ۷۰۔قدیمی)

من هو نافع؟ ترجم له باختصار۔ هل يجوز التيمم فى الحضر؟ ماهو اختلاف العلماء فيه؟ اذكر اختلاف العلماء فى مقدار مسح اليدين واسرد ادلتهم مع ترجيح الراجح فى ضوء الادلة.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) نافع کا تعارف (۲) حضر میں تیمم کے جواز میں اختلاف (۳) مسح یدین کی مقدار میں اختلاف مع الدلائل۔

**جواب** ...... ❶ نافع کا تعارف: یہ مدینہ کے مشہور عالم و مفتی نافع مولیٰ عبداللہ بن عمر القرشی العدوی العمری ہیں، ان کے والد کا نام "ہرمز" یا "کاؤس" منقول ہے، ان کا اصل تعلق المغرب، نیشاپور، کابل یا طالقان سے تھا۔ بہر حال کسی غزوہ میں قید ہو کر آئے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے خرید لیا تھا۔

یہ حضرت ابن عمر، حضرت عائشہ، حضرت ابوہریرہ، حضرت رافع بن خدیج، حضرت ابوسعید خدری، حضرت ام سلمہ اور حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہم سے روایت حدیث کرتے ہیں۔ بڑے بڑے ائمہ وقت ان سے روایت حدیث کرتے ہیں۔

ابن سعد، امام بخاری، امام مالک، عجلی، ابن خراش، امام نسائی، ابن عیینہ، احمد بن صالح، خلیلی اور ذہبی رحمہم اللہ نے توثیق کی ہے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی ثقاہت پر اجماع نقل کیا ہے۔ راجح قول کے مطابق ۱۱۰ھ میں وفات پائی۔ (کشف الباری ج ۲ ص ۲۵۴)

❷ **حضر میں تیمم کے جواز میں اختلاف:۔** تیمم فی الحضر کے مختلف اسباب ہو سکتے ہیں اور وہ ہمارے تتبع کے اعتبار سے چار ہیں۔

① **لعدم وجدان الماء** حنفیہ کے یہاں عدم وجدان ماء کی وجہ سے شہر میں تیمم کر سکتا ہے یا نہیں؟ بعض متون احناف سے معلوم ہوتا ہے کہ عدم وجدان الماء فی الحضر معتبر نہیں کیونکہ یہ بہت نادر ہے، صاحب ہدایہ کا میلان اسی طرف ہے اور بعض فقہاء لکھتے ہیں کہ یہ صحیح ہے کہ نادر ہے لیکن اتفاقاً ایسا ہو جائے تو راجح قول کی بناء پر ہمارے یہاں جائز ہے۔ در مختار میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے اور لامع میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور یہی ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کا مذہب ہے لیکن انکے یہاں وجوب اعادہ میں اختلاف ہے یعنی جب پانی مل جائے تو اعادہ صلوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے اس میں دونوں قول ہیں کما فی المغنی لیکن الروض المربع میں عدم وجوب اعادہ کی تصریح ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی راجح قول عدم اعادہ ہی ہے اور یہی حنفیہ کا مذہب ہے۔ البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وجوب اعادہ کے قائل ہیں **فالائمة الثلاثة فی جانب والامام الشافعی فی جانب۔**

② **تیمم فی الحضر لاجل المرض**، ایک شخص مریض ہے اس کو استعمال ماء یا حرکت وغیرہ کی وجہ سے اشتداد مرض کا اندیشہ ہے سو ایسا مریض جمہور علماء و منہم الائمۃ الثلاثۃ حنفیہ مالکیہ حنابلہ رحمہم اللہ کے نزدیک تیمم کر سکتا ہے البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف اشتداد مرض کا اندیشہ کافی نہیں تاوقتیکہ تلف نفس یا تلف عضو کا خوف نہ ہو (کمافی الہدایہ) لیکن کتب شافعیہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خوف تلف کی قید انکے یہاں بھی نہیں ہے لہٰذا وہ بھی اس مسئلہ میں جمہور ہی کے ساتھ ہوئے۔ داؤد ظاہری کے نزدیک **تیمم لاجل المرض** مطلقاً جائز ہے خواہ استعمال ماء مضر ہو یا نہ ہو اور یہی امام مالک سے ایک روایت یہ ہے **کما فی العینی۔**

③ **تیمم الجنب لاجل البرد** یعنی پانی کے موجود ہوتے ہوئے سردی کی وجہ سے بجائے غسل کے تیمم کرنا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک تو ایسے شخص کے لئے تیمم ہی ضروری ہے البتہ حنفیہ میں سے صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ سردی کی وجہ سے جنبی کا تیمم کرنا مصر میں جائز نہیں خارج مصر جائز ہے کیونکہ شہر میں گرم پانی کا انتظام ہو سکتا ہے بخلاف صحراء کے۔ پھر اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ اگر کسی شخص نے سردی کی وجہ سے بجائے غسل کے تیمم کر کے نماز پڑھ لی تو پھر زوال عذر کے بعد غسل کر کے اعادہ صلوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک واجب نہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں واجب ہے **وعن احمد روایتان** لیکن الروض المربع میں صرف عدم وجوب اعادہ مذکور ہے لہٰذا اس مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ ایک طرف ہوئے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایک طرف۔ یہ تو مذاہب ہوئے ائمہ اربعہ کے اور عطاء ابن ابی رباح و حسن بصری کے نزدیک اصل مسئلہ میں اختلاف ہے ان کے یہاں تیمم الجنب لاجل البرد مطلقاً جائز نہیں۔

④ وہ تیمم جو اس عبادت کے لئے کیا جائے جو فائت لاالی خلف ہو۔ رد السلام کیلئے تیمم کر سکتے ہیں اسلئے کہ رد سلام ایک فوری چیز ہوتی ہے جس میں تراخی کی گنجائش نہیں ہوتی لہٰذا اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ میں سلام کا جواب طہارت کے ساتھ دوں تو اب ظاہر ہے کہ وضو کرتا رہے گا تو رد کا وقت نکل جائے گا لہٰذا تیمم کر کے جواب دے دے۔ (الدر المنضود ج ۱ ص ۳۳۱)

❸ **مسح یدین کی مقدار میں اختلاف مع الدلائل:۔** مقدار مسح یدین میں چار مذاہب ہیں۔ ① مرفقین تک مسح واجب ہے یہ قول امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، لیث بن سعد اور جمہور رحمہم اللہ کا ہے ② صرف رسغین تک مسح واجب ہے، یہ امام احمد، اسحاق بن راہویہ، امام اوزاعی اور اہل ظاہر رحمہم اللہ کا مسلک ہے ③ رسغین تک واجب ہے اور مرفقین تک مسنون، علامہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت قرار دیا ہے اور علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک قرار دیا ہے

④ علامہ ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ یدین کا تیمم مناکب وآباط تک ہوگا۔

امام احمد رحمہ اللہ کا استدلال حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے، جس سے ایک ضرب اور صرف مسح الرسغین کا پتہ چلتا ہے ان النبی ﷺ امرہ بالتیمم للوجه والكفين۔ اس میں ہاتھوں کے لئے کفین کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا اطلاق صرف رسغین تک ہوتا ہے۔

جمہور کے دلائل: ① عن جابر عن النبی ﷺ قال التیمم ضربة للوجه وضربة للذراعين الى المرفقين ② مسند بزار میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں وہ فرماتے ہیں كنت فی القوم حين نزلت الرخصة فامرنا فضربنا واحدة للوجه ثم ضربة اخرى لليدين والمرفقين ③ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے عن النبی ﷺ قال التیمم ضربتان ضربة للوجه وضربة لليدين الى المرفقين۔

امام احمد اور امام اسحاق رحمہما اللہ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی جس حدیث باب سے استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ در حقیقت یہاں حدیث مختصر ہے، صحیحین میں اس کی تفصیل اس طرح مذکور ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے ناواقفیت کی بناء پر حالت جنابت میں زمین پر لوٹ لگائی تھی اور تمعک کیا تھا، اس کی اطلاع جب حضور اکرم ﷺ کو دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا انما كان يكفيك ان تضرب بيديك الارض ثم تنفخ ثم تمسح بهما وجهك۔ اس حدیث کا سیاق صاف بتلا رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا اصل مقصد تیمم کے پورے طریقہ کی تعلیم دینا نہیں بلکہ تیمم کے معروف طریقہ کی طرف اشارہ کرنا مقصود تھا کہ زمین پر لوٹنے کی ضرورت نہیں بلکہ جنابت کی حالت میں بھی تیمم کا وہی طریقہ کافی ہے جو حدث اصغر میں ہے۔ امام زہری رحمہ اللہ نے تیمم کے مناکب وآباط تک مشروع ہونے پر حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی حدیث تیممنا مع النبی ﷺ الى المناكب والآباط سے استدلال کیا ہے۔ جمہور کی طرف اس حدیث کی توجیہ یہ ہے کہ نزول حکم تیمم کی ابتداء میں یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اپنا اجتہاد تھا، جس پر آنحضرت ﷺ کی تقریر ثابت نہیں لہٰذا صریح اور صحیح روایات کے مقابلہ میں اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ (درس ترمذی ج ۱ ص ۳۸۲)

﴿یا رب صل و سلم دائما ابدا ، علی حبیبک خیر الخلق کلهم﴾

## ﴿الورقة الاولیٰ: السنن و الشمائل﴾

### ﴿السوال الاول﴾ (سنن نسائی) ۱۴۳۹ھ

**الشق الاول**...... عن ابن المسيب وابي سلمة عن ابي هريرة قال: نعى رسول الله ﷺ النجاشي لاصحابه بالمدينة فصفّوا خلفه فصلّى عليه وكبّر اربعًا. قال ابو عبدالرحمٰن: ابن المسيب اني لم أفهمه كما أردت.
عن ابن ابي ليلى ان زيد بن أرقم صلّى على جنازة فكبّر عليها خمسا وقال: كبّرها رسول الله ﷺ.

ترجم الحديثين سلسةً. كم تكبيرةً في صلاة الجنازة؟ هل وقع في عددها اختلاف بين العلماء؟ كيف يمكن الجمع بين الحديثين المذكورين؟

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② تکبیرات جنازہ کی تعداد میں اختلاف ③ جمع بین الحدیثین کی صورت۔

**جواب**...... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مدینہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نجاشی کے انتقال کی خبر دی، پس انہوں نے آپ ﷺ کے پیچھے صفیں باندھیں اور اس کی نماز جنازہ ادا کی اور اس میں چار تکبیریں کہیں۔ ابو عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے کسی کی نماز جنازہ پڑھائی تو اس میں پانچ تکبیریں کہیں اور فرمایا کہ آپ ﷺ نے بھی پانچ تکبیریں کہی تھیں۔

❷ تکبیرات جنازہ کی تعداد میں اختلاف:۔ ائمہ اربعہ اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ نماز جنازہ چار تکبیرات پر مشتمل ہے البتہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ کا یہ مسلک ہے کہ نماز جنازہ میں پانچ تکبیرات ہیں۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی ایک روایت بھی یہی ہے۔

❸ جمع بین الحدیثین کی صورت:۔ دراصل نبی کریم ﷺ سے نماز جنازہ میں چار سے لیکر نو تک تکبیریں ثابت ہیں لیکن جمہور نے چار تکبیرات والی روایات کو ترجیح دی ہے۔

مذہب جمہور کی وجہ ترجیح: ① نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ میں چار تکبیرات کہیں، اس اجتماع میں حضرات شیخین اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے علاوہ حضرت عباس، حضرت ابو ایوب انصاری، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ کرام بھی موجود تھے ② حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے "الاستذکار" میں "ابوبکر بن سلیمان بن ابی حثمہ عن ابیہ" کے طریق سے روایت نقل کی ہے قال كان النبي ﷺ يكبر على الجنائز اربعًا وخمسًا وسبعًا وثمانيًا حتى جاء موت النجاشي فخرج الي المصلى وصف الناس وراءه وكبر عليه اربعًا ثم ثبت النبي ﷺ على اربع حتى توفاه الله عزوجل ③ تنقیح میں حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ کی روایت آئی ہے كانوا يكبرون على عهد رسول الله ﷺ سبعًا وخمسًا وستًا او قال اربعًا فجمع عمر بن الخطاب اصحاب رسول الله ﷺ فاخبر كل رجل بما راى فجمعهم عمر على اربع تكبيرات كأطول الصلاة۔ یہ روایت سنداً حسن ہے۔ (درس ترمذی ج۳ ص۳۰۲)

### ﴿السوال الثانی﴾ (سنن ابن ماجه) ۱۴۳۹ھ

**الشق الاول**...... عن عمرو بن ميمون قال: ما اخطاني ابن مسعود عشية خميس الّا اتيته فيه، قال: فما سمعته يقول بشيئ قط "قال رسول الله ﷺ" فلمّا كان ذات عشية، قال: قال رسول الله ﷺ، قال: فنكس قال: فنظرت اليه، فهو قائم محللة أزرار قميصه قد اغرورقت عيناه وانتفخت اوداجه قال:

او دون ذلك او فوق ذلك او قريبًا من ذلك او شبيهًا بذلك. ترجم الحديث و
اشرحه. قد كان بعض الصحابة يكثرون من رواية الحديث فكيف يكون ذلك منهم مع أن بعضهم كان في
غاية من الاحتياط في الحديث؟ انكر بحيث يشفي الصدور. حقّق الكلمات المعلمة لغةً وصرفًا.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② حدیث کی تشریح ③ صحابہ کرام ؓ کے احتیاط فی الحدیث کے باوجود کثرتِ روایات کی وجہ ④ خط کشیدہ کلمات کی لغوی وصرفی تحقیق۔

**جواب** ...... ① **حدیث کا ترجمہ:** حضرت عمرو بن میمون بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے یہاں ہر جمعرات کی شام کو حاضر ہوتا، اس میں کبھی ناغہ نہ ہوا، میں نے ان کو کبھی یہ کہتے نہ سنا کہ ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' ایک مرتبہ آپ ؓ کہنے لگے ''قال رسول اللہ ﷺ'' (یعنی رسول اللہ ﷺ نے یہ بات فرمائی) عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ ابن مسعود ؓ نے یہ کہہ کر سر جھکا لیا، راوی کہتے ہیں کہ پھر میں نے ان کو دیکھا کہ کھڑے تھے، ان کے کرتے کی گھنڈیاں کھلی ہوئی تھیں، ان کی آنکھیں ڈبڈبائی ہوئیں اور گردن کی رگیں پھولی ہوئی تھیں اور کہہ رہے تھے کہ یا اس سے کم یا اس سے زائد یا اس کے قریب یا اس کے مشابہ فرمایا۔

② **حدیث کی تشریح:** حضرت عمرو بن میمون ؒ عبداللہ بن مسعود ؓ کی مجلس میں ہر جمعرات کو حاضر ہوتے تھے، کبھی غیر حاضری نہ کرتے اور ان سے مسائل شرعیہ معلوم فرماتے تھے، مگر حضرت عمرو بن میمون ؒ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود ؓ سے میں نے اس دوران کبھی یہ نہیں سنا انہوں نے کہا ہو کہ آنحضرت ﷺ نے ایسا فرمایا، حضور کی طرف کوئی بات منسوب کرنے میں اس درجہ احتیاط سے کام لیتے تھے، اس وجہ خوف کرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف کوئی غلط بات منسوب ہو جائے، اسی غایت درجہ کی احتیاط کی بنیاد پر کبھی انہوں نے یہ نہیں فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی، لیکن عمرو بن میمون ؒ ایک دن کا واقعہ نقل کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود ؓ کی زبان سے یہ کلمہ نکل گیا قال رسول اللہ ﷺ یعنی اللہ کے رسول ﷺ نے یہ فرمایا، پھر تو ان پر خوف و ہراس کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اور انہوں نے سر جھکا لیا، عمرو بن میمون ؒ کہتے ہیں کہ میں نے ان کی طرف دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کھڑے ہیں اور ان کے کرتے کی گھنڈیاں کھلی ہوئی ہیں، آنکھیں اشکبار اور آنسوؤں سے ڈبڈبائی ہوئی ہیں اور گردن کی رگیں پھولی ہوئی ہیں، اس حالت میں فرما رہے ہیں کہ حضور ﷺ نے اس سے کم بیان کیا یا اس سے زیادہ بیان کیا، یا قریب قریب اسی طرح بیان کیا یا اسی کے مشابہ بیان کیا۔ الغرض صحابہ کرام ؓ روایتِ حدیث کے سلسلے میں نہایت محتاط تھے، اس شدتِ احتیاط کی وجہ سے حدیث بیان کرنے والوں سے شہادتیں طلب کرتے تھے، قسمیں لیا کرتے تھے تب کہیں جا کر تصدیق کیا کرتے تھے۔

③ **صحابہ کرام ؓ کے احتیاط فی الحدیث کے باوجود کثرتِ روایات کی وجہ:** روایتِ حدیث کا میدان تنگ اور احتیاط و نزاکت کا طالب ہونے کے باوجود متعدد صحابہ کرام ؓ سے سینکڑوں ہزاروں روایات کے منقول ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان حضرات کو نہایت بیدار مغزی کے ساتھ روایت کو چھان پھٹک کرکے غایت درجہ کی تفتیش و تلاش کی بنا پر اپنے اوپر اعتماد تھا، حضرت ابوہریرہ ؓ کا مشغلہ ہی صرف روایتوں کا یاد کرنا تھا، نیز بہت زیادہ روایات ان صحابہ کرام ؓ سے مروی ہیں جن کی عمریں بہت زیادہ لمبی ہوئیں اور بوقتِ ضرورت لوگ ان سے معلوم کرتے تھے تو یہ حضرات کتمانِ علم کی وعید سے بچنے کے لیے بیان فرما دیا کرتے تھے، اس طرح رفتہ رفتہ ان حضرات کی مرویات بہت زیادہ ہو گئیں جیسا کہ حضرت انس ؓ کے متعلق آتا ہے کہ یہ کثرتِ تحدیث سے بہت زیادہ گریز کرتے تھے مگر اس کے باوجود ان کا شمار کثیر الروایات صحابہ میں ہوتا ہے۔ (تکمیل الحاجۃ)

④ **خط کشیدہ کلمات کی لغوی وصرفی تحقیق:** عَشِيَّةٌ: مفرد ہے، اس کی جمع عَشِيٌّ، عَشَايَا، عَشِيَّاتٌ ہے بمعنی شام۔

نَکَصَ: صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معلوم از مصدر نُکُوْصًا (نصر) بمعنی سر جھکانا، الٹے پاؤں لوٹنا۔

اَوْزَارٌ: یہ جمع ہے اس کا مفرد وِزْرٌ ہے بمعنی گٹھڑی، بوجھ۔

اِغْرَوْرَقَتْ: صیغہ واحد مؤنث غائب فعل ماضی معلوم از مصدر اِغْرِیْرَاقًا (افعیعال) بمعنی ڈبڈبانا۔

اَوْدَاجٌ: یہ جمع ہے اس کا مفرد وَدَجٌ ہے بمعنی گردن کی رگ جو غصے کے وقت پھول جاتی ہے۔

**الشق الثانی** ...... عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَا مِنْ دَاعٍ یَدْعُوْ إِلٰی شَیْئٍ إِلَّا وُقِفَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لَازِمًا لِدَعْوَتِهٖ مَا دَعَا إِلَیْهِ وَ إِنْ دَعَا رَجُلٌ رَجُلًا۔ حَدَّثَنِیْ أَبِیْ عَنْ جَدِّیْ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ أَحْیَا سُنَّةً مِنْ سُنَّتِیْ فَعَمِلَ بِهَا النَّاسُ کَانَ لَهٗ مِثْلُ أَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا یَنْقُصُ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَیْئًا وَمَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَةً فَعُمِلَ بِهَا کَانَ عَلَیْهِ أَوْزَارُ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا یَنْقُصُ مِنْ أَوْزَارِهِمْ مَنْ عَمِلَ بِهَا شَیْئًا۔

شکل الحدیثین ثم ترجمهما اشرح الحدیثین شرحا یکشف به مرام المصنف. حقق الکلمات المخطة لغةً و صرفًا

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① احادیث پر اعراب ② احادیث کا ترجمہ ③ احادیث کی تشریح ④ خط کشیدہ کلمات کی لغوی و صرفی تحقیق۔

**جواب** ...... ❶ احادیث پر اعراب: کما مر فی السؤال آنفًا

❷ احادیث کا ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس بھی کوئی بلانے والا کسی شیٔ کی طرف مگر قیامت کے دن کھڑا کیا جائے گا اسی دعوت کے ساتھ جس کی طرف اس نے بلایا خواہ ایک ہی آدمی کو دعوت دی ہو۔ کثیر بن عبد اللہ بن عمرو بن عوف مزنی کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے میرے دادا سے روایت کی کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے میری کسی سنت کو زندہ کیا اور لوگوں نے اس پر عمل کیا تو اس کے لیے عمل کرنے والے کی مثل اجر ہوگا اور ان کے اجر سے کچھ کمی بھی نہ ہوگی، اور جس نے کوئی بدعت ایجاد کی اور لوگ اس پر عمل کرنے لگے تو اس پر عمل کرنے والے کی مثل گناہ ہوگا اور عمل کرنے والے کے گناہ میں کوئی کمی بھی واقع نہ ہوگی۔

❸ احادیث کی تشریح: پہلی حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص دنیا میں جس چیز کا داعی ہوگا، قیامت کے دن اسی دعوت کے ساتھ اٹھایا جائے گا، اگر کوئی خیر و بھلائی کی طرف لوگوں کو بلائے گا تو قیامت کے دن اسی دعوت والے کام اور ان لوگوں کے ساتھ پایا جائے گا جنہوں نے اس کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے حق کو قبول کیا تھا اور اگر کوئی شخص بدعت و خرافات، رسم و رواج، کفر و ترک، معصیت و منکرات کی طرف دعوت دے گا تو قیامت کے دن اسی دعوت کے ساتھ پکارا جائے گا اور اس کے تمام متبعین و فرمانبردار بھی اس کے ساتھ ہوں گے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "احشروا الذین ظلموا و ازواجهم و ما کانوا یعبدون" ...... الخ (فرشتوں کو حکم ہوگا کہ ان ظالموں کو اور ان کے ہم مشربوں کو اور ان کے معبودوں کو جن کی وہ پوجا کرتے تھے سب کو جمع کرو اور جہنم کی طرف لے جاؤ)۔

دوسری حدیث کے متعلق امام مظہری فرماتے ہیں کہ اس میں سنت سے مراد وہ دینی احکام ہیں جو آپ ﷺ نے متعین کیے خواہ وہ از قبیل فرائض و واجبات کی قبیل سے ہوں یا سنت و مستحب ہوں۔ احیاء سنت میں تحصیل علم، قراءت قرآن، باعلاء علم وغیرہ سب داخل ہیں اور احیاء سے مراد لوگوں کو اس پر عمل کے لیے ابھارنا اور لوگوں کے سامنے اس عمل کے افضل ہونے کو بیان کرنا ہے۔ (تکمیل الحاجۃ)

❹ خط کشیدہ کلمات کی لغوی و صرفی تحقیق: وُقِفَ: صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی مجہول از مصدر تَوْقِیْفًا (تفعیل۔ ثلاثی)

بمعنی کھڑا کرنا۔ مجرد وَقْفًا وَوُقُوْفًا (ضرب۔ مثال) بمعنی ٹھہرنا، کھڑا ہونا۔ اَعْجُوزٌ: یہ جمع ہے اس کا مفرد عَجُزٌ ہے بمعنی کولہا، سرین۔

لَایَنْتَقِصُ: صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع مجہول از مصدر اِنْتِقَاصًا (افتعال) بمعنی گھٹانا، کم کرنا۔

اِبْتَدَعَ: صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف از مصدر اِبْتِدَاعًا (افتعال) بمعنی ایجاد کرنا، شروع کرنا۔

اَوْزَارٌ: یہ جمع ہے اس کا مفرد وِزْرٌ ہے بمعنی گناہ، بھاری بوجھ۔

## ﴿السوال الثالث﴾ (شمائل ترمذی) ۱۴۳۹ھ

**الشق الاول** ......قال أبو عیسی: سمعت ابا جعفر محمد بن الحسین یقول: سمعت الاصمعی یقول فی تفسیر صفة النبی ﷺ: الممغط: الذاهب طولاً۔ قال: و سمعت اعرابیًا یقول فی کلامه: تمغط فی نشابته: ای مدها مدًا شدیدًا والمتردد: الداخل بعضه فی بعض قصرًا واما القطط: فالشدید الجعودة والرجل: الذی فی شعره حجونة: ای تثنی قلیلا وأما المطهم: فالبادن الکثیر اللحم، والمکلثم: المدور الوجه والمشرب: الذی فی بیاضه حمرة والأدعج: الشدید سواد العین والاهدب: الطویل الاشفار والکتد: مجتمعة الکتفین وهو الکاهل.

اشرح العبارة بحیث تتضح به معانی الکلمات المذکورة فیها۔ قد وصف هند بن ابی هالة رسول الله ﷺ بأنه کان "أزج الحواجب سوابغ من غیر قرن بینهما" و "أقنی العرنین له نور یعلوه" وضح قوله.

﴿خلاصہ سوال﴾ ......اس سوال کا حل دو امور ہیں: (۱) عبارت کی تشریح (۲) حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کے قول کی وضاحت۔

**جواب** ...... (۱) عبارت کی تشریح:۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو جعفر محمد بن حسین کو سنا وہ امام لغت اصمعی کے حوالہ سے آپ ﷺ کی صفات کی تفسیر و تشریح کرتے ہیں کہ "ممغط" بہت لمبے کو کہتے ہیں چنانچہ امام اصمعی نے ایک دیہاتی کا کلام سنا جس میں اس نے تمغط کا لفظ استعمال کیا تمغط فی نشابته (اس نے کمان میں تیر ڈال کر بہت کھینچا) چنانچہ آپ ﷺ کے وصف ممغط کا بھی یہی معنی ہے۔ "متردد" اتنا ٹھگنا و چھوٹا قد کہ بعض اعضاء بعض میں گھسے ہوئے ہوں۔ "قطط" بہت ہی چھوٹے و گھنگریالے بال۔ "الرجل" بالوں کا کچھ گھنگریالا ہونا۔ "المطهم" بہت موٹا و بھاری بھرکم ہونا۔ "المکلثم" گول چہرے والا۔ "المشرب" ایسی سفیدی جس میں معمولی سرخی بھی ہو۔ "ادعج" آنکھ کی پتلی کا انتہائی سیاہ ہونا۔ "اهدب" پلکوں کا طویل ہونا۔ "الکتد" کندھوں کا درمیانی حصہ جسے کاہل بھی کہتے ہیں۔ مزید تحقیق ——کما مر فی الشق الثانی من السوال الثالث ۱۴۲۷ھ

(۲) حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کے قول کی وضاحت:۔ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے ابرو خمدار باریک اور گنجان تھے اور دونوں ابرو جدا جدا تھے ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں تھے اور اَزج کے لفظ سے اشارہ کیا کہ یہ قدرتی باریک فاصلہ تھا بناوٹی نہیں تھا۔ آپ ﷺ کی ناک بلندی مائل تھی، اس پر چمک و نور تھا، ابتداءً دیکھنے والا آپ ﷺ کو بڑی ناک والا سمجھتا مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا کہ حسن و چمک کی وجہ سے ناک بلند معلوم ہوتی ہے مگر حقیقت میں زیادہ بلند نہیں ہے۔

**الشق الثانی** ...... "قَالَتِ السَّابِعَةُ: زَوْجِیْ عَیَایَاءُ وَ غَیَایَاءُ طَبَاقَاءُ کُلُّ دَاءٍ لَهُ دَاءٌ شَجَّکِ اَوْ فَلَّکِ اَوْ جَمَعَ کُلًّا لَکِ. قَالَتِ الثَّامِنَةُ: زَوْجِیْ اَلْمَسُّ مَسُّ اَرْنَبٍ وَالرِّیْحُ رِیْحُ زَرْنَبٍ، قَالَتِ التَّاسِعَةُ زَوْجِیْ رَفِیْعُ الْعِمَادِ، عَظِیْمُ الرَّمَادِ، طَوِیْلُ النِّجَادِ، قَرِیْبُ الْبَیْتِ مِنَ النَّادِ." شکّل الحدیث ثم ترجمه واوضح معانی الکلمات المخطوطة. ما هو معنی "السمر"؟ بیّنه مع بیان حکمه. ماذا تعرف عن "خرافة"؟ اذکر قصته.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ کلمات مخطوطہ کی تحقیق ④ سمر کا معنی وحکم ⑤ خرافہ کا تعارف وقصہ۔

**جواب** ...... ① تا ③ اعراب، ترجمہ و تحقیق:۔ كما مر في الشق الاول من السوال الثالث ۱۴۲۷ھ

④ سمر کا معنی وحکم:۔ سمر کا معنی رات کو سونے سے قبل قصہ گوئی کرنا و کہانیاں سنانا ہے۔ عشاء کے بعد سونے سے قبل بے فائدہ و فضول قصہ گوئی کرنا ممنوع ہے البتہ وعظ و تذکیر، تعلیم و تبلیغ اور اس سے ملتے جلتے قصے سننا سنانا جائز ہے۔ (کشف الباری)

باقی قصہ خرافہ کی سند پر کلام ہے، حافظ نے لکھا ہے کہ خرافہ کا کسی صحابی نے تذکرہ نہیں کیا، بس یہ ایک گپ ہی ہے کہ خرافہ آپ ﷺ کی خدمت میں آیا اور اس نے یہ واقعہ بیان کیا۔ (تحفۃ الالمعی)

⑤ خرافہ کا تعارف وقصہ:۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خرافہ قبیلہ عذرہ کا آدمی تھا، اسے جنات اٹھا کر لے گئے تھے اور اسے طویل عرصہ اپنی قید میں رکھا پھر اس کو واپس انسانوں میں چھوڑ گئے تھے، یہ جنات کی قید سے آنے کے بعد جنات میں دیکھے گئے عجیب وغریب واقعات بیان کرتا تھا۔ پھر کوئی بھی عجیب وغریب بات یا واقعہ ہوتا تو لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ خرافہ کی بات ہے، آج کل ہمارے معاشرے میں بھی فضول قصہ و واقعہ کو خرافات کہا جاتا ہے۔

## ﴿الورقة الثانية: الصحيح للامام مسلمؒ﴾

### ﴿السوال الاول﴾ ۱۴۳۹ھ

**الشق الاول** ...... "عن عبيد الله بن معاذ قال: حدثنا ابي قال: حدثنا شعبة عن أبي التياح سمع مطرف بن عبدالله عن ابن المغفل قال: امر رسول الله ﷺ بقتل الكلاب ثم قال: مابالهم وبال الكلاب ثم رخّص في كلب الصيد وكلب الغنم وقال اذا ولغ الكلاب في الاناء فاغسلوه سبع مرات وعفّروه الثامنة في التراب"۔

ترجم الحديث. ماالغرض من الأمر بقتل الكلاب ثم الترخيص في احياء بعضها؟ مالمعنى "ولوغ الكلب ولحس الكلب"؟ ۔ سؤر الكلب طاهر ام نجس؟ ما الخلاف بين الفقهاء فيه؟ إن كان سور الكلب نجسا فما هو طريق التطهير؟ وما الخلاف بين الفقهاء؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② پہلے کتوں کو مارنے اور پھر بعض کو چھوڑنے کے حکم کی وجہ ③ ولوغ اور لحس کا معنی ④ سورِ کلب کی نجاست میں اختلاف ⑤ کتے کا جوٹھا برتن پاک کرنے کا طریقہ۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا پھر فرمایا کہ ان کو کیا ضرورت ہے اور کتوں کی کیا حالت ہے؟ پھر آپ ﷺ نے شکاری کتے اور بکریوں کی حفاظت والے کتے کی اجازت دی اور فرمایا کہ جب کتا برتن میں منہ ڈالے تو اس کو سات مرتبہ دھو ڈالو اور آٹھویں مرتبہ اسے مٹی سے رگڑ دو (مانجھو)۔

② پہلے کتوں کو مارنے اور پھر بعض کو چھوڑنے کے حکم کی وجہ:۔ عربوں کے مزاج میں کتا حد سے زیادہ داخل تھا جیسا کہ آج کل انگریزوں اور اہلِ یورپ کے مزاج میں داخل ہے۔ اسلام نے لوگوں کے دلوں سے کتے کی محبت نکالنے کے لیے بتدریج احکام دیے، ان میں سے پہلا حکم یہ دیا کہ شوقیہ کتا پالنے سے روزانہ ثواب میں سے ایک قیراط کم ہو جائے گا چنانچہ لوگوں نے اسی وقت کتے کو رخصت کر دیا، دوسرا حکم اس کے منہ ڈالنے کی وجہ سے برتن کو سات مرتبہ دھونے کا دیا، صبح سے شام تک کتے متعدد برتنوں

میں منہ ڈالتے، لوگ برتن دھونے سے تنگ آ گئے تو کچھ نے اس وقت کتے کو رخصت کر دیا، تیسرا حکم کتوں کو مارنے کا دیا چنانچہ اس حد تک کتے مارے گئے کہ مدینہ کتوں سے صاف ہو گیا، پھر قبائل سے کوئی عورت کتے کے ساتھ مدینہ آتی تو لوگ فوراً کتے کو مار ڈالتے، جب اس درجہ نفرت پیدا ہو گئی تو رفتہ رفتہ کالے کتے کے علاوہ بقیہ کو چھوڑنے کی اجازت مل گئی۔ (تحفۃ الاحوذی)

❸ **ولوغ اور لحس کا معنی:۔** "ولوغ" کا معنی برتن میں منہ ڈالنا اور اطراف زبان سے پینا ہے اور "لحس" کا معنی چاٹنا ہے۔

❹ و ❺ **سور کلب کی نجاست میں اختلاف اور تطہیر کا طریقہ:۔** کما مر فی الشق الثانی من السوال الثانی ۱۴۳۸ھ (الورقۃ الاولی)

**الشق الثانی** ......عن ابن عباس قال: مرّ رسول الله ﷺ على قبرين فقال: اما انهما ليعذّبان وما يعذّبان في كبير، امّا احدهما فكان يمشي بالنميمة وامّا الآخر فكان لا يستتر من بوله، قال: فدعا بعسيب رطب فشقّه باثنين ثمّ غرس على هذا واحدًا وعلى هذا واحدًا، ثمّ قال: لعلّه ان يخفّف عنهما مالم ييبسا.

ترجم الحديث ترجمةً واضحةً. ما معنى " ومايعذبان في كبير"؟ اليس عدم التنزه من البول وارتكاب النميمة من الكبائر؟ لمن هذان القبران؟ وهل تغريس النبي ﷺ العسيب على القبرين من خصائصه أم عام لكل واحد؟ وما حكم نثر الأزهار على القبور؟

**جواب** ......مکمل جواب کما مر فی الشق الاول من السوال الاول ۱۴۳۲ھ (الورقۃ الاولی)

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۹ھ

**الشق الاول** ......عن عبدالله بن عباس انّه قال: كان الفضل بن عباس رديف رسول الله ﷺ فجاءته امرأة من خثعم تستفتيه فجعل الفضل ينظر اليها وتنظر اليه، فجعل رسول الله ﷺ يصرف وجه الفضل الى الشق الآخر، قالت: يا رسول الله انّ فريضة الله على عباده في الحجّ ادركت ابي شيخًا كبيرًا لايستطيع ان يثبت على الراحلة افاحجّ عنه؟ قال: نعم، وذلك في حجة الوداع.

ترجم الحديث ترجمةً رائعةً. هل يجوز الحجّ عن العاجز بسبب الشيخوخة والهرم؟ وهل هناك فرق بين الحي والميت؟ اكتب اقوال الفقهاء رحمهم الله. اكتب المسائل المستفادة من الحديث المذكور.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② عاجز و میت کی طرف سے حج کی ادائیگی میں ائمہ کے اقوال ③ حدیث سے مستفاد مسائل۔

**جواب** ......① **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ردیف تھے، پس قبیلہ خثعم کی ایک عورت آئی اور آپ ﷺ سے مسئلہ پوچھنے لگی۔ (اس دوران) حضرت فضل رضی اللہ عنہ اس عورت کی طرف اور وہ عورت حضرت فضل رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھنا شروع ہو گئے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت فضل رضی اللہ عنہ کا چہرہ دوسری طرف پھیر دیا، اس عورت نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! بے شک اللہ تعالیٰ کے فریضۂ حج نے میرے بوڑھے والد کو پایا ہے مگر وہ سواری پر بیٹھنے کی طاقت نہیں رکھتے، کیا میں ان کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں! یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔

② **عاجز و میت کی طرف سے حج کی ادائیگی میں ائمہ کے اقوال:۔** حنفیہ رحمہم اللہ کے نزدیک نیابت کے متعلق اصول یہ ہے کہ جو عبادات محض مالی ہیں ان میں نیابت درست ہے اور جو عبادات محض بدنی ہیں ان میں نیابت درست نہیں ہے اور جو عبادات مالی بدنی کا مجموعہ ہیں مثلاً حج بیت اللہ ان میں عند العجز نیابت درست ہے بلا عجز نیابت درست نہیں ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، قاسم اور امام نخعی رحمہم اللہ کے نزدیک حج میں نیابت درست ہی نہیں ہے۔

امام مالک اور لیث رحمہما اللہ کے نزدیک بھی حج میں نیابت درست نہیں ہے، البتہ اگر میت پر حج فرض تھا اور اس نے ادا نہ کیا تو اس کی طرف سے حج کرنا درست ہے مگر یہ حج اس کے فریضہ کے قائم مقام نہ ہوگا اور اگر میت نے وصیت کی تھی تو پھر ثلث مال میں وصیت نافذ ہوگی۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک عند العجز نیابت فی الحج درست ہے اور اگر میت کے ذمہ حج فرض تھا اس کی حیثیت دین کی ہے اور ورثاء کے ذمہ بغیر وصیت حج کرانا لازم ہے خواہ اس حج پر کل مال خرچ ہو جائے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عند العجز نیابت فی الحج درست ہے۔ اگر میت نے حج لازم ہونے کے بعد حج کرانے کی وصیت نہیں کی تو ورثاء کے ذمہ حج کرانا لازم نہیں ہے اور ترک وصیت کی وجہ سے میت گنہگار ہوگی البتہ اگر وصیت کے بغیر کسی نے از خود اس کی طرف سے حج کیا تو اللہ تعالیٰ سے امید یہی ہے کہ یہ حج اس سے کفایت کر جائے گا۔ اور اگر میت نے وصیت کی ہے تو ثلث مال سے حج کرانا ورثاء پر لازم ہے۔ اگر ثلث مال سے میت کے وطن سے حج کرانا ممکن نہ ہو تو قیاس کے مطابق وصیت باطل ہے اور اس ثلث میں بھی میراث جاری ہوگی لیکن استحساناً میت کو اس فریضہ سے سبکدوش کرنے کے لئے اس علاقہ سے کسی کو حج کروائیں گے جہاں سے ثلث مال حج کے لئے کافی ہو جائے۔ (درس ترمذی ج۳ ص ۲۰۰)

❷ حدیث سے مستفاد مسائل:۔ ① حالتِ احرام میں بھی اجنبی عورت کے چہرے کو دیکھنا جائز نہیں جیسا کہ عام حالات میں جائز نہیں ہے۔ لہٰذا لوگوں کا یہ کہنا کہ احرام میں پردہ نہیں ہے غلط ہے۔ ② عاجز، ضعیف و معذور کی طرف سے [illegible] حج میں نیابت جائز ہے۔ ③ حالتِ احرام میں بقدر ضرورت عورت کا اپنے چہرے کو کھولنا جائز ہے۔

...... "عن عبدالله بن دينار انه سمع ابن عمر يقول: ذكر رجل لرسول الله ﷺ انه يخدع في البيوع، فقال رسول الله ﷺ: من بايعت فقل: لا خلابة فكان اذا بايع يقول: لا خيابة"۔

ترجم الحديث. هل يحصل خيار الغبن لكلّ عاقد بقوله "لا خلابة" او يختص بالرجل المذكور؟ اذكر اقوال أهل العلم بهذا الصدد مع تعيين الراجح. اكتب اسم الرجل المذكور في الحديث وبيّن معنى "خلابة". لما نابدل الرجل المذكور قوله ﷺ فقال لا خيابة وفي بعض الروايات لا خذابة دون لا خلابة ؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② لا خلابة کہنے سے خیار غبن حاصل ہونے کی وضاحت ③ رجل مذکور کی مراد، لا خلابة کا معنی اور قول مذکور کو بدلنے کی وجہ۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایک آدمی نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ انہیں بیع میں دھوکہ ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم جس شخص سے بھی بیع کرو تو یہ الفاظ کہو لا خلابة چنانچہ وہ آدمی جب بھی کسی سے بیع کرتا تو لا خيابة کہتا۔

❷ لا خلابة کہنے سے خیار غبن حاصل ہونے کی وضاحت:۔ حنابلہ اور بعض مالکیہ کے نزدیک جو شخص بھی مسترسل ہو (جس کو بیوع کے معاملے میں بصیرت حاصل نہ ہو) ایسے شخص کو لا خلابة کہنے کے بعد دھوکہ کھانے کی صورت میں خیار حاصل ہوگا کہ وہ چاہے تو عقد کو فسخ کر دے، جب کہ حنفیہ، شافعیہ اور اکثر مالکیہ کے نزدیک خیار غبن نہیں ملے گا خواہ مسترسل ہو یا نہ ہو۔

حنابلہ و بعض مالکیہ کی دلیل حدیث مذکور ہے کہ حضرت حبان بن منقذ رضی اللہ عنہ بیوع کے معاملے میں صاحب بصیرت نہیں تھے، معاملہ کرتے وقت صرف لا خلابة کہہ دیا کرتے تھے اور جب بھی نقصان ہو جاتا تو تین دن کے اندر بیع فسخ کر دیتے تھے۔

حنفیہ، شافعیہ و اکثر مالکیہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ عقد آپس کی رضامندی سے مکمل ہو واقع ہوا ہے اور متعاقدین عاقل و بالغ ہیں، لہٰذا یہ بیع دوسری بیوع کی طرح لازم ہوگی۔

حنابلہ و بعض مالکیہ کی دلیل کے دو جواب دیے گئے ہیں: ① یہ حضرت حبان بن منقذ رضی اللہ عنہ کی خصوصیت تھی، یہ خیار صرف انہی کے لیے آپ ﷺ نے مقرر فرمایا تھا، ہر مسترسل کے لیے نہیں تھا۔ اور اس خصوصیت کی دلیل دو روایتیں ہیں:

۱۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ حضرت حبان بن منقذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ان رسول اللہ ﷺ خیّرنی فی بیعی" یعنی رسول اللہ ﷺ نے مجھے میری بیع میں خیار دیا ہے۔ ۲۔ سنن بیہقی میں حضرت حبان بن منقذ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ جب ان کو دھوکہ ہو جاتا تو وہ بائع کے پاس جا کر بیع فسخ کرنے کا مطالبہ کرتے، لیکن بائع انکار کرتا، حتی یمر بہ الرجل من اصحاب رسول اللہ ﷺ فیقول: ان رسول اللہ ﷺ قد جعلہ بالخیار فیما یبتاع ثلاثا فیرد علیہ دراهمہ و یاخذ سلعتہ۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خیار انہی کی خصوصیت تھی، کیوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دلیل میں یہ نہیں فرماتے تھے کہ مغبون کو خیار ملتا ہے بلکہ وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو خیار دیا ہے۔ ② حضرت حبان بن منقذ رضی اللہ عنہ جو خیار استعمال فرماتے تھے وہ خیار شرط تھا، خیار غبن نہیں تھا اور ان کا لا خلابۃ کہنا لوگوں میں معروف تھا کہ اس سے مراد تین دن کا خیار ہے کیوں کہ متعدد روایات میں صراحت ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو دیے گئے خیار کی مدت تین دن مقرر فرمائی تھی، حالانکہ تین دن کے ساتھ خیار شرط ہی مقید ہوتا ہے اور خیار غبن کے قائلین کے نزدیک بھی یہ تین دن کے ساتھ مقید نہیں ہوتا۔

اور تین دن کی صراحت والی روایات میں سے ایک سنن بیہقی کے حوالے سے ماقبل میں ذکر کی گئی ہے اور اس کے علاوہ بھی سنن ابن ماجہ، سنن دار قطنی اور مستدرک حاکم میں تین دن کی صراحت موجود ہے۔ (درس مسلم)

❸ **رجل کی مراد، لا خلابۃ کا معنی اور قول مذکور کہنے کی وجہ:** رجل سے مراد حضرت حبان بن منقذ رضی اللہ عنہ ہیں یا بعض حضرات کے بقول اس کا مصداق حضرت منقذ بن عمرو رضی اللہ عنہ ہیں۔

خلابۃ کا معنی دھوکہ ہے اور لا خلابۃ کا مطلب یہ ہے کہ مجھے دھوکہ دینا تیرے لیے حلال نہیں ہے یا تیرا دھوکہ مجھ پر لازم نہیں ہوگا یعنی اگر میری بیع میں غبن و دھوکہ ہوا تو یہ بیع مجھ پر لازم نہ ہوگی، مجھے فسخ کا اختیار ہوگا۔ مذکورہ صحابی کے لاخلابۃ کی جگہ لاخیابۃ یا لاخذابۃ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ صحابی کسی غزوے میں شریک تھے کہ سر میں گہرا زخم لگا جس کی وجہ سے عقل میں کمی آگئی تھی اور زبان میں بھی نقص پیدا ہو گیا تھا جس کی وجہ سے لام کی بجائے یاء و ذال کا تلفظ کرتے تھے۔ (درس مسلم)

## السوال الثالث ۱۴۳۹ھ

**الشق الاول**...... عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ: سَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ حُنَيْفٍ بِصِفِّينَ يَقُولُ: اِتَّهِمُوا رَأْيَكُمْ عَلَى دِينِكُمْ، فَلَقَدْ رَأَيْتُنِي يَوْمَ أَبِي جَنْدَلٍ وَلَوْ أَسْتَطِيعُ أَنْ أَرُدَّ أَمْرَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مَا سَدَدْنَا مِنْهُ فِي خُصْمٍ إِلَّا انْفَجَرَ عَلَيْنَا مِنْهُ خُصْمٌ.

شكّل الحديث ثم ترجمه مع شرح العبارة المعلمة. من هو ابو جندل وما المراد من يومه ؟. ما هو جواب لو استطيع ان ارد امر رسول الله ﷺ ؟ وما هو مرجع الضمير في "منه"؟ ما معنى سد الخصم وانفجاره؟

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ مخطوط عبارت کی تشریح ④ ابو جندل اور یومہ کی مراد ⑤ لو کا جواب اور منہ کی ضمیر کا مرجع ⑥ سد الخصم و انفجارہ کا معنی۔

**جواب**...... ❶ **حدیث پر اعراب:** کما مر فی السوال آنفا

❸ **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت ابو وائل سے مروی ہے کہ میں نے حضرت سہل بن حنیف ؓ کو جنگ صفین میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ دین کے معاملے میں اپنی رائے کو تہمت زدہ سمجھو، میں نے یوم ابی جندل میں خود کو دیکھا اگر میرے لیے اس وقت رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو رد کرنا ممکن ہوتا تو میں ضرور رد کر دیتا ہم اس کی ایک جانب بند نہیں کرتے کہ اس کی دوسری جانب ہم پر کھل جاتی ہے۔

❹ **مخطوط عبارت کی تشریح:۔** اس جملے کا مفہوم یہ ہے کہ اس جنگ کے معاملے میں تم اپنی رائے کو حق سمجھتے ہوئے حرف آخر نہ سمجھو بلکہ اپنی رائے کو متہم سمجھو ممکن ہے فریق مخالف کی رائے درست ہو، کیوں کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر میری رائے یہی تھی کہ صلح نہیں ہونی چاہیے جنگ ہی ہونی چاہیے، مگر ہم نے اپنی رائے چھوڑ کر آپ ﷺ کی رائے پر عمل کیا جس کا نتیجہ وانجام بہتر ہوا، جبکہ وہاں کفر واسلام کا معاملہ تھا اور یہاں دو مسلمانوں کا باہمی معاملہ ہے۔ (کشف الباری)

❺ **ابو جندل اور یومۂ کی مراد:۔** ابو جندل سے مراد عاصی بن سہل بن عمرو ؓ اور یوم سے مراد صلح حدیبیہ کا دن ہے۔ (نووی)

❺ **لو کا جواب اور منه کی ضمیر کا مرجع:۔** لو کا جواب لَرَدَدْتُهٗ ہے اور ضمیر کا مرجع الامر ہے جو کہ ابو وائل کی روایت میں اور بخاری کی روایت میں بالتصریح موجود ہے۔

❻ **سد الخصم وانفجاره کا معنی:۔** حضرت سہل ؓ کے اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمان ؓ کی شہادت کے بعد مسلمانوں میں فتنوں کا جو دروازہ کھلا ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کو کیسے بند کیا جائے؟ کسی ایک معاملہ کو ہم سلجھا کر فارغ نہیں ہوتے کہ دوسرا معاملہ خراب ہو جاتا ہے۔ (کشف الباری)

## ﴿الورقة الثالثة: جامع الامام الترمذیؒ﴾

## ﴿السوال الاول﴾ ۱۴۳۹ھ

**الشق الاول** ..... عن ابی هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: "اذا توضأ العبد المسلم او المؤمن فغسل وجهه خرجت من وجهه كل خطيئة نظر اليها بعينيه مع الماء او مع آخر قطر الماء او نحو هذا واذا غسل يديه خرجت من يديه كل خطيئة بطشتها يداه مع الماء او مع آخر قطر الماء حتى يخرج نقيًا من الذنوب. وفي الباب عن عثمان وثوبان والصنابحي وعمرو بن عبسة وسلمان وعبدالله بن عمرو.

ترجم الحديث واشرحه. هل يمحو الوضوء الخطايا كلها ام بعضها؟ ان كان الوضوء سببًا لمحو بعض الذنوب فما المراد بقوله ﷺ حتى يخرج نقيا من الذنوب؟ "الصنابحي" نسبة لثلاثة اشخاص اذكر اسماءهم وايهم يروي هذا الحديث؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ..... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② حدیث کی تشریح ③ وضو سے گناہ معاف ہونے کی وضاحت ④ صنابحی کی مراد اور راوی کی تعیین۔

**جواب** ..... ① **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان یا مؤمن بندہ وضو کرتا ہے اور چہرہ دھوتا ہے تو اس کے چہرے کے وہ تمام گناہ جن کی طرف اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوتا ہے وہ سب پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ نکل جاتے ہیں، اور جب اپنے ہاتھوں کو دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں سے بھی وہ تمام گناہ جن کو اس کے ہاتھوں نے پکڑ کر کیا ہوتا ہے وہ سب پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ نکل جاتے ہیں حتی کہ وہ گناہوں سے بالکل پاک صاف ہو کر نکلتا ہے۔

۲ حدیث شریف کی تشریح:۔ ترجمہ کے اندر ہی تشریح آ گئی، واضح ہو گیا ہے کہ جو کوئی مؤمن وضو کرتے ہوئے اپنے بدن کے جس جس عضو کو دھوتا ہے پانی کے ساتھ ساتھ اس کے عضوِ مغسول کے گناہ بھی نکلتے اور دھلتے رہتے ہیں حتیٰ کہ جب وہ وضو سے فارغ ہوتا ہے تو وہ گناہوں سے بھی پاک وصاف ہو چکا ہوتا ہے۔

۳ وضو سے گناہ معاف ہونے کی وضاحت:۔ گناہ کے چار درجے ہیں: ① معصیة (نافرمانی) اس کے مقابلے میں طاعة (فرمانبرداری) ہے۔ ② سیئة (برائی) اس کے مقابلے میں حسنة (اچھائی) ہے۔ ③ خطیئة (غلطی) اس کے مقابلے میں صواب (درستگی) ہے۔ ④ ذنوب (عیوب) ان کے مقابل کوئی نہیں ہے۔

وضو، غسل، نماز اور روزے وغیرہ سے کون سے گناہ معاف ہوتے ہیں؟ علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ نصوص میں جو لفظ آیا ہے وہ اور اس کے نیچے والے گناہ معاف ہوں گے اس سے اوپر والے گناہ معاف نہیں ہوں گے جیسے یہاں حدیث میں خطایا کا لفظ آیا ہے یعنی وضو اور غسل سے خطیئے اور اس سے نیچے کا گناہ (ذنوب) معاف ہوں گے اس سے اوپر کے درجے کے گناہ معاف نہیں ہوں گے، اسی طرح نماز سے کون سے گناہ معاف ہوتے ہیں؟ حدیث کو دیکھا جائے کہ اس میں کیا لفظ آیا ہے؟ وہ اور اس سے نیچے والے گناہ معاف ہوں گے اور اوپر والے معاف نہیں ہوں گے۔ اسی طرح قرآن کریم میں جو آیا ہے "ان الحسنات یذهبن السیئات" (بے شک نیکیاں برائیوں کو ختم کرتی ہیں) یہاں لفظ سیئات آیا ہے یعنی حسنات سے سیئات اور اس سے نیچے کے گناہ یعنی خطایا و ذنوب معاف ہوں گے اس سے اوپر کا گناہ یعنی معاصی معاف نہیں ہوں گے۔ ([illegible])

اس تشریح سے معلوم ہوا کہ ذنب گناہ کا سب سے نچلا و کم تر درجہ ہے اور وضو کے ذریعے یہ بہر صورت معاف ہو جاتا ہے۔

۴ صنابحی کی مراد اور راوی کی تعیین:۔ صنابحی نام کے تین راوی ہیں: ① عبد اللہ بن عمرو صنابحی یہ صحابی ہیں بعض "باب فضل الطهور" میں انہی کی روایت ہے۔ ② عبد الرحمن بن عسیلہ صنابحی ان کی کنیت ابو عبد اللہ ہے اور یہ صحابی نہیں ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی زیارت کیلئے گھر سے چلے تھے، ابھی مدینہ سے تین دن کے فاصلے پر تھے کہ نبی کریم ﷺ کی وفات ہو گئی۔ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے حدیثیں سنی ہیں، نبی کریم ﷺ سے کوئی حدیث نہیں سنی۔ چونکہ ان کی کنیت ابو عبد اللہ ہے اس لئے عبد اللہ صنابحی سے اشتباہ ہو سکتا تھا تو امام ترمذی رحمہ اللہ نے تمیز کے لیے ان کا تذکرہ کیا ہے۔ ③ صنابح بن الاعسر احمسی ان کے نام کے آخر میں "ی" نہیں ہے مگر ان کو بھی صنابحی کہہ دیا جاتا ہے۔ یہ صحابی ہیں اور ان کی حدیث "انی مکاثر بکم الامم فلا تقتتلن بعدی" ہے۔ ([illegible])

**السؤال الثانی** ..... "عن ابن عباس ان النبی ﷺ قال: أمّني جبرئيل عند البيت مرّتين فصلّى الظهر في الاولى منهما حين كان الفيء مثل الشراك ثم صلّى العصر حين كان كلّ شيئ مثل ظلّه ثم صلّى المغرب حين وجبت الشمس وافطر الصائم ثم صلّى العشاء حين غاب الشفق ثم صلّى الفجر حين برق الفجر وحرم الطعام على الصائم وصلّى المرّة الثانية الظهر حين كان ظلّ كلّ شيئ مثله لوقت العصر بالامس ثم صلّى الصبح حين أسفرت الارض ثم التفت الیّ جبرئيل فقال: يا محمد هذا وقت الانبياء من قبلك والوقت فيما بين هذين الوقتين."

ترجم الحديث واذكر اختلاف الأئمة في نهاية وقت الظهر وبداية وقت العصر مع الادلة. وضح معنى قوله ﷺ: "ثم صلّى العصر حين كان كلّ شيئ مثل ظلّه" مع تعيين من استدلّ به وجواب من لايتمسك به. ماهو المذهب الراجح للسادة الحنفية في هذه المسئلة؟ وما هو سبب الترجيح للراجح؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ..... اس سوال میں تین امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② ظہر کے انتہائی اور عصر کے ابتدائی

وقت میں اختلاف مع الدلائل ③ ثم صلی العصر ..... الخ کا معنی، مستدل کی تعیین اور غیر مستدل کی جانب سے جواب۔

**الجواب** ① **حدیث کا ترجمہ:** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بیت اللہ کے پاس دو مرتبہ (دو دن) امامت کروائی۔ ان میں سے پہلے دن ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سایہ زوال ہونے کے تسمے کے مثل تھا (سایہ اصلی کے وقت)، پھر عصر پڑھائی جب کہ ہر چیز کا سایہ اس کے مثل ہو گیا، پھر مغرب پڑھائی جب سورج غروب ہو گیا اور روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے، پھر عشاء کی نماز شفق غائب ہونے کے بعد پڑھائی، پھر فجر پڑھائی جب کہ صبح چمکی اور روزہ داروں کیلئے کھانا پینا حرام ہو گیا، اور دوسرے دن ظہر کی نماز پڑھائی جب کہ ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو گیا یعنی کل گزشتہ جس وقت عصر پڑھائی تھی، پھر عصر پڑھائی جب کہ ہر چیز کا سایہ اس کے دو مثل ہو گیا، پھر مغرب پڑھائی پہلے دن والے وقت پر، پھر عشاء رات کی ایک تہائی گزرنے کے بعد پڑھائی، پھر فجر پڑھائی جب کہ زمین بالکل روشن ہو گئی، پھر جبرئیل علیہ السلام میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ یہ گزشتہ انبیاء علیہم السلام کی نماز کا وقت ہے، اور ان دونوں دنوں کے اوقات کے درمیان آپ کی نمازوں کے اوقات ہیں۔

② **ظہر کے انتہائی اور عصر کے ابتدائی وقت میں اختلاف مع الدلائل:** ظہر کے وقت کی انتہاء و عصر کے وقت کی ابتداء جمہور کے نزدیک مثل اول مکمل ہونے پر ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک مشہور قول کے مطابق مثلین مکمل ہونے پر ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے **صلی بنا رسول اللہ اذا کان ظلک مثلک والعصر اذا کان ظلک مثلیک۔**

جمہور کی دلیل: حدیث امامت جبرائیل علیہ السلام ہے **ثم صلی العصر حین کان ظل کل شیئ مثلہ۔**

حدیث امامت جبرئیل کا پہلا جواب یہ ہے کہ اوقات نماز کے حوالے سے یہ حدیث سب سے مقدم ہے اور دیگر تاخیر ظہر والی احادیث مؤخر ہیں اور مؤخر حدیث مقدم کے لیے ناسخ ہوتی ہے۔ دوسرا جواب صاحب ہدایہ نے دیا کہ حدیث امامت جبرئیل و دیگر احادیث تاخیر میں تعارض ہو گیا کہ حدیث جبرئیل دلالت کرتی ہے کہ ایک مثل پر ظہر کا وقت ختم ہو گیا اور دیگر احادیث تاخیر دلالت کرتی ہیں کہ مثل اول پر ظہر کا وقت ختم نہیں ہوا بلکہ باقی ہے، گویا ایک مثل پر ظہر کا وقت ختم مشکوک ہو گیا حالانکہ ایک مثل سے پہلے یقینی ظہر کا وقت تھا اور قاعدہ ہے کہ جو چیز یقینی ثابت ہو وہ شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوتی لہٰذا شک کی وجہ سے مثل اول کے بعد ظہر کا وقت ختم نہ ہوگا۔ (اشرف الہدایہ) احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ عصر کی نماز مثلین کے بعد پڑھی جائے کیونکہ اگر واقعۃً عصر کا وقت مثلین کے بعد ہو اور ہم مثل ثانی میں عصر پڑھ لیں تو احناف کی وجہ میں عصر وقت سے پہلے پڑھنے کی وجہ سے صحیح ہی نہ ہوگی لیکن اگر ظہر مثل ثانی میں پڑھی اور اس کا وقت مثل اول پر ختم ہو گیا ہے تو وہ نماز قضاء پڑھی گئی ہے مگر ذمہ سے ادا ہو گئی ہے۔ متعدد ائمہ احناف نے یہی مذہب اختیار کیا ہے کہ ظہر مثل اول میں پڑھی جائے اور عصر مثلین کے بعد پڑھی جائے تاکہ شک و شبہ ہی باقی نہ رہے اور دونوں نمازیں اپنے اپنے صحیح وقت میں ادا ہوں۔

③ **ثم صلی العصر ..... الخ کا معنی، مستدل کی تعیین اور جواب:** جملہ کا مطلب یہ ہے کہ عین استواء شمس کے وقت ہر چیز کا جو سایہ ہوتا ہے (یعنی سایہ اصلی) جب اس سایہ کے ساتھ اس کی ایک مثل مزید سایہ ہو گیا تو اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نماز عصر ادا کی۔ یہ حدیث جمہور کی دلیل ہے اور اس کے جوابات گزر گئے ہیں۔

## السوال الثانی ۱۴۳۹ھ

**الشق الاول** ..... عن ابی ہریرۃ قال: اتاہ رجل فقال: یا رسول اللہ! ہلکت، قال: وما اہلکک؟ قال:

وقعت علی امرأتی فی رمضان، قال: هل تستطیع ان تعتق رقبة؟ قال: لا، قال: فهل تستطیع ان تصوم شهرین متتابعین؟ قال: لا، قال: فهل تستطیع ان تطعم ستین مسکینًا؟ قال: لا، قال: اجلس فجلس، فاتی النبی ﷺ بعرق فیه تمر. والعرق المکتل الضخم. قال: فتصدق به، فقال: مابین لابتیها احد افقر منّا، قال: فضحک النبی ﷺ حتی بدت انیابه، قال: خذه فاطعمه اهلك"۔

ترجم الحدیث. ماحکم الترتیب بین الکفارات الثلاث المذکورة فی الحدیث؟ بیّنه فی ضوء المذاهب المتبوعة بدلائل الائمة. ماحکم الأکل والشرب عامدًا فی رمضان؟ بین اختلاف الائمة مع ادلتهم. ما معنی قول النبی ﷺ للرجل: "فاطعمه اهلك" وهل تتأدی کفارة الرجل باطعام اهله عن کفارة نفسه؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② کفارۂ صوم میں ترتیب مع الاختلاف ③ عمداً کھانے پینے سے روزہ توڑنے کا حکم مع الاختلاف ④ اپنے اہل کو کھانا کھلانے سے کفارہ کی ادائیگی کا حکم۔

**جواب** ...... ① **حدیث کا ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! میں ہلاک ہو گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: کس چیز نے تجھے ہلاک کر دیا؟ اس نے کہا کہ میں نے رمضان (روزہ) میں اپنی بیوی سے مباشرت کر لی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تو غلام آزاد کرنے کی طاقت رکھتا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو دو ماہ مسلسل روزے رکھنے کی طاقت رکھتا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کی طاقت رکھتا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: بیٹھ جا، وہ شخص بیٹھ گیا، پس (اسی دوران) آپ ﷺ کی خدمت میں کھجور کا ایک بڑا بورا (ٹوکرا) لایا گیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کھجوریں صدقہ کر دو، اس نے عرض کیا کہ مدینہ کے ان دو پاٹ (پہاڑوں) کے درمیان مجھ سے زیادہ فقیر و حاجت مند کوئی نہیں ہے، آپ ﷺ مسکرائے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے انیاب ظاہر ہو گئے اور فرمایا کہ یہ لے لو اور اپنے گھر والوں کو کھلا دو۔

② **کفارۂ صوم میں ترتیب کا حکم مع الاختلاف:** روزہ توڑنے کا کفارہ ظہار والا کفارہ ہی ہے جس کی وضاحت اس حدیث میں بھی ہے۔ اس کفارہ کی ترتیب کے متعلق اختلاف ہے: جمہور کے نزدیک ان میں ترتیب واجب ہے اور دلیل آیت ظہار اور حدیث باب ہے کہ اس میں "فاء" کا ذکر ہے جو تعقیب کیلئے ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ترتیب نہیں ہے بلکہ تخییر ہے یعنی ان میں سے جو مرضی کفارہ ادا کرے، ان کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مسلم شریف میں موجود روایت ہے اور اس میں کفاروں کے درمیان "او" کا ذکر ہے جو کہ تخییر کیلئے ہے۔ جمہور کی طرف سے ان کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ **أو** تخییر کے لیے نہیں بلکہ تنویع کے لیے ہے یعنی اس حدیث میں یہ بتلایا گیا ہے کہ یہ سب اشیاء کفارہ کی اقسام ہیں۔ (تحفۃ الالمعی)

③ **عمداً کھانے پینے سے روزہ توڑنے کا حکم مع الاختلاف:** روزہ کی حالت میں جان بوجھ کر مباشرت سے بالاتفاق کفارہ لازم ہے، البتہ جان بوجھ کر کھانے پینے کے ذریعے روزہ توڑنے کی صورت میں اختلاف ہے، امام ابو حنیفہ و امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک اس صورت میں بھی کفارہ لازم ہے اور امام شافعی و امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک اس صورت میں کفارہ لازم نہیں ہے۔

اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ اگرچہ اکل و شرب بھی جماع کی طرح روزہ کے منافی ہے مگر اکل و شرب میں جماع کی طرح جو نفس یعنی لذت حاصل ہوتی ہے یا نہیں؟ اور اس میں تفاوت ہے یا نہیں؟ امام ابو حنیفہ و امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک ان میں معنوی تفاوت ہے اس لیے جماع والا حکم (کفارہ) اکل و شرب کی طرف متعدی ہوگا۔ امام شافعی و امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک یہ حکم متعدی نہ

ہوگا اس لیے کہ قیاس کے لیے مقیس و مقیس علیہ کا متساوی ہونا ضروری ہے مگر یہاں جماع اور اکل و شرب میں زمین و آسمان کا فرق ہے، پس کفارہ والا حکم اپنے مورد (جماع) کے ساتھ خاص ہوگا، اکل و شرب کی طرف متعدی نہ ہوگا۔

احناف و مالکیہ کی جانب سے جواب یہ ہے کہ مفطر ہونے کے اعتبار سے اس میں کوئی تفاوت نہیں ہے لہٰذا کفارہ کے اعتبار سے بھی فرق نہیں کیا جائے گا، باقی حظِ نفس (لذت) کا اعتبار کرنا مشکل ہے کیوں کہ جوان و بوڑھے کے حظِ نفس میں بھی فرق ہے اس کا کیسے اعتبار کیا جائے گا لہٰذا اکل و شرب کی صورت میں بھی کفارہ لازم ہے۔ (ایضاً)

❹ **اپنے اہل کو کھانا کھلانے سے کفارہ کی ادائیگی کا حکم:** حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خود کھانے سے اور اپنے اہل کو کھلانے سے کفارہ ادا ہو گیا حالانکہ بالاتفاق اس طرح کفارہ ادا نہیں ہوتا بلکہ مستحقین کو کھلانا ضروری ہے، احناف کی طرف سے جواب یہ ہے کہ یہ تشریع کے وقت کی رخصت ہے کیوں کہ جان بوجھ کر جماع کے ذریعہ روزہ توڑنے پر کفارہ کا یہ مسئلہ آج پہلی مرتبہ امت کے سامنے آیا ہے، اگر پہلے اس سے صحابی کو یہ کفارہ معلوم ہوتا تو شاید وہ یہ حرکت نہ کرتے، یہ قانون سازی کا آغاز ہونے کی وجہ سے سہولت دی گئی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آدمی پر فی الفور کفارہ لازم نہیں ہے، کفارہ کی ادائیگی سہولت کے ساتھ مشروط ہے اور چونکہ صحابی مذکور غریب تھے اور حاصل شدہ کھجوریں خود ان کی ضرورت تھیں اس لیے فی الفور ان پر کفارہ واجب نہ ہوا، ان کو کھجوریں گھر میں استعمال کی اجازت دی گئی اور کفارہ ان کے ذمہ لازم رہا کہ جب گنجائش ہو اس وقت ادا کر دیں۔ (ایضاً)

**الشق الثانی** ..... "قلت لقتيبة بن سعيد: حدثكم محمد بن يحيى بن قيس المازني ..... عن ابيض بن حمال انه وفد الى رسول الله ﷺ استقطعه الملح فقطع له، فلما ان ولّى قال رجل من المجلس: اتدری ماقطعت له؟ انّما قطعت له الماء العدّ، قال: فانتزعه منه، قال: وسئله عن مايحمي من الاراك قال: مالم تنله خفاف الابل فاقربه قتيبة وقال: نعم".

ترجم الحديث. اشرح العبارة موضحًا لمعنى "القطيعة و الاستقطاع و الانتزاع". وضّح الكلمات المخطوطة بالأخص. ماهو حكم احياء الموات بقرب البلد؟ وماهو حكم رجوع الحاكم عن حكمه بعد ماحكم في امر؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ..... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② عبارت کی تشریح ③ آبادی کے قریب احیاء موات کا حکم ④ حاکم کے اپنے فیصلے سے رجوع کا حکم۔

**جواب** ..... ① **حدیث کا ترجمہ:** میں نے قتیبہ بن سعید سے کہا کہ کیا تمہیں محمد بن یحییٰ بن قیس مازنی نے یہ حدیث بیان کی حضرت ابیض بن حمال رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے نمک کی کان کی جاگیر طلب کی، آپ ﷺ نے وہ جاگیر ان کو دے دی، پس جب وہ چلے گئے تو مجلس میں سے ایک صحابی نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا آپ کو معلوم بھی ہے کہ آپ نے ان کو کس چیز کی جاگیر دی ہے؟ آپ نے ان کو تیار پانی دے دیا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ان سے وہ جاگیر واپس لے لی، راوی کہتے ہیں کہ انہوں نے پیلو کے درخت و پتوں کو محفوظ کرنے کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جہاں تک اونٹ کے پاؤں نہ پہنچیں۔ قتیبہ رحمہ اللہ نے اس کا اقرار کیا اور کہا: جی ہاں۔

② **عبارت کی تشریح:** قطیعہ وہ زمین و جاگیر جو امام کسی شخص کو الاٹ کرے اور کسی کو بطور عطیہ دے۔ استقطاع کا معنی ہے جاگیر طلب کرنا ہے۔ انتزاع بمعنی کسی کو زمین و جاگیر الاٹ کرنے کے بعد واپس لینا۔ مفہوم حدیث یہ ہے کہ حضرت ابیض بن حمال رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے نمک کی کان کی جاگیر (قطیعہ) کا مطالبہ کیا کہ وہ مجھے عنایت کر دی جائے تو آپ ﷺ نے سمجھا کہ اس میں مشقت

محنت کی ضرورت ہے اس لیے آپ ﷺ نے یہ جاگیر ان کو عنایت کر دی لیکن جانے کے بعد کسی صحابی نے عرض کیا کہ اس میں کوئی مشقت نہیں ہے یہ جاگیر ان کو آسانی سے نکالنا شروع کر دیں گے یہ تو تیار نمک ہے، ایسے ذخائر و معادن تو قومی املاک ہوتے ہیں، آپ ﷺ نے ان کو واپس بلا کر ان سے یہ جاگیر واپس لے لی، پھر حضرت ابیض رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ پیلو کے درخت وغیرہ کرنے کی یا اس زمین کو آباد کرنے کی اجازت مرحمت فرما دیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جہاں تک لوگوں کے جانور، اونٹ وغیرہ چرنے کے لیے جاتے ہیں اور ان کے پاؤں کے نشانات جہاں تک ہیں وہ جگہ چھوڑ کر اس کے بعد والی زمین میں اجازت ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے استاذ قتیبہ بن سعید رحمہ اللہ سے جب اس حدیث سے متعلق سوال کیا کہ کیا آپ کو محمد بن یحییٰ نے یہ حدیث بیان کی ہے؟ تو انہوں نے اقرار کیا کہ جی ہاں! مجھے بیان کی ہے۔ گویا یہ حدیث عرض حدیث علی الاستاذ کی مثال ہے۔

❸ آبادی کے قریب احیاء موات کا حکم:۔ حدیث کے جملے **مالم تنله خفاف الابل** سے معلوم ہوا کہ امام وہی زمین احیاء کیلئے دے سکتا ہے جو آبادی سے دور ہو حتی کہ وہاں تک جانور و چوپائے بھی چرنے کیلئے نہ جاتے ہوں اگر کوئی زمین کا ٹکڑا اس حد عوامی چراگاہ کے اندر آئے یا آبادی کے بالکل قریب ہو تو عوامی مصالح و فوائد کے انکے ساتھ تعلق کی وجہ سے اس کا احیاء جائز نہیں ہے۔

❹ حاکم کے اپنے فیصلے سے رجوع کا حکم:۔ حضرت ابیض بن حمال رضی اللہ عنہ کے مذکورہ واقعے سے بعض حضرات نے استدلال کیا ہے کہ حکومت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جب چاہے اپنی الاٹ کردہ زمین واپس قومی ملکیت میں واپس بھی لے سکتی ہے، مگر یہ استدلال درست نہیں ہے کیوں کہ آپ ﷺ نے حضرت ابیض رضی اللہ عنہ کی ملکیت میں آنے سے قبل ہی وہ زمین واپس لے لی تھی اس لیے کہ وہ زمین ان کی ملکیت میں تب آتی جب وہ اس پر قبضہ کر لیتے یا اس کے احیاء کی کوئی کاروائی کر لیتے۔ گویا احیاء وغیرہ کے لیے دی گئی زمین کو امام قبضہ و احیاء سے قبل واپس لے سکتا ہے اور اپنے فیصلے سے رجوع کر سکتا ہے، بعد میں نہیں۔ (تقریر ترمذی)

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۹ھ

**الشق الاول** ..... "عن عمران بن حصين قال: قال رسول الله ﷺ: خير امتى القرن الذى بعثت فيهم ثم الذين يلونهم ولا اعلم أذكر الثالث ام لا، ثم ينشأ اقوام يشهدون ولا يستشهدون، ويخونون ولا يؤتمنون ويفشوفيهم السمن. هذا حديث حسن صحيح".

ترجم الحديث و اشرحه شرحًا تامًا بحيث تتبيّن نهاية خير القرون وبداية امر الذى اشير الى فشوه فى الحديث الشريف. وضّح معنى قوله: يشهدون ولا يستشهدون ويفشوفيهم السمن.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ..... اس سوال کا حل تین امور ہیں: ① حدیث کا ترجمہ ② حدیث کی تشریح ③ "**يشهدون ولا يستشهدون ويفشوفيهم السمن**" کی وضاحت۔

**جواب** ..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کا بہترین زمانہ وہ ہے جس میں میں بھیجا گیا ہوں پھر وہ لوگ ہیں جو ان سے ملے ہوئے ہیں (راوی کہتے ہیں کہ) مجھے معلوم نہیں کہ آپ ﷺ نے تیسرے قرن و دور کا ذکر کیا یا نہیں، (آپ ﷺ نے فرمایا) پھر ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو گواہی دیں گے جب کہ گواہی طلب نہ کیے جائیں گے اور وہ لوگ خیانت کریں گے اور ان پر اعتماد نہیں کیا جائے گا اور ان لوگوں میں موٹاپا پھیل جائے گا۔

② حدیث کی تشریح:۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بہترین زمانہ میری بعثت کا زمانہ ہے یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دور بہترین زمانہ ہے اور یہ کم و بیش سو سال کا زمانہ ہے جس میں ہر طرف نیکی اور خیر و برکت، صدق و امانت، ایفاء عہد وغیرہ ہر طرح خیر ہی خیر تھی، پھر

جو تابعین کا زمانہ اور پھر تبع تابعین کا زمانہ ہے جیسے جیسے آپ ﷺ کا زمانہ دور ہوتا گیا، آپ ﷺ کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کو وقت بیتتا گیا ویسے ویسے یہ امور خیر ختم ہوتے گئے یہ دونوں زمانے ایک سو بیس سال پر مشتمل ہیں اور مجموعی طور پر ۲۲۰ھ کے بعد اہل بدعت، معتزلہ وفلاسفہ اور دیگر گمراہ فرقوں کا ظہور ہوا اور سب امور خیر رفتہ رفتہ بدی، شر و بے برکتی، جھوٹ، خیانت وعہد شکنی سے تبدیل ہو گئے۔ (یہ مجموعی احوال کا ذکر ہے) انفرادی طور پر لوگ قیامت تک ان امور خیر سے متصف رہیں گے۔ (دروس ترمذی)

③ "**یشهدون ولا یستشهدون ویفشو فیهم السمن**" کی وضاحت:۔ از خود گواہی طلب کیے بغیر جھوٹی گواہی دیں گے یعنی لوگوں میں تقویٰ نہیں ہوگا، وہ خوف خدا سے عاری ہوں گے، ہر شخص جھوٹی گواہی دینے اور جھوٹی قسم کھانے کیلئے تیار ہوگا اور کھانے پینے میں احتیاط نہیں کریں گے، عیش وعشرت و آوارگی کو پسند کریں گے، حلال وحرام کی پرواہ کیے بغیر کھانے پینے میں ایسی وسعت اختیار کریں گے جو موٹاپے کا باعث ہوگی یعنی ان کو صرف کھانے پینے سے ہی سروکار ہوگا۔ (کشف الباری)

## ﴿الورقة الرابعة: صحيح الامام البخاري﴾

### ﴿السوال الاول﴾ ۱۴۳۹ھ

**الشق الاول** ...... "باب العلم قبل القول و العمل: لقول الله عزّوجلّ: ﴿فاعلم انه لا اله الا الله﴾ فبدء بالعلم وان العلماء هم ورثة الانبياء ورّثوا العلم من اخذه اخذ بحظ وافر ومن سلك طريقا يطلب به علما سهل الله له طريقا الى الجنة وقال: ﴿انما يخشى الله من عباده العلماء﴾ وقال: ﴿وما يعقلها الا العالمون﴾ وقال: ﴿وقالوا لو كنا نسمع او نعقل ماكنا فى اصحب السعير﴾ وقال: ﴿هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون﴾ ...... وانما العلم بالتعلم وقال ابوذر: لو وضعتم الصمصامة على هذه واشار الى قفاه ثم ظننت انى انفذ كلمة سمعتها من النبى ﷺ قبل ان تجيزوا علىّ لانفذتها"۔

ترجم الحديث و اشرحه. و بيّن ماذا اراد الامام البخارى بترجمة الباب؟ اذكر مراد البخارى بـ "العلم قبل القول والعمل" هل للعلم تقدم على القول والعمل زمانًا أم رتبةً وشرفًا؟ حقّق كلمة "ورّثوا" لغةً وصرفًا. كيف استدلّ الامام بالآيات على ترجمة الباب؟ اذكر مفصلاً. اكتب شان ورود قول ابى ذر بالتفصيل۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② حدیث کی تشریح ③ ترجمۃ الباب کی مراد ④ علم کے عمل پر تقدم کی وضاحت ⑤ "ورّثوا" کی لغوی وصرفی تحقیق ⑥ آیات سے ترجمۃ الباب پر استدلال کی وضاحت ⑦ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے قول کا شان ورود۔

**جواب** ...... ① **حدیث کا ترجمہ**:۔ یہ باب اس بیان میں ہے کہ علم قول وعمل سے مقدم ہے، اللہ تعالیٰ کے فرمان کی وجہ سے: ترجمہ: پس تم جان لو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اس میں اللہ تعالیٰ نے علم سے ابتداء کی ہے اور یہ کہ علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء نے علم کی میراث چھوڑی ہے، جس نے علم کو حاصل کیا اس نے بڑا حصہ حاصل کیا اور جو شخص اس راستے پر چلے جس سے وہ علم حاصل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جہنمی کہیں گے کہ اگر ہم بھی سنتے اور سمجھتے تو ہم جہنمیوں میں سے نہ ہوتے اور فرمایا کیا اہل علم اور غیر اہل علم برابر ہو سکتے ہیں؟ اور علم تو سیکھنے سے ہی آتا ہے اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اپنی گردن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم اس پر تلوار رکھ دو اور میں سمجھوں کہ تمہارے میری گردن پر تلوار چلانے سے پہلے میں آپ ﷺ کا ارشاد آگے سنا سکتا ہوں تو ضرور سناؤں گا۔

⑤ **حدیث کی تشریح:۔** حضرت ابوذر ؓ شام میں رہتے تھے اور اس وقت حضرت معاویہ ؓ حضرت عثمان غنی ؓ کی طرف سے گورنر تھے، حضرت ابوذر ؓ کا مشہور فتویٰ تھا کہ ضرورت سے زیادہ مال و دولت جمع کرنا جائز نہیں، اس میں حضرت ابوذر ؓ بہت شدت اختیار کرتے تھے اور تمام سرداروں کو "و الذین یکنزون الذهب و الفضة" الخ کا مصداق بتاتے تھے، جب کہ حضرت معاویہ ؓ اہل کتاب کو اس آیت کا مصداق ٹھہراتے تھے۔ حضرت معاویہ ؓ نے حضرت عثمان ؓ کو ان باتوں کی اطلاع دی، انہوں نے حضرت ابوذر ؓ کو مدینہ بلالیا اور اس قسم کے فتاویٰ دینے سے منع فرمایا اور سمجھایا کہ اس سے خواہ مخواہ فتنہ اور اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بعد مقتضائے مصالح حضرت عثمان ؓ نے انہیں ربذہ میں مقیم ہونے کا حکم دیا، حضرت ابوذر ؓ وہاں منتقل ہو گئے اور وہیں ان کا وصال ہوا۔ اسی اثناء میں حضرت ابوذر ؓ حج کیلئے تشریف لے گئے تو منیٰ میں لوگ ان سے مسائل دریافت کرنے لگے وہ فتویٰ دے رہے تھے کہ ایک شخص نے کہا: آپ کو فتویٰ دینے سے منع نہیں کیا گیا تھا؟ اس پر حضرت ابوذر ؓ نے فرمایا کہ کیا تم مجھ پر نگران مسلط کیے گئے ہو؟ پھر اس کے بعد انہوں نے یہ ارشاد فرمایا جو یہاں منقول ہے۔ اس شخص کا منع کرنا غلط تھا کیونکہ امیر المؤمنین نے انہیں مطلقاً مسائل بتانے سے نہیں روکا تھا بلکہ ان کو تشددات اور خصوصی مسائل سے روکا تھا۔

حضرت ابوذر ؓ کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ عالم کو اگر ایک مسئلہ بھی معلوم ہو اور لوگوں کو اس کی ضرورت ہو تو کیسی شدت اور مصیبت کے وقت بھی اس کی اہمیت یہ ہے کہ مسئلہ بیان کرنے سے نہ رکے۔ اس اثر میں علم کی فضیلت اور اہمیت کی طرف اشارہ ہے۔ (تحفۃ القاری)

⑥ **ترجمۃ الباب کی غرض اور علم کے قول و عمل پر تقدم کی مراد:۔** تمام شراح کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری ؒ کا مقصد یہ ہے کہ علم حصول کے اعتبار سے قول و عمل سے مقدم ہے، پہلے علم حاصل کیا جاتا ہے اس کے بعد عمل ہے اور اس کے بعد ہی وعظ و تذکیر اور درس و تدریس کا نمبر ہے۔ ذاتی اعتبار سے بھی علم کو عمل و قول پر شرافت حاصل ہے کہ قول و عمل کی صحت نیت پر موقوف ہے اور نیت کی صحت علم پر موقوف ہے۔ اسی طرح ظاہر ہے کہ علم کو عمل پر زمانا بھی تقدم حاصل ہے۔ نیز اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ علم کو عمل پر شرف و رتبۃ بھی تقدم حاصل ہے۔ امام بخاری ؒ کے ذکر کردہ آیات و آثار مجموعی طور پر اسی پر دلالت کرتے ہیں اور یہی اقرب معلوم ہوتا ہے۔

علامہ ابن المنیر فرماتے ہیں کہ امام بخاری ؒ کا مقصد یہ ہے کہ علم قول و عمل کی صحت کیلئے شرط کے درجہ میں ہے، جب تک علم نہ ہو اس وقت تک قول و عمل کا اعتبار نہیں کیونکہ علم مصحح نیت ہے اور نیت مصحح للعمل ہے۔ علامہ کرمانی و ابن بطال بھی یہی کہتے ہیں۔ علامہ سندی فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس باب سے قول و عمل کے مقابلہ میں شرف و رتبہ کے اعتبار سے علم کے مقدم ہونے کو بیان کیا ہے، تقدم زمانی بیان کرنا مقصود نہیں ہے کیونکہ باب میں جو کچھ مذکور ہے اس سے تقدم بالشرف والرتبہ ہی معلوم ہوتا ہے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب فرماتے ہیں کہ یہاں تقدم زمانی ہی مراد ہے اور باب میں جو کچھ مذکور ہے وہ اس مدعیٰ کے اثبات کیلئے واضح ہے۔ (کشف الباری [illegible])

⑦ **"ورثوا" کی لغوی و صرفی تحقیق:۔** یہ ماضی معلوم کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے، یہ باب تفعیل و مجرد دونوں سے ہو سکتا ہے اور باب تفعیل راجح ہے۔ باب تفعیل کی صورت میں ضمیر انبیاء ؑ کی طرف راجع ہو گی، تو ترجمہ ہوگا میراث چھوڑنا، وارث بنانا، اور مجرد کی صورت میں ضمیر کا مرجع علماء ہوں گے اور معنی ہوگا وارث بننا اور میراث حاصل کرنا۔

⑧ **آیات سے ترجمۃ الباب پر استدلال کی وضاحت:۔** ① "فاعلم انه لا اله الا الله" اس آیت میں پہلے علم کا ذکر ہے اس کے بعد دوسرے جملے میں استغفار کا ذکر ہے اور استغفار خواہ دل سے ہو یا زبان سے ہو وہ تب ہی صحیح ہوگا جب اس سے پہلے صحیح علم ہوگا۔ ② "انما یخشی الله من عباده العلماء" اس میں خشیت والے عمل کا علماء کیلئے اثبات ہے، معلوم ہوا کہ پہلے علم ہوگا پھر خشیت والا عمل ہوگا۔ ③ "و ما یعقلها الا العالمون" اس میں امثال کے سمجھنے کا اہل علم کیلئے اثبات ہے، معلوم ہوا کہ

پہلے علم ہوگا پھر اسی کی سمجھ بوجھ ہوگی۔ ④ "قالوا لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر" علم سننے اور غور و فکر و تدبر سے حاصل ہوتا ہے تو گویا جہنمی کہیں گے کہ اگر ہم اہل علم ہوتے تو جہنم کا ایندھن نہ ہوتے، اس میں بھی جہنم سے بچاؤ کیلئے تقدم علمی کو بیان کیا گیا ہے۔ ⑤ "هل يستوى الذين يعلمون و الذين لا يعلمون" عمل سب لوگ کرتے ہیں اہل علم بھی اور غیر عالم بھی مگر ان میں برابری نہیں ہے، معلوم ہوا کہ علم کو تقدم حاصل ہے۔

❻ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے قول کا شان ورود:۔ کما مر فی التشریح آنفًا۔

**الشق الثانی** ..... "باب متى يصح سماع الصغير ..... عن عبدالله بن عباس قال: اقبلت راكبًا على حمار اتان وانا يومئذٍ قد ناهزت الاحتلام ورسول الله ﷺ يصلّى بمنى الى غير جدار فمررت بين يدى بعض الصف وارسلت الاتان ترتع ودخلت فى الصف فلم ينكر ذلك علىّ. عن محمود بن الربيع قال: عقلت من النبى ﷺ مجةً مجها فى وجهى وانا ابن خمس سنين من دلو"۔

ترجم الحديثين واشرحهما. اذكر نبذة من ترجمة عبدالله بن عباسؓ وكم عمره وقت وفاة النبى ﷺ؟ اكتب مناسبة الحديثين بترجمة الباب. اذكر حكم السترة امام المصلّى عند الفقهاء رحمهم الله؛ هل مرور الحمار والمرأة والكلب قاطع للصلاة؟ اذكر اختلاف الائمة مدللاً و مفصلاً.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ..... اس سوال کا حل چھ امور ہیں: ① احادیث کا ترجمہ ② احادیث کی تشریح ③ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے احوال وعمر کی وضاحت ④ احادیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت ⑤ فقہاء کے ہاں سترہ کا حکم ⑥ مرور اشیاء سے نماز ٹوٹنے کا حکم۔

**جواب** ..... ❶ احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں ایک گدھی پر سوار ہو کر آیا جب کہ میں قریب البلوغ تھا، اور رسول اللہ ﷺ منیٰ میں بغیر رکاوٹ وسترہ کے نماز پڑھا رہے تھے پس میں ایک صف کے آگے سے گزرا اور میں نے گدھی کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا اور خود صف میں داخل ہو گیا پس اس عمل کی وجہ سے کسی نے مجھ پر نکیر نہیں کی۔ حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے آپ ﷺ کی وہ کلی یاد ہے جو آپ ﷺ نے ایک ڈول سے پانی لے کر میرے منہ پر کی تھی اور میری عمر اس وقت پانچ سال تھی۔

❷ احادیث کی تشریح:۔ پہلی حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنے قریب البلوغ کا واقعہ نقل کرتے ہیں کہ میں گدھی پر سوار ہو کر آیا جب کہ منیٰ میں جماعت ہو رہی تھی، میں ایک صف کے آگے سے گزر کر صف میں نماز کیلئے شامل ہو گیا اور گدھی ادھر ادھر چرنے کیلئے پھرتی رہی اور میرے اس عمل پر کسی نے بھی نماز میں یا نماز کے بعد نکیر نہیں کی، معلوم ہوا کہ نمازی کے آگے سے گدھی کا گزر مفسد صلوٰۃ نہیں ہے۔ دوسری حدیث میں حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ اپنی پانچ سال کی عمر کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے یاد ہے جب آپ ﷺ نے ایک ڈول میں سے پانی لے کر میرے منہ پر کلی کی تھی (یہ کلی تبریک کے طور پر تھی یا دل لگی و مذاق کے طور پر تھی)۔ (کشف الباری ۳/۳۹۰)

❸ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے احوال وعمر کی وضاحت:۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف، حضور اکرم ﷺ کے چچا زاد بھائی ہیں، ان کی والدہ ام الفضل لبابہ الکبریٰ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ ہیں۔

آپ شعب ابی طالب میں ہجرت سے تین سال قبل پیدا ہوئے اور ۶۸ھ میں جب کہ آپ کی عمر اکہتر سال تھی وفات پائی اور طائف میں دفن ہوئے، آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ آپ کو کثرت علم کی وجہ سے "حبر" اور "بحر" کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے، خلفاء عباسیہ کے والد اور "عبادلۂ اربعہ" میں سے ایک ہیں۔ قرآن کریم کی تفسیر و تاویل میں زبردست مہارت حاصل تھی، حضور

اکرم ﷺ نے آپ کو دعا دی تھی "اللهم فقهه فی الدین و علمه التأویل" یہی وجہ ہے کہ آپ رئیس المفسرین کہلائے اور "ترجمان القرآن" کا عظیم لقب آپ کو ملا۔ آپ سے ایک ہزار چھ سو ساٹھ احادیث مروی ہیں۔ (کشف الباری)

چونکہ آپ ہجرت سے تین سال قبل پیدا ہوئے اس اعتبار سے آپ ﷺ کی وفات کے وقت آپ کی عمر تقریباً چودہ برس تھی۔

④ **احادیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت:** دونوں احادیث میں حضرت ابن عباس و محمود بن ربیع رضی اللہ عنہما نے اپنے قبل البلوغ کے ایک واقعہ کو نقل کیا ہے جس میں آپ ﷺ کے فعل وحال کا ذکر ہے اور محدثین نے ان حضرات کے صغیر السن ہونے کے باوجود ان کی روایات کا اخراج بھی کیا ہے اور ان روایات سے مسائل کا استخراج بھی کیا ہے اور یہی ترجمۃ الباب کا حاصل تھا کہ تحمل حدیث کے لیے بالغ ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ تمیز و شعور میں تمیز ہونا کافی ہے۔

⑤ **فقہاء کے نزدیک سترہ کا حکم:** کما مر فی الشق الاول من السوال الاول ۱۴۲۶ھ (الورقۃ الخامسۃ)

⑥ **مرور حمار، مرأۃ و کلب سے نماز ٹوٹنے کا حکم:** کما مر فی الشق الاول من السوال الاول ۱۴۳۱ھ (الورقۃ الخامسۃ)

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۹ھ

**الشق الاول** ...... "عن نافع عن عبيد الله بن عبدالله و سالم بن عبدالله اخبراه انهما كلّما عبدالله بن عمرؓ ليالي نزل الجيش بابن الزبير فقالا: لا يضيرك ان لا تحج العام، انا نخاف ان يحال بينك وبين البيت، فقال: خرجنا مع رسول الله ﷺ، فحال كفار قريش دون البيت فنحر النبي ﷺ هديه وحلق رأسه واشهدكم اني قد اوجبت عمرة ان شاء الله، انطلق فإنْ خلي بيني وبين البيت طفت و ان حيل بيني وبينه فعلت كما فعل النبي ﷺ وانا معه، فاهلّ بالعمرة من ذي الحليفة ثم سار ساعة ثم قال: انما شانهما واحد اشهدكم اني قد اوجبت حجة مع عمرتي فلم يحل منهما حتى حل يوم النحر واهدى وكان يقول: لا يحل حتى يطوف طوافًا واحدًا يوم يدخل مكة".

ترجم الحديث الشريف. عرّف الاحصار لغةً وشرعًا، متى يتحقّق الاحصار اذكر اختلاف الفقهاء رحمهم الله مدللاً ومفصلاً. اذا احصر الحاج او المعتمر فماذا يفعل؟ وكيف يحلّ من الاحرام؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② احصار کی لغوی و شرعی تعریف ③ احصار کے تحقق میں ائمہ کا اختلاف بالدلائل ④ محصر کے لیے حلال ہونے کا طریقہ۔

**جواب** ...... ① **حدیث کا ترجمہ:** عبید اللہ بن عبد اللہ اور سالم بن عبد اللہ ان دونوں نے (جس زمانہ میں ابن زبیر پر لشکر کشی ہوئی تھی) عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے گفتگو کی اور کہا کہ اس سال حج نہ کرنے میں آپ کا کوئی نقصان نہیں ہے اور ہمارے لیے خطرہ ہے کہ آپ کے اور کعبہ کے درمیان رکاوٹ ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے تو کفار قریش خانہ کعبہ میں داخل ہونے سے حرام ہوئے، نبی کریم ﷺ نے اپنی ہدی کو ذبح کیا اور اپنا سر منڈایا۔ عبد اللہ نے کہا کہ میں تم دونوں کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنے اوپر عمرہ کو واجب کیا ہے اللہ نے چاہا تو میں جاتا ہوں اگر راستہ میں میرے اور خانہ کعبہ کے درمیان رکاوٹ نہ ہوئی تو میں خانہ کعبہ کا طواف کروں گا، اگر مجھے لوگوں نے وہاں داخل ہونے سے روکا تو میں وہی کروں گا جس طرح نبی کریم ﷺ نے کیا تھا اور میں آپ ﷺ کے ساتھ تھا۔ چنانچہ ذی الحلیفہ سے عمرہ کا احرام باندھا پھر تھوڑی دیر چلے پھر کہا کہ دونوں کا ایک ہی حال ہے میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے عمرہ کے ساتھ حج واجب کر لیا، پھر ان دونوں کے احرام سے باہر نہ ہوئے یہاں تک کہ قربانی کا

دن آ گیا اور ہدی بھیج چکے تھے اور کہتے تھے کہ احرام سے باہر نہ ہو جب تک کہ مکہ میں داخل ہو کر ایک طواف زیارت نہ کر لے۔

② **احصار کی لغوی وشرعی تعریف:۔** احصار کا لغوی معنی روکنا ہے اور اصطلاح میں محرم کو کسی عذر شرعی کی وجہ سے حج یا عمرہ سے روک دیا جائے اور اس عذر میں دم دے کر حلال ہونا مباح ہو۔

③ **احصار کے تحقق میں ائمہ کا اختلاف مع دلائل:۔** کما مر فی الشق الثانی من السوال الاول ۱۴۲۰ھ (الورقۃ الثالثۃ)

④ **محصر کے لیے حلال ہونے کا طریقہ:۔** ائمہ ثلاثہ کے نزدیک محرم کو جہاں احصار پیش آئے وہ وہیں پر جانور ذبح کر کے حلال ہو جائے، حرم میں جانور بھیجنا ضروری نہیں ہے۔ ائمہ احناف کے ہاں ہدی احصار کو حرم میں بھیجنا ضروری ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ جانور یا اس کی قیمت کسی کے ذریعے سے حرم بھیجے اور وقت وتاریخ کا تعیین کرے، جب ہدی ذبح ہو جائے تو سر منڈا کر حلال ہو جائے۔

**الشق الثانی** ...... "عن الزہری اخبرنی مالک بن اوس بن حدثان النصری ان عمر بن الخطابؓ دعاہ إذ جاءہ حاجبہ یرفأ فقال: ہل لک فی عثمان و عبدالرحمن والزبیر وسعد یستأذنون؟ قال: نعم، فأدخلہم فلبث قلیلاً ثم جاء فقال: ہل لک فی عباس وعلی یستأذنان؟ قال: نعم، فلما دخلا قال عباس: یا امیر المؤمنین! اقض بینی وبین ہذا وہما یختصمان فی التی افاء اللہ علی رسولہ ﷺ من بنی النضیر فاستب علی وعباس، فقال الرہط: یا امیر المؤمنین! اقض بینہما وارح احدہما من الآخر فقال عمر: اتئدوا انشدکم باللہ الذی باذنہ تقوم السماء والارض اہل تعلمون ان رسول اللہ ﷺ قال: لا نورث ما ترکنا صدقۃ یرید بذلک نفسہ؟ قالوا: قد قال ذلک۔"

ترجم الحدیث المبارک۔ اذکر قصۃ النزاع بین علیؓ وعباسؓ بالبسط والتفصیل، کیف وقع السباب بینہما مع انہما صحابیان من اہل البیت؟ اکتب قضاء عمرؓ فی الحدیث المذکور مفصلاً۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② حضرت علی وعباس رضی اللہ عنہما کے نزاع کا قصہ ③ اہل بیت رضی اللہ عنہم میں وقوع سباب کی وضاحت ④ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کی تفصیل۔

**جواب** ...... ① **حدیث کا ترجمہ:۔** ابن شہاب زہری سے مروی ہے کہ مجھے مالک بن اوس نے خبر دی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے بلایا جب کہ ان کے پاس ان کا غلام یرفأ آیا اس نے کہا اے امیر المؤمنین! کیا آپ کو حضرت عثمان، عبدالرحمن، زبیر و سعد (رضی اللہ عنہم) کی ملاقات میں رغبت ہے کہ وہ اجازت طلب کر رہے ہیں؟ فرمایا کہ ہاں پس یرفأ نے ان کو حاضر کیا، پھر تھوڑی دیر ٹھہرا اور کہا کیا آپ کو حضرت عباس وعلی (رضی اللہ عنہما) کی ملاقات میں رغبت ہے کہ وہ اجازت طلب کر رہے ہیں؟ فرمایا کہ ہاں، جب وہ دونوں حضرات داخل ہوئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین! میرے اور اس کے درمیان فیصلہ فرمائیں، جب کہ وہ دونوں اس زمین میں جھگڑا کر رہے تھے جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بنو نضیر کے اموال میں سے عطا کی تھی، پس حضرت علی وعباس رضی اللہ عنہما نے باہم برا بھلا کہا، جماعت نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین! ان کے درمیان فیصلہ فرما کر ان میں سے ایک کو دوسرے سے راحت پہنچائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم تھوڑا صبر کرو، میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم واذن سے زمین و آسمان قائم ہیں کیا تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ہم وارث نہیں بناتے جو کچھ ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہوتا ہے اس سے آپ ﷺ نے اپنی ذات مراد لی تھی؟ انہوں نے کہا جی ہاں! آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا۔

② **حضرت علی وعباس رضی اللہ عنہما کے نزاع کا قصہ:۔** آپ ﷺ کے ترکہ کا متولی خلیفۂ وقت ہوتا تھا اور وہ اس ترکہ کو ان تمام مصارف میں صرف کرتا تھا جن میں آپ ﷺ صرف کرتے تھے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت کے ابتدائی زمانہ میں

آپ ﷺ کے سارے اموال اپنے پاس رکھے ہوئے تھے البتہ بنو نضیر کے فَے کی کچھ زمینیں حضرت عباس وعلی رضی اللہ عنہما کو دے دی تھیں کہ ان کا انتظام آپ خود کریں، ان زمینوں کے باہمی انتظام میں ان دونوں حضرات کا جھگڑا ہو گیا تو یہ حضرات امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ اس پوری زمین کا ہم دونوں کو مشترک متولی بنانے کی بجائے اس کی تولیت ہمارے درمیان تقسیم کر دیں تاکہ ہمارا جھگڑا و اختلاف ختم ہو جائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم سب حاضرین قسم اٹھا کر بتاؤ کہ کیا آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم انبیاء کا مال بطور ترکہ تقسیم نہیں ہوتا، ہم جو کچھ چھوڑیں وہ سب صدقہ ہوتا ہے؟ سب نے کہا جی ہاں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس زمین کی تولیت ہرگز تقسیم نہیں کروں گا، اگر تم پہلے کی طرح مشترک طور پر اس کا انتظام کر سکتے ہو تو ٹھیک ہے ورنہ یہ زمین مجھے واپس کر دو میں خود ہی اس کا انتظام کروں گا۔ چنانچہ مشترک طور پر ہی بطور تولیت یہ زمین چلتی رہی پھر دور عثمانی میں یہ زمین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آ گئی تھی۔ (انعام الباری، کشف الباری)

باقی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا تصرف و انتظام اس لیے تقسیم نہ کیا کہ اس زمین پر تقسیم کا اطلاق نہیں ہونا چاہیے، آنے والے وقت میں کوئی یہ دعویٰ نہ کر دے کہ یہ زمین بطور میراث تقسیم ہوئی تھی۔

❸ اہل بیت علیہم السلام میں وقوع سب کی وضاحت:۔ راجح قول کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو برا بھلا نہیں کہا، باقی اگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق ان الفاظ کو بشرط صحت تسلیم کیا جائے تو پھر اس کے متعدد جوابات ہیں: ① علامہ عینی فرماتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مذکورہ الفاظ (کاذب وخائن وغیرہ) شرط کے ساتھ مقید ہیں یعنی اگر علی میرے ساتھ انصاف نہ کریں تو جھوٹے وخائن ہیں۔ ② علامہ مازری فرماتے ہیں کہ غالباً یہاں بعض رواۃ کو وہم ہو گیا ہے، چنانچہ علامہ مازری نے ان کلمات کو حذف کرنے کی تصویب کی ہے اور علامہ عینی نے ان الفاظ کے حذف کو واجب قرار دیا ہے۔ ③ علامہ مازری فرماتے ہیں کہ اگر یہ کلمات محفوظ ہوں تو پھر ان کا محمل یہ ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بمنزل والد ہونے کے ازراہ ناز یہ کلمات کہے ہیں۔ ④ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی یہ غرض بھی ہو سکتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جو کچھ کر رہے ہیں اگر وہ سب عمداً وقصداً ہے تو وہ ان صفات کے ساتھ متصف ہیں، ورنہ نہیں۔ (کشف الباری، کتاب الخمس)

❹ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کی تفصیل:۔ قصے کے ضمن میں گزر چکی۔

## ﴿الورقة الخامسة : سنن ابی داؤد﴾

## ﴿السؤال الأول﴾ ۱۴۲۹ھ

**الشق الأول** ..... "عن ابی سعید الخدری قال: سمعت رسول الله ﷺ وهو يقال له: انه يستقى لك من بئر بضاعة وهي بئر يلقى فيها لحوم الكلاب والمحائض وعذر الناس، فقال رسول الله ﷺ: ان الماء طهور لا ينجسه شيئ. قال أبوداؤد: وسمعت قتيبة بن سعيد قال: سألت قيم بئر بضاعة عن عمقها قال: اكثر مايكون فيها الماء الى العانة قلت: فاذا نقص؟ قال: دون العورة".

شكّل الحديث وترجمه. اذا وقعت النجاسة فى الماء هل يبقى طاهرًا؟ اذكر اقوال الائمة فى ذلك ورجّح قول الحنفية فى ضوء الادلة. "الماء طهور لاينجسه شيئ" يدلّ على ان الماء لا يتنجّس ابدًا، اذكر مراد الحديث وهل كان ماء بئر بضاعة كثيرًا جاريًا ام كيف؟ وضّح الامر تمامًا. وضّح ماقال ابو داؤد: سمعت قتيبة ..... الخ

**جواب** ..... بعینہ جواب کما مر فی الشق الاول من السؤال الاول ۱۴۲۷ھ۔

❶ "قال ابو داود" کی وضاحت:۔ امام ابو داود رحمہ اللہ اپنے استاذ و شیخ قتیبہ بن سعید رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں جس سے مقصود یہ ہے کہ بئر بضاعہ بڑا کنواں تھا اور اس میں پانی بھی کثیر تھا اس لیے آپ ﷺ نے اس پر نجاست کا حکم نہیں لگایا۔ جب کہ احناف کہتے ہیں کہ اس پر عدم نجاست کا حکم اس کے جاری ہونے کی وجہ سے ہے اس کے کبیر ہونے کی وجہ سے نہیں ہے۔ شیخ قتیبہ کے قول کا حاصل یہ ہے کہ میں بئر بضاعہ کی تحقیق کے لیے اس کے نگران سے جا کر ملا اور میں نے اس میں پانی کی کثرت اور کنویں کی گہرائی کے متعلق سوال کیا تو اس نے جواب دیا کہ اس میں زیادہ سے زیادہ ناف تک پانی ہوتا ہے اور کم سے کم گھٹنوں تک ہوتا ہے۔

**الشق الثاني** ..... "حدثنا عبد الله بن مسلمة عن مالك عن عمه ابي سهيل بن مالك عن ابيه قال: انه سمع طَلْحَةَ بْنَ عُبَيْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ: جَاءَ رَجُلٌ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنْ أَهْلِ نَجْدٍ ثَائِرَ الرَّأْسِ يُسْمَعُ دَوِيُّ صَوْتِهٖ وَلَا يُفْقَهُ مَا يَقُوْلُ حَتّٰى إِذَا دَنَا فَإِذَا هُوَ يَسْأَلُ عَنِ الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ، فَقَالَ: هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُنَّ؟ قَالَ: لَا، إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ. قَالَ: وَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صِيَامَ رَمَضَانَ..... فَأَدْبَرَ الرَّجُلُ وَ هُوَ يَقُوْلُ: وَاللّٰهِ لَا أَزِيْدُ عَلٰى هٰذَا وَ لَا أَنْقُصُ..... فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: أَفْلَحَ إِنْ صَدَقَ. و في رواية: "قَالَ: أَفْلَحَ وَأَبِيْهِ إِنْ صَدَقَ دَخَلَ الْجَنَّةَ".

ترجم الحديث بعد ضبطه بالشكل واكتب اسم الرجل. هل الاستثناء متصل ام منقطع في قوله: "فقال: لا، الا ان تطوع"؟ وهل النفل يلزم بالشروع ام لا؟ اذكر اختلاف الائمة مع الدلائل. اكتب معنى قوله: والله لا ازيد على هذا ولا انقص. كيف قال ﷺ: افلح و ابيه مع ان الحلف بالآباء ممنوع في شريعته ﷺ.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ..... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ رجل مذکور کا نام ④ واللہ لا ازید علی هذا ولا انقص کی وضاحت ⑤ استثناء کی تعیین ⑥ نفل شروع کرنے سے لزوم میں اختلاف مع الدلائل ⑦ حلف بغیر اللہ ممنوع ہونے کے باوجود آپ ﷺ کے افلح و ابیہ کہنے کی وضاحت۔

**جواب** ..... ❶ تا ❹ کما مر في الشق الاول من السوال الثاني ۱۴۲۷ھ (الورقة الرابعة)

❺ استثناء کی تعیین:۔ حنفیہ کے نزدیک یہ استثناء متصل ہے کیوں کہ استثناء میں اصل یہ ہے کہ متصل ہو، شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک یہ استثناء منقطع ہے کیوں کہ یہاں استثناء کو متصل پر محمول نہیں کر سکتے۔ (مزید تفصیل مابعد میں مسئلہ کے ضمن میں آ رہی ہے)

❻ نفل شروع کرنے سے لازم ہونے میں اختلاف مع الدلائل:۔ نفل نماز شروع کرنے سے حنفیہ و مالکیہ کے ہاں واجب ہو جاتی ہے اس کا پورا کرنا ضروری ہے، اگر پورا نہ کر سکے تو قضا واجب ہے حنفیہ کے ہاں مطلقاً اور مالکیہ کے ہاں اس صورت میں کہ جب اسے بلا عذر توڑے ورنہ نہیں۔ اور شافعیہ و حنابلہ کے ہاں نفل نماز کا حکم جو شروع کرنے سے پہلے ہے وہی شروع کرنے کے بعد ہے اس کا اتمام واجب نہیں۔ ہماری دلیل حدیث مذکور ہے اس لیے کہ استثناء میں اصل اتصال ہے اور مستثنیٰ متصل وہ ہے جو ماقبل کی جنس سے ہو، اور یہاں ماقبل میں واجبات و فرائض کا ذکر ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ نفل شروع کرنے کے بعد واجب ہو جاتا ہے۔

شافعیہ و حنابلہ اپنے مسلک کے پیش نظر اس استثناء کو منقطع مانتے ہیں۔ استثناء منقطع ماقبل کی جنس سے نہیں ہوتا لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ صلوات خمس کے علاوہ جو نماز بھی پڑھی جائے گی وہ واجب نہ ہوگی بلکہ مستحب ہوگی، ماقبل میں فرض کا ذکر تھا اور یہاں مستحب کا ذکر ہے اس لیے یہ استثناء منقطع ہے۔ ہمارے علماء نے کہا کہ استثناء میں اصل اتصال ہے لہٰذا وہی مراد ہونا چاہیے لیکن شافعیہ کی جانب سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس استثناء کو اتصال پر کیسے محمول کیا جا سکتا ہے جب کہ آپ ﷺ صلوات خمس کے علاوہ جو بھی نماز ہے اس پر

تطوع کا اطلاق فرمایا ہے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا "الا أن تطوع" معلوم ہوا کہ باقی سب نمازیں تطوع ہیں۔

ہماری طرف سے اس کا جواب یہ دیا گیا کہ استثناء متصل ہی ہے اور "الا ان تطوع" کا مطلب یہ ہے کہ "الا ان تشرع فی التطوع" تو حدیث میں تطوع سے مراد شروع فی التطوع ہے، لہٰذا یہ نہیں کہہ سکتے کہ صلوات خمس کے علاوہ باقی سب نمازیں تطوع ہیں کہ حدیث میں ان کو تطوع کہا جا رہا ہے، فلا اشکال۔

حنفیہ و مالکیہ کے مسلک کی تائید آیت کریمہ "لا تبطلوا أعمالكم" سے بھی ہوتی ہے اس لیے کہ نفل کو شروع کرنے کے بعد اگر پورا نہ کیا جائے تو یقیناً اس میں ابطال عمل ہے جس سے احتراز ضروری ہے، لہٰذا اتمام واجب ہوا۔

اور نفل نماز میں اختیار ابتداء اور شروع کرنے کے اعتبار سے ہے کہ اس کے شروع کرنے اور نہ کرنے کا آدمی کو اختیار ہے، شروع کرنے کے بعد یعنی انتہاءً اختیار نہیں ہے یہی اختلاف صوم تطوع میں بھی ہے لیکن واضح رہے کہ حج نفل شروع کرنے سے بالاتفاق واجب ہو جاتا ہے، یہاں آکر شافعیہ ہمارے ساتھ ہو گئے ہیں۔ (الدر المنضود)

❺ حلف بالآباء کی ممانعت کے باوجود آپ ﷺ کے "أفلح وأبيه" کہنے کی وضاحت:۔ ① آپ ﷺ کا یہ ارشاد حلف بالآباء کی ممانعت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ ② یہاں مضاف محذوف ہے، اصل عبارت ورب ابیه ہے۔ ③ یہ ممانعت صرف امت کے لیے ہے، شارع کے لیے نہیں ہے۔ ④ اصل عبارت "والله" ہے، کاتب سے غلطی ہوئی اور اس نے و ابیه لکھ دیا، نقطوں کو حذف کرنے کے بعد دونوں کی شکل ایک طرح ہے۔ (الدر المنضود: ج۲ ص۸)

## ﴿السؤال الثانی﴾ ١٤٣٩ھ

**الشق الأول** ..... "عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَ يُثِيبُ عَلَيْهَا. عَنْ ابْنِ عُمَرَ وَ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ أَنْ يُعْطِيَ عَطِيَّةً أَوْ يَهَبَ هِبَةً فَيَرْجِعَ فِيهَا إِلَّا الْوَالِدَ فِيمَا يُعْطِي وَلَدَهُ وَمَثَلُ الَّذِي يُعْطِي الْعَطِيَّةَ ثُمَّ يَرْجِعُ فِيهَا كَمَثَلِ الْكَلْبِ يَأْكُلُ فَإِذَا شَبِعَ قَاءَ ثُمَّ عَادَ فِي قَيْئِهِ".

شكّل الحديثين و ترجمهما الى الاردية. لماذا كان ﷺ يقبل الهدية ولماذا يعطي عوضها؟ هل الحديث بطل الرجوع في الهبة؟ ما هو قول الحنفية في ذلك وما هو الجواب عن الحديث؟

﴿خلاصۂ سوال﴾..... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① احادیث پر اعراب ② احادیث کا ترجمہ ③ آپ ﷺ کے ہدیہ قبول کرنے اور اس کا عوض دینے کی وجہ ④ رجوع فی الہبہ کی وضاحت۔

**جواب** ..... ❶ احادیث پر اعراب:۔ کما مر فی السؤال آنفًا۔

❷ احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت عائشہ ؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ ہدیہ قبول فرماتے اور اس کا بدلہ عنایت فرماتے تھے۔

حضرت ابن عمر و ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی شخص کے لیے کوئی شیٔ کسی کو دے کر یا کوئی شیٔ ہبہ کر کے واپس لینا حلال نہیں کہ پھر اس کے ہبہ سے رجوع کرے لیکن اس شیٔ میں کہ جو والد لڑکے کو دیتا ہے، اور جو شخص ہبہ کر کے واپس لے اس کی مثال کتے جیسی ہے کہ جس نے پیٹ بھر کر کھایا اور قے کی پھر آ کر اس نے قے کو کھایا۔

❸ آپ ﷺ کے ہدیہ قبول کرنے اور اس کا عوض دینے کی وجہ:۔ خطابی فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا ہدیہ قبول کرنا محاسن اخلاق کے باب سے ہے جس کے ذریعہ آپ ﷺ لوگوں کی تالیف قلب فرماتے تھے، اور ہدیہ قبول کر کے اس کو کھانا آپ ﷺ کی ایک خاص شان و علامت تھی جس کا تذکرہ گذشتہ آسمانی کتابوں میں بھی آیا ہے، یعنی یہ کہ وہ ہدیہ قبول کریں گے اور

صدقہ قبول نہ کریں گے، اور ہدیہ قبول کرنے کے بعد آپ ﷺ نے اس ہدیہ دینے والے کو ہدیہ دینے کی مصلحت یہ ہے کہ آپ ﷺ دوسرے کے احسان مند ہو کر اس سے مدد نہیں بنا (ملاحظہ ہو الدبذل)

❸ رجوع فی الہبہ کی وضاحت:۔ کما مر فی الشق الاول من السوال الثالث ۱۴۳۳ھ (الورقۃ الثالثۃ)

**الشق الثانی** ...... "بَابُ مَا يُقْطَعُ فِيْهِ السَّارِقُ" ...... عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقْطَعُ فِيْ رُبْعِ دِيْنَارٍ فَصَاعِدًا. ...... عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَطَعَ فِيْ مِجَنٍّ ثَمَنُهُ ثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ. ...... عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَطَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَدَ رَجُلٍ فِيْ مِجَنٍّ قِيْمَتُهُ دِيْنَارٌ أَوْ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ"۔

ترجم الاحادیث الثلاثۃ بعد تشکیلھا۔ عرّف السرقۃ شرعًا وھل فی الاختلاس والانتھاب یجب القطع ام لا؟ ۔ ما ھو نصاب السرقۃ؟ بیّن اقوال الائمۃ ورجّح قول الاحناف بالدلیل۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① احادیث پر اعراب ② احادیث کا ترجمہ ③ سرقہ کی تعریف اور اختلاس و انتہاب میں قطع کا حکم ④ نصاب سرقہ میں اختلاف اور احناف کی وجہ ترجیح۔

**جواب** ...... ❶ احادیث پر اعراب:۔ کما مر فی السوال آنفًا

❷ احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ میں چور کا ہاتھ کاٹ دیتے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے تین درہم کی ڈھال چوری کرنے (کی صورت) میں ہاتھ کاٹا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ایک شخص کا ہاتھ کاٹا ایک ڈھال چوری کرنے کے بدلے میں جس کی مالیت ایک دینار یا دس درہم ہوگی۔

❸ سرقہ کی تعریف اور اختلاس و انتہاب میں قطع کا حکم:۔ سرقہ کا لغوی معنی چرانا ہے اور شرعی اعتبار سے سرقہ کسی کے مال محفوظ کو اس طرح لینا کہ مسروق منہ کو پتہ ہی نہ چلے اور یہ لینا خفیہ طور پر ہو، کھلم کھلا نہ ہو۔ اور حفاظت کی دو قسمیں ہیں ① مخصوص جگہ و مکان میں محفوظ کرنا مثلاً گھر، کمرہ، بازہ، صندوق وغیرہ ② مال اگرچہ عام کھلی جگہ میں ہو مگر اس کی حفاظت پر آدمی مقرر ہو۔

مال اچکنے و چھیننے کی صورت میں قطع ید کا حکم جاری نہ ہوگا کیونکہ یہاں خفیہ طور پر مال نہیں اٹھایا گیا۔

❹ سرقہ کے نصاب میں اختلاف اور احناف کی وجہ ترجیح:۔ کما مر فی الشق الاول من السوال الثالث ۱۴۲۴ھ

## ﴿الورقۃ السادسۃ: شرح معانی الآثار و المؤطین﴾

### ﴿السوال الاول﴾ (طحاوی) ۱۴۳۹ھ

**الشق الاول** ...... "قال ابو جعفر: کرہ قوم ان یقال فی اذان الصبح "الصلاۃ خیر من النوم" ...... وخالفھم فی ذلک آخرون"۔ اکتب معنی التثویب لغۃ و اصطلاحًا۔ کم قسما للتثویب وما ھو المراد بالتثویب المختلف فیہ الذی اشار الیہ الطحاوی۔ عیّن مصداق "کرہ قوم و خالفھم فی ذلک آخرون" اذکر خلاصۃ دلائل الفریقین التی ذکرھا الامام الطحاوی مع ترجیح قول الجمہور۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① تثویب کا معنی با اقسام اور معنی مختلف فیہ کی مراد ② "کرہ قوم وخالفھم فی ذلک آخرون" کا مصداق ③ فریقین کے دلائل کا خلاصہ اور جمہور کے قول کی وجہ ترجیح۔

**جواب** ...... ❶ تثویب کا لغوی و اصطلاحی معنی با اقسام اور معنی مختلف فیہ کی مراد:۔ لغت میں تثویب کا معنی اعلان بعد الاعلان ہے۔

اور اصطلاحی معنی دو قسم پر ہے: ① فجر کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد الصلوٰۃ خیر من النوم کہنا، اسے تثویب قدیم کہا جاتا ہے۔ ② تثویب حادث جو کہ ملائکہ نبوت کے بعد کے لوگوں نے ایجاد کیا ہے اور وہ متاخرین کو اذان و اقامت کے درمیان کہنا ہے اور اس میں اختلاف ہے۔

❷ **کرہ قوم وخالفهم فی ذلك آخرون** "کا مصداق:۔ تثویب حادث کے جواز میں تین اقوال ہیں:

① امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ہر نماز کیلئے تثویب (اذان کے بعد الصلوٰۃ کا لفظ پکارنا) مستحب ہے۔ ② امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ہر نماز کیلئے مکروہ ہے۔ ③ عام مشائخ کے نزدیک فجر کیلئے اذان کے درجہ میں ہے اور بقیہ نمازوں کیلئے مکروہ ہے۔

اور تثویب قدیم یعنی فجر کی نماز میں حی علی الفلاح کے بعد الصلوٰۃ خیر من النوم کہنا جائز ہے یا نہیں اور یہی مسئلہ زیر بحث بھی ہے اور اس سلسلہ میں اوجز المسالک اور امانی الاحبار میں دو مذاہب نقل کیے گئے ہیں:

① امام عطاء، امام ابن رباح، طاؤس، اسود بن یزید رحمہم اللہ کے نزدیک یہ تثویب مکروہ ہے اور یہی لوگ "کرہ قوم" کا مصداق ہیں۔

② ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک یہ تثویب مسنون ہے اور یہی لوگ "خالفهم آخرون" کا مصداق ہیں۔ (امانی الاحبار)

❸ **فریقین کے دلائل:**۔ فریق اول کی دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جو اذان سکھائی تھی اس میں تثویب نہیں تھی۔ جواب یہ ہے کہ جس ذات نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی اذان کو مشروع کیا ہے اسی ذات نے دوسرے موقع پر تثویب کو بھی مشروع فرمایا ہے اس لیے تثویب پر کراہت کا حکم لگانا جائز نہیں ہوسکتا۔

فریق ثانی کی دلائل: ① حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اذان سکھلائی اس وقت فجر کی اذان میں تثویب بھی سکھلائی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ اس کو فجر کی اذان میں شامل کرو تو معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن زید کی اذان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تثویب کا اضافہ فرمایا ہے۔ ② آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس تثویب کو صبح کی اذان میں استعمال فرمایا ہے، امام طحاوی رحمہ اللہ نے بطور مثال حضرت عبداللہ بن عمر و حضرت انس رضی اللہ عنہما کا عمل اور فتویٰ دو سندوں کے ساتھ نقل فرمایا ہے اور یہی ہمارے علماء ثلاثہ کا قول بھی ہے۔ (ایضاً)

**الشق الثانی** ...... "عن علیؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أنه قال فی الرضیع: یغسل بول الجاریة وینضح بول الغلام ...... واما وجهه من طریق النظر: ...... " الخ. بول الغلام الرضیع نجس أم لا؟ اذکر اقوال الائمة. لذا اصاب بول الغلام الرضیع ثوبًا هل یجب غسله ام یکفی فیه النضح؟ وما هو المراد بالنضح فی بول الغلام الرضیع عند الاحناف؟ وضّح الامر فی ضوء الدلائل. اذکر نظر الطحاوی علی ما ذهب الیه.

**جواب** ...... مکمل جواب کما مر فی الشق الثانی من السؤال الاول ١٤٣٢ھ

## ﴿السؤال الثانی﴾ (مؤطا امام مالکؒ) ١٤٣٩ھ

**الشق الاول** ...... "اکتب ترجمة الامام مالکؒ تذکر فیها اسمه وکنیته ولقبه ونسبه ونسبته ومولده ونشأته وصفته الخلقیة وفضائله ومناقبه". واکتب کلمة حول الکتاب الموطأ تبین فیها سبب تسمیته بـ "الموطأ" ومنزلته بین کتب الاحادیث ومزایاه وعدد مرویاته وشروحه المشهورة.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں دو امور کا حل مطلوب ہے: ① امام مالک رحمہ اللہ کا تعارف ② مؤطا امام مالک کا تعارف۔

**جواب** ...... ❶ **امام مالک رحمہ اللہ کا تعارف:**۔ نام مالک، والد کا نام انس، کنیت ابو عبداللہ، لقب امام دار الهجرة ہے۔ سلسلۂ نسب مالک بن انس بن مالک بن انس ابی عامر بن عمرو بن الحارث بن غیمان بن خثیل الاصبحی ہے۔

آپ کے بزرگوں کا وطن یمن تھا سب سے پہلے آپ کے پردادا ابو عامر نے مدینۃ الرسول میں آکر سکونت اختیار کی، یمن کے شاہی خاندان حمیری کی شاخ اصبح سے تعلق تھا۔ آپ کی ولادت مختلف معتبر روایات کے مطابق ۹۳ھ میں ہوئی اگرچہ بعض حضرات نے ۹۰ھ، ۹۴ھ اور ۹۵ھ بھی نقل کی ہے۔ آپ دراز قد، فربہ جسم، سفید رنگ مائل بہ زردی، کشادہ چشم اور بلند و خوبصورت ناک کے مالک تھے، پیشانی میں بال کم اور داڑھی گنجان و بڑی تھی۔

آپ نے قرآن کریم کی تعلیم امام القراء نافع بن عبد الرحمٰن سے حاصل کی۔ آپ نے نو سو سے زائد شیوخ سے علم حاصل کیا جن میں سے تین سو تابعین اور چھ سو تبع تابعین تھے، بارہ سال تک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے غلام اور حدیث کے امام حضرت نافع کے حلقۂ درس میں رہے اور مؤطا کی اکثر روایات انہی سے ہیں۔ آپ کے اساتذہ میں صرف چھ شیوخ غیر مدنی ہیں باقی سب مدنی شیوخ ہیں۔ امام مالک نے صرف ان شیوخ سے استفادہ کیا جو صدق و طہارت میں معروف اور حفظ و ثقاہت میں ممتاز تھے۔

حافظ ابن ذہبی کہتے ہیں کہ جو پانچ باتیں امام مالک کے حق میں جمع ہوگئیں وہ میرے علم کے مطابق کسی اور میں جمع نہیں ہوئیں: ① درازیٔ عمر و عالی سند ② عمدہ فہم اور وسیع علم ③ آپ کے حجت و صحیح الروایہ ہونے پر ائمہ کا اتفاق ④ آپ کی عدالت، اتباع سنت و دین داری پر محدثین کا اتفاق ⑤ فقہ و فتوٰی میں آپ کی مسلمہ مہارت۔

آپ کی سب سے مشہور "سلسلۃ الذہب" سند "مالك عن نافع عن ابن عمرؓ" ہے۔ مدینہ منورہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بعد ان کی مسند درس گاہ کے جانشین حضرت نافع ہوئے اور ان کی وفات کے بعد ان کے جانشین امام مالک ہوئے۔ سترہ سال کی عمر میں مجلس افادہ و تعلیم کی ابتداء کی اور مسلسل باسٹھ برس تک اس میں مشغول رہے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ میں لکھا کہ آپ سے روایت کرنے والوں کی تعداد تیرہ سو سے زائد ہے۔ ویسے عمومی شاگردوں کی تعداد و فہرست بہت طویل ہے۔

آپ کی وفات ۱۱ یا ۱۴ ربیع الاول ۱۷۹ھ میں مدینۃ الرسول میں ہوئی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ رحمه الله رحمة واسعة

② **مؤطا امام مالک کا تعارف:** کتب خانہ اسلام میں یہ دوسری کتاب ہے جو قرآن کریم کے بعد باقاعدہ طور پر فقہی ترتیب و ابواب کے مطابق منصۂ شہود پر آئی، علامہ ابوبکر بن العربی فرماتے ہیں کہ مؤطا اس نقش اول و بنیادی کتاب ہے بخاری کی حیثیت نقش ثانی کی ہے اور ان دونوں کتابوں پر بعد کے مؤلفین نے اپنی کتابوں کی بنیاد رکھی ہے۔

مدینۃ الرسول مقام تالیف ہے اور اس کی تالیف خلیفہ ابو منصور عباسی کی فرمائش پر اسی کے عہد میں شروع ہوئی اور اس کے بیٹے مہدی کے دور میں اس کی تکمیل ہوئی۔ مؤطا کا لفظ توطیہ بمعنی روندنا، تیار کرنا، نرم و سہل بنانا سے اسم مفعول کا صیغہ ہے اور اس میں مذکورہ تمام معانی بطور استعارہ مراد لیے جاسکتے ہیں، ابو حاتم کہتے ہیں کہ امام مالک نے اس کو مرتب کرکے سہل و آسان بنا دیا ہے اس لیے اس کو مؤطا مالک کہتے ہیں، امام مالک فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو لکھ کر مدینہ کے ستر فقہاء کے سامنے پیش کیا اور سب نے مجھ سے اتفاق کیا اس لیے میں نے اس کا نام مؤطا رکھا ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے کتب حدیث کے پانچ طبقات میں مؤطا کو پہلے طبقے میں رکھا ہے اور جمہور کی بھی یہی رائے ہے، صاحب مفتاح السعادۃ کہتے ہیں کہ عند الجمہور اس کا درجہ ترمذی کے بعد ہے۔ مؤطا کی صحت اور مرتبہ کا اندازہ امام شافعی رحمہ اللہ کے قول سے لگایا جاسکتا ہے کہ "روئے زمین پر کتاب اللہ کے بعد مؤطا امام مالک سے زیادہ صحیح کتاب کوئی نہیں ہے"۔ مؤطا کی مرویات کے متعلق ابوبکر ابہری کہتے ہیں کہ اس کی کل احادیث ۱۷۲۰ ہیں، جن میں سے ۶۰۰ مسند مرفوع، ۲۲۲ مرسل، ۶۱۳ موقوف، ۲۸۵ تابعین کے اقوال و فتاوی ہیں۔

مؤطا تیس طریقوں سے مروی ہے مگر ان میں سے سولہ نسخے مشہور ہیں اور ان میں سے بھی چار نسخے زیادہ اہم ہیں۔ قاضی عیاض نے

مؤطا کے شروح وحواشی کی تعداد پچاس سے زائد ہے جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں: المنتقی، الاسماء، الاستیفاء (ابو الولید باجی) کتاب التمہید لما فی المؤطا من المعانی و الاسانید، الاستذکار (حافظ ابن عبد البر مالکی) القبس (ابو محمد بن السید بطلیوسی نحوی) الموعب (ابو الولید بن صفار) المقتبس فی شرح مؤطا مالک بن انس (قاضی ابوبکر ابن العربی) کشف المغطا عن المؤطا، تنویر الحوالک، تجرید احادیث المؤطا (جلال الدین سیوطی) المعرب (محمد بن ابی ...) المستقصیہ (یحییٰ بن حزین) المسالک (ابوبکر بن سابق صقلی) شرح مؤطا (محمد بن عبد الباقی زرقانی) المصفیٰ، المسوّیٰ (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی) الفتح الرحمانی (ابو محمد ابراہیم بن حسین شیخ پیری زادہ) المصفیٰ شرح المؤطا (ابو یوسف محمد یعقوب البنانی اللاہوری) المحلیٰ (شیخ سلام اللہ حنفی) اوجز المسالک الی مؤطا مالک (شیخ الحدیث مولانا زکریا) التعلیق الممجد علیٰ مؤطا محمد (مولانا عبد الحی لکھنوی)۔ (ظفر المحصلین)

**الشق الثانی**..... "مالك عن ابن شهاب عن عبد الله بن عمرو بن العاص أنه قال: لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ نَالَنَا وَبَاءٌ مِنْ وَعْكِهَا شَدِيدٌ فَخَرَجَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى النَّاسِ وَهُمْ يُصَلُّونَ فِي سُبْحَتِهِمْ قُعُودًا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: صَلَاةُ الْقَاعِدِ مِثْلُ نِصْفِ صَلَاةِ الْقَائِمِ".

شكّل الحديث ثم ترجمه واذكر معنى الالفاظ المخطوطة ـ عيّن مصداق الحديث و هل المراد بـ "صلاة القاعد مثل نصف صلاة القائم" صلاة المفترض ام المتنفل؟ وهل يراد به المعذور أو غيره؟

﴿خلاصۂ سوال﴾..... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ الفاظ مخطوطہ کے معانی ④ حدیث کا مصداق۔

**جواب**..... ❶ **حدیث پر اعراب:** کما مر فی السوال آنفًا

❷ **حدیث کا ترجمہ:** حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب ہم مدینہ طیبہ آئے تو ہم وباء کی وجہ سے شدت بخار میں مبتلا ہو گئے، رسول اللہ ﷺ لوگوں کے پاس تشریف لائے تو وہ کھال کے کپڑوں میں بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے آپ ﷺ نے فرمایا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی نماز کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کی نصف نماز کی مثل ہے۔

❸ **الفاظ مخطوطہ کے معانی:** قَدِمْنَا: صیغہ جمع متکلم فعل ماضی معلوم از مصدر قُدُوْمًا (سمع) بمعنی آنا۔

نَالَ: صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معلوم از مصدر نَيْلًا (ضرب و سمع، اجوف) بمعنی پانا۔

وَعْكٌ: یہ باب ضرب کا مصدر ہے بمعنی گرمی تیز ہونا، بخار چڑھنا۔ سُبْحَةٌ: یہ سَبَج کا اسم مرہ ہے بمعنی کھال کے کپڑے۔

❹ **حدیث کا مصداق:** یہ حدیث مفترض کے بارے میں ہے یا متنفل کے بارے میں؟ اگر مفترض کے حق میں مانا جائے تو وہ اگر قادر علی القیام ہے تو اس کے لیے قاعدا نماز پڑھنا جائز ہی نہیں ہے اور اگر مفترض قادر علی القیام نہیں تو اس کا قاعدا نماز پڑھنا اس کے اجر وثواب میں کمی کا باعث نہیں، چنانچہ جمہور کا مسلک یہی ہے کہ معذور کو پورا اجر ملتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ درحقیقت معذور کی دو قسمیں ہیں: ① وہ جو قیام یا قعود پر مطلقاً قادر ہی نہ ہو۔ ② وہ جو قادر تو ہو لیکن انتہائی مشقت و تکلیف کے ساتھ، اور حدیث باب میں دوسری قسم کا بیان ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو شخص شدید مشقت کے ساتھ قیام یا قعود پر قادر ہو اس کے لیے قعود یا اضطجاع جائز تو ہے لیکن عزیمت پر عمل کرنا افضل ہے لہٰذا یہاں نصف اجر سے مراد یہ نہیں کہ تندرستوں کے مقابلہ میں اسے آدھا اجر ملے گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ شدید مشقت اٹھا کر عزیمت پر عمل کرتا اس صورت میں

اس کو جتنا اجر ملتا رخصت پر عمل کرنے کی صورت میں اس عزیمت کا آدھا ملے گا، اگرچہ یہ دعا بھی تندرستوں کے اجر کے برابر ہوگا، گویا عزیمت کی صورت میں یہ شخص تندرستوں سے دگنے ثواب کا مستحق ہوگا اور رخصت کی صورت میں اسے ایک گنا ثواب ملے گا جو عزیمت کے مقابلے میں نصف ہے۔ (درس ترمذی)

## ﴿السوال الثالث﴾ (موطا امام محمد) ۱۴۳۹ھ

**الشق الاول** ...... "عن ابراهيم النخعي قال: ان اغتسلت فحسن وان تركت فليس عليك ...... وعن ابراهيم النخعي قال: كان علقمة بن قيس اذا سافر لم يصل الضحى ولم يغتسل يوم الجمعة".

ماذا تعرف عن ابراهيم النخعي و علقمة اذكر ترجمتهما بالايجاز. ان الروايات الموجودة في موطأ الامام محمد اكثرها مروية عن الامام مالك فلماذا سمّي بـ "موطأ الامام محمد"؟ الآثار المروية تدل على ان غسل يوم الجمعة غير واجب مع ان رواية ابي سعيد الخدري يدل على وجوب الغسل حيث يقول: "ان رسول الله ﷺ قال: غسل يوم الجمعة واجب على كلّ محتلم". فما هو توجيه هذا الحديث؟ وما هو مذهب الجمهور؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حضرت ابراہیم نخعی وعلقمہ رحمہما اللہ کا تعارف ② موطا امام محمد کی وجہ تسمیہ ③ غسل جمعہ کا حکم۔

**جواب** ...... ① تعارف: ـ كما مر في الشق الاول من السوال الاول ۱۴۲۶ھ (ورقه رابعه)

② موطا امام محمد کی وجہ تسمیہ: ـ كما مر في الشق الاول من السوال الثالث ۱۴۳۸ھ

③ غسل جمعہ کا حکم: ـ كما مر في الشق الثاني من السوال الاول ۱۴۲۸ھ (ورقه اولى)

**الشق الثاني** ...... "عن ابي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: ليس على المسلم في عبده ولا في فرسه صدقة. قال محمد: وبهذا نأخذ ليس في الخيل صدقة".

كم صورةً في زكاة الخيل؟ اذكرها بالاجمال ثم عيّن محل الاختلاف و اذكر اختلاف الائمة مع الدلائل بعد تعيين محل النزاع. هل يوافق ابو يوسف محمدًا في هذه المسئلة أم لا؟ وما هو القول المفتى به؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① زکوۃ خیل کی صورتیں ② محل نزاع کی تعیین اور ائمہ کے دلائل ③ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کی وضاحت اور قول مفتی بہ کی تعیین۔

**جواب** ...... ① زکوۃ خیل کی صورتیں: ـ گھوڑوں کی زکوۃ کی دو صورتیں ہیں ① ہر گھوڑے کی طرف سے ایک دینار ادا کیا جائے ② گھوڑوں کی مالیت کا اندازہ لگا کر ہر دو سو درہم پر پانچ درہم ادا کئے جائیں۔

② محل نزاع کی تعیین اور ائمہ کے دلائل: ـ كما مر في الشق الاول من السوال الثالث ۱۴۳۰ھ (ورقه ثالثه)

③ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کی وضاحت اور قول مفتی بہ کی تعیین: ـ مذکورہ مسئلہ میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ ائمہ ثلاثہ بھی امام محمد کے ساتھ ہیں کہ گھوڑوں میں زکوۃ نہیں ہے، اور اسی پر فتوی ہے۔ (حاشیہ)

## ﴿الورقة الاولى: السنن و الشمائل﴾

## ﴿السوال الاول﴾ (سنن نسائی) ۱۴۴۰ھ

**الشق الاول**.....اخبرنا هناد بن السری عن وکیع عن الاعمش قال سمعت مجاهدا یحدث عن طاؤس عن ابن عباس قال: مر رسول الله ﷺ علی قبرین، فقال انهما یعذبان وما یعذبان فی کبیر، اما هذا فکان لایستنزه من بوله واما هذا فانه کان یمشی بالنمیمة ثم دعا بعسیب رطب فشقه باثنین فغرس علی هذا واحدا وعلی هذا واحدا ثم قال لعله یخفف عنهما مالم ییبسا (ص۲۳-سنن نسائی)

ترجم الحدیث و اشرحه. اذکر حکم عدم التنزه عن البول و النمیمة. هل یجوز وضع الازهار علی القبور قیاسا علی غرز العسیب؟ اشرح مافوقه خط لغةً و عیّن مرجع الضمیر فی لعلّه؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ و تشریح ② بول و نمیمہ سے عدم تنزہ کا حکم ③ قبور پر پھولوں کی پتیاں رکھنے کا حکم ④ کلمۂ مخطوطہ کی تحقیق و مرجع کی تعیین۔

**جواب**..... ① تا ③ کما مرّ فی الشق الاول من السوال الاول ۱۴۳۲ھ

④ کلمۂ مخطوطہ کی تحقیق و مرجع کی تعیین:۔ لایستنزه: یہ استنزاہ سے مضارع معلوم کا صیغہ ہے، نزہ کا مادہ بچنے اور دور ہونے کے معنی میں آتا ہے۔ لعلّه: ضمیر کا مرجع عذاب ہے۔

**الشق الثانی**.....عن ابی طلحة انّ النبی ﷺ قال توضّأوا مما انضجت النار۔

ترجم الحدیث. اذکر اختلاف الصحابة رضی الله عنهم ومن بعدهم من الفقهاء فی وجوب الوضوء مما مسته النار وترکه مع ادلتهم. وماهو جواب الجمهور الاحادیث التی تعارض مذهبهم؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال کا حل دو امور ہیں: ① حدیث کا ترجمہ ② وضوء مما مست النار میں اختلاف مع الدلائل۔

**جواب**..... ① حدیث کا ترجمہ:۔ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وضوء کرو ان اشیاء کو کھا کر جن کو آگ نے پکایا ہو یعنی جو اشیاء آگ پر تیار کی گئی ہوں۔

② وضوء مما مست النار میں اختلاف مع الدلائل:۔ کما مرّ فی الشق الاول من السوال الاول ۱۴۳۰ھ (ورقہ خامسہ)

## ﴿السوال الثانی﴾ (سنن ابن ماجه) ۱۴۴۰ھ

**الشق الاول**.....تحدث عن حیاة الامام ابن ماجة من تاریخ ولادته ووفاته ورحلاته العلمیة ومشایخه. کیف اخرج ابن ماجه فی سننه الاحادیث الموضوعة مع ان روایة الموضوع بدون ذکر وضعه غیر جائز؟ هل یمکن نظم هذا الکتاب فی سلک الصحاح وفیه موضوعات واحادیث واهیة؟

**جواب**.....کما مرّ فی الشق الاول من السوال الثانی ۱۴۲۷ھ وفی الشق الثانی من السوال الثانی ۱۴۳۰ھ

**الشق الثانی**.....حدثنا محمد بن بشار حدثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبة عن معاویة بن قرة عن ابیه قال قال رسول الله ﷺ لا تزال طائفة من امتی منصورین لا یضرهم من خذلهم حتی تقوم الساعة.

ترجم الحدیث. اشرح لفظة "طائفة" وعین نوع تنوینها. اذکر اختلاف الائمة فی مصداق الطائفة. الحدیث بظاهره یعارض قوله ﷺ "لاتقوم الساعة الا علی شرار الخلق" طبق بینهما تطبیقا مناسبا.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② طائفہ کی تشریح و تنوین کی تعیین ③ طائفہ کا مصداق ④ احادیث میں تطبیق۔

**جواب** ...... ① **حدیث کا ترجمہ:** قرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ اللہ کی مدد میں رہے گا انہیں نقصان پہنچا سکے گا ان کو وہ شخص جو انہیں رسوا کرنے کی کوشش کریگا یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے۔

② **طائفہ کی تشریح و تنوین کی تعیین:** امام قرطبی فرماتے ہیں کہ طائفہ کا اطلاق انسانوں کی جماعت پر ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ طائفہ کا اطلاق ایک اور ایک سے زائد پر ہوتا ہے۔ مجاہد کے نزدیک اس کا مصداق ایک ہزار ہے اور امام اسحٰق بن راہویہ کے نزدیک اس کا اطلاق ہزار سے کم پر ہوتا ہے۔ اس طائفہ کی تین خصوصیات ہوں گی: ① دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرے گا اور علوم اسلامیہ و مسائل شرعیہ میں گہرائی حاصل کرے گا ② اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے دشمن اسلام سے قتال کرے گا ③ تسلسل تاریخ یعنی رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے لیکر آخر تک اس کی مکمل تاریخ ونسب نامہ موجود ہوگا۔

**طائفۃ** کی تنوین میں تین احتمال ہیں: ① تنوین برائے تقلیل: مطلب یہ کہ نصرت خداوندی سے مؤید لوگ بہت کم ہوں گے۔ ② تنوین برائے تعظیم: مطلب یہ کہ یہ جماعت نہایت عظیم المرتبت، عالی ہمت اور انتہائی اعلیٰ و ارفع مراتب پر متمکن ہوگی ③ تنوین برائے تکثیر: مطلب یہ کہ یہ جماعت عدد کے اعتبار سے اگرچہ کم نظر آئے گی مگر کیفیت میں بہت زیادہ ہوں گے، بڑی بڑی قومیں و طاقتیں بھی اس کے سامنے نہ ٹھہر سکیں گی۔ اب بیک وقت ان تینوں احتمالات کو مراد لینا زیادہ قرین قیاس ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ یہ لوگ تعداد میں انتہائی قلیل ہونے کے باوجود دنیاوی و اخروی اعتبار سے ایسے باعظمت و عالی مرتبت ہوں گے کہ ہزاروں انسان بھی ان کا مقابلہ نہ کرسکیں گے۔ (تکملہ فتح الملہم: ۳۰)

③ **طائفہ کا مصداق:** کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثالث ۱۴۳۰ھ (ورقہ ثانیہ)

④ **احادیث میں تطبیق:** سوال میں موجود پہلی حدیث میں طائفہ منصورہ کا دوام قیامت تک نہیں ہوگا بلکہ اس میں قرب قیامت مراد ہے، یعنی قرب قیامت تک یہ طائفہ منصورہ باقی رہے گا اور قیامت سے تقریباً ایک صدی قبل تمام مسلمان ختم ہو جائیں گے، اور دوسری حدیث اپنی حقیقت پر ہے اور اس کے مطابق قیامت کا وقوع شرار الخلق و شرار الناس یعنی صرف کافروں پر ہوگا۔ قیامت کی ہولناکی کا وقوع صرف کافروں پر ہوگا اس وقت دھرتی پر کوئی مسلمان نہ ہوگا۔ (حاشیہ مسلم)

## ﴿السوال الثالث﴾ (شمائل الترمذی) ۱۴۴۰ھ

**الشق الاول** ...... قَالَتِ التَّاسِعَةُ زَوْجِيْ رَفِيْعُ الْعِمَادِ، عَظِيْمُ الرَّمَادِ، طَوِيْلُ النِّجَادِ، قَرِيْبُ الْبَيْتِ مِنَ النَّادِ، قَالَتِ الْعَاشِرَةُ: زَوْجِيْ مَالِكٌ وَمَا مَالِكٌ؟ مَالِكٌ خَيْرٌ مِنْ ذٰلِكَ لَهُ اِبِلٌ كَثِيْرَاتُ الْمَبَارِكِ قَلِيْلَاتُ الْمَسَارِحِ، اِذَا سَمِعْنَ صَوْتَ الْمِزْهَرِ اَيْقَنَّ اَنَّهُنَّ هَوَالِكُ. (ص۔ قدیمی)

ترجم الحديث ترجمةً لفظيةً. اكتب النص مشكّلاً. حقّق مافوقه خط لغةً وصرفاً. ماذا اراد المؤلف بايراد حديث ام زرع فی كتابه الشمائل؟ لماذا لم تكن القصة داخلةً فی الغيبة المحرّمة عند العلماء؟

**جواب** ...... كما مرّ فی الشق الاول من السوال الثالث ۱۴۲۷ھ وفی الشق الثانی من السوال الثالث ۱۴۲۹ھ

**الشق الثانی** ...... عَنْ جَابِرٍ قَالَ رَأَيْتُ الْخَاتَمَ بَيْنَ كَتِفَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ غُدَّةً حَمْرَاءَ مِثْلَ بَيْضَةِ الْحَمَامَةِ

اضبط كلمة "الخاتم" بالشكل بعد ايضاحه لغةً. ترجم الحديث واذكر تحقيق الخاتم من لونه و مقداره وتعيين محله من جسد النبی ﷺ بحيث يندفع التعارض بين الاحاديث المختلفة المتعارضة.

**جواب** ...... مکمل جواب کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثالث ۱۴۳۰ھ

## ﴿الورقۃ الثانیۃ : صحیح المسلم﴾

### ﴿السوال الاول﴾ ۱۴۴۰ھ

**الشق الاول** ......اخبرنا زکریا بن عدی قال: قال لی ابو اسحق الفزاری: اکتب عن بقیۃ ما روی عن المعروفین ولاتکتب عنہ ما روی عن غیر المعروفین، ولاتکتب عن اسماعیل بن عیاش ما روی عن المعروفین ولا عن غیرھم . (ص۱۸ج۱،قدیمی) وضح ما قالہ الفزاری عن الرواۃ . ھل کان اسماعیل بن عیاش ثقۃ ام لا؟ ما ھی مرتبتہ فی الرواۃ عند ائمۃ الجرح والتعدیل . اذکر موجزا مع قول الراجح .

**جواب** ...... مکمل جواب کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثالث ۱۴۳۴ھ

**الشق الثانی** ......عن طارق بن شہاب ...... قال أول من بدأ بالخطبۃ یوم العید قبل الصلاۃ مروان، فقام الیہ رجل، فقال: الصلاۃ قبل الخطبۃ فقال قدترک ما ھنالک فقال أبو سعید: أما ھذا فقد قضی ما علیہ سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فأن لم یستطع فبلسانہ: فأن لم یستطع فبقلبہ وذلک أضعف الایمان . (ص۵۱ج۱،قدیمی) من بدأ بخطبۃ العید قبل الصلاۃ؟ وقد وردت فیہ روایات اذکر وجہ الجمع بینھا . من المراد برجل ردّ علی مروان؟ ولماذا لم یغیّر ابو سعید منکرا رآہ؟ وفی روایۃ: أن الذی ردّ علی مروان ھو ابو سعید فماھو الجمع بین الروایتین؟

**جواب** ...... مکمل جواب کما مرّ فی الشق الاول من السوال الثانی ۱۴۲۸ھ

### ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۰ھ

**الشق الاول** ......عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ أُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَشْھَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَیُقِیْمُوْا الصَّلَاۃَ وَیُؤْتُوا الزَّکَاۃَ، فَاِذَا فَعَلُوْا عَصَمُوْا مِنِّیْ دِمَائَھُمْ وَ اَمْوَالَھُمْ اِلَّا بِحَقِّھَا وَحِسَابُھُمْ عَلَی اللّٰہِ .

اکتب الحدیث مع تشکیلہ ثم اشرح الجملۃ المخطوطۃ . وضح ایراد المتجددین بالحدیث المذکور والجواب عنھا .

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل تین امور ہیں: ① حدیث پر اعراب ② جملہ مخطوطہ کی تشریح ③ حدیث مذکور پر اعتراض و جواب ۔

**جواب** ...... ① حدیث پر اعراب :۔ کما مر فی السوال آنفًا .

② جملہ مخطوطہ کی تشریح :۔ اس جملہ میں الناس کا الف لام استغراق کا نہیں ہے بلکہ عہد خارجی کا ہے، اس سے تمام کافر مراد نہیں ہیں بلکہ مشرکین عرب مراد ہیں ۔ عام کافر جزیہ دے کر کسی بھی مسلمان ملک میں رہ سکتے ہیں، مگر مشرکین عرب کیلئے حکم یہ ہے کہ وہ اسلام قبول کریں یا مقررہ مدت تک جزیرۃ العرب چھوڑ دیں، ورنہ ان سے قتال ہوگا ۔

③ حدیث مذکور پر اعتراض و جواب :۔ آیت کریمہ فاذا انسلخ الاشہر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم و خذوھم و احصروھم و اقعدوا لھم کل مرصد فان تابوا و اقاموا الصلوۃ و اٰتوا الزکوۃ فخلّوا سبیلھم (توبہ:۵) (تو جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو ان مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو اور انہیں پکڑو اور انہیں گھیر لو اور ان کیلئے ہر گھات کی جگہ بیٹھو پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو) اور اس مذکورہ حدیث پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے ...

اسلام اس وقت تک کافروں سے لڑنے کا حکم دیتا ہے جب تک کہ وہ سب کے سب اسلام قبول نہ کرلیں تو پھر یہ مصالحت اور کافروں کو اپنے مذہب پر برقرار رکھنے والی بات کیسے مان لی جائے؟ اور حقیقت یہ آیت نہ صرف مسلمانوں کے فرض منصبی کو واضح کرتی ہے بلکہ غیر مسلموں کے انجام کا بھی اعلان کرتی ہے، نیز اس آیت وحدیث نے ان تمام لوگوں کا کھلا بلیک وارنٹ جاری کردیا ہے جو مسلمان نہیں ہیں اگرچہ وہ مسلمانوں کے خلاف کوئی برا ارادہ نہ رکھتے ہوں ان کا غیر مسلم ہونا ہی ان کا خون مباح کرنے کیلئے کافی ہے۔

جواب یہ ہے کہ یہ بیان مشرکین عرب کے متعلق تھا اور درحقیقت معترضین اسلام اس آیت کا حوالہ سیاق وسباق سے ہٹ کر دیتے ہیں۔ آیت کے سیاق وسباق کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ اس سورت کا مطالعہ شروع سورت سے کیا جائے کہ مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان جو معاہدات امن ہوئے تھے ان سے برات کا اعلان کیا جاتا ہے۔ اس برات ومعاہدات کی منسوخی سے عرب میں شرک و مشرکین کا وجود عملاً خلاف قانون ہوگیا کیونکہ ملک کا غالب حصہ اسلام کے زیر حکم آچکا تھا، ان کیلئے اس کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہ رہا کہ یا تو لڑنے پر تیار ہو جائیں یا ملک چھوڑ کر نکل جائیں یا پھر اپنے آپ کو اسلامی حکومت کے نظم وضبط میں دے دیں اور مشرکین کو اپنا رویہ بدلنے کیلئے چار ماہ کا وقت دیا گیا۔ امام ابوبکر جصاص نے اسی تخصیص پر اپنی کتاب شرح مختصر طحاوی میں لکھا ہے: یہ آیت مشرکین عرب کے بارے میں اتری ہے اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان پچھلی آیت ہے: **فاتموا الیھم عھدھم الی مدتھم** (ان کے ساتھ کئے ہوئے معاہدے کی مدت کو پورا کرو) اسلئے کہ آپ ﷺ کا اس وقت معاہدہ صرف مشرکین عرب سے تھا قرآن کے اسی حکم کو اللہ کے رسول ﷺ نے اس حدیث میں بیان کیا ہے۔ امام بخاریؒ نے اس حدیث کو اسی آیت کی تفسیر کے طور پر بیان کیا ہے۔

یہ حکم خصوصی طور پر مشرکین عرب کے متعلق ہے، اس کا تاریخی ثبوت مشرکین ہند کے ساتھ دوسری صدی ہجری میں محمد بن قاسم کا رکھا گیا برتاؤ ہے اور مشرکین ہند کو اس وقت سے لے کر مغلیہ دور تک جزیہ (ٹیکس) لے کر رعایا کے طور پر قبول کیا جاتا رہا۔

اسی طرح اس سورت کی دیگر سیاق وسباق کی آیات سے بھی اس پروپیگنڈہ کی نفی ہوتی ہے: ① **وان احد من المشرکین استجارک فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ ثم ابلغہ مامنہ** (اگر ان مشرکین میں سے کوئی مزید مہلت مانگے اور وہ اسلام کی دعوت پر غور کرنا چاہتا ہو تو اسے پناہ دی جائے اور اللہ کا کلام سنایا جائے یعنی اسلام کی حقانیت کے دلائل سمجھائے جائیں، صرف اللہ کا کلام سنانے پر اکتفاء کیا جائے (توبہ:٦)) ② **وان جنحوا للسلم فاجنح لھا وتوکل علی اللہ** (اگر یہ کافر صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی جھکو اسی طرف اور اللہ پر بھروسہ کرو (انفال:٦١)) ③ **قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الآخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتب حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صٰغرون** (لڑو ان لوگوں سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور نہ آخرت کے دن پر اور نہ حرام جانتے ہیں اس چیز کو جس کو حرام کیا اللہ نے اور اس کے رسول نے اور نہ ہی دین اسلام قبول کرتے ہیں ان لوگوں میں سے جو کہ اہل کتاب ہیں یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے ذلیل ہوکر جزیہ دیں (توبہ:٢٩)) (درس مسلم ثم کمل)

**الشق الثانی** ……**عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ نھی عن الشغار۔ وفی روایۃ لا شغار فی الاسلام۔**

**عرّف الشغار لغۃ و شرعا۔ ھل ینعقد النکاح الشغار لو کان فیہ اختلاف فاکتبہ موضحا۔ ما ھو الحکم النکاح التبادلی (المسمی وٹہ سٹہ) ھل ھو داخل فی الشغار؟ اذا لم یکن فیہ فبیّن سببہ۔**

**جواب** ……مکمل جواب کما مرّ فی الشق الاول من السوال الثالث ١٤٢٨ھ و ١٤٣٠ھ (ورقہ رابعہ)

## ﴿السوال الثالث﴾ ١٤٤٠ھ

**الشق الاول** ......عن عبدالرحمن بن عثمان التيمي أنّ رسول الله ﷺ نهى عن لقطة الحاج.

اشرح معنى اللقطة واذكر الى متى يكون التعريف فيها؟ اكتب اقوال اهل العلم مع ادلتهم وضح المراد بلقطة الحاج وماهو الفرق بين لقطة الحاج و لقطة العامة حكما.

**جواب** ...... مکمل جواب کما مرّ في الشق الثاني من السوال الثالث ۱۴۲۸ھ۔

**الشق الثاني** ......عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُجَاءُ بِالْمَوْتِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَاَنَّهُ كَبْشٌ اَمْلَحُ..... فَيُقَالُ يَا اَهْلَ الْجَنَّةِ هَلْ تَعْرِفُوْنَ هٰذَا فَيَشْرَئِبُّوْنَ وَيَنْظُرُوْنَ وَيَقُوْلُوْنَ نَعَمْ هٰذَا الْمَوْتُ قَالَ وَيُقَالُ يَا اَهْلَ النَّارِ هَلْ تَعْرِفُوْنَ هٰذَا فَيَشْرَئِبُّوْنَ وَيَنْظُرُوْنَ وَيَقُوْلُوْنَ نَعَمْ هٰذَا الْمَوْتُ قَالَ فَيُؤْمَرُ بِهٖ فَيُذْبَحُ قَالَ ثُمَّ يُقَالُ يَا اَهْلَ الْجَنَّةِ خُلُوْدٌ فَلَا مَوْتَ وَيَا اَهْلَ النَّارِ خُلُوْدٌ فَلَا مَوْتَ۔

شكل الحديث ثم ترجمه. اشرح الحديث و بيّن حقيقة الموت و كيفية عرضه مع انه ليس بجسد.

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ حدیث کی تشریح و موت کی حقیقت ④ موت کو پیش کرنے کی کیفیت۔

**جواب** ...... ① <u>حدیث پر اعراب:</u>۔ کما مر في السوال آنفًا۔

② <u>حدیث کا ترجمہ:</u>۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن موت کو نمکین رنگ کے ایک دنبے کی شکل میں لایا جائے گا..... پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے جنت والو! کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ جنتی اپنی گردنیں اٹھا کر دیکھیں گے اور کہیں گے جی ہاں یہ موت ہے، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے جہنم والو! کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ جہنمی اپنی گردنیں اٹھا کر دیکھیں گے اور کہیں گے جی ہاں یہ موت ہے، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا جائے گا اور اسے ذبح کر دیا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے جنت والو اب ہمیشگی ہے موت نہیں ہے اور اے دوزخ والو اب ہمیشگی ہے موت نہیں ہے۔

③ <u>حدیث کی تشریح و موت کی حقیقت:</u>۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ موت کو ایک دنبے (مینڈھے) کی شکل میں لایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے اہل جنت! کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ جنتی اپنی گردنیں و ایڑیاں اٹھا کر دیکھیں گے اور کہیں گے کہ یہ موت ہے، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے اہل جہنم! کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ جہنمی اپنی گردنیں و ایڑیاں اٹھا کر دیکھیں گے اور کہیں گے کہ یہ موت ہے، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا جائے گا اور اسے ذبح کر دیا جائے گا، پھر حکم ہوگا اے اہل جنت و اہل جہنم! آج موت کو بھی موت آگئی ہے آج کے بعد کسی پر موت طاری نہ ہوگی، لہٰذا اے اہل جنت! آج تم جہاں ہو ہمیشہ یہیں رہو گے اور اے اہل جہنم! آج تم جہاں ہو ہمیشہ یہیں رہو گے آج کے بعد موت نہیں ہے اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک زندگی کی طرح موت بھی مخلوق ہے چنانچہ ارشاد باری ہے الذی خلق الموت والحیاۃ البتہ وہ جسم و جسم سے آزاد ہے اور محض وجودی ہے۔ معتزلہ کے نزدیک موت عرض نہیں بلکہ عدم حیات کا نام ہی موت ہے لہٰذا موت کوئی مخلوق نہیں اور اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔

④ <u>موت کو پیش کرنے کی کیفیت:</u>۔ موت ایک عرض ہونے کی وجہ سے جسم نہیں ہے مگر اس کو صورت مثالیہ مینڈھے کی صورت میں لا کر ذبح کیا جائے گا تا کہ حسی طور پر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آج کے بعد موت نہیں ہے۔ اور شاید اللہ تعالیٰ اس پر کوئی علامت و نشانی لگا دیں جو اس کے موت ہونے پر دال ہو۔ (انعامات المنعم)

✪✱✪✱✪

## ﴿الورقة الثالثة: جامع الترمذی﴾

### ﴿السوال الاول﴾ ١٤٤٠ھ

**الشق الاول**.....عن عياض بن عبد الله بن ابی سرح ان ابا سعيد الخدری دخل يوم الجمعة ومروان يخطب فقام يصلی فجاء الحرس ليجلسوه فابی حتی صلی فلما انصرف اتيناه فقلنا رحمك الله ان كادوا ليقعوا بك فقال ما كنت لاتركهما بعد شیء رأيته من رسول الله ﷺ ثم ذكر ان رجلا جاء يوم الجمعة فی هيئة بذة والنبی ﷺ يخطب يوم الجمعة فأمره فصلی ركعتين والنبی ﷺ يخطب قال ابن ابی عمر كان سفيان بن عيينة يصلی ركعتين اذا جاء والامام يخطب و يأمر به وكان ابو عبد الرحمٰن المقرئ يراه ۔

وضح مسألة الحديث مع ذكر اختلاف الائمة فی الركعتين اثناء الخطبة يوم الجمعة مدلاً ثم اذكر التأويل عن الحديث المذكور من الحنفية. اذكر نبذة من احوال ابی سعيد الخدری مع اسمه. ومن هو ابو عبد الرحمٰن المقرئ؟

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① خطبہ کے دوران تحیۃ المسجد پڑھنے میں اختلاف مع الدلائل ② حضرت ابوسعید خدری و عبد الرحمٰن المقرئ کا تعارف۔

**جواب**..... ❶ خطبہ کے دوران تحیۃ المسجد پڑھنے میں اختلاف: کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثانی ١٤٢٩ھ (ورقہ ثانیہ)

❷ حضرت ابوسعید خدری و عبد الرحمٰن المقرئ کا تعارف: ابوسعید خدریؓ کا نام سعد بن مالک بن سنان بن عبید بن ثعلبہ بن عبید بن الابجر انصاری خزرجی اور کنیت ابوسعید ہے۔ ساجداد میں موجود ابجر کا نام خدرہ تھا اسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے خدری نسبت ہے۔

آپ سے گیارہ سو ستر (١١٧٠) احادیث مروی ہیں جن میں سے چھیالیس احادیث متفق علیہ ہیں۔ آپ کا شمار فقہاء و فضلاء صحابہ میں ہوتا تھا۔ ٧٣ھ یا ٧٤ھ میں عبد الملک بن مروان کے عہد میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ (کشف الباری ج۲)

عبد الرحمٰن المقرئ: یہ امام بخاریؒ کے جلیل القدر اساتذہ میں سے ہیں۔ (تحفۃ الاحوذی ج۲)

**الشق الثانی**.....عن سالم عن ابيه عن النبی ﷺ انه كان يصلی بعد الجمعة ركعتين. عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ من كان منكم مصليا بعد الجمعة فليصل اربعا. قال ابو عيسٰی وابن عمر هو الذی روی عن النبی ﷺ انه كان يصلی بعد الجمعة ركعتين فی بيته وابن عمر بعد النبی ﷺ صلّی فی المسجد بعد الجمعة ركعتين وصلی بعد الركعتين اربعا.

اشرح الاحاديث المذكورة. اذكر اختلاف الائمة الفقهاء فی عدد ركعات السنن بعد صلاة الجمعة مدللاً ومفصلاً. اذكر وجه تقديم السنن الاربع قبل الركعتين بعد صلاة الجمعة عند الامام ابی يوسف مع ان علياً وابن عمرؓ كان يصليان الركعتين قبل السنن الاربع بعد صلاة الجمعة.

﴿خلاصۂ سوال﴾.....اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① احادیث کی تشریح ② جمعہ کے بعد سنن کی رکعات کی تعداد میں اختلاف مع الدلائل ③ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک سنن اربع کو سنتین پر مقدم کرنے کی وجہ۔

**جواب**..... ❶ احادیث کی تشریح: ان احادیث میں سے پہلی حدیث سالم عن ابیہ کی روایت کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ جمعہ کے فرائض کے بعد دو رکعت سنن نماز پڑھتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص جمعہ کے فرائض کے بعد سنن نماز پڑھنا چاہے تو وہ چار رکعت سنن پڑھے۔ تیسری روایت کا حاصل یہ ہے کہ امام ترمذیؒ کہتے

ہیں کہ ابن عمرؓ آپ ﷺ کی جمعہ کے بعد گھر میں دو رکعتیں پڑھنے کے راوی ہیں جبکہ ابن عمرؓ کا نبی ﷺ کے بعد ذاتی عمل جمعہ کی نماز کے بعد مسجد میں دو رکعت اور پھر چار رکعتیں پڑھنے کا ہے۔ گویا ابن عمرؓ دو رکعت و چار رکعت والی دونوں حدیثوں کو عملی طور پر جمع کرتے تھے اور ترتیب میں پہلے دو رکعت پڑھتے تھے کیونکہ یہ انہوں اپنی آنکھوں سے آپ ﷺ کو پڑھتے دیکھا تھا اور بعد میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے مطابق چار رکعت بھی پڑھا کرتے تھے۔

❷ جمعہ کے بعد سنن کی رکعات کی تعداد میں اختلاف مع الدلائل:۔ امام شافعیؒ و امام احمدؒ کے نزدیک جمعہ کے بعد صرف دو رکعت ہی مسنون ہیں اور ان کی دلیل حضرت ابن عمرؓ کی مرفوع حدیث ہے کہ آپ ﷺ جمعہ کے فرائض کے بعد دو رکعت سنن نماز پڑھتے تھے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جمعہ کے بعد چار رکعت مسنون ہیں اور ان کی دلیل حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص جمعہ کے فرائض کے بعد سنن نماز پڑھنا چاہے تو وہ چار رکعت سنن پڑھے۔

صاحبینؒ کے نزدیک جمعہ کے بعد چھ رکعت سنن مسنون ہیں اور ان کی دلیل حضرت ابن عمرؓ کا عمل ہے جسے امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے کہ ابن عمرؓ کا نبی ﷺ کے بعد ذاتی عمل جمعہ کی نماز کے بعد مسجد میں دو رکعت اور پھر چار رکعت سنن پڑھنے کا ہے۔ گویا ابن عمرؓ نے دو رکعت و چار رکعت والی دونوں حدیثوں کو عملی طور پر جمع کیا ہے۔

❸ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک سنن اربع کو سنتین پر مقدم کرنے کی وجہ:۔ جمعہ کے بعد چھ رکعت کی ترتیب میں مشائخ کا اختلاف ہے، بعض نے حضرت علیؓ و ابن عمرؓ کے عمل سے استدلال کرتے ہوئے دو رکعت کو چار پر مقدم کیا ہے اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ بعض مشائخ بالخصوص امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ چار رکعت کو دو رکعت پر مقدم کیا جائے، اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ جمعہ کے بعد اس کی مثل نماز (دو رکعت) کو مکروہ کہتے تھے۔ (درس ترمذی)

دوسری وجہ شاید یہ ہے کہ شریعت نے کسی بھی فرض نماز کے بعد اس کی مثل سنن و نوافل نہیں رکھے کیونکہ اگر فرائض کے بعد اسی کی مثل سنن و نوافل ہوں تو کسی کو امام کے متعلق بدگمانی ہو سکتی ہے کہ فلاں شخص امام کو قابل اعتبار نہیں سمجھتا اسی لئے اس نے نماز کا اعادہ کیا ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

## ﴿السؤال الثانی﴾ ۱۴۴۰ھ

**الشق الاول** —— عن ابی طلحة انه قال یا نبی الله انی اشتریت خمرا لایتام فی حجری قال اهرق الخمر واکسر الدنان. عن انس بن مالك قال سئل النبی ﷺ أ یتخذ الخمر خلا؟ قال لا. عن انس بن مالك قال لعن رسول الله ﷺ فی الخمر عشرة: عاصرها ومعتصرها وشاربها وحاملها والمحمولة الیه وساقیها وبائعها وآکل ثمنها والمشتری لها والمشتراة له.

ترجم الاحادیث الثلاثة. اذکر حکم بیع الخمر. اکتب اختلاف الفقهاء فی اتخاذ الخمر خلا بالدلائل.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① احادیث کا ترجمہ ② بیع الخمر کا حکم ③ تخلیل خمر میں اختلاف مع الدلائل۔

**جواب** ...... ① احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو طلحہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے ان یتیموں کیلئے شراب خریدی تھی جو میری کفالت میں ہیں آپ ﷺ نے فرمایا شراب بہا دو اور برتن کو توڑ ڈالو۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کیا شراب سے سرکہ بنالیا جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شراب سے متعلق دس آدمیوں پر لعنت بھیجی ہے: ① نچوڑنے

والے پر ② شراب نکلوانے والے پر ③ پینے والے پر ④ پلانے والے پر ⑤ لے جانے والے پر ⑥ جس کی طرف لے جائی جارہی ہے ⑦ فروخت کرنے والے پر ⑧ شراب کی قیمت کھانے والے پر ⑨ خریدنے والے پر ⑩ جس کیلئے خریدی گئی ہو اس پر۔

❷ بیع الخمر کا حکم:۔ مسلمان کیلئے خمر کی بیع کا حرام ہونا تمام فقہاء کا متفق علیہ اجماعی مسئلہ ہے۔البتہ یہ اجماع خمر حقیقی (یعنی صاحب عین انگوری شراب) میں ہے،امام ابوحنیفہ نے اس حکم میں دیگر تین شرابیں (طلاء، نقیع التمر، نقیع الزبیب) شامل کی ہیں،ان کے علاوہ دوسری بھی شرابیں ہیں مگر ان کی بیع کی غرض صحیح ہو تو پھر ان کی بیع کی گنجائش ہے،جبکہ دیگر ائمہ کے نزدیک ان کی بیع بھی ناجائز ہے۔(تقریر ترمذی)

❸ تحلیل خمر میں اختلاف مع الدلائل:۔ کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الاول ۱۴۳۶ھ (ورقہ ثانیہ)

**الشق الثانی**......عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَامَ الْفَتْحِ وَهُوَ بِمَكَّةَ يَقُوْلُ إِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيْرِ وَالْأَصْنَامِ، فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَرَأَيْتَ شُحُوْمَ الْمَيْتَةِ فَإِنَّهُ يُطْلٰى بِهَا السُّفُنُ وَيُدْهَنُ بِهَا الْجُلُوْدُ وَيَسْتَصْبِحُ بِهَا النَّاسُ؟ قَالَ لَا، هُوَ حَرَامٌ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عِنْدَ ذٰلِكَ قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْهِمُ الشُّحُوْمَ فَأَجْمَلُوْهُ ثُمَّ بَاعُوْهُ فَأَكَلُوْا ثَمَنَهُ.

شكّل الحديث ثم ترجمه . ما هو حكم الحيلة لتحليل الحرام و للاتقاء عن الحرام . اذكر حكم جلد الميتة قبل الدباغة هل يجوز بيعه ام لا؟ اذكر اختلاف الامام البخاری عن الجمهور-

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے:① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ تحلیل حرام واتقاء من الحرام کے حیلہ کا حکم ④ دباغت سے قبل میتہ کی کھال کی بیع کا حکم وامام بخاری کا موقف۔

**جواب**......❶ حدیث پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

❷ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فتح مکہ کے سال مکہ میں نبی کریم ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بت فروخت کرنے سے منع کیا ہے،پس آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! مردار کی چربی کا کیا حکم ہے؟ کیونکہ اس سے کشتیوں کو ملا جاتا ہے اور چمڑوں پر بطور تیل استعمال کی جاتی ہے اور لوگ اس سے چراغ جلاتے ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہیں یہ بھی حرام ہے پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہودیوں پر اللہ کی مار ہو اللہ نے ان پر چربی حرام کی تو انہوں نے اس کو پگھلا کر بیچ دیا اور اس کی قیمت کھائی۔

❸ تحلیل حرام واتقاء من الحرام کے حیلہ کا حکم:۔ کما مرّ فی الشق الاول من السوال الثالث ۱۴۲۶ھ (ورقہ رابعہ)

❹ دباغت سے قبل میتہ کی کھال کی بیع کا حکم وامام بخاری کا موقف:۔ امام بخاری کے نزدیک میتہ ومردار کی کھال کی بیع دباغت سے پہلے اور بعد دونوں حالتوں میں جائز ہے،اور دلیل وہ واقعہ ہے جس میں آپ ﷺ کا مردہ بکری پر گزر ہوا تو آپ ﷺ نے مالکوں سے کہا کہ تم اس کی کھال سے نفع کیوں نہیں اٹھاتے؟ انہوں نے عرض کیا کہ یہ مردار ہے،آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا کھانا ہی تو حرام ہے۔باقی تمام ائمہ کے نزدیک دباغت سے پہلے اس کی بیع جائز نہیں ہے۔دلیل یہی حدیث الباب ہے۔

(**نوٹ:** آج کل دشواری کے پیش نظر امام بخاری کے قول پر فتویٰ دینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے (تحفۃ الالمعی))

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۰ھ

**الشق الاول**......عَنْ أَبِيْ وَائِلٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ رَبِيْعَةَ قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِيْنَةَ فَدَخَلْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَذَكَرْتُ عِنْدَهُ وَافِدَ عَادٍ فَقُلْتُ أَعُوْذُ بِاللّٰهِ أَنْ أَكُوْنَ مِثْلَ وَافِدِ عَادٍ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَمَا وَافِدُ عَادٍ؟

قَالَ فَمَلَكَ عَلَى الْخَيْرِ سَقَطَتْ اِنَّ عَادًا لَمَّا اُقْحِطَتْ بَعَثَتْ قَيْلًا فَنَزَلَ عَلَى بَكْرِ بْنِ مُعَاوِيَةَ فَسَقَاهُ الْخَمْرَ وَغَنَّتْهُ الْجَرَادَتَانِ ثُمَّ خَرَجَ يُرِيدُ جِبَالَ مَهْرَةَ فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ لَمْ آتِكَ لِمَرِيْضٍ فَأُدَاوِيَهِ وَلَا لِاَسِيْرٍ فَاُفَادِيَهِ فَاسْقِ عَبْدَكَ مَا كُنْتَ مُسْقِيَهُ وَاسْقِ مَعَهُ بَكْرَ بْنَ مُعَاوِيَةَ يَشْكُرُ لَهُ الْخَمْرَ الَّذِيْ سَقَاهُ فَرُفِعَ لَهُ سَحَابَاتٌ فَقِيْلَ لَهُ اِخْتَرْ اِحْدَاهُنَّ فَاخْتَارَ السَّوْدَاءَ مِنْهُنَّ فَقِيْلَ لَهُ: خُذْهَا رَمَادًا رِمْدِدًا لَا تَذَرُ مِنْ عَادٍ اَحَدًا وَذَكَرَ اَنَّهُ لَمْ يُرْسَلْ عَلَيْهِمْ مِنَ الرِّيْحِ اِلَّا قَدْرُ هٰذِهِ الْحَلْقَةِ يَعْنِيْ حَلْقَةَ الْخَاتَمِ ثُمَّ قَرَأَ: "اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ" الاية. (ص۱۶۳، ج۲، ترمذی)

ترجم الحديث فقط ثم حقّق الكلمات المعلمة لغة و صرفا.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں درج ذیل دو امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② کلمات مخطوطہ کی لغوی وصرفی تحقیق۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث کا ترجمہ:** کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثالث ۱۴۳۷ھ۔

❷ **کلمات مخطوطہ کی لغوی وصرفی تحقیق:** رَمَادٌ: یہ مفرد ہے اس کی جمع اَرْمِدَةٌ ہے بمعنی راکھ۔

وَافِدٌ: اس کی جمع وَفْدٌ ہے۔ صیغہ واحد مذکر بحث اسم فاعل از مصدر وَفْدًا وُفُوْدًا (ضرب۔ مثال) بمعنی قاصد بن کر آنا۔

اُقْحِطَتْ: صیغہ واحد مؤنث غائب فعل ماضی معلوم از مصدر اقحاطا (افعال) بمعنی خشک سالی ہونا۔ قحط میں مبتلا ہونا۔

غَنَّتْ: صیغہ واحد مؤنث غائب فعل ماضی معلوم از مصدر تَغْنِيَةً (تفعیل۔ ناقص) بمعنی گانا گانا، آواز کرنا، مدح یا ہجو کرنا۔

اُدَاوِيْ: صیغہ واحد متکلم فعل مضارع معلوم از مصدر مُدَاوَاةً (مفاعلہ۔ لفیف) بمعنی علاج کرنا۔

مُسْقِيْ: صیغہ واحد مذکر بحث اسم فاعل از مصدر اِسْقَاءً (افعال۔ ناقص) بمعنی پانی پلانا، پانی کی طرف رہنمائی کرنا۔

اُفَادِيْ: صیغہ واحد متکلم فعل مضارع معلوم از مصدر مُفَادَاةً فِدَاءً (مفاعلہ۔ ناقص) بمعنی فدیہ دینا۔ چھڑوانا۔

لَا تَذَرُ: صیغہ واحد مؤنث غائب فعل نفی مضارع معلوم از مصدر وَذْرًا (ضرب۔ مثال) بمعنی چھوڑنا۔

**الشق الثالث** ...... عن ابی سعید الازدی حدثنا زید بن ارقم قال غزونا مع رسول الله ﷺ وکان معنا اناس من الاعراب فکنا نبتدر الماء وکان الاعراب یسبقونا الیه فسبق اعرابی اصحابه فیسبق الاعرابی فیملأ الحوض ویجعل حوله حجارة ویجعل النطع علیه حتی یجیئ اصحابه قال فاتی رجل من الانصار اعرابیا فارخی زمام ناقته لتشرب فابی ان یدعه فانتزع قباض الماء فرفع الاعرابی خشبة فضرب بها رأس الانصاری فشجّه فاتی عبد الله بن ابیّ رأس المنافقین فاخبره وکان من اصحابه فغضب عبد الله بن ابیّ ثم قال لا تنفقوا علی من عند رسول الله حتی ینفضوا من حوله یعنی الاعرابی......

ترجم الحديث المبارك . حقّق الكلمات المعلمة لغة و صرفا.

**جواب** ...... ❶ **حدیث کا ترجمہ:** حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ جنگ کیلئے گئے ہمارے ساتھ کچھ دیہاتی بھی تھے، ہم لوگ تیزی سے پانی کی طرف دوڑے، دیہاتی ہم سے پہلے وہاں پہنچ گئے اور ایک دیہاتی نے پہنچ کر حوض بھرا اور اس کے گرد پتھر لگا کر اس پر چمڑا ڈال دیا (تاکہ کوئی اور پانی نہ لے سکے) صرف اس کے ساتھی ہی وہاں آ سکیں، ایک انصاری اس کے پاس گیا اور اپنی اونٹنی کی مہار ڈھیلی کر دی تاکہ وہ پانی پی لے، لیکن دیہاتی نے انکار کر دیا۔ اس پر انصاری نے پانی کی روک ہٹا دی (تاکہ پانی بہہ جائے) اس دیہاتی نے ایک لکڑی اٹھائی اور انصاری کے سر پر مار دی جس سے اس

کا سر پھٹ گیا اور وہ منافقوں کے سردار عبد اللہ بن ابی کے پاس آیا، یہ قصہ سن کر عبد اللہ بن ابی نے کہا: ان لوگوں پر خرچ نہ کرو جو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ہیں، یہاں تک کہ وہ ان کے پاس سے چلے جائیں یعنی دیہاتی لوگ۔

❸ کلمات مخطوطہ کی لغوی و صرفی تحقیق:۔ اَلنِّطَعُ: اس کی جمع اَنْطَاعٌ نُطُوْعٌ ہے بمعنی چمڑے کا فرش۔

نَسْتَقِيْ: صیغہ جمع متکلم فعل مضارع معلوم از مصدر اِسْتِقَاءً (افتعال) بمعنی پانی کھینچنے کیلئے بلانا۔

يَمْلَأُ: صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معلوم از مصدر مَلْأٌ مَلَاءَةٌ (فتح۔ مہموز) بمعنی بھرنا۔

أَرْخَى: صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معلوم از مصدر اِرْخَاءٌ (افعال۔ ناقص) بمعنی ڈھیلا کرنا۔

أَبَى: صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معلوم از مصدر إِبَاءً إِبَاءَةً (فتح وضرب۔ مہموز و ناقص) بمعنی انکار کرنا، ناپسند کرنا۔

يَدَعُ: صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معلوم از مصدر وَدْعًا (فتح۔ مثال) بمعنی چھوڑنا۔

شَجَّ: صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معلوم از مصدر شَجًّا (نصر وضرب۔ مضاعف) بمعنی زخمی کر دینا، توڑنا۔

يَنْفَضُّوْا: صیغہ جمع مذکر غائب فعل مضارع معلوم از مصدر اِنْفِضَاضٌ (انفعال۔ مضاعف) بمعنی بکھرنا، متفرق و منتشر ہونا۔

## ﴿الورقة الرابعة : صحيح البخاري﴾

## ﴿السوال الاول﴾ ١٤٤٠ھ

**الشق الاول**......باب الرجل ينعى الى اهل الميت بنفسه: عن ابى هريرة ان رسول الله ﷺ نعى النجاشى فى اليوم الذى مات فيه وخرج الى المصلى فصف بهم وكبر اربعا. عن انس بن مالك قال قال النبى ﷺ: اخذ الراية زيد فاصيب ثم اخذها جعفر فاصيب ثم اخذها عبد الله بن رواحة فاصيب وان عينى رسول الله ﷺ لتذرفان ثم اخذها خالد بن الوليد من غير إمرة ففتح له.

اذكر مراد الامام البخارى بترجمة الباب. من النجاشى وما اسمه؟ اذكر نبذة من احواله. فى هذا الحديث حجة لمن جوز الصلاة على الغائب، اكتب اختلاف الائمة فى الصلاة على الغائب مع دلائلهم. وكيف أخبر النبى ﷺ باستشهاد زيد وجعفر وعبدالله بن رواحة وهو لم يكن هناك؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① ترجمۃ الباب کی مراد ② نجاشی کا نام و تعارف ③ غائبانہ نماز جنازہ کا حکم ④ آپ ﷺ کے صحابہ ؓ کی شہادت کی خبر دینے کی وضاحت۔

**جواب**......❶ ترجمۃ الباب کی مراد:۔ ① بعض روایات میں نعی (موت کی خبر دینے) کی ممانعت ہے اور بعض روایات سے اس کا ثبوت ہے، امام بخاری نے سب روایات کو جمع کر دیا کہ جاہلیت والی نعی (چھت پر چڑھ کر یا گدھے پر سوار ہو کر یا کپڑے پھاڑ کر) کی ممانعت ہے اور میت کے گھر والوں کو موت کی اطلاع دینے میں کوئی حرج نہیں ہے ② احادیث میں مسلمان کو تکلیف و ایذاء پہنچانے سے منع کیا گیا ہے اور موت کی خبر سے بھی میت کے گھر والوں کو تکلیف ہوتی ہے تو امام بخاری نے بتلا دیا کہ یہ موت کی اطلاع ایذاء حرام میں داخل نہیں ہے ③ حضرت حذیفہ ؓ بعض تابعین ؒ سے منقول ہے کہ کسی کی موت کی خبر و اطلاع نہ دی جائے تو امام بخاری نے ان پر رد کر دیا کہ میت کے گھر والوں کو موت کی اطلاع دی جا سکتی ہے۔ (تقریر بخاری)

❷ نجاشی کا نام و تعارف:۔ نام اصحمہ، باپ کا نام ابجر تھا، نجاشی شاہی لقب ہے، حبشہ کے بادشاہ تھے۔

جب مسلمانوں پر قریش کے ظلم و ستم بڑھتے گئے تو آپ ﷺ نے مسلمانوں کو حبشہ ہجرت کر جانے کا حکم دیا، چنانچہ مسلمانوں

کی ایک بڑی تعداد مکہ سے حبشہ ہجرت کر گئی، حبشہ میں اس وقت بھی اصحمہ النجاشی بادشاہ تھا اور یہ عیسائی تھا، حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی تقریر کے نتیجہ میں نجاشی نے مسلمانوں کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا۔ بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے حضرت جعفر کے ہاتھ پر اسلام بھی قبول کیا تھا۔ مسلمانوں کے اس غمخوار اور محسن نے ۹ھ (اکتوبر ٦٣٠ء) میں وفات پائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ اسی روز ان کی موت کی اطلاع ملی، آپ نے بڑے رنج و غم کے ساتھ مدینہ میں ان کی موت کا اعلان کیا، فرمایا! مسلمانو تمہارے برادر صالح اصحمہ نے انتقال کیا، ان کے لیے دعا و استغفار کرو، پھر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ (کشف)

❸ **غائبانہ نماز جنازہ کا حکم:۔** كما مرّ في الشق الثاني من السوال الاول ١٤٣٠ھ (ورقہ ثالثہ)

❹ **آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی شہادت کی خبر دینے کی وضاحت:۔** یہ غزوہ موتہ کا واقعہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ ان کی شہادت کا علم ہوا ہوگا یا کشف ہوا ہوگا (تقریر بخاری)

**الشق الثانی** ...... باب قول النبيّ صلی اللہ علیہ وسلم يعذب الميت ببعض بكاء اهله عليه اذا كان النوح من سنته ...... فلما اصيب عمر دخل صهيب يبكي يقول وا اخاه وا صاحباه! فقال عمر يا صهيب تبكي عليّ وقد قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ان الميت يعذب ببعض بكاء اهله عليه قال ابن عباس فلما مات عمر ذكرت ذلك لعائشة فقالت رحم الله عمر والله ما حدث رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ان الله ليعذب المؤمن ببكاء اهله عليه ولكن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال انّ الله ليزيد الكافر عذابا ببكاء اهله عليه وقالت حسبكم القرآن ولا تزر وازرة وزر أخرى قال ابن عباس عند ذلك والله هو اضحك وابكى قال ابن ابي مليكة والله ما قال ابن عمر شيئا.

اشرح غرض البخاری بترجمة الباب. ادفع التعارض بين الاقوال المنقولة عن عائشة وعمر وابن عمر في الحديث المذكور وادفع التعارض بين قوله: "ببعض بكاء اهله عليه" و "ببكاء اهله عليه". اذكر مناسبة قول ابن عباس بترجمة الباب، اكتب قصة استشهاد عمرؓ بالتوضيح.

﴿ خلاصۂ سوال ﴾ ...... اس سوال کا حل پانچ امور ہیں: ① ترجمۃ الباب کی غرض ② صحابہ کرامؓ کے اقوال منقولہ سے رفع تعارض ③ احادیث سے رفع تعارض ④ قول ابن عباس کی ترجمۃ الباب سے مناسبت ⑤ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا قصہ۔

**جواب** ...... ❶ **ترجمۃ الباب کی غرض:۔** بعض روایات میں میت پر رونے کی ممانعت ہے، بعض میں رونے کی وجہ سے عذاب کا ذکر ہے، بعض میں اجازت ہے، بعض میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے رونے کا ذکر ہے تو امام بخاریؒ نے اس باب میں تمام روایات کو جمع کر دیا کہ اس وقت رونے کی ممانعت ہے جب زندگی میں میت کی رونے کی عادت ہو اور اس نے اپنے اہل کو بھی اپنے اوپر رونے سے منع نہ کیا ہو یا جس رونے کی میت نے وصیت و تلقین کی ہو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے استدلال ان المیت لیعذب ببکاء اهله کا یہی محمل ہے۔ اگر میت کی رونے کی تلقین یا عادت نہ ہو اور اس کے اہل از خود روئیں تو پھر ان کے رونے کی وجہ سے میت کو عذاب نہ ہوگا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے استدلال و لاتزر وازرة وزر أخرى کا یہی محمل ہے۔ (تقریر بخاری)

❷ **صحابہ کرامؓ کے اقوال منقولہ سے رفع تعارض:۔** متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ والی روایت کے الفاظ اپنی اپنی جگہ ثابت بھی ہیں اور درست بھی ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نفی اپنے علم کے مطابق ہے کیونکہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صراحتاً عذاب کے کافر کے ساتھ اختصاص کو سنا تھا۔ باقی ہر ایک کا موقع و مقام الگ الگ ہے، جس کی وضاحت ابھی ہو چکی ہے۔

❸ **احادیث سے رفع تعارض:۔** ان احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے اسلئے کہ ببکاء اهله علیه میں اجمال ہے، کم یا زیادہ

بعض یا سب افراد کے رونے کی وضاحت و تفصیل نہیں ہے جبکہ ببعض بکاء اهله علیه میں تفصیل ہے کہ خلاف شرع میت کے بعض اہل خانہ روئیں یا معمولی مقدار روئیں تب بھی ان کے رونے کی وجہ سے میت کو عذاب ہوتا ہے۔

④ <u>قول ابن عباسؓ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت:۔</u> حضرت ابن عباس ؓ کا یہ قول دراصل حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کے قول کی تائید ہے کہ جب انہوں نے حضرت عائشہ ؓ کے سامنے حضرت عمر ؓ کی حدیث (ان المیت لیعذب ببکاء اهله) کا تذکرہ کیا تو ام المؤمنین عائشہ ؓ نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا تھا کہ مؤمن میت کو اس کے اہل کے رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے بلکہ آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ کافر میت کے اہل کے رونے کی وجہ سے اس کے عذاب میں اضافہ و زیادتی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام بھی یہی کہتا ہے کہ ایک کے گناہ کا وبال دوسرے پر نہ ہوگا۔ تو اس موقع پر ابن عباس ؓ نے حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کے قول کی تائید میں فرمایا کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہی رلاتا اور ہنساتا ہے اس میں میت کا کیا قصور ہے کہ اس کی وجہ سے میت کو عذاب دیا جائے۔

⑤ <u>حضرت عمر ؓ کی شہادت کا قصہ:۔</u> حضرت عمرو بن میمون ؓ فرماتے ہیں کہ جس دن حضرت عمر فاروق اعظم ؓ پر حملہ کیا گیا اس دن میں وہیں موجود تھا۔ میں آپ کے بالکل قریب کھڑا تھا، ہمارے درمیان صرف حضرت عبداللہ بن عباس ؓ حائل تھے۔ حضرت عمر ؓ صفوں کے درمیان سے گزرتے اور فرماتے: اپنی صفیں درست کرلو۔ جب آپ نے دیکھا کہ صفیں بالکل سیدھی ہوچکی ہیں تو آپ آگے بڑھے اور تکبیر تحریمہ کہی۔ ابھی آپ نے نماز شروع ہی کی تھی کہ ایک مجوسی غلام جو پہلی صف میں چھپ کر کھڑا تھا اس نے موقع پاتے ہی ایک دو دھاری تیز خنجر سے آپ پر حملہ کردیا۔ حضرت عمر ؓ کی آواز سنائی دی کہ مجھے کسی کتے نے قتل کردیا یا کاٹ لیا ہے۔ وہ مجوسی غلام حملہ کرنے کے بعد پیچھے پلٹا اور بھاگتے ہوئے تیرہ نمازیوں پر حملہ کیا جن میں سے سات شہید ہوگئے۔ ایک نمازی نے آگے بڑھ کر اس پر کپڑا ڈالا اور اسے پکڑ لیا۔ جب اس بدبخت غلام نے دیکھا کہ اب میں پکڑا جا چکا ہوں تو اپنے ہی خنجر سے خودکشی کرلی۔ جب حضرت عمر ؓ پر حملہ ہوا تو صفوں میں دور دور کھڑے اکثر نمازی اس حملے سے بے خبر تھے۔ جب انہوں نے حضرت عمر ؓ کی قراءت نہ سنی تو سبحان اللہ، سبحان اللہ کہنا شروع کردیا۔ حضرت عبدالرحمن ؓ نے آگے بڑھ کر نماز فجر پڑھائی۔ اکثر لوگوں کو نماز کے بعد واقعہ کا علم ہوا۔ حضرت عمر ؓ شدید زخمی ہوچکے تھے۔ آپ نے حضرت ابن عباس ؓ سے فرمایا: اے ابن عباس معلوم کرو کہ مجھے کس نے زخمی کیا ہے؟ کچھ دیر بعد واپس آکر بتایا: مغیرہ ؓ کے غلام ابولؤلؤ فیروز نے آپ پر حملہ کیا ہے۔ حضرت سیدنا عمر ؓ نے کہا: اللہ عزوجل اسے غارت کرے، میری اس سے کوئی دشمنی نہیں تھی، بلکہ میں نے تو اسے نیکی کی دعوت دی تھی، میں تو اس کے ساتھ بھلائی کا خواہاں تھا۔ اللہ عزوجل کا شکر ہے کہ میں کسی مسلمان کے ہاتھوں زخمی نہ ہوا۔ پھر آپ کو گھر لے جایا گیا۔ عمرو بن میمون ؓ فرماتے ہیں: ہم لوگ بھی آپ کے گھر کی طرف چل دیئے، لوگوں پر مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا گویا اس سے پہلے کبھی ایسی پریشانی اور مصیبت سے دوچار نہ ہوئے تھے۔ لوگ آپ کو تسلی دینے لگے کہ آپ پریشان نہ ہوں، آپ کے زخم جلد ہی ٹھیک ہوجائیں گے۔ پھر آپ کو کھجور کی نبیذ پلائی گئی لیکن وہ پیٹ سے زخموں کے ذریعے باہر آگئی۔ پھر دودھ پلایا گیا تو وہ بھی زخموں کے راستے پیٹ سے باہر نکل آیا۔ لوگ سمجھ گئے کہ اب ہم آپ کی صحبت سے زیادہ دیر تک فیضیاب نہ ہوسکیں گے۔

پھر آپ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے فرمایا: حساب لگا کر بتاؤ ہم پر کتنا قرض ہے؟ انہوں نے حساب لگا کر بتایا تقریباً چھیاسی ہزار درہم۔ آپ نے فرمایا: اگر یہ قرض میرے مال سے ادا ہوجائے تو ادا کردینا اور اگر میرا مال کافی نہ ہو تو بنی عدی بن کعب کے مال سے ادا کرنا، اگر پھر بھی ناکافی ہو تو قریش سے سوال کرنا، ان کے علاوہ اور کسی سے سوال نہ کرنا۔ پھر آپ نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا: تم ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کی بارگاہ میں جاؤ اور ان سے عرض کرو کہ عمر بن خطاب اس بات کی اجازت چاہتا ہے کہ اسے اس کے ساتھیوں کے ساتھ دفن کیا جائے اور حضور ﷺ کے قرب میں جگہ عطا فرمائی جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ حضرت عائشہ

صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رو رہی تھیں، آپ نے کہا حضرت عمر بن خطاب آپ کو سلام عرض کر رہے ہیں اور اس بات کی اجازت چاہتے ہیں کہ انہیں ان کے ساتھیوں کے قریب میں دفن کیا جائے؟ آپ رضی اللہ عنہا نے یہ سن کر ارشاد فرمایا یہ جگہ میں نے اپنے لئے رکھی تھی لیکن اب میں یہ جگہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پر ایثار کرتی ہوں، انہیں جا کر یہ خوشخبری سنا دو۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اجازت لے کر واپس تشریف لائے اور عرض کی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو اجازت عطا فرما دی ہے، آپ خوش ہو جائیے جس چیز کو آپ پسند کیا کرتے تھے وہ آپ کو عطا کر دی گئی ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا مجھے اس چیز سے زیادہ اور کسی چیز کی فکر نہیں تھی، الحمد للہ مجھے میری پسندیدہ چیز عطا کر دی گئی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: جب میری روح پرواز کر جائے تو مجھے اٹھا کر روضۃ اقدس پر لے جانا، پھر بارگاہ نبوت میں سلام عرض کرنا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کرنا عمر بن خطاب اپنے دوستوں کے ساتھ آرام کی اجازت چاہتا ہے، اگر وہ اجازت دے دیں تو مجھے وہاں دفن کر دینا اور اگر اجازت نہ ملے تو مجھے عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفنا دینا۔ جب آپ کی روح خالق حقیقی سے جا ملی تو ہم لوگ آپ کو مسجد نبوی شریف میں لے گئے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حجرہ مبارکہ سے باہر کھڑے ہو کر ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو سلام عرض کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حجرہ مبارکہ میں دفن کرنے کی اجازت طلب کی، آپ رضی اللہ عنہا نے اجازت عطا فرما دی، چنانچہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلووں میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۰ھ

**الشق الاول** ـــــعن جابر بن عبد الله قال كان بالمدينة يهودي وكان يسلفني في تمري الى الجذاذ وكانت لجابر الارض التي بطريق رومة فجلست نخلا عاما فجائني اليهودي عند الجذاذ ولم اجذ منها شيئا فجعلت استنظره الى قابل فيأبى فاخبر بذلك النبي صلی اللہ علیہ وسلم فقال لاصحابه امشوا نستنظر لجابر من اليهودي فجاؤني في نخلي فجعل النبي صلی اللہ علیہ وسلم يكلم اليهودي فيقول ابا القاسم لا انظره فلما رأى النبي صلی اللہ علیہ وسلم قام فطاف في النخل ثم جاءه فكلّمه فابى فقمت فجئت بقليل رطب فوضعته بين يدي النبي صلی اللہ علیہ وسلم فاكل.....

اذكر قصة جابر المذكورة في الحديث. لايجوز السلف الى الجذاذ عند الامام البخاري فماهو التأويل عن الحديث المذكور؟ روى الثقات ان السلف على ابي جابر ادفع التعارض بحيث يطمئن به القلب. اشرح الجملة المخطوطة لغةً و صرفاً ومعنا. اذكر من سيرة جابر ماتحفظه.

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حضرت جابرؓ کا واقعہ ② سلف الی الجذاذ کی تاویل ③ سلف علیہ کی تعیین ④ جملہ مخطوطہ کا مطلب ⑤ حضرت جابرؓ کا تعارف۔

**جواب** ...... ❶ حضرت جابرؓ کا واقعہ: حضرت جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ مدینہ میں ایک یہودی تھا، جو میری کھجوروں میں کاٹنے کے وقت تک کیلئے مجھ سے بیع سلم کیا کرتا تھا، بیر رومہ کے راستے میں واقع میری زمین میں ایک سال پیداوار نہ ہوئی، میرے پاس وہ یہودی پھل کاٹنے کے وقت آیا تو میں نے اس سے آئندہ سال کیلئے مہلت مانگی، لیکن اس نے انکار کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے ساتھ میرے باغ میں تشریف لائے اور اس یہودی سے مہلت دینے کو کہا تو اس یہودی نے کہا کہ میں اس کو مہلت نہیں دوں گا، آپ کھڑے ہوئے اور باغ کا چکر لگا کر پھر اس یہودی کے پاس آئے اور مہلت دینے کو کہا لیکن وہ نہ مانا، میں کھڑا ہوا اور تھوڑی سی کھجوریں لے کر آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان کو رکھ دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کھایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی جھونپڑی میں میرے لئے کوئی بستر بچھا دے، میں نے بستر بچھا دیا، آپ اندر تشریف لے گئے اور کچھ

دیر آرام کیا، پھر آپ بیدار ہوئے اور یہودی سے اسی مہلت کے متعلق گفتگو کی، لیکن وہ نہ مانا تو آپ تیسری بار کھجور کے درخت کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اے جابر! تم کاٹتے جاؤ اور اس کو ادا کرتے جاؤ، خود آپ ﷺ کھجور کاٹنے کی جگہ بیٹھ گئے، چنانچہ میں نے اتنی کھجوریں توڑلیں، جس سے میں نے اس یہودی کا قرض ادا کر دیا اور کچھ باقی بھی بچ گئیں، میں نے آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر آپ ﷺ کو ادائیگی کی خوشخبری سنائی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

❷ **سلف الی الجذاذ کی تاویل:۔** کٹائی کے وقت تک قرض لینا یا بیع امام بخاری وغیرہ کے نزدیک مدت کے مجہول ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔ وقت متعین ہو تو جائز ہے اور یہاں وقت متعین ہوا تھا مگر اختصار کی وجہ سے ذکر نہیں کیا گیا (کشف الباری، کتاب الاطعمہ)

❸ **سلف علیہ کی تعیین:۔** ممکن ہے کہ یہ سلف و قرض حضرت جابر اور والد دونوں پر ہو، ثقہ راویوں نے والد کے قرض والے واقعہ کو ذکر کیا اور روایت باب میں خود حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قرض والے واقعہ کو ذکر کیا گیا ہے، تعدد واقعہ کی وجہ سے کوئی تعارض نہیں ہے۔

❹ **جملہ مخطوطہ کا مفہوم:۔** ① فَخَلَسَتْ نخلا عاما ای جلست الارض من الثمار من جهة النخل، یعنی ایک سال زمین کھجور کا پھل دینے کے اعتبار سے بیٹھ گئی، اس نے پھل نہیں دیا۔ ② فَخَلَسَتْ فخلی عاما میں قرض کی ادائیگی سے پیچھے ہٹ گیا اور قرض ایک سال کیلئے پیچھے ہونے لگا۔ (ایضا)

❺ **حضرت جابرؓ کا تعارف:۔** حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ معروف صحابی حضرت سیدنا عبداللہ بن عمرو بن حرام الانصاری کے صاحب زادے ہیں۔ آپ کے والد حضرت عبداللہ انصاری غزوہ احد میں شہید ہوئے۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ ہجرت مدینہ سے تقریباً پندرہ سال پہلے مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا۔ آپ کم عمری میں اسلام لائے اور بے شمار غزوات میں آپ ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سات بہنوں کے اکلوتے بھائی تھے اور غزوہ احد میں والد گرامی کی شہادت کے بعد ان کی کفالت کی تمام تر ذمے داری اور والد محترم کے ذمے واجب الادا قرضوں کی ادائی کا بوجھ ان کے ناتواں کندھوں پر آ گیا تھا۔ بہنوں کی کفالت کی غرض سے انھوں نے اپنے سے عمر میں کافی بڑی ایک خاتون سے شادی کر لی تا کہ وہ ان کی بہنوں کا خیال رکھ کر والدین کی کمی کا احساس نہ ہونے دے۔ ان کے والد کے ذمے واجب الادا قرضوں کی ادائیگی میں سرکار دو عالم ﷺ نے معاونت فرمائی اور یہ بھی آپ ﷺ کا معجزہ تھا کہ کھجوروں کے ایک ہی ڈھیر میں اللہ تعالیٰ نے وہ برکت عطا فرمائی کہ تمام قرض خواہوں کا قرضہ ادا ہو گیا۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ۱۵۰۰ کے قریب احادیث روایت کی گئی ہیں، یوں ان کا شمار ان صحابہ میں ہوتا ہے جن سے کثیر تعداد میں احادیث مروی ہیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی طویل العمری کی بشارت کے بموجب تقریباً چورانوے سال کی عمر پائی اور ۷۴ھ میں وفات پائی۔ انھیں بغداد کے قریب مدائن شہر میں دریائے دجلہ کے قریب دفن کیا گیا تھا۔ (گوگل)

**الشق الثانی** ......باب من ادخل الضيفان عشرة عشرة و الجلوس على الطعام عشرة عشرة: عن انس انّ ام سليم امه عمدت إلى مد من شعير جشته وجعلت منه خطيفة وعصرت عكة عندها ثم بعثتني إلى النبي ﷺ فاتيته وهو في اصحابه فدعوته قال ومن معي؟ فجئت فقلت إنه يقول ومن معي؟ فخرج إليه ابو طلحة قال يا رسول الله إنما هو شيئ صنعته ام سليم فدخل فجيئ به وقال ادخل علىّ عشرة فدخلوا فاكلوا حتى شبعوا...... حتى عد اربعين ثم اكل النبي ﷺ ثم قام فجعلت انظر هل نقص منها شيئ.

اشرح ترجمة الباب في ضوء الحديث . وضح الكلمات التي فوقها خط . ما هي غرض قوله انما هي

صنعته ام سليم . اكتب شيئا من سيرة انس و ام سليم رضی اللہ عنہما

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① ترجمۃ الباب کی تشریح ② کلمات مخطوطہ کی وضاحت ③ انما هو شيئ صنعته ام سليم کہنے کی غرض ④ حضرت انس و ام سلیم کا تعارف۔

**جواب** ...... ① **ترجمۃ الباب کی تشریح:۔** امام بخاری کا اس ترجمۃ الباب سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ اگر مہمان زیادہ ہوں اور جگہ تنگ ہو تو ان کو تقسیم بھی کیا جا سکتا ہے اور گنجائش کے مطابق تھوڑے تھوڑے بٹھا کر کھانا کھلایا جا سکتا ہے۔ (کشف الباری)

② **کلمات مخطوطہ کی وضاحت:۔** جَشَّتَهٗ: ای جعلته حشیشا یعنی اس کا دلیا (نیم کوفتہ آٹا) بنایا ہے۔

خَطِيْفَةً: وہ کھانا جو آٹا گھی و دودھ ملا کر تیار کیا جاتا ہے۔ عُكَّة: گھی کا برتن و کپی۔

③ **انما هو شيئ صنعته ام سليم کہنے کی غرض:۔** حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے اس جملہ سے مقصود اس کھانے کی قلت و حقارت کی طرف اشارہ ہے کہ معمولی مقدار میں کھانا گھر میں ہی تیار کیا گیا ہے کوئی لمبا چوڑا پروگرام نہیں ہے۔

④ **حضرت انس و ام سلیم رضی اللہ عنہما کا تعارف:۔** **حضرت انس رضی اللہ عنہ:** آپ کا نام انس رضی اللہ عنہ کنیت ابو حمزہ، والد کا نام مالک بن نضر ہے، انصاری خزرجی صحابی ہیں، مکثرین صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں، مدینۃ الرسول آپ کا وطن ہے، آپ کی عمر جب دس سال تھی تو آپ کی والدہ ام سلیم بنت ملحان نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں چھوڑ دیا، دس سال تک آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں رہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دس سال کے عرصہ میں ایک مرتبہ بھی آپ ﷺ نے مجھے یہ نہیں فرمایا کہ تو نے یہ کام کیوں کیا؟ یا کیوں نہیں کیا؟ اس میں جہاں آپ ﷺ کی شفقت نظر آتی ہے وہاں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا (صحبت رسول ﷺ کی وجہ سے) کمال بھی ہے کہ ایسا کہنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ آپ ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کیلئے یہ دعا فرمائی اللهم بارك في ماله و اولاده و طول عمره واغفر ذنبه ۔ طول عمر کا یہ حال تھا کہ ۱۰۶ سال عمر پائی، بصرہ میں ۹۳ھ میں وفات پائی۔ اولاد کا یہ عالم تھا فرماتے ہیں کہ میں نے سو سے زائد اپنی اولاد کو اپنے ہاتھ سے دفن کیا۔ رزق میں برکت کا یہ حال تھا کہ باقی لوگوں کے باغ سال میں ایک مرتبہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کا باغ سال میں دو مرتبہ پھل دیتا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میرے بارے میں تین دعائیں قبول ہو گئیں مجھے یقین ہے کہ چوتھی دعا مغفرت والی بھی ضرور قبول ہو گی۔

**حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا** كما مرّ في الشق الثاني من السوال الثالث ۱۴۳۷ھ

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۰ھ

**الشق الاول** ــــ بَابُ عِيَادَةِ النِّسَاءِ الرِّجَالَ وَ عَادَتْ أُمُّ الدَّرْدَاءِ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الْمَسْجِدِ مِنَ الْأَنْصَارِ: عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ لَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْمَدِيْنَةَ وُعِكَ أَبُوْبَكْرٍ وَبِلَالٌ قَالَتْ فَدَخَلْتُ عَلَيْهِمَا قُلْتُ يَا أَبَتِ كَيْفَ تَجِدُكَ وَيَا بِلَالُ كَيْفَ تَجِدُكَ؟ قَالَتْ وَكَانَ أَبُوْ بَكْرٍ إِذَا أَخَذَتْهُ الْحُمّٰى يَقُوْلُ ؎ كُلُّ امْرِءٍ مُصَبَّحٌ فِيْ أَهْلِهٖ وَالْمَوْتُ أَدْنٰى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهٖ ۔ وَكَانَ بِلَالٌ إِذَا أَقْلَعَتْ عَنْهُ يَقُوْلُ أَلَا لَيْتَ شِعْرِيْ هَلْ أَبِيْتَنَّ لَيْلَةً بِوَادٍ وَحَوْلِيْ إِذْخِرٌ وَجَلِيْلُ وَهَلْ أَرِدَنْ يَوْمًا مِيَاهَ مِجَنَّةٍ وَهَلْ تَبْدُوَنْ لِيْ شَامَةٌ وَطَفِيْلُ. قَالَتْ عَائِشَةُ فَجِئْتُ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَأَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِيْنَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ أَوْ أَشَدَّ اَللّٰهُمَّ وَصَحِّحْهَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ مُدِّهَا وَصَاعِهَا وَانْقُلْ حُمَّاهَا فَاجْعَلْهَا بِالْجُحْفَةِ. شكّل العبارة بتمامها ثم ترجمها.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ــــ اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت پر اعراب ② عبارت کا ترجمہ۔

**جواب** ..... ❶ عبارت پر اعراب:۔ کما مر فی السوال آنفاً۔

❷ عبارت کا ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو حضرت ابوبکر اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما کو بہت تیز بخار تھا فرماتی ہیں کہ میں دونوں کے پاس گئی اور پوچھا اے والد بزرگوار! آپ کا کیا حال ہے اور اے بلال! آپ کا کیا حال ہے؟ اور حضرت ابوبکر کو بخار آتا تو کہتے ۔ ہر شخص اپنے گھر والوں میں صبح کرتا ہے اور موت اس کی جوتیوں کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اور بلال کا جب بخار اترتا تو کہتے ۔ اے کاش میں ایسے جنگل میں رات گذارتا کہ میرے ارد گرد اذخر اور جلیل (ایک قسم کی گھاس) ہوتی اور میں مجنہ کے چشمہ پر اترتا اور کیا میں شامہ اور طفیل (چشموں کے نام) کو دیکھ سکوں گا؟ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ پھر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی میں نے آپ ﷺ سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا اے میرے اللہ! ہمیں مدینہ کی محبت عطا کر، جس طرح ہمیں مکہ سے محبت تھی یا اس سے زیادہ محبت عطا کر، اے میرے اللہ! اس کی آب و ہوا کو تندرست کر دے اور ہمارے لئے یہاں کے مد اور صاع میں برکت عطا کر اور یہاں کا بخار منتقل کر دے اور اسے جحفہ میں پہنچا دے۔

**الشق الثانی** ..... عَنْ عُرْوَةَ أَنَّ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَكِبَ عَلَى حِمَارٍ عَلَى إِكَافٍ عَلَى قَطِيفَةٍ فَدَكِيَّةٍ وَ أَرْدَفَ أُسَامَةَ وَرَاءَهُ يَعُودُ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ قَبْلَ وَقْعَةِ بَدْرٍ فَسَارَ حَتَّى مَرَّ بِمَجْلِسٍ فِيهِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أُبَيٍّ ابْنِ سَلُولَ وَذٰلِكَ قَبْلَ أَنْ يُسْلِمَ عَبْدُ اللّٰهِ وَفِي الْمَجْلِسِ أَخْلَاطٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُشْرِكِينَ عَبَدَةِ الْأَوْثَانِ وَالْيَهُودِ وَفِي الْمَجْلِسِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَوَاحَةَ فَلَمَّا غَشِيَتِ الْمَجْلِسَ عَجَاجَةُ الدَّابَّةِ خَمَّرَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أُبَيٍّ أَنْفَهُ بِرِدَائِهِ قَالَ لَا تُغَبِّرُوا عَلَيْنَا فَسَلَّمَ النَّبِيُّ ﷺ وَوَقَفَ وَنَزَلَ فَدَعَاهُمْ إِلَى اللّٰهِ فَقَرَأَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنَ فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أُبَيٍّ يَا أَيُّهَا الْمَرْءُ إِنَّهُ لَا أَحْسَنَ مِمَّا تَقُولُ إِنْ كَانَ حَقًّا فَلَا تُؤْذِنَا بِهِ فِي مَجَالِسِنَا وَارْجِعْ إِلَى رَحْلِكَ فَمَنْ جَاءَكَ فَاقْصُصْ عَلَيْهِ قَالَ ابْنُ رَوَاحَةَ بَلَى يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَاغْشَنَا بِهِ فِي مَجَالِسِنَا فَإِنَّا نُحِبُّ ذٰلِكَ فَاسْتَبَّ الْمُسْلِمُونَ وَالْمُشْرِكُونَ وَالْيَهُودُ حَتَّى كَادُوا يَتَثَاوَرُونَ فَلَمْ يَزَلِ النَّبِيُّ ﷺ حَتَّى سَكَتُوا فَرَكِبَ النَّبِيُّ ﷺ دَابَّتَهُ۔
شکل العبارۃ بتمامها ثم ترجمها۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ..... اس سوال میں دو امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت پر اعراب ② عبارت کا ترجمہ۔

**جواب** ..... ❶ عبارت پر اعراب:۔ کما مر فی السوال آنفاً۔

❷ عبارت کا ترجمہ:۔ عروہ کہتے ہیں کہ اسامہ بن زید نے مجھ سے بیان کیا کہ نبی ایک گدھے پر سوار ہوئے جس کے پالان پر فدک کی چادر تھی اور اسامہ کو آپ ﷺ نے اپنے پیچھے بٹھایا ہوا تھا جنگ بدر سے پہلے سعد بن عبادہ کی عیادت کو نکلے، چلتے گئے یہاں تک کہ ایک مجلس کے پاس سے گزر ہوا جس میں عبداللہ بن ابی بن سلول تھا اور یہ اس کے مسلمان ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے اس مجلس میں مسلمان مشرکین بتوں کی پرستش کرنے والے اور یہود ملے جلے ہوئے تھے اسی مجلس میں عبداللہ بن رواحہ بھی تھے سواری کی گرد مجلس پر چھا گئی تو عبداللہ بن ابی نے اپنی ناک کو اپنی چادر سے لپیٹ لیا اور کہا کہ ہم پر گرد نہ اڑاؤ، آپ ﷺ نے سلام کیا اور رک گئے اور سواری سے اتر پڑے اور ان لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا اور انہیں قرآن پڑھ کر سنایا، عبداللہ بن ابی نے آپ ﷺ سے کہا کہ اے آدمی تو جو کچھ کہتا ہے میں اس کو بہتر نہیں سمجھتا ہوں اگر وہ ٹھیک ہے تو میری مجلس میں مجھے تکلیف نہ دیا کر اپنے گھر جا اور جو شخص تمہارے گھر جائے اس سے بیان کیا کر، ابن رواحہ نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ ہمارے پاس ہماری مجلسوں میں آیا کریں ہم اس کو پسند کرتے ہیں پھر مسلمانوں، مشرکوں اور یہودیوں میں گالم گلوچ شروع ہو گئی حتی کہ قریب تھا کہ وہ آپس میں جھگ

پڑیں اور نبی ﷺ ان لوگوں کے پاس ٹھہرے رہے یہاں تک کہ جب لوگ خوش ہو گئے تو نبی ﷺ اپنی سواری پر سوار ہوئے۔

## ﴿الورقة الخامسة : السنن لابی داؤد﴾

### ﴿السوال الاول﴾ ١٤٤٠ھ

**الشق الاول** ...... حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ أَبِي عَلِيٍّ الْحَنَفِيِّ عَنْ هَمَّامٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ وَضَعَ خَاتَمَهُ ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ هٰذَا حَدِيثٌ مُنْكَرٌ وَإِنَّمَا يُعْرَفُ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ زِيَادِ بْنِ سَعْدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اِتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ وَرِقٍ ثُمَّ أَلْقَاهُ، وَالْوَهْمُ فِيهِ مِنْ هَمَّامٍ وَلَمْ يَرْوِهِ إِلَّا هَمَّامٌ. شكّل العبارة . ما هو المراد بقوله كان اذا دخل الخلاء وضع خاتمه كانما لا يدخل النبي ﷺ الخلاء مع الخاتم عرّف الحديث المنكر واذكر غرض ما قال ابوداؤد ؟ بيّن ما هو الصواب في ضوء الدليل. (ص۱۳ج۱، رحمانیہ)

**جواب** ...... مکمل جواب کما مرّ فی الشق الاول من السوال الاول ١٤٣٤ھ۔

**الشق الثانی** ...... باب البول قائما حدثنا حفص بن عمر ومسلم بن ابراهيم قالا حدثنا شعبة ح و حدثنا مسدد حدثنا ابو عوانة وهذا لفظ حفص عن سليمان عن ابي وائل عن حذيفة قال اتى رسول الله ﷺ سباطة قوم فبال قائما ثم دعا بماء فمسح على خفيه قال ابو داؤد قال مسدد قال فذهبت اتباعد فدعاني حتى كنت عند عقبه.

ما هو المراد بقوله هذا لفظ حفص . ما معنى سباطة قوم؟ واضافة سباطة الى قوم اضافة اختصاص ام اضافة ملك؟ فان كانت الاضافة للملك فكيف فعل النبي ﷺ هذا العمل بدون اذن اصحابها . ما هو مذهب علماء العلماء في البول قائما و ما هو سبب بوله قائما ؟ اذكر غرض المصنف من قوله: قال ابو داؤد .

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① هذا لفظ حفص کی مراد ② سباطة کا معنی، اضافت کی وضاحت ③ اذن اصحاب کے بغیر آپ ﷺ کے اس پر پیشاب کرنے کی وضاحت ④ بول قائما میں ائمہ کے مذاہب ⑤ آپ ﷺ کے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی وجہ ⑥ قال ابو داؤد کی غرض۔

**جواب** ...... ① هذا لفظ حفص کی مراد:۔ امام ابوداؤد کے اس حدیث میں تین استاذ ہیں: حفص بن عمر، مسلم بن ابراہیم، مسدد۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ یہ حدیث کے الفاظ حفص کے ہیں۔ مسلم بن ابراہیم و مسدد کے نہیں ہے۔

② سباطة کا معنی، اضافت کی وضاحت:۔ سباطہ کا معنی گندو کوڑا کرکٹ پھینکنے کی جگہ ہے۔ اور بظاہر اضافت سے اضافت ملک معلوم ہوتی ہے۔

③ اذن اصحاب کے بغیر آپ ﷺ کے اس پر پیشاب کرنے کی وضاحت:۔ اشکال ہوتا ہے کہ جب وہ جگہ اس قوم کی ملکیت تھی تو آپ ﷺ نے ان کی اجازت کے بغیر وہاں پیشاب کیسے کیا؟ یہ بغیر اجازت انکی ملک میں تصرف ہے؟

جواب ① آپ ﷺ کو دلالۃً اجازت تھی۔ ② آپ ﷺ کے بول و براز طاہر تھے اس سے نجاست واقع نہیں ہوتی۔ ③ سباطہ پیشاب پاخانہ کے واسطے ہوتا ہی ہے اسلئے وہاں اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ آج کل بھی اگر کوئی کسی کی انکی جگہ پر گندگی پھینک دے تو وہ ناراض نہیں ہوتا۔ (تقریر بخاری و انعام الباری)

④ بول قائما میں ائمہ کے مذاہب:۔ حنفیہ و شوافع کے نزدیک کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مطلقاً مکروہ ہے، حنابلہ و مالکیہ کے نزدیک اگر چھینٹوں کا اندیشہ نہ ہو تو بلا کراہت جائز ہے، بعض تابعین سعید بن مسیب اور عروہ بن زبیر وغیرہ کے نزدیک مطلقاً بلا کراہت جائز ہے۔

⑤ آپ ﷺ کے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی وجہ:۔ ① بیان جواز کیلئے ایسا کیا گیا ② عذر کی وجہ سے ایسا کیا گیا۔
پھر عذر کی تفصیل میں متعدد اقوال ہیں: ① گھٹنے میں درد کی وجہ سے بیٹھنا دشوار تھا ② عرب میں کمر درد کی صورت میں بول کو مفید سمجھا جاتا تھا اور شاید آپ کی کمر میں درد تھا ③ بامر مجبوری آبادی کے قریب استنجاء کرنا پڑا تو خروج ریح سے امن کیلئے ایسا کیا ④ جگہ کے ناپاک ہونے کی وجہ سے بیٹھ کر پیشاب کرنا ممکن نہ تھا ⑤ وہ جگہ ایسی تھی کہ بیٹھ کر پیشاب کی صورت میں اپنے ہی طرف پیشاب لوٹنے کا اندیشہ تھا۔ (الدر المنضود ۱:۱۱۹)

⑥ قال ابو داؤد کی غرض:۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ میرے استاذ مسدد کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کے قریب استنجاء کیلئے پانی رکھ کر پیچھے ہٹنے لگا تا کہ آپ ﷺ تنہائی میں پیشاب کرلیں مگر پردہ نہ ہونے کی وجہ سے وہاں ان کی ضرورت تھی اسلئے آپ ﷺ نے ان کو جانے سے روک دیا اور اپنے قریب پیچھے کی جانب کھڑے ہونے کا حکم دیا تا کہ لوگوں سے ستر و پردہ ہو جائے۔ (ایضاً)

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۰ھ

**الشق الاول**……عن عبد اللّٰه بن مسعود قال صلى بنا رسول اللّٰه ﷺ صلاة الخوف فقاموا صفًا خلف رسول اللّٰه ﷺ وصف مستقبل العدو فصلّى بهم رسول اللّٰه ﷺ ركعة ثم جاء الآخرون فقاموا مقامهم واستقبل هؤلاء العدو فصلى بهم النبي ﷺ ركعة ثم سلّم فقام هؤلاء فصلوا لانفسهم ركعة ثم سلموا ثم ذهبوا فقاموا مقام اولئك مستقبلي العدو ورجع اولئك إلى مقامهم فصلوا لانفسهم ركعة ثم سلموا.

وصلى عبد الرحمٰن بن سمرة هكذا الا ان الطائفة التي صلى بهم ركعة ثم سلم مضوا الى مقام اصحابهم وجاء هؤلاء فصلوا لانفسهم ركعة ثم رجعوا إلى مقام اولئك فصلوا لانفسهم ركعة ([illegible])

متى شرعت صلاة الخوف و هل هي مشروعة بعد رسول اللّٰه ﷺ ام كانت خاصة به؟ كم مرّة صلّى رسول اللّٰه ﷺ صلاة الخوف؟ كم صورة ذكرها الامام ابوداؤد في سننه وهل هي كلها جائزة؟ اذكر الفرق بين حديث ابن مسعود وبين حديث عبد الرحمن بن سمرة مبيّنًا وجه الترجيح لما اخترتموه.

**جواب**……مکمل جواب كما مرّ فى الشق الثانى من السوال الاول ۱۴۲۵ھ

**الشق الثانی**……بَابُ الرَّجُلِ يَبْتَاعُ صَدَقَتَهُ: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ حَمَلَ عَلٰى فَرَسٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَوَجَدَهُ يُبَاعُ فَأَرَادَ أَنْ يَبْتَاعَهُ فَسَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ لَا تَبْتَعْهُ وَلَا تَعُدْ فِيْ صَدَقَتِكَ.

بَابٌ فِي الْخَرْصِ: عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَاءَ سَهْلُ بْنُ أَبِيْ حَثْمَةَ إِلٰى مَجْلِسِنَا، قَالَ أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا خَرَصْتُمْ فَخُذُوْا وَدَعُوا الثُّلُثَ، فَإِنْ لَمْ تَدَعُوا الثُّلُثَ فَدَعُوا الرُّبُعَ.

شكّل الحديثين ثم ترجمهما ماهو رأى الجمهور في شراء الرجل صدقته؟ من تصدق بصدقة ثم ورثها هل هي حلال له؟ - اشرح الحديث الثاني شرحا تاما.

﴿خلاصۂ سوال﴾……اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① احادیث پر اعراب ② احادیث کا ترجمہ ③ اپنی صدقہ کی ہوئی چیز خریدنے کا حکم ④ اپنی صدقہ کی ہوئی چیز کے وارث بننے کا حکم ⑤ حدیث ثانی کا مفہوم۔

**جواب**……① احادیث پر اعراب:۔ كما مرّ فى السوال آنفا۔

ما حکم تسمیة نافع و افلح و برکة؟ هل هذه اسماء قبیحة؟ ما وجه النهی عنها؟ اذکر اقوال الائمة فی حکم التسمیة باسم النبی ﷺ و التکنی بکنیته مع دلائلهم ۔ اذکر وجوه اعراب "ولا تکنوه" ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① نافع افلح و برکہ نام رکھنے کا حکم ② آپ ﷺ والا اسم اور کنیت رکھنے کا حکم مع الدلائل ③ لا تکنوہ کی وجوہ اعراب۔

**جواب** ...... ① **نافع افلح و برکہ نام رکھنے کا حکم:**۔ ان ناموں سے نہی شرعی نہیں بلکہ ارشادی ہے یعنی شرعاً یہ نام ناجائز نہیں البتہ بہتر یہ ہے کہ یہ نام نہ رکھے جائیں، کیونکہ ان ناموں میں ایک طرح سے بدفالی کا پہلو ہے، سائل پوچھے گا کہ گھر میں نافع افلح و برکت (نفع، کامیابی و برکت) ہے تو جواب ملے گا کہ نہیں۔ تو اس طرح گھر میں نفع کامیابی و برکت نہ ہونے کی بدفالی کا پہلو موجود ہے۔ باقی یہ نام بالکل ممنوع نہیں ہیں کیونکہ صحابہ کرام ﷺ سے کثرت سے یہ نام رکھنا ثابت ہیں۔ (تحفۃ الاحوذی ۶:۵۸۵)

② **آپ ﷺ والا اسم اور کنیت رکھنے کا حکم مع الدلائل:**۔ جمہور علماء کے نزدیک محمد نام رکھنا جائز ہے جیسا کہ حدیث میں تصریح ہے۔ بعض حضرات عدم جواز کے قائل ہیں اسلئے کہ نام کے ادب کے تقاضے پورے کرنا ہر شخص کے بس میں نہیں ہے۔

آپ ﷺ کی کنیت ابوالقاسم تھی۔ یہ کنیت رکھنا درست ہے یا نہیں اس میں مختلف اقوال ہیں۔

① اہل ظواہر کے نزدیک ابوالقاسم کنیت رکھنا مطلقاً ممنوع ہے۔ دلیل یہی حدیث الباب ہے۔

② عند البعض ابوالقاسم کنیت رکھنا مکروہ تنزیہی اور خلاف ادب ہے حرام نہیں ہے۔

③ جمہور کے نزدیک یہ نہی و ممانعت آپ ﷺ کے زمانہ کے ساتھ خاص تھی اس کی ایک وجہ التباس کا خطرہ تھا حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے ابوالقاسم کہہ کر پکارا تو آپ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے، اس شخص نے کہا کہ اے اللہ کے پیغمبر ﷺ میں نے آپ کو نہیں بلایا، بلکہ میں نے فلاں شخص کو بلایا ہے تو آپ ﷺ نے اس موقع پر ارشاد فرمایا کہ تم میرے نام کے ساتھ اپنا نام محمد تو رکھ سکتے ہو مگر میری کنیت کے ساتھ اپنی کنیت ابوالقاسم نہیں رکھ سکتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابوالقاسم کنیت رکھنے سے ممانعت التباس کی وجہ سے تھی مگر جب آپ ﷺ کا وصال ہو گیا تو التباس کا اندیشہ ختم ہو گیا اس وجہ سے اب جائز و ابوالقاسم کنیت رکھنا جائز و درست ہے۔ دوسری وجہ مسلم کی روایت میں یہ آئی ہے "**لا تکنوا بکنیتی فانما بعثت قاسماً اقسم بینکم**" یعنی میں تمہارے درمیان علم و بھلائی و اموال غنیمت تقسیم کرتا ہوں اس لئے میں ابوالقاسم ہوں۔

پہلی وجہ تو آپ ﷺ کے زمانہ کے ساتھ خاص تھی لہٰذا اب کنیت ابوالقاسم رکھنا جائز ہے۔ اس کی تائید حضرت علی ﷺ کی روایت سے بھی ہوتی ہے "**قلت یا رسول اللہ ان ولدلی من بعدک ولد اسمیه باسمک واکنیه بکنیتک" قال نعم** (اے اللہ کے رسول ﷺ اگر آپ ﷺ کے بعد میرا بیٹا پیدا ہو تو کیا میں آپ کا نام و کنیت دونوں اس کے لئے رکھ سکتا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جی ہاں) ۔ دوسری وجہ عام ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ ابوالقاسم کنیت اب بھی نہیں رکھنی چاہیے ③ آپ ﷺ کا نام و کنیت دونوں کو جمع کرنا جائز نہیں ہے لیکن اگر دونوں میں سے کسی ایک کا اختیار کیا جائے تو بلا کراہت جائز ہے۔ (کشف الباری کتاب الادب صفحہ ۶۰۶)

احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے اس لئے کہ ابتداءً آپ ﷺ نے ابوالقاسم کنیت رکھنے سے منع فرمایا تھا، پھر بعد میں از خود اس کی اجازت بھی عنایت فرما دی۔ گویا ممانعت والی احادیث منسوخ ہیں اور جواز و اباحت والی احادیث ان کے لئے ناسخ ہیں۔

③ **لا تکنوہ کی وجوہ اعراب:**۔ اس لفظ کو متعدد طریقوں سے پڑھا گیا ہے ① لَاتَکَنَّوْا: (تا اور کاف دونوں کا فتحہ اور نون مشدد) باب تفعّل سے ہے ایک تا کو حذف کر دیا گیا ہے۔ ② لَاتَکْنُوْا: (تا کا فتحہ اور کاف کا سکون) کنیت سے ماخوذ ہے۔ ③ لَاتُکَنُّوْا:

(تا کا ضمہ کاف کا فتح اور نون مشدد) باب تفعیل سے ہے۔ ⑤ اَلْاِکْتِنَانُ (وزن ہمزہ کا کسرہ اور کاف ساکن) باب افتعال سے ہے۔ (حاشیہ)

## ﴿الورقة السادسة : شرح معاني الآثار والموطئين﴾

## ﴿السوال الاول﴾ ﴿شرح معاني الآثار﴾ ۱۴۴۰ھ

**الشق الاول** ......عَنْ هَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ أَنَّهُ كَانَ نَازِلًا عَلٰى عَائِشَةَ فَاحْتَلَمَ فَرَأَتْهُ جَارِيَةٌ لِعَائِشَةَ وَ هُوَ يَغْسِلُ أَثَرَ الْجَنَابَةِ مِنْ ثَوْبِهِ او يغسل ثوبه فاخبرت بذلك عائشة فقالت عائشة لقد رأيتني و ما ازيد على ان افركه من ثوب رسول الله ﷺ فذهب ذاهبون الى ان المنيّ طاهر و انه لا يفسد الماء وان وقع فيه وان حكمه في ذلك حكم النخامة......و خالفهم في ذلك آخرون فقالوا بل هو نجس.

شكّل الحديث ثم ترجمه. المني طاهر ام نجس؟ عيّن مصداق قوله: فذهب ذاهبون وخالفهم في ذلك آخرون. ماهو الدليل لمن ذهب الى طهارة المني وما هو الجواب عن دليله؟ اذكر قول عائشة الذي يدلّ على نجاسة المنيّ و اذكر نظرالطحاويّ في هذه المسألة.

**جواب** ...... مکمل جواب كما مرّ في الشق الاول من السوال الاول ۱۴۳۱ھ

**الشق الثاني** ......عن عائشة قالت كان رسول الله ﷺ يَفْتَتِحُ الصَّلَاةَ قَائِمًا وَ قَاعِدًا فَإِذَا صَلّٰى قَائِمًا رَكَعَ قَائِمًا وَ إِذَا صَلّٰى قَاعِدًا رَكَعَ قَاعِدًا. عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا لَمْ تَرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّيْ صَلَاةَ اللَّيْلِ قَاعِدًا قَطُّ حَتّٰى أَسَنَّ، فَكَانَ يَقْرَأُ قَاعِدًا حَتّٰى إِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ قَامَ فَقَرَأَ نَحْوًا مِنْ ثَلَاثِيْنَ آيَةً أَوْ أَرْبَعِيْنَ آيَةً ثُمَّ رَكَعَ.

شكّل الحديثين ثم ترجمهما. الحديث الثاني يعارض الحديث الاول فكيف دفع التعارض؟ هل يكره للرجل الذي يفتتح الصلاة قاعدا ان يركع قائما ام لا؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال میں درج ذیل امور مطلوب ہیں (۱) احادیث پر اعراب (۲) احادیث کا ترجمہ (۳) احادیث سے رفع تعارض (۴) قاعدا نماز شروع کرنے کی صورت میں قائما رکوع کرنے کا حکم۔

**جواب** ...... ① احادیث پر اعراب:۔ كما مر في السوال آنفًا۔

② احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت عائشہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر نماز شروع کیا کرتے تھے، پس جب کھڑے ہو کر نماز شروع کرتے تو رکوع بھی کھڑے ہونے کی حالت میں ہی کرتے اور جب بیٹھ کر نماز شروع کرتے تو رکوع بھی بیٹھنے کی حالت میں ہی کرتے۔ حضرت عروہ سے روایت ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ ؓ نے انہیں خبر دی کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو عمر رسیدہ ہونے تک رات کی نماز بیٹھ کر پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، پس (بڑھاپے کی حالت میں) بیٹھ کر قراءت کرتے تھے حتی کہ جب رکوع کا ارادہ کرتے تو کھڑے ہو جاتے اور تیس چالیس آیات کی بقدر تلاوت کرتے پھر رکوع کرتے۔

③ احادیث سے رفع تعارض:۔ آپ ﷺ کے نماز پڑھنے کی تین حالتیں تھیں: ① صحت وتندرستی کی حالت، اس میں آپ ﷺ کھڑے ہو کر نماز شروع کرتے اور رکوع بھی کھڑے ہونے کی حالت میں ہی کرتے تھے ② مرض کی حالت، اس میں آپ ﷺ بیٹھ کر نماز شروع کرتے اور رکوع بھی بیٹھنے کی حالت میں ہی کرتے تھے ③ بڑھاپا وضعف، اس میں آپ ﷺ بیٹھ کر نماز شروع کرتے تھے اور قراءت کرتے تھے حتی کہ جب رکوع کا ارادہ کرتے تو کھڑے ہو جاتے اور تیس چالیس آیات کی بقدر تلاوت

کر کے رکوع کیا کرتے تھے۔ پس ان حالتوں میں غور کرنے سے تمام تعارض رفع ہو جاتے ہیں۔ (ایضاح الطحاوی)

❷ **قاعداً نماز شروع کرنے کی صورت میں قائماً رکوع کرنے کا حکم:۔** محمد بن سیرین، اشہب مالکی اور بعض اصحاب ظواہر کے نزدیک اگر کوئی شخص بیٹھ کر نماز شروع کرے تو بوقت رکوع کھڑے ہو کر رکوع کرنا مکروہ تحریمی ہے اور دلیل سوال میں موجود پہلی حدیث ہے کہ آپ ﷺ جس حال میں نماز شروع کرتے تھے اسی حالت میں رکوع کرتے تھے۔

حسن بصری، سفیان ثوری، ابراہیم نخعی، ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء و محدثین کے نزدیک اگر کوئی شخص بیٹھ کر نماز شروع کرے تو بوقت رکوع کھڑے ہو کر رکوع کرنا جائز ہے اور دلیل سوال میں موجود دوسری حدیث ہے کہ آپ ﷺ جب بیٹھ کر نماز شروع کرتے تو بوقت رکوع کھڑے ہو کر کچھ تلاوت کے بعد رکوع کیا کرتے تھے۔ معلوم ہوا کہ یہ عمل جائز ہے۔

## ﴿السوال الثانی﴾ (موطا للامام مالکؒ) ١٤٤٠ھ

**الشق الاول** ......عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ حَاطِبٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَرَجَ فِىْ رَكْبٍ فِيْهِمْ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ حَتّٰى وَرَدُوْا حَوْضًا فَقَالَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ لِصَاحِبِ الْحَوْضِ، يَاصَاحِبَ الْحَوْضِ، هَلْ تَرِدُ حَوْضَكَ السِّبَاعُ؟ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَاصَاحِبَ الْحَوْضِ: لَاتُخْبِرْنَا فَاِنَّا نَرِدُ عَلَى السِّبَاعِ وَتَرِدُ عَلَيْنَا۔

مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُوْلُ اِنْ كَانَ الرِّجَالُ وَ النِّسَاءُ لَيَتَوَضَّئُوْنَ فِىْ زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ جَمِيْعًا۔ شکّل الحدیثین ثم ترجمهما ان فی الحدیث الاول مسئلة سور السباع وضّح المسئلة بتفصیل۔ الحدیث الثانی یدلّ علی انّ الرجل والنساء کانوا یتوضّؤون مجتمعین مع انّ الحجاب مانع فما هو الجواب؟ هل یجوز تطهّر الرجل بفضل المرأة ما هو مذهب الجمهور؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل پانچ امور ہیں (۱) احادیث پر اعراب (۲) احادیث کا ترجمہ (۳) مسئلۂ سور سباع (۴) حجاب کے مانع ہونے کے باوجود مرد و خواتین کے اکٹھے وضوء کرنے کا جواب (۵) عورت کے بچے ہوئے پانی سے مرد کے طہارت حاصل کرنے کا حکم۔

**جواب**......❶ **احادیث پر اعراب:۔** کما مر فی السوال آنفًا۔

❷ و ❸ **ترجمہ و مسئلہ سور سباع:۔** پہلی حدیث کا ترجمہ و مسئلہ سور سباع کما مرّ فی الشق الاول من السوال الثانی ١٤٣١ھ

حضرت ابن عمر ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مرد و عورتیں اکٹھے وضوء کیا کرتے تھے۔

❹ **حجاب کے مانع ہونے کے باوجود مرد و خواتین کے اکٹھے وضوء کرنے کا جواب:۔** ① پہلا جواب یہ ہے کہ یہ حجاب کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے ② جمیعا کا مطلب یہ ہے ایک ہی جگہ (حوض سے) وضوء کرتے تھے مگر مرد ایک طرف ہوتے تھے اور عورتیں دوسری طرف ہوتی تھیں ③ ایک ہی جگہ (حوض سے) وضوء کرتے تھے مگر پہلے مرد وضوء کر کے چلے جاتے تھے اور پھر عورتیں وضوء کرتی تھیں ④ جمیعا کا مطلب یہ ہے کہ ہاہم زوج و زوجہ اکٹھے وضوء کرتے تھے، یہ مطلب نہیں کہ سب مرد و عورتیں مخلوط وضوء کرتے تھے (حاشیہ موطا امام محمد)

❺ **عورت کے بچے ہوئے پانی سے مرد کے طہارت حاصل کرنے کا حکم:۔** جمہور کے نزدیک مرد کے بچے ہوئے پانی سے عورت اور عورت کے بچے ہوئے پانی سے مرد وضوء و غسل کر سکتے ہیں ان میں سب صورتیں جائز ہیں۔ اور دلیل وہ احادیث ہیں جن میں ازواج مطہرات کے غسل کے بعد باقی ماندہ پانی سے آپ ﷺ کے وضوء و غسل کرنے کا ذکر ہے۔ نیز حضرت میمونہ ؓ کی مشہور روایت ہے کہ میں اور آپ ﷺ ایک ہی برتن سے غسل کیا کرتے تھے۔ گویا ہر ایک دوسرے کا پانی استعمال کرتا تھا۔

امام احمد و امام اسحٰقؒ کے نزدیک عورت کے بچے ہوئے پانی سے مرد کا وضوء و غسل کرنا مکروہ ہے۔ دلیل حضرت حکم غفاری ؓ کی روایت ہے نهى رسول الله ﷺ عن فضل طهور المرأة (آپ ﷺ نے عورت کے بچے ہوئے پانی کے استعمال سے منع کیا)۔

علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ اس نہی کا تعلق معاشرت سے ہے، چونکہ عورت مرد کے مقابلہ میں طہارت و نظافت اور پاکیزگی کا اہتمام کم کرتی ہے اسلئے اسکے بچے ہوئے پانی سے شوہر کو تکلیف ہو سکتی ہے اور یہ عمل زوجین میں سوءِ معاشرت کی طرف مفضی ہو سکتا ہے اسلئے آپ ﷺ نے اس سے منع کیا ہے۔ (درس ترمذی ۱:۲۶۵)

کبھی عورت بے سلیقہ ہوتی ہے، پاکی و ناپاکی کے مسائل سے واقف نہیں ہوتی یا محتاط نہیں ہوتی، ایسی صورت میں مرد پانی استعمال کرے گا تو اسکی طبیعت میں وسوسے پیدا ہونگے اسلئے آپ ﷺ نے اس سے منع کیا ہے۔ (تحفۃ الالمعی ۱:۲۹۶)

**الشق الثانی** ......قال يحيى سُئل مالك عن رجل توضأ وضوء الصلاة ثم لبس خفيه ثم بال ثم نزعهما ثم ردهما في رجليه ايستأنف الوضوء؟ فقال لينزع خفيه و ليغسل رجليه و انما يمسح على خفيه من ادخل رجليه في الخفين و هما طاهرتان تطهر الوضوء، فاما من ادخل رجليه في الخفين و هما غير طاهرتين تطهر الوضوء فلا يمسح على الخفين . قال يحيى و سئل مالك عن رجل غسل قدميه ثم لبس خفيه ثم استأنف الوضوء، قال لينزع خفيه ثم ليتوضأ و يغسل رجليه .

ترجم العبارة واشرح العبارة التي فوقها خط. اكتب مشروعية المسح على الخفّين . اكتب الاختلاف في المسح على الخفين مفصّلا.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت کا ترجمہ ② عبارت مخطوطہ کی تشریح ③ مسح خفین کی مشروعیت ④ مسح خفین میں اختلاف کی تفصیل۔

**جواب** ......① **عبارت کا ترجمہ:** یحییٰ کہتے ہیں کہ امام مالک سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے نماز کیلئے وضوء کیا پھر موزے پہن لئے، پھر پیشاب کیا اور موزوں کو اتار کر دوبارہ پہن لیا تو کیا یہ دوبارہ وضوء کرے؟ فرمایا کہ وہ موزے اتار کر پاؤں دھولے، (اسلئے کہ) موزوں پر وہ شخص مسح کر سکتا ہے جس نے طہارت کی حالت میں پاؤں پر موزے پہنے ہوں اور جس نے طہارت کے بغیر پاؤں پر موزے پہنے ہوں یہ شخص موزوں پر مسح نہیں کر سکتا۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ امام مالک سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے پاؤں دھوئے پھر موزے پہن کر وضوء کرنے لگا تو فرمایا کہ وہ موزے اتار کر وضوء کرے اور پاؤں دھوئے۔

② **عبارت مخطوطہ کی تشریح:** امام مالک سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے پاؤں دھو کر موزے پہنے پھر اس نے وضوء کیا تو اس کے وضوء و مسح کا کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ یہ شخص موزے اتار کر پہلے مکمل وضوء کرے، پاؤں بھی دھوئے، اسکے بعد یہ شخص موزے پہن سکتا ہے۔

③ **مسح خفین کی مشروعیت:** مسح علی الخفین اس امت کے خصائص میں سے ہے، آپ ﷺ نے فرمایا صلّوا في خفافكم فانّ اليهود لا يصلّون في خفافهم (اپنے موزوں میں نماز پڑھا کرو اسلئے کہ یہود اپنے موزوں میں نماز نہیں پڑھتے)۔

مسح علی الخفین کی مشروعیت ۹ھ میں غزوۂ تبوک کے موقع پر ہوئی، امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اجماع میں جن لوگوں کا قول معتبر ہو سکتا ہے ان سب کا مسح علی الخفین کے جواز پر اجماع ہے۔ خواہ سفر ہو یا حضر ہو ضرورت ہو یا نہ ہو۔ (الدر المنضود)

④ **مسح خفین میں اختلاف کی تفصیل:** مسح على الخفين (موزے) کے جواز پر اجماع ہے بعض حضرات نے امام مالکؒ کی طرف عدمِ جواز کی نسبت کی ہے لیکن وہ غلط ہے، صرف روافض مسح على الخفين کو آیتِ وضوء کے ذریعہ منسوخ کہتے ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ حدثنی سبعون من اصحاب رسول اللہ ﷺ انہ کان یمسح علی الخفین (ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے موزوں پر مسح کی روایات کی ہیں)۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے ما قلت بالمسح علی الخفین حتی جائنی مثل ضوء النہار اور انہوں نے اسے اہل السنۃ والجماعۃ کی علامات میں سے قرار دیا ہے فقال نفضل الشیخین (ابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما) و نحب الختنین (عثمان وعلی رضی اللہ عنہما) و نری المسح علی الخفین"

قال العینی روی المسح علی الخفین اکثر من ثمانین صحابیا (مسح کی روایات اسی سے زائد صحابہ سے مروی ہیں) اہل السنۃ والجماعۃ کی دلیل وہ احادیث متواترہ ہیں جن سے مسح علی الخفین ثابت ہے اور احادیث متواترہ کے ذریعہ کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے۔ روافض کی دلیل آیت وضو کا ایک جواب تو ابھی گزرا کہ احادیث متواترہ سے اس پر زیادتی کی گئی ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ آیت وضو کے نزول کے بعد بھی خفین پر مسح کرنا ثابت ہے چنانچہ حضرت جریر بجلی رضی اللہ عنہ آیت وضو کے نزول کے بعد آپ ﷺ کے وصال سے صرف پچاس دن پہلے مسلمان ہوئے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو موزوں پر مسح کرتے دیکھا ہے۔ معلوم ہوا کہ مسح علی الخفین کا حکم منسوخ نہیں ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۳۵۸)

## ﴿السوال الثالث﴾ (موطا للامام محمد) ۱۴۴۰ھ

**الشق الاول** ......بَابُ الْوُضُوْءِ فِي الْاِسْتِنْجَاءِ :اَخْبَرَنَا مَالِكٌ يَحْيٰى بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ طَحْلَاءِ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ اَبَاهُ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ سَمِعَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَتَوَضَّأُ وُضُوْءً لِمَا تَحْتَ إِزَارِهِ . قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَأْخُذُ وَ الْاِسْتِنْجَاءُ بِالْمَاءِ اَحَبُّ اِلَيْنَا مِنْ غَيْرِهِ وَ هُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ .

شکل العبارۃ وترجمھا. ما ھو المقصود بھذا الباب؟ وما ھو المراد بالوضوء ھھنا؟ وھل یثبت الاستنجاء بالماء عن النبی ﷺ؟ ان کان الجمع بین الماء والحجر افضل فاذکر فی ضوء الدلیل.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت پر اعراب ② عبارت کا ترجمہ ③ باب کا مقصد و وضوء کی مراد ④ استنجاء بالماء کا ثبوت و افضل ہونے کی وجہ۔

**جواب** ...... ❶ عبارت پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا.

❷ عبارت کا ترجمہ:۔ عثمان بن عبد الرحمٰن سے مروی ہے کہ انکے والد عبد الرحمٰن نے ان کو خبر دی کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق سنا کہ وہ موضع استنجاء کو دھوتے تھے۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ ہم اسی کو لیتے ہیں اور استنجاء بالماء ہمارے نزدیک اسکے علاوہ سے افضل ہے اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔

❸ باب کا مقصد و وضوء کی مراد:۔ اس باب کا مقصد استنجاء بالماء کے جواز و ثبوت کو بیان کرنا ہے اور ان لوگوں پر رد کرنا ہے جو استنجاء بالماء کا انکار کرتے ہیں، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے استنجاء بالماء ثابت ہے۔ اس جگہ وضوء سے مراد موضع استنجاء کو دھونا ہے۔

❹ استنجاء بالماء کا ثبوت و افضل ہونے کی وجہ:۔ کما مرّ فی الشق الاول من السوال الاول ۱۴۳۱ھ (ورقہ اولیٰ)

**الشق الثانی** ......عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الْقَتَانَةِ، فَقَالَ :لَا حَتّٰى يَمَسَّ الشَّعْرَ الْمَاءُ. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ. اَخْبَرَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا نَافِعٌ قَالَ رَاَيْتُ صَفِيَّةَ اِبْنَةَ اَبِيْ عُبَيْدَةَ تَتَوَضَّأُ وَ تَنْزِعُ خِمَارَهَا ثُمَّ تَمْسَحُ بِرَأْسِهَا . شکل العبارۃ وترجمھا بالاردیۃ. اذا قال مالک: بلغنی فھل اسناد قوی ام لا؟ من المراد ب "الصفیۃ" فی قولہ: رایت صفیۃ؟ کیف رای نافع صفیۃ مع انہ

غیر محرم لہا؟ اذکر اختلاف الائمۃ فی المسح علی العمامۃ والخمار و اذکر حجۃ الجمہور فی ذلک.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت پر اعراب ② عبارت کا ترجمہ ③ بلاغات امام مالک کا حکم ④ صفیہ کی مراد اور نافع کے غیر محرم کو دیکھنے کی وضاحت ⑤ مسح علی العمامہ والخمار میں اختلاف۔

**جواب** ...... ❶ عبارت پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

❷ عبارت کا ترجمہ:۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے عمامہ پر مسح کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ یہ جائز نہیں ہے، جب تک کہ پانی بالوں کو نہ پہنچ جائے۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ اسی پر ہمارا عمل ہے اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔ نافع سے مروی ہے کہ میں نے صفیہ بنت ابوعبید کو وضوء کرتے ہوئے دیکھا کہ انہوں نے اپنا دوپٹہ اتار کر سر کا مسح کیا۔

❸ بلاغات امام مالک کا حکم:۔ کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثانی ١٤٣٠ھ

❹ صفیہ کی مراد اور نافع کے غیر محرم کو دیکھنے کی وضاحت:۔ صفیہ رضی اللہ عنہا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی زوجہ ہیں اور نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے غلام ہیں۔ اس اثر کے آخری جملہ (وانا یومئذ صغیر) میں غیر محرم کو دیکھنے کی وضاحت موجود ہے کہ نافع اس وقت بچے تھے، بالغ نہ تھے اسلئے اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

❺ مسح علی العمامہ والخمار میں اختلاف:۔ کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثالث ١٤٣٢ھ

﴿ یا ربّ صلّ وسلّم دائما ابدا، علی حبیبک خیر الخلق کلھم ﴾

تمت بالخیر

## ﴿الورقة الاولى: السنن و الشمائل﴾

## ﴿السوال الاول﴾ (سنن نسائی) ١٤٤١ھ

**الشق الاول** ......حدثنی کثیر بن مرۃ الحضرمی عن ابی الدرداء سمعه يقول: سئل رسول الله ﷺ: أفي كل صلاة قراءة؟ قال: نعم، قال رجل من الانصار: وجبت هذه، فالتفت الیّ وکنت اقرب القوم منه، فقال: ما اری الامام اذا امّ القوم الّا قد کفاهم. قال ابو عبدالرحمٰن: هذا عن رسول الله ﷺ خطأ، انّما هو قول ابی الدرداء.

ترجم الحديث سلسة. هل يقرء المؤتمّ الفاتحة خلف الامام في الصلوات الجهرية والسرية؟ بيّن اختلاف العلماء فيها مدلّلاً. وضّح قول ابی عبدالرحمٰن بالتفصیل.

**جواب** ......مکمل جواب کما مر فی الشق الثانی من السوال الاول ١٤٣٤ھ

**الشق الثانی** ......عن ابی هريرة قال قال ابو القاسم ﷺ انّ في الجمعة ساعة لا يوافقها عبد مسلم قائم يصلّي يسئل الله عز و جل شيئا الّا اعطاه اياه، قلنا يقللها يزهدها. قال ابو عبد الرحمٰن لا نعلم احدا حدّث بهذا الحديث غير رباح عن معمر عن الزهري الّا ايوب بن سويد فانه حدث به عن يونس عن الزهری عن سعيد و ابی سلمة، و ايوب بن سويد متروك الحديث.

ترجم الحديث المبارك. ما هي الساعة المستجابة يوم الجمعة؟ بيّن اقوال العلماء فيها. وضّح ما قال ابو عبد الرحمٰن. اشرح العبارة المعلمة. (باب ذكر الساعة التي يستجاب فيها الدعاء يوم الجمعة)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② جمعہ کے دن ساعتِ مستجابہ کے متعلق علماء کے اقوال ③ ابوعبدالرحمٰن کے قول کی تشریح ④ عبارتِ مخطوطہ کی تشریح۔

**جواب** ......❶ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ ابوالقاسم ﷺ نے فرمایا جمعہ کے دن ایک ایسی ساعت (گھڑی) ہے کہ اگر کوئی مسلمان دورانِ نماز اس ساعت کو پالے اور پھر اس میں اللہ جل جلالہ سے کوئی چیز طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور وہ چیز عطا فرماتے ہیں۔ اور آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور ہم نے اس اشارے سے یہ سمجھا کہ آپ اس وقت (گھڑی) کے مختصر ہونے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

❷ جمعہ کے دن ساعتِ مستجابہ کے متعلق علماء کے اقوال:۔ بعض علماء کی تحقیق یہ ہے کہ شبِ قدر کی ساعتِ قبولیت اور اسمِ اعظم کی طرح جمعہ کے روز کی ساعتِ قبولیت بھی مبہم یعنی غیر معلوم ہے بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ وہ ساعت ہر جمعے کو بدلتی رہتی ہے کسی جمعہ کو دن کے ابتدائی حصہ میں آتی ہے، کسی جمعہ کو درمیانی حصہ میں اور اسی طرح کسی جمعہ کو دن کے آخری حصہ میں آتی ہے لیکن اکثر علماء کا کہنا ہے کہ وہ ساعت متعین اور معلوم ہے لیکن اس میں بھی اختلاف ہے کہ اگر وہ ساعت متعین اور معلوم ہے تو کونسی ساعت اور کونسا وقت ہے جس میں یہ عظیم و مقدس ساعت پوشیدہ ہے۔ اس بارے میں پینتیس اقوال منقول ہیں:

① جمعہ کے روز فجر کی نماز کیلئے مؤذن کے اذان دینے کا وقت۔ ② فجر کے طلوع ہونے سے آفتاب کے طلوع ہونے تک کا وقت۔ ③ عصر سے آفتاب غروب ہونے تک کا وقت۔ ④ خطبہ کے بعد امام کے منبر سے اترنے سے تکبیر تحریمہ کہے جانے تک کا

وقت۔ ⑤ آفتاب نکلنے کے فوراً بعد کا وقت۔ ⑥ طلوع آفتاب کا وقت۔ ⑦ ایک پہر باقی دن کی آخری ساعت۔ ⑧ زوال شروع ہونے سے آدھا سایہ ہو جانے تک کا وقت۔ ⑨ زوال شروع ہونے سے ایک ہاتھ سایہ آ جانے تک کا وقت۔ ⑩ ایک بالشت آفتاب ڈھلنے کے بعد سے ایک ہاتھ آفتاب ڈھل جانے تک کا وقت۔ ⑪ عین زوال کا وقت۔ ⑫ جمعہ کی نماز کیلئے مؤذن جب اذان کہے وہ وقت۔ ⑬ زوال شروع ہونے سے نماز جمعہ سے فارغ ہونے تک کا وقت۔ ⑭ زوال آفتاب تک کا وقت۔ ⑮ خطبہ کیلئے امام کے منبر پر چڑھنے سے نماز جمعہ شروع ہونے تک کا وقت۔ ⑯ امام کے نماز جمعہ سے فارغ ہونے تک کا وقت۔ ⑰ خطبہ کیلئے امام کے منبر پر چڑھنے اور ادائیگی نماز کے درمیان کا وقت۔ ⑱ اذان سے ادائیگی نماز کے درمیان کا وقت۔ ⑲ امام کے منبر پر بیٹھنے سے نماز پوری ہو جانے تک کا وقت۔ ⑳ خرید و فروخت کے حرام ہونے اور اس کے حلال ہونے کے درمیان کا وقت یعنی اذان کے وقت سے نماز جمعہ ختم ہو جانے تک۔ ㉑ اذان کے قریب کا وقت۔ ㉒ امام کے خطبہ شروع کرنے سے خطبہ ختم کرنے تک کا وقت۔ ㉓ خطبہ کیلئے امام کے منبر پر چڑھنے اور خطبہ شروع کرنے کا درمیانی وقت۔ ㉔ دونوں خطبوں کے درمیان سے امام کے منبر سے اترنے کا وقت۔ ㉕ نماز کیلئے تکبیر شروع ہونے سے امام کے مصلے پر کھڑے ہونے تک کا وقت۔

(خطبہ سے فراغت کے بعد امام کے منبر سے اترنے کا وقت۔ تکبیر شروع ہونے سے اختتام نماز تک کا وقت۔ جمعہ کی نماز سے فراغت کے فوراً بعد کا وقت۔ نماز عصر کے درمیان کا وقت۔ عصر کی نماز سے غروب آفتاب سے پہلے نماز کا آخری وقت مستحب رہنے تک کا وقت۔ مطلقاً نماز عصر کے بعد کا وقت۔ نماز عصر کے بعد کی آخری ساعت۔ جب آفتاب ڈوبنے لگے۔)

منقول ہے کہ حضرت علی و حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما اور تمام اہل بیت نبوت ﷺ اپنے خادموں کو تلقین کرتے تھے کہ وہ ہر جمعہ کے روز آخری گھڑی کا خیال رکھیں اور اس وقت سب کو یاد دلائیں تاکہ وہ سب اس گھڑی میں پروردگار کی عبادت اور اس سے دعا مانگنے میں مشغول ہو جائیں۔ (توضیحات)

⓬ ابو عبد الرحمٰن کے قول کی تشریح:۔ امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ رباح کے علاوہ کسی بھی راوی نے اس حدیث کو معمر عن الزہری کی سند سے نقل نہیں کیا البتہ ایوب بن سوید نے اس حدیث کو یونس عن الزہری عن سعید والی سند سے روایت کیا ہے اور ایوب بن سوید متروک الحدیث راوی قرار دیا گیا ہے۔

⓭ عبارت مخطوطہ کی تشریح:۔ اس عبارت میں یزھدھا جملہ یقللھا کی تفسیر ہے۔ جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ آپ ﷺ نے مذکورہ ارشاد فرماتے ہوئے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور ہم نے آپ کے اشارے سے یہی اندازہ لگایا کہ آپ اس ساعت اجابہ (قبولیت کی گھڑی) کو قلیل و مختصر قرار دے رہے ہیں۔

## ﴿السوال الثانی﴾ (ابن ماجہ) ۱۴۴۱ھ

**الشق الاول**..... حدثنا محمد بن اسمٰعیل الرازی ثنا عبیداللہ بن موسیٰ انبانا العلاء بن صالح عن المنهال عن عباد بن عبداللہ قال: قال علیؓ انا عبداللہ واخو رسوله وانا الصدیق الاکبر لایقولها بعدی الاکذاب، صلیت قبل الناس بسبع سنین. (فضل علیؓ بن ابی طالب)

ترجم الحدیث۔ عیّن مرجع الضمیر (ھا) فی "لا یقولها"۔ قد عد ابن الجوزی هذا الحدیث من

الموضوعات، فمن هو واضع هذا الحديث وما هي احواله؟ اكتب نبذة منه . قال الحاكم في هذا الحديث "صحيح على شرط الشيخين" هل اصاب في ما قال؟ انكر في ضوء ما قاله الذهبي .

**جواب**......مکمل جواب کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثانی ١٤٢٧ھ

**الشق الثانی**......حدثنا ابو بشر بكر بن خلف ثنا يحيى بن محمد بن قيس المدني ثنا هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ كلوا البلح بالتمر، كلوا الخلق بالجديد فان الشيطان يغضب و يقول: بقي ابن آدم حتى اكل الخلق بالجديد.(ابواب الاطعمة. باب اكل البلح بالتمر)

ترجم الحديث المبارك . قدح ابن حبان في ابي زكيز و قد اخرج عنه مسلم في الصحيح . من هو ابو زكيز؟ انكر اقوال علماء الجرح و التعديل فيه . وضّح مقال الذهبي في الحديث المذكور انه حديث منكر و المنكر من نوع آخر غير الموضوع . وضّح ما قال العراقي "هذا الحديث معناه ركيك لا يطابق على محاسن الشريعة."

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② ابوزکیز کا تعارف اور اس کے متعلق علماء جرح وتعدیل کے اقوال ③ امام ذہبیؒ کے قول کی وضاحت ④ امام عراقیؒ کے قول کی تشریح۔

**جواب**...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تر کھجور خشک کھجور کے ساتھ ملا کر کھاؤ اور پرانی کھجوریں کھجور کے ساتھ ملا کر کھاؤ کیونکہ شیطان غصہ ہوتا ہے اور کہتا ہے آدم کا بیٹا زندہ رہا یہاں تک کہ پرانا میوہ نئے میوہ کے ساتھ ملا کر کھا رہا ہے۔

② ابوزکیز کا تعارف اور اس کے متعلق علماء جرح وتعدیل کے اقوال:۔ ابوزکیز کا نام یحیی بن محمد بن قیس المدنی ہے۔

ابن حبان کہتے ہیں کہ یہ اسانید میں ہیر پھیر کرتا تھا مرسل احادیث کو مرفوعاً نقل کرتا تھا۔ ابن معین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ چار احادیث کے علاوہ اسکی تمام احادیث صحیح ہیں۔(رسالہ الحق فی الکتاب)

③ امام ذہبیؒ کے قول کی وضاحت:۔ امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے، مگر یہ منکر موضوع ہونے کے اعتبار سے نہیں ہے۔ بلکہ یہ منکر کی دوسری قسم ہے جو ضعیف کی اقسام میں سے ہے۔

④ امام عراقیؒ کے قول کی تشریح:۔ امام عراقیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا معنی رکیک وکمزور ہے، اس کا مفہوم واضح نہیں ہے اور محاسن شریعت کے موافق نہیں ہے، اسلئے کہ شیطان محض ابن آدم کے زندہ رہنے سے غضبناک نہیں ہوتا، بلکہ وہ ابن آدم کی ایمان و اطاعت والی زندگی سے غضبناک ہوتا ہے۔

## ﴿السوال الثالث﴾ (شمائل الترمذي) ١٤٤١ھ

**الشق الاول**......عن محمد بن سيرين قال كنا عند ابي هريرة وعليه ثوبان ممشقان من كتان فتمخط في احدهما فقال ابو هريرة بخ بخ يتمخط ابو هريرة في الكتان لقد رأيتني واني لأخر فيما بين منبر رسول الله ﷺ وحجرة عائشة مغشيا عليّ فيجيئ الجائي فيضع رجله على عنقي يرى ان بي جنونا وما بي جنون وما هو الا الجوع . (باب ما جاء في عيش رسول الله ﷺ)

ترجم الحديث و اشرحه . اذكر ما تعلم عن معيشة رسول الله ﷺ . اشرح ماقال مالك بن دينار: ما شبع رسول الله ﷺ من خبز قط و لا لحم الا على شعف .

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② حدیث کی تشریح ③ آپ ﷺ کے معاش کی وضاحت ④ مالک بن دینارؒ کے قول کی تشریح۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ ابن سیرینؒ کہتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس تھے، ان پر کتان کے دو کپڑے تھے، ابو ہریرہؓ نے ان میں سے ایک سے ناک صاف کیا پھر تعجب سے کہنے لگے کہ واہ واہ! آج ابو ہریرہ کتان کے کپڑے سے ناک صاف کرتا ہے اور ایک وہ زمانہ تھا کہ جب میں منبر نبوی اور حضرت عائشہؓ کے حجرہ کے درمیان شدت بھوک کی وجہ سے بے ہوش پڑا ہوا ہوتا تھا اور لوگ مجھے مجنوں سمجھ کر میری گردن کو پاؤں سے دباتے تھے اور حقیقتاً مجھے جنون وغیرہ کچھ نہیں تھا بلکہ شدت بھوک کی وجہ سے یہ حالت ہو جاتی تھی۔

② حدیث کی تشریح:۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مشہور تابعی محمد بن سیرینؒ کہتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ کی مجلس میں تھے، ان پر کتان کے قیمتی قسم کے دو کپڑے تھے، ابو ہریرہؓ نے ان میں سے ایک سے ناک صاف کیا پھر تعجب سے کہنے لگے کہ واہ واہ ابو ہریرہ! تیری کیا شان ہے؟ آج مال کی فراوانی کی وجہ سے کتان جیسے عمدہ کپڑے سے ناک صاف کرتا ہے اور ایک وہ زمانہ بھی تھا کہ لوگ گردن پر پاؤں رکھ کر چیک کرتے تھے کہ شاید مرگی کے دورے ہیں، حالانکہ میں مرگی کی وجہ سے نہیں بلکہ بھوک وفاقہ کی وجہ سے بے ہوش ہو کر گر پڑتا تھا۔

③ آپ ﷺ کے معاش (گزر بسر) کی وضاحت:۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ جب آپ ﷺ کے خادم خاص حضرت ابو ہریرہؓ کی تنگی کا یہ حال ہے تو خود آپ ﷺ کے حالات کیسے ہوں گے، کیوں کہ آپ ﷺ کے پاس جو کچھ آتا تھا وہ سب اصحاب صفہؓ پر خرچ کر دیا جاتا تھا، اپنے پاس کچھ بھی بچا کر یا ذخیرہ کر کے نہیں رکھا جاتا تھا، اس کی وضاحت کرتے ہوئے مالک بن دینارؒ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے دعوت کے علاوہ عمومی حالات میں کبھی پیٹ بھر کر روٹی و گوشت نہیں کھایا۔ ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کی روایت کے مطابق کئی کئی دن گھر میں آگ نہ جلتی تھی، کھجور و پانی پر گزارہ ہوتا تھا۔ بھوک وفاقہ کشی کا مشہور واقعہ ہے کہ جنگ کے موقع پر صحابہ کرامؓ نے پیٹ پر بندھا ہوا پتھر دکھایا تو آپ ﷺ نے پیٹ سے کپڑا ہٹایا تو دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ روایات میں آپ ﷺ کے کثرت سے نفلی روزے رکھنے کی وجہ بھی یہی بیان کی گئی ہے کہ گھر میں کھانے کیلئے کچھ ہوتا ہی نہیں تھا۔

④ مالک بن دینارؒ کے قول کی تشریح:۔ مالک بن دینارؒ کے قول کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دعوت کے علاوہ عمومی حالات میں کبھی پیٹ بھر کر روٹی و گوشت نہیں کھایا۔ صرف دعوت کے موقع پر پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہے۔

**الشق الثاني** ...... عن عبد الله بن مسعود قال قال لي رسول الله ﷺ اقرأ عليّ فقلت يا رسول الله اقرأ عليك وعليك أنزل؟ قال إني أحب ان اسمعه من غيري فقرأت سورة النساء حتى بلغت (وجئنا بك على هؤلاء شهيدا) قال فرأيت عيني رسول الله ﷺ تهملان. (باب ما جاء في بكاء رسول الله ﷺ)

ترجم الحديث و اشرح الجمل المعلمة . اذكر ما تعلم عن بكاء رسول الله ﷺ . اشرح ما قال عبد

الله بن الشخير: اتيت رسول الله ﷺ وهو يصلّي و لجوفه ازيز كازيز المرجل من البكاء.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② مخطوط جملوں کی تشریح ③ آپ ﷺ کے رونے کی وضاحت ④ عبداللہ بن شخیرؓ کے قول کی تشریح۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ قرآن شریف سنا میں نے عرض کیا کہ حضور آپ ہی پر تو قرآن نازل ہوا ہے اور آپ ہی کو سناؤں؟ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ دوسرے سے سنوں۔ میں نے (امتثال حکم میں) سنانا شروع کیا اور سورت نساء پڑھنا شروع کی اور جب اس آیت پر پہنچا فكيف اذاجئنا من كل امة بشهيد وجئنا بك على هؤلاء شهيد (پس اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو ان لوگوں پر گواہی دینے کیلئے حاضر کریں گے)۔ تو میں نے حضور اکرم ﷺ کی آنکھوں کی طرف دیکھا کہ دونوں آنکھیں رونے کی وجہ سے بہہ رہی تھیں۔

② مخطوط جملوں کی تشریح:۔ عبداللہ بن مسعودؓ کے ارشاد کردہ پہلے جملے کا مطلب یہ ہے کہ میرے آقا قرآن کریم تو آپ ہی پر نازل ہوا ہے اسکے پڑھنے کو آپ یقیناً ہم سے بہتر اور زیادہ جانتے ہیں، پس آپ میرے سے کیوں سننا چاہتے ہیں؟

دوسرے جملے کا مفہوم یہ ہے کہ جب میں سورۂ نساء کی اس آیت پر پہنچا تو میں نے حضور اکرم ﷺ کے چہرۂ انور کی طرف دیکھا تو آپ کی دونوں آنکھیں رونے کی وجہ سے بہہ رہی تھیں، یعنی رونے کی وجہ سے چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔

③ آپ ﷺ کے رونے کی وضاحت:۔ آپ ﷺ کے رونے کی وجہ اور سبب کیا تھا؟ اسکی وجہ کے متعلق مختلف کلام کئے گئے ہیں: ① آپ ﷺ کلام اللہ کی عظمت وجلال شان کی وجہ سے روئے۔ ② قیامت اور حشر کے سخت حالات کے تصور کی وجہ سے روئے۔ ③ آیت کو سن کر قیامت کا منظر سامنے آیا اور امت کے گناہگاروں کے حال پر شفقت کی وجہ سے روئے۔ (خصائل نبوی)

④ عبداللہ بن شخیرؓ کے قول کی تشریح:۔ عبداللہ بن شخیرؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نماز پڑھ رہے تھے اور رونے کی وجہ سے آپ کے سینہ سے ایسی آواز نکل رہی تھی جیسے ہنڈیا کا جوش ہوتا ہے یعنی جب ہنڈیا میں کوئی چیز پکائی جارہی ہو تو جوش اور ابال کے وقت اس میں سے جیسی آواز آتی ہے کمال خشوع وخضوع کی وجہ سے آپ ﷺ کے سینہ سے ایسی ہی آواز آرہی تھی۔

## ﴿الورقة الثانية : صحيح مسلم﴾

### ﴿السوال الاوّل﴾ ١٤٤١ھ

**الشق الاوّل** ...... وعلامة المنكر في حديث المحدث اذا ما عرضت روايته للحديث على رواية غيره من اهل الحفظ والرضا خالفت روايته روايتهم او لم تكد توافقها ، فاذا كان الاغلب من حديثه كذلك كان مهجور الحديث غير مقبوله ولا مستعمله فمن هذا الضرب من المحدثين عبد الله بن محرر......

اشرح العبارة المذكورة . عرف الحديث المنكر واذكر حكمه عند المحدثين في ضوء عبارة الامام مسلم . ماهي زيادة الثقة ؟هل هي مقبولة ام مردودة؟ عليك بالتوضيح مع المثال .

**جواب** ...... مکمل جواب کما مرّ في الشق الثاني من السوال الاول ١٤٢٥ھ و في الشق الاول من السوال الثاني ١٤٣٦ھ

**الشق الثالث** ...... حدثنا سفیان قال: کان الناس یحملون عن جابر قبل أن یظهر ما أظهر، فلما أظهر ما أظهر اتهمه الناس فی حدیثه وترکه بعض الناس، فقیل له: وما أظهر؟ قال: الایمان بالرجعة...... قال سفیان: سمعت رجلا سأل جابرا عن قوله تعالی: ﴿فلن ابرح الارض حتی یاذن لی ابی أو یحکم الله لی وھو خیر الحاکمین﴾ قال: فقال جابر: لم یجئ تاویل ھذا. قال سفیان: وکذب، فقلنا ما اراد بھذا؟ فقال ان الرافضة تقول ان علیّا فی السحاب فلا نخرج مع من یخرج من ولده حتی ینادی مناد من السماء (یرید علیّا انه ینادی) اخرجوا مع فلان، یقول جابر فذا تاویل ھذه الآیة، وکذب، کانت فی اخوة یوسف. (مقدمہ مسلم)

اشرح العبارة. من ھو جابر وما عقیدته؟ اوضح عقیدة الرجعة؟ ما ھو حکم الروایة عن المبتدعین۔

**جواب** ...... مکمل جواب کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الاول ١٤٢٦ھ، ١٤٢٩ھ، ١٤٣٨ھ۔

## ﴿السوال الثانی﴾ ١٤٤١ھ

**الشق الاول** ...... عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ لا تمنعوا النساء من الخروج الی المساجد باللیل فقال ابن لعبد الله بن عمر لا ندعھن یخرجن فیتخذنه دغلا قال فزبره ابن عمر وقال اقول قال رسول الله ﷺ وتقول لا ندعھن۔ (باب خروج النساء الی المساجد اذا لم یترتب علیه فتنة......)

ترجم الحدیث ثم حقق الالفاظ التی فوقھا خط۔ بیّن اسباب خروج النساء الی المساجد فی زمن النبی ﷺ مع شروطه فی ذاک الزمان. ما حکم خروج النساء الی المساجد فی زماننا ووضّحه فی آراء الفقهاء۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② الفاظ مخطوطہ کی تحقیق ③ دور نبوی میں عورتوں کے مساجد کی طرف نکلنے کے اسباب و شرائط اور موجودہ دور میں عورتوں کے مساجد کی طرف نکلنے کا حکم۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم عورتوں کو رات کے وقت مساجد کی طرف نکلنے سے منع مت کرو تو ابن عمرؓ کے بیٹے نے عرض کیا کہ ہم تو ان کو نکلنے نہیں دیں گے تا کہ وہ اس کو دھوکہ وفریب کا ذریعہ نہ بنالیں ابن عمرؓ نے اپنے بیٹے کو خوب ڈانٹا اور فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا قول نقل کرتا ہوں اور تو کہتا ہے ہم ان کو اجازت نہیں دیں گے۔

❷ الفاظ مخطوطہ کی تحقیق:۔ یَتَّخِذْنَ: یہ باب افتعال (مہموز) سے مضارع کا صیغہ ہے بمعنی بنانا۔

دَغَلًا: یہ اسم ہے بمعنی فساد و تباہی۔ خوف وہلاکت کی جگہ۔ دھوکہ وفریب کا ذریعہ۔

زَبَرَ: یہ مصدر زَبْرًا (از ضرب) سے ماضی معلوم کا صیغہ ہے بمعنی ڈانٹنا۔ جھڑکنا، منع کرنا۔

❸ دور نبوی میں عورتوں کے مساجد کی طرف نکلنے کے اسباب و شرائط اور موجودہ دور میں عورتوں کے مساجد کی طرف نکلنے کا حکم:۔ آپ ﷺ کے زمانے میں عورتیں مسجدوں میں آپ ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھنے کی برکات کے حصول اور دینی مسائل و احکام سیکھنے کی خاطر جایا کرتی تھیں اور وہ خیر کا زمانہ تھا اس لئے اس میں اجازت تھی، بعد میں شر کے غلبہ کی وجہ سے فقہاء نے اس اجازت کو چند شرائط کے ساتھ مقید کیا ہے: ① مردوں اور عورتوں کے درمیان اختلاط نہ ہو۔ ② زیب و زینت اختیار نہ کی جائے۔ ③ خوشبو وغیرہ نہ لگائی جائے۔ ④ فتنے کا خوف اور اندیشہ نہ ہو (نووی)۔ چنانچہ خود حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ اگر رسول

اللہ ﷺ عورتوں کی موجودہ حالت کو دیکھ لیتے تو ان کو مسجد میں جانے سے منع کر دیتے۔ (الدر المختار، ج ۱، ص ۱۴۲)

اگرچہ متقدمین حنفیہ کا اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے مگر متاخرین کے نزدیک ہر طرف فتنہ و فساد، شہوت پرستی اور بے حیائی و بے پردگی کے رجحان کی وجہ سے آج کل انکی بالکل اجازت دکھائی نہیں دیتی ہے۔ نیز دور نبوی میں عورتوں کے مساجد میں جانے کی علت بھی اب نہیں پائی جاتی، کیونکہ دینی مسائل و احکام اب تو مشہور و واضح ہو چکے ہیں کہ عورتیں گھر میں بیٹھ کر با آسانی معلوم کر سکتی ہیں۔

**الشق الثانی** ......عن عبد الرحمن بن عبد القاری قال سمعت عمر بن الخطاب يقول اسمعت هشام بن حكيم بن حزام يقرء سورة الفرقان على غير ما اقرأها وكان رسول الله ﷺ اقرأنيها فكدت ان اعجل عليه ثم امهلته حتى انصرف ثم لببته بردائه فجئت به رسول الله ﷺ فقلت يا رسول الله انى سمعت هذا يقرأ سورة الفرقان على غير ما اقرأتنيها فقال رسول الله ﷺ ارسله اقرأ فقرء القراءة التى سمعته يقرء فقال رسول الله ﷺ هكذا أنزلت ثم قال لى اقرأ فقرأت فقال هكذا أنزلت ان هذا القرآن أنزل على سبعة احرف فاقرء وا ما تيسر منه. (كتاب فضائل القرآن، باب بيان ان القرآن أنزل على سبعة احرف)

ترجم الحديث المذكور. ما هو المراد بسبعة احرف؟ انكر القول الراجح. اذكر حكمة نزول القرآن بالقراءات المختلفة. حقق الكلمات المعلمة لغة و صرفا.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② سبعۃ احرف کی مراد ③ مختلف قراءتوں میں نزول قرآن کی حکمت ④ کلمات معلمہ کی لغوی و صرفی تحقیق۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ عبدالرحمن بن عبد القاری نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطابؓ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے حضرت ہشام بن حکیم بن حزام سے سنا کہ وہ سورۃ الفرقان کو اس قراءت پر نہیں پڑھ رہے کہ جس قراءت کے ساتھ میں پڑھتا تھا اور جس طرز پر رسول اللہ ﷺ نے مجھے پڑھائی تھی، قریب تھا کہ میں ان پر جلدی کرتا لیکن میں نے انہیں مہلت دی تا کہ وہ نماز سے فارغ ہو جائیں پھر میں ان کو چادر سے کھینچ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آیا میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں نے ان کو سورۃ الفرقان اس طرح پڑھتے ہوئے نہیں سنا جس طرح آپ ﷺ نے مجھے پڑھایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسے چھوڑ دو (ان سے فرمایا) تم پڑھو، انہوں نے اسی طریقہ پر پڑھا جیسے میں نے ان کو پڑھتے ہوئے سنا تھا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ سورت اسی طرح نازل کی گئی ہے، پھر آپ ﷺ نے مجھے فرمایا کہ تم پڑھو، میں نے تلاوت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس طرح (بھی) نازل کی گئی ہے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ قرآن سات حرفوں پر نازل کیا گیا ہے تمہیں جس طرح آسانی ہو پڑھو۔

❷ سبعۃ احرف کی مراد:۔ ① سبعۃ احرف سے سات مشہور قاریوں کی قراءتیں مراد ہیں۔ مگر یہ قول غلط ہے کیونکہ قرآن کریم کی متواتر قراءتیں سات قاریوں کی قراءتوں میں منحصر نہیں بلکہ ان کے علاوہ بھی متواتر قراءتیں ثابت ہیں ② سبعۃ احرف سے تمام مشہور قراءتیں مراد ہیں اور سبعۃ سے خاص عدد مراد نہیں بلکہ اس سے کثرت مراد ہے مگر یہ قول بھی حدیث الباب کی وجہ سے درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے جبرائیل علیہ السلام نے قرآن کریم ایک حرف پر پڑھایا اور میں اس میں اضافہ کو طلب کرتا رہا اور وہ زیادتی کرتے رہے حتیٰ کہ وہ سات حروف پر پہنچ گئے اس سے معلوم ہوا کہ سبعۃ سے مراد عدد خاص ہی ہے ③ امام طحاوی اور علامہ ابن

عبدالبر ﷫ نے یہ قول اختیار کیا ہے اور اس کو اکثر علماء کی طرف منسوب کیا ہے کہ احرف سے مراد معنی کا مترادف الفاظ سے ادا کرنا ہے۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ قرآن کا نزول صرف لغت قریش پر ہوا تھا ابتداء اسلام میں دوسرے قبائل کو یہ اجازت دی گئی کہ وہ اپنی علاقائی زبان کے مطابق مترادف الفاظ کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کر سکتے ہیں اور یہ مترادف الفاظ خود آپ ﷺ نے متعین فرمائے تھے جیسے تعال کی جگہ هلمّ اور أقبل کی جگہ أدن پھر جب قرآن کی لغت سے دوسرے قبائل رفتہ رفتہ مانوس ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرائیل ﷤ کیساتھ قرآن کریم کے اپنے آخری دور میں یہ اجازت ختم کر دی اور صرف وہی طریقہ باقی رکھا جس پر قرآن کریم نازل ہوا تھا اور متعدد روایات سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔

مگر اس قول پر بھی ایک اشکال یہ ہے کہ جب سبعہ احرف کا اختلاف دور نبوی ﷺ میں ختم ہو چکا تھا تو بعد میں کس چیز کا اختلاف باقی رہ گیا تھا جس کو ختم کرنے کیلئے حضرت عثمان ﷛ نے مصاحف تیار کئے تھے۔

④ علامہ ابن جریر طبری ﷫ اور ان کے متبعین نے سبعہ احرف سے قبائل عرب کی سات لغات مراد لی ہیں اور وہ سات قبائل قریش، ھذیل، ثقیف، ھوازن، کنانہ، تمیم اور یمن ہیں۔ بعض حضرات نے سات قبائل (قریش، ھذیل، تمیم، رباب، ازد، ربیعہ، ھوازن اور سعد بن بکر) ذکر کئے ہیں۔ سبعہ احرف کے متعلق علامہ ابن جریر کا اختیار کردہ یہ قول سب سے زیادہ مشہور ہے اور اکثر متاخرین نے اسی قول کو اختیار کیا ہے، مولانا ظفر احمد عثمانی ﷫ نے اعلاء السنن میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

⑤ محققین علماء کا قول یہ ہے کہ اس سے اختلاف قرأت کی سات نوعیتیں مراد ہیں کیونکہ قرأتیں اگرچہ سات سے زائد ہیں مگر ان قرأتوں میں جو اختلاف پائے جاتے ہیں وہ سات قسموں میں منحصر ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

١.....اسماء کا اختلاف: مفرد، تثنیہ، جمع اور تذکیر و تانیث کے اعتبار سے (جیسے تمت كلمة ربك اور تمت كلمات ربك)

٢.....افعال کا اختلاف: ماضی، مضارع اور امر کے اعتبار سے (جیسے ربنا باعد بين اسفارنا اور بعّد بين اسفارنا، باعد امر اور بعّد ماضی ہے) ٣.....وجوہ اعراب کا اختلاف: (جیسے ولا يضار كاتب راء کے نصب اور رفع کی قرأت ہے)۔

٤.....الفاظ کی کمی بیشی کا اختلاف: (جیسے وما خلق الذكر والانثى اور الذكر والانثى یعنی دوسری قرأت میں ما خلق نہیں ہے)۔ ٥.....تقدیم و تاخیر کا اختلاف: (جیسے وجاءت سكرة الموت بالحق اور جاءت سكرة الحق بالموت)

٦.....ابدال: یعنی ایک قرأت میں ایک لفظ ہے اور دوسری قرأت میں دوسرا لفظ (جیسے ننشزها اور ننشرها)۔

٧.....لہجوں اور لغات کا اختلاف: ادغام، اظہار، ترقیق، تفخیم اور امالہ وغیرہ کے اعتبار سے (جیسے موسیٰ اور موسٰی، امالہ کے ساتھ اور بغیر امالہ کے)۔ اس قول کو کئی علماء محققین نے اختیار کیا ہے، امام مالک، علامہ جزری، ملا علی قاری اور مولانا انور شاہ کشمیری ﷫ وغیرہ محققین نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ اس قول کے مطابق سبعہ احرف ختم نہیں ہوئے اور نہ ہی منسوخ ہوئے ہیں بلکہ قرآن مجید کی تلاوت میں جو مختلف قرأتیں مشہور ہیں وہ سبعہ احرف کا مصداق ہیں۔

علامہ ابن جریر طبری ﷫ کا اختیار کردہ چوتھا قول سب سے زیادہ مشہور ہے اور اکثر متاخرین کا اختیار کردہ ہے جبکہ بعض علماء محققین نے قول خامس کو اختیار کیا ہے۔ (کشف الباری کتاب فضائل القرآن ص ١٥)

⑦ مختلف قرأتوں میں نزول قرآن کی حکمت: قرآن کریم سب سے پہلے قریش کی لغت کے مطابق نازل ہوا تھا جو مرکز

دو عالم ﷺ کی لغت تھی لیکن جب تمام عرب میں اس لغت کے مطابق قرآن کا پڑھنا جانا اس لئے دشوار و مشکل ہوا کہ ہر قبیلہ اور ہر قوم کی اپنی ایک مستقل لغت اور زبان کے لب ولہجہ کا الگ الگ انداز تھا تو سرکار دو عالم ﷺ نے بارگاہ الٰہیہ میں درخواست پیش کی کہ اس سلسلہ میں وسعت بخشی جائے تو حکم دے دیا گیا کہ ہر آدمی قرآن کو اپنی لغت کے مطابق پڑھ سکتا ہے چنانچہ حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ تک اسی طرح چلتا رہا اور لوگ اپنی اپنی لغت کے اعتبار سے قرآن پڑھتے رہے۔ لیکن جب حضرت عثمان غنیؓ نے کلام اللہ کو جمع کیا اور اس کی کتابت کرا کر اسلامی سلطنت کے ہر ہر خطہ میں اسے بھیجا تو انہوں نے اسی لغت کو مستقل قرار دیا جس پر حضرت زید بن ثابتؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حکم اور حضرت عمر فاروقؓ کے مشورہ سے قرآن کو جمع کیا تھا اور وہ لغت قریش تھی۔ حضرت عثمان غنیؓ نے یہ حکم بھی فرمایا کہ تمام لغات منسوخ کر دی جائیں صرف اس ایک لغت کو باقی رکھا جائے۔ چنانچہ حضرت عثمان غنیؓ کے حکم کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ قرآن صرف ایک لغت میں جمع ہو گیا جس سے دنیا کے ہر خطہ کے لوگوں کیلئے آسانیاں ہو گئیں بلکہ اس کی وجہ سے ایک بڑے فتنہ کی جڑ بھی ختم کر دی گئی اور فتنہ یہ تھا کہ لغات کے اختلاف کی وجہ سے مسلمان آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے تھے یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ اگر کوئی آدمی کسی دوسرے کو اپنی لغت کے خلاف قرآن پڑھتا دیکھتا تو یہ سمجھ کر کہ صرف میرے قبیلہ ہی کی لغت صحیح ہے اسے کافر کہہ دیا کرتا تھا، چنانچہ لغت قریش کے علاوہ جس پر قرآن نازل ہوا تھا بقیہ تمام لغات ختم کر دی گئیں۔ (توضیحات)

❷ کلمات مخطوطہ کی لغوی وصرفی تحقیق:۔ اَرْسِلْ: صیغہ واحد مذکر امر حاضر معروف از مصدر اِرْسَالاً (افعال) چھوڑنا۔

اَقْرَءُ: صیغہ واحد متکلم فعل مضارع معلوم از مصدر قُرْأنًا قِرَاءَةً (فتح۔ مہموز) پڑھنا۔

اَقْرَءَ: صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معلوم از مصدر اِقْرَاءً (افعال۔ مہموز) بمعنی پڑھانا۔

اَمْهَلْتُ: صیغہ واحد متکلم فعل ماضی معلوم از مصدر اِمْهَالاً (افعال) بمعنی مہلت دینا و نرمی برتنا۔

لَبَّبْتُ: صیغہ واحد متکلم فعل ماضی معلوم از مصدر تَلْبِيْبًا (تفعیل۔ مضاعف) بمعنی گریبان پکڑ کر کھینچنا۔

اِنْصَرَفَ: صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معلوم از مصدر اِنْصِرَافٌ (انفعال) بمعنی پھرنا، پلٹنا، باز رہنا۔

## ﴿السوال الثالث﴾ ١٤٤١ھ

**الشق الأول**......عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ قَالَ أَصَبْتُ شَارِفًا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ مَغْنَمٍ يَوْمَ بَدْرٍ وَأَعْطَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ شَارِفًا أُخْرٰى فَأَنَخْتُهُمَا يَوْمًا عِنْدَ بَابِ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ وَأَنَا أُرِيْدُ أَنْ أَحْمِلَ عَلَيْهِمَا إِذْخِرًا لِأَبِيْعَهُ وَمَعِيْ صَائِغٌ مِنْ بَنِيْ قَيْنُقَاعَ فَأَسْتَعِيْنُ بِهٖ عَلٰى وَلِيْمَةِ فَاطِمَةَ وَحَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ يَشْرَبُ فِيْ ذٰلِكَ الْبَيْتِ مَعَهُ قَيْنَةٌ تُغَنِّيْهِ فَقَالَتْ أَلَا يَا حَمْزُ لِلشُّرُفِ النِّوَاءِ فَثَارَ إِلَيْهِمَا حَمْزَةُ بِالسَّيْفِ فَجَبَّ أَسْنِمَتَهُمَا وَبَقَرَ خَوَاصِرَهُمَا ثُمَّ أَخَذَ مِنْ أَكْبَادِهِمَا.... (كتاب الاشربة. باب تحريم الخمر....)

شكّل الحديث ثم ترجمه ترجمة سلسة . حقّق الكلمات المخطوطة لغة و صرفا.

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل تین امور ہیں: ① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ کلمات مخطوطہ کی تحقیق۔

**جواب**...... ❶ حدیث پر اعراب:۔ كما مر في السوال آنفا.

❷ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ غزوۂ بدر کے مال غنیمت میں سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ

مجھے ایک اونٹنی ملی اور رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک اور اونٹنی عطا فرمائی۔ میں نے ان دونوں اونٹنیوں کو انصار کے ایک آدمی کے دروازے پر بٹھا دیا اور میں یہ چاہتا تھا کہ میں ان پر اذخر لادوں تاکہ میں اسے بیچوں اور میرے ساتھ بنی قینقاع کا ایک سنار بھی تھا اور میں اس عمل کے ذریعہ حضرت فاطمہؓ کے ولیمہ کی تیاری کروں اور اسی گھر میں حضرت حمزہ بن عبد المطلبؓ شراب پی رہے تھے ان کے ساتھ ایک باندی تھی جو کہ شعر پڑھ رہی تھی اور کہہ رہی تھی اے حمزہ ان موٹی اونٹنیوں کو ذبح کرنے کیلئے اٹھو۔ حضرت حمزہ یہ سن کر اپنی تلوار لے کر ان اونٹنیوں پر دوڑے اور ان کی کوہان کاٹ دی اور ان کی کوکھوں کو پھاڑ ڈالا پھر ان کا کلیجہ نکال دیا۔

❷ کلمات مخطوطہ کی لغوی وصرفی تحقیق:۔ اَصَبْتُ: صیغہ واحد متکلم فعل ماضی معلوم از مصدر اِصَابَةٌ (افعال۔ اجوف) پایا۔

اَنَخْتُ: صیغہ واحد متکلم فعل ماضی معلوم از مصدر اِنَاخَةٌ (افعال۔ ناقص) بمعنی اونٹ بٹھانا۔

اَلشُّرُفُ: یہ شَارِفَةٌ کی جمع ہے بمعنی عمر رسیدہ۔ خَوَاصِرُ: یہ خَاصِرَةٌ کی جمع ہے بمعنی پہلو۔ کوکھ۔

فَارَ: صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معلوم از مصدر فَوْرًا فَوَرَانًا (نصر۔ اجوف) بمعنی جوش میں آنا و بھڑکنا۔

اَسْنِمَةٌ: یہ جمع ہے اس کا مفرد سَنَامٌ ہے بمعنی کوہان۔ بالائی حصہ۔ حقیقت و بلندی۔

**الشق الثانی** ...... عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابوهريرة عن رسول الله ﷺ فذكر احاديث منها: وقال رسول الله ﷺ من يولد يولد على هذه الفطرة فابواه يهودانه او ينصرانه كما تنتجون الابل فهل تجدون فيها جدعاء حتى تكونوا انتم تجدعونها قالوا يارسول الله فرأيت من يموت صغيرا قال: الله اعلم بما كانوا عاملين. (كتاب القدر، باب معنى كلّ مولود يولد على الفطرة...)

ترجم الحديث. ما حكم اطفال المسلمين و اطفال المشركين؟ هل يدخلون الجنة ام فى النار؟ اذكر اقوال العلماء فيه. ما هو المراد بالفطرة؟ اذكر نبذة من ترجمة همام بن منبه و ماذا تعرف عن صحيفته؟

**جواب** ...... حضرت ہمام بن منبہؒ اور ان کے صحیفہ کا تعارف:۔ ہمام بن منبہ مشہور تابعی ہیں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں اور سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ولادت باسعادت ہوئی، متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت کی اور دس کے قریب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کی ہیں اور انکا شمار ثقہ رواۃ حدیث میں کیا گیا ہے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے آپ سے متعدد احادیث نقل کی ہیں اور ١٣١ھ یا ١٣٢ھ میں وفات پائی۔

صحیفہ: اس صحیفہ کا اصل نام الصحيفة الصحيحه ہے۔ یہ حدیث کی اولین ترین کتابوں میں سے ہے، انہوں نے اپنے استاد حضرت ابو ہریرہؓ کی روایات کو اس صحیفہ میں جمع کرنے کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ کی خدمت میں پیش کیا تو انہوں نے انکی تصویب کی تھی، یہ صحیفہ ۵۸ھ سے قبل تحریر کیا گیا۔ (کامل)

(**نوٹ:** بقیہ مکمل جواب کما مرّ فى الشق الاول من السوال الثالث ١٤٢٥ھ)

## ﴿الورقة الثالثة : جامع ترمذى﴾

## ﴿السوال الاوّل﴾ ١٤٤١ھ

**الشق الاوّل** ...... اذكر نبذة من احوال الامام الترمذى يشتمل على ذكر اسمه و نسبه ومولده ووفاته

ومشاهير شيوخه ومؤلفاته. ماهي كنيته؟ وكيف تكني بها مع ان النبي ﷺ نهى عن مثل هذا التكني .

**جواب** ......كما مرّ في الشق الثاني من السوال الثاني ١٤٣٦ والشق الثاني من السوال الثالث ١٤٣٨ھ

**الشق الثاني** ......اذكر سبعا من خصائص الجامع الترمذي ومزاياه. هل في الجامع الترمذي احاديث موضوعة؟ اذكر اقوال المشائخ في شان جامعه. اكتب خمسة من شروح الجامع الترمذي في اللغة الاردية .

**جواب** ...... ❶ جامع ترمذی و موضوع احادیث:۔ امام ابن الجوزیؒ نے موضوعات کبری میں ترمذی شریف کی (۲۳) احادیث کو موضوع قرار دیا ہے۔ مگر امام ابن الجوزی اس معاملہ میں بہت زیادہ متشدد ہیں، انہوں نے بخاری و مسلم کی ایک روایت (بروایت حماد شاکر) کو بھی موضوع لکھا ہے۔ تحقیقی بات یہ ہے کہ ترمذی کی کوئی روایت بھی موضوع نہیں ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے "القول الحسن فی الذب عن السنن" میں صحاح ستہ کی ان تمام روایات کی تحقیق کی ہے جنہیں ابن الجوزیؒ نے موضوع قرار دیا ہے، اس کتاب میں علامہ سیوطیؒ نے ان (۲۳) روایات کے متعلق ثابت کیا ہے کہ ان میں سے کسی کو بھی موضوع قرار دینا درست نہیں ہے۔ (درس ترمذی) **(نوٹ:** بقیہ مکمل جواب کما مرّ في الشق الثاني من السوال الثالث ١٤٣٨ھ **)**

## ﴿السوال الثاني﴾ ١٤٤١ھ

**الشق الأول** ......عن محمد بن عبد الله بن زيد عن ابيه قال لما اصبحنا اتينا رسول الله ﷺ فاخبرته بالرؤيا فقال إن هذه لرؤيا حق فقم مع بلال فإنه اندى وامد صوتا منك فالق عليه ما قيل لك وليناد بذلك قال فلما سمع عمر بن الخطاب نداء بلال بالصلاة خرج إلى رسول الله ﷺ وهو يجر ازاره وهو يقول يا رسول الله والذي بعثك بالحق لقد رأيت مثل الذي قال فقال رسول الله ﷺ فلله الحمد فذلك اثبت. (باب ما جاء في بدء الاذان)

ترجم الحديث و اذكر مشروعية الاذان و قصة بدء ه مفصلا. كيف ثبت حكم الاذان بالرؤيا مع ان رؤيا غير النبي ﷺ ليست بحجة شرعية؟ . اكتب آراء الائمة في عدد كلمات الاذان و الاقامة مع دلائلهم.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② اذان کی مشروعیت اور ابتداء کا واقعہ ③ غیر نبی کے خواب سے اذان کی مشروعیت کی توجیہ ④ اذان و اقامت کے کلمات کی تعداد میں ائمہ کے اقوال و دلائل۔

**جواب** ...... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ محمد بن عبداللہ بن زیدؓ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ جب صبح ہوئی تو ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور ہم نے ان کو اس خواب کی خبر دی تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ خواب سچا ہے اور تم بلال کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اس لئے کہ وہ تم سے بلند آواز والے ہیں اور انہیں وہ سکھاؤ جو تمہیں کہا گیا ہے اور وہ اس کو بلند آواز سے کہیں۔ راوی کہتے ہیں جب حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت بلالؓ کی اذان سنی تو اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے (بے تکلف بھاگتے ہوئے) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے اے اللہ کے رسول اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو سچا دین دے کر بھیجا ہے میں نے بھی اسی طرح کا خواب دیکھا ہے جس طرح بلال نے کہا، آپ ﷺ نے فرمایا تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، اب یہ بات زیادہ مضبوط ہو گی۔

❷ اذان کی مشروعیت اور ابتداء کا واقعہ:۔ اذان کی مشروعیت میں متعدد اقوال ذکر کئے گئے ہیں: ① لیلۃ الاسراء میں اللہ تعالی

نے حضور ﷺ پر اذان کی وحی کی اور آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس کی تعلیم دی۔ ② اذان کی مشروعیت اھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔ ③ اذان کی مشروعیت ہجرت کے بعد تحویل قبلہ کے وقت ۲ھ میں ہوئی اکثر نے اسی قول ثالث کو اختیار کیا ہے۔

مشروعیت کا واقعہ یہ ہے کہ جب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز اور جماعت کے اوقات کی اطلاع کی ضرورت محسوس ہوئی تو انہوں نے مشورہ کیا، بعض نے رائے دی کہ یہود کی طرح ناقوس بجایا جائے، بعض نے آگ جلانے کی رائے دی مگر حضور ﷺ نے یہود و نصاریٰ کی مشابہت کی وجہ سے اس کو پسند نہ کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے "الصلوٰۃ جامعۃ" کے الفاظ سے آواز لگانے کی رائے دی، اسی بات پر مجلس ختم ہوگئی، اس کے بعد دوسرے دن حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں اپنا خواب بیان کیا کہ ایک فرشتہ نے اس طریقہ اذان کی مجھے تعلیم دی ہے (جو کہ طریقہ مشہور ہے) اسکے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہی خواب بیان کیا، روایات میں ہے کہ اس رات سولہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہی خواب دیکھا تو حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کا خواب سن کر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک یہ سچ ہے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اسی طرح اذان دیا کرو۔

علامہ بدرالدین عینیؒ نے کہا کہ اظہر یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں اور بعض حضرات کے نزدیک یہ کوئی دوسرا فرشتہ تھا۔

❸ **غیر نبی کے خواب سے اذان کی مشروعیت کی توجیہ:۔** اذان کی مشروعیت کے سلسلے میں مشہور اور صحیح یہ ہے کہ اذان کی مشروعیت کی ابتدا عبداللہ بن زید انصاری اور حضرت عمر فاروقؓ کا خواب ہے، جس کی تفصیل ابھی گزری ہے۔

بعض علماء محققین کا قول یہ ہے کہ اذان کی مشروعیت خود رسول اللہ ﷺ کے اجتہاد کے نتیجے میں ہوئی ہے جس کی طرف شب معراج میں ایک فرشتے نے رہنمائی کی تھی چنانچہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ شب معراج میں جب عرش پر پہنچے اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے تو وہاں سے ایک فرشتہ نکلا آپ ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ فرشتہ کون ہے؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ اللہ کی قسم اتمام مخلوق سے زیادہ قریب ترین درگاہ عزت سے میں ہوں لیکن میں نے پیدائش سے لے کر آج تک اس وقت کے علاوہ اس فرشتہ کو کبھی نہیں دیکھا ہے چنانچہ اس فرشتہ نے کہا: اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر یعنی اللہ بہت بڑا ہے اللہ بہت بڑا ہے۔ پردے کے پیچھے سے آواز آئی کہ میرے بندہ نے سچ کہا انا اکبر انا اکبر یعنی میں بہت بڑا ہوں میں بہت بڑا ہوں اس کے بعد اس فرشتے نے اذان کے باقی کلمات ذکر کیے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ اذان کے کلمات صحابہ کرام کے خواب سے بھی بہت پہلے شب معراج میں سن چکے تھے۔ چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں محقق فیصلہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اذان کے کلمات شب معراج میں سن تو لئے تھے لیکن ان کلمات کو نماز کیلئے اذان میں ادا کرنے کا حکم نہیں ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ مکہ میں بغیر اذان کے نماز ادا کرتے رہے یہاں تک کہ مدینہ تشریف لائے اور یہاں صحابہ کرام سے مشورہ کیا چنانچہ بعض صحابہ کرام نے خواب میں ان کلمات کو سنا اس کے بعد وحی بھی آگئی کہ جو کلمات آسمان پر سنے گئے تھے اب روز مین پر اذان کے لئے مسنون کردیے جائیں۔ (توضیحات)

❹ **اذان و اقامت کے کلمات کی تعداد میں ائمہ کے اقوال و دلائل:۔** اذان کے کلمات کی تعداد میں اختلاف ہے۔

یہ اختلاف دراصل اس بات پر مبنی ہے کہ اذان میں ترجیع ہے یا نہیں ہے، ہمارے نزدیک اذان میں ترجیع نہیں ہے جبکہ امام شافعی اذان میں ترجیع کے قائل ہیں، چنانچہ ہمارے نزدیک کلمات اذان پندرہ اور شوافع کے نزدیک انیس ہیں۔ (ترجیع کا معنی یہ ہے کہ شہادتین (اشهد ان لا الٰه الّا اللّٰه ، اشهد انّ محمدا رسول اللّٰه) کو چار مرتبہ کہا جائے، پہلے دو مرتبہ آہستہ آواز سے اور

دوسری دو مرتبہ بلند آواز سے۔) ہماری دلیل وہ تمام مشہور احادیث ہیں جن میں اذان کا ذکر آیا ہے ان میں کہیں بھی ترجیع کا ذکر نہیں ہے مثلاً آسمانی فرشتہ کی اذان میں ترجیع نہیں ہے، نیز حضرت عبداللہ بن زید نے فرشتہ سے اذان سنی تھی ان کی اذان میں ترجیع نہیں اور ان کی اذان والی حدیث ہی اذان کی اصل بنیاد ہے نیز حضرت بلال رضی اللہ عنہ جو عہد نبوی وعہد صدیقی میں مسجد نبوی کے مؤذن رہے اور حضور ﷺ کے سفر و حضر کے مؤذن تھے ان کی اذان میں ترجیع نہیں، نیز حضرت عبداللہ بن ام مکتوم مسجد نبوی کے مؤذن تھے ان کی اذان میں ترجیع نہیں، نیز حضرت سعد قرظ رضی اللہ عنہ مسجد قباء کے مؤذن تھے ان کی اذان میں ترجیع نہیں ہے۔

امام شافعی کی دلیل حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو ترجیع کی تلقین کی۔

ہماری طرف سے اسکا جواب یہ ہے کہ وہ نو مسلم تھے انکے دل و دماغ میں توحید کو راسخ کرنے کیلئے ترجیع کا حکم دیا تھا، نیز انہوں نے شہادتین کے کلمات بلند آواز سے نہ کہے تھے تو آپ ﷺ نے ضرورت کے پیش نظر بلند آواز سے کہنے کیلئے تکرار کا حکم دیا تھا۔

اقامت کے کلمات کی تعداد: کما مر فی الشق الثانی من السوال الاول ١٤٣٠ھ۔ (الورقۃ السادسۃ)

**الشق الثانی** ...... عن ابی سنان قال دفنت ابنی سنانا وابو طلحۃ الخولانی جالس علی شفیر القبر فلما اردت الخروج اخذ بیدی فقال الا ابشرک یا ابا سنان؟ قلت بلی فقال حدثنی الضحاک بن عبد الرحمٰن بن عرزب عن ابی موسی الاشعری ان رسول اللہ ﷺ قال اذا مات ولد العبد قال اللہ لملائکتہ قبضتم ولد عبدی؟ فیقولون نعم فیقول قبضتم ثمرۃ فؤادہ؟ فیقولون نعم فیقول ماذا قال عبدی فیقولون حمدک واسترجع فیقول اللہ ابنوا لعبدی بیتا فی الجنۃ وسموہ بیت الحمد۔

عن ابی ہریرۃ ان النبی ﷺ صلی علی النجاشی فکبر اربعا۔ عن عبد الرحمٰن بن ابی لیلٰی قال کان زید بن ارقم یکبر علی جنائزنا اربعا وانہ کبر علی جنازۃ خمسا فسألناہ عن ذلک فقال کان رسول اللہ ﷺ یکبرہا۔ (باب فضل المصیبۃ اذا احتسب، باب ما جاء فی التکبیر علی الجنازۃ)

ترجم الاحادیث۔ اذکر ترجمۃ الباب لحدیث ابی موسیٰ الاشعری (الحدیث الاول) و اذکر اسمہ۔ اذکر اختلاف الفقہاء فی الصلاۃ علی المیت غائبا مع ادلتہم۔ اذکر اقوال الائمۃ فی عدد تکبیرات الصلوٰۃ علی المیت؟ و القول الراجح عند الاحناف۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① احادیث کا ترجمہ ② حدیث اول کے باب کا نام اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام ③ غائبانہ نماز جنازہ و تکبیرات جنازہ میں اختلاف اور قول راجح۔

**جواب** ...... ① احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوسنان سے روایت ہے کہ میں نے اپنے بیٹے سنان کو دفن کیا تو ابوطلحہ خولانی قبر کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے، میں جب باہر آنے لگا تو انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا اے ابوسنان کیا میں تمہیں خوشخبری نہ سناؤں؟ میں نے کہا کیوں نہیں فرمایا ضحاک بن عبدالرحمٰن بن عرزب، ابوموسیٰ اشعری سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کسی آدمی کا بچہ فوت ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ کیا تم نے میرے بندے کے بیٹے کی روح قبض کی؟ عرض کرتے ہیں ہاں، اللہ فرماتا ہے کہ تم نے اس کے دل کا پھل (ٹکڑا) قبض کیا؟ وہ عرض کرتے ہیں جی ہاں، پھر اللہ تعالیٰ

پوچھتے ہیں میرے بندے نے کیا کہا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں اس نے آپ کی تعریف کی اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے بندے کے لئے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد (تعریف کا گھر) رکھو۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی اور اس میں چار مرتبہ تکبیر کہی۔

حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے روایت ہے کہ زید بن ارقمؓ ہمارے جنازوں کی نماز میں چار تکبیریں کہتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے ایک جنازہ پڑھتے ہوئے پانچ تکبیریں کہیں تو ہم نے ان سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا رسول اللہ ﷺ بھی اسی طرح کرتے تھے۔

❷ حدیث اول کے باب کا نام اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا نام:۔ حدیث اول کے باب کا نام باب فضل المصیبة اذا احتسب ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا نام عبداللہ بن قیسؓ ہے۔

❸ غائبانہ نماز جنازہ و تکبیرات جنازہ میں اختلاف اور قول راجح:۔ کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الاول ١٤٣٠ھ

## ﴿السوال الثالث﴾ ١٤٤١ھ

**الشق الاول** ...... عن أنس بن مالكؓ قال: ان كان رسول الله ﷺ ليخالطنا حتى يقول لأخ لي صغير: يا أبا عمير! ما فعل النغير؟ عن عائشة قالت استأذن رجل على رسولِ اللّٰہ ﷺ وانا عنده فقال بئس ابن العشيرة او اخو العشيرةِ ثم اذِن له فالان له القول فلما خرج قلت له يا رسول اللّٰہِ قلتَ له ما قلتَ ثم ألنتَ له القولَ فقال يا عائشة إن مِن شرِّ الناسِ من تركه الناس او ودعه الناس اتِقاءَ فحشِهِ.

ترجم الحديثين الى الأردية. اشرح المزاح مع الحكم فى الشريعة الاسلامية. اكتب اسم رجل مبهم فى حديث عائشة. كيف اغتاب رسول الله ﷺ الرجل بقوله "بئس ابن العشيرة" مع ان الغيبة محرّمة على لسانه. اذكر المواضع التى تباح فيها الغيبة. (ابواب البرّ و الصلة. باب ماجاء فى المزاح و المداراة)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① احادیث کا ترجمہ ② مزاح کی تشریح و حکم ③ رجل مبہم کا نام ④ فرمان رسول ﷺ کے غیبت ہونے کی وضاحت ⑤ غیبت جائز ہونے کے مواقع۔

**جواب** ...... ❶ احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کا ہمارے گھر والوں کے ساتھ اختلاط و میل جول تھا حتیٰ کہ آپ ﷺ میرے چھوٹے بھائی سے فرماتے کہ اے ابوعمیر! تمہاری چھوٹی چڑیا (بلبل) کا کیا ہوا؟

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی، میں آپ ﷺ کے پاس تھی، تو آپ ﷺ نے فرمایا قبیلہ کا یہ بیٹا یا فرمایا قبیلہ کا یہ بھائی کیا ہی برا ہے، پھر اسے اجازت دے دی اور اس کے ساتھ نرمی کے ساتھ گفتگو کی۔ جب وہ چلا گیا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! پہلے تو آپ نے اسے برا کہا اور پھر اس سے نرمی سے بات کی؟ آپ ﷺ نے فرمایا عائشہ! بدترین شخص وہ ہے کہ اس کی فحش گوئی یا بدکلامی کی وجہ سے لوگوں نے اسے چھوڑ دیا ہو۔

❷ مزاح کی تشریح و حکم:۔ شریعت اسلامیہ میں ہنسی و مزاح کی حدود متعین ہیں اگر ان حدود میں رہتے ہوئے مزاح کیا جائے تو جائز ہے ورنہ نہیں: ① کسی کی عزت نفس پر چوٹ نہ پڑتی ہو۔ ② کسی کا وقار مجروح نہ ہوتا ہو۔ ③ کسی کو جانی مالی یا نفسیاتی نقصان اور تشویش نہ ہو

ہو۔ ④ جھوٹ و لغویات نہ ہو۔ ⑤ غیر سنجیدہ گفتگو نہ ہو۔ ⑥ حد سے زیادہ نہ ہو۔ ⑦ مقصد صرف لوگوں کو ہنسانا یا خوش کرنا ہو۔

❸ رجل مبہم کا نام:۔ اکثر حضرات نے کہا ہے کہ اس سے مراد عیینہ بن حصن فزاری ہے اس کو احمق مطاع کہا جاتا تھا اور یہ اپنے قبیلہ کا سردار تھا جبکہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس سے مراد مخرمہ بن نوفل ہے۔

❹ فرمان رسول ﷺ کے غیبت ہونے کی وضاحت:۔ اس حدیث پر اشکال ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس آنے والے شخص کے عیب کو بیان کیا جو کہ غیبت ہونے کی وجہ سے حرام ہے تو آپ ﷺ نے اس کا ارتکاب کیسے فرمایا؟

جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ یہ غیبت ہے مگر یہ ان مقامات میں سے ہے جہاں پر غیبت کرنا جائز ہے اور وہ مقام یہ ہے کہ آپ ﷺ نے یہ اس لئے فرمایا تا کہ لوگ حسن ظن میں اس سے دھوکہ نہ کھا جائیں کہ یہ شخص تو آپ ﷺ کے پاس آتا جاتا ہے اس لئے یہ صحیح آدمی ہوگا تو آپ ﷺ نے متنبہ کر دیا تا کہ لوگ اس کے شر اور ضرر سے بچ سکیں۔

❺ غیبت جائز ہونے کے مواقع:۔ ① مظلوم سلطان و حاکم کے سامنے ظالم کے ظلم کو بیان کرے تو یہ غیبت ہے کہ ظالم کی برائیاں اور زیادتیاں بیان ہو رہی ہیں لیکن یہ ظلم سے نجات پانے کیلئے جائز ہے۔ ② نہی منکر اور برائیوں کی اصلاح کے لئے ذکر کرنا اور یہ اس شخص یا ادارے سے کہنا جائز ہے جو قوت اقدام رکھتا ہو۔ ③ استفتاء مسئلہ معلوم کرنے کیلئے کسی کی غلطی بیان کرنا کیونکہ اگر مفتی کے سامنے بات واضح نہ کریگا تو فتویٰ کیسے دیا جائیگا۔ ④ لوگوں کو کسی شریر و فسادی کی شرارتوں کی خبر دینا تا کہ لوگ سنبھل جائیں اور اس کے شر و فساد سے بچ سکیں۔ ⑤ مشورے کے وقت کسی ایک کی رائے میں نقص کے پہلو کو واضح کرنا تا کہ صحیح فیصلہ کی راہ ہموار ہو سکے۔ ⑥ مشتری کو بائع و عبد کا عیب بتانا تا کہ وہ دھوکے سے بچ سکے اور عبد سارق، زانی، شارب خمر کی اطلاع دینا۔ ⑦ ایسے عالم برحق کو کسی مبتدع اور فاسق کی خبر دینا جو اس کے پاس آمد و رفت رکھتا ہو اور استفادہ کرتا ہو تا کہ یہ بھی بدعات و خرافات میں ملوث نہ ہو جائے۔ ⑧ راویوں، گواہوں، مصنفوں کے متعلق جرح کرنا تا کہ غلط فیصلہ اور ان کے تقریری و تحریری شرور سے بچ سکیں۔ ⑨ مجاهر ومعلن (ایسا آدمی جو کھلے عام فسق و فجور کا مرتکب ہو) کا ایسے آدمی سے ذکر کرنا جس کے بس میں اس کی درستگی ہو۔ ⑩ ایسے الفاظ جن میں عیب کا معنی ہو لیکن متعارف ہو گئے ہوں کہ اب عیب کا معنی معروف نہ ہو بلکہ بطور علامت استعمال ہوتے ہوں مثلاً اعمش ازرق اعمی قصیر۔

**الشق الثانی** ......عن عقارِ بنِ المغيرةِ بنِ شعبة عن ابيه قال قال رسول اللّٰهﷺ من اكتوى او استرقى فهو برىءٌ من التوكلِ۔ عن انس بنِ مالك ان رسول اللّٰهﷺ رخّص فى الرُّقيةِ من الحُمَةِ والنملة۔ انّ اسماء بنت عميس قالت يا رسول اللّٰه إنّ ولد جعفر تسرع إليهم العين أفأسترقى لهم؟ فقال نعم فإنه لو كان شيءٌ سابق القدر لسبقته العين. (باب ما جاء فی کراهیة الرقیة و الرخصة فی ذٰلك)

ترجم الاحاديث المباركة. اذكر التطبيق بين الروايات المذكورة فى كراهية الرقية و الرخصة فيها. هل يجوز اخذ الاجرة على الرقية و الطاعات؟ اكتب اقوال الفقهاء فى هذه المسئلة.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① احادیث کا ترجمہ ② رقیہ کے جواز و کراہت کی روایات میں تطبیق ③ رقیہ و طاعات پر اجرت لینے کا حکم۔

**جواب** ...... ❶ احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے داغ دلوایا یا جھاڑ پھونک کی وہ اہل توکل کے زمرے سے نکل گیا۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بچھو کے کاٹے اور پہلو کی پھنسیوں میں جھاڑ پھونک کی اجازت دی ہے۔ اسماء بنت عمیسؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! جعفر کے بیٹوں کو جلدی نظر لگ جاتی ہے کیا میں ان پر دم کردیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت لے سکتی ہے تو وہ نظر بد ہے۔

❷ رقیہ کے جواز و کراہت کی روایات میں تطبیق:۔ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب جن الفاظ و کلمات کے ذریعہ جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے ان کو موثر بالذات سمجھا جاتا تھا، ان سے اجتناب کی خاطر آنحضرت ﷺ نے ابتداء اسلام میں مسلمانوں کو جھاڑ پھونک کرنے سے منع فرمادیا تھا پھر جھاڑ پھونک کی اہمیت اور لوگوں کو اس سے حاصل ہونے والے فائدے کی بناء پر آپ ﷺ نے بعض چیزوں میں منتر پڑھ کر پھونکنے کی اجازت دیدی بشرطیکہ اس منتر میں مشرکانہ الفاظ و کلمات استعمال نہ ہوں اور ان کو موثر بالذات نہ سمجھا جائے۔ بعد میں اس اجازت کو عام کردیا گیا کہ کسی بھی مرض میں منقول دعاؤں اور قرآنی آیات کے ذریعہ جھاڑ پھونک کی جاسکتی ہے۔ (توضیحات)

❸ رقیہ و طاعات پر اجرت لینے کا حکم:۔ کما مرّ فی الشق الاول من السوال الثانی ١٤٣٨ھ۔

## ﴿الورقة الرابعة : صحيح بخاري﴾

### ﴿السوال الاول﴾ ١٤٤١ھ

**الشق الاول** ...... باب ظلم دون ظلم، حدثنا ابوالوليد قال: حدثنا شعبة ح قال: وحدثنى بشر قال: حدثنا محمد عن شعبة عن سليمان عن ابراهيم عن علقمة عن عبدالله قال: لما نزلت "الذين آمنوا ولم يلبسوا ايمانهم بظلم" قال اصحاب رسول الله ﷺ: اينالم يظلم فانزل الله "ان الشرك لظلم عظيم".

اذكر غرض المؤلف بترجمة الباب. ما هى الفائدة بذكر السندين؟ ما هو سبب خوف اصحاب رسول الله ﷺ بنزول هذه الآية. استدلّ المعتزلة بظاهر هذه الآية انّ من ارتكب الكبيرة يخرج عن الايمان و يكون مخلّدًا فى النار فما هى الأجوبة عن استدلالهم؟

**جواب** ...... مکمل جواب کما مرّ فی الشق الاول من السوال الاول ١٤٢٦ھ و ١٤٣٧ھ

**الشق الثانى** ...... بَابُ كِتَابَةِ الْعِلْمِ ...... عَنْ اَبِىْ جُحَيْفَةَ قَالَ قُلْتُ لِعَلِيٍّ هَلْ عِنْدَكُمْ كِتَابٌ؟ قَالَ لَا، اِلَّا كِتَابُ اللّٰهِ اَوْفَهْمٌ اُعْطِيَهٗ رَجُلٌ مُسْلِمٌ اَوْ مَا فِىْ هٰذِهِ الصَّحِيْفَةِ قَالَ قُلْتُ وَمَا فِىْ هٰذِهِ الصَّحِيْفَةِ؟ قَالَ اَلْعَقْلُ وَفِكَاكُ الْاَسِيْرِ وَ لَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ. (كتاب العلم)

شكّل الحديث و ترجمه. اذكر اسم ابى جحيفة و منشأ سوال ابى جحيفة عن عليّ. اذكر غرض البخارى من ترجمة الباب. اكتب مذاهب العلماء فى قتل مسلم بكافر قصاصا فى ضوء الادلّة.

**جواب** ...... ترجمۃ الباب کی غرض:۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ بعض اوقات مختلف فیہ مسائل کے ابواب میں ترجمہ کو علی سبیل الاحتمال ذکر کرتے ہیں کسی ایک جانب کو جزم کے ساتھ ذکر نہیں کرتے یہ ترجمہ بھی اسی طرح ہے کیونکہ

کتابت کے متعلق سلف میں اختلاف رہا ہے۔ بعض حضرات کتابت کے قائل تھے اور بعض نہیں۔ اگرچہ بعد میں کتابت حدیث پر اجماع منعقد ہو چکا ہے بلکہ اس کے استحباب پر اتفاق ہو چکا ہے اس سے بڑھ کر یہ کہ جس کے ذمہ تبلیغ علم لازم و متعین ہو اور اسے نسیان کا خوف ہو تو اس پر کتابت علم وحدیث واجب ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مصنف کی غرض یہ بتانا ہے کہ کتابت حدیث کی اصل حدیث میں موجود ہے۔ اگرچہ عہد نبوی میں اس خدشہ کی بنیاد پر کہ قرآن کریم کے ساتھ خلط نہ ہو جائے یا اس اندیشہ کی وجہ سے کہ لوگ کتاب پر بھروسہ کر کے حفظ حدیث کا اہتمام نہیں کریں گے، کتابت حدیث سے منع کیا گیا تھا لیکن بعد میں کتابت پر اجازت ہو گئی، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے واقعات اس پر شاہد ہیں۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ فرماتے ہیں "حفاظت علم اور بقاء علم اور اشاعت و تبلیغ علم کے لئے کتابت بھی ضروری ہے اور سہل اور انفع ذریعہ ہے، اس لئے باب كتابة العلم منعقد کر کے کتابت علم کا استحسان اور امور علمیہ کا بغرض بقاء و حفاظت آپ کے ارشاد سے لکھا جانا ثابت کر دیا بلکہ اشارۃً علماء کو ترغیب الی الکتابت بھی مفہوم ہوتی ہے"۔ (کشف الباری ج ۳ ص ۲۱۷)

(**نوٹ**: بقیہ مکمل جواب کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثانی ١٤٢٧ھ) وفی الورقة الخامسة ١٤٢٩ھ

## ﴿السوال الثانی﴾ ١٤٤١ھ

**الشق الاول** ......بَابُ شَهَادَةِ الْقَاذِفِ وَالسَّارِقِ وَالزَّانِيْ وَقَوْلِ اللهِ تَعَالٰى (وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا) وَجَلَدَ عُمَرُ اَبَابَكْرَةَ وَشِبْلَ بْنَ مَعْبَدٍ وَنَافِعًا بِقَذْفِ الْمُغِيْرَةِ، ثُمَّ اسْتَتَابَهُمْ وَقَالَ مَنْ تَابَ قَبِلْتُ شَهَادَتَهٗ......

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ لَايَجُوْزُ شَهَادَةُ الْقَاذِفِ وَاِنْ تَابَ ثُمَّ قَالَ: لَايَجُوْزُ نِكَاحٌ بِغَيْرِ شَاهِدَيْنِ فَاِنْ تَزَوَّجَ بِشَهَادَةِ مَحْدُوْدَيْنِ جَازَ وَاِنْ تَزَوَّجَ بِشَهَادَةِ عَبْدَيْنِ لَمْ يَجُزْ وَاَجَازَ شَهَادَةَ الْمَحْدُوْدِ وَالْعَبْدِ وَالْاَمَةِ لِرُؤْيَةِ هِلَالِ رَمَضَانَ.

شكّل العبارة ثم ترجمها۔ اذكر قصة ابى بكرة وغيره بقذف المغيرة بن شعبة ۔ عيّن مصداق "قال بعض الناس" مع بيان غرضه و الجواب عن ايراداته المذكورة في العبارة ۔ (كتاب الشهادات)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت پر اعراب ② عبارت کا ترجمہ ③ مغیرہ بن شعبہؓ پر ابوبکرہ وغیرہ کے قذف کا قصہ ④ قول بعض الناس کا مصداق، امام بخاری کی غرض اور جوابات۔

**جواب** ...... ① عبارت پر اعراب:۔ كما مر في السوال آنفًا

② عبارت کا ترجمہ:۔ یہ باب قاذف، چور اور زانی کی گواہی اور اللہ تعالیٰ کے قول وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا کے بیان میں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکرہ، شبل بن معبد اور نافع کو حضرت مغیرہ کے قذف کی وجہ سے کوڑے لگوائے تھے پھر توبہ کروائی اور ارشاد فرمایا کہ جو شخص بھی توبہ کرے گا میں اس کی توبہ کو قبول کروں گا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ قاذف (تہمت لگانے والے) کی گواہی توبہ کے باوجود بھی قبول نہیں ہے، پھر انہوں نے یہ بھی کہا کہ دو گواہوں کے بغیر نکاح جائز نہیں ہے، پس اگر کسی نے دو محدود (حد جاری کئے گئے) لوگوں کی گواہی کے ساتھ نکاح کر لیا تو یہ جائز ہے اور اگر دو غلاموں کی گواہی سے نکاح کر لیا تو یہ جائز نہیں ہے اور دو رمضان کا چاند دیکھنے کے متعلق محدود، غلام اور لونڈی کی گواہی جائز قرار دیتے ہیں۔

❸ مغیرہ بن شعبہؓ پر ابو بکرہؓ وغیرہ کے قذف کا قصہ:۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ میں انتہائی تحقیق کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ بہت نکاح کرتے تھے اور بہت طلاق دیتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایک خفیہ نکاح کیا ہوا تھا جس کا لوگوں کو علم نہ تھا، یہ واقعہ اسی خفیہ منکوحہ کے ساتھ پیش آیا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ بڑے سیاست دان وذکی آدمی تھے وہ حضرت عمرؓ کی جانب سے پورے عراق کے گورنر تھے اور حضرت ابوبکرہؓ صرف بصرہ کے گورنر تھے، اسلئے ان کو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے طور طریقے اچھے نہیں لگتے تھے ان کے درمیان کچھ اختلاف بھی تھا۔

واقعہ یہ ہوا کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکرہؓ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے شہر گئے ہوئے تھے، صبح کے بالکل ابتدائی وقت کی تاریکی میں ابوبکرہؓ نے دیکھا کہ مغیرہ بن شعبہؓ اپنے گھر سے کہیں جانے کیلئے نکلے، ابوبکرہؓ کو تجسس ہوا اور وہ چپکے سے ان کے پیچھے چل پڑے، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ ایک مکان میں داخل ہوئے اور (خفیہ منکوحہ) کے ساتھ مشغول ہو گئے، ابوبکرہؓ نے جھانکا تو ان سے صبر نہ ہوا، انہوں نے فوراً تین حضرات (شبل بن معبد، نافع بن حارث، ابوبکرہ کے ماں شریک بھائی زیاد) کو اکٹھا کیا اور کہا کہ دیکھو مغیرہ بن شعبہؓ کیا حرکت کر رہے ہیں، انہوں نے جھانک کر دیکھا تو جماع میں مصروف تھے، ابوبکرہؓ نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں شکایت پیش کی کہ آپ کا گورنر زنا میں مبتلا ہے، حضرت عمرؓ نے مغیرہ بن شعبہؓ اور گواہوں کو طلب کیا، باقی سب نے واضح وصریح الفاظ میں زنا کی گواہی دی، مگر زیاد نے واضح زنا کی گواہی نہ دی بلکہ کہا کہ میں نے ان کو ایک چادر میں دیکھا حرکت بھی دیکھی، سانس بھی پھولا ہوا تھا اور جماع کی مانند آواز بھی تھی مگر میں نے واضح جماع نہیں دیکھا۔ اس چوتھی نامکمل گواہی کی وجہ سے حضرت عمرؓ نے ابوبکرہ، شبل بن معبد اور نافع کو مغیرہؓ پر تہمت لگانے کی وجہ سے حد لگائی۔ (تلخیص از انعام الباری ۳۳۲ ج ۷)

❹ قال بعض الناس کا مصداق، امام بخاری کی غرض اور جوابات:۔ کما مر فی الشق الثانی من السوال الثانی ۱۴۲۵ھ

**الشق الثانی** ..... بَابُ مَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ وَقَوْلِهِ تَعَالَى (أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَى عَلَيْهِمْ) عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَمْ يَأْذَنِ اللّٰهُ لِنَبِيٍّ مَا أَذِنَ لِلنَّبِيِّ ﷺ يَتَغَنَّى بِالْقُرْآنِ وَقَالَ صَاحِبٌ لَهُ يُرِيدُ يَجْهَرُ بِهِ.

شکّل الحديث وترجمه ۔ من المراد بصاحب في قوله "صاحب له" والى من يعود ضمير له؟ اذكر جميع اقوال المحدثين في تفسير التغني بالقرآن ببسط و تفصيل ۔

**جواب** ..... مکمل جواب کما مر فی الشق الثانی من السوال الثالث ۱۴۲۵ھ

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۱ھ

**الشق الأول** ..... باب المن شفاء للعين: حدثنا محمد بن المثنى حدثنا محمد بن جعفر قال حدثنا شعبة عن عبد الملك قال سمعت عمرو بن حريث قال سمعت سعيد بن زيد قال سمعت النبي ﷺ يقول الكمأة من المن وماؤها شفاء للعين قال شعبة واخبرني الحكم بن عتيبة عن الحسن العرني عن عمرو بن حريث عن سعيد بن زيد عن النبي ﷺ۔ قال شعبة لما حدثني به الحكم لم انكره من حديث عبد الملك.

حقق كلمة الكمأة ضبطا و هل هو مفرد او جمع؟ اكتب معنى الكمأة و اذكر انواعها المشهورة.

لماذا قال انها من الحق ؟. اشرح قول شعبة "لما حدثني به الحكم لم انكره" بوضوح تام۔

**جواب** ..... شعبہ کے قول کی تشریح:۔ اس حدیث میں شعبہ کے دو شیخ ہیں: عبد الملک اور حکم بن عتیبہ۔ عبد الملک کا بڑھاپے میں ضعف کی وجہ سے حافظہ کافی متاثر و کمزور ہو گیا تھا، شعبہ کو عبد الملک کی روایت کردہ اس حدیث میں توقف تھا تو شعبہ کہتے ہیں کہ جب مجھے یہ حدیث حکم بن عتیبہ نے بیان کی تو اس کے بعد میرا توقف و تردد ختم ہو گیا اور مجھے تسلی ہو گئی، اور اس تائید کے بعد میں عبد الملک کی روایت کا انکار نہ کر سکا۔ (حاشیہ)

(**نوٹ:** بقیہ مکمل جواب کما مرّ فی الشق الاول من السوال الاول ۱۴۳۲ھ) ورقہ ثالثہ

**الشق الثانی** ..... ① عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ قَالَ سَأَلْتُ أَنَسًا أَخَضَبَ النَّبِيُّ ﷺ؟ قَالَ لَمْ يَبْلُغِ الشَّيْبَ إِلَّا قَلِيلًا ② عَنْ ثَابِتٍ قَالَ سُئِلَ أَنَسٌ عَنْ خِضَابِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ إِنَّهُ لَمْ يَبْلُغْ مَا يَخْضِبُ لَوْ شِئْتُ أَنْ أَعُدَّ شَمَطَاتِهِ فِي لِحْيَتِهِ. ③ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَوْهَبٍ قَالَ أَرْسَلَنِي أَهْلِي إِلَى أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ بِقَدَحٍ مِنْ مَاءٍ وَقَبَضَ إِسْرَائِيلُ ثَلَاثَ أَصَابِعَ مِنْ قُصَّةٍ فِيهِ شَعَرٌ مِنْ شَعَرِ النَّبِيِّ ﷺ وَكَانَ إِذَا أَصَابَ الْإِنْسَانَ عَيْنٌ أَوْ شَيْءٌ بَعَثَ إِلَيْهَا مِخْضَبَهُ فَاطَّلَعْتُ فِي الْجُلْجُلِ فَرَأَيْتُ شَعَرَاتٍ حُمْرًا ④ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَوْهَبٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى أُمِّ سَلَمَةَ فَأَخْرَجَتْ إِلَيْنَا شَعَرًا مِنْ شَعَرِ النَّبِيِّ ﷺ مَخْضُوبًا. (باب ما يذكر في الشيب، كتاب اللباس)

شكّل الآثار كلها و ترجمها. اشرح الاثر الثالث عن عثمان بن عبد الله بن موهب قال ارسلني...
ادفع التعارض بين قول انس "إِنَّهُ لَمْ يَبْلُغْ مَا يَخْضِبُ" وبين قول عثمان بن عبد الله "فَأَخْرَجَتْ أُمُّ سَلَمَةَ إِلَيْنَا شَعَرًا مِنْ شَعَرِ النَّبِيِّ ﷺ مَخْضُوبًا".

﴿خلاصۂ سوال﴾ ..... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① آثار پر اعراب ② آثار کا ترجمہ ③ اثر ثالث کی تشریح ④ آثار سے دفع تعارض۔

**جواب** ..... ❶ آثار پر اعراب:۔ کما مر فی السوال آنفا۔

❷ آثار کا ترجمہ:۔ ① محمد بن سیرینؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا نبی کریم ﷺ نے خضاب لگایا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ کے بال بہت کم سفید ہوئے۔ ② ثابتؒ کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ سے نبی ﷺ کے خضاب کے متعلق پوچھا گیا تو جواب دیا کہ آپ کے بال اتنے سفید نہیں ہوئے تھے کہ خضاب لگاتے، اگر آپ ﷺ کی داڑھی کے سفید بالوں کو میں گننا چاہتا تو گن لیتا۔ ③ اسرائیلؒ نقل کرتے ہیں کہ عثمان بن عبد اللہ بن موہبؒ کہتے ہیں کہ مجھے میرے گھر والوں نے ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک پیالہ دے کر بھیجا (اسرائیل محدث سمجھانے کیلئے تین انگلی سے اشارہ کیا) جس میں نبی ﷺ کے موئے مبارک تھے، جب کسی کو نظر لگ جاتی یا کوئی تکلیف ہوتی تو وہ ام سلمہؓ کے پاس برتن بھیج دیتا، عثمان کہتے ہیں کہ میں نے اس میں جھانک کر دیکھا تو مجھے چند سرخ بال نظر آئے۔ ④ عثمان بن عبد اللہ بن موہبؒ نے بیان کیا کہ میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا تو وہ میرے پاس رسول اللہ ﷺ کے موئے مبارک نکال کر لائیں جو خضاب کیے ہوئے تھے۔

❸ اثر ثالث کی تشریح:۔ حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ اس اثر کی اصل عبارت "أَرْسَلَنِي أَهْلِي إِلَى أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ

بِقَدَحٍ مِنْ مَاءٍ مِنْ فِضَّةٍ فِيهِ شَعَرٌ مِنْ شَعَرِ النَّبِيِّ ﷺ درمیان میں وَقَبَضَ إِسْرَائِيلُ ثَلَاثَ أَصَابِعَ جملہ معترضہ ہے۔
مفہوم حدیث یہ ہے: عثمان بن عبد اللہ بن موہب کہتے ہیں کہ ام المؤمنین ام سلمہ ؓ کے پاس نبی ﷺ کے موئے مبارک تھے،
جب کسی کو نظر بد لگ جاتی یا کوئی تکلیف ہوتی تو وہ ام سلمہؓ کے پاس کسی برتن میں پانی بھیج دیتا، ام المؤمنین اس میں وہ بال مبارک
ڈال کر نکال لیتی، اس پانی کے استعمال سے مریض کو شفا مل جاتی۔ چنانچہ مجھے میرے گھر والوں نے ام المؤمنین ام سلمہ ؓ کے
پاس ایک پیالہ دے کر بھیجا کہ ام المؤمنین سے اس پانی میں نبی ﷺ کے موئے مبارک ڈلوا کر لاؤ۔

حدیث کی مزید تشریح کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثالث ١٤٣٤ھ

❷ آثار سے رفع تعارض:۔ آپ ﷺ کے بال مبارک سفیدی کی اس انتہا کو نہ پہنچے تھے کہ ان کو خضاب لگایا جائے۔ اس کی مزید وضاحت کما مرّ فی الشق الاول من السوال الثالث ١٤٣٤ھ (ورقۃ اولیٰ)۔

ام المؤمنین ام سلمہ ؓ اپنے پاس موجود بالوں کو اعزاز و اکرام کے ساتھ خوشبو لگا کر سنبھال کر رکھتی تھیں، تو ممکن ہے کہ خوشبو کی کثرت کی وجہ سے وہ بال اس قدر متغیر ہو گئے ہوں، کیونکہ خوشبو کی کثرت بالوں کو سفید کر دیتی ہے۔ (حاشیہ)

## ﴿الورقة الخامسة : ابو داؤد﴾

## ﴿السوال الاوّل﴾ ١٤٤١ھ

**الشق الاوّل**......بَابٌ فِي الْجُنُبِ يُصَافِحُ: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ مِسْعَرٍ عَنْ وَاصِلٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَقِيَهُ فَأَهْوَى إِلَيْهِ فَقَالَ إِنِّي جُنُبٌ فَقَالَ إِنَّ الْمُسْلِمَ لَا يَنْجُسُ.

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ لَقِيَنِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي طَرِيقٍ مِنْ طُرُقِ الْمَدِينَةِ وَأَنَا جُنُبٌ فَاخْتَنَسْتُ فَذَهَبْتُ فَاغْتَسَلْتُ ثُمَّ جِئْتُ فَقَالَ أَيْنَ كُنْتَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ؟ قَالَ قُلْتُ إِنِّي كُنْتُ جُنُبًا فَكَرِهْتُ أَنْ أُجَالِسَكَ عَلٰى غَيْرِ طَهَارَةٍ فَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ إِنَّ الْمُسْلِمَ لَا يَنْجُسُ. (كتاب الطهارت)

شكّل الحديثين و ترجمهما. عيّن الكلمة المناسبة بالترجمة من الحديث. كيف قال "انّ المسلم لا ينجس" مع انه يتنجّس بالنجاسة؟. اذكر معنى قوله تعالىٰ: (انّما المشركون نجس)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل چار امور ہیں: ① احادیث پر اعراب ② احادیث کا ترجمہ ③ حدیث و ترجمۃ الباب میں مناسبت ④ انّ المسلم لا ینجس، انّما المشرکون نجس کا مفہوم۔

**جواب**...... ❶ احادیث پر اعراب:۔ کما مر فی السوال آنفا۔

❷ احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان سے ملے تو (مصافحہ کرنے کی غرض سے) ان کی طرف متوجہ ہوئے انہوں نے (معذرت کرتے ہوئے) کہا کہ میں جنبی ہوں آپ ﷺ نے فرمایا مسلمان نجس نہیں ہوتا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مدینہ کی ایک گذرگاہ میں میری ملاقات ہوئی، میں جنابت کی حالت میں تھا پس میں پیچھے ہٹ گیا اور (گھر) چلا گیا اور غسل کر کے لوٹا، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا اے ابو ہریرہ! کہاں چلے گئے تھے؟

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں جنبی تھا، پس مجھے ناپاکی کی حالت میں آپ کے پاس بیٹھنا ناپسند لگا، آپ ﷺ نے فرمایا سبحان اللہ مسلمان نجس نہیں ہوتا۔

❸ حدیث وترجمۃ الباب میں مناسبت:۔ حدیث کے جملہ ان المسلم لا ینجس کی مناسبت ترجمۃ الباب کے ساتھ واضح ہے کہ جب جنبی کا ظاہری جسم پاک ہے تو اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور مصافحہ کرنا سب جائز ہے۔

❹ ان المسلم لا ینجس، انما المشرکون نجس کا مفہوم:۔ حدیث کے جملہ (مسلمان ناپاک نہیں ہوتا) کا مطلب یہ ہے کہ جنابت کا تعلق باطن سے ہے، ظاہر سے نہیں ہے، اس کی وجہ سے مسلمان کا ظاہری جسم ناپاک نہیں ہوتا۔ نیز لیس ینجس کا مطلب یہ ہے کہ مؤمن کی شان وشعار یہ ہے کہ وہ نجاست سے بچتا ہے اور کافر کا یہ شعار نہیں ہے۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ مشرکین مجسمہ نجاست ہیں، عام طور پر مشرکین میں تینوں قسم کی نجاستیں ہوتی ہیں کہ بہت سی ظاہری ناپاک چیزوں کو وہ ناپاک نہیں سمجھتے اس لئے ان ظاہری نجاستوں سے بھی نہیں بچتے جیسے شراب اور اس سے بنی ہوئی چیزیں۔ اور معنوی نجاست سے غسل جنابت وغیرہ کے تو وہ معتقد ہی نہیں۔ اسی طرح عقائد فاسدہ اور اخلاق رذیلہ کو بھی وہ کچھ نہیں سمجھتے۔ (معارف القرآن)

**الشق الثانی** ...... "حدثنا عبدالله بن مسلمة عن مالك عن عمه ابي سهيل بن مالك عن ابيه قال: انه سمع طَلْحَةَ بْنَ عُبَيْدِاللّٰهِ يَقُوْلُ: جَاءَ رَجُلٌ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنْ أَهْلِ نَجْدٍ ثَائِرَ الرَّأْسِ يُسْمَعُ دَوِيُّ صَوْتِهِ وَلَا يُفْقَهُ مَا يَقُوْلُ حَتّٰى إِذَا دَنَا فَإِذَا هُوَ يَسْأَلُ عَنِ الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ، فَقَالَ: هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُنَّ؟ قَالَ: لَا، إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ".

شكّل الحديث وترجمه. ما هي الصلاة لغة و شرعا و متٰى فرضت هي؟. وضّح قوله: "لا، الا ان تطوع" بحيث يتّضح حكم وجوب النفل بالشروع و الاختلاف فيه بالدلائل.

**جواب** ...... صلاۃ کا لغوی وشرعی معنی اور فرضیت:۔ صلوٰۃ کا لفظ صلی بمعنی دعا سے ماخوذ ہے پس اس کا اصلی اور لغوی معنی دعاء ہے اور اس سے نقل ہو کر خاص قسم کے افعال کو صلوٰۃ کہتے ہیں کیونکہ یہ افعال بھی دعا پر مشتمل ہوتے ہیں اور علامہ زمخشری رحمہ اللہ کے نزدیک لفظ صلوٰۃ تصلیہ سے ماخوذ ہے اور تصلیہ کا معنی تحریک صلوین (سرینوں کو حرکت دینا) ہے پھر اس کا اطلاق ارکان مخصوصہ رکوع سجدہ وغیرہ پر ہونے لگا اس لئے کہ ان ارکان میں بھی آدمی اپنی سرینوں کو حرکت دیتا ہے۔

نماز کی فرضیت کے متعلق تمام اہل سیر واہل حدیث متفق ہیں کہ یہ شب معراج میں فرض ہوئی مگر شب معراج کے وقوع میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک ۵ھ میں معراج کا واقعہ پیش آیا۔ (المسائل والدلائل)

(**نوٹ**: بقیہ مکمل جواب کیلئے فی الشق الثانی من السوال الاول ۱۴۳۹ھ و فی الشق الاول من السوال الثانی ۱۴۲۷ھ ملاحظہ فرمائیں)

## ﴿السوال الثانی﴾ ١٤٤١ھ

**الشق الاول** ...... عن ابي سعيد الخدري قال كُنَّا نُخْرِجُ إِذْ كَانَ فِينَا رسول اللّٰه ﷺ زكاة الفِطرِ عن كلِّ صغير وكبير حرّ او مملوك صاعا من طعام او صاعا من اقط او صاعا من شعير او صاعا من تمر او

صاعا من زبیب فلم نزل نخرجه حتی قدم معاویة حاجًا او معتمرا فکلّم الناس علی المنبرِ فکان فیما کلّم بهِ الناسَ ان قال اِنّی اری انّ مُدَّینِ من سمراءِ الشام تعدِل صاعا من تمر فاخذ الناسُ بذٰلِك فقال ابو سعید فاما انا فلا ازال اخرِجه ابدا ما عِشتُ . قال ابو داؤد رواه ابن علیّة وعبدة وغیرهما عن ابنِ اِسحٰق عن عبدِ اللّٰهِ..... عن ابی سعید بمعناه وذکر رجل واحِد فیهِ عن ابنِ علیّة "او صاعا من حِنطة" ولیس بمحفوظ ۔ (باب کم یؤدّی فی صدقة الفطر)

ترجم الحدیث ۔ بیّن مقدار صدقة الفطر فی ضوء اقوال الائمة مع توضیح حدیث معاویة و قول ابی سعید ۔ انکر غرض ابی داؤد من قوله: قال ابو داؤد رواه ابن علیّة و عبدة وغیرهما عن ابن اسحاق عن عبد الله.... عن ابی سعید بمعناه و ذکر رجل واحد فیه عن ابن علیّة "اوصاع حنطة" ولیس بمحفوظ ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② صدقۂ فطر کی مقدار میں ائمہ کے اقوال ③ حدیثِ معاویہؓ وقول ابوسعید کی وضاحت ④ قال ابوداؤد کی غرض ۔

**جواب**...... ① **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ عہد رسالت میں ہم لوگ صدقۂ فطر ہر چھوٹے بڑے آزاد اور غلام کی طرف سے اناج یا پنیر یا جو یا کھجور یا کشمش کا ایک صاع دیتے تھے اور بعد میں بھی ہم اسی طرح دیتے رہے جب حضرت معاویہؓ حج یا عمرہ کے لئے تشریف لائے تو انہوں نے منبر پر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ میری رائے میں دو مد (نصف صاع) گیہوں جو شام سے آتے ہیں ایک صاع کھجور کے برابر ہیں پس لوگوں نے اسی کو اختیار کر لیا لیکن میں تو زندگی بھر ایک صاع ہی دیتا رہوں گا۔ ابوداؤدؒ کہتے ہیں کہ اس کو ابن علیہ اور عبدہ وغیرہ نے بطریق ابن اسحاق بروایت عبداللہ..... حضرت ابوسعیدؓ سے اسی طرح روایت کیا ہے اس میں صرف ایک شخص نے اوصاعا من حنطة ذکر کیا ہے جو غیر محفوظ ہے۔

② **صدقۂ فطر کی مقدار میں ائمہ کے اقوال:۔** صدقۂ فطر کی مقدار حدیث میں مذکور تمام اشیاء میں جمہور وائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک ایک صاع ہے، صرف حنطہ میں حنفیہ کا جمہور سے اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک حنطہ کی مقدار نصف صاع ہے۔ ابن المنذر شافعی، سفیان ثوری، ابن المبارک کا مذہب اور حافظ ابن قیم وابن تیمیہؒ کا میلان بھی اسی طرف ہے۔ (الدر المنضود)

(**نوٹ:** طرفینؒ وائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک صاع کی مقدار آٹھ عراقی رطل ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پانچ رطل مکمل اور چھٹے رطل کی ایک تہائی ہے۔ ایک رطل کی مقدار ۳۹۸ گرام اور ۳۲ ملی گرام ہے۔ ایک مد کی مقدار دو رطل ہے۔ (التسهيل الضروری)

③ **حدیثِ معاویہؓ وقول ابوسعید کی وضاحت:۔** عرب میں گندم بہت کم یا نا پید تھی، گندم عموماً باہر سے آتی تھی، اسلئے مہنگی و گراں تھی، تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ میری رائے میں دو مد (نصف صاع) گیہوں جو شام سے آتے ہیں ایک صاع کھجور کے برابر ہیں یعنی نصف صاع گندم سے صدقۂ فطر ادا ہو جائے گا۔

حضرت ابوسعید خدریؓ نے فرمایا کہ میں پہلے آج سے قبل ایک صاع دیتا رہا ہوں میں زندگی بھر ایک صاع ہی دیتا رہوں گا۔ انہوں نے یہ اسلئے فرمایا کہ انہوں نے یہ گندم کی مقدار کو حضرت معاویہؓ کی رائے سمجھا، حالانکہ روایات کے مطابق گندم میں نصف صاع کی مقدار آنحضرت ﷺ کی طرف سے ہی مقرر کردہ ہے، مگر ان کو شاید اس کا علم نہ تھا۔ (تحفۃ الالمعی، درس ترمذی، الدر المنضود)

اس کی نماز جنازہ میں بھی اختلاف ہے، کہ آیا غسل کے بعد نماز لازم ہے اور یہی نماز ہوتی ہے مگر اس سے پہلے غسل نہیں ہوتا، پس جب بالاتفاق فوت ہونے والے نابالغ بچے کو غسل دیا جاتا ہے تو بالغین کی طرح اس پر نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی، یہی جمہور کا مسلک ہے۔

## ﴿السوال الثانی﴾ (موطا امام مالکؒ) ١٤٤١ھ

**الشق الاول** ...... عن هشام بن عروة عن ابيه ان المسور بن مخرمة اخبره انه دخل رجل على عمر بن الخطاب من الليلة التي طعن فيها فايقظ عمر لصلاة الصبح فقال عمر نعم ولا حظ في الاسلام لمن ترك الصلاة فصلى عمر وجرحه يثعب دما ۔ عن يحيى بن سعيد ان سعيد بن المسيب قال ما ترون فيمن غلبه الدم من رعاف فلم ينقطع عنه قال مالك قال يحيى بن سعيد ثم قال سعيد بن المسيب ارى ان يومى برأسه ايماء ۔ قال مالك وذلك احب ما سمعت الي في ذلك ۔ (كتاب الطهارة، العمل في الرعاف)

ترجم العبارة ۔ اذكر اختلاف الائمة في نقض الوضوء من خروج الدم مع الادلة واشرح عبارتين المعلمتين.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت کا ترجمہ ② خروج دم کے ناقض وضو ہونے میں اختلاف ③ عبارت مخطوطہ کی تشریح۔

**جواب** ...... ① عبارت کا ترجمہ:۔ ہشام بن عروہؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ مسور بن مخرمہؓ نے ان کو خبر دی کہ ایک آدمی حضرت عمرؓ کے پاس اس رات کو آیا جس میں وہ زخمی ہوئے تھے تو حضرت عمرؓ کو نماز صبح کے واسطے جگایا تو فرمایا کہ ہاں اور فرمایا کہ اس شخص کا اسلام میں کامل حصہ نہیں جو نماز کو ترک کرے تو حضرت عمرؓ نے نماز پڑھی اور ان کے زخم سے خون بہہ رہا تھا۔

یحییٰ بن سعیدؒ سے روایت ہے کہ سعید بن مسیبؒ نے کہا کہ جس شخص کا خون نکسیر پھوٹنے سے جاری رہے اور خون بند نہ ہو تو اس کے حق میں تم کیا کہتے ہو؟ یحییٰ بن سعیدؒ نے کہا، پھر سعید بن مسیبؒ نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ نماز اشارہ سے پڑھ لے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس مسئلے کے متعلق جو کچھ سنا ہے یہ جواب مجھے سب سے پسندیدہ ہے۔

② خروج دم کے ناقض وضو ہونے میں اختلاف:۔ كما مرّ في الشق الاول من السوال الثاني ١٤٣٠ھ

③ عبارت مخطوطہ کی تشریح:۔ پہلی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ حضرت عمرؓ کے زخم سے خون بہہ رہا تھا اسلئے آپ معذور کے حکم میں تھے اور خون نکلنے کی وجہ سے معذور کی نماز فاسد نہیں ہوتی۔ دوسری عبارت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت سعید بن مسیبؒ نے فرمایا کہ میری رائے میں مذکورہ شخص جس کی نکسیر (خون) بند نہیں ہو رہا ایسا شخص اشارہ سے نماز پڑھ لے۔ کیوں کہ رکوع سجدہ کی حرکت کی وجہ سے خون بند نہ ہو اور کپڑے آلودہ ہونے کا اندیشہ خطرہ ہو تو یہ معذور ہے اور معذور آدمی سر کے اشارہ سے نماز پڑھ سکتا ہے۔

**الشق الثانی** ...... مالك انه بلغه ان عمر بن الخطاب قال اتجروا في اموال اليتامى لا تأكلها الزكاة ۔ مالك عن عبد الرحمن بن القاسم عن ابيه انه قال كانت عائشة تليني انا واخا لي يتيمين في حجرها فكانت تخرج من اموالنا الزكاة ۔ عن مالك انه بلغه ان عائشة زوج النبي ﷺ كانت تعطي اموال اليتامى من يتجر لهم فيها ۔ (زكاة اموال اليتامى و التجارة لهم فيها)

١٤٤١ھ

ترجم العبارة. هل تجب الزكاة في مال الصبي؟ بيّن اقوال الائمة مع الدلائل. اشرح العبارة المعلمة.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت کا ترجمہ ② بچے کے مال میں زکوۃ کا حکم ③ عبارت مخطوطہ کی تشریح۔

**جواب** — ① عبارت کا ترجمہ:۔ امام مالکؒ سے مروی ہے ان کو یہ حدیث پہنچی کہ عمر بن الخطابؓ نے فرمایا یتیموں کے مال میں تجارت کرو تا کہ زکوۃ ان کو ختم نہ کر دے۔ قاسم بن محمد سے روایت ہے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ میری اور میرے بھائی کی پرورش کرتی تھیں کہ ان کی گود میں ہم دونوں یتیم تھے تو وہ ہمارے مالوں میں سے زکوۃ نکالتی تھیں۔

امام مالک کو حدیث پہنچی کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ یتیموں کا مال ان لوگوں کو دیتی تھیں جو اس میں تجارت کریں۔

② بچے کے مال میں زکوۃ کا حکم: كما مرّ في الشق الثاني من السوال الثاني ١٤٢٦ھ (ورقہ ثالثہ)

③ عبارت مخطوطہ کی تشریح:۔ پہلے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ یتیم کے مال میں تجارت کرو تا کہ وہ زکوۃ کی ادائیگی کی وجہ سے دھیرے دھیرے ختم نہ ہو جائے۔ اس مفہوم کے اعتبار سے یہ ائمہ ثلاثہ کی دلیل ہے جو بچے کے مال میں وجوب زکوۃ کے قائل ہیں۔ حنفیہ بچے کے مال میں وجوب زکوۃ کے قائل نہیں ہیں وہ اس حدیث میں زکوۃ کو نفقہ پر محمول کرتے ہیں۔ اولاً اسلئے کہ زکوۃ سارے مال کو ختم نہیں کر سکتی بلکہ سارے مال کو نفقہ ختم کر سکتا ہے۔ ثانیاً اسلئے کہ اصل حدیث میں صدقہ کا لفظ ہے ارشاد ہے: ان النبي ﷺ خطب الناس فقال الا من ولي يتيما له مال فليتجر فيه ولا يتركه حتى تاكله الصدقة، تو راوی نے روایت بالمعنی کرتے ہوئے زکوۃ کا لفظ استعمال کر دیا۔ دوسرے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ یتیم کا مال کسی تاجر وغیرہ کے سپرد کرتی تھیں تا کہ تجارت کے ذریعہ اس میں اضافہ ہو جو ضرورت ہوتی رہے ورنہ نفقہ میں استعمال کی وجہ سے وہ مال ختم نہ ہو جائے۔

## ﴿السوال الثالث﴾ (مؤطا امام محمدؒ) ١٤٤١ھ

**الشق الاول** — اخبرنا مالك اخبرنا زيد بن اسلم قال اذا نام احدكم و هو مضطجع فليتوضأ. اخبرنا مالك اخبرني نافع عن ابن عمر انه كان ينام و هو قاعد فلا يتوضأ. قال محمد وبقول ابن عمر في الوجهين جميعا نأخذ و هو قول ابي حنيفة". (باب الرجل ينام هل ينقض ذلك وضوءه)

ترجم العبارة. هل النوم ينقض الوضوء؟ بيّن اقوال العلماء بالدلائل. من هو زيد بن اسلم؟ اذكر نبذة من احواله.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ..... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت کا ترجمہ ② نوم کے ناقض وضو ہونے میں اختلاف ③ زید بن اسلم کا تعارف۔

**جواب** — ① عبارت کا ترجمہ:۔ ہمیں امام مالکؒ نے خبر دی، وہ کہتے ہیں ہمیں زید بن اسلم نے خبر دی، فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی پہلو کے بل لیٹ کر سو جائے تو وہ وضو کرے۔ ہمیں امام مالکؒ نے خبر دی، وہ کہتے ہیں ہمیں نافع نے ابن عمرؓ کے متعلق خبر دی کہ وہ بیٹھے بیٹھے سو جاتے اور وضو نہ کرتے تھے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں ہم ابن عمرؓ کے قول پر عمل کرتے ہیں اور یہی امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔

② نوم کے ناقض وضو ہونے میں اختلاف: كما مرّ في الشق الثاني من السوال الاول ١٤٢١ھ (ورقہ اولیٰ)

③ زید بن اسلم کا تعارف:۔ نام: زید بن اسلم، کنیت ابو عبد اللہ یا ابو اسامہ، نسبت العدوی المدنی ہے۔ ثقہ عالم تھے، امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے غلام تھے قرآن وحدیث اور فقہ کے بلند پایہ عالم تھے، مسجد نبوی میں درس حدیث دیا کرتے تھے. تیسرے درجے کے رواۃ میں سے ہیں، ۱۳۶ھ میں انتقال ہوا۔ (تقریب التہذیب ج ۱/ ۳۲۲)

**الشق الثانی** ---- اخبرنا مالك عن ابن شهاب قال صدقة الزيتون العشر وقال محمد و بهذا نأخذ اذا خرج منه خمسة اوسق فصاعدا و لا يلتفت فی هذا الی الزيت انما ينظر فی هذا الی الزيتون . واما فی قول ابی حنيفة" ففی قليله و كثيره . (باب الصدقة الزيتون)

ترجم العبارة. اذكر اختلاف الائمة فی اشتراط النصاب لوجوب العشر مع بيان الادلة . اشرح العبارة المعلمة . من هو ابن شهاب ؟ اذكر نبذة من احواله.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ..... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت کا ترجمہ ② وجوب عشر کیلئے نصاب کی شرط میں اختلاف ③ عبارت مخطوطہ کی وضاحت ④ ابن شہاب کا تعارف۔

**جواب** ..... ① عبارت کا ترجمہ:۔ ہمیں امام مالکؒ نے ابن شہابؒ سے خبر دی، انہوں نے فرمایا کہ زیتون کا صدقہ عشر ہے امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہم اسی پر عمل کرتے ہیں جب کہ اس کی پیداوار پانچ وسق یا اس سے زائد ہو اور اس میں زیتون کے تیل کی بجائے زیتون کے پھل کی طرف التفات کیا جائے گا اور امام ابو حنیفہ" کے قول کے مطابق اس کے قلیل وکثیر میں عشر لازم ہے۔

② وجوب عشر کیلئے نصاب کی شرط میں اختلاف:۔ كما مر فی الشق الثانی من السوال الاول ١٤٣١ھ (ورقہ ثالثہ)

③ عبارت مخطوطہ کی وضاحت:۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ زیتون میں عشر کے لزوم کیلئے اس کے پھل کا اندازہ لگایا جائے گا کہ وہ پانچ وسق یا اس سے زائد ہو اور اس میں زیتون کے تیل کا حساب نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر ہو۔

④ ابن شہاب کا تعارف:۔ كما مر فی الشق الاول من السوال الاول ١٤٣٤ھ (ورقہ اولیٰ)

[illegible]